

تبیان القرآن

دار غلام رسول حیدری
فیض العارفین و العارفات

فرید کمال
۱۳۸۱ھ

علماء اہلسنت کی کتب Pdf فائل میں حاصل
کرنے کے لئے

”فقہ حنفی PDF BOOK“

چینل کو جوائن کریں

<http://T.me/FiqahHanfiBooks>

عقائد پر مشتمل پوسٹ حاصل کرنے کے لئے

تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن کریں

<https://t.me/tehqiqat>

علماء اہلسنت کی نایاب کتب گوگل سے اس لنک

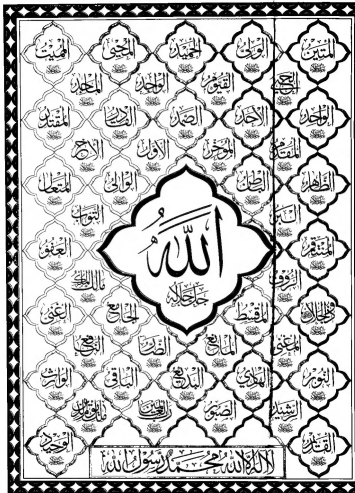
سے فری ڈاؤن لوڈ کریں

[https://archive.org/details/](https://archive.org/details/@zohaibhasanattari)

[@zohaibhasanattari](https://archive.org/details/@zohaibhasanattari)

طالب دعا۔ محمد عرفان عطاری

زohaib حسن عطاری



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ترجمہ علامہ ابراہیم علیہ السلام
میں سے لے کر کتاب کو تکمیل تک پہنچانے تک
میں سے لے کر کتاب کو تکمیل تک پہنچانے تک

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

فرید کتب خانہ

۳۸ اردو بازار لاہور



وَقَدْ كُنَّا أَنبَاءً إِلَىٰ آلِ الْكُفَّاءِ لِيُتَبَيَّنَ لِيَ الْغَافِلِينَ
 اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْأَلُكَ بِرِسَالَتِكَ كَمَا نَزَلَ لِكُلِّ جُمْهُورٍ رَّجُوْا وَارْتَوَوْا بِكَ

تَبْيَانُ الْقُرْآنِ

جلد ہشتم
 النور تا القصص

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث والعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

ناشرین

فریدیکے طال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

marfat.com

Marfat.com

Copyright ©

All Rights reserved

This book is registered under the copyright act. Reproduction of any part, line, paragraph or material from it is a crime under the above act.

جملہ حقوق محفوظ ہیں

یہ کتاب کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہے، جس کا کوئی جملہ، حصہ، لائن یا کسی قسم کے مواد کی نقل یا کاپی کرنا قانونی طور پر جرم ہے۔



صحیح : مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی، فاضل علوم شرقیہ

مطبع : روہی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور

الطبع الاول : ذوالحجہ 1425ھ / جنوری 2004ء

الطبع الثانی : ذوالحجہ 1426ھ / جنوری 2005ء

Farid Book Stall®

Phone No: 092-42-7312173-7123435

Fax No. 092-42-7224899

Email: info@faridbookstall.com

Visit us at: www.faridbookstall.com

فرید کتب خانہ
لاہور، اردو بازار لاہور

فون نمبر : 092-42-7312173-7123435

فکس نمبر : 092-42-7224899

ای میل : info@faridbookstall.com

ویب سائٹ : www.faridbookstall.com

marfat.com

Marfat.com

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	صفحہ	صفحہ	عنوان	صفحہ
۵۸	کوڑے مارنے کے مسائل اور فقہی احکام	۱۸	۲۹	سورۃ النور	
۵۹	زانی کو کوڑے مارنے کے بعد شہر بدر کرنے میں فدائے فقہاء	۱۹	۳۱	۱ سورۃ کا نام اور وجہ تسمیہ	
۶۰	زانی اور زانیہ کو شہر بدر کرنے میں فقہاء احناف کا موقف اور دلائل	۲۰	۳۲	۲ سورۃ الطہور کی فضیلت میں احادیث اور آثار	
۶۱	ائمہ احناف کے دلائل کے جراحات اور فقہاء احناف کے دلائل	۲۱	۳۳	۳ سورۃ النور اور سورۃ التوبہ کی باہمی مناسبت	
۶۲	غیر شادی شدہ زانی کو صرف کوڑے مارنے کے ثبوت میں احادیث	۲۲	۳۴	۴ سورۃ النور کا زمانہ نزول	
۶۳	رجم کی حقیقت	۲۳	۳۵	۵ الطہور کے مسائل اور مقاصد	
۶۴	قرآن مجید سے رجم کا ثبوت	۲۴	۳۶	۶ سورۃ التوبہ وغیرہ میں والزللہ فیہا اہت بہت (۱-۱۰)	
۶۵	رجم کی منسوخ احکامات آیت	۲۵	۳۷	۷ عمومی اشکال کا جواب انزال پر اعتراض کا جواب اور سورۃ اور فرض کا معنی	
۶۶	آیت رجم کی بحث	۲۶	۳۸	۸ زنا کا لغوی معنی	
۶۷	رجم کی احادیث متواترہ	۲۷	۳۹	۹ فقہاء احناف کے نزدیک زنا کی تعریف	
۶۸	زانیہ کے لئے صرف زانی سے نکاح کی اجازت کی احادیث	۲۸	۴۰	۱۰ فقہاء احناف کے نزدیک زنا کی تعریف	
۶۹	زانیہ سے مومن کے نکاح کی ممانعت کی وجوہات زانیہ سے مومن کے نکاح کی ممانعت کا منسوخ	۲۹	۴۱	۱۱ فقہاء مالکیہ کے نزدیک زنا کی تعریف	
۷۰	زنا	۳۰	۴۲	۱۲ فقہاء حنفیہ کے نزدیک زنا کی تعریف	
۷۱	زنا	۳۱	۴۳	۱۳ حد زنا کی شرائط	
۷۲	زنا	۳۲	۴۴	۱۴ احصان کی حقیقت	
۷۳	زنا	۳۳	۴۵	۱۵ زنا کی ممانعت اور دنیا اور آخرت میں اس کی سزا کے متعلق قرآن مجید کی آیات	
۷۴	زنا	۳۴	۴۶	۱۶ زنا کی ممانعت حد مت اور دنیا اور آخرت میں اس کی سزا کے متعلق احادیث اور آثار	
۷۵	زنا	۳۵	۴۷	۱۷ زنا کی حد میں عورت کے ذکر کو مقدم کرنے کی وجوہ	
۷۶	زنا	۳۶	۴۸		
۷۷	زنا	۳۷	۴۹		
۷۸	زنا	۳۸	۵۰		
۷۹	زنا	۳۹	۵۱		
۸۰	زنا	۴۰	۵۲		
۸۱	زنا	۴۱	۵۳		
۸۲	زنا	۴۲	۵۴		
۸۳	زنا	۴۳	۵۵		

نمبر شمار	صفحہ	نمبر شمار	صفحہ
۳۳	۷۹	۵۶	۷۹
۳۵	۷۹	۵۷	۷۹
۳۶	۷۹	۵۸	۷۹
۳۷	۷۹	۵۹	۷۹
۳۸	۷۹	۶۰	۷۹
۳۹	۷۹	۶۱	۷۹
۴۰	۷۹	۶۲	۷۹
۴۱	۷۹	۶۳	۷۹
۴۲	۷۹	۶۴	۷۹
۴۳	۷۹	۶۵	۷۹
۴۴	۷۹	۶۶	۷۹
۴۵	۷۹	۶۷	۷۹
۴۶	۷۹	۶۸	۷۹
۴۷	۷۹	۶۹	۷۹
۴۸	۷۹	۷۰	۷۹
۴۹	۷۹	۷۱	۷۹
۵۰	۷۹	۷۲	۷۹
۵۱	۷۹	۷۳	۷۹
۵۲	۷۹	۷۴	۷۹
۵۳	۷۹	۷۵	۷۹
۵۴	۷۹	۷۶	۷۹
۵۵	۷۹	۷۷	۷۹

صفحہ	صفحہ	موضوع	صفحہ
۷۸	۱۳۳	تاریخ کے شرعی حکم میں خلاصہ فقہاء	۹۹
۷۹	۱۳۶	محض غمزدہ و دوامی پاکیزگی پر قرار دے	۱۵۱
۸۰	۱۳۶	قلاصوں اور پانچوں کے بعض احکام	۱۰۰
۸۱	۱۳۸	اللہ نور السموات والأرض (۳۵-۴۰)	۵۲
۸۲	۱۴۰	نور کا لونی اور اصطلاحی معنی	۱۵۳
۸۳	۱۴۰	اللہ پر نور کے اطلاق کی وجوہات	۱۰۲
۸۴	۱۴۱	احادیث میں اللہ پر نور کا اطلاق	۱۵۴
۸۵	۱۴۱	مشکل الفاظ کے معانی	۱۰۳
۸۶	۱۴۲	آپ پر قرآن نہ بھی نازل ہوتا تب بھی آپ کی	۱۵۶
۸۷	۱۴۳	نہایت عالم میں آشکارا ہو جاتی	۱۰۴
۸۸	۱۴۳	مساجد کی تعمیر مساجد میں ذکر اور تسبیح اور مساجد	۱۵۹
۸۹	۱۴۳	کے آداب کے متعلق احادیث	۱۶۰
۹۰	۱۴۵	ان لوگوں کا مصداق اور اگر جن کو تجارت اور خرید و	۱۶۱
۹۱	۱۴۵	فروخت اللہ کے ذکر اور نماز سے غافل نہیں کرتی	۱۰۸
۹۲	۱۴۶	قیامت کے دن دلوں اور آنکھوں کے الٹ پلٹ	۱۶۲
۹۳	۱۴۷	جانے کا معنی	۱۰۹
۹۴	۱۴۷	عبادت میں غفلت نہ کرنے والوں کا اجر	۱۶۳
۹۵	۱۴۷	سراب اور باغیچہ کا معنی اور شان نزول	۱۰۹
۹۶	۱۴۷	کفار کے اعمال مراب کی طرح دھوکا ہیں یا مستدر	۱۶۳
۹۷	۱۴۷	کی تار کی طرح بے نقب ہیں	۱۶۳
۹۸	۱۴۸	الم قرآن اللہ یسبح له من فی السموات	۱۶۵
۹۹	۱۴۸	والأرض والطیر صفت (۵۰-۵۱)	۱۶۶
۱۰۰	۱۵۰	”کیا آپ نے نہیں دیکھا“ اس سے مراد	۱۶۶
۱۰۱	۱۵۰	استغناء پر تفریح ہے	۱۶۷
۱۰۲	۱۵۰	چاندروں اور بے جانوں کی تسبیح	۱۶۸
۱۰۳	۱۵۰	حیوانات کے ادراک پر علم کے اطلاق کی توجیہ	۱۶۹
۱۰۴	۱۵۱	علم کی تعریف	۱۱۷
۱۰۵	۱۵۱	تفصیلی تفسیر ”تفسیر دوم“ اور عربی کی تحریفات	۱۱۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	مورد کا اعتبار کیا جاتا ہے	۱۶۹	۱۳۳	اپنے دوستوں کے گھروں سے کھانے کی اجازت	
۱۱۸	آیت اختلاف کے خلفاء راشدین کے ساتھ		۱۸۸	خواہش کریا الگ الگ	
	مخصوص ہونے پر دلائل	۱۷۱	۱۳۵	گھر میں دخول کے وقت گھروالوں کو سلام کرنا	
۱۱۹	دلائل مذکورہ پر اعتراضات کے جوابات	۱۷۱	۱۳۶	انما المومنون اللہین امنوا باللہ ورسولہ	
۱۲۰	آیت اختلاف سے حضرت علیؑ بارہ امام یا امام		۱۸۹	واذا کانوا معہ (۶۳-۶۴)	
	مہدی کے مراد ہونے پر دلائل	۱۷۳	۱۳۷	امر بالمع (مجمع ہونے والی ہم) کا بیان	
۱۲۱	حضرت علیؑ کی خلافت کا برحق ہونا خلفاء ثلاثہ کے		۱۳۸	بی بی اور مریدی کے آداب	
	برحق ہونے پر موقوف ہے	۱۷۵	۱۳۹	مشکل الفاظ کے معانی	
۱۲۲	آیت اختلاف سے شیعہ مفسرین کا حضرت علیؑ		۱۴۰	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی تاکید	
	بارہ اماموں اور امام مہدی کی خلافت پر استدلال	۱۷۶	۱۴۱	لا تجعلوا دماء الرسول کے تحن محافل	
۱۲۳	علامہ شیعہ کی تفسیروں پر مصنف کا تبصرہ	۱۷۸	۱۴۲	عذاب محمد پر اعتراض کے جوابات	
۱۲۴	اس امت کی پہلی اجتماعی ناشکری قتل عثمان ہے	۱۷۹	۱۴۳	احادیث آئینہ علماء حقیقین اور علماء دج بندے	
۱۲۵	عکراں دنیاوی امور کے منتظم ہیں اور مہم دینی		۱۴۴	نعمایا محمد کا ثبوت	
	امور کے	۱۸۰	۱۴۵	اللہ تعالیٰ کا یا محمد فرمانا	
۱۲۶	یا ایہا الذین امنوا لیست اذذکم الذین		۱۴۵	ابلی حضرت امام احمد رضا کی تصریحات سے ندامت	
	ملکت ایہا الذین لم یبلغوا الحلم		۱۴۶	محمد کا جواز	
	(۶۱-۵۸)	۱۸۱	۱۴۶	اللہ تعالیٰ کے خالق اور مستحق عبادت ہونے پر	
۱۲۷	تین اوقات میں گھر میں دخول کے لئے نوکروں		۱۴۹	دیکھ	
	اور تابع لڑکوں کو اجازت لینے کا حکم	۱۸۳	۱۴۹	سورۃ النور کے اختتامی کلمات	
۱۲۸	اجازت مذکورہ کا حکم منسوخ ہو چکا ہے یا باقی ہے	۱۸۳	۲۰۱	سورۃ الفرقان	
۱۲۹	تابع لڑکوں کو گھر میں داخل ہونے کے لیے		۲۰۳	سورۃ کا نہ ما اور وہ تیسرہ	
	ہر وقت اجازت طلب کرنا ضروری ہے	۱۸۴		قرآن مجید کے سات حروف پر نازل ہونے کی	
۱۳۰	یورپی عورتوں کے حجاب کی وضاحت	۱۸۵		تحقیق	
۱۳۱	بیماروں اور معذوروں کے ساتھ مل کر کھانے کی		۲۰۶	سورۃ الفرقان کا نزول	
	اجازت کے اسباب	۱۸۶	۲۰۷	سورۃ النور اور سورۃ الفرقان کی یا ای من سبت	
۱۳۲	اللہ کے گھروں کو اپنا گھر فرمانا	۱۸۶	۲۰۸	سورۃ الفرقان کے مشمولات	
۱۳۳	دیکھوں کے لیے اپنے منجھوں کے گھروں سے		۲۱۰	تہو کہ الذی نزل الفرقان علی عبدہ (۹-۱)	
	کھانے کی اجازت	۱۸۷	۲۱۱	بسم اللہ کے معانی	

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۸	تبارک 'الفرقان' التذیور اور العلمین کے معانی	۲۱۲	۲۷	رزق اور دیگر مقاصد کے حصول کے لیے اسباب اور وسائل کو تلاش کر کے اختیار کرنا	۲۲۳
۹	سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا عموم	۲۱۲	۲۸	شرک اسباب پر صوفیاء کے دلائل اور ان کے جوابات اور توکل کا صحیح مفہوم	۲۲۶
۱۰	اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالت کی تمہید	۲۱۳	۲۹	اہل نعت کی اہل مصیبت سے شکر میں اور اہل مصیبت کی اہل نعت سے صبر میں آزمائش	۲۲۸
۱۱	شرک کی ہستی	۲۱۳	۳۰	وقال السلیمین لا یروجون لقاءنا لولا انزل علینا الملائکۃ او نری ربنا (۳۳-۴۱)	۲۲۹
۱۲	مشرکین کا یہ اعتراض کہ یہ قرآن اہل کتاب کے تعاون سے بنایا گیا ہے	۲۱۳	۳۱	ایمان لانے کو فرشتوں کے نزول اور اللہ تعالیٰ کو دیکھنے پر مطلق کرنے کا جواب	۲۳۱
۱۳	مشرکین کے اعتراض مذکور کا جواب	۲۱۳	۳۲	حجروا معجورا کے دھمیل	۲۳۱
۱۴	پیغام حق نہ سنانے پر کفار کا آپ کو ہال اور حکومت کی پیش کش کرنا	۲۱۵	۳۳	ہباء منثورا کا معنی	۲۳۲
۱۵	کفار کے اس اعتراض کا جواب کہ آپ بازاروں میں چلتے ہیں	۲۱۶	۳۴	قیامت کا دن جو پچاس ہزار سال کا ہوگا وہ مومنوں پر کتنا طویل ہوگا؟	۲۳۳
۱۶	کفار کے اس اعتراض کا جواب کہ آپ کے پاس سونے چاندی کے مہلات کیوں نہیں اور آپ کے ساتھ فرشتے کیوں نہیں؟	۲۱۶	۳۵	قیامت کے احوال	۲۳۳
۱۷	تبرک الذی ان شاء جعل لک صحیرا من ذالک (۲۰-۱۰)	۲۱۷	۳۶	عقہ بن ابی معیط کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کرنا اور اس کی دنیا اور آخرت میں سزا	۲۳۳
۱۸	باعثات اور مہلات کے طعن کا جواب	۲۱۹	۳۷	کیسے شخص کو درست بنایا جائے؟	۲۳۶
۱۹	دوزخ کی آنکھوں کا نوس اور زبان کے متعلق احادیث	۲۲۰	۳۸	مہجور کا معنی	۲۳۶
۲۰	تعبیظ اور زفییر کے معنی	۲۲۰	۳۹	قرآن مجید کو قدرتی نازل کرنے کی وجہ	۲۳۷
۲۱	کفار کا جہنم میں جھوٹا جانا اور ان کا موت کی دعا کرنا	۲۲۱	۴۰	ولقد اتینا موسیٰ الکتاب وجعلنا معہ اخیاه ہرون وزیرا (۳۳-۳۵)	۲۳۹
۲۲	آپ دوزخ میں کوئی اچھا ہے؟	۲۲۱	۴۱	فرعون کی طرف صرف حضرت موسیٰ کو جانے کا حکم دیا تھا یا ان کے بھائی حضرت ہارون کو بھی؟	۲۴۰
۲۳	جنت میں ہر چاہی ہوئی چیز کے شے کا محمل	۲۲۲	۴۲	حضرت نوح کی قوم نے صرف حضرت نوح کی تکذیب کی تھی یا بھریوں کیوں فرمایا کہ انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی؟	۲۴۱
۲۴	اللہ کے وعدہ کی بناء پر اس سے سوال کرنا	۲۲۲	۴۳	"الفرس" کا معنی	۲۴۱
۲۵	نعتوں کی بیہت کی وجہ سے لوگوں کا کفر اور شرک کرنا	۲۲۳			
۲۶	"بودا" کے معنی اور شرک کی مذمت	۲۲۳			

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۳	اصحاب السوس کی تفسیر اور ان کے صدائق کے متعلق متعدد اقوال	۲۳۲	۶۳	بہار (سرالی رشتہ داروں) کے صدائق	۲۵۵
۳۵	قریش کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانا اور آپ کو اذیت پہنچانا	۲۳۳	۶۵	نکاح سے حرمت مصاہرت کا متعلق طلیہ ہونا اور زنا سے حرمت مصاہرت کا متعلق طلیہ نہ ہونا	۲۵۵
۳۶	اپنی خواہش کے پرستاروں کے صدائق	۲۳۳	۶۶	زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہونے پر فقہاء مالکیہ اور شافعیہ کے دلائل اور ان کے جوابات	۲۵۵
۳۷	کفار سے شہداء اور محفل کی لٹی کی توجیہ	۲۳۳	۶۷	امام شافعی کا یہ اعتراض کرنا گناہ ہے اور دوسرے کی نکت کے حصول کا سبب نہیں بن سکتا!	۲۵۶
۳۸	کفار کا چوپایوں سے زیادہ گمراہ ہونا	۲۳۵	۶۸	زنا سے حرمت مصاہرت کے ثبوت میں فقہاء احناف اور فقہاء حنبلیہ کے دلائل	۲۵۸
۳۹	الم تر السی ربک کیف مد الغلۃ ولو شاء لجعلہ ماسکاً (۶۰-۳۵)	۲۳۵	۶۹	زنا سے حرمت مصاہرت کے ثبوت میں احادیث اور آثار	۲۵۸
۵۰	ظل اور فی کا معنی	۲۳۸	۷۰	زنا سے حرمت مصاہرت کے ثبوت میں فقہاء حنبلیہ کا موقف	۲۶۰
۵۱	کفر کے اندھیروں کا ختم ہونا اور ایمان کے سورج کا طلوع ہونا	۲۳۸	۷۱	تسوک الہی جعل فی السماء ہر وجا وجعل فیہا سراجا وقمرا منیرا	۲۶۱
۵۲	ظہور کا معنی اور اس کا صدائق	۲۳۹	۷۲	بروج کے لغوی اور عرفی معنی	۲۶۳
۵۳	کسی شخص چیز کے کرنے سے اگر پانی میں نجاست کی یواس کا رنگ یا اس کا ذائقہ آ جائے تو پانی ظہور نہیں رہے گا	۲۳۹	۷۳	رات کی کوئی عبادت قضاء ہو جائے تو اس کو دن میں ادا کر لیا جائے اسی طرح بالکس	۲۶۳
۵۴	دو درود (۱۰۰x۱۰) کی مقدار میں پانی کا ظہور ہونا	۲۵۰	۷۴	قرآن اور حدیث سے رات کو اٹھ کر عبادت کرنے کی فضیلت	۲۶۵
۵۵	فصلین کی مقدار میں پانی کا ظہور ہونا	۲۵۰	۷۵	زمین پر دقار کے ساتھ چلنے اور چالوں سے بچت نہ کرنے کا حکم	۲۶۶
۵۶	چاری پانی کا ظہور ہونا	۲۵۱	۷۶	فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا تمام رات قیام کرنے کی مش ہے	۲۶۷
۵۷	مختلف علاقوں میں بارش نازل فرمانے کے متعلق احادیث	۲۵۲	۷۷	غراما کا معنی	۲۶۸
۵۸	بارش کے نظام میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت پر دلیل	۲۵۲	۷۸	اسراف کا معنی	۲۶۸
۵۹	جہاد کبیر کا معنی	۲۵۲	۷۹	القنار کا معنی	۲۶۹
۶۰	مرج اور حجراً معجوراً کا معنی	۲۵۳			
۶۱	پانی اور بشر کی تفسیر	۲۵۳			
۶۲	نسب کا معنی اور اس کی تحقیق	۲۵۳			
۶۳	بیمہ کا معنی اور اس کی تحقیق	۲۵۳			

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۸۸	۹ اختیار ایمان اور اختیاری اطاعت کا مطلوب ہونا اور جبری ایمان اور جبری اطاعت کا نام مطلوب ہونا	۲۸۰	۸۰ ان لوگوں کا مصداق جو فضول خرچ اور بکل نہیں کرتے	۲۸۱	۸۱ اسلام میں اچھے کھانوں اور اچھے لباس پر پابندی نہیں ہے
۲۸۹	۱۰ کفار کا بتدریج سرکشی میں بڑھنا	۲۸۱	۸۲ میانہ روی کی اسلام میں تاکید	۲۸۲	۸۳ حضرت وحشی کا قبول اسلام
۲۹۰	۱۱ زوج کریم کا معنی	۲۸۲	۸۴ اللہ تعالیٰ کا گناہوں کے بدلہ میں نیکیاں عطا فرمانا	۲۸۳	۸۵ دو بار توبہ کرنے والوں کے ذکر کا تذکرہ
۲۹۰	۱۲ واذا نادى ربك موسى ان انت الظالمين (۱۰-۳۳)	۲۸۳	۸۶ زور اور نفو کا معنی	۲۸۴	۸۷ قرآن مجید کو غفلت اور بے پرواہی سے سننے کی مذمت
۲۹۳	۱۳ شب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ سنانے کی حکمت	۲۸۵	۸۸ مال اور اولاد میں کثرت کی دعا کا جواز	۲۸۵	۸۹ اپنی اولاد کے لئے آنکھوں کی خدمتگ دینا میں مطلوب ہے یا آخرت میں؟
۲۹۳	۱۵ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالفین کا زیادہ قوی ہونا	۲۸۷	۹۰ متقین کا امام بننے کی دعا کریں یا ان کا مقتدی بننے کی؟	۲۸۸	۹۱ رحمان کے قبول بندوں کی جزاء
۲۹۳	۱۶ حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے رسالت کا سوال کرنے کی توجیہ	۲۸۸	۹۲ رحمان کے مردود بندوں کی سزا	۲۸۹	۹۳ سورۃ الفرقان کے اختتامی کلمات
۲۹۳	۱۷ حضرت موسیٰ نے اپنے بھائے حضرت ہارون کی رسالت کا سوال کیا تھا یا اپنی مدد کے لئے؟	۲۸۹	۱۸ حضرت موسیٰ کی طرف ذب کی نسبت کی توجیہ	۲۹۰	۱۹ فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ناشکری کا اہرام لگانا
۲۹۶	۱۸ حضرت موسیٰ کی طرف ذب کی نسبت کی توجیہ	۲۹۱	۲۰ حضرت موسیٰ کا ناشکری کے اہرام کا جواب دینا	۲۹۱	۱ سورۃ الشراء
۲۹۶	۱۹ فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ناشکری کا اہرام لگانا	۲۹۲	۲۱ علم کے کمال کے بعد منصب نبوت عطا فرمانا	۲۹۳	۲ سورۃ الفرقان سے سورۃ اشراء کی مناسبت
۲۹۷	۲۰ حضرت موسیٰ کی پرورش کی تھی	۲۹۳	۲۲ فرعون کے اس احسان کا جواب کہ اس نے	۲۹۳	۳ سورۃ اشراء کے مقاصد اور مسائل
۲۹۷	۲۱ کافر اگر کسی کے ساتھ نیکی کرے تو آیا وہ شکر کا مستحق ہے یا نہیں؟	۲۹۵	۲۳ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کے متعلق موسیٰ اور فرعون کا مباحثہ	۲۹۵	۴ سورۃ اشراء کی انصافیت
۲۹۸	۲۲ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کے متعلق موسیٰ اور فرعون کا مباحثہ	۲۹۶	۲۴	۲۹۶	۵ طسم ۱۰ تلك ایت الکب البصیر (۱-۹)
۲۹۸	۲۳	۲۹۷	۲۵	۲۹۷	۶ طسم کے حامل
۳۰۰	۲۴	۲۹۸	۲۶	۲۹۸	۷ الکتاب البصیر کا معنی
		۲۹۸	۲۷	۲۹۸	۸ کفار کے ایمان نہ لانے سے شدت غم میں ٹھکنے سے آپ کو منع فرمانا

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۵	آیا فرعون موجد تھا؟ مشرک تھا یا دہریہ تھا؟	۳۰۱	۲۳	اہل معرفت پر مصائب کا آسان ہونا اور مصائب پر برداشت کرنے پر انہیں مراتب سے نوازا	۳۱۸
۲۶	اللہ تعالیٰ کے واجبِ قدیم اور واحد ہونے کے دلائل کی مزید وضاحت	۳۰۳	۳۱۹	جادو گروں کا اول المؤمنین ہونا	۳۱۹
۲۷	مباحث میں اشتغال میں نہ آنا اور مخاطب کے فہم کے لحاظ سے دلائل کے اسباب کو تبدیل کرنا	۳۰۴	۳۲۰	واو حینا الی موسیٰ ان اسر بعبادی انکم متبعون (۶۸-۵۲)	۳۲۰
۲۸	ثعبان نیچے اور چبان کے معنی	۳۰۵	۳۲۱	نبی اسرائیل کی مصر سے روانگی اور فرعون کا تعاقب	۳۲۱
۲۹	قال للملا حوله ان هذا لسحر علیہم ۵	۳۰۵	۳۲۲	شر ذمہ اور حلزون کے معنی	۳۲۲
۳۰	فرعون کا حضرت موسیٰ سے مرعوبیت اور ان کے برحق ہونے کے تاثر کو زائل کرنا	۳۰۷	۳۲۳	نبی اسرائیل کو کس سر زمین کا وارث بنایا گیا تھا؟	۳۲۳
۳۱	فرعون اور اس کے حواریوں کی اپنی کامیابی کے متعلق خوش فہمی	۳۰۸	۳۲۴	ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت	۳۲۴
۳۲	اس کی توجیہات کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادو گروں کو پہلے لافیاں اور سیان ڈالنے کا حکم دیا	۳۰۹	۳۲۵	سندر پر عصا مارنے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہجرات	۳۲۵
۳۳	غیر اللہ کی قسم کھانے کا ممنوع ہونا	۳۰۹	۳۲۶	فرعون کی قوم میں سے ایمان لانے والوں کا بیان	۳۲۶
۳۴	سانپوں کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خوفزدہ ہونے کی توجیہات	۳۰۹	۳۲۷	واقل علیہم نبا ابراہیم ۵ اذ قال لابیہ وقومہ ما تعبدون ۵ (۱۰۳-۶۹)	۳۲۷
۳۵	بعض علماء کا سحر کو صرف ٹھیکل اور سحرِ جہنم قرار دینا اور واقع میں اس کی حقیقت کا انکار کرنا	۳۱۰	۳۲۸	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ	۳۲۸
۳۶	سحر کا لغوی اور شرعی معنی	۳۱۱	۳۲۹	قوم کا معنی اور صدق	۳۲۹
۳۷	سحر اور کرامت میں فرق	۳۱۳	۳۳۰	سحر کا معنی	۳۳۰
۳۸	سحر کے واقع ہونے کے دلائل	۳۱۳	۳۳۱	جنوں کی عبادت کا رد فرمانا	۳۳۱
۳۹	سحر کی اقسام اور اس کے وقوع میں مذاہب	۳۱۵	۳۳۲	جنوں کو جنم فرمانے کی توجیہ	۳۳۲
۴۰	فرعون کے ساحروں کا ایمان لانا	۳۱۶	۳۳۳	جنوں کو کفار کا دشمن کہنے کے بجائے اپنا دشمن کہنے کی توجیہ	۳۳۳
۴۱	فرعون کا اپنے عوام کو حضرت موسیٰ سے جھڑکنے کے لیے جادو گروں پر الزام تراشی کرنا	۳۱۷	۳۳۴	پہلے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کی نعمت کا ذکر کرنا	۳۳۴
۴۲	صلیب کا معنی	۳۱۷	۳۳۵	پھر اس کی پرورش کی نعمت کا ذکر کرنا	۳۳۵
			۳۳۶	کھلانے پلانے کی نعمت میں لپٹی ہوئی بے شمار نعمتیں	۳۳۶
			۳۳۷	ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے پینے کے اسرار	۳۳۷

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۵۳	عام لوگوں کی بیماری کے اسباب	۴۳۷	۷۲	۴۳۷	۷۲
۳۵۳	نہی علیہ السلام اور نیک لوگوں کی بیماری کے اسباب	۴۳۸	۷۳	۴۳۸	۷۳
۳۵۳	عیب کی نسبت اپنی طرف اور صحن کی نسبت اللہ کی طرف کرنا	۴۳۹	۷۴	۴۳۹	۷۴
۳۵۵	مرض اور شفاء کے متعلق عارفین کے اقوال	۴۳۹	۷۵	۴۳۹	۷۵
۳۵۶	دوا اور علاج کے متعلق احادیث	۴۴۰	۷۶	۴۴۰	۷۶
۳۵۷	پرہیز کے متعلق احادیث	۴۴۲	۷۷	۴۴۲	۷۷
۳۵۸	انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے حق میں موت کا وقت ہونا	۴۴۲	۷۸	۴۴۲	۷۸
۳۶۰	حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خطا کا ذکر کر کے مغفرت طلب کی اس کی توجیہات	۴۴۳	۷۹	۴۴۳	۷۹
۳۶۱	حضرت ابراہیم نے کہا ”میرے لئے میری خطا معاف فرما“ اس کی توجیہات	۴۴۶	۸۰	۴۴۶	۸۰
۳۶۲	دوسرے نبیوں کو مانگتے سے عطا کرنا اور ہمارے نبی کو بے مانگے عطا فرمانا	۴۴۷	۸۱	۴۴۷	۸۱
۳۶۳	ذنب کا ترجمہ گناہ کرنے کے متعلق مصنف کا موقف	۴۴۸	۸۲	۴۴۸	۸۲
۳۶۳	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا پہلا مطلوب اور حکم کا معنی	۴۴۹	۸۳	۴۴۹	۸۳
۳۶۴	بعد والوں کی دعا کی توجیہات	۴۵۰	۸۴	۴۵۰	۸۴
۳۶۴	جنت کی دعا کا مطلوب ہونا اور شہیدیت سے جنت کا زیادہ محبوب ہونا	۴۵۱	۸۵	۴۵۱	۸۵
۳۶۷	حضرت ابراہیم کی آذر کے لیے دعا کی توجیہات	۴۵۱	۸۶	۴۵۱	۸۶
۳۶۷	قیامت کے دن حضرت ابراہیم کی آذر سے ملاقات کے متعلق احادیث	۴۵۲	۸۷	۴۵۲	۸۷
۳۶۸	قیامت کے دن آذر کی شفاعت کرنے پر اشکال اور اس کے جوابات	۴۵۳	۸۸	۴۵۳	۸۸
۳۶۸	۷۳	۴۵۳	۸۹	۴۵۳	۸۹
۳۶۸	۷۴	۴۵۳	۹۰	۴۵۳	۹۰
۳۶۸	۷۵	۴۵۳	۹۱	۴۵۳	۹۱
۳۶۸	۷۶	۴۵۳	۹۲	۴۵۳	۹۲
۳۶۸	۷۷	۴۵۳	۹۳	۴۵۳	۹۳
۳۶۸	۷۸	۴۵۳	۹۴	۴۵۳	۹۴
۳۶۸	۷۹	۴۵۳	۹۵	۴۵۳	۹۵
۳۶۸	۸۰	۴۵۳	۹۶	۴۵۳	۹۶

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۳۸۹	کے متعلق احادیث	۱۱۶	۳۷۰	پردہ لیں	۹۷
۳۹۰	پرندوں اور جانوروں کو پالنے اور موذی جانوروں کو قتل کرنے کے متعلق فقہاء کی مہارت	۱۱۷	۳۷۱	مواضع اور خطابات پر اجرت لینے کا جواز	۹۸
۳۹۰	متعدد منزلہ بلڈنگس اور خوبصورت عمارات پلانہ اور شاہجگ سٹرکٹ کے کاشتچی حکم	۱۱۷	۳۷۲	جن تک لوگوں کو معاشرے میں پست اور بے وقعت سمجھا جاتا ہے اللہ کے نزدیک وہی عزت والے ہیں	۹۹
۳۹۰	کسی کو تادیب اور سرزنش کے لئے زیادہ سزا دینی جائے اور دس ڈنڈوں سے زیادہ نہ مارا جائے	۱۱۸	۳۷۳	ادکام شریعہ ظاہر ہوتی ہیں اور باطن اللہ کے پردے میں	۱۰۰
۳۹۲	قید کرنے اور مالی جرمانے کی سزائیں	۱۱۹	۳۷۵	امیر کافروں کی خوشنودی کے لیے غریب مسلمانوں کو نہا جایا جائے	۱۰۱
۳۹۳	اگر برکت حکام سے رابطہ ہو سکے تو مسلمان ان خود غم اور برائی کو مٹائے	۱۲۰	۳۷۶	حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے خلاف دعا کی توجیہ	۱۰۲
۳۹۵	تعلی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی فریضت	۱۲۱	۳۷۷	قصہ نوح کے بعض اسرار	۱۰۳
۳۹۶	تاگزیر حالات کے سوا تعلی کے حکم دینے اور برائی سے روکنے کو ترک نہ کیا جائے	۱۲۲	۳۷۷	جائیں بیروں کی نیت کا حرام ہونا	۱۰۴
۳۹۷	اگر برائی اور ظلم کو روکنا تاگزیر ہو تو مسلمان از خود کارروائی کریں	۱۲۳	۳۷۹	کتابت عباد بالموسلین ۵ اذ قال لہم احوہم ہود الا تنظون (۱۳۰-۱۳۳)	۱۰۵
۳۹۷	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے خود تک ہونا ضروری نہیں ہے	۱۲۴	۳۸۰	قوم عاد کا کفر و تعارف	۱۰۶
۳۹۸	قتلہ کیے کا بطلان	۱۲۵	۳۸۱	قوم عاد کے عیث و عذاب کے متعلق اقوال	۱۰۷
۳۹۹	کسی شخص سے محبت کی وجہ سے امر بالمعروف کو ترک نہ کیا جائے	۱۲۶	۳۸۲	لبو وحب اور کبوتر بازی کے متعلق احادیث	۱۰۸
۳۹۹	امر بالمعروف میں طاقت کو اختیار کیا جائے	۱۲۷	۳۸۳	محمد شین کے نزدیک نبوی تعریف	۱۰۹
۴۰۰	قوم عود کا تکبر اور اس کا جفاک ہونا	۱۲۸	۳۸۳	جسمانی صحت کے حصول کے لیے جائز کھیلوں اور ورزشوں کا جواز	۱۱۰
۴۰۱	کتابت لعمود المرسلین ۵ اذ قال لہم احوہم صلح الا تنظون (۱۵۹-۱۶۲)	۱۲۹	۳۸۵	لبو باطل (غیر شرعی شغل) کے نقصانات	۱۱۱
۴۰۲	قوم ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا	۱۳۰	۳۸۵	لبو باطل اور کبوتر بازی کے متعلق فقہاء کی تصریحات	۱۱۲
۴۰۳	مشکل الفاظ کے معانی	۱۳۱	۳۸۶	جن کاموں سے انسان فاسق ہو جاتا ہے اس کی شہادت قائل قبول نہیں ہوتی	۱۱۳
۴۰۳	جسمانی اور روحانی لذتیں	۱۳۲	۳۸۷	انہارے زمانہ کے بتادنی صوفیاء کا سماع، رقص اور دھماکے	۱۱۴
			۳۸۹	پرندوں اور جانوروں کو پالنے کے متعلق احادیث	۱۱۵
			۱۱۶	موذی جانور اور حشرات الارض کو قتل کرنے	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۳۳	فساد اور شرکی دو قسمیں	۳۰۳	۱۵۳	قطاس (عدل کرنے) کے متعلق احادیث	۳۳۳
۳۳۴	حضرت صالح علیہ السلام سے دلیل کا مطالبہ	۳۰۳	۱۵۴	قطاس (عدل کرنے) کے متعلق آثار	۳۳۴
۳۳۵	حضرت صالح کا چٹان سے اونٹنی نکال کر دکھانا	۳۰۳	۱۵۵	عدل کے متعلق اقوال علماء	۳۳۵
۳۳۶	قوم ثمود کا اونٹنی کو قتل کرنا اور ان کا عذاب سے ہلاک ہونا	۳۰۳	۱۵۶	عدل عقلی اور عدل شرعی	۳۳۶
۳۳۷	قوم ثمود کے نادم ہونے کے باوجود عذاب آنے کی توجیہ	۳۰۵	۱۵۷	عدل اور احسان	۳۳۷
۳۳۸	اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم اور اس کے قہر و غلبہ کے آثار اور تقاضے	۳۰۶	۱۵۸	عدل اور انصاف کے فوائد	۳۳۸
۳۳۹	کذب قوم لوط و المرسلین	۳۰۶	۱۵۹	فساد کی دو قسمیں	۳۳۹
۳۴۰	حضرت لوط علیہ السلام کی اہل سدوم کی طرف بیعت	۳۰۸	۱۶۰	جہنم کا معنی	۳۴۰
۳۴۱	جنسی اعضاء اور جنسی عمل کا ذکر اشارہ اور کنایہ سے کرنے کی تحقیر	۳۰۹	۱۶۱	طبیعت، خصلت، خلق اور عادت کا فرق	۳۴۱
۳۴۲	عورتوں سے عمل معکوس کرنے کی ممانعت	۳۱۰	۱۶۲	جہنم کے متعلق احادیث	۳۴۲
۳۴۳	عمل قوم لوط کی سزا	۳۱۱	۱۶۳	حسن اخلاق کے متعلق احادیث	۳۴۳
۳۴۴	قوم لوط کی بُری خصائص	۳۱۲	۱۶۴	وہ افعال جو حسن اخلاق کا مصداق ہیں اور بُری	۳۴۴
۳۴۵	حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی زبان درازی اور عذاب کا مستحق ہونا	۳۱۳	۱۶۵	علیہ السلام کے اخلاقی حسن	۳۴۵
۳۴۶	حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت اور اس کا عذاب	۳۱۴	۱۶۶	خصلت اور عادت کا معنی اور آیا عادت کا بدل	۳۴۶
۳۴۷	حدود کے نفاذ کا رحمت ہونا	۳۱۵	۱۶۷	ممکن ہے یا نہیں؟	۳۴۷
۳۴۸	کذاب اصحاب لشبکۃ المرسلین	۳۱۶	۱۶۸	اصحاب لشبکۃ کا اپنے انکار پر اصرار اور ان	۳۴۸
۳۴۹	حضرت شعیب علیہ السلام کا تذکرہ	۳۱۷	۱۶۹	پر عذاب کا نازل ہونا	۳۴۹
۳۵۰	حضرت شعیب علیہ السلام کا مقام بیعت	۳۱۸	۱۷۰	سورۃ اشعراء میں انبیاء علیہم السلام کے قصص کی	۳۵۰
۳۵۱	اہل مدین اور اصحاب الایمہ	۳۱۹	۱۷۱	منتیج	۳۵۱
۳۵۲	قطاس کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۳۲۰	۱۷۲	مستقبل میں عذاب سے نجات کا مدار	۳۵۲
		۳۲۱	۱۷۳	والہ لفٹنر میل رب العالمین	۳۵۳
		۳۲۱	۱۷۴	الروح الامین (۱۹۲-۱۹۴)	۳۵۴
		۳۲۱	۱۷۵	سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلائل	۳۵۵
		۳۲۱	۱۷۶	حضرت جبرئیل علیہ السلام کو روح الامین کہنے کی وجہ	۳۵۶
		۳۲۱	۱۷۷	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر قرآن مجید کو نازل	۳۵۷
		۳۲۱	۱۷۸	کرنے کی کیفیت	۳۵۸
		۳۲۱	۱۷۹	حضرت جبرئیل علیہ السلام نے قرآن مجید کے علاوہ	۳۵۹
		۳۲۱	۱۸۰	دیگر احکام کے متعلق بھی آپ پر وحی نازل کی ہے	۳۶۰

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۱۷۳	قرآن مجید کے عربی زبان میں ہونے کی تحقیق	۱۹۳	قرابت داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا
۱۷۴	اور غیر عربی الفاظ کا جواب	۱۹۴	رحم کی تراث سے فائدہ پہنچانا
۱۷۵	عربی زبان کی فصاحت	۱۹۵	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر خاص و عام کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا
۱۷۶	عربی زبان کی تاریخ	۱۹۵	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اقربین کی دعوت کر کے ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا
۱۷۷	سابقہ آسمانی کتابوں میں قرآن مجید کے مذکور ہونے کے محال	۱۹۶	اہل بیت اور اپنے دیگر قرابت داروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخرت میں نفع پہنچانا
۱۷۸	آیا قرآن مجید کو غیر عربی میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟	۱۹۷	نفع رسائی کی بھابھائی کی روایات کی توجیہ
۱۷۹	غیر عربی میں قرآن مجید پڑھنے کی حرمت تحقیق	۱۹۸	اس پر دلیل کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفع اور ضرر کی نفی ذاتی نفع اور ضرر پر محمول ہے
۱۸۰	آپ ترجمہ قرآن پر قرآن مجید کا اطلاق ہو سکتا ہے یا نہیں؟	۱۹۹	نسب پر احسان کرنے کے بجائے عمل کی کوشش کی جائے
۱۸۱	سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل	۲۰۰	خطاکاروں کے لیے استغفار اور منکروں سے برأت
۱۸۲	کفار مکہ کا امن اور ہت دھرمی	۲۰۱	اللہ تعالیٰ کے غالب اور رحیم ہونے کا معنی
۱۸۳	کفار کی ہت دھرمیوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا	۲۰۲	توکل کی تحقیق
۱۸۴	اللہ کے عذاب کو جلد طلب کرنے کی مذمت	۲۰۳	حق توکل کا معنی
۱۸۵	اس فانی زندگی پر مہرور ہونے کی تحقین	۲۰۴	آپ سب کو ترک کرنا توکل میں داخل ہے یا نہیں؟
۱۸۶	جرم کے بغیر بھی عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا علم نہیں ہے	۲۰۵	توکل کی تعریف میں صوفیاء کے اقوال
۱۸۷	افسان کو خیر اور شر کا امتیاز عطا فرمانا	۲۰۶	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اصحاب کی عہدات کی تکفیش کرنا
۱۸۸	اس پر دلائل کہ شیخین قرآن کو نازل نہیں کر سکتے	۲۰۷	تہجد کی نماز کی فصاحت اور اہمیت
۱۸۹	شیاطین فرشتوں کا کلام نہیں سن سکتے اس کی توجیہ اور بحث و نظر	۲۰۸	انبیاء علیہم السلام کے ذنوب کی توجیہ اور بندہ کے شکر اور اللہ کے شکر کا معنی
۱۹۰	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر اللہ کی عہدت سے ممانعت کی توجیہ	۲۰۹	قرآن مجید میں مذکور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنوب کا ترجمہ نہ کرنے کی تحقیق
۱۹۱	عشیرہ کا معنی اور صلہ رحم میں الاقرب فالاقرب کی ترجیح	۲۱۰	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت قیام اور ساجدین میں دیکھنے کے دیگر محال
۱۹۲	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوہ صفا پر چڑھ کر اپنے	۲۱۱	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انبیین کریمین (والدین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۱۲	کریمین کے ایمان کے ثبوت میں احادیث والدین کریمین کے ایمان پر امام فخر الدین رازی کے دلائل	۳۷۷	۳۹۰	(مسکک ازل آپ کے والدین کا اصحابِ فترت سے ہوتا)	۳۹۰
۲۱۳	والدین کریمین کے ایمان پر علامہ قرطبی کے دلائل	۳۸۰	۳۹۰	مسکک ثانی آپ کے والدین کا دین ابراہیم پر ہونا	۳۹۰
۲۱۴	والدین کریمین کے ایمان پر علامہ قرطبی کے دلائل	۳۸۱	۳۹۰	آپ کے تمام آباء کے مومن ہونے کے متعلق احادیث	۳۹۰
۲۱۵	والدین کریمین کے ایمان پر علامہ سبکی کے دلائل	۳۸۳	۳۹۲	زمین کبھی مومنوں سے خالی نہیں رہی اس کے متعلق احادیث	۳۹۲
۲۱۶	والدین کریمین کے ایمان کے ثبوت میں حافظ سیوطی کے دلائل	۳۸۳	۳۹۳	اولاد ابراہیم کے ایمان پر قائم رہنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۳۹۳
۲۱۷	الحقاقة السندسية فی النسبة المصطفوية کا خلاصہ (آپ کے والدین کو زندہ کرنا اور ان کا ایمان لانا)	۳۸۳	۳۹۳	حضرت عبدالملک کے ایمان کی بحث	۳۹۳
۲۱۸	آپ کے والدین کریمین کا اہلِ فترت سے ہونا اور غیر معذب ہونا	۳۸۵	۳۹۶	نشر العلمین المتیقین فی احیاء الایوبین الشریعین کا خلاصہ (والدین کریمین کو زندہ کرنے والی حدیث کی تفسیر اور ترجیح کی وجہ)	۳۹۶
۲۱۹	آپ کے والدین کا مومن ہونا اور آپ کے نسب کی شہادت پر حضرت عباس کے اشعار	۳۸۵	۳۹۷	والدین کریمین کو زندہ کرنے والی حدیث کی سند کی تحقیق	۳۹۷
۲۲۰	تنزیہ الانبیاء عن تشبہ الاطبیاء کا خلاصہ (آپ کی تعظیم آپ کے والدین کے ایمان کو مستلزم ہے)	۳۸۶	۳۹۸	الدراج المنیفة فی الایاء الشریفة کا خلاصہ	۳۹۸
۲۲۱	السبیل الحليلة فی الایاء العلیہ کا خلاصہ	۳۸۷	۳۹۹	التعظیم والسنة فی ان ابوی رسول اللہ فسی الجنة کا خلاصہ (والدین کریمین کو قبر میں زندہ کرنے کے متعلق پہلی حدیث)	۳۹۹
۲۲۲	آپ کے والدین کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی سو وہ غیر معذب ہیں	۳۸۸	۴۰۰	اس حدیث کے متن پر علامہ ابن جوزی کے اعتراضات کے جوابات	۴۰۰
۲۲۳	آپ کے والدین اصحابِ فترت سے ہیں اس لئے نجات یافتہ ہیں	۳۸۸	۴۰۱	اس حدیث کی سند پر علامہ ابن جوزی کے اعتراضات کے جوابات	۴۰۱
۲۲۴	آپ کے والدین کو زندہ کرنا اور ان کا ایمان لانا اور اس کے مخالف احادیث کی تاویل	۳۸۸	۴۰۱	محمد بن حسن بن زیاد نقاش پر ابن جوزی کی جرح کا جواب حافظ ذہبی سے	۴۰۱
۲۲۵	آپ کے والدین طین ابراہیم پر تھے	۳۸۹	۴۰۱	محمد بن یحییٰ اور احمد بن یحییٰ پر جرح کا جواب حافظ ذہبی اور حافظ مستوفی سے	۴۰۱
۲۲۶	مسالك الحنفاء فی والذی المصطفیٰ	۳۸۹	۴۰۰	والدین کریمین کو زندہ کر کے ایمان لانے کی	۴۰۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	حدیث میں حفاظ حدیث کا اختلاف	۵۰۲		تشریح	۵۱۳
۲۳۱	اصحاب کتب کو زندہ کیے جانے سے والدین	۲۵۶		کا جنوں کی اقسام	۵۱۳
	کریمین کو زندہ کئے جانے پر استدلال	۵۰۳		نجومیوں سے سوال کی ممانعت	۵۱۳
۲۳۲	والدین کریمین کو زندہ کیے جانے اور اس کے	۲۵۸		شہاب ثاقب کے متعلق حدیث اور اس کی تشریح	۵۱۵
	خلاف احادیث میں تحقیق	۵۰۳		ستاروں کی تا شمر کی لٹی کے متعلق احادیث اور ان	
۲۳۳	حضرت آمنہ کے موعودہ ہونے پر دلیل	۵۰۳		کی تشریح	۵۱۶
۲۳۴	جب حضرت آمنہ مومنہ تھیں تو آپ کو ان کے	۲۶۰		علم نجوم کا لغوی معنی	۵۱۷
	لیے استفادہ کی اجازت کیوں نہیں ملی اور آپ	۵۰۳		علم نجوم کے اصول اور مبادی	۵۱۷
	نے ان کو روز قی کیوں فرمایا؟	۲۶۲		علم نجوم کا اصطلاحی معنی اور اس کا شرعی حکم	۵۱۸
۲۳۵	تمام انبیاء کی اصابت کے ایمان سے حضرت آمنہ	۲۶۳		علم نجوم کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء (علم غریبی)	
	کے ایمان پر استدلال	۵۰۵		امام بخاری علامہ سیوطی ملاحی قاری علامہ شامی امام	
۲۳۶	ابولہب کے عذاب میں تخفیف سے حضرت آمنہ			احمد رضا علامہ امجدی مفتی احمد یار خان مفتی وقار	
	کے غیر معذب ہونے پر استدلال	۵۰۶		الدین اور شیخ ابن حبیب وغیرہم کے آراء	۵۱۹
۲۳۷	ابوین کریمین کے معذب ہونے کی احادیث کے	۲۶۳		اختیاروں میں شائع ہونے والی نجومیوں کی پیش	
	منسوخ ہونے کی نظائر اور اطفال مشرکین کے			گوئیوں اور غیب کی خبروں پر مصنف کا تبصرہ	۵۲۶
	ایمان سے استدلال	۵۰۶		جزر کا لغوی معنی	۵۲۷
۲۳۸	زمانہ جاہلیت میں دین ابراہیم پر قائم رہنے والے	۲۶۶		جزر کا اصطلاحی معنی	۵۲۷
	دوسرے لوگ	۵۰۷		علم جزر کا تفصیلی تعارف	۵۲۸
۲۳۹	والدین کریمین کے ایمان کی لٹی پر ملاحی قاری کے	۲۶۸		علم جزر کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء (ملاحی)	
	دلائل	۵۰۸		حضرت مولانا وقار الدین اور شیخ ابن حبیب کی	
۲۴۰	ملاحی قاری کے دلائل پر مصنف کا تبصرہ	۵۰۹		آراء	۵۳۰
۲۴۱	ملاحی قاری کے افکار پر ان کے استاد ابن حجر کی کا	۲۶۹		علم جزر کی بنیاد پر اخبارات و رسائل میں غیب کی	
	تبصرہ	۵۱۰		خبروں اور پیش گوئیوں پر مصنف کا تبصرہ	۵۳۲
۲۴۲	ملاحی قاری پر علامہ آلوسی کا تبصرہ	۲۷۰		حساب و کتاب اور سائنسی آلات کے ذریعہ پیش	
۲۴۳	دلائل اور وجوہات جن کی بناء پر قرآن مجید	۵۱۰		گوئیوں کا شرعی حکم	۵۳۲
	شیطان کا نازل کیا ہوا نہیں ہے	۵۱۱		چاند نظر آنے کی سائنسی اور تحقیقی وجوہ	۵۳۳
۲۴۴	افاک اور الیم کے معنی	۵۱۲		شعر کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور شعر کی تاریخ	۵۳۶
۲۴۵	کاہن کا معنی کاہن کے متعلق احادیث اور ان کی	۲۷۳		نیک لوگوں کی پیروی کرنے سے آپ کی نبوت	

نمبر شمار	موضوع	صفحہ	نمبر شمار	موضوع	صفحہ
۳۳	رسولوں کے اللہ سے مندرجہ کا محمل	۵۸۱	۵۳	جہاد کے گھوڑوں کے معائنہ کی مشغولیت کی وجہ سے حضرت سلیمان کی مصر کی نماز کا قضا ہونا	۵۹۹
۳۴	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبلی کو گھونسا مار کر ہلاک کر دینا آیا گناہ تھا یا نہیں؟	۵۸۲	۵۴	حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کی تعداد	۶۰۰
۳۵	قبلی سے نکل کر ظلم فرمانے کی حقیقت	۵۸۲	۵۵	حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کی تعداد کے بیان میں مختصر روایات میں تطبیق	۶۰۰
۳۶	عوام اور خواص کے معاصی کا فرق	۵۸۳	۵۶	حضرت سلیمان علیہ السلام سے متعلق ایک حدیث صحیحہ پر سید مودودی کے اعتراض کے جوابات	۶۰۱
۳۷	عصا کے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیگر معجزات	۵۸۳	۵۷	حضرت سلیمان علیہ السلام کی دستہ میں صابریہ کے	۶۰۲
۳۸	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیص اور قیص میں بنی لگانے کی حقیقت	۵۸۳	۵۸	حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعاتی شہادت سے استدلال	۶۰۳
۳۹	روایتوں میں تعارض کا جواب	۵۸۶	۵۹	ایک جہت دوسرے جہت سے کب اختلاف کر سکتا ہے	۶۰۳
۴۰	کفار اور مشرکین کو تنبیہ	۵۸۶	۶۰	حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایسا ملک عطا کرنا جو کسی اور کو نہ دیا گیا ہو	۶۰۳
۴۱	ولقد اتینا داؤد وسليمان علما (۳۱-۱۵)	۵۸۷	۶۱	حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو سٹر کرنا	۶۰۳
۴۲	اس صورت میں انبیاء علیہم السلام کے قصص میں سے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا دوسرا قصہ	۵۸۹	۶۲	حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جنات کو سٹر کرنا	۶۰۵
۴۳	حضرت داؤد علیہ السلام کا نام و نسب اور ان کا چالوت کو قتل کرنا	۵۹۰	۶۳	حضرت سلیمان علیہ السلام کے معمولات اور ان کے احوال و کوائف کے متعلق احادیث	۶۰۷
۴۴	حضرت داؤد علیہ السلام کی بعثت اور ان کی سیرت کے متعلق احادیث اور آثار	۵۹۱	۶۴	حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات	۶۰۹
۴۵	حضرت داؤد علیہ السلام کی دعاؤں کے متعلق احادیث اور آثار	۵۹۲	۶۵	حضرت داؤد اور سلیمان علیہ السلام کے عظیم علم کے صدائق کے متعلق مفسرین کے اقوال	۶۱۱
۴۶	حضرت داؤد علیہ السلام کے لشکر کی ادا جی کا طریقہ	۵۹۳	۶۶	علم کی فضیلت	۶۱۱
۴۷	حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی	۵۹۳	۶۷	جہل کی مذمت	۶۱۲
۴۸	حضرت داؤد علیہ السلام کی دعائیں	۵۹۳	۶۸	اپنے آپ کو عالم کہنے یا جنتی بننے کی حقیقت	۶۱۵
۴۹	حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر	۵۹۵	۶۹	من عرف نفسه فقد عرف ربه سے حدیث ہونے کی حقیقت	۶۱۶
۵۰	حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات	۵۹۷	۷۰	من عرف نفسه فقد عرف ربه کے معانی اور محال	۶۱۷
۵۱	حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام و نسب اور انبیاء معجزین کی ترتیب	۵۹۸	۷۱	حضرت داؤد علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر	۶۱۷
۵۲	قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر	۵۹۸			

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۶۳۰	موقوف ہونا	۶۱۹	۷۲	اداکرنا	۶۱۹
۶۳۱	مسافت بعیدہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے	۹۲	۷۳	اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں میں نعمت علم کی خصوصیت	۶۱۹
۶۳۲	فکر کا چینی کو کیسے شعور ہوا اور آپ نے اس کا	۹۳	۷۴	وراثت کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۶۲۰
۶۳۳	کلام کیسے بنایا؟	۹۴	۷۵	سنی مفسرین کے نزدیک حضرت سلیمان 'حضرت	۶۲۱
۶۳۴	تسمیہ شکر اور بقیہ کے معانی اور وجوہ استعمال	۹۵	۷۶	داؤد کی نبوت اور علم کے وارث تھے نہ کہ مال کے	۶۲۲
۶۳۵	ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کرنے اور پٹنے	۹۶	۷۷	شیعہ مفسرین کے نزدیک حضرت سلیمان 'حضرت	۶۲۳
۶۳۶	کے متعلق احادیث	۹۷	۷۸	داؤد کے مال کے وارث تھے نہ کہ نبوت و علم کے	۶۲۴
۶۳۷	انسان کے والدین کی نعمتوں کا بھی اس کے حق	۹۸	۷۹	شیعہ مفسرین کے دلائل کے جہاں بات	۶۲۵
۶۳۸	میں نعمت ہونا	۹۹	۸۰	علم کا وارث بنانے اور مال کا وارث نہ بنانے کے	۶۲۶
۶۳۹	اور انجی شکر کا طریقہ	۱۰۰	۸۱	نبوت میں روایات انحراف میں	۶۲۷
۶۴۰	حضرت سلیمان کا اپنے جد کریم کی اتباع میں جنت	۱۰۱	۸۲	علم کا وارث بنانے اور مال کا وارث نہ بنانے کے	۶۲۸
۶۴۱	اور بعد از وفات ثناء و جلیل کی دعا کرتا	۱۰۲	۸۳	نبوت میں روایات انحراف میں	۶۲۹
۶۴۲	انبیاء علیہم السلام اپنے صالح ہونے کی دعا کیوں	۱۰۳	۸۴	تحدیثِ نبوت (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار کرنا)	۶۳۰
۶۴۳	کرتے تھے؟	۱۰۴	۸۵	نطق اور منطق کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۶۳۱
۶۴۴	شیخ اور امام یا امیر کی معرفت اور اس کی بیعت اور	۱۰۵	۸۶	طہر کے معانی	۶۳۲
۶۴۵	اطاعت کا ضروری ہونا	۱۰۶	۸۷	چھوٹیوں اور بھٹیوں پر بندوں کے متعلق احادیث	۶۳۳
۶۴۶	حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا میں ہمارے لئے	۱۰۷	۸۸	انبیاء کرام اور اولیاء معصوم کا پر بندوں کی باتیں سمجھنا	۶۳۴
۶۴۷	سجید اور نصیحت	۱۰۸	۸۹	ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حیوانوں کا باتیں	۶۳۵
۶۴۸	حضرت سلیمان علیہ السلام نے جدہ کی گشدگی کے	۱۰۹	۹۰	کرنا اور آپ کی تقسیم کرنا	۶۳۶
۶۴۹	متعلق جو سوال کیا تھا اس کی وجوہ	۱۱۰	۹۱	حضرت سلیمان علیہ السلام کو دنیا کی ہر چیز دی	۶۳۷
۶۵۰	حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہمارے نبی صلی اللہ	۱۱۱	۹۲	جانے کا مکمل	۶۳۸
۶۵۱	علیہ وسلم کی بشارت دینا	۱۱۲	۹۳	سلطان کے متعلق احادیث	۶۳۹
۶۵۲	تقدیر کا تدبیر پر غالب آنا	۱۱۳	۹۴	حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت اور ان کا فکر	۶۴۰
۶۵۳	تریت دینے اور ادب کھانے کے لئے جانوروں	۱۱۴	۹۵	وادی کا معنی	۶۴۱
۶۵۴	کو مارنے اور سزا دینے کا جواز	۱۱۵	۹۶	نعلہ کا معنی	۶۴۲
۶۵۵	جدہ کی سزا کے حلق متعدد اقوال	۱۱۶	۹۷	جس چینی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے فکر	۶۴۳
۶۵۶	عربی قواعد کے خلاف قرآن مجید کی کتابت کی	۱۱۷	۹۸	سے ڈرایا تھا وہ ذکر حق یا سونٹ؟	۶۴۴
۶۵۷	تحقیق	۱۱۸	۹۹	انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا اور ان کے اصحاب کا	۶۴۵

نمبر شمار	موضوع	صفحہ	نمبر شمار	موضوع	صفحہ
۱۰۷	قواعد رسم الخط کے خلاف مصحف میں مذکور الفاظ کی	۲۵۵	۲۶۸	تصریحات	۲۶۸
۱۰۸	فہرست	۲۵۶	۲۶۹	اجنبی مردوں اور عورتوں کے ایک دوسرے کی	۲۶۹
۱۰۹	قواعد رسم الخط کی مخالفت کے جوابات کی تصحیح	۲۵۷	۲۷۰	طرف دیکھنے کی ممانعت کے متعلق قرآن اور سنت	۲۷۰
۱۱۰	ہد کا ملک سہا کی سر کر کے حضرت سلیمان علیہ	۲۵۸	۲۷۱	سے دلائل	۲۷۱
۱۱۱	اسلام کی خدمت میں آنا	۲۵۹	۲۷۲	مردوں سے عورتوں کے نکاح کی ممانعت	۲۷۲
۱۱۲	ہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جو	۲۶۰	۲۷۳	عورت کو سربراہ مملکت بنانے کی ممانعت پر قرآن	۲۷۳
۱۱۳	اپنے علم کا انکشاف کیا اس کی علامہ زحری کی طرف	۲۶۱	۲۷۴	اور سنت کا استدلال	۲۷۴
۱۱۴	سے توجیہ	۲۶۲	۲۷۵	عورتوں کی سربراہی کی ممانعت کے متعلق فقہاء	۲۷۵
۱۱۵	علامہ زحری کی توجیہ کا رد اور اس کی صحیح توجیہ	۲۶۳	۲۷۶	مالکیہ کی تصریحات	۲۷۶
۱۱۶	انبیاء علیہم السلام کے علم غیب کے متعلق علامہ قرطبی	۲۶۴	۲۷۷	عورتوں کی سربراہی کی ممانعت کے متعلق فقہاء	۲۷۷
۱۱۷	کا نظریہ	۲۶۵	۲۷۸	شافعیہ کی تصریحات	۲۷۸
۱۱۸	ملکہ سہا کی تحقیق	۲۶۶	۲۷۹	عورتوں کی سربراہی کی ممانعت کے متعلق فقہاء	۲۷۹
۱۱۹	ملکہ سہا کا تعارف	۲۶۷	۲۸۰	حنبلہ کی تصریحات	۲۸۰
۱۲۰	آیا جن اور انسان کا نکاح حلال ممکن ہے یا نہیں؟	۲۶۸	۲۸۱	حدود اور قصاص کے سوا عورتوں کی قضاء کے جواز	۲۸۱
۱۲۱	آیا جن اور انسان کا نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟	۲۶۹	۲۸۲	کے متعلق فقہاء ماحناف کا موقف	۲۸۲
۱۲۲	بلیس کی حکمرانی سے عورت کی حکمرانی پر استدلال	۲۷۰	۲۸۳	حدود اور قصاص کے ماسوا میں عورت کی قضاء کا	۲۸۳
۱۲۳	کا جواب	۲۷۱	۲۸۴	جواز اس کو مستلزم نہیں کہ اس کو دیوانی عدالت کا	۲۸۴
۱۲۴	عورت کے وزیر اعظم ہونے کے جواز کے دلائل	۲۷۲	۲۸۵	قاضی بنانا یا چاہئے	۲۸۵
۱۲۵	اور اس کے جوابات	۲۷۳	۲۸۶	عورت کو سربراہ مملکت بنانے کے عدم جواز کے	۲۸۶
۱۲۶	امامت اور خلافت کی تین تصریحات اور ان پر بحث	۲۷۴	۲۸۷	متعلق فقہاء ماحناف کی تصریحات	۲۸۷
۱۲۷	ونظر	۲۷۵	۲۸۸	تحت بلیس کی مفت	۲۸۸
۱۲۸	آیا اس دور میں مسلمانوں پر غلیف کو مقرر کرنا	۲۷۶	۲۸۹	ان لا یسجدوا کی تحدید غوی ترکیبیں اور تراجم	۲۸۹
۱۲۹	واجب ہے یا نہیں؟	۲۷۷	۲۹۰	تحت بلیس اور عرض ائی انہوں کے منظر ہونے کا فرق	۲۹۰
۱۳۰	عورت کو مردوں کے کسی بھی ادارہ کی سربراہ بنانے	۲۷۸	۲۹۱	خبر واحد اور خبر متواتر وغیرہ کی تصریحات اور ان کے احکام	۲۹۱
۱۳۱	کی ممانعت	۲۷۹	۲۹۲	حضرت سلیمان علیہ السلام کا مکتوب میں پہلے اپنا	۲۹۲
۱۳۲	عورت کے گھر سے بے پردہ نکلنے کے متعلق قرآن	۲۸۰	۲۹۳	نام لکھنا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب	۲۹۳
۱۳۳	اور سنت کی تصریحات	۲۸۱	۲۹۴	میں پہلے اللہ کا نام لکھنا	۲۹۴
۱۳۴	پردہ کے لزوم کے متعلق قرآن اور سنت کی	۲۸۲	۲۹۵	ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کارفرما شاہوں کی	۲۹۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	طرف مکاتیب	۶۷۸		ساتنے حاضر کرنے کی کیفیت	۶۹۱
۱۳۹	ہر بد کا بقیس کو مکتوب پہنچانا	۶۷۹	۱۵۵	رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت "نہی" کے مظاہر	۶۹۲
۱۴۰	نبی کے ادب سے ایمان پانا اور نبی کی بے ادبی	۶۸۰	۱۵۶	ولی اور اس کی کرامت کی تعریفیں اور کرامت کے وقوع پر دلائل	۶۹۳
۱۴۱	سے ایمان سے محروم ہونا اور نیا دُعا و خیرت کی ذلت	۶۸۰	۱۵۷	بقیس کے ایمان لانے کی تفصیل	۶۹۴
	حضرت سلیمان علیہ السلام نے بسم اللہ الرحمن الرحیم سے پہلے اپنا نام کیوں لکھا؟	۶۸۰	۱۵۸	بقیس کے نکاح کا بیان	۶۹۵
۱۴۲	ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکاتیب میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا کب شروع کیا؟	۶۸۱	۱۵۹	ولقد ارسلنا الی ثمود اخاهم صلحا ان اعبدوا اللہ (۵۹-۳۵)	۶۹۵
۱۴۳	آیا حضرت سیمان علیہ السلام نے بقیس کو اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا تھا یا اپنی بادشاہت تسلیم کرنے کا؟	۶۸۲	۱۶۰	اس سورت میں حضرت صالح علیہ السلام کا تیسرا قصہ	۶۹۸
	قالست بما ایہذا العلل الفتوی فی امری ما کنت فاطعة امرا حتی تشہدون (۳۳-۳۲)	۶۸۲	۱۶۱	حضرت صالح علیہ السلام اور قوم ثمود کا تصرف	۶۹۸
۱۴۵	مشورہ کی اہمیت	۶۸۵	۱۶۲	محسوس اور بدگلوئی کی تحقیق	۶۹۹
۱۴۶	ایک دوسرے کو جہاد دینے کے جواز اور احتیاط	۶۸۵	۱۶۳	افغانی لوگوں کرنے والے نو آدمیوں کے نام	۶۹۹
	کے متعلق احادیث	۶۸۵	۱۶۴	حضرت صالح کے مخالفین کی سازش کو اللہ تعالیٰ کا ناکام بنانا	۷۰۰
۱۴۷	بقیس کے پیچھے ہونے پر بدیہ کی تفصیل	۶۸۷	۱۶۵	قوم ثمود کے ہلاک ہونے کی کیفیت	۷۰۰
۱۴۸	بقیس کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں روانہ ہونا	۶۸۸	۱۶۶	حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے متبعین کا انجیر سے نکل جانا	۷۰۱
۱۴۹	تخت بقیس منگوانے کی وجوہات	۶۸۸	۱۶۷	اس سورت میں حضرت لوط علیہ السلام کا چوتھا قصہ	۷۰۱
۱۵۰	عقریت کا معنی	۶۸۹	۱۶۸	قوم لوط کو بے حیائی کے کاموں پر بصیرت رکھنے والا بھی فرمایا اور جاہل بھی اس کی توجیہ	۷۰۱
۱۵۱	عقربست من الجن کی پیش کش کہ وہ رہا پر خواست ہونے سے پہلے تخت کو حاضر کر دے گا	۶۸۹	۱۶۹	قوم لوط پر زمین کا پلٹ دینا	۷۰۲
۱۵۲	حضرت سلیمان کے ولی کا پلک جھپکنے سے پہلے تخت بقیس کو حاضر کر دینا	۶۹۰	۱۷۰	فضل قوم لوط کی سزا اور اس کی دینی و دنیاوی قربانیاں	۷۰۳
۱۵۳	جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا اس کا مصداق کون تھا؟	۶۹۰	۱۷۱	ہر اہم کام کی ابتدا بسم اللہ الحمد للہ اور صلوة وسلام سے کرنے میں قرآن حدیث اور سلف صالحین کی اتباع ہے	۷۰۳
۱۵۴	تخت بقیس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے	۶۹۰	۱۷۲	اس اعتراض کا جواب کہ کفار کے خود ساختہ معبودوں میں بھی کوئی اچھائی ہے	۷۰۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۷۳	امن خلق السموات والارض وانزل لکم	۷۳	۷۳	تکلیف	۷۳
۷۴	من السماء ماء (۶۰-۶۱)	۷۴	۷۴	مظہر اور مکرہ کی فریادری سے توحید پر استدلال	۷۴
۷۵	اللہ تعالیٰ کا اپنی توحید پر دلائل بیان فرماتا	۷۵	۷۵	مشر و شرک کا ثبوت اور شرک کا ابطال	۷۵
۷۶	آسمانوں اور زمینوں کی نعمتیں عطا کرنے سے	۷۶	۷۶	ہل ادارک علیہم فی الامور کے معنی	۷۶
۷۷	توحید پر استدلال	۷۷	۷۷	علم غیب کی تحقیق	۷۷
۷۸	تصویر بنانے کے شرعی حکم کی تحقیق	۷۸	۷۸	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے حقائق	۷۸
۷۹	جامعہ کی تصویر بنانے کی تحریم اور ممانعت کے	۷۹	۷۹	سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مفتی محمد شفیع کا نظریہ	۷۹
۸۰	متعلق احادیث	۸۰	۸۰	سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر پر مصنف کا تبصرہ	۸۰
۸۱	بے جان چیزوں کی تصویر بنانے کے جواز کی	۸۱	۸۱	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب نہ کہنے کے	۸۱
۸۲	حدیث	۸۲	۸۲	متعلق اہل حضرت امام احمد رضا خاں کی تصریح	۸۲
۸۳	تصویر بنانے کے حکم میں فقہاء شافعیہ اور مالکیہ کا	۸۳	۸۳	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کے	۸۳
۸۴	نظریہ	۸۴	۸۴	ثبوت میں اہل حضرت کے دلائل	۸۴
۸۵	تصویر بنانے کے حکم میں فقہاء احناف کا نظریہ	۸۵	۸۵	غیب کا لغوی معنی	۸۵
۸۶	تصویر اور فوٹو گراف کے متعلق علماء اہل ہند کا نظریہ	۸۶	۸۶	غیب کا اصطلاحی معنی	۸۶
۸۷	تصویر اور فوٹو گراف کے متعلق مصنف کا موقف	۸۷	۸۷	رسول اللہ کو علم غیب دینے جانے کے متعلق قرآن	۸۷
۸۸	ویڈیو اور ٹی وی کی تصاویر کا شرعی حکم	۸۸	۸۸	مجید کی آیات	۸۸
۸۹	جو علماء دلائل کی بناء پر فوٹو اور ٹی وی کی تصاویر کے	۸۹	۸۹	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے متعلق	۸۹
۹۰	جواز کے قائل ہیں ان پر لعن طعن نہیں کرنی چاہیے	۹۰	۹۰	احادیث	۹۰
۹۱	ضرورت کی بناء پر پاسپورٹ کے فوٹو گراف کی	۹۱	۹۱	اہل: ۶۵: میں اللہ کے غیر سے علم غیب کی نفی کا مکمل	۹۱
۹۲	رضعت	۹۲	۹۲	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی ایک دلیل	۹۲
۹۳	زمین کی خصوصیات سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر	۹۳	۹۳	وقال الذین کفروا اذا کنا ترابا وابالنا	۹۳
۹۴	استدلال	۹۴	۹۴	النار المعرجون (۸۴-۸۵)	۹۴
۹۵	مظہر کے مصداق کے متعلق اقوال	۹۵	۹۵	کفار کی باتوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل دینا	۹۵
۹۶	مظہر (بے قرار) کی دعا	۹۶	۹۶	موت کا قیامت صغریٰ ہونا	۹۶
۹۷	قرآن اور حدیث سے اس پر استدلال کہ مظہر اور	۹۷	۹۷	مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ بیحد صاف رکھیں	۹۷
۹۸	محبت زدگی دعا قبول ہوتی ہے خواہ وہ مسن ہو	۹۸	۹۸	یہودیوں کا اختلاف کن امور میں تھا؟	۹۸
۹۹	یا کافر	۹۹	۹۹	سامع موقی کے ثبوت میں احادیث اور آثار	۹۹
۱۰۰	مظلوم مسافر اور والد کی دعا جلد قبول فرمانے کی	۱۰۰	۱۰۰	جن کے ایمان لانے کا اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا	۱۰۰

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۷۶۳	سورۃ القصص		۷۴۰	وہی دولت ایمان سے شرف ہوگا	
۷۶۵	سورۃ کا نام	۱	۷۴۱	اللہ تعالیٰ کے قول واقع ہونے کی تفسیر میں اقوال	۲۱۲
۷۶۵	قصص کی انجیل سے مناسبت	۲		وآیۃ الارض کی صورت اور اس کے نکل خروج کے	۲۱۳
۷۶۶	سورۃ القصص کے مشمولات	۳	۷۴۲	متعلق احادیث آثار اور مفسرین کے اقوال	
۷۶۷	سورۃ القصص کے اغراض	۴		ویوم نحشر من کل امۃ فوجا ممن	۲۱۴
	طسم ۵ تِلْكَ اَيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ	۵	۷۴۵	یكذب بايضا فهم يوزعون (۸۳-۸۴)	
۷۶۸	(۱-۱۳)		۷۴۷	حشر کے دن کفار کے کفر و شرک پر زجر و توبخ	۲۱۵
۷۷۰	طسم کا معنی	۶		دن اور رات کے تعاقب میں توحید رسالت اور	۲۱۶
۷۷۰	سورۃ القصص کا خلاصہ	۷	۷۴۸	تشریح کی دلیل	
۷۷۱	مومنوں پر تلاوت کرنے کی تخصیص کی توجیہ	۸	۷۴۸	صور کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۲۱۷
۷۷۱	شیعہ کا معنی	۹	۷۴۹	صور اور صور پھونکنے کے متعلق احادیث	۲۱۸
۷۷۱	نبی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنے کی وجوہ	۱۰	۷۴۹	سکتی بار صور پھونکا جائے گا؟	۲۱۹
۷۷۲	نبی اسرائیل کو ناصت اور بادشاہت سے نوازا	۱۱	۷۵۰	تین بار صور پھونکنے کے دلائل اور ان کے جراثیم	۲۲۰
۷۷۳	فرعون کا اپنے خدشات کا شکار ہونا	۱۲	۷۵۲	دو بار صور پھونکنے کے دلائل	۲۲۱
	حضرت موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کا معنی اور اس	۱۳	۷۵۳	نسخۃ الصعق سے کون کون سے افراد مستثنیٰ ہیں؟	۲۲۲
۷۷۳	وحی کا بیان			کیا حضرت موسیٰ کا ہمارے نبی سے پہلے ہوش	۲۲۳
	حضرت موسیٰ کی ولادت کے سلسلہ میں ارحامات	۱۴	۷۵۵	میں آنا ان کی افضلیت کو مستلزم ہے؟	
۷۷۴	(اعلان نبوت سے پہلے کے خلاف عادت واقعات)			نسخۃ الصعق سے استثناء میں علامہ قرطبی کا	۲۲۴
۷۷۶	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا نام	۱۵	۷۵۷	آخری قول	
	حضرت موسیٰ کے فرعون کے گھر بچنے میں مزید	۱۶		قیامت کے دن پہاڑوں کی ٹوٹ پھوٹ اور بڑھ	۲۲۵
۷۷۷	ارحامات		۷۵۷	ریزہ ہونے کی مختلف حالتیں	
	حضرت موسیٰ کی ماں کے دل خالی ہونے کے	۱۷	۷۵۸	لا اِلهَ اِلاَّ اللہ محمد رسول اللہ کا سب سے بڑی نیکی ہونا	۲۲۶
۷۷۸	محال		۷۵۹	نیکی کا اجر یک کام سے کیوں افضل ہے؟	۲۲۷
۷۷۹	دوسری عورتوں کا دودھ نہ پینے کی وجوہ	۱۸		قیامت کے دن عام مسلمان کیسے بے خوف ہوں	۲۲۸
۷۷۹	اکثر لوگوں کے نہ جاننے کے محال	۱۹	۷۶۰	گے جب کہ انبیاء کرام بھی خوف زدہ ہوں گے	
	فرعون کی بیوی اور حضرت موسیٰ کی بہن کے انصاف	۲۰	۷۶۱	شہر کی اہمیت اور خصوصیت	۲۲۹
	اور جنت میں ان کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم		۷۶۲	سورۃ انجیل کا تاخر	۲۳۰
۷۸۰	کے نکاح میں ہونا				

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۱	ولما بلغ اشدہ واستوی اتینہ حکما وعلما (۲۱-۱۳)	۴۷	۷۸۰	اس بات کا جواب کہ منکوحہ کے قصین کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا اور شعیب علیہ السلام نے کسی ایک بیٹی کا قصین نہیں کیا تھا	۷۸۲
۲۲	اشد اور استوی کے معنی کی تحقیق	۷۸۲	۷۸۳	اس کی تحقیق کہ ہر بی بیہائشی نبی ہوتا ہے یا اس کو چالیس سال کی عمر میں نبوت دی جاتی ہے؟	۷۸۳
۲۳	ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تخلیق کائنات سے پہلے نبوت سے متصف ہونا	۷۸۵	۷۸۶	حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم اور علم دینے کا معنی	۷۸۶
۲۴	حضرت موسیٰ کے شہر میں دخول کے وقت لوگوں کے غافل ہونے کا معنی	۷۸۷	۷۸۷	حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا دیا جانا	۷۸۷
۲۵	حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم اور علم دینے کا معنی	۷۸۷	۷۸۷	حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا دیا جانا	۷۸۷
۲۶	حضرت موسیٰ کے شہر میں دخول کے وقت لوگوں کے غافل ہونے کا معنی	۷۸۷	۷۸۷	حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا دیا جانا	۷۸۷
۲۷	حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا دیا جانا	۷۸۷	۷۸۷	حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا دیا جانا	۷۸۷
۲۸	حضرت موسیٰ کے اس قول کی توجیہ کہ "میں مجرموں کا مددگار نہیں ہوں گا"	۷۸۸	۷۸۸	قرآن مجید اور احادیث سے ظالم کی مدد کرنے کی ممانعت	۷۸۸
۲۹	قرآن مجید اور احادیث سے ظالم کی مدد کرنے کی ممانعت	۷۸۸	۷۸۸	اپنی جماعت کے اسرائیلی کو کھلا ہوا گمراہ کہنے کی توجیہ	۷۹۰
۳۰	اپنی جماعت کے اسرائیلی کو کھلا ہوا گمراہ کہنے کی توجیہ	۷۹۰	۷۹۰	اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو جہار (دادا گیر) کیوں کہا تھا؟	۷۹۰
۳۱	اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو جہار (دادا گیر) کیوں کہا تھا؟	۷۹۰	۷۹۰	ولما لوجہ لقلقاء مدین قال عسی ربی ان یتبدلی سوا السبیل (۲۸-۲۲)	۷۹۱
۳۲	ولما لوجہ لقلقاء مدین قال عسی ربی ان یتبدلی سوا السبیل (۲۸-۲۲)	۷۹۱	۷۹۱	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین پہنچنا اور شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلانا	۷۹۲
۳۳	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین پہنچنا اور شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلانا	۷۹۲	۷۹۳	حضرت موسیٰ کا حضرت شعیب کے گھر جانا	۷۹۳
۳۴	حضرت موسیٰ کا حضرت شعیب کے گھر جانا	۷۹۳	۷۹۳	لائی والوں کی طرف سے لڑکے کو نکاح کی پیشکش کرنے کا جواز اور احتیاج	۷۹۳
۳۵	لائی والوں کی طرف سے لڑکے کو نکاح کی پیشکش کرنے کا جواز اور احتیاج	۷۹۳	۷۹۳	قرآن مجید اور احادیث میں اجارہ (اجرت) کے ذکر	۷۹۳
۳۶	قرآن مجید اور احادیث میں اجارہ (اجرت) کے ذکر	۷۹۳	۷۹۳	کام کرانے کا ثبوت	۷۹۵
۳۷	کام کرانے کا ثبوت	۷۹۵	۷۹۵	کام کرانے کا ثبوت	۷۹۵

صفحہ	عنوان	صفحہ	صفحہ	عنوان	صفحہ
۸۶۳	مشرکین کے مددگار بننے کی ممانعت کے عمل	۸۳۶	۸۳۶	مصلحہ (۷۵-۶۱)	
	اس آیت کی توجیہ کس آپ پر گز شرک کرنے والوں	۸۳۸	۸۳۸	مومن اور کافر کی دنیا اور آخرت میں تقابل	۸۳
۸۶۳	میں سے نہ ہوں			قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا مشرکین سے بطور	۸۵
۸۶۵	اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے پر دلائل	۸۳۹	۸۳۹	زجر و توبیح کا مفر مانا	
۸۶۵	اختصاصی کلمات اور دعا	۸۳۹	۸۳۹	جن چیزوں کو اللہ نے پسند فرمایا	۸۶
۸۶۷	ماخذ و مراجع	۸۵۰	۸۵۰	استحارہ کے متعلق احادیث	۸۷
		۸۵۱	۸۵۱	استحارہ کا طریقہ	۸۸
				اولیاء اللہ کو مشکل کشا کہنے کو سید مودودی کا شرک	۸۹
		۸۵۱	۸۵۱	قراردینا اور اس کا جواب	
		۸۵۳	۸۵۳	اسباب معیشت کی نعمتیں	۹۰
		۸۵۳	۸۵۳	ایک آیت کو دو پرہیزگاروں کے توجیہ	۹۱
				ان قارون کان من قوم موسیٰ فیہ علیہم	۹۲
		۸۵۳	۸۵۳	والنہ من الکنوز (۸۲-۷۶)	
				قارون کا نام و نسب اور اس کے ماں دولت کی	۹۳
		۸۵۶	۸۵۶	فراوانی	
				قارون کا اپنے مال کو علیہ الہی قرار دینے کی	۹۴
		۸۵۶	۸۵۶	بھائے اپنی قابلیت کا ثمرہ بھگنا	
		۸۵۷	۸۵۷	قارون کا اپنے مال و دولت پر اترانا اور اکرنا	۹۵
		۸۵۸	۸۵۸	قارون کو زمین میں دھنسا دینا	۹۶
				قارون کی حضرت موسیٰ سے دشمنی اور حضرت موسیٰ	۹۷
		۸۵۸	۸۵۸	کی اس کے خلاف دہ کرنے کی وجہ	
		۸۵۹	۸۵۹	وہکان کا معنی اور اس کی ترکیب	۹۸
				تسلک الدار الاخرۃ نجعلہا للذین	۹۹
		۸۵۹	۸۵۹	لا یریدون علوا فی الارض (۸۸-۸۳)	
		۸۶۰	۸۶۰	طلو اور رساد کے معنی	۱۰۰
		۸۶۱	۸۶۱	مجاد کے متعلق مختلف اقوال	۱۰۱
				بشت سے پہلے آپ کو نبی ہونے کے علم تھا یا	۱۰۲
		۸۶۲	۸۶۲	نہیں؟	

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين الذي استغنى في حمده عن الحامدين وانزل القرآن تبياناً لكل شيء عند العارفين والصلوة والسلام على سيدنا محمد الذي استغنى بصلوة الله عن صلوة المصلين واختص بارضاء رب العالمين الذي بلغ اليانما انزل عليه من القرآن وبين لنا ما نزل عليه بتبيان وكان خلقه القرآن وتحدي بالفرقان وعجز عن معارضته الانس والجان وهو خليل الله حبيب الرحمن لواءه فوق كل لواء يوم الدين قائد الانبياء والمرسلين امام الاولين والاخرين شفيح الصالحين والمذنبين واختص بتخصيص المغفرة له في كتاب مبين وعلى آله الطيبين الطاهرين وعلى اصحابه الكاملين الراشدين وازواجه الطاهرات امهات المؤمنين وعلى سائر اولياء امته وعلماء ملته اجمعين - اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا ومولانا محمد عبده ورسوله - اعوذ بالله من شرور نفسي ومن سيئات اعمالي من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له اللهم ارني الحق حقاً وارزقني اتبعه اللهم ارني الباطل باطلا وارزقني اجتنابه اللهم اجعني في تبيان القرآن على صراط مستقيم وثبتني فيه على منهج قويمة واحص مني عن الخطأ والزلل في تحريره واحفظني من شر الحاسدين وزيع المعاندين في تقريره اللهم ارني في قلبي اسرار القرآن وشرح صدرى لمعانى الفرقان ومتعني بفيوض القرآن ونور من يانوار الفرقان واسعدني لتبسيان القرآن رب زدني علماً رب ادخلني مدخل صدق واخرجني مخرج صدق واجعل لي من لدنك سلطاناً نصيراً اللهم اجعله خالصاً لوجهك ومقبولاً عندك وعند رسولك واجعله شائعاً ومستفيضاً وفيضاً مرغوباً في اطراف العالمين الى يوم الدين واجعله لي ذريعة للمغفرة ووسيلة للنجاة وصدقة تجارية الى يوم القيامة وارزقني زيارة النبي صلى الله عليه وسلم في الدنيا وشفاعته في الآخرة واحيني على الاسلام بالسلامة وامتنني على الايمان بالكرامة اللهم انت ربى لا اله الا انت خلقتني وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعت اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك على وابوء لك بذنبي فاغفر لي فانه لا يغفر الذنوب الا انت آمين يا رب العالمين -

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا نہایت مہربان ہے O

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے حق میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوة و سلام کا سیدنا محمد ﷺ پر نازل ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوة نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوة پیچھے والے کی صلوة سے مستغنی ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن انسان کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے قلیل اور محبوب ہیں قیامت کے دن ان کا جہنم ابراہیمؑ سے بلند ہوگا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکو کاروں اور گنہگاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے اور ان کی پاکیزہ آل ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات امہات المؤمنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوة و سلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بد اعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ چاہت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے "تہیان القرآن" کی تفسیر میں صراطِ مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تحریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا لقاہ کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لئے کھول دے مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے "تہیان القرآن" کی تفسیر کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر! اے میرے رب! تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقے سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لئے) مددگار ہو۔ اے اللہ! اس تفسیر کو صرف اپنی رضا کے لئے مقدّر کر دے اور اس کو اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی بارگاہ میں مقبول کر دے اس کو قیامت تک تمام دنیا میں مشہور مقبول محبوب اور اثر آفرین بنا دے اس کو میری مغفرت کا ذریعہ میری نجات کا وسیلہ اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی ﷺ کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر! مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور عزت کی موت عطا فرما! اے اللہ! تو میرا رب ہے میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کئے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بد اعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین!

سُورَةُ النُّورِ

(٢٤)

بسم الله الرحمن الرحيم
نحمده ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورة النور

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام سورۃ النور ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں یہ آیت ہے۔

لَنُفِثَنَّ نَورًا مِّنْ سَمَوَاتٍ وَّاَلَا تَرٰ جَنَّاتٍ (النور: ۳۵)

اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔

اور اسی کے نور سے آسمان اور زمین منور اور روشن ہیں اور اسی کے نور سے جن اور انس جاہلیت پاتے ہیں۔ اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں تمام انسانوں کی تمدنی اور اجتماعی حیات کے اصول اور احکام منور اور روشن کر دیئے گئے ہیں اور اس کے آداب اور فضائل بیان فرما دیئے ہیں اور اس کے فقہی احکام اور قواعد مقرر فرما دیئے ہیں۔

سورة النور کی فضیلت میں احادیث اور آثار

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سورۃ البقرۃ سورۃ النساء سورۃ المائدہ سورۃ الحج اور سورۃ النور کا علم حاصل کرو کیونکہ ان میں فرائض ہیں۔ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(المسند رک ۲ ص ۳۹۵ طبع قدیم المسند رک طبع جدید رقم اللہ یت ۳۵۳۵)

امام ابویسید نے فضائل قرآن میں عارث بن مسرب سے روایت کیا ہے کہ ہماری طرف حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہ لکھ کر بھیجا کہ تم لوگ سورۃ النساء سورۃ الاحزاب اور سورۃ النور کا علم حاصل کرو۔

امام حاکم نے ابو داؤد سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے ایک ساتھی کے ساتھ حج کیا اور میرے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی تھے حضرت ابن عباس سورۃ النور کو پڑھتے تھے اور اس کی تفسیر کرتے تھے میرے ساتھی نے کہا بھائی اللہ! اس شخص کے منہ سے کیسے جواہر پادے نکل رہے ہیں اگر ترک ان کو سن لیتے تو مسلمان ہو جاتے۔

(الدر المنثور ج ۲ ص ۱۲۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کو بالا خانوں (اور گیلریوں) میں نہ بٹھاؤ اور ان کو لکھنا نہ سکھاؤ اور ان کو سوتا کاٹا اور سورۃ النور سکھاؤ۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کو امام بخاری اور امام

شہوانی تھنوں کو چورا کیا سو وہی لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں اور سورۃ انور میں تفصیل کے ساتھ حرام محل میں شہوت پوری کرنے والوں کے متعلق فرمایا:

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَن يُدْرِكُهُ الْيَوْمِ الظُّلُمُ فَهُم مِّنْ الْمُؤْمِنِينَ ۝۵ (انور: ۵)

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور ان پر اللہ کی حد جاری کرنے میں تم ہرگز غری نہ کرو اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو ان کی سزا کا ضرور مشاہدہ کرنا چاہیے۔

زنا کی حد بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے تتر کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں زنا کی تہمت (قذف) کی حد کا بیان فرمایا:

وَالَّذِينَ يَزْنُونَ يَزْنُونَ زِينَةً يَشَاءُ آيَاتُ الَّذِينَ يَأْتُونَ يُقَدِّمُونَ إِلَيْنَا إِذْ يَبْلُغُونَ الْحَدَّ ثُمَّ نَصْلِيهِمْ ۝۶ (انور: ۶)

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر وہ چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو اور ان کی شہادت کو کبھی بھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ ناسق ہیں۔

اسی ضمن میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے جو بدکاری کی تا پاک تہمت لگائی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت میں سورۃ انور کی دس آیتیں (انور: ۱۱-۲۰) نازل فرمائیں۔

اور چونکہ زنا کا باعث اور محرک عورتوں اور مردوں کا ایک دوسرے کو دیکھنا اور آزادانہ میل جول ہوتا ہے اور باوجود قدرت کے شادی نہ کرنا ہوتا ہے اس لیے یہ احکام دینے کے عورتیں اور مرد ایک دوسرے کو نہ دیکھیں اور نظریں نیچی رکھیں اور عورتیں اجنبی مردوں سے پردہ کریں اور جو مرد نکاح کی قدرت رکھتے ہوں وہ نکاح کر کے اپنی پاک دامنی کی حفاظت کریں۔

سورۃ انور کا زمانہ نزول

منافقین نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جو بدکاری کی تہمت لگائی تھی اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ام المؤمنین کی برأت بیان فرمائی ہے اور تہمت لگانے والوں پر اسی (۸۰) کوڑے مارنے کا حکم نازل فرمایا تہمت لگانے کا یہ واقعہ غزوہ بنو مطلق یا غزوہ مرسیع میں پیش آیا تھا۔

غزوہ قریش کا حلیف اور ان کا ہم عہد ایک قبیلہ تھا خزاعہ کا ایک خاندان بنو المصطلق کہلاتا تھا اس خاندان کا رئیس عمارت بن ابی ضرار تھا یہ خاندان مقام مرسیع میں تھا مرسیع مدینہ منورہ سے نو منزل کے فاصلہ پر ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری حوالی ۲۵۶ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا یہ غزوہ چہ بھری میں ہوا موسیٰ بن عقبہ نے کہا یہ غزوہ چہ بھری میں ہوا اور النعمان بن راشد نے زہری سے روایت کیا کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کا واقعہ غزوہ المرسیع میں ہوا تھا۔ المرسیع مکہ کے شمال میں قدیم کی طرف پانی کا ایک چشمہ ہے۔ (صحیح البخاری کتاب المغازی غزوہ بنو المصطلق اور یہی غزوہ المرسیع ہے)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی حوالی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

المصطلق لقب ہے اور اس کا نام جذیم بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن عارض ہے اور یہ بنو خزاعہ کے بطن سے ہے۔

المرسیع بنو خزاعہ کے پانی کے چشمہ کا نام ہے یہ انصرع سے ایک دن کی مسافت پر ہے۔ امام طبرانی نے سفیان بن ویرہ سے روایت کیا ہے ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ المرسیع میں تھے اور یہی غزوہ بنو المصطلق ہے۔

امام ابن اسحاق نے کہا یہ غزوہ ۶ ہجری میں ہوا تھا (مغازی ابن اسحاق) امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ نے کہا یہ غزوہ چار ہجری میں ہوا ہے لیکن یہ سبقت قلم کی لغزش ہے۔ امام بخاری نے پانچ ہجری لکھنے کا ارادہ کیا لیکن ان کے قلم سے چار ہجری لکھا گیا کیونکہ مغازی موسیٰ بن عقبہ میں پانچ ہجری ہی لکھا ہوا ہے اور حاکم ابو سعید خضاعی اور امام بیہقی وغیرہ نے بھی پانچ ہجری ہی نقل کیا ہے۔ ابن شہاب زہری نے موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے نقل کیا ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو المصطلق اور بنو لیان سے شعبان پانچ ہجری میں جہاد کیا اور حاکم نے اکلیل میں کہا ہے کہ یہ غزوہ پانچ ہجری میں ہوا تھا مردہ وغیرہ سے اسی طرح منقول ہے اور یہ ابن اسحاق کے قول سے زیادہ حق کے قریب ہے جنہوں نے کہا تھا کہ یہ غزوہ چھ ہجری میں ہوا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ پر حبشہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ کے درمیان تازع ہو گیا تھا اگر غزوہ المرسیع چھ ہجری میں ہوتا جب کہ حبشہ لگانے کا واقعہ اسی غزوہ میں ہوا تھا تو اس حدیث میں حضرت سعد بن معاذ کا ذکر غلط ہوتا کیونکہ حضرت سعد بن معاذ ایام بنو قریظہ میں فوت ہو گئے تھے اور یہ غزوہ پانچ ہجری میں ہوا تھا پس اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ غزوہ المرسیع شعبان پانچ ہجری میں ہوا تھا اور یہ غزوہ خندق سے پہلے ہوا تھا اور غزوہ خندق شوال پانچ ہجری میں ہوا تھا اور غزوہ خندق غزوہ بنو المصطلق کے بعد ہوا تھا اور حضرت سعد بن معاذ غزوہ المرسیع میں زندہ موجود تھے اور غزوہ خندق میں ان کو ایک حیر آ کر کا تھا اور اس کے زخم میں حضرت سعد بن معاذ فوت ہو گئے تھے۔

غزوہ المرسیع کے پانچ ہجری میں ہونے کی حریہ تائید اس سے ہوتی ہے کہ حبشہ کی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ یہ واقعہ پردہ کے احکام نازل ہونے کے بعد ہوا تھا اور حجاب کے احکام ایک جماعت کے نزدیک چار ہجری میں نازل ہوئے تھے۔ پس ثابت ہوا کہ غزوہ المرسیع چار ہجری کے بعد وقوع پذیر ہوا لہذا یہ راجح قرار پایا کہ غزوہ المرسیع پانچ ہجری میں ہوا ہے اور علامہ واقدی نے جو یہ کہا ہے کہ پردہ کے احکام پانچ ہجری میں نازل ہوئے تو ان کا یہ قول مردود ہے اور غلیفہ اور ابو سعید اور متعدد علماء نے کہا ہے کہ پردہ کے احکام تین ہجری میں نازل ہوئے غلامہ یہ ہے کہ پردہ کے احکام کے نزول کے متعلق تین قول ہیں اور مشہور قول یہ ہے کہ وہ چار ہجری میں نازل ہوئے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۹۵-۱۹۶ سلوہ دار الفکر بیروت رمضان ۱۴۳۰ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے متعدد دلائل اور شواہد سے یہ واضح کر دیا ہے کہ غزوہ بنو المصطلق پانچ ہجری کو وقوع پذیر ہوا تھا اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ سورۃ النور پانچ ہجری میں نازل ہوئی ہے۔ غزوہ بنو المصطلق کی تاریخ کے سلسلہ میں حسب ذیل احادیث بھی لائق مطالعہ ہیں:

امام ابوبکر احمد بن حسین بن عیسیٰ متوفی ۳۵۸ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
عروہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بنو المصطلق اور لیان شعبان پانچ ہجری میں ہوئے۔
ابن شہاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی میں ذکر کیا ہے کہ غزوہ بنو المصطلق اور بنو لیان شعبان پانچ ہجری میں ہوئے۔

فقہہ بیان کرتے ہیں کہ المرسیع پانچ ہجری میں ہوا۔
واقعی نے کہا کہ غزوہ المرسیع پانچ ہجری میں ہوا۔ دو شعبان کو ہجر کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور یکم رمضان کو واپس مدینہ میں آئے۔ آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں غلیفہ بتایا تھا۔

(دلائل المصلحہ ج ۳ ص ۳۶-۳۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

امام محمد بن عمر بن واقد التتوی ۲۰ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

۲ شعبان ۵۰ھ ہجری کو کعبہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۃ المریض کے لیے روانہ ہوئے اور یکم رمضان کو مدینہ واپس آئے آپ دو دن کم ایک ماہ مدینہ سے غائب رہے۔

عمر بن حنن الخواری عبد اللہ بن یزید بن قیس عبد اللہ بن یزید المصطفیٰ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ بنو المصطلق خزاعہ کی شاخ ہیں اور وہ انصر کے جانب رہتے تھے۔ یہ لوگ بنو مدیج کے حلیف تھے ان کا سردار الحارث بن ابی ضرار تھا۔ وہ اپنی قوم اور دوسرے عرب قبائل کے پاس گیا اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے کی دعوت دی سو انہوں نے گھوڑے اور ہتھیار خرید لیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہونے کے لیے تیار ہو گئے ان کی طرف سے کچھ سوار آئے اور انہوں نے ان کی روانگی کی خبر دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے حضرت بریدہ بن الحصیب المصطفیٰ کو اس کی تحقیق کے لیے روانہ کیا حضرت بریدہ نے آپ سے اجازت طلب کی کہ وہ ان کو دھوکا دینے کے لیے آپ کے خلاف باتیں کریں تاکہ ان کے راز معلوم ہوں آپ نے ان کو اجازت دے دی۔

حضرت بریدہ بنو المصطلق کے چشمہ (المریض) پر پہنچ گئے وہاں انہوں نے ایک مفرور قوم کو دیکھا جو ایک جمیعت کے ساتھ وہاں پر موجود تھی۔ ان لوگوں نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا میں تم ہی میں سے ایک شخص ہوں مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم یہاں پر اس مدعی نبوت کے لیے اکٹھے ہوئے ہو سو میں اپنی قوم میں اپنے ساتھیوں کے پاس جاتا ہوں تاکہ ہم سب مل کر حملہ کریں اور اس شخص کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ الحارث بن ابی ضرار نے کہا ہمارا بھی یہی مقصد ہے تم جلدی سے واپس آؤ۔ حضرت بریدہ نے کہا میں ابھی روانہ ہوتا ہوں اور تمہارے پاس اپنی قوم اور اپنے منافقین کے قبیلین کے ایک عظیم لشکر کو لے کر آتا ہوں۔ وہ سب یہ سن کر بہت خوش ہو گئے۔ حضرت بریدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوٹ آئے اور آپ کو ان لوگوں کے جمع ہونے کی خبر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بلایا اور انہیں دشمن کی تیاریوں کی خبر دی پھر مسلمان جلدی روانہ ہوئے ان کے ساتھ تیس گھوڑے تھے ان میں دس مہاجر گھوڑوں پر سوار تھے اور بیس انصار گھوڑوں پر سوار تھے۔ (امام واقدی نے سب کے نام ذکر کیے ہیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت منافقین بھی روانہ ہوئے اس سے پہلے کسی غزوہ میں اتنے منافقین روانہ نہیں ہوئے تھے۔ ان کو جہاد کرنے میں کوئی رحمت نہیں تھی وہ صرف مالی قیمت حاصل کرنے کی طمع میں اور یہ سوچ کر نکلے تھے کہ یہ مقام زیادہ دور نہیں ہے آپ نے مدینہ کے قریب اکلان نام کی ایک بستی میں قیام کیا وہاں عبد القیس کا ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اسلام قبول کر لیا۔ اس نے کہا میں آپ کے پاس آیا ہوں اور آپ کے ساتھ دشمن کے خلاف جہاد کروں گا۔ آپ نے فرمایا اللہ کی حمد ہے جس نے تم کو اسلام کی ہدایت دی پھر آپ بھاء (مدینہ سے چوبیس میل کے فاصلہ پر ایک جگہ) پہنچے وہاں مشرکین کا ایک جاسوس ملا۔ مسلمانوں نے اس سے پوچھا تمہارے پیچھے کون لوگ ہیں؟ اور کہاں ہیں؟ اس نے کہا مجھے معلوم نہیں! حضرت عمر بن الخطاب نے کہا تم جی جگہ متاؤ ورنہ میں تمہاری گردن آڑا دوں گا تب اس نے بتایا میں بنو المصطلق سے ہوں اور میرے پیچھے الحارث بن ابی ضرار ہے اور اس نے تمہارے خلاف بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے اور یہ کھڑے لوگ اس کے ساتھ ہیں اور مجھے اس نے اس لیے بھیجا ہے کہ میں مدینہ جا کر تمہاری خبر لاؤں آیا تم مدینہ سے روانہ ہو چکے ہو یا نہیں! اس پر

اسلام پیش کیا گیا اس نے اسلام قبول نہیں کیا حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا گیا۔ یہ خبر بنوالمصطلق میں پہنچی تھی۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اُم المؤمنین بھی بنوالمصطلق سے تھیں اور بنوالمصطلق کے سردار حارث کی بیٹی تھیں انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد بیان کیا کہ ہمارے پاس اس جاسوس کے قتل کیے جانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حملہ کرنے سے قبل ہی یہ خبر پہنچی گئی تھی۔ میرے والد اور ان کے اصحاب اس خبر سے بہت خوفزدہ ہوئے اور عرب کے وہ قبائل جو ان کے ساتھ آکر مل گئے تھے وہ سب بھاگ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المریض (پانی کے چشمہ) پر پہنچ گئے۔ آپ وہاں ٹھہر گئے اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چوڑے کا ایک ٹیبلہ لگا دیا گیا آپ کے ساتھ آپ کی ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ اور حضرت اُم سعد رضی اللہ عنہما بھی تھیں۔ مسلمان جنگ کے لیے تیار ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی صفیں بنائیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مہاجرین کا جھنڈا دیا اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو انصار کا جھنڈا دیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ وہ بنوالمصطلق میں یہ اعلان کریں کہ جس شخص نے لا الہ الا اللہ پڑھا یہ اس کی جان اور مال محفوظ ہو جائیں گے۔ انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا سب سے پہلے ان کی طرف سے ایک شخص نے تیر مارا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حملہ کرنے کا حکم دے دیا پھر مسلمانوں نے یکبارگی حملہ کیا جس سے کوئی شخص بچ نہیں سکا بنوالمصطلق کے دس آدمی مارے گئے اور باقی گرفتار ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں، عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا اور ان کے انٹوں اور بکریوں پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص شہید ہوا۔ (آب اللہ فی توفیقہ ج ۱ ص ۳۷۷-۳۷۸ مکتبہ بیروت الطبع ۱۳۸۳ھ)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۴۰ھ لکھتے ہیں:

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ المریض ہے جو شعبان پانچویں ہجری میں واقع ہوا بنوالمصطلق خزاعہ کی ایک شاخ ہے یہ بنوالمذحج کے حلیف تھے یہ ایک کنوئیں کے پاس رہتے تھے جس کو المریض کہتے تھے یہ کنواں اللرع سے ایک دن کی مسافت پر تھا اور اللرع اور مدینہ کے درمیان آٹھ برید کا فاصلہ ہے (ایک برید بارہ میل کی مسافت ہے) ان کا سردار الحارث بن ابی ضرار تھا اس نے اپنی قوم اور اپنے قبیلین کے ساتھ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کی تیاری کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی تو آپ نے حضرت برید بن الحصبہ الاسلمی کو احاطات معصوم کرنے کے لیے بھیجا اس کے بعد وہی تفصیل ہے جو امام واقدی نے بیان کی ہے۔ (حدیث الکبریٰ ج ۲ ص ۵۰-۵۱ معبودہ رکتب احیہ بیروت ۱۳۸۱ھ)

حضرت اُم المؤمنین جویریہ بنت الحارث بنوالمصطلق کے سردار الحارث بن ابی ضرار کی صاحبزادی تھیں جب بنوالمصطلق کو شکست ہوئی اور وہ گرفتار ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ بنت الحارث سے نکاح کر لیا ان کے نکاح کی تفصیل امام ابوداؤد نے اس طرح بیان کی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب بنوالمصطلق کے قیدی تقسیم کیے گئے تو حضرت جویریہ بنت الحارث بن قیس بن شمس کے حصہ میں پانچ کم زادے حصہ میں آئیں انہوں نے اپنے آپ کو مکاتب کر لیا وہ بہت حسین عورت تھیں ان پر خود بخود آنکھ پڑتی تھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدل کتابت کے متعلق سوال کرنے آئیں جب وہ دروازہ پر کھڑی تھیں تو میں نے ان کو دیکھ لیا اور میں نے ان کے وہاں پر آنے کو ناپسند کیا اور میں نے یہ جان لیا کہ جس طرح میں نے ان کے حسن کو دیکھا تھا اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی خوبصورتی کو دیکھ لیں گے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں جویریہ بنت الحارث ہوں اور میرے گرفتار ہونے کا معاملہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے اور میں (بہ صورت بدانی) حضرت ثابت بن قیس بن

میں کے حصہ میں آئی ہوں اور میں نے اپنے آپ کو مکاتب کر لیا ہے اور میں آپ سے بدل کتابت کا سوال کرنے آئی ہوں۔ آپ نے فرمایا: کیا میں تم کو اس سے زیادہ اچھی بات نہ بتاؤں؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! وہ کیا ہے؟ فرمایا میں تمہاری کتابت کی رقم ادا کروں اور تم سے نکاح کر لوں انہوں نے کہا میں نے یہ کر لیا۔ حضرت عائشہ نے کہا جب مسلمانوں نے یہ سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا ہے تو ان کے پاس بنو المصطلق جتنے قیدی تھے انہوں نے ان سب کو آزاد کر دیا اور کہا یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرسالی رشتہ دار ہو گئے (اب ہم ان کو کیسے غلام رکھ سکتے ہیں) حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے حضرت جویریہ کے علاوہ اور کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو اپنی قوم کے لیے اتنی بابرکت ثابت ہوئی ہو ان کے سب سے بنو المصطلق کے سو گھرانے آزاد کر دیے گئے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۳۱ مسند احمد ج ۶ ص ۷۷ مطبع قدیم مسند احمد رقم الحدیث: ۶۶۳۳ دارالحدیث قاہرہ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۷۷)

علامہ ابن حجر عسقلانی کے دلائل اور امام بیہقی امام واقدی اور امام محمد بن سعد کی روایت کردہ صریح احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ غزوہ بنو المصطلق شعبان پانچ ہجری میں ہوا ہے اور امام ابن اسحاق کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ غزوہ بنو المصطلق چھ ہجری میں ہوا ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے امام ابن اسحاق کے قول کو اختیار کیا ہے۔ (تخیم القرآن ج ۳ ص ۷۷) ہماری تحقیق کے مطابق یہ قول صحیح نہیں ہے اور اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ سورۃ النور کا زمانہ نزول پانچ ہجری ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے غزوہ بنو المصطلق سے واپسی میں تہمت لگائی تھی اس کا تفصیل سے ذکر ہم ان شاء اللہ النور: ۲۰-۱۱ میں کریں گے۔

الثور کے مسائل اور مقاصد

الثور: ۳-۱ میں زنا کی حد کا بیان فرمایا اور مسلمان مردوں پر کسی زانیہ یا مشرک سے نکاح کو حرام فرمادیا اور مسلمان عورتوں پر کسی زانی یا مشرک مرد سے نکاح کو حرام فرمادیا مگر بعد میں مسلمان مرد کے لیے زانیہ سے نکاح کی حرمت منسوخ فرمادی۔ منسوخ ہونے کی دلیل یہ آیت ہے:

فَاَذْكُرُوا مَا كَلَّمَكَ مِنْ الْبَشَرِ (النور: ۳)

اور جو عورتیں تمہیں اچھی لگیں ان سے نکاح کرلو۔

لیکن مشرک عورتوں اور مشرک مردوں کا مسلمان مردوں اور عورتوں سے نکاح ابداً حرام ہے صرف اہل کتاب کی عورتیں اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔ پس مسلمان مرد اہل کتاب عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں اور مسلمان عورتوں کا اہل کتاب مردوں سے نکاح بہر حال جائز نہیں ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ مسلمان مردوں کا اہل کتاب عورتوں سے دارالاسلام میں نکاح کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور دارالمکفر میں یہ نکاح مکروہ تحریمی ہے۔

الثور: ۵-۳ میں مسلمان پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے (قذف) کی سزا ۱۱ (۸۰) کوڑے مقرر فرمائی اور یہ فرمایا کہ جو شخص اپنی تہمت پر چار گواہ نہ پیش کر سکے وہ حد قذف کا مستحق ہوگا۔

الثور: ۱۰-۶ میں یہ ضابطہ بیان فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور اس کے ثبوت میں چار گواہ نہ پیش کر سکے اور اس کی بیوی اس تہمت کا انکار کرے تو فریقین ایک دوسرے پر لعان کریں گے۔ شوہر چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ جھوٹ میں سے ہے اور پانچویں بار کہے اگر وہ جھوٹ میں سے ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو اور عورت چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ اس کا خاوند یقیناً جھوٹ میں سے ہے اور پانچویں بار کہے کہ اگر اس کا خاوند جھوٹ میں سے ہے تو اس (عورت) پر

اللہ کا غضب نازل ہو۔

النور: ۳۶-۱۱ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جو منافقین نے تہمت لگائی تھی اس کی طرف اشارہ فرمایا اور ان چیزوں کا سد باب کیا جو معاشرہ کے بگاڑ کا باعث ہو سکتے ہیں اور جن منافقین نے یہ تہمت لگائی تھی ان کا پردہ قاش کیا اور جو مسلمان اس لپیٹ میں آ گئے تھے ان پر بھی عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے اپنی تعمیر سے منافقین کو تقویت پہنچائی اور ان کو صحیحہ فرمائی کہ وہ آئندہ ہوشیار رہیں اور منافقین کے کہنے میں نہ آئیں منافقین مسلمانوں کی عزت اور ناموس کو برباد کرنے کے درپے ہیں اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ منافق مسلمانوں کی ساتھ مجروح کرنے کے لیے جو تہمت لگائیں تو وہ اس ناپاک اور بے حیائی کی بات کو آگے پھیلا نا شروع کر دیں مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہیے اور بغیر ثبوت کے کسی الزام اور تہمت کو درخور اعتناء اور قابل توجہ نہیں سمجھنا چاہیے۔

النور: ۳۶-۲۷ میں فرمایا مسلمانوں کے لیے ایک دوسرے کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونا جائز نہیں ہے اور داخل ہونے کے بعد گھر والوں کو سلام کریں اور جب ان کو واپس جانے کے لیے کہا جائے تو واپس چلے جائیں۔ ہاں اگر کسی گھر میں لوگوں کی رہائش نہ ہو اور وہاں مسلمانوں کی کوئی چیز ہو تو پھر اس گھر میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے مسلمان مردوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی لگاؤں چینی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور مسلمان عورتوں کو بھی اپنی لگاؤں چینی رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا وہ اپنی عصمت کی حفاظت کریں اور جسم کے جس حصہ کا پردہ ممکن نہ ہو جیسے ہاتھ اور حیران کے سوا باقی جسم کو ڈھانپ کر رکھیں اور اپنے گریبانوں کو دو پٹوں سے چھپائے رکھیں اور اپنے خاوند اور محارم اپنے نوکروں اور کم عمر نا بچھ بچوں کے سوا اپنے بٹاؤ سنگھار کو کسی پر ظاہر نہ کریں اور زین پر بھی زور سے پاؤں مار نہ رکھیں تاکہ ان کی پوشیدہ زینت ظاہر نہ ہو۔

النور: ۳۶-۳۲ میں حکم دیا کہ جن مردوں اور عورتوں کا نکاح نہیں ہوا ہے ان کا نکاح کر دیا جائے اور جن کے پاس نکاح کرنے کے وسائل نہ ہوں وہ اپنی پاکیزگی کو برقرار رکھیں حتیٰ کہ اللہ اپنے فضل سے ان کے لیے نکاح کے وسائل کو مہیا کر دے جن گھروں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام بلند کرنے اور اس کو یاد کرنے کا حکم دیا ہے وہاں صبح و شام اس کا ذکر کیا جائے ان مسلمانوں کی تعریف اور تحسین فرمائی جو اپنے کاروبار اور تجارت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے اور کافروں کے برے اعمال کی مذمت فرمائی۔

النور: ۳۶-۴۱ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور توحید پر دلائل بیان فرمائے۔

النور: ۵۳-۴۷ میں منافقین کو مستحب فرمایا کہ ان کی یہ وہابی پالیسی کسی کام نہیں آ سکتی کہ وہ اپنے مفاد کی خاطر تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان کو ظاہر کرتے ہیں اور ظاہری اطاعت بھی کرتے ہیں اور جس حکم کی تعمیل میں ان کو اپنا نقصان نظر آئے تو اس پر عمل نہیں کرتے اگر ان کو دنیا میں نیک نامی اور آخرت میں کامیابی مطلوب ہے تو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں ورنہ وہ خفاق اور گم راہی کی وادی میں بھٹکتا چاہتے ہیں اس میں بھٹکتے رہیں اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی پروا نہیں ہے یہ لوگ بہت بچی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ہم آپ کا حکم ہوتے ہی جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں گے۔ آپ کہیے کہ زیادہ قسمیں نہ کھاؤ ہم کو تمہاری اطاعت کی حقیقت معلوم ہے آپ کہیے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو رسول کے ذمہ تو صرف احکام کا پہنچانا ہے اور اس کی جواب دہی تم سے ہوگی۔

النور: ۵۵-۵۷ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو یہ بشارت دی کہ زمین کی خلافت تمہارے لیے ہے تمہارے مخالفین تمہارے دین کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے تم فناء قائم کرتے رہو ذکوۃ ادا کرتے رہو اور اخلاص کے ساتھ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر ڈٹے رہو مگر یہ اللہ تعالیٰ تمہارے خوف اور پریشانی کی حالت کو امن اور سکون سے بدل دے گا۔

انور: ۶۱-۵۸ میں پورے کے احکام کی وضاحت فرمائی کہ تمہارے نوکروں اور تابعین بچوں کے لیے بھی گھروں میں داخل ہونے کے لیے تین اوقات میں اجازت حاصل کرنی ضروری ہے نماز فجر سے پہلے اور عصر کے وقت جب تم نے اپنے فرائض پکڑے اور اسے ہوئے ہوتے ہیں اور عشاء کی نماز کے بعد۔ اور بچے جب بائٹ ہو جائیں تو وہ بھی بڑے لوگوں کی حرمت اجازت لے کر گھروں میں داخل ہوں اور وہ یوزمی عورتیں جنہیں اب نکاح کی خواہش نہ رہی ہو وہ بھی اگر وہ تو کپڑے اتار کر گھروں میں رہیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ تاہم ان کے لیے بھی احتیاط سے رہنا زیادہ افضل ہے۔ نیز یہ اجازت دینی کہ معذور لوگ اور دیگر مسلمان اپنے ماں باپ رشتہ داروں اور دوستوں کے گھروں سے کچھ کھائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

انور: ۶۳-۶۲ میں اطاعت رسول کی ایک بار پھر تاکید فرمائی اور بتایا کہ قلص مسلمان ضرورت کے مواقع پر ہمیشہ اپنے رسول کے ساتھ رہے ہیں اور آپ کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتے سوائے مسلمان جب آپ سے کہیں جانے کی اجازت طلب کریں تو آپ انہیں اجازت دے دیں اور آخری آیت میں مسلمانوں سے فرمایا کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو ایسا نہ قرار دو جس طرح تم ایک دوسرے کو جانتے ہو اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی خلاف ورزی کرتے ہیں انہیں اس سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی ناگہانی مصیبت نہ ٹوٹ پڑے یا ان پر کوئی دردناک عذاب آجائے۔

یہاں تک ہم نے سورۃ انور کی آیات کا خلاصہ بیان کیا ہے اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید اور نصرت کی امید رکھتے ہوئے سورۃ انور کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔

اللہ العظیم اس سورت کی تفسیر میں مجھ سے وہی لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور حق اور صواب کو داعی کے ساتھ پیش کرنے کی توفیق دینا اور جو نظریات غلط اور باطل ہوں ان کی غلطی اور بطلان کو مجھ پر منکشف فرماتا اور ان کا رد کرنے کی سعادت عطا فرماتا۔ قرآن مجید کے اسرار اور نکات کے لیے میرے سید کو کھول دینا مجھے نیکی اور نیک چہنی پر مستقیم رکھنا اور صحت و راستی کے ساتھ اس تفسیر کو لکھواتے رہنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور شفاعت سے ہم و منہ فرماتا دینا اور آخرت میں بلاؤں اور عذاب سے محفوظ رکھنا اور مجھ اپنے فضل و کرم سے مجھے بخش دینا۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد وعلیہ
السلام وعلیہ وسلم
النسب منہ المرسلین شیعہ المذنبین وعلی الہ الطیبین واصحابہ الراشدین و ارواحہ
امہات المؤمنین وعلی اولیاء امہ وعلماہ ملئہ وامنہ اجمعین

خاتم رسول سعیدی غفرلہ

۲۹ جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ ۱۹ ستمبر ۲۰۰۱ء

موہاں نمبر ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

سُورَةُ النُّورِ
الْمَدَنِيَّةُ
۲۴

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة النور مدنی ہے اللہ کی کام سے (شرعاً کتابوں) جو نہایت اہم فرماتے تلاوت ہر ماں ہے اس کی چوتھی آیت نور کی ہیں

سُورَةُ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَأَنْزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لَّعَلَّكُمْ

یہ وہ سورت جو ہم نے نازل فرمائی اور ہم نے اس (کے احکام) کو فرض کیا اور ہم نے اس میں واضح آیتیں نازل فرمائیں تاکہ

تَذَكَّرُونَ ۝ الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

تم نصیحت حاصل کرو ۝ زانیہ عورت اور زانی مرد ان میں سے ہر ایک کو تم

مِائَةِ جَلْدَةٍ ۖ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنَّ

سو کوڑے مارو اور ان پر شری علم نافذ کرنے میں تم کو ان پر رحم نہ آئے اگر تم

كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَيْشَ هَذَا بَيْنَهُمَا طَائِفَةٌ

اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت

مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً ۖ وَ

حاضر ہوئی چاہے ۝ زانی مرد صرف زانیہ عورت یا مشرکہ عورت سے نکاح کرے گا اور

الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ۖ وَحُرِّمَ ذَلِكَ عَلَى

زانیہ عورت صرف زانی مرد یا مشرک مرد سے نکاح کرے گی اور مومنوں پر اس (نکاح) کو

الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا

حرام کر دیا گیا ہے ۝ اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی جہت لگائیں پھر (اس کے ثبوت میں)

بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً ۖ وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ

چار گواہ نہ چلیں کر سکیں تو تم ان کو اتنی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کو

شَهَادَةً أَبَدًا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا

کبھی بھی قبول نہ کرو اور بھی لوگ فاسق ہیں ۝ سوا ان لوگوں کے جو

پہلے

مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ

اس کے بعد توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے حد مہربان ہے ۝ اور جو لوگ

يَزْمُونَ آزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شَهَادَاتُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ

اپنی بیویوں کو زنا کی جہت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہوں

فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۝

تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور چوں میں سے ہے ۝

وَالْخَامِسَةَ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝

اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو ۝

وَيَذَرُوهَا الْعَذَابُ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ

اور عورت سے حد زنا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک

لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ

اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے ۝ اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر وہ (خاوند)

مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ

چوں میں سے ہو ۝ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تم پر فوراً عذاب نازل ہو جاتا) اور بے شک اللہ

تَوَابٌ حَكِيمٌ ۝

بہت توبہ قبول کرنے والا بہت حکمت والا ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ ہے وہ سورت جو ہم نے نازل فرمائی اور ہم نے اس (کے احکام) کو فرض کیا اور ہم نے اس میں واضح آیات نازل فرمائیں تاکہ تم صحت حاصل کرو ۝ (التورہ: ۱)

نحوی اشکال کا جواب: انزال پر اعتراض کا جواب اور سورت اور فرض کا معنی

اس آیت پر عربی گرامر کے اعتبار سے یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سورۃ مبتدا ہے اور یہ لفظ نکرہ ہے اور نکرہ کا مبتدا ہونا صحیح نہیں ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس کا مبتدا محذوف ہے اور سورہ خبر ہے اصل عبارت میں ہے ہذہ سورۃ انزلناھا دوسرا جواب یہ ہے کہ سورۃ موصوف ہے اور انزلناھا اس کی صفت ہے اور صفت کی وجہ سے اس میں تخصیص ہوگئی اور اب اس کا

مبتداء ہوتا صحیح ہے اور اس کی خبر محفوظ ہے یعنی فیما اوحنا الیک اور اس کا معنی یوں ہے وہ جس کو ہم نے نازل کیا ہے ان امور میں سے ہے جن کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے۔

سورت کا معنی ہے السورة الرابعة یعنی بلند مقام سورۃ العلینۃ اس چار دیواری کو کہتے ہیں جو کسی شہر کے گردنی ہوئی ہوئی ہے۔ قرآن مجید کی سورت کو بھی اسی مشابہت کی وجہ سے سورت کہا جاتا ہے کیونکہ ایک سورت بھی اپنی آجوں کو اسی طرح محیط ہوئی ہے جس طرح شہر کی چار دیواری شہر کو محیط ہوئی ہے یا جس طرح چاند کی منازل ہوئی ہیں اسی طرح سورت بھی قرآن کی منازل میں سے ایک منزل ہے اور سور کا معنی ہے کسی چیز کا بقیہ اور سورت بھی قرآن مجید کا بقیہ ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۳۶۷-۳۶۸)

اس آیت پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ انزال کا معنی ہے کسی چیز کو اوپر سے نیچے کی طرف بھیجنا اور اس سے یہ ظاہر اللہ تعالیٰ کا کسی ایک جہت اور جانب میں ہونا لازم آتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ جہات سے پاک ہے اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) حضرت جبریل علیہ السلام نے اس سورت کو لوح محفوظ سے حفظ کر لیا پھر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا اور چونکہ انہوں نے یہ سورت اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل کی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ہے وہ سورت جو ہم نے نازل فرمائی۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ سے اس سورت کو یکبارگی نازل فرمایا پھر اس کو قطہ وار حضرت جبریل کی زبان سے نازل کرایا۔

(۳) انزل لہا کا معنی ہے ہم نے یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دی۔

پھر فرمایا: اور ہم نے اس (کے احکام) کو فرض کیا۔

فرض کا معنی ہے کسی سخت چیز کو کٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور فرض کا معنی ہے کسی چیز کو حساب سے مقدار اور معین کرنا۔

فرمایا: فنصنف ما فیہ منہم۔ (البقرہ ۲۲۷) یعنی تم نے میت کا جوڑ کہ معین کیا ہے اس کا نصف اور فرمایا: اَللّٰہُ فِیْ سَمٰوٰتِہٖ عَلَیْمٌ (التقص: ۸۵) یعنی جس ذات نے آپ پر قرآن مجید کو معین کیا ہے۔ اور اس کا معنی کسی چیز کو واجب کرنا ہے اور اس آیت کا معنی ہے ہم نے اس سورت کے احکام کو آپ پر واجب کیا ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۸۷۸-۸۷۹)

نیز فرمایا اور ہم نے اس میں واضح آیات نازل فرمائیں تاکہ تم فصیح حاصل کرو۔ اس کے حسب ذیل محال ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا میں مختلف احکام اور حدود کو بیان فرمایا اور سورت کے آخر میں تو حید کے دلائل بیان فرمائے احکام اور حدود کا تو پہلے بندوں کو علم نہ تھا لیکن تو حید کے دلائل تو زمین و آسمان میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان نشانوں کو دیکھ کر ہر شخص صاحب نشان تک پہنچ سکتا ہے اس لیے اس آیت کے آخر میں فرمایا: تاکہ تم فصیح حاصل کرو۔

(۲) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واضح آیتوں سے مراد حدود اور احکام شریعہ ہوں اور آیت پر شری حکم کا اطلاق اس آیت میں ہے:

فَاَنذَرْتُكُمْ نَارَ الْبَیْطِ الَّذِیْ فِیْہِ اَنْۢیَافٌ کَافٌ اَلۡیَافُ اَلۡیَافُ اَلۡیَافُ (ذکر کیا ہے) کہا اے میرے رب! میرے لیے کوئی آیت

(علامت) مقرر فرما دے فرمایا تمہاری آیت (علامت) یہ ہے کہ تم

باد جو تندہرست ہونے کے میں دن کسی تک سے ہات نہیں کر سکو گے۔

(۳) اس سورت میں جس طرح فرائض اور واجبات بیان کیے گئے ہیں اسی طرح اس سورت میں بہت سے مستحبات بھی بیان کیے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زانیہ عورت اور زانی مرد ان میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو اور ان پر شرعی حکم نافذ کرنے میں تم کو ان پر رحم نہ آئے اگر تم اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہوئی چاہے ۵۰ (الزور ۳)

اس آیت کی تفسیر میں ہم زنا کا معنی بیان کریں گے زنا کی حد میں کوڑوں اور ایک سال کی جلا وطنی کا فقہی اختلاف بیان کریں گے زنا کی حد میں رجم کے دلائل کا ذکر کریں گے۔ زنا کی حد میں عورتوں کے ذکر کو مقدم کرنے کی وجہ بیان کریں گے زنا کی حد میں کوڑوں کی کیفیت اور کوڑے مارنے کی تفصیل بیان کریں گے اور زنا کی ممانعت اور مذمت اور دنیا اور آخرت میں اس کی سزا کے متعلق احادیث بیان کریں گے۔ فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة بلیق۔

زنا کا لغوی معنی

زنا کا لغوی معنی ہے پہلا پر چڑھنا سائے کا سکرنا پیشاب کو روک لینا حدیث میں ہے:
لا یصلی احدکم وهو زنا۔
(مسند ابی حنیفہ ج ۱ ص ۶۰ مشکوٰۃ فیہ ج ۱ ص ۱۰۲)

اسی طرح حدیث میں ہے:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس حال میں نماز نہ پڑھے کہ وہ پیشاب اور پاخانے کو روک رہا ہو۔ اس حدیث کی سند قوی ہے۔
(مکمل کنز الدین ج ۱ ص ۲۴۳ مسند ابی حنیفہ ج ۱ ص ۱۰۲ مشکوٰۃ فیہ ج ۱ ص ۱۰۲ مسند ابی حنیفہ ج ۱ ص ۱۰۲ مشکوٰۃ فیہ ج ۱ ص ۱۰۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کھانا آ جائے تو نماز (کامل) نہیں ہوتی اور نہ اس وقت جب نماز پیشاب اور پاخانے کو روک رہا ہو۔
(صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۰ مسند ابی حنیفہ ج ۱ ص ۱۰۲ مسند ابی حنیفہ ج ۱ ص ۱۰۲ مسند ابی حنیفہ ج ۱ ص ۱۰۲)

علامہ راجب اصفہانی نے لکھا ہے کہ زنا کا معنی ہے کسی عورت کے ساتھ بغیر عقد شرعی کے وٹلی (مباشرت) کرنا۔
(فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۱۰۲ مشکوٰۃ فیہ ج ۱ ص ۱۰۲ مشکوٰۃ فیہ ج ۱ ص ۱۰۲)

قاضی عبداللہ بن عبدالرسول احمد مگر لکھتے ہیں:
الزنا: اس اعدام نہانی میں وٹلی (مباشرت جماع) کرنا جو وٹلی کرنے والے کی ملکیت یا ملکیت کے شبہ سے خالی ہو۔
(مختصر اصطلاح ج ۱ ص ۱۰۲ مسند ابی حنیفہ ج ۱ ص ۱۰۲ مشکوٰۃ فیہ ج ۱ ص ۱۰۲)

سید مرتضیٰ حسین زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:
لغت میں زنا کا معنی کسی چیز پر چڑھنا ہے اور اس کا شرعی معنی ہے کسی ایسی شہوت انگیز اعدام نہانی میں شہد (آلہ قاتل کے سر) کو داخل کرنا جس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو۔ (تاج الفرو ج ۱ ص ۱۰۲ مسند ابی حنیفہ ج ۱ ص ۱۰۲ مشکوٰۃ فیہ ج ۱ ص ۱۰۲)

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک زنا کی تعریف
علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:
اعلم علم کاس شخص کے زانی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو کسی ایسی عورت کی قبل (اعدام نہانی) میں وٹلی کرے جو

حرام ہو اور وہی کسی شے سے نہ ہو اور ذہر (سرین) میں وہی کرنا بھی اس کی مثل زنا ہے کیونکہ یہ بھی اس عورت کی فروغ (شرکاء) میں وہی کرنا ہے جو اس کی ملکیت میں نہیں ہے اور نہ ملکیت کا شے ہے۔ لہذا یہ قیل (اندام نہائی) میں وہی کی طرح ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ النَّفَاسَةَ مِنْ بَيْنِنَا نَلَكُوا.

تمہاری دو عورتیں جو بے حیائی کا کام کرتی ہیں

(اشرا، ۱۵)

اور ذہر میں وہی کرنا بھی بے حیائی کا کام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کے متعلق فرمایا:

اَنۡتَاۤسُوۡنَ النَّفٰثٰتِ (۱۸۰) (اعراف، ۸۰)

کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو؟

یعنی مرد مزدوروں کی ذہر میں وہی کرتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ پہلے قوم لوط کے لوگ عورتوں کی ذہر میں وہی کرتے تھے پھر مردوں کی ذہر میں وہی کرنے لگے۔

علامہ ابن قتہ دہلی لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص مردہ عورت سے وہی کرے تو اس میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس پر حد ہے اور یہی امام اوزاعی کا قول ہے کیونکہ اس نے آدم زاد کی فروغ میں وہی کی ہے پس یہ زناہ عورت سے وہی کے مشابہ ہے نیز اس لیے کہ یہ بہت عظیم گناہ ہے کیونکہ اس میں بے حیائی کے ارتکاب کے علاوہ مردہ کی عزت کو بھی پامال کرتا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس پر حد نہیں ہے اور یہ حسن کا قول ہے۔ ابونکر نے کہا میرا بھی یہی قول ہے مردہ سے وہی کرنا وہی نہ کرنے کی مثل ہے کیونکہ اس پر شہوت نہیں آتی اور لوگ اس سے کراہت محسوس کرتے ہیں۔ اس لیے اس سے زجر کو شروع کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور حد کو زجر کے لیے مشروع کیا گیا ہے..... اور تاہم لڑکی سے زنا کرنے کا حکم یہ ہے کہ اگر اس سے وہی کرنا ممکن ہو تو اس سے وہی کرنا زنا ہے اور اس سے وہی کرنے پر ہلکے سے وہی کی طرح حد واجب ہوگی۔

علامہ ابن قتہ دہلی لکھتے ہیں: اگر کسی شخص نے محرم سے نکاح کر لیا تو یہ نکاح بالاجماع باطل ہے اور اگر اس سے وہی کر لی تو اکثر اہل علم کے قول کے مطابق پر اس پر حد واجب ہے۔ حسن جابر بن زید امام مالک امام شافعی امام ابو یوسف امام محمد اسحاق ابویوب ابن ابی حنیفہ کا یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ثوری کا قول یہ ہے کہ اس پر حد نہیں ہے کیونکہ یہ ایسی وہی ہے جس (کے جواز) میں شہید پیدا ہو گیا اس لیے اس وہی سے حد واجب نہیں ہوگی جیسے کوئی شخص اپنی رضاعی بہن کو خرید کر اس سے وہی کرے۔ اور شہد کا بیان یہ ہے کہ اس نے محرم سے نکاح کر لیا اور نکاح اباحت وہی کا سبب ہے (اور حضرت آدم کی شریعت میں محارم مشابہ بہن سے نکاح جائز تھا) اس شہد کی وجہ سے اس پر حد لازم نہیں ہوگی۔ (لیکن ایسے شخص کو توبہ راقل کر دیا جائے گا کیونکہ ایک شخص نے اپنی سوتیلی ماں سے شادی کر لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سر قلم کرنے کا حکم دیا۔ یعنی اس پر حد جاری نہیں کی) نیز حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص محرم سے وہی کرے اس کو قتل کر دو۔ (جائے تردید میں ۲۳۱ مطبوعہ نور محمد کراچی اور یہی امام ابو حنیفہ کی دلیل ہے۔ سعیدی وغفرلہ)

علامہ ابن قتہ دہلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں کہ امام احمد کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس پر حد واجب ہے کیونکہ اس نے ایسی عورت کے ساتھ وہی کی ہے جس کے حرام ہونے پر اجماع ہے اور اس میں ملکیت کا کوئی شے نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس پر حد نہیں ہے جیسا کہ جاسع تردید سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ میں ہے۔ حضرت براء کہتے ہیں میری اپنے بچے سے ملاقات ہوئی وہاں حلیہ ان کے ہاتھ میں جھنڈا تھا۔ میں نے کہا کہاں جا رہے ہیں انہوں نے کہا ایک شخص نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کر لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی گردن مارنے

اور اس کا مال ضبط کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ نیز جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص محرم سے وطی کرے اس کو قتل کر دو۔“
علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ امام احمد کا یہ قول راجح ہے کیونکہ یہ حدیث کے مطابق ہے۔ نیز علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ جو شخص بغیر نکاح کے محرم سے زنا کرے اس میں بھی وہی اختلاف ہے جو نکاح کے بعد وطی کرنے میں اختلاف ہے۔

(المختصر لابن قدامہ ص ۵۵-۵۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

فقہاء شافعیہ کے نزدیک زنا کی تعریف

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: مرد اپنے حشو (سپاری) کو کسی ایسی فرج (اندام نہانی) میں داخل کر دے جو طبعاً معشوقی ہو اور اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو تو اس وطی پر حد واجب ہوتی ہے اگر زانی محسن (شادی شدہ) ہو تو اس کی حد رجم ہے اور اس کے ساتھ اس کو کوڑے نہیں لگائے جائیں گے اور اگر غیر محسن (غیر شادی شدہ) ہو تو اس کی حد کوڑے اور شہر بدر کرنا ہے اس میں مرد اور عورت برابر ہیں۔

محسن ہونے کی تین شرطیں ہیں: پہلی شرط مکلف ہونا ہے اس لیے بچہ اور مجنون پر حد نہیں لگے گی لیکن ان کو زجر و توبیخ کی جائے گی دوسری شرط ہے حریت پس غلام مکاتب ام ولد اور جس کا بعض حصہ غلام ہو محسن نہیں ہیں اور تیسری شرط ہے نکاح صحیح ہونا۔ (روضة الطالبین و معاد الطالبین ج ۱ ص ۸۶ کتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

فقہاء مالکیہ کے نزدیک زنا کی تعریف

علامہ ابو عبد اللہ وشتانی لکھتے ہیں:

علامہ ابن حابط مالکی نے زنا کی یہ تعریف کی ہے ”کسی ایسے فرد کی فرج میں عمدہ وطی کرے جو اس کی ملک میں باا اتفاق نہ ہو“ فرج کی قید سے وہ وطی خارج ہوگئی جو غیر فرج میں ہو اور آدھی کی قید سے وہ وطی خارج ہوگئی جو جانور کے ساتھ وطی ہو کیونکہ جانور کے ساتھ وطی کرنے میں حد نہیں تعزیر ہے۔ (اکمال الکامل المحکم ج ۳ ص ۲۳۵ دار الکتب المصریہ بیروت طبع قدیم)

فقہاء احناف کے نزدیک زنا کی تعریف

ملک الحلیہ علامہ کاسانی لکھتے ہیں جو شخص دارالعدل میں احکام اسلام کا التزام کرنے کے بعد اپنے اختیار سے زندہ مصیبتاً عورت کی تمس (اندام نہانی) میں وطی کرے وہ آں حالیکہ وہ قتل حقیقتاً ملکیت اور ملکیت کے شہ اور حق ملک اور حقیقتاً نکاح اور شہ نکاح اور نکاح اور ملک کے موضع اشتباه کے شہ سے خالی ہو۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۴۲) علامہ ابن ہمام نے بھی یہی تعریف کی ہے۔ (فتح القدر ج ۳ ص ۳۳)

اس تعریف کی قیود کی وضاحت حسب ذیل ہے:

وطی: عورت کی اندام نہانی میں ہتھیر سپاری آلہ تاسل کو داخل کرنا پس جس وطی سے حد واجب ہوگی اس میں ہتھیر سپاری داخل ہونا ضروری ہے اور اس سے کم میں حد واجب نہیں ہوگی۔

حرام: کسی مکلف شخص نے اپنی عورت سے وطی کی ہو تو اس کو حرام کہا جائے گا اگرچہ بچہ یا مجنون نے وطی کی تو اس پر حرام کا حکم نہیں لگے گا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تین شخصوں سے قلم تکلیف اٹھایا گیا بچہ سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے سوئے ہوئے سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے اور مجنون سے حتیٰ کہ وہ ٹھیک ہو جائے۔ اس حدیث کو امام ترمذی (رقم ۱۳۲۳) اور امام ابو داؤد (رقم ۱۳۲۰) نے روایت کیا ہے۔

قبیل: عورت کی اہم نام نہانی کو کہتے ہیں اس قید کی وجہ سے مرد یا عورت کی ذمہ (سرین) میں ولی امام ابوحنیفہ کے نزدیک زنا کی تعریف سے خارج ہوگئی اس کے برخلاف امام ابو یوسف امام محمد اور فقہاء شافعیہ فقہاء مالکیہ اور فقہاء حنبلیہ عورت کی ذمہ میں ولی کو بھی زنا قرار دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ ذمہ میں ولی کو ولایت کہتے ہیں اور اس کی حد میں صحابہ کا اختلاف تھا اگر یہ زنا ہوتا تو اختلاف نہ ہوتا نیز زنا اس لیے حرام ہے کہ اس سے نسب مشتبه ہوتا ہے اور بچہ ضائع ہوتا ہے اور ولایت میں صرف نطفہ ضائع ہوتا ہے جیسا کہ عزل میں ہے۔

عورت: اس قید کی وجہ سے جانور کے ساتھ ولی زنا کی تعریف سے خارج ہوگئی کیونکہ یہ ایک نادر چیز ہے اور طبیعت سلیہ اس سے نفرت کرتی ہے۔

زمنہ: اس قید کی وجہ سے مردہ کے ساتھ ولی زنا کی تعریف سے خارج ہوگئی کیونکہ یہ بھی ایک نادر امر ہے اور طبیعت سلیہ اس سے نفرت کرتی ہے۔

مشہاۃ: یعنی اس عورت سے ولی کی جائے جس پر شبوت آتی ہو اتنی چھوٹی لڑکی جس پر شبوت نہ آتی ہو اس سے ولی کرنا زنا نہیں ہے۔ (ہر چند کہ اتنی چھوٹی لڑکی سے ولی کرنے والے پر تعزیر ہوگی)

حالات اختیار: یعنی ولی کرنے والے کو اختیار ہو اسی طرح حد کے وجہ کے لیے ولی کرانے والی عورت کا مختار ہونا بھی ضروری ہے اس لیے سنہ (جس پر جبر کیا گیا ہو) پر حد نہیں ہے کیونکہ حافظ ابن قیمی نے امام طبرانی کی متعدد اسانید کے ساتھ یہ حد بیٹ ذکر کی ہے: حضرت عقبہ بن عامر حضرت عمران بن حصین حضرت ثوبان حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت سے خطا نہ لیں اور جس کام پر جبر کیا گیا ہو (کے گناہ کو) اٹھا لیا گیا۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۵۰ دارالکتب العربی)

اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ اگر عورت پر جبر کر کے اس کے ساتھ ولی کی جائے تو اس پر حد نہیں ہے لیکن مرد میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور حنفی مالکیہ کے نزدیک اگر مرد پر جبر کر کے اس سے ولی کرائی جائے تو اس پر حد ہے نہ تعزیر۔ فقہاء حنبلیہ کے نزدیک اس پر حد لگائی جائے گی کیونکہ اس کے آئینہ کا مختار ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اگر وہ نہیں ہے۔ اور وہ اپنے اختیار سے ولی کر رہا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مرد پر بھی حد نہیں ہے کیونکہ اختیار اس کے مرد ہونے کی دلیل ہے اختیار کی دلیل نہیں ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کا بھی یہی نظریہ ہے۔

دارالعدل: دارالعدل سے مراد دارالاسلام ہے کیونکہ دارالحرب اور دارالکفر میں قاضی کو حد جاری کرنے کی قدرت نہیں ہے یعنی اگر کوئی شخص دارالحرب میں یا دارالکفر میں زنا کرے گا تو بھی وہ اسلامی سزاؤں کو ڈوں یا رجم کا مستحق ہے لیکن چونکہ قاضی اسلام دارالکفر یا دارالحرب میں اسلامی سزائیں نافذ کرنے پر قادر نہیں ہے اس لیے اس پر حد جاری نہیں ہوگی دارالکفر میں بھی زانی سزا کا مستحق ہے اور اس کا یہ فعل گناہ ہے جیسا کہ سوز چوری ڈاکہ قتل اور دیگر جرائم دارالکفر اور دارالحرب میں ناجائز اور گناہ ہیں اسی طرح زنا بھی وہاں ناجائز اور گناہ ہے۔

احکام اسلام کا التزام: اس قید کی وجہ سے حرلی متاسن خارج ہے کیونکہ اس نے احکام اسلام کا التزام نہیں کیا مسلمان اور ذمی اگر زنا کریں گے تو ان پر حد جاری کی جائے گی۔

حقیقت ملک سے خالی ہونا: اگر کسی شخص نے ایسی باندی سے ولی کر لی جو مشترک ہے اس کی اور کسی کی ملکیت میں ہے یا اس نے ایسی باندی سے ولی کی جو اس کی عرم تھی تو چونکہ وہ حقیقتاً اس کی ملکیت میں تھی اس لیے اس کا یہ فعل ہر چند کہ ناجائز ہے لیکن

زنا نہیں ہے اور اس پر حد نہیں ہے۔

حقیقت نکاح سے خالی ہونا: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے حاجۃ حیض یا نفاس میں دہلی کر لی یا روزہ دار یا خمر مرہ بیوی سے دہلی کر لی یا ایلاء یا تلہار کے بعد دہلی کر لی تو ہر چند کہ یہ فعل گناہ ہے لیکن زنا نہیں ہے کیونکہ عورت حقیقتاً اس کے نکاح میں موجود ہے۔

شبہ ملک سے خالی ہونا: جب ملک یا نکاح میں شبہ ہو جائے تو حد نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ادروا الحدود بالشبهات۔

شبہات کی بناء پر حدود ساقطہ کر دو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۱۱۳۳)

مثلاً اگر کسی شخص نے بیٹے کی باندی سے دہلی کر لی تو اس پر حد نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کو یہ شبہ ہوا ہو کہ بیٹے کے مال کا میں مالک ہوں۔ امام ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میرا مال بھی ہے اور اولاد بھی اور میرا باپ میرا مال ہرپ کرنا چاہتا ہے آپ نے فرمایا:

الت ومالک لایبک۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۳۹)

تو اور میرا مال میرے باپ کی ملکیت ہے۔ اسی طرح مکاتب کی باندی سے دہلی کرنا بھی زنا نہیں ہے کیونکہ مکاتب جب تک پوری رقم ادا نہ کرے، لک کا قدام ہے سو اس کی باندی بھی اس کی ملکیت ہے۔

شبہ نکاح سے خالی ہونا

یعنی عقد نکاح میں شبہ نہ ہو۔ مثلاً کسی شخص نے بغیر دہلی یا بغیر گواہ کے نکاح کر کے دہلی کر لی یا نکاح حد کر کے دہلی کر لی تو اس کا یہ فعل زنا نہیں ہے خواہ وہ اس نکاح کے عدم جواز کا اعتقاد رکھتا ہو کیونکہ اس نکاح کے جواز اور عدم جواز میں علماء کے اختلاف کی وجہ سے اس نکاح میں شبہ آگیا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے نسبی رضائی یا سرال کے رشتہ سے کسی محرم سے نکاح کر لیا یا دو بہنوں کو نکاح میں جمع کر لیا یا کسی عورت سے اس کی عدت میں نکاح کر لیا اور اس عقد نکاح کی وجہ سے دہلی کر لی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر حد نہیں ہوگی خواہ اس کو نکاح کی حرمت کا علم ہو کیونکہ اس دہلی میں اس کو شبہ لاحق ہو گیا ہے۔ لہذا یہ دہلی زنا نہیں ہے البتہ اس پر توبہ ہے۔

فقہاء مالکیہ، فقہاء شافعیہ، فقہاء حنبلیہ، امام ابو یوسف اور امام محمد نے یہ کہا ہے کہ جو دہلی ابداء احرام ہو اس سے حد لازم آتی ہے اور یہ نکاح باطل ہے اور اس کے شبہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ البتہ جو دہلی ابداء احرام نہ ہو جیسے بیوی کی بہن یا جس نکاح میں اختلاف ہو جیسے بغیر دہلی یا بغیر گواہوں کے نکاح اس دہلی کی وجہ سے حد لازم نہیں آتی۔

امام ابوحنیفہ اور جمہور فقہاء کے درمیان مضافہ اختلاف یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جب نکاح کا عمل شخص اس محل میں نکاح کرے جو مقاصد نکاح کے قائل ہو تو وہ نکاح واجب حد سے مانع ہے خواہ وہ نکاح حلال ہو یا حرام اور خواہ وہ تحریم حلق علیہ ہو یا مختلف فیہ اور خواہ اس کو حرمت کا علم ہو یا نہ ہو جمہور فقہاء اور صاحبین کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اس عورت سے نکاح کرے جس سے نکاح کرنا ابداء احرام ہو یا اس کی تحریم پر اتفاق ہو تو اس نکاح سے دہلی پر حد لازم آتی ہے اور اگر وہ نکاح ابداء احرام نہ ہو یا اس کی حرمت میں اختلاف ہو تو پھر اس نکاح سے دہلی پر حد لازم نہیں آتی۔

(مدائع منائع ج ۷ ص ۲۵۱، المغنی ج ۳ ص ۳۵۱، المہذب ج ۲ ص ۲۶۸، التلخیص ج ۲ ص ۵۵، حاشیۃ الدرر النوری ج ۱ ص ۳۰۶)

ص ۲۵۱، المغنی ج ۲ ص ۲۶۸، الفرق ج ۳ ص ۵۵، رد المحتار ج ۳ ص ۳۰۶)

حد زنا کی شرائط

حد زنا جاری کرنے کے لیے جن شرائط پر فقہاء کا اتفاق ہے وہ حسب ذیل ہیں:

- (۱) زنا کرنے والا بالغ ہو نا بالغ پر بالا اتفاق حد جاری نہیں ہوتی۔
- (۲) زنا کرنے والا عاقل ہو پاگل اور مجنون پر بالا اتفاق حد جاری نہیں ہوتی۔
- (۳) جمہور فقہاء کے نزدیک زانی کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے شادی شدہ کافر پر فقہاء حنفیہ کے نزدیک حد جاری نہیں ہوتی البتہ اس کو کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ فقہاء شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک زنا اور شراب خوری کی کافر پر کوئی حد نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ کا حق ہے اور اس نے حقوق الہیہ کا التزام نہیں کیا فقہاء مالکیہ کے نزدیک اگر کافر نے کافرہ کے ساتھ زنا کیا تو اس پر حد نہیں ہے البتہ جو دنیا اس کو سزا دی جائے گی اور اگر اس نے مسلمان عورت سے جبراً زنا کیا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر باہمی رضا مندی سے زنا کیا تو جہر تک سزا دی جائے گی۔
- (۴) زانی مختار ہو اگر اس پر جبر کیا گیا ہے تو جمہور کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے اور فقہاء حنابلہ کے نزدیک اس پر حد ہے اور اگر عورت پر جبر کیا گیا تو اس پر بالا اتفاق حد نہیں ہے۔
- (۵) عورت سے زنا کرنے اگر جانور سے وہلی کی ہے تو مذایب اور بد میں بالا اتفاق اس پر حد نہیں ہے البتہ تعزیر ہے اور جمہور کے نزدیک جانور کو بالا اتفاق قتل نہیں کیا جائے گا اور اس کو کھانا جائز ہے۔ فقہاء حنابلہ کے نزدیک اس کا کھانا حرام ہے۔
- (۶) ایسی لڑکی سے زنا کیا ہو جس کے ساتھ عادات وہلی ہو سکتی ہو اگر بہت چھوٹی لڑکی سے زنا کیا ہے تو اس پر حد نہیں ہے تا بالغ لڑکی پر حد نہیں ہوتی۔
- (۷) زنا کرنے میں کوئی شہدہ ہو اگر اس نے کسی اجنبی عورت کو یہ گمان کیا کہ وہ اس کی بیوی یا باندی ہے اور زنا کر لیا تو جمہور کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر حد ہے جس عقد نکاح کے جواز یا عدم جواز میں اختلاف ہو اس نکاح کے بعد وہلی کرنے پر حد نہیں ہے مثلاً بغیر ولی یا بطیخہ گواہوں کے نکاح ہو اور جو نکاح بالا اتفاق ناجائز ہے جیسے محارم سے نکاح یا دو بیٹوں کو نکاح میں جمع کرنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس نکاح کے بعد وہلی کرنے پر حد نہیں ہے اور جمہور کے نزدیک حد ہے۔
- (۸) اس کو زنا کی حرمت کا علم ہو اگر وہ چھل کا دعویٰ کرے اور اس سے چھل متصور ہو تو اس میں فقہاء مالکیہ کے دو قول ہیں۔
- (۹) عورت غیر عربی ہو اگر وہ عربیہ ہے تو اس میں فقہاء مالکیہ کے دو قول ہیں۔
- (۱۰) عورت زندہ ہو اگر وہ مردہ ہے تو اس سے وہلی کرنے پر جمہور کے نزدیک حد نہیں ہے اور فقہاء مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اس پر حد ہے۔
- (۱۱) مرد کا حشفہ (آلت تناسل کا سر) عورت کی فیش (اندام نہانی) میں عائب ہو جائے اگر عورت کی ذہر میں وہلی کر لے تو جمہور کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے اسی طرح نواطت (اندام) پر بھی حد نہیں ہے اگر اجنبی عورت کے پیٹ یا رانوں سے لذت حاصل کی تو اس پر بھی تعزیر ہے۔
- (۱۲) زنا دارالاسلام میں کیا جائے دارالکفر یا دارالحرب میں زنا کرنے پر حد نہیں ہے کیونکہ قاضی اسلام کو وہاں حد جاری کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ (فقہ اسلامی ص ۱۳۵)

احسان کی تحقیق

فقہاء اور جراح اس پر اتفاق ہے کہ اگر زانی محسن (شادی شدہ) ہو تو اس کو رجم کیا جائے گا خواہ مرد ہو یا عورت اور اگر وہ غیر محسن ہے تو اس کو کوڑے مارے جائیں گے اس لیے احسان کا معنی کھٹا ضروری ہے۔
سید محمد رفیع زبیدی حنفی لکھتے ہیں:

احسان کا اصل میں معنی ہے منع کرنا عورت اسلام یا کدھنی حریت اور نکاح سے محنت ہوتی ہے جو بری نے ثعب سے نقل کیا ہے ہر پاک دامن عورت محنت ہے اور ہر شادی شدہ عورت محنت ہے۔ حاملہ عورت کو بھی محنت کہتے ہیں کیونکہ حمل نے اس کو دخول سے منع کر دیا۔ مرد جب شادی شدہ ہو تو محسن ہے۔ حضرت ابن مسعود نے "فإذا احصن فسان اتین بفاحشة" کی تفسیر میں کہا باندی کا احسان اس کا مسلمان ہونا ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا باندی کا احسان اس کا شادی شدہ ہونا ہے۔ زنا جان نے محصنین غیر مسافحین کی تفسیر میں کہا مرد کا احسان اس کا شادی شدہ ہونا اور پاک دامن (غیر زانی) ہونا ہے اور فرج کا احسان زنا سے زنا ہے اور احصنت فرجھا کا معنی پاک دامن رہنا اور زنا سے باز رہنا ہے اور والاحصنت من النساء کا معنی شادی شدہ خواتین ہے۔ (تابع الفردوس ج ۹ ص ۱۷۹-۱۸۰)

علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں جو احسان رجم میں معتبر ہے اس کی سات شرائط ہیں:

- (۱) محسن (۲) بالغ (۳) حریت (۴) اسلام (۵) نکاح صحیح (۶) خاوند اور بیوی دونوں کا ان صفات پر ہونا (۷) نکاح صحیح کے بعد خاوند کا بیوی سے دلی کرنا لہذا اچھے بھٹوں "غلام" کا فر نکاح فاسد عدم دلی اور زوجین کے ان صفات پر نہ ہونے سے احسان ثابت نہیں ہوگا۔ (جامع فصائل ج ۷ ص ۳۷۸-۳۷۹ مطبوعہ کراچی ۱۳۰۰ھ)

زنا کی ممانعت اور دنیا اور آخرت میں اس کی سزا کے متعلق قرآن مجید کی آیات

لَا تَزْنِ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ وَأَنْتَ كَمَا فَاجِرٌ وَاسْتَغْنِي ۖ
اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ بے شک وہ بے حیائی کا کام
(نبی اسرائیل ۳۳) ہے اور ہمارا مت ہے۔

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةٍ ۖ وَلَا تَأْخُذْ بَعِثَاتُهَا فِي يَوْمِنِ الذِّكْرِ ۚ تِلْكَ الْأُمَّةُ السَّابِقَةُ ۖ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ
اور زانیہ اور زانیہ کو چلایا جائے ہر ایک کو سو کوڑوں کی مار اور ان پر شریعی عزم نافذ کرنے میں تم کو ان پر رحم نہ آئے اگر تم اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت سے ضرور ہونی چاہیے۔

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيُخَذُّ عَلَيْهِمْ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنَ الشَّرِّ فَيَزِيدُ مَنَاقِبَهُمْ ثَمَرًا وَلَهُمْ جَزَاءٌ شَدِيدٌ ۖ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيُخَذُّ عَلَيْهِمْ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنَ الشَّرِّ فَيَزِيدُ مَنَاقِبَهُمْ ثَمَرًا وَلَهُمْ جَزَاءٌ شَدِيدٌ ۖ (الفردوس ۶۸-۶۹)

اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے اور جو شخص یہ کام کرے گا وہ سخت عذاب کا سامنا کرے گا ۖ قیامت کے دن اس کے عذاب کو وزن کر دیا جائے گا اور وہ بیش زلت والے عذاب میں رہے گا ۖ

اے نبی جب آپ کے پاس مؤمن عورتیں ان چیزوں پر بیٹھ کر رہیں گے لیکن ان میں سے کسی کو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں

أَذَلَّ دَحْرًا وَلَا يَأْتِيَنَّ بَيْنَكَ بَيْنَ بَيْنِكَ بَيْنَكَ بَيْنَكَ
وَأَذَلَّ دَحْرًا وَلَا يَأْتِيَنَّ بَيْنَكَ بَيْنَكَ بَيْنَكَ بَيْنَكَ
لَهُنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى وَجَدَهُ ۝ (مختصر ۱۳)

کریں گی نہ چوری کریں گی نہ دغا کریں گی نہ جانی دھوکہ دے کر کریں گی اور نہ کوئی ایسا بہتان باغیجی کی جس کو وہ خود اپنے ہاتھوں اور
ہیروں کے سامنے کھڑی کرے اور نہ کسی ایک کام میں آپ کی عدم
مدد کریں گی تو آپ ان کو بیت کر لیں اور ان کے لیے انتظار
کریں۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے حد رحم فرمانے والا ہے۔

زنا کی ممانعت، مذمت اور دنیا اور آخرت میں اس کی سزا کے متعلق احادیث اور آثار

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم
اٹھایا جائے گا، جہل برقرار رہے گا، شراب پی جائے گی اور زنا کا ظہور ہوگا۔

(مجمع التذاری رقم الحدیث ۸۰، مجمع مسلم رقم الحدیث ۶۶۷۱، سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۲۵۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۰۳۵، مسند
عبد الرزاق رقم الحدیث ۵۰۳۵، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث ۱۹۹۰)

(۲) حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے
سامنے سے گزرتی ہے تاکہ لوگوں کو اس کی خوشبو آئے وہ عورت زانیہ ہے۔ (یعنی وہ عورت لوگوں کے دلوں میں زنا کی
تحریک پیدا کرتی ہے) (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۷۴۳، سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۷۸۲، مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۳، مسند عبد بن حمید رقم
الحدیث ۵۵۵، مسند ابی یوسف رقم الحدیث ۱۵۵۰، مجمع ابن حبان رقم الحدیث ۳۳۳۳، المسند رک ج ۳ ص ۳۹۶، سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۶۶)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں سے اللہ قیامت کے دن
پات نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمانے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا
یوڑھا زانی، جھوٹا بادشاہ (سرور یا حاکم) اور شکیر فقیر۔

(مجمع مسلم رقم الحدیث ۵۰۳۵، سنن ابی یوسف رقم الحدیث ۱۵۵۰، سنن ابی حبان رقم الحدیث ۳۳۳۳، المسند رک ج ۳ ص ۳۹۶، سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۶۶)
(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں سے اللہ محبت رکھتا ہے اور
تین آدمیوں سے اللہ بغض رکھتا ہے۔ جن تین آدمیوں سے اللہ محبت رکھتا ہے وہ یہ ہیں: ایک شخص لوگوں کے پاس جا کر
سوال کرے اس کا سوال ان کے ساتھ کسی رشتہ داری کی بناء پر نہ ہو اور وہ لوگ اس کو منع نہ کریں، پھر ایک شخص ان کے
پیچھے سے جائے اور پیچھے سے اس کو دے دے اور اس کے علیہ کو اللہ کے سوا کوئی نہ جانتا ہو یا وہ شخص جس کو اس نے علیہ
دیا تھا اور وہ لوگ جو رات کو سفر کریں حتیٰ کہ نیند ان کو بہت زیادہ مرغوب ہو جائے پھر وہ پھر جائیں اور اپنے سر رکھ کر سو
جائیں پھر ان میں سے ایک شخص بیدار ہو کر نماز میں قیام کرے اور میری حمد و شکر کرے اور میری آیات کی تلاوت کرے
اور وہ شخص جو کسی لشکر میں ہو اس کا دشمن سے متبادل ہو وہ لشکر شکست کھا جائے اور وہ شخص آگے بڑھ کر حملہ کرے حتیٰ کہ وہ
شخص شہید ہو جائے یا قلع یا ب ہو اور جن تین آدمیوں سے اللہ بغض رکھتا ہے وہ یہ ہیں: یوڑھا زانی، شکیر فقیر اور مالدار
خالم۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۵۶۸، سنن ابی حبان رقم الحدیث ۱۶۱۳، سنن ابی یوسف رقم الحدیث ۱۵۵۰، مسند ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۳۹۶،
مسند احمد ج ۵ ص ۳۹۶، مجمع ابن حبان رقم الحدیث ۳۳۳۳، المسند رک ج ۳ ص ۳۹۶)

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کو گھن گلتا گیا..... اس موقع پر

کہ آپ نے فرمایا سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں ان کو کسی کی موت کی وجہ سے گنہ گنا ہے نہ کسی کی حیات کی وجہ سے۔ پس جب تم ان نشانوں کو دیکھو تو اللہ سے دعا کرو اللہ اکبر کہو اور نماز پڑھو اور صدقہ کرو پھر فرمایا اے مسجد محمد اللہ کی قسم کسی شخص کو اللہ سے زیادہ اس پر غیرت نہیں آتی کہ اس کا بندہ زنا کرے یا اس کی بندی زنا کرے۔ اسے سب محرم اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم ضرور کم خسار اور تم ضرور زیادہ روؤ۔

(حک النکاحی رقم الحدیث ۱۰۳۳ بحکم مسلم رقم الحدیث ۹۰۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۵۷۱۱ سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۱۰۳۷۰)

(۶) حضرت سرور بن جب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب سے آٹھ یا نو فرما کرتے تھے کیا تم میں سے کسی شخص نے خواب دیکھا ہے پھر کوئی شخص جو اللہ کا بتاؤ خواب بیان کرتا۔ ایک دن مجھے اس وقت آپ نے فرمایا ہے کہ آج رات (خواب میں) دو فرشتے آئے اور وہ مجھے اٹھا کر لے گئے انہوں نے مجھ سے کہا آپ پیسہ میں ان کے ساتھ چلا رہا۔ میں نے دیکھا کہ مجھے مرد اور عورتیں ایک خور کی شکل میں تھے اس کا دائی حصہ لکھ تو اور بچا حصہ کشادہ تھا اور اس کے پیچھے سے آگ جل رہی تھی جب آگ کے شعلے بڑھتے تو وہ لوگ اوپر اٹھ جاتے اور جب آگ کم ہوتی تو وہ نیچے گر جاتے فرشتوں نے بتایا وہ زانی مرد اور زانی عورتیں تھیں۔ اللہ بیٹ۔

(حک النکاحی رقم الحدیث ۱۰۳۷۰ بحکم مسلم رقم الحدیث ۱۰۳۷۰ سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۱۰۳۷۰ سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۱۰۳۷۰)

(حدیث ۱۰۳۷۰)

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے زنا یا شرب پی لیا اللہ اس سے ایمان کو کھل لیتا ہے جیسے انسان اپنے سر سے قمیص کو اتارتا ہے۔

(المسند رقم الحدیث ۱۰۳۷۰ بحکم مسلم رقم الحدیث ۱۰۳۷۰ سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۱۰۳۷۰ سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۱۰۳۷۰)

(حدیث ۱۰۳۷۰)

(۸) حضرت ام المومنین میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت اس وقت تک ایسے حال میں رہے گی جب تک ان کی اولاد زنا کی کثرت سے نہ ہو اور جب ان کی اولاد زنا کی کثرت سے ہوگی تو عقوبت اللہ ان میں عام عذاب نازل فرمائے گا۔

(مسند احمد رقم الحدیث ۱۰۳۷۰ بحکم مسلم رقم الحدیث ۱۰۳۷۰ سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۱۰۳۷۰)

(۹) امام طبرانی نے حضرت شریک ایک صحابی سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص زنا کرتا ہے اس سے ایمان نکل جاتا ہے نہیں اگر وہ تپ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث ۱۰۳۷۰ بحکم مسلم رقم الحدیث ۱۰۳۷۰ سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۱۰۳۷۰ سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۱۰۳۷۰)

(۱۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت زانی زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت شربلی شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت کوئی لیرا کسی شریف آدمی کو لوٹتا ہے اور لوگ اس کو نظر میں اٹھا کر دیکھتے ہیں تو وہ مومن نہیں ہوتا۔

(حک النکاحی رقم الحدیث ۱۰۳۷۰ بحکم مسلم رقم الحدیث ۱۰۳۷۰ سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۱۰۳۷۰ سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۱۰۳۷۰)

(حدیث ۱۰۳۷۰ بحکم مسلم رقم الحدیث ۱۰۳۷۰ سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۱۰۳۷۰ سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۱۰۳۷۰)

کو حلال کر لیا۔ (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۹۸۱) الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۲۵۴۳۰-۲۵۴۴۰ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۸)

(۳۱) حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے پوچھا کہ تم زنا کے متعلق کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا یہ حرام ہے اس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے۔ یہ قیامت تک کے لیے حرام ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا اگر کوئی شخص دس عورتوں سے زنا کرے تو یہ اس کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے (یعنی ان کی اس کی سزا اس سے کم ہے) کہ وہ اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۸۸) کے راوی ثقاہت ہیں الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۴۰

(۳۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے گا اس کی طرف اللہ قیامت کے دن نہیں دیکھے گا اور نہ اس کو پاک کرے گا اور فرمائے گا دوزخ میں دوزخیوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

(مسند ابی عقیل للحرثی رقم الحدیث: ۳۸۵۰) مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۳۱ الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۴۰

(۳۳) حضرت ابو داؤد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس عورت کے بستر پر بیٹھا جس کا شوہر غائب ہو قیامت کے دن اللہ ایک اڑھائی گھنٹے کو اس کے اوپر قادر کر دے گا۔

(المجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۷۸۰) المجم ۱۱ ص ۱۱۱۱ الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۴۰ مجمع الزوائد ج ۶ ص ۵۸

(۳۴) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جو شخص اس عورت کے بستر پر بیٹھتا ہے جس کا شوہر غائب ہو اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کو قیامت کے اڑھائی گھنٹوں میں سے کوئی سیاہ اڑھائی چھوڑ رہا ہو۔

(الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۴۰) حاشیہ: ۱۱ ص ۱۱۱۱ کے راوی ثقاہت ہیں مجمع الزوائد ج ۶ ص ۵۸

ج ۶ ص ۵۸

(۳۵) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجاہدین کی بیویوں کی حرمت بھاد پر نہ جانے والوں کے لیے ان کی ماؤں کی محض ہے اور مجاہد جس شخص کے اوپر اپنی اہلیہ کو چھوڑ کر جائے اور وہ اس میں خیانت کرے تو اس کو قیامت کے دن کھڑا کیا جائے گا اور مجاہد اس کی نیکیوں میں سے جس قدر چاہے گا لے لے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ اس کی کوئی نیکی چھوڑ دے گا؟

(مجمع مسلم رقم الحدیث: ۱۸۹۷۰) سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۹۰ سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۱۸۹

(۳۶) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کے ایک عابد نے ساتھ سال اپنے گرجے میں اللہ کی عبادت کی پھر بارش ہوئی اور زمین سرسبز ہو گئی۔ راہب نے اپنے گرجے سے باہر نکلا اور سوچا کہ میں گرجے سے باہر نکل کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کروں اور زیادہ نیکی حاصل کروں۔ وہ گرجے سے اُتر آیا اس کے ہاتھ میں ایک روٹی یا دو روٹیاں بھی تھیں جس وقت وہ باہر نکلا تھا تو ایک عورت آ کر اس سے ملی وہ دونوں ایک دوسرے سے کافی دیر تک باتیں کرتے رہے حتیٰ کہ اس عابد نے اس سے اپنی خواہش پوری کر لی پھر اس پر بے ہوش طاری ہو گئی پھر وہ ایک گرم تالاب میں نہایا اس کے بعد ایک سال آیا تو اس نے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا پھر اس کی ساتھ سال کی عبادت کا زنا کے ساتھ وزن کیا گیا تو گناہ کا پلاڑہ بھاری نکلا پھر ان دونوں کی نیکی کا وزن کیا گیا تو نیکیوں کا پلاڑہ بھاری نکلا سو اس کو بخش دیا گیا۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا بیان ہے ساتھ سال کی عبادت ایک دن کے گناہ سے ضائع کر دی اور دو روٹیوں کو صدقہ کرنے کی نیکی سے اس کے گناہ کو بخش دیا وہ جس گناہ پر چاہے پکڑ لیتا ہے اور جس نیکی کو چاہتا ہے نواز دیتا ہے۔

(صحیح ابن ماجہ رقم الحدیث ۹۷۹، سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۵۸۳، سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۴۷۱۸)

(۳۷) شعیبی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن ایک عورت کو رجم (سنگسار) کیا تو کہا میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے رجم کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۶۸۱۳)

(۳۸) شیبانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم (سنگسار) کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! میں نے پوچھا سورہ نور کے نزول سے پہلے کیا اس کے بعد؟ انہوں نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۶۸۱۳، صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۷۰۲)

اس سوال کا مفہاد یہ ہے کہ اگر سورہ نور کے نازل ہونے سے پہلے ہوا ہے تو ہو سکتا ہے کہ سورہ نور کے نازل ہونے کے بعد وہ منسوخ ہو گیا ہو کیونکہ سورہ نور میں زانیوں کو کوڑے مارنے کا حکم ہے اور اگر سورہ نور کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سو کوڑے مارنے کا حکم رجم کرنے کے معافی نہیں ہے یعنی کنوارے اگر زنا کریں تو ان کو سو کوڑے مارے جائیں اور اگر شادی شدہ زنا کریں تو ان کو رجم (سنگسار) کیا جائے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ سورہ نور کے نزول کے بعد رجم کیا گیا ہے کیونکہ سورہ نور کے نزول کے متعلق ہم بیان کر چکے ہیں کہ تین قول ہیں '۳ ہجری' ۵ ہجری اور ۶ ہجری اور صحیح یہ ہے کہ سورہ نور شعبان ۵ ہجری میں نازل ہوئی ہے اور رجم اس کے بعد کیا گیا ہے کیونکہ رجم کے موقع پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ موجود تھے اور وہ ۵ ہجری میں اسلام لائے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی والدہ کے ساتھ ۹ ہجری میں مدینہ آئے تھے۔

(صحیح ابی داؤد رقم الحدیث ۴۷۱۸، سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۵۸۳، سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۴۷۱۸)

(۳۹) حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ سلم کا ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے بتایا کہ وہ زنا کر چکا ہے اور اس نے چار مرتبہ قسم کھا کر اپنے متعلق زنا کرنے کا اقرار کیا اور وہ شخص شادی شدہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجم (چتر مار دے کہ چلاک) کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۶۸۱۳، سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۴۷۱۸، سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۵۸۳، سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۴۷۱۸، سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۴۷۱۸)

(۴۰) حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے حکم لو مجھ سے حکم لو اللہ نے زنا کرنے والیوں کی سزا کی راہ بیان فرمادی اگر کنواری کنوارے کے ساتھ زنا کرے تو ان کو سو کوڑے مار دے اور ایک سال کے لیے شہر بدکردار اور اگر شادی شدہ شادی شدہ کے ساتھ زنا کرے تو ان کو رجم (سنگسار) کر دے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۶۹۰، سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۴۷۱۸، سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۵۸۳، سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۴۷۱۸، سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۴۷۱۸)

سورہ النساء میں اللہ تعالیٰ نے زانیہ عورتوں کے متعلق فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی سزا کی تکمیل بیان فرمائے گا اس حدیث میں آپ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا کی راہ بیان کر دی ہے اور اپنا وعدہ پورا فرمادیا ہے سورہ النساء کی وہ آیت یہ ہے:

وَالَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّاعِينَ مِنْ رِبَاكَ وَهُمْ شَاهِدُونَ
عَلَيْهِمْ أَرْبَعَةٌ مِمَّنْ كَانُوا شُكَّاءُ مَا كَانُوا عَلَيْهِمْ
فِي النَّبِيِّاتِ عَلَيْهِ سَمْعُ السَّمْعِ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْسِدُونَ
لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (النساء: ٥٥)

تجہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ان کے خلاف تم ایہوں میں سے چار گواہ طلب کرو گے اگر وہ شہادت دے دیں تو ان عورتوں کو گھر میں قید رکھو حتیٰ کہ موت ان کی زندگیوں پر جاری کر دے یا اللہ ان کی کوئی اور سزا مقرر فرمادے۔

سو جس سزا کے مقرر کرنے کا سورہ نساء میں ذکر کیا گیا تھا وہ کنواری عورت کو کوڑے مارنے اور شادی شدہ کو رجم کرنے کا حکم ہے۔ کوڑے مارنے کا حکم سورہ نور میں ہے اور رجم کرنے کا ذکر ان احادیث میں ہے ہم نے رجم کے ثبوت میں ۵۳ احادیث مرفوعہ ۲۳۰ آجاریہ صحابہ اور ۵۰ فتاویٰ تابعین ذکر کیے ہیں ان کی تفصیل شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۸۱۶-۸۰۴ میں مذکور ہے وہاں ملاحظہ فرمائیے۔ اور یہ اس قدر کثیر احادیث اور آجاریہ ہیں کہ یہ کہنا صحیح ہے کہ رجم کا حکم تو اسے ثابت ہے۔

میں نے یہاں پر نرا کی ممانعت اور اس کی دنیاوی اور اخروی سزا کے متعلق چالیس احادیث ذکر کی ہیں احادیث تو ان کے علاوہ اور بھی ہیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس احادیث کی تبلیغ کرنے پر جو نوید ستانی ہے میں نے اس کے حصول کی امید میں چالیس احادیث ذکر کی ہیں وہ حدیث یہ ہے:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری امت کو ان کے دین سے متعلق چالیس حدیثیں پہنچائیں اللہ اس کو اس حال میں اٹھائے گا کہ وہ قتیقہ ہوگا اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔

(فصل الامان رقم المحدث: ۶۲۶۶۶۶ تاریخ دفع الکلیہ لاین مسا کر ۵۳۳۵۳۵ رقم المحدث: ۱۸۳۸۱۸۳۸ مطبوعہ دارالاجامہ اتر اٹھ
العربی برص ۱۳۳۸ھ انقلاب العالم رقم المحدث: ۶۳۶۳۶۳ تاریخ دفع الکلیہ لاین مسا کر ۵۳۳۵۳۵ رقم المحدث: ۱۸۳۸۱۸۳۸ مطبوعہ دارالاجامہ اتر اٹھ
الجمہور رقم المحدث: ۶۳۶۳۶۳ مطبوعہ دارالاجامہ اتر اٹھ)

یہ چالیس احادیث میں نے زنا سے ترہیب اور تحریف کی ذکر کی ہیں آخر میں میں زنا سے بچنے کی ترہیب کے سلسلہ میں بھی ایک حدیث درج کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
 جس شخص کی نظر کسی عورت کے حسن کی طرف (بلا قصد) پڑ جائے پھر وہ اپنی نظر پھیرے اللہ اس کے دل میں اس کی
 عبادت میں حلاوت اور لذت پیدا کر دیتا ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۳۳۱) مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت (۱۴۱۰ھ)

زمانہ کی حد میں عورت کے ذکر کو مقدم کرنے کی توجیہ

قرآن مجید میں احکام بیان کرنے کا عام اسلوب یہ ہے کہ صرف مردوں پر کسی حکم کو فرض کیا جاتا ہے اور عورتیں اس حکم میں بائع داخل ہو جاتی ہیں لیکن اس آیت میں زنا کرنے والی عورتوں اور مردوں دونوں کا ذکر کیا گیا ہے نہ صرف یہ بلکہ عورتوں کے ذکر کو مقدم کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل میں زنا کا سبب اور اس کا محرک عورت ہوتی ہے عورت سے جنسی لذت حاصل کرنے کے لیے مرد داخل زنا کا مرتکب ہوتا ہے اور

الشَّارِبِ وَالْكَارِقَةِ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا (المائدہ: ۴۸)

چور مرد اور چور عورت کے ہاتھوں کو کاٹ دو۔

اس آیت میں چور مرد کا ذکر چور عورت سے پہلے فرمایا کیونکہ اکثر و بیشتر اس فعل کا صدور مرد سے ہوتا ہے۔

کوڑے مارنے کے مسائل اور فقہی احکام

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس چیز کے ساتھ کوڑے لگائے جائیں گے وہ چابک ہو یا درخت کی شاخ اور وہ چابک یا شاخ متوسط ہو نہ بہت سخت ہو نہ بہت نرم ہو۔ حدیث میں ہے:

امام مالکؒ نے ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمدم میں ایک شخص نے اپنے اوپر زنا کا اعتراف کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مارنے کے لیے ایک چابک منگوائی تو ایک نوہ ہوا چابک لایا گیا آپ نے فرمایا اس سے سخت لاؤ تو درخت کی ایک نئی شاخ لائی گئی جس کے پھل بھی نہیں اُتارے گئے تھے۔ آپ نے فرمایا اس سے ذرا کم لاؤ پھر ایک استعمال شدہ اور نرم شاخ لائی گئی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کوڑے مارنے کا حکم دیا پھر آپ نے فرمایا: اے لوگو! اب وقت آ گیا ہے کہ تم اللہ کی حدود کے ارتکاب سے باز آ جاؤ اور جس شخص نے ان ناپاک کاموں میں سے کوئی کام کر لیا اس کو چاہیے کہ وہ اللہ کے ستر کے ساتھ اپنا پردہ رکھے کیونکہ جس کا جرم ہم پر ظاہر ہو گیا ہم اس کے اوپر اللہ کی کتاب کو جاری کر دیں گے۔ (سوا امام مالک رحمہ اللہ ص: ۵۸۸ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۰ھ)

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جس شخص پر کوڑے لگائے جائیں اس کے کپڑے اُتارے جائیں یا نہیں امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے یہ کہا کہ اس کے کپڑے اور عورت کے کپڑے نہ اُتارے جائیں البتہ وہ کپڑے اُتار دیئے جائیں جو ضرب سے بچاتے ہوں۔ امام ابو زہری نے کہا مرد کے کپڑے اُتار دینے میں امام کو اختیار ہے چاہے اس کے کپڑے اُتار دینے سے بچے نہیں۔ شخص اور غنیمت نے کپڑے اُتارنے سے منع کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا اس اُمت میں کسی کے کپڑے اُتارنا جائز نہیں ہے۔ ثوری کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے جو کہا ہے کہ اس کے کپڑے اُتارے جائیں عاقلاً ان کی مراد یہ ہے کہ مرد کے ستر کے علاوہ اس کے کپڑے اُتار دیئے جائیں۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ حد جاری کرتے وقت انسان کے کن اعضاء پر کوڑے مارے جائیں؟ امام مالک نے کہا کہ حدود اور تعزیرات میں صرف پینچہ پر کوڑے مارے جائیں۔ امام شافعی اور ان کے اصحاب نے کہا کہ چہرے اور ناک اعضاء کے سوا تمام جسم پر کوڑے مارے جائیں سر پر مارنے میں اختلاف ہے۔ جمہور نے کہا کہ سر کو بچایا جائے اور امام ابو یوسف نے کہا کہ سر پر ضرب لگائی جائے حضرت عمر اور حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ سر پر ضرب لگائی جائے امام مالک کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر شریک بن سحاح کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کو پیش کیا تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پینچہ پر حد نقد کے کوڑے لگائے جائیں گے اس نے کہا یا رسول اللہ! جب ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے اوپر کسی مرد کو دیکھے تو کیا وہ گواہوں کو تلاش کرنے جائے گا؟ آپ نے پھر یہی فرمایا کہ تم گواہوں کو پیش کرو ورنہ تمہاری پینچہ پر حد نقد لگائی جائے گی پھر لعان کے احکام نازل ہوئے۔

(صحیح البخاری رحمہ اللہ ص: ۲۶۷۱ سنن ابوداؤد رحمہ اللہ ص: ۲۵۳۱ سنن ترمذی رحمہ اللہ ص: ۳۷۸۱ مسند احمد رحمہ اللہ ص: ۱۲۷۷ مسند ابویوسف رحمہ اللہ ص: ۲۸۳۳ صحیح ابن حبان رحمہ اللہ ص: ۴۴۵)

کوڑوں کے ساتھ ایسی ضرب لگائی جائے جس سے چوٹ لگے درد ہو لیکن زخم نہ آئے۔ امام مالک اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ تمام جسم کی حدود میں ضرب مساوی ہو اس سے کوئی زخم نہ پڑے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے اور امام

اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے یہ کہا ہے کہ قنبر میں سخت ضرب لگائی جا چکی ہے زنا کی ضرب شراب نوشی کی ضرب سے زیادہ شدید ہے اور شراب نوشی کی حد میں اختلاف تھا۔ عبدالرحمن بن اضر بیان کرتے ہیں کہ میں نے غزوہ حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے تھے آپ کے پاس ایک گھص کولایا گیا جو نشہ میں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے کہا جو آپ کے پاس تھے تمہارے ہاتھ میں جو چیز آئے اس سے اس کو مارو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی اٹھا کر اس پر ماری حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک گھص کولایا گیا جو نشہ میں تھا انہوں نے اس کو چالیس کوڑے مارے۔

ابن ابی بکر بیان کرتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیجا میں جب ان کے پاس پہنچا تو وہاں حضرت عثمان بن عفان، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے کہا حضرت خالد بن ولید نے مجھے آپ کے پاس بیجا ہے انہوں نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ لوگ اب شراب بہت پینے لگے ہیں اور اس کی سزا کو معمولی سمجھتے ہیں۔ حضرت عمر نے کہا یہ کبار اصحاب تمہارے سامنے بیٹھے ہیں ان سے پوچھو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہماری رائے یہ ہے کہ جب آدمی نشہ میں ہوتا ہے تو ہڈیاں بٹکتا ہے اور جب ہڈیاں بٹکتا ہے تو لوگوں پر جہمت لگتا ہے اور جہمت لگانے والے کی حد اسی (۸۰) کوڑے ہیں۔ حضرت عمر نے مجھ سے کہا حضرت علی نے جو کہا ہے وہ حضرت خالد کو پہنچا دو پھر انہوں نے اسی (۸۰) کوڑے مارے اور حضرت عمر نے بھی اسی (۸۰) کوڑے مارے۔

(المطالع: ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹

تعالیٰ نے صرف کوڑے لگانے کا حکم دیا ہے اگر شہر بدر کرنے کو واجب قرار دیا جائے تو نص قرآن پر زیادتی لازم آئے گی۔
(الفتح مع شرح الکبیر ج ۱۰ ص ۱۳۰ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

زانی اور زانیہ کو شہر بدر کرنے میں فقہاء احناف کا موقف اور دلائل

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی (صاحب ہدایہ) لکھتے ہیں: غیر شادی شدہ کی حد میں کوڑوں اور شہر بدر کرنے کو جمع نہیں کیا جائے گا امام شافعی حد میں ان دونوں سزاؤں کو جمع کرتے ہیں: کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
السكر بالسكر جلد جلد ماء وتعريب عام.
(صحیح مسلم سنن ابی داؤد مع ترمذی) ایک سال کے لیے شہر بدر کر دو۔

نیز اس سے زنا کا دروازہ بند ہو جائے گا کیونکہ دوسرے شہر میں ان کے جان بچان والے کم ہوں گے۔
علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فاجلدواہن کوڑے مارو اللہ تعالیٰ نے کل سزا سو کوڑے بیان کی ہے اور اس کے علاوہ کنوارے شخص کی اور کوئی سزا بیان نہیں کی (پس اگر ایک سال شہر بدر کرنے کو زنا کی حد کا جز قرار دیا جائے تو اخباراً حاد سے نص قرآن پر زیادتی لازم آئے گی اور یہ جائز نہیں ہے اس کے برخلاف شادی شدہ کو رجم کرنا اخباراً حاد سے نہیں بلکہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور احادیث متواترہ سے قرآن مجید کے عام کو خاص کرنا جائز ہے اس لیے یہ کہا جائے گا کہ قرآن مجید میں السواہی سے مراد کنوارہ زانی ہے اور کوڑے مارنے کا حکم کنواروں کے بارے میں ہے اور شادی شدہ زانی کی سزا یعنی اس کو رجم کرنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے جیسا کہ فقہ ربیع اس کی وضاحت کی جائے گی۔

(سعیدی غفرلہ)
علامہ مرغینانی لکھتے ہیں: زانی کو شہر بدر کرنا زنا کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے کیونکہ اپنے شہر میں تو خاندان والوں سے حیاء آئے گی اور دوسرے شہر میں اس کو زنا کرنے سے کوئی حجاب نہیں ہوگا۔ نیز دوسرے شہر میں اس کے کھانے پینے رہائش گاہوں اور علاج معالجہ کی ضروریات کو کوئی تکلیف نہیں ہوگا اس وجہ سے یہ خطرہ ہے کہ شہر بدر کی ہوئی عورت میں اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے زنا کو کسب معاش بنائیں اور یہ زنا کی بدترین قسم ہے اور اس کی تائید اسی سے ہوتی ہے کہ حضرت علی نے فرمایا:
فتنہ میں مبتلا کرنے کے لیے شہر بدر کرنا کافی ہے۔ اور جس حدیث میں کنوارے کی حد میں کوڑوں اور شہر بدر کرنے کو جمع کیا ہے وہ اسی طرح منسوخ ہے جس طرح اس حدیث کا وہ حصہ منسوخ ہے جس میں شادی شدہ کی حد میں رجم اور کوڑوں کو جمع کیا گیا ہے کیونکہ چاروی حدیث اس طرح ہے کنوارہ کنواری کے ساتھ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے شہر بدر کر دو۔ اور شادی شدہ شادی شدہ کے ساتھ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو اور پتھروں سے رجم کر دو۔

(صحیح مسلم جامع ترمذی سنن ابی داؤد)
علامہ ابوالحسن کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ جس حدیث میں کوڑے مارنے کے ساتھ شہر بدر کرنے کا حکم ہے اسی حدیث میں رجم کے ساتھ کوڑے مارنے کا بھی ذکر ہے اور جب جمہور فقہاء باوجود اس حدیث کے رجم کی سزا کے ساتھ کوڑے مارنے کا اضافہ نہیں کرتے تو کنوارے کی سزا میں کوڑے مارنے کے ساتھ شہر بدر کرنے کا اضافہ کیوں کرتے ہیں۔ یہ صراحتاً ترجیح باصرع ہے بلکہ ترجیح بالرجوح ہے کیونکہ اس سے قرآن مجید کی ذکر کردہ حد پر زیادتی لازم آتی ہے۔ علامہ نجی بن شرف نوادی زہری بحث حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: شادی شدہ کی حد میں رجم کے ساتھ کوڑوں کو جمع کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا ان کو جمع کرنا واجب ہے پہلے کوڑے لگائے جائیں پھر رجم کیا جائے۔ حضرت علی حسن بصری

اسحاق بن راہویہ داؤد اہل ظاہر اور بعض اصحاب شافعی کا یہی قول ہے اور جمہور فقہاء نے یہ کہا ہے کہ صرف رجم کرنا واجب ہے۔ قاضی عیاض نے بعض محدثین سے نقل کیا ہے کہ جب شادی شدہ زانی بوڑھا ہو تو کوڑے لگا کر رجم کیا جائے اور اگر جوان ہو تو صرف رجم کیا جائے۔ یہ مذہب باطل اور بے اصل ہے۔ اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ احادیث کثیرہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی شدہ کو صرف رجم کرنے پر اکتفا کیا جیسا کہ حضرت اعمر اور عاصیہ کے قصہ سے ظاہر ہے (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۵ مطبوعہ نوحد) نیز احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر شادی شدہ کو صرف کوڑے مارے اور شہر بدر نہیں کیا اور کثیراً آثار صحابہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ ہم انشاء اللہ عنقریب واضح کریں گے (سعیدی غفرلہ) علامہ ابوالحسن مرغنیانی حنفی (صاحب ہدایہ) لکھتے ہیں: ہاں! اگر امام کے نزدیک شہر بدر کرنے میں مصعوت ہو تو وہ جس قدر عرصہ مناسب سمجھے شہر بدر کر سکتا ہے یہ تقریر اور سیاست ہے کیونکہ بعض اوقات اس کا قاعدہ ہوتا ہے اس لیے یہ امر امرام کی رائے پر موقوف ہے اور بعض صحابہ سے جو شہر بدر کرنے کی روایت ہے وہ بھی تقریر اور سیاست پر محمول ہے۔

(ہدایہ ذیلین ص ۹۳-۹۴ مکتبہ امدادیہ بکستان)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات اور فقہاء احناف کے دلائل

ائمہ ثلاثہ نے شہر بدر کرنے کی جن روایات سے استدلال کیا ہے وہ صرف تین صحابہ کی روایات ہیں حضرت عباد بن صامت، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہم اور جو روایت صرف تین صحابہ سے مروی ہو وہ خبر متواترہ خبر مشہور نہیں ہے صرف خبر واحدہ ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ احادیث خبر مشہور ہیں تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی غیر شادی شدہ زانی کو شہر بدر کیا یا شہر بدر کرنے کا حکم دیا اور اس سے یہ لازم نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فعل بطور حد کیا ہو بلکہ یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے یہ فعل بطور تعزیر کیا ہو لہذا ان احادیث سے شہر بدر کرنے کا حد ہونا ثابت نہیں ہوا۔

غیر شادی شدہ زانی کو صرف کوڑے مارنے کے ثبوت میں احادیث

امام ابو داؤد دروایت کرتے ہیں:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آ کر یہ اقرار کیا کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا ہے جس کا اس نے نام بھی لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے پاس کسی شخص کو بھیج کر اس سے اس کے متعلق پوچھا اس عورت نے زنا کرنے سے انکار کیا تو آپ نے اس شخص کو کوڑے مارے اور اس عورت کو چھوڑ دیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۶۱ بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنو نکر بن لیث کا ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے چار بار یہ اقرار کیا کہ اس نے ایک عورت سے زنا کیا ہے آپ نے اس کو کوڑے لگائے پھر آپ نے فرمایا: اس عورت کے خلاف گواہ لاؤ عورت نے کہا خدا کی قسم یا رسول اللہ! یہ شخص جھوٹا ہے پھر آپ نے اس کو اسی کوڑے حد تلف لگائی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۶۷)

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا گیا کہ اگر غیر شادی شدہ باندی زنا کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا جب وہ زنا کرے تو اس کو کوڑے مارو اور اگر پھر زنا کرے تو پھر کوڑے مارو اور اگر پھر زنا کرے تو پھر اس کو حج دو خواہ دہی کے ایک ٹکڑے کے عوض چھپانے سے۔

۱۰ مسلم نے قورات کے حکم کے مطابق انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۹-۷۰ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

المراد هذا الامر الخاص وهو الرجم لانهم
 طلبوا الرخصة بالتحكيم. (تفسير کبرج ص ۳۶۸)

اس آیت میں حکم اللہ سے مراد بالخصوص رجم ہے کیونکہ
 یہودیوں نے رخصت حاصل کرنے کے لیے آپ کو حکم بنا تھا۔

قرآن مجید اور احادیث میں جو یہ ذکر ہے کہ تورات میں حکم اللہ یعنی رحم موجود ہے اس کی تفصیل تورات میں حسب ذیل ہے:

پراگم یہ بات سچ ہو کر لڑکی میں کنوارے بچن کے نشان نہیں پائے گئے ۵ تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائیں اور اس کے شہر کے لوگ اسے سنگسار کر دیں کہ وہ مر جائے کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں قاشح بن کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کیا ۵ (سفر ۲۲-۲۱)

اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہوگی اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے تو تم ان دونوں کو اس شہر کے چھانک پر نکال دینا اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مہرجائیں O لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اس نے اپنی عسائی کی بیوی کو بے حرمت کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا O

یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ تورات میں آج تک یہ آیت موجود ہے حالانکہ ہر دور میں تورات میں تحریف ہوتی رہی بلکہ قدرت خداوندی دیکھئے کہ یہ آیت انجیل میں بھی موجود ہے کوحنا کی انجیل میں ہے:

اور فقیر اور فریسی ایک عورت کو لائے جو زنا میں پکڑی گئی تھی اور اسے سچ میں کھڑا کر کے یسوع سے کہا: ۱۵ استاد! یہ عورت زنا میں مبین فصل کے وقت پکڑی گئی ہے۔ تو ریت میں موسیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ایسی عورتوں کو سنگسار کریں۔ پس تو اس عورت کی نسبت کیا کہتا ہے؟ ۱۶ انہوں نے اسے آزمانے کے لیے کہا تاکہ اس پر الزام لگانے کا کوئی سبب نکالیں مگر یسوع جبکہ کرائلی سے زمین پر گھسنے لگا ۱۷ جب وہ اس سے سوال کرتے ہی رہے تو اس نے سیدھے ہو کر ان سے کہا کہ جو قسم میں بے گناہ ہو وہی پہلے اس کو پتھر مارے ۱۸ (یوحنا باب ۸ آیت: ۱۵-۱۸)

تورات اور انجیل کے ان اقتباسات سے یہ واضح ہو گیا کہ شادی شدہ زانی کو رجم کرنے کا حکم کبھی آسانی کتابوں میں موجود تھا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو اس وقت (نہ لہذا قرآن کے وقت) کی موجودہ کتابوں کا جو مصدق قرار دیا ہے وہ اسی حکم کے اعتبار سے ہے اور اللہ کی قدرت ہے کہ ہزار باطنیات کے باوجود رجم کا حکم تورات اور انجیل میں آج بھی موجود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزانی یہودیوں کے حلق جو رجم کا فیصلہ فرمایا تھا اس کے حلق سورہ مائدہ میں جو آیات نازل ہوئی تھیں اسی سیاق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَأَقُولُ لَكَ الْكِتَابُ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّئًا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا تَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ قَوْمٍ عَصَاكَ إِنَّ لَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ بَلَدًا

ہم نے حق کے ساتھ یہ کتاب آپ پر نازل کی ہے اور اس
حاجہ ہے ان آسمانی رکابوں کی صدق اور تمہارا ہے جو اس کے
ساتھ ہیں سو آپ ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام
کے مطابق فیصلہ کیجئے اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے اس سے ڈر
وہو کر ان کی خواہشات کے پیچھے نہ لگیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آسانی کتابیں تورات اور انجیل موجود تھیں اور خود قرآن مجید نازل ہوا اور شاہد ہے کہ ان کتابوں میں تحریف کی جا چکی ہے ان کے باوجود قرآن مجید فرماتا ہے کہ قرآن ان کا صدق اور نگہبان ہے اور جس چیز کا قرآن مجید صدق ہے وہ رجم کا حکم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم اللہ قرار دیا ہے اور اسی کا قرآن مجید نگہبان ہے اور یہی وجہ ہے کہ آئے دن کی تحریفات کے باوجود تورات اور انجیل میں رجم کا حکم آج بھی موجود ہے اور یہ قرآن مجید کا معجزہ اور اس کی صداقت کی زبردست دلیل ہے۔

رجم کی منسوخ احکامات آیت

امام ترمذی متوفی ۲۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

عَنْ زُرِّ بْنِ حَبِشٍ قَالَ قَالَ لِي ابْنُ أَبِي كَعْبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كُنَّا بِنَ تَعْدُ أَوْ كُنَّا بِنَ تَقْرَأُ سُورَةَ الْأَحْزَابِ قُلْتُ لِلثَّوْبِ وَسَبْعِينَ آيَةً قَالَ لَفَطَ لِقُدْرَتِهَا وَنَمَّا لَتَعْدِلَ سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَانْ فِيهَا الشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا فَرَّجَهُمَا الْبَيْتُ نَكَلَا مِنْ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ. (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۱)

زُرِّ بْنِ حَبِشٍ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم سورہ احزاب میں کتنی آیات شمار کرتے ہو؟ میں نے کہا: چتر (۷۳) آیتیں! حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بس یہی؟ حالانکہ ہم دیکھتے تھے کہ یہ سورہ سورۃ البقرہ کے برابر تھی اور اس میں یہ آیت تھی (ترجمہ) جب بوڑھا مرد یا بوڑھی عورت زنا کرے تو ان کو ضرور رجم کر دو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرا کہ سزا ہے اور اللہ تعالیٰ غالب، حکمت والا ہے۔

"سورہ احزاب ابتدا سورۃ البقرہ کے برابر تھی اس کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں اس کی بعض آیات کی تلاوت کو منسوخ کر دیا گیا" قرآن مجید میں ہے:

مَا تَنفَعُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نَذِيرٍ كَأَلَّتْ بِخَيْرٍ فَنَجَّاهَا أَوْ وَفَّيْنَاهَا (البقرہ: ۱۰۶)

جس آیت کو ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو ان سے بھتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔

جیسا کہ آیت رجم کو منسوخ کر دیا گیا، بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ اس سورت میں قرآن مجید کی آیات کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام تفسیر بھی لکھتے تھے جس کو بعد میں حذف کر دیا۔

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

کثیر بن صلت کہتے ہیں کہ ہم مروان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور ہم میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تھے تحریف فرماتے حضرت زید نے کہا یہ آیت ہم پڑھتے تھے جب بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کریں تو ان کو ضرور رجم کر دو مروان نے کہا ہم اس آیت کو قرآن مجید میں کیوں نہ داخل کر دیں؟ حضرت زید نے فرمایا نہیں! کیا تم نہیں دیکھتے کہ شادی شدہ جوان آدمیوں کو رجم کیا جاتا ہے۔ حضرت زید نے کہا کہ صحابہ اس پر بحث کر رہے تھے اور اس وقت ہم میں حضرت عمر بن الخطاب بھی تھے۔ انہوں نے کہا اس مسئلہ میں تمہاری تسلی کروں گا اور کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس کا ذکر کروں گا اور جب آپ رجم کا ذکر کریں گے تو میں کہوں گا یا رسول اللہ! آیت رجم لکھوا دیجئے حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ سے اس کا ذکر کیا جب آپ نے آیت رجم کا ذکر کیا تو میں نے کہا یا رسول اللہ! آیت رجم لکھوا دیجئے! آپ نے فرمایا مجھے اس کا اختیار نہیں ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اور اس سے پہلی حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ آیت رجم کا حکم ثابت ہے اور اس کی تلاوت منسوخ ہے اور میرے علم کے مطابق اس میں کسی کا اختلاف نہیں

ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۱۱ ملتان)

امام حاکم متوفی ۳۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

عمرہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس شخص نے رجم کا انکار کیا اس نے قرآن کا انکار کیا حالانکہ اس کو عثمان بھی نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے رسول آچکے ہیں اور وہ ان بہت سی باتوں کو بیان کرتے ہیں جن کو تم چھپاتے تھے“ اور رجم کو بھی یہود چھپاتے تھے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور بخاری اور مسلم نے اس کو بیان نہیں کیا۔ (المعجم رک ج ۳ ص ۲۵۹ ذکر کر)

کثیر بن صلت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما قرآن مجید کے نسخے کھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے تو حضرت زید نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے کہ جب بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کریں تو ان کو ضرور رجم کرو۔ حضرت عمرو نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر عرض کیا: اس آیت کو لکھ دیجئے تو آپ نے اس بات کو ناپسند کیا حضرت عمرو نے کہا کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر شادی شدہ بوڑھا زنا کرے تو اس کو کوڑے لگائے جاتے ہیں اور رجم بھی کیا جاتا ہے اور جب غیر شادی شدہ بوڑھا زنا کرے تو اس کو صرف کوڑے لگائے جاتے ہیں اور جب شادی شدہ شخص زنا کرے تو اس کو رجم کیا جاتا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے اور بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (المعجم رک ج ۳ ص ۲۶۰ ذکر کر)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے متعدد طرق اور اسانید سے اس حدیث کو بیان کیا ہے اور انہوں نے اس کے منسوخ اتواءات ہونے کی وجہ سے بیان کی ہے کہ اس کے الفاظ میں اختلاف ہے بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں:

بما قضی من اللذہ

انہوں نے جواز حاصل کی ہے (اس وجہ سے رجم کرو)

نیز اس آیت کے الفاظ کے عموم پر عمل نہیں ہوتا کیونکہ مطلقاً بوڑھے شخص کو رجم نہیں کیا جاتا بلکہ اس بوڑھے شخص کو رجم کیا جاتا ہے جو شادی شدہ ہو اور اگر غیر شادی شدہ ہو تو اس کو کوڑے لگائے جاتے ہیں جیسا کہ حضرت عمرو بن العاص نے وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۱۳۳ ذکر کر)

اس آیت کے منسوخ اتواءات ہونے پر ایک دفعہ ایک فاضل شخص نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ حدیث میں ہے:

کلامی لا یسلخ کلام اللہ (مشکوٰۃ ص ۳۲) میرا کلام کلام اللہ کو منسوخ نہیں کرتا

پھر حدیث سے یہ آیت کیسے منسوخ ہوگی؟ میں نے اس کے جواب میں کہا کلام اللہ سے مراد قرآن مجید ہے اور قرآن مجید کے الفاظ مشبہ ہیں اور وہ الفاظ تو اترا سے ثابت ہیں اور اس آیت کے الفاظ غیر منضبط ہیں اور ان الفاظ کا ثبوت تو اترا سے نہیں ہے اس لیے یہ الفاظ قرآن مجید نہیں ہیں۔ لہذا ان کے منسوخ اتواءات ہونے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

آیت رجم کی بحث

میرے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ المعزہ لکھتے ہیں:

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر فرمایا: لوگو! میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں جس کا کہنا میرے لیے مقدّر کر دیا گیا ہے میں نہیں جانتا شاید میری موت میرے سامنے ہو جو شخص میری بات کو سمجھ کر اسے دور رکھے اسے چاہیے کہ جہاں تک وہ پہنچ سکا ہو وہاں تک میری بات لوگوں کو بتا دے اور جسے خوف ہو کہ اس بات کو نہ سمجھ سکے گا تو میں اسے اپنے اوپر جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں دیتا وہ بات یہ ہے کہ ”بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ

بیجا اور ان پر کتاب نازل فرمائی اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اس میں رجم کی آیت بھی تھی ہم نے وہ آیت پڑھی اور اسے سمجھا اور اسے یاد رکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور حضور کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ مجھے خوف ہے کہ طویل زمانہ گزر جانے کے بعد کوئی کہنے والا کہہ دے کہ خدا کی قسم اللہ کی کتاب میں ہم رجم کی آیت نہیں پاتے تو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے فریضہ کو ترک کر کے گمراہ ہو جائیں۔ اللہ کی کتاب میں رجم برحق ہے ہر اس آزاد مرد اور عورت پر جس نے شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کیا بشرطیکہ شرعی گواہ قائم ہو جائیں یا (عورت کا) صل ظاہر ہو جائے یا اقرار ہو۔

(بخاری شریف جلد ۱ ص ۱۰۹۹ مکی مسلم ج ۲ ص ۶۵ مؤطا امام مالک ص ۱۸۵)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ قرآن مجید کی آیت الزانیۃ والزانی میں سو کوڑوں کی سزا کا ذکر آزاد غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے ہی ہے اور رجم کی سزا کا تعلق غیر شادی شدہ سے نہیں بلکہ وہ شادی شدہ کے لیے مخصوص ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ غیر شادی شدہ کی سزا قرآن پاک کے الفاظ میں صراحۃً مذکور ہے اور شادی شدہ کی سزا صراحۃً حدیث اور سنت نبوی میں وارد ہے اور ہم یاد رہتا ہے کہ وہ احادیث جن میں رجم کی سزا مذکور ہے وہ متواتر لفظی ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت ہیں جس طرح قرآن کی آیت وحی الہی ہیں اسی طرح سنت اور حدیث نبوی بھی وحی الہی ہے اور اسی بناء پر اس کا دلیل شرعی ہونا ہم قرآن مجید سے ثابت کر چکے ہیں جو چیز قرآن سے ثابت ہو اس سے جس حکم کا ثبوت ہو جائے وہ بین قرآن کے مطابق ہے اسے خلاف قرآن کہنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

دیکھیے قبلہ اولیٰ کے قبلہ ہونے کا حکم قرآن میں وارد نہیں بلکہ حدیث سے ثابت ہے اسی طرح پانچ نمازیں ان کی تعداد رکعت اور ادا کرنے کی ترتیب مثلاً نماز میں رکوع بخود قیام اور قعود اور ان سب ارکان کی ترتیب سب سنت نبوی سے ثابت ہے اگر سنت اور حدیث کو نظر انداز کر کے صرف اقبوا الصلوٰۃ اور اتوا الذکوٰۃ کو سامنے رکھ لیا جائے تو نہ اقامت صلوٰۃ کے حکم پر عمل ہو سکتا ہے نہ ہی اتاء زکوٰۃ کے فریضہ سے سبکدوش ہونا ممکن ہے اس لیے سنت اور حدیث کو لازمی طور پر تسلیم کرنا چاہئے گا کہ قرآن کے معنی سمجھ میں آجائیں اور مروا الہی کے مطابق احکام قرآن پر عمل کرنا ممکن ہو۔

آیت رجم کا نزول اور اس کا منسوخ اتوات ہونا احادیث صحیحہ کی روشنی میں واضح ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود ہم نزول الفاظ اور نسخ اتوات کے قطعی اور متواتر ہونے کا قول نہیں کرتے لیکن یہ ضرور کہتے ہیں کہ رجم کے معنی تواتر اور قطعیت کے ساتھ قرآن پاک میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَكَيْفَ يَحْكُمُونَكَ وَبَعَثْنَا هُمُ الْقَوْمَ فِيهَا
يَحْكُمُونَكَ (النورہ ۳۳)

اور اے رسول وہ یہودی کس طرح آپ کو اپنا ظلم بتاتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تو رات ہے جس میں اللہ کا حکم پایا جاتا ہے۔

(متاۃ کا لمبی ج ۳ ص ۷۹۰-۷۹۹ مکتبہ فریضہ سائبرال ۱۳۷ھ)

رجم کی احادیث متواترہ

رجم کی صحیح مرفوع متصل احادیث تین (۵۳) صحابہ سے مروی ہیں جن کو مسلم اور مستدرجین القدر رحمہ اللہ نے اپنی تصانیف میں متعدد اقسام کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کے علاوہ ثقہ تابعین کی چودہ (۱۴) مرسل روایات ہیں چودہ (۱۴) آثار صحابہ اور پانچ (۵) فتویٰ تابعین ہیں جن کو کتب رحمہ اللہ نے اسانید کثیرہ کے ساتھ اپنی مصنفات میں درج کیا ہے یہ کل چھیالیس (۵۶) احادیث ہیں۔ ہم نے جن اعداد و شمار کا ذکر کیا ہے یہ ان کتب احادیث سے حاصل کیے گئے ہیں جو ہمارے پاس موجود

اور دستیاب ہیں۔ ان کے علاوہ بے شمار کتب احادیث ہیں جو ہماری دسترس سے باہر ہیں اس لیے حقیقی اور قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ رجم کے سلسلہ میں کتنی احادیث مرفوعہ، مسند آثار صحابہ اور فتاویٰ تابعین موجود ہیں۔ بہر حال ہم نے جو اعداد و شمار جمع اور تلاش سے حاصل کیے ہیں ان کی بناء پر یہ اطمینان اور یقین ہو جاتا ہے کہ رجم کا ثبوت جن احادیث سے ہے وہ معنواً متواتر ہیں اور اس عدد سے اس بات پر شرح صدر ہو جاتا ہے کہ یہ احادیث اس قوت میں ہیں کہ ان سے قرآن مجید کی وضاحت کی جا سکتی ہے اور ان احادیث متواترہ کی بناء پر یہ قول صحیح اور برحق ہے کہ قرآن مجید میں جس زانیہ اور زانی کی سزا سو کوڑے مارنا بیان کی ہے اس سے آزاد اور غیر محسن (غیر شادی شدہ) زانی اور زانیہ مراد ہیں رہے آزاد اور محسن (شادی شدہ) زانیہ اور زانی تو ان کی حد رجم کرنا ہے جیسا کہ احادیث متواترہ میں اس کا بیان ہے۔

منکرین رجم یہ شبہ وارد کرتے ہیں کہ سنت سے قرآن مجید کے عموم قطعی کی تخصیص کیسے کی جا سکتی ہے؟ اس کا جواب فتاویٰ یہ ہے کہ الزانیۃ والزانی میں عموم قطعی نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں باندیوں کے زنا کی سزا کے متعلق ہے:

فَلْيُزَوِّجَنَّ مِنْ غَيْرِ مَحْصَنٍ لَّيْسَ بِزَنَاءٍ لِّمَا كُنَّ فَعَلْنَ

یعنی باندیوں کی سزا اگر مردوں کی سزا آزاد مردوں کی سزا کا نصف ہے۔

(۱۸: ۲۵)

یعنی باندیوں کی سزا پچاس کوڑے ہے اس سے معلوم ہوا کہ آیت نور میں جو زانیوں کی سزا سو کوڑے بیان کی گئی ہے اس سے ہر زانی اور زانیہ مراد نہیں ہے بلکہ آزاد زانیہ اور زانی مراد ہے کیونکہ باندیوں کی سزا سو کوڑے نہیں ہے اس کی نصف بیان کی گئی ہے اور جب اس آیت میں خود قرآن مجید سے تخصیص ہو گئی تو اس کا عموم قطعی نہ رہا اور یہ ہر زانیہ اور زانی کو شامل نہیں ہے اس لیے اگر سنت متواترہ سے اس میں تخصیص کی جائے اور اس بناء پر اس کو غیر شادی شدہ زانیوں کے ساتھ محض قرار دیا جائے تو اس میں کیا استبعاد ہے!

رہے آزاد اور شادی شدہ زانی تو ان کی سزا رجم ہے جیسا کہ احادیث متواترہ میں اس کا بیان ہے۔

ہم نے شرح صحیح مسلم میں رجم کی ۵۳ احادیث مرفوعہ بیان کی ہیں ۱۳۱۳ مرسل روایات بیان کی ہیں ۱۳۱۴ آثار صحابہ اور فتاویٰ تابعین کا ذکر کیا ہے۔ (شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۸۱۶-۸۰۴)

حد زنا کے دیگر مباحث شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۸۱۶-۸۱۴ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زانی مرد صرف زانیہ عورت یا شرک عورت سے نکاح کرے گا اور زانیہ عورت صرف زانی مرد یا شرک مرد سے نکاح کرے گی اور مومنوں پر اس (نکاح) کو حرام کر دیا گیا ہے (النور: ۳)

زانیہ کے لیے صرف زانی سے نکاح کی اجازت کی احادیث

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے ام مھزول نامی ایک عورت سے نکاح کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی وہ عورت زنا کر چکی تھی اور اس پر اجرت یعنی قحی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے سامنے یہ آیت پڑھی: الزانیۃ لا ینکحھا الا زان او مشرک۔ (النور: ۳)

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۹) قدیم مسند احمد رقم الحدیث: ۷۹۹۷-۷۹۹۸-۷۹۹۹-۸۰۰۰ شیخ ابو محمد شاكر نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور اس کے راویوں کی توثیق بھی کی گئی ہے۔ حاشیہ مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۹-۱۵۸ دارالحدیث قاہرہ دارالاسلام رقم الحدیث: ۸۱۹۷ حاشیہ ابن ماجہ نے کہا امام احمد کی سند صحیح ہے صحیح ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۹ سنن نسائی ج ۲ ص ۱۵۳ المسند ج ۲ ص ۱۵۹

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مرہ بن ابی مرہ ایک ایسا شخص تھا

تعداد القراء

جو مکہ سے قیدیوں کو لاکر انہیں مدینہ پہنچاتا تھا مکہ میں ایک زانیہ عورت تھی جس کا نام عاتق تھا وہ مرہد کی دوست تھی اس نے مکہ کے کسی قیدی سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کو مدینہ پہنچائے گا اس نے کہا میں مکہ گیا حتیٰ کہ ایک چاندنی رات میں میں مکہ کی دیواروں میں سے ایک دیوار کے کنارے میں پہنچا پس عاتق آگئی۔ میں نے دیوار کے ساتھ کسی شخص کا سایا دیکھا تھا میں جب وہاں پہنچا تو میں نے اس کو پہچان لیا اس نے کہا مرہد ہے؟ میں نے کہا مرہد ہوں اس نے کہا خوش آمدین میرے پاس آؤ میں اس رات اس کے پاس ٹھہرا۔ میں نے اس سے کہا اے عاتق اللہ نے زنا کو حرام کر دیا ہے اس عورت نے (مکہ کے لوگوں سے) کہا اے خبیثے والو! یہ شخص تمہارے قیدیوں کو چھڑا کر لے جاتا ہے سو آؤ آؤ میں نے میرا چھپا کیا میں اللہ مد (مکہ کا ایک پہاڑ) کی طرف گیا اور کسی عار میں گھس گیا وہ عار کے سر پر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے وہاں چٹاب کیا اور ان کا پیٹاب میرے سر پر پڑا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مجھ سے اندھا کر دیا میں اپنے اس (قیدی) ساتھی کے پاس چٹاب کیا اور وہ بھی میری مدد کرتا رہا حتیٰ کہ میں انڈر گھاس کے پاس پہنچا اور میں نے اس کی بیڑیاں کھولیں پھر میں اس کو اٹھا کر لے گیا اور وہ بھی میری مدد کرتا رہا حتیٰ کہ میں اسے لے کر مدینہ پہنچ گیا پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا میں عاتق سے نکاح کر لوں؟ میں نے یہ سوال دو مرتبہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور مجھے کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی: زانی مرد صرف زانیہ عورت یا بشر کہ عورت سے نکاح کرے گا اور زانیہ عورت صرف زانی مرد یا مشرک مرد سے نکاح کرے گی اور دونوں پر اس (نکاح) کو حرام کر دیا گیا ہے۔ (النور: ۳)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۷۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۵۱ سنن ابوالحسن رقم الحدیث: ۳۲۳۸ المسند رقم الحدیث: ۲۶۶ سنن بیہقی رقم الحدیث: ۱۵۳)

زانیہ سے مؤمن کے نکاح کی ممانعت کی تو جیہات

سورۃ النور: ۳ اور مذکورہ الحدیث احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان مرد زانیہ عورت سے نکاح نہیں کر سکتا اور کوئی مسلمان عورت زانی مرد سے نکاح نہیں کر سکتی اس مسئلہ میں فقہاء کے مسلک حسب ذیل ہیں:

(۱) یہ ممانعت عام نہیں ہے بلکہ آم محمول اور عاتق کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ ابھی احادیث کے حوالوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

(۲) ابو صراح نے کہا یہ ممانعت اہل الصنفہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۳) حسن بصری نے کہا یہ ممانعت ہر زانی اور ہر زانیہ کے لیے عام نہیں ہے بلکہ اس زانی اور زانیہ کے ساتھ مخصوص ہے جس کو حد میں کوڑے لگ چکے ہوں اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس زانی کو کوڑے مارے جائے ہوں وہ صرف اپنی مثل کے ساتھ نکاح کرے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۵۱ المسند رقم الحدیث: ۲۶۶ سنن ابوالحسن رقم الحدیث: ۳۲۳۸ کتب الرجال رقم الحدیث: ۳۶۶)

(۴) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اکثر اور غالب زنا کرنے والے اپنی مثل زانیہ سے ہی نکاح کرنے میں رغبت رکھتے ہیں۔ کرنی نے کہا ہے کہ فاسق خبیث جو زنا کرتا ہے وہ کسی نیک خاتون سے نکاح کرنے کو پسند نہیں کرتا وہ اپنی مثل فاسق یا مشرک سے نکاح کرنے کو پسند کرتا ہے اسی طرح فاسق خبیث عورت کسی نیک باشرع اور متقی مرد سے نکاح کرنے کو پسند نہیں کرتی بلکہ اس سے ختم ہوتی ہے (جیسا کہ اس دور میں آزاد اور فیشن بیل انڈیا بازارن لڑکیاں کسی نمازی ڈاڑھی رکھنے والے

فحش سے نکاح کرنے سے نفرت کرتی ہیں) بلکہ وہ اپنے جیسے قاسق (آزاد فحش زدہ) مرد سے نکاح کرنے کو پسند کرتی ہیں اور یہ حکم عام اکثر اور غالب افراد کے اعتبار سے ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ نیک کام تو صرف پرہیزگار لوگ کرتے ہیں حالانکہ بعض اوقات قاسق لوگ بھی نیک کام کر لیتے ہیں اسی طرح اس آیت کا مکمل یہ ہے کہ زنا کرنے والا مرد اور زنا کرنے والی عورت صرف اپنے جیسے فحش سے نکاح کرنا پسند کرتے ہیں۔

زانیہ سے مؤمن کے نکاح کی ممانعت کا منسوخ ہونا

(۵) علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

سورة النور: ۳ سورة النور: ۳۲ سے منسوخ ہے اور منسوخ کرنے والی آیت یہ ہے:

وَأَنْتُمْ خَوَالِدُكُمْ أَلْفِي مَعَكُمْ وَاللَّيْلِينَ مِنْ بَيْنِكُمْ

تم میں سے جو مرد اور عورت بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دو

اور اپنے نیک خلائوں اور بائوں کا بھی۔

(النور: ۳۳)

اس آیت میں مطلقاً بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کرنے کا حکم دیا ہے خواہ وہ زنا کار ہوں یا نہ ہوں اور جن سے ان کا نکاح کیا جائے خواہ وہ زنا کار ہوں یا نہ ہوں۔

ابو جعفر اسی نے کہا ہے اکثر فقہاء اور اہل فتویٰ کا قول ہے کہ جس شخص نے کسی عورت سے زنا کیا ہو اس کے لیے اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے اور اس کے علاوہ دوسرے شخص کے لیے بھی اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سالم جابر بن زیدؓ عطاءؓ طاؤسؓ امام مالک بن انسؓ اور امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے امام شافعیؒ نے کہا سعید بن مسیب کا قول صحیح ہے کہ یہ آیت ان شاء اللہ منسوخ ہے۔

روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک مرد نے ایک عورت سے زنا کیا اور دونوں کو سو سو کوڑے مارے پھر ان کا ایک دوسرے کے ساتھ نکاح کر دیا اور ان کو ایک سال کے لیے شہر بدر کر دیا۔ حضرت عمرؓ ابن مسعودؓ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس کا اقول زنا ہے اور اس کا آخر نکاح ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کسی کے باغ سے پھل چوری کرے پھر اس کے مالک سے اس باغ کے پھل خرید لے اس نے جو چوری کی تھی وہ حرام ہے اور جو مال خریدا ہے وہ حلال ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ نے اسی اثر سے استدلال کیا ہے۔

(الجامع لا کما قرآن ص ۱۲۳ ص ۱۵۶ ملخصاً سلیمہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر (اس کے ثبوت میں) چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو تم ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو اور ان کی شہادت کو کبھی بھی قبول نہ کرو اور لوگ بھی قاسق ہیں ۵۰ سو ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے حد مہربان ہے ۵ (النور: ۵-۴)

قذف کا لغوی معنی

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ قذف کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قذف بالحجارة کا معنی ہے پتھر پھینکنا اور قذف المحصنة کا معنی ہے پاک دامن عورت کو زنا کی تہمت لگانا اور یہ مجاز ہے اور ایک قول یہ ہے کہ قذف کا معنی ہے گالی دینا اور حدیث میں ہے کہ بلال بن امیہؓ نے اپنی بیوی کو شریک کے ساتھ تہمت لگائی اصل میں قذف کا معنی ہے پھینکنا پھر یہ لفظ گالی دینے اور زنا کی تہمت میں استعمال ہوا۔ (تاج الفروسی ص ۶۷ ص ۶۷ ص ۶۷)

قذف کا شرعی معنی

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی ۹۷۰ھ قذف کا اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قذف کا شرعی معنی ہے کسی محسن (مسلمان پاک دامن) کو زنا کی تہمت لگانا اور فتح القدیر میں ہے: اس پر اجماع ہے کہ حد کا تعلق اس کے ساتھ ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے: ”جو لوگ محسنات (مسلمان اور پاک دامن) عورتوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور پھر اس پر چار مرد گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو“ اسی آیت میں لفظ زنی سے زنا کی تہمت مراد ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص کو دیکھ کر گناہوں کی تہمت لگائی تو اس پر حد قذف واجب نہیں ہوگی بلکہ تعزیر واجب ہوگی اور اس آیت میں جو چار گواہ نہ لانے کی شرط لگائی ہے اس سے زنا کی تہمت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ صرف زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کی ضرورت ہے۔ ہر چند کہ اس آیت میں محسنات کا لفظ ہے جو مؤنث کا صیغہ ہے لیکن یہ حکم مردوں کو بھی شامل ہے اور یہ بات نہیں ہے کہ صرف عورت کو زنا کی تہمت لگانے سے حد قذف واجب ہوتی ہے بلکہ مسلمان اور پاک دامن عورت یا مرد جس کو بھی زنا کی تہمت لگائی گئی اور اس کے ثبوت میں چار گواہ نہ لائے جائیں تو تہمت لگانے والے پر حد قذف واجب ہوگی۔ (المحرر ابن قس ۵ ص ۶۹-۷۰ مطبوعہ مصر ۱۳۱۷ھ)

قرآن مجید کی روشنی میں قذف کا حکم

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ يَزِينُونَ لَمْ يَأْتُوا بِالْبَيِّنَاتِ
شَهَادَاتٍ فَإِذَا هُمْ بِلَا بُرْهَانٍ عَلَيْهِمْ
أَبْدًا ۖ ذَٰلِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿۸۰﴾ (المزور ۳)

إِنَّ الَّذِينَ يَزِينُونَ لَمْ يَأْتُوا بِالْبَيِّنَاتِ
لِيُؤْنَفِ الدَّيْنِيَّةَ وَالْأَعْيُنَ ۖ وَكَلَّمَ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۸۱﴾ (المزور ۲۳)

احادیث کی روشنی میں قذف کا حکم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جاودہ کرنا، جس شخص کے قتل کو حق کے سوا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دن پیچھے موڑنا اور پاک دامن مسلمان بے خبر عورت کو زنا کی تہمت لگانا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۶۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۳ سنن اصفہانی رقم الحدیث: ۳۶۷۷ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۱۱۳۶۱)

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب میری برأت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور قرآن مجید کی تلاوت کی اور منبر سے اترنے کے بعد آپ نے دو مردوں اور ایک عورت پر حد لگانے کا حکم دیا سو ان کو حد لگائی گئی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۷۷)

عن محمد بن اسحاق بهذا الحديث قال
فامر برجلين وامرأة ممن تكلم بالفاحشة حسان
بن ثابت و مسطح بن اثالة قال الثفيلي و يقولون
والمرأة حمنة بنت جحش.

(سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۴۳۷۵)

احسان کی شرائط میں مذہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ شافعی لکھتے ہیں: فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب کوئی مکلف شخص عرصہ کو زنا کی تہمت لگائے تو اس پر حد
قذف واجب ہوتی ہے اور احسان کی پانچ شرائط ہیں:

(۱) عقل (۲) حریت (۳) اسلام (۴) زنا سے پاک دامن ہونا (۵) وہ شخص اکتا بڑا ہو کہ جماع کر سکتا ہو یا اس سے
جماع کیا جاسکتا ہو۔

تمام حنفیہ میں اور متاخرین علماء نے احسان میں ان شرائط کا اعتبار کیا ہے۔ البتہ داؤد دھاہری نے یہ کہا ہے کہ غلام کو تہمت
لگانے سے بھی حد واجب ہوگی۔ امام احمد سے بلوغ کے متعلق مختلف روایات منقول ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ شرط ہے امام
شافعی ابو ثور اور فقہاء احناف کا بھی یہی قول ہے کیونکہ بلوغ مکلف ہونے کی ایک شرط ہے اس لیے عقل کے مشابہ ہے اور اس
لیے کہ بچہ کے زنا سے حد واجب نہیں ہوتی اس لیے اگر بچہ کسی کو زنا کی تہمت لگائے تو اس پر حد بھی نہیں ہونی چاہیے۔ دوسری
روایت یہ ہے کہ بلوغ کی شرط نہیں ہے کیونکہ وہ آزاد صاحب عقل اور پاک دامن ہے اور اس تہمت سے اس کو عار لاحق ہوتا
ہے اور اس قول کا صدق ممکن ہے اس لیے وہ بڑے شخص کے مشابہ ہے یہ امام مالک اور اسحاق کا قول ہے اس روایت کی بناء پر
اس کو کم از کم اکتا بڑا ہونا چاہیے جو جماع کر سکتا ہو اور لا کم از کم دس سال کا اور لا کم از کم نو سال کی ہو۔

(المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۹۳ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

احسان کی شرائط میں مذہب احناف

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں:

احسان یہ ہے کہ جس شخص کو تہمت لگائی گئی ہے وہ (۱) آزاد (۲) عاقل (۳) بالغ (۴) مسلمان اور (۵) زنا کے فعل
سے پاک دامن ہو۔ آزاد ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ قرآن مجید میں آزاد پر احسان کا اطلاق ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
فَلْيَتْلُوْنَ هٰذَا عَلٰى الْغُلَامِ مِمَّنْ مَلَكَ يَدَیْهِمْ فَيَصَدِّقُوْنَ بِمَا لَمْ يَمْلِكُوْا ۚ وَلَهُمْ اَمْرٌ عَظِیْمٌ

(النساء: ۶۰)

اور عقل و بلوغ کی شرط اس لیے ہے کہ بچہ اور مجنون کو زنا کی تہمت سے عار لاحق نہیں ہوتا کیونکہ ان سے فعل زنا کا تحقق
نہیں ہوتا اور اسلام کی شرط اس لیے ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
من الشُّرکِ بِاللهِ فلیسَ بِمُحْصَنٍ۔ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا وہ محسن نہیں ہے۔

(سنن دارقطنی)

اور زنا سے پاک دامن ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ جو پاک دامن نہ ہو اس کو عار لاحق نہیں ہوگا اور تہمت لگانے والا
اس تہمت میں سچا ہوگا۔

کوڑے مارنے کے احکام

علامہ الرضیانی لکھتے ہیں: امام کو ایسے کوڑے کے ساتھ مارنے کا حکم دیا چاہیے جس میں گرہ یا پھل نہ ہوں (یعنی درخت کی ایسی شاخ سے مارا جائے جس میں گرہ نہ ہو اور نہ پھل ہوں) اور متوسط ضرب کے ساتھ مارنا چاہیے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوڑے مارنے لگے تو انہوں نے درخت کی شاخ سے پھل کاٹ دینے اور متوسط ضرب وہ ہوتی ہے کہ نہ تو اس سے چوٹ کا نشان پڑے اور نہ ایسی ضرب ہو جس سے بالکل تکلیف نہ ہو کیونکہ پہلی صورت میں ہلاکت کا خدشہ ہے اور دوسری صورت میں کوڑے لگانے کا مقصد فوت ہو جائے گا مجرم جس کے کوڑے لگائے جائیں اس کے کپڑے اتار لیے جائیں اور صرف چار (تہجد) باقی رہے اور اس کے جسم کے حشرق اعضاء پر کوڑے مارے جائیں کیونکہ ایک جگہ کوڑے مارنے سے اس کی ہلاکت کا خدشہ ہے اور اس کے سر، چہرہ اور شرماہ پر کوڑے نہ مارے جائیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حد لگانے والے سے فرمایا اس کے چہرے اور شرماہ سے اجتناب کرو تمام حدود میں مجرم کو کھڑا کر کے کوڑے مارے جائیں کیونکہ حضرت علی نے فرمایا: مردوں کو کھڑا کر کے کوڑے ماریں کوڑے مارتے وقت کوڑے مارنے والا کوڑے کو اپنے سر سے اوپر نہ اٹھائے۔ کوڑے مارے جانے میں مرد اور عورت کے مساوی احکام ہیں۔ البتہ عورت کے صرف قاتلہ کپڑے اتارے جائیں گے سارے کپڑے اتار کر یا صرف تہجد میں حد نہیں لگائی جائے گی اور اس کو بٹھا کر حد لگائی جائے گی۔ (ماہنامہ بین ۱۳۹۰ھ تا ۱۳۹۱ھ)

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ کوڑے مارنے کے لیے درخت کی ایسی شاخ کی جائے جس میں کوئی گرہ نہ ہو نہ کوئی پھل نہ ہو نہ سوکھی ہوئی خشک شاخ ہو، اگر وہ خشک شاخ ہو تو اس کو پھیل کر نرم کر لیا جائے کیونکہ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ حکم کیا جاتا تھا کہ درخت کی شاخ سے پھل کاٹ لیے جائیں پھر اس کو دو چھروں کے درمیان رکھ کے کوٹ کر نرم کیا جائے پھر اس سے کوڑے لگائے جاتے۔ علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ خلاصہ یہ ہے کہ ایسی شاخ سے ضرب نہ لگائی جائے جس کی کوئی جانب خشک اور سوکھی ہوئی ہو کیونکہ اس سے زخم لگے گا یا نشان پڑ جائے گا اور نہ اس شاخ میں کوئی گرہ یا پھل ہو کیونکہ امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے لائق حد جرم کیا ہے مجھ پر حد جاری کیجیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑا منگوایا تو ایک سخت نشی لائی گئی جس میں پھل تھے آپ نے فرمایا اس سے کم لاؤ پھر ایک نرم شاخ لائی گئی آپ نے فرمایا اس سے کچھ زیادہ لاؤ پھر ایک درمیانی شاخ لائی گئی۔ آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے پھر آپ نے اس سے کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ متوسط شاخ سے کوڑے لگائے جائیں۔ (بخاری ج ۵ ص ۱۶۰ تا ۱۶۱)

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک آزاد و عاقل بالغ مسلمان اور پاک دامن مرد یا عورت پر کسی مٹلف نے زنا کی تہمت لگائی اور اس پر چار گواہ نہیں پیش کیے تو اس پر اسی (۸۰) کوڑے حد لازم ہوگی۔

جس پر حد قذف لگ چکی ہو اس کی شہادت قبول کرنے میں اختلاف فقہاء

جو شخص کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے پھر اس پر چار گواہ نہ پیش کر سکے اس کے متعلق تین حکم بیان فرمائے۔ ایک یہ کہ اس کو اسی (۸۰) کوڑے مارو دوسرا یہ کہ ان کی شہادت کو کبھی قبول نہ کرو اور تیسرا یہ کہ وہی قاتلہ ہیں۔ اس کے بعد فرمایا سو اٹھ لوگوں کے جو اس کے بعد تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے۔

اس پر اجماع ہے کہ اس اشتہاء کا قاتلہ کوڑے مارنے کی سزا کے ساتھ نہیں ہے یعنی اگر کسی شخص نے تہمت لگانے کے بعد

اس تہمت سے رجوع کر لیا اور یہ کہا کہ میں نے جھوٹ بولا تھا تو اس کو پھر بھی اسی (۸۰) کوڑے مارے جائیں گے۔ البتہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اس توہم کے بعد اس کی شہادت قبول کی جائے گی یا نہیں۔ قاضی شریح ابراہیم نقی حسن بصری سفیان ثوری اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے اس کی توہم اب بھی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کی شہادت کو کبھی بھی قبول نہ کرو اور اس سے استثناء کا تعلق فسق سے ہے یعنی توہم پر کرنے کے بعد وہ فاسق نہیں ہیں۔ اور ائمہ خلافت نے یہ کہا ہے کہ اس استثناء کا تعلق توہم پر قبول نہ کرنے کے ساتھ ہے یعنی تہمت لگانے کے بعد اس سے توہم کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو پھر اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ (الجامع لا حکام القرآن ج ۲ ص ۶۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ) ائمہ خلافت نے اس سے استثناء لیا کہ یہ کبھی بخاری میں ہے:

حضرت ابو بکر و ثعلبہ بن معبد اور تابع نے حضرت مغیرہ بن شعبہ پر زنا کی تہمت لگائی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تینوں کو اسی (۸۰) کوڑے مارے کیونکہ یہ چار گواہ نہیں پیش کر سکے تھے۔ پھر فرمایا کہ جو ان میں سے توہم پر کر لے گا اس کی شہادت قبول کر لی جائے گی۔ ثعلبہ اور تابع نے اپنے آپ کو مجبور قرار دیا اور حضرت ابو بکر و رضی اللہ عنہ اپنے قول پر قائم رہے۔ (صحیح البخاری کتاب الشہادۃ)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زہری نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر و تابع اور ثعلبہ نے حضرت مغیرہ کے خلاف زنا کی شہادت دی اور زیادہ ابن ابی سفیان نے ان کی شہادت کے خلاف شہادت دی حضرت عمر نے ان تینوں کو کوڑے مارے اور فرمایا تم میں سے جس نے اپنی شہادت سے رجوع کر لیا اس کی شہادت قبول کر لی جائے گی۔ حضرت ابو بکر نے اپنی شہادت سے رجوع کرنے سے انکار کر دیا۔

ان چاروں نے حضرت مغیرہ کو اہل قضاہ ام جلیل بنت عمرو الصلاہ کے چہیت کے اوپر دیکھا انہوں نے چاکر حضرت عمر سے شکایت کی حضرت عمر نے حضرت مغیرہ کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ حضرت ابوموسیٰ کو بصرہ کا گورنر بنا دیا اور حضرت مغیرہ کو حاضر کیا گیا اقول اللہ کریموں نے ان کے خلاف زنا کی شہادت دی اور زیادہ ابن ابی سفیان نے قطعی شہادت نہیں دی اور کہا میں نے بہت قبیح منظر دیکھا تھا اور میں نہیں جانتا کہ انہوں نے یہ فعل کیا تھا یا نہیں تب حضرت عمر نے ان تینوں پر حد قذف جاری کی۔ حاکم نے المسند رک میں روایت کیا ہے کہ زیادہ نے کہا کہ میں نے ان دونوں کو ایک لحاف میں دیکھا میں نے ان کا زور زور سے سانس سنا اور اس کے بعد کیا ہوا اس کا مجھے پتہ نہیں۔ (صحیح ابی داؤد ج ۵ ص ۵۸۲-۵۸۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہوں تو وہ ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور بچوں میں سے ہے ۵ اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو ۵ اور عورت سے حد زنا اس طرح زور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے ۵ اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کا عذاب نازل ہوا اگر وہ (خاوند) بچوں میں سے ہو ۵ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تم پر فوراً عذاب نازل ہو جاتا) اور بے شک اللہ بہت توہم قبول کرنے والا بہت حکمت والا ہے ۵ (الفرقہ: ۱۰)

لعان کے متعلق احادیث

حضرت کمال بن سعد الساعدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عامر بن عبدی الصغری کے پاس گئے اور

مقرون ہوں اور امام شافعی فرماتے ہیں یہ دو قسمیں ہیں جو لفظ شہادت کے ساتھ مؤکد ہوں امام شافعی کے نزدیک اس میں قسم کی اہلیت شرط ہے اس لیے مسلمان اور اس کی کافر بیوی اور کافر اور کافرہ اور قلام اور اس کی بیوی میں بھی لعان ہو جاتا ہے امام مالک اور امام احمد فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس میں شہادت کی اہلیت شرط ہے اس لیے لعان ایسے مسلمان آزاد عاقل بالغ کے ساتھ خاص ہے جس پر حد قذف نہ لگائی گئی ہو۔ (مواعظ القاری ج ۲ ص ۲۹۰)

لعان کی وجہ تسمیہ

مرد لعنت کے لفظ کہتا ہے اور عورت غضب کا لفظ کہتی ہے اور اس مسئلہ کا عنوان لعان بتایا گیا ہے جبکہ آیت میں لعنت اور غضب دونوں الفاظ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتداء مرد سے ہوتی ہے اور وہ لعنت کا لفظ کہتا ہے اور مرد کی جانب قوی ہے نفیر لعان کرنے نہ کرنے کا مدار مرد ہی پر ہوتا ہے اور عورت کو غضب کے لفظ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے کیونکہ مرد کی نسبت عورت کا جرم بڑا ہے مرد اگر جھوٹا ہو تو وہ حد قذف کا مستحق ہے اور اگر عورت جھوٹی ہو تو وہ سنگسار کی جانے کی مستحق ہے۔

(مواعظ القاری ج ۲ ص ۲۹۰)

زانی کو از خود قتل کرنے کا حکم

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو پائے اور یہ تحقیق ہو جائے کہ اس نے زنا کیا ہے اور وہ شخص اس سبب سے اس زانی کو قتل کر دے تو جمہور فقہاء اسلام کا یہ نظریہ ہے کہ اس پر قصاص لازم آئے گا الا یہ کہ وہ زنا کے ثبوت پر چار گواہ پیش کر دے یا مقتول کے ورثہ اس کے زنا کا اعتراف کر لیں۔ اور یہ شرط بھی ہے کہ وہ زانی شادی شدہ ہو یہ دنیاوی ضابطہ ہے اور اگر وہ سچا ہے تو آخرت میں اس پر کوئی وبال نہیں ہوگا۔ بعض شوافع کا قول یہ ہے کہ جو شخص بھی سلطان کی اجازت کے بغیر کسی شادی شدہ زانی کو قتل کرے گا اس سے قصاص لیا جائے گا۔ (شرح مسلم ج ۵ ص ۲۸۸ کراچی)

امام ابو حنیفہ کا قول جمہور کے موافق ہے اگر وہ شخص گواہی دیں کہ اس شخص نے فلاں آدمی کو زنا کے سبب سے قتل کیا ہے تو جمہور کے نزدیک اس سے قصاص لیا جائے گا اور امام احمد کے نزدیک اس پر قصاص نہیں ہے۔ (مخبر الہدی ج ۹ ص ۳۳۹ لاہور)

جمہور کی دلیل ابن ماجہ کی روایت ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو حضرت سعد کے جواب میں فرمایا تم کو اکانی گواہ ہے پھر فرمایا نہیں اچھے خدا ہے کہ پھر لوگ نشر اور فحرت میں آ کر دھڑا دھڑا قتل کرنا شروع کر دیں گے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۰۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سبب سے قتل کرنے کی اجازت نہیں دی البتہ جس پر چار گواہوں سے زنا ثابت ہو جائے اس کا معاملہ الگ ہے کیونکہ وہ مباح الدم ہے اس لیے اس صورت میں اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا لیکن کسی شخص کو بھی قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ہے اور اس وجہ سے وہ مؤاخذہ کا مستحق ہوگا۔

لعان کے بعد تفریق میں مذہب فقہاء

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں کہ امام مالک امام شافعی اور ان کے موافقین کا یہ نظریہ ہے کہ نفس لعان سے نکلان کرنے والوں کے درمیان تفریق ہو جاتی ہے امام مالک اور ان کے اکثر اصحاب کا قول یہ ہے کہ عورت کے لعان سے فارغ ہونے کے بعد تفریق ہو جاتی ہے اور امام شافعی اور ان کے اکثر اصحاب کا قول یہ ہے کہ مرد کے لعان سے فارغ ہوتے ہی تفریق ہو جاتی ہے۔ بحون مالکی کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور سفیان ثوری کا یہ قول ہے کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی بلکہ لعان کے بعد قاضی کے تفریق کرنے سے تفریق ہوتی ہے اور امام احمد بن حنبل کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں ایک

میں احناف کے ساتھ ہیں اور دوسرے میں شوافع کے۔ (مجموعہ فتاویٰ ج ۲۰ ص ۲۹۵ نمبر)

علامہ ابوالحسن مرداوی مثبلی لکھتے ہیں کہ وجہ میں لکھا ہے کہ امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ نفس لعان سے تفریق ہو جاتی ہے اور محرر و نکرہ راعینین حادی صغیر و فروع وغیرہ کتب حنبلیہ میں اسی قول کو مقدم کیا ہے اور امام احمد بن حنبل کا دوسرا قول یہ ہے کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی جب تک کہ حاکم تفریق نہ کرے۔ خرقی (الحنفی ابن قدامہ کا متن) کا یہی مختار ہے۔ قاضی شریف ابوالخطاب اور ابن النباہ وغیرہم فقہاء حنبلیہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے نہ ہا یہ مذہب مسبوک الذہب اور دوسری کتب حنبلیہ میں بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے اور احناف میں لکھا ہے کہ عام اصحاب حنبلیہ کا بھی یہی مختار ہے۔ (الاصناف ج ۹ ص ۲۵۲-۲۵۱ بیروت)

فقہاء احناف کے نظریہ پر دلائل

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت درج کی جس میں پہلے لعان کا واقعہ درج ہے حضرت ابن عمر نے لعان کی کارروائی بیان کرنے کے بعد فرمایا ثم فرق بیسهما۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۹۳) ”پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی۔“ امام بخاری نے حضرت ابن عمر کی اس روایت کو سعید بن جبیر سے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۸۱) اور نافع سے بھی۔ نافع سے دو روایات ذکر کی ہیں ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

عن نافع ان ابن عمر اخبره ان رسول الله صلى الله عليه وسلم فرق بين رجل وامرأته قلدهما واحلفهما. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۸۱)

نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والے مرد اور عورت کے درمیان تفریق کر دی۔

ان احادیث صحیحہ سے واضح ہو گیا کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعان کے بعد تفریق نہ فرماتے۔

فقہاء احناف کی دوسری دلیل یہ ہے کہ امام بخاری نے حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے واقعہ لعان میں یہ بیان کیا ہے کہ لعان کے بعد حضرت عویمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: کسلت علیہا یا رسول اللہ ان امسکتھا فطللھا ثلاثا قبل ان یامرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ”یا رسول اللہ! (لعان کے بعد) اگر آپ میں اس کو اپنے نکاح میں رکھوں تو پھر میں جوہا قرار پاؤں گا“ پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ فرمانے سے پہلے ہی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔“ اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۸۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۹۳)

ان احادیث صحیحہ سے واضح ہو گیا کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی ورنہ حضرت عویمر اس کو تین طلاقیں نہ دیتے یا رسول اللہ فرماتے آپ تین طلاقیں کی کیا ضرورت ہے تفریق تو ہو گئی۔

علامہ نووی کے اعتراضات کے جوابات

علامہ نووی نے اس دلیل پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذهب فلامسک لک علیہا۔ ”جاؤ آپ اس عورت پر تہبہاری ملکیت نہیں ہے۔“ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کو رد کر دیا یعنی اب تہبہاری اس پر ملکیت نہیں ہے اس لیے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۹ کریم)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ نووی کی اس دلیل کو رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شرح مسلم میں علامہ نووی کی اس عبارت سے یہ وہم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عویمر کے تین طلاقیں دینے کے بعد فرمایا "لا مسیئل لک علیہا" اور یہ کہ یہ جملہ حضرت کل بن سعد ساعدی کی روایت میں موجود ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ جملہ حضرت ابن عمر کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد ہے: اللہ یعلم ان احد کما کاذب۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۲۵۲-۲۵۱ کا ۱۰۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس وضاحت سے یہ معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "لا مسیئل لک علیہا" کا حضرت عویمر کی دی گئی تین طلاقوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے نہ یہ تین طلاقوں پر رو ہے اس معاملہ میں علامہ نووی نے ایک کلاما ہوا مخالف کھایا ہے۔ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا ارشاد "لا مسیئل لک علیہا" جس حدیث میں ہے وہ حسب ذیل ہے:

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر سے لعان کرنے والوں کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والوں سے فرمایا "تمہارا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے" تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے اور اس عورت پر اب تمہاری ملکیت نہیں ہے۔" (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۱۲)

اس حدیث سے نہ صرف یہ واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "لا مسیئل لک علیہا" کا تعلق حضرت عویمر کے قصہ سے نہیں ہے بلکہ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ لعان کرنے والوں کے درمیان نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔

نفس لعان سے تفریق نہ ہونے پر ایک واضح دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عویمر نے لعان کے بعد تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ اگر نفس لعان سے تفریق ہو جاتی تو آپ ان تین طلاقوں کو مسترد کر دیتے امام ابو داؤد در روایت کرتے ہیں:

عن سہیل بن سعد فی هذا الخبر فطلقها	حضرت کل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت
ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه	عویمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کو تین
وسلم فانفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم.	طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۵۰)	نافذ کر دیا۔

علامہ نووی نے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ دوسری روایت میں ہے: انفذها فقہا "حضرت عویمر اپنی بیوی سے علیحدہ ہو گئے" لیکن یہ تین طلاقیں دینے کے بعد کا واقعہ ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ابن شہاب کی حضرت کل بن سعد ساعدی کی روایت سے ظاہر ہے۔ اس لیے اس روایت کا یہ لفظ بھی علامہ نووی اور شوافع کے مسلک کے لیے منفيہ نہیں ہے۔

(صحیح مسلم کتاب اللعان رقم حدیث: الباب ۲۰ رقم الحدیث: ۱۳۹۲، رقم الحدیث: المسلسل: ۳۶۷۵)

صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر کی بکثرت روایات مذکور ہیں۔ (رقم حدیث: الباب ۷۹: ۷۹۰) جن میں تصریح ہے کہ لعان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفریق کی اور یہ موقف احناف کی واضح دلیل ہیں اور فقہاء مالکیہ اور شافعیہ کے موقف پر کوئی حدیث نہیں ہے۔

لعان کی وجہ سے بچہ کے نسب کی نفی میں مذہب فقہاء

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک شخص نے لعان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کر دی اور بچہ کو ماں کے ساتھ لائق کر دیا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۹۳)

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں کہ جمہور فقہاء تابعین اور ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ لعان کے بعد بچہ کو ماں کے ساتھ لائق کر دیا جائیگا اور وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور باپ سے اس کا نسب منقطع ہوگا۔ امام طحاوی کہتے ہیں کہ عاصم رضی اللہ عنہ ابی ذؤب اور بعض اہل مدینہ نے اس مسئلہ میں جمہور سے اختلاف کیا ہے کیونکہ بچہ اس کا ہوتا ہے جس کے ہاتھ پر ہو اس لیے لعان کرنے والے شخص سے ہی نسب ثابت ہوگا لیکن ان کے خلاف یہ حدیث جمہور کی قوی دلیل ہے اور اس قاعدہ میں اس حدیث سے تخصیص کی جائے گی۔ البتہ ایک اور اختلاف یہ ہے کہ ماں سے نسب اس وقت منقطع ہوگا جب بچہ پیدا ہوتے ہی یا زیادہ دن گزرنے سے پہلے مرد اس کا انکار کر دے امام ابو حنیفہ نے دن مقرر نہیں کیے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں سات دن کے بعد انکار مستحب نہیں ہے۔ اور امام محمد فرماتے ہیں چالیس دن کے بعد انکار مستحب نہیں ہے۔ یعنی اس سے پہلے انکار کا شرعاً اعتبار ہوگا اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر بچہ پیدا ہوتے ہیں فوراً انکار کر دیا تو اس کا انکار شرعاً معتبر ہوگا ورنہ نہیں۔

(صحیح النوری ج ۲ ص ۳۰۲ مصر)

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا خَصْبَةَ لَكُمْ بِهِ

ہے فحک جن لوگوں نے (عائشہ صدیقہ پر) جہمت لگائی وہ تم میں سے ایک گروہ ہے تم اس (جہمت) کو اپنے لیے شر نہ سمجھو بلکہ

هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي

وہ (مآل کے اعتبار سے) تمہارے لیے بہتر ہے اس گروہ میں سے ہر فرد کے لیے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا اور جس شخص نے

تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ

ان میں سے اس (جہمت) میں سب سے بڑا حصہ کیا اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ۵ جب تم نے اس (جہمت) کو سنا تو مومن مردوں

الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَأْنَفُسِهِمْ خَيْرٌ ۖ وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ۝ ۱۶

اور مومن عورتوں نے انہوں کے حلق تک گمان کیوں نہیں کیا اور یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ تو کھلا ہوا بہتان ہے ۱۶

لَوْلَا جَاءَ عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۖ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشَّهَدَةِ قَالُوا لَكَ

(جہمت لگانے والے) اس (جہمت) پر چار گواہ کیوں نہ لائے ابھی جب وہ گواہ نہیں لائے تو وہی اللہ

عِنْدَ اللَّهِ هُمْ الْكَذِبُونَ ۝ ۱۷ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي

کے نزدیک جھوٹے ہیں ۱۷ اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور اس

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لِمَسْكُمُ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۷﴾

کی رحمت نہ ہوتی تو تم نے جس (جہت) کا چرچا کیا تھا اس کی وجہ سے تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچا ۵

إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ

جب تم یہ (جہت) اپنی زبانوں سے نقل کرتے رہے اور اپنے منہوں سے وہ بات کہتے رہے جس کا تمہیں

عِلْمٌ وَتَحْسِبُونَهُ هَيِّئًا ۖ وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿۱۸﴾ وَلَوْ لَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ

علم نہ تھا اور تم اس کو معمولی بات سمجھتے رہے حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت سنگین بات تھی ۵ تم نے اس (جہت) کو سننے ہی

قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَّكِلَ بِهِذَا ۖ سُبْحَنَكَ هَذَا ابْهَتَانُ

یہ کیوں نہ کہا ایسی بات کرنا ہمارے لیے جائز نہیں ہے 'اے اللہ! تو پاک ہے یہ بہت سنگین بہتان ہے ۵

عَظِيمٌ ﴿۱۹﴾ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۰﴾

اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم دوبارہ ایسی بات کبھی بھی نہ کرنا اگر تم مومن ہو ۵

وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۲۱﴾ إِنَّ الَّذِينَ

اور اللہ تمہارے لیے آیتیں بیان فرما رہا ہے اور اللہ بہت علم والا بہت حکمت والا ہے ۵ بے شک جو لوگ یہ جانتے ہیں کہ

يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۖ

ایمان والوں میں بے حیالی کی بات پھیلے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں درد ناک عذاب ہے

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ لَا فَضْلُ

اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۵ اور اگر تم بے اللہ کا فضل

اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۲۳﴾

اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ بہت شفیع اور بے حد مہربان ہے (تو تم پر عذاب آ جاتا) ۵

مشکل الفاظ کے معانی

الافک: ہر وہ چیز جس کو اس کی اصل وضع سے پھیر دیا گیا ہو وہ ہوائیں جو اپنے معمول کے خلاف اپنی چلتی ہیں
فَاتَكَلَّمُوا اللَّهَ عَلَىٰ يُلْكَلِكُونِ (التوبہ: ۳۰) اللہ ان کو عارت کرے وہ اعتقادِ حق سے اعراض کر کے باطل کی طرف چارہے

تدبراء القرآن

جلد ۱۸

marfat.com

Marfat.com

ہیں جب کسی پر حجت لگائی جائے یا اس پر بہتان تراشا جائے تو اس میں بھی حق کے خلاف باطل بات کہی جاتی ہے اور صدق کو چھوڑ کر کذب کو اختیار کیا جاتا ہے۔ اور سب سے بدترین تہمت وہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زہرہ محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے لگائی تھی۔ (المغربات، ج ۱ ص ۲۳، مکتبہ دار مصطفیٰ، دار النور، بیروت ۱۴۱۰ھ)

العصبۃ: ایک دوسرے کی حمایت کرنے والی جماعت (المعارف ج ۲ ص ۴۳۷) اس کا اکثر الحاق اس سے کیا گیا ہے۔
لوگوں کی جماعت پر ہوتا ہے جن لوگوں نے تہمت لگائی تھی وہ عبد اللہ بن ابی نزیہ بن رفاعہ، حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ، حضرت ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی بہن حنہ بنت جحش، طلحہ بن عبید اللہ کی بیوی اور ان کے مومنین تھے۔
(تفسیر بشادی مع نقاشی ج ۲ ص ۴۴ دارالکتب العلمیہ ج ۱ ص ۱۰۸)

النور: ۳۰-۱۱ کی مختصر تفسیر

يٰۤاَيُّهَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِمَا اكْتَسَبْتِ مِنْ اَلْبَطَالٰتِ (انور: ۱۱) جس شخص نے کسی بڑی اور بے حیائی کی بات کو پھیلانے میں جتنا حصہ لیا ہے اس کو اتنا ہی گناہ ہوگا۔ والذی تولیٰ کبرہ منهم: جہت کو پھیلانے میں جس نے سب سے زیادہ حصہ لیا اور وہ رکس السافقین عبداللہ بن ابی تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں غزوہ بنو النضیر سے واپسی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے ساتھ بدکاری کی جہت لگائی اور اس جہت کو مسلمانوں اور منافقین میں پھیلا دیا۔

لہ عذاب عظیم: عبداللہ بن ابی کوعہ غرت کے عذاب کے ساتھ خاص کر لیا گیا اور جو مسلمان اس جہت لگے میں ملوث ہو گئے تھے مثلاً حضرت حسانؓ اور حضرت مسطحؓ اور حضرت حنظلہؓ کی تعلیم کے لیے ان پر دنیا میں حد قذف لگائی گئی۔ توحشی بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس کی پاداش میں عبداللہ بن ابی غنایق میں مشہور ہو گیا اور حضرت حسان ناجیا ہو گئے اور ان کے دونوں چھ سو گھر تھے اور حضرت مسطحؓ بھی ناجیا ہو گئے لیکن غلام خنایق نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ (حاشیہ التوحشی ص ۲۳)

لَوْلَا إِذْ يَقُولُ هَذِهِ نَافِلَةُ الْمُؤْمِنِينَ وَنُفِخَ بِالسُّؤْفَىٰ (۱۳) پہلے صیغہ غائب کے ساتھ مسلمانوں سے کہہ رہا ہے کہ تمہارا یہ زبردستی کرنا کے لیے صیغہ خطاب کے ساتھ کا ام فرمایا اور اس میں یہ خبر دی کہ ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان مسلمانوں کے ساتھ نیک گمان کریں اور ان پر طعن و تشنیع کرنے سے باز رہیں اور جو لوگ حضرت عیسیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت صفوان پر حسرت لگا رہے تھے ان کی حسرت کو دور فرمایا۔

وقالوا هذا افك مبين: یعنی مسلمانوں کو یہ چاہیے تھا کہ جب انہوں نے جہت کی یہ خبر سنی تھی تو وہ فوراً کہتے کہ یہ کھلم ہوئی جہت اور فرا بہتان ہے۔ عام مسلمان کے لیے بھی ایسا ہی کہنا چاہیے خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ پر محمدؐ اور تمام مسلمانوں کی ماں کے متعلق تو ضرور اور لا نزاً ایسا کہنا چاہیے تھا۔

کو کھانا دے گا۔ عَنِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ (المائدہ ۱۳) اس آیت میں یہ اصول بیان فرمادیا کہ جب کوئی شخص کسی پر چار گواہ پیش کیے بغیر تہمت لگائے تو وہ اللہ کے نزدیک جھوٹا ہے اور چونکہ اس واقعہ میں عبداللہ بن ابی اور دیگر منافقین نے بغیر کسی گواہ کے حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے ساتھ تہمت لگائی تھی اس لیے تہمت لگانے والے جھوٹے ہیں اور حضرت عائشہ کا دامن عفت بے غبار ہے۔

وَكُلُوا خُلُقُومًا ۖ وَرَحِمْتُمْ فِي الْأَنْفُسِ وَالْأَفْعَالِ (سورہ ۱۳: ۱۴) اللہ تعالیٰ نے تم کو انواع و اقسام کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور ان میں سے یہ نعمتیں بھی ہیں کہ تم کو دنیا میں تو پر کرنے کی مہلت عطا فرمائی ہے اور آخرت میں نعمت یہ ہے کہ وہ اپنے کرم

سے تم کو معاف فرما دے گا اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور وہ تم کو توہین نہ دیتا تو تمہارے اس سنگین جرم کی بنا پر تم کو آخرت میں سخت عذاب ہوتا۔

لَا تَتْلُوْهُ كَمَا يَأْتِيْكَ مِنْهُ وَتَقُولُوْنَ بِآثُوْا بِهِمْ (النور: ۱۵) تم محض ایک سنی سنائی بات کو نقل کر رہے تھے اور اس پر یقین اور وثوق حاصل کیے بغیر اس کو آگے پھیلا رہے تھے ہر چند کہ تم اس کو معمولی بات سمجھ رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت سنگین بات تھی کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم کا معاملہ تھا یہ صرف اتنا جرم نہیں تھا کہ اسی کوڑے مارنے سے اس کی تلافی ہو جائے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دنیا والوں کی نگاہوں میں معزز و محترم اور باوقار بنایا ہے اور اس کے حرم اور اس کی اہانت کرنا خود اس رسول کو لوگوں کی نگاہوں میں بے وقعت بناتا ہے کیونکہ جس شخص کی اہلیہ پر ایسا جہت ہو اس کی قدر و منزلت نہیں ہوتی یہ صرف رسول کے مشن کو نقصان پہنچانا نہیں ہے بلکہ اللہ نے جس حکمت سے رسول کو مبعوث فرمایا ہے اس حکمت کو نقصان پہنچانا ہے۔

وَلَوْلَا اَنَّهُمْ هَمَزُوْهُ فَذَلِكُمْ مَّا كُنُوْنَ لَنَا اَنْ تَتَكَلَّفُوْا بِهِ ذَاٰۤءَ (النور: ۱۶-۱۸) اس آیت میں پہلی آیت کی حریدت کا کید فرمائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم کا معاملہ عام مسلمانوں کی بیویوں کی طرح نہیں ہے تمہارے ایمان کا تقاضا یہ تھا کہ تم منافقوں سے اس خبر کو سننے ہی کہہ دیتے سبمان اللہ! یہ تو بہت بڑا بہتان ہے انہ کا اس پر اجماع ہے کہ اب جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر غاشی کی جہت لگائے وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ یہ قرآن مجید کا انکار ہے۔

لَا اِنَّ الَّذِيْنَ رَفَعُوْهُنَّ عَنْ شَيْءٍ مِّنْ اَلْفَاظِ مَا سَمِعُوْا (النور: ۱۹) الفاظ کا سنی بے حیائی اور بدکاری ہے اور بے حیائی کی جھوٹی خبر کی اشاعت بھی بے حیائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو عذاب الیم کا باعث فرمایا ہے نیز اس آیت میں فرمایا مسلمانوں میں غاشی کو پھیلانے سے جہت کرنا بھی موجب عذاب ہے اس سے معلوم ہوا کہ دل کے افعال پر بھی عذاب ہوتا ہے کفر اور نفاق بھی دل کا فعل ہے اور حسد، کینہ اور بغل بھی دل کے افعال ہیں اور گناہ کا عزم صمیم کرنا بھی دل کا فعل ہے اور ان تمام افعال پر مواخذہ ہوتا ہے اور یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ گناہ کے عزم اور اس کی نیت پر مواخذہ نہیں ہوتا صرف گناہ کے عمل پر مواخذہ ہوتا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔

وَلَوْلَا اَنَّهُمْ عَلِمُوْا بِرَحْمَةِ رَبِّهِمْ اَنَّهُمْ لَا يَكْفُرُوْنَ (النور: ۲۰) اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ بھی کہ اللہ بہت شفقت کرنے والا ہے حد رحم فرمانے والا ہے تو اللہ کا عذاب تم کو اپنی گرفت میں لے لیتا کیونکہ تم نے بہت سنگین جرم کیا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جہت کی مفصل حدیث

عروہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر پر جانے کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج میں سے کسی کو ساتھ لے جانے کے لیے قرعہ اندازی فرماتے پس جس کا قرعہ نکل آتا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے حضرت عائشہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ (غزوہ بنو مصلط) میں ازواج کو ساتھ لے جانے کے لیے قرعہ اندازی کی تو میرا قرعہ نکل آیا سو میں حجاب (پردہ) کے احکام نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی (ابو عبیدہ اور ایک جماعت نے کہا کہ پردہ کا حکم ذوالقعدہ تین ہجری میں نازل ہوا اور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا صحیح ہے کہ پردہ کا حکم چار ہجری میں نازل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بنو مصلط کے لیے شعبان پانچ ہجری میں نکلے تھے اور اسی میں یہ جہت والا واقعہ پیش آیا تھا صحیح ماہدنی

۱۹ ص ۳۹۹-۳۹۸ سیرت ۱۳۳۸ھ) مجھے صوح (کبادہ پالان) میں بٹھایا جاتا اور صوح سے اتارا جاتا ہم روانہ ہوئے حتیٰ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ سے فارغ ہوئے اور وہاں لوٹے اور ہم مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو ایک رات آپ نے کوچ کا حکم دیا جب آپ نے کوچ کا حکم دیا تو میں قضاء حاجت کو گئی اور لشکر سے دور نکل گئی جب میں قضاء حاجت سے فارغ ہو گئی تو میں اپنے کبادہ کی طرف بڑھی 'اچانک مجھے معلوم ہوا کہ میرا بیٹوں کو ہارٹوٹ کر گر گیا میں نے وہ بار تلاش کیا اور اس تلاش نے مجھے روک لیا اور وہ لوگ جو میرے صوح کو اٹھا کر اونٹ پر رکھتے تھے انہوں نے صوح کو اٹھا کر میرے اونٹ پر رکھ دیا اس کا یہ گمان تھا کہ میں صوح میں بیٹھی ہوئی ہوں اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پہنکی ہوتی تھیں ان پر گوشت چڑھا ہوا نہیں ہوتا تھا کیونکہ وہ بہت تھوڑا کھانا کھاتی تھیں اس لیے جب لوگوں نے میرے صوح کو اٹھا یا تو وہ ان کو خلاف معمول نہیں لگا اور میں اس وقت کم عمر لڑکی تھی انہوں نے اونٹ کو اٹھایا اور روانہ ہو گئے اور لشکر کے چلے جانے کے بعد مجھے پارل گیا میں اپنے پڑاؤ میں پہنچی وہاں پر کوئی بلائے والا تھا نہ جواب دینے والا میں نے اس جگہ کا قصد کیا جہاں پر میں پہلے ٹھہری ہوئی تھی میرا یہ گمان تھا کہ عذریہ وہ مجھے گم پائیں گے تو وہ وہاں میری طرف آئیں گے میں اس جگہ بیٹھی ہوئی تھی حتیٰ کہ مجھ پر نیند غالب آ گئی اور میں سو گئی اور حضرت صفوان بن اوسطلہ السہمی اللہ کو انی رضی اللہ عنہ لشکر کے پیچھے تھے تاکہ لشکر کی کوئی چیز پیچھے نہ رہ جائے تو وہ اس کو ساتھ لے آئیں وہ رات کو چلنے رہے حتیٰ کہ صبح کے وقت اس جگہ پہنچے جہاں میں سوئی ہوئی تھی انہوں نے ایک سوئے ہوئے انسان کو دیکھا وہ میرے پاس آئے اور جب انہوں نے مجھے دیکھا تو مجھے پہچان لیا 'پڑوہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا جب انہوں نے مجھے پہچانا تو کہا اللہ وانا الیہ راجعون یہ سن کر میں بیدار ہو گئی میں نے اپنی چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور اللہ کی قسم انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور سوئے اللہ وانا الیہ راجعون کہنے کے میں نے ان سے کوئی بات نہیں سنی حتیٰ کہ انہوں نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور میں اس پر سوار ہو گئی وہ اونٹنی کو کھینچتے ہوئے آگے آگے چلے حتیٰ کہ ہم اس وقت لشکر کے پاس پہنچے جب وہ دوپہر کے وقت سائے میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے پس جو ہلاک ہوا وہ ہلاک ہو گیا اور جس نے اس جہت کو پھیلانے میں سب سے زیادہ حصہ لیا قتادہ عبداللہ بن ابی ان سلول تھا ہم مدینہ میں پہنچے مدینہ پہنچنے کے بعد میں ایک ماہ تک بیمار رہی اور لوگوں میں اس جہت کا چرچا رہا مجھے اس میں سے کسی بات کا پتا نہیں تھا اور میری بیماری میں جس چیز سے زیادہ اضافہ ہوتا تھا وہ یہ تھی کہ میں اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ توجہ نہیں دیکھتی تھی جیسی آپ بیماری کے ایام میں مجھ پر توجہ کیا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لاتے اور پوچھتے تمہارا کیا حال ہے اور بھر واپس تشریف لے جاتے اس سے مجھے رنج ہوتا تھا اور مجھے کسی خرابی کا پتا نہیں تھا حتیٰ کہ ایک دن میں کم زوری کی حالت میں لگی میرے ساتھ مسطح کی ماں بھی میدان کی طرف گئیں اور یہ میدان ہماری قضاء حاجت کی جگہ تھی اور ہم صرف رات کے وقت ہی وہاں جاتے تھے اس وقت تک ہمارے گھروں میں بیت الخلا بنانے سے ہمیں اذیت ہوتی تھی لوگوں کی طرح تھا ہم دفع حاجت کے لیے میدان میں جاتے تھے اور گھروں میں بیت الخلا بنانے سے ہمیں اذیت ہوتی تھی حضرت مسطح کی ماں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں میں اور وہ میدان میں گئے اور فراغت کے بعد جب ہم لوٹ رہے تھے تو مسطح کی ماں چادر میں الجھ کر لڑکھا اگئیں انہوں نے کہا مسطح ہلاک ہو جائے میں نے ان سے کہا آپ نے بری بات کہی ہے کیا آپ ایسے شخص کو برا کہہ رہی ہیں جو مجاہدین بدر سے ہے انہوں نے کہا کیا آپ نے نہیں سنا وہ کیا کہتا ہے! میں نے پوچھا وہ کیا کہتا ہے جب انہوں نے مجھے جہت لگانے والوں کی بات سنائی پھر میری بیماری کے اوپر مزید بیماری بڑھ گئی حضرت عائشہ نے فرمایا جب میں اپنے گھر لوٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے آپ نے سلام کیا اور پوچھا تمہارا کیا حال

ہے؟ میں نے کہا کیا آپ مجھے اپنے ماں باپ کے گھر جانے کی اجازت دیتے ہیں؟ حضرت عائشہ نے کہا میرا ارادہ یہ تھا کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر جا کر ان سے اس خبر کی تحقیق کروں گی حضرت عائشہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت دے دی میں اپنے ماں باپ کے پاس گئی میں نے ماں سے پوچھا اے امی جان! یہ لوگ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا اے بیٹی! موصلاً رکھو تم ہی کوئی حسین عورت ہوگی جو اپنے شوہر کے نزدیک محبوب ہو اور اس کی سونکھیں بھی ہوں مگر وہ اس پر غالب آنے کی کوشش کرتی ہیں میں نے کہا سبحان اللہ! کیا واقعی لوگ ایسی باتیں کر رہے ہیں! میرے آنسو جھٹکتے تھے اور میں نیند کو سر نہ نہیں بنا سکتی حتیٰ کہ مجھے روتے روتے صبح ہو گئی! اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بلایا جب کہ وہی میں تاخیر ہو گئی تھی اور آپ ان سے اپنی اہلیہ کو الگ کرنے کے متعلق مشورہ کر رہے تھے رہے حضرت اسامہ بن زید تو انہوں نے اس چیز کی طرف اشارہ کیا جس کا انہیں علم تھا کہ آپ کی اہلیہ اس صحبت سے بری ہیں اور جس کا انہیں علم تھا کہ آپ کو اپنی اہلیہ سے کس قدر محبت ہے انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپ کی اہلیہ کے متعلق سو خیرا اور نیکی کے اور کوئی بات نہیں جانتے رہے حضرت علی بن ابی طالب تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی سختی نہیں کی اور حضرت عائشہ کے علاوہ اور بہت عورتیں ہیں اور آپ ان کی باندی (نور کرائی) سے پوچھیں وہ آپ کو کچھ بتائیں گی حضرت عائشہ نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلایا آپ نے فرمایا اے بریرہ! کیا تم نے کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جو تم کو شک میں ڈالے؟ حضرت بریرہ نے کہا نہیں! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں نے اس سے زیادہ ان کی کوئی بات نہیں دیکھی کہ وہ کم عمر لڑکی ہیں وہ آتا گوند جتنے گوند جتنے سو جاتی ہیں اور بھری آ کر آتا کھ جاتی ہے! پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور اس دن آپ نے عبد اللہ بن ابی اسلول کی شکایت کی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: اے مسلمانو! اس شخص کے خلاف میری کون حد ذکر ہے؟ جس کی اذیت رسانی میرے گھر تک پہنچ گئی ہے! سو میں نے اپنی اہلیہ پر سوائے خیر کے اور کوئی چیز نہیں جانی اور جس شخص کا انہوں نے ذکر کیا ہے اس کے متعلق بھی میں نے سوائے خیر کے اور کوئی چیز نہیں جانی اور وہ میرے گھر میں صرف میرے ساتھ ہی گئے ہیں جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا اس معاملہ میں میں آپ کی حد کروں گا! اگر (قبیلہ) اس میں سے کسی نے آپ کو ضرر پہنچایا ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر ہمارے بھائیوں میں سے (قبیلہ) خزرج میں سے کسی نے ضرر پہنچایا ہے تو آپ ان کے خلاف ہمیں حکم دیں ہم آپ کے حکم کی قیبل کریں گے پھر قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن معاذ کھڑے ہو گئے اور اس سے پہلے وہ ایک نیک شخص تھے لیکن مصیبت نے ان کو بھڑکا دیا انہوں نے حضرت سعد بن معاذ سے کہا اللہ کی قسم! اتم نے جھوٹ بولا ہے! اتم اس کو قتل نہیں کر سکتے اور نہ تم اس کو قتل کرنے پر قادر ہو پھر حضرت سعد بن معاذ نے حکم زاد حضرت اسید بن حضیر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے حضرت سعد بن معاذ سے کہا اللہ کی قسم! اتم نے جھوٹ بولا ہے! ہم اس کو ضرر نہ لقل کریں گے! تم منافق ہو اور منافقین کی طرف سے جھگڑ رہے ہو پھر دونوں قبیلے اس اور خزرج جو شمس آئے حتیٰ کہ انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کرنے کا ارادہ کیا حالانکہ ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے تھے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مسلل بخدا کرتے رہے حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خاموش ہو گئے حضرت عائشہ نے جب اس پر سے دن میری آنکھوں سے آنسو نہیں رکے اور میں نے نیند کو سر نہ نہیں بنا سکتا صبح کو میرے پاس میرے والدین بیٹھے ہوئے تھے میں نے دو راتیں اور ایک دن روتا روتا کر گزارے تھے میں نے نیند کو سر نہ نہیں بنا سکتا تھا میرے آنسو رکتے تھے میرے والدین یہ گمان کر رہے تھے کہ میرا دل میرے جگر کو پاش پاش کر

آیتیں نازل فرمائیں: **إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ يُؤْتُونَ خِصْلَةً وَأُولَئِكَ فِي أَعْيُنِ النَّاسِ عِلَامٌ مِّنْ رَبِّهِمْ** (النور: ۳۵-۳۶) جب اللہ عزوجل نے یہ دس آیتیں نازل فرمادیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا صلح نے عائشہ کے حلق جو کچھ کہا ہے میں اس کے بعد اس پر کوئی چیز خرچ نہیں کروں گا حضرت ابوبکر حضرت صلح کو خرچ دیا کرتے تھے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا يَأْتِيكَ أَهْلُهَا فَقُلْ لِّمَنِ الْأَرْثُ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي قَوْمًا لِّمَنَ الْأَرْثُ إِلَّا لِمَن يَشَاءُ اللَّهُ وَهُوَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ
اور تم میں سے جو صاحب فضل اور کشادہ دست ہیں وہ قریب داروں و مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں پر خرچ نہ کرنے کی قسم نہ کھا کیں ان کو چاہیے کہ وہ صاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو بخش دے اور اللہ بہت بخشنے والا ہے حد درجہ فرمانے والا ہے۔

یہ آیت سن کر حضرت ابوبکر نے بے ساختہ کہا کیوں نہیں! بے شک میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے بخش دے پھر حضرت ابوبکر حضرت صلح پر اسی طرح خرچ کرنے لگے جس طرح پہلے خرچ کرتے تھے اور حضرت ابوبکر نے کہا اللہ کی قسم میں صلح پر اس خرچ کو کبھی بند نہیں کروں گا حضرت عائشہ نے کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش سے میرے حلق پوچھتے تھے اسے زینب کیا تم کو اس کی کسی بات کا علم ہے یا تم نے کوئی بات دیکھی ہے؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ میں اپنے کانوں کی اور اپنی آنکھوں کی حفاظت کرتی ہوں میں نے ان میں سوا خیر اور نیکی کے اور کوئی چیز نہیں دیکھی حضرت عائشہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے یہی وہ تھیں جو مجھ سے فائق اور برتر رہنا چاہتی تھیں پس اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری کی وجہ سے محفوظ رکھا اور ان کی بہن حضرت حنہ بنت جحش ان کی حمایت میں لڑتی تھیں پس وہ جہت لگانے والوں کے ساتھ ہلاک ہو گئیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۷۱، ۲۶۷۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۷۷۰، رقم الحدیث: ۶۸۸۷، صفات الصالحین: ۵۶ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۸، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۸۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۳۷، ۲۳۳۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۸۸۷، عالم الکتب: مسند احمد ج ۶ ص ۶۰، ۶۱، ۶۲، مسند عبد الرزاق رقم الحدیث: ۶۸۸۷، مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۲۶۷۱، ۲۶۷۲، مسند ابن حبان رقم الحدیث: ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱

سفر میں بیوی کو ساتھ لے جانے کے لیے قرعہ اندازی میں مذہب

اس حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں کسی زوجہ کو ساتھ لے جانے کے لیے ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کرتے تھے علامہ بیہقی بن شرف نووی لکھتے ہیں: امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور جمہور علماء کی اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ بیویوں کو سفر میں لے جانے کے لیے قرعہ اندازی کرنا چاہیے اور اس سلسلہ میں یہ کثرت احادیث صحیحہ مشہورہ موجود ہیں علامہ ابوسعید نے کہا کہ حضرت یونسؑ حضرت ذکریاؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تین انبیاء علیہم السلام نے اس پر عمل کیا ہے علامہ ابن منذر نے کہا اس کے عمل پر یہ منزلہ اتباع ہے امام ابوحنیفہ کے مشہور مذہب میں یہ باطل ہے اور امام ابوحنیفہ سے اس کی اجازت بھی منقول ہے امام ابوحنیفہ اور بعض دیگر علماء نے یہ کہا ہے کہ شوہر بغیر قرعہ اندازی کے اپنی بیوی کو چاہے سفر میں ساتھ لے جاسکتا ہے کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک اس کے لیے سفر میں زیادہ مفید ہو اور دوسری بیوی گھر کے کام کاں اور گھر کی حفاظت میں زیادہ ماہر ہو امام مالک سے بھی ایک یہی روایت ہے علامہ ابن منذر نے کہا کہ قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے لیکن ہم نے احادیث پر عمل کیا ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۷۷ مطبوعہ کراچی)

مذہب احناف کی وضاحت علامہ عینی کے حوالہ سے آ رہی ہے۔

نزول وحی سے پہلے رسول اللہ ﷺ کا حضرت عائشہ کی برأت کے متعلق علم اور شبہات کے جوابات

اس حدیث میں ایک بحث یہ ہے کہ آیا نزول وحی سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی اور برأت کا علم تھا یا نہیں؟ سو اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ نزول وحی سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کا یقینا علم تھا کیونکہ جب اس مسئلہ پر بحث ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فواللہ ما علمت علی اہلی الا خیر لوفد
 ذکروا رجلا ما علمت علیہ الا خیر! (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۵۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۰)

پہنچا مجھے اپنی اہلیہ میں پاکیزگی کے سوا اور کسی چیز کا علم نہیں ہے اور انہوں نے جس شخص کے ساتھ تہمت لگائی ہے مجھے اس کے متعلق بھی صرف پاکیزگی کا علم ہے۔

باقی رہا یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حضرت ام المومنین کی پاکیزگی کا علم تھا تو آپ نے حضرت عائشہ کی طرف توجہ کم کیوں کر دی تھی اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا حضرت ام المومنین کی طرف توجہ کم کرنا بالکل ہی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس تہمت کے بعد آپ کی غیرت کا تقاضا یہ تھا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عائشہ کی برأت کا اعلان نہ ہو جائے اس وقت تک آپ توجہ کم رکھیں تاکہ کسی دشمن اسلام کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کی تہمت سے کوئی نظر نہیں تھا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر آپ کو حضرت ام المومنین کی برأت کا پہلے سے علم تھا تو آپ نے اس مسئلہ میں اصحاب سے استصواب کیوں کیا اور حضرت بریرہ سے حضرت عائشہ کے چال چلن کے متعلق استفسار کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب اس لیے کیا تھا کہ کسی دشمن اسلام کو یہ کہنے کی گنجائش نہ ہو کہ دیکھو جب ان کے اپنے اہل پر تہمت لگی تو انہوں نے اس کے متعلق کوئی تحقیق اور تحقیق نہیں کی آپ نے اس مسئلہ کی پوری تحقیق کی اور تحقیق کے تمام تقاضوں کو پورا کیا حضرت عائشہ کی سوکن (حضرت زینب بنت جحش) حضرت عائشہ کی خادمہ بریرہ اور دیگر قرہبی ذرائع سے حضرت عائشہ کے چال چلن کے متعلق استفسار کیا حتیٰ کہ سب نے حضرت ام المومنین کی برأت اور پاکیزگی کا اظہار کیا اور سب نے یہ یک زبان کہا کہ ہم حضرت عائشہ کے متعلق پاکیزگی کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ کی پاکیزگی کا علم تھا تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ کیوں فرمایا اگر تم سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی اتمام حجت کے لیے تھا اور اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اگر بغرض محال تم سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لو قرآن مجید میں اس قسم کی بہ کثرت مثالیں ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ لَّكَتُفِي عَذَابٌ مِّمَّا أَتَزَكَّىٰ لَئِنْ كُنْتُمْ تَحِبُّونَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ (نہس: ۹۳)

تو اگر آپ کو (بالفرض) اس چیز کے متعلق شک ہو جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تو آپ ان لوگوں سے سوال کیجئے جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ انبیاء کرام سے عہد لینے کے بعد فرماتا ہے:

هَٰمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَا يَلْعَنُ هُمْ أَفَلَا يَعْقِلُونَ (آل عمران: ۸۴)

پھر جو کوئی اس کے بعد (بالفرض) اس عہد سے پھر گیا تو وہی لوگ نافرمان ہوں گے۔

عَلِنْ كَانِ لِلَّذِينَ هُمْ وَكَذَٰلِكَ فَآتَا أُولَٰئِكَ الْغَيْبِ مِّنْ (زُحُف: ۸۱)

آپ فرمائیے! اگر (بہ فرض محال) زمین کی کوئی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرتا۔

سو اسی اعتبار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر بالفرض تم سے کوئی گناہ ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لو! اور یہ تحقیق اور تحقیق سے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے فرمایا تھا اور اس ارشاد میں امت کے لیے نمونہ رکھنا تھا کہ اپنے اہل کی رعایت سے تحقیق میں کوئی کمی نہ کی جائے اور یہ تعلیم دینی تھی کہ اگر کسی شخص کی بیوی سے غلطی ہو جائے تو وہ اس کو توبہ کی تحقیق کرے اور یہ مسئلہ اٹھاتا تھا کہ جس شخص سے یہ غلطی سرزد ہو جائے وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے گا۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے جواب میں یہ کہا تھا کہ "تم لوگوں نے یہ بات سنی ہے اور تمہارے دلوں میں یہ بات قرار پڑ چکی ہے اور تم نے اس کی تصدیق بھی کر دی ہے اگر میں تم سے کہوں کہ میں بے گناہ ہوں تو تم ہرگز میری تصدیق نہ کرو گے" اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ کی پاکدامنی کا علم نہیں تھا اس کا جواب یہ ہے کہ معاذ اللہ! اس خطاب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا روئے خشن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں تھا اس قول میں اگرچہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا لیکن یہ خطاب ان لوگوں کے لیے تھا جو مسلمان ہونے کے باوجود منافقین کے بہکانے سے جہت لگانے میں جھٹا ہو گئے تھے۔

پانچواں سوال یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ کی برأت اور پاکیزگی کا علم تھا تو آپ اس قدر پریشان اور غمگین کیوں رہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غم اور صدمہ کی وجہ یہی تھی کہ بے گناہ پر جہت لگی ہے نیز زیادہ غم اور پریشانی کا سبب یہ تھا کہ بعض مسلمان بھی جہت لگانے والوں میں شامل ہو گئے تھے ایسے میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کا اعلان کرتے تو یہ خدشہ تھا کہ وہ مسلمان آپ کے متعلق یہ بدگمانی کرتے کہ آپ اپنے اہل کی رعایت فرما رہے ہیں اور آپ کے متعلق بدگمانی کر کے کافر ہو جاتے۔

کسی نبی کی زوجہ نے کبھی بدکاری نہیں کی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کا علم تھا اس پر ایک قوی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی بدکاری نہیں کی۔ تو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نبی کی زوجہ کی پاک دامنی کا علم ہے تو اپنی زوجہ مطہرہ کی پاک دامنی کا علم کیسے نہیں ہوگا!

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن الضحاک ما یفت امرأة نسی قط۔
(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۶۷۱۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ) نہیں کی۔

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی شیشاپوری متوفی ۳۶۸ھ بیان کرتے ہیں:

قال ابن عباس ما یفت امرأة نسی قط۔
(الوسیع ج ۳ ص ۳۲۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ) نے کبھی بدکاری نہیں کی۔

امام الحسین بن مسعود القراء بنوی التوفی ۵۱۶ھ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

(معالم المتوفی ج ۳ ص ۳۲۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ)
ابوالقاسم محمود بن عمر الزحرفی المتوفی ۵۲۸ھ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

(انکشاف ج ۳ ص ۷۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۷ھ)
حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

اشرف خراسانی بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی نبی کی بیوی نے کبھی بھی زنا نہیں کیا۔

(تاریخ دمشق الکبری ج ۵ ص ۲۲۳ رقم الحدیث: ۱۱۷۲۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۲۱ھ)
امام ابن جریر اور حافظ ابن عساکر کے حوالوں سے امام ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ امام رازی متوفی ۶۰۶ھ علامہ قرطبی متوفی ۶۸۸ھ علامہ خازن متوفی ۷۲۵ھ علامہ ابوالیمان النیسابوری متوفی ۵۵۳ھ حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اور نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۷۷ھ نے بھی اپنی تفاسیر میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

(ذوالسمر ج ۸ ص ۳۱۵ تفسیر کبیر ج ۸ ص ۷۷۵ الجاوی ج ۱ ص ۱۸۶ الباب الاول ج ۳ ص ۲۸۸ بحر الحجۃ ج ۱ ص ۵۰۵)
تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۲۳ اندر المتوفی ج ۸ ص ۲۸۸ فتح القدیر ج ۵ ص ۲۳۱ روح المعانی ج ۲ ص ۲۳۱ ابیان ج ۳ ص ۲۲۱ ص ۲۲۲

علامہ نجفی بن شرف نوادی متوفی ۶۷۶ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۲۸ مطبوعہ ربیع)

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابن منذر اور امام ابن عساکر اور دیگر ائمہ نے اپنی سندوں کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ”کسی نبی کی بیوی نے کبھی بدکاری نہیں کی“ تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زوجہ مطہرہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی اور اس جہت سے برأت کے حلقہ کیسے علم نہیں ہوگا!

حضرت عائشہ کی برأت پر علماء اہل سنت کے دلائل

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ کا نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہونا اس قاضی کے ارتکاب سے مانع ہے کیونکہ انبیاء معصوم اسلام کا کارو

دین حق کی طرف دعوت دینے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں اس لیے واجب ہے کہ ان میں کوئی ایسا عیب نہ ہو جو لوگوں کو ان سے متنفر کرے اور جس شخص کی بیوی بدکار ہو اس سے لوگ بہت نفرت کرتے ہیں اگر یہ سوال ہو کہ نبی کی بیوی کا کافرو ہونا کیوں جائز ہے جیسا کہ حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویاں کافرہ تھیں اور جب ان کا کافرو ہونا جائز ہے تو قاحرہ ہونا کیوں جائز نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کے نزدیک کفر موجب نفرت نہیں ہے اور بیوی کا قافرو ہونا ان کے نزدیک بھی موجب نفرت ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ سے پہلے حضرت عائشہ کا یہ حال معروف تھا کہ وہ فحش کاموں کے اسباب اور محرکات سے بہت دور اور بالکل محفوظ تھیں اور جس شخصیت کا یہ حال معروف ہو اس کے ساتھ حسن عین کرنا واجب تھا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس قاحشہ کی تہمت لگانے والے منافقین اور ان کے شیعین تھے اور یہ بات معلوم ہے کہ دروغ گو دشمن کی اثراتی ہوئی بات بے بنیاد ہوتی ہے ان قرآن سے یہ معلوم ہو گیا کہ اس تہمت کا مجموعہ ہونا آپ کو نزول وحی سے پہلے ہی معلوم تھا۔

تہمت لگانے والوں میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول زید بن رفاعہ حسان بن ثابت 'صلی بن ابیہ' حنہ بنت جحش اور ان کے موافقین تھے۔

علامہ ابوالبرکات نسلی لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے منافقین کے جھوٹ کا یقین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات سے محفوظ رکھا ہے کہ آپ کے جسم پر کبھی بیٹھے کیونکہ کبھی نجاست پر بیٹھ کر نجاست سے آلودہ ہوتی ہے تو جب اللہ تعالیٰ نے اچھی معمولی نجاست والی چیز کے جس سے آپ کو محفوظ رکھا ہے تو آپ کو اس قاحشہ کے ساتھ حلوٹ ہونے والی عورت سے کیسے محفوظ نہیں رکھے گا حضرت عثمان نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سائے کو زمین پر پڑنے سے محفوظ رکھا ہے تاکہ کسی انسان کا اس سائے پر قدم نہ پڑے تو جب کسی شخص کے لیے آپ کے سائے پر قدم رکھنا ممکن نہیں ہے تو کسی شخص کے لیے آپ کی ذہنی عزت کو پامال کرنا کس طرح ممکن ہوگا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے جبریل کو بھیج کر آپ کو یہ خبر دی کہ آپ کے طہن میں گھناؤنی چیز ہے اور آپ کو یہ غم دیا کہ آپ اپنے حجر سے وہ جوتی اتار دیں تاکہ آپ کے حجر میں وہ گھن والی چیز نہ گئے تو اگر بالفرض آپ کی ذہنی قاحشہ سے حلوٹ ہوگئی ہوگی تو اللہ تعالیٰ آپ کو ان سے الگ ہونے کا حکم ضرور دے گا اور حضرت ابوالیوب انصاری نے اپنی بیوی سے کہا کیا تم کو اس چیز کی خبر ہے؟ ان کی بیوی نے کہا یہ بتاؤ اگر تم حضرت صفوان بن معطل کی جگہ ہوئے تو کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم کے ساتھ کسی قاحشہ کا ارادہ کر سکتے تھے؟ انہوں نے کہا ہرگز نہیں انہوں نے کہا کہ اگر میں حضرت عائشہ کی جگہ ہوتی تو کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیانت کا ارادہ نہ کرتی اور حضرت عائشہ مجھ سے افضل ہیں اور حضرت صفوان تم سے افضل ہیں تو ان کے متعلق اس قاحشہ کا تصور کیسے ہو سکتا ہے۔ (مدارک ابن خزیمہ ج ۳ ص ۳۳۳)

حضرت عائشہ کی برأت پر علماء شیعہ کے دلائل

شیعہ مفسرین میں سے شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی متوفی ۳۶۰ھ لکھتے ہیں:

فلا یة دالة علی کذب من قذف عائشة والک
بیأت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے حضرت عائشہ پر
تہمت لگائی وہ جھوٹا ہے۔
علیہا۔

(تہذیب نوح ص ۳۳۳) اور دوسرا اثرات قرآنی ہوتے (۱۴۰۳ھ)
شیخ الحدیث کا شافی لکھتے ہیں:

ایشان نذد دروغ گویان در ظاہر و باطن
چہ اگر گواہ آور دندے در ظاہر در حکم
کاذب نبودندے اما در باطن کاذب بودندے زیرا
کہ ایس صورت در ازواج انبیاء معقنہ است
و چون گواہ نیا وردند در ظاہر نیز کاذبند۔
(فتح الماریف ج ۱ ص ۸۳-۸۴) مطبوعہ نیاں ناصرہ دہراں
نیز شیخ کا شافی لکھتے ہیں:

چہ فجور زوجات پیغمبر صلی اللہ علیہ
و سلم موجب تنفیر مرد مانست از آنحضرت و
انبیاء مبعوث شدہ اند بکفار بجهت آنکہ
ایشانرا دعوت کنند بدین خدا پس واجب
است کہ متغی باشد از ایشان چیزے کہ
موجب تنفیر کفار باشدو کشیمت از اعظم
متغیر است بہ خلاف کفر کہ نزد ایشان مغر
بہ داز ایس جہت واجب است کہ ازواج انبیاء
از فجور مصون باشند و لازم نیست کہ از کفر
بری باشند۔ (فتح الماریف ج ۱ ص ۸۴)
شیخ طبری لکھتے ہیں:

لان اللہ تعالیٰ پری عائشہ و ہاجرہا
بصبرہا و احتسابہا و یلزم اصحاب الافک
ما استحقوہ بالائم الذی ارتکبوہا فی امرہا۔
(معجم البیان ج ۷ ص ۲۰۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: ان آیات میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بہت بڑی فضیلت ہے اگر تم تمام
قرآن کو کھجول کر دیکھو تو تمہیں علم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی معصیت پر اتنی سخت وعید نازل نہیں فرمائی جتنی حضرت عائشہ کی
تہمت پر وعید نازل فرمائی ہے اور جتنی سختی کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہے اور یہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ہے۔
امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میرے کچھ ایسے نصوص فضائل ہیں جو اور کسی
میں نہیں ہیں البتہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم بنت عمران کو عطا فرمائیں وہ مستحقی ہیں اور میں یہ نہیں کہتی کہ میں ان

یہ تہمت لگانے والے ظاہر اور باطن میں جھوٹے تھے کیونکہ
اگر وہ گواہ پیش کر دیتے تو ظاہر میں تو جھوٹے نہ ہوتے مگر باطن
میں جھوٹے ہوتے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج کے لیے یہ
صورت ممکن ہے اور جب وہ گواہ پیش نہیں کر سکتے تو باطن کی حرمت
ظاہر میں بھی جھوٹے ہوتے۔

کیونکہ علی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے نہ حد کا صدور
لوگوں کی حضور سے نفرت کا موجب ہے اور انبیاء علیہم السلام نہ رکن
طرف اس لیے پیچھے جاتے ہیں کہ ان کو اللہ کے دین کی دعوت دینا
اس لیے واجب ہے کہ وہ ان چیزوں سے محفوظ رہیں جو کفر
کے تحفہ کا موجب ہو اور ہر کاری سب سے زیادہ تحفہ کا موجب ہے
اس کے برخلاف کفران کے نزدیک تحفہ کا موجب نہیں ہے اس
لیے واجب ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج اس فاحشہ سے محفوظ
ہوں اور یہ لازم نہیں ہے کہ وہ کفر سے بری ہوں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ کو بری کر دے گا اور ان کو ان
کے صبر کرنے پر اجر عطا فرمائے گا اور تہمت لگانے والوں کو وہ سزا
ملے گی جس کے وہ مستحق ہوتے ہیں۔

اوصاف کی وجہ سے دیگر ازواج مطہرات پر فخر کرتی ہوں پوچھا گیا وہ کیا ہیں؟ حضرت عائشہ نے فرمایا: فرشتہ میری صورت لے کر نازل ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات سال کی عمر میں مجھ سے نکاح کیا تو سال کی عمر میں میری رخصتی ہوئی میرے علاوہ اور کسی کنواری عورت کا حضور سے نکاح نہیں ہوا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بستر پر تھی تو آپ پر وحی نازل ہوئی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب تھی میرے متعلق قرآن مجید میں (دس) آیات نازل ہوئیں میرے سوا ازواج مطہرات میں سے کسی نے بھی حضرت جبریل کو نہیں دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا میرے حجرے میں وصال ہوا میرے اور فرشتے کے سوا اور کوئی آپ کے قریب نہیں تھا۔

(روح البانی ج ۱ ص ۸۹-۹۵-۱۹۳ دار الفکر ۱۴۱۷ھ)

امام رازی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے چار شخصوں کی برأت بیان کی حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت ایک شاہد کی زبان سے بیان کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہود نے ایک عمروہ پیاری کی نسبت کر دی تو ان کی برأت ایک چتر نے بیان کی حضرت مریم کی برأت ان کے بیٹے نے بیان کی اور حضرت عائشہ کی برأت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی دس آیات میں بیان کی جن کی قیامت تک تلاوت ہوئی رہے گی روایت ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت ابن عباس نے آنے کی اجازت طلب کی حضرت عائشہ نے فرمایا اب وہ آئے گا اور میری تعریف کرے گا حضرت ابن ابی ریحہ نے حضرت ابن عباس کو یہ بتایا حضرت ابن عباس نے کہا جب تک ام المؤمنین مجھ کو اجازت نہیں دیں گی میں نہیں آؤں گا حضرت عائشہ نے اجازت دے دی حضرت ابن عباس آئے تو حضرت عائشہ نے کہا میں دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں حضرت ابن عباس نے کہا اے ام المؤمنین آپ کو دوزخ کے عذاب سے کیا خطرہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوزخ کے عذاب سے پناہ دے دی ہے اور آپ کی برأت کے متعلق قرآن مجید میں آیات نازل کی ہیں جن کی مسجدوں میں تلاوت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو طیب قرار دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: طیبات طیبات کے لیے ہیں اور طیبون طیبات کے لیے ہیں اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ محبوب تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم طیب کے سوا کسی چیز سے محبت نہیں کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کے سب سے ختم کا حکم نازل کیا اور فرمایا صید "پاک مٹی" سے وضو کرو (خیر) آپ کی وجہ سے حد قذف مقرر ہوئی (روایت ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت زینب نے اپنی اپنی فضیلت بیان کی حضرت زینب نے فرمایا میں وہ ہوں جس کا اللہ تعالیٰ نے نکاح کیا اور حضرت عائشہ نے فرمایا میں وہ ہوں جس کی اللہ تعالیٰ نے برأت بیان کی جب ابن ابی معطل نے مجھے سواری پر سوار کیا حضرت زینب نے پوچھا آپ نے سوار ہوتے وقت کیا کہا تھا حضرت عائشہ نے فرمایا میں نے کہا تھا: حسبی اللہ ونعم الوکیل حضرت زینب نے کہا: یہی مومنوں کی نشانی ہے۔

(تفسیر کبرج ص ۸۸-۸۹ دار احیاء التراث العربی ۱۴۱۵ھ)

حدیث اٹک سے استنباط شدہ مسائل

علامہ بخاری بن شرف نووی لکھتے ہیں اس حدیث سے حسب ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) اس طویل حدیث کے متعدد قلععات کورادیوں نے بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کی تصحیح کرنا جائز ہے اور اس کے جواز پر اجماع ہے۔

(۲) ازواج کو سفر میں لے جانے کے لیے قریعہ اندازی کرنے کا جواز۔

(۳) خواتین کے فزوات میں شریک ہونے کا جواز۔

(۴) خواتین کے اونٹ پر سوار ہونے اور کپاہہ میں بیٹھنے کا جواز۔

(۵) سفر میں مردوں کا خواتین کی خدمت کرنے کا جواز۔

(۶) لشکر کی روانگی کا امیر کے حکم پر موقوف ہونا۔

(۷) بیوی کا قضاء حاجت کے لیے شوہر کی اجازت کے بغیر جنگل میں جانے کا جواز۔

(۸) خواتین کے لیے سفر میں بار پہننے کا جواز۔

(۹) غیر محرم کا عورت کو کپاہہ میں بٹھانے کا جواز اور یہ کہ غیر محرم سفر میں عورت کے ساتھ با ضرورت بات نہ کرے۔

(۱۰) عورتوں کے کم کھانے کا احتیاط تاکہ جسم پر گوشت کی تہیں نہ چڑھیں۔

(۱۱) بعض آدمیوں کو لشکر کے پیچھے رکھنا تاکہ اگر کوئی شخص لشکر سے گھڑ جائے تو وہ اس کو لشکر کے ساتھ لاحق کر دے۔

(۱۲) غنیمتیں کی مدد کرنا جو قافلہ سے گھڑ گیا ہو اس کو قافلہ سے لاحق کرنا اور صاحب اقتدار کی تحریم کرنا جیسا کہ حضرت صلوان نے کیا۔

(۱۳) خواتین کے ساتھ حسن ادب کے ساتھ پیش آنا خصوصاً جنگل کی تنہائی میں جیسا کہ حضرت صلوان نے از خود بغیر کہے تھے اونٹ کو بٹھایا اور اونٹ کے پیچھے پیچھے چلے۔

(۱۴) ایثار کا بیان کیونکہ حضرت صلوان خود پیدل چلے اور حضرت عائشہ کو سوار کرایا۔

(۱۵) دین اور دنیا کی کسی بھی مصیبت کے وقت اللہ و انالیہ راجعون کہنے کا احتیاج۔

(۱۶) اپنی شخص خواہ صالح ہو یا نہ ہو اس سے چہرہ کے پردہ کا بیان کیونکہ حضرت عائشہ نے حضرت صلوان کو دیکھ کر اپنی چادر میں چہرہ چھپالیا۔

(۱۷) بغیر طلب کے قسم کھانے کا بیان۔

(۱۸) کسی شخص نے کسی پر تہمت لگائی ہو تو اس کا اس شخص سے ذکر نہ کرنے کا احتیاج کیونکہ ایک ماہ تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس تہمت کے متعلق نہیں بتایا گیا۔

(۱۹) خاندان کا بیوی کے ساتھ حسن معاشرت اور لطف کے ساتھ پیش آنا

(۲۰) جب بیوی کے متعلق کوئی تہمت سنی جائے تو اس سے لطف میں کمی کرنا تاکہ بیوی اس کی وجہ دریافت کرے اور سب پر مطلع ہونے کے بعد اس کا ازالہ کرے۔

(۲۱) سر بیض سے اس کا حال پوچھنے کا احتیاج۔

(۲۲) عورت جب جنگل میں قضاء حاجت کے لیے جائے تو رفاقت کے لیے اپنے ساتھ کسی خاتون کو لے جائے۔

(۲۳) اگر کسی شخص کا کوئی عزیز یا رشتہ دار کسی معروضہ شخص کو اذیت دے تو اس کو برا بھلا جس طرح حضرت مسیح کی ماں نے مسیح کی تہمت لگانے کو برا جانا۔

(۲۴) اہل بدر کی فضیلت اور ان کی طرف سے دفاع کرنا جیسا کہ حضرت عائشہ نے حضرت مسیح کی طرف سے دفاع کیا۔

(۲۵) اہل بدر کی مظفر کا اعلان اس بات کو مستلزم نہیں کہ بعد میں وہ گناہ کریں گے اور ان کو دنیاوی سزا نہیں ملے گی کیونکہ حضرت مسیح نے تہمت لگائی اور ان پر حد نافذ جاری ہوئی البتہ ان کو موت سے پہلے توبہ کی توفیق دی جائے گی اور خاتمہ

ایمان پر ہوگا۔

(۲۶) کسی قانون کا موثر پابن ہونا کیونکہ حد قذف کا حکم نازل ہونے سے پہلے جنہوں نے تہمت لگائی تھی ان پر بھی حد جاری کی گئی۔

(۲۷) بیوی کا اپنے بیٹے جانے کے لیے خاوند سے اجازت طلب کرتا۔

(۲۸) توبہ کے موقع پر سبحان اللہ کہنا۔

(۲۹) کسی شخص کا اپنے خانگی امور میں اپنے احباب اور عزیزوں سے مشورہ کرنا۔

(۳۰) کسی تہمت کے متعلق تحقیق اور تحقیق کرنا اور کسی کے احوال معلوم کرنا البتہ بلا ضرورت تہمس کرنا منع ہے۔

(۳۱) کسی پیش آمدہ حادثہ کے متعلق امام کا لوگوں سے خطاب کرنا۔

(۳۲) اگر کسی شخص کی طرف سے مسلمانوں کے امیر کو اذیت پہنچی ہو تو اس کی مسلمانوں سے شکایت کرنا۔

(۳۳) حضرت صفوان بن مہطل رضی اللہ عنہ کے فضاں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت اور حضرت عائشہ کے بیان سے ظاہر ہوئے۔

(۳۴) حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما کی فضیلت۔

(۳۵) فتنہ کو بند کرنا لوگوں کے جوش اور غضب کو خنثی کرنا اور لڑائی جھگڑے کو بند کرنا۔

(۳۶) توبہ پر برا بھلا کرنا اور توبہ کی قبولیت۔

(۳۷) یزید کی موجودگی میں چھوٹوں کا یزید کی طرف کلام کو موقوف کرنا چنانچہ حضرت عائشہ نے اپنے والدین سے کہا کہ وہ حضور سے بات کریں۔

(۳۸) قرآن مجید کی آیات سے استشہاد کرنا۔

(۳۹) جس شخص کو کوئی تازہ نعمت ملی ہو یا اس سے کوئی مصیبت دور ہوئی ہو اس کو مبارک باد دینا۔

(۴۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تہمت سے برأت قطعی برأت ہے جو قرآن مجید میں منصوص ہے سو جو انسان اس میں شک کرے گا وہ اعدایا اللہ کا فر ہو جائے گا حضرت ابن عباس وغیرہ نے کہا کہ تمام انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کی زد پر نہ کبھی بدکاری نہیں کی اور یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔

(۴۱) جب کوئی تازہ نعمت ملے تو اس پر فوراً شکر ادا کرنا جس طرح حضرت عائشہ نے برأت کی آیات نازل ہونے کے بعد اللہ کا شکر ادا کیا۔

(۴۲) ولایا نل اولو الفضل میں حضرت ابوبکر کی فضیلت کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو صاحب فضل فرمایا۔

(۴۳) رشتہ دار اگرچہ بدسلوکی کریں پھر بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا جیسا کہ حضرت ابوبکر کو حضرت صلح کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہوا۔

(۴۴) لوگوں کی بدسلوکی کو معاف کرنا اور درگزر کرنے کا بیان۔

(۴۵) نیکی کے راستہ میں صدقہ اور خیرات کرنے سے احتباب۔

(۴۶) اگر کوئی شخص نیکی نہ کرنے کی قسم کھائے تو مستحب یہ ہے کہ وہ نیکی کرے اور قسم کا کفارہ دے جس طرح حضرت ابوبکر نے کیا۔

(۳۷) حضرت ام المؤمنین زینب رضی اللہ عنہا کی فضیلت۔

(۳۸) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلق کی عظمت کیونکہ حضرت حسان کے تہمت لگانے کے باوجود حضرت عائشہ ان کی طرف سے مدافعت کرتی تھیں۔

(۳۹) مسلمانوں کا اپنے امیر کے اہل کی عزت و حرمت کے لیے غضب ناک ہونا جس طرح حضرت سعد بن معاذ اور دیگر صحابہ غضب میں آئے۔

(۵۰) شصت کو سب کرنے کا جواز جیسا کہ حضرت اُسید بن حنیر نے حضرت سعد بن عبادہ سے کہا تم منافق ہو اور منافقوں کی طرف سے لڑ رہے ہو اور اس سے ان کی مراد غفاق حقیقی نہیں تھا۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۶۸-۳۶۷ کراچی) علامہ بدرالدین یعنی لکھتے ہیں:

(۱) علامہ نووی نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ سفر کے لیے ازواج میں قرعہ اندازی کرنا باطل ہے اور ان سے اجازت کی بھی حکایت ہے اور علامہ ابن منذر وغیرہ نے کہا کہ قیاس کا تقاضا قرعہ اندازی کو ترک کرنا ہے لیکن ہم نے احادیث پر عمل کیا ہے۔ (علامہ بھی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ کا مشہور مذہب قرعہ اندازی کو باطل کرنا نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ نے یہ نہیں کہا بلکہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ قیاس قرعہ اندازی کے خلاف ہے کیونکہ اس میں بیوی کے ساتھ لے جانے کو قرعہ پر مطلق کرنا ہے اور یہ قرار ہے اس سے بیوی کے ساتھ جانے کا استحقاق ثابت نہیں ہوتا لیکن ہم نے احادیث کی بنا پر اس قیاس کو ترک کر دیا اور اس تعالیٰ کی وجہ سے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر آج تک بغیر کسی اختلاف کے عمل ہوتا آیا ہے اور یہ احادیث اس پر محمول ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کی خوشنودی کے لیے ایسا کیا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت میں بھی ازواج مطہرات کی باری میں مساوات واجب نہیں تھی اور قدوری میں یہ لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ سے یہ روایت ہے کہ سفر میں ازواج کو کوئی حق نہیں اور خاوند کی مرضی ہے وہ جس ذہب کو چاہے سفر میں لے جائے اور علامہ اناطی نے اس کی شرح میں یہ لکھا کیونکہ خاوند پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ ان میں سے ایک مضمین کو سفر میں اپنے ساتھ لے جائے اور اونی اور مستحب یہ ہے کہ ان کی خوشنودی کے لیے ان کے درمیان قرعہ اندازی کرے۔

(۲) عورتوں کا کسی ایک کو نیک قرار دینا جائز ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ اور حضرت ام المؤمنین زینب رضی اللہ عنہما سے حضرت عائشہ کے متعلق پوچھا اور انہوں نے حضرت عائشہ کی فضیلت اور دین داری میں ان کے کمال کو بیان کیا امام ابوحنیفہ نے اسی حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ بعض عورتوں کا بعض دوسری عورتوں کو نیک قرار دینا اور ان کو تعذیل کرنا جائز ہے۔

(۳) جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی اہلیہ یا آپ کی عزت کے متعلق ایذا دے اس کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ حضرت اُسید بن حنیر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کہا کہ اگر یہ شخص اوس میں سے ہے تو ہم اس کو قتل کر دیں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رد نہیں کیا اور علامہ ابن بطال نے یہ کہا کہ اسی طرح جو شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس چیز کے ساتھ سب کرے جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بری کر دیا یا اس کو بھی قتل کر دیا جائے گا کیونکہ وہ شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر رہا ہے علامہ مہلب نے کہا میرا نظریہ یہ ہے کہ ازواج مطہرات میں سے جس ذہب پر بھی زنا کی تہمت لگائی جائے گی اس تہمت لگانے والے کو قتل کر دیا جائے گا۔

(۳) صبر جمیل کی دنیا اور آخرت میں تعریف اور تحسین ہے۔

(۵) جس شخص پر حد لگانے سے امت میں تفرقہ اور اشتکار کا خدشہ ہو اس پر حد نہ لگائی جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن سلول پر حد نہیں لگائی۔

(۶) کسی باطل چیز کا اعتراف کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ نے کہا اگر میں اس گناہ کا اعتراف کروں حالانکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ میں اس گناہ سے بری ہوں تو تم میری تصدیق کرو گے۔

(۷) وحی کا نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع نہیں تھا کیونکہ اس موقع پر ایک ہاد تک آپ پر وحی نہیں کی گئی اور یہ آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔

(۸) عمر بن خطاب کا سونے چاندی موتی اور پہنوں کے زیورات پہننا جائز ہے۔

(۹) کسی گم شدہ چیز کو تلاش کرنا جس طرح حضرت عائشہ نے اپنے بار کو تلاش کیا اور مال کو ضائع ہونے سے بچانا جائز ہے۔

(۱۰) کسی شخص کے متعلق جو خبر غلط کر رہی ہو اس کے متعلق تحقیق کرنا کہ آیا اس سے پہلے بھی اس نے ایسا کام کیا تھا یا نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہؓ حضرت اسماء اور حضرت زینبؓ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تنبیہ کی معصومات اور دیگر افعال کے متعلق سوالات کیے اور یہ کہ حکم ظاہری افعال پر لگایا جاتا ہے۔

(مجموعہ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۳۶، ج ۲ ص ۲۳۲، ج ۳ ص ۳۲۸)

حضرت عائشہ کا یہ کہنا کہ ”میں حضور کے لیے قیام نہیں کروں گی میں صرف اللہ کی حمد کروں گی“

جب حضرت عائشہ کی برأت کے متعلق آیات نازل ہوئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اللہ کی حمد کرو اللہ نے تمہاری برأت کر دی ہے اور حضرت عائشہ کی والدہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لیے کھڑی ہو تو حضرت عائشہ نے کہا یہ خدا میں ان کی طرف کھڑی نہیں ہوں گی اور میں صرف اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گی۔

علامہ بدرالدین عینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

حضرت عائشہ کا یہ کلام بہ منزلہ کتاب تھا کیونکہ مسلمانوں نے آپ کے معاملہ میں شک کیا حالانکہ ان کو حضرت عائشہ کی نیک چلتی اور پاکیزہ سیرت کا بہ خوبی علم تھا اور وہ جانتے تھے کہ ظالموں نے آپ پر جو بغیر کسی حجت اور دلیل کے جھوٹی تہمت لگائی ہے آپ کا دامن اس سے بری ہے۔ (علامہ عینی نے یہ عبارت علامہ نووی سے نقل کی ہے) (مجموعہ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۳۶)

اس عبارت کے بعد علامہ نووی لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ نے کہا میں صرف اپنے رب سبحانہ و تعالیٰ کی حمد کروں گی جس نے میری برأت کو نازل کیا اور مجھ پر بغیر متوقع انعام کیا جیسا کہ حضرت عائشہ نے فرمایا تھا میں اپنے آپ کو اس سے بہت کم تر خیال کرتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق ایسی وحی نازل کرے جس کی تلاوت کی جائے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۶۶ کراچی)

حضرت عائشہ نے جو فرمایا میں حضور کے سامنے کھڑی نہیں ہوں گی اور میں صرف اپنے رب کی حمد کروں گی اس کلام کے متعلق یہ وہم نہ کیا جائے کہ حضرت عائشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم سے انکار کیا معاذ اللہ! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ناراض تھیں جیسا کہ علامہ نووی اور علامہ عینی نے حضرت عائشہ کے اس کلام کو کتاب پر معمول کیا ہے بلکہ حضرت عائشہ کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو عظیم احسان کیا ہے اور ان کو نعمت غیر مترقبہ عطا فرمائی ہے تو اس نعمت اور احسان پر سب سے پہلے صرف اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی حمد کرنی چاہیے ورنہ حضرت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور

آپ کے شکر کا کیسے انکار کر سکتی ہیں جبکہ یہ عظیم نعمت آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہی ملی تھی اس لیے آپ کے اس قول کا مطلب یہ تھا کہ میں سب سے پہلے آپ کی تعظیم اور آپ کا شکر میں ملکہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کا شکر ادا کروں گی۔!

حدیث اقلک پر بعض معاصرین کے اعتراضات

بعض معاصرین (قاضی عبدالدائم) نے حدیث مذکور پر آٹھ منطقی اعتراضات کیے ہیں اختصاراً یہ ہیں سے ہم نے ان اعتراضات کا خلاصہ ان ہی کی کتاب سے نقل کیا ہے اس کے بعد ہم اللہ تعالیٰ کی تائید اور اس کی توفیق سے ان اعتراضات کے نمبر وار جواب عرض کریں گے۔

خدا را بتائے کہ میں اس روایت کو کیسے صحیح تسلیم کروں!!!!

(۱) دو روایت جس میں رسول اللہ کی زبانی صدیقہ کائنات کو ابنِ کُنتِ الخُضْبِ بذئِب اور قارفت سے منسوب کیا گیا ہو۔

(۲) وہ روایت جس کے مطابق رسول اللہ اپنی اس انتہائی جلیبی بیوی کو خلاق دینے کے بارے میں مشورہ کرنے لگے ہوں۔

(۳) وہ روایت جس میں حضرت علی کی طرف ایسا مشورہ منسوب کیا گیا ہو جس کا باب حدیثِ اعظم سے تصور بھی نہ کیا جاسکتا ہو۔

(۴) وہ روایت جس کی رو سے رسول اللہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ام رومان رضی اللہ عنہا کو حضرت عائشہ کے منہ بھر بونے کا یقین ہو۔

(۵) وہ روایت جس میں منافقین کی اکرام تراشی کو ام رومان رضی اللہ عنہا نے خواہ مخواہ دیگر ازواجِ مطہرات کے سر منڈھ دیا ہو۔

(۶) وہ روایت جس میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ جیسے عندلیب باغ رسالت کو قذفِ صدیقہ جیسے مکروہِ عمل میں موٹ کیا گیا ہو۔

(۷) وہ روایت جس میں اکابرین صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ایک دوسرے کو جھوٹا و منافق کہتے دکھایا گیا ہو۔

(۸) وہ روایت جس میں سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ جیسے طلیل اللہ و صحابی اور ان کے پورے قبیلے خزرج کو رئیس المنافقین کا حامی ظاہر کیا گیا ہو۔

کیا ایسی روایت بھی صحیح اور قابلِ تسلیم ہو سکتی ہے؟

اس روایت کے کرتا و صرتا ابنِ شہاب زہری ہیں جنہوں نے مختلف راویوں کے بیانات کو جوڑ چاڑ کر یہ ملفوظ تیار کیا ہے بعد میں اور لوگ بھی اس کو بیان کرنے لگ گئے۔ زہری صاحب کی اس روایت پر ہم کم از کم الفاظ میں جو تبصرہ کر سکتے ہیں وہ قرآنی الفاظ میں یہی ہے کہ:

هَذَا الْفِكَ مَبِين.

یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ اور افتراء ہے۔

(سید انور ج ۲ ص ۸۷ تا ۸۸ مطبوعہ برائے مجلس دارالعلوم دیوبند ۱۹۹۷ء)

اعتراضات مذکورہ کے جوابات

(۱) پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا اگر تم سے

گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرو حالانکہ اسی حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ دورانِ تہنیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اللہ کی قسم میں اپنی الجبہ پر سوائے خیر اور نیکی کے اور کوئی چیز نہیں جانتا اور یہ تقاضا بھی ہے اور معاذ اللہ حضرت عائشہ کے متعلق سوہن بھی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ ارشاد اتمامِ حجت کے لیے تھا اور دشمنانِ اسلام کا منہ بند کرنے کے لیے تھا کہ دیکھو جب ان کی اپنی بیوی پر جہت لگی تو اس کی انہوں نے کتنی رعایت کی اور اس ارشاد کا عمل یہ ہے کہ اگر یہ فرض محال تم سے یہ گناہ سرزد ہو گیا ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لو اور اس کی قرآن مجید میں بھی کئی مثالیں ہیں۔

فَلَنْ تَكُنَّتَ فِي سَفَرٍ مِمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ كَتَبْنَا الْيَوْمَ لَكَ الْيَوْمَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ (نہج ۹۳)

ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تو آپ ان لوگوں سے سوال کریں جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔

اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ آپ کو قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے اور منزل من اللہ ہونے میں شک تھا اور اس شک کے ازالہ کے لیے آپ کو یہ تحقیق کی گئی کہ آپ اپنے اطمینان کے لیے اہل کتاب سے معلومات کریں اور چونکہ اس آیت سے آپ کا قرآن میں شک کرنا ظاہر ہوتا ہے اور اپنے اطمینان کے لیے یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف رجوع کرنے کا پتہ چلتا ہے تو کیا اس بناء پر اس آیت کو بھی ترک کر دیا جائے گا اور اس آیت کو بھی الگ زمین اور کھلا ہوا جھوٹ قرار دیا جائے گا واضح رہے کہ قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے میں شک کرنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامن میں شک کرنے کی بہ نسبت زیادہ سنگین اور زیادہ خطرناک ہے اور اگر اس آیت میں یہ توجہ کی جائے کہ اس کا معنی ہے اگر یہ فرض محال اس کتاب میں شک ہو تو ایسی توجہ اس حدیث میں کیوں نہیں ہو سکتی کہ اسے عائشہ اگر یہ فرض محال تم سے گناہ سرزد ہو گیا ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کر لو کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کر کے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور اس میں اُمت کو یہ تعلیم دینی مقصود تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو اس فیصلے سے بچنے کے ساتھ متبع کیا گیا ہے اور اس فعل کے ارتکاب پر انہیں دہرے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے اس کے باوجود جب حضرت عائشہ سے یہ فرمایا کہ اگر تم سے بالفرض اس کام کا صدور ہو گیا ہے تو تم توبہ کر لو اللہ توبہ قبول فرمائے گا تو اگر اُمت کے کسی فرد سے یہ گناہ ہو جائے تو اس کو زیادہ پریشان اور مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس کا گناہ ازواجِ مطہرات کے گناہ کی بہ نسبت ادھارے تو جب ان کا گناہ تو بہ سے معاف ہو جائے گا تو اس کا گناہ بہ طریقِ ادائی معاف ہو جائے گا۔

(۲) دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ اپنی جیبتی بیوی کو حلاق دینے کے لیے مشورہ کرنے لگے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ مشورہ کرتا بھی دشمنانِ اسلام کا منہ بند کرنے کے لیے تھا کہ جب نبی کی اپنی بیوی پر الحرام لگا تو اس کی کوئی تکلیف اور تحقیق نہیں کی اور جانبِ داری سے کام لیا اور آپ کا یہ مشورہ اس لیے تھا کہ آپ کی حرم محترم کے متعلق آپ کے اصحاب کی آراء ظاہر ہو جائیں اور ان کے اذہان صاف ہو جائیں۔

(۳) تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایسا مشورہ منسوب کیا ہے جس کا آپ سے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اس کا جواب یہ ہے کہ مشورہ اسی لیے کیا جاتا ہے کہ مختلف آراء ظاہر ہوں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا کیا تو زمین میں ایسی حقوق بنانے والا ہے جو زمین میں فساد کرے گی اور خون ریزی کرے گی فرشتوں نے بعض فساد یا سرکش جنوں پر تمام اولاد آدم کو قیاس کر لیا ان کا یہ قیاس اور اجتہاد درست نہ تھا لیکن اس سے فرشتوں کے علم اور ان کے مقام پر کوئی اثر نہیں پڑا اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قیاس اور اجتہاد یہ تھا کہ

ہر چند کہ حضرت عائشہ اس جہت سے بری ہیں اور آپ سے یہ ناپاک کام متصور بھی نہیں ہے لیکن آپ پر یہ لازم اور ضروری تو نہیں ہے کہ آپ ایسی عورت کو نکاح میں رکھیں جس پر زنا کا الزام لگ چکا ہو خواہ وہ الزام بھونچا ہو ان کے سوا اور بہت عورتیں ہیں جیسے فرشتوں نے کہا تھا ایسی حقوق کو خلیفہ بنانے کی کیا ضرورت ہے حیرتی تصحیح اور نقد کرنے کے لیے بہت فرشتے ہیں فرشتوں کا جواب صحیح تھا نہ حضرت علی کا جواب صحیح تھا لیکن اس جواب سے نہ فرشتوں کے علم اور ان کے مقام پر کوئی زد پڑی نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم اور مرتبہ پر کوئی زد پڑی اور فرشتوں کے اس جواب کی وجہ سے اس آیت کا انکار ہوگا نہ حضرت علی کے اس جواب کی وجہ سے اس حدیث کا انکار ہوگا نہ یہ آیت واجب الراء ہوگی نہ یہ حدیث واجب الراء ہوگی۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیادہ سے زیادہ اجتہاد کی نقلی ہے اور وہ باعث حلاوت نہیں جیسے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کھڑ پڑھنے کے باوجود ایک شخص کو اس مکان سے نکل کر دیا تھا کہ اس نے جان کے خوف سے کھڑ پڑھا ہے۔ (صحیح البخاری ۶۸۵۲، صحیح مسلم ۹۰)

(۳) چوتھا اعتراض یہ کیا ہے کہ اس حدیث کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدیق اکبر اور ام رومان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گناہ گار ہونے کا یقین تھا معاصر مذکور نے یہ بالکل غلط لکھا ہے اور حدیث پر صریح افتراء اور بہتان ہے اس حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس کا معنی یہ ہو کہ ان نفوس قدسیہ کو حضرت عائشہ کے گناہ گار ہونے کا یقین تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح فرمایا: مجھے اپنے اہل پر سوائیگی کے اور کسی چیز کا علم نہیں اور یہ جو آپ نے فرمایا تھا اگر تم سے گنہگار ہو گیا ہے تو تم اللہ سے تو بہ کرو اس کا مطلب ہم پہلے اعتراض کے جواب میں ذکر کر چکے ہیں اور حضرت صدیق اکبر اور حضرت ام رومان سے جب حضرت عائشہ نے کہا کہ آپ میری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیں تو انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں علم نہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کہیں اس کا یہ معنی کیسے ہو گیا کہ ہمیں تمہارے گناہ گار ہونے کا علم اور یقین ہے۔

(۵) پانچواں اعتراض یہ ہے کہ وہ روایت جس میں منافقین کی الزام تراشی کو ام رومان نے خواہ مخواہ دیگر ازواجِ مطہرات کے سر منہ دیا ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابھی تو آپ نے یہ کہا تھا کہ حضرت ام رومان کو حضرت عائشہ کے گناہ گار ہونے کا یقین تھا اور ایک سطر بعد آپ یہ لکھ رہے ہیں کہ حضرت ام رومان نے منافقین کے اس الزام کو حضرت عائشہ کی حمایت میں دیگر ازواج کے سر منہ دیا جب حضرت ام رومان کو حضرت عائشہ کے گناہ گار ہونے کا یقین تھا تو انہوں نے آپ کے قول کے مطابق اس الزام کو دیگر ازواجِ مطہرات کی طرف کیوں منسوب کیا یہ آپ کے کلام میں کھلا ہوا تعارض ہے اور واقعہ یہ ہے کہ حضرت ام رومان نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا حدیث میں اس طرح ہے کہ میں نے اپنی ماں سے پوچھا اسے امی جان! یہ لوگ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا اے بیٹی! حوصلہ رکھو کم ہی کوئی حسین عورت ہوگی جو اپنے شوہر کے نزدیک محبوب ہو اور اس کی سونکیں بھی ہوں مگر وہ اس پر غالب آنے کی کوشش کرتی ہیں حضرت ام رومان نے عام رواج کے مطابق یہ بات کہی تھی اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ یہ جہت دیگر ازواجِ مطہرات نے لگائی تھی یا ان کے لایا پر لگائی تھی یہ بھی اس حدیث پر صریح افتراء اور بہتان ہے۔

(۶) وہ روایت جس میں حضرت حسان جیسے حدیب باخ رسالت کو قذفِ حدیث جیسے مکروہ عمل میں ملوث کیا گیا ہو اس اعتراض کے جواب میں ہم پوچھتے ہیں کہ کیا چوری کرنا مکروہ عمل نہیں؟ کیا شراب پینا مکروہ عمل نہیں ہے؟ کیا زنا کرنا مکروہ عمل نہیں؟ انہو مخدوم کی ایک معزز عورت فاطمہ بنت اسود نے چوری کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا۔ (صحیح البخاری ۲۶۷۸، حدیث ۲۶۷۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۶۹۶ سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۹۰۲) عیسان یا ابن ابی عیسان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا وہ انہیں دیکھ کر کہے ان کو درخت کی شاخوں اور جوتوں سے مارا گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۶۷۷۵) عبد اللہ نام کا ایک شخص تھا

جس کا لقب حمار تھا انہوں نے شراب پی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوڑے (درخت کی شاخیں) مارے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۸۰) ابو اسلم کے ایک شادی شدہ شخص نے آپ کے سامنے زنا کا اعتراف کیا تو آپ کے حکم سے اس کو رجم کر دیا گیا (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۱۳) سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۱۸ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۲۲۲ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۱۵۵ حضرت عائشہ نے آپ کے سامنے آ کر زنا کا اعتراف کیا تو آپ کے حکم سے ان کو رجم کر دیا گیا (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۲۲) ایک کنوارے شخص نے ایک شادی شدہ عورت کے ساتھ زنا کیا تو آپ کے حکم سے اس کو کنوارے کو سو کوڑے لگائے گئے اور اس عورت کو رجم کر دیا گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۲۷) سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۵ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۲۲۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۲۹) یہ نفوس قسیدہ جن پر چوری شراب نوشی اور زنا کی حد جاری کی گئی یہ سب صحابہ کرام تھے ان پر تعلیم کے لیے حد جاری کی گئی اور اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تمام نیک اعمال کے لیے اسوۂ حسنہ اور نمونہ ہے اگر یہ حضرات ان جرائم کے مرتکب نہ ہوتے تو آپ کی زندگی میں حد جاری کرنے کا نمونہ نہ ہوتا اور آپ کی زندگی میں تمام احکام شریعہ کے نفاذ کا نمونہ نہ ہوتا جو سب طرح ان حضرات صحابہ پر یہ حدود جاری کی گئیں اسی طرح حضرت حسان حضرت مسیح اور حضرت حنظلہ پر حد قذف جاری کی گئی اور اس حد کے جاری ہونے سے ان کی تعلیم ہو گئی اور اس سے ان کے مرتبہ اور مقام میں کوئی کمی نہیں آئی یہ تمام صحابہ آسمان ہدایت کے ستارے ہیں ان کے لیے جنت اور اللہ کی رضا کی بشارت ہے۔ ان کا ایک کھو جو صدقہ کرنا بھی بعد والوں کے اصرار کے برابر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے اور بعد کے تمام اختیار امت ان کی گرو راہ کو بھی نہیں پہنچتے۔

(۷) ساتواں اعتراض یہ ہے کہ وہ روایت جس میں اکابرین صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ایک دوسرے کو جھوٹا اور منافق کہتے ہوئے دکھایا گیا ہو اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام عظیم مکارم اخلاق کے باوجود انسان تھے اور کبھی کبھی وہ بشری نقائص سے مغلوب ہو کر جذبات کے دھارے میں بہہ جاتے تھے لیکن جب ان کو سمجھایا جاتا تو وہ پھر باہم شر و فخر ہو جاتے تھے اس کی تعمیر یہ آیت ہے:

وَإِنْ كَانَتْ مِنْ شَيْءٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا زِينَةَ الدُّنْيَا سَابِقَةَ الْآخِرَةِ
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَتِلْكَ الْأَمْثَلُ قَوْلًا لَكَ لَمْ يُفْعَلْ يَنْبَغِي بِالْمُؤْمِنِينَ
فَلَا تَقْرَبُوا زِينَةَ الدُّنْيَا سَابِقَةَ الْآخِرَةِ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَتِلْكَ الْأَمْثَلُ قَوْلًا لَكَ لَمْ يُفْعَلْ يَنْبَغِي بِالْمُؤْمِنِينَ ۚ (البقرہ: ۲۰)

اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری پر زیادتی کرے تو تم سب اس زیادتی کرنے والی جماعت سے قتال کرو حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے پس اگر وہ رجوع کر لے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور عدل کرو بے شک اللہ عدل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں:

امام احمد امام بخاری امام مسلم امام ابن جریر امام ابن اسلمہ امام ابن مردودہ نے اپنی سنن میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ اگر آپ عبد اللہ بن ابی کے پاس بھر لیف لے چلیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ گوش پر سوار ہو کر اس کے پاس گئے اور آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب بھی گئے وہ شور والی زمین تھی جب آپ اس کی طرف پہنچے تو اس نے کہا ایک طرف بٹو اللہ کی قسم تمہارے دروازہ گوش کی بدبو مجھے اذیت پہنچا رہی ہے پس انصار میں سے ایک شخص نے کہا اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ گوش کی بو تیری بدبو سے اچھی ہے اس سے عبد اللہ بن ابی اور اس کی قوم کے لوگ غضبناک ہو گئے پھر دونوں طرف سے اصحاب غصہ میں آ گئے اور انہوں نے ایک

دوسرے کو درست کی ٹہنیوں ہاتھوں اور جوتوں سے مارنا شروع کر دیا تب یہ آیت نازل ہوئی اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرو۔

کیا اب معاصر موصوف اس آیت کا بھی انکار کر دیں گے کیونکہ اس میں صحابہ کرام کے آپس میں لڑنے کا ذکر ہے ایک فریق عبداللہ بن ابی کا حامی تھا اور دوسرا مخالف تھا۔

حافظ سیوطی نے اس آیت کا دوسرا نشان نزول اس طرح ذکر کیا ہے:

امام سعید بن منصور امام ابن جریر اور امام ابن المنذر نے ابی مالک سے روایت کیا ہے کہ دو مسلمان آپس میں لڑ پڑے ایک قوم ایک فریق کی حمایت میں تھی اور دوسری قوم دوسرے فریق کی حمایت میں تھی وہ ہاتھوں اور جوتوں کے ساتھ لڑ رہے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرو۔

نیز امام سیوطی نے امام عبد بن حمید اور امام ابن جریر کی سند سے روایت کیا ہے کہ وہ آپس میں لڑنے کے ساتھ لڑ پڑے تو یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ آپس میں لڑنے کے ساتھ لڑ پڑے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۵۶۰-۵۶۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

اس آیت کے متعدد نشان نزول ہیں لیکن ان سب میں یہ بات مشترک ہے کہ صحابہ کرام کے دو فریق عصیت کی بنا پر ایک دوسرے سے لڑے اور باہمی پائی اور جو ہم بیزار کی نوبت آگئی تو یہ آیت نازل ہوئی اور اس سے قطعی طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ عصیت کی بنا پر صحابہ کرام کا لڑنا ایسی نراہی اور انوکھی چیز نہیں ہے جس کی بنا پر حدیث صحیح کا انکار کیا جائے نیز ہم کہتے ہیں کہ صحابہ کرام آپس میں نہ لڑتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان صلح نہ کراتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے حکم پر عمل کیسے کرتے اور آپ کی زندگی میں دو لڑنے والے فریقوں کے درمیان صلح کرانے کا اسوہ کیسے متعلق ہوتا مانا کہ دو فریقوں کا عصیت کی بنا پر ایک دوسرے سے لڑنا خطا ہے لیکن صحابہ کرام کی خطائیں ابرار کی نیکیوں سے بھی افضل ہیں ان کی ان خطاؤں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صلح کرانے کا اسوہ پایا کسی شخص کو ان کی خطاؤں پر طعن نہیں کرنا چاہیے اور نہ اس بنا پر کسی صحیح حدیث کا انکار کرنا چاہیے کیونکہ ان کی خطائیں بھی بخیر دین کا ذریعہ ہیں۔

نیز یہ بھی واضح رہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت بھی نہیں کی تھی۔

(۸) آنحضرت اور آخری اعتراض یہ ہے کہ وہ روایت جس میں سعد بن عبادہ جیسے عظیم القدر صحابی اور ان کے چورے قبیلہ خزرج کو ربیعہ النافقین (عبداللہ بن ابی) کا حامی ظاہر کیا گیا ہو۔ اس اعتراض کا جواب وہی ہے جو اعتراض نمبر ۷ کے جواب میں آگیا ہے اسی کو پھر پڑھ لیں۔

ہمارے تخلص اور عرب دوست مولانا محمد ابراہیم فیضی نے مجھے ان اعتراضات کی طرف متوجہ کیا تھا میں چونکہ چھتیس سال سے حدیث کی خدمت کر رہا ہوں اس لیے مکررین حدیث کی طرف سے کسی حدیث کا انکار اور اس پر اعتراض میرے علم میں آتا ہے تو میں اپنی پوری علمی توانائی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی حمایت اور اس کا دفاع کرتا ہوں کیونکہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے شدید محبت اور جذباتی وابستگی ہے اور میں نے اپنی زندگی احادیث رسول کی خدمت کے لیے وقف کی ہوئی ہے۔

معاصر موصوف نے امام ابن شہاب زہری کو مفتری کذاب اور بہتان تراش قرار دیا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے عام طور پر مکررین حدیث ان کے خلاف زہراً اٹھتے رہے ہیں کیونکہ انہوں نے حدیث کی بہت خدمت کی ہے وہ علم اصول حدیث

کے واضح ہیں اور تابعین میں سب سے زیادہ احادیث ان ہی کے پاس تھیں اس لیے ہم اس جلیل القدر حدیث کے کلام کا طور ذیل میں مختصر تعارف پیش کر رہے ہیں:

ابن شہاب الزہری کون تھے! کیا تھے! کیسے تھے!

امام محمد بن سعد متوفی ۲۴۰ھ ابن شہاب زہری کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

الزہری کا نام ہے: محمد بن مسلم بن عابد اللہ بن عبد اللہ بن شہاب بن زہرہ ان کی کنیت ابو بکر ہے۔

ابراہیم بن سعد نے اپنے والد سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (وصال کے) بعد جتنی احادیث ابن شہاب زہری نے جمع کی ہیں کسی نے جمع نہیں کیں۔ امام مالک بن انس نے کہا میں نے مدینہ میں صرف ایک فقیر محدث پایا ہے پوچھا وہ کون ہے؟ فرمایا ابن شہاب الزہری ایوب نے کہا میں نے الزہری سے بڑا عالم کسی کو نہیں دیکھا پوچھا حسن بصری کو بھی نہیں؟ کہا میں نے ابن شہاب الزہری سے بڑا عالم کسی کو نہیں دیکھا۔

محمد بن عمر نے کہا الزہری اشعوان بصری میں حضرت معاویہ کی خلافت کے آخری ایام میں پیدا ہوئے اور ایک سو چوبیس بصری میں بیمار ہو کر فوت ہو گئے انہوں نے وصیت کی تھی کہ ان کو عام شہرہ پر دفن کر دیا جائے علماء نے کہا زہری ثقہ تھے ان کے پاس بہت احادیث تھیں اور بہت علم تھا وہ جامع فقیر تھے۔

(المطبوعات الکبریٰ ج ۵ ص ۳۵۷-۳۵۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ لکھتے ہیں:

الزہری نے حضرت سہل بن سعدؓ حضرت انس بن مالک اور حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہم سے احادیث کا سماع کیا ہے اور ان سے صالح بن کیسانؓ یحییٰ بن سعیدؓ مکرمہ بن خالدؓ منصور اور قادہ وغیرہم سے احادیث روایت کی ہیں ایوب نے کہا میں نے الزہری سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا ابراہیم بن سعد نے اپنے والد سے روایت کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (وصال کے) بعد میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جس نے اس قدر احادیث جمع کی ہوں۔

(درج الکبریٰ ج ۱ ص ۲۲۳-۲۲۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ)

حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف الحمزی المتوفی ۷۳۲ھ لکھتے ہیں:

ابوبکر بن محمد یہ نے کہا زہری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دس اصحاب کی زیارت کی تھی وہ اپنے زمانہ میں سب سے بڑے حافظ تھے اور احادیث کے ستون کو سب سے عمدہ بیان کرتے تھے اور وہ فاضل فقیر تھے سفیان بن عیینہ نے عمرو بن دینار سے روایت کیا میں نے الزہری سے بڑھ کر صریح حدیث بیان کرنے والا کوئی نہیں دیکھا وہ درم اور دینار کو اونٹ کی یگنیوں سے زیادہ نہیں سمجھتے تھے معمر نے کہا الزہری اپنے میدان میں سب سے فائق تھے۔

(تہذیب الکمال ج ۱ ص ۳۰-۳۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۳ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن جریر عسقلانی متوفی ۸۵۴ھ لکھتے ہیں:

الزہری ائمہ اسلام میں سے ایک تھے وہ قجاز اور شام کے عالم تھے لیٹ نے کہا ابن شہاب کہتے تھے میں نے اپنے دل میں جس حدیث کو بھی امانت رکھا میں اس کو کبھی نہیں بھولا امام نسائی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے والی احادیث چار ہیں: (۱) الزہری از علی بن حسین از علی از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۲) الزہری از عابد اللہ از ابن عباس (۳) ایوب از محمد از عبیدہ از علی (۴) منصور از ابراہیم از علقمہ از ابن مسعود اور سب سے صریح حدیث الزہری روایت کرتے تھے۔

(۶) عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہا سے عاریضہ ہار لیا وہ کم ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تلاش کرنے کے لیے اپنے اصحاب کو روانہ کیا پھر نماز کا وقت آ گیا اور (پانی نہ ہونے کی وجہ سے) انہوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھ لی جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو انہوں نے آپ سے اس چیز کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے تہمت کی آیت نازل فرمائی تب حضرت اسید بن حضیر نے کہا اللہ آپ کو (حضرت عائشہ کو) جزاء خیر دے آپ پر جب بھی کوئی آفت نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اس سے نجات کی راہ نکال دی اور مسلمانوں کے لیے اس میں برکت دکھادی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۷۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۶۷۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۶۸۱ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۰ سنن الکبریٰ

للنسائی رقم الحدیث: ۲۶۹)

(۷) عروہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں تھے تو باری باری اپنی ازواج کے پاس جاتے اور فرماتے: میں کل کس کے ہاں ہوں گا میں کل کس سے ہاں ہوں گا؟ آپ حضرت عائشہ کے حجرے میں جاتے پر حرمین تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا جب میری باری آئی تو آپ پر سکون ہو گئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۷۳)

(۸) عروہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دیے اور حقے پیش کرنے کے لیے اس دن کے انتظار میں رہتے تھے جب آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں ہوں حضرت عائشہ نے کہا پس میری سیلیاں (سوئیں) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں ہوئیں اور انہوں نے کہا اے ام سلمہ! اللہ کی قسم! مسلمان اپنے دیے بھیجنے کے لیے حضرت عائشہ کی باری کا انتظار کرتے ہیں اور ہم بھی اسی طرح اچھائی چاہتے ہیں جس طرح حضرت عائشہ اچھائی چاہتی ہیں پس تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہو کہ آپ لوگوں کو یہ غم دیں کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں یا جس زہبہ کی باری میں ہوں وہ آپ کو دیے پیش کریں حضرت ام سلمہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا وہ کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر مجھ سے منہ پھیر لیا جب آپ میری طرف مڑے تو میں نے دوبارہ یہی عرض کیا آپ نے پھر مجھ سے منہ پھیر لیا جب میں نے تیسری بار یہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا اے ام سلمہ! مجھے عائشہ کے حلقہ اذیت نہ پہنچاؤ بے شک تم میں سے کسی زہبہ کے ہنر پر میری طرف وحی نازل نہیں ہوئی سوائے عائشہ کے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۷۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۶۷۷ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۹۵۱ سنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۳۹۴۳)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایذا پہنچانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانا ہے۔ (۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے) فرمایا تم مجھے مسلسل تین راتیں خواب میں دکھائی گئیں میرے پاس ایک فرشتہ ریشم کے کپڑے میں تمہاری تصویر لے کر آیا وہ یہ کہتا تھا یہ تمہاری زہبہ ہے میں نے تمہارے چہرے کو کھولا تو وہ تمہیں پھر میں یہ کہتا اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اس کو کچا کر دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۵۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۶۷۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۶۸۱ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۹۴۳)

(۱۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میں خوب جانتا ہوں جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو حضرت عائشہ کہتی ہیں میں نے پوچھا آپ کو اس کا کچھ پتا چلتا ہے؟ آپ نے فرمایا جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو کہتی ہو رب محمد کی قسم! اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو رب ابراہیم کی قسم! حضرت عائشہ نے کہا جی ہاں! اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! میں صرف آپ کے نام کو چھوڑتی

ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۳۹)

(۱۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گزریوں سے کھینچتی تھیں وہ کہتی ہیں کہ میرے پاس میری سوتیلیاں آتی تھیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر شرم یا خوف سے چھپ جاتی تھیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو میرے پاس بھیج دیتے تھے پھر وہ آ کر میرے ساتھ کھینچتی تھیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۳۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۳۴۰ سند صحیح رقم الحدیث: ۲۲۸۰۴)

(۱۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا انہوں نے آپ سے اجازت طلب کی اس وقت آپ میرے ساتھ میرے بستر پر لیٹے ہوئے تھے آپ نے ان کو اجازت دی انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ کی ازواج نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے وہ آپ سے ابو قحافہ کی بیٹی (حضرت عائشہ) کے معاملہ میں انصاف کا سوال کرتی ہیں میں خاموش رہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے میری بیٹی! کیا تم اس سے محبت نہیں کرتیں جس سے میں محبت کرتا ہوں! حضرت فاطمہ نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا پھر اس سے محبت کرو حضرت عائشہ جتنی ہیں کہ جب حضرت فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا تو وہ اٹھ کر چلی گئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے پاس جا کر ان کو خبر دی کہ انہوں نے کیا کہا تھا اور اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا پھر ازواج نے ان سے کہا آپ نے تو ہمارا کوئی کام نہیں کیا آپ دو بارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ آپ کی ازواج آپ کو ابو قحافہ کی بیٹی کے معاملہ میں انصاف کرنے کی قسم دیتی ہیں حضرت فاطمہ نے کہا اللہ کی قسم میں اس معاملہ میں اب آپ سے بالکل بات نہیں کروں گی حضرت عائشہ نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے آپ کی زوجہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو آپ کے پاس بھیجا اور یہ دو تھیں جو باقی ازواج میں سے خود کو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک برتر سمجھتی تھیں اور میں نے منی اور پرہیزگاری میں حضرت زینب کی مثل کوئی عورت نہیں دیکھی اور نہ ان سے بڑھ کر کچھ صلہ رحم کرنے والی، صدقہ و خیرات کرنے والی اور تواضع اور انکسار کرنے والی اور اللہ کی عبادت کرنے والی ماسوا اس کے کہ ان کی زبان میں تیزی تھی وہ کہتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کے بستر پر اسی حالت میں تھے جس حالت میں حضرت فاطمہ نے ان کو دیکھا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی انہوں نے کہا یا رسول اللہ! بے شک آپ کی ازواج نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے وہ آپ سے ابو قحافہ کی بیٹی کے معاملہ میں انصاف کرنے کا سوال کرتی ہیں پھر انہوں نے میری طرف رخ کیا اور مجھ سے لمبی اور حیرت انگیز اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی نظروں کی طرف دیکھ رہی تھی آیا آپ مجھے جواب دینے کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں پھر ابھی حضرت زینب وہیں تھی کہ میں نے جان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بدلے لینے کو تیار نہیں کریں گے پھر جب میں نے جواب دینے شروع کیے تو حضرت زینب وہاں نہیں تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا: آخر ابو بکر کی بیٹی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۱۳۲ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۹۴۳)

(۱۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجسس سے پوچھتے تھے کہ آج کہاں رہوں گا؟ اور میں کل کہاں رہوں گا؟ حضرت عائشہ کی باری کو آپ وہاں میں گمان کر رہے تھے جس دن اللہ نے آپ کی روح قبض کی

(۱۰) صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۵۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۴ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۸۵ سنن الکبیری رقم الحدیث: ۱۱۱۷
مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۸۴ عالم الکتاب صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۸۸۵ سنن بیہقی ج ۱ ص ۲۳۳ شرح مسند رقم الحدیث: ۲۸۶۹ تاریخ دمشق الکبیر
لابن مبارک ج ۳ ص ۱۰۹ رقم الحدیث: ۶۰۳ مسطور دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۲۱ھ المجلدات الکبیری ج ۸ ص ۵۳
(۲۰) عمرو بن غالب بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو
برا کہا تو انہوں نے اس سے کہا تم دفع ہو جاؤ اس حال میں کہ تمہاری صورت خراب ہو اور تم پر کتے بھونک رہے ہوں تم
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ کو اذیت پہنچا رہے ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۵۸ المجلدات الکبیری ج ۸ ص ۵۲ طبع مدینہ دار الکتاب العلمیہ بیروت ۱۳۱۸ھ تاریخ دمشق الکبیر لابن مبارک ج ۳
ص ۱۰۹ مسطور دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۲۱ھ)

(۲۱) حضرت انس رضی اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون
ہے؟ آپ نے فرمایا: عائشہ! پھر مردوں میں؟ آپ نے فرمایا: ان کے باپ!

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۹۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۷ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۷۷)
(۲۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو انعامات فرمائے ہیں ان میں سے یہ ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں فوت ہوئے اور میری باری میں فوت ہوئے اور میرے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے
فوت ہوئے اور آپ کی وفات کے وقت اللہ تعالیٰ نے میرے لعاب دہن اور آپ کے لعاب دہن کو جمع کر دیا
عبدالرحمن بن ابوبکر مسواک ہاتھ میں لیے ہوئے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے میں
نے دیکھا کہ آپ ان کی طرف دیکھ رہے ہیں میں نے جان لیا کہ آپ مسواک کو پسند کر رہے ہیں میں نے پوچھا کہ آیا
میں آپ کے لیے یہ مسواک لوں؟ آپ نے سر کے اشارہ سے ہاں فرمایا میں نے ان سے مسواک لے کر (اور اس کے
سر کو کاٹ کر) آپ کو دی آپ کو وہ سخت لگی میں نے پوچھا آیا میں اس کو آپ کے لیے نرم کروں؟ آپ نے سر کے
اشارہ سے فرمایا ہاں! پھر میں نے اس کو (اپنے منہ میں چبا کر) نرم کر دیا آپ پانی کے ڈونگے میں ہاتھ ڈال کر اپنے
چہرے پر بھیج رہے اور فرماتے لا الہ الا اللہ بے شک موت کی سختیاں ہیں پھر آپ نے اپنا ہاتھ کھڑا کر کے فرمایا: ارفیق
الاعلیٰ میں حتیٰ کہ آپ کی روح قبض کر لی گئی اور آپ کا ہاتھ جھٹک گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۳۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۳۳ مسطور دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۸ھ کنز العمال رقم

الحدیث: ۳۷۷۸۴)

(۲۳) مسروق بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے جبریل علیہ السلام کو اپنے اس حجرہ میں
کھڑے ہوئے دیکھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی میں باتیں کر رہے تھے جب آپ حجرہ میں داخل ہوئے تو
میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ یہ کون تھے؟ آپ نے پوچھا تم نے ان کو کس کے مشابہ پایا؟ میں نے کہا دجیہ بھی کے آپ
نے فرمایا تم نے خیر کثیر کو دیکھا ہے یہ جبریل علیہ السلام تھے وہ بہت تھوڑی دیر ٹھہرے تھے حتیٰ کہ آپ نے فرمایا یہ جبریل
ہیں تم کو سلام کہہ رہے ہیں میں نے کہا علیہ السلام داخل ہونے والے کو اللہ تعالیٰ نیک جزا دے۔

(الحکم الکبیر ج ۱ ص ۵۵ مسند احمد ج ۶ ص ۱۶۶ ۲۷۷ المسند رقم الحدیث: ۶۷۸۴)

(۲۴) ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیماری کے ایام میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے

حاضر ہونے کی اجازت طلب کی حضرت عائشہ نے اجازت نہیں دی پھر آپ کے پیچھوں نے کہا آپ ان کو اجازت دے دیں وہ آپ کے نیک بیٹوں میں سے ہیں حضرت عائشہ نے کہا ان کی تعریف و توصیف کو چھوڑ دو مسلسل ان کو اجازت دینے کے لیے اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ آپ نے اجازت دے دی جب وہ آگئے تو حضرت ابن عباس نے کہا آپ کا نام المؤمنین ہے تو آپ مجھ پر شفقت کریں آپ کے پیدا ہونے سے پہلے ہی آپ کا یہ نام تھا اور آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سب سے زیادہ محبوب تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی چیز سے محبت کرتے تھے جو پاکیزہ ہو اور آپ اور آپ کے دوستوں کے درمیان صرف آپ کی حیات حجاب اور مبالغے کے لیسلا لا ہواہ میں آپ کا ہار کر گرم ہو گیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ میں آپ کے اور مسلمانوں کے لیے خیر رکھ دی سوائدہ تعالیٰ نے آیت خیم نازل فرمادی اور آپ کی برأت میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں اور مسلمانوں کی تمام مساجد میں دن اور رات کے اوقات میں ان آیات کی تلاوت کی جاتی ہے آپ نے فرمایا: اے ابن عباس! میری تعریف اور توصیف کو چھوڑ دین یہ چاہتی ہوں کہ کاش میں بھی بوسری ہوتی۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۰ علیہ السلام ج ۳ ص ۳۵ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۰۸۱۷۱ لم یصح رقم الحدیث: ۸۳۱۰۷۱ الحدیث رقم الحدیث: ۸۳۱۰۷۱)

(۶۷۸۶: الطبقات البکری ج ۸ ص ۶۰-۵۹ دارکتب العصریہ رت ۱۳۱۸ھ)

(۲۵) عبدالرحمان بن ضحاک بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن صفوان اور ایک اور شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے حضرت عائشہ نے ان میں سے کسی ایک سے کہا: اے فلاں! کیا حصہ کی حدیث تم کو معلوم ہے؟ اس نے کہا ہاں اے ام المؤمنین! عبداللہ بن صفوان نے کہا اے ام المؤمنین! حصہ کی حدیث کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: مریم بنت عمران کے علاوہ مجھ سے پہلے کسی عورت کو تو اوصاف نہیں دیئے گئے اور اللہ کی قسم میں اپنی سونکوں پر فخر کرنے کے لیے یہ بات نہیں کہہ رہی عبداللہ بن صفوان نے کہا: اے ام المؤمنین! وہ تو اوصاف کیا ہیں؟ حضرت عائشہ نے فرمایا:

(۱) فرشتہ میری تصویر لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت مجھ سے نکاح کیا جب میری عمر سات سال تھی۔ (۳) نو سال کی عمر میں میری آپ کی طرف رخصتی کی گئی۔ (۴) آپ کے نکاح میں صرف میں کنواری خاتون تھی (۵) میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لحاف میں ہوتے تھے پھر بھی آپ پر وحی نازل ہوتی تھی۔ (۶) میرے متعلق قرآن مجید کی ایسی آیات نازل ہوئیں کہ اگر وہ آیات نازل نہ ہوتیں تو امت ہلاک ہو جاتی (مثلاً خیم اور حد قدف کی شریعت) (۷) میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا اور میرے علاوہ آپ کی ازواج میں سے اور کسی نے حضرت جبریل کو نہیں دیکھا۔ (۸) میرے حجرے میں آپ کی روح قبض کی گئی۔ (۹) جس وقت آپ کی روح قبض کی گئی تو میرے اوپر فرشتے کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ یہ حدیث صحیح ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (الحدیث رقم الحدیث: ۱۰۸۱۷۱ الحدیث رقم الحدیث: ۸۳۱۰۷۱ الحدیث رقم الحدیث: ۸۳۱۰۷۱)

(۲۶) عروہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ ام المؤمنین سے زیادہ کسی کو حلال حرام علم شعر اور طب کا جاننے والا نہیں دیکھا۔ (الحدیث رقم الحدیث: ۱۰۸۱۷۱ الحدیث رقم الحدیث: ۸۳۱۰۷۱ الحدیث رقم الحدیث: ۸۳۱۰۷۱)

(۲۷) زہری بیان کرتے ہیں اگر تمام لوگوں کا علم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا علم جمع کیا جائے تب بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم ان سب سے زیادہ ہے۔ (یہ حدیث صحیح ہے صحیح ابن حبان ج ۹ ص ۲۳۳ الحدیث رقم الحدیث: ۱۰۸۱۷۱ الحدیث رقم الحدیث: ۸۳۱۰۷۱)

(۲۸) مسلم بیان کرتے ہیں کہ مسروق نے پوچھا کیا کیا حضرت عائشہ کو فرائض کا بہت اچھا علم تھا؟ انہوں نے کہا اس ذات کی

حکم جس کے بعد قدرت میں میری جان ہے میں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے اصحاب کو حضرت عائشہ سے فرائض (علم وراثت) کے حقائق سوال کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۸۵۹ بحوالہ التلمیذ ج ۱ ص ۵۳-۵۴) (۲۷) (۲۸) (۲۹)

(۲۹) احنف بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن الخطابؓ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کے خطبات سنے ہیں اور آج تک بعد کے خلفاء کے خطبات سنے ہیں میں نے کسی مخلوق کے منہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح عظیم اور حسین کلام نہیں سنا۔ (المسند رقم الحدیث: ۶۷۹۲)

(۳۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی ازواج میں سے کون کون جنت میں ہوں گی؟ فرمایا تم بھی ان ہی میں سے ہو۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(المجموع التلمیذ ج ۳ ص ۹۹ بحوالہ ابن مہان رقم الحدیث: ۹۰۶۲) (۳۱) (۳۲) (۳۳)

(۳۱) عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بھیجے حضرت عائشہ نے وہ تمام درہم تقسیم کر دیئے حتیٰ کہ ان میں سے ایک درہم بھی باقی نہیں بچا۔ حضرت بربرہؓ نے کہا آپ روزے سے ہیں آپ نے ایک درہم کیوں نہ پالیا؟ میں اس کا آپ کے لیے گوشت خرید لیگی فرمایا: اگر تم پہلے یاد دلاتیں تو میں ایسا کر لیتی۔ (علیہ السلام ج ۲ ص ۴۷)

(۳۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے والد بن حضرت ابوبکر اور حضرت ام روہان رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ہماری خواہش ہے کہ آپ عائشہ کے لیے دعا کریں جس کو ہم بھی سنیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! عائشہ بنت ابی بکر صدیق کی مغفرت فرما ایسی مغفرت جو ظاہر اور باطن امور میں واجب ہو حضرت عائشہ کے والد بن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے حسن پر متعجب ہوئے آپ نے فرمایا تم اس دعا پر تعجب کر رہے ہو میری یہ دعا ہر اس شخص کے لیے ہے جو اللہ کے وعدہ والا شریک ہوئے اور میرے رسول اللہ ہونے کی گواہی دیتا ہو۔ (بحوالہ ابن مہان رقم الحدیث: ۱۱۱۱) (۳۳) (۳۴) (۳۵)

(۳۳) عروہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ جس حجرے میں حضرت عمرؓ اپنے دو صاحبوں کے ساتھ مدفون ہیں میں حضرت عمرؓ سے حیا کی وجہ سے اس حجرے میں بہت اچھی طرح کپڑے پھینک کر جاتی تھی اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (المسند رقم الحدیث: ۶۷۸۴)

(۳۴) قیس بن ابی حازم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے دل میں یہ سوچتی تھیں کہ ان کو ان کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کیا جائے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسے حادثات ہوئے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا مجھے دیگر ازواج کے ساتھ دفن کر دینا (دوسری روایات میں ہے کہ مجھے دوسری ازواج سے برتر نہ سمجھا جائے) پھر آپ کو قہقہ میں دفن کر دیا گیا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (المسند رقم الحدیث: ۶۷۷۷)

(۳۵) عمرہ بنت عبد الرحمن بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے دسویں سال میں ہجرت سے تین سال پہلے مجھ سے نکاح کیا اس وقت میری عمر چھ سال تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارہ رطل الاول حجر کے دن ہجرت کر کے مدینہ آ گئے اور ہجرت کے آٹھ مہینے بعد میری رخصتی ہو گئی اور جس دن مجھے آپ کے پاس پیش کیا گیا اس دن میری عمر نو سال تھی۔

سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا اور نو سال کی عمر میں میری رخصتی ہوئی اور میرے سوا آپ کی کوئی کنواری بیوی نہیں تھی۔ (۳) میں آپ کے ساتھ ہسٹہ میں ہوتی تھی اس وقت بھی آپ پر وحی نازل ہوتی تھی۔ (۴) میں سب لوگوں سے زیادہ آپ کو محبوب تھی اور میں اس شخص کی بیٹی تھی جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھا۔ (۵) اور میرے متعلق قرآن مجید میں ان امور میں آیات نازل ہوئیں جن میں امت ہلاک ہو رہی تھی۔ (۶) میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا اور میرے علاوہ اور کسی نے جبریل کو نہیں دیکھا۔ (۷) میرے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روٹ قبض کی گئی اس وقت میرے اور فرشتے کے علاوہ اور کوئی آپ کے قریب نہیں تھا۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (۸) (المکرمین ۲۲ ص ۶۶ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۴۹۹) جن روایات میں چو سال کی عمر میں نکاح کا ذکر ہے (دراحد ہیں) (۳۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سترہ رمضان اٹھاون بجری کو منگل کے دن وتر پڑھنے کے بعد وصال فرما گئیں۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی، سالم نے کہا جتنے مسلمان آپ کی نماز جنازہ میں تھے اس سے پہلے اتنے مسلمان کسی کی نماز جنازہ میں نہ تھے آپ کو شیعہ میں دفن کیا گیا آپ کی عمر چھیانوہ سال تھی۔

(الطبقات البکری ج ۸ ص ۶۲ تاریخ دمشق البکری ج ۱ ص ۳۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۲ھ الاصابہ ج ۸ ص ۲۳۵ رقم: ۱۳۶۱۱ مطبوعہ ۱۳۶۵ھ اسد اللہ ج ۷ ص ۱۸۹ رقم: ۷۰۳۳۰ فی رد المحتار ج ۱۵ ص ۳۳۹ رقم: ۳۲۳۳۳ رد المحتار ج ۱۵ ص ۱۳۱۵)

میں نے شرح صحیح مسلم اور تفسیر القرآن کی متعدد ادبیات میں مختلف دینی عنوانات پر چالیس احادیث جمع کی ہیں اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل میں بھی چالیس احادیث جمع کی ہیں اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ مجھے حضرت ام المومنین سے بہت زیادہ عقیدت اور محبت ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جو شخص دین سے متعلق چالیس احادیث امت تک پہنچائے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن زمرہ فقہاء میں اٹھائے جانے اور اپنی شفاعت عطا کرنے کی نوبت ملے گی میں ہرگز اس اعزاز کا مستحق نہیں ہوں، بس اللہ کے کرم سرکار کی شفاعت اور ام المومنین کی عنایت سے صرف میرے گناہوں کی مغفرت ہو جائے اور مجھے اخروی عذاب سے نجات مل جائے تو یہی میرے لیے بہت بڑا انعام اکرام اور اعزاز ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَنْ يَتَّبِعْ

اے ایمان والو! شیطان کے قدم پہ قدم نہ چلو اور جو شخص شیطان کے

خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَوْ أَنَّهُ أَفْضَلُ

قدم پہ قدم چلے گا تو وہ بے شک بے حیائی اور برائی (کے کاموں) کا حکم دے گا اور اگر تم پر اللہ کا

اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَكِنَّ اللَّهَ

فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کسی کا بھی باطن بھی بھی پاک اور صاف نہ ہوتا لیکن اللہ جس کو

يُزَكِّيْ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۱﴾ وَلَا يَأْتِلِ أُولُو الْفَضْلِ

پاک ہے اس کا باطن پاک اور صاف کرتا ہے اور اللہ خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے اور تم میں سے اصحاب فضل

ہم اللہ اللہ

مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُوتُوا أُولَى الْقُرْبَى وَالْمُسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ

اور ارہاب وسعت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِيَعْفُوا وَلِيَصْفَحُوا أَلَا تَجِبُونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ

والوں کو کچھ نہیں دیں گے ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت

لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ

کروے اور اللہ بہت بخشنے والا ہے حد درجہ فرمانے والا ہے ۵ بے شک جو لوگ پاک دامن بے خبر ایمان والی عورتوں پر

الْغَفْلَةِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعُنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ

(ہدکاری کی) تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لیے بہت

عَظِيمٌ ﴿۲۷﴾ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ

بڑا عذاب ہے ۵ جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے

بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۸﴾ يَوْمَ يَدْعُ يُوْقِيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَ

کہ وہ دنیا میں کیا کرتے رہے تھے ۵ اس دن اللہ حق اور انصاف کے ساتھ ان کو پورا پورا بدلہ دے گا اور

يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿۲۹﴾ الْحَيِّثُ لِلْخَيْثِثِينَ

وہ جان لیں گے کہ بے شک اللہ ہی برحق ہے حقائق کو منکشف کرنے والا ۵ بری باتیں برے لوگوں کے لیے ہیں

وَالْخَيْثِثُونَ لِلْخَيْثِثِ وَالطَّيِّبُ لِلطَّيِّبِ وَالطَّيِّبُونَ

اور برے لوگ بری باتوں کے لیے ہیں اور اچھی باتیں اچھے لوگوں کے لیے ہیں اور اچھے لوگ اچھی باتوں کے

لِلطَّيِّبِ أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَ

لے ہیں وہ (اچھے لوگ) ان تہمتوں سے بری ہیں جو لوگ ان پر لگاتے ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور

رِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۳۰﴾

مزت کی روزی ہے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو اور جو شخص شیطان کے قدم بہ قدم چلے گا تو وہ بے شک بے حیائی اور برائی (کے کاموں) کا حکم دے گا اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کسی کا بھی باطن کبھی بھی پاک اور صاف نہ ہوتا لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے اس کا باطن پاک اور صاف کر دیتا ہے اور اللہ خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے (۲۱: البقرہ)

الفحشاء، المنکر اور التزکیہ کے معانی

خطوات: غلطی کی جمع ہے اس کا معنی ہے چلتے وقت دو قدموں کا دور میانی فاصلہ اور اس سے مراد ہے سیرت اور طریقہ اور اس آیت کا معنی ہے شیطان کے طریقہ کی اتباع نہ کرو اور جو لوگ کسی پاک دامن مسلمان خاتون پر بدکاری کی جہت لگا رہے ہوں اس کو کان لگا کر نہ سناؤ اور مسلمانوں میں کسی بے حیائی کی بات کو نہ پھیلاؤ الفحشاء کا معنی ہے بے حیائی کی بات جو بہت قبیح ہو اور منکر اس پرے کام کو کہتے ہیں جس سے لوگ متفرق ہوتے ہیں اور اس کا انکار کرتے ہوں۔

علامہ ابن الاثیر الجوزی نے لکھا ہے کہ الفحشاء اور الفحشاء ہر اس معصیت اور گناہ کو کہتے ہیں جس کا قبح بہت زیادہ ہو اس کا اکثر اطلاق زنا پر کیا جاتا ہے اور ہر قبیح قول یا فعل کو فاحش کہا جاتا ہے حدیث میں ہے اللہ ہر فاحش اور شخص سے بغض رکھتا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۹)

فاحش کا معنی ہے جو شخص پرے کام کرے اور بری باتیں کرے اور شخص کا معنی ہے جو شخص تکلفاً اور قصداً پرے کام اور بری باتیں کرے۔ (الہامیہ ج ۳ ص ۳۷۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۸۸ھ)

المنکر المعروف کی ضد ہے قرآن مجید اور احادیث میں منکر کا یہ کثرت ذکر ہے اور یہ ہر وہ کام اور ہر وہ فعل ہے جو شرعاً معیوب اور قبیح ہو یا جس کام کو شریعت نے مکروہ یا حرام قرار دیا ہو۔ (الہامیہ ج ۵ ص ۱۰۰ مطبوعہ بیروت ۱۳۸۸ھ)

پھر اللہ تعالیٰ نے شیطان کے طریقہ اور اس کے راستے سے دور رہنے کا حکم دیا اور جن مسلمانوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جہت میں حصہ لینے کے بعد اس سے رجوع کر لیا تو یہ کر لی اور ان پر حد قذف جاری ہو گئی اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تھی کہ حضرت عائشہ پر جہت لگانے سے ان کے دلوں میں جو گناہ کا سبیل اور پکھیل آ گیا تھا اور ان کے قلوب پر جو معصیت کی قلمت اور تار بکی چھا گئی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو تو بہ کی توفیق دے کر ان کے دلوں سے معصیت کی اس کدورت اور زنگ کو دور کر دیا اور ان کے باطن کو پاک اور صاف کر دیا۔

تزکیہ کا لفظ زکوٰۃ سے بنا ہے زکوٰۃ کا معنی ہے طہارت کسی چیز کا یہ صفا اور برکت قرآن مجید اور احادیث میں تزکیہ کا لفظ بہت آیا ہے تزکیہ کا معنی کسی چیز کو پاک اور صاف کرنا ہے کوئی شخص اپنی تعریف تو صیغ اور حمد و ثناء کرے یا خود ستائی کرے اس کو بھی تزکیہ کہتے ہیں۔ (الہامیہ ج ۲ ص ۷۷۸ بیروت)

قرآن مجید میں ہے:

اللّٰہُ یُرِیْ اِلَی الْاٰدِیْنِ یُزَکِّیْہُمْ اَوْ یُفْسِدُہُمْ سَبِیْلَ اللّٰہِ
یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ (اشعرا: ۲۹)

فَلَا تُزَکِّیْہُ اَنْفُسُکُمْ فَہُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ اَتَقٰی ۝

کرتے ہیں بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے اسے قابل تعریف بنا دیتا ہے۔
تم خود ستائی نہ کرو اللہ اس کو خوب جانتا ہے جو سچی ہے۔

(النجم: ۲۲)

علامہ سید محمد بن محمد رضی زبیدی حنفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے تزکیہ کے معنی ہیں اللہ نے اس کی اصلاح کر دی

اور اس کو پاک اور صاف کر دیا اور نفس کی زکوٰۃ اور طہارت کا معنی یہ ہے کہ انسان دنیا میں تعریف و تحسین کا اور آخرت میں اذہم و ثواب کا مستحق ہو گیا اور تکبر کے لفظ کی نسبت کبھی بندہ کی طرف ہوتی ہے۔ جیسے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ ذَكَرَکَ (الحسب) ۹

اور کبھی تزکیہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے کیونکہ وہ تزکیہ کا فاعل حقیقی ہے جیسے:

لَقَدْ اَفْلَحَ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَنْ یَّشَآءُ (النور) ۲۱

اور کبھی تزکیہ کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتی ہے کیونکہ آپ بندوں کے لیے معاف باطن میں واسطہ اور وسیلہ ہیں جیسے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا (البقرہ) ۱۰۳

آپ ان کے مالوں سے صدقہ لیجیے جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک کریں اور ان کے باطن کو صاف کریں۔

انسان اگر خود اپنا تزکیہ کرے تو اس کی دو تحسینیں ہیں اگر وہ ایسے کام کرے جس سے دوسرے اس کی تعریف کریں تو یہ تزکیہ محمود ہے اور اگر وہ خود زبان سے اپنی تعریف کرے تو یہ تزکیہ مذموم ہے۔

(تاج العروس ج ۱۰ ص ۱۶۵، ۱۶۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جب انسان اپنے گناہوں پر نادم ہو اور خوف خدا سے روئے تو اس کے دل سے گناہوں کی تاریکی چھٹ جاتی ہے سو اس کا تزکیہ ہو جاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں صحابہ کو یہ تزکیہ حاصل ہوتا تھا اور اب مشائخ کرام کے فیضان اور علماء کے مواعظ سے اور صفت گزینی سے اس نوع کا تزکیہ حاصل ہوتا ہے اور انسان کا باطن صاف ہو جاتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تہمت سے برأت اور فضیلت میں یہ گیا رکھیں آیت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم میں اصحاب فضل اور ارادہ اب وسعت یہ قسم نہ سہائیں کہ وہ ورثہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے۔ ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کر دے اور اللہ بہت بخشنے والا ہے حد رحم فرمانے والا ہے ۵ (النور) ۲۲

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے افضل اُمت ہونے پر دلائل اور نکات

یہ آیت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے ان کے خاندان بھائی مسطح نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے میں حصہ لیا تھا اور جب حضرت عائشہ کی برأت نازل ہو گئی اور مسطح کا جھوٹ ظاہر ہو گیا تو حضرت ابو بکر کو بہت رنج ہوا کیونکہ مسطح یتیم تھے اور ان کی حضرت ابو بکر نے پرورش کی تھی سوانہوں نے کہا میں اب مسطح پر بالکل خرچ نہیں کروں گا مسطح نے معافی مانگی اور معذرت کی لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سخت غم و غصہ میں تھے وہ دوبارہ مسطح کے اخراجات بحال کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے جب یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کیوں نہیں! میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادے اور میں اب مسطح پر پہلے سے زیادہ خرچ کروں گا۔

(جامع البیہ ج ۲ ص ۱۳۶، ۱۳۷ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

یہ آیت حسب ذیل وجہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے افضل ہونے پر دلالت کرتی ہے:

- (۱) تو اسے ۵ مرتبہ کہہ کر یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔
- (۲) اس آیت میں حضرت ابو بکر کو اول الفضل والسمعة (اصحاب فضل اور ارادہ وسعت) فرمایا ہے۔

(۳) اولوا الفضل والسعة جمع کا صیغہ ہے اور جب واحد شخص پر جمع کا اطلاق کیا جائے تو اس کی تعظیم کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے فضل کو مطلق فرمایا اور اس کو کسی قید کے ساتھ متعین نہیں فرمایا اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر فاضل علی الاطلاق تھے اور آپ میں ہر اعتبار اور ہر جہت سے فضیلت تھی۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اولوا الفضل منکم یعنی جو تم سب میں سے صاحب فضیلت ہیں اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ حضرت ابوبکر کی صفت مخصوصہ ہے۔

(۶) فضل کا معنی ہے زیادہ یعنی حضرت ابوبکر تمام مومنوں سے زیادہ اللہ کی عبادت کرنے والے تھے۔

(۷) اور فرمایا جو تم سب سے زیادہ صاحب وسعت ہیں یعنی حضرت ابوبکر سب سے زیادہ مسلمانوں کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے والے تھے وہ عبادت بھی سب سے زیادہ کرتے تھے اور مسلمانوں پر شفقت بھی سب سے زیادہ کرتے تھے اور خالق کی تعظیم اور مخلوق پر شفقت کرنے کے سب سے زیادہ جامع تھے اور وہ صدیقین کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے اور اس آیت کے مصداق تھے:

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ حُسْنِهِمْ
بَل لَّكِنَّ اللَّهَ مَعِ الْمُتَّقِينَ اور نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔
(الحمل: ۱۸۸)

(۸) صاحب وسعت اسی وقت لائق تکریم ہوتا ہے جب وہ فیاض اور جواد ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں سے اچھا وہ ہے جو لوگوں کو قطع پہنچائے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۵۵) اس کی صراحت کے ساتھ تائید اور تقویت ان جہات میں ہے۔ حافظ ابن عساکر حنفی ۱۵۷۱ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابو بردہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ابوالصلال الکھنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا اس امت میں اس کے نبی کے بعد کون سب سے افضل ہے؟ حضرت علی نے کہا حضرت ابوبکر اس نے کہا ابوبکر فرمایا ہاں اچھا پھر کون ہے فرمایا عمر پھر اس نے جلدی سے کہا پھر امیر المومنین آپ ہیں فرمایا نہیں!

عبد الرحمن بن الاصبہانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت علی نے منبر پر چڑھ کر فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر ابوبکر اور عمر ہیں اور اگر میں چاہوں تو تیسرے کا نام بھی لوں۔

(الکامل لابن ہدی ج ۳ ص ۳۳۰ امام ابن عساکر نے اس حدیث کو قابل یقین قرار دیا سلجوق دارالکتب بصرہ ج ۸ ص ۱۳۸) ابو قتادہ مازنی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو ہم نے جان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکر ہیں اور جب حضرت ابوبکر فوت ہوئے تو ہم نے جان لیا کہ حضرت ابوبکر کے بعد سب سے افضل حضرت عمر ہیں اور جب حضرت عمر فوت ہوئے تو ہم نے جان لیا کہ حضرت عمر کے بعد سب سے افضل ایک شخص ہیں اور ان کا نام نہیں لیا۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں سب سے بہتر ابوبکر اور عمر ہیں۔ (اس کی سند مرسل ہے مجمع المومنین رقم الحدیث: ۹۷۷۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۱۵)

(تاریخ دمشق الکبریٰ ج ۳ ص ۳۳۰-۳۳۱ سلجوق دارالکتب بصرہ ج ۸ ص ۱۳۸)

مشہور شیعہ محقق عالم ابو عمر دحمہ بن عبدالحزیز الکشی بیان کرتے ہیں:

ابو عبد اللہ علیہ السلام نے کہا مجھ کو سنیاں ٹوری نے محمد بن المنکدر سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت علی علیہ السلام نے کوفہ میں منبر پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا: اگر میرے پاس ایسا شخص لایا گیا جو مجھے ابو بکر اور عمر پر فضیلت دیتا ہو تو میں اس کو ضرور دو ہزار دو سو گاجو مغتری (کذاب) کو سزا دی جاتی ہے ابو عبد اللہ علیہ السلام نے کہا میں حدیث بیان کریں تو سنیاں نے جعفر سے روایت کیا کہ ابو بکر اور عمر سے محبت رکھنا ایمان ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے۔

(رجال اکشی ص ۳۸۸ مطبوعہ مؤسسة الاطلس للطباعة)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص مجھ پر سب سے پہلے ایمان لایا اور جس نے سب سے پہلے میری تصدیق کی وہی قیامت کے دن سب سے پہلے مجھ سے مصافحہ کرے گا وہی صدیق اکبر ہے اور وہی فاروق ہے جو میرے بعد حق اور باطل میں فرق کرے گا۔

(رجال اکشی ص ۲۹ مطبوعہ مؤسسة الاطلس للطباعة)

امام بخاری نے حضرت الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے تم لوگوں کی طرف مبعوث کیا 'تو تم سب نے (مجھ سے) کہا تم نے جھوٹ بولا اور ابو بکر نے کہا آپ نے سچ فرمایا اور اپنی جان اور مال سے میری غم گساری کی۔ (صحیح ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۶۱)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابو بکر ایمان لائے اور اکشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ جو مجھ پر سب سے پہلے ایمان لایا وہی صدیق اکبر ہے تو حضرت ابو بکر ہی صدیق اکبر ہیں۔

(۹) حضرت ابو بکر کے فیض اور جواد ہونے کی یہ دلیل بھی ہے کہ حضرت ابو بکر نے اسلام لانے کے بعد حضرت عثمان بن عفان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم کو اسلام کی تبلیغ کی اور یہ سب ان کی کوشش سے مسلمان ہوئے اور ان کی یہ فیاضی اسلام کی تعلیم دینے میں دین کی ہدایت دینے میں اور اسلام کی راہ میں اپنا مال و دولت خرچ کرنے کے لیے قحی اور ان سب نے اسلام کی راہ میں اپنا مال خرچ کیا اور یہ سب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ کی وجہ سے ہوا اور حدیث میں ہے:

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اسلام میں کسی نیک طریقہ کی ابتداء کی اس کو اس نیکی کا اجر ملے گا اور اس کے بعد اس نیکی پر عمل کرنے والوں کی نیکیوں کا بھی اجر ملے گا اور ان کی نیکیوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۷۱ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۲۵۵۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۳۳) سوان تمام صحابہ کی جو دو سٹا بھی اس حدیث کے اعتبار سے حضرت ابو بکر کی جو دو سٹا میں داخل ہیں اور یہ بھی حضرت ابو بکر کے اولو الفضل والسعة ہونے کی وجہ سے ہے۔

(۱۰) اس آیت میں حضرت ابو بکر سے فرمایا ہے: انہیں چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں اور غصہ کرنا تقویٰ کا قرینہ ہے اور جس شخص کا غصہ جتنا قوی ہوگا اس کا تقویٰ اتنا قوی ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر بہت متقی تھے بلکہ سب سے زیادہ متقی تھے کیونکہ جب حضرت ابو بکر نے بہت گراں اور غیر معمولی قیمت سے حضرت بلال کو امیہ بن خلف سے خرید کر آزاد کیا اور مشرکین نے یہ طعن دیا کہ ضرور بلال نے ابو بکر کے ساتھ کوئی نیکی کی ہوگی جس کے صلہ میں انہوں نے اس بھاری قیمت سے بلال کو خرید کر آزاد کر دیا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی:

اور مقرر یہ اس شخص کو جنم سے دور رکھا جائے گا جو سب

وَسَيَجْزِيهَا اللَّهُ الَّذِي يَلْقَىٰ تِلْكَ الْأُمَّةَ يَوْمَئِذٍ ۚ

وَمَا يَكْسِبُ غُنًا مِّنْ يَّمْنٍ فُبْرَىٰ ۚ وَلَا يُنِيتُهُمْ ذُنُوبُهُمْ
وَلَهُمُ الْآخِرَةُ ۖ وَلَهُمْ يَوْمَئِذٍ مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ (النحل: ۷۱)

سے زیادہ متقی ہے ۵ جو پاکیزگی کے حصول کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے ۵ اس پر کسی شخص کا کوئی (دنیاوی) احسان نہیں ہے جس کا صلہ دیا جائے ۵ اس کا یہ مال خرچ کرتا صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہے ۵ اور وہ مقررہ (اس کا رب) راضی ہوگا ۵

اس آیت میں حضرت ابوبکر کو سب سے زیادہ متقی فرمایا ہے اور قرآن مجید میں ہے:
إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُ (الجمرات: ۱۳)

لہذا سورہ نور کی اس آیت میں جو حضرت ابوبکر کو معاف کرنے اور درگزر کرنے کا حکم دیا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت ابوبکر سب سے زیادہ متقی اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت اور بزرگی والے ہیں۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: طاعوا واطيعوا (المائدہ: ۱۳) ان کو معاف کر دیں اور درگزر کریں اور حضرت ابوبکر کے متعلق اس آیت میں فرمایا: وليطعوا ويطيعوا۔ یعنی وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں اور اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر معاملہ میں چاہیے کہ معاف کرنے اور درگزر کرنے میں بھی اور تمام اخلاق اور اوصاف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر ہیں۔

(۱۲) نیز اس آیت میں فرمایا: ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں 'کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کر دے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کی مغفرت کو اس پر مطلق فرمایا ہے کہ وہ حضرت مسیح کو معاف کر دیں اور جب حضرت ابوبکر نے حضرت مسیح کو معاف کر دیا تو حضرت ابوبکر کی مغفرت حاصل ہوگئی اور یہ آیت حضرت ابوبکر کی مغفرت کی قطعی دلیل ہے اور یہ اس کی سترزم ہے کہ حضرت ابوبکر کی اہمیت اور خلافت برحق تھی کیونکہ اگر ان کی اہمیت اور خلافت برحق نہ ہوتی تو وہ مغفور نہ ہوتے۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: الاصحون ان يعفو الله لكم 'کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کر دے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مغفرت کو باطنی یا مستقبل کے کسی زمانہ کے ساتھ متعلق نہیں کیا اور یہ اس کو سترزم ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مطلق مغفور ہیں اور مطلقاً مغفور ہونے کے اس وصف میں حضرت ابوبکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرخ و عکس اور پرتو ہیں کیونکہ آپ بھی مطلق مغفور ہیں 'اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۚ ۵ لِيُخْرِجَنَّكَ اللَّهُ غِنًى
تَعْلَمُ مِمَّنْ دُونِكَ وَمَا أَكْثَرُ (فتح: ۱۰۲)

اس آیت میں حضرت ابوبکر کی فضیلت کے جو دلائل ہیں وہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے بھی موجب فضیلت ہیں کیونکہ باپ کی فضیلت اولاد کے لیے باعث انگار ہوتی ہے اور ان فضائل کا سبب بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس تہمت سے بری ہونا ہے سو یہ آیت بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل کے سلسلہ میں شملک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ پاک دامن بنے خیر ایمان والی عورتوں پر (بدکاری کی) تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ۵ جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ دنیا میں کیا کرتے رہے تھے ۵ اس دن اللہ حق اور انصاف کے ساتھ ان کو پورا پورا بدلہ

دے گا اور وہ جان لیں گے کہ بے شک اللہ ہی برحق ہے حقائق کو منکشف کرنے والا (انور: ۲۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں منافقوں کی اخروی سزا

مذکورہ الصدر تین آیات بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جہت سے برأت اور آپ کی فضیلت کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں اور ہمارے نزدیک یہی تفسیر راجح ہے اور بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ عام مسلمان عورتوں پر بدکاری کی جہت لگانے کے سلسلے میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں ہمارے نزدیک یہ تفسیر اس لیے مرجوح ہے کہ عام مسلمان عورتوں پر جہت لگانے کے حلق حکم النور: ۵-۳۴ میں نازل ہو چکا ہے ان آیات کا ترجمہ یہ ہے:

جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی جہت لگا نہیں پھر (اس کے ثبوت میں) چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو تم ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کو کبھی بھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں O سوائے ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے حد مہربان ہے O

اس لیے زیر تفسیر آیات کا تعلق حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کی سزا کے سلسلے میں اور اسی کے سیاق میں ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ عام مسلمان عورتوں پر تہمت لگانے کی سزا کم ہے اسی کوڑوں کی سزا ہے پھر جب وجہ تو یہ کہیں اور اصلاح کر لیں تو ان کی محفرت ہو جائے گی اور ام المومنین زوجہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہدکاری کی تہمت لگانا کوئی معمولی اور سرسری جرم نہیں ہے کہ اسی شاخص مارنے سے اس کی اصلاح ہو جائے اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا میں تین آیتیں نازل فرمائیں ایک یہ کہ اس پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی جائے گی دوسری سزا یہ کہ قیامت کے دن اس کی زبان اور اس کے ہاتھ اور پاؤں اس کے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ دنیا میں کیا کرتا رہا تھا اور اس کو اس طرح رسوا کیا جائے گا تیسری سزا یہ کہ قیامت کے دن اس کو پورا پورا عذاب دیا جائے گا اور یہ بہت سخت سزا ہے اور یہ سزا اس کو دی جائے گی جس کا جرم بہت سنگین ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہت لگانا عام عورتوں پر بہت لگانے کی طرح ہرگز نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِذْ تَخْلَعُونَ عَلَيْهِ الْأُكُتَ ۖ وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِم مَّا يَأْتِيَنَّكُمْ ۚ وَتُفْعَلُ لَكُمُ الْيُسْرَىٰ ۖ وَأَوَلَيْكُمْ أَلْفَاظٌ مِّنْ ذَٰلِكَ ۚ ۝
 تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ۝

(انعام: ۶۸)

جب تم یہ جھٹ اپنی زبانوں سے نقل کرتے رہے اور اپنے
 منہوں سے وہ بات کہتے رہے جس کا کہیں علم نہ تھا اور تم اس کو معمولی
 بات سمجھتے رہے حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت سنگین بات تھی۔

تم حضرت ام المومنین کی شان میں یہ بات کہتے رہے اور اس کو معمولی بات سمجھتے رہے اور کسی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ کی حرمت عام عورتوں کی طرح نہیں ہوتی چہ جائیکہ نبی امیؑ خاتم الانبیاء اور سید المرسلین کی زوجہ کی حرمت اللہ کے نزدیک یہ بہت سنگین جرم ہے کہ اس کے نبی اور رسول کی زوجہ کے متعلق ایسی بات کی جائے اللہ سبحانہ اس پر سخت غضب فرماتا ہے حاشا وکلا وہ انبیاء میں سے کسی نبی کی زوجہ کے متعلق ایسی بات مقدمہ نہیں فرماتا اور جب کسی بھی نبی کی زوجہ کے متعلق یہ ممکن نہیں تو سیدہ ولدہ ام ملی الاطلاق کی زوجہ اور سیدہ نساء الانبیاء کے متعلق یہ کیسے ممکن ہے! اس لیے فرمایا تم اس کو معمولی بات سمجھتے رہے حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ سنگین بات تھی سو جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جہت لگاتا عام عورتوں پر جہت لگانے کی مثل نہیں ہے تو اس جرم کی سزا عام جرائم کی سزا کی مثل کس طرح ہو سکتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آجھوں میں اس سزا کی شدت کو بیان فرمایا حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک بندہ کو کوئی بات بے پرواہی سے کہہ دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا

وَتَسْلِمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۖ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۵۹﴾ فَإِنْ

اور گھر والوں پر سلام نہ کر لو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ۵

لَمْ يَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ ۖ وَإِنْ

اور اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو حتیٰ کہ تمہیں اجازت دے دی جائے اور اگر تم

قِيلَ لَكُمْ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا ۚ هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جاؤ یہ (لوٹ جانا) تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کا

عَلَيْكُمْ ۖ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ

خوب جانے والا ہے ۵ اور اگر تم ایسے گھروں میں داخل ہو جن میں کوئی رہتا نہ ہو اور ان میں تمہارا سامان

فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْمُمُونَ ﴿۶۰﴾ قُلْ

ہو تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے اور اللہ اس کو خوب جانے والا ہے جس کو تم ظاہر کرتے ہو اور جس کو تم چھپاتے ہو ۵ آپ

لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ

مسلمان مردوں سے کہیے کہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے

أَنْزَلَ لِيْهِمْ اِنْ اَللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ

بہت پاکیزہ ہے بے شک اللہ ان کاموں کی خبر رکھنے والا ہے جن کو تم کرتے ہو ۵ اور آپ مسلمان عورتوں سے کہیے

يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ

کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش

زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلَا يَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ

کو ظاہر نہ کریں مگر جو خود ظاہر ہو اور اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبَائِهِنَّ اَوْ اَبَاءِ

اور اپنی زیبائش کو صرف اپنے شوہروں پر ظاہر کریں یا اپنے باپ دادا یا اپنے شوہروں کے باپ دادا پر

بُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءَ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ

یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا

بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ

اپنے بھیبوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی خواتین کے یا اپنی مملوک

أَيَّمَانُهُنَّ أَوِ الشَّعْبِ غَيْرِ أُولِي الْأَرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ

ہائیں (نورائیں) کے یا اپنے ان نوروں کے جن کو عورتوں کی شہوت نہ ہو یا ان نوروں

الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضُرُّنَّ

کے جو عورتوں کی شرم والی باتوں پر مطلق نہ ہوں اور اپنے پاؤں سے اس طرح نہ چلیں جس سے ان

بَارِجِلِهِنَّ لِيَعْلَمَ مَا يَخْفَيْنَ مِنْ نَرِيذَتِهِنَّ وَتُؤْبَأُ إِلَى

کے پاؤں کی وہ نسبت ظاہر ہو جائے جس کو وہ چھپائے رکھتی ہیں اور اسے مسلمانوں سب

اللَّهُ جَمِيعًا آيَةُ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ ﴿۳۱﴾ وَأَنْكِحُوا

اللہ کی طرف توجہ کرو تاکہ تم للاح پاؤ ۵ اور تم اپنے بے نکاح

الْأَيَامِ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا

مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور ہائیں کا اگر وہ فقیر ہیں تو

فُقَرَاءَ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۲﴾ وَ

اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ وسعت والا بہت جاننے والا ہے ۵ اور

لِيَسْتَعْفِفَ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ

جو لوگ نکاح کرنے کی گنجائش نہیں رکھتے وہ اپنی پاکیزگی برقرار رکھیں حتیٰ کہ اللہ اپنے فضل سے

فَضْلِهِ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ

انہیں غنی کر دے اور تمہارے غلاموں میں سے جو کتاب ہونا چاہیں ان کو کتاب

فَكَابِتُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۖ وَآتُوهُمْ مِّنْ قَالِ

کر دو اگر تمہارے علم میں ان کی بھتری ہو اور تم ان کو اللہ کے اس مال میں

اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ وَلَا تُكْرَهُوَ فَآتَيْتُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ

سے دو جو اس نے تم کو دیا ہے اور تمہاری ہاندیاں اگر پاک دامن رہتا چاہیں تو ان کو بدکاری پر مجبور نہ کرو

تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَمَن يُكْرِهْمُنَّ فَاِنَّ

تاکہ تم دنیا کی زندگی کا فائدہ طلب کرو اور جو ان کو مجبور کرے بگا تو اس کے

اللَّهِ مِنۢ بَعْدِ اِذَا رَٰهِنَ غَفُورٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۳ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ

جوہر کے بعد اللہ (ان ہاندیوں کو) بہت بخشنے والا ہے حد رحم فرمانے والا ہے O اور ہے شک ہم نے

آيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَمَثَلًا لِّلَّذِيْنَ خَلَوْا مِنۢ بَقٰلِكُمْ وَمَوْعِظَةً

تم لوگوں کی طرف واضح آیتیں نازل فرمائی ہیں اور ان لوگوں کی مثالیں بیان فرمائیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور ہم نے

لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۳۴

متقین کے لیے نصیحت نازل کی ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ

لے لو اور گھروالوں پر سلام نہ کرلو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو O اور اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ

تو ان میں داخل نہ ہو حتیٰ کہ تمہیں اجازت دے دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جاؤ یہ (دست چاند)

تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہے اور تم کو جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کا خوب جانتے والا ہے O (انور: ۲۸-۲۷)

بغیر اجازت گھروں میں داخلہ کی اور دیگر آداب کے متعلق احادیث اور آثار

اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر یہ کرم فرمایا کہ ان کے دلوں میں رہنے کے لیے گھر بنانے کا خیال افکا کیا اور یہ کہ وہ اپنے

گھروں کو لوگوں سے مستور رکھیں اور ان کو اپنے گھروں میں رہائش کا سامان فراہم کرنے کی توفیق دی اور ایسے احکام شریفہ، فذ

کے کہ کوئی شخص دوسرے کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہوتا کہ اس کی مستور خواہشیں اور اس کا قیمتی ساز و سامان اور

اس کی پوشیدہ چیزیں اور قیمتی خزانے دوسروں سے محفوظ رہ سکیں۔

اس آیت میں مستانسمو کا لفظ ہے اس کا لغوی معنی ہے حتیٰ کہ تم مانوس ہو جاؤ اور اس آیت میں یہ لفظ مستانسمو کا

معنی میں ہے کیوں کہ جب کوئی شخص اجازت لینے کے بعد کسی کے گھر میں داخل ہوتا ہے تو وہ گھروالوں سے مانوس ہو جاتا

ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عدی بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کی ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ! میں اپنے گھر میں اس حال میں ہوتی ہوں کہ اس حال میں میں یہ نہیں چاہتی کہ کوئی مجھے دیکھے خواہ میرا والد ہو یا میرا بیٹا ہو اور ہمارے گھر میں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں اور میں ایسے حال میں ہوتی ہوں جب یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۶۳)

عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ جب تمہارے بچے بالغ ہو جائیں تو وہ اجازت طلب کریں! لیکن جرجع نے کہا میں نے عطاء سے پوچھا کیا کسی شخص پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنی ماں اور محارم کے پاس جانے کے لیے بھی اجازت طلب کرے انہوں نے کہا ہاں! عطاء بنا یہاں کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا کوئی شخص اپنی ماں کے پاس جاتے وقت بھی اجازت طلب کرے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا میرے علاوہ اس کا اور کوئی خدمت گار نہیں ہے کیا میں پھر بھی داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کروں؟ آپ نے اس سے پوچھا کیا تم اس کو برہنہ دیکھنا پسند کرو گے؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا پھر تم اس سے اجازت لے کر داخل ہو۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۶۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں انصار کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ خوف زدہ حالت میں آئے انہوں نے کہا میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تین مرتبہ اجازت طلب کی مجھے اجازت نہیں دی گئی تو میں واپس آ گیا! حضرت عمر نے کہا تم کیوں چلے گئے تھے؟ میں نے کہا میں نے تین مرتبہ اجازت طلب کی تھی مجھے اجازت نہیں دی گئی تو میں واپس چلا گیا! اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم میں سے کوئی شخص تین مرتبہ اجازت طلب کرے اور اس کو اجازت نہ دی جائے تو وہ واپس چلا جائے! حضرت عمر نے کہا اللہ کی قسم تم ضرور اس حدیث پر کوئی گواہی پیش کرو گے! پس کیا تم میں سے کوئی شخص ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہو؟ حضرت ابی بن کعب نے کہا اللہ کی قسم! مسلمانوں میں سے سب سے کم عمر شخص اس حدیث کی شہادت دے گا! حضرت ابوسعید خدری نے کہا میں سب سے کم عمر تھا میں ان کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور میں نے حضرت عمر کو خبر دی کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا تھا۔

صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۳۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۵۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۰۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۹۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۰۶۰ سنن مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۹۶۳ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۵۰ سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۲۳۳۳ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۸۱۰ تین دفعہ سلام کرنے کا اس لیے حکم دیا ہے کہ جب تین مرتبہ سلام کرنے کے بعد گھر والا اندر آنے کے لیے نہ کہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ گھر والا اس کو بلانا نہیں چاہتا یا ممکن ہے اس کو کوئی ایسا عذر ہو جس کی وجہ سے وہ سلام کا جواب نہ دے سکے اور اس کو بلانا نہ سکے۔ ربی بیان کرتے ہیں کہ بنو عامر کے ایک شخص نے بتایا کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر میں آنے کی اجازت طلب کی اور یہ کہا کہ کیا میں اندر آ جاؤں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم سے فرمایا جاؤ! اس کو اجازت طلب کرنے کا طریقہ سکھاؤ! اور اس سے کہو کہ میں کہے! اسلام علیکم کیا میں داخل ہو جاؤں؟ اس شخص نے یہ سن کر کہا: اسلام علیکم کیا میں داخل ہو جاؤں؟ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت دی اور وہ داخل ہو گیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۷۷۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۳ھ)

قیس بن سعد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ملاقات کے لیے آئے اور آپ نے فرمایا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ! حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بہت آہستہ سے جواب دیا قیس کہتے ہیں میں نے حضرت سعد سے پوچھا کیا آپ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت نہیں دیتے انہوں نے کہا رہنے دو وہ ہم کو زیادہ وقفہ سلام کریں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ حضرت سعد نے پھر بہت آہستہ جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوٹ گئے اور سعد آپ کے پیچھے گئے اور کہا یا رسول اللہ! میں نے آپ کا سلام سن لیا تھا اور آپ کو قصد آہستہ جواب دیا تھا تاکہ آپ زیادہ بار سلام کریں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ چلے گئے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۸۵، ص ۱۳۲)

جب کوئی شخص کسی کا دروازہ کھٹکتا ہے اور پوچھا جائے کہ کون ہے؟ تو یہ نہ کہے کہ میں ہوں بلکہ اپنا نام بتائے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے قرض کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا پس میں نے دروازہ کھٹکتا تھا آپ نے فرمایا کون ہے؟ میں نے کہا میں ہوں آپ نے فرمایا میں! گو یا آپ نے اس جواب کو نکرہ قرار دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۵۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۱۵۵، سنن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۶۳۸۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۳۱۱)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس گئے اور کہا السلام علیکم یہ عبداللہ بن قیس ہیں! حضرت عمر نے اجازت نہیں دی انہوں نے دوبارہ کہا السلام علیکم یہ ابو موسیٰ ہے پھر کہا السلام علیکم یہ الاشعری ہے! پھر واپس چلے گئے حضرت عمر نے کہا ان کو میرے پاس واپس لاؤ ان کو واپس لایا گیا وہ آگئے پوچھا اے ابو موسیٰ! تم کیوں واپس چلے گئے؟ ہم کام میں مشغول تھے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے تم تین مرتبہ اجازت طلب کرو اگر اجازت مل جائے تو فیماوردنہ واپس چلے جاؤ حضرت عمر نے کہا تم اس حدیث پر گواہ پیش کرو ورنہ میں تم کو سزا دوں گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۱۵۵، سنن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۵۱۸۵)

اگر کسی کے گھر کا دروازہ بند ہو تو اس کی جھریوں سے جھانکنا ممنوع ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی شخص بغیر اجازت کے تمہارے گھر میں جھانکے اور تم لاٹھی سے اس کی آنکھ پھوڑ دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۵۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۱۵۵، سنن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۶۳۸۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۳۱۱)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر گھر کا دروازہ بند ہو تو اس کی جھریوں سے اندر جھانکنا ممنوع ہے اور اگر گھر والے نے جھانکنے والے کی آنکھ تیر یا کسی لکڑی سے پھوڑ دی تو اس پر قصاص یا دیت نہیں ہے فقہاء مالکیہ نے اس صورت میں قصاص لازم کیا ہے اور کہا ہے کہ جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑنا جائز نہیں ہے اور اس حدیث کو انہوں نے تقلید اور تریب پر محمول کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ معصیت کو معصیت سے دفع کرنا جائز نہیں ہے جمہور نے اس کے جواب میں کہا کسی کے گھر میں جھانکنا معصیت ہے اور جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑنا معصیت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے جیسے کوئی شخص کسی کو قتل کرنے کے لیے اس پر حملہ کرے تو مدافعت میں اس کو قتل کرنا جائز ہے اور معصیت نہیں ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں جھانک کر کسی کی بیوی یا بیٹی کا چہرہ دیکھے تو وہ اس پر سخت مشغول ہوتا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے مباشرت کر رہا ہو یا وہ اس کی بیوی پر ہنس رہا ہو اس لیے جھانکنے والا اس سزا کا مستحق ہے اور اگر گھر والے کی اپنی تصویر ہو کہ اس نے دروازہ بند نہیں کیا کھلا چھوڑ دیا پھر کسی نے ان کی طرف دیکھا تو پھر اس کی آنکھ پھوڑنا جائز نہیں اور اگر اس نے کھلے ہوئے دروازے سے قصد آدیکھا تو اس میں رد قول ہیں صحیح یہ ہے کہ اب بھی دیکھنے والے کی آنکھ پھوڑنا جائز نہیں ہے

اور اگر کوئی شخص اپنے گھر کی چمت سے دوسروں کے گھروں میں جھانکے تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور اس میں ختماء کا اختلاف ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۳۹-۲۴۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ)
 علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑنے کی اجازت اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے جب وہ قصداً جھانکے اور اگر اس کی اجازت نظر نہ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اس حدیث سے ان فقہاء نے استدلال کیا ہے جو اس صورت میں آنکھ پھوڑنے پر قصاص لازم نہیں کرتے اور اس کے خون کو ضائع قرار دیتے ہیں اور اس حدیث میں اس کا جواز ہے اور کسی ہلکی چیز سے اس کو مارنا چاہیے ایک قول یہ ہے کہ یہ حدیث تہدید (دھمکانے) اور تحقیر پر محمول ہے اس میں اختلاف ہے کہ آیا خبردار کرنے سے پہلے آنکھ پھوڑنا جائز ہے یا نہیں؟ صحیح یہ ہے کہ پھر بھی جائز ہے۔ (عمدة القاری ج ۲ ص ۲۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ)
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر تم ایسے گھروں میں داخل ہو جن میں کوئی رہتا نہ ہو اور ان میں تمہارا سامان ہو تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے اور اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے جس کو تم غیاب کر رہے ہو یا جس کو تم چھپاتے ہو (النور ۲۹)

بیوت غیر مسکونہ (غیر رہائشی) عمارات کی تعیین

جب بغیر اجازت کے گھروں میں داخل ہونے کی ممانعت کر دی گئی تو مسلمانوں کو یہ مشکل پیش آئی کہ مدینہ سے مکہ کے راستے میں اور دوسرے راستوں میں رقبہ عام کے لیے مکان بنے ہوئے تھے جن میں لوگ عارضی قیام کرتے تھے اس طرح وہاں دکانیں، سرائے، ہوٹل، کھیل اور بیت الخلاء وغیرہ بنے ہوتے تھے جن کا کوئی مالک نہیں ہوتا تھا نہ وہ شخصی ملکیت ہوتے تھے اور ان میں بغیر اجازت داخلگی کی ممانعت میں عام مسافروں اور مسلمانوں کے لیے بڑی دشواری تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے آسانی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

امام عبدالرحمان جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے بیوت غیر مسکونہ (غیر رہائشی مکانات) کے مصداق میں حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

- (۱) قلاوہ نے کہا اس سے مراد سرائے، بیت الخلاء اور گودام وغیرہ ہیں جن میں ساز و سامان رکھا جاتا ہے۔
- (۲) عطاء نے کہا اس سے مراد ویران مکان، کھنڈرات اور بیت الخلاء ہیں۔
- (۳) محمد بن حنفیہ نے کہا اس سے مراد مکہ کے مکان ہیں کیونکہ وہ وقف عام ہیں ان کا کوئی مالک نہیں (یہ صرف امام مالک کا مذہب ہے جمہور کے نزدیک یہ قول صحیح نہیں ہے۔ الحج ۲۵ میں ہم اس پر تفصیلی بحث کر چکے ہیں)
- (۴) ابن قایم نے کہا اس سے مراد تاجروں کی دکانیں ہیں جو راستوں میں بنی ہوئی ہوتی ہیں۔
- (۵) ابن جریر نے کہا اس سے مراد تمام غیر رہائشی مکانات ہیں کیونکہ داخل ہونے کے لیے اجازت کی شرط مکان میں رہنے والوں کے اعتبار سے ہے اور جب وہاں کوئی رہنے والا نہ ہو تو پھر یہ شرط بھی نہیں ہے۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۲۹ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۹ھ)

اس آیت کے عموم سے معلوم ہوا جو عمارتیں کسی خاص شخص یا قوم کی ذاتی ملکیت نہ ہوں اور وہاں عام افراد کو آنے جانے کی ممانعت نہ ہو اور وہاں ٹھہرنے اور ان کو استعمال کرنے کی عام اجازت ہو جیسے ہوٹل، مسافر خانے، سرائے، انجمن اور ہوٹل اذی کے عمارت، مسجد، خانقاہیں، دینی مدارس، ہسپتال، ڈاک خانے اور اس طرح کی دوسری عمارتیں اور جس جگہ داخلگی پابندی ہو وہاں داخل ہونے کی جو شرائط مقرر کی گئی ہوں ان کی پابندی کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ مسلمان مردوں سے کہیے کہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ ہے نہ بے شک اللہ ان کا سونے کی خبر رکھنے والا ہے جن کو تم کرتے ہو (انور: ۳۰)

مردوں کو چنگی نگاہ رکھنے کے متعلق احادیث

اس سورت کے شروع میں زنا سے ممانعت فرمائی ہے اور زنا کا پہلا محرک اور سبب اجنبی عورتوں کو دیکھنا ہے اس لیے اس آیت میں مردوں کو اجنبی عورتوں کے دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ سعید بن ابی الحسن نے حسن بصری سے کہا کہ مجھے عورتیں اپنے سینوں اور مردوں کو کھلا رکھتی ہیں؟ انہوں نے کہا تم اپنی آنکھوں کو ان سے دور رکھو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: آپ مسلمان مردوں سے کہیے کہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں۔ (انور: ۳۰)

زہری نے کہا جن نابالغ لڑکیوں پر ثبوت آئے ان کے جسم کے کسی حصہ کو دیکھنا جائز نہیں ہے خواہ وہ کم عمر ہوں۔

(صحیح البخاری کتاب الاستیذان: ۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری کے پچھلے حصے پر اپنے پیچھے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو بٹھالیا اور حضرت فضل بن عباس بہت خوب صورت تھے یہ دس ذوالحجہ کا دن تھا لوگ آپ سے مسائل پوچھ رہے تھے اور آپ ان کو جواب دے رہے تھے قبیلہ بنی نضیر کی ایک حسین عورت آئی وہ بھی آپ سے سوال کر رہی تھی حضرت فضل کو اس عورت کی خوب صورتی اچھی لگی وہ اس کی طرف دیکھنے لگے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر حضرت فضل کو اس عورت کی طرف دیکھتے ہوئے دیکھا آپ نے حضرت فضل کی غصائی اپنے ہاتھ سے پکڑی اور ان کا چہرہ اس عورت کی طرف سے دوسری جانب پھیر دیا اس عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ معلوم کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے اور اس کا پاب بہت بڑا حصہ ہے وہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتا آیا وہ اس کی طرف سے حج ادا کر سکتی ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں!

صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۰۹ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۳۱ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۳۷۱۱

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم راستوں میں بیٹھنے سے بچو صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! راستوں میں بیٹھنے کے سوا تو ہمارا گزارا نہیں ہم وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں آپ نے فرمایا: اگر تمہارا راستوں میں بیٹھنا ضروری ہے تو ہجر تم راستوں کا حق ادا کرو صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! راستوں کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا نظر نیچی رکھنا راست سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا سلام کا جواب دینا نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۳۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۱۵)

حضرت ابوبریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان آدم کا زنا سے حصہ لکھ دیا جس کو وہ لاعمال پائے گاہیں آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور زبان کا زنا بات کرنا ہے نفس تمنا کرنا اور خواہش کرنا ہے اور اس کی گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۵۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۱۵ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۳۱)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر بڑھ جانے کے حق سوال کیا آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں فوراً نظر ہٹا لوں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۷۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۳۸ مسند ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۳ مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۸ سنن بیہقی ج ۱ ص ۲۹۳۲ سنن الکبیری للعلانی رقم الحدیث: ۲۵۱ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۵۵۴۱ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۳۰۴ المسند رک ج ۳ ص ۲۶۱ سنن بیہقی ج ۱ ص ۸۹۰۹)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالو کیونکہ تمہارے لیے پہلی نظر محاف ہے دوسری نہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۷۷ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۳۹ مسند ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۳ مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۱ المسند رک ج ۳ ص ۲۶۱ سنن بیہقی ج ۱ ص ۹۰۹)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان بھی کسی عورت کی طرف پہلی نظر ڈال کر نظر نہ پھیر کر لیتا ہے اللہ اس کے لیے ایسی عبادت پیدا کر دیتا ہے جس میں حلاوت ہوتی ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۳ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۴۳۱ شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۳۳۱ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۳)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے لیے چھ چیزوں کے ضامن ہو جاؤ میں تمہارے لیے جنت کا ضامن ہوں جب تم میں سے کوئی شخص بات کرے تو جھوٹ نہ بولے اور جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی نہ کرے اور جب امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت نہ کرے اور اپنی نظریں نیچی رکھو اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو اور اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۰۱۸ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۲۱ اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نظر اٹھانے کے ذریعے عورتوں میں سے ایک تیرے جس شخص نے اللہ کے خوف کی وجہ سے اس کو ترک کر دیا اللہ عزوجل اس کے دل میں ایمان کی حلاوت پیدا کر دے گا۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور شخصین نے اس کا اخراج نہیں کیا۔

(المسند رک رقم الحدیث: ۹۳۵۷ اس کی سند ضعیف ہے مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ہر آنکھ رو رہی ہوگی سو اس آنکھ کے جو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو دیکھ کر جھک گئی اور سو اس آنکھ کے جو اللہ کی راہ میں بیدار رہی اور سو اس آنکھ کے جس سے اللہ کے خوف سے آنسو کا ایک ننھا سا قطرہ بھی نکلا۔ (الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۷۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۳۵۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ مسلمان عورتوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں مگر جو خود ظاہر ہو اور اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں اور اپنی زیبائش کو صرف اپنے شوہروں پر ظاہر کریں یا اپنے باپ دادا پر یا اپنے شوہروں کے باپ دادا پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے بیٹیوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجیوں پر یا اپنے بھانجیوں پر یا اپنی خواتین پر یا اپنی مملوکہ باندھیوں (نوکرانوں) پر یا اپنے ان نوکروں پر جن کو عورتوں کی شہوت نہ ہو یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی شرم والی باتوں پر مطلق نہ ہوں اور اپنے پاؤں سے اس طرح نہ چلیں جس سے ان کے پاؤں کی وہ زینت ظاہر ہو جائے جس کو وہ چھپائے رکھتی ہیں اور اے مسلمانو! تم سب اللہ کی طرف توجہ کرو تاکہ تم تلاح پاؤ (۱۰: ۳۱)

عورتوں کو نگاہ نیچی رکھنے کے متعلق احادیث

اس سورت کو اللہ تعالیٰ نے زنا کی حرمت اور ممانعت سے شروع فرمایا ہے اور زنا کا مقدمہ یہ ہے مرد یا عورت کی طرف

دیکھے اور عورت اجنبی مرد کی طرف دیکھے اس سے پہلی آیت میں مردوں کو اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا ہے اور اس آیت میں عورتوں کو اجنبی مردوں کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا ہے اس مماثلت کے سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ اور آپ کی دوسری زوجہ حضرت یسوند رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ حضرت ابن ام کتوم رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے یہ اس وقت کی بات ہے جب ہمیں حجاب میں رہنے کا حکم دیا گیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں اس سے حجاب میں چلی جاؤ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا یہ ناجائز نہیں ہے یہ تو ہم کو نہیں دیکھ سکے گا حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم دونوں بھی ناجائز ہو کیا تم اس کو نہیں دیکھ رہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۷۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۳۳، مسند احمد ج ۶ ص ۶۶۶، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۹۲۲، صحیح ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۵۷۵، معجم الکبیر ج ۲۳ رقم الحدیث: ۶۷۸، ۶۵۲، سنن بیہقی ج ۷ ص ۹۱)

اس حدیث کے بظاہر محاذی اور خلاف یہ حدیث ہے:

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوہریرہ بن حفص نے ان کو طلاق بائن دے دی اور وہ غائب تھے پھر انہوں نے اپنے وکیل کے ہاتھ کچھ پیسے وہ اس وکیل پر چاراض ہوئیں اس وکیل نے کہا اللہ کی قسم! ہم پر تمہاری کوئی چیز واجب نہیں ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو حضرت فاطمہ بنت قیس نے آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے حضرت فاطمہ بنت قیس سے فرمایا اس پر تمہارا عقد واجب نہیں ہے پھر آپ نے ان کو حضرت ام شریک کے گھر عدت گزارنے کا حکم دیا پھر آپ نے فرمایا وہ ایسی عورت ہے کہ اس کے پاس میرے اصحاب کا شکوہ لگا رہتا ہے تم ابن ام کتوم کے پاس عدت گزار دو وہ ناجائز شخص ہے تم اپنے کپڑے رکھ سکوگی اور جب تمہاری عدت پوری ہو جائے تو مجھے خبر دینا حضرت فاطمہ بنت قیس نے کہا جب میری عدت پوری ہوگئی تو میں نے آپ سے ذکر کیا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور حضرت ابوجہم دونوں نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رہے ابوجہم تو وہ تو کندھے سے اپنی لاشی اتارتے ہی نہیں اور رہے معاویہ تو وہ مجلس میں ان کے پاس مال نہیں ہے تم اسامہ بن زید سے نکاح کرو تو میں نے ان کو تاپہ نہ کیا (کیونکہ یہ آزاد تھیں اور وہ غلام زادے تھے) آپ نے فرمایا تم اسامہ سے نکاح کرلو میں نے ان سے نکاح کر لیا تو اللہ نے اس نکاح میں خیر رکھ دی اور مجھ پر رشک کیا جاتا تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۸۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۳۳، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۲۳۳۳، سنن ابی یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۹۲۲)

علامہ بیہقی بن شرف نوادی حوالی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا کی زیارت کرتے تھے اور ان کی سنگی کی وجہ سے یہ کثرت ان کے پاس آتے جاتے تھے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ رائے تھی کہ اگر حضرت فاطمہ بنت قیس نے ان کے گھر عدت گزار لی تو ان کو حرج ہوگا کیونکہ ان کو آنے جانے والوں سے پردہ کرنے میں مشکل ہوگی اس لیے ان کو یہ مشورہ دیا کہ وہ حضرت ابن ام کتوم کے گھر عدت گزاریں کیونکہ ایک تو وہ ان کو دیکھ نہیں سکیں گے دوسرے ان کے گھر آنے جانے والے نہیں ہیں اس سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا کہ عورت کا اجنبی مرد کی طرف دیکھنا جائز ہے لیکن یہ استدلال قاسد ہے کیونکہ جس طرح قرآن مجید نے مردوں کو اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے سے منع کیا ہے اسی طرح عورتوں کو بھی اجنبی مردوں کی طرف دیکھنے سے منع کیا ہے اور حضرت ام سلمہ کی حدیث میں بھی ہے کہ آپ نے حضرت ابن ام کتوم کے آنے پر فرمایا تھا تم دونوں تو اندھی نہیں ہو اور

حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس کو ان ام حکوم کی طرف دیکھنے کی اجازت نہیں دی ہے بلکہ اس میں یہ فرمایا ہے کہ وہ ان کے گھر میں اپنی طرف دیکر مردوں کے دیکھنے سے مامون رہیں گی اور قرآن مجید کے حکم کے مطابق ان کو وہاں بھی حضرت ابن ام حکوم کے سامنے نظر میں نہ لینی رکھنے کا حکم ہوگا البتہ حضرت ام شریک کی بہ نسبت ان کے گھر میں ان کے لیے حدت گزارنا آسان ہوگا۔

(شرح مسلم مع مسلم ص ۹۷، ۲۰۳۶، کتبہ زرارہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۳۷)

اس آیت میں فرمایا ہے: اور وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں زینت دو قسم کی ہے ایک ظاہری زینت ہے وہ عورتوں کا لباس ہے اور ایک مخفی زینت ہے وہ عورتوں کے زیورات ہیں۔ (جامع البیان رقم اللہ: ۱۹۶۴۳)

سوا اس کے جو خود ظاہر ہو سید بن جبیر اور عطاء نے کہا اس سے مراد چہرہ اور تھیلیاں ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: زینت ظاہرہ چہرہ اور آنکھ کا سرمہ ہے اور ہاتھوں کی مہندی ہے اور آنکھوں میں یہ وہ چیزیں ہیں جو گھر میں آنے جانے والوں پر ظاہر ہو جاتی ہیں۔ (جامع البیان رقم اللہ: ۱۹۶۵۵، ۱۹۶۵۳، ۱۹۶۵۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہجرت کرنے والی خواتین پر رحم فرمائے جب یہ آیت نازل ہوئی: ولیضربن بھم من علی جیبھن تو انہوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر دو ٹکڑے کیے اور ان سے اپنے سینوں کو ڈھانپ لیا۔ (جامع البیان رقم اللہ: ۱۹۶۶۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اپنی زینتیں صرف اپنے شوہروں پر ظاہر کریں عورتوں کے ان محارم وغیرہ کا ذکر کیا ہے جن پر زینتیں کو ظاہر کیا جا سکتا ہے اس زینت سے مراد زیورات وغیرہ ہیں اور یہ عورتوں کے ہاں تو ان کو ان کے شوہروں کے سوا اور کسی کے سامنے ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔ (جامع البیان رقم اللہ: ۱۹۶۶۶)

جن محارم وغیرہ کے سامنے عورت اپنی زینتیں کو ظاہر کر سکتی ہے اس میں اپنی خواتین اور اپنی مملوکہ باندیوں کا بھی ذکر فرمایا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ غیر مسلم عورتوں کے سامنے عورت کے لیے اپنی زینتیں کو ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔

ابن جریر نے کہا مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ اس سے مراد مسلم خواتین ہیں اور کسی مسلم خاتون کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی باطنی زینت کسی شرک کو دکھائے سوائے اس صورت کے کہ وہ اس کی باندی ہو۔ (جامع البیان رقم اللہ: ۱۹۶۷۱)

اور فرمایا: اور اپنے ان نوکروں پر جن کو عورتوں کی شہوت نہ ہو: اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جن کا مقصد صرف کھانا پینا ہو اور ان کو عورتوں کی باطل خواہش نہ ہو اور جس نوکر یا خادم کو عورتوں کی طرف رغبت ہو اس کو گھروں میں عورتوں کے پاس نہ جانے دیا جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے پاس ایک منٹ آتا جاتا تھا اور گھر والوں کو یہ گمان تھا کہ اس کو عورتوں کی خواہش نہیں ہے ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور وہ آپ کی ازواج کے پاس بیٹھا ہوا تھا وہ ایک عورت کی تعریف کر رہا تھا کہ وہ اتنی موٹی ہے کہ اس کے جسم پر سلوٹس پڑتی ہیں جب وہ آتی ہے تو اس کے جسم پر چار سلوٹس پڑتی ہیں اور جب وہ جاتی ہے تو اس کے جسم پر آٹھ سلوٹس پڑتی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ یہ ان تمام چیزوں کو سمجھتا ہے یہ جہاد سے پاس نہ آیا کرے پھر ازواج مطہرات اس سے پردہ کرتے لگیں۔

(مسلم صحیح رقم اللہ: ۵۸۱، سنن ابوداؤد رقم اللہ: ۴۷۷۷، سنن ابی یوسف رقم اللہ: ۴۷۷۷، سنن ابی داؤد رقم اللہ: ۴۷۷۷)

حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر میں فرمایا اس سے مراد منٹ ہے ابن عمر نے بھی سے روایت کیا کہ اس سے مراد خسی اور منین (نامرد) ہے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۱۸۵، ۱۸۶، سلوٹس و شہوت ص ۱۳۲)

اس کے بعد فرمایا: اور اپنے پاؤں سے اس طرح نہ چلیں جس سے ان کے پاؤں کی وہ زینت ظاہر ہو جائے جس کو وہ چھپانے رکھتی ہیں۔

یعنی کوئی عورت فرش پر زور زور سے چر مار کر اس طرح نہ چلے کہ اس سے اس کی پازیب کی آواز گھر سے باہر سنائی دے۔ جس عورت نے خوشی سے یا اترا تے ہوئے ایسا کیا تو اس کا یہ عمل مکروہ ہے اور اگر اس نے مردوں کو دکھانے سنانے اور ان کو بھاننے کے لیے ایسا کیا تو اس کا عمل مذموم اور حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو تم اپنے بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور باندیوں کا اگر وہ فقیر ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کروے گا اور اللہ وسعت والا بہت جانتے والا ہے (۵) (انور: ۳۳)

ایمانی کا معنی

اس سورت کے زیادہ تر احکام زنا اور اس کے دوائی اور محرکات کے سد باب اور محنت اور پاکیزگی اور پاک دامنی سے متعلق ہیں اور نکاح کرنا زنا کے سد باب کا ایک بہت قوی ذریعہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم میں جو بے نکاح مرد اور عورتیں ہوں ان کا نکاح بھی کرو اور تمہارے غلاموں اور خادیاؤں میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح بھی کر دو۔

ایمانی ایم کی جمع ہے ایم اصل میں اس عورت کو کہتے ہیں جس کا شوہر نہ ہو خواہ وہ عورت کنواری ہو یا بیوہ یا بیعتیہ نے کہا ہے کہ ہر چند کہ ایم کا لفظ مرد اور عورت دونوں کے لیے ہے لیکن اس کا غالب استعمال عورتوں کے لیے ہوتا ہے بہر حال اس آیت میں ایمانی کا معنی ہے بے نکاح مرد اور بے نکاح عورتیں۔

عبدالنبی نام رکھنے کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے: والصلحین من عبادکم و اماءکم یعنی تم اپنے نیک بے نکاح غلاموں اور باندیوں کا نکاح کر دو اس آیت میں عبد کی اضافت مخلوق کی طرف کی ہے اس سے معلوم ہوا ہے کہ عبد النبی نام رکھنا جائز ہے اور یہاں عبد کا معنی غلام ہے اور جب عبد اللہ کہا جاتا ہے تو وہاں عبد کا معنی بندہ ہوتا ہے عربی میں غلام کو عبد کہا جاتا ہے اور اردو میں عبد یہ معنی بندہ لیا جاتا ہے لہذا عبد النبی اور عبد الرسول نام رکھنا جائز ہے شرک نہیں ہے شیخ اشرف علی تھانوی نے کفر اور شرک کی باتوں کے تحت لکھا ہے: علی بخش حسین بخش عبد النبی وغیرہ نام رکھنا (یعنی زبورج اس ۳۵ سلیمہ ناشرین قرآن لونیڈ لاہور) ظاہر ہے قرآن مجید کی اس نص قطعی کے مقابلہ میں تھانوی صاحب کا یہ قول صحیح نہیں ہے۔ تاہم چونکہ ہمارے عرف میں عبد کا اطلاق صرف بندے پر کیا جاتا ہے غلام پر نہیں کیا جاتا اس لیے عبد النبی کے بجائے غلام نبی نام رکھنا چاہیے علامہ شامی نے عبد النبی نام رکھنے کو ممنوع لکھا ہے (رد المحتار ج ۵ ص ۱۳۶۹ ج ۱) اس کی مفصل تحقیق ہم اس سے پہلے تبيان القرآن ج ۱ ص ۸۷ میں کر چکے ہیں۔

نکاح کا لغوی اور اصطلاحی معنی

قاضی عبد النبی بن عبد الرسول احمد مگر کی لکھتے ہیں:

لغت میں نکاح کا معنی جمع کرنا اور ملانا ہے اور شریعت میں نکاح اس عقد کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے کسی عورت کے جسم سے قائمہ اٹھانے کا مالک بنایا جاتا ہے۔ اگر کسی انسان کی شہوت معتدل ہو تو نکاح کرنا سنت ہے اور اگر کسی انسان پر شہوت بہت غالب ہو تو اس پر نکاح کرنا واجب ہے اور جب اس کو اپنے نفس پر غلبہ کا خدشہ ہو (یعنی وہ سخت گیر آدمی ہے اور بیوی پر غلبہ کرے گا) تو پھر اس کا نکاح کرنا مکروہ ہے اور اگر وہ جماع کرنے پر قادر نہ ہو تو پھر اس کا نکاح کرنا حرام ہے۔

جو نکاح بغیر تقصیر کے خفیہ کیا جائے اس کو نکاح منسر کہتے ہیں اگر کوئی شخص کسی عورت سے یہ کہے یہ میں دے چکا ہوں اس کے عوض دس دن تم سے جماع کروں گا تو اس کو نکاح السحر یا نکاح الموقت کہتے ہیں یہ نکاح باطل اور حرام ہے اگر کوئی شخص کسی کی بہن سے نکاح کرے اور مہر کے بجائے یہ مقرر کرے کہ وہ دوسرا شخص اس کی بہن سے نکاح کر لے تو اس کو نکاح الخفایہ کہتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے اور فریقین کو مہر مثل دینا لازم ہوگا اور اگر کوئی شخص فریقین میں سے کسی ایک سے یا دونوں سے اجازت لیے بغیر کسی مرد اور عورت کا معروف طریقہ سے نکاح کر دے تو یہ نکاح الفسادی کہا جاتا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جب فریقین اس نکاح کو برقرار رکھیں تو یہ نکاح صحیح اور نافذ ہو جاتا ہے۔

(دستور اسلام: ص ۳۳۰-۳۲۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۱ھ)

علامہ سید محمد بن علی بن محمد الحسکی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

ایمان اور نکاح کے سوا کوئی اور ایسی عبادت نہیں ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے عہد سے لے کر اب تک شروع رہی ہو اور فقہاء کے نزدیک نکاح اس عقد کو کہتے ہیں جس سے مرد کا عورت کے جسم سے فائدہ حاصل کرنا حلال ہو جائے جب کہ کوئی شرعی مانع نہ ہو عورت کی قید سے مرد فحشی مشکل اور جانیہ خارج ہو گئے اور مانع شرعی کی قید سے محرم خارج ہو گئے۔ البتہ حسن نے جانیہ سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے نکاح کا لفظ جماع کرنے میں حقیقت ہے اور عقد میں مجاز ہے نکاح فریقین میں سے کسی ایک کے ایجاب اور دوسرے کے قبول کرنے سے منقطع ہو جاتا ہے اور اس میں دو آزاد مسلمان مکلف گواہوں کا حاضر ہونا شرط ہے جو ایجاب اور قبول کرنے والوں کا کلام معائنہ ہوں خواہ وہ فاسق ہوں یا مردود و مشاہدہ ہوں یا بیعت ہوں۔

(الدر المختار مع رد المحتار: ج ۳ ص ۶۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۶ھ)

مجلس نکاح میں دو گواہوں کے معائنہ کی قید سے واضح ہو گیا کہ ٹیلی فون پر نکاح کرنا جائز نہیں ہے نیز اگر دو ٹیلی فون سیٹ رکھ لیے جائیں اور دو آدمی معا ایجاب و قبول کو ان دو ٹیلی فون سے معائنہ ہوں جب بھی یہ جائز نہیں ہے کیونکہ عرف اور قانون میں ٹیلی فون پر بات سننے والے کو گواہ نہیں قرار دیا جاتا سو شرعاً بھی ان کو گواہ نہیں قرار دیا جائے گا لہذا ٹیلی فون پر نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

نکاح کی فضیلت میں احادیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے نوجوانو! تم میں سے جو شخص گھر رہا ہے کی طاعت رکھتا ہے وہ نکاح کرے کیونکہ نکاح نظر کو نیچے رکھتا ہے اور شرم گاہ کی حفاظت کرتا ہے اور جو نکاح کرنے کی طاعت نہیں رکھتا وہ روزے رکھے کیونکہ روزے شہوت کو کم کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۶۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۰۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۳۲ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۸۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے پاکیزہ حالت میں ملاقات کرے اسے چاہیے کہ وہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا ایک ستارح ہے اور دنیا کی بہترین ستارح نیک بیوی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۵۵ مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۸)

حضرت ابوالاسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل کے بقول اللہ کے بعد مومن کی سب سے بڑی خیر یہ ہے کہ اس کی نیک بیوی ہو اگر وہ اس کو کوئی حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے اگر وہ اس کی طرف دیکھے

تو وہ اس کو خوش کرے اور اگر وہ اس کے اوپر کوئی قسم کھائے تو وہ اس کو پکار کرے اور اگر وہ کہیں چلا جائے تو وہ اپنی ذات اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۵۷)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کی سعادت (نیک بختی) سے تین چیزیں ہیں نیک بیوی آرام دہ مکان اور آرام دہ سواری اور ابن آدم کی شقاوت (بد بختی) سے تین چیزیں ہیں بری بیوی بے آرام مکان اور بری سواری۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۶۸ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۲۱ المسند رک ج ۱ ص ۱۳۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ نے نکاح کر لیا تو اس کا نصف ایمان کامل ہو گیا اب اس کو چاہیے کہ باقی نصف میں اللہ سے ڈرتا رہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۸۸۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ازراہ کرم تین مضمون کی مدد اپنے ذمہ لے لی ہے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا وہ مکاتب جو اپنا بدل کتابت ادا کرنے کی نیت رکھتے ہو (جس تمام کو اس کا مالک یہ کہہ دے تم اپنی رقم ادا کرو تو آزاد ہو اس کو مکاتب کہتے ہیں اور اس رقم کو بدل کتابت کہتے ہیں) اور وہ شخص جو پاک دامن رہنے کی نیت سے نکاح کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۵۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۱۸ مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۱ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۲۱ المسند رک ج ۲ ص ۱۶۰)

ابو یوسف بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خوش حال ہو اور نکاح کی حقت رکھتے ہو پھر بھی نکاح نہ کرے وہ میرے طریقہ (محمود) پر نہیں ہے۔

(المجم الكبير ج ۲ ص ۳۶۶ المجم الوسيط رقم الحدیث: ۹۹۳ شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۸۸۳ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے حجروں میں چند مسلمان نے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق دریافت کیا جب انہیں آپ کی عبادت کے متعلق بتایا گیا تو انہوں نے اس عبادت کو کم خیال کیا اور انہوں نے کہا کہاں ہم کہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابے شک اللہ نے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے بظاہر خلاف اولیٰ سب کام بخش دیئے ہیں ان میں سے ایک نے کہا رہائیں تو میں ہمیشہ تمام رات نماز پڑھتا رہوں گا اور دوسرے نے کہا میں ساری عمر مسلسل روزے رکھوں گا اور تیسری روزہ ترک نہیں کروں گا اور تیسرے نے کہا میں ہمیشہ عورتوں سے الگ رہوں گا اور تیسری نکاح نہیں کروں گا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور فرمایا تم وہ لوگ جو جنہوں نے اس طرح اس طرح کہا تھا اور میں بے شک اللہ کی قسم تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں (نفلی) روزہ رکھتا ہوں اور (نفلی) روزہ چھوڑتا بھی ہوں اور (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں اور نیند بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح کرتا ہوں سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۳۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۱۱ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۶۶)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت سے اس کے جمال اس کے مال اس کے اخلاق اور اس کی دینداری کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے تم اس کی دین داری اور اس کے اخلاق کے سبب کو لازم کر لو۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۸۰ مسند ابویوسف رقم الحدیث: ۱۰۱۳ مسند ابیہار رقم الحدیث: ۱۲۸۳ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۲۲ المسند رک ج ۳ ص ۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی عورت سے اس کی عزت کی وجہ سے

اللہ تعالیٰ ان کی تعریف فرماتا: **نِزَامُ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:**

مُرْجُونَ لِلْكَافِرِينَ حُبُّهُ الشَّجْوَاتُ مِنَ الشَّجْوَاتِ وَالْأَشْيَاءِ

عورتوں کی طرف شہوت اور بیٹوں کی محبت لوگوں کے لیے
(آل عمران: ۱۳) خوش نما ہونے والی ہے۔

اگر نکاح کرنا افضل ہوتا تو اس آیت میں عورتوں کی طرف شہوت اور بیٹوں کی محبت کو بطور مذمت نہ ذکر کیا جاتا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَعْلَمُوا أَنَّمَا آمَنَوا بِالنَّفْسِ وَآؤَادُكَ فَتَنَةٌ مِّنَ

اور یقین رکھو کہ تمہارے اسوہ اور تمہاری اولاد کا محض تہمت ہیں
اور یہ بھی یقین رکھو کہ اللہ کے پاس بہت عظیم اجر ہے۔

اللَّهِ وَعِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ (الاعمال: ۸۰)

يَأْتِيكَ الْيَقِينُ آمَنُوا إِنَّ مَنَ آؤَادُكُمْ وَآؤَادُكُمْ

اے ایمان والو! بے شک تمہاری بعض بیویاں اور بعض بچے
تمہارے دشمن ہیں اسوہ سے خبردار ہو۔

عِنْدَ اللَّهِ فَاتَّقُوا اللَّهَ (الاعمال: ۱۳)

یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی جب بعض مسلمانوں نے بیوی اور بچوں کی محبت میں مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت نہیں کی حالانکہ اس وقت ہجرت کرنے کا بہت موقع تھا پھر انہوں نے کافی عرصہ کے بعد ہجرت کی۔ اور یہ عام مشاہدہ ہے کہ لوگ بیوی اور بچوں کی محبت میں عبادات سے غافل ہو جاتے ہیں اور فرائض کو ترک کر دیتے ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَأْتِيكَ الْيَقِينُ آمَنُوا إِنَّ مَنَ آؤَادُكُمْ وَآؤَادُكُمْ

اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد کا جو جس اللہ کے
ذکر سے غافل نہ کر دیں اور جنہوں نے ایسا کیا سو وہ بہت ہی

وَكُيُوشٍ وَمَنَ يَفْعَلْ ذَلِكَ قَدْ يَكُنْ لِّمَنَ لِّلْغُرُوفِ

نقصان اٹھانے والے لوگ ہیں۔
اور یقین رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشہ ہے اور خوش

إِعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَقَدْ وَرَّيْتُمَا

نمائ ہے اور ایک دوسرے پر فخر اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے
پر سبقت ہے اس کی شکل اس بادش کی طرح ہے جس کا زمین میں

تَتَخَاَوْنَ بَيْنَكُمَا وَتَكَاثُرُ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كُلٌّ لِّغَيْفِ

فصل کو اگانا کسانوں کو اچھا لگتا ہے پھر جب وہ بھیجی شگ ہو تو تم
اس کو زور و رنگ کی دیکھتے ہو پھر وہ بالکل چرہ چرہ ہو جاتی ہے اور

أَحْجَبَ الْكَلْبُ بَنَاتَهُ فَتَرَاهُم مِّنْ مَّوْجِئَةٍ مَّوْجِئَةٍ لِّمَنَ لِّلْغُرُوفِ

آخرت میں سخت عذاب اور (اگر کوئی آزمائش میں پورا اترتا تو) اللہ
کی مغفرت اور رضامندی ہے اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سوا

حُكَّامًا مَّا وَفَى الْآخِرَةُ عَذَابٌ مُّهِينٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ لِّمَنَ لِّلْغُرُوفِ

کچھ نہیں۔
اگر کوئی شخص آزمائش میں پورا نہ اترتا تو مال اور اولاد میں سبقت سے دنیا میں بربادی اور آخرت میں عذاب کا سامنا ہوگا

وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوفِ

اس لیے سلاحتی اور امن اسی میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے نفس پر ضبط کر سکا ہو تو نکاح کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور
اس کی عبادت میں مصروف رہے نیز نکاح خرید و فروخت کی طرح ایک عقد معاوضہ ہے اس لیے نکاح کرنے سے عبادت میں

وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوفِ

مشغول رہنا افضل ہے۔
علامہ ابن قتیرہ فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے نکاح کرنے کا حکم دیا ہے اور اس پر

وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوفِ

براہین کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور روزے ترک بھی کرتا ہوں اور سونا بھی
چوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ (محمودہ) پر نہیں ہے اور گنج

بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفان کی مرضی ہونے کی درخواست کو مسترد کر دیا اور اگر آپ اجازت دے دیتے تو ہم سب مرضی ہو جاتے۔

(۳) جس شخص میں شہوت نہ ہو خواہ اس میں شہوت پیدا نہ کی ہو جیسے نامرد ہوتا ہے یا اس میں شہوت تو ہو لیکن بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے وہ شہوت ختم ہو گئی ہو اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس کے لیے بھی نکاح کرنا مستحب ہے جیسا کہ عمومی دلائل کا تقاضا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ وہ عبادت میں مشغول رہے کیونکہ وہ نکاح کے حقوق اور انہیں سرکنا۔

(المفاتیح ج ۵ ص ۲۰۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ نکاح کرنے کی گنجائش نہیں رکھتے وہ اپنی پاکیزگی برقرار رکھیں حتیٰ کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے اور تمہارے غلاموں میں سے جو مکاتب ہوں چاہیں ان کو مکاتب کر دو اگر تمہارے علم میں ان کی بہتری ہو اور تم ان کو اللہ کے اس مال میں سے دو جو اس نے تم کو دیا ہے اور تمہاری باندیاں اگر پاک دامن رہا چاہیں تو ان کو بدکاری پر مجبور نہ کرو تا کہ تم دنیا کی زندگی کا فائدہ طلب کر دو اور جو ان کو مجبور کرے گا تو اس کے جبر کے بعد اللہ (ان باندیوں کو) بہت بخشے والا ہے حد درجہ فرمانے والا ہے اور یہ شک ہم نے تم لوگوں کی طرف واضح آیتیں نازل فرمائی ہیں اور ان لوگوں کی مثالیں بیان فرمائی ہیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور ہم نے متعین کے لیے صیحت نازل کی ہے (الانور: ۳۳-۳۴)

جو شخص مجرد ہو وہ اپنی پاکیزگی برقرار رکھے

اس آیت میں ان مسلمانوں سے خطاب ہے جو اپنے معاملات کے خود نالک ہوں اور ان کے کاموں کی نگرانی اور کے ہاتھ میں نہ ہو کیونکہ جس کے معاملات کسی اور کے اختیار میں ہوں وہ اپنے معاملات میں خود تصرف نہیں کر سکتا جیسے بائیل یا کم عقل کے تصرفات پر ان کا سرپرست پابندی لگاتا ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو اپنی پاکیزگی برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے جب کہ ان کے لیے نکاح کرنا مشکل ہو یا وہ تر نکاح کرنا مشکل اس وقت ہوتا ہے جب انسان کے پاس نکاح کرنے کی گنجائش نہ ہو اس لیے فرمایا: کہ ایسے لوگ اپنی پاکیزگی قائم رکھیں حتیٰ کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے اور ان کے لیے ایسے اسباب اور وسائل مہیا کر دے جن سے وہ آسانی کے ساتھ نکاح کر سکیں۔

جو شخص نکاح کی طاقت رکھتا ہو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ نکاح کرے اور اگر وہ نکاح کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ بدکاری نہ کرے اور اپنی عفت کو برقرار رکھے اگر اس پر شہوت کا غلبہ ہو تو وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ رکھنے سے شہوت کا زور ٹوٹتا ہے اس آیت میں نکاح کی طاقت نہ رکھنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے صرف یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے اوپر کنٹرول رکھے اور ضبط نفس کرے اس کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں بتائی اگر کوئی اور جواز کی صورت ہو تو وہ بتا دیتا اس سے معلوم ہوا کہ حد کرنا جائز نہیں ہے اور نہ استنہاء کرنا جائز ہے اہلبیت امام احمد نے استنہاء کو جائز کہا ہے اور فقہاء احناف نے بھی کہا ہے کہ جب کسی شخص کو زنا کا خطرہ ہو تو کم تر برائی کے درجہ میں استنہاء کر لے۔

نیز اس آیت میں فرمایا تمہارے غلاموں میں سے جو مکاتب ہوں چاہیں ان کو مکاتب کر دو اگر تمہارے علم میں ان کی بہتری ہو اور تم ان کو اللہ کے اس مال میں سے دو جو اس نے تم کو دیا ہے۔

غلاموں اور باندیوں کے بعض احکام

اسلام نے غلامی کو بتدریج ختم کیا ہے غلام کو آزاد کرنے پر دوزخ سے نجات کی بشارت دی نقل خطاۃ ظہار حرم تو زنا

اور وہ توڑنے کے کفارہ میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا غلام کو مکاتب کرتا بھی غلامی کو ختم کرنے کی ایک صورت ہے ایک شخص اپنے غلام سے یہ کہتا ہے کہ تم شش پانچ ہزار روپے مجھے لاکر دو تو تم آزاد ہو اس فعل کو مکاتب کہتے ہیں اور اس غلام کو مکاتب کہتے ہیں اب اس غلام کے ذمہ یہ ہے کہ وہ محنت مزدوری کرے اور اپنے آقا کو وہ رقم لاوے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی حد میں ایک یہ شق بھی رکھی ہے کہ غلاموں کو آزاد کرانے کی حد میں زکوٰۃ ادا کر دی جائے اور مسلم معاشرہ میں مسلمان اپنے ایک غلام بھائی کو غلامی سے آزاد کرانے کے لیے رقم خرچ کریں اور اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ تم کو اللہ تعالیٰ نے جو مال دیا ہے اس مال کو غلام آزاد کرانے میں خرچ کرو۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اور تمہاری باندیاں اگر پاک دامن رہتا چاہیں تو ان کو بدکاری پر مجبور نہ کرو تا دنیا کی زندگی کا قانعہ طلب کرو اور جو ان کو مجبور کرے گا تو اس کے جبر کے بعد اللہ (ان باندیوں کو) بہت بخشے والا ہے حد رقم فرمانے والا ہے۔ اس آیت کے شان نزول میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بعض انصار کی ایک باندی تھی جس کا نام میکہ اس نے کہا میرا مالک مجھے زنا کرنے پر مجبور کرتا ہے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۳۱۰۷۷ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۵۳۱ المسند رک ج ۱ ص ۳۹۷) زہری بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر میں قریش کا ایک شخص قید ہو گیا یہ قیدی عبد اللہ بن ابی ابن سلول کے گھر میں تھا اور عبد اللہ بن ابی کی ایک معاذہ نام کی باندی تھی وہ قیدی اس سے زنا کرنا چاہتا تھا وہ باندی مسلمان تھی وہ اسلام کے احکام کی وجہ سے منع کرتی تھی اور ابن ابی اس کو مارتا تھا اور اس کام پر مجبور کرتا تھا کیونکہ اسے امید تھی کہ وہ باندی اس قیدی سے حاملہ ہو جائے گی اور ابن ابی اس قیدی سے اس بچہ کا فدیہ طلب کرے گا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر امام عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۱ مسند دارالسرور ج ۲ ص ۱۳۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن ابی کی باندی زمانہ جاہلیت میں زنا کرانی تھی جب اسلام نے زنا کو حرام کر دیا تو ابن ابی نے اس سے کہا کیا تم اب زنا نہیں کرو گی اس نے کہا نہیں اللہ کی قسم میں اب کبھی بھی زنا نہیں کروں گی اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (المجموع تفسیر رقم الحدیث: ۱۷۷۷۷ مسند دارالسرور ج ۱ ص ۸۳)

اس آیت میں فرمایا ہے اور تمہاری باندیاں اگر پاک دامن رہتا چاہیں تو ان کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر وہ پاک دامن نہ رہتا چاہیں تو پھر تم ان کو بدکاری پر مجبور کر سکتے ہو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اشکال ان پر ہو گا جو مفہوم مخالف کے قائل ہوں رہے ہم احناف تو ہم مفہوم مخالف کے قائل نہیں ہیں اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ جو فرمایا ہے اگر وہ پاک دامن رہتا چاہیں تو یہ قید استرازی نہیں ہے بلکہ یہ قید بیان واقع کے لیے ہے کیونکہ صورت واقعہ یہی تھی کہ بعض مسلمان باندیاں زنا سے بچنا چاہتی تھیں اور ان کے متعلق مالکان اجرت کے لالچ میں ان کو بدکاری پر مجبور کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا کہ جب تمہاری باندیاں زنا سے بچنا چاہتی ہیں تو تم ان کو زنا پر مجبور نہ کرو تیسرا جواب یہ ہے کہ جبر کی صورت اسی وقت حتم ہوگی جب باندیاں بدکاری سے بچنا چاہتی ہوں اور جب وہ خود بدکاری کی طرف مائل ہوں اور شوق سے بدکاری کرتی ہوں تو پھر انہیں بدکاری پر مجبور کرنے کی کیا ضرورت ہے اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس آیت سے یہ مفہوم نکلا ہے کہ جب وہ پاک دامن کا ارادہ نہ کریں تو پھر ان کو بدکاری پر مجبور کرنا جائز ہے کیونکہ جب وہ پاک دامن کا ارادہ نہیں کرتیں تو پھر ان کو بدکاری پر مجبور کرنے کی کب ضرورت ہوگی انہوں نے ۳۳ میں فرمایا: اور بے شک ہم نے تم لوگوں کی

طرف واضح آجہی نازل فرمائی ہیں اور ان لوگوں کی مثالیں بیان فرمائی ہیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور ہم نے متقین کے لیے نصیحت نازل کی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی تین صفات بیان فرمائی ہیں: (۱) قرآن مجید کی آیات واضح روشن اور مفصل ہیں۔ (۲) اس میں تم سے پہلے لوگوں کی مثالیں ہیں یعنی جس طرح تواریخ اور انجیل میں حدود قائم کرنے کے احکام تھے اسی طرح قرآن میں بھی ہیں۔ (۳) اس میں متقین کے لیے نصیحت ہے ہر چند کہ قرآن مجید کی نصیحت تمام انسانوں کے لیے ہے لیکن چونکہ قرآن کی نصیحت سے صرف متقین ہی فائدہ حاصل کرتے ہیں اس لیے خصوصیت کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا۔

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِثْلُ نُورِ كَمِشْكُوتٍ فِيهَا

اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے ' اس کے نور کی مثال ایسے طاق کی طرح ہے جس میں

مِصْبَاحٌ طَلَبُ مَبَاحٍ فِي زُجَاجَةٍ الزُّجَاجَةُ كَانَتْهَا كَوُكُوبٌ دُرِّيٌّ

چراغ ہو وہ چراغ یک فانوس میں ہو ' وہ فانوس ایک روشن ستارے کی مانند ہو

يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ

وہ چراغ برکت والے زیتون کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے ' وہ (درخت) نہ شرقی ہے نہ مغربی

يَكَادُ نَرِيتُهَا يُضَيُّ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُّورٌ عَلَى نُورٍ

مغرب اس کا تیل خود ہی بجڑ اٹھے گا خواہ اسے آگ نہ چھوئے وہ نور ہلائے نور ہے '

يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ

اللہ جسے چاہے اپنے نور تک ہدایت دیتا ہے اور اللہ لوگوں (کو سمجھانے) کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے

وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝۵۰ فِي بُيُوتٍ إِذْنُ اللَّهِ أَنْ تُرْفَعَ وَ

اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۵۰ جن گھروں کے بلند کیے جانے اور

يَذْكُرُ فِيهَا اسْمُهُ لَا يَسْبِقُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۝۵۱ رِجَالٌ

ان میں اس کے نام کا ذکر کیے جانے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان میں صبح اور شام اس کی تسبیح کرتے ہیں ۵۱ وہ مرد

لَا تَلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ

جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر ' اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے

الزَّكَاةُ ۝ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۝ (۳۵)

غافل نہیں کرتی وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل الٹ پلٹ جائیں گے اور آنکھیں

لِيَجْزِيََهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ

تاکہ اللہ ان کو ان کے بہترین کاموں کی ۱۷۰ دے اور اپنے فضل سے انہیں زیادہ عطا فرمائے اور اللہ جس کو

مَنْ يَشَاءُ يَغْيِرْ حِسَابَ ۝ (۳۸) وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ

جاسے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے اور کافروں کے اعمال ہموار زمین میں چمکتی ہوئی ریت کی

بِقَيْعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَجَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا

خصل ہیں جس کو بھلا دور سے پانی گمان کرتا ہے حتیٰ کہ جب وہ اس کے قریب پہنچتا ہے تو اس کو کچھ بھی نہیں پاتا

وَوَجَدَ اللَّهُ عِنْدَهُ فَوْقَهُ حِسَابَهُ ۗ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ (۴۰)

اور وہ اللہ کو اپنے قریب پاتا ہے جو اس کو اس کا پورا حساب چکا دیتا ہے اور اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے

أَوْ كَظُلُمٍ فِي بَحْرٍ رَّجِيٍّ يَعْشُهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّنْ

یا (ان کے اعمال) گہرے سمندر کی تاریکیوں کی خصل ہیں جن کو موج بالائے موج ڈھانچے ہوئے ہے

فَوْقِهِ سَحَابٌ ۖ ظُلُمْتُ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۖ إِذَا أَخْرَجَ يَدَا

اس کی بعض تاریکیاں بعض سے زیادہ ہیں جب کوئی اپنا ہاتھ نکالے

لَمْ يَكُنْ يَرِيهَا ۖ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ

تو اس کو دیکھ نہ سکے اور جس کے لیے اللہ نور نہ بنائے تو اس کے لیے

مِنْ نُورٍ ۝

کوئی نور نہیں ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایسے طاق کی طرح ہے جس میں چراغ ہو وہ چراغ ایک فانوس میں ہو وہ فانوس ایک روشن ستارے کی مانند ہو وہ چراغ برکت والے زخون کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو وہ (درخت) نہ مشرقی ہے نہ مغربی مگر یہ اس کا تیل خورجی بھڑک اٹھے گا خواہ اسے آگ نہ چھوئے وہ نور ہالائے نور ہے اللہ

جسے چاہے اپنے نور تک ہدایت دیتا ہے اور اللہ لوگوں (کو سمجھانے) کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا والا ہے (انور ۳۵)

نور کا لغوی اور اصطلاحی معنی

امام محمد بن ابوبکر رازی نقلی متوفی ۶۶۰ھ نے لکھا ہے نور کا معنی ہے ضیاء (روشنی)۔

(فی الصحاح ص ۳۹۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۶۴ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد الجرجانی المتوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

نور اس کیفیت کو کہتے ہیں جس کا آنکھیں سب سے پہلے ادراک کرتی ہیں پھر اس کیفیت کے واسطے سے باقی دکھائی دینے والی چیزوں کا ادراک کرتی ہیں۔ (یعنی جو کیفیت خود ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کے لیے مظہر ہو)

(تشریحات ص ۶۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۸ھ)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

نور اس کیفیت کو کہتے ہیں جو سورج، چاند اور چراغ وغیرہ سے زمین اور دیواروں پر فائض ہوتی ہے۔

(تفسیر کبیر ص ۸۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۵۵ھ)

اللہ پر نور کے اطلاق کی توجیہات

امام رازی فرماتے ہیں نور چونکہ ایک کیفیت حادثہ کو کہتے ہیں اس لیے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر محال ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ (الانعام ۱۷۱)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نور مجہول اور مخلوق ہے اور اللہ خالق نور ہے خود نور نہیں ہے کیونکہ نور مخلوق ہے اور چونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر نور کا اطلاق فرمایا ہے اس لیے علماء نے اس میں حسب ذیل توجیہات کی ہیں:

(۱) نور ظہور اور ہدایت کا سبب ہے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے:

أَلَمْ يَكُنْ لَهُ الْبُزْجُ الْأَيْضُ مِنْ أَضْوَائِهِ قَبْلَ أَنْ يَكُونَ الْفَلَاحُ (البقرہ ۲۵۷)

وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا أَتَمًّا مِمَّا فِي يَدَيْهِ مِنْ نُورٍ (البقرہ ۲۵۷)

لَيْسَ بِهَدْيٍ وَلَا مُرْتَابٍ (البقرہ ۲۵۷)

لَيْسَ بِهَدْيٍ وَلَا مُرْتَابٍ (البقرہ ۲۵۷)

جب یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید میں نور کا اطلاق ہدایت پر کیا گیا ہے تو اللہ نور السموات والارض کا معنی ہے یعنی

اللہ آسمانوں اور زمینوں کے نور والا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آسمانوں والوں اور زمینوں والوں کو اللہ تعالیٰ سے ہی ہدایت

حاصل ہوتی ہے یعنی وہی ان کا ہادی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ اپنی حکمت پانچ سے آسمانوں اور زمینوں کا مدبر ہے جیسے بہت بڑے عالم کے لیے کہا جاتا ہے وہ شہر کا نور ہے

کیونکہ وہ شہر والوں کی عمدہ تدبیر کرتا ہے تو وہ ان کے لیے پرنور نور ہوتا ہے جس سے ان کو شہر کے معاملات میں رہنمائی

حاصل ہوتی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا خاتم ہے کیونکہ اس نے انتہائی حسین ترتیب سے ان کا نظام قائم کیا ہوا ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو منور کرنے والا ہے اس کا ایک عمل یہ ہے کہ وہ آسمانوں کو مانگہ سے منور کرتا ہے اور زمین کو انبیاء سے اور اس کا دوسرا عمل یہ ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کو سورج، چاند اور ستاروں سے منور کرتا ہے اور اس کا تیسرا عمل یہ ہے کہ اس نے آسمان کو سورج، چاند اور ستاروں سے حرین کیا ہے اور زمین کو انبیاء اور علماء سے حرین کیا ہے۔ یہ تفسیر حضرت ابی بن کعب، حسن بصری اور ابو العالیہ سے منقول ہے۔

(تفسیر کبرج ص ۸۷، ۸۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۵ھ)

حادیث میں اللہ پر نور کا اطلاق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ تعالیٰ کی ذات پر نور کا اطلاق فرمایا ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں پڑھتے تھے:

اللهم لك الحمد انت نور السموات

والارض.

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۹۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۷۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۱۸، سنن الشیخانی رقم

الحدیث: ۱۶۱۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۵۵)

حضرت ابودریشی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا؟ آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب کو جہاں سے بھی دیکھا وہ نور ہی نور ہے۔

(صحیح مسلم ابی حنبلہ رقم الحدیث: ۶۶۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۷۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۱۸)

حضرت ابودریشی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے نور کو دیکھا۔

(صحیح مسلم ابی حنبلہ رقم الحدیث: ۶۶۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۷۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۱۸)

علامہ قرطبی ماہکی متوفی ۶۶۸ھ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے انبی کتاب پر بھی نور کا اطلاق فرمایا ہے:

وَأَنزَلْنَاكَ بِحُورٍ مِّنْ نَّوْرِ هَدًى ۝ (النور: ۳۵)

اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی نور کا اطلاق فرمایا ہے:

فَدَا جَاءَكَ نُورٌ مِّنْ أَلْوَانٍ مِّنْ شَمْسٍ ۝ (النور: ۳۵)

کتاب (النور: ۳۵)

مشکل الفاظ کے معانی

اس آیت میں فرمایا کہ مشکوۃ فیہا مصباح وہ ایک طاق کی شکل ہے جس میں چراغ ہو۔ مشکوۃ حبشی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی طاق ہے اب سے پچاس ساٹھ سال پہلے تک مکاتوں میں کمرے کی دیوار کے حق اور گہرائی میں محراب نما ایک خانہ یا صلیب بنایا جاتا تھا جس میں استعمال کی اشیاء رکھی جاتی تھیں اس کے دروازے نہیں بنائے جاتے تھے شہروں کی نئی نسل اس سے ناواقف ہے گاؤں اور دیہاتوں میں اب بھی اس طرز کے مکان ہوں گے۔ مصباح کا معنی ہے روشنی کا آئینہ جیسا کہ اس سے ماخوذ ہے اس کا معنی چراغ ہے۔

المصاح فی زجاجة: زجاجة کا معنی ہے شیشے کا قانون، وہ چراغ ایک قانون میں ہے۔

کاتھیا کو کب دہی: گویا کہ وہ ایک چمکتا ہوا روشن ستارہ ہے یعنی وہ چراغ روشن ہونے میں ایک روشن ستارہ کی

طرح ہے۔

ہو قدامن شجرة مباركة زيتونة: دو چراغ برکت والے زیتون کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے۔ زیتون دو درخت ہے جو دنیا میں سے پہلے آگیا گیا اور یہی درخت طوفانِ نوح کے بعد سب سے پہلے آگا۔ یہ انبیاء علیہم السلام کی بحث کے مقامات پر آگیا گیا ہے اور ارض مقدسہ میں اس کے لیے سحر انبیاء علیہم السلام نے برکت کی دعا کی۔

حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زیتون کا تیل کھاؤ اور اس کو جسم پر لگاؤ کیونکہ وہ مہارک و درخت سے نکلتا ہے۔ یہ حدیث صحیح الاسناد سے اور یحییٰ نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث ۱۵۳، المعجم الکبیر ج ۹، رقم الحدیث ۹۹۲، المسند رقم الحدیث ۳۵۵۶، سنن الدارمی رقم الحدیث ۲۰۵۸، شرح الشریعہ)

(رقم الجواز: ۲۸۷۰)

لاشرقية ولا غربيه: وہ (درخت) نہ مشرقی ہے نہ مغربی، یعنی وہ درخت نہ مشرق کے ساتھ متصل ہے کہ اس کو شرقی کہا جائے اور نہ مغرب کے ساتھ متصل ہے کہ اس کو غربی کہا جائے، حسن بصری نے کہا یہ درخت دنیا کے درختوں میں سے نہیں ہے کیونکہ دنیا کا جو بھی درخت ہوگا وہ یا مشرقی ہوگا یا مغربی ہوگا بلکہ یہ جنت کا درخت ہے اور شعبی نے کہا قرآن مجید نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ دنیا کا درخت ہے کیونکہ قرآن مجید نے فرمایا وہ زیتون کا درخت ہے۔ اتن زید نے کہا وہ ملک شام کا درخت ہے کیونکہ شام کے درخت نہ مشرقی ہوتے ہیں نہ مغربی اور شام کے درخت سب سے افضل درخت ہیں کیونکہ وہ برکت والی زمین ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ درخت دوسرے گھنے درختوں کے درمیان ہوتا ہے لہذا اس کو دھوپ نہیں پہنچتی اس لیے فرمایا کہ وہ نہ شرقی ہے نہ مغربی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا یہ درخت بلند پیڑوں اور صحراؤں میں ہوتا ہے۔

آپ پر قرآن نہ بھی نازل ہوتا تب بھی آپ کی نبوت عالم میں آشکارا ہو جاتی

نیز اس آیت میں فرمایا: **مَنْ يَرْجِبْ** اس کا تعلق خودی بجزک اٹھے گا خواہ اسے آگ نہ چھوئے وہ نور ہالائے نور ہے اللہ جسے چاہے اپنے نور تک ہدایت دیتا ہے۔

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

اس آیت میں مشکاکہ سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ ہے اور الزحاجۃ سے مراد آپ کا قلب ہے اور مصباح سے مراد دین کے اصول اور فروع کی وہ معرفت ہے جو آپ کے دل میں ہے اور حجرہ مبارکہ سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں کیونکہ آپ ان کی اولاد سے ہیں اور ان کی ملت کی اتباع کا آپ کو حکم دیا گیا ہے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت میں فرمایا نہ وہ مشرقی ہیں اور نہ مغربی ہیں کیونکہ آپ عیسائیوں کی طرح مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور نہ یہودی کی طرح مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے بلکہ آپ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس چراغ کے تیل کی صفت میں فرمایا وہ عکریب بھڑک اٹھے گا اور روشن ہو جائے گا خواہ اس کو آگ نے نہ چھوا ہو کب احبار نے کہا اس تیل سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہے اور آپ اپنے صفاء جو ہر اور اپنی مقدس ذات میں اس قدر کامل تھے کہ اگر آپ پر روشنی نازل نہ بھی ہوتی جب بھی آپ میں یہی کمالات ہوتے آپ اسی طرح تنگی کی بدولت دیتے اور آپ کی یہی ایک بڑی صفات تھیں اور آپ پر قرآن نہ بھی نازل ہوتا جب بھی آپ کی نبوت لوگوں پر آشکارا ہو جاتی اور

پہ قرآن مجید کا نازل ہونا نور علی نور ہے اور نور بالا ہے نور ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۹۰ مطبوعہ دارالحدیث، انوار الثراث العربیہ، ص ۱۳۱۵ تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۵۹ کتبہ دارالمطبعی، ص ۱۰۱۱۱۱) امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ علامہ قرطبی متوفی ۶۸۸ھ حافظ ابن کثیر متوفی ۷۴۷ھ علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۷۶۹ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اس طرح تفسیر کی ہے۔

(زاد المسیر ج ۶ ص ۲۴۲ الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۳۲ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۲۲ مع العالی ج ۸ ص ۸۳۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن گھروں کے بلند کیے جانے اور ان میں اس کے نام کا ذکر کیے جانے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان میں حج اور شام اس کی تسبیح کی جاتی ہے (الغور: ۳۶)

مساجد کی تعمیر، مساجد میں ذکر اور تسبیح اور مساجد کے آداب کے متعلق احادیث

یہ آیت اس سے پہلی آیت کے ساتھ مربوط ہے اور پہلی آیت میں جس طاق کا ذکر فرمایا ہے کہ اس میں ایک فانوس ہے جس میں ایک روشن چراغ ہے اب یہ فرمایا ہے کہ وہ طاق کہاں ہے وہ طاق ان گھروں میں ہے جن کو بلند کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے جہاں صبح اور شام اللہ کی تسبیح کی جاتی ہے ان گھروں سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور جبوز کے نزدیک ان گھروں سے مراد مساجد ہیں اور مجاہد نے کہا ان گھروں سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے حجرے ہیں اور حسن بصری نے کہا اس سے مراد بیت المقدس ہے۔

(زاد المسیر ج ۶ ص ۲۹۰ مطبوعہ مکتب اسلامی، ص ۱۳۱۱)

اب ہم مساجد کے بلند کیے جانے اور اس میں اللہ کا ذکر کیے جانے کے متعلق چند احادیث پیش کر رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسجد کعبہ کی اشواں کی بنی ہوئی تھی اور اس کی چھت شاخوں کی تھی اور اس کے ستون تنجور کے تھوکے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی عمارت میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ حضرت عمر نے اس میں اضافہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی بنیادوں پر اشواں اور درخت کی شاخوں سے اس کو بنایا اور لکڑی کے ستون لگائے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس میں بہت تبدیلی کی اور اس میں بہت اضافہ کیا اس کی دیواریں نقشین پتھروں اور چونسے بنائیں اور اس کے ستون بھی نقشین پتھروں کے بنائے اور ساگوان کی لکڑی سے اس کی چھت بنائی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۶ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۱ مسند احمد رقم الحدیث: ۶۱۳۰)

عبداللہ الخولانی بیان کرتے ہیں جب لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ کثرت اعتراض کیے کہ آپ نے اتنی بڑی اور حسین و جمیل مسجد کیوں بنائی ہے؟ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے اللہ کی رضا جوئی کے لیے مسجد کو بنایا اللہ جنت میں اس کی مثل اس کا گھر بنا دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھر میں اکیلے نماز پڑھنے اور بازار میں نماز پڑھنے کی بہ نسبت مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اجر چوبیس درجہ زیادہ ہوتا ہے کیونکہ جب تم میں سے کوئی شخص انجھی طرح وضو کر کے مسجد میں آتا ہے اور اس کا ارادہ صرف نماز پڑھنے کا ہوتا ہے تو اس کے ہر قدم پر اللہ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے حتیٰ کہ وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے اور جب وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے تو جتنے وقت وہ نماز کے لیے مسجد میں ٹھہرا رہتا ہے اس کا وہ وقت نماز میں ہی شمار کیا جاتا ہے اور جب تک وہ نماز کی جگہ میں بیٹھا رہتا ہے فرشتے اس

کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں اے اللہ! اس پر رحم فرما جب تک وہ اپنا وضو نہیں توڑتا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۷۷۰، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۶۳۸، مسند احمد، رقم الحدیث: ۳۳۳۳، عالم کتب، بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم جنت کے باغات کے پاس سے گزرو تو ان میں چڑیا کرؤ میں نے پوچھا یا رسول اللہ جنت کے باغات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا مساجد میں نے پوچھا یا رسول اللہ! ان میں چڑیا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۵۰۹، المسند المایع، رقم الحدیث: ۱۳۳۵)

مساجد میں پانچ وقت نماز پڑھی جاتی ہے اور ان نمازوں میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس کی تسبیح پڑھی جاتی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اچانک ایک اعرابی (دیہاتی) آیا اور وہ کھڑا ہو کر مسجد میں پیشاب کرنے لگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اس کو ڈانٹا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا پیشاب منقطع نہ کرو اس کو چھوڑ دو۔ اصحاب نے اس کو چھوڑ دیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلا کر اس سے فرمایا ان مساجد میں پیشاب کرنا اور گند کی ڈالنا جائز نہیں ہے یہ مساجد تو اللہ عزوجل کے ذکر نماز اور قرآن پڑھنے کے لیے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا تو وہ پانی کا ڈول لے کر آیا اور اس میں پیشاب پڑھا دیا۔ (صحیح مسلم، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۸۵، رقم المسلسل: ۶۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بچوں کو پاگھوں کو شریروں کو اپنی خرید و فروخت کو اور اپنے بھگڑوں کو اور اپنی بیلند آوازوں کو اور اپنی حدود کے غاص کو اور اپنی تلواریں کے سوتھے کو اپنی مسجدوں سے دور رکھو اور اپنی مسجدوں کے دروازوں پر وضو کرنے کی ٹوئیاں بٹاؤ اور ان میں گرم پانی ڈالو۔ (یعنی سردیوں میں)

(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۵۰۰، مختلف عبد الرزاق، رقم الحدیث: ۷۶۰، المعجم الکبیر، ج ۳، ص ۳۱۳، المعجم الاثری، ج ۳، ص ۲۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ مرد جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل آٹ پٹ جائیں گے اور آنکھیں ۵ تاکہ اللہ ان کو ان کے بہترین کاموں کی جزا دے اور اپنے فضل سے انہیں زیادہ عطا فرمائے اور اللہ جس کو چاہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے ۵

(النور: ۳۸-۳۷)

ان لوگوں کا مصداق اور اجر جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر اور نماز سے غافل نہیں کرتی

امام عبدالرحمن بن محمد بن ابی یوسف اور یحییٰ بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **وَجَلَّ لَا تَقْبَلُ مِنْكُمْ صَلَاتٌ وَلَا مَبِيتٌ** (النور: ۳۷) کی تفسیر میں فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لیے زمین میں سفر کرتے ہیں۔

(تفسیر ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ۱۳۶۵، سلیم بن عبد الرحمن، رقم الحدیث: ۱۳۷۱)

سالم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بازار میں تھے نماز کی اقامت کہی گئی تو مسلمانوں نے اپنی ڈاکٹیں بند کر دیں اور مسجد میں چلے گئے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا ان ہی لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے: **وَجَلَّ لَا تَقْبَلُ مِنْكُمْ صَلَاتٌ** (تفسیر ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ۱۳۶۵)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اس راستہ پر کھڑے ہو کر چلیں فروخت کرتا تھا اور ہر روز تین سو

وینار لے گا تھا اور ہر روز مسجد میں جا کر نماز پڑھتا تھا لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ یہ (نفل) حلال نہیں ہے لیکن میں یہ چاہتا تھا کہ میں اس آیت میں داخل ہوں وجمال لاتسلہم..... (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ ۱۳۶۹)

مردین وینار بیان کرتے ہیں کہ میں سالم بن عبد اللہ کے ساتھ تھا اور مسجد میں جانے کا ارادہ رکھتے تھے ہم دینے کے بازار سے گزرے مسلمانوں نے اپنا سامان ڈھاپ دیا اور مسجد میں چلے گئے سالم نے ان کے سامان کی طرف دیکھا جس کے پاس کوئی شخص نہیں تھا پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی وجمال لاتسلہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ پھر کہا یہی لوگ اس آیت کے مصداق ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ ۱۳۶۹)

علا بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کے مصداق وہ مسلمان ہیں جن کو اللہ کے حقوق اور اس کے فرائض کی ان کے اوقات میں ادائیگی کو ان کی خرید و فروخت منع نہیں کرتی تھی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ ۱۳۶۹) مکتبہ ناز مظہری مدینہ منورہ (۱۴۱۰ھ) حسن بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی ندا کرے گا مغرب اہل محشر جان لیں گے کہ کون اللہ کے کرم کے زیادہ لائق ہے پھر وہ کہے گا وہ لوگ کہاں ہیں جو اپنے پہلوؤں کو اپنے بسروں سے ڈور رکھتے تھے اور خوف اور مع سے اپنے رب کو پکارتے تھے اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے تھے۔ (المجاد ۱۶) پھر وہ لوگ کھڑے ہوں گے اور لوگوں کی گردنیں پھلاکتے ہوئے آئیں گے منادی پھر کہے گا مغرب اہل محشر جان لیں گے کہ کون کرم کا زیادہ لائق ہے وہ لوگ کہاں ہیں جن کو ان کی تجارت اور ان کی خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی تھی۔ (اعور ۳۷) پھر وہ لوگ کھڑے ہوں گے اور لوگوں کی گردنیں پھلاکتے ہوئے آئیں گے منادی پھر ندا کرے گا مغرب اہل محشر جان لیں گے کہ کون کرم کے کون زیادہ لائق ہے وہ لوگ کہاں ہیں جو ہر حال میں اللہ کی حمد کرتے تھے پھر وہ کھڑے ہوں گے اور پھر جاتی لوگوں سے حساب لینا شروع کر دیا جائے گا۔ (شعب الایمان رقم اللہ ۱۹۳۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ۱۳۸۰ھ)

قیامت کے دن دلوں اور آنکھوں کے اُلٹ پلٹ جانے کا معنی

فرمایا وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اُلٹ پلٹ جائیں گے اور آنکھیں۔

قیامت کے دن کے ہول اور اس کی وحشت سے دل اور آنکھیں اُلٹ پلٹ جائیں گی اس سے مراد کفار کے دل اور ان کی آنکھیں ہیں ان کے دل اپنی جگہ سے نکل کر حق میں آ جائیں گے وہ وہاں اپنی جگہ جائیں گے نہ خلق سے باہر نکل سکیں گے اور آنکھوں کے پلٹنے کا معنی یہ ہے کہ پہلے ان کی سرخیں آنکھیں تھیں اور قیامت کے دن ان کی آنکھیں نیلی ہو جائیں گی۔ ایک قول یہ ہے کہ دلوں کے اُلٹ پلٹ جانے کا معنی یہ ہے کہ نجات کی طبع اور ہلاکت کے خوف سے ان کے دل مضطرب ہوں گے اور آنکھیں مضطرب ہوں گی کہ کس جانب سے ان کے اعمال ٹاٹے دیئے جائیں گے اور کس طرف سے ان سے پوچھ گچھ کی جائے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ دلوں کے اُلٹ پلٹ جانے کا معنی یہ ہے کہ ایک بار آگ ان کو جھلسا دے گی پھر جلادے گی پھر ان کو دوسرے دلوں سے بدل دیا جائے گا اور یہ عمل یونہی ہوتا رہے گا۔

عبادت میں غفلت نہ کرنے والوں کا اجر

اس کے بعد فرمایا تاکہ اللہ ان کو ان کے بھترین کاموں کی جزا دے۔ اس آیت میں نیک کاموں کی جزا کا ذکر فرمایا ہے اور برے کاموں کی سزا کا ذکر نہیں فرمایا حالانکہ قیامت کے دن جزا اور سزا دونوں ہوں گی اس کی دو وجہیں ہیں ایک وجہ یہ ہے تاکہ مسلمانوں کو نیک کاموں کی ترغیب دی جائے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں ان مسلمانوں کا ذکر ہے جو گنہ گبرہ سے اجتناب کریں گے اور ان کے صغیرہ گناہ کبائر سے اجتناب کی وجہ سے معاف کر دیئے جائیں گے۔ نیز فرمایا اللہ اپنے فضل سے

کفار کے اعمال سرب کی طرح دھوکا ہیں یا سمندر کی تاریکی کی طرح بے فیض ہیں

یہ کفار کے اعمال کی دوسری مثال ہے یعنی کفار کے اعمال یا سرب کی طرح ایک دھوکا ہیں یا سمندر کی گہرائی کی تاریکیوں کی مثل ہیں جن میں ہاتھ کو ہاتھ بھائی نہیں دیتا۔ البحر جانی نے کہا پہلی آیت میں کفار کے اعمال کی مثال ہے اور دوسری آیت میں کفار کے عقائد کی مثال ہے۔

اللغة: بہت گہرے پانی کو کہتے ہیں جس کی گہرائی کا اندازہ نہ کیا جاسکے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: اس کی بعض تاریکیاں بعض سے زیادہ ہیں اس سے مراد بادلوں کی تاریکی رات کی تاریکی اور سمندر کی تاریکی ہے جو شخص ان تاریکیوں کے اندر ہو اس کا پتہ نہیں چلی سکتا کہ وہ کون ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بہت زیادہ تاریکی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ تاریکیوں سے مراد کفار کے اعمال ہیں اور سمندر کی گہرائی سے مراد کفار کے قلوب ہیں اور موج بالا نے موج سے مراد وہ جہالت، شکوک اور اندھیرے ہیں جو کفار کے دلوں پر چھائے ہوئے ہیں اور بادلوں سے مراد ان کے دلوں کا رنگ ہے اور وہ سہرے جو ان کے دلوں پر لگا دی گئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر نے بیان کیا کہ جس طرح جو شخص سمندر کے گہرے پانی کے اندھیروں میں ہو اس کو ہاتھ سے ہاتھ بھائی نہیں دیتا اسی طرح کافر اپنے دل سے نور ایمان کا ادراک نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد فرمایا اور جس کے لیے اللہ نور نہ بنائے اس کے لیے کوئی نور نہیں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ جس کے لیے اللہ دین نہ بنائے اس کے لیے کوئی دین نہیں اور جس شخص کے پاس ایسا نور نہ ہو جس سے وہ قیامت کے دن چل سکے تو وہ جنت کی ہدایت نہیں پائے گا۔ انرجان نے کہا یہ آیت دنیا پر محمول ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ دنیا میں ہدایت نہ دے وہ ہدایت نہیں پائے گا۔

مقاتل بن سلیمان نے کہا یہ آیت شیبہ بن ربیعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ زمانہ جاہلیت میں دین کی تلاش میں تھا اور باٹ کے کپڑے پہنتا تھا اس کے باوجود اس نے اسلام کا کفر کیا۔ الماوردی نے کہا یہ آیت شیبہ بن ربیعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ زمانہ جاہلیت میں رہا نہایت کرتا تھا مگر پھر دین کو تلاش کرتا تھا اس کے باوجود اس نے اسلام کا کفر کیا علامہ قرطبی نے کہا یہ دونوں کفر پر مرے ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے یہ دونوں مراد ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن جحش کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ اسلام لائے اور سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر وہ اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی ہو گئے۔

ثعلبی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ نے مجھے نور سے پیدا کیا اور ابوبکر کو میرے نور سے پیدا کیا اور عمر اور عائشہ کو ابوبکر کے نور سے پیدا کیا اور میری امت کے مومن مردوں کو عمر کے نور سے پیدا کیا اور میری امت کی عورتوں کو عائشہ کے نور سے پیدا کیا۔ پس جو شخص مجھ سے محبت نہ کرے اور ابوبکر، عمر اور عائشہ سے محبت نہ کرے اس کے لیے کوئی نور نہیں ہے۔ (المناہج لا حاکم ہاقرآن ج ۲ ص ۶۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکاتبی التتبی ۷۶۳ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس سند سے مروی ہے: مقبری از ابو محضر از اشعث بن جمیل از ابو شعیبہ سوی از احمد بن یوسف السجی از

ابو نعیم نے کہا یہ سند باطل ہے اور ابو محضر اور اشعث لایعین حروک ہیں علامہ ذہبی نے میزان الاحتمال میں لکھا یہ جموٹ ہے ان

تینوں میں سے کسی ایک نے بھی یہ حدیث بیان نہیں کی اور میرے نزدیک یہ آفت لمبی کی طرف سے ہے۔

(تذکرہ الشیخ الحدیث الحدیث ج ۱ ص ۲۷۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کی سند مضبوط ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْخَرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالظُّلُمُ

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے اور صف پہ صف اڑنے والے (برعہ) بے شک

صَفَّتْ طُلُوسُ قَدْعِهِمْ صَلَاتُهُمْ وَسَبِيحُهُ طَائِفُ عَلِيمٍ بِنَا

اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے اور اللہ خوب جانتے والا ہے جو

يَفْعَلُونَ ۝ (۳۱) وَبِاللَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ

بمکہ وہ کرتے ہیں ۝ اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت ہے اور اللہ ہی کی طرف

الْمَصِيرُ ۝ (۳۲) أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ

لوٹتا ہے ۝ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ بادلوں کو چلاتا ہے پھر ان کو (پام) جوڑ دیتا ہے پھر

يَجْعَلُهُ رُكَّامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ وَيُنَزِّلُ مِنْ

ان کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے پھر آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے درمیان سے بارش ہوتی ہے اور اللہ آسمان

السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَ

کی طرف سے پہاڑوں سے اگلے نازل فرماتا ہے سو وہ جس پر چاہے ان بادلوں کو برسا دیتا ہے اور

يَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ يَكَادُ سُنَّابُ رِقِّهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ۝ (۳۳)

جس سے چاہے ان کو پھیر دیتا ہے قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھوں کی پٹیل لے جائے ۝

يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ طَائِفُ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ۝ (۳۴)

اور اللہ دن اور رات کو اول بدل کرتا رہتا ہے بے شک اس میں غور کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے ۝

وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَّاءٍ فَمِنْهُمْ مَنْ يَشْتَبِي عَلَى بَطْنِهِ ۝

اور اللہ نے زمین پر چلنے والے تمام جانداروں کو پانی سے پیدا کیا ہے سو ان میں سے بعض پیٹ کے بل رینگتے ہیں

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِي عَلَى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِي عَلَى أَرْبَعٍ

اور ان میں سے بعض دو پاؤں پر چلتے ہیں اور ان میں سے بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں

يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۵﴾ لَقَدْ

اللہ جو چاہے پیدا فرماتا ہے اور بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۵ ہے شک

أَنْزَلْنَا آيَاتٍ مُّبِينَاتٍ ۖ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ

ہم نے واضح بیان کرنے والی آیتیں نازل فرمائی ہیں اور اللہ جس کو چاہے سیدھے

مُسْتَقِيمٍ ﴿۳۶﴾ وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ

راستے پر لگا دیتا ہے ۶ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی پھر

يَتَوَلَّى فَرِيقٌ قَوْمَهُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۷﴾

اس کے باوجود ان میں سے ایک فریق پیچھے پھیر لیتا ہے اور وہ ایمان لانے والے تھے ہی نہیں ۷

وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ

اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی جاتی ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمادیں تو اس وقت ان میں سے

مُعْرِضُونَ ﴿۳۸﴾ وَإِنْ يَكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿۳۹﴾

ایک فریق امراض کرنے والا ہے ۸ اور اگر ان کے حق میں فیصلہ ہو تو وہ آپ کی طرف فرمایا برواداری کرتے ہوئے چلے آتے ہیں ۹

أَفِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ أَمْ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَنْ يَحْيِفَ اللَّهُ

آپ ان کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے یا وہ شک میں ہیں یا وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول

عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ ۚ بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۴۰﴾

(معاذ اللہ) ان پر ظلم کریں گے بلکہ وہ خود ہی ظلم کرنے والے ہیں ۱۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے اور صف پہ صف اُڑنے والے (پرندے) بے شک اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں۔ ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے اور اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ۱۰ اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹا ہے ۱۰ (انور: ۴۳-۴۱)

اللہ تعالیٰ

”کیا آپ نے نہیں دیکھا!“ اس سے مراد استفہام تقریری ہے

اس سے پہلے آجوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کے قلوب کے انوار اور نگار اور جابلوں کے قلوب کی ظلمات کا بیان فرمایا تھا اور اب ان آجوں میں اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت اور توحید کے دلائل بیان فرما رہا ہے۔ اس آیت کے شروع میں فرمایا کیا آپ نے نہیں دیکھا اس سے مراد ہے کیا آپ کو نہیں معلوم؟ کیونکہ اس کے بعد تمام آسمانوں والوں اور زمینوں والوں اور ہر چہ کو اس آیت شیع کا ذکر فرمایا ہے اور اس شیع کو جانے کا تعلق دیکھنے اور حواس سے نہیں ہے بلکہ عقل اور علم سے ہے اور ہر چہ کو اس آیت میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن اس سے مراد تمام انسان ہیں اور یہ استفہام تقریری ہے اور کیا آپ کو معلوم نہیں اس سے مراد یہ ہے کہ یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے اور صف پہ صف اُڑنے والے (پرندے) اللہ ہی کی شیع کرتے ہیں ہر ایک کو اپنی نماز اور شیع کا علم ہے۔

جانداروں اور بے جانوں کی شیع

شیع سے مراد یہ ہے کہ ہر مخلوق اس پر ولادت کرتی ہے کہ اس کا خالق ہر قسم کے نقص اور عیب سے منزہ اور پاک ہے اور ہر قسم کے حسن اور کمال سے متصف ہے اور یہ ولادت زبان حال سے بھی ہے اور زبانِ قال سے بھی ہے زبان حال نے ولادت اس طرح ہے کہ ہر مخلوق تصویر پذیر ہے اور کسی چیز کا تصویر ہونا اس کے حادث اور ممکن ہونے پر ولادت کرتا ہے اور اس کا حادث اور ممکن ہونا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ان کا موجود اور خالق حدوث اور امکان کے نقص و عیب سے پاک ہے کیونکہ اگر وہ بھی حادث اور ممکن ہوتا تو وہ بھی ان کی محسوس ہونا ان کا خالق نہ ہوتا اس طرح ہر مخلوق زبان حال سے اپنے خالق کی شیع اور حمد کرتی ہے اور فرشتے اور مومنین زبان حال کے علاوہ زبانِ قال سے بھی اللہ تعالیٰ کی شیع اور حمد کرتے ہیں۔

حیوانات کے اور اک پر علم کے اطلاق کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے ہر ایک کو اپنی نماز اور شیع کا علم ہے اس آیت میں علم کا لفظ ہے اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس آیت میں حیوانات کے اور اک پر بھی علم کا اطلاق ہے حالانکہ عرف اور لغت میں حیوانات کے اور اک پر علم کا اطلاق نہیں کیا جاتا اور قرآن مجید لغت عربی میں نازل ہوا ہے اس لیے یہ ظاہر حیوانات کے اور اک پر علم کا اطلاق موجب اشکال ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں مجازات بھی ہیں اور یہاں حیوانات کے اور اک پر علم کا اطلاق مجازاً ہے اس کے علاوہ دیگر جواب یہ ہیں کہ ہر چیز کے صلاۃ اور شیع کا علم تو صرف ذوی العقول کو ہے لیکن ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر قلبہ دے کر سب کے متعلق فرمایا کہ ان کو اپنی صلاۃ اور شیع کا علم ہے۔ لہذا یہ اطلاق باب تعلیب سے ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ کسل قد علم کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے یعنی کسل قد علم اللہ صلحہ وتسمیہ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کی صلاۃ اور شیع کا علم ہے۔ علامہ قرطبی متوفی ۶۹۸ھ نے لکھا کہ یہ جائز ہے کہ اس کا معنی ہو کہ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کی صلاۃ اور شیع کا علم ہے یعنی اس کو ہر نماز کی نماز اور شیع کرنے والے کی شیع کا علم ہے۔ (الطالع: حکام القرآن ج ۳ ص ۲۶۶)

اب ہم علم کی تعریف کرتے ہیں اور اس کی تحقیق کرتے ہیں کہ متکلمین کی اصطلاح میں علم ذوی العقول کے ساتھ مختص ہے اور عرف اور لغت میں حیوانات کے اور اک پر علم کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔

علم کی تعریف

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر رشتہ زانی متوفی ۹۱ھ نے لکھے ہیں:

العلم صفة بتجلی بها المذکور لمن قامت
ہی بہ۔
یعنی وہ چیز ایسی ہو جس کا ذکر کیا جائے اور اس کو تعبیر کیا جائے خواہ وہ چیز موجود ہو یا معدوم ہو یہ تعریف حواس کے

ادراک اور محض کے ادراکات کو شامل ہے۔ خواہ محض کے ادراکات، تصورات ہوں یا تصدیقات ہوں اور تصدیقات خواہ حقیقیہ ہوں یا غیر حقیقیہ ہوں لیکن اس تعریف میں انکشاف کو مکمل انکشاف پر محمول کرنا چاہیے جو محض کو شامل نہیں ہے کیونکہ علم ان کے نزدیک محض کا مقابل ہے اور جب اس تعریف میں انکشاف کو انکشاف تام پر محمول کریں گے تو پھر علم کی تعریف سے تصورات اور محض خارج ہو جائیں گے اور صرف جزم باقی رہے گا۔ (شرح مائتہ منہا ص ۱۸ مطبوعہ کراچی)

تحقیل، تکذیب، شک، وہم اور ظن کی تعریفات

اگر امر واحد یا امور متعددہ کا تصور بغیر نسبت خبریہ کے کیا جائے تو ان کو تصور محض کہتے ہیں اور اگر امور متعددہ کا تصور نسبت خبریہ کے ساتھ کیا جائے اور ذہن اس کی طرف متوجہ نہ ہو تو اس کو تحقیل کہتے ہیں جیسے ہم چلتے پھرتے لوگوں کی باتیں سنیں کہ فلاں آدمی مر گیا جس کو ہم جانتے نہ ہوں اور اگر اس خبر کی طرف ہمارا ذہن متوجہ ہو اور حالت انکاری پیدا ہو تو اس کو تکذیب کہتے ہیں جیسے ہم کسی عیسائی سے سنیں کہ حضرت عیسیٰ (نحوہ پادشہ) خدا کے بیٹے ہیں اور اگر ہم کوئی خبر سنیں اور اس خبر کے اثبات یا نفی میں ہمارا ذہن متروک ہو اور نفی اور اثبات کی دونوں جانبیں مساوی ہوں تو اس کو شک کہتے ہیں جیسے ہمارے کسی عزیز کے متعلق دو آدمی خبر دیں ایک بتائے کہ وہ مر گیا اور دوسرا بتائے کہ وہ نہیں مرا اور دونوں ہمارے نزدیک صادق القول ہوں اور اگر ایک شخص کہے کہ وہ نہیں مرا اور وہ ہمارے نزدیک بہت سچا ہو اور دوسرا شخص کہے کہ وہ مر گیا ہے اور وہ ہمارے نزدیک جھوٹا ہو تو ہمارے نزدیک اس خبر کی رائج جانب یہ ہے کہ وہ نہیں مرا اور مرجوح جانب یہ ہے کہ وہ مر گیا ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس جھوٹے شخص نے اس پار سچ بولا ہو تو اس خبر کی رائج جانب کو ظن کو کہتے ہیں اور مرجوح جانب کو وہم کہتے ہیں اور تحقیل، تکذیب، شک اور وہم یہ سب تصورات ہیں اور ظن تصدیق کی پہلی قسم ہے اور علامہ تھتازانی کے نزدیک یہ سب علم کی تعریف سے خارج ہیں۔

پھر اگر خبر کی مرجوح جانب بھی زائل ہو جائے مثلاً بہت سچے آدمی کہیں کہ وہ شخص نہیں مرا تو پھر اس خبر کو جزم کہتے ہیں۔
تقلید قطعی، جہل مرکب، تقلید مصیب، علم یقین، عین یقین اور حق یقین کی تعریفات

اگر تصدیق اور جزم واضح کے مطابق نہ ہو اور تھکیک مشکک سے زائل ہو جائے تو اس کو تقلید قطعی کہتے ہیں جیسے امام شافعی کے مقلدین کو یہ جزم ہے کہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا لیکن جب ان پر ایسی احادیث پیش کی جائیں جن سے واضح ہو جائے کہ خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو ان کا جزم زائل ہو جائے گا اگر جزم واقع کے غیر مطابق ہو اور تھکیک مشکک یا دلائل سے زائل نہ ہو تو اس کو جہل مرکب کہتے ہیں جیسے ابو جہل کو جزم تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی نہیں ہیں اور قرآن مجید اللہ کا کام نہیں ہے اور پیغمبروں کی معجزات دیکھنے کے باوجود اس کا یہ جہل زائل نہیں ہوا اس کو جہل مرکب اس لیے کہتے ہیں کہ اس شخص میں دو جہالتیں ہیں وہ شخص واقع سے بھی جاہل ہوتا ہے اور اپنی جہالت سے بھی جاہل ہوتا ہے اور جاہل ہونے کے باوجود اپنے آپ کو عالم سمجھتا ہے جہل مرکب کی تعریف اس شعر میں ہے:

ہر آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہل مرکب ابدالہاد و بماند
بر وہ شخص جو کسی چیز کو جانتا نہ ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ وہ اس چیز کو
جانتا ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ جہل مرکب میں رہے گا۔

اگر کسی شخص کا جزم واقع کے مطابق ہو اور تکلیک مفکک سے زائل ہو جائے تو اس کو عقیدہ معصوب کہتے ہیں جسے امام اعظم کے مقلدین کو یہ جزم ہے کہ خون نکلنے سے وضو نوت جاتا ہے اب اگر شافعی عالم اس کے سامنے ایسی احادیث مجیدہ پیش کرے جن سے واضح ہو جائے کہ خون نکلنے سے وضو نہیں نوتا تو اس کا جزم زائل ہو جائے گا اور اگر جزم واقع کے مطابق ہو اور تکلیک مفکک سے زائل نہ ہو تو پھر اس کو یقین کہتے ہیں جسے مسلمان کو جزم ہے کہ اللہ ایک ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے اور آخری نبی ہیں اب اگر کوئی شخص اس کے خلاف لاکھ دلاں پیش کرے لیکن مسلمان کا اس پر جو جزم ہے اور اس کی جو تصدیق ہے وہ زائل نہیں ہوگی۔ پھر اگر یہ یقین کسی خبر حواتر سے سن کر حاصل ہوا ہے تو اس کو علم یقین کہتے ہیں جسے ہمیں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یقین ہے اور اگر مشاہدہ سے وہ یقین حاصل ہو تو اس کو یقین کہتے ہیں جسے صحابہ کرام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یقین تھا اور اگر تجربہ سے یہ یقین حاصل ہو تو اس کو حق یقین کہتے ہیں جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنی نبوت پر یقین تھا۔

اس تعریف کے اعتبار سے عقیدہ عقلی، جہل مرکب، عقیدہ معصوب، علم یقین، یقین اور حق یقین یہ سب تصدیق کی اقسام ہیں اور علم کے افراد ہیں بعض علماء جن کو بھی علم کی تعریف میں شامل کرتے ہیں اس اعتبار سے علم کی سات قسمیں ہیں ورنہ ظن کے بغیر علم کی چھ قسمیں ہیں۔

علم کا ذوی العقول کے ساتھ مختص ہونا اور حیوانات کے اور اک پر علم کا اطلاق نہ کیا جاتا

علامہ تفتازانی نے علم کی تعریف میں "مسن" کا لفظ استعمال کیا ہے اور سن ذوی العقول کے لیے آتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حیوانات کا اور اک ہم نہیں ہے نیز حیوانات صرف حواس سے اور اک کرتے ہیں اور علم عقل سے اور اک کرنے کو کہتے ہیں حواس سے اور اک کرنے کو شعور کہتے ہیں اور عقل سے اور اک کرنے کو علم کہتے ہیں انسان حواس سے جو اور اک کرتا ہے وہ بھی دراصل عقل سے اور اک کرتا ہے اور حواس اس کے آلات ہیں۔

قرآن مجید اور احادیث میں جو حیوانات کے اور اک پر ہم کا اطلاق آیا ہے وہ دراصل اطلاق مجازی ہے مگر اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ علم کا ذوی العقول کے ساتھ مختص ہونا یہ تو آپ کی اصطلاح کے اعتبار سے ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کی اصطلاح کے تابع تو نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید عرب کی لغت اور عرف پر نازل ہوا ہے اور عرب کی لغت اور عرف میں حیوانات کے اور اک پر علم کا اطلاق نہیں ہوتا۔

علامہ شمس الدین احمد بن موسیٰ خیالی متوفی ۸۷۰ھ شرح مفکک کی شرح میں لکھتے ہیں:

فی شمل ادواک الحواس لکن عدہ علما
بمخالف العرف والسخة فان الیہام لیست من
اولی العلم فیہما۔
حواس کے اور اک کو علم میں شامل کرنا عرف اور لغت کے خلاف ہے کیونکہ عرف اور لغت میں حیوانات ذوی العلم میں سے نہیں ہیں۔

(معارف النبی ص ۱۱۱ شرح مفکک ص ۳۰، مطبعہ برقی کسٹرو)

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی متوفی ۱۰۶۷ھ خیالی کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

حیوانات کے اور اک حسی اور غیر حیوانوں (ذوی العقول) کے اور اک حسی میں یہ فرق کرنا ممکن نہیں ہے کہ عقل والوں کے اور اک حسی کو علم کہا جائے اور حیوانات کے اور اک حسی کو علم نہ کہا جائے جیسا کہ علامہ تفتازانی نے علم کی تعریف میں "مسن"

کے لفظ کو لا کر اشارہ کیا ہے کیونکہ یہ محض اصطلاح ہے اور غلط ذوقِ قدیس ہے یہ اعتراض علامہ خیالی نے اپنے مہیہ میں کیا ہے لیکن اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حیوانات سے علم غیر احساسی (یعنی عقل کے ادراک) کی فنی کی گئی ہے اور ہر با علم احساسی تو وہ حیوانات کے لیے ثابت ہے (کیونکہ وہ اپنے حواسِ خمسہ سے ادراک کرتے ہیں) لہذا اگر حیوانات کے لیے علم احساسی کو ثابت کیا جائے تو وہ عرف اور لغت کے خلاف نہیں ہے۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ علم کی تعریف جو حواس کے ادراک کو شامل ہے اس سے مراد ہے عقل کا حواس کے ذریعہ ادراک کرنا نہ کہ نفسِ احساس کیونکہ متکلمین نے تصریح کی ہے کہ مدبر صرف عقل ہے اور عقرب کتاب میں آئے گا کہ حواس تو صرف ادراک کے آلات ہیں اس لیے حیوانات جو حواس کے ذریعہ ادراک کرتے ہیں اس کو علم نہیں کہا جائے گا کیونکہ وہ اپنی عقل سے حواس کے ذریعہ ادراک نہیں کرتے اور عرف اور لغت میں علم ذوی العقول کے ادراک ہی کے ساتھ متعلق ہے۔ (معیارِ مہدائیم علی انبیاء ص ۱۵۴ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ۱۳۹۷ھ)

پرندوں اور حیوانوں کی معرفت اور علم کے شواہد

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پرندوں اور حشرات الارض کو ایسے لطیف اعمال کا الہام کیا ہے جن کو وجود میں لانے اور پروئے کار لانے سے اکثر عقلاء عاجز ہیں اور جب ایسا ہو سکتا ہے تو یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے پرندوں اور حیوانوں کو اپنی معرفت کا الہام کر دیا ہو اور ان کو دعا کرنے، تسبیح پڑھنے اور نماز پڑھنے کا الہام کر دیا ہو یا ان کو ان چیزوں کا علم عطا فرما دیا ہو ہم دیکھتے ہیں کہ کبڑی مختلف جیلوں اور پھانسیوں سے تھکیموں اور چھجروں کو اپنے جالے میں پھنسا لیتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ شہد کی مسمیٰ مسدس شکل میں شہد کا چمٹا بنا لیتی ہے اور اس کو ایسی کاری گری سے بناتی ہے کہ ماہر الجیشتر بھی اس کی صنعت کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں پھر شہد کی تھکیموں کی ایک ٹکڑی ہوتی ہے جو اپنی ریاست کا نظام چلاتی ہے اور تمام کھیاں اس کے احکام کے تابع ہوتی ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ سارس اپنی موافق ہوا اور موسم کو طلب کرنے کے لیے عالم کی ایک طرف سے دوسری طرف پرواز کر جاتا ہے۔ بعض اوقات وہ یورپ کے سرد موسم میں افریقہ کے گرم علاقوں کی طرف پرواز کر جاتا ہے اور یوں وہ اپنے موافق موسم کی تلاش میں ایک براعظم سے دوسرے براعظم کی طرف سفر کرتا ہے اسی طرح جو درندے دوسرے حیوانوں کا شکار کرتے ہیں وہ بھی بہت عیاری سے اپنا شکار حاصل کرتے ہیں۔ ہم جنگلوں میں دیکھتے ہیں کہ بعض پرندے ٹکوں سے اپنے گھونسلے بناتے ہیں وہ گھونسلے کئی کئی منزلوں کے ہوتے ہیں ان میں اوپر نیچے خانے بنے ہوتے ہیں جو کرموں کے قائم مقام ہوتے ہیں وہ ٹکے جن جن کر ان کو موڈ توڑ کر انتہائی پار کی اور فنکاری سے اپنے گھونسلے بناتے ہیں ان کو دیکھ کر بے ساختہ کہتا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پرندوں اور حیوانوں کو ضرور ان کاموں کی معرفت اور عقل عطا فرمائی ہے کیونکہ اگر ان میں ان کاموں کے لیے عقل اور معرفت نہ ہو تو صرف حواسِ خمسہ سے ان کاموں کو انجام نہیں دیا جاسکتا۔

(تخیر کبرج ص ۳۸، ۳۹، ۴۰ ملخصاً موضحاً مطبوعہ دارالمنیہ، التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد نے کہا انسان نماز پڑھتا ہے اور باقی مخلوق تسبیح پڑھتی ہے۔ امام ابن جریر نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہر نمازی کو اپنی نماز کا علم ہے اور ہر تسبیح پڑھنے والے کو اپنی تسبیح کا علم ہے۔ (جامع الترمذی ص ۲۸، ۲۹ مطبوعہ دارالمنیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

قرآن مجید میں ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَمِلُوا صَالِحًا ۚ لِكُلِّ عَمَلٍ أَجْرٌ ۚ (آمل ۱۲)

(سلمان نے کہا) اے لوگو! میں نے رسول کی ہدایت کی ہے۔

اور ہر دہ نے سلمان سے کہا:

إِنِّي وَجَدْتُ أَمْرًا قَدِيمًا وَأَوْفَيْتُ مِنْهُ

میں نے دیکھا ان پر ایک عورت حکومت کر رہی ہے اور

اس کو ہر قسم کی چیزوں سے بچھڑا دیا گیا ہے۔

تَنِي ۚ (آمل ۳۳)

اور جب پرندے باتیں کر سکتے ہیں اور دُور دراز کی خبریں پہنچا سکتے ہیں تو وہ اللہ کی تسبیح بھی کر سکتے ہیں اور نماز بھی پڑھ سکتے ہیں۔

امام ابو القاسم عبد الکریم بن حوازن القسیری التونی ۳۶۵ھ لکھتے ہیں:

تسبیح دو قسم کی ہے ایک تسبیح قول اور نقل کے ساتھ ہے اور دوسری دلائل اور نقل کے ساتھ ہے وہ ہر مخلوق کرتی ہے پھر ایک تسبیح حیوانات کے ساتھ خاص ہے اور ایک تسبیح عقلاء کے ساتھ خاص ہے پھر اس تسبیح کی بھی دو قسمیں ہیں ایک تسبیح بصیرت کے ساتھ ہے اور دوسری تسبیح بغیر عرفان اور بصیرت کے ہوتی ہے اول الذکر مقبول ہے اور ثانی الذکر مردود ہے۔ (لغات الاشارات ج ۳ ص ۲۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

جمادات' نباتات اور حیوانات کے علم پر قرآن مجید سے دلائل

قرآن مجید میں ہے:

وَرَأَى مِنْهَا الْغَمَامَ يَمَظُّ مِنْ حَشِيئَةِ الْغَمَامِ

اور بے شک بعض چتر اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر جاتے

(البقرہ ۷۳) ہیں۔

اس کی تفسیر میں امام حسین بن مسعود الطبرانی الشافعی التونی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حشرات و جمادات کے قبیل سے ہیں جو کسی بات کو سمجھتے نہیں ہیں وہ کیسے ڈریں گے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ ان میں فہم اور ادراک پیدا کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے الہام کرنے سے وہ ڈریں گے اور اہل السموات والجمادات کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقلاء کے علاوہ جمادات اور تمام حیوانات کو بھی علم عطا فرمایا ہے جس علم پر ان کے سوا اور کوئی واقف نہیں ہے لہذا جمادات' نباتات اور حیوانات (اپنے حال کے موافق) نماز بھی پڑھتے ہیں تسبیح بھی پڑھتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے بھی ہیں۔ جیسے اس آیت میں اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

وَرَأَى مِنْهَا الْغَمَامَ يَمَظُّ مِنْ حَشِيئَةِ الْغَمَامِ

ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے۔

(نبی اسرائیل ۳۳)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالْكَافِرُ يَصْعَدُ فِي سَعِيرٍ ۚ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ۚ

اور کافر صاعق میں اُڑے گا اور اس نے اپنے نماز اور تسبیح کا علم حاصل کیا ہے۔

(انور ۳۱)

اور اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

أَلَمْ يَجْعَلْ لِّلنَّاسِ شَرَاءً ۚ لَّنَفْسِهِمْ فِي السَّمَوَاتِ وَمِنَ الْأَرْضِ ۚ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ (نوح ۱۷)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ عزوجل نے ہر ایک کو اپنی نماز سے کھانا خریدا ہے اور زمینوں اور آسمانوں میں ہیں اور سورج اور چاند۔

رہے تھے کہ کے پہاڑوں اور درختوں کے درمیان آپ کسی درخت اور پہاڑ سے نہیں گزرتے تھے مگر وہ کہا تھا سلام ملک
یا رسول اللہ!

(سنن ابی حذیفہ رحمہ اللہ ج ۳ ص ۳۳۲ سنن الدارمی رحمہ اللہ ج ۲ ص ۲۱۰ مسند رک ج ۲ ص ۲۳۰ دلائل الملوۃ قلابی ج ۱ ص ۳۸۹ جمع وصح
الکثیر لابن مساک ج ۳ ص ۳۳۲ رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۱۳۰ مطبوعہ دارالحدیث لاہور طبع ۱۴۱۲ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے تو ستونوں میں سے ایک ستون کے
ساتھ ٹک لگاتے تھے وہ ستون گجور کا تھا جب آپ کے لیے منبر بنایا گیا اور آپ اس پر بیٹھ گئے تو وہ ستون پریشان ہو گیا اور
جس طرح اونٹنی روتی ہے اس طرح رویا حتیٰ کہ اہل مسجد نے اس کی آواز سنی حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے
اور اس ستون کو گنگے لگا لیا پھر وہ پُر سکون ہو گیا۔

(شرح السنۃ رحمہ اللہ ج ۳ ص ۳۶۸ صحیح البخاری رحمہ اللہ ج ۵ ص ۲۵۸۳ سنن ابی حذیفہ رحمہ اللہ ج ۱ ص ۳۹۵ سنن ابن ماجہ رحمہ
اللہ ج ۱ ص ۱۳۱۰ مسند عبد الرزاق رحمہ اللہ ج ۵ ص ۲۵۳ مسند ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۸۵ مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۲۳ صحیح ابن حبان رحمہ
اللہ ج ۱ ص ۶۵۰۸ دلائل الملوۃ قلابی ج ۱ ص ۳۰۳ دلائل الملوۃ قلابی ج ۱ ص ۵۵۶۲۰)

ان تمام احادیث میں چروں و درختوں اور حیوانوں کے بولنے کلام کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض
کرنے کا ثبوت ہے اور جب یہ بول سکتے ہیں اور سلام عرض کر سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح بھی پڑھ سکتے ہیں بلکہ احادیث صحیحہ
میں صراحۃً طعام اور کنکریوں کے تسبیح پڑھنے کا بیان ہے۔

کنکریوں طعام اور پرندوں کی تسبیح کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ہجرات کو برکت شمار کرتے تھے اور ہم ان کو ڈرانے والی اشیاء
خیال کرتے ہو۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے (۶ گاوہ) پانی کم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا (جس قدر
پانی بھی ہے) وہ لے آؤ ہم ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لائے آپ نے اس برتن میں اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا اللہ کی برکت والے
مبارک اور پاک کرنے والے پانی کی طرف آؤ اور بے شک میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی
جاری ہو رہا تھا اور جس وقت کھانا کھایا جاتا تھا تو ہم کھانے کی تسبیح بنا کرتے تھے۔

(صحیح البخاری رحمہ اللہ ج ۵ ص ۲۵۹ سنن الدارمی رحمہ اللہ ج ۲ ص ۲۹۱ مسند ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۵۲ مسند ابی حذیفہ رحمہ اللہ ج ۱ ص ۵۲۴
ص ۳۶۰ رحمہ اللہ ج ۱ ص ۳۹۳ عالم الکتاب دلائل الملوۃ قلابی ج ۱ ص ۳۰۳ دلائل الملوۃ قلابی ج ۱ ص ۶۳)

سویہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو مسجد میں اکیلا بیٹھے ہوئے دیکھا میں نے اس کو
تنبیہت جانا اور ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ میں نے ان کے سامنے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا میں
حضرت عثمان کے متعلق کفر حق کے سوا اور کچھ نہیں کہتا اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اس موقع کی مجلس میں رہتا تھا کہ تنہائی میں رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر کچھ حاصل کروں ایک دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا میں
آپ کے پیچھے گیا آپ ایک جگہ بیٹھ گئے میں بھی آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ آپ نے پوچھا اے ابوذر! تم کس لیے آئے ہو؟
میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کے لیے! پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب بیٹھ
گئے۔ آپ نے پوچھا اے ابو بکر! تم کس لیے آئے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کے لیے! پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ
آئے اور وہ حضرت ابو بکر کی دائیں جانب بیٹھ گئے آپ نے پوچھا اے عمر! تم کس لیے آئے ہو؟ انہوں نے بھی کہا اللہ اور اس

کے رسول کے لیے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے اور وہ حضرت عمر کی دائیں جانب بیٹھ گئے آپ نے پوچھا: اے عثمان! تم کس لیے آئے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کے لیے!

حضرت ابوذر نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات یا نو ننگریاں لیں وہ آپ کے ہاتھ میں بیچ پڑھنے لگیں حتیٰ کہ میں نے شہد کی کھمی کی طرح ان کے بجنھانے کی آواز سنی پھر آپ نے ان ننگریوں کو رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں پھر آپ نے ان ننگریوں کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رکھ دیا تو وہ ان کے ہاتھ میں بیچ پڑھنے لگیں حتیٰ کہ میں نے شہد کی کھمی کی طرح ان کے بجنھانے کی آواز سنی پھر حضرت ابوبکر نے ان ننگریوں کو رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں پھر آپ نے حضرت عمر کے ہاتھ میں ان ننگریوں کو رکھ دیا تو وہ ان کے ہاتھ میں بیچ پڑھنے لگیں حتیٰ کہ میں نے شہد کی کھمی کی طرح ان کے بجنھانے کی آواز سنی پھر حضرت عمر نے ان ننگریوں کو رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں پھر آپ نے ان ننگریوں کو حضرت عثمان کے ہاتھ میں رکھ دیا تو وہ ان کے ہاتھ میں بیچ پڑھنے لگیں حتیٰ کہ میں نے شہد کی کھمی کی طرح ان کے بجنھانے کی آواز سنی انہوں نے پھر ان کو رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں۔

(مسند ابوہریرہ رقم الحدیث: ۲۳۱۳، ۲۳۱۴، ۲۳۱۵، ۲۳۱۶، حافظ البیہقی نے کہا ہے کہ امام بزار نے اس حدیث کو دو سندوں سے روایت کیا ہے ایک سند کے تمام راوی ثقہ ہیں دوسری سند کے بعض راویوں میں ضعف ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۳۱۰۳، ابی داؤد و ترمذی ج ۶ ص ۶۵-۶۳)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

صحیح بخاری میں ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور طعام کی بیچ سنتے تھے۔ (رقم الحدیث: ۵۷۷۹) اس حدیث کا ایک شاہد امام بیہقی نے ذکر کیا ہے۔ (راہل البیہقی ج ۶ ص ۶۵، ۶۳، الشارح ج ۳ ص ۲۳۰، ۲۳۱، دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ) اور قاضی عیاض نے جعفر بن محمد سے روایت کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے تو حضرت جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک حلاق میں انار اور انگور لے کر آئے اور وہ طعام بیچ کر رہا تھا۔ (الشارح ج ۳ ص ۲۳۰) اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ننگریوں نے بیچ پڑھی پھر حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان کے ہاتھ میں ننگریوں نے بیچ پڑھی۔ (مسند ابوہریرہ رقم الحدیث: ۲۳۱۳، ۲۳۱۴، ۲۳۱۵، حافظ البیہقی ج ۶ ص ۶۵)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ہر چند کہ یہ احادیث اخبار احاد ہیں لیکن ان کا مجموعہ قطعیت کا فائدہ دیتا ہے۔ البتہ ننگریوں کی بیچ والی حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (معجم الابدالی ج ۶ ص ۶۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۰ھ) ہم نے حافظ البیہقی متوفی ۸۰۷ھ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ننگریوں کی بیچ والی حدیث کی ایک سند ضعیف ہے اور دوسری سند کے راوی ثقہ ہیں غالباً حافظ ابن حجر نے امام بزار کی ضعیف سند کے اعتبار کی وجہ سے لکھا ہے اور دوسری سند ان کے پیش نظر نہیں تھی۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے ننگریوں اور طعام کی بیچ کی مذکور الصدور احادیث بھی ذکر کی اور ان کے علاوہ مزید احادیث بھی بیان کی ہیں وہ یہ ہیں:

امام ابو نعیم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت موت کے سرداروں کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ان میں اشعث بن قیس بھی تھے انہوں نے کہا ہم نے آپ کے لیے دس میں ایک چھڑ چھپائی ہے بتائیے وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! یہ معاملہ تو کانہوں کے ساتھ کیا جاتا ہے انہوں نے کہا پھر ہم کیسے

لانے کا حکم دیا جب اللہ عزوجل نے ان کی طرف یہ وحی کی کہ آپ کو صرف ایک چوٹی نے کاٹا تھا اور آپ نے اللہ کی تسبیح کرنے والی پوری مخلوق کو ہلاک کر ڈالا (سنن ابی نعیم فی المسائل ص ۷۷۰) (۴۱)

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی علیا سی جب پہنچے ہوئے تھا جس کے ریشمی کف اور ریشمی بنی تھے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا تمہارے پیغمبر کا یہ ارادہ ہے کہ وہ چرواہوں کو سرفراز کرے اور سرداروں کو سرنگوں کرنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے اور اس کا جبہ کھینچتے ہوئے فرمایا کیا میں تجھ کو جانوروں (کی کھال) کا لباس پہنے ہوئے نہیں دیکھ رہا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس آ کر بیٹھ گئے اور فرمایا جب حضرت نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور فرمایا میں تمہیں یہ طور وصیت کے دو چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور دو چیزوں سے منع کرتا ہوں میں تم کو اللہ کا شریک قرار دینے اور تکبر سے منع کرتا ہوں اور تم کو لا الہ الا اللہ پڑھنے کا حکم دیتا ہوں کیونکہ اگر تمام آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان میں ہے ان کو اگر میزان کے ایک پلار سے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلار سے میں لا الہ الا اللہ کو رکھا جائے تو وہ پلار جھک جائے گا اور اگر تمام آسمانوں اور زمینوں کو ایک حلقہ بنا دیا جائے اور ان پر لا الہ الا اللہ کو رکھ دیا جائے تو وہ ان کو پاش پاش کر دے گا اور میرا دوسرا حکم یہ ہے کہ سبحان اللہ و بحمدہ پڑھ کر ڈیڑھ گھنٹہ یہ ہر چیز کی نماز ہے اور اسی کے سبب سے ہر ایک کو رزق دیا جاتا ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۵) شیخ رحمہ اللہ نے کہا اس کی سند صحیح ہے حاشیہ مسند احمد رقم اللہ ۶۵۸۳۱ دارالحدیث تہجد ۵۱۳۵ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۴۸

حسن بھری یہ کہتے تھے کہ جب درخت سرسبز ہوتا ہے تو وہ تسبیح کرتا ہے اور جب وہ کاٹ دیا جاتا ہے اور سوکھ کر گزرتی ہو جاتا ہے تو اس کی تسبیح منقطع ہو جاتی ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ یا مکہ کے کسی باغ سے گزرے آپ نے وہاں دو ایسے انسانوں کی آوازیں سنیں جن کو قبروں میں عذاب ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا ان کو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے اور کسی ایسی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا جس سے بچتا دشوار ہو پھر فرمایا کیوں نہیں! ان میں سے ایک چوٹاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چٹلی کرتا تھا پھر آپ نے درخت کی ایک شاخ منگائی اور اس کے دو ٹکڑے کیے اور ہر قبر پر ایک ٹکڑا رکھ دیا آپ سے عرض کیا گیا آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جب تک شاخیں خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔ (صحیح البخاری رقم اللہ ۲۱۳۰ صحیح مسلم رقم اللہ ۶۹۲۳) (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۳۰ سلوہ دارالمنکر ج ۲ ص ۱۴۱)

علم کی تعریف میں خلاصہ بحث

النور: ۳۱ میں ہے ہر ایک کو اپنی صلاح اور تصحیح کا علم ہے ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ متکلمین اور حکماء کی اصطلاح کے مطابق علم وہی البتول کے ساتھ مختص ہے اور عرف اور لغت میں حیوانات کے اور اک پر علم کا اطلاق نہیں کیا جاتا اور قرآن مجید چونکہ لغت عرب کے موافق نازل ہوا ہے اس لیے اس میں حیوانات کے اور اک پر علم کا اطلاق مجاز ہے اور قرآن مجید کی آیات اور یہ کثرت احادیث سے ثابت ہے کہ بحادات نباتات اور حیوانات تصحیح کرتے ہیں اور ان پر علم کا اطلاق بھی قرآن اور حدیث سے ثابت ہے اس لیے تحقیق یہ ہے کہ جس علم کا مختص سے اور اک ہوتا ہے وہ وہی البتول کے ساتھ مختص ہے اور اللہ تعالیٰ نے بحادات نباتات اور حیوانات میں بغیر مختص کے علم پیدا فرمایا۔ النور: ۳۱ کے علاوہ بحادات نباتات اور حیوانات کے لیے ہم کے

بحث میں یہ احادیث ہیں:

حضرت یحییٰ بن مرہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من شیء الا یعلمہ النبی ورسول اللہ الا کفرۃ
برچر کو یہ علم ہے کہ میں رسول اللہ ہوں صرف سوائے
کافر جن اور انس کے۔
اوفسقة الجن والانس۔

(المکرم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۶۱ انہدایہ النجاشیہ ج ۳ ص ۵۳۲ طبع مدینہ منورہ ج ۱ ص ۱۸۸۰۳ مجمع الزوائد رقم الحدیث ۲۵۵۹ کنز العمال رقم الحدیث ۳۱۹۳۳)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انہ لیس شیء بین السماء والارض الا یعلم
آسمان اور زمین کے درمیان ہر چیز کو یہ علم ہے کہ میں
اللہ کا رسول ہوں سوائے کافر مان جن اور انس کے۔
النبی ورسول اللہ الا عاصی الجن والانس۔

(مسند ابیہ ارقم الحدیث ۲۲۵۴ مجمع الزوائد رقم الحدیث ۱۳۶۶۳)

حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما بینہ لا ینبہا احد الا یعلمہ النبی الا کفرۃ
مدینہ کے دو چتریلے کناروں کے درمیان ہر چیز کو علم
ہے کہ میں نبی ہوں سوائے کافر جنات اور انسانوں کے۔
الجن والانس۔

(اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند کے بعض راوی ضعیف ہیں مجمع الزوائد رقم الحدیث ۱۸۵۴)

خلاصہ یہ ہے کہ ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول قرآن اور سنت میں ہر ایک کے اور اک پر علم کا اطلاق ہے البتہ اصطلاحاً علم ذوی العقول کے ساتھ شخص ہے میرے زمانہ تعلیم میں غالباً ۱۹۶۰ء میں ہمارے دو بزرگوں شیخ الحدیث علامہ سرور احمد صاحب دلائل پوری قدس سرہ اور محدث اعظم حضرت علامہ سید احمد سعید کاشفی ملتان نور اللہ مرقدہ کے درمیان اس میں مباحث ہوئے تھا اذیل الذکر حضرت کا یہ رجحان تھا کہ قرآن مجید اور احادیث میں حیوانات کے اور اک پر علم کا اطلاق ہے اور جانی الذکر کی تحقیق یہ تھی کہ یہ اخلاق مجازی ہے اور حقیقتاً اور اصطلاحاً علم ذوی العقول کے ساتھ شخص ہے۔ میں اس وقت ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا مجھے معلوم نہیں ان حضرات کے کیا دلائل تھے لیکن یہ معلوم تھا کہ اذیل الذکر حضرت صاحب اسی آیت یعنی النور: ۳۱ سے استدلال کرتے تھے اور جانی الذکر بزرگ شرح عقائد میں مذکور علم کی تعریف سے استدلال کرتے تھے اور اس آیت میں علم کے اطلاق کو اخلاق مجازی قرار دیتے تھے اب چونکہ زیر تفسیر یہ آیت آگئی ہے تو میں نے اپنی سادہ کے مطابق علم کی تحقیق کی ہے اگر یہ برحق ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے ورنہ میری عمر کی خطا اور مطالعہ کی کمی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ بادلوں کو چلاتا ہے پھر ان کو (باجم) جوڑ دیتا ہے پھر ان کو تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے پھر آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے درمیان سے بارش ہوتی ہے اور اللہ آسمان کی طرف سے ابلے نازل فرماتا ہے سو وہ جس پر چاہے ان اولوں کو برساتتا ہے اور جس سے چاہے ان اولوں کو بھیج دیتا ہے قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھوں کی چٹائی کو لے جائے اور اللہ دن اور رات کو ابل دہل کرتا رہتا ہے بے شک میں اس غور کرنے والوں کے لیے صحت ہے ۵

(انور: ۳۳-۳۴)

مشکل الفاظ کے معانی

یزجی: کہی چیز کو نرمی اور سہولت سے چلانا اسی سے ماخوذ ہے من جافاں کا معنی ہے قہل حقیر اور بے قدر رج: اسی

سے جو جبل مزجعی بنایا ہوا یعنی حقیر اور بے قدر آدمی۔

ثم یؤلف بینہ ثم یجعلہ دکانا: پھر بعض ہادلوں کو بعض ہادلوں کے ساتھ ملاتا ہے اور ان کے ٹکڑے جوڑ کر ایک ہادل بنادیتا ہے پھر ان ہادلوں کو اوپر تلے دکھ کرتا ہوتا ہے۔

الودقی: ہارش

من عدلہ: خلال غفل کی جمع ہے جیسے جبال غفل کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے ہادلوں کے اوپر تلے جمع ہونے سے ہادل درمیان سے پھٹ جاتے ہیں پھر ان کے ٹکڑوں اور خارج سے ہارش نازل ہوتی ہے۔

ینزل من السماء: اسماء سے مراد ہادل ہیں یعنی ہادلوں سے اگلے نازل ہوتے ہیں اسماء کا معنی ہے بلند چیز ہر وہ چیز جو زم سے بلند ہے وہ اسماء ہے۔

السرد: سرد کا معنی ہے خشک اور اس سے مراد اگلے ہیں مشہور یہ ہے کہ جب بخارات اوپر چلے جاتے ہیں اور حرارت سے تحلیل نہیں ہوتے تو وہ سخت خشک والی ہوا کے طبقہ میں پہنچ جاتے ہیں جہاں پر درجہ حرارت متنی پچاس درجہ سینٹی گریڈ سے بھی زیادہ ہوتا ہے وہاں پر وہ بخارات ٹہر کر ہادل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں پھر اگر وہاں زیادہ خشک نہ ہو تو وہ ہادل قطرہ قطرہ ہو کر گرنے لگتے ہیں اور یوں ہارش ہوتی ہے اور اگر خشک اجزاء بخار یہ کے پہنچ ہونے سے پہلے پہنچ جائے تو پھر برف باری ہو جاتی ہے اور اگر اجزاء بخار یہ کے پہنچ ہونے کے بعد خشک پہنچے تو پھر زلزلہ باری ہوتی ہے اور یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ کے تابع ہیں۔

سنا ہو قد: ہادلوں میں جو بجلی ہوتی ہے اس کی چمک برقی برق کی جمع ہے۔

یصلب بالامصار: بجلی کی چمک کی تیزی سے دیکھنے والوں کی آنکھیں چند حیا جاتی ہیں اور بعض اوقات چمکی زلزلہ ہو جاتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال پر دلیل ہے کہ وہ ایک ضد سے دوسری ضد پیدا کر دیتا ہے اور سخت خشک سے طبقہ میں آگ پیدا کر دیتا ہے۔

یقلب اللہ اللیل والنہار: اللہ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کو لاتا ہے کبھی دن کا کچھ حصہ رات میں داخل کر لیتا ہے اور کبھی رات کا کچھ حصہ دن میں داخل کر دیتا ہے اور کبھی ان کے موسم کو سرد کر دیتا ہے اور کبھی ان کے موسم کو گرم کر دیتا ہے۔

ان فی ذلک لعیبرۃ لا ولی الا مصار: یعنی دن اور رات کے اس توار میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر نشانیاں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کامل ہونے اور ہر چیز کو اس کے علم کے محیط ہونے اور اس کے احکام کے نافذ ہونے اور تمام نظام کائنات کے اس کی قدرت اور مشیت کے تابع ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے زمین پر چلنے والے تمام جانداروں کو پانی سے پیدا کیا ہے سو ان میں سے بعض پیٹ کے میں رہتے ہیں اور ان میں سے بعض دو ٹانگوں پر چلتے ہیں اور ان میں سے بعض چار ٹانگوں پر چلتے ہیں اللہ جو چاہے پیدا فرماتا ہے اور بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۵ بے شک ہم نے واضح بیان کرنے والی آیتیں نازل فرمائی ہیں اور اللہ جس کو چاہے پیدا فرماتا ہے ۵ (انور: ۳۲-۳۵)

لکوعات کے تنوع سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر استدلال

زمین پر چلنے والے جاندار کو اب کہتے ہیں اور عرف میں اس کا استعمال چار ٹانگوں والے جاندار پر ہوتا ہے اس آیت میں

فرمایا ہے: زمین پر چلنے والے تمام جانداروں کو پانی سے پیدا کیا ہے اس سے مراد مخصوص پانی ہے یعنی نطفہ اس میں مخلوق اور جانوروں پر تمام جانوروں کا حکم لگا دیا ہے کیونکہ بعض حیوانات نطفہ سے نہیں پیدا ہوتے جنات اور ملائکہ اس حکم میں داخل نہیں ہیں کیونکہ جنات آگ سے پیدا کیے گئے ہیں اور ملائکہ نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام علی اور پانی سے پیدا کیے گئے حضرت حوا حضرت آدم کی بائیں ہتھیلی سے پیدا کی گئیں اور حضرت یحییٰ علیہ السلام حجر جبریل سے پیدا کیے گئے۔

سوان میں سے بعض پیٹ کے بل رہتے ہیں جیسے سانپ اور حشرات الارض۔

اور ان میں سے بعض دو ٹانگوں پر چلتے ہیں: جیسے انسان اور پرندے۔

اور ان میں سے بعض چار ٹانگوں پر چلتے ہیں: جیسے چمڑے درندے اور چوپائے اور جن کی ٹانگیں چار سے زیادہ ہوتی ہیں جیسے کھڑیاں وہ بھی ان ہی میں مندرج ہیں۔

اللہ جو چاہے پیدا فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے: یعنی اللہ تعالیٰ مختلف صورت اور فعل اور مختلف اعضاء اور حرکات اور افعال اور مختلف خواص کی مخلوقات پیدا فرماتا ہے حالانکہ ان سب کو ایک ہی عنصر سے پیدا فرمایا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور اس کی صفت کے کمال پر دلالت کرتا ہے۔

اور بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے: آسمان اور زمین میں کوئی چیز اس کو عاجز کرنے والی نہیں ہے جو چیز وہ چاہتا ہے وہ ہو جاتی ہے اور جو چیز وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتی۔

اور فرمایا: بے شک ہم نے واضح بیان کرنے والی آیتیں نازل فرمائی ہیں اور اللہ جس کو چاہے سیدھے راستے پر لگا دیتا ہے۔

یعنی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایسی آیتیں نازل فرمائی ہیں جو واضح خالق پر تفصیل اور وضاحت سے دلالت کرتی ہیں جو اس تمام نظام کائنات کو صرف اپنی تدبیر سے چلا رہا ہے ان آیتوں میں دنیا اور دین کی رشد اور طلاع کا وضاحت سے بیان ہے اور ہرے کاموں سے نفس کی آلودگی کی تطہیر کی اور نیک کاموں سے نفس کو حیرن کرنے کی مکمل ہدایت ہے پھر جو شخص نیک اور صلاحیت کو اپناتا ہے اور ایمان اور تقویٰ کے حصول کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں یہ اوصاف پیدا فرمادیتا ہے اور جو برائی کا ارادہ کرتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ برائی پیدا فرمادیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی پھر اس کے باوجود ان میں سے ایک فریق چنیدہ پیچھے رہتا ہے اور وہ ایمان لانے والے تھے ہی نہیں ۵ اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی جاتی ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمادیں تو اس وقت ان میں سے ایک فریق اعراض کرنے والا ہوتا ہے ۵ اور اگر ان کے حق میں فیصلہ ہو تو وہ آپ کی طرف فائز رہا رہی کرتے ہوئے چلے آتے ہیں ۵ آیا ان کے دلوں میں (ظان کی) بیماری ہے یا وہ شک میں ہیں یا وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول (صلاۃ اللہ) ان پر ظلم کریں گے بلکہ وہ خود ہی ظلم کرنے والے ہیں ۵ (النور: ۵۷)

فیصلہ کے لیے قاضی کے بلانے پر جانے کا وجوب

بشر نام کا ایک منافق تھا جس کا ایک یہودی سے زمین کے متعلق جھگڑا تھا۔ یہودی نے کہا چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کر لیں منافق کا موقف باطل تھا اس نے انکار کیا اور کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم پر ظلم کرتے ہیں ہم کعب بن اشرف سے فیصلہ کراتے ہیں اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی ایک قول یہ ہے کہ پیغمبر وین واکل اور حضرت علی بن ابی طالب

ﷺ تعالیٰ ص کے درمیان زمین اور پانی میں تنازع تھا مغیرہ نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ نہیں کراؤں گا
مگر یہ شخص رکھتے ہیں اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور جب ان کا موقف درست اور حق ہو تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
سلم سے فیصلہ کرانے کے لیے آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آ جاتے ہیں کیونکہ ان کو یہ معلوم تھا کہ آپ حق کے مطابق فیصلہ
کراتے ہیں اور فرمایا یہ لوگ ظالم ہیں کیونکہ یہ حق سے اعراض کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جب حاکم کسی شخص کو فیصلہ کرنے کے لیے بلائے تو اس پر واجب ہے کہ وہ حاکم کے پاس
جائے۔

حسن بن ابی الحسن بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کو اس کے فریق مخالف نے کسی مسلمان حاکم کے پاس فیصلہ کرانے کے
لیے بلا دیا اور وہ نہیں گیا تو وہ ظالم ہے اور اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ (المکمل ج ۲ ص ۲۷۳ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۹۸)

(مسلم اشتری ج ۳ ص ۳۳ سلیم ج ۱۳۰ المصالح لا حکم الاقرآن ج ۱۲ ص ۲۷۳ الدر المنثور ج ۶ ص ۱۹۶)

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ

اور جب مومنوں کو بلا دیا جائے تاکہ اللہ اور اس کا رسول ان کے درمیان

بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۵۱﴾

فیصلہ کریں تو ان کو بھی کہنا چاہیے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور وہی لوگ نجات پانے والے ہیں ۵۱

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہتے ہیں تو

هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۵۲﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ

وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ۵۲ اور (محققوں نے) اللہ کی خوب قسمیں کھائی کہ اگر آپ انہیں (جہاد کے لیے) نکلے گا کہ

لَيَخْرُجُنَّ قُلٌّ لَا تُقِيمُوا طَاعَةَ مَعْرُوفَةٍ ۖ إِنَّ اللَّهَ خَيْرٌ بِمَا

دیں تو وہ ضرور نکلیں گے آپ کہیں قسمیں نہ کھاؤ۔ (تہجدی) اطاعت معلوم ہے بے شک تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خبر

تَعْمَلُونَ ﴿۵۳﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا

رکھتے رہو ۵۳ آپ کہیں اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو نہیں اگر تم نے روگردانی کی تو رسول کے ذمہ وہی ہے

فَأَتِمَّا عَلَيْهِ مَا حَبَلَ ۖ وَعَلَيْكُمْ مَا حَبَلْتُمْ ۖ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۚ

پھر تم پر لازم کیا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہی ہے جو تم پر لازم کیا گیا ہے اور اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے

وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۵۳﴾ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا

اور رسول کے ذمہ تو صرف احکام کو صاف صاف پہنچا دینا ہے اور اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان

مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ

لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے کہ وہ ان کو ضرور یہ ضرور زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ

کو خلافت عطا کی تھی اور ضرور یہ ضرور ان کے اس دین کو محکم اور مضبوط کر دے گا جس کو اس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ط يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي

اور ضرور یہ ضرور ان کے خوف کی کیفیت کو اس سے بدل دے گا وہ لوگ جو میری عبادت کرتے ہیں اور میرے ساتھ کسی کو

شَيْئًا ط وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۵۵﴾ وَأَقِيمُوا

شریک نہیں کرتے اور جن لوگوں نے اس کے بعد ناشکری کی تو وہی لوگ فاسق ہیں اور نماز قائم کرو

الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۵۶﴾

اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ ط وَمَا لَهُمْ

کافروں کے متعلق ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ وہ زمین میں ہمیں عاجز کرنے والے ہیں ان کا ٹھکانا

النَّارُ وَلَيْسَ الْبَصِيرُ ﴿۵۷﴾

دوزخ ہے اور بینہ وہ برا ٹھکانا ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب مومنوں کو بلایا جائے تاکہ اللہ اور اس کا رسول ان کے درمیان فیصلہ کریں تو ان کو بھی کہنا

چاہیے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور وہی لوگ غلام پانے والے ہیں اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت

کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہتے ہیں تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں

(اعراف: ۵۱-۵۲)

کتاب سنت اور حکام مسلمین کی اطاعت کی تاکید

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے مہاجرین

سازگی اطاعت کی خبر دی ہے کہ خواہ اللہ کی کتاب میں یا رسول اللہ کی سنت میں ایسا حکم ہو جو طبیعت پر دشوار اور ناگوار ہو تب بھی مومنوں کا یہی کہنا ہوتا ہے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور اگر یہ منافقین بھی شخص مومن ہوتے تو وہ بھی اسی طرح کرتے۔ (الطحاوی لا حکام القرآن ج ۲ ص ۲۷۳)

امام بغوی نے فرمایا یہ آیت بہ طریق خبر نہیں ہے کہ مومن اس طرح کہتے ہیں بلکہ اس آیت میں شریعت نے اس کی تعلیم دی ہے کہ مومنوں کو اس طرح کہنا چاہیے۔ (سالم الخلیل ج ۳ ص ۲۲۲ دارالکتب احمدیہ روت ۱۳۲۰ھ)

امام عبدالرحمن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بدری صحابی تھے اور وہ انصار کے نقباء میں سے ایک تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم سنانے میں کسی طاعت کرنے والے کی طاعت سے نہیں ڈریں گے۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بھانجے جنادہ بن ابی امیہ کو بلایا اور فرمایا کیا میں تم کو اس کی خبر نہ دوں کہ تمہارے کیا فرائض ہیں اور تمہارے کیا حقوق ہیں! انہوں نے کہا کہ بن نہیں! حضرت عبادہ نے فرمایا تم پر امیر کا حکم سنا اور اس کی اطاعت کرنا لازم ہے خواہ تم تنگی میں ہو یا فراخی میں اور خواہ تم خوش ہو یا ناخوش۔ اور خواہ تم کسی کو ترجیح دی جائے۔ اور تم پر لازم ہے کہ تم اپنی زبان کو عدل کے ساتھ قائم رکھو اور تم امیر کی مخالفت نہ کرو سوا اس صورت کے کہ وہ تم کو اللہ تعالیٰ کی کھلی کھلی نافرمانی کا حکم دے۔ اگر وہ تم کو کتاب اللہ کے خلاف کرنے کا حکم دے تو تم کتاب اللہ کی پیروی کرنا اور انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسلام صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے اور خیر صرف جماعت کے ساتھ وابستہ رہنے میں ہے اور خیر خیر صرف اللہ اس کے رسول خلیفہ اور عام مسلمانوں کے لیے ہے اور ہم سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسلام کا دست لا لا اللہ کی شہادت دینا ہے اور نماز کو قائم کرنا ہے اور زکوٰۃ ادا کرنا ہے اور جس شخص کو اللہ نے مسلمانوں کا حاکم بنایا ہے اس کی اطاعت کرنا ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحديث: ۱۲۷۷۵ ج ۸ ص ۲۳۳-۲۳۴ مطبوعہ مکتبۃ زار صلیبی الدار کتبہ کرم ۱۳۷۷ھ)

جوامع الکلم کی مثال

اسلم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ مسجد نبوی میں کھڑے ہوئے تھے کہ روم کا ایک دہقان ان کے پاس آ کر کلمہ شہادت پڑھنے لگا حضرت عمر نے اس سے پوچھا تم یہ کلمہ کیوں پڑھ رہے ہو؟ اس نے کہا میں اللہ کے لیے اسلام لایا ہوں حضرت عمر نے پوچھا آیا اس کا کوئی خاص سبب ہے؟ اس نے کہا ہاں! میں نے تورات انجیل اور دیگر انبیاء کے صحائف پڑھے ہیں میں نے ایک قیدی سے قرآن مجید کی ایک آیت سنی جو تمام کتب مقدسہ کی تعلیمات اور احکام کی جامع ہے تب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا کلام ہے حضرت عمر نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے تو اس نے یہ آیت پڑھی من بقطع اللہ (جس نے فرائض میں اللہ کی اطاعت کی) ورسولہ (اور سنتوں میں اس کے رسول کی اطاعت کی) کو بیخوش اللہ (اور وہ گزری ہوئی عمر کے گناہوں کو یاد کر کے اللہ سے ڈرا) وینصفہ (اور بقدر عمر میں اللہ کی نافرمانی سے بچا) فلاولسک ہم العالون (تو یہی لوگ کامیاب ہیں اور دوزخ سے نجات پائیں گے اور جنت میں داخل کر دیے جائیں گے) حضرت عمر نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے جوامع الکلم (ایسا کلام جس کے الفاظ کم ہوں اور معنی زیادہ ہوں) عطا کیے گئے ہیں۔

(الطحاوی لا حکام القرآن ج ۲ ص ۲۷۳ مطبوعہ دارالکتب احمدیہ روت ۱۳۷۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (منافقوں نے) اللہ کی خوب کئی قسمیں کھائیں کہ اگر آپ انہیں (جہاد کے لیے) لکھتے کہ حکم

دیں گے تو وہ ضرور ظلمیں گے آپ کہیے کہ تم قسمیں نہ کھاؤ (تمہاری اطاعت معلوم ہے بے شک تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے) آپ کہیے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو نہیں اگر تم نے روگردانی کی تو رسول کے ذمہ دہی ہے جو ان پر لازم کیا گیا اور تمہارے ذمہ دہی ہے جو تم پر لازم کیا گیا ہے اور اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے اور رسول کے ذمہ تو احکام کو صاف صاف پہنچا دینا ہے (الفرق: ۵۷-۵۸)

منافقین کی قسموں کا غیر معتبر ہونا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ دو بار منافقین کے ذکر کی طرف متوجہ ہوا کیونکہ جب انہیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منافقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو ناپسند کرتے ہیں اور ناکوار سمجھتے ہیں تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا اللہ کی قسم اگر آپ ہمیں حکم دیں کہ ہم اپنے گھروں سے اور اپنی بیویوں کے پاس سے نکل جائیں تو ہم ضرور اپنے گھروں سے نکل جائیں گے اور اگر آپ ہمیں جہاد کا حکم دیں گے تو ہم جہاد کریں گے۔

آپ کہیے کہ تم قسمیں نہ کھاؤ اس کے بعد فرمایا طاعہ معصوفہ اس کے دو جمل ہیں ایک یہ ہے کہ تمہاری اطاعت تو ہمیں معلوم ہے اور وہ مشہور ہے کہ تم کسی اطاعت کرتے ہو اور اس کا دوسرا جمل یہ ہے کہ جس قسمیں کھانے کے بجائے اخلاص کے ساتھ اطاعت کرنی چاہیے۔ مجاہد نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ تمہاری اطاعت تو معروف ہے اور وہ محض جھوٹ ہے۔ بے شک اللہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے کہ تم زبان سے اطاعت کرنے کی قسمیں کھاتے ہو اور عمل سے اپنی قسموں کی مخالفت کرتے ہو۔

آپ کہیے کہ تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پس اگر تم پھر بھی یعنی اگر تم اللہ اور رسول کی اطاعت سے بھر گئے تو رسول کے ذمہ وہ کام ہیں جن کا ان کو مکلف کیا گیا ہے یعنی انہیں احکام شریعہ کی تبلیغ عام کرنے کا حکم دیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ کام ہیں جن کا تم کو مکلف کیا گیا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو سننا اور ان پر عمل کرنا اور اگر تم نے ان احکام پر عمل کر لیا تو تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے اور رسول پر تو تبلیغ کر کے دین کے احکام کو صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

کتب سابقہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات

امام عبدالرحمن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اور حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وہب بن معین بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے نبی حضرت عیسا علیہ السلام کی طرف وحی کی آپ بنی اسرائیل کے مجمع میں کھڑے ہو کر وعظ کریں میں جو چاہوں گا آپ کی زبان سے نکلے گا پھر آپ سے اللہ تعالیٰ نے یہ کہلویا: اے آسمان سن! اے زمین خاموش رہ! اللہ تعالیٰ ایک امر کی تدبیر کرنے والا ہے جس کو وہ پورا کرنے والا ہے وہ جنگلوں کو آباد کرنا دیرانوں کو بسا دیا صحراؤں کو سرسبز کرنا چاہتا ہے۔ وہ فقیروں کو غنی کر دے گا اور امیروں کو سلطان بنا دے گا ان پر چھ لوگوں میں سے ایک امی کو نبی بنا کر بھیجے گا جو بدگو ہوگا نہ بد اخلاق ہوگا نہ بازاریوں میں شور کرنے والا ہوگا وہ مسکین صفت اور متواضع ہوگا اس کے دامن کی ہوا سے وہ چراغ بھی نہیں بجھ سکے گا جس کے پاس سے وہ گزرے گا اگر وہ سوکے ہاں پر چر رکھ کر چلے تو اس کی چر چرات بھی کسی کے کان میں نہیں پہنچے گی میں اس کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجوں گا اس کی زبان صادق ہوگی اس کے سبب سے اندھی آنکھیں روشن ہو جائیں گی اس کے باعث بہرے کان سننے لگیں گے اس کی برکت سے بند دل کھل جائیں گے اس میں ہر نیک کام سے اس کو ستاروں کا اور ہر طلق کریم سے اس کو سر فراز کروں گا اس کا لباس یکینہ ہوگی نیکی اس کا وسیع ہوگی تقویٰ اس کا مہر ہوگا حکمت اس کی گفتگو ہوگی صدق و وفا اس کی طبیعت ہوگی عفو و درگزر کرنا اور لوگوں کی بھلائی چاہنا

اس کی خصلت ہوگی حق اس کی شریعت ہوگی عدل اس کی سیرت ہوگی ہدایت اس کی امام ہوگی اسلام اس کی ملت ہوگی اس کا نام احمد ہوگا میں اس کے ذریعہ سے تم راہی کے بعد ہدایت پھیلا دوں گا جہالت کے اندھیروں کے بعد ظلم کا نور پھیل جائے گا اس کی وجہ سے پستی کے بعد بلندی ہوگی نقص کمال سے بدل جائے گا فقر تو کھری سے بدل جائے گا اس کی وجہ سے ایک دوسرے سے کئے ہوئے لوگ مل جائیں گے 'فرقت کے بعد آلفت ہوگی انفعال کے بعد اتصال ہوگا اختلاف کے بعد اتفاق ہوگا متفرق دل اور مختلف خواہشیں متحد ہو جائیں گی میں اس کی اُمت کو تمام اُمتوں سے افضل قرار دوں گا جو لوگوں کے لیے نفع بخش ہوگی نیک کام کرنے کا حکم دے گی اور برے کاموں سے روکے گی اس کی اُمت کے لوگ مسعود مومن اور مخلص ہوں گے اللہ کے جتنے رسول اللہ کے پاس سے جو کچھ لائے ہیں وہ ان سب پر ایمان لائیں گے اور کسی کا انکار نہیں کریں گے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۲۶ رقم الحدیث: ۱۳۷۵۸۸ مطبوعہ مکتبہ نزار مصلحی مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۲۲ مطبوعہ دارالمکرمین بیروت ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے کہ وہ ان کو ضرور یہ ضرور زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا کی تھی اور ضرور یہ ضرور ان کے اس دین کو حاکم اور مضبوط کر دے گا جس کو اس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے اور ضرور یہ ضرور ان کے خوف کی کیفیت کو امن سے بدل دے گا وہ لوگ جو میری عبادت کرتے ہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور جن لوگوں نے اس کے بعد ناشکری کی تو وہی لوگ فاسق ہیں ۵۵ (النور: ۵۵)

النور: ۵۵ کا شان نزول

امام عبدالرحمن بن محمد بن اور یس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اس آیت کے شان نزول میں اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سیدی بیان کرتے ہیں کہ جب حدیبیہ میں مشرکین نے مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے منع کر دیا تو اللہ عزوجل نے ان سے وعدہ فرمایا کہ وہ ان کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۷۵۹۰)

ابوالعالیہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں سے خلافت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۷۶۰۰)

مقاتل بن حیان بیان کرتے ہیں کہ بعض مسلمانوں نے کہا اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں کب فتح عطا فرمائے گا اور ہمیں کب زمین میں امن نصیب ہوگا اور ہم سے کب مصائب دور ہوں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اس آیت کے مخاطب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۷۶۰۰)

امام ابوالحسن علی بن احمد النواحدی المتوفی ۳۶۸ھ اس آیت کے شان نزول میں روایت کرتے ہیں:

الربیع بن انس ابوالعالیہ سے روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے بعد دو سال تک آپ خود اور آپ کے اصحاب بھی خوف کی حالت میں رہے کبھی چھپ کر اور کبھی ظاہر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے پھر آپ کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا گیا اور وہاں بھی مسلمان خوف زدہ تھے وہ ہتھیاروں کے پیروں میں صبح اور شام گزارتے تھے پھر آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ ہم پر امن اور سلامتی کا دن کب آئے گا؟ جب ہم اپنے ہتھیار رکھ سکیں گے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو وہ عرصہ کے بعد ہی تم میں سے کوئی شخص اپنی جماعت میں بغیر ہتھیاروں کے ہجرت

پھیلا کر بیٹھ گئے گا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔۔۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرہ عرب پر غلبہ ملانا اور مسلمانوں نے اپنے ہتھیار اُتار دیئے اور امن اور یمن سے رہنے لگے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی روح قبض کر لی پھر مسلمان حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے دور تک امن سے رہے حتیٰ کہ پھر وہ قتلوں میں جھکا ہو گئے اور انہوں نے اللہ کی نعمت کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دشمنوں کا خوف داخل کر دیا۔ انہوں نے اپنے نیک اعمال کو برے اعمال سے بدلاتو اللہ تعالیٰ نے ان کی نعمتوں کو مصائب سے بدل دیا۔

(اسباب نزول القرآن رقم الحدیث: ۶۳۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت حافظہ سیوطی نے اس حدیث کو امام ابن حمید اور امام ابن ابی حاتم کے حوالوں سے ذکر کیا ہے الدر المنثور ج ۶ ص ۱۹۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۳۲ھ) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مدینہ میں آئے اور انصار نے ان کو جگہ دی اور عرب ان پر تیر مارتے تھے اور وہ کوئی رات ہتھیاروں کے بغیر نہیں گزارتے تھے اور ہر صبح ہتھیاروں کے ساتھ کرتے تھے تو انہوں نے کہا کیا ہم کوئی رات امن اور اطمینان سے گزاریں گے جس میں ہمیں اللہ کے سوا اور کسی کا ڈر نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(المائدہ رک ج ۲ ص ۲۸۱ قدیم المصحف رک رقم الحدیث: ۳۵۱۴ حدیث اسباب نزول القرآن رقم الحدیث: ۶۳۷ الدر المنثور ج ۶ ص ۱۹۸) سبھالہام رقم الحدیث: ۳۵۱۴

حک وستی کے بعد مسلمانوں کی خوشحالی

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس ایک شخص نے آ کر فدا کی شکایت کی پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے راستے میں ڈاکوؤں کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا اے عدی! کیا تم نے حیرہ کو دیکھا ہے؟ (حیرہ کو فہ سے تین میل دور ایک شہر ہے جس کو آج کل نجف کہتے ہیں یہ ریاست حیرہ کا پایہ تخت رہا ہے نیز فارس کے ایک گاؤں اور نیشاپور کے ایک محلہ کو بھی حیرہ کہتے ہیں) میں نے کہا میں نے اس کو نہیں دیکھا لیکن میں نے اس کی خبر سنی ہے آپ نے فرمایا اگر تمہاری عمر طویل ہوئی تو تم ایک سفر کرنے والی خاتون کو دیکھو گے وہ حیرہ سے سفر کر کے آئے گی اور کعبہ کا طواف کرے گی اور اسے اللہ کے سوا اور کسی کا خوف نہیں ہوگا میں نے دل میں کہا: پھر قبیلہ طے کے ان ڈاکوؤں کا کیا ہوگا جنہوں نے ہر جگہ نساہ برپا کر رکھا ہے اور فرمایا اگر تمہاری زندگی طویل ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانوں کو فتح کر دو گے میں نے پوچھا کسریٰ بن ہرجز فرمایا! کسریٰ بن ہرجز اور اگر تمہاری زندگی طویل ہوئی تو تم مٹی بھر سوٹا یا جادی لے کر اس حاش میں نکلو گے کہ کوئی اس کو قبول کرے اور تم کو قبول کرنے والا کوئی شخص نہیں ملے گا اور تم میں سے کوئی شخص ضرور اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں نے تمہاری طرف کوئی رسول نہیں بھیجا تھا جس نے تم کو تبلیغ کی تھی؟ وہ شخص کہے گا کیوں نہیں! پھر فرمائے گا کیا میں نے تم کو مال نہیں دیا تھا اور تم کو نصیحت نہیں دی تھی؟ وہ کہے گا کیوں نہیں! پھر وہ اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو اس کو صرف جہنم نظر آئے گا پھر وہ اپنی بائیں جانب دیکھے گا تو اس کو صرف جہنم نظر آئے گا۔ حضرت عدی کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ روزِ آخر کی آگ سے بچو! خواہ کجھور کے ایک کھڑے کو صدقہ کرے اور جس کو کجھور کا ایک ٹکڑا بھی نہ ملے تو وہ کسی سے کوئی اچھی بات کہہ دے اور اس کے ذریعہ روزِ آخر سے بچے۔ حضرت عدی کہتے ہیں کہ پھر میں نے ایک خاتون کو دیکھا جو حیرہ سے سفر کر کے آئی اور اس نے کعبہ کا طواف کیا اور وہ راست میں صرف اللہ سے ڈرتی تھی اور میں ان مسلمانوں میں سے تھا

جنہوں نے کسرتی کے خزانوں کو فتح کیا تھا اور اگر تہارہ زندگی طویل ہوئی تو تم ضرور دیکھو گے کہ تم منجی بھروسہ لے کر نکلو گے اور اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوگا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۹۵ مسند احمد ج ۳ ص ۳۷۷-۳۷۸ صحیح ابن ماجہ ج ۱ ص ۶۶۷-۶۶۸) (ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۳۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۳۳)

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ زمین پر کوئی پتھر اس کا یا مٹی کا مکان باقی نہیں رہے گا اور نہ کوئی خیر رہے گا مگر اللہ اس میں کلمہ اسلام کو داخل کر دے گا کسی غالب کو غلبہ دے کر یا کسی ذلیل کو پست کر کے جو غالب ہوں گے ان کو اہل اسلام سے کر دے گا اور جو کمزور ہوں گے ان کو مسلمان کے تابع کر دے گا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۷۷-۳۷۸)

نواب قزوچی کا آیت استحکاف کو خلفاء راشدین کے ساتھ مخصوص نہ قرار دینا

نواب صدیق بن حسن بن علی قزوچی متوفی ۱۳۷۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام امت کو زمین میں خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت صحابہ کے ساتھ خاص ہے اور اس اختصاص پر کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ ایمان اور اعمال صالحہ کی صفات صحابہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ اس امت کے ہر اس فرد کے لیے اس خلافت کا حصول ممکن ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتا ہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہو اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو مومنین اعمال صالحہ کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ خلفاء بنا دے گا اور وہ زمین میں اس طرح تصرف کریں گے جس طرح بادشاہ اپنی مملکتوں میں تصرف کرتے ہیں اور ان علماء کا قول بہت بعید ہے جنہوں نے کہا یہ آیت خلفاء اربعہ (حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم) یا مہاجرین کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ عموم الفاظ کا اعتبار کیا جاتا ہے اور خصوصیت سبب یا خصوصیت مورد کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ (فتح البیان ج ۳ ص ۶۱۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۸ھ)

بعض آیات میں عموم الفاظ کے بجائے خصوصیت مورد کا اعتبار کیا جاتا

نواب قزوچی کی یہ تفسیر صحیح نہیں ہے ہر چند کہ قاعدہ یہی ہے کہ اگر آیت کے الفاظ میں عموم ہو اور اس کا مورد اور سبب خاص ہو تو الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے اور خصوصیت مورد کا اعتبار نہیں ہوتا لیکن اگر دلائل سے یہ ثابت ہو کہ کسی آیت میں الفاظ کا عموم مراد نہیں ہو سکتا تو مجرور یا خصوصیت مورد اور سبب ہی کا اعتبار کیا جاتا ہے اور سورۃ المنور: ۵۵ کی یہ آیت بھی اسی حرج ہے ہم پہلے اس قاعدہ سے استثناء کی چند نظائر پیش کریں گے اور پھر اس پر دلائل پیش کریں کہ سورۃ المنور: ۵۵ میں عموم الفاظ کا اعتبار نہیں ہو سکتا بلکہ یہاں خصوصیت مورد ہی کا اعتبار ہے اور یہ آیت خلفاء راشدین ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْعَلُونَ بِمَا أَوْفَيْنَاهُمْ أَنْ يَتَّخِذُوا وَيَمُتُّوا
أَنْ يَخْتَفُوا بِمَا لَمْ يُفْعَلُوا وَلَا تَحْسَبَنَّ لَهُمْ سِمْكَاتٍ
فَرًّا الْعَذَابِ ۚ وَهُمْ عَذَابُ الْكَافِرِ (آل عمران: ۷۸)

ان لوگوں کے متعلق گمان نہ کرو جو اپنے کاموں پر خوش ہوتے ہیں اور جو یہ چاہتے ہیں کہ ان کاموں پر ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیے ان کے متعلق یہ گمان مت کرو کہ ان کو عذاب سے نجات ہو جائے گی ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اس آیت کے الفاظ کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر اس شخص کو عذاب ہوگا جو اپنے کیے ہوئے کاموں پر خوش ہوتا ہے اور یہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْبَلُوا عَهْدَ يَدِي إِلَهُ
رَسُولِهِ وَلَا تَقْبَلُوا إِلَهُ إِلَهُ كُفْرَةٍ عَلَيْهِ ۝

(المجادلہ: ۱۰)

ہے۔

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور
اللہ سے ڈرتے رہو۔ جبکہ اللہ بہت سنے والا ہے حد جائے والا

اس آیت کی تفسیر میں نواب قزوی متوفی ۱۳۷۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روزہ رکھنے سے پہلے روزہ نہ رکھو۔
امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگ رمضان سے ایک دن یا دو دن
پہلے روزہ رکھ لیا کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اور اس آیت کا معنی اس طرح ہے جس طرح خازن نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے پہلے کوئی بات
کہو نہ کوئی کام کرو اور علامہ بیضاوی نے کہا اللہ اور رسول کے حکم کرنے سے پہلے کوئی بات چینی طور پر نہ کہو۔

(فتح البیان ج ۱ ص ۳۷۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۰ھ)

اس تفسیر سے واضح ہو گیا کہ اس آیت کا حکم ہمد رسالت کے ساتھ خاص ہے اور الفاظ کا عموم معبر نہیں ہے۔
دوسری مثال یہ آیت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْبَلُوا عَهْدَ يَدِي إِلَهُ
رَسُولِهِ وَلَا تَقْبَلُوا إِلَهُ كُفْرَةٍ عَلَيْهِ ۝

(المجادلہ: ۱۰)

اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور
نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے
سے بات کرتے ہو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں
اور تمہیں پتہ بھی نہ ملے ۝

اس آیت میں بھی الفاظ عام ہیں اور مورد خاص ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرتے وقت آپ کی آواز سے
آواز اونچی ہونا آپ کی حیات مبارکہ میں ہی مشہور ہے۔
نواب قزوی متوفی ۱۳۷۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اپنی آوازوں کو اس حد تک بلند نہ کرو کہ وہ آپ کی آواز سے اونچی ہو جائیں۔

(فتح البیان ج ۱ ص ۳۷۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۰ھ)

المجادلہ: ۵۰۔ اکی آیات اسی نوع کی ہیں ان میں الفاظ کا عموم ہے اور مورد ہمد رسالت کے ساتھ خاص ہے۔
آیت اختلاف کے خلفاء راشدین کے ساتھ مخصوص ہونے پر دلائل

علامہ ابی منت نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی خلافت کے
برحق ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بنایا اور ان کی امانت پر راضی رہا اور وہ اس
دین پر تھے جس سے اللہ تعالیٰ راضی تھا کیونکہ آج تک کوئی شخص فضیلت میں ان سے بڑھ کر نہیں ہے اور نہ کوئی شخص آج تک
فحائل میں ان کے ہم پلہ ہے۔ ان کے خلیفہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شام، عراق، خراسان اور افریقہ کے
شہروں پر اقتدار عطا فرمایا ان کے دور میں اسلام کی تبلیغ اور اشاعت ہوئی اور اسلام جزیرہ عرب سے نکل کر دنیا کے بہت سے
علاقوں میں پھیل گیا۔ انہوں نے اللہ کی حدود کو جاری کیا احکام شریعہ کو نافذ کیا قرآن مجید کو تبلیغ کیا احادیث کو محفوظ اور مدون کیا
حدیث قرآن اور سنت پر عمل کر لیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلافت تیس سال تک رہے گی اس کے بعد ملکیت آ جائے

آباد کرنا ہو تو یہ معنی تو تمام حقوق کے لیے حاصل ہے پھر اس میں مومنین صالحین کی کیا خصوصیت ہے اور ان کو بشارت دینے کی کیا وجہ ہے۔

(۳) اگر یہ مان لیا جائے کہ اس سے مراد زمین میں خلیفہ بنانا ہے تو اس سے یہ کب لازم ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بنانا ہے کیونکہ تمہارا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تھا اور حضرت علی نے فرمایا تھا میں تم کو اس طرح چھوڑ دیتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں چھوڑ دیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحین کے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تھا تاہم آپ نے خلافت کے ایسے اوصاف بیان کر دیئے تھے جو ان پر صادق آتے ہیں اور آپ نے ایسے اشارات کیے جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی خلافت کی تعیین کرتے ہیں۔ مثلاً آپ نے باہر ارادہ پنا کیدایام علالت میں حضرت ابوبکر کو نمازوں کا امام بنانے کا حکم دیا اور ایام علالت میں حضرت ابوبکر نے سترہ نمازیں پڑھائیں اور آپ نے دوبار حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۸۵ سنن بیہقی ج ۳ ص ۸۳) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں کسی کو خلیل بنانا تو ابوبکر کو خلیل بناتا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایام مرض میں مجھ سے فرمایا: میرے لیے اپنے باپ ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلاؤ تاکہ میں ایک مکتوب لکھ دوں کیونکہ مجھے یہ خدشہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے گا اور کہے گا "میں ہی ہوں اور کوئی نہیں ہے" اور اللہ اور مومنین ابوبکر کے غیر کا انکار کر دیں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۷) حضرت جابر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک خاتون آئیں اور آپ سے کچھ دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا پھر آنا میں نے کہا یا رسول اللہ! یہ بتائیں کہ اگر میں آپ کو پھر نہ پاؤں تو؟ اس کا مطلب تھا اگر آپ فوت ہو جائیں تو؟ آپ نے فرمایا پھر تم ابوبکر کے پاس آنا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۵۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۷) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ذات السلاسل کے لشکر کا امیر بنا کر بھیجا میں جب واپس پہنچا تو میں نے پوچھا آپ کو لوگوں میں سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟ فرمایا عائشہ! پوچھا مردوں میں؟ فرمایا اس کا باپ! پوچھا پھر کون ہے؟ فرمایا عمر! پھر آپ نے کئی لوگوں کے نام گونائے تو میں اس خیال سے خاموش رہا کہ شاید میرا نام سب کے آخر میں آئے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۸۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۳) محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (حضرت علی) سے پوچھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ فرمایا ابوبکر میں نے کہا پھر کون ہے؟ فرمایا عمر مجھے خوف ہوا کہ اب آپ حضرت عثمان کا نام لیں گے میں نے کہا پھر آپ ہیں؟ فرمایا میں تو صرف مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں! (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۷۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر چڑھے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان (بھی چڑھے) وہ پہاڑ ان کی وجہ سے چلنے لگا آپ نے اس پر اپنا ہیر مارا اور فرمایا "اے احد ساکن ہو جا" تھہرے صرف ایک ایک نبی ہے ایک صدیقی ہے اور دو شہید ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۸۶)

(۴) یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ اس آیت میں حضرت علی کو خلیفہ بنانے کی بشارت ہو کیونکہ کبھی واحد کو بھی تھکینا مع کے ساتھ تعبیر کر لیا جاتا ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں مومنین صالحین سے حضرت علی مراد ہوں! اس کا جواب یہ ہے کہ معنی کو واحد پر محمول کرنا مجاز اور خلاف اصل ہے۔

(۵) اگر جمع سے واحد سے زیادہ ہی مراد ہوں تو اس سے بارہ امام کیوں نہیں مراد ہو سکتے! اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں سے خطاب ہے جو مہدی رسالت میں موجود تھے اور بارہ امام اس وقت موجود نہ تھے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن سے خلافت کا وعدہ کیا ہے ان کو قوت اور شوکت اور فرمانروائی عطا فرمانے کا بھی وعدہ کیا ہے اور ان بارہ اماموں میں سے آخری دس کو تو بہر حال اپنے اپنے زمانوں میں قوت شوکت اور فرمانروائی حاصل نہ تھی۔ آیت استخلاف سے صرف حضرت علیؑ بارہ امام یا امام مہدی کے مراد نہ ہونے پر دلائل

علامہ سید محمود آلوسی حنفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے بہ کثرت علماء نے خلفاء وار بعد رضی اللہ عنہم کی خلافت کے برحق ہونے پر استدلال کیا ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کو خلافت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے جو آپ کے زمانہ میں موجود تھے اور ان کے دین کو اقتدار عطا کرنے کا اور دشمنوں سے ان کو امن عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کا وعدہ کا پورا نہ ہونا محال ہے اور یہ مجموعہ (خلافت دین کا اقتدار اور دشمنوں سے امن) صرف خلفاء وار بعد کے عہد میں حاصل ہوا ہے۔ سو ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کے خلیفہ بنانے سے برحق خلیفہ تھا اور اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کے زمانہ کے تمام حاضرین کو خلیفہ بنا دیا جاتا بلکہ خلافت ان حاضرین میں منعقد ہوئی تھی (جیسے کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے انکس کو فتح کیا تھا اور مسلمانوں نے تین ہزار غنموں پر حکومت کی تھی) اور مسلمانوں نے انگریزوں سے آزادی حاصل کی تھی) اس لیے اس آیت میں خطاب کا عام ہونا اور امن کا کیا یہ ہونا صرف ان چار کے خلیفہ ہونے کے منافی نہیں ہے اسی طرح حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے زمانوں میں فتنوں اور شرشوں کا برپا ہونا بھی امن کی بشارت کے منافی نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں جس امن کی بشارت دی گئی ہے اس سے مراد دشمنان دین اور کفار سے امن ہے اور حضرت عثمان اور حضرت علی کے زمانوں میں جو فتنے اٹھے تھے وہ مسلمانوں کی بھارت کی وجہ سے تھے وہ محض اندرونی فتنے تھے بیرونی فتنہ نہیں تھا۔

امام رازی اور بعض دیگر علماء اہل سنت نے اس آیت سے شیعہ کے خلاف صرف خلفاء ثلاثہ کی خلافت پر دلیل قائم کی ہے کیونکہ شیعہ ان تینوں کی خلافت کا انکار کرتے ہیں اور انہوں نے اس آیت سے حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت کے برحق ہونے پر استدلال نہیں کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت شیعہ کے نزدیک مسلم ہے اور دونوں فریقوں کے نزدیک حضرت علیؑ کی خلافت کے دلائل بہت زیادہ ہیں اس لیے انہوں نے کہا کہ مہدی رسالت میں مؤمنین صالحین کی جو جماعت حاضر تھی اس سے اللہ تعالیٰ نے خلافت اقتدار اور امن عطا کرنے کا وعدہ فرمایا اور یہ وعدہ صرف ان تین خلفاء کے زمانہ میں پورا ہوا۔ امام مہدی اس آیت کے نزول کے زمانہ میں قطعاً اور بالاجماع موجود نہ تھے اس لیے اس آیت کو ان کے ساتھ وعدہ پر محمول نہیں کیا جاسکتا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر چند کہ اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے لیکن ان کے زمانہ میں دینی اسلام کی نشر و اشاعت کا حد نہیں ہوئی اور اسلامی فتوحات اور دین کو مزید اقتدار حاصل نہیں ہوا بلکہ کتب شیعہ میں یہ تصریح ہے حضرت علیؑ اور ان کے حامی شیعہ اپنے دین کو چھپا کر رکھتے تھے اور یہ طور تہذیبی مخالفین کے دین کو ظاہر کرتے تھے اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کامل امن حاصل نہیں ہوا تھا۔

شام مصر اور مغرب کے مسلمان حضرت علیؑ کی خلافت کا مطلقاً انکار کرتے تھے اور ان کے احکام کو قبول نہیں کرتے تھے اور شیعہ کے ذمہ کے مطابق وہ کافر تھے اور حضرت علیؑ کے لشکر کی اکثریت ان مسلمانوں سے ذریعہ تھی اور ان سے بہت زیادہ جملہ رہتی تھی اس وجہ سے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس آیت کا صدق قرار دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ شیعہ کے اصول کے

مطابق حج کے افراؤ کم از کم تین ہیں اور حج کا واحد ہر اطلاق ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ اس وجہ سے بھی صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس آیت کا مصداق قرار دینا صحیح نہیں ہے اور بارہ اماموں میں سے بقیہ امام بعد میں پیدا ہوئے لہذا وہ اس آیت کی مراد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان کو زمین میں اقتدار حاصل نہیں ہوا تھا نہ ان کے پسندیدہ دین کا رواج ہوا تھا اور نہ ان کو دشمنوں کے خوف اور خطرہ سے امن اور اطمینان حاصل ہوا تھا بلکہ وہ علماء شیعہ کی تصریح کے مطابق دین کے دشمنوں سے خوف زدہ رہتے تھے اور تفریق کرتے تھے اور اس پر شیعہ علماء کا اجماع ہے 'سواس سے لازم آیا کہ خلفاء ثلاثہ ہی اس آیت کے مصداق ہیں۔ لہذا ان کی خلافت برحق ہے اور یہی مطلوب ہے۔ (روح المعانی ج ۱۸ ص ۳۸۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

حضرت علی کی خلافت کا برحق ہونا خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے برحق ہونے پر موقوف ہے

امام رازی اور علامہ آلوسی نے جو آیت اشکاف کی تفسیر کی ہے اس میں لکھا ہے کہ اس آیت سے خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا برحق ہونا ثابت ہے اور صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اس آیت سے ثابت نہیں ہے۔ انہوں نے روایات اور شیعہ کا رد کرنے کے لیے ایسا کہا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے خلفاء ثلاثہ کی خلافت ثابت نہیں ہے صرف حضرت علی بارہ اماموں یا حضرت مہدی کی خلافت ثابت ہے جیسا کہ معتزب کتب شیعہ کے حوالوں سے آئے گا اور اہل سنت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت 'خلفاء ثلاثہ کی خلافت کی فرع ہے اور جب خلفاء ثلاثہ کی خلافت صحیح اور ثابت ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی صحت بھی ثابت ہوگی اس کے لیے الگ دلائل دینے کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ حسب ذیل احادیث اور آثار سے ظاہر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس خلافت کا ان لوگوں سے زیادہ کوئی حق دار نہیں ہے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال کے وقت راضی تھے پھر انہوں نے یہ نام لیے: حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہم۔

(صحیح البخاری لم الجہت: ۶۷۰۰ المجلدات الکبریٰ ج ۳ ص ۲۵ حدیث تاریخ دمشق الکبیر لابن مساکین ج ۳ ص ۱۲۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ)

امام ابن عساکر متحدہ اسانید سے روایت کرتے ہیں کہ دو دن تک اس پر بحث ہوتی رہی لیکن کوئی فیصلہ نہیں ہوا آخر تیسرے دن حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ وصیت کے مطابق خلافت چھ آدمیوں میں دائر ہے لیکن اس کو تین شخصوں تک محدود کر دینا چاہیے اور جو اپنے خیال میں جس کو زیادہ مستحق سمجھتا ہو اس کا نام لے۔ حضرت زبیر نے حضرت علی کا نام لیا حضرت سعد نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کا نام لیا حضرت طلحہ نے حضرت عثمان کا نام لیا حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا میں اپنے حق کو چھوڑتا ہوں اب خلافت صرف دو آدمیوں میں منحصر ہے اور ان دونوں میں سے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور سنت خفین کی پابندی کا عہد کرنے کا اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی اس کے بعد حضرت عبدالرحمن بن عوف نے الگ الگ حضرت عثمان اور حضرت علی سے کہا کہ آپ دونوں اس کا فیصلہ میرے ہاتھ میں دے دیں ان کی رضامندی کے بعد حضرت عبدالرحمن بن عوف اور دیگر صحابہ مسجد میں جمع ہوئے حضرت عبدالرحمن بن عوف نے ایک مؤثر تقریر کے بعد حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کر لی پھر حضرت علی نے بیعت کی پھر تمام مسلمانوں نے حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

(تاریخ دمشق الکبیر لابن مساکین ج ۳ ص ۱۲۸-۱۲۳ ملخصاً دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ المجلدات الکبریٰ ج ۳ ص ۳۶-۳۳ ملخصاً دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

اس حوالے سے واضح ہو گیا کہ تمام صحابہ کا اس پر اجماع تھا کہ حضرت عثمان یا حضرت علیؓ میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنایا جائے اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت کے لیے یمنین ہو گئے اور آپ کی خلافت پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت خلفاء ثلاثہ کی خلافت کی فرع ہے۔ آیت استخلاف سے شیعہ مفسرین کا حضرت علیؓ پر بارہ اماموں اور امام مہدی کی خلافت پر استدلال شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسیؒ (۳۲۰ھ) لکھتے ہیں:

اس آیت میں خلیفہ بنانے سے مراد امارت اور خلافت عطا کرنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد گزرے ہوئے لوگوں کی طرح ان کو زمین میں باقی رکھنا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے:

هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ

وہی ہے جس نے تم کو زمین میں آگاہ کیا۔

(۶۴ فرقہ)

قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُخَلِّفَ مِنْكُمْ وَيُخَلِّفَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ (۱۱۴ فرقہ)

(موسیٰ نے) کہا اللہ بہت جلد تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور ان کی بجائے تم کو اس زمین میں آباد کر دے گا۔

پس اس آیت میں جس استخلاف اور اقتدار عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی حاصل تھا جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے دشمنوں کو ہلاک کر دیا آپ کے پیغام اور آپ کے دین کو غلبہ عطا فرمایا اور اسلام کو پھیلا دیا تو یہ وعدہ پورا ہو گیا اور ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی میں آپ کے دین کو سر بلند نہیں کیا حتیٰ کہ بعد میں آنے والوں نے اس کام کی صفائی کی اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس اقتدار عطا فرمانے کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد ملکوں اور شہروں کو فتح کرنا نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ اللہ کے دین کو ابھی تک غلبہ اور اقتدار حاصل نہیں ہوا کیونکہ بہت سارے ممالک ابھی تک فتح نہیں ہوئے اور کفار کے قبضہ میں ہیں اور اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ (حضرت) معاویہ اور یزید کی امامت بھی برحق ہو اور ان کا اقتدار (حضرت) ابوبکر اور (حضرت) عمر سے زیادہ وسیع ہو کیونکہ انہوں نے ان سے زیادہ ملکوں کو فتح کیا ہے۔

اور اگر ہم یہ مان لیں کہ اس آیت میں استخلاف سے مراد خلیفہ اور امام بنانا ہے تو لازم آئے گا کہ ان کی (حضرت) ابوبکر وغیرہ کی خلافت منصوص ہو جائے کہ ہمارے مخالفین کا مذہب یہ ہے کہ کسی کی خلافت منصوص نہیں ہے اور اگر وہ اس آیت سے ان کی امامت کی صحت پر استدلال کریں تو لازم آئے گا کہ وہ بغیر آیت کے ان کی امامت پر استدلال کریں اور ان کو خلفاء رسول قرار دیں حتیٰ کہ یہ آیت ان کو شامل ہو۔

اگر وہ یہ کہیں کہ مفسرین نے ان کی خلافت کا ذکر کیا ہے تو ہم کہیں گے کہ تمام مفسرین نے اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ مجاہد نے ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اور حضرت ابن عباس وغیرہ نے بھی تقریباً یہی کہا ہے۔

اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد مہدی علیہ السلام ہیں کیونکہ وہ ذر اور خوف کے بعد ظاہر ہوں گے اور مغلوب ہونے کے بعد غائب ہوں گے۔ لہذا اہل سنت کی تفسیر کے مطابق اس پر اجماع نہ ہوا ہم کسی ایک تفسیر پر مطمئن نہیں کر رہے ہمارے مراد یہ ہے کہ اس آیت میں خلافت اور امامت پر دلالت نہیں ہے اور اگر ایسا ہوتا تو اس کے اختیار کرنے پر وہاں کی ضرورت نہ پڑتی اور پھر خلفاء ثلاثہ کی خلافت منصوص ہوتی اور یہ اکثر خلفاء کا مذہب نہیں ہے۔

(تہذیب فی تفسیر القرآن ج ۷ ص ۳۵۷-۳۵۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

شیخ ابوعلی الفضل بن الحسن طبرسی المتوفی فی القرن السادس (۶۰۰ھ) لکھتے ہیں:

انصاری نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت علی بن الحسین علیہ السلام نے اس آیت کو پڑھا اور فرمایا اللہ کی قسم اس سے مراد ہمارے شیعہ اہل بیت ہیں ہم میں سے ایک شخص کو اللہ تعالیٰ یہ خلافت دے گا اور وہ اس اُمت کے مہدی ہیں جن کے حقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر دنیا کی بقاء میں سے صرف ایک دن رہ جائے تو اللہ اس دن کو طویل کر دے گا حتیٰ کہ میری اولاد سے ایک شخص والی ہوگا اور وہ اس دنیا کو عدل اور انصاف سے بھر دے گا جیسا کہ پہلے یہ دنیا ظلم اور انصافی سے بھری ہوئی تھی اور ابو جعفر عبد اللہ علیہ السلام سے بھی اسی کی مثل مروی ہے لہذا اس آیت میں مومنین صالحین سے مراد نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے اہل بیت صلوات اللہ علیہم ہیں اور یہ آیت ان کے لیے خلافت شہروں پر اقتدار اور مہدی کی آمد کے وقت ان سے خوف کے زائل ہونے کی بشارت کو مختص ہے اور اس خلافت سے مراد یہ ہے کہ جس طرح حضرت آدمؑ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو خلیفہ بنایا گیا تھا اسی طرح ان کو خلیفہ بنایا جائے گا اس پر عزت طاہرہ کا اجماع ہے اور ان کا اجماع حجت ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں تم میں مخلصین (دو ذریعہ چیزیں) چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک کتاب اللہ اور دوسری میری عزت میری اہل بیت۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوں گی حتیٰ کہ میرے پاس وحش پر آئیں گی۔ نیز زمین پر اقتدار عطا کرنے کو کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں فرمایا۔ ماضی میں اہل بیت کو یہ اقتدار حاصل نہیں ہوا سو اس اقتدار کا انتظار ہے کیونکہ اللہ عز و ہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (مجمع البیان ج ۷ ص ۲۳۰ مطبوعہ دارالمرکز بیروت ۱۴۰۶ھ)

سید محمد حسین الطباطبائی لکھتے ہیں:

اس آیت میں جس خلافت زمین پر اقتدار اور خوف کے بعد امن کی بشارت دی گئی ہے وہ ابھی تک حاصل نہیں ہوئی وہ اس وقت حاصل ہوگی جب حضرت مہدی کا ظہور ہوگا اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر اس آیت کی کیا توجیہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وعدہ مستقبل میں ضرور پورا ہوگا ہر چند کہ ابھی تک پورا نہیں اور اس کی نظیر یہ آیات ہیں:

فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرِ لَئِنْ سَأَلْتُمْ لَيَنْصُرَنَّكُمْ ۖ

پھر جب دوسرے وعدہ کا وقت آیا (تو ہم نے دوسرے لوگوں کو بھیج دیا) تاکہ وہ تمہارے پھر سے بگاڑ دیں۔

کیونکہ جن یہودیوں سے وعدہ کیا گیا تھا وہ اس وعدہ کے پورے ہونے کے وقت تک زندہ نہیں رہے تھے اسی طرح اس آیت میں جن مومنین صالحین سے خلافت عطا کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے وہ بھی اس وقت تک زندہ نہیں رہیں گے جب حضرت مہدی کا ظہور ہوگا اور ان کو خلافت زمین پر اقتدار اور خوف کے بعد امن عطا کرے گا اس وعدہ کو پورا کیا جائے گا۔

اسی طرح ذوالقرنین نے دیوار بنانے کے بعد کہا:

قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِنْ رَبِّي ۚ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي ۖ جَعَلَهُ دَكَّاءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ۝

ہے! پس جب میرے رب کا وعدہ پورا ہوگا تو وہ اس کو زمیں پس کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ میری حق ہے۔

(القصص: ۲۸)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قیامت کے وقوع کے حقیق وعدہ فرمایا:

لَنُكَفِّرَنَّ عَنْ ذُنُوبِهِمْ وَلَنُنْزِلَنَّ لَهُمْ تَائِيَاتٍ ثِقَالًا ۖ

وہ آسمانوں اور زمینوں میں بڑا بھاری حادثہ ہے وہ تمہارے پاس صرف اچانک ہی آئے گی۔

(الاعراف: ۱۸)

اس طرح اللہ تعالیٰ نے مومنین صالحین سے ایک وعدہ فرمایا جس کو اس آیت کے زمانہ نزول نے نہیں پایا اور غالب حکمہ مومنین صالحین کی کسی جماعت نے اس وعدہ کو پایا ہے اور اسی میں کوئی حرج نہیں ہے اور حق یہ ہے کہ وعدہ اسی زمانہ کے مومنین کی جماعت میں پورا ہوگا جب امام مہدی کا ظہور ہوگا (ای ان قال) اور رہا یہ کہ اس آیت کو خلفاء راشدین یا خلفاء عظام یا خصوصاً حضرت علی علیہ السلام پر منطبق کیا جائے تو اس کی کوئی تکمیل نہیں ہے۔

(المحرر ان فی تفسیر القرآن ج ۵ ص ۷۷-۷۸ مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ طبع ۱۳۹۷ھ)

شیعہ علماء کی بیسوط اور مؤخر تفسیر میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

اس آیت کے مصداق میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے:

(۱) بعض نے کہا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن صحابہ نے زمین میں اقتدار حاصل کیا تھا یہ آیت ان کے متعلق ہے۔

(۲) بعض نے کہا اس میں پہلے چار خلفاء کی حکومت کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) ایک جماعت نے کہا اس میں مہدی علیہ السلام کی حکومت کی طرف اشارہ ہے جن کی حکومت میں تمام مشرق و مغرب ان کے قبضہ کے کیے ہوں گے۔

(۴) اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے تمام مسلمان اس آیت میں شامل ہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مہدی علیہ السلام جن کے متعلق شیعہ اور سنی متفق ہیں کہ وہ تمام دنیا کو عدل اور انصاف سے بھر دیں گے جبکہ وہ پہلے ظلم اور نا انصافی سے بھری ہوگی وہ اس آیت کے مصداق کامل ہیں۔ (تفسیر نمونہ ج ۳ ص ۵۳ مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران ۱۳۹۶ھ)

علماء شیعہ کی تفسیروں پر مصنف کا تبصرہ

شیخ الاسلام آقا محمد باقر نے اس پر زور دیا ہے کہ اس آیت میں خلیفہ بنانے سے مراد ایک قوم کے بعد دوسری قوم کو آباد کرنا ہے لیکن اگر یہی معنی مراد ہو تو پھر اس میں مومنین صالحین کی کیا خصوصیت رہ جاتی ہے کیونکہ کافروں کی بھی ایک قوم کے بعد دوسری قوم کو زمین میں آباد کیا گیا۔ نیز اس آیت کو مومنین صالحین کے لیے انعام اور بشارت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے اور محض زمین پر آباد کرنے میں ان کے لیے کیا انعام اور کیا بشارت ہے ان کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت سے خلفاء عظام کو مراد لینے پر تمام صحابہ کا اجماع نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا اس آیت سے مراد تمام امت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر صحابہ اور اکثر مفسرین کا یہی عقیدہ ہے کہ اس آیت کا مصداق خلفاء عظام ہیں اور حضرت ابن عباس اور مجاہد کا اختلاف ہمیں مضرت نہیں ہے کیونکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ تمام صحابہ اور تمام مفسرین کسی ایک تفسیر پر متفق ہوں۔

شیخ طبری اور شیخ طہطاوی نے اس پر زور دیا ہے کہ اس آیت کا مصداق امام مہدی ہیں۔ ان کا یہ دعویٰ دو وجہ سے غلط ہے ایک اس وجہ سے کہ اس آیت میں خلافت زمین پر اقتدار اور امن عطا کرنے کا وعدہ ان مومنین صالحین سے کیا گیا ہے جو عہد رسالت میں حاضر اور موجود تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

اور اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے۔

اور امام مہدی تو ابھی تک پیدا بھی نہیں ہوئے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ مومنوں کی جماعت سے کیا ہے اور خلفاء عظام پر جمع کا اطلاق صحیح ہے اور امام مہدی ایک فرد ہیں ان پر جمع کا اطلاق صحیح نہیں ہے۔

تفسیر مؤمنہ میں امام مہدی کو قطعی طور پر اس آیت کا مصداق قرار نہیں دیا۔ بہر حال اس آیت سے امام مہدی کو مراد لینے کا وہی جواب ہے جو ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں۔ نیز تفسیر مؤمنہ میں اس قول کو بھی برقرار رکھا ہے کہ اس آیت سے چار خلفاء کی طرف اشارہ ہے۔

اس اُمت کی پہلی اجتماعی ناشکری قتل عثمان ہے

اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جن لوگوں نے اس کے بعد ناشکری کی تو وہی لوگ فاسق ہیں۔ امام الحسین بن مسعود (الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۱۶ھ) لکھتے ہیں:

ومن كففر بعد ذلك في كفره من كفر عن كفران نعت به اور اس سے کفر یا کفر مراد نہیں ہے اور فاسقوں سے مراد اللہ کی نافرمانی کرنے والے ہیں۔ مفسرین نے کہا ہے کہ سب سے پہلے جنہوں نے اس نعت کا کفر کیا وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا جب انہوں نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جو اس کی نعت عطا کی تھی وہ واپس لے لی اور ان پر خوف مسلط کر دیا حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے اور خون ریزی میں مشغول ہو گئے۔ حاکمندانہ سے پہلے وہ بھائی بھائی تھے۔ (معالم اتریل ج ۳ ص ۲۷۷ مطبوعہ دارالحدیث مصر) (۱۳۳۶ھ)

حمید بن بلال کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تھے اس وقت سے آج تک فرشتے تمہارے مدینہ کا احاطہ کیے ہوئے ہیں جس اللہ کی قسم اگر تم نے عثمان کو قتل کر دیا تو وہ فرشتے لوٹ جائیں گے اور پھر کبھی نہیں آئیں گے۔ پس اللہ کی قسم تم میں سے جو شخص بھی ان کو قتل کرے گا وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا ہاتھ سوکھا ہوا (مثل مفلوج) ہوگا۔ بے شک اللہ کی قسم تم سے اب تک میان میں رکھی ہوئی ہے اور اللہ کی قسم اگر تم نے ان کو قتل کر دیا تو اللہ اپنی کموار کو میان سے نکال لے گا پھر کبھی اس کو میان میں نہیں رکھے گا یا کیا قیامت تک میان میں نہیں رکھے گا اور جب بھی کسی طیف کو قتل کیا گیا تو اس کے بدلہ ۳۵ ہزار نفوس قتل کیے گئے۔ (اس کی سند ضعیف ہے)

(معتمد مہدراز قلم اللہ ص ۶۹۳ مطبوعہ دارالحدیث مصر) (۱۳۳۹ھ) (دارالکتب العلمیہ بیروت معالم اتریل رقم الحدیث ۵۱۳۵۱ دارالحدیث اترات مصری بیروت ۱۳۳۶ھ)

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج کے بعد کسی کو پانچ سو قتل نہیں کیا جائے گا۔ ماسوا قاتل عثمان کے۔ تم اس کو قتل کر دو گے اگر تم نے اس کو ذبح نہیں کیا تو تم کو تکریوں کی طرح ذبح کیے جانے کی بشارت ہو۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۳ ص ۶۹۳ مطبوعہ دارالحدیث اترات مصری بیروت ۱۳۳۶ھ) (الکمال لابن ہدی ج ۷ ص ۵۴۳ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۸ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ کی کموار اس وقت تک میان میں رہے گی جب تک کہ عثمان زندہ رہیں گے اور جب عثمان کو قتل کر دیا جائے گا تو وہ کموار میان سے باہر نکل آئے گی پھر قیامت تک وہ کموار میان میں داخل نہیں ہوگی۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۳ ص ۶۹۳ مطبوعہ دارالحدیث اترات مصری بیروت ۱۳۳۶ھ) (کنز العمال قلم اللہ ص ۳۲۹۶)

حافظ امیولی ستونی ۹۱۱ھ نے لکھا ہے اس حدیث کی سند موضوع ہے اس کی آفت مروی نہ قائم ہے اور اس کا شیخ ابن عدی بھی کذاب ہے حافظ ذہبی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی نکارت ظاہر ہے۔ (میزان الاحوال رقم ۶۳۲۱)
(۱۵۱) ابی اسود ج ۳ ص ۲۹۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۵ھ

حکمران دنیاوی امور کے منتظم ہیں اور علماء دینی امور کے

امام ابو القاسم عبدالکریم بن حوازن البخیری نیشاپوری ستونی ۳۶۵ھ لکھتے ہیں:

اللہ کا وعدہ ہر حق ہے اور اس کا کلام صادق ہے اور یہ آیت خلفاء اربعہ کی خلافت کی صحت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ ان کے دور سے لے کر آج تک کوئی شخص ان سے زیادہ افضل نہیں ہے۔ ان کی امامت قطعی ہے ان کا دین اللہ کی طرف سے پسندیدہ ہے ان کو خوف کے بعد امن حاصل ہوا۔ انہوں نے مسلمانوں کے داخلی اور خارجی معاملات کو محمدی کے ساتھ طے کیا اور اسلام کا دفاع کیا۔

اس آیت میں ان احمد دین کی طرف اشارہ ہے جو اربکان ملت ہیں اسلام کے ستون ہیں اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں کیونکہ مسلمانوں کے معاملات میں ظالم حاکموں کی وجہ سے فساد آیا تھا جن کا نصب الامن صرف دنیاوی اقتدار تھا رہے دین کی حفاظت کرنے والے تو وہ احمد دین اور علماء ہیں اور ان کی حسب ذیل اقسام ہیں:

- (۱) علماء کا ایک گروہ وہ ہے جنہوں نے قرآن مجید کو حفظ کیا اور اس کی اشاعت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آثار کو محفوظ اور بدون کیا یہ علماء پر منزلہ خزانہ ہیں۔
 - (۲) علماء کا دوسرا گروہ وہ ہے جنہوں نے اصولی دین اور عقائد کی حفاظت کی اور بدعتیہ معاندین اور اہل بدعت کا قرآن و سنت کے واضح دلائل سے رد کیا یہ علماء اسلام کے بہادر مجاہد ہیں۔
 - (۳) علماء کا تیسرا گروہ وہ فقہاء اور مجتہدین ہیں جو پیش آمدہ دینی مسائل اور معاملات میں عموم کی رہنمائی کرتے ہیں اور کتاب و سنت اور اقوال مجتہدین سے فتاویٰ جاری کرتے ہیں۔ یہ علماء ملک کی قوت نافذہ کے قائم مقام ہیں اور اس دور کی اصطلاح کے مطابق حسب مراتب رجوں کے عہدوں پر فائز ہیں۔
 - (۴) علماء کا چوتھا گروہ وہ ہے جو لوگوں کو بہت کرتے ہیں ان کو گناہوں سے توبہ کراتے ہیں ان کو نیک اعمال کی تلقین کرتے ہیں ان کو اور اور دلائل کی تعلیم دیتے ہیں ان کے دلوں سے معصیت کا زنگ اور میل کیل آتار کر ان کا باطن صاف کرتے ہیں اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں ان کے دلوں میں اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اور محبت کے چراغ روشن کرتے ہیں۔ یہ بادشاہ کے خواص اور مجلس سلطان کے مقررین کے منزلہ میں ہیں۔
- اس سے معلوم ہوا کہ سلاطین اور حکمران مسلمانوں کے دنیاوی امور کے منتظم ہوتے ہیں اور علماء مسلمانوں کے دینی امور کے منتظم ہوتے ہیں۔ یہ تقسیم بعد کے سلاطین اور حکمرانوں کے اعتبار سے ہے رہے خلفاء راشدین تو وہ مسلمانوں کے دنیاوی امور کے بھی وکیل تھے اور ان کے دینی امور کے بھی کفیل تھے۔

(الطائف ۱۱ اشارات ج ۳ ص ۳۷۷-۳۷۸ مطبوعہ موضحا مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے (انور ۵۶)
نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی تفسیر البقرہ ۳۳ میں گزر چکی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو تا کہ

تم پر دم کیا جائے اس کی تفسیر آل عمران ۱۳۲ میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کافروں کے حقائق پر گز یہ گمان نہ کرنا کہ وہ زمین میں ہمیں عاجز کرنے والے ہیں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور یقیناً وہ برا ٹھکانا ہے ۵ (نور: ۵۵)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کافروں کے حقائق پر گز یہ گمان نہ کریں کہ وہ ہماری گرفت سے باہر نکل سکتے ہیں اور جب ہم ان کو عذاب دینا چاہیں تو ہم سے بھاگ سکتے ہیں۔

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد الدیلمی حنفی ص ۱۱۷ لکھتے ہیں:

ابن عاصم حمزہ اور اور لیس نے لامحسب کو عاصب کے صیغہ کے ساتھ لامحسب پڑھا ہے یعنی کوئی گمان کرنے والا یہ گمان نہ کرے کہ وہ کفار زمین میں ہمیں عاجز کرنے والے ہیں اور ہم ان کو اپنے عذاب میں نہیں پکڑ سکیں گے یا وہ کفار یہ گمان نہ کریں کہ وہ ہم کو عاجز کرنے والے ہیں۔ (اتحاف فضلاء، ناشر فی القراءات الاربعہ عشر ۳۳ سلیمہ دارالکتب احلیہ بیروت ۱۳۶۹ھ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيْسَ أَذْنُكُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ أَيَّمَا الَّذِينَ

اے ایمان والو! تمہارے مملوک غلاموں اور ٹاہلے لڑکوں کو (گھروں میں داخل ہونے کے لیے) تمہیں

لَمْ يَلْعُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ

اوقات میں اجازت طلب کرنی چاہیے نماز فجر سے پہلے

وَحِينَ تَصْنَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ

اور عصر کے وقت جب تم اپنے (فالتو) کپڑے اتار دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد یہ تین اوقات

الْعِشَاءِ ۖ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ

تمہارے پردے کے ہیں ان تین اوقات کے بعد (بلا اجازت آنے میں) نہ تم پر کوئی حرج ہے اور نہ ان پر

بَعْدَهُنَّ طَوْفُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ

کوئی گناہ ہے وہ تمہارے ہاں ایک دوسرے کے پاس گھروں میں آنے جانے والے ہیں اللہ اسی طرح

اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝۵۸ ۖ وَإِذَا بَلَغَ الْإِنْفَالُ مِنْكُمْ

اپنی آیتیں تمہارے لیے بیان فرماتا ہے اور اللہ خوب علم والا ہے حد حکمت والا ہے ۵۸ اور جب تمہارے لڑکے سن بلوغت کو

الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَذَلِكَ

پہنچ جائیں تو ان کو بھی اجازت طلب کر کے آنا چاہیے جیسا کہ ان سے پہلے مرد اجازت طلب کرتے ہیں اللہ اسی طرح

يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝۵۹ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ

اپنی آیتیں تمہارے لیے بیان فرماتا ہے اور اللہ خوب علم والا ہے حدِ حکمت والا ہے O اور وہ بڑی عورتیں

النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ

جو نکاح کی امید نہیں رکھتی ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ

يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ ۖ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ

اپنے عبا کے کپڑے اتار رکھیں جب کہ وہ اپنا بناؤ سنگھار دکھانے والی نہ ہوں اور اگر وہ اس سے بھی احتیاط کریں

خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝۶۰ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا

تو ان کے لیے بہتر ہے اور اللہ بہت سننے والا ہے حدِ جاننے والا ہے O چھٹا پر کوئی حرج نہیں اور نہ

عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى أَنْفُسِكُمْ

فلوے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ خود تم پر کوئی حرج ہے کہ

أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِهْلَائِكُمْ

تم اپنے گروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گروں سے کھاؤ یا اپنی ماؤں کے گروں سے

أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ

یا اپنے بھائیوں کے گروں سے یا اپنی بہنوں کے گروں سے یا اپنے چچاؤں کے گروں سے

أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَالَاتِكُمْ أَوْ مَا

یا اپنی چھوٹی بہنوں کے گروں سے یا اپنے ماموں کے گروں سے یا اپنی خالائوں کے گروں سے یا ان گروں سے

مَلَائِكَتُكُمْ مَّفَاقِهَةً أَوْ صَدِيقِكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا

جن کی چاہاں تمہارے قبضے میں ہوں یا اپنے دوست کے گھر سے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم سب

جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا ۖ فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ

مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ پھر جب تم گروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں پر سلام کرو

نَحْنُ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبْرَكَةٌ طَيِّبَةٌ كَذَلِكَ يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ

اللہ سے ابھی دعا کرو کہ برکت اور پاکیزگی اللہ کی طرف سے نازل ہو اللہ اسی طرح تمہارے لیے

الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۱﴾

آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھ لو

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تمہارے ملوک غلاموں اور تابعانِ لڑکوں کو (گھروں میں داخل ہونے کے لیے) تین اوقات میں اجازت طلب کرنی چاہیے نماز فجر سے پہلے اور عصر کے وقت جب تم اپنے (خانوہار) کپڑے اتار دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں ان تین اوقات کے بعد (بلا اجازت آنے میں) نہ تم پر کوئی حرج ہے اور نہ ان پر کوئی گناہ ہے وہ تمہارے پاس ایک دوسرے کے پاس گھروں میں آنے جانے والے ہیں اللہ اسی طرح اپنی آیتیں تمہارے لیے بیان فرماتا ہے اور اللہ خوب علم والا ہے حدیث کے مطابق ۵ (انور: ۵۸)

تین اوقات میں گھر میں دخول کے لیے نوکروں اور تابعانِ لڑکوں کو اجازت لینے کا حکم

امام عبدالرحمن بن محمد ابن ابی حاتم الترمذی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

نکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دو آدمیوں نے اس آیت سے متعلق سوال کیا جس میں اللہ تعالیٰ نے پردے کے ان تین اوقات میں اجازت طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ تعالیٰ سزا کرنے والا ہے اور سزا کو پسند کرتا ہے نوکروں کے گھروں کے دروازوں پر پردے نہیں ہوتے تھے اور نہ ان کے گھروں پر نجاب ہوتا تھا بسا اوقات اچانک اس کے گھر میں اس کا خادم یا اس کا بیٹا یا اس کی لے پاگن بیٹا جاتی اور وہ اس وقت اپنی بیوی سے ساتھ مشغول ہوتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ ان اوقات میں اجازت طلب کر کے گھر میں داخل ہوں پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر وسعت اور کشادگی کر دی اور انہوں نے اپنے گھروں میں پردے ڈال لیے اور لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ ان کا پردہ ڈال دینا کافی ہے اور اب اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم قرطبی ج ۱ ص ۹۷)

موسیٰ بن ابی عائشہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے شخصی سے اس آیت سے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی لیکن لوگوں نے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم قرطبی ج ۱ ص ۹۷)

حسن بصری نے کہا جب کوئی شخص اپنے خادم کو رات میں اپنے پاس بٹھوے تو وہ اس کی طرف سے اجازت ہے اور اگر وہ اس کو رات میں اپنے پاس نہیں بٹھوے تو وہ ان تین اوقات میں اجازت طلب کر کے اندر آئے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم قرطبی ج ۱ ص ۹۷)

مقاتل بن حیان اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری اور اس کی بیوی اسلام بنت مرشد دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کیا اور لوگ ان سے اجازت لیے بغیر ان کے گھر میں داخل ہو گئے تو حضرت اسلام نے کہا یا رسول اللہ! یہ کتنی بری بات ہے! کہ ایک عورت اور اس کا خاوند ایک کپڑا اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کا خادم بغیر اجازت لیے ہوئے گھر میں داخل ہو جاتا ہے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم قرطبی ج ۱ ص ۹۷)

سدی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ان اوقات میں اپنی اندرون سے نکل کر نہ کو پسند

کرتے تھے پھر وہ غسل کر کے نماز پڑھنے کے لیے جاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے غلاموں اور تابعان کو کچھ حکم دیا کہ ان اوقات میں بغیر اجازت کے گھروں میں داخل نہ ہوں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ ہے: ۱۴۶۹۳) اجازت مذکورہ کا حکم منسوخ ہو چکا ہے یا باقی ہے

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالک حنفی ۶۶۸ھ نے اس آیت کے منسوخ ہونے نہ ہونے کے حقائق حسب ذیل اقوال ذکر کیے ہیں:

- (۱) ابن المسیب اور ابن جبیر نے کہا یہ آیت منسوخ ہے۔
- (۲) ابوقحافہ نے کہا یہ حکم مستحب ہے واجب نہیں ہے ان کی مصلحت کے اعتبار سے یہ حکم دیا گیا تھا۔
- (۳) ابو عبد الرحمن اسلمی نے کہا اس حکم کی مخاطب خواتین ہیں۔
- (۴) حضرت ابن عمر نے کہا اس حکم کی مخاطب مرد ہیں۔

- (۵) یہ حکم پہلے واجب تھا کیونکہ پہلے گھروں کے نہ کواڑ تھے نہ دروازے اور اگر بھرایے گھر ہوں تو یہ حکم پھر واجب ہوگا۔
- (۶) قاسم بن جابر بن زید، شعی اور اکثر اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ یہ حکم واجب اور ثابت ہے مردوں اور عورتوں دونوں پر۔

اس مسئلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ جب لوگوں کے گھروں میں دروازے اور پردے نہیں تھے اس وقت اس آیت کے حکم پر عمل کرنا واجب تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر وسعت عطا کر دی تو اب اس حکم پر عمل کرنا واجب نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسی طرح فرماتے تھے جیسا کہ ہم نے تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ ہے: ۱۴۷۸۷ کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور امام ابو داؤد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (سنن ابو داؤد رقم اللہ ہے: ۵۱۳۳)

اس آیت میں جو فضائل صراحت فرمایا ہے اس کا معنی تین اوقات ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر وقت میں تین مرتبہ اجازت لینا ضروری ہے۔ (الجامع کا حکم قرآن ۳۲۲: ۱۸۲ مسطورہ دار الفکر بیروت: ۱۳۷۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تمہارے لڑکے سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو ان کو بھی اجازت طلب کر کے آنا چاہیے جیسا کہ ان سے پہلے مرد اجازت طلب کرتے ہیں اللہ اسی طرح اپنی آیتیں تمہارے لیے بیان فرماتا ہے اور اللہ خوب علم والا ہے حدیث سنکت والا ہے ۵۰ (بخاری: ۵۹۰)

بالغ لڑکوں کو گھر میں داخل ہونے کے لیے ہر وقت اجازت طلب کرنا ضروری ہے

جب آزاد لڑکے بالغ ہو جائیں تو وہ گھر میں داخل ہونے کے لیے ہر وقت اجازت طلب کریں۔

امام عبد الرحمن بن محمد ابن ابی حاتم حنفی ۳۴۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب آزاد لڑکا بالغ ہو جائے تو وہ کسی شخص اور اس کی بیوی کے پاس کسی بھی وقت بغیر اجازت کے داخل نہ ہو اور جس طرح اور مرد گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرتے ہیں وہ بھی اجازت طلب کرے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ ہے: ۱۸۱۹۹)

سعید بن جبیر نے کہا جب وہ اپنے باپ دادا کے گھر جائیں تو اجازت طلب کریں خواہ وہ مذکورہ تین اوقات ہوں یا دل اور رات کا کوئی بھی وقت ہو۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ ہے: ۱۸۱۹۹)

سعید بن جبیر نے کہا جس طرح کسی شخص کے بڑے بیٹے اور دیگر رشتہ دار اجازت طلب کرتے ہیں اسی طرح بالغ لڑکے بھی اجازت طلب کریں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ ہے: ۱۸۱۹۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ بوڑھی عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کے کپڑے اتار کر رکھیں جب کہ وہ اپنا بناؤ سنگھار دکھانے والی نہ ہوں اور اگر وہ اس سے بھی احتیاط کریں تو ان کے لیے اجر ہے اور اللہ بہت بخشنے والا ہے حد جائے والا ہے ۵ (انور ۶۰)

بوڑھی عورتوں کے حجاب کی وضاحت

القواعد سے مراد ایسی بوڑھی عورتیں ہیں جو آنے جانے اور معمول کے مطابق کام کاج کرنے سے عاجز ہو کر چننے مانگنے ان کا حیض آنا بند ہو جائے اور ان سے بچے پیدا نہ ہو سکیں یہ اکثر علماء کا قول ہے۔ ربیعہ نے کہا القواعد سے مراد ایسی بوڑھی عورتیں ہیں کہ جب تم ان کو دیکھو تو ان کے بڑھاپے کی وجہ سے تم کو گھمن آئے۔

فرمایا: ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے حجاب کے کپڑے اتار کر رکھیں۔
فقہاء ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ وہ بوڑھی عورتیں جو نکاح سے مایوس ہو چکی ہیں اگر ان کے سر کے بال کھلے ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے اس بناء پر ان کا وہ پٹہ اتار کر رکھنا جائز ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ستر اور حجاب میں فرق ہے عورت کا پورا جسم سوا چہرے ہاتھوں اور پیروں کے واجب استر ہے اور اس کے سر کے بالوں کا بھی ستر واجب ہے اور چہرے ہاتھوں اور پیروں کو چادر سے ڈھانپنا حجاب ہے اس لیے بوڑھی عورت کے لیے چادر کو اتارنا اور چہرے ہاتھوں اور پیروں کو کھولنا جائز ہے لیکن سر کے بالوں کو ڈھانپنا واجب ہے۔ بوڑھی عورت ستر میں جوان عورت کی مثل ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ گھر میں قیام پسنے اور وہ پٹہ اوڑھے اور اوپر اوڑھنے والی چادر اتار سکتی ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ ج ۳: ۱۷۸)

فرمایا: عیسوی مصلوب جہات بزیغہ: تہوج کا معنی ہے کسی چیز کو ٹھکانا یعنی ان کی زینت اور بناؤ سنگھار رکے دکھائی دینے میں کوئی حجاب نہ ہو اس طرح وہ خود کو نہ دکھائیں۔

امام الفیہ بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی میں نے عرض کیا اے ام المؤمنین! آپ بالوں کو رکنے کپڑوں کو رکنے کانوں میں بالیاں پہننے پازیب پہننے سونے کی انگوٹھی پہننے اور ہر ایک کپڑوں کے پہننے کے بارے میں کیا فرماتی ہیں؟ آپ نے فرمایا اے عورتوں کی جماعت یہ سب چیزیں تمہارے لیے حلال ہیں لیکن تمہارے اس بناؤ سنگھار کو غیر محرم نہ دیکھئے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ ج ۳: ۱۷۸)

سعید بن جبیر نے کہا وہ اپنی چادر اتار کر گھر سے نہ نکلے جس سے اس کی زینت دکھائی دے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ ج ۳: ۱۷۸)

مقاتل بن حیان نے کہا اس کے لیے اوپر اوڑھنے والی چادر اتار کر گھر سے نکلتا جائز نہیں ہے جس سے اس کے گلے کا ہار کانوں کی بالیاں اور دیگر زیورات دکھائی دیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ ج ۳: ۱۷۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یا عبادہ کوئی حرج نہیں اور نہ ننگرے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ خود تم پر کوئی حرج ہے کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے کھاؤ یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے بچاؤں کے گھروں سے یا اپنی بیویوں کے گھروں سے یا اپنے ماسوں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی چائیاں تمہارے قبضے میں ہوں یا اپنے دوست کے گھر سے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ پھر جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں پر سلام کرو اللہ سے بھی دعا کرو کہ برکت اور پاکیزگی اللہ کی طرف سے نازل ہو۔ اللہ اسی طرح تمہارے لیے آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھ

کھانڈے گھروں سے یا اپنی بیویوں کے گھروں سے کھاؤ تو اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے۔ حدیث میں ہے
 عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ
 کر کہا: یا رسول اللہ! میرے پاس مال بھی ہے اور اولاد بھی ہے اور میرے والد کو میرے مال کی ضرورت ہے! آپ نے فرمایا تم
 خود اور تمہارا مال تمہارے والد کی ملکیت ہے اور بے شک تمہاری اولاد تمہاری پاکیزہ کمائی سے ہے سو تم اپنی اولاد کی کسائی سے
 کھاؤ۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۲۵۳۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۲۹۳ مسند احمد ج ۹ ص ۷۷ شرح صحابی الآثار ج ۳ ص ۵۸ فتح الباری ج ۲ ص ۵۰۳)
 شرح مشکل الآثار رقم الحدیث ۵۰۳۳)

امام طحاوی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ بیٹے کا مال باپ کا مال ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ چننا باپ کے
 قول سے خارج نہ ہو۔ ابو جعفر محمد بن العباس کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی حمران سے پوچھا اس حدیث کا کیا معنی ہے؟ "تم خود
 اور تمہارا مال تمہارے باپ کی ملکیت ہے" انہوں نے کہا یہ حضرت ابو بکر کے اس جواب کی مثل ہے یا رسول اللہ! میں خود اور میرا
 مال آپ کی ملکیت ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہنچا جتنا نفع مجھے ابو بکر
 کے مال نے پہنچایا ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۵۰۳ شرح مشکل الآثار ج ۳ ص ۷۷ دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ)

وکیلوں کے لیے اپنے موکلوں کے گھروں سے کھانے کی اجازت

نیز فرمایا: یا ان گھروں سے جن کی چابیاں تمہارے قبضے میں ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد کسی شخص کا وکیل اور اس کا قیم (کاروبار، انتظام وغیرہ) ہے جو اس کی
 زمین اور اس کے سوبیشیوں کی دیکھ بھال اور ان کا انتظام کرتا ہو اور اس کی طرف سے اس کے امور اور معاملات کا ذمہ دار اور
 جواب دہ ہو اس کے لیے اجازت ہے کہ وہ اس کی زمین کے پھلوں سے کھائے اور اس کے مویشیوں کا دودھ پئے۔

مکرر نے کہا جب کوئی شخص کسی کی چابیاں کا مالک ہو تو وہ اس کا خازن ہے تو وہ اس کی چیزوں سے تو حرام کی چیز تک سہ
 ہے۔

سودی نے کہا ایک شخص دوسرے شخص کو اپنے طعام وغیرہ میں متصرف بنا دیتا ہے وہ اس میں سے کچھ کھائے تو کوئی حرج
 نہیں ہے۔ (جامع الترمذی رقم الحدیث ۱۹۸۸۲، ۱۹۸۸۳، ۱۹۸۸۴، ۱۹۸۸۵، ۱۹۸۸۶، ۱۹۸۸۷، ۱۹۸۸۸، ۱۹۸۸۹، ۱۹۸۹۰، ۱۹۸۹۱، ۱۹۸۹۲، ۱۹۸۹۳، ۱۹۸۹۴، ۱۹۸۹۵، ۱۹۸۹۶، ۱۹۸۹۷، ۱۹۸۹۸، ۱۹۸۹۹، ۱۹۹۰۰، ۱۹۹۰۱، ۱۹۹۰۲، ۱۹۹۰۳، ۱۹۹۰۴، ۱۹۹۰۵، ۱۹۹۰۶، ۱۹۹۰۷، ۱۹۹۰۸، ۱۹۹۰۹، ۱۹۹۱۰، ۱۹۹۱۱، ۱۹۹۱۲، ۱۹۹۱۳، ۱۹۹۱۴، ۱۹۹۱۵، ۱۹۹۱۶، ۱۹۹۱۷، ۱۹۹۱۸، ۱۹۹۱۹، ۱۹۹۲۰، ۱۹۹۲۱، ۱۹۹۲۲، ۱۹۹۲۳، ۱۹۹۲۴، ۱۹۹۲۵، ۱۹۹۲۶، ۱۹۹۲۷، ۱۹۹۲۸، ۱۹۹۲۹، ۱۹۹۳۰، ۱۹۹۳۱، ۱۹۹۳۲، ۱۹۹۳۳، ۱۹۹۳۴، ۱۹۹۳۵، ۱۹۹۳۶، ۱۹۹۳۷، ۱۹۹۳۸، ۱۹۹۳۹، ۱۹۹۴۰، ۱۹۹۴۱، ۱۹۹۴۲، ۱۹۹۴۳، ۱۹۹۴۴، ۱۹۹۴۵، ۱۹۹۴۶، ۱۹۹۴۷، ۱۹۹۴۸، ۱۹۹۴۹، ۱۹۹۵۰، ۱۹۹۵۱، ۱۹۹۵۲، ۱۹۹۵۳، ۱۹۹۵۴، ۱۹۹۵۵، ۱۹۹۵۶، ۱۹۹۵۷، ۱۹۹۵۸، ۱۹۹۵۹، ۱۹۹۶۰، ۱۹۹۶۱، ۱۹۹۶۲، ۱۹۹۶۳، ۱۹۹۶۴، ۱۹۹۶۵، ۱۹۹۶۶، ۱۹۹۶۷، ۱۹۹۶۸، ۱۹۹۶۹، ۱۹۹۷۰، ۱۹۹۷۱، ۱۹۹۷۲، ۱۹۹۷۳، ۱۹۹۷۴، ۱۹۹۷۵، ۱۹۹۷۶، ۱۹۹۷۷، ۱۹۹۷۸، ۱۹۹۷۹، ۱۹۹۸۰، ۱۹۹۸۱، ۱۹۹۸۲، ۱۹۹۸۳، ۱۹۹۸۴، ۱۹۹۸۵، ۱۹۹۸۶، ۱۹۹۸۷، ۱۹۹۸۸، ۱۹۹۸۹، ۱۹۹۹۰، ۱۹۹۹۱، ۱۹۹۹۲، ۱۹۹۹۳، ۱۹۹۹۴، ۱۹۹۹۵، ۱۹۹۹۶، ۱۹۹۹۷، ۱۹۹۹۸، ۱۹۹۹۹، ۲۰۰۰۰، ۲۰۰۰۱، ۲۰۰۰۲، ۲۰۰۰۳، ۲۰۰۰۴، ۲۰۰۰۵، ۲۰۰۰۶، ۲۰۰۰۷، ۲۰۰۰۸، ۲۰۰۰۹، ۲۰۰۱۰، ۲۰۰۱۱، ۲۰۰۱۲، ۲۰۰۱۳، ۲۰۰۱۴، ۲۰۰۱۵، ۲۰۰۱۶، ۲۰۰۱۷، ۲۰۰۱۸، ۲۰۰۱۹، ۲۰۰۲۰، ۲۰۰۲۱، ۲۰۰۲۲، ۲۰۰۲۳، ۲۰۰۲۴، ۲۰۰۲۵، ۲۰۰۲۶، ۲۰۰۲۷، ۲۰۰۲۸، ۲۰۰۲۹، ۲۰۰۳۰، ۲۰۰۳۱، ۲۰۰۳۲، ۲۰۰۳۳، ۲۰۰۳۴، ۲۰۰۳۵، ۲۰۰۳۶، ۲۰۰۳۷، ۲۰۰۳۸، ۲۰۰۳۹، ۲۰۰۴۰، ۲۰۰۴۱، ۲۰۰۴۲، ۲۰۰۴۳، ۲۰۰۴۴، ۲۰۰۴۵، ۲۰۰۴۶، ۲۰۰۴۷، ۲۰۰۴۸، ۲۰۰۴۹، ۲۰۰۵۰، ۲۰۰۵۱، ۲۰۰۵۲، ۲۰۰۵۳، ۲۰۰۵۴، ۲۰۰۵۵، ۲۰۰۵۶، ۲۰۰۵۷، ۲۰۰۵۸، ۲۰۰۵۹، ۲۰۰۶۰، ۲۰۰۶۱، ۲۰۰۶۲، ۲۰۰۶۳، ۲۰۰۶۴، ۲۰۰۶۵، ۲۰۰۶۶، ۲۰۰۶۷، ۲۰۰۶۸، ۲۰۰۶۹، ۲۰۰۷۰، ۲۰۰۷۱، ۲۰۰۷۲، ۲۰۰۷۳، ۲۰۰۷۴، ۲۰۰۷۵، ۲۰۰۷۶، ۲۰۰۷۷، ۲۰۰۷۸، ۲۰۰۷۹، ۲۰۰۸۰، ۲۰۰۸۱، ۲۰۰۸۲، ۲۰۰۸۳، ۲۰۰۸۴، ۲۰۰۸۵، ۲۰۰۸۶، ۲۰۰۸۷، ۲۰۰۸۸، ۲۰۰۸۹، ۲۰۰۹۰، ۲۰۰۹۱، ۲۰۰۹۲، ۲۰۰۹۳، ۲۰۰۹۴، ۲۰۰۹۵، ۲۰۰۹۶، ۲۰۰۹۷، ۲۰۰۹۸، ۲۰۰۹۹، ۲۰۱۰۰، ۲۰۱۰۱، ۲۰۱۰۲، ۲۰۱۰۳، ۲۰۱۰۴، ۲۰۱۰۵، ۲۰۱۰۶، ۲۰۱۰۷، ۲۰۱۰۸، ۲۰۱۰۹، ۲۰۱۱۰، ۲۰۱۱۱، ۲۰۱۱۲، ۲۰۱۱۳، ۲۰۱۱۴، ۲۰۱۱۵، ۲۰۱۱۶، ۲۰۱۱۷، ۲۰۱۱۸، ۲۰۱۱۹، ۲۰۱۲۰، ۲۰۱۲۱، ۲۰۱۲۲، ۲۰۱۲۳، ۲۰۱۲۴، ۲۰۱۲۵، ۲۰۱۲۶، ۲۰۱۲۷، ۲۰۱۲۸، ۲۰۱۲۹، ۲۰۱۳۰، ۲۰۱۳۱، ۲۰۱۳۲، ۲۰۱۳۳، ۲۰۱۳۴، ۲۰۱۳۵، ۲۰۱۳۶، ۲۰۱۳۷، ۲۰۱۳۸، ۲۰۱۳۹، ۲۰۱۴۰، ۲۰۱۴۱، ۲۰۱۴۲، ۲۰۱۴۳، ۲۰۱۴۴، ۲۰۱۴۵، ۲۰۱۴۶، ۲۰۱۴۷، ۲۰۱۴۸، ۲۰۱۴۹، ۲۰۱۵۰، ۲۰۱۵۱، ۲۰۱۵۲، ۲۰۱۵۳، ۲۰۱۵۴، ۲۰۱۵۵، ۲۰۱۵۶، ۲۰۱۵۷، ۲۰۱۵۸، ۲۰۱۵۹، ۲۰۱۶۰، ۲۰۱۶۱، ۲۰۱۶۲، ۲۰۱۶۳، ۲۰۱۶۴، ۲۰۱۶۵، ۲۰۱۶۶، ۲۰۱۶۷، ۲۰۱۶۸، ۲۰۱۶۹، ۲۰۱۷۰، ۲۰۱۷۱، ۲۰۱۷۲، ۲۰۱۷۳، ۲۰۱۷۴، ۲۰۱۷۵، ۲۰۱۷۶، ۲۰۱۷۷، ۲۰۱۷۸، ۲۰۱۷۹، ۲۰۱۸۰، ۲۰۱۸۱، ۲۰۱۸۲، ۲۰۱۸۳، ۲۰۱۸۴، ۲۰۱۸۵، ۲۰۱۸۶، ۲۰۱۸۷، ۲۰۱۸۸، ۲۰۱۸۹، ۲۰۱۹۰، ۲۰۱۹۱، ۲۰۱۹۲، ۲۰۱۹۳، ۲۰۱۹۴، ۲۰۱۹۵، ۲۰۱۹۶، ۲۰۱۹۷، ۲۰۱۹۸، ۲۰۱۹۹، ۲۰۲۰۰، ۲۰۲۰۱، ۲۰۲۰۲، ۲۰۲۰۳، ۲۰۲۰۴، ۲۰۲۰۵، ۲۰۲۰۶، ۲۰۲۰۷، ۲۰۲۰۸، ۲۰۲۰۹، ۲۰۲۱۰، ۲۰۲۱۱، ۲۰۲۱۲، ۲۰۲۱۳، ۲۰۲۱۴، ۲۰۲۱۵، ۲۰۲۱۶، ۲۰۲۱۷، ۲۰۲۱۸، ۲۰۲۱۹، ۲۰۲۲۰، ۲۰۲۲۱، ۲۰۲۲۲، ۲۰۲۲۳، ۲۰۲۲۴، ۲۰۲۲۵، ۲۰۲۲۶، ۲۰۲۲۷، ۲۰۲۲۸، ۲۰۲۲۹، ۲۰۲۳۰، ۲۰۲۳۱، ۲۰۲۳۲، ۲۰۲۳۳، ۲۰۲۳۴، ۲۰۲۳۵، ۲۰۲۳۶، ۲۰۲۳۷، ۲۰۲۳۸، ۲۰۲۳۹، ۲۰۲۴۰، ۲۰۲۴۱، ۲۰۲۴۲، ۲۰۲۴۳، ۲۰۲۴۴، ۲۰۲۴۵، ۲۰۲۴۶، ۲۰۲۴۷، ۲۰۲۴۸، ۲۰۲۴۹، ۲۰۲۵۰، ۲۰۲۵۱، ۲۰۲۵۲، ۲۰۲۵۳، ۲۰۲۵۴، ۲۰۲۵۵، ۲۰۲۵۶، ۲۰۲۵۷، ۲۰۲۵۸، ۲۰۲۵۹، ۲۰۲۶۰، ۲۰۲۶۱، ۲۰۲۶۲، ۲۰۲۶۳، ۲۰۲۶۴، ۲۰۲۶۵، ۲۰۲۶۶، ۲۰۲۶۷، ۲۰۲۶۸، ۲۰۲۶۹، ۲۰۲۷۰، ۲۰۲۷۱، ۲۰۲۷۲، ۲۰۲۷۳، ۲۰۲۷۴، ۲۰۲۷۵، ۲۰۲۷۶، ۲۰۲۷۷، ۲۰۲۷۸، ۲۰۲۷۹، ۲۰۲۸۰، ۲۰۲۸۱، ۲۰۲۸۲، ۲۰۲۸۳، ۲۰۲۸۴، ۲۰۲۸۵، ۲۰۲۸۶، ۲۰۲۸۷، ۲۰۲۸۸، ۲۰۲۸۹، ۲۰۲۹۰، ۲۰۲۹۱، ۲۰۲۹۲، ۲۰۲۹۳، ۲۰۲۹۴، ۲۰۲۹۵، ۲۰۲۹۶، ۲۰۲۹۷، ۲۰۲۹۸، ۲۰۲۹۹، ۲۰۳۰۰، ۲۰۳۰۱، ۲۰۳۰۲، ۲۰۳۰۳، ۲۰۳۰۴، ۲۰۳۰۵، ۲۰۳۰۶، ۲۰۳۰۷، ۲۰۳۰۸، ۲۰۳۰۹، ۲۰۳۱۰، ۲۰۳۱۱، ۲۰۳۱۲، ۲۰۳۱۳، ۲۰۳۱۴، ۲۰۳۱۵، ۲۰۳۱۶، ۲۰۳۱۷، ۲۰۳۱۸، ۲۰۳۱۹، ۲۰۳۲۰، ۲۰۳۲۱، ۲۰۳۲۲، ۲۰۳۲۳، ۲۰۳۲۴، ۲۰۳۲۵، ۲۰۳۲۶، ۲۰۳۲۷، ۲۰۳۲۸، ۲۰۳۲۹، ۲۰۳۳۰، ۲۰۳۳۱، ۲۰۳۳۲، ۲۰۳۳۳، ۲۰۳۳۴، ۲۰۳۳۵، ۲۰۳۳۶، ۲۰۳۳۷، ۲۰۳۳۸، ۲۰۳۳۹، ۲۰۳۴۰، ۲۰۳۴۱، ۲۰۳۴۲، ۲۰۳۴۳، ۲۰۳۴۴، ۲۰۳۴۵، ۲۰۳۴۶، ۲۰۳۴۷، ۲۰۳۴۸، ۲۰۳۴۹، ۲۰۳۵۰، ۲۰۳۵۱، ۲۰۳۵۲، ۲۰۳۵۳، ۲۰۳۵۴، ۲۰۳۵۵، ۲۰۳۵۶، ۲۰۳۵۷، ۲۰۳۵۸، ۲۰۳۵۹، ۲۰۳۶۰، ۲۰۳۶۱، ۲۰۳۶۲، ۲۰۳۶۳، ۲۰۳۶۴، ۲۰۳۶۵، ۲۰۳۶۶، ۲۰۳۶۷، ۲۰۳۶۸، ۲۰۳۶۹، ۲۰۳۷۰، ۲۰۳۷۱، ۲۰۳۷۲، ۲۰۳۷۳، ۲۰۳۷۴، ۲۰۳۷۵، ۲۰۳۷۶، ۲۰۳۷۷، ۲۰۳۷۸، ۲۰۳۷۹، ۲۰۳۸۰، ۲۰۳۸۱، ۲۰۳۸۲، ۲۰۳۸۳، ۲۰۳۸۴، ۲۰۳۸۵، ۲۰۳۸۶، ۲۰۳۸۷، ۲۰۳۸۸، ۲۰۳۸۹، ۲۰۳۹۰، ۲۰۳۹۱، ۲۰۳۹۲، ۲۰۳۹۳، ۲۰۳۹۴، ۲۰۳۹۵، ۲۰۳۹۶، ۲۰۳۹۷، ۲۰۳۹۸، ۲۰۳۹۹، ۲۰۴۰۰، ۲۰۴۰۱، ۲۰۴۰۲، ۲۰۴۰۳، ۲۰۴۰۴، ۲۰۴۰۵، ۲۰۴۰۶، ۲۰۴۰۷، ۲۰۴۰۸، ۲۰۴۰۹، ۲۰۴۱۰، ۲۰۴۱۱، ۲۰۴۱۲، ۲۰۴۱۳، ۲۰۴۱۴، ۲۰۴۱۵، ۲۰۴۱۶، ۲۰۴۱۷، ۲۰۴۱۸، ۲۰۴۱۹، ۲۰۴۲۰، ۲۰۴۲۱، ۲۰۴۲۲، ۲۰۴۲۳، ۲۰۴۲۴، ۲۰۴۲۵، ۲۰۴۲۶، ۲۰۴۲۷، ۲۰۴۲۸، ۲۰۴۲۹، ۲۰۴۳۰، ۲۰۴۳۱، ۲۰۴۳۲، ۲۰۴۳۳، ۲۰۴۳۴، ۲۰۴۳۵، ۲۰۴۳۶، ۲۰۴۳۷، ۲۰۴۳۸، ۲۰۴۳۹، ۲۰۴۴۰، ۲۰۴۴۱، ۲۰۴۴۲، ۲۰۴۴۳، ۲۰۴۴۴، ۲۰۴۴۵، ۲۰۴۴۶، ۲۰۴۴۷، ۲۰۴۴۸، ۲۰۴۴۹، ۲۰۴۵۰، ۲۰۴۵۱، ۲۰۴۵۲، ۲۰۴۵۳، ۲۰۴۵۴، ۲۰۴۵۵، ۲۰۴۵۶، ۲۰۴۵۷، ۲۰۴۵۸، ۲۰۴۵۹، ۲۰۴۶۰، ۲۰۴۶۱، ۲۰۴۶۲، ۲۰۴۶۳، ۲۰۴۶۴، ۲۰۴۶۵، ۲۰۴۶۶، ۲۰۴۶۷، ۲۰۴۶۸، ۲۰۴۶۹، ۲۰۴۷۰، ۲۰۴۷۱، ۲۰۴۷۲، ۲۰۴۷۳، ۲۰۴۷۴، ۲۰۴۷۵، ۲۰۴۷۶، ۲۰۴۷۷، ۲۰۴۷۸، ۲۰۴۷۹، ۲۰۴۸۰، ۲۰۴۸۱، ۲۰۴۸۲، ۲۰۴۸۳، ۲۰۴۸۴، ۲۰۴۸۵، ۲۰۴۸۶، ۲۰۴۸۷، ۲۰۴۸۸، ۲۰۴۸۹، ۲۰۴۹۰، ۲۰۴۹۱، ۲۰۴۹۲، ۲۰۴۹۳، ۲۰۴۹۴، ۲۰۴۹۵، ۲۰۴۹۶، ۲۰۴۹۷، ۲۰۴۹۸، ۲۰۴۹۹، ۲۰۵۰۰، ۲۰۵۰۱، ۲۰۵۰۲، ۲۰۵۰۳، ۲۰۵۰۴، ۲۰۵۰۵، ۲۰۵۰۶، ۲۰۵۰۷، ۲۰۵۰۸، ۲۰۵۰۹، ۲۰۵۱۰، ۲۰۵۱۱، ۲۰۵۱۲، ۲۰۵۱۳، ۲۰۵۱۴، ۲۰۵۱۵، ۲۰۵۱۶، ۲۰۵۱۷، ۲۰۵۱۸، ۲۰۵۱۹، ۲۰۵۲۰، ۲۰۵۲۱، ۲۰۵۲۲، ۲۰۵۲۳، ۲۰۵۲۴، ۲۰۵۲۵، ۲۰۵۲۶، ۲۰۵۲۷، ۲۰۵۲۸، ۲۰۵۲۹، ۲۰۵۳۰، ۲۰۵۳۱، ۲۰۵۳۲، ۲۰۵۳۳، ۲۰۵۳۴، ۲۰۵۳۵، ۲۰۵۳۶، ۲۰۵۳۷، ۲۰۵۳۸، ۲۰۵۳۹، ۲۰۵۴۰، ۲۰۵۴۱، ۲۰۵۴۲، ۲۰۵۴۳، ۲۰۵۴۴، ۲۰۵۴۵، ۲۰۵۴۶، ۲۰۵۴۷، ۲۰۵۴۸، ۲۰۵۴۹، ۲۰۵۵۰، ۲۰۵۵۱، ۲۰۵۵۲، ۲۰۵۵۳، ۲۰۵۵۴، ۲۰۵۵۵، ۲۰۵۵۶، ۲۰۵۵۷، ۲۰۵۵۸، ۲۰۵۵۹، ۲۰۵۶۰، ۲۰۵۶۱، ۲۰۵۶۲، ۲۰۵۶۳، ۲۰۵۶۴، ۲۰۵۶۵، ۲۰۵۶۶، ۲۰۵۶۷، ۲۰۵۶۸، ۲۰۵۶۹، ۲۰۵۷۰، ۲۰۵۷۱، ۲۰۵۷۲، ۲۰۵۷۳، ۲۰۵۷۴، ۲۰۵۷۵، ۲۰۵۷۶، ۲۰۵۷۷، ۲۰۵۷۸، ۲۰۵۷۹، ۲۰۵۸۰، ۲۰۵۸۱، ۲۰۵۸۲، ۲۰۵۸۳، ۲۰۵۸۴، ۲۰۵۸۵، ۲۰۵۸۶، ۲۰۵۸۷، ۲۰۵۸۸، ۲۰۵۸۹، ۲۰۵۹۰، ۲۰۵۹۱، ۲۰۵۹۲، ۲۰۵۹۳، ۲۰۵۹۴، ۲۰۵۹۵، ۲۰۵۹۶، ۲۰۵۹۷، ۲۰۵۹۸، ۲۰۵۹۹، ۲۰۶۰۰، ۲۰۶۰۱، ۲۰۶۰۲، ۲۰۶۰۳، ۲۰۶۰۴، ۲۰۶۰۵، ۲۰۶۰۶، ۲۰۶۰۷، ۲۰۶۰۸، ۲۰۶۰۹، ۲۰۶۱۰، ۲۰۶۱۱، ۲۰۶۱۲، ۲۰۶۱۳، ۲۰۶۱۴، ۲۰۶۱۵، ۲۰۶۱۶، ۲۰۶۱۷، ۲۰۶۱۸، ۲۰۶۱۹، ۲۰۶۲۰، ۲۰۶۲۱، ۲۰۶۲۲، ۲۰۶۲۳، ۲۰۶۲۴، ۲۰۶۲۵، ۲۰۶۲۶، ۲۰۶۲۷، ۲۰۶۲۸، ۲۰۶۲۹، ۲۰۶۳۰، ۲۰۶۳۱، ۲۰۶۳۲، ۲۰۶۳۳، ۲۰۶۳۴، ۲۰۶۳۵، ۲۰۶۳۶، ۲۰۶۳۷، ۲۰۶۳۸، ۲۰۶۳۹، ۲۰۶۴۰، ۲۰۶۴۱، ۲۰۶۴۲، ۲۰۶۴۳، ۲۰۶۴۴، ۲۰۶۴۵، ۲۰۶۴۶، ۲۰۶۴۷، ۲۰۶۴۸، ۲۰۶۴۹، ۲۰۶۵۰، ۲۰۶۵۱، ۲۰۶۵۲، ۲۰۶۵۳، ۲۰۶۵۴، ۲۰۶۵۵، ۲۰۶۵۶، ۲۰۶۵۷، ۲۰۶۵۸، ۲۰۶۵۹، ۲۰۶۶۰، ۲۰۶۶۱، ۲۰۶۶۲، ۲۰۶۶۳، ۲۰۶۶۴، ۲۰۶۶۵، ۲۰۶۶۶، ۲۰۶۶۷، ۲۰۶۶۸، ۲۰۶۶۹، ۲۰۶۷۰، ۲۰۶۷۱، ۲۰۶۷۲، ۲۰۶۷۳، ۲۰۶۷۴، ۲۰۶۷۵، ۲۰۶۷۶، ۲۰۶۷۷، ۲۰۶۷۸، ۲۰۶۷۹، ۲۰۶۸۰، ۲۰۶۸۱، ۲۰۶۸۲، ۲۰۶۸۳، ۲۰۶۸۴، ۲۰۶۸۵، ۲۰۶۸۶، ۲۰۶۸۷، ۲۰۶۸۸، ۲۰۶۸۹، ۲۰۶۹۰، ۲۰۶۹۱، ۲۰۶۹۲، ۲۰۶۹۳، ۲۰۶۹۴، ۲۰۶۹۵، ۲۰۶۹۶، ۲۰۶۹۷، ۲۰۶۹۸، ۲۰۶۹۹، ۲۰۷۰۰، ۲۰۷۰۱، ۲۰۷۰۲، ۲۰۷۰۳، ۲۰۷۰۴، ۲۰۷۰۵، ۲۰۷۰۶، ۲۰۷۰۷، ۲۰۷۰۸، ۲۰۷۰۹، ۲۰۷۱۰، ۲۰۷۱۱، ۲۰۷۱۲، ۲۰۷۱۳، ۲۰۷۱۴، ۲۰۷۱۵، ۲۰۷۱۶، ۲۰۷۱۷، ۲۰۷۱۸، ۲۰۷۱۹، ۲۰۷۲۰، ۲۰۷۲۱، ۲۰۷۲۲، ۲۰۷۲۳، ۲۰۷۲۴، ۲۰۷۲۵، ۲۰۷۲۶، ۲۰۷۲۷، ۲۰۷۲۸، ۲۰۷۲۹، ۲۰۷۳۰، ۲۰۷۳۱، ۲۰۷۳۲، ۲۰۷۳۳، ۲۰۷۳۴، ۲۰۷۳۵، ۲۰۷۳۶، ۲۰۷۳۷، ۲۰۷۳۸، ۲۰۷۳۹، ۲۰۷۴۰، ۲۰۷۴۱، ۲۰۷۴۲، ۲۰۷۴۳، ۲۰۷۴۴، ۲۰۷۴۵، ۲۰۷۴۶، ۲۰۷۴۷، ۲۰۷۴۸، ۲۰۷۴۹، ۲۰۷۵۰، ۲۰۷۵۱، ۲۰۷۵۲، ۲۰۷۵۳، ۲۰۷۵۴، ۲۰۷۵۵، ۲۰۷۵۶، ۲۰۷۵۷، ۲۰۷۵۸، ۲۰۷۵۹، ۲۰۷۶۰، ۲۰۷۶۱، ۲۰۷۶۲، ۲۰۷۶۳، ۲۰۷۶۴، ۲۰۷۶۵، ۲۰۷۶۶، ۲۰۷۶۷، ۲۰۷۶۸، ۲۰۷۶۹، ۲۰۷۷۰، ۲۰۷۷۱، ۲۰۷۷۲، ۲۰۷۷۳، ۲۰۷۷۴، ۲۰۷۷۵، ۲۰۷۷۶، ۲۰۷۷۷، ۲۰۷۷۸، ۲۰۷۷۹، ۲۰۷۸۰، ۲۰۷۸۱، ۲۰۷۸۲، ۲۰۷۸۳، ۲۰۷۸۴، ۲۰۷۸۵، ۲۰۷۸۶، ۲۰۷۸۷، ۲۰۷۸۸، ۲۰۷۸۹، ۲۰۷۹۰، ۲۰۷۹۱، ۲۰۷۹۲، ۲۰۷۹۳، ۲۰۷۹۴، ۲۰۷۹۵، ۲۰۷۹۶، ۲۰۷۹۷، ۲۰۷۹۸، ۲۰۷۹۹، ۲۰۸۰۰، ۲۰۸۰۱، ۲۰۸۰۲، ۲۰۸۰۳، ۲۰۸۰۴، ۲۰۸۰۵، ۲۰۸۰۶، ۲۰۸۰۷، ۲۰۸۰۸، ۲۰۸۰۹، ۲۰۸۱۰، ۲۰۸۱۱، ۲

حلال نہیں ہیں۔ ہم تو صرف ان کی چیزوں کے محافظ اور امین ہیں وہ اس موقف پر قائم رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر فرمادی پھر وہ خوشی سے ان چیزوں کو کھانے لگے۔ (الدرالمختار ج ۳ ص ۳۵ مطبوعہ دارالافتاء العرفی بیروت ۱۴۲۱ھ) اپنے دوستوں کے گھروں سے کھانے کی اجازت خواہ مل کر یا الگ الگ

اور فرمایا: یا اپنے دوست کے گھر سے اس میں تم پر کوئی کٹاہ نہیں کرتے سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔ حسن اور قتادہ کی یہ رائے تھی کہ ایک شخص اپنے دوست کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل ہو سکتا ہے اور اس کی عہدہ اور لذتیں چیزیں کو کھا سکتا ہے خواہ اس کا دوست گھر میں موجود نہ ہو لیکن اس کو وہاں سے چیزیں اٹھا کر لے جانے کی اجازت نہیں ہے۔

قتادہ ضحاک اور ابن جریج نے کہا یہ آیت بولیف بن عمرو کے متعلق نازل ہوئی ہے جو جو کتنا نہ کے قبیلہ کا تھا ان کا ایک شخص تنہا کھانا نہیں کھاتا تھا حتیٰ کہ کوئی مہمان بھی اس کے ساتھ کھانا کھائے۔ بسا اوقات وہ شخص اپنے سامنے کھانا رکھ کر صبح سے شام تک بیٹھا رہتا تھا اور بعض اوقات اس کے پاس دو دھوپنے والی اونٹنیاں ہوتی تھیں اور وہ اس وقت تک ان کا دودھ نہیں پیتا تھا حتیٰ کہ کوئی شخص اس کے ساتھ دودھ پینے والا آ جاتا۔ پس جب شام تک کوئی نہیں آتا تھا تو وہ انتظار کر کے کھا لیتا تھا۔ تکریم اور ابو صامغ نے کہا یہ آیت انصاری کی ایک جماعت کے متعلق نازل ہوئی ہے جب ان کے پاس کوئی مہمان آتا تو وہ اس مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے تو ان کو اجازت دی گئی کہ وہ جس طرح چاہیں کھا لیں چاہا کسی کے ساتھ مل کر۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ ص: ۱۳۸۸۸ ۱۳۸۸۳ جامع البیان رقم اللہ ص: ۱۹۸۸۹ معالم التنزیل ج ۳ ص ۳۳۶ ۳۳۱ الدرالمختار ج ۳ ص ۲۴۶ ۲۴۷)

گھر میں دخول کے وقت گھر والوں کو سلام کرنا

اس آیت کے آخر میں فرمایا: پھر جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں پر سلام کرو اللہ سے اچھی دعا کرو کہ برکت اور پاکیزگی اللہ کی طرف سے نازل ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا گھروں سے مراد مسجد ہے جب تم مسجد میں داخل ہو تو کہا کرو السلام علیہا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین۔

(مسلم ابی حاتم ج ۳ ص ۳۳۶ مطبوعہ دارالافتاء العرفی بیروت ۱۴۲۱ھ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ ص: ۱۹۸۹۰ الدرالمختار ج ۳ ص ۲۴۸)

زہری اور قتادہ نے کہا جب تم اپنے گھر داخل ہو تو کو سلام علیکم۔

(جامع البیان رقم اللہ ص: ۱۹۸۹۰ مسند عبد الرزاق رقم اللہ ص: ۱۹۸۹۰ مکتب احلیہ بیروت مسند عبد الرزاق ج ۱ ص ۲۶۸ مکتب اسلامی)

ابن جریج نے کہا عطائ بن ابی رباح سے سوال کیا گیا کسی شخص پر یہ حق ہے کہ جب وہ اپنے گھر جائے تو گھر والوں کو سلام کرے؟ انہوں نے کہا ہاں! (جامع البیان رقم اللہ ص: ۱۹۸۹۰)

ابن جریج کہتے ہیں میں نے عطائ سے پوچھا آیا کسی شخص پر واجب ہے کہ جب وہ گھر سے نکلے تو گھر والوں کو سلام کرے؟ عطائ نے کہا میں اس کو واجب نہیں جانتا نہ کسی نے مجھ سے کہا یہ واجب ہے لیکن میرے نزدیک یہ مستحب ہے اور میں سوائے بھول کے اس کو ترک نہیں کرتا۔ ابن جریج نے کہا میں نے عطائ سے پوچھا اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو؟ انہوں نے کہا سلام کرنا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ السَّلَامُ عَلَىٰ أَهْلِ
الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللَّهِ. (جامع البیان رقم اللہ ۷: ۱۹۸۱۳)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اپنے گھروں میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں کو سلام کرو اور جب تم کھانا کھاؤ تو بسم اللہ پڑھو اور جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہونے کے وقت سلام کرتا ہے اور اپنے طعام پر بسم اللہ پڑھتا ہے تو شیطان اپنے چیلوں سے کہتا ہے اس گھر میں نہ تمہارے رات گزارنے کا ٹھکانہ ہے اور نہ رات کا کھانا ہے اور جب تم میں سے کوئی شخص سلام نہیں کرتا اور نہ کھاتے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے تو شیطان اپنے چیلوں سے کہتا ہے تمہیں رات کا ٹھکانا اور کھانا مل گیا۔

(المعجم رک ج ۲ ص ۲۹۹ رقم المعجم رقم اللہ ۷: ۳۵۱۵ کنز العمال ج ۵ ص ۳۹۹)

امام ابو القاسم عبدالکریم بن حوازن قشیری حنفی ۳۶۵ھ لکھتے ہیں:
مسلمان کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ اپنے گھر میں داخل ہو تو اللہ کی طرف سے اپنے اوپر سلام بھیجے یعنی اللہ کی طرف سے اپنے لیے امان اور سلامتی کو طلب کرے تاکہ وہ اللہ کی رضا کے خلاف کوئی اقدام کرنے سے باز رہے کیونکہ مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ کی پناہ میں آنے سے سستی کرے تاکہ اس کے اوپر ہمیشہ اللہ ہی کی عصمت اور حفاظت سایہ نگین رہے اور وہ کسی شرعی کردہ کام کو کرنے سے بچا رہے۔

(تکلف الاشارات ج ۲ ص ۷۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ

مؤمنین صرف وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر حقیقتاً ایمان رکھتے ہیں اور جب وہ کسی مجتمع ہونے والی

عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ وَإِنَّ الَّذِينَ

ہم میں رسول کے ساتھ ہوتے ہیں تو ان کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتے بے شک جو لوگ

يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِذَا

آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں پس جب وہ اپنے کسی

اسْتَأْذِنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأَذَنْ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ

کام کے لیے آپ سے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دے دیں اور ان کے لیے اللہ سے

لَهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۶۲﴾ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ

مغفرت طلب کریں بے شک اللہ بخشنے والا ہے حدیث فرماتے والا ہے ۰ تم رسول کو ایسا نہ

يُنَبِّئُكُمْ كَدُّ عَاثٍ بِبَعْضِكُمْ بَعْضًا ۖ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَسْتَلُونُ

قرار دو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو بے شک اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تمہارے درمیان سے کسی کی

مِنْكُمْ لِمَاذَا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ

آڑ میں پھپکے سے نکل جاتے ہیں سو جو لوگ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ اس سے ڈریں کہ انہیں کوئی مصیبت

فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۶۳﴾ ۚ إِلَّا إِنْ يَنْتَهِ مَافِي السَّمَوَاتِ

جائے یا انہیں کوئی درد ناک عذاب پہنچ جائے ۝ سنو بے شک اللہ ہی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَالْأَرْضِ ۖ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ ۖ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ

اور جو کچھ زمینوں میں ہے اللہ کو خوب علم ہے تم جس حال میں ہو اور جس دن وہ اللہ کی طرف لوٹے جائیں گے

فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۶۴﴾

تو وہ ان کے کہے ہوئے سب کاموں کی خبر دے گا اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتے والا ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مومنین صرف وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر حقیقتاً ایمان رکھتے ہیں اور جب وہ کسی مجتمع ہونے والی جم میں رسول کے ساتھ ہوتے ہیں تو ان کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتے بے شک جو لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس جب وہ اپنے کسی کام کے لیے آپ سے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کے لیے چاہیں اجازت دے دیں اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے حد درجہ فرمانے والا ہے ۝ (النور: ۶۳)

امر جامع (مجمع ہونے والی جم) کا بیان

اس آیت میں فرمایا ہے جب وہ کسی امر جامع میں رسول کے ساتھ ہوتے ہیں:

امر جامع سے مراد جہاد کا لشکر ہے یا پانچ وقت کی نماز ہے یا نماز جمعہ ہے یا نماز عید ہے یا کسی اہم کام کے لیے مقرر کرنے کی مجلس ہے۔

مفسرین نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن جب منبر پر خطبہ دے رہے ہوتے اور اس وقت کوئی شخص اپنے کسی کام یا کسی ضرورت کی بنا پر مسجد سے جانا چاہتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو جاتا آپ اس کو کہہ کر چلنے کی اجازت لینے کے لیے کھڑا ہوا ہے پھر آپ ان میں سے جس کو چاہتے اجازت دے دیتے۔

مجاہد نے کہا جمعہ کے خطبہ میں امام جمعہ کے اشارہ سے اجازت دے دے اہل علم نے کہا اسی طرح ہر وہ ہم جس میں مسلمان امام کے ساتھ جمع ہوں اس میں مسلمان امام کی اجازت کے بغیر اس مجلس سے نہ نکلیں اور جب کوئی شخص اجازت طلب کرے تو امام کو اختیار ہے وہ چاہے تو اجازت دے دے اور چاہے تو اجازت نہ دے اور اجازت لینا اس وقت ضروری ہے جب کہ

امام ابو الحسن بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ دعاء الرسول کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم اس سے بچو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو کر تمہارے خلاف دعا کریں کیونکہ آپ کی ناراضگی کی دعا تمہارے لیے مصائب کے نزول کا موجب ہے اور آپ کی دعائے ضرر کی دوسرے کی بددعا کی طرح نہیں ہے اور مجاہد اور قتادہ نے کہا آپ کو آپ کا نام لے کر نہ بلاؤ جیسے تم ایک دوسرے کو نام لے کر بلا تے ہو حضرت یحییٰ بن عبد اللہ نہ کو لیکن آپ کو تعظیم اور تکریم سے بلاؤ اور نرمی اور تواضع کے ساتھ یا نبی اللہ اور یا رسول اللہ کہو۔

اور آپ کی مجلس سے کسی کی آڑے کر بیٹھے سے نہ کھٹک جاؤ۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت غزوہ خندق کے موقع پر نازل ہوئی کیونکہ منافقین خندق کھودتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر بھا کر بیٹھے سے کھٹک لیتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لواء کی تفسیر میں فرمایا: منافقین کسی کی اوٹ یا آڑ میں نکل جاتے تھے کیونکہ منافقین پر جہد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سننا بہت دشوار تھا تو وہ کسی صحابی کی اوٹ میں چپ کر مسجد سے نکل جاتے تھے اس کا معنی اجازت کے بغیر چلے جانا بھی ہے مجاہد نے کہا اگر تم بغیر اجازت کے چلے گئے تو تم کو دردناک عذاب ہوگا خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں۔ (معجم البقر ج ۳ ص ۲۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۲۰ھ)

لا تجعلوا دعاء الرسول کے تین محافل

لا تجعلوا دعاء الرسول کے مفسرین نے تین محافل بیان کیے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء ضرر کو اپنی دعا پر قیاس نہ کرو اس صورت میں دعا کی رسول کی طرف اضافت الی الفاعل ہے دوسرا محفل یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ممانعت انداز میں نام لے کر نہ بلاؤ اس صورت میں دعا کی رسول کی طرف اضافت الی المفعول ہے اور تیسرا محفل یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تم کو بلائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلائے کو اپنے بلائے کی مثل نہ قرار دو کیونکہ تمہارے بلائے پر کسی کا جانا فرض نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلائے پر جانا فرض ہے۔ اس صورت میں بھی دعا کی رسول کی طرف اضافت الی الفاعل ہے۔

اول الذکر دو تفسیریں ان مفسرین نے کی ہیں:

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمہارے خلاف دعا واجب القبول ہے تم اس سے

بچو۔ (جامع ابوان رقم الحدیث: ۹۹۱۱ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۹۲۲ المکتبہ والعیون ج ۳ ص ۱۸۸)

مجاہد نے کہا آپ کو یا مجھ کہہ کر نہ بلاؤ۔

(جامع ابوان رقم الحدیث: ۹۹۱۱ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۹۲۲ المکتبہ والعیون ج ۳ ص ۱۸۸)

یہ دو تفسیریں حسب ذیل کتب تفسیر میں بھی ہیں:

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۶۵ تفسیر البیان ج ۱۵ ص ۲۶۸ تفسیر بڑھادی مع اللہ ج ۱ ص ۹۳ البوسید ج ۳ ص ۳۳۱ تفسیر ابن کثیر

ج ۳ ص ۳۳۹ الدر المنثور ج ۶ ص ۲۱۱ راجع البانی ج ۱۸ ص ۳۶۹ البحر المحیط ج ۸ ص ۵۰۵ التلکات ج ۳ ص ۲۶۵ فتح اللہ ج ۲ ص ۸۰ فتح البیان ج ۳

ص ۲۶۵ تفسیر المازن ج ۳ ص ۳۶۵ تفسیر المداہک علی عاشق الاذن ج ۳ ص ۳۶۵)

ثانی الذکر تفسیر حسب ذیل مفسرین نے کی ہے:

علاء ابو الحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلائے پر تاخیر سے جانے سے منع فرمایا ہے جیسے ایک دوسرے کے بلائے پر تاخیر سے چلے جاتے ہیں۔ (المائدہ: ۵۸ ج ۳ ص ۱۸۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)
علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزحری الخوارزمی التوفیقی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلائے کو اپنے بلائے پر قیاس نہ کرو۔

(الکشاف ج ۳ ص ۲۶۵ مطبوعہ دارالحدیث اہل احداث بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

میر اور قتال کا حق یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلائے کے حکم کو ایسا نہ قرار دے جیسے تم ایک دوسرے کو ہاتھ سے ہونے کیونکہ آپ کے بلائے پر جانا فرض لازم ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس آیت کے آخر میں فرمایا: سو جو لوگوں کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ اس سے ڈریں کہ انہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے یا انہیں کوئی درد ناک ہذا اب پہنچ جائے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۲۵ مطبوعہ دارالحدیث اہل احداث بیروت ۱۴۱۵ھ)

درج ذیل کتابوں میں بھی یہ تفسیر ہے:

(المحرر المکمل ج ۸ ص ۵۷ تفسیر بیضاوی مع الکافی ج ۴ ص ۹۳ شیخ زاہد علی بیضاوی ج ۶ ص ۲۵۹ الکازرنی ج ۳ ص ۳۰۳ تفسیر

ابن جریر ج ۳ ص ۲۸۸ فتح اللہ ج ۳ ص ۸۷۸ روح البانی ج ۲ ص ۳۲۹ تفسیر مدارک علی حاشی اللہ ج ۳ ص ۳۶۵)

نداء یا محمد پر اعتراض کے جوابات

مجاہد اور قتادہ کی تفسیر سے یہ گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد کہہ کر نہ بلاؤ اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آپ کو یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کہہ کر بلاؤ۔ اس نداء پر بعض علماء نے لکھا ہے کہ یا محمد کہہ کر آپ کو نداء نہیں کرنی چاہیے یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کہہ کر نداء کرنی چاہیے بلکہ جن احادیث میں آپ نے یا محمد کہنے کی تلقین کی ہے وہاں بھی یا رسول اللہ کہنا چاہیے کیونکہ جب آپ کا رب آپ کو یا محمد کہہ کر نہیں پکارتا تو ہم غلاموں کی کیا مجال کہ ہم آپ کو آپ کا نام لے کر پکاریں اور ترک ادب کا ارتکاب کریں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مجاہد اور قتادہ کی تفسیر میں یا محمد کہہ کر بلائے سے منع کیا ہے یا محمد کہہ کر آپ کو نداء کرنے سے منع نہیں کیا اور ہم یا محمد کہہ کر نداء کے قائل ہیں کیونکہ نداء میں اس کو متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے جس کو نداء کی جارہی ہے اس کو بلائے مقصود نہیں ہوتا جیسے ہم یا اللہ کہتے ہیں تو اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کو بلائے نہیں ہوتا بلکہ اس کی ذات کو اپنی اور اپنے حال کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے اسی طرح جب ہم یا محمد کہتے ہیں تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے اور آپ کو بلائے مقصود نہیں ہوتا اور مجاہد اور قتادہ کی تفسیر میں یا محمد کہہ کر آپ کو بلائے سے منع فرمایا ہے اور آپ کو متوجہ کرنے سے منع نہیں فرمایا۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ لفظ محمد کے دو لحاظ ہیں ایک اعتبار سے یہ آپ کا علم اور نام ہے اور اس اعتبار سے آپ کو نداء کرنی منع ہے یعنی آپ کا نام لے کر آپ کو بلائے منع ہے اور دوسرے اعتبار سے یہ آپ کی صفت ہے کیونکہ محمد کا معنی ہے جس کی بے حد حمد اور تعریف کی گئی ہو اور اس اعتبار سے آپ کو نداء کرنا اور آپ کو بلائے جائز ہے اور مستند علماء نے ان دو لحاظوں کا ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

کہا جاتا ہے اس کی عمر کی گودودھ ہے جس طرح کہا جاتا ہے اس نے تعلیم دی تو وہ مسلم ہے لہذا یہ (فقہ محمدی) مسلم (۴۸) مکی ہے اور سنت مکی اور آپ کے حق میں یہ دلوں پر مکی ہے۔

و یقال احمد فہو محمد کما یقال: علم فہو معلوم و ہذا علم وصفۃ اجتماع فیہ الامر ان فی حقہ صلی اللہ علیہ وسلم.

(جلالہ الامام ص ۹۳ فیلیل آباد)

نیز علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

محمد اور انہو میں وصیت حکیت (۴۸) ہونے کے معنی نہیں ہے اور ان دونوں معنوں کا قصد کیا جاتا ہے۔

و الوصفیۃ فیہما لاتنافی العلمیۃ وان معنایہما مقصود. (جلالہ الامام ص ۱۱۳ فیلیل آباد)

ملا علی قاری حوتی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت جبرائیل نے آپ کو یا محمد کہا تو اس فقہ محمد کے معنی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کیا اور مکی (۴۸) کے مراد کا ارادہ نہیں کیا۔

او قصد بہ المعنی الوصفی دون المعنی العلمی. (مرآت ص ۱۵۱۲ مکتبہ ۱۳۹۰ھ)

شیخ شبیر احمد عثمانی نے بھی ملا علی قاری کے حوالے سے اس جناب کا ذکر کیا ہے۔

فقہ محمد سے آپ کا علم اور نام ہی مقصود ہو لیکن آپ کو بلا نا مقصود نہ ہو صرف انہما عبت اور ذوق و شوق سے محض آپ کے نام کا فہم و گنا مقصود ہو جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

احادیث آثار علماء حنفیہ میں اور علماء دیوبند سے نداء یا محمد کا ثبوت

امام مسلم حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں اس میں ہے:

فصعد الرجال والنساء فوق البیوت وتفرق العلمان والخدم فی الطریق ینادون یا محمد یا رسول اللہ یا محمد یا رسول اللہ.

(صحیح مسلم ج ۳ ص ۳۱۹ کراچی) (جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو مرد اور عورتیں گھروں کی بچوں پر چڑھ گئے اور بچے اور خدام راستوں میں پھیل گئے اور دھڑکے لگاتے رہے تھے یا محمد یا رسول اللہ یا محمد یا رسول اللہ۔)

حافظ ابن کثیر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے احوال میں لکھتے ہیں:

و کان شعارہم یومض یا محمد یا محمد.

(البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۲۳ قدیم)

حافظ ابن اثیر نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۳ ص ۳۲۹ حدیث)

شیخ رشید احمد شنگوی حوتی ۱۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

یہ خود معلوم آپ کو کہ نداء غیر اللہ تعالیٰ کو دوسرے شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم سامع مستقل عقیدہ کرے ورنہ شرک نہیں مثلاً یہ جانے کہ حق تعالیٰ ان کو مطلع فرما دیوے گا یا پانہم تعالیٰ انکشاف ان کو ہو جائے گا یا پانہم تعالیٰ ملائکہ بھیجا دیوے گے جیسا درود کی نسبت وارد ہے یا محض شوقیہ کہتا ہو محبت میں یا عرض حال کل حشر و حرمان میں کہ ایسے مواقع میں اگرچہ کلمات خطاب ہوئے ہیں لیکن ہرگز مقصود نہ اسلحہ ہوتا ہے نہ عقیدہ پس ان ہی اقسام سے کلمات مناجات و اشعار پر رکان کے ہوتے ہیں کہ فی ذلک نہ شرک نہ معصیت۔ (فتاویٰ رشیدیہ کمال ہو ب ص ۶۸ کراچی)

اور آپ نے دعاے حاجت میں جو یہ کہنے کی تعلیم فرمائی ہے: یا محمد اے نبی تو جہت بک الہی وہی "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

لیک وسلم) میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں" اس میں بھی یا محمد کے لفظ سے آپ کو بلانا مقصود نہیں ہے بلکہ آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے امام مسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل نے ایک امراہی کی شکل میں حاضر ہو کر آپ سے کہا:

یا محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) مجھے اسلام کے متعلق
(مکمل مسلم ج ۱ ص ۲۷۷) کہائیے۔

اس میں بھی یا محمد کے لفظ سے آپ کو بلانا مقصود نہیں تھا آپ کو متوجہ کرنا مقصود تھا اور قرآن مجید میں نام کے ساتھ بلانے کی ممانعت ہے مطلقاً خدا کرے کی ممانعت نہیں ہے۔

یا محمد کہنے کے جواز کی تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات کسی کے نام کے ساتھ خدا بلانے کے لیے کی جاتی ہے نہ متوجہ کرنے کے لیے بلکہ محض اس کا ذکر کرنے اور اس کو یاد کرنے کے لیے اس کے نام کے ساتھ خدا کرتے ہیں جیسے کوئی شخص یا اللہ یا اللہ کا عقیدہ کرتا ہے اور اس کے جواز پر واضح دلیل یہ حدیث ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عبد الرحمن بن سعد قال: حدثت
عجل ابن عمر فقال له: جلی: الذکر احب الناس
لیک فقال یا محمد.

(الادب المفرد ص ۲۵۰ مطبوعہ مکتبۃ اثریہ ساکنہ)

اللہ تعالیٰ کا یا محمد فرمانا

امام بخاری حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے معراج کی ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں اس میں ہے:

فقال الجبار یا محمد قال لیک
وسعدیک قال انه لا یبدل القول لدی کما
فرضت علیک فی ام الکتاب فکل حسنة
بعشر امثالها ففی خمسین فی ام الکتاب وهی
خمس علیک. (مکمل بخاری ج ۱ ص ۱۱۱) کہائیے۔

امام مسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث معراج روایت کرتے ہیں اس میں ہے:

فلم ارجع بین رسی و بین موسی علیہ
السلام حتی قال یا محمد اتین خمس صلوات
کمل یوم و لیلۃ. (مکمل مسلم ج ۱ ص ۱۹۱) کہائیے۔

امام ترمذی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں اس میں ہے:

فاذا بری تبارک وتعالی فی احسن صورة
فقال یا محمد قلت رسی لیک قال فیم یختصم
لعملاء الاعلی. الحدیث قال ابو عیسی

هذا حديث صحيح سالت محمد بن اسماعيل
عن هذا الحديث فقال هذا صحيح.
رہے ہیں؟ الھدیث۔ امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔
نے امام بخاری سے اس حدیث کے حقیقی سوال کیا تو انھوں نے کہا
(جامع ترمذی ص ۳۶۶ کراچی) یہ حدیث صحیح ہے۔

نیز امام ترمذی حضرت ابن عباس سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں اس میں ہے:
قال انساني ربي في احسن صورة فقال
بامحمد قلت لبيك ربي وسعديك. الحديث.
نیز امام ترمذی ص ۳۶۶ کراچی) حاضر ہوں۔
یہ دونوں حدیثیں جامع ترمذی کے قدیم نسخوں کے متن میں درج ہیں اور محمد نے اپنے ایڈیشن میں ان حدیثوں کو حاشیہ
میں نسخہ کے عنوان سے درج کیا ہے۔ تحفۃ الاخوان میں بھی یہ حدیثیں ترمذی کے متن میں درج ہیں۔

امام احمد نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اس میں ہے:
انساني ربي عز وجل الليلة في احسن صورة
احسبه يعني في النور فقال بامحمد تسري فيما
يختصم الملاء الاعلى. الحديث.
ایک رات کو یعنی خواب میں میرے پاس میرا رب عزوجل
حسین ترین صورت میں آیا اور فرمایا یا محمد! کیا آپ (از خود)
جانتے ہیں کہ ملا و اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟

(مسند احمد ج ۶ ص ۳۶۸ بیروت)
امام احمد عبدالرحمن بن عائش کی سند کے ساتھ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں اس میں ہے:
انساني ربي عز وجل الليلة في احسن صورة
قال يا محمد. (مسند احمد ج ۶ ص ۳۶۸ بیروت)
امام بخاری حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے شفاعت کی ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں اس میں ہے:
فيقال بامحمد ارفع راسك وقل يسمع
لك وسل تعطه واشفع تشفع.
(صحیح البخاری ج ۳ ص ۱۱۸ کراچی) شفاعت قبول کی جائے گی۔

اس حدیث کو امام مسلم اور امام ابن ماجہ اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔
(صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۰۹ سنن ابن ماجہ ص ۳۰۹ مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۸)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تصریحات سے نداء یا محمد کا جواز
ہم نے پہلے وہ احادیث ذکر کیں جن میں حضرت جبریلؑ حضرت عبداللہ بن عمر اور عام صحابہ کرام نے یا محمد کہا اس کے
بعد ہم نے صحاح ستہ کے حوالوں سے وہ احادیث ذکر کیں جن میں اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو یا محمد فرمایا ہے۔ اس لیے اب یہ
احترام سا نداء ہو گیا کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کا مالک اور مولیٰ ہونے کے باوجود آپ کو یا محمد کے ساتھ ندا نہیں کرتا تو ہم غلاموں
کی کیا مجال کہ آپ کو یا محمد کے ساتھ ندا کریں۔ اعلیٰ حضرت نے یہ کثرت احادیث پیش کی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے دیگر
انبیاء نے اور فرشتوں نے آپ کو یا محمد کے ساتھ ندا کی ہے اب ہم وہ نقول پیش کر رہے ہیں۔
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:

امیر دینی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی مسئل عنہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی قوله
 حسنیٰ ان یصلک ربک مقاما محموداً فقال ہی الشفاعة اور شفاعت کی حدیثیں خود متواتر و مشہور اور صحاح وغیرہ
 میں مروی و مسطور جن کی بعض انتہاء اللہ تعالیٰ ہی تکل و دم میں مذکور ہوں گی اس دن آدم صلی اللہ سے یعنی کھلتی ہوتی سب انبیاء
 اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام نفسی نفسی فرمائیں گے اور حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہا انہا اللہ "میں ہوں شفاعت کے لیے میں
 ہوں شفاعت کے لیے" انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین سب ساکت ہوں گے اور وہ عظیم سب سر پر گر ہوں و ساجد و قائم سب
 محل خوف میں وہ آمن و نام سب اپنی فکر میں انہیں فکر عالم سب زیر حکومت وہ مالک و حاکم بارگاہ الہی میں مجید و کریم تے ان
 کا رب انہیں فرمائے گا یا محمد ارفع و اسکب و قل تسمع و سل تعطہ و اشفع تشفع "اے محمد اپنا سر اٹھا اور عرض
 کرو کہ تمہاری عرض سنی جائے گی اور مانگو کہ تمہیں عطا ہوگا اور شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت قبول ہے" اس وقت اولین و آخرین
 میں حضور کی حمد و ثنا کا غلغلہ پڑ جائے گا اور دوست دشمن موافق مخالف ہر شخص حضور کی افضلیت کبریٰ و بیادیت عظمیٰ پر ایمان لائے
 گا والحمد لله رب العلمین۔ (حجی انجمن ص ۳۵-۳۶ مطبوعہ جامعہ اہل سنت دینی لاہور ۱۴۱۰ھ)

ابن عباسؓ کو خطیب بغدادی اس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لیسما اسری
 بی قرسی سی حتی کان ہینسی و بینہ کفاب قومین او اذنی وقال لی یا محمد هل عمنک ان جعلتک
 اخیر النبیین قلت لا یا رب۔ قال فهل غم امتک ان جعلتہم اخر الامم قلت لا یا رب۔ قال اخیر امتک انی
 جعلتہم اخر الامم لا فاضح الامم عندهم ولا افضحہم عند الامم "شب اسرا مجھے میرے رب نے اتنا نزدیک کیا کہ
 مجھ میں اس میں دو کماتوں بلکہ اس سے کم کا فاصلہ با رب نے مجھ سے فرمایا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کیا تجھے کچھ برا
 معلوم ہوا کہ میں نے تجھے سب انبیاء سے متاخر کیا عرض کی نہیں اے رب میرے! فرمایا کیا تیری امت کو غم ہوا کہ میں نے
 انہیں سب امتوں سے پیچھے کیا میں نے عرض کی نہیں اے میرے رب! فرمایا اپنی امت کو خبر دے کہ میں نے انہیں سب امتوں
 سے اس لیے پیچھے کیا کہ اور امتوں کو ان کے سامنے رسوا کروں اور انہیں کسی کے سامنے رسوا نہ کروں۔"

(حجی انجمن ص ۳۵-۳۶ مطبوعہ جامعہ اہل سنت دینی لاہور)

ان دونوں حدیثوں میں اللہ عزوجل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد کہہ کر عباد فرمائے گا لہذا یہ اعتراض ساقط ہو گیا کہ
 جب اللہ تعالیٰ نے حضور کا مالک و مولیٰ ہو کر آپ کو یا محمد کے ساتھ ندا نہیں فرمائی تو ہم غلاموں کے لیے کب جائز ہوگا کہ آپ کو
 یا محمد کہہ کر پکاریں اور ترک ادب کے مرتکب ہوں!

حدیث موقوف متصل مطول احمد و بخاری و مسلم و ترمذی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور بخاری و مسلم و ابن ماجہ نے انس اور
 ترمذی و ابن خزیمہ نے ابوسعید خدری اور احمد و یزید و ابن حبان و ابویعلیٰ نے صدیق اکبر اور احمد و ابویعلیٰ نے ابن عباس رضی اللہ
 تعالیٰ عنہم سے مروی غالی سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور عبد اللہ بن مبارک و ابن ابی شیبہ و ابن ابی عامر و بطرانی نے یہ سند صحیح
 سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوف روایت کی ان سب کے الفاظ جدا جدا نقل کرنے میں طول کثیر ہے لہذا میں ان کے
 منظم لفظوں کو ایک مختصم سلسلہ میں یکجا کر کے اس جان فراقہ کی تلخیص کرتا ہوں و باللہ التوفیق (الی قولہ)

مطلوب بلند عزت و جلال عاجزاں دادائے بے کساں مولا نے دو جہاں حضور پر نور محمد رسول اللہ شفیع یوم البعث و افضل صلوات
 اللہ و اکل تسلیات اللہ و ازکی تحیات اللہ و انشی برکات اللہ علیہ و علی آلہ و صحبہ و عیالہ میں حاضر آئے اور یہ ہزاراں ہزار ناہائے
 زار و دل بے قرار و خشم انگہار یوں عرض کرتے ہیں:

یامحمد وباتسی اللہ انت الذی فتح اللہ بک وجئت فی هذا اليوم انت رسول اللہ وبعث
الانبياء اشفع لسا الی ربک فلیقبض بیننا الاثری الی مانحن فیہ الاثری ماقد بلغنا "اے محمد اللہ کے نبی
آپ وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے تقیبات کیا اور آج آپ آمن و مطمئن تشریف لائے حضور اللہ کے رسول اور انبیاء کے
خاتم ہیں اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے کہ ہمارا فیصلہ فرمادے حضور نگاہ تو کریں ہم کس دروس ہیں حضور ملاحظہ
تو فرمائیں ہم کس حال کو پہنچے ہیں۔ (جلی المبین ص ۷۷-۷۸ ملخصاً "ملفوظات علامہ ابن کثیر لاہور)

اس حدیث میں جو متحد کتب حدیث سے نقل ہے یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام امتی آپ کو یا محمد
کے الفاظ سے غداء کریں گے سو اگر آپ کو یا محمد سے غداء کرنا موجب ترک ادب ہوتا تو آپ کے تمام امتی قیامت کے دن
طلب شفاعت کے وقت آپ کو یا محمد کہہ کر غداء نہ کرتے بلکہ یا رسول اللہ کہہ کر غداء کرتے!

امام ابو ذر یا یحییٰ بن عائد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قصہ
ولادت اقدس میں فرماتی ہیں میں تھیں جنھیں غصہ نظر آئے "گویا آفتاب ان کے چہرے سے طلوع کرتا ہے ان میں ایک نے حضور کو
اٹھا کر ایک ساعت تک حضور کو اپنے پروں میں چھپایا اور گوش اقدس میں کچھ کہا کہ میری کچھ میں نہ آیا اتنی بات میں نے بھی سنی
کہ عرض کرتا ہے ابشر یامحمد فلما بقی لسی غلم الا وقد اعطیتہ فانت اکثرهم علما و اشجعهم قلبا معک
مفتاح النسر قد البست الخوف والرعب لا یسمع احد یذکرک الا وجل فوادہ وخاف قلبہ وان لم
یروک یا خلیفۃ اللہ "اے محمد اڑو ہو کہ کسی نبی کا کوئی علم باقی نہ رہا جو حضور کو نہ ملاحظہ ہو تو حضور ان سب سے علم میں زائد اور
شہادت میں قاض ہیں جو نصرت کی کتبیاں حضور کے ساتھ ہیں حضور کو رب دیدہ بہ کامہ پہنایا ہے جو حضور کا نام پاک سننے کا
اس کا جی ڈر جائے گا اور دل سم جائے گا اگرچہ حضور کو دیکھا نہ ہو اے اللہ کے نائب! "ان میں اس فرماتے ہیں کسان ذلک
رضوان خازن الجنان "یہ رضوان دارودہ جنت تھے" علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ (جلی المبین ص ۸۱-۸۲ ملفوظات علامہ ابن کثیر لاہور)
اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ معزز فرشتے جنت کے دارودہ رضوان نے آپ کو یا محمد کے ساتھ غداء فرمائی۔

شب اسراء حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت فرمانا حدیث ابو ہریرہ
وحدیث انس و حدیث ابن عباس و حدیث ابن مسعود و حدیث ابی لیلیٰ و حدیث ابی سعید و حدیث ام ہانی و حدیث ام المؤمنین
صدیقہ و حدیث ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و اثر کتب احبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہوا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ
عنه سے صحیح مسلم میں ہے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے کو جماعت انبیاء میں دیکھا موسیٰ و عیسیٰ
و ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نماز پڑھتے پایا فصاحت الصلوٰۃ فامنتهم "پھر نماز کا وقت آیا میں نے ان سب کی امامت
کی۔" انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنائی کہ روایت میں ہے جمع لى الانبياء فقدمنى جبریل حين امنتهم "میرے لیے
انبیاء جمع کیے گئے جبریل نے مجھے آگے کیا میں نے امامت فرمائی۔" ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے فسلم البث الامیرا
حتى اجتمع ناس کثیر ثم اذن مؤذن و اقيمت الصلوٰۃ فقمنا صفوفنا ننظر من يؤمننا فاحذ بیدی جبریل
فقدمنى فصليت بهم فلما انصرفت قال جبریل یامحمد ادرى من صلی خلفک قلت لا قال صلی
خلفک کل نبی بعثه الله "مجھے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ بہت لوگ جمع ہو گئے مؤذن نے اذان کہی اور نماز پڑھوائی ہم سب
صف بانہ صف منتظر تھے کہ کون امام ہوتا ہے جبریل نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے کیا میں نے نماز پڑھائی سلام پھیرا تو جبریل نے
عرض کی حضور نے جانا یہ کس کس نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی؟ فرمایا نہ عرض کی ہر نبی کہ خدا تعالیٰ بھیجا حضور کے پیچھے نماز پڑھی

حقاً طبری و تہذیبی و این جریدہ و این مردویہ کی روایت موقوفہ میں ہے قسم بعثت لہ ادم فمن دونہ من الانبیاء فامہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضور کے لیے آدم اور ان کے بعد جتنے نبی ہوئے سب اٹھائے گئے حضور نے ان کی امامت فرمائی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (عجل العین ص ۸۳-۸۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۵ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے شب معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد کہہ کر ندا فرمائی اگر یہ کلمہ موجب توہین اور موجب ترک ادب ہوتا تو حضرت جبریل آپ کو یا محمد کہہ کر ندا نہ کرتے بلکہ یا رسول اللہ کہہ کر ندا کرتے

اصلی حضرت نے حدیث کی جتنی کتابوں کے حوالے دیئے ہیں ان میں سے کسی کی صفحہ وار تخریج نہیں فرمائی اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ قدیم علماء میں اس طرح تخریج کا رواج نہ تھا دوسری وجہ یہ ہے کہ ان میں سے بیشتر کتب اس وقت تک چھپی نہ تھیں خصوصاً امام ابن عساکر امام ابن ابی عاصم امام ابن ابی حاتم اور امام ابو یوسف وغیرہ کی کتابیں غالباً یہ تمام حوالے اصلی حضرت نے حافظ سیوطی کی التخصیص الکبریٰ سے جن جن کتب نقل فرمائے ہیں اور اصلی حضرت قدس سرہ کا عام اسلوب یہی ہے۔ رہا یہ کہنا کہ جس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یا محمد کہنے کی تلقین فرمائی ہو اس میں بھی یا محمد کے بجائے یا رسول اللہ کہنا چاہیے سو یہ ہماری کجھ سے ماوراء ہے۔ ہمارا مقصد صرف اتنا تھا کہ اصلی حضرت قدس سرہ العزیز کی تصریحات سے ندا یا محمد کا جواز ثابت کیا جائے الحمد للہ ہم نے احادیث آثار علماء اسلاف علماء دیوبند اور اصلی حضرت امام احمد رضا کی تصریحات سے ندا یا محمد کا جواز ثابت کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سنبہ شک اللہ کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اللہ کو خوب علم ہے تم جس حال میں ہو اور جس دن وہ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے تو وہ ان کے کیے ہوئے سب کاموں کی خبر دے گا اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتے والا ہے (النور ۶۳)

اللہ تعالیٰ کے خالق اور مستحق عبادت ہونے پر دلیل

الوہیت کا ہر دو چیز دل پر ہے علم پر اور قدرت پر۔ ضروری ہے کہ خدا کو اپنی تمام مخلوق کا علم ہو اگر اس کو علم نہ ہو تو اس کو پتا نہیں چلے گا کہ اس کی مخلوق اس کے احکام پر عمل کر رہی ہے یا نہیں کر رہی اور اگر اس کو اپنی پوری مخلوق کا علم ہو اور ان پر قدرت نہ ہو تو اس کی مخلوق میں سے جو اس کی نافرمانی کرے تو وہ ان سے مواخذہ اور ان پر گرفت نہیں کر سکتا اس لیے مخلوق کی فرماں برداری کرنے پر ان کو جبر اور انعام دینے کے لیے اور ان کی نافرمانی کرنے پر ان کو سزا اور عذاب دینے کے لیے ضروری ہے کہ تمام مخلوق کا علم بھی ہو اور ان پر قدرت بھی ہو۔ اس آیت کے پہلے جزم میں فرمایا کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کے درمیان جو کچھ ہے سب اللہ کی ملکیت میں ہے اس میں تمام مخلوق پر قدرت کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے جزم میں فرمایا اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتے والا ہے اس میں تمام مخلوق کے علم کی تصریح ہے اور جس کو تمام کائنات پر قدرت ہو اور جس کو تمام کائنات کا علم ہو وہی اس لائق ہے کہ اس کو تمام کائنات کا خدا خالق مدبر اور سب کی عبادتوں کا مستحق قرار دیا جائے اور تسلیم کیا جائے اور اسی کی خدائی پر ایمان لایا جائے۔

سورۃ النور کے اختتامی کلمات

سورۃ النور کی تفسیر ۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ / ۱۷ ستمبر ۲۰۱۱ء کو بہ روز اتوار شروع کی تھی اور آج ۱۸ شعبان

۱۴۳۲ھ / ۱۵ نومبر ۲۰۱۱ء بہ روز پیر ایک ماہ افکارہ دن بعد ختم ہوئی فالحمد للہ رب العلمین علی ذالک

الہ العالمین جس طرح آپ نے اس کام کو یہاں تک پہنچا دیا ہے محض اپنے کرم اور فضل سے اس کو مکمل بھی کما دیا۔ جس طرح اپنی عنایت سے اس کام کو شروع کرنے کی توفیق دی ہے اس کام کو تمام وکمال تک بھی پہنچا دیا۔

شرح صحیح مسلم اور تبيان القرآن کو حاسدین اور معاندین کے شر سے محفوظ رکھنا اور ان کو تاقیام قیامت مؤثر مفید اور فیض آفریں رکھنا میری میرے والدین میرے اعزاء کا قرب احباب اور معاونین ان کے ناشتر مسیح کا تب کیوزر اور جلد ساز کی مغفرت فرمانا دنیا اور آخرت میں عزت اور سرفرازی عطا فرمانا اور لوگوں کی نگاہوں میں شرم سار نہ کرنا صرف اپنا محتاج رکھنا اور دنیا میں کسی کا محتاج نہ کرنا صحت عافیت ایمان اور اعمال صالحہ سے تادم مرگ قائم رکھنا گناہوں سے بچائے رکھنا مرنے سے پہلے اپنے محبوب و کرم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت عطا فرمانا اور مرنے کے بعد آپ کی شفاعت عطا فرمانا میں ان وعادوں کی استجابت کے لائق تو نہیں لیکن آپ کا عطا اور کرم بہت وسیع ہے سو مجھے مایوس اور شرمندہ نہ فرمانا۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین امام المرسلین اول الشافعیین والمشفعیین وعلی آلہ الطیبین الطاہرین واصحابہ الکاملین الراشدین وازواجه امہات المومنین واولیاء امته وعلما ملته من المحدثین والمفسرین والفقہاء والمجتہدین وسائر المسلمین اجمعین۔

سُورَةُ الْفُرْقَانِ

(۲۵)

بسم الله الرحمن الرحيم
نحمده ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورة الفرقان

سورة کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الفرقان ہے اور اس کی مناسبت یہ ہے کہ اس سورت کی ابتدا میں الفرقان کا ذکر ہے:
تَكْوِيْنُ الْبَشَرِ فِي تَرْوِيْنِ الْفَرْقَانِ عَلَى عَبْدِي وَبِئْسَ كَوْنُ
الْفَرْقَانِ (قرآن مجید) کو نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہانوں والوں
کے لیے (عذاب سے) ڈرانے والے ہوں ۵

عہد رسالت میں بھی اس سورت کو سورۃ الفرقان کہا جاتا تھا:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضرت عہام بن حکیم رضی اللہ عنہ کو سورۃ الفرقان پڑھتے ہوئے سنا میں نے غور سے ان کی تلاوت سنی وہ اس میں بہت سے ایسے حروف پڑھ رہے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھائے تھے 'قرب تھا کہ میں نماز میں ہی ان پر حملہ کر دیتا لیکن میں نے ان کے سلام پھیرنے تک صبر کیا پھر میں نے ان کو ان کی چادر سے پکڑ کر کھینچا اور کہا میں نے تم کو نماز میں جس طرح سورت پڑھتے ہوئے سنا تھا اس طرح تم کو کس نے سورت سکھائی تھی؟ انہوں نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سورت سکھائی ہے۔ میں نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو کیونکہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت تمہاری قرأت کے علاوہ دوسری طرح سکھائی ہے پھر میں ان کو کھینچتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا اور میں نے کہا میں نے ان کو سورۃ الفرقان ان حروف پر پڑھتے ہوئے سنا ہے جن حروف پر آپ نے مجھے یہ سورت نہیں سکھائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو چھوڑ دو پھر فرمایا: اے ہشام! تم پڑھو انہوں نے اس سورت کو اسی طرح پڑھا جس طرح میں نے ان سے اس سورت کو پڑھتے ہوئے سنا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے پھر فرمایا: اے عرقم پڑھو۔ پس میں نے وہ سورت اسی طرح پڑھی جس طرح آپ نے مجھے وہ سورت پڑھائی تھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ بے شک یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے 'تم کو جو حروف آسان لگیں تم ان پر

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۹۲-۶۶۹۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۸۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۴۵۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۷۴۰ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۳۶۶۰)

قرآن مجید کے سات حروف پر نازل ہونے کی تحقیق

اس حدیث میں یہ وارد ہے کہ قرآن مجید سات حروف پر نازل ہوا ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ یہاں سات حروف کی تشریح کریں:

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

سات حروف میں قرآن مجید کو نازل کرنے کی حکمت یہ تھی کہ پڑھنے والے کے لیے آسانی ہو اور پڑھنے والا ایک لفظ کی جگہ اس کے مترادف کو پڑھ سکے خواہ یہ سات حروف ایک ہی لفظ سے ہوں کیونکہ حضرت معصم اور حضرت عمر دونوں کی ایک لفظ تھی اور وہ لفظ قریشی تھی اس پر حافظ ابن عبدالبر نے متنبہ کیا ہے انہوں نے کہا سات حروف سے مراد یہ ہے کہ لفظ قریشی کے سات مترادفات تک قرآن مجید کو پڑھا جا سکتا ہے اور اکثر اہل علم کا یہی عقار ہے۔

ابوسعید اور دوسروں نے یہ کہا کہ سات حروف سے مراد سات لغات ہیں ان میں عطیہ کا بھی یہی عقار ہے اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عرب کی لغات تو سات سے زیادہ ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ سات فصیح لغات مراد ہیں اور ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید سات لغات پر نازل ہوا ہے۔ ان میں سے پانچ لغات یہ ہیں: بحر، حوازن، سعد بن بکر، جیشیم بن بکر، نضر بن معاویہ اور ثقیف اور بقیہ دو کعب قریشی اور کعب خزاعہ ہیں۔ ابوجاہم جستانی نے کہا سات لغات یہ ہیں: قریشی، حدلی، تیم، امر، پ، الا، زور، بیہ، حوازن اور سعد بن بکر اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں ہے کہ:

وَمَا آتَيْنَاكَ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ

ہم نے نہ ہر ایک کو اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا ہے۔

(ایمانیم ۳)

اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ تمام لغات قریشی کے قبائل کی ہوں ابوطی حوازی نے اسی پر اعتراض کیا ہے۔

ابوسعید نے کہا سات لغات پر قرآن مجید نازل ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن مجید کا ہر لفظ سات لغات پر پڑھا جائے گا بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ سات لغات متفرق طور پر پائی جاتی ہیں۔ پس بعض الفاظ لفظ قریشی پر ہیں اور بعض الفاظ لفظ حدلی پر ہیں اور بعض الفاظ لفظ حوازن پر ہیں اور بعض الفاظ لفظ یمن پر ہیں اور بعض الفاظ دوسری لغات پر ہیں۔

امام ابن حمید وغیرہ نے یہ کہا کہ قرآن مجید کے سات حروف پر نازل ہونے کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید کو سات مختلف قراءتوں اور سات مختلف طریقوں سے پڑھا گیا اور یہ قراءات ایک دوسرے سے متماثل ہیں ان کی حسب ذیل مثالیں ہیں:

(۱) لفظ کی حرکت خفیر ہو جائے اور اس کا معنی اور اس کی صورت خفیر نہ ہو جیسے وَلَا تَجْعَلْ لِّشَيْءٍ مُّجْرًا (البقرہ: ۲۸۰) اس کو "ز" کی جگہ کے ساتھ ولا یضار کتاب ولا شہید بھی پڑھا گیا ہے لیکن اس لفظ کے معنی اور اس کی صورت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔

(۲) لفظ کا صیغہ خفیر ہو جائے جیسے وَتَجْعَلُ لِّعِبَادِكُمْ تَسْفَاهًا (سہ: ۱۸) میں باء امر کا صیغہ ہے اس کو بعد ماضی کے صیغہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔

(۳) لفظ کو ترک کرنے سے تغیر ہو جیسے وَتَنْظُرُ إِلَى الْعِلْمِ كَيْفَ تُنْزِلُهَا (البقرہ: ۲۸۰) اس کو نشتر ہا بھی پڑھا گیا ہے۔

(۴) ایک لفظ کو اس کے قریب اکثر لفظ کے ساتھ بدلنے سے تغیر ہو جیسے **وَقُلْجِ مَنصُورٌ** (الزمرہ: ۲۹) کو طبع منضود بھی پڑھا گیا ہے۔

(۵) مقدم لفظ کو مؤخر کرنے سے تغیر ہو جیسے **وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ** (ق: ۱۹) کو **جاءت سكرة الموت بالحق** بالحق بھی پڑھا گیا ہے۔

(۶) آیت میں کسی لفظ کو زیادہ کرنے یا کم کر دینے سے تغیر ہو کم کرنے کی مثال یہ آیت ہے: **وَالْبَلَدُ إِذَا بَلَغَ لَبَّاسًا** (البقرہ: ۲۲۳) اور زیادتی کی مثال یہ آیت ہے: **وَأَنْتَ بِرُؤُوسِهِمْ كَبِيرٌ** (الشعرا: ۲۱۳) اس کے ساتھ ان الفاظ کو زیادہ کر کے چاہا گیا ہے: **وَوَهَبْنَاكَ لَهُمُ الْمُحْلِسِينَ**

(۷) کسی لفظ کے دوسرے مترادف لفظ کے ساتھ تبدیل کر دینے سے تغیر ہو جیسے **كَالْبُهْمِ الْمُنْفُوشِ** (القدر: ۵۰) کو **الصُّوفُ الْمُنْفُوشُ** بھی پڑھا گیا ہے۔

یہ مستحسن وجہ ہے لیکن قاسم بن ثابت نے اس کو مستبعد قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا اس طرح قرآن مجید کو پڑھنے کی رخصت اس وقت تھی جب قرآن مجید کو کھانسیں جاتا تھا اور اس کا رسم الخط متعین نہیں ہوا تھا اور اس وقت پڑھنے والے حروف کو صرف ان کے مخارج سے پہچانتے تھے اور نشروہا اور نشروہا کو لکھنے کی صورت بھی ملتی جلتی ہے اور ان کے معنی بھی متقارب ہیں اس لیے نشروہا کی جگہ نشروہا پڑھ لیا جاتا تھا لیکن اب چونکہ قرآن مجید کا رسم الخط متعین ہو گیا ہے اس لیے اب اس طرح پڑھنا جائز نہیں ہے۔ تاہم حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان سے اختلاف کیا ہے انہوں نے کہا اس سے ابن خلیفہ کا موقف کمزور نہیں ہوتا اور یہ چیزیں صرف استقراء سے معلوم ہیں یعنی ان پر دوسری مثالوں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

امام بغوی نے شرح السنۃ میں کہا ہے کہ وہ مصنف جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آغری امام میں مبین ہو چکا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے مطابق تمام مصاحف کو لکھنے کا حکم دیا اور تمام لوگوں کو اس پر مجتمع کیا اور اس کے ماسوا تمام مصاحف کو شتم کر دیا تاکہ اختلاف کا مادہ بالکل باقی نہ رہے۔ لہذا اب جس مصنف کا خط اس مصنف عثمانی کے خلاف ہو وہ منسوخ اور مرفوع کے حکم میں ہے اور اب اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ لہذا اب کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مصنف عثمانی کے خلاف لکھے یا پڑھے (اور اب تمام دنیا میں اسی مصنف کا رواج ہے اور یہی تواتر ہے ثابت ہے اور یہی قرآن ہے اور اس کے ماسوا قرآن نہیں ہے) حافظ عسقلانی نے اس کے بعد بہت طویل بحث لکھی ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ امام بغوی نے جو کچھ لکھا ہے وہی راجح اور معتد ہے کیونکہ امام بغوی فقیر محدث اور مقلد ہیں۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۹-۴۲ خلاصہ مکتبہ دارالعلوم دیوبند دارالکتب العلمیہ، روت ۱۴۲۰ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نوادی حنفیؒ ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

قاضی ابوبکر الباقانی نے یہ کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ سات حروف وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر اور مشہور ہوئے اور امت نے ان کو مضبوط کر لیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور جماعت صحابہ نے ان کو مصحف میں ثابت رکھا اور ان کے صحیح ہونے کی خبر دی اور ان میں سے ان حروف کو حذف کر دیا جو متاخر نہیں تھے اور کبھی ان حروف کے معانی مختلف ہوتے ہیں اور کبھی الفاظ اور یہ حروف آپس میں متعارض اور متنافی نہیں ہیں۔

امام طحاوی نے ذکر کیا کہ ان سات حروف پر بڑھنا صرف ابتداء اسلام میں تھا کیونکہ عرب کے تمام قبائل کو ایک لغت پر

مجمع کرنے میں مشقت تھی اس ضرورت کی بناء پر ان کو اپنی اپنی لغت پر پڑھنے کی اجازت دی گئی اور جب اسلام بہت مکمل ہو گیا اور کتاب کی اشاعت ہو گئی اور ضرورت نہ رہی تو پھر صرف ایک قرأت رہ گئی۔

ابو عبید اللہ بن ابی صفرہ نے کہا یہ سات قراءت وہ ہیں جو ان سات حروف میں سے ایک حرف (لغت) پر ہیں جن کا حدیث میں ذکر ہے اور یہ وہی حرف ہے جس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف میں جمع کیا ہے۔

امام مازری نے کہا ہے کہ جس شخص نے یہ کہا کہ ان سات حروف سے مراد سات مختلف معانی ہیں جیسے احکام امثال اور قصص وغیرہ تو اس کا یہ قول غلط ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشارہ کیا ہے کہ ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل کر پڑھنا جائز ہے اور تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ ایک آیت کو اس جیسی دوسری آیت سے بدل کر پڑھنا حرام ہے اور جس نے کہا کہ غفور رحیم کو سب سے پہلے بدل کر پڑھنا جائز ہے اس کا قول بھی قاسد ہے کیونکہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید کو تحریف کر کے پڑھنا حرام ہے۔ (صحیح مسلم شرح انوار ج ۲ ص ۲۳۶ مطبوعہ مکتبہ زوار صفحہ ۱۳۷ء)

ہم یہ بیان کر رہے تھے کہ عہد رسالت میں اس سورت کو سورۃ الفرقان کہا جاتا تھا اس سلسلہ میں ایک اور حدیث یہ ہے: حمید بن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی پھر آپ نے سورۃ فرقان پڑھی اور ایک آیت آپ سے رو گئی سلام پھیرنے کے بعد آپ نے فرمایا کیا قوم میں آئی ہے؟ حضرت ابی بن کعب نے کہا میں یہاں ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کیا میں نے ایک آیت چھوڑ نہیں دی؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا پھر تم نے مجھے لکھ کیوں نہیں دیا؟ حضرت ابی نے عرض کیا: میں سمجھا یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ آپ نے فرمایا نہیں وہ مجھ سے رو گئی تھی۔

(الحکم الاوسط ج ۷ ص ۲۱۲ رقم الحدیث: ۶۳۸۸، الحکم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۲۶۶، الدر المنثور ج ۶ ص ۲۱۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۲۱ھ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۶۹-۷۰)

سورۃ الفرقان کا زمانہ نزول

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

ابن الفرس نے کہا ہے کہ جمہور کے نزدیک سورۃ الفرقان کی ہے اور انصحاک نے کہا کہ یہ مدنی ہے۔

(الاعتقان ج ۱ ص ۲۵ مطبوعہ دار الفکر۔ العربی بیروت ۱۳۶۹ھ)

جمہور کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ ہے کہ اس سے تین آیات منسوخ ہیں وہ یہ ہیں: وَقَالَيْنَا لَا تَنْذِرُنَا مَعَهُ لَقَدْ جَاءَهُمْ الْبَاقِعُ وَلَا يَنْفَعُهُمْ نَفْسُ وَلَا يَنْفَعُهُمْ نَفْسُ وَلَا يَنْفَعُهُمْ نَفْسُ (الہی قولہ تعالیٰ) وَقَالَ اللَّهُ هَٰؤُلَاءِ نَارُ الْجَهَنَّمَ (الفرقان: ۷۰-۶۹، روح المعانی ج ۱ ص ۱۸۳ ص ۳۲۷)

لیکن یہ روایت صحیح نہیں جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے:

قاسم بن ابی بڑہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سعید بن جبیر سے سوال کیا کہ جس شخص نے کسی مسلمان کو عموماً قتل کیا کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے پھر میں نے ان کے سامنے سورۃ الفرقان کی یہ آیت پڑھی وَلَا يَفْتَنُكُمُ الشَّيْطَانُ إِنَّهُ يَفْتَنُكُمُ الشَّيْطَانُ (الہی قولہ تعالیٰ) وَقَالَ اللَّهُ هَٰؤُلَاءِ نَارُ الْجَهَنَّمَ (الفرقان: ۷۰-۶۹، روح المعانی ج ۱ ص ۱۸۳ ص ۳۲۷)

سعید بن جبیر نے کہا میں نے حضرت ابن عباس کے سامنے یہ آیت پڑھی تھی جس طرح تم نے میرے سامنے یہ آیت پڑھی ہے۔ انہوں نے کہا یہ آیت مکی ہے اس کو مدنی آیت نے منسوخ کر دیا جو سورۃ النساء میں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۲۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۵۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۸۳ سنن الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۲۶۶)

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۳۲ (یا ۳۱) ہے یہ سورۃ نوح کے بعد اور سورۃ قاطر سے پہلے نازل ہوئی اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۳۵ (بکچس) ہے۔

امام ابن جریر اور امام رازی نے ضحاک بن حرازم اور مقاتل بن سلیمان کی یہ روایت نقل کی ہے کہ یہ سورت سورۃ النساء آٹھ سال پہلے اتری تھی اس حساب سے بھی اس کا زمانہ نزول دور متوسط قرار پاتا ہے۔

(ابن جریر جلد ۱ ص ۲۸-۳۰ تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۳۵۸ طبع قدیم)

سورۃ النور اور سورۃ الفرقان کی باہمی مناسبت

سورۃ النور اس مضمون پر ختم ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے اور سورۃ الفرقان کی ابتدا بھی اسی مضمون سے ہوئی ہے۔

سورۃ النور کی آخری آیت ہے:

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَكَ فِي الْمَوْتِ وَالْكَرْبِ

سنو بے شک آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی

کی ملکیت ہے۔

(النور: ۶۳)

سورہ نور کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو واجب کیا تھا:

فَلْيَسْمَعُوا الَّذِي يَدْعُوهُمْ إِلَى الْوَعْدِ أَنْ يَرْجِعُوا

سو جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس

سے ڈرنا چاہیے کہ انہیں کوئی آفت پہنچ جائے یا ان کو دردناک

عذاب پہنچے۔ (النور: ۶۳)

عذاب پہنچے۔

اور سورہ نور کی ابتدا میں اس آسمانی دستور کا ذکر فرمایا جس کی اطاعت کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دیتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ

وہ برکت والا ہے جس نے اپنے عظیم بندے پر یہ تدبیر

الفرقان (قرآن مجید) کو نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہان والوں کے

لیکھنے کی خبر دے۔ (الفرقان: ۱)

لے (عذاب سے) ڈرانے والے ہوں۔

اور سورۃ الفرقان کی ابتدا میں ہے:

الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ خَفِيفٌ

وہ ذات جس کی سلطنت میں تمام آسمان اور تمام زمینیں

ہیں۔

سورہ نور میں اللہ تعالیٰ نے توحید پر تین قسم کے دلائل قائم فرمائے: آسمان اور زمین کی تخلیق اور ان کے احوال اور آثار

استدلال فرمایا۔ (النور: ۳۱) اور بارش برف باری اور ذوالہ باری سے استدلال فرمایا۔ (النور: ۳۳) اور حیوانات کے احوال اور

ان سے استدلال فرمایا۔ (النور: ۳۵) اور سورۃ الفرقان میں سایوں کو پھیلانے والوں اور رات کے قوت اور نقاب پر سامنے والی

ان بارشوں کے نازل فرمانے اور حیوانات کے پیدا کرنے سے اپنی توحید اور حقیقت پر استدلال فرمایا۔ نیز انسانوں کے پیدا

کندہ کاری اور پیسے پانوں کے ایک دوسرے کے ساتھ غلط نہ ہونے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کرنے عرش

توی ہونے آسمانوں میں بروج بنانے سورج اور چاند کو پیدا کرنے اور اس نوع کے دیگر امور کی حقیقت سے اپنی توحید اپنے

نہ پر اور حاکم ہونے پر استدلال فرمایا۔ (الفرقان: ۶۱-۷۵) اور ان دونوں سورتوں میں کافروں کے اعمال کا بے حقیقت ہونا

بیان فرمایا ہے۔

سورۃ النور میں فرمایا:

الَّذِينَ نَعَرُوا آَعَانَاهُمْ كَسْرَ ابٍ بِمِثْمَةٍ يُحْسَبُهُ
الْقَلْبَانِ مَا كَانُوا * (النور: ۲۴)

اور سورۃ الفرقان میں فرمایا:

وَقَدْ مَنَّ آلِي مَا حَمَلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ حَبَآةً
مَنْقُوشَةً * (الفرقان: ۲۳)

اور کافروں نے (اپنے زعم میں) جو بھی (نیک) عمل کیے
نے ان کو فضاء میں بکھرے ہوئے غبار کے ہار یک ذرات بنادیا۔

سورۃ النور کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فیصلے کرنے اور اپنی حاکمیت کی شان کا ذکر فرمایا:

وَيَوْمَ يُنْفَخُ الثُّبُونُ أَلَيْسَ فِي ثُبُونِهِمْ مَا كَانُوا
وَن وَهَانُ كَسْرَ ابٍ بِمِثْمَةٍ يُحْسَبُهُ * (النور: ۲۴)

اور سورۃ الفرقان کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حاکمیت اور اپنی سلطنت کی شان اور اپنی حمد و ثناء بیان فرمائی ہے:

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ يَكْفُلُهُمْ وَلَهُ
وَلَهُ يَكْفُلُهُمْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ يَكْفُلُهُمْ
تَقْدِيرًا * (الفرقان: ۲۵)

اور یوں سورۃ النور اور سورۃ الفرقان کی ابتدا اور انتہا میں معنوی اتصال ہے اور ان دونوں کے درمیان مضامین میں گہرے
متناسبت ہے دونوں کے درمیانی مضامین میں توحید کے دلائل ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تاکید ہے اور
کافروں کے اعمال کی بے مانگی اور ان کا رانگ ہونا بیان فرمایا ہے۔

سورۃ الفرقان کے مشمولات

☆ اس سورت کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کی تجید بیان کی گئی ہے اور اس کی اذلیت اور وحدانیت کی صفات بیان
کی گئی ہیں۔

☆ قرآن مجید کی جلالت شان کو بیان فرمایا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو تمام لوگوں کے لیے وجہ احسان قرار
دیا ہے۔

☆ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ
وسلم اللہ کے نبی ہیں آپ پر قرآن مجید نازل کیا گیا ہے اور آپ کی نبوت کے صدق کے دلائل بیان کیے گئے ہیں۔ آپ
گزشتہ رسولوں کی طریقہ پر ہیں اور آپ کا دین کی تبلیغ کرنا دنیا کمانے کی وجہ سے نہیں ہے۔

☆ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کو بیان کیا گیا ہے نیکو کاروں کو آخرت میں ثواب کی بشارت دی گئی ہے اور بدکاروں
آخرت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے اور مشرکین کو یہ بتایا ہے کہ آخرت میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ انہوں
اپنے زعم میں جو نیک کام کیے تھے وہ آخرت میں رانگیاں چلے گئے۔ انہوں نے چونکہ شرک کیا تھا اور رسولوں کی تکفیر
کی تھی اس لیے آخرت میں ندامت کے سوا ان کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔

☆ اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور صرف اسی کے خالق اور مدبر ہونے پر دلائل قائم کیے گئے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو یا اس کا کوئی شریک ہو اور بتوں کی الوہیت کو باطل کیا گیا ہے ان کے ذہم میں فرشتے اللہ کی نشانیاں تھیں اس کو بھی باطل کیا گیا ہے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی دعوت اور ارشاد میں اور کافروں کا مقابلہ کرنے میں ثابت قدم رہنے کی تلقین کی ہے۔
☆ آپ کو صبر و ضبط پر قائم رکھنے کے لیے یہ بتایا ہے کہ حضرت موسیٰ کی قوم حضرت نوح کی قوم عاوار و شموذ اصحاب الرس اور حضرت لوط کی قوم نے بھی اپنے نبیوں اور رسولوں کی تکذیب کی تھی اور ان کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا تھا اور دل آزار باتیں کہیں سو آپ اپنی قوم کی تکذیب اور ان کی دل آزار باتوں سے نہ گھبرائیں۔

☆ جو مشن اللہ پر توکل کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں سختیوں کو برداشت کرتے ہیں ان کی تعریف اور ستائش کی ہے ان کے محاسن اخلاق ان کی خوبیوں اور نیک عادتوں کی مدح کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ مکذبین پر عذیب عذاب نازل ہونے والا ہے۔

سورۃ الفرقان کے اس مختصر تعارف کے بعد ہم اب اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور تفسیر کو شروع کرتے ہیں اللہ اعلمین! اس تفسیر میں مجھ سے وہی کچھ لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور جو چیز لفظ اور باطل ہو اس کا کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کے خوف کے بغیر رد اور ابطال کر دینا اسرار قرآن اور اس کے نکات مجھ پر کھول دینا اس تفسیر کے دوران مجھے ایمان اور اعمال صالحہ پر برقرار رکھنا معاندین اور حامدین کے شر سے محفوظ رکھنا اس تفسیر کو تاقیام قیامت مقبول عام مفید اور فیض آفرین رکھنا اور اس خدمت کو محض اپنی رضا کے لیے برقرار رکھنا۔ آمین یدارب العلمین بسجاء حبیبک سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرءات المحجلین سید الشافعیین والمشفعین صلوات اللہ علیہ وتسلیماتہ علیہ وعلیٰ آلہ الطاہرین واصحابہ الراشدین ولزواجه الطاہرات امہات المؤمنین والولاء امہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ
خادم المدیث دارالعلوم نعیمیہ جاک نمبر ۱۵
فیڈرل بی ایریا کراچی ۳۸
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



سورۃ الفرقان کی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت مہربان ہے اس کی ستر آیات پندرہ اس میں

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ۝۱
وہ برکت والا ہے جس نے اپنے کرم بند سے یہ تدریج فرقان (قرآن مجید) کو نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے (غضب سے)

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ يَتَّخِذُ وَلَدًا ۚ وَلَمْ يَكُنْ
ڈرانے والے ہوں وہ ذات جس کی سلطنت میں تمام آسمان اور تمام زمینیں ہیں اس نے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کی

لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدْ سَاءَ تَقْدِيرًا ۝۲
سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو ایک مقرر کردہ انداز سے پر رکھا وہ

وَإِذَا تَوَلَّى سَوَاءً لَّهُ لَأَخْلَقَنَّ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا
اور لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود قرار دے لیے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور نہ

يَمْلِكُونَ أَنْ يَنْفُسَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً ۚ
وہ اپنے لیے کسی ضرر اور نفع کے مالک ہیں اور نہ وہ موت کے مالک ہیں اور نہ حیات کے

وَلَا نُشُورًا ۝۳ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا أَفْكٌ مِمَّنْ بَنَوْا
اور نہ مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کے اور کافروں نے کہا یہ قرآن تو صرف من گھڑت بات ہے جس کو اس

أَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ ۚ فَقَدْ جَاءَ ظُلْمًا وَزُورًا ۝۴ وَقَالُوا
(رسول) نے گھڑ لیا ہے اور اس پر دوسرے لوگوں نے اس کی مدد کی ہے سوا ان کافروں نے ظلم کیا اور جھوٹ بولا وہ

أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۚ أَلَمْ تَكُنْ أَهْلًا بِمَا تُغْوِي ۚ أَمْ أَصْلًا ۝۵
انہوں نے کہا یہ گزشتہ لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس (رسول) نے گھسا لیا جو اس پر سچ و شام بزمی جاتی ہیں وہ

قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ
آپ کہیے کہ اس قرآن کو اس ذات نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کی تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے بے شک وہ

معانفۃ ۱۰ عدد النبی صلی علیہ وسلم

كَانَ عَقُورًا رَجِيمًا ۝ وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ

بہت بخشنے والا ہے حد درجہ فرمانے والا ہے ۝ اور کافروں نے کہا یہ کیا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے

وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ طُولًا أَنْزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ

اور بازاروں میں چلتا ہے؟ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا جو اس کے ساتھ (خدا سے)

نَذِيرًا ۝ أَوْ يُلْقَىٰ إِلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ

ڈرانے والا ہوتا ۝ یا اس کی طرف کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ

مِنْهَا ۝ وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا ۝

کھاتا اور ظالموں نے کہا تم صرف ایک جادو کیے ہوئے شخص کی پیروی کرتے ہو ۝

أَنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ

بھلا آپ دیکھیے انہوں نے آپ کے لیے کیسی مثالیں گھڑ رکھی ہیں پس وہ گمراہی میں مبتلا ہو گئے اب وہ کسی طرح ہدایت

سَبِيلًا ۝

پہنچیں آسکتے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ کے معانی

مفسرین نے اس سورت میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے حسب ذیل معانی بیان کیے ہیں:

(۱) اس ذات کے نام سے شروع کرتا ہوں جس کی عظمت ہر چیز کو محیط ہے اور جس کا علم ہر چیز کو شامل ہے وہ رحمن ہے جس کے فرقان کی نعمت تمام مومنوں اور کافروں کو عام ہے وہ رحیم ہے جس نے اپنی رضا کا لباس اپنے بندوں میں سے جس کو چاہا پہنا دیا۔

(۲) اللہ کے نام سے جس کے نام کی جلالت پر اس کے افعال کی جلالت شاہد ہے اور اس کے جمال کا افضال باطن ہے اس کی ذات اور صفات پر اس کی آیات دلائل کرتی ہیں۔

(۳) اللہ کے نام سے جس کے نام کی عزت اس کے افعال کی قدرت سے پہچانی گئی اس کے فضل اور اس کی نصرت سے اس کے نام کا کریم ہونا معلوم ہوا۔

(۴) اللہ کے نام سے جس کے نام کی عزت کو عطاء نے اس کے افعال کی دلالت سے پہچانا اس کے جمال کے لطف اور اس کے جمال کے کشف سے اس کی صفات کو پہچانا۔

(۵) اللہ کے نام سے جو عز ہے جو اس سے دعا کرتا ہے وہ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے جو اس پر توکل کرے وہ اس کو نجات دلاتا ہے جو اس سے شکایت کرے وہ اس کی شکایت کو نازل کرتا ہے جو اس سے سوال کرے وہ اس کو کھاتا ہے اور جو فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ برکت والا ہے جس نے اپنے مکرم بندے پر تدریجاً الفرقان (قرآن مجید) کو نازل فرمایا تاکہ تمام جہان والوں کے لیے (عذاب سے) ڈرانے والے ہوں (الفرقان: ۱)

تبارک الفرقان، التلویہ اور العلمین کے معانی

تبارک: فرماتا ہے کہ تبارک و تقدس دونوں کا معنی واحد ہے۔ یعنی عظمت والا، زہاج نے کہا اس کا معنی ہے برکت والا اور برکت کا معنی ہے ہر قسم کی خیر کی کثرت۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کی حفاظت زیادہ اور بہت ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا انعام دائم اور ثابت ہے اللہ تعالیٰ کے اسماء میں لفظ مبارک کو شامل کرنے میں اختلاف ہے۔

الفرقان: اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہر آسمانی کتاب ہے۔ قرآن مجید میں ہے: وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَذِيقَ الْفُرْقَانِ۔
باتحقق ہم نے موسیٰ اور ہارون کو الفرقان عطا کیا۔

(الانبیاء: ۲۸)

قرآن مجید کو الفرقان فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حق اور باطل اور مومن اور کافر میں فرق کرنے والا ہے اور اس میں حلال اور حرام کاموں کا فرق کیا گیا ہے۔

التلویہ: جو دنیا کی ہلاکت اور آخرت کے عذاب سے ڈرانے والا ہو۔

للعلمین: اس سے مراد انسانوں اور جنات کا عالم ہے کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے اور ان کو عذاب سے ڈرانے والے تھے اور آپ خاتم الانبیاء ہیں حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سب انسانوں کے رسول تھے اور آپ سب انسانوں اور جنات کی طرف رسول ہیں۔ آپ کے علاوہ اور کسی نبی کی رسالت میں عموم اور شمول نہیں ہے بلکہ حق یہ ہے کہ آپ تمام مخلوق کی طرف رسول ہیں۔ حدیث میں ہے:

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا عموم

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر کے میری مدد کی گئی ہے تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد اور آئینہ میری تصویر میری امت میں سے جو شخص جس جگہ بھی نماز کا وقت پائے وہیں نماز پڑھ لے اور میرے لیے مال قیمت حلال کر دیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا اور مجھے شفاعت عطا کی گئی اور پہلے نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ امام مسلم کی روایت میں ہے مجھے ہر گورے اور گالے کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۵۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۸۱ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۱۲۱ ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۰۰ بخاری رقم الحدیث: ۳۴۵۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے چھ وجوہ سے انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے اور رعب سے میری مدد کی گئی اور غصوں کو میرے لیے حلال کر دیا گیا اور تمام روئے زمین کو میرے لیے آلہ طہارت مسجد بنا دیا گیا اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبیوں کو ختم کر دیا گیا۔

(حجی مسلم رحمہ اللہ ۵۳۳ سنن الترمذی رحمہ اللہ ۱۵۵۳ سنن ابن ماجہ رحمہ اللہ ۵۶۷۱ مسند احمد رحمہ اللہ ۲۴۲۱ صحیح ابن حبان رحمہ اللہ ۳۳۱۳ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۲۳۲ ذیل باب فی التعلیل ج ۲ ص ۲۷۷ شرح السنن رحمہ اللہ ۳۶۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں تمام روئے زمین کو میرے لیے آلہ طہارت اور مسجد بنا دیا گیا اور (پہلے) انبیاء اس وقت تک نماز نہیں پڑھتے تھے جب تک کہ عراب میں نہ پہنچ جائیں اور ایک ماہ کی مسافت سے میری رعب کے ساتھ وہ گئی ہے میرے سامنے شریکین ہوتے ہیں تو اللہ ان کے دلوں میں میرا رعب ڈال دیتا ہے اور پہلے نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام جنات اور انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا اور پہلے نبی جس کو الگ نکال کر رکھ دیتے تھے پھر آگ اس کو آ کر کھا جاتی تھی اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں جس کو اپنی امت کے فقراء میں تقسیم کروں اور کسی نبی نے اپنی دی گئی شفاعت کو باقی نہیں رکھا اور میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت کے لیے مؤخر کر رکھا ہے۔

(مسند احمد رحمہ اللہ ۵۳۳ دار الفکر مسند ابو ارقم رحمہ اللہ ۱۳۳۶۰ المعجم الکبیر رحمہ اللہ ۵۱۸۵۱ ج ۱ ص ۱۰۳۷ مجمع الزوائد رحمہ اللہ ۳۹۳۷) حضرت یحییٰ بن مرہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من شيء الا يعلم اني رسول الله
الاكلوة او فسقة في الجن والانس. (۱)
ہر چیز یہ جانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوائے جنات اور انسانوں میں سے کافروں اور فاسقوں کے۔
(المعجم الکبیر ج ۲ ص ۲۶۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ ذات جس کی سلطنت میں تمام آسمان اور تمام زمینیں ہیں اس نے کوئی اور نہیں بنائی اور نہ اس کی سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو مقرر کر دہ اندازہ پر رکھا (۱۵۰ فرقان: ۲)

اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالت کی تمہید

ان آجوں سے مقصود علامۃ المسلمین کو اللہ سبحانہ کی اس قدرت شاملہ سے ڈرانا ہے جو اس کے علم محیط کو مستزعم ہے جس علم کی وسعت پر قرآن کریم سے دلالت کرائی گئی ہے جو اس کو مستزعم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجد اور خالق نہیں ہے سو وہی حق ہے اور اس کا سوا باطل ہے۔ اس سورت کی پہلی آیت میں اللہ عزوجل نے یہ بتایا وہ برکت والا ہے جس نے اپنے عہدِ مکرم پر قربان کو نازل فرمایا جو حق اور باطل میں فرق کرنے والا ہے اور منافقین جو کچھ چھپاتے ہیں اور اپنے نکر اور کفر کو ظن میں رکھتے ہیں اس پر مطلع کہنے والا ہے تاکہ وہ عہدِ مکرم تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والے ہو جائیں اور وہ مسلمانوں کو منافقین کی سازشوں سے خبردار کریں۔

فرقان کا اعلیٰ طور پر ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیل شروع فرمائی اور اس تفصیل کو ترتیب سے شروع فرمایا پہلے اللہ سبحانہ کے اوصاف شروع کیے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی سلطنت ہے وہ جس کو چاہتا ہے رسول بنا کر بھیج دیتا ہے اس لیے آسمانوں اور زمینوں میں اس نے جس کو بھی رسول بنا کر بھیجا کسی کو اس کا انکار کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس نے اپنی کوئی اولاد نہیں بنائی جو اس کے رسول پر اپنی برتری جتائے اور نہ اس کی سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے جو اس کے رسول پر کوئی اعتراض کرے اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور ہر چیز اس کی مخلوق ہے اور جب سب اس کی مخلوق ہیں تو مخلوق میں (۱) ۱۶ ص ۱۷۷ حدیث ان الفاظ سے مشہور ہے کل شیء یحییٰ الہی وذلک فی الفاظ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہے۔

سے کون اس کی اولاد یا اس کا ٹھکانہ ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے پھر اس نے ہر چیز کو ٹھیک ٹھیک اعداد سے سے بنایا اور ہر چیز کو جس چیز میں بھی استعداد تھی اس چیز کو اسی مرتبہ اور اسی وصف پر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود قرار دے لیے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور نہ وہ اپنے لیے کسی نفع اور ضرر کے مالک ہیں اور نہ وہ موت کے مالک ہیں اور نہ حیات کے اور نہ مرنے کے بعد زندہ جانے کے (الفرقان ۳)

شرک کی پستی

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی فطرت میں یہ علم رکھا تھا کہ ان کا کوئی خالق ہے اور زمین و آسمان کی ہر چیز اس پر ولایت کرتی ہے کہ ان کا پیدا کرنا اور ان تمام مخلوقات سے ماوراء ہے کیونکہ وہ اگر ان ہی کی جنس سے ہوتا تو ان کی طرح مخلوق ہوتا ان کا خالق نہ ہوتا اور تمام مخلوقات کا ایک غلط اور ایک گنہگار ہوتا اس پر ولایت کرتا ہے کہ ان کا خالق بھی ایک ہے اور اس تمام کائنات کا نظم و احاطہ پر قائم رہتا ہے جتنا ہے کہ اس کائنات کا خالق اور ناظم بھی واحد ہے لیکن بیشتر لوگوں نے اس مشاہدہ سے صحیح رہنمائی حاصل نہیں کی اور ہلک گئے اور بہت کم تر اور اسل چیز کو اپنا خالق اور معبود مان لیا اللہ تعالیٰ نے دونوں کا لفظ پایا جس کا معنی بہت پست اور بہت اسفل ہے یعنی اللہ کی شان جس قدر بلند اور برتر ہے یہ بہت اسفل ہی پست اور اسفل ہیں جن کو ان لوگوں نے اپنا خالق اور اپنا خدا مان لیا جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے خود پیدا کیے گئے ہیں اور وہ اپنے لیے بھی کسی ضرر اور نفع کے مالک نہیں ہیں تو وہ اپنی پرستش کرنے والوں کو کب کسی ضرر سے بچا سکتے ہیں یا کب کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور یہ موت نہ حیات اور نہ مر کر دوبارہ اٹھنے پر قادر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں نے کہا یہ قرآن تو صرف سن گھڑت بات ہے جس کو اس رسول نے گھڑ لیا ہے اور اس پر دوسرے لوگوں نے اس کی ہدٰی ہے سو ان کافروں نے ظلم کیا اور جھوٹ بولا اور انہوں نے کہا یہ گزشتہ لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس (رسول) نے نکھوایا جو اس پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں (الفرقان ۵-۴)

مشرکین کا یہ اعتراض کہ یہ قرآن اہل کتاب کے تعاون سے بنالیا گیا ہے

یہ مشرکین کا قول ہے بمقابلہ نے کہا یہ نصر بن حارث کا قول ہے کہ اس قرآن کو اس رسول نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے اور دوسروں نے اس گھڑنے پر اس کی ہدٰی ہے۔ مجاہد نے کہا دوسروں سے مراد یہود ہیں۔ مقاتل نے کہا انہوں نے صلیب کے آڑو کردہ غلام عدس کی طرف اشارہ کیا تھا اور عامر بن حفصی کے غلام یسار کی طرف اور عامر کے ایک اور آزاد کردہ غلام جبر کی طرف یہ تینوں اہل کتاب میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو ان کافروں نے ظلم کیا اور جھوٹ بولا۔

اور انہوں نے کہا یہ گزشتہ لوگوں کی کہانیاں ہیں ہم اس کی تفسیر الانعام: ۲۵ میں بیان کر چکے ہیں۔ مفسرین نے کہا اس قول کا قائل نصر بن حارث تھا۔ (زاد المسیر ۹ ص ۳۳-۳۴) مفسر مکتب اسلامیہ دہلی (۱۳۸۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ اس قرآن کو اس ذات نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کی تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے بے شک وہ بہت جانتے والا ہے حدیث فرماتے والا ہے (الفرقان ۶)

مشرکین کے اعتراض مذکور کا جواب

یعنی اے رسولِ مکرم آپ یہ کہیے کہ اس قرآن کو اس ذات نے نازل کیا ہے جو عالم الغیب ہے۔ سو مجھے کسی

مکرمہ ہو جس سے اور اگر یہ قرآن اہل کتاب کی کتابوں سے ماخوذ ہوتا تو اس میں ان کی کتابوں سے زیادہ تفصیل نہ ہوتی اور یہ ان کی کتابوں کے احکام کا ناخ نہ ہوتا اور اس میں یہ بیان نہ کیا جاتا کہ گزشتہ کتابوں میں تحریف کردی گئی ہے اور اگر یہ قرآن ان کتابوں سے ماخوذ ہوتا تو پھر مشرکین اور منکرین کے لیے اس قرآن کی تفسیر بتانا بہت آسان ہوتا اور بھی اہل کتاب کی معاذت سے اس جیسی کتاب بنالیتے جب کہ وہ بار بار تھاقصوں کے باوجود اس کی کسی ایک جھوٹی سی سورت کی مثل بھی بنا کر نہ لائے اور چودہ صدیاں گزرنے کے بعد اب تک بھی کوئی کسی ایک سورت تو کجا ایک آیت کی مثل بھی بنا کر نہ لگا۔ سو واضح ہو گیا کہ مشرکین کا یہ کہنا غلط ہے کہ ہمارے رسول نے اس قرآن کو اہل کتاب کے تعاون سے بنالیا ہے۔

اور فرمایا وہ بہت بخشنے والا ہے حد درجہ فرمانے والا ہے یعنی مسلمانوں کے لیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں نے کہا یہ کیا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے؟ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا جو اس کے ساتھ (عذاب سے) ڈرانے والا ہوتا؟ یا اس کی طرف کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا اور خالصوں نے کہا تم صرف ایک چادر کیے ہوئے شخص کی پیروی کرتے ہو؟ بھلا آپ دیکھیے انہوں نے آپ کے لیے کبھی مثالیں گزر رکھی ہیں؟ پس وہ مکرہی میں مبتلا ہو گئے اب وہ کسی طرح ہدایت پر نہیں آسکتے (الفرقان ۷-۹)

پیغام حق نہ سننے پر کفار کا آپ کو مال اور حکومت کی پیش کش کرنا

امام ابن اسحاق امام ابن جریر اور امام ابن العربی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ شبہ شیبہ (ربیعہ کے دو بیٹے) ابوسفیان بن حرب، ابیہصر بن الحارث، ابیہاشم بن العاص بن وائل اور نبیہ بن الحجاز سب منع ہوئے اور بعض نے بعض سے کہا کہ (سیدہ) حمہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس کسی کو بھیجو اور ان سے بات کرو پھر انہوں نے آپ سے کہا کہ آپ کی قوم کے معزز لوگ جمع ہو کر آپ سے بات کرنے کے لیے آئے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے آپ سے کہا ہم آپ کے پاس حجت قائم کرنے کے لیے آئے ہیں اگر آپ نے نبوت اور نزولِ وحی کا دعویٰ مان لیا تو ہم آپ کو کے لیے کیا ہے تو ہم آپ کو مال اکٹھا کر کے دے دیتے ہیں اور اگر آپ نے سرداری کی طلب میں یہ دعویٰ کیا ہے تو ہم آپ کو سردار مان لیتے ہیں اور اگر آپ نے سلطنت کی طلب میں یہ دعویٰ کیا ہے تو ہم آپ کو اس ملک کا حاکم مان لیتے ہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے جتنی پیش کشیں کی ہیں مجھے ان سے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں تمہارے پاس مال طلب کرنے آیا ہوں نہ سرداری کی طلب میں اور نہ تم پر حکومت کی طلب میں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر کتاب نازل کی ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں (ایمان لانے پر ثواب کی) بشارت دوں اور (کفر کرنے پر تمہیں عذاب سے) ڈراؤں۔ پس میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کردی سو اگر تم نے میرے پیغام کو قبول کر لیا تو یہ دنیا اور آخرت میں تمہارے اجر کا حصہ ہے اور اگر تم نے میرے پیغام کو رد کر دیا تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق صبر کروں گا حتیٰ کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔

انہوں نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تم نے ہماری پیش کش کو قبول نہیں کیا تو تم اپنے رب سے یہ سوال کرو کہ وہ تمہارے ساتھ ایک فرشتہ کو نازل کرے جو تمہارے پیغام کی تصدیق کرے اور پھر ہمیں بتائے اور اللہ سے یہ سوال کرو کہ وہ تمہارے لیے باغات بنادے اور تمہارے لیے سونے اور چاندی کے ٹکڑے بنادے جو تمہیں فکر معاش سے مستثنیٰ کر دیں کیونکہ

تم حجابی معاش میں ہماری طرح بازاروں میں چلتے ہو تاکہ ہم تمہاری فضیلت اور تمہارے رب کے نزدیک تمہاری منزلت کو جان لیں اور یہ کہ تم واقعی اللہ کے رسول ہو۔ آپ نے فرمایا میں تمہاری فرمائش پوری نہیں کروں گا اور نہ کبھی سے ان چیزوں کا سوال کروں گا۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۱۱۶ مطبوعہ دارالحدیث بیروت ۱۳۳۱ھ)

کفار کے اس اعتراض کا جواب کہ آپ بازاروں میں چلتے ہیں!

مشرکین قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یہ اعتراض کیا تھا کہ آپ تجارت اور کسب معاش کے لیے بازاروں میں چلتے ہیں ان کا یہ اعتراض بالکل لغو تھا کیونکہ تجارت اور کسب معاش کے لیے بازاروں میں جانا مباح ہے۔ نیز جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسب معاش کے لیے بازاروں میں گئے تو امت کے لیے کسب معاش کے لیے بازاروں میں جانے کا نمونہ فراہم ہو گیا اور تجارت کرنا سنت اور باعث ثواب ہو گیا۔ قابل اعتراض چیز بازاروں میں شور کرنا اور بدکلامی کرنا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں سے پاک اور منزہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں فرمایا: اے نبی! تم نے آپ کو شاہد، مبشر اور آن پڑھ قوم کی پناہ بنا کر بھیجا ہے آپ میرے بندے اور رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے۔ وہ نہ درشت کلام ہیں نہ بد زبان ہیں نہ بازاروں میں شور کرنے والے ہیں اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں لیکن معاف کرتے ہیں اور درگزر کرتے ہیں اور اللہ آپ کی روح اس وقت تک ہرگز قبض نہیں فرمائے گا جب تک آپ کی وجہ سے میری قوم کو سیدھا نہ کرے یا اس طور کہ وہ کہیں لا الہ الا اللہ وہ آپ کے سب سے اعلیٰ آنکھوں کو چٹا کر دے گا اور بہرے کا لون کو کھول دے گا اور دلوں کے خلاف آتا روے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۳۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۳۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۱۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۶۰ سنن ابوالحسن رقم الحدیث: ۱۲۲۲ اسنن الکبیری للمنسائی رقم الحدیث: ۶۰۰۰)

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بازاروں میں تجارت کے لیے گئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی جانا شروع کیا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے مہاجر بھائیوں کو بازاروں کی خرید و فروخت مشغول رکھتی تھی اور ہمارے انصاری بھائیوں کو کھیتی باڑی مشغول رکھتی تھی اور ابو ہریرہ بھوکے پیٹ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لاؤا رہتا تھا اور ان احادیث کے سماع میں حاضر رہتا تھا جن سے وہ حاضر نہیں ہوتے تھے اور ان چیزوں کو یاد رکھتا تھا جن کو وہ یاد نہیں رکھتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۵۱ سنن الکبیری للمنسائی رقم الحدیث: ۵۸۲۲)

کفار کے اس اعتراض کا جواب کہ آپ کے پاس سونے چاندی کے محلات کیوں نہیں اور آپ

کے ساتھ فرشتہ کیوں نہیں؟

مشرکین مکہ نے آپ کی نبوت پر دوسرا اعتراض یہ کیا تھا کہ آپ فقر و فاقہ کی زندگی گزار رہے ہیں اگر آپ سچے نبی ہیں تو اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے سونے اور چاندی کے محلات بنا دے جن میں آپ رہیں اور آپ کے پاس انگوڑوں اور پھلوں کے باغات ہوں جن سے آپ کھائیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سونے اور چاندی کے محلات اور بیش و عشرت کی زندگی کی پیش کش کی تھی لیکن آپ نے اس کے مقابلہ میں فقر و فاقہ کی زندگی کو اختیار فرمایا۔ نیز آپ کو فرشتہ بننے کا اختیار دیا گیا لیکن آپ نے عہدہ بنے کو ترجیح دی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے لیے یہ پیش کش کی کہ اسے لیے مکہ کی سرزمین کو سونے کا پتھر دے، سو میں نے کہا نہیں اسے میرے رب! میں ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا۔ پس جب میں بھوکا ہوں گا تو حیر کی طرف فریاد کروں گا اور تجھے یاد کروں گا اور جب میرا پیٹ بھر اہوگا تو حیر کی گردنوں کا اور حیرا شکر ادا کروں گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۷ شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۴۳۹ تاریخ دمشق الکبیر ابن عساکر ج ۳ ص ۳۹ رقم الحدیث: ۹۶۳ مسند دارالحدیث اثرات العربیہ ص ۱۳۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں میرے پاس ایک فرشتہ آیا جس کا نیند کعبہ کے برابر تھا اس نے کہا آپ کا رب آپ کو سودا فرماتا ہے اور فرماتا ہے اگر آپ چاہیں تو نبی اور عبیدر ہیں اور اگر آپ چاہیں تو نبی اور فرشتہ ہو جائیں۔ میں نے جبریل کی طرف دیکھ انہوں نے اشارہ کیا کہ آپ تو اسقع اختیار کریں تو میں نے کہا نبی اور عبیدر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یک لنگہ کرکے کھاتے تھے اور فرماتے تھے میں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح عبدکاتا ہے۔ اور اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح عبد بیٹھتا ہے۔ (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۹۲۰ حافض البیہقی نے کہا اس کی سند حسن ہے مجمع خرواۃ الحدیث ص ۱۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس انصار کی ایک عورت آئی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر ایک چادر دیکھی تو اس نے میرے پاس ایک بستر بھیج دیا جس میں اون بھرا ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے اور پوچھا اے عائشہ! کیا ہے؟ میں نے بتایا یا رسول اللہ! میرے پاس تھا نہ انصار یہ آئی تھی اس نے آپ کے بستر پر صرف ایک چادر دیکھی تو اس نے یہ بستر بھیج دیا۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ! اہا کو دیکھو کہ رسول اللہ کی قسم! اگر میں چاہتا تو اللہ میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑ چلا دیتا۔

(روایک البیہقی ج ۱ ص ۳۳۵ تاریخ دمشق الکبیر ابن عساکر ج ۳ ص ۳۹ رقم الحدیث: ۹۶۳ مسند دارالحدیث اثرات العربیہ ص ۱۳۲ اسنادہ صحیح)

اور خالصوں نے کہا تم صرف ایک جادو کیے ہوئے شخص کی پیروی کرتے ہو۔ بھلا آپ دیکھیے انہوں نے آپ کے لیے کیسی مثالیں گھڑ رکھی ہیں! پس وہ گمراہی میں مبتلا ہو گئے اب وہ کسی طرح ہدایت نہیں آ سکتے۔ یہ قول مشرکین کا ہے جو انہوں نے مسلمانوں سے کہا تھا اس کی عمل تفسیر اور آپ پر جادو کیے جانے کی تحقیق ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں کر چکے ہیں۔

شَبْرُكَ الَّذِي إِنَّ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذَلِكَ

وہ برکت والا ہے جو اگر چاہے تو آپ کے لیے (ان کے کہے ہوئے) باغات سے بہتر بنا دے

جَنَّتْ تَجْرِي مِّنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَيَجْعَلُ لَكَ قُصُورًا ۱۰

ایسے باغات جن کے نیچے سے دریا جاری ہوں اور آپ کے لیے محل بنا دے ۱۰

بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ وَأَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ

بلکہ انہوں نے قیامت کو جھٹلایا اور جس نے قیامت کو جھٹلایا ہم نے اس کے لیے لڑائی میں آگ

سَعِيدًا ۱۱ اِذَا رَأَوْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا

تیار کر رکھی ہے ۱۰ جب وہ (آگ) ان کو دور سے دیکھے گی تو وہ اس کی غصہ سے بھرنے اور دھڑلنے

وَزَفِيرًا ۱۲ وَاِذَا الْفُؤَادُ مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مَّقَرَّيْنِ دَعُوا

کی آواز سنیں گے ۱۱ اور جب ان کو زنجیروں سے بکڑ کر (دوزخ کی) تنگ جگہ میں جھونکا جائے گا تو وہاں وہ موت

هٰذَا لِكِ ثُبُورًا ۱۳ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَّاحِدًا وَّادْعُوا

کو پکاریں گے ۱۲ آج تم ایک موت کو نہ پکارو بہت سی موتوں

ثُبُورًا كَثِيرًا ۱۴ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي

کو پکارو ۱۳ آپ کہے آیا یہ (دوزخ) اچھی ہے یا دائمی جنت جس کا متعین

وَعِدَ الْمُتَّقُونَ ۱۵ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءٌ وَمَصِيرًا ۱۶ لَهُمْ فِيهَا

سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ان کی جزا اور ٹھکانہ ہے ۱۴ اس (جنت) میں ان کے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو وہ چاہیں گے

مَا يَشَاءُونَ خُلْدٍ ۱۷ كَانَ عَلَىٰ رَأْسِكَ وَعْدًا مَّسْئُولًا ۱۸

جس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں یہ آپ کے رب کا وعدہ ہے جس کا (اس کے کرم کی بناء پر) سوال کیا جائے گا ۱۵

وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَقُولُ

اور جس دن ان (کافروں) کو جمع کیا جائے گا اور ان کو جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے پھر وہ ان (معبودوں) سے

ءَاَنْتُمْ اَضَلَلْتُمْ عِبَادِي هٰؤُلَاءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ۱۹

فرمائے گا آیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود ہی گمراہی میں مبتلا ہو گئے تھے؟ ۱۶

قَالُوا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ

وہ کہیں گے تو ہر محبوب اور نقص سے پاک ہے ہمیں یہ لائق نہ تھا کہ ہم تجھے چھوڑ کر اوروں کو

مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَأَبَاءَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا الذِّكْرَ

ممدگار بناتے لیکن تو نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوش حالی عطا فرمائی حتیٰ کہ انہوں نے نصیحت کو بھلا دیا اور یہ لوگ

وَكَاثُرًا قَوْمًا بُورًا ۝ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ بِهَا تَقُولُونَ لَقَمًا

تھے ہی ہلاک ہونے والے ۵ سو (اے مشرک!) تمہارے معبودوں نے تمہاری کجی ہوئی باتوں کی تکذیب کر دی نہیں

تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا ۝ وَمَنْ يَظْلِم مِثْلَ نَدِيقِهِ

اب تم نہ عذاب کو دور کر سکتے ہو نہ اپنی مدد کر سکتے ہو اور تم میں سے جس نے بھی ظلم کیا ہے ہم اس کو بہت بڑا عذاب

عَذَابًا كَبِيرًا ۝ وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا

پہنچائیں گے ۵ اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے

إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الصَّعَامَ وَيَشْهَوْنَ فِي الْأَسْوَاقِ وَجَعَلْنَا

سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے اور ہم نے تم میں سے بعض کو

بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۖ أَتَصْبِرُونَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ۚ

دوسرے بعض کے لیے آزمائش کا سبب بنایا ہے کیا تم صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب خوب دیکھنے والا ہے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ برکت والا ہے جو اگر چاہے تو آپ کے لیے (ان کے کبے ہونے) دعاات سے بہتر ہے ۵۔ ایت

دعاات جن کے نیچے سے دریا جاری ہوں اور آپ کے لیے گل بنادے ۵ (افرقان ۱۰۰)

دعاات اور محلات کے طعنہ کا جواب

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان مشرکین نے آپ کے لیے جن دعاات اور محلات کا ذکر کیا ہے اللہ ترجیح دے تو آپ کے

لیے اس سے بہتر دعاات بنادے جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہوں اور آپ کے لیے محلات بنادے۔

امام ابن ابی ہاشم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

خیر نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ ہم آپ کو روئے زمین سے تو مفرزے اور اس

کی چابیاں مطا فرمائیں گے جو ہم نے آپ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کیں اس سے اللہ کے پاس کسی چیز کی نہیں ہوتی آپ

نے عرض کیا اے اللہ میرے لیے ان چیزوں کو آخرت میں جمع کر دے۔

فقہاء نے کہا مشرکین نے آپ سے جن چیزوں کا ذکر کیا ہے اگر ہم چاہیں تو آپ کو اس سے بہتر خواہے اور دعاات عطا

کر دیں آپسے دعاات جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہوں۔

محمد بن اسحاق نے کہا کفار نے جو کہا تھا کہ آپ بازاروں میں چلتے ہیں اور کسب معاش کرتے ہیں جس طرح عام لوگ

کرتے ہیں اللہ نے فرمایا اگر تم چاہیں تو آپ کو اس سے بہتر چیزیں عطا کر دیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۶۶) کہ کرمہ مستوفی ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ ص ۲۶۶ مکتبہ مصر ص ۱۵۹
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلکہ انہوں نے قیامت کو جھٹلایا اور جس نے قیامت کو جھٹلایا ہم نے اس کے لیے جہنم کی ہولی آگ
تیار کر رکھی ہے ۵ جب وہ (آگ) ان کو ڈور سے دیکھے گی تو وہ اس کی فصر سے پھرنے اور دھڑانے کے آواز سنیں گے ۵ اور
جب ان کو زنجیروں سے جکڑ کر (دوزخ کی) ننگ جگہ میں جھونکا جائے گا تو وہ اس دوسوت کو پکاریں گے ۵ آج تم ایک سوت کو
نہ پکارو نہ بہت سی سوتوں کو پکارو ۵ (الفرقان ۱۱-۱۳)

دوزخ کی آنکھوں کا نوں اور زبان کے متعلق احادیث

سیر کے معنی جھڑکی ہوئی آگ ہے اور سعید بن جبیر نے کہا یہ جہنم کی ایک واہی ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ ص ۱۶۹)

الفرقان: ۱۴ میں فرمایا جب وہ آگ ان کو ڈور سے دیکھے گی اس آیت میں دوزخ کے دیکھنے کا ذکر ہے۔ حدیث میں بھی
اس کی تائید ہے:

خالد بن دینار ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری طرف وہ بات
منسوب کی جو میں نے نہیں کہی اور جس نے اپنے آپ کو اپنے والدین کے غیر کی طرف منسوب کیا اور جس نے اپنے آپ کو
اپنے مالکوں کے غیر کی طرف منسوب کیا وہ جہنم کی دو آنکھوں کے درمیان اپنا ٹھکانا بنالے۔ آپ سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ!
کیا جہنم کی دو آنکھیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب وہ آگ ان کو ڈور سے دیکھے گی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ ص ۱۶۹) مجتہد زہری ص ۱۶۹ مکتبہ مصر ص ۱۶۹

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن دوزخ اپنی گردن
باہر نکالے گی اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گی دوکان ہوں گے جن سے وہ سنے گی اور ایک زبان ہوگی جس سے
وہ کلام کرے گی اور وہ کہے گی میرے پردہ میں (قسم کے) غصہ کیے گئے ہیں ہر شکر معاذ ہر وہ شخص جو اللہ کے ساتھ کسی اور کی
عبادت کرے اور تصویریں بنانے والے۔ (سنن الترمذی رحمہ اللہ ص ۲۵۳ مسند احمد ج ۲ ص ۳۹ المسند الجامع رحمہ اللہ ص ۱۵۳۵)

تخیل اور زہر کے معنی

تخیل کے معنی ہیں غصہ میں آنا، جھجھکانا، الجھار غیلا وغضب کرنا۔

زہر کے معنی ہیں چلانا، زہر کا اصل معنی ہے اس قدر تیز سانس لینا جس سے پسلیاں پھولنے لگیں اور صہیق کا معنی ہے
سانس کو سینہ کی طرف لوٹانا یا زہر کا معنی ہے سانس کو سمجھ کر سینے سے نکالنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں زہر
بندہ آواز ہے اور صہیق پست آواز ہے صہیق اور صہیق نے کہا زہر گدھے کی پہلی آواز ہے اور صہیق اس کی آخری آواز ہے۔
ابو العالیہ کہتے ہیں کہ زہر صق میں ہوتی ہے اور صہیق پیٹ میں۔ (تفسیر خازن ج ۲ ص ۳۷ دارالکتب المصریہ بیروت)

اس آیت کا ایک حمل یہ ہے کہ لوگ قیامت کے دن دوزخ میں کافروں کے رونے اور چلانے کی آوازیں سنیں گے اور
صحیح یہ ہے کہ وہ دوزخ ہی کی فصر میں دھڑانے اور جھکڑنے کی آوازیں سنیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو دوزخ کی طرف تھمیت کر لے جایا جائے گا تو دوزخ اس
طرف چلائے گی جس طرح غر غم اس اور جو کو دیکھ کر چلاتا ہے۔ یہ آوازیں کہ ہر شخص ڈر جائے گا۔

جنت میں ہر چاہی ہوئی چیز کے ملنے کا محمل

آیت ۱۶ میں فرمایا: اسی (جنت) میں ان کے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو وہ چاہیں گے۔

کعب احبار نے کہا جو شخص ساری زندگی شراب پیتا رہا وہ آخرت میں شراب نہیں پے گا خواہ وہ جنت میں داخل ہو جائے۔ عطا نے اعتراض کیا اے ابواسحاق اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے اس میں ان کے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو وہ چاہیں گے؟ کعب نے کہا وہ شراب کو بھول جائے گا اور وہ اس کو یاد نہیں آئے گی۔ (شیخ امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۰۷۰)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو وہ چاہیں گے اپنے عوم پر نہیں ہے کیونکہ اگر وہ کسی باطل یا محال چیز کو چاہیں تو وہ ان کو نہیں ملے گی مثلاً وہ دوا احت کو چاہیں یا وہ چاہیں کہ ان کا نبی سے بلند درجہ ہو تو وہ ان کو نہیں ملے گا بلکہ حق یہ ہے کہ ایسی باطل خواہشیں جنت میں ان کے دلوں میں پیدا نہیں ہوں گی کیونکہ ان باطل خواہشوں کا منبع اور مصدر شیطان ہے اور وہ جنت میں نہیں ہوگا تو یہی باطل خواہشیں بھی دلوں میں پیدا نہیں ہوں گی۔

منصور بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا آیا جنت میں اولاد ہوگی؟ فرمایا: جہاں اگر وہ جا جائیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ ۱۵۰۱۴، مسبوہ مکتبہ ذراغہ صفحہ ۴۳۰)

اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی بناء پر اس سے سوال کرنا

نیز اس آیت میں فرمایا: یہ آپ کے رب کا وعدہ ہے جس کا (اس سے کرم کی بنا پر) سوال کیا جائے گا۔

حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا یعنی تم اس چیز کا سوال کرو جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا ہے۔

القرعی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: فرشتے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کریں گے:

اے ہمارے رب تو ان کو عقل کی جنٹوں میں داخل کر دے
جس کا تو نے ان سے (انزا کرار کر) وعدہ فرمایا ہے اور ان کے باپ
دادا ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جس نے نیک کام کیے

اور ابو حازم یہ کہتے تھے کہ قیامت کے دن مومنین یہ کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ہم کو جن کاموں کا حکم دیا تھا وہ ہم نے کر لیے اب تو اس کو پورا فرما جس کا تو نے ہم سے (ازراہِ کرم) وعدہ فرمایا تھا۔

عبدالرحمن بن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: جتنے والوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ سے اس کے وعدہ کو طلب کیا تو جب انہوں نے سوال کیا اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ ان کو عطا فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین میں بندوں کو پیدا کرنے سے پہلے ان کے رزق کو مقرر کر دیا تھا پھر اس رزق کو جتنے والوں کی روزی بنا دیا پھر ان کے سوال کرنے کے وقت کو اس کی عطا کے لیے مقرر فرمایا۔ پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی:

اور اس نے زمین کے اوپر پہاڑ نصب کر دیئے اور اس میں برکت رکھ دی اور اس میں رہنے والوں کی روزی بھی صرف چار دنوں میں مقرر کر رکھ دی، مانجھے والوں کے لیے برابر برابر۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۶۶۷ مطبوعہ مکتبہ زار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۵ھ)

ہندوں نے اللہ تعالیٰ کی جو عبادت کی ہے اس عبادت کی بنا پر ان کے سوال کا کوئی جواز نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے

کرنے والے مومنوں سے جو انرا بے فصل و کرم اجر و ثواب اور جنت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اس وعدہ کی بنا پر
مومنوں نے اللہ تعالیٰ سے مومنوں کے لیے سوال کیا اور رسولوں نے اور مومنوں نے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے:

وَمَكَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَفَلَّحْنَا الصَّالِحِينَ وَفَلَاحُهُمْ
لَظُهُورٌ ۖ وَأَجْرُهُمْ عِندَنَا ۝ (النحل: ۶۹)

اللہ نے مفلح کرتے ہوئے ان مومنوں کو جس سے نیک عمل کرنے والوں سے
اللہ نے مفلح کرتے ہوئے ان مومنوں کو جس سے نیک عمل کرنے والوں سے
اسے تار سے رپا ہمیں ۱۰ اجر عطا فرمایا جس کا تو نے اپنے
رسولوں کے ذریعہ ہم سے وعدہ فرمایا ہے اور ہمیں روز قیامت
شہید نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن ان (کافروں) کو جمع کیا جائے گا اور ان کو جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے پھر
وہ ان (معبودوں) سے فرمائے گا آیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود ہی گمراہی میں مبتلا ہو گئے تھے؟ وہ کہیں
کے تو بڑبڑائیں اور نقص سے پاک بنیں یہ لائق نہ تھا کہ ہم تجھے چھوڑ کر اوروں کو مددگار بناتے لیکن تو نے ان کو اور ان کے
باپ دادا کو خوش حالی عطا فرمائی تھی کہ انہوں نے نصیحت کو بھلا دیا اور یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے ۵ سو (اے مشرکوں!)
تمہارے معبودوں نے تمہاری کبھی ہوئی باتوں کی تکذیب نہ کر دی پس اب تم نہ مذاب کو ڈر کر کہتے ہو نہ اپنی مدد کر سکتے ہو اور تم
میں سے جس نے بھی علم کیا ہے ہم اس کو بہت بڑا عذاب پہنچائیں گے ۵ (النحل: ۱۹-۱۷)

نعمتوں کی بہتات کی وجہ سے لوگوں کا کفر اور شرک کرنا

قائد نے کہا اس دن سے مراد یوم قیامت ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا ہر چیز کا شر کیا جانے کا حتیٰ کہ نبی کا بھی شر کیا جائے گا۔

نہایت نے کہا جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے اس سے مراد حضرت یحییٰ حضرت عزیر اور فرشتے ہیں۔

یہ خود گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔ متاخر بن حیان نے کہا انہوں نے سید سے راست کی تلاش میں خطا کی۔

کفار کے معبودوں نے کفار کا رد کرتے ہوئے کہا: ہمیں یہ لائق نہ تھا کہ ہم تجھے چھوڑ کر اوروں کو اولیاء بناتے۔

اولیاء کی تفسیر میں سعدی نے کہا ولی وہ ہے جس کو اللہ اپنا دوست بنالے اور وہ اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرے۔

فرمایا: لیکن تو نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوش حالی عطا فرمائی تھی۔ یعنی دنیا میں ان کو صحت، لمبی زندگی اور کثرتِ اولاد

عطا فرمائی تھی کہ انہوں نے نصیحت کو بھلا دیا یعنی انہوں نے تجھے یاد کرنا چھوڑ دیا اور تکبر میں آ کر تیرے ساتھ شرک کیا۔

اور ہمارے حکم کے بغیر ہماری عبادت کی۔ ذکرِ تعمیر میں رد قول ہیں: ایک یہ کہ اس سے مراد وہ کنائیں اور صحائف ہیں جو رسل

علیہم السلام پر نازل کیے گئے جن پر انہوں نے عمل کرنے کو ترک کر دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے انعامات

اور احسانات کا شکر ادا نہیں کیا۔

فرمایا: اور یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ حصص والوں کے پاس گئے اور فرمایا اے اہل

حصص! آؤ اپنے بھائی کے پاس تاکہ وہ تمہیں نصیحت کرے جب وہ ان کے گرد جمع ہو گئے تو فرمایا کیا وجہ ہے کہ تم حیا نہیں کرتے!

تم وہ مکان بناتے ہو جن میں تم رہتے نہیں ہو اور تم اس طعام کو جمع کرتے ہو جس کو تم کھا تے نہیں ہو اور تم ان چیزوں کی امید

کرتے ہو جن کو تم پانہیں سکتے! ابے ملک تم سے پہلے لوگوں نے مضبوط مگر بنائے اور غلام جمع کیے اور لمبی امیدیں رکھیں پھر وہ

سب لوگ ہلاک ہو گئے ان کی امیدیں دھوکا بن گئیں اور ان کے گھر قبرستان بن گئے۔

بورأ کے معنی اور شرک کی خدمت

بورأ کے معنی ہیں ہلاک ہونے والے۔ خالی جس میں کوئی چیز نہ ہو۔ بولوی الارض کا معنی ہے ہلاک و زمین جس کوئی خیر اور کوئی فائدہ نہ ہو۔ شہر بن خوشب نے کہا بورأ کا معنی ہے قاسد اور کھوٹی چیز جب کوئی سوا یک نہ سکے تو کہتے ہیں بارت السلطه۔

فرمایا: تمہارے معبودوں نے تمہاری تکذیب کر دی یہ اللہ تعالیٰ اس وقت فرمائے گا جب مشرکین کے معبودوں سے براہ کا اظہار کر دیں گے۔

ابوسعید نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہارے معبود تم کو اس حق سے ہٹانے کی حالت نہیں رکھتے تھے جس کی طرف اللہ نے تمہیں ہدایت دی تھی اور نہ تم پر نازل ہونے والے عذاب کو تم سے ڈور کر کے تمہاری مدد کر سکتے تھے کیونکہ انہوں نے تمہاری تکذیب کر دی تھی۔

حضرت ابن عباس نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور تم میں سے جس نے بھی ظلم کیا ہے ہم اس کو بہت بڑا عذاب پہنچا دیں گے اس کا معنی ہے تم میں سے جس شخص نے شرک کیا پھر وہ اسی شرک پر مر گیا ہم اس کو آخرت میں بہت سخت عذاب دیں گے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۲۶۷-۲۶۸ مطبوعہ دار احکام القرآن ج ۳ ص ۳۳-۳۴)

القرطبی ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید اور ابن المنذر اس آیت کی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: جو لوگ حضرت یسعیؑ حضرت عزیر اور فرشتوں کی عبادت کرتے تھے جب قیامت کے دن یہ انبیاء اور فرشتے ان لوگوں کی تکذیب کر دیں گے اور کہیں گے اے اللہ! تو شرک کیسے جانے سے پاک ہے تو ہمارا مالک اور معبود ہے تو اللہ تعالیٰ ان مشرکوں سے فرمائے گا جن کی تم عبادت کرتے تھے وہ نہ تم سے عذاب ڈور کر سکتے ہیں اور نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں۔

امام ابن ابی حاتم نے وہب بن منہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے بہتر آسانی کتابیں پڑھی ہیں اور کسی کتاب نے قرآن مجید سے زیادہ ظلم پر مذمت نہیں کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اس امت کا فتنہ ظلم میں ہوگا اور دوسری امتوں کی زیادہ خدمت شرک اور بت پرستی کی وجہ سے کی گئی ہے۔

امام عبدالرزاق اور ابن جریر نے حسن بصری اور ابن جریر سے روایت کیا ہے کہ اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے اور ہم نے تم میں سے بعض کو دوسرے بعض کے لیے آزمائش کا سبب بنایا ہے کیا تم مبرا کرو گے؟ اور آپ کا رب خوب دیکھنے والا ہے (۱۵) (القرآن ۲۰)

رزق اور دیگر مقاصد کے حصول کے لیے اسباب اور وسائل کو تلاش کر کے اعتبار کرنا

شماک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمار دلائے اور کہا یہ کیا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دشمن یہ آیت نازل فرمائی کہ ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے ہیں سب سے ان کے زمانہ کے مشرکوں نے یہی کہا تھا کہ تم کیسے رسول ہو جو کھانا کھاتے ہو بازاروں میں چلتے ہو۔ (مسائل فقہی ج ۳ ص ۳۳۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)

انبیاء سابقین علیہم السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بازاروں میں چلنا تجارت اور صنعت کے ذریعہ طلب

کے لیے ہوتا تھا۔

قرآن مجید میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ہے:

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِيُحْصِنَ ظَرْفَهُ بِلِسَانٍ

اور ہم نے اس کو زورہ بنانے کا طریقہ سکھایا تاکہ وہ زورہ

(الانبیاء: ۸۰) جنگ میں تمہاری حفاظت کرے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا رزق میرے نذرے کے سائے کے نیچے بتا دیا گیا ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تھوار کے ساتھ مہوٹ کیا گیا ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور میرا رزق میرے نذرے کے سائے کے نیچے بتا دیا گیا ہے اور جس نے میرے حکم کی مخالفت کی اس کے لیے ذلت اور فحاربت بتا دی گئی ہے اور جس شخص نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی اس کا شمار اسی قوم سے ہوگا۔

(صحیح البخاری کتاب الجہاد باب ۸۰: نصف البیل فی الصحاح مسند احمد ج ۴ ص ۵۸: ح ۱۹۳۹۴ مجمع الزوائد ج ۶

ص ۴۹: ح ۱۹۳۹۴) حاشیہ مسند احمد رقم اللہ: ۵۱۱۳۳ دارالحدیث کراچی

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ہتھیاروں کے ساتھ دشمنان اسلام کے خلاف جہاد کرنے سے میدان جنگ میں ان کا چھوڑا ہوا مال اسباب اور ہتھیار وغیرہ مسلمانوں کو بہ طور مال قیمت حاصل ہوتے ہیں اور وہ بھی مسلمانوں کے حصول رزق کا ایک ذریعہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَكُلُوا مِمَّا قَاتَلْتُم مِّنْ حِلٍّ لِّكُلِّ بَشَرٍ

پس تم نے جو کچھ حلال اور پاکیزہ مال قیمت حاصل کیا ہے

اس سے کھاؤ۔

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مال قیمت کے حصول کے علاوہ تجارت اور صنعت و حرفت کے ذریعہ بھی رزق حاصل کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے کہا کہ میری قوم کو معلوم ہے کہ میری صنعت اور حرفت میرے اہل و عیال کی کفالت سے عاجز نہیں ہے اور اب میں مسلمانوں کی خلافت اور حکومت کے ساتھ مشغول ہو گیا ہوں۔ پس اب ابو بکر کے اہل و عیال اس مال سے کھائیں گے (یعنی بیت المال کے وظیفے سے) اور میں مسلمانوں کے لیے کام کروں گا۔ (صحیح البخاری رقم اللہ: ۲۰۰۰۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کام کاج اور محنت مزدوری کرتے تھے اور ان کے جسم سے پو آتی تھی تو ان سے کہا گیا کہ اگر تم غسل کر لیا کرو (تو بہتر ہے)

(صحیح البخاری رقم اللہ: ۲۰۰۰۰ سنن ابوداؤد رقم اللہ: ۲۵۴۲)

حضرت مقدم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص نے اپنے ہاتھ کی کمانی سے افضل اور بہتر کھانا نہیں کھایا اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمانی سے کھاتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم اللہ: ۲۰۰۰۰ سنن ابن ماجہ رقم اللہ: ۲۵۴۲ مسند احمد رقم اللہ: ۲۵۴۲ عالم الکتاب)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص اپنی کمرے کھڑکیوں کا گھٹا لاد کر لائے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی سے سوال کرے وہ اس کو دے یا اس کو منع کر دے۔

(مجید بخاری رقم الحدیث ۶۷۳۰ سنن ابی حنیفہ رقم الحدیث ۶۸۸۳ سے مراد رقم الحدیث ۶۸۸۳) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو کسی کو خریدتا ہے یا فروخت کرتا ہے یا کسی سے قصا کرتا ہے تو نری سے کام لیتا ہے۔

(مجید بخاری رقم الحدیث ۶۷۲۰ سنن ابی حنیفہ رقم الحدیث ۶۸۸۳) ترک اسباب پر صوفیاء کے دلائل اور ان کے جوابات اور توکل کا صحیح مفہوم

بعض صوفیاء کسب معاش اور حصول رزق کے اسباب اختیار کرنے کے مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ پر توکل کرنے کے خلاف ہے اگر انسان اللہ پر کامل توکل کرے تو ان اسباب کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ ان کو رزق عطا فرمائے گا قرآن مجید میں ہے:

وَفِي الصَّلَاةِ وَنُكَلِّفُهُمْ مَا تَحْتَمِلُونَ ۝

اور تمہاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسان میں ہے۔ (انوار بات ۲۳)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس رزق سے مراد بالا جماع بارش کا نازل فرماتا ہے کیونکہ آسمان سے عادتاً روئیاں نہیں برسیں اور اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش نازل فرماتا ہے تاکہ تم اس سے اپنے کھیتوں اور باغات کو سیراب کر سکو اور ظاہر ہے کہ کھیت اور باغات انسان کی محنت اور کسب سے وجود میں آتے ہیں اس کی تائید میں حسب ذیل آیات ہیں:

وَيَرْزُقُكُمْ مِنْ أَيْنَ لَا تَحْتَسِبُونَ فَأُولَٰئِكَ أُمُوتُونَ ۝ (المومن ۱۳)

اور ہم نے آسمانوں سے برکت والا پانی نازل فرمایا اور اس سے باغات اور کھیتوں میں کھائی کپے جانے والے لٹے پیدا کیے ۝

اور کھجوروں کے بلند درخت جن کے خوشے پتہ پتہ ہیں ۝ بندوں کے رزق کے لیے اور ہم نے پانی سے مردہ شجر کو زندہ کر دیا اسی طرح (مردوں کا قبروں سے) نکلتا ہے۔

وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا فَالْأَنْبِيَاءُ بِهِ يَحْتَفِلُونَ ۝ (الحج ۱۰)

اور ہم نے آسمانوں سے برکت والا پانی نازل فرمایا اور اس سے باغات اور کھیتوں میں کھائی کپے جانے والے لٹے پیدا کیے ۝

وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا فَالْأَنْبِيَاءُ بِهِ يَحْتَفِلُونَ ۝ (الحج ۱۰)

نیز اللہ تعالیٰ نے دشمنان اسلام سے مقابلہ کے لئے سامان حرب اور سواروں کو تیار رکھنے کا حکم دیا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ تم توکل کر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤ۔ ارشاد فرمایا:

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَذُرُوعٍ وَابِلٍ ۝ (الحج ۱۰)

تیار رکھو تاکہ تم ان سے اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو اور ان کے عطا کردہ دوسروں کو بھی۔

دُورُوعُهُ ۝ (الانفال ۶۰)

اسی طرح حضرت مریم سے فرمایا:

وَهَؤُلَاءِ آيَاتُ اللَّهِ يُعَذِّبُ الْمُذِلَّةَ لَعَلَّكُمْ تَحْذَرُونَ ۝ (مریم ۲۵)

اور اس کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ یہ تمہارے اور تمہارے کئی کھجوریں گرا دے گا۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا کہ حضرت مریم کے ہلائے بغیر ان کے اوپر تو تازہ کھجوریں گرا دیتا لیکن ان کو یہ حکم دیا کہ وہ کھجور کے تنے کو ہلائیں کیونکہ حصول رزق کی جدوجہد کے لیے جو کام حضرت مریم کر سکتی تھیں وہ ان کو کرنا ہوگا۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ (الشمس: ۶۳)

اپنی لاشیٰ سمندر پر مارے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاشیٰ ماری تو سمندر پھٹ گیا اور پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی مانند ہو گیا اور درمیان میں خشکی کے بارہ حصے بن گئے جب اللہ تعالیٰ نے سمندر میں خشکی کے بارہ راستے بنا دیے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سمندر میں لاشیٰ مارنے کا حکم کیوں دیا؟ یہ اس لیے کہ سمندر میں خشکی کے بارہ راستے بنانے پر تو حضرت موسیٰ علیہ السلام قادر نہ تھے لیکن سمندر میں لاشیٰ تو مار سکتے تھے اس لیے جو کام وہ کر سکتے تھے اس کے کرنے کا انہیں حکم دیا اور جو کام وہ نہیں کر سکتے تھے وہ اللہ تعالیٰ نے کر دیا۔ اس سے بھی واضح ہو گیا کہ اپنے مقصود کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا تو کل کے خلاف نہیں ہے بلکہ قرآن مجید اور احادیث کی یہ تعلیم اور تلقین ہے کہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے اسباب اور وسائل کو حاصل کیا جائے اور پھر نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے اور اسباب اور وسائل کو ترک کرنا تو کل نہیں ہے۔ کچھ لوگ سز خرچ کے بغیر حج کے لیے جاتے تھے اور راستہ میں مانگ تاکم کر کام چلاتے تھے تو ان کو سز خرچ لے کر سفر کرنے کی ہدایت کی گئی۔ قرآن مجید میں ہے:

وَيَذَرُكَ ذَا قُلُوبٍ خَيْرٌ لِّذِي الْقُلُوبِ (البقرہ: ۱۹۷)

اور سز خرچ ساتھ لے کر سفر کر دو بہترین سز خرچ سوال سے

بچتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! میں لونٹھی کو باندھ کر توکل کروں یا اس کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا اس کو باندھ کر توکل کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۷ ح ۱۰۸۰ ص ۸۹۰ المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۵۹۳)

جو صوفی لوگ محنت اور کسب کرنے کے خلاف ہیں وہ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اللہ پر اس طرح توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو اس طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے وہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر آتے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۱ ص ۳۰۳ المسند الجامع رقم الحدیث: ۲۱۳۳ ص ۲۱۳۳ المسند اور بیہقی رقم الحدیث: ۲۳۷ ص ۲۳۷ صحیح ابن حبان رقم

الحدیث: ۳۰۷ ص ۳۰۷ المسند رکب: ۳ ص ۳۱۸ ح ۱۰۸۰ ص ۲۹ شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۱۸۸)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ان کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ پرندوں کو بھی کسب اور محنت کے بغیر رزق نہیں ملتا ایسے نہیں ہوتا کہ وہ کسی درخت پر یا گھاس پر بیٹھ جائیں اور آسمان سے ان کے اوپر دانے گرنے لگیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین کے گوشوں میں رزق طلب کرو۔

(الخطاب الجامع رقم الحدیث: ۱۲۹۰ ص ۱۲۹۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۹۳۰۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے ہی کئی دن عمار حرم میں جا کر خجانی میں عبادت کرتے تھے اور اپنے ساتھ کھانے پینے کی چیزیں لے جاتے تھے پھر جب وہ چیزیں ختم ہو جاتیں تو دوبارہ گھر جا کر کھانے پینے کی چیزیں لے کر آتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۱۱ ص ۱۶۱۱ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۵)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ احد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو روز میں پہنی ہوئی قمیص۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۴۳ ص ۱۶۴۳ مسند ابن ابی شیبہ: ۱۲ ص ۱۲ مسند احمد: ۱۷۵ ص ۱۷۵)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے

سر پر خود تھا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۶۳، مسیحی القاری رقم الحدیث: ۱۸۳۶، مسیحی سلم رقم الحدیث: ۱۵۷۷، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۷، سنن ابی یوسف رقم الحدیث: ۲۸۶۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۵۰)

دیکھئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھانا لے کر عار حرا جاتے تھے اور زہرہ اور خود بہن کر جہاد کے لیے جاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس کے باوجود اسباب اور وسائل کو ترک نہیں کرتے تھے۔ سو کسی مقدمہ کے حصول کے لیے اس کے اسباب اور وسائل کو ترک کرنا آپ کی تعلیم آپ کی سیرت اور آپ کی ہدایت کے خلاف ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے تم میں سے بعض کو دوسرے بعض کے لیے آزمائش کا سبب بنایا ہے کیا تم صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب خوب دیکھنے والا ہے ۵

اہل نعت کی اہل مصیبت سے شکر میں اور اہل مصیبت کی اہل نعت سے صبر میں آزمائش

امام عبدالرحمن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۷ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابو رافع الخزرجی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! آپ ہمارے غلاموں کے متعلق کیا فرماتے ہیں اور وہ لوگ مسلمان ہیں ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہم ان کو مارتے پٹتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے گناہوں اور تہارے ان کو مارنے کا وزن کیا جائے گا اگر تہاری مار ان کے گناہوں سے زیادہ ہوگی تو تہاری گرفت کی جائے گی۔ مسلمانوں نے کہا آپ یہ بتائیں کہ ہم نے جو ان کو سب و شتم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ان کے گناہوں اور تم نے جو ان کو ایذا پہنچائی ہے اس کا وزن کیا جائے گا اگر تہاری ان کو پہنچائی ہوئی ایذا زیادہ ہوگی تو تہاری نیکیاں ان کو دی جائیں گی۔ اس شخص نے کہا میں نے ان سے بڑا دشمن تو کوئی نہیں سنا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اور ہم نے تم میں سے بعض کو دوسرے بعض کے لیے آزمائش کا سبب بنایا ہے۔ کیا تم صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب خوب دیکھنے والا ہے۔ (الفرقان ۲۰) پھر اس شخص نے کہا یا رسول اللہ! یہ بتائیں اگر میں اپنی اولاد کو ماروں تو پھر؟ آپ نے فرمایا اگر تم اپنی اولاد کو مارو تو اس میں تم سے کوئی شکایت نہیں ہے اور نہ کوئی حسرت ہے اور تم یہ گوارا نہیں کرو گے کہ تم پیٹ بھر کر کھاؤ اور تہاری اولاد دھجھکی رہے اور تم کپڑے پہنو اور تہاری اولاد دھجھکی رہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۰۳۶، مسطورہ مکتبہ زار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۳۷ھ)

حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: فقیر کہے گا اگر اللہ مجھے غلام شخص کی مثل فنی بنا دیتا اور بیمار کہے گا کہ اگر اللہ مجھے غلام شخص کی مثل صحت مند بنا دیتا۔ (یعنی بعض کی بعض سے آزمائش ہے) (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۰۳۷)

امام محمد بن اسحاق نے اس آیت کی تفسیر میں کہا یعنی اللہ فرماتا ہے میں نے تم سے بعض کو مصائب میں مبتلا کر دیا تاکہ تم دوسروں کی باتیں سن کر صبر کرو اور ان کی مخالفت کو برداشت کرو اور تم ہدایت پر عمل کرو بغیر اس کے کہ میں تم کو دنیا عطا کروں اور اگر میں چاہتا تو میں اپنے رسولوں کے ساتھ دنیا رکھ دیتا اور وہ مخالفت نہ کرتے لیکن میں نے یہ ارادہ کیا کہ تہاری وجہ سے بندوں کو آزمائش میں ڈالوں اور تمہیں ان کی وجہ سے آزمائش میں ڈالوں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۰۵۰، مسطورہ مکتبہ زار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۳۷ھ)

امام ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری المتوفی ۳۶۵ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور جس پر فضیلت دی ہے اس کو صبر کرنے کا اور تقدیر پر راضی رہنے کا حکم

كَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ۝ وَيَوْمَ يَعْصُ الظَّالِمُ عَلَى

دن کافروں پر سخت دشوار ہو گا ۝ اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو ہاتھوں سے

يَدَايِهِ يَقُولُ يَلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۝ يَوْمَئِذٍ

کاش کہ میں نے رسول کے ساتھ راستہ اختیار کر لیا ہوتا! ۝ ہائے ہاتھوں!

لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ۝ لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ

کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا! ۝ اس نے تو میرے پاس نصیحت آنے کے بعد

إِذْ جَاءَنِي ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا ۝ وَقَالَ

مجھ کو گمراہ کر دیا اور شیطان تو انسان کو رسوا کرنے والا ہے ۝ اور رسول کہیں گے

الرَّسُولُ يَذِيبُ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۝ وَ

اے میرے رب بے شک میری قوم (میں سے کافروں) نے اس قرآن کو مڑوک بنا لیا تھا ۝ اور

كَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا قَوْمٌ مُّجْرِمِينَ ۖ وَكَفَى

ہم نے اسی طرح ہر نبی کے لیے مجرمین میں سے دشمن بنا دیے ہیں اور آپ کا رب

بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ

آپ کو ہدایت دینے اور آپ کی مدد کرنے کے لیے کتابی ہے ۝ اور کافروں نے کہا یہ پورا قرآن ایک ہی دفعہ

عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۖ كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ

کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ (ہم نے) اسی طرح (تدریجاً نازل کیا ہے) تاکہ اس سے آپ کے دل کو مضبوط

فُؤَادُكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۝ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ

کریں اور ہم نے اس کو وقفہ وقفہ سے تلاوت فرمایا ہے ۝ اور یہ آپ کے پاس جو بھی مثال (یا اعتراض) لائیں

بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ۖ الَّذِينَ يُحْشَرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ

کے ہم اس کی برحق اور عمدہ توجیہ بیان کریں گے ۝ جو لوگ اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف ٹھیک کر لائے جائیں

عَنْ النَّبِيِّ

جَهَنَّمَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَاضَلُّ سَبِيلًا ۝

کے ان کا بہت برا ٹھکانا ہوگا اور وہ سب سے زیادہ سیدھے راستے سے بھٹکنے والے ہوں گے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ ہم سے ملاقات کی توقع نہیں رکھتے انہوں نے کہا ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل کیے گئے یا ہم نے اپنے رب کو دیکھ لیا ہوتا انہوں نے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھا اور بہت بڑی سرکشی کی ۝ جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن ان مجرموں کے لیے کوئی خوش خبری نہیں ہوگی وہ کہیں گے (کاش ہمارے درمیان) کوئی رکاوٹ والا حجاب ہوتا ۝

(الفرقان ۲۲-۲۳)

ایمان لانے کو فرشتوں کے نزول اور اللہ تعالیٰ کو دیکھنے پر مطلق کرنے کا جواب

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو سرکین ہماری ملاقات سے خوف زدہ نہیں ہیں اور ہمارے عذاب سے نہیں ڈرتے انہوں نے یہ کہا کہ اللہ نے ہمارے اوپر فرشتے کیوں نہیں نازل کیے جو ہمیں یہ خبر دیتے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) برحق نبی ہیں اور وہ جو بیٹام ہمارے پاس لے کر آئے ہیں وہ سچا ہے یا ہم اپنے رب کو خود دیکھ لیں تو وہ ہمیں خود اس بات کی خبر دے دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے یہ کہا ہے انہوں نے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھا ہے اور تکبر کیا ہے اور اپنے اس قول میں وہ تکبر کی حد سے بھر بڑھ گئے ہیں۔ اس آیت میں عسو کا لفظ ہے۔ عسو کا معنی ہے زمین میں اپنے آپ کو بلند اور برتر سمجھنا شدید تکبر اور سخت غلم۔

ان کا تکبر اور ان کی سرکشی یہ تھی کہ انہوں نے فرشتوں کو دنیا میں دیکھنے کا مطالبہ کیا۔ حالانکہ فرشتے صرف موت کے وقت دکھائی دیں گے یا نزول عذاب کے وقت اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کیا حالانکہ کوئی آنکھ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتی ہے نہ اس کا ادراک کر سکتی ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کیے ہوئے معجزات کو اور اس قرآن کو کافی نہیں سمجھا جس کی نظیر لانے سے تمام انسان اور جن عاجز رہے تو پھر فرشتوں کو دیکھ لیا ان کے لیے کیسے کافی ہو سکتا تھا جب کہ وہ فرشتوں اور شیاطین کے درمیان فیصلہ فرقی نہیں کر سکتے اور یہ جاننے کے لیے کہ دکھائی دینے والی چیز فرشتہ ہے شیطان نہیں ہے پھر ایک معجزہ کی ضرورت ہوگی اور معجزات کو ثبوت کے لیے انہوں نے کافی نہیں سمجھا تھا۔ علاوہ ازیں انسان پہ حیثیت انسان فرشتہ کو پہ حیثیت فرشتہ نہیں دیکھ سکتا۔ سو اس صورت کے کہ فرشتہ انسانی بیکر اور انسانی فعل میں آئے اور جب فرشتہ انسانی فعل میں آ کر ان سے بات کرے گا تو وہ پھر اس کو فرشتہ نہیں مانیں گے۔

حجروا معجورا کے دو محمل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو ان مجرموں کے لیے کوئی خوش خبری نہیں ہوگی۔ اس کا معنی یہ ہے کہ فرشتوں کو کوئی شخص موت سے پہلے نہیں دیکھ سکتا موت کے وقت فرشتے مومنوں کو جنت کی بشارت دیں گے اور کافروں پر لوہے کے گرز مار کر ان کی روحوں کو ان کے جسموں سے نکالیں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کہیں گے حجروا معجورا اس کی دو تفسیریں ہیں یا تو فرشتے کافروں کی روحوں کو ان کے جسموں سے نکالتے وقت ان سے کہیں گے حجروا معجورا یا اس وقت کافر حسرت اور یاس سے کہیں گے حجروا معجورا۔

حجر کے اصل معنی ہیں منع کرنا اور روک دینا۔ جس طرح قاضی کسی پر اس کی بے وقوفی اور کم عمری کی وجہ سے پابندی لگا دیتا

ہے اور اس کو اس کے مال میں تصرف کرنے سے روک دیتا ہے تو کہا جاتا ہے حجبہ القاضی علی فلان کاشی نے فلان شخص کو تصرف کرنے سے روک دیا ہے۔ اسی مفہوم میں خانہ کعبہ کے اس حصے (حطیم) کو حجر کہا جاتا ہے جس کو قریش مکہ نے وسائل کی کمی کی وجہ سے خانہ کعبہ میں شامل نہیں کیا تھا اسی وجہ سے حطیم کے اندر سے طواف کرنا منع ہے یعنی اس پر حجر اور پابندی ہے اور حطیم کے باہر سے خانہ کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے اور حطیم کو بھی اسی وجہ سے حجر کہا جاتا ہے کیونکہ حطیم بھی انسانوں کو ان کاموں سے روکتی ہے جو اس کے حق میں نقصان دہ ہیں۔ پس اگر یہ قول فرشتوں کا ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ تمہارے لیے وہ چیزیں ممنوع ہیں اور حرام ہیں اور تم ان چیزوں سے محروم ہو جن کی بشارت مومنوں کو دی جاتی ہے اور اگر یہ قول کافروں کا ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ جب کافر موت کے وقت فرشتوں کو گرز مارتے ہوئے دیکھیں گے تو کہیں گے کاش ہمارے اور فرشتوں کے درمیان کوئی رکاوٹ اور حجاب ہوتا اور ہم فرشتوں کو نہ دیکھ سکتے۔

امام بغوی نے کہا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ قول فرشتوں کا ہے اور ابن جریج اور مجاہد نے کہا یہ قول کافروں کا ہے۔ (مسلم اشتریل ج ۳ ص ۲۲۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے (اپنے زعم میں) جس قدر (نیک) کام کیے تھے ہم ان کی طرف قصد کریں گے اور ان کو انعام میں بکھرے ہوئے (غبار کے) باریک ڈرے بنا دیں گے ۵ اس دن جنت والوں کا بہترین ٹھکانا ہوگا اور نہایت عمدہ خواب گاہ ہوگی ۵ (الفرقان: ۲۳-۲۴)

ہباء منشوراً کا معنی

الازہری نے کہا سورج کی شعاعیں جو کھڑکی یا روشن دان سے کمرے میں داخل ہوتی ہیں وہ شعاعیں غبار کے منتشر ذرات کے مشابہ ہوتی ہیں ان کو ہباء کہتے ہیں اور منشوراً کے معنی ہیں بکھری ہوئی اور منتشر چیز اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار نے اپنے زعم میں جو نیک اعمال کیے تھے وہ آخرت میں ریزہ ریزہ کر کے ضائع کر دیئے جائیں گے اور وہ فضا میں بکھرے ہوئے سورج کی شعاعوں کے باریک ذرات کی طرح ہو جائیں گے کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی صالح عمل مقبول نہیں ہوتا۔

ہباء منشوراً کی تفسیر میں ایک وہ قول ہے جس کو ہم نے الازہری کے حوالے سے نقل کیا ہے یعنی روشن دان سے داخل ہونے والی شعاعوں میں غبار کی مانند باریک ذرات اس کے علاوہ دیگر اقوال حسب ذیل ہیں:

ضحاک نے کہا اس کا معنی ہے گرد و غبار۔ قتادہ نے کہا آغصیاں جو زور خست کے پتے اور کوڑا کرکٹ اڑاتی ہیں۔ معلق بن عبیدہ نے کہا اس کا معنی ہے راکھ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام سالم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن کچھ لوگ آئیں گے جن کے پاس تہادہ کے پھاڑوں جتنی نیکیاں ہوں گی جتنی کہ جب ان کو لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کو ہباء منشوراً کر دے گا پھر ان کو دوزخ میں ڈال دے گا۔ سالم نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! یہ بتائیں کہ وہ کیسے لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا وہ لوگ نماز پڑھتے ہوں گے روزے رکھتے ہوں گے زینت سے بیدار ہو کر رات کو قیام کرتے ہوں گے لیکن جب ان کے لیے کوئی حرام چیز پیش کی جائے گی تو وہ اس پر اُٹھ جائیں گے (گرم جوشی سے اس کو قبول کریں گے) اللہ تعالیٰ ان کے ان نیک اعمال کو ضائع فرما دے گا۔

(اللہ منشور ج ۵ ص ۲۲۵-۲۲۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ)

یہاں صرف کفر اور ارتداد سے خائف کی جاتی ہیں اس لیے اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ وہ حرام چیزوں اور حرام کاموں کو حلال اور حلال سمجھیں گے اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔

امت کا دن جو پچاس ہزار سال کا ہو گا وہ مومنوں پر کتنا طویل ہو گا!

اس آیت میں فرمایا ہے اہل جنت کا بہت اچھا مقبل ہوگا۔ مقبل کا معنی ہے قیلولہ کی جگہ اور دو پہر کے بعد آرام کرنے کو قیلولہ کہتے ہیں۔ ۱۴۰ ہجری نے کہا دو پہر کو آرام کرنا قیلولہ ہے خواہ نیند نہ ہو کیونکہ جنت میں نیند نہیں ہوگی۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اہل جنت پر قیامت کا دن صرف اتنی دیر گزرے گا جتنی دیر ساج سے دو پہر تک اور قبلہ کے وقت تک ہوتی ہے پھر وہ جنت میں اپنے اپنے ٹھکانوں میں چلے جائیں گے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا قیامت کا آدھا دن اس وقت تک گزرے گا جتنی کہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے۔

روایت ہے کہ قیامت کے دن کی مقدار کم کر کے مومنوں پر صرف اتنی کردی جائے گی جتنی مقدار عصر کے وقت سے غروب آفتاب تک ہوتی ہے۔ (مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی، بیہقی، سنن) (۱)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ سعید العسواف سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ قیامت کے دن مومنوں کا فیصلہ اتنی دیر میں کر دیا جائے گا جتنی دیر عصر سے غروب آفتاب تک ہوتی ہے پھر وہ جنت کے باغات میں جا کر ٹیلولہ کریں گے حتیٰ کہ تمام لوگ حساب سے فارغ ہو جائیں گے اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے: **اصحاب الجنة يومئذ خيسر مستغرا واحسن مقيلا** (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۹۸۰ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۳۸)

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

قاسم بن اصف نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

فِي يَوْمِهِ كَانَ مَقْدَانَةُ الْكَسْبَةِ يَتَأَنَّذُونَ ۝

اس دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی کے اعتبار سے

(المجموعہ ۵۰) ایک ہزار سال ہے۔

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے سو من سے اس دن میں تخفیف کی جائے گی حتیٰ کہ اس کو فرض لازم نہ بنے میں دنیا میں بھلا وقت لگتا تھا اس پر وہ دن اس سے بھی کم وقت میں گزرے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قیامت کا دن کافر پر پچاس ہزار سال کی مقدار میں گزرتے گا۔

(کتابخانه ملی ایران، بخش خطی، جلد ۳۲۲، دارالکتب اعلیٰ، قزوین)

امام احمد، امام ابوحنبل، امام ابن حبان اور امام بیہقی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کی مقدار کے برابر ہو گا سو یہ کس قدر طویل دن ہو گا! آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے مومن پر یہ دن اس سے بھی کم وقت میں گزرے گا جتنے وقت میں وہ دنیا میں فرض نماز پڑھتا تھا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۳، مسند ابی یوسف رقم الحديث ۳۹۰، ذهب الى ان في ص ۳۳ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۰، الجوز السالفة رقم الحديث ۱۵۳)

marfat.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کا دن مومنین پر دس گزے کا جتنا وقت ظہر اور عصر کے درمیان ہوتا ہے۔

(المعجم رک ۵۸ ج ۱، شعب الایمان ج ۱، ۱۳۳، المہذب السافرۃ رقم الحدیث ۳۵۰ ج ۱، ۱۵۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب الغلین کے سامنے لوگ اس دن کے نصف تک کھڑے ہوں گے جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ مومنوں کے لیے وہ دن اتنا آسان گزرے گا جتنا وقت آفتاب کے غروب کی طرف مائل ہونے سے لے کر آفتاب کے غروب ہونے تک لگتا ہے۔

(مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث ۶۰۳۵، مجمع ابن ہبان رقم الحدیث ۲۵۷۸، مجمع الزوائد ج ۱، ۱۳۷، المہذب السافرۃ رقم الحدیث ۳۶۰ ج ۱، ۱۵۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن آسمان بادلوں سمیت پھٹ جائے گا اور فرشتوں کی جہاتیں نازل کی جائیں گی اس دن برحق سلطنت صرف رحمن کی ہوگی اور وہ دن کافروں پر سخت دشوار ہوگا اس دن عالم اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کانٹے کا (اور) کہے گا کاش میں نے رسول کے ساتھ راستہ اختیار کر لیا ہوگا اس دن افسوس کا ش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوگا اس دن تو میرے پاس نصیحت آنے کے بعد مجھ کو گمراہ کر دیا اور شیطان تو انسان کو رسوا کرنے والا ہے ۵

(اترقان: ۲۹-۳۵)

قیامت کے احوال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا پہلے آسمان دنیا پھٹے گا اور آسمان والے فرشتے زمین پر نازل ہوں گے ان کی تعداد زمین کے جن اور انس سے زیادہ ہوگی پھر دوسرا آسمان پھٹے گا اور اس کے فرشتے نازل ہوں گے ان کی تعداد آسمان دنیا کے فرشتوں سے زیادہ ہوگی اور جن و انس سے پھر اسی طرح آسمان پھٹے رہیں گے حتیٰ کہ ساتواں آسمان پھٹے گا ہر بعد میں پھٹنے والے آسمان کے فرشتے اس سے پہلے پھٹنے والے آسمان کے فرشتوں سے زیادہ ہوں گے پھر کرختن (فرشتوں کے سردار جو مقربین ہیں) نازل ہوں گے پھر حاشین عرش نازل ہوں گے۔

فرمایا: اس دن برحق سلطنت صرف رحمن کی ہوگی حضرت ابن عباس نے فرمایا اس دن رحمن کے سوا اور کسی کی سلطنت نہیں ہوگی۔

فرمایا وہ دن کافروں پر سخت دشوار ہوگا: یہ خطاب اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دن مومنوں پر دشوار نہیں ہوگا جیسا کہ ابھی متحدہ احادیث کے حوالوں سے گزر چکا ہے کہ قیامت کا دن مسلمانوں پر اس سے بھی کم وقت میں گزرے گا جتنے وقت میں وہ دنیا میں فرض نماز پڑھتے تھے۔

عقبہ بن ابی معیط کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کرنا اور اس کی دنیا اور آخرت میں سزا

فرمایا اس دن عالم اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کانٹے گا: اس ظالم سے مراد عقبہ بن ابی معیط ہے۔

مقسم اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ عقبہ بن ابی معیط اور ابی بن خلف کی آپس میں ملاقات ہوئی وہ دونوں ایک دوسرے کے دوست تھے ایک نے دوسرے سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس گئے ہو اور تم نے ان کا پیغام سنا ہے اور اللہ کی قسم میں تم سے اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک کہ تم ان کے چرے پر حقو کوہو ان کی تکذیب کرو۔ پس اللہ نے اس کو اس پر قادر نہیں کیا اور عقبہ بن ابی معیط جبکہ بدر میں قتل کر دیا گیا اور ابی بن خلف اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ احد میں خود اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا تھا۔ امام عبد الرزاق نے زہری سے روایت کیا ہے

جبکہ بدر کے دن عقبہ بن ابی معیط کو قید کر لیا گیا وہ قیدیوں میں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس کو قتل کر دیں۔ عقبہ نے کہا یا محمد! کیا مجھے ان قیدیوں کے درمیان قتل کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس نے پوچھا کیوں؟ آپ نے فرمایا تمہارے کفر اور فجور کی وجہ سے اور اللہ اور اس کے رسول کے سامنے سرکشی کرنے کی وجہ سے پھر حضرت علی نے اس کی گردن اُڑادی اور ہامیہ بن علف تو اس نے کہا تھا کہ میں محمد کو قتل کروں گا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا بلکہ ان شاء اللہ میں اس کو قتل کروں گا پھر جب احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیزہ مار کر اس کو قتل کر دیا۔ ملخصاً۔

اور ان ہی دونوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کانٹے گا (اور) کہے گا کاش میں نے رسول کے ساتھ راست اختیار کر لیا ہوتا!

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۹۹۹۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص ۲۲۲ دار الکتب المصریہ بیروت ۱۳۳۲ھ ج ۵ ص ۲۵۵ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

بعض روایات میں ہے کہ اللہ کے دشمن عقبہ بن ابی معیط لعنہ اللہ نے آپ کے چہرہ انور پر قحوک دیا تھا اور آپ سے برأت کا اظہار کیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بہت رنج ہوا جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی قسلی کے لیے یہ آیات نازل کیں کہ مغرب وہ قیامت کے دن اپنی اس حرکت پر تادم ہوگا اور غم و غصہ سے اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کانٹے گا اور کہے گا کاش میں نے رسول کا راست اختیار کر لیا ہوتا!

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۵۱۰۳۰ دلائل البیہ ۱۰۳۰۳ رقم الحدیث: ۳۰۲ اسباب النزول للواحدی رقم الحدیث: ۶۵۷۷ البیہ ج ۳ ص ۳۳۹)

ضحاک نے بیان کیا جب اس دشمن خدا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر قحوک تو وہ قحوک پلٹ کر اس کے چہرے پر گرا جس سے اس کے دونوں رخسار جل گئے اور ان پر اس کے نشان پڑ گئے اور مرتے دم تک وہ نشان اس کے چہرے پر رہے۔

عطاء نے کہا وہ قیامت کے دن اپنے دونوں ہاتھوں کو کاٹ کر کھائے گا حتیٰ کہ کہیں تک نہ کھا جائے گا پھر دو بار وہ اس کے ہاتھ پیدا ہو جائیں گے اور وہ ان کو پھر کاٹ کر کھا جائے گا اور اسی طرح ہوتا رہے گا اور اس نے دنیا میں جو کفر کیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی تھی اس پر افسوس اور حسرت سے اپنے ہاتھوں کو کاٹتا رہے گا اور یہ کہتا رہے گا ہائے افسوس کاش میں نے رسول کے ساتھ راست اختیار کر لیا ہوتا یعنی کاش میں نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کر لی ہوتی اور ان کے ساتھ ہدایت کا راستہ اختیار کیا ہوتا۔

پھر فرمایا: (وہ قیامت کے دن کہے گا) ہائے افسوس! کاش میں نے ملائ فضل کو (یعنی امیہ بن خلف کو) دوست نہ بنایا ہوتا! اس کے بعد فرمایا: (وہ کہے گا) اس نے تو میرے پاس صیحت آنے کے بعد مجھ کو گمراہ کر دیا یعنی میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید لے کر آچکے تھے۔ اور شیطان تو انسان کو رسوا کرنے والا ہے شیطان سے مراد انسانوں اور جنات میں سے ہر وہ شخص مراد ہے جو تکبر، معاندانہ رویہ اور سرکش ہو کر ہر وہ شخص جو اللہ کے راستے سے روکے وہ شیطان ہے۔ ان دو آیتوں کا حکم ہر ایسے دو دوستوں کے حق میں عام ہے جو اللہ عزوجل کی معصیت پر مجتمع اور شقاق ہو جائیں۔

(معالم اشراف ج ۳ ص ۴۴۳-۴۴۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)

کیسے شخص کو دوست بنایا جائے

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک دم نہیں (دوست) اور بے دم نہیں کی مثال اس طرح ہے جیسے منگ والا ہو اور لوہار کی بھٹی میں پھونک مارنے والا ہو۔ منگ والا یا تو تم کو منگ کا منگ کا منگ دے گا یا تم اس سے منگ خرید لو گے ورنہ تم کو اس سے پاکیزہ خوشبو تو بہر حال آئے گی اور لوہار کی بھٹی والا تو تمہارے کپڑے جلانے کا ورنہ تم کو اس سے بہر حال ناکار ہو تو آئے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۳۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۸۸ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۶۱ مسند احمد ج ۳ ص ۴۵۴-۴۵۵) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن کے سوا اور کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ اور قتلی (اللہ سے مارنے والے) کے سوا اور کوئی تمہارا کھانا نہ کھائے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۳۳ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۵ مسند احمد ج ۳ ص ۳۸ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۵۴۵۵۵ المسند رک ج ۳ ص ۴۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص اپنے دوستوں کے دین پر ہوتا ہے سو تم میں سے ہر شخص کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس شخص کو اپنا دوست بنا رہا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۳۳ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۸ مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۳ مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۱۶۱۷ المسند رک ج ۳ ص ۱۷۱ شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۳۸۰)

امام ابو بکر بزار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! ہمارے لیے کون سا مہم جو زیادہ بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا جس کو دیکھنے سے تمہیں اللہ یاد آئے اور جس کی گفتگو سے تمہارے علم میں اضافہ ہو۔

• لک بن دینار نے کہا اگر تم نیک مسلمانوں کے ساتھ چلاؤ تو وہ بدکار لوگوں کے ساتھ کھانے پینے سے بہتر ہے۔

(المجامع لا کام القرآن ج ۳ ص ۳۳۳ مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۱۶۱۷) قیامت کے دن کافر کافروں کو دوست بنانے پر دہم ہوگا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ مسلمان نیک مسلمانوں کو دوست بنانے پر خوش ہوں گے۔ کافر کو اس کا دوست گمراہ کر کے ہلاکت میں ڈال دے گا اس لیے وہ قیامت کے دن عسکین اور حسرت زدہ ہوگا اور مسلمان کو اس کا نیک مسلمان دوست نیک کاموں کی طرف رہنمائی کرے گا اور اس پر وہ آخرت میں خوش ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور رسول کہیں گے اے میرے رب! بے شک میری قوم (میں سے کافروں) نے اس قرآن کو متروک بنالیا تھا اور ہم نے اسی طرح ہر نبی کے لیے بھڑکھڑ میں سے دشمن بنا دیئے ہیں اور آپ کا رب آپ کو ہدایت دینے اور آپ کی مدد کرنے کے لیے کافی ہے (الفرقان: ۳۱-۳۰)

مہمجور کا معنی

مہمجور کا لفظ ہجو سے بنا ہے اور ہجو کا ایک معنی ترک کرنا ہے اور مہمجور کا معنی متروک ہے اور ہجو کا دوسرا معنی ہلیدیاں اور فضول بکواس ہے پہلے معنی کے لحاظ سے قیامت کے دن رسول یہ کہیں گے کہ کافروں نے قرآن مجید کو متروک بنا لیا تھا وہ اس سے اعراض کرتے تھے اور اس پر ایمان نہیں لاتے تھے اور اس کے احکام پر عمل نہیں کرتے تھے۔

اور مہمجور کا دوسرا معنی ہلیدیاں اور فضول باتیں ہیں یعنی کافر قرآن مجید کو فضول باتیں اور ہلیدیاں قرار دیتے تھے وہ یہ زعم کرتے تھے کہ قرآن مجید شعر و شاعری اور سحر کا نتیجہ ہے یہ مجاہد کا قول ہے۔ اور اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ قیامت کے دن سہارا

رسول اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے مشرکین کی اپنے رب سے شکایت کریں گے کہ انہوں نے قرآن مجید کو فضول اور بھل کام قرار دیا تھا تو اللہ تعالیٰ آپ کو تسلی دینے کے لیے فرمائے گا: اور ہم نے اسی طرح ہر نبی کے لیے بحر میں میں سے دشمن بنا دیئے ہیں۔ معاملہ نے اس کی تفسیر میں کہا: آپ ان کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں کیونکہ آپ سے پہلے نبیوں کو بھی اپنی قوموں کی طرف سے اسی قسم کی باتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا سو جس طرح انہوں نے اپنے مخالفوں کی دل آزار باتوں پر صبر کیا تھا آپ بھی ان کی باتوں پر صبر کریں آپ کا رب آپ کو ہدایت دینے اور آپ کی مدد کرنے کے لیے کافی ہے۔

(مسلم المقلیل ج ۳ ص ۳۳۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں نے کہا یہ پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ (ہم نے) اسی طرح (تدریجاً) نازل کیا ہے تاکہ اس سے آپ کے دل کو مضبوط کریں اور ہم نے اس کو وقفہ وقفہ سے تلاوت فرمایا ہے ۵ اور یہ آپ کے پاس جو بھی مثال (یا اعتراض) لائیں گے ہم اس کی برحق اور عمدہ توجیہ بیان کریں گے ۵ (الفرقان: ۳۲-۳۳)

قرآن مجید کو تدریجاً نازل کرنے کی وجوہ

مشرکین کا اعتراض یہ تھا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر مکمل تورات یکبارگی نازل ہوئی اور حضرت داؤد علیہ السلام پر مکمل زبور یکبارگی نازل ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مکمل انجیل یکبارگی نازل ہوئی اسی طرح آپ پر مکمل قرآن یکبارگی کیوں نہیں نازل ہوا اور تمہوڑا تمہوڑا کر کے ۲۳ (تیس) سال میں قرآن مجید کا نزول کیوں مکمل کیا گیا؟ اگر آپ بھی ان کی طرح نبی اور رسول ہیں تو آپ کے ساتھ ان نبیوں اور رسولوں کا معاملہ کیوں نہیں کیا گیا؟ ان آجوں میں ان کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) انبیاء سابقین کھٹے اور کھٹے ہوئے کو پڑھنے والے تھے اس لیے ان پر مکمل کتابیں نازل کر دی گئیں کہ وہ اس میں سے حسب ضرورت آیات نکال کر پڑھتے رہیں گے اس کے برخلاف آپ اُنی تھے آپ نے کسی سے لکھنا اور کھٹے ہوئے کو پڑھنا نہیں سیکھا تھا آپ کے لیے اس قرآن کو محفوظ رکھنے کی صرف یہ صورت تھی کہ آپ اس کو پڑھتی یاد رکھیں اس سے قرآن مجید تمہوڑا تمہوڑا کر کے نازل کیا گیا تاکہ آپ کے لیے اس کو یاد کرنا آسان ہو۔ واضح رہے کہ ابتداء میں آپ نہتے پڑھتے نہیں تھے بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو لکھنا اور پڑھنا سکھا دیا اور متعدد احادیث صحیحہ میں ہے کہ آپ نے بعد میں لکھا بھی اور پڑھا بھی۔ اس کی تفصیل الاعراف: ۱۵۷ میں گزر چکی ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں نافع اور منسوخ آیتیں ہیں مثلاً پہلے یہود کی عدت ایک سال مقرر فرمائی پھر یہ عدت چار ماہ و دن قرار دی پہلے کفار کی زیادتیوں کو دور گزرنے کا حکم دیا پھر ان سے قتال اور جہاد کرنے کا حکم دیا پہلے ایک مسلمان کو دس کافروں سے لڑنے کا حکم دیا پھر تخفیف کر دی اور ایک مسلمان کو دس کافروں سے لڑنے کا مکلف فرمایا۔ بعض احکام پہلے مشکل تھے پھر آسان کر دیے جیسے یہ مثالیں ہیں اور بعض احکام پہلے آسان تھے پھر ان کو پتہ درج سخت کیا گیا جیسے شراب نوشی کو پتہ درج حرام فرمایا اور یہ تمام امور اسی وقت ہو سکتے تھے جب قرآن مجید کو پتہ درج نازل کیا جا تا۔

(۳) بعض آیتیں مسلمانوں کے سوا کافروں کے خلاف تھیں مثلاً مسلمانوں نے عورت کے حیض کے ایام میں اس سے جماع کرنے کے متعلق سوال کیا تو فرمایا حیض ایک نجس چیز ہے ان ایام میں عورتوں سے دور رہو۔ اسی طرح مسلمانوں نے چاند کے گھٹنے پڑھنے کے متعلق سوال کیا تو فرمایا اس میں لوگوں کے لیے اوقات اور رُج کے وقت کی علامات اور تعینات ہیں اور اس کی محض اور بہت آیات ہیں۔

(۳) اسی طرح مشرکین کے سوالات اور ان کے اعتراضات کے جوابات ہیں مثلاً وہ قیامت کے وقت کے حلقہ میں کہتے تھے 'مردوں کو زندہ کرنے کے بارے میں سوالات کرتے تھے' دوزخ میں درخت رقوم پر اعتراض کرتے تھے کسی نے کھڑی کے ذکر پر اعتراض کرتے تھے۔

(۵) اسی طرح یہودیوں کے سوالات کے جوابات ہیں مثلاً وہ قیامت کے جوابات میں آیات نازل ہوئیں۔ انہوں نے اصحاب کہف کی قصہ اور روح کی ماہیت اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا تو اس کے جواب میں آیات نازل ہوئیں۔

(۶) بعض اوقات غیبت اور ملعون کفار آپ کی شان میں اہانت آمیز باتیں کرتے تو ان کے رد میں آیات نازل ہوئیں مثلاً ولید بن مغیرہ نے آپ کو بھونک کہا 'عاص بن وائل نے آپ کو اتر کہا' کسی نے آپ کو شاعر کہا کسی نے آپ کو ساحر کہا کسی نے آپ کو سحر زدہ کہا تو ان کے رد اور ان کی مذمت میں آیات نازل ہوئیں۔

(۷) آپ کے اصحاب کی شان میں منافقین نے بد گوئی کی اور ان کو سلیہ اور بے وقوف کہا تو ان کے رد میں آیات نازل ہوئیں۔

(۸) کسی نے آپ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کے متعلق سوال کیا تو اس کے جواب میں پوری سورہ یوسف نازل ہوئی۔

(۹) بعض اوقات صحابہ کرام کو کوئی مسئلہ سمجھ میں نہ آتا تو اس کی وضاحت کے لیے آیات نازل ہو جاتیں۔ مثلاً صحابہ نے پوچھا ہم اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں؟ بعض دفعہ پوچھا کس پر خرچ کریں تو اس کے بیان کے لیے آیات نازل ہوئیں۔

(۱۰) بعض اوقات جزوی واقعات کے سلسلہ میں آیات نازل ہوئیں۔ مثلاً یہود نے کہا آپ پر جبریل وحی لاتا ہے وہ تو ہمارا دشمن ہے اور جب حضرت ابوبکر نے ان سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے کہا تو انہوں نے کہا پھر تو اللہ تعالیٰ ہے اور ہم فنی ہیں اور کہا اللہ کے ہاتھ تو بندھے ہوئے ہیں تو ان کے رد اور ان کی مذمت میں آیات نازل ہوئیں۔ اسی طرح جب ایک منافق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نہیں مانا اور حضرت عمر نے اس کو قتل کر دیا تو حضرت عمر کی تائید میں آیات نازل ہوئیں۔ اسی طرح اور بہت جزوی واقعات ہیں جن کی وجہ سے آیات نازل ہوئیں۔ یہ جزوی واقعات اور کفار یہود اور منافقین کے سوالات اور ان کے اعتراضات اسی طرح مسلمانوں کے سوالات پر تذریعہ پیش آتے رہے تھے اسی لیے ضروری تھا کہ ان کے حل اور ان کے جوابات کے سلسلہ میں آیات بھی بہت درج نازل ہوتی رہیں اور ہر ایک وقت کی کئی سورتیں نازل ہوتی رہتی تھیں۔ مثلاً حضرت یوسف کے قصہ کے متعلق پانچ سورتیں ایک سورت یا کسی سورت کی آیات نازل ہو رہی ہیں پھر کسی نے کسی اور چیز کے متعلق سوال یا اعتراض کر دیا تو کسی اور سورت میں اس کے متعلق آیات نازل ہو گئیں یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی ترتیب نزول کے اعتبار سے نہیں ہے اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اگر قرآن مجید یکبارگی مکمل نازل ہوتا تو یہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔

(۱۱) گیارہویں وجہ یہ ہے کہ جب قرآن مجید ۲۳ (تیس) سال تک لگاتار نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا تو حضرت جبریل علیہ السلام کو بار بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا موقع ملتا رہا۔

(۱۲) بارہویں وجہ یہ ہے کہ جس نبی پر جس جگہ اللہ کی کتاب نازل ہوئی اس جگہ کو کھیل وحی الہی بننے کا شرف حاصل ہوا دوسرے نبیوں کی وجہ سے کسی ایک جگہ کو یہ شرف حاصل ہوا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے سرزمین عرب کے

یہ کثرت مقامات کو یہ شرف حاصل ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے جو مرتبہ کوہ طور کو حاصل ہوا تھا وہ مکہ اور مدینہ کے رینگ زاروں پہاڑوں میدانوں سواریوں حتیٰ کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بسز کو بھی وہ مرتبہ اور مقام حاصل ہوا کیونکہ ان کی مرتبہ حضرت عائشہ کے بسز پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ اپنے چہروں کے بل جنم کی طرف تھمیت کر لائے جائیں گے ان کا بہت برا ٹھکانا ہوگا اور وہ سب سے زیادہ سیدھے راستے سے بھٹکنے والے ہوں گے (۵) (القرآن: ۲۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! قیامت کے دن کافر کا منہ کے بل کس طرح حشر کیا جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس ذات نے ان کو چہروں کے بل چلایا ہے وہ ذات ان کو منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۱۳۳، مسلیوہ مکتبہ زرارہ صوفیہ کراچی ۱۴۱۷ھ)

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے ہمراہ ان کے بھائی ہارون کو

وَزَيْدًا ۝ فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا

وزیر بنا دیا ہم نے فرمایا تم دونوں ان لوگوں کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ہے پھر ہم نے ان

فَدَامَرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا ۝ وَقَوْمُ نُوحٍ لَّمَّا كَذَبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَ

کومل طور پر ہلاک کر دیا اور نوح کی قوم کے کافروں نے جب رسولوں کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو غرق کر دیا اور

جَعَلْنَاهُمْ لِبَنَاتٍ آيَةً ۖ وَاعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

ہم نے ان کو لوگوں کے لیے (عبرت کی) نشانی بنا دیا اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے

وَعَادًا وَثَمُودًا وَأَصْحَابَ الرَّسِّ وَقَرُونًا بَيْنَ ذَلِكَ

اور عاد اور ثمود اور کنوئیں والوں اور ان کے درمیان بہت سی قوموں

كَثِيرًا ۝ وَكُلًّا ضَرَبْنَاهُ الْأَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا ۝

کے لیے اور ہم نے ہر ایک کے لیے مثالیں بیان فرمائی ہیں پھر ہم نے ہر ایک کو تباہ و برباد کر دیا

وَلَقَدْ آتَوْنَا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أُمِطِرَتْ مَطَرُ السَّوْءِ ۖ أَفَلَمْ

اور یہ (کفار) اس بستی پر آچکے ہیں جس پر چہروں کی بارش ہو چکی ہے کیا انہوں

يَكُونُوا يَرُودُهَا بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا ۖ وَإِذَا

نے اس بہتی کو نہیں دیکھا بلکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی امید ہی نہیں رکھتے ۵ اور یہ

رَأَوْكَ إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ۖ أَهَذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ

لوگ جب بھی آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں (اور کہتے ہیں) کیا یہی وہ شخص ہے جس کو اللہ نے

رَسُولًا ۖ إِنَّ كَادَ لَيُضِلَّنَا عَنْ إِلَهِنَا لَوْلَا أَنْ صَبَرْنَا

رسول بنا کر بھیجا ہے ۵ بے شک یہ ہم کو ہمارے معبودوں سے بہکانے لگے تھے اگر ہم ان کی پریشانی پر ثابت

عَلَيْهَا ۖ وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرُونِ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ

قدم نہ رہے ۶ اور وہ جب عذاب کو دیکھیں گے تو فخریہب جان لیں گے کہ کون سیدھے راست سے زیادہ

سَبِيلًا ۖ أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ ۖ أَفَأَنْتَ تَكُونُ

بھٹکا ہوا ہے ۵ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہشوں کو اپنا معبود بنا لیا ہے کیا آپ اس کی

عَلَيْهِ وَكَيْلًا ۖ أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۖ

حمایت کر سکتے ہیں ۵ یا آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں

إِنَّ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۖ

یہ تو صرف چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے ہمراہ ان کے بھائی ہارون کو وزیر بنا دیا ۵ پس ہم

نے فرمایا تم ان لوگوں کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آجھوں کی تکذیب کی ہے پھر ہم نے ان کو مکمل طور پر ہلاک کر دیا ۵

(الفرقان: ۲۶-۲۵)

فرعون کی طرف صرف حضرت موسیٰ کو جانے کا حکم دیا تھا یا ان کے بھائی ہارون کو بھی؟

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی۔ اس کتاب سے مراد تو رات ہے اور ان کے ہمراہ ان کے بھائی ہارون کو وزیر بنا

دیا ۵ وزیر سے مراد مہتمن اور مددگار ہے۔ پس ہم نے فرمایا تم دونوں ان لوگوں کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آجھوں کی تکذیب

کی ہے ان لوگوں سے مراد فرعون، حامان اور قہط ہیں۔

اس آیت میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون دونوں کو قبطیوں کی طرف جانے کا حکم دیا ہے اور فقرہ ضمت: ۱۷ اور ط: ۲۳:

میں صرف حضرت موسیٰ کو فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ جب

ہذا رحم

ہر ایک کو قوم فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا تھا تو جائز ہے کہ ان میں سے کسی ایک کی طرف جانے کی نسبت کر دی جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے صرف حضرت موسیٰ کو جانے کا حکم دیا ہو لیکن جب حضرت موسیٰ نے دعا کی کہ میرے اہل میں سے میرے بھائی کو میرا وزیر بنادے (طہ: ۲۹) تو پھر دونوں کو قوم فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نوح کی قوم کے کافروں نے جب رسولوں کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو غرق کر دیا اور ہم نے ان کو لوگوں کے لیے (عبرت کی) نشانی بنادیا اور ہم نے خالصوں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے (فرقہ: ۳۷) حضرت نوح کی قوم نے صرف حضرت نوح کی تکذیب کی تھی پھر یہ کیوں فرمایا کہ انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی؟

اس آیت میں فرمایا ہے اور نوح کی قوم کے کافروں نے رسولوں کی تکذیب کی حالانکہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے صرف حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی کیونکہ اس وقت میں حضرت نوح علیہ السلام کے سوا اور کوئی رسول نہیں تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو تو حیدر رسالت، قیامت، مرنے کے بعد دوبارہ نصیحت، جزاء اور سزا اور باقی ان تمام احکام شریعتی، تعلیم اور تبلیغ کے لیے بھیجا تھا جن کی تعلیم اور تبلیغ کے لیے ان کے بعد تمام رسولوں کو بھیجا گیا تھا۔ لہذا حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب دراصل ان کے بعد آنے والے تمام رسولوں کی تکذیب تھی اس لیے فرمایا اور نوح کی قوم کے کافروں نے جب رسولوں کی تکذیب کی۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جس شخص نے ایک رسول کی تکذیب کی اس نے گویا تمام رسولوں کی تکذیب کی کیونکہ رسولوں پر ایمان لانے میں کوئی فرق نہیں ہے اور اس لیے کہ ہر نبی باقی تمام نبیوں کی تصدیق کرتا ہے۔ لہذا جس نے کسی ایک نبی کی تکذیب کی تو اس نے ان تمام نبیوں کی تکذیب کر دی جن کی اس نبی نے تصدیق کی تھی۔ ہم نے ان کو غرق کر دیا ان کو غرق کرنے کی پوری تفصیل سورہ صود میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور عاد اور ثمود اور کنوین والوں اور ان کے درمیان بہت سی قوموں کے لیے (الفرقان: ۳۸) الرّس کا معنی

اس آیت میں عاد، ثمود، اصحاب الرس اور ان کے درمیان کی قوموں کا عطف قوم نوح پر ہے یعنی آپ قوم نوح کو یاد کیجئے اور عاد، ثمود، اصحاب الرس اور ان کی درمیانی قوموں کو یاد کیجئے یا اس کا معنی ہے ہم نے قوم نوح کو غرق کر دیا اور ان کے لیے آخرت میں عذاب تیار کر رکھا ہے اسی طرح ہم نے عاد اور ثمود اور اصحاب الرس اور ان کی درمیانی قوموں پر عذاب نازل کر کے ان کو نیست و نابود کر دیا اور آخرت میں ان کے لیے عذاب تیار کر رکھا ہے۔

الرس کلام عرب میں اس کنوین کو کہتے ہیں جس کے گرد منڈیرت ہو یعنی معاون کے کنوین۔ صبح جو بڑی میں مرقوم ہے کہ الرس اس کنوین کا نام تھا جو قوم ثمود کے بھیلو لوگوں کا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ الرس بنو اسد کے پانی اور ان کے دعات کا نام ہے۔ امام تفسیری نے ذکر کیا ہے کہ پیناڑوں پر جو تہ برف جم جاتی ہے اس کو ارس کہتے ہیں اور ارس کا معروف معنی وہ ہے جس کو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے ابو عبیدہ نے ذکر کیا ہے کہ ارس وہ کنواں ہے جس کے گرد منڈیرت ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ کنواں آذربائیجان میں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ کنواں یرامہ میں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اخطا کیہ میں ہے۔ اس کا معنی ہے احنفا دینا لوگوں نے اپنے نبی کو اس میں دھنسا دیا تھا اس لیے اس کنوین کو ارس کہتے ہیں۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۹۰)

اصحاب الزمیں کی تفسیر اور ان کے مصداق کے متعلق متعدد اقوال

اصحاب الزمیں کے مصداق میں مفسرین کے حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت علی علیہ السلام نے کہا اصحاب الزمیں ایک قوم ہے جو رست کی عبادت کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ کی پاداش میں ان کو عذاب سے ہلاک کر دیا گیا۔

(۲) سعید بن جبیر نے کہا یہ وہ قوم ہے جس کے نبی کا نام حظلہ بن معوان تھا انہوں نے اپنے نبی کو قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا۔

(۳) وحب بن منہ نے کہا یہ قوم ایک کنوئیں کے پاس رہتی تھی یہ لوگ اس کنوئیں سے پانی لینے تھے اور ان کے موسیٰ بھی تھے۔ یہ لوگ جن کی عبادت کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت شعیب کو بھیجا مگر یہ لوگ انہی سرکشی سے باز نہ آئے تو یہ کنوئیں منہدم ہو گیا (دھے گیا) اور ان لوگوں کو اور ان کے گھروں کو اس کنوئیں میں دھنسا دیا گیا۔

(۴) سدی نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حبیب النجار کو قتل کر کے اپنے کنوئیں میں ڈال دیا تھا ان ہی کے متعلق یہ آیت ہے:

يَقْتُورُوا الشَّعِيرَ الْمُسْلِمِينَ (نہن: ۲۰)

(۵) ابن السائب نے کہا یہ وہ قوم ہے جو اپنے نبی کو قتل کر کے کھا گئی تھی اور یہ وہ قوم ہے جس کی عورتوں نے سب سے پہلے چادریں نکالیں۔ (زاد المسیر: ۲۵ ص ۹۰، مسند مکتب اسلامی ج ۱ ص ۱۲۷)

علامہ قرطبی نے اصحاب الزمیں کی تفسیر میں بہت زیادہ اقوال نقل کیے ہیں۔ (المباح: ۱۰ حکام القرآن ج ۳ ص ۳۷) مگر ہم نے جتنے اقوال ذکر کر دیے ہیں وہ کافی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ہر ایک کے لیے مثالیں بیان فرمائی ہیں مگر ہم نے ہر ایک کو تباہ و برباد کر دیا۔ (الفرقان: ۳۷)

زجاج نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ہر قوم کو جو حید و رسالت کے دلائل سنائے اور ایمان نہ لائے پر ان کو عذاب کی وعید سنائی اور ان پر اپنی جہت تمام کر دی اس کے باوجود جب وہ ایمان نہیں لائے تو ہم نے ان پر عذاب نازل کر کے ان کو لمبا میت کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ (کفار) اس ہستی پر آچکے ہیں جس پر تمہاری پاداش ہو چکی ہے کیا انہوں اس ہستی کو نہیں دیکھا بلکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی امید ہی نہیں رکھتے؟ (الفرقان: ۲۰)

ان کافروں سے مراد مشرکین مکہ ہیں اور ہستی سے مراد قوم لوط کی ہستی ہے جن کی بد فعلیوں کی وجہ سے ان کے اوپر آسمان سے پتھر برسائے گئے تھے کفار جب مختلف علاقوں کے سفر پر جاتے تو اس ہستی میں عذاب نازل ہونے کے آثار دیکھتے تھے حضرت امین عباس نے فرمایا جب کفار قریش شام کی طرف تجارتی سفر میں جاتے تھے تو قوم لوط کے شہروں سے گزرتے تھے ان کے باوجود وہ عذاب کے آثار دیکھ کر بھی ہمت نہیں ہکارتے تھے اور مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ لوگ جب بھی آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں (اور کہتے ہیں) کیا یہی وہ شخص ہے جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ یہی شک ہے ہم کو ہمارے مجبوروں سے بھگانے لگے تھے اگر ہم ان (جنوں) کی پاداش پر ثابت قدم نہ رہے اور وہ جب عذاب کو دیکھیں گے تو غریب جان لیں گے کہ کون سیدھے راستے سے زیادہ بھلا ہوا ہے؟ (الفرقان: ۲۱)

نبی کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانا اور آپ کو اذیت پہنچانا

امام عبدالرحمن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام محمد بن ادریس بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ابو جہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیغام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا: اے قریش کی جماعت! محمد (سیدنا) صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ گمان ہے کہ دوزخ کے صرف ۱۹ فرشتے تم سب کو دوزخ میں قید کر کے تم کو عذاب دیں گے حالانکہ تم اتنی بڑی تعداد اور اتنی زیادہ کثرت میں ہو۔ کیا ان میں سے ایک شخص تم میں سے سوا دمیوں کو عاجز کر دے گا؟ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَذْكُورًا وَمَا جَعَلْنَا
صِدْقَهُمْ إِلَّا كَذِبًا لِّذُنَّ لَيْسَتْ بَيْنَ يَدَيْهِمْ أَلْفُ أَلْفٍ
لَّكِبٌ وَتَرَىٰ ذَا الذِّكْرِ إِتْرَافًا وَلَا يَكُونُ لَهُمْ جُودًا
وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ فِي قُلُوبِهِمْ مَّوَدَّةٌ بَيْنَهُمْ
وَالْكُفْرُ بَيْنَهُمْ عَاقِبَةٌ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْيَسَّاءِ
وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ أَهْلَهُمْ يَرْثُوكُمْ وَبِالْآلِهَةِ مَحَلَّةٌ

اور ہم نے دوزخ کے پہرے دار صرف فرشتے مقرر کیے ہیں اور ہم نے ان کی تعداد صرف کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر کی ہے تاکہ اہل کتاب یقین کر لیں اور ایمان والوں کا ایمان اور قوی ہو جائے اور اہل کتاب اور مؤمنین شک نہ کریں اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور کفار یہ کہیں گے کہ اس تعداد (۱۹ فرشتے) کو بیان کرنے سے اللہ کیا ارادہ فرما رہا ہے اسی طرح اللہ جس میں چاہتا ہے گمراہی پیدا کر دیتا ہے اور جس میں چاہتا ہے ہدایت پیدا کر دیتا ہے اور آپ کے رب کے لشکر کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ قرآن تو انسانوں کے لیے صرف نصیحت ہے

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۱۹ مطبوعہ مکتبہ زار حنفیہ لاہور ص ۱۱۹)

مرودہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے کہا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریش کی کتنی زیادہ عداوت دیکھی ہے؟ انہوں نے کہا ایک دن قریش کے سردار حطیم کعبہ میں جمع ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر کے کہنے لگے ہم نے انہیں دیکھا کہ ہم نے اس شخص سے زیادہ کسی اور پر صبر کیا ہو یہ ہمارے جوانوں اور یوزموں کو کراہ فرما دیتا ہے ہمارے دین کی مذمت کرتا ہے ہماری جماعت میں تفرق ڈالتا ہے ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے اور ہم اتنی بڑی زیادتی پر صبر کرتے ہیں وہ اسی طرح کی باتیں کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگئے آپ نے آکر ہمارے دشمنی کی پھر بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے ان کے پاس سے گزرے جب آپ ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے ایک دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھے آپ جب دوسرا طواف کرتے ہوئے ان کے پاس سے گزرے اور انہوں نے حسب سابق اشارے کیے تو آپ ان کے پاس گھڑے آگئے اور فرمایا: اے قریش! کیا تم سن رہے ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے میں ہمارے پاس قربانی کے احکام لے کر آیا ہوں وہ لوگ اس طرح غور سے آپ کی بات سن رہے تھے جیسے ان کے سروں پر بندے ہوں حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص نے کہا اے ابوالقاسم! آپ کا سیالی کے ساتھ واپس جائیں۔ اللہ کی قسم میں جاہل میں ہوں! دوسرے روز وہ پھر حطیم میں جمع ہوئے اور میں بھی ان کے ساتھ تھا انہوں نے ایک دوسرے سے کہا تم نے اس کا ذکر کیا اور ان باتوں کا جو اس نے تم سے کہیں اور ان باتوں کا جو تم نے اس سے کہیں حتیٰ کہ جب انہوں نے وہ باتیں سنی کیں جو تم کو ناگوار ہیں تو تم نے ان کو چھوڑ دیا۔ ابھی وہ یہ باتیں کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے

آئے وہ سب چلا گئیں لگا کر آپ کے پاس گئے اور آپ کو گھیر لیا اور آپ سے کہنے لگے آپ ہی وہ شخص ہیں جو اس طرح اس طرح کہتے ہیں اور وہ سب باتیں کہیں جو آپ نے ان کے باطل خداؤں اور باطل دین کی خدمت میں کہیں تھیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! میں نے ہی یہ باتیں کہی ہیں پھر میں نے دیکھا ایک شخص نے آپ کی چادر پکڑ کر آپ کو گھسیٹا اور حضرت ابوبکر صدیق اس شخص کے پاس کھڑے تھے اور اس وقت ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے انہوں نے کہا تم پر انہوں نے ہوا تم ایک شخص کو صرف اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے پھر وہ لوگ آپ کے پاس سے ہٹ گئے۔ یہ قریش کا سب سے سخت سلوک تھا جو میں نے آپ کے ساتھ دیکھا تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ ص: ۵۸۹۷ مطبوعہ مکتبہ زار معصیٰ کٹرہ ص: ۱۳۷۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہشوں کو اپنا معبود بنالیا ہے! کیا آپ اس کی حمایت کر سکتے ہیں؟ (الفرقان ۳۳)

اپنی خواہش کے پرستاروں کے مصادیق

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص بڑے عرصہ تک ایک سفید چتر کی عبادت کرتا رہا پھر اس کو ایک اور چتر اس سے زیادہ خوب صورت مل گیا تو وہ پہلے چتر کو چھوڑ کر اس چتر کی عبادت کرنے لگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری تفسیر اس طرح منقول ہے کہ اس سے مراد کافر ہے جو بطریقہ کی دلیل کے اور بغیر اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے کسی چیز کو اپنا معبود قرار دے کر اس کی پرستش کرتا ہے اللہ تعالیٰ علم کے باوجود اس کو گمراہ کر دیتا ہے۔ حسن بصری نے کہا اس سے مراد منافق ہے وہ اپنی خواہش کو نصب کر دیتا ہے اور اپنی ہر خواہش کی پیروی کرتا ہے۔ قتادہ نے بیان کیا کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو ہر اس چیز پر سوار ہو جاتا ہے جس کی وہ خواہش کرتا ہے اور جس کام کو چاہتا ہے وہ کام کر لیتا ہے اور اللہ کا ڈر اور تقویٰ اس کو کسی ناچائز کام کے ارتکاب سے نہیں روکتا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ ص: ۲۶۹۹-۲۷۰۰ مطبوعہ مکتبہ زار معصیٰ کٹرہ ص: ۱۳۷۷)

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں پر تنبیہ کر لیا ہے جو زبان سے یہ اقرار کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق اور رازق ہے اس کے باوجود وہ بغیر کسی دلیل کے چتروں سے تراشیدہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ پھر فرمایا کیا آپ ایسے شخص کی حفاظت اور کفالت کر سکتے ہیں اور اس کو کفر سے ایمان کی طرف اور بدائی سے نیکی کی طرف لاسکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یا آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں یا یہ تو صرف چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں؟ (الفرقان ۳۳)

کفار سے سننے اور عقل کی نفی کی توجیہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ کفار ہدایت کو قبول کرنے کی غرض سے سنتے ہیں اور نہ اس کو بصیرت سے دیکھتے ہیں اور نہ اس میں غور و فکر کرتے ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ ص: ۱۵۸۵)

یعنی یہ کفار ان لوگوں کے قائم مقام ہیں جن کے پاس نہ عقل ہے نہ کان ہیں جب انہوں نے سننے سے اس کی غرض کو پورا نہیں کیا اور دیکھنے سے اس کی غرض کو پورا نہیں کیا اور غور و فکر سے اس کی غرض کو پورا نہیں کیا تو گویا وہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ سوچتے ہیں۔ ان کو کان اس لیے دیئے تھے کہ وہ قبول کرنے کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنیں۔

محبت سے آپ کے چہرہ انور کو دیکھتے آپ کی نبوت کے دلائل میں غور و فکر کرتے اور جب انہوں نے اس غرض کو پورا نہیں کیا تو وہ اللہ کے نزدیک سننے والے ہیں نہ دیکھنے والے ہیں نہ غور و فکر کرنے والے ہیں۔

کفار کا چوپایوں سے زیادہ کم راہ ہوتا

محرر فرمایا یہ تو چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ کم راہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کافروں کی مثال تو اونٹ، گدھے اور بکری کی طرح ہے کیونکہ اگر تم ان چوپایوں سے کوئی بات کہو تو وہ صرف تمہاری آواز سنیں گے اور وہ یہ بالکل نہیں سمجھ سکیں گے کہ تم ان سے کیا کہہ رہے ہو اسی طرح جب تم کفار سے کوئی نیک کی بات کہو یا جب تم ان کو کسی برائی سے روکو اور ان کو نصیحت کرو تو وہ نہیں سمجھیں گے کہ تم یہ کیا کہہ رہے ہو وہ صرف تمہاری آواز سنیں گے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ عنہ ۱۵۳۷ مطبوعہ مکتبہ دار معینی کٹرہ ۱۴۱۱ھ)

کافروں کو چوپایوں سے زیادہ کم راہ قرار دیا ہے کیونکہ چوپایوں سے حساب لیا جائے گا نہ ان کو عذاب دیا جائے گا۔ مقاتل نے کہا چوپائے اپنے مالکوں کو پہچانتے ہیں اور اپنے مالکوں کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں اور ان کے اشاروں پر چلتے ہیں اور یہ کفار اپنے رب کو نہیں پہچانتے جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کو روزی دیا ہے اور اس کی اطاعت نہیں کرتے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ چوپایوں کو ہر چند کہ توحید اور رسالت کا صحیح اور اک نہیں ہے لیکن وہ توحید اور رسالت کے باطل ہونے کا اعتقاد بھی نہیں رکھتے اس لیے یہ کفار چوپایوں سے زیادہ کم راہ ہیں۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ چوپائے اللہ کی تسبیح پڑھتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں اس کے برخلاف یہ کفار اس میں سے کچھ بھی نہیں کرتے بلکہ اللہ کو سجدہ کرنے پر اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے پتھر کے بتوں کو سجدہ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اس لیے یہ چوپایوں سے زیادہ کم راہ ہیں۔

امام ابو القاسم عبد الکریم بن حوازن بن عبدالملک القشیری نیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۶۵ھ لکھتے ہیں:

یہ کفار ان چوپایوں کی طرح ہیں جن کی کوشش کھانے پینے اور قضاء شہوت کے سوا اور کسی چیز کے لیے نہیں ہوتی سو جس شخص نے صرف اپنی نفسانی خواہشوں کے لیے جدوجہد کی وہ ان چوپایوں کی مثل ہے اور اللہ سبحانہ نے فرشتوں کو پیدا کیا اور ان کی جبلت میں عقل رکھی اور چوپایوں کو پیدا کیا اور ان کی جبلت میں صرف ان کے حیوانی تقاضے رکھے اور بغیر آدم کو پیدا کیا اور ان کی جبلت میں یہ دونوں چیزیں رکھی یعنی عقل اور حیوانی تقاضے۔ پس جس نے اپنی خواہشات کو اپنی عقل پر ترجیح دی وہ چوپایوں سے بدتر ہے اور جس نے اپنی عقل کو اپنی خواہشات پر ترجیح دی وہ فرشتوں سے افضل ہے اور یہی مشائخ کا قول ہے۔

(ملائکۃ الاشارات ج ۲ ص ۲۸۵ مطبوعہ دار المکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ثُمَّ

کیا آپ نے اپنے رب کی (قدرت کی) طرف نہیں دیکھا کہ اس نے کس طرح سائے کو پھیلا دیا وہ اگر چاہتا تو اس کو ٹھہرا

جَعَلْنَا الشَّمْسُ عَلَيْهِ دَلِيلًا ۝۳۷ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ اِلَيْنَا قَبْضًا سَيْرًا ۝۳۸

ہوا کر دیتا پھر ہم نے سورج کو اس کے اوپر علامت بنا دیا ۳۷ پھر ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ لیا ۳۸

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالتَّوَمُّ سُبَاتًا وَجَعَلَ

اور وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے سات اور حجاب بنایا اور نیند کو راحت بنایا اور دن کو

النَّهَارَ نُشُورًا ۝۱۰ وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ

انہیں اور کام کرنے کے لیے بھیاں اور وہی ہے جو بارانِ رحمت سے پہلے بشارت دینے والی ہوا میں بھیجتا ہے

رَحْمَتِهِ ۖ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ۝۱۱ لِنُخْرِجَ بِهِ بَلْدَةً

اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی نازل کیا ۲۵ کہ ہم اس پانی سے مردہ شجر کو

مَيِّتًا وَنُسْقِيهِ مِثْمًا خَلْقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَاسِي كَثِيرًا ۝۱۲ وَلَقَدْ

زندہ کر دیں اور وہ پانی اپنے پیدا کیے ہوئے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو چلاؤں اور بے شک ہم نے اس پانی کو

صَرَفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذْكُرُوا ذُنُوبَهُمْ ۖ إِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۱۳

ان کے درمیان گردش دی تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں لیکن اکثر لوگوں نے ناشکری کے سوا اور ہر دوسے کا انکار کر دیا

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيرًا ۝۱۴ فَلَا تُطِيعُ الْكَافِرِينَ وَ

اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک عذاب سے ڈرانے والا بھیج دیتے ۲۵ سو آپ کافروں کی پیروی نہ کریں اور

جَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ۝۱۵ وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا

اس قرآن کے ذریعہ ان سے بڑا جہاد کریں ۲۵ اور وہی ہے جس نے دو سمندر آپس میں ملا کر چاری کر دیئے یہ

عَذَابٌ مُّرْتَبٌ ۖ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۖ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا

نہایت شیریں ہے اور یہ کھاری (اور) کڑوا ہے اور ان کے درمیان ایک (قدرتی) حجاب

وَحِجْرًا مَّحْجُورًا ۝۱۶ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا

اور روکی ہوئی آڑ ہے ۲۵ اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا پھر اس

فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۖ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ۝۱۷ وَيَعْبُدُونَ

کے لیے نسب اور سسرال کا رشتہ بنایا اور آپ کا رب قدرت والا ہے ۲۵ اور وہ اللہ کو چھوڑ کر

مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۖ وَكَانَ الْكَافِرُ

ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں اور کافر اپنے رب کی مخالفت کرنے پر

عَلَىٰ رَبِّهِمْ ظَهِيرًا ۝۵۵ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝۵۶

کمر بستہ رہتا ہے ۵ اور ہم نے آپ کو صرف ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۵

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ

آپ کہیے کہ میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا مگر یہ کہ جو چاہے وہ اپنے رب کی طرف

إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝۵۷ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ ۚ وَ

راستہ کو اختیار کر لے ۵ اور آپ اس پر توکل کیجئے جو زندہ ہے اور اس پر کبھی موت نہیں آئے گی اور

سَيِّئُ بِحَدِيثِهِ ۖ وَكَفَىٰ بِهِ إِذْنُؤُوبِ عِبَادِهِ خَيْرًا ۝۵۸ الَّذِي

اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے کے لیے کافی ہے ۵ جس نے

خَلَقَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ

آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر

أَسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ الرَّحْمَنُ فَسَلُّ بِهِ خَيْرًا ۝۵۹ وَإِذَا

وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا ' وہی رحمن ہے آپ اس کے متعلق کسی خبر رکھنے والے سے پوچھ لیں ۵ اور جب

قِيلَ لَهُمْ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ ۖ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ ۚ

ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمن کو سجدہ کرو (تو) وہ کہتے ہیں کہ رحمن کیا چیز ہے ؟

أَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ۝۶۰

کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کا آپ ہمیں حکم دیتے ہیں اس (حکم) نے ان کو اور متنفر کر دیا ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے اپنے رب کی (قدرت کی) طرف نہیں دیکھا کہ اس نے کس طرح سائے کو پیدا دیا وہ

اگر چاہتا تو اس کو ٹھہرا ہوا کر دیتا پھر ہم نے سورج کو اس کے اوپر علامت بنا دیا ۵ پھر ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف مقلع

لایا (نقشہ ۳۰-۳۱)

گل اور فی کا معنی

گل سورج کی روشنی اور دھوپ کی ضد ہے اور یہ فی سے عام ہے۔ ظل اللیل اور ظل الجبۃ (رات کا سایا اور باغ کا سایا) کہا جاتا ہے اور ہر وہ جگہ جہاں دھوپ نہ پہنچے اس کو گل (سایا) کہا جاتا ہے اور فی صرف اسی جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں سے دھوپ اور سورج کی روشنی آ کر زائل ہو جائے اور کسی عزت دار چیز کو بھی گل کہا جاتا ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۲۰۹ مکتبہ ذہب معانی مکتبہ مکرّمہ ۱۳۸ھ)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود بنوی التوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

اس سے مراد طلوع فجر سے لے کر طلوع شمس تک کا وقت ہے اس وقت ایسا سایا ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پھیلا دیا ہوا ہوتا ہے کیونکہ اس وقت دھوپ نہیں ہوتی ایک وہ وقت ہے جب مکمل تاریکی ہوتی ہے یہ رات کا وقت ہے اور ایک وہ وقت ہے جب مکمل روشنی اور دھوپ ہوتی ہے یہ دن کا وقت ہے اور ایک سائے کا وقت ہے جس میں سورج کی دھوپ اور رات کے اندھیرے کی درمیانی کیفیت ہوتی ہے اور یہ سائے کا وقت ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سائے کو داغی کر دیتا اور سورج بھی طلوع نہ ہوتا اور دن کی روشنی حاصل نہ ہوتی اور لوگ خلاش روزگار کے لیے کوئی کام نہ کر سکتے۔

پھر اللہ آہستہ آہستہ سائے کو بہتر رنگ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے یعنی سورج کے طلوع ہونے سے پہلے تمام روئے زمین پر سایا پھیلا ہوا ہوتا ہے پھر جب سورج طلوع ہو جاتا ہے تو سایہ آہستہ آہستہ کم ہونے لگتا ہے اور جب سورج بالکل سروں پر پہنچ جاتا ہے اور مکمل دھوپ پھیل جاتی ہے تو سایہ نہ ہونے کے برابر ہو جاتا ہے پھر جب سورج مغرب کی طرف کھینچنے لگتا ہے تو پھر سائے نمودار ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور سائے کی نمودار اس کے کھینچنے بڑھنے اور ختم ہونے پر اللہ تعالیٰ نے سورج کو عطاس اور ویل بنادیا ہے ۵ (معالم اختر ج ۳ ص ۲۳۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے ساتر اور حجاب بنادیا اور نیند کو راحت بنادیا اور دن کو اٹھنے اور کام کرنے کے لیے بنادیا ۵ (الفرقان ۴۷)

کفر کے اندھیروں کا ختم ہونا اور ایمان کے سورج کا طلوع ہونا

رات کو لباس فرمایا کیونکہ جس طرح لباس دن کو چھپاتا ہے اسی طرح رات کے اندھیرے چیزوں کو چھپا لیتے ہیں اور نیند کو نہات فرمایا نہات کے معنی راحت ہیں کیونکہ رات کو لوگ کام کاج اور محنت مزدوری کرنے کو چھوڑ دیتے ہیں اور رات کو صرف آرام کرتے ہیں جس سے ان کو آرام اور راحت ملتی ہے نیند سے پہلے انسان کے اعصاب ڈھیلے ہو جاتے ہیں سب سے پہلے اس کے کان کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور اس کو نیند آ جاتی ہے اس کے کھینچے ہوئے اعصاب کو آرام ملتا ہے اور جب وہ سو کر اُٹھتا ہے تو بالکل تروتازہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دن کی روشنی کام کاج کرنے کے لیے بنائی اور رات کا اندھیرا سونے اور آرام کرنے کے لیے بنایا اگر مسلسل دن ہوتا تو انسان آرام نہ کر سکتا اور اگر مسلسل رات ہوتی تو انسانوں کو اپنی روزی حاصل کرنے کے لیے کوئی ذریعہ نہ ملتا۔ پس سبحان ہے وہ ذات جس نے دن بھی بنایا اور رات بھی بنائی۔

اس آیت میں یہ بھی اشارہ ہے کہ روئے زمین پر اس وقت جو کفر اور شرک کا سایا پھیلا ہوا ہے وہ کوئی داغی اور مستقل چیز نہیں ہے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں آفتاب ہدایت طلوع ہو چکا ہے نہ ظاہر جہالت کا یہ سایا زور و زور تک پھیلا ہوا نظر آ رہا ہے مگر جیسے آفتاب نبوت اوپر چڑھے گا جہالت کا یہ سایا مستحکم چلا جائے گا جس طرح اس ساری کائنات میں سایا فواری معصوم نہیں ہوتا بہتر رنگ کم ہو کر ختم ہوتا ہے اسی طرح روحانی دنیا میں بھی آفتاب نبوت کا عروج بتدریج ہو گا اور گمراہی کے سائے کا زوال

درجہ تم ہو کر ختم ہوگا اسی طرح رات اور دن کے ذکر فرمانے میں بھی یہ اشارہ ہے کہ جہالت اور گمراہی کے اندھیروں کی تاب ختم ہو چکی ہے اور علم اور ہدایت کا سورج اب طلوع ہو چکا ہے اور عقرب کھرکی بیخار ختم ہوگی اور ایمان والوں کا غلبہ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جو بارانِ رحمت سے پہلے بشارت دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے اور ہم نے آسمان سے کبر کرنے والہ پانی نازل کیا (الفرقان: ۴۸)

مہور کا معنی اور اس کا مصداق

طہور اس پانی کو کہتے ہیں جو فی نفسہ پاک ہو اور بغیر اشیاء کو پاک کرنے والا ہو اس آیت سے معلوم ہوا کہ بارش کا پانی طہور اور مطہر ہے قرآن مجید میں ہے:

وَيُنَزِّلُ عَلَيْنَا مَاءً غَيْرًا غَدِرًا

وہی ہے جس نے آسمان سے تم پر پانی نازل کیا تاکہ تم کو

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا یا رسول اللہ! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس بہت تھوڑا پانی ہوتا ہے اگر ہم اس پانی سے وضو کر لیں تو پھر ہم پیاسے رہ جائیں گے تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر لیا کریں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سمندر کا پانی طہور (پاک کرنے والا) ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۶، سنن ابوالشیخ رقم الحدیث: ۵۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۱۱، مسند احمد ج ۵ ص ۲۳، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۵، مسند ابی حنبلہ رقم الحدیث: ۱۲۳۳، المسند رک ج ۱ ص ۱۲۸، سنن ابی یوسف ج ۱ ص ۱۰۰، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۸۱)

بعض علماء نے یہ کہا کہ طہور اس پانی کو کہتے ہیں جس سے طہارت کا عمل بار بار حاصل ہو جس طرح مہور اس شخص کو کہتے ہیں جو بار بار مہر کرے اور شہور اس شخص کو کہتے ہیں جو بار بار شکر کرے اور یہ امام مالک کا قول ہے حتیٰ کہ ان کے نزدیک جس پانی سے ایک بار وضو کر لیا گیا ہو اس پانی سے بھی وضو کرنا جائز ہے اور مہور کے نزدیک وہ پانی مستعمل ہے وہ اگر چہ فی نفسہ پاک ہے لیکن اس سے پاکیزگی حاصل نہیں ہو سکتی۔

کسی شخص چیز کے گرنے سے اگر پانی میں نجاست کی بو اس کا رنگ یا اس کا ذائقہ آ جائے تو

وہ پانی طہور نہیں رہے گا

اگر پانی میں ایسی کوئی چیز گر جائے جس سے پانی کا ذائقہ یا اس کا رنگ یا اس کی بو متغیر ہو جائے اگر وہ ایسی چیز ہے جس سے پانی کو محفوظ رکھنا بہت مشکل ہے جیسے کچڑا مٹی اور درختوں کے پتے تو اس پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے جیسے اگر کسی جگہ پانی کافی عرصہ تک ٹھہرا رہے تو اس کے اوصاف ختم ہو جاتے ہیں اس طرح اگر پانی میں کوئی ایسی چیز گر جائے جو پانی میں

سراست اور طول نہ کرے مثلاً تیل وغیرہ تو خواہ اس کی بو اور حر و تہل ہو جائے پھر بھی اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

اور اگر پانی میں کوئی پاک چیز گر جائے اور اس سے پانی کے اوصاف (رنگ بو اور حر) تبدیل نہ ہوں تو پانی کا طہور ہونا باقی رہے گا خواہ پانی گھل ہو یا کثیر اور اگر پانی کی مقدار وہ درودہ سے کم ہو اور اس میں کوئی نجس چیز گر جائے تو وہ پانی نجس ہو جائے گا اور اگر پانی کی مقدار وہ درودہ سے زیادہ ہو یا وہ پانی جاری ہو تو اس پانی میں نجاست کے گرنے سے پانی نجس نہیں ہوگا اور طہور ہی رہے گا جب تک کہ پانی کا رنگ یا بو یا حر و تہل نہ ہو جائے۔

وہ پانی طہور نہیں رہے گا

اگر پانی میں ایسی کوئی چیز گر جائے جس سے پانی کا ذائقہ یا اس کا رنگ یا اس کی بو متغیر ہو جائے اگر وہ ایسی چیز ہے جس سے پانی کو محفوظ رکھنا بہت مشکل ہے جیسے کچڑا مٹی اور درختوں کے پتے تو اس پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے جیسے اگر کسی جگہ پانی کافی عرصہ تک ٹھہرا رہے تو اس کے اوصاف ختم ہو جاتے ہیں اس طرح اگر پانی میں کوئی ایسی چیز گر جائے جو پانی میں

سراست اور طول نہ کرے مثلاً تیل وغیرہ تو خواہ اس کی بو اور حر و تہل ہو جائے پھر بھی اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

اور اگر پانی میں کوئی پاک چیز گر جائے اور اس سے پانی کے اوصاف (رنگ بو اور حر) تبدیل نہ ہوں تو پانی کا طہور ہونا باقی رہے گا خواہ پانی گھل ہو یا کثیر اور اگر پانی کی مقدار وہ درودہ سے کم ہو اور اس میں کوئی نجس چیز گر جائے تو وہ پانی نجس ہو جائے گا اور اگر پانی کی مقدار وہ درودہ سے زیادہ ہو یا وہ پانی جاری ہو تو اس پانی میں نجاست کے گرنے سے پانی نجس نہیں ہوگا اور طہور ہی رہے گا جب تک کہ پانی کا رنگ یا بو یا حر و تہل نہ ہو جائے۔

اگر پانی میں ایسی کوئی چیز گر جائے جس سے پانی کا ذائقہ یا اس کا رنگ یا اس کی بو متغیر ہو جائے اگر وہ ایسی چیز ہے جس سے پانی کو محفوظ رکھنا بہت مشکل ہے جیسے کچڑا مٹی اور درختوں کے پتے تو اس پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے جیسے اگر کسی جگہ پانی کافی عرصہ تک ٹھہرا رہے تو اس کے اوصاف ختم ہو جاتے ہیں اس طرح اگر پانی میں کوئی ایسی چیز گر جائے جو پانی میں

سراست اور طول نہ کرے مثلاً تیل وغیرہ تو خواہ اس کی بو اور حر و تہل ہو جائے پھر بھی اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

اور اگر پانی میں کوئی پاک چیز گر جائے اور اس سے پانی کے اوصاف (رنگ بو اور حر) تبدیل نہ ہوں تو پانی کا طہور ہونا باقی رہے گا خواہ پانی گھل ہو یا کثیر اور اگر پانی کی مقدار وہ درودہ سے کم ہو اور اس میں کوئی نجس چیز گر جائے تو وہ پانی نجس ہو جائے گا اور اگر پانی کی مقدار وہ درودہ سے زیادہ ہو یا وہ پانی جاری ہو تو اس پانی میں نجاست کے گرنے سے پانی نجس نہیں ہوگا اور طہور ہی رہے گا جب تک کہ پانی کا رنگ یا بو یا حر و تہل نہ ہو جائے۔

اگر پانی میں ایسی کوئی چیز گر جائے جس سے پانی کا ذائقہ یا اس کا رنگ یا اس کی بو متغیر ہو جائے اگر وہ ایسی چیز ہے جس سے پانی کو محفوظ رکھنا بہت مشکل ہے جیسے کچڑا مٹی اور درختوں کے پتے تو اس پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے جیسے اگر کسی جگہ پانی کافی عرصہ تک ٹھہرا رہے تو اس کے اوصاف ختم ہو جاتے ہیں اس طرح اگر پانی میں کوئی ایسی چیز گر جائے جو پانی میں

سراست اور طول نہ کرے مثلاً تیل وغیرہ تو خواہ اس کی بو اور حر و تہل ہو جائے پھر بھی اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

اور اگر پانی میں کوئی پاک چیز گر جائے اور اس سے پانی کے اوصاف (رنگ بو اور حر) تبدیل نہ ہوں تو پانی کا طہور ہونا باقی رہے گا خواہ پانی گھل ہو یا کثیر اور اگر پانی کی مقدار وہ درودہ سے کم ہو اور اس میں کوئی نجس چیز گر جائے تو وہ پانی نجس ہو جائے گا اور اگر پانی کی مقدار وہ درودہ سے زیادہ ہو یا وہ پانی جاری ہو تو اس پانی میں نجاست کے گرنے سے پانی نجس نہیں ہوگا اور طہور ہی رہے گا جب تک کہ پانی کا رنگ یا بو یا حر و تہل نہ ہو جائے۔

اگر پانی میں ایسی کوئی چیز گر جائے جس سے پانی کا ذائقہ یا اس کا رنگ یا اس کی بو متغیر ہو جائے اگر وہ ایسی چیز ہے جس سے پانی کو محفوظ رکھنا بہت مشکل ہے جیسے کچڑا مٹی اور درختوں کے پتے تو اس پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے جیسے اگر کسی جگہ پانی کافی عرصہ تک ٹھہرا رہے تو اس کے اوصاف ختم ہو جاتے ہیں اس طرح اگر پانی میں کوئی ایسی چیز گر جائے جو پانی میں

سراست اور طول نہ کرے مثلاً تیل وغیرہ تو خواہ اس کی بو اور حر و تہل ہو جائے پھر بھی اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

اور اگر پانی میں کوئی پاک چیز گر جائے اور اس سے پانی کے اوصاف (رنگ بو اور حر) تبدیل نہ ہوں تو پانی کا طہور ہونا باقی رہے گا خواہ پانی گھل ہو یا کثیر اور اگر پانی کی مقدار وہ درودہ سے کم ہو اور اس میں کوئی نجس چیز گر جائے تو وہ پانی نجس ہو جائے گا اور اگر پانی کی مقدار وہ درودہ سے زیادہ ہو یا وہ پانی جاری ہو تو اس پانی میں نجاست کے گرنے سے پانی نجس نہیں ہوگا اور طہور ہی رہے گا جب تک کہ پانی کا رنگ یا بو یا حر و تہل نہ ہو جائے۔

اگر پانی میں ایسی کوئی چیز گر جائے جس سے پانی کا ذائقہ یا اس کا رنگ یا اس کی بو متغیر ہو جائے اگر وہ ایسی چیز ہے جس سے پانی کو محفوظ رکھنا بہت مشکل ہے جیسے کچڑا مٹی اور درختوں کے پتے تو اس پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے جیسے اگر کسی جگہ پانی کافی عرصہ تک ٹھہرا رہے تو اس کے اوصاف ختم ہو جاتے ہیں اس طرح اگر پانی میں کوئی ایسی چیز گر جائے جو پانی میں

دو درود کی مقدار میں پانی کا طہور ہونا

کثیر پانی کی مقدار فقہاء احناف کے نزدیک دو درود ہے یعنی وہ چلاب جس کی لمبائی اور چوڑائی دس ہاتھ ہوں۔
بن سلطان محمد القاری مفتی متوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں:

اگر پانی جاری ہو یا دو درود ہو۔ (یعنی دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا ایک ہاتھ ذریعہ فٹ کا ہے خلاصہ یہ ہے کہ دو درود فٹ لمبا اور چندہ فٹ چوڑا ہو اور اس کی کم از کم اتنی گہرائی ہو کہ چلو بھر پانی لیا جائے تو زمین خالی نہ ہو) تو اس پانی کی نجاست کے گرنے سے وہ پانی نجس نہیں ہوگا اور طہور ہی رہے گا۔

عبد المصالح کا یہی قول ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے جیسا کہ ابو الالیث نے کہا ہے اور شرح الوکایہ میں مذکور ہے کہ ہم دو درود کا اعتبار لے لے لیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کنواں کھودا اس کی حریم چالیس ہاتھ ہے پس ہر چار سے اس کی حریم دس ہاتھ ہوگی اور کوئی دوسرا شخص کنواں کھودے تو وہ اس کے چاروں طرف سے دس ہاتھ چھوڑ کر دوسرا کنواں کھودے گا اور اسی حدیث سے دو درود کی مقدار کا قیاس کیا گیا ہے۔ (شرح ۴۵۶ ج ۳ ص ۳۳ مطبوعہ دار الفکر - بیروت - سید کبیری کراچی)

فقیہین کی مقدار میں پانی کا طہور ہونا

اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک کثیر پانی کی مقدار فقہین ہے یعنی دو گھڑوں کی مقدار یا اس سے زیادہ پانی ہو۔

ابو محمد حسین بن مسعود الطبرانی شافعی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

اور اگر پانی کی مقدار قلعان (دو گھڑے) یا اس سے زیادہ ہو تو وہ نجاست کے گرنے کے باوجود طہور ہے اور اس سے دھو کرنا جائز ہے اور قلعان کی مقدار چنانچہ منک ہے اور اس کا وزن پانچ سو رطل ہے (یعنی ڈھائی سو لیٹر) اور اس کی دلیل حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پانی کے متعلق سوال کیا گیا جنگل کی زمین میں ہوتا ہے اور جس پانی سے چوپائے اور درندے آکر پیچے رہتے ہیں آپ نے فرمایا جب پانی قلعان (دو گھڑوں) کی مقدار ہو تو وہ حال نجاست نہیں ہوتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۶۳۱، سنن الترمذی رقم الحدیث ۶۷۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۲۷، مسند احمد ج ۳ ص ۷۷، مسند ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۳۳، سنن الدار قطنی ج ۱ ص ۱۹، المسند رک ج ۱ ص ۱۳۳، سنن الکبریٰ للبخاری ج ۱ ص ۲۶۱)

امام بخاری فرماتے ہیں: یہ امام شافعی امام احمد اسحاق اور محدثین کی ایک جماعت کا قول ہے جب پانی اس مقدار کو جائے تو اس میں نجاست کے گرنے سے وہ نجس نہیں ہوگا جب تک کہ اس کے تین اوصاف میں سے کوئی ایک وصف خفیہ نہ جائے۔ (معجم الترمذی ج ۳ ص ۳۳۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۳۸ھ)

غافل بن سلطان محمد القاری فقیہین کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث کو حفاظ کی ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے ان میں کو حافظ ابن عبدالبر ہیں کا ضی اسامیل بن اسحاق اور ابو بکر بن العربی ہیں اور وہ مکی علماء ہیں امام بیہقی نے کہا یہ حدیث قوی نہیں ہے امام غزالی اور ابو دینار نے اس کو ترک کر دیا۔ حالانکہ وہ امام شافعی کی بہت زیادہ اتباع کرتے ہیں اور امام بخاری کے استاذ غزالی بن اللہ بنی نے کہا فقیہین کی حدیث صحیح ہے اس لیے کہ جب زحرم کے کنوئیں میں ایک جیٹی گر کر مر گیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن ابی شیبہ نے دیکھا کہ زحرم کا تمام پانی نکلا جائے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو وہ اس سے استدلال کرتے (کیونکہ زحرم کے کنوئیں کا پانی نکلا)

لی دو گھڑوں کی مقدار ہے تو بہر حال بہت زیادہ تھا) اور بقیہ صحابہ اور تابعین اس سے استدلال کرتے اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث شاذ ہے اور کسی مخصوص حادثہ کے متعلق ہے اور اس حدیث کو اس حدیث کی طرح رد کر دیا جائے گا جس طرح آگ سے لپٹی ہوئی چیز کو کھانے پینے سے دھوٹوٹنے کی حدیث کو رد کر دیا گیا ہے۔

پھر امام ابو داؤد نے بھی فقہین کی حدیث کو رد کر دیا ہے کیونکہ اس حدیث کی سند اور متن مضطرب ہے۔ ایک روایت میں ہے اس پانی کو کوئی چیز نہیں کرتی۔ ایک روایت میں ہے وہ پانی حامل نجاست نہیں ہے امام بیہقی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے ایک روایت میں ہے جب پانی دو قلعہ یا تین قلعہ (دو یا تین گھڑے) کی مقدار کو پہنچ جائے تو اس کو کوئی چیز نہیں کرتی ایک روایت میں ہے کہ جب پانی چالیس قلعہ کی مقدار کو پہنچ جائے تو وہ حامل نجاست نہیں ہوتا اور اس حدیث کو امام الدارقطنی نے ضعیف کہا ہے اور انہوں نے ذکر کیا ہے کہ ایک جماعت نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے موقوف روایت کیا ہے کہ جب پانی چالیس قلعہ کی مقدار کو پہنچ جائے تو وہ نہیں ہوتا اور ایک روایت میں ہے اس کو کوئی چیز نہیں کرتی اور ایک روایت میں ہے وہ پانی حامل نجاست نہیں ہے اور امام الدارقطنی نے کہا متعدد لوگوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے چالیس ڈول کو روایت کیا ہے اور بعض نے چالیس غرابال (پھلنی ڈب) کو روایت کیا ہے اور یہ اضطراب ضعف کو واجب کرتا ہے اس نقص اضطراب کے علاوہ اس کے معنی میں بھی اضطراب ہے کیونکہ وہ پانی حامل نجاست نہیں ہے اس کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ وہ پانی نجاست کو اٹھانے یا برداشت کرنے سے ضعیف ہے اس لیے پانی نہیں ہو جائے گا نیز قلعہ کا لفظ ان معنوں میں مشترک ہے گھڑا، منگہ اور پیرائی کی چوٹی نیز ابن جریر نے کہا ہے کہ یہ حدیث جب پانی دو قلعہ کی مقدار ہو تو وہ حامل نجاست نہیں ہے منقطع ہے کیونکہ اس کی سند مجہول ہے اور امام ابن عدی نے حضرت ابن عمر سے ایک حدیث روایت کی جب پانی کی مقدار قتال جہر سے دو قلعہ ہو تو اس کو کوئی چیز نہیں کرتی اور اس کی مقدار دو فرق بیان کی گئی ہے اور ایک فرق آٹھ کلو گرام کا ہے۔ (مجموع اللغات) اور ابن جریر نے کہا قتال جہر نو منگہ کے برابر ہیں یا وحالی منگہ کے برابر ہیں اس کا خلاصہ ہے جس کو امام ابن حنبل نے ذکر کیا ہے۔ (شرح لفظ ج ۳ ص ۳۶ سلو ما ج ۱۰ ص ۱۰۰ مسند بیہقی کراچی)

جاری پانی کا طہور ہونا

ہم نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو پانی جاری ہو وہ بھی طہور ہے سو اس کے کہ اس کے رنگ بو اور حرے میں سے کوئی ایک وصف تبدیل ہو جائے اس کی ایک دلیل یہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسند کے پانی کے متعلق فرمایا وہ طہور ہے اور دوسری دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا یا رسول اللہ! آیا ہم ہر بے ضاعت سے وضو کر لیا کریں اور ہر بے ضاعت وہ کواں تھا جس میں حیض کے کپڑے، کنوں کا گوشت اور بدبودار چیزیں ڈال دی جاتی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی طہور ہے اس کو کوئی چیز نہیں کرتی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۷-۶۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۶، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۳۵، سنن اللیثی ج ۳ ص ۳۰۵، سنن الدارقطنی ج ۱ ص ۳۰۵، مسند احمد ج ۳ ص ۱۵)

یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ ہر بے ضاعت میں پانی جاری تھا اور وقوع نجاست سے جب تک اس میں نجاست کی بو اس کا ک یا اس کا خروہ شاذ جائے وہ پانی طہور ہے۔

کہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تاکہ ہم اس پانی سے مردہ شہر کو زندہ کریں اور وہ پانی اپنے پیدا کیے ہوئے بہت سے چوپایوں اور

انسانوں کو پلائیں ۵ اور بے شک ہم نے اس پانی کو ان کے درمیان گردش دی تاکہ وہ صحت حاصل کریں لیکن ان کو لوگوں نے ناشکری کے سوا اور ہر دے کا انکار کر دیا ۵ (الفرقان: ۵۰-۴۹)

مختلف علاقوں میں بارش نازل فرمانے کے متعلق احادیث

امام عبد الرحمن بن ابی حاتم موتی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل آسمان سے پانی کا جو بھی قطرہ نازل کرتا ہے اس سے زمین میں کوئی سبزہ پیدا ہے یا سمندر میں کوئی موی پیدا ہوتا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۴۳۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہر آنے والے سال میں گزشتہ سال سے زیادہ بارش ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ بارش کو اپنے بندوں پر مختلف علاقوں میں گردش دیتا رہتا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۴۳۷)

قائدہ الفرقان: ۵۰ کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اس رزق کو اپنے بندوں کے درمیان تقسیم کر دیا ہے اور وہ اس رزق کو بندوں کے درمیان گردش میں لاتا رہتا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۴۳۰)

بارش کے نظام میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت پر دلیل

اس آیت میں فرمایا ہے ہم نے اس ممل کو بار بار درجایا ہے اور مختلف علاقوں میں اس ممل کو جاری کیا ہے اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ ہم نے مختلف علاقوں میں بارش کو نازل کیا ہے اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ ہم نے بارش نازل کرنے کے ذکر کو قرآن مجید میں مختلف سورتوں میں بار بار ذکر فرمایا ہے تاکہ اگر لوگ غور کریں تو ان پر مشکف ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف علاقوں میں پانی کی بزم رسانی کے لئے جو بارش کا انتظام کیا ہوا ہے یہ انتظام ہی اللہ تعالیٰ کے واحد رب العالمین ہونے کی دلیل ہے چونکہ وہ تمام جہانوں کا رب ہے اور اس نے تمام جہان والوں کو رزق پہنچانا ہے اس لیے وہ صرف ایک علاقے میں بارش نازل نہیں کرتا بلکہ وقت و وقت سے تمام علاقوں میں بارش نازل فرماتا ہے پھر اس میں بھی یہ عکس کا فرما ہے جن علاقوں کی زمین میں جس جس کی پیداوار کی صلاحیت ہوتی ہے اور اس کو جتنی بارش کی ضرورت ہوتی ہے وہاں پر اتنی بارش نازل فرماتا ہے پھر بارش کے ذکر میں حشر و نشر پر بھی دلیل ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر سال جب بارشیں ہوتی ہیں تو اسی زمین سے برساتی مینڈک اور دوسرے برساتی حشرات الارض پیدا ہو جاتے ہیں پھر بارشیں ختم ہونے کے کچھ عرصہ بعد وہ اسی زمین میں مرکب جاتے ہیں اور دوسرے سال بارشوں کے موسم میں پھر پیدا ہو جاتے ہیں اور موت کے بعد حیات اور حیات کے بعد موت کا یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ ان برساتی جانوروں کو ہر موسم میں موت کے بعد زندہ کرتا رہتا ہے اسی طرح وہ انسانوں کو بھی موت کے بعد زندہ فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم چاہے تو ہر نسمیٰ میں ایک طراب سے ڈرانے والا بھیج دیتے ۵ سو آپ کافروں کی بھڑکی نہ کریں اور اس قرآن کے ذریعہ ان سے بڑا جہاد کریں ۵ (الفرقان: ۵۲-۵۱)

جہاد کبیر کا معنی

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم چاہے تو ہر نسمیٰ اور ہر شہر میں ایک رسول بھیج دیتے جو ان کو کفر اور نافرمانی کرنے پر اللہ کے عذاب سے ڈراتا جیسا کہ ہم نے مختلف علاقوں میں بارشیں نازل کی ہیں اور مادی رزق کی فراہمی کے بعد ذرا غیبت بنا دیتے ہیں اسی طرح ہم چاہے تو روحانی رزق کے بھی متعدد وسائل بنا دیتے اور آپ سے تبلیغ دین کی مشقت کا بوجھ کم کر دیتے ہیں ہم نے ایسا نہیں کیا بلکہ آپ کو تمام جہانوں کے لئے نذر بنایا اور جس طرح ایک آفتاب تمام کائنات کو روشن کرنے کے

ہے اسی طرح صرف آپ کی تمنا ذات تمام جہانوں کی ہدایت کے لیے کافی ہے۔

اور یہ جو فرمایا کہ آپ اس قرآن کے ذریعہ ان سے بڑا جہاد کریں اس کا ایک حمل یہ ہے کہ آپ قرآن سے ان کے سامنے دلائل پیش کریں یا اسلام کی حقانیت پر ان کے سامنے دلائل پیش کریں، بعض علماء نے کہا نکواری سے ان کے خلاف جہاد کریں، لیکن یہ معنی بعید ہے، کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور جہاد مدینہ میں شروع ہوا تھا۔

جہاد کبیر کا معنی یہ ہے کہ تبلیغ دین کے لیے مسلمان اپنی تمام توانائیوں اور تمام ممالک کو بروئے کار لے آئیں اور اسلام کو سر بلند کرنے کے لیے تمام ذرائع اور وسائل کو داؤ پر لگا دیں اور جس جس تمنا ذات اور مادی آلات کے ساتھ کفار کے خلاف جہاد کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے دو سمندر آپس میں ملا کر جاری کر دیئے یہ نہایت شیریں اور یہ کھاری (اور) کڑوا ہے اور ان کے درمیان ایک (قدرتی) حجاب اور ایک روکی ہوئی آڑ ہے (المقرآن: ۵۳)

سُورج اور حجبِ محجوراً کا معنی

سُورج کا معنی ہے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا اور اس کا معنی ہے دو چیزوں کے درمیان تھیکہ کرنا، سورج البحرین کا معنی ہے دو سمندروں کے درمیان تھیکہ کرنا، غلبے نے کہا سورج کا معنی ہے جاری کر دیا اور سورج البحرین کا معنی ہے دو سمندروں کو جاری کر دیا اور حجبِ محجوراً کا معنی ہے ان دو سمندروں کے درمیان ایک ستر اور حجاب رکھ دیا، جو ان دونوں کو ایک دوسرے سے ملنے اور غلط ہونے سے مانع ہے، البحرین کا معنی ہے حجاز اور البحر کا معنی ہے مانع۔

حسن بصری نے کہا اس سے مراد بحرِ فارس اور بحرِ روم ہے۔ (تلمیح: ۱۱، حکام القرآن ج ۲، ص ۵۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۵ھ)

سمندر میں کھارے اور ٹھنڈے پانی کا اجتماع عموماً ایسے مقامات پر ہوتا ہے جہاں سمندر میں دریا کا پانی آ کر گرتا ہے۔ ایک جگہ دریا کا ٹھنڈا پانی ہوتا ہے اور اس سے متصل سمندر کا کھاری پانی ہوتا ہے اور یہ دونوں پانی ایک دوسرے سے غلط ملط نہیں ہوتے اسی طرح سمندر کے بعض مقامات پر ٹھنڈے پانی کے چشمے ہیں وہاں بھی یہ صورت ہے کہ سمندر میں ایک مقام پر کھاری پانی ہے اور دوسرے مقام پر ٹھنڈا پانی ہے یہ دونوں پانی متصل ہیں اور ایک دوسرے سے غلط ملط نہیں ہوتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا، پھر اس کے لیے نسب اور سسرال کا رشتہ بنایا اور آپ کا رب قدرت والا ہے (المقرآن: ۵۳)

پانی اور بشر کی تفسیر

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اس پانی سے مراد وہ پانی ہے جس سے حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کو گوندھ کر ان کا خلیقہ بنایا گیا تھا تاکہ وہ پانی بشر کی اصل اور اس کا مادہ ہو اور وہ پانی مٹی سے مل کر مختلف شکلوں کو قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت رکھ سکے، اس بنا پر اس پانی سے مراد صرف پانی ہے اور بشر سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور بشر پر جنوین عظیم کی ہے اور "من" ابتداء سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے پانی سے ایک عظیم بشری خلقت کی ابتداء کی۔

اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ پانی سے مراد غطف ہے اور بشر سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہے۔ اس کے بعد فرمایا: پھر اس کے لیے نسب اور صبر (سسرال) کا رشتہ بنایا۔ یعنی انسان کی دو قسمیں کر دیں ایک قسم وہ مرد ہیں جن کی طرف ان کو منسوب کیا جاتا ہے مثلاً انسان کے آباء اور دوسری قسم اس کے اصهار ہیں جن سے عورتوں کی وجہ سے شے قائم ہوتے ہیں جیسے اس کی بیوی یا اس کی بیوی کی ماں وغیرہ۔

نسب کا معنی اور اس کی تحقیق

علامہ جمال الدین ابن مکتور افریقی متوفی ۷۷۵ھ لکھتے ہیں:

نسب کا رشتہ انسان کے باپ کی طرف سے قائم ہوتا ہے۔ (امام العرب ج ۱ ص ۵۵۵ مطبوعہ مکتبہ دارالفرقان ۱۴۰۵ھ)
 ذاکر وہب ذیلی لکھتے ہیں:

بچہ کا اپنی ماں سے نسب ہر حال میں ثابت ہوتا ہے خواہ ولادت شرعی ہو یا غیر شرعی ہو اور اس کا اپنے باپ سے نسب اسی وقت ثابت ہوتا ہے جب اس کا بچہ کی دل سے نکاح ثابت ہو خواہ نکاح صحیح ہو یا نکاح فاسد ہو یا اس عورت کے ساتھ دلی باہمیہ ہو یہ وہ اس بچہ کے ساتھ نسب کا اقرار کرنے کا نہ جاہلیت میں زمانہ کے سبب سے جو نسب ثابت ہو جاتا تھا اس کو اسلام نے باطل کر دیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو اور زانی کے لیے ٹکڑا پتھر ہیں۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۵۳ سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۰۰ مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۷) اور زنا اثبات نسب کی صلاحیت نہیں رکھتا اور زانی صرف رجم کیے جانے کا مستحق ہے۔

خارجہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ بچہ باپ کے ساتھ اس وقت لاحق کیا جائے گا جب اس کا اپنی بیوی کے ساتھ دلی کرنا ممکن ہو خواہ وہ نکاح صحیح ہو یا نکاح فاسد ہو یہ جمہور کی رائے ہے اور امام ابوحنیفہ کی یہ رائے ہے کہ محض عقد نکاح سے بھی نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ صرف دلی کا نفع بھی ثبوت نسب کے لیے کافی ہے۔

(فتاویٰ الہدیٰ دواۓ ج ۵ ص ۶۷۵ مطبوعہ دارالفرقان بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

نکاح فاسد میں دخول کرنا عدت اور ثبوت نسب کا موجب ہے نیز لکھتے ہیں:

امام محمد کے نزدیک ثبوت نسب کے لیے ضروری ہے کہ بچہ کی ولادت وقت دخول کے چھ ماہ بعد سے شمار کی جائے اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک وقت عقد سے چھ ماہ بعد کا اعتبار ہے کیونکہ عقد کو دخول کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے اور مشائخ نے امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۵۸۸ مطبوعہ دارالاحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ علاء الدین ابوالحسنی نے الموطوءۃ بالشبهة کا عطف المستکوحة نکاحا فاسدا پر کیا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں بھی نسب ثابت ہو جائے گا جیسا کہ ذاکر وہب ذیلی نے لکھا ہے۔

صہر کا معنی اور اس کی تحقیق

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

ظہیل نے کہا ہے کہ بیوی کے اہل بیت کو صہر کہتے ہیں مثلاً بیوی کا باپ اس طرح بیوی کی ماں وغیرہ یہ سب اصہار ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۳۷۵ مطبوعہ مکتبہ دارالفرقان بیروت ۱۴۱۸ھ)

حضرت ربیعہ بن الحارث رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

لقد نلت صہر رسول اللہ علیہ وسلم آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 فماتفسناہ علیک۔ آپ کے سر ہیں سو ہم خود کو آپ پر ترجیح نہیں دیتے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۳ سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۸ سنن ابوالحسنی رقم الحدیث: ۳۶۰۹)

علامہ البارک بن محمد ابن اثیر الجزیری المتوفی ۷۰۶ھ لکھتے ہیں:

نبیاء القراء

صبر اور نبی فرق یہ ہے کہ نسب کا رجوع آباء کی جہت سے ولادت قریبہ کی طرف ہوتا ہے (یعنی باپ کی طرف) اور صبر وہ رشتہ ہے جو نزوح اور نکاح کی وجہ سے وجود میں آتا ہے۔ (یعنی سرالی رشتے)۔

(اصحابیہ ص ۳۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۸۸ھ)

اصحاب (سرالی رشتہ داروں) کے مصداق

سرالی رشتہ داروں کی چار قسمیں ہیں:

- (۱) بیویوں کی نگاہ میں اور دایاں۔
- (۲) بیوی کی سابق شوہر سے بیٹیاں اور ان بیٹیوں کی اولاد خواہ وہ بیٹی موجود شوہر کے زیر پرورش ہو یا نہ ہو۔
- (۳) بیٹے اور پوتے کی بیوی اور نواسے کی بیوی خواہ بیٹے نے بیوی کے ساتھ جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو البتہ منہ بولے بیٹے کی بیوی حرام نہیں ہے۔
- (۴) بچے باپ دادا کی بیویاں یہ وہ عورات صبر یہ ہیں جو کسی شخص پر دائماً حرام ہوتی ہیں۔

(ماہگیری ج ۱ ص ۷۷ مطبوعہ صبر یہ کبریٰ بولاقی سنہ ۱۳۸۳ھ)

نکاح سے حرمت مصاہرت کا متعلق علیہ ہونا اور زنا سے حرمت مصاہرت کا مختلف فیہ ہونا

نکاح کے ذریعہ جو صبر اور سرالی رشتہ کی عورتیں ہوتی ہیں ان کے حرام ہونے پر تمام فقہاء اور ائمہ کا اتفاق ہے خواہ نکاح صحیح ہو یا نکاح فاسد ہو مثلاً بیوی کی ماں یا بیوی کے سابق شوہر کی بیٹی یا بیٹے کی بیوی یا باپ کی بیوی (سوتیلی ماں) اور زنا کے ذریعہ جو یہ رشتہ وجود میں آتے ہیں ان کے حرام ہونے میں اختلاف ہے مثلاً حزیہ (جنس عورت سے زنا کیا گیا ہو) کی ماں اور حزیہ کی بیٹی امام احمد اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک زانی پر حزیہ کی ماں اور بیٹی دونوں سے نکاح کرنا حرام ہے اور امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی لہذا زانی پر حزیہ کی ماں اور اس کی بیٹی سے نکاح کرنا حرام نہیں ہے۔ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہونے پر فقہاء مالکیہ اور شافعیہ کے دلائل اور ان کے جوابات

امام مالک اور امام شافعی زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہونے پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

وَرَبَّائِنَا الَّذِیْنَ فِیْ جُحُوْرٍ کُذِّبَتْ عَنْ اَبْنَائِنَا الَّذِیْنَ صَبَّحْتَ کَرِجَہُ۔ (النساء: ۲۳)

اس آیت میں ان بیویوں کی بیٹیوں کو حرام فرمایا ہے جن بیویوں سے صحبت کی جا چکی ہو اور بیوی نکاح سے وجود میں آتی ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی عورت کی بیٹی سے نکاح حرام ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس عورت سے نکاح کر کے اس کے ساتھ صحبت کی گئی ہو اور جس عورت سے زنا کیا گیا ہو اس کی بیٹی سے نکاح کرنا اس آیت کی رو سے حرام نہیں ہے لہذا زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوئی۔

فقہاء اختلاف اس دلیل کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ آیت ان کے موید نہیں ہے بلکہ ان کے خلاف ہے کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جن عورتوں سے تم دخول (صحبت) کر چکے ہو ان کی بیٹیاں تم پر حرام ہیں اور اس دخول کو مطلقاً ذکر فرمایا ہے دخول بالانکاح نہیں فرمایا اور یہ دخول اس سے عام ہے کہ نکاح کے بعد ان عورتوں کے ساتھ دخول کیا ہو یا نکاح سے پہلے زنا کے ذریعہ ان عورتوں کے ساتھ دخول کیا ہو اور دخول کا لفظ طہال اور حرام دونوں پر واقع ہوتا ہے۔ سو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نکاح کے بعد ان عورتوں کے ساتھ دخول کیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نکاح سے پہلے ان عورتوں کے ساتھ دخول کیا ہو لہذا احتیاط کا

تقاضا یہی ہے کہ جس عورت سے زنا کیا گیا ہو اس کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے کو بھی حرام قرار دیا جائے کیونکہ اس آیت عام میں وہ بھی داخل ہے نیز جب حلال اور حرام ہونے کے دلائل مساوی ہوں تو حرام کو ترجیح دی جاتی ہے۔
فقہاء شافعیہ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا کہ ایک شخص حرام طریقہ سے کسی عورت کا بیچھا کرتا ہے پھر اس کی بیٹی سے نکاح کرتا ہے یا کسی کی بیٹی کا حرام طریقہ سے بیچھا کرتا ہے پھر اس کی ماں سے نکاح کرتا ہے آپ نے فرمایا کوئی حرام کام کسی حلال چیز کو حرام نہیں کرتا۔

(سنن دارقطنی ج ۳ ص ۶۷۷ رقم الحدیث ۳۶۳۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے کسی عورت سے زنا کیا پھر اس سے یا اس کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ کیا آپ نے فرمایا کوئی حرام کام کسی حلال چیز کو حرام نہیں کرتا صرف اس چیز کو حرام کرتا ہے جو پہلے نکاح سے ہو۔ (اس حدیث کا صحیح حمل عنقریب معصف عبدالرزاق: ۱۲۸۱۳ دارالکتب العلمیہ میں بیان ہوگا) (سنن دارقطنی رقم الحدیث ۳۶۳۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

فقہاء مالکیہ اور شافعیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حرمت مصاہرت صرف نکاح سے ہوتی ہے زنا سے نہیں ہوتی 'فقہاء احناف نے اس حدیث کے حسب ذیل جواب دیے ہیں:
(۱) یہ دونوں حدیثیں سخت ضعیف ہیں ان دونوں حدیثوں کی سند میں عثمان بن عبد الرحمن وقاصی ہے اور وہ متروک راوی ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ جس حدیث کا راوی متروک ہو اس سے استدلال نہیں کیا جاتا۔
امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اس کے متعلق لکھا کہ یہ متروک ہے۔

(۲) تاریخ کبیر ج ۶ ص ۷۷۷ رقم الحدیث ۸۳۳۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۲ھ)
علامہ ابن حاتم متوفی ۳۶۱ھ اس حدیث کی سند پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ حدیث حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے اس کی سند میں عثمان بن عبد الرحمن وقاصی ہے 'یحییٰ بن یحییٰ نے اس کے متعلق کہا وہ کذاب ہے امام بخاری امام ابوداؤد اور امام نسائی نے کہا وہ کچھ بھی نہیں 'یہ حدیث حضرت ابن عمر سے بھی مروی ہے اس کی سند میں اسحاق بن ابی فروہ ہے اور وہ متروک ہے اور یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے وہ بھی ضعیف ہے امام احمد نے اس کے متعلق کہا کہ یہ عراق کے بعض تہذیب گوروں کا کلام ہے۔ (فتح اللہ ج ۳ ص ۶۱۲ مطبوعہ دارالفرق بیروت ۱۴۱۵ھ)

(۳) شدید ضعیف ہونے کے علاوہ یہ حدیث قرآن مجید سے تضاد ہے جس سے ثابت ہے کہ زنا سے حرمت مصاہرہ ثابت ہو جاتی ہے۔

امام شافعی کا یہ اعتراض کہ زنا گناہ ہے اور صبر کی نعمت کے حصول کا سبب نہیں بن سکتا!
علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرینی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے کسی عورت کے ساتھ زنا کیا اس پر اس کی ماں اور اس کی بیٹی حرام ہو جائے گی اور امام شافعی نے کہا زنا حرمت مصاہرت کو واجب نہیں کرتا کیونکہ حرمت مصاہرت ایک نعمت ہے اور وہ ممنوع کام کے ارتکاب سے حاصل نہیں ہوگی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وہی اولاد کے واسطے سے جزیت کا سبب ہے حتیٰ کہ اولاد کی نسبت ماں باپ میں سے ہر ایک کی طرف ہوتی ہے پس عورت کے اصول اور فروغ مرد کے اصول اور فروغ کی طرح ہوتے ہیں اور مرد کے اصول اور فروغ عورت کے اصول اور فروغ کی طرح ہوتے ہیں۔

اصول وفروع کی طرح ہوتے ہیں اور بغیر ضرورت کے جڑ سے قطع حاصل کرنا حرام ہے لہذا جب مرد اور عورت ایک دوسرے کا جڑ ہو گئے تو مرد کا عورت سے دلی کرنا حرام ہو گیا مگر اولاد کی ضرورت کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا گیا ہے اور زنا سے اولاد کے حصول کی غرض نہیں ہوتی۔ (جواب دین میں ۳۰۹ سلوہ مکہ شریعت طبع ۱۴۱۸ھ)

علامہ مرفیانی کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ زنا کرنے سے جو اولاد ہوتی تو اس کے سبب سے زانی اور حنیہ دونوں ایک شخص کی طرح ہو گئے اور حنیہ کے ماں باپ گویا زانی کے ماں باپ ہو گئے اور حنیہ کی بیٹی زانی کی بیٹی ہو گئی اور جس طرح کسی شخص کے لیے اپنی ماں یا اپنی بیٹی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح زانی کے لیے حنیہ کی ماں یا اس کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ یہاں اعتراض کہ جب دلی سے دلی اور موطوءہ ایک شخص کی طرح ہو جاتے ہیں تو پھر کسی شخص کے لیے اپنی بیٹی سے دلی کرنا بھی ناجائز ہونا چاہیے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ ضرورت کی بنا پر جائز قرار دیا گیا ہے اور وہ ضرورت ہے اولاد کی طلب جیسا کہ حضرت آدم کے اپنے نفس سے حضرت حوا پیدا ہوئیں پھر اولاد کی طلب کی ضرورت سے ان کے ساتھ جماع کرنا جائز قرار دیا گیا اور یہ ضرورت نکاح سے پوری ہو جاتی ہے اس لیے زنا کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ علامہ مرفیانی کے جواب سے زنا سے حرمت معاشرت پر ایک عقلی دلیل حاصل ہوتی ہے لیکن یہ امام شافعی کے اصل اعتراض کا جواب نہیں ہے۔ امام شافعی کا اصل اعتراض یہ ہے کہ معاشرت ایک نعمت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بطور امتنان اور احسان کے فرمایا ہے: اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا پھر اس کے لیے نسب اور صبر (سرال کے رشتے) کو بنایا۔ اور صبر اس لیے بھی نعمت ہے کہ اس سے انجمنی لوگ رشتہ دار بن جاتے ہیں۔ انسان جس لڑکی سے نکاح کرتا ہے اس کا باپ پہلے انجمنی تھا اب وہ اس کا سر بن جاتا ہے اور اس کی ماں اس کی ساس بن جاتی ہے اور صبر کے یہ رشتے نکاح سے حاصل ہوتے ہیں زنا سے حاصل نہیں ہوتے۔ نکاح سے صبر کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔ زنا سے یہ نعمت حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے نکاح کی تعریف و توصیف کی جاتی ہے اور زنا کی مذمت کی جاتی ہے۔ نکاح کو سنت اور کارِ ثواب قرار دیا جاتا ہے جب کہ زنا پر سو کوڑے مارے جاتے ہیں یا رجم کیا جاتا ہے اور اگر زنا بھی نکاح کی طرح صبر کی نعمت کے حصول کا سبب ہوتا تو جس طرح نکاح کی کثرت مطلوب ہوتی ہے زنا کی کثرت بھی مطلوب ہوتی جب کہ زنا کی ممانعت مطلوب ہے نیز جب کوئی شخص اپنی بیٹی کا کسی انسان سے نکاح کرتا ہے تو وہ انسان اس شخص کا داماد بن جاتا ہے اور اس انسان کا باپ اس کا صہری بن جاتا ہے اور وہ شخص اپنے داماد پر شفقت کرتا اور صہری کی تعظیم اور تحکیم کرتا ہے اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ صبر ایک نعمت ہے اور اگر ایک انسان کسی شخص کی بیٹی سے زنا کرے تو وہ شخص اس انسان پر شفقت نہیں کرتا بلکہ اس کو دشمن اور مبغوض جانتا ہے اور اس کو قتل کرنے کے در پر ہوتا ہے اور آئے دن ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ صبر کی نعمت نکاح سے حاصل ہوتی ہے زنا سے یہ نعمت حاصل نہیں ہوتی نکاح سے دو خاندانوں میں ملاپ اور اتصال ہوتا ہے اور زنا سے دو خاندانوں میں بغض، عناد اور انقطاع ہوتا ہے لہذا زنا حرمت معاشرت کا سبب نہیں ہوگا کیونکہ زنا سے معاشرت (سرالی رشتہ) ہی حاصل نہیں ہوتی تو حرمت معاشرت کیسے حاصل ہوگی۔

امام شافعی کا یہ اعتراض بہت قوی ہے اور اس کا عقلی دلائل سے جواب نہیں دیا جاسکتا ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید اور احادیث سے یہ ثابت ہے کہ زنا سے بھی حرمت معاشرت ثابت ہوتی ہے اس لیے قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں ہم اس عقلی اعتراض کو ترک کرتے ہیں۔

زنا سے حرمت مصاہرت کے ثبوت میں فقہاء احناف اور فقہاء مہلبیہ کے دلائل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَحْسَبُوْا عَلٰمَتَكُمْ اِلَّا بِالْكَوْفَيْنِ اِنَّكُمْ لَعِندَ رَبِّكُمْ

ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن عورتوں سے تمہارے

باپ دادا نکاح کر چکے ہیں۔

نکاح کا اصل معنی جماع کرنا ہے امام لغت ذیل ابن احمد فرماید کی لکھتے ہیں:

نکح: وهو البضع وبجری نکح ایضا نکاح کا معنی جماع کرنا ہے اور یہ عقد کے معنی میں بھی

استعمال کیا جاتا ہے۔

مجری التزويع.

(کتاب النکاح ج ۳ ص ۱۸۳ مطبوعہ مکتبہ دارالاسلام ایران ۱۳۱۳ھ)

لہذا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا دخول اور جماع کر چکے ہیں تم ان کے ساتھ دخول اور

جماع نہ کرو خواہ تمہارے باپ دادا نے ان کے ساتھ زنا کی صورت میں دخول کیا ہو یا عقد نکاح کی صورت میں نیز اس آیت

میں نکاح سے مراد مطلقاً دخول ہے۔ خواہ عقد نکاح سے ہو یا زنا سے اس پر دلیل یہ آیت ہے:

وَلَا تَحْسَبُوْا عَلٰمَتَكُمْ اِلَّا بِالْكَوْفَيْنِ اِنَّكُمْ لَعِندَ رَبِّكُمْ

اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن عورتوں سے تمہارے

باپ دادا نکاح کر چکے ہیں یہ ہے حیاتی کا کام ہے اور بغض کا سبب

۵

ہے اور بہت برا طریقہ ہے۔

(نساء ۲۳)

اس آیت میں بھی نکاح سے مراد عقد نکاح نہیں ہے بلکہ دخول اور جماع ہے کیونکہ بے حیاتی، بغض کا سبب اور بہت برا

طریقہ عقد نکاح کرنا نہیں ہے بلکہ زنا کرنا ہے یعنی تمہارے باپ دادا جن عورتوں سے دخول اور جماع کر چکے ہیں خواہ یہ صورت

نکاح خواہ یہ صورت زنا تم ان سے نکاح نہ کرو اور یہ آیت بھی اس باب میں نص صریح ہے کہ باپ کی حزیہ سے نکاح کرنا

منوع اور حرام ہے اور اس سے واضح ہو گیا کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے۔

نیز اگر کوئی شخص اپنے باپ کی مدخلہ اور حزیہ سے نکاح کرے گا تو یہ فعل قطع رحم کا موجب ہوگا کیونکہ اس کا باپ جب

اس حزیہ سے الگ ہوگا تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اس فعل پر تادم ہو اور اس عورت سے نکاح کرنا چاہے اور جب اس کا بیٹا اس

عورت سے نکاح کر چکا ہوگا تو اس سے اس کے باپ کے دل میں بیٹے کے خلاف بغض اور حسد پیدا ہوگا اور یہ قطع رحم کا موجب

ہے اور قطع رحم حرام ہے اور یہ حرام اس وجہ سے لازم آیا کہ اس نے باپ کی حزیہ سے نکاح کر لیا لہذا باپ کی حزیہ سے نکاح کرنا

حرام ہوگا پس اس سے واضح ہو گیا کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے۔

زنا سے حرمت مصاہرت کے ثبوت میں حسب ذیل احادیث اور آثار ہیں:

زنا سے حرمت مصاہرت کے ثبوت میں احادیث اور آثار

امام شافعی سے دوسرا اختلاف اس امر میں ہے کہ جس شخص نے کسی عورت کو شہوت سے مس کر لیا یا شہوت سے اس کی فرج

کو دیکھا تو اس عورت کی ماں اور اس کی بیٹی بھی اس شخص پر حرام ہو جاتی ہیں (شہوت کا معنی یہ ہے کہ اس کے دل میں اس سے

دلی کرنے کی خواہش ہو اور یہ ایک عقلی امر ہے جو اس کے تپانے سے ہی معلوم ہو سکتا ہے) امام شافعی کے نزدیک مس کرنے اور

فرج کی طرف دیکھنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ دلی اور دخول نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ اس سے روزہ کا سد نہیں ہوتا

اور نہ اس سے احرام فاسد ہوتا ہے اور نہ اس سے غسل واجب ہوتا ہے اور نہ اس سے عورت کو کس کرنا اور اس کی فرج

کی طرف دیکھا اس سے وہی کرنے کا قوی دائمی سبب اور محرک ہے اس لیے موضع احتیاط میں اس کو وہی کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔ ہم جو زنا سے حرمت مصاہرت کے ثبوت میں احادیث اور آثار پیش کر رہے ہیں ان سے جس طرح یہ واضح ہوتا ہے کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے اس طرح ان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عورت کو کس کرنے یا اس کی فرج کی طرف دیکھنے سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے۔

امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۴۵ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
ابو حاتم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی عورت کی فرج کی طرف دیکھا اس شخص کے لیے اس عورت کی ماں اور اس کی بیٹی حلال نہیں ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم اللہ ۵۷: ۱۶۳۹ ج ۳ ص ۳۹۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)
حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ نے کہا جو شخص اپنی بیوی کی ماں سے زنا کرے اس پر اس کی بیوی حرام ہو جاتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم اللہ ۵۷: ۱۶۳۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا جو کسی عورت اور اس کی بیٹی کی فرج کی طرف دیکھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم اللہ ۵۷: ۱۶۳۸)

عطاء نے بیان کیا کہ جو شخص کسی عورت سے زنا کرے اس پر اس کی بیٹی حرام ہو جاتی ہے اور اگر بیٹی سے زنا کرے تو اس پر اس کی ماں حرام ہو جاتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم اللہ ۵۷: ۱۶۳۳)

ابراہیم غنوی سے ایک شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے ایک عورت سے زنا کیا اور اب وہ شخص اس کی ماں سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو انہوں نے کہا وہ اس کی ماں سے نکاح نہیں کر سکتا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم اللہ ۵۷: ۱۶۳۳)

ابراہیم غنوی نے کہا جب کوئی شخص کسی عورت کو شہوت کے ساتھ مس کرے تو اس کی ماں کے ساتھ نکاح کرے نہ اس کی بیٹی کے ساتھ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم اللہ ۵۷: ۱۶۳۳)

مجاہد اور عطاء نے کہا جب کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس عورت سے نکاح کرنا اس کے لیے حلال ہے اور اس کی کسی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا اس کے لیے حلال نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم اللہ ۵۷: ۱۶۳۵)

امام عبدالرزاق بن حمام متوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ عطاء سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کسی عورت سے زنا کرتا ہے یا وہ اس کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں! وہ اس کی ماں کی فرج پر مطلع ہو چکا ہے! ان سے کہا گیا کیا نہیں کہا جاتا کہ حرام کام کی حیل چڑھ کر حرام نہیں کرتا! انہوں نے کہا یہ باندی کے متعلق ہے ایک شخص کسی باندی کے ساتھ زنا کرتا ہے پھر اس کو خرید لیتا ہے یا کسی آزاد عورت کے ساتھ زنا کرتا ہے پھر اس سے نکاح کر لیتا ہے پس اس کے پہلے زنا کرنے کی وجہ سے اس سے نکاح کرنا حرام نہیں ہوتا۔

(مصنف عبدالرزاق رقم اللہ ۵۷: ۱۶۱۳ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۱ھ مصنف عبدالرزاق رقم اللہ ۵۷: ۱۶۱۳ ج ۶ ص ۱۹۷ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۹۰ھ)

ابن جریج نے کہا میں نے عطاء سے سنا کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کی ماں یا اس کی بیٹی سے زنا کیا تو اس پر وہ دونوں حرام ہو جائیں گی۔ (مصنف عبدالرزاق رقم اللہ ۵۷: ۱۶۱۳ دارالکتب العلمیہ مصنف ج ۶ ص ۱۹۸ مکتب اسلامی)

فحشی، حسن، فساد اور طلاق اس نے کہا اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی ماں سے زنا کرے یا اس کی بیٹی سے زنا کرے تو وہ دونوں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا مگر یہ کہ جو چاہے وہ اپنے رب کی طرف راستہ کو اختیار کر لے۔ (الفرقان: ۵۷)

یعنی میں نے تم کو جو قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا ہے میں اس پر کسی دنیاوی اجر کا طالب نہیں ہوں ہاں اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنا چاہے تو وہ خرچ کر سکتا ہے یا اگر کوئی شخص میرے طریقہ کی اتباع کر کے دین اور دنیا کی بھلائی حاصل کرنا چاہے تو وہ کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اس پر توکل کیجیے جو زندہ ہے اور اس پر بھی موت نہیں آئے گی اور اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے کے لیے کافی ہے۔ (الفرقان: ۵۸)

توکل کے متعلق متصل بحث ہم آل عمران: ۱۵۹، انبیاء القرآن ج ۲ ص ۳۳۹-۳۴۱ میں بیان کر چکے ہیں اور حمد کا معنی التفات: اہم اور تسبیح کا معنی غنی اسرائیل: اہم بیان کر چکے ہیں ان کی تفسیر وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا ہی رحمان ہے آپ اس کے متعلق کسی خبر رکھنے والے سے پوچھ لیں۔ (الفرقان: ۵۹)

اس آیت میں پتہ ظاہر آپ سے خطاب ہے اور اس سے آپ کا فیر مراد ہے کیونکہ آپ تو اس کے مصدق تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا ہے اور وہ عرش پر جلوہ فرما ہے اور اس آیت کا معنی ہے اے انسان! علم کی طلب میں میرے علاوہ اور کسی کی طرف رجوع نہ کرنا۔ اور یہ جو فرمایا ہے وہ عرش پر جلوہ فرما ہے اس کی تفسیر کے لیے الاعراف: ۵۳، الباقیہ: ۲۹، یونس: ۳، الرعد: ۱۲ اور طہ: ۵ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رخصت کو مجھد کرو (تو) وہ کہتے ہیں کہ رخصت کیا چیز ہے؟ کیا ہم اس کو مجھد کریں جس کا آپ ہمیں حکم دیتے ہیں! اس (حکم) نے ان کو اور متغیر کر دیا۔ (الفرقان: ۶۰)

کفار یہ کہتے تھے کہ ہم رخصت بھانڈے ہیں اس (حکم) نے ان کی مراد وسیلہ کذاب تھی۔ یہ آیت مجھد ہے رخصت اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے زمانہ جاہلیت میں کفار اللہ تعالیٰ کو اس نام سے نہیں پہچانتے تھے صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم تلاویا تو مشرکین کہنے لگے کہ ہاں ہم رخصت اور رجم کو نہیں جانتے۔ آپ باسمک اللہم لکھیں۔ اس آیت میں بھی کفار کا رخصت کے نام سے مجھد اور مجھد کرنے سے گریز کا ذکر ہے۔

الاعراف: ۲۶ میں ہم نے آیات مجھد کی تعداد اور اس میں ائمہ کا اختلاف ذکر کیا ہے اور الرعد: ۱۵ میں ہم نے مجھد کے تفصیل بیان کیے ہیں ان کی تفسیر وہاں ملاحظہ فرمائیں اور الفرقان: ۶۰ کی یہ آیت مجھد ساتویں آیت مجھد ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا

وہ برکت والا ہے جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں (سورج کو) چراغ

وَقَمَرًا مُنِيرًا ۖ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ الْاُتْمًا وَخَلَقَ لِمَنْ

اور روشن چاند بنایا اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا یہ

أَرَادَ أَنْ يَنْذِرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ﴿٦٢﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ

اس کے لیے ہے جو فصاحت حاصل کرنے یا شکر ادا کرنے کا ارادہ کرے O اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر

يَسْتَوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا

آہستگی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل بحث کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں

سَلَامًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِينَ

بس سلام ہو O اور وہ لوگ جو اپنے رب کے حضور سجدہ اور قیام میں رات گزار دیتے ہیں O اور وہ لوگ جو کہتے

يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا

ہیں اسے ہمارے رہا ہم سے دوزخ کے عذاب کو پھیر دے بے شک دوزخ کا عذاب

كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا أَوْ مَقَامًا ﴿٦٦﴾ وَالَّذِينَ

چھنے والا ہے O بے شک وہ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت بری جگہ ہے O اور وہ لوگ

إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يَسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ

جب خرچ کرتے ہیں تو نہ وہ فضول خرچ کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا میانہ روی پر

قَوَامًا ﴿٦٧﴾ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا

ہوتا ہے O اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ وہ کسی

يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ

ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے حق قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضْعَفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ

اور جو ایسے کام کرے گا وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گا O قیامت کے دن اس کو دگنا عذاب دیا

الْقِيَمَةِ وَتَحْلَدُ فِيهِ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ

جائے گا اور وہ اس میں ذلت کے ساتھ ہمیشہ رہے گا O سوا اس کے جس نے توبہ کر لی اور ایمان لایا

عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيَاتِرَهُمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ

اور اس نے نیک اعمال کیے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا

غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۵۰﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَىٰ

بے حد رحم فرمانے والا ہے O اور جس نے توبہ کی اور نیک عمل کیے تو بے شک وہ اللہ کی طرف

اللَّهُ مَتَابًا ﴿۵۱﴾ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا

بجی توبہ کرتا ہے O اور وہ لوگ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب وہ کسی بے ہودہ کام کے

بِالْغُورِ مَرُّوا كِرَامًا ﴿۵۲﴾ وَالَّذِينَ إِذَا أَذْكُرُوا بِآيَاتِ مَا بِهِمُ لَحْمٌ

پاس سے گزرتے ہیں تو وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں O اور جب ان لوگوں کو اللہ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کی

يَخْذُرُوا عَلَيْهَا صُنَّةً وَغَيْبًا ﴿۵۳﴾ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا

جانتے تو وہ ان آیتوں پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے O اور وہ لوگ یہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب!

هَبْ لَنَا مِنْ أَرْوَاحِنَا وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا

ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے ہماری آنکھوں کی خشک عطا فرما اور ہمیں

لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ﴿۵۴﴾ أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ

متقین کا امام بنا دے O یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے میر کی جڑا میں جنت کی بلند عمارت دی جائے گی اور وہاں ان

فِيهَا نَحِيَّةٌ وَسَلَامٌ ﴿۵۵﴾ خَلِيدِينَ فِيهَا حَسَنَاتٌ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿۵۶﴾

کو دعا اور سلام پیش کیا جائے گا O وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے وہ ٹھہرنے اور رہنے کی عہدہ جگہ ہے O

قُلْ مَا يَعْبُودُكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ

آپ کہیے کہ اگر تم میرے رب کی عبادت نہ کرو تو اس کو تمہاری کوئی پروا نہیں ہے پھر بے شک تم نے اس کو بھولایا تو اس کا

يَكُونُ لَكُمْ أَعْتَابٌ ﴿۵۷﴾

خدا تم پر ہمیشہ لازم رہے گا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ برکت والا ہے جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں (سورج کو) جماع اور روشن چاند بنایا

(الفرقان: ۶۱)

بروج کے لغوی اور عرفی معنی

حسن مجاہد اور قتادہ نے کہا بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں ان کو بروج اس لیے فرمایا کہ یہ بہت نمایاں ہیں اور بروج کا معنی ظہور ہے۔

علیہ المعنیٰ نے کہا بروج کا معنی قلعہ اور قلعہ ہے جس میں پہرے دار ہوں جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشْتَكِلَةٍ (الحج: ۷۸)

اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔

عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اس سے مراد وہ بارہ بروج ہیں جو سات کو اکب سیارہ کی منازل ہیں وہ بارہ بروج یہ ہیں: اہمل (بھیر کا بچہ) الثور (تیل) الجوز (وہ سیارہ بکری جس کے وسط میں سفیدی ہو) البسرطان (نیکڑا) الاسد (شیر) اسلمہ (گندم کا خوشہ) المیزان (ترازو) المعرب (پتھر) القوس (کمان) الجدی (بکری کا بچہ) الدلو (ڈول) الموت (جھلی)۔

اہمل اور المعرب بروج کی منزل ہے الثور اور المیزان زہرہ کی منزل ہے الجوز اور اسلمہ عطارد کی منزل ہے البسرطان قمر کی منزل ہے الاسد شمس کی منزل ہے القوس اور الموت مشتری کی منزل ہے الجدی اور الدلو زحل کی منزل ہے۔

(معالم البروج ص ۳۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۳۰ھ)

اگر ثابت ستاروں کے اجتماع سے مینڈھے کی شکل بن جائے تو اس کو برج حمل کہتے ہیں اور اگر ثابت ستاروں کے اجتماع سے شیر کی شکل بن جائے تو اس کو برج اسد کہتے ہیں اور اگر ان ستاروں کے اجتماع سے ترازو کی شکل بن جائے تو اس کو برج المیزان کہتے ہیں علیٰ هذا القیاس۔ (تو نہ اللہ ص ۹۷ مطبوعہ حیدرآباد دکن) اور

المجر: ۱۶ میں ہم نے بروج کی زیادہ تفصیل اور تحقیق کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا یہ اس کے لیے ہے جو نصیحت حاصل کرنے یا شکر ادا کرنے کا ارادہ کرے (الفرقان: ۶۳)

رات کی کوئی عبادت قضا ہو جائے تو اس کو دن میں ادا کر لیا جائے اسی طرح بالعکس

خلفہ کا ایک معنی ہے ایک دوسرے کے خلاف یعنی دن کو روشن اور سفید بنایا اور رات کو تاریک اور سیاہ بنایا اور خلفہ کا دوسرا معنی ہے کسی کے بعد آنے والی چیز منور اور دن میں سے ہر ایک دوسرے کے بعد آنے والا ہے۔

فرمایا یہ اس کے لیے ہے جو نصیحت حاصل کرنے یا شکر ادا کرنے کا ارادہ کرے۔ یعنی جو شخص رات اور دن کے تقاب اور توازن میں غور و فکر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کا آنے کا یہ سلسلہ فضول اور عیب نہیں بنایا اور وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں میں غور و فکر کرے اور ان نعمتوں کا شکر ادا کرے پھر اس طرح دن کے وقت میں جائز اور حلال طریقوں سے کسب معاش کرے اور اپنی اور اپنے اہل و عیال کی روزی کا انتظام کرے اور دن اور رات کے ملاقات میں اللہ تعالیٰ نے اس پر جو نمازیں فرض کی ہیں اور ان کے علاوہ جن عبادتوں کا مکلف کیا ہے ان کو ادا کرے۔

خلفہ کا ایک معنی بدل بھی ہے یعنی رات اور دن میں سے ہر ایک کو دوسرے کا بدل بنایا ہے یعنی رات کو وہ جو عبادت کرتا ہے اگر وہ کسی عیب سے روک لے گی اس کو دن میں ادا کرے اور دن میں جو عبادت کرتا ہے وہ کسی عیب سے روک لے گی تو اس کو رات میں

تہمارا القراء

جلد ہفتم

ہا کرے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے رات کے معمول کے عقیدہ کو پڑھے بغیر سو گیا کسی اور معمول کی عبادت کو ادا کیے بغیر سو گیا وہ اس کو فجر اور عصر کے درمیان پڑھ لے یا ادا کرے تو اس کے لیے لکھا جائے گا کہ اس نے رات میں ہی اس کو پڑھا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۳۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۸۱ سنن البیہقی رقم الحدیث: ۸۹۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳۳ سنن الکبیری رقم الحدیث: ۱۳۳۳)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حیات اور علم کی نعمت عطا فرمائی ہے اور اس میں خیند اور بھوک و پیاس کی آفت رکھی سو اس شخص پر بڑا غم ہے جس نے اپنی ساری زندگی یا زندگی کا بیشتر حصہ سوتے کھاتے پیتے اور بھوک کی قالی لذتوں میں بسر کر دیا اور ان قالی لذتوں کو کم کر کے رات اور دن کے کچھ اوقات کو عبادت کی باقی رہنے والی لذتوں میں صرف نہیں کیا رات کی خیند کو ترک کر کے اس وقت کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں اور اس وقت نماز میں قیام کرنے پر صرف کرنے کی بڑی فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قرآن اور حدیث سے رات کو اٹھ کر عبادت کرنے کی فضیلت

بے شک متقی لوگ جنتوں اور جنتوں میں ہوں گے وہ ان نعمتوں کو لے رہے ہوں گے جو ان کے رب نے انہیں عطا فرمائی ہیں۔ وہ اس سے پہلے (دنیا میں) تنگی کرنے والے تھے وہ رات کو بہت کم سو یا کرتے تھے اور رات کے آخری حصہ میں بہ وقت صبح استغفار کیا کرتے تھے

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ لَّيْسَ فِيهَا مِمَّا أُنتِفَخُ بِهِمْ إِلَّا مَا كَانُوا أَكْبَرُ عَلَيْهِمْ وَلَافٍ فِيهَا مِنْ أَكْبَرُ عَلَيْهِمْ مَا يَهْتَمُّونَ بِهِ إِلَّا مَتَاعُ الدُّنْيَا وَهُمْ يُسَبِّحُونَ (النور: ۱۹-۱۵)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نیک مسلمانوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

مَتَجَنَّبُوا عَنْ الْمَسْجِدِ وَيَذْكُرُونَ مَا بِهِم مِّنْ حَقٍّ مِّنْهُ خُوفٌ وَإِحْشَاءٌ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (احمد: ۱۶)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا میں سفر کرتے ہوئے آپ کے بہت قریب ہو گیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت میں داخل کر دے اور مجھ کو روزخ سے دور کر دے آپ نے فرمایا تم نے مجھ سے بہت عظیم چیز کے متعلق سوال کیا ہے اور یہ چیز ای برآسان ہوگی جس کے لیے اللہ اس کو آسان کر دے گا تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو پھر فرمایا: کیا میں تم کو خیر کے دروازوں کی رہنمائی نہ کروں؟ روزہ و حال ہے اور صدق اس طرح گناہوں کو مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور آدمی رات کو اٹھ کر آدمی کو نماز پڑھنا پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: مَتَجَنَّبُوا عَنْ الْمَسْجِدِ وَيَذْكُرُونَ مَا بِهِم مِّنْ حَقٍّ مِّنْهُ خُوفٌ وَإِحْشَاءٌ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (احمد: ۱۶) پھر فرمایا کیا میں تم کو قیام کاموں کے سردار اور ستون اور ان کے بلند کوهان کی خبر نہ دوں؟ میں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا تمام کاموں کا سردار اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوبان کی بلندی جہاد ہے پھر فرمایا کیا میں تم کو اس چیز کی خبر نہ دوں جس پر ان تمام چیزوں کا

ہذا قسم

دارودار ہے؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں یا نبی اللہ! آپ نے اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا اس کو قابو میں رکھو میں نے عرض کیا: اللہ کے نبی! ہم جو کچھ باتیں کرتے ہیں کیا ان پر ہماری گرفت کی جائے گی؟ آپ نے فرمایا: اے معاذ! تم پر تمہاری ماں روئے! جو چیز لوگوں کو دوزخ میں منہ کے بل یا ہتھکڑیوں کے بل گرائے گی وہ ان کی زبانوں کی کاٹی ہوئی فصل عی تو ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱۶، معنیٰ مدار الزاکیٰ رقم الحدیث: ۲۰۳۰۳، مکتب اسلامی سند احمد ج ۵ ص ۲۶۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۷۳، التلمیح ج ۲ ص ۲۶۶)

ہم نے اس حدیث کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس میں یہ تصریح ہے کہ آدمی رات کو اٹھ کر عبادت کرنا دوزخ کی آگ کے ٹھنڈی ہونے کا سبب ہے اور رات کو اٹھ کر عبادت کرنے کی فضیلت میں یہ حدیث بھی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب رات کا پہلا تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو ہر رات اللہ تبارک و تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف (اپنی شان کے مطابق) نازل ہوتا ہے اور فرماتا ہے میں بادشاہ ہوں کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا کو قبول کروں کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کو عطا کروں کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کو بخش دوں پھر اللہ تعالیٰ یونہی صدا کا کارہتا ہے حتیٰ کہ فجر روشن ہو جاتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۶۶، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۳۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۳۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۶، سند احمد ج ۲ ص ۲۸۲)

امام ابوالقاسم قشیری التتویٰ ۳۶۵ھ نے لکھا ہے کہ تمام اوقات ایک جنس کے باب ہیں اور بعض اوقات کو دوسرے بعض پر اس اعتبار سے فضیلت ہے کہ بعض اوقات میں عبادت کرنا زیادہ افضل ہے اور اس میں زیادہ ثواب ہوتا ہے۔

(لغات الارشادات ج ۲ ص ۳۹۲، مطبوعہ دارالکتب الخلیفہ ص ۱۳۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل بحث کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: بس سلام ہو! (الفرقان: ۶۳)

زمین پر وقار کے ساتھ چلنے اور جاہلوں سے بحث نہ کرنے کا حکم

دنیا کے تمام انسان رحمن کے بندے ہیں اور اس آیت میں بندوں کی طرف اضافت خصوص اور تخریف کے لیے ہے یعنی وہ رحمان کے بہت خاص اور بہت شرف والے بندے ہیں جو زمین پر آہستگی اور وقار کے ساتھ چلتے ہیں اور اتارے ہوئے اُکڑتے ہوئے اور ٹکیر کرتے ہوئے نہیں چلتے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُهَيِّجُوا شَعْرًا وَلَا تَنْهَاسُوا فِي الْأُكُوفِ
اور لوگوں سے اپنا چہرہ نہ بھیرو اور زمین میں اُکڑنا ہونا نہ چل۔

مَوْحًا (النہل: ۵۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو تم وقار کے ساتھ چلو کیونکہ بھاگنے میں کوئی نیکی نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۷۱)

حسن بصری نے کہا وہ علماء اور حکما ہیں اور محمد بن اُخلیفہ نے کہا وہ اصحاب وقار اور عزت دار لوگ ہیں وہ جاہلانہ بات نہیں کرتے اور اگر کوئی ان سے جاہلانہ بات کرے تو وہ مرد باری اور جس سے سن لیتے ہیں اور پلٹ کر جاہلانہ جواب نہیں دیتے اور غلوں کا لغوی معنی نرمی اور ملاحت ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے اگر ان سے کوئی جاہلانہ بات کرے تو وہ کہتے ہیں مسلماناً مسلماناً کے دو جمل ہیں ایک یہ کہ وہ درست کہتے ہیں پلٹ کر جاہلانہ جواب نہیں دیتے۔ دوسرا جمل یہ ہے کہ وہ ان کو حقیقتاً سلام کر کے ان کے پاس سے چمے جاتے ہیں۔ مجاہد نے کہا وہ صحیح بات کہتے ہیں اور مقاتل بن حیان نے کہا وہ ایسا جواب دیتے ہیں جس میں وہ گناہ سے سلامت اور محفوظ رہتے ہیں۔

حسن بصری نے کہا اگر کوئی شخص ان سے جاہلانہ بات کرے تو وہ اس کو تحمل سے سنتے ہیں اور جاہلانہ جواب نہیں دیتے اور اس سے معروف سلام مراؤ نہیں ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ یہ آیت شرکین سے قتال کرنے کے حکم سے پہلے کی ہے کفار کے ساتھ جو احکام مخصوص تھے اب وہ منسوخ ہو گئے۔ پہلے مسلمانوں کو کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا بعد میں ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ پہلے بھی مسلمانوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ کفار کو سلام کریں بلکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ ان کی زیادتیوں سے صرف نظر کریں اور درگزر کریں اور اچھے طریقہ سے ان کو چھوڑ دیں اور کنارہ کشی اختیار کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی مجلسوں میں جاتے تھے اور ان کو سلام کرتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے اور معارضت نہیں کرتے تھے اور اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی مسلمان جاہلانہ باتیں کرے تو اس کو سلام ملے کہنا جائز ہے۔

اور ہم سورہ مریم کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں کہ کفار کو سلام کرنے میں مسلمانوں کا اختلاف ہے پس اس آیت کو منسوخ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور حسن بصری سے ایک اور قول یہ منقول ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم سے کوئی جاہلانہ بات کرے تو اس کو سلام کرؤ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ مومنین کی صفات میں بیان فرماتا ہے:

وَإِذَا سَأِلُوا عَنْ شَيْءٍ فَقُلْ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّكَ لَتَعْلَمُ ۝
لَكُمْ أَغْنَىٰ الْكُفْرُ سَلَامًا عَلَيْهِمْ وَلَا تَتَّبِعُوا الْفَاسِقِينَ ۝
(انقص: ۵۵)

اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں تم پر سلام ہو ہم جاہلوں سے (بحث کرنا) نہیں چاہتے۔

(مسائل فقہی ج ۳ ص ۲۵۲ الجامع لا کام القرآن ج ۳ ص ۶۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جو اپنے رب کے حضور سجدہ اور قیام میں رات گزار دیتے ہیں ۵ (القرآن: ۶۳)

پھر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا تمام رات قیام کرنے کی مثل ہے

اس آیت کا معنی ہے اور وہ لوگ جو اپنے رب کی رضا جوئی کے لیے رات کو نماز پڑھتے رہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس شخص نے اپنے رب کی رضا کے لیے عشاء کی نماز کے بعد دوپہ دو سے زیادہ رکعات نماز پڑھی وہ اس آیت کا مصداق ہے۔ (مسائل فقہی ج ۳ ص ۲۵۵)

قادہ نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اس رات سے اپنا حصہ لو خواہ دو رکعت خواہ چار رکعت۔

حسن بصری نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو رات کو نماز میں قیام کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اور اللہ کے خوف سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہوتے ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ج ۸ ص ۱۲۲)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے جماعت کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی تو یہ آدمی رات کے قیام کے برابر ہے اور جس شخص نے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو وہ پوری

رات کے قیام کی شکل ہے۔

(بحج مسلم رحمہ اللہ: ۱۵۶۱ سنن ابوداؤد رحمہ اللہ: ۵۵۵ سنن الترمذی رحمہ اللہ: ۳۲۱ مسند مبارز بن عبد اللہ رحمہ اللہ: ۱۰۸۸ مسند احمد رحمہ اللہ: ۲۰۸۸ مسند ابی یوسف رحمہ اللہ: ۳۳۳ سنن ابی نعیم رحمہ اللہ: ۶۱-۶۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم سے دوزخ کے عذاب کو بھیر دے بے شک دوزخ عذاب چھٹنے والا ہے ۵ بے شک وہ ٹھہرنے لاور رہنے کی بہت بری جگہ ہے ۵ (انعام: ۶۶-۶۵)

غراماً کا معنی

یعنی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے باوجود اللہ عزوجل کے عذاب سے ڈرتے ہوں گے اور اپنے مجددوں میں اپنے قیام میں یہ دعا کریں گے کہ ہمارے رب ہم سے دوزخ کا عذاب بھیر دے بے شک دوزخ کا عذاب چھٹنے والا ہے۔ اس آیت میں دوزخ کے عذاب کو غرام فرمایا ہے۔ غرام کے معنی ہیں شدت اور سختی کے مقابلہ کرنا قرض خواہ اور قرض دانوں کو غریم کہتے ہیں دوزخ کے عذاب کو غرام فرمایا کیونکہ وہ عذاب بحر مومن کے ساتھ لازم اور دائم رہے گا اور ان سے بالکل جدا نہیں ہوگا۔ قرض خواہ کو بھی اس لیے غریم کہتے ہیں کہ وہ مقروض سے چمٹا رہتا ہے اور ہر وقت اپنے قرض کا مطالبہ کرتا رہتا ہے۔ حسن نے کہا ہر قرض خواہ اپنے مقروض سے جدا ہو جاتا ہے سوا جہنم کے غریم کے نہ جہنم نے کہا غرام کا معنی ہے بہت شدید عذاب ابن زید نے کہا الغرام کا معنی ہے شر۔ ابو عبیدہ نے کہا الغرام کا معنی ہے ہلاکت محمد بن کعب نے کہا اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں جو نعمتیں دی تھیں قیامت کے دن ان سے ان نعمتوں کی قیمت طلب کرے گا جس کو وہ ادا نہیں کر سکیں گے پھر ان نعمتوں کے عوض ان کو دوزخ میں داخل فرما دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو وہ نہ فضول خرچ کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا میاند روی پر ہوتا ہے ۵ (انعام: ۶۷)

اسراف کا معنی

علامہ راقب صفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں: ہر وہ کام جس میں انسان حد سے تجاوز کرے اسراف ہے اگرچہ اس کا مشہور اطلاق حد سے زیادہ خرچ کرنے پر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تُلْوَ ثَمَنًا اَوْ اَمْوَالًا اَوْ اَمْوَالًا اَوْ اَمْوَالًا اَوْ اَمْوَالًا (نساء: ۶۱)

کبھی مقدار کے لحاظ سے زیادہ خرچ کرنے کو اسراف کہتے ہیں اور کبھی کیفیت کے لحاظ سے خرچ کرنے کو اسراف کہتے ہیں اسی لیے صفیان نے کہا اگر تم اللہ کی معصیت میں بہت کم بھی خرچ کرو تو وہ اسراف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَاشْرَبُوا مِمَّا قَلَعَتْ يَوْنُهُ حَصَادًا ۖ وَلَا تُلْوَ ثَمَنًا اَوْ اَمْوَالًا اَوْ اَمْوَالًا اَوْ اَمْوَالًا (انعام: ۱۳۱)

(جب درخت پھل دیں) تو ان کے پھلوں سے کھاؤ اور ان پھلوں میں خیرا کھا جو حق واجب ہے (عشر) وہ ان کی کٹائی کے دن دیا کرو انہو حد سے تجاوز نہ کرو بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو ناپسند فرماتا ہے۔

اس آیت کا معنی ہے صدقہ و خیرات کرنے اور عشر ادا کرنے میں بھی حد سے تجاوز مت کرو ایسا نہ ہو کہ آج تم حد سے

مال صدقہ کر دو اور کل تم خود ضرورت مند ہو جاؤ اس کا مطلق حکام سے بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بھی صدقات کی وصول یا پانی میں سے تہاؤ نہ کریں اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کھانے پینے میں حد سے تہاؤ نہ کرو کیونکہ بسیار غوری انسان کی صحت کے بہت معر ہے اور بہت سی بیماریوں کی وجہ ہے جن میں بہت نمایاں بدبھشی ہے اور شوگر بلڈ پریشر سلسر اور یرقان پٹیلیا یا غوری کے دیر پا اثرات ہیں۔ غرض اسراف کی چیز میں بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ اپنے اوپر خرچ کرنے میں دوسروں پر خرچ کرنے میں اور نہ کھانے پینے میں۔ قوم لوط کو بھی سر فہن فرمایا کیونکہ وہ عورت کی اندام نہانی سے تہاؤ کر کے مردوں کی پشت میں داخل کرتے تھے اور بے ریش لڑکوں سے ہم جنس پرستی کرتے تھے اور یہ عمل خواہ ایک بار بھی کیا جائے تو یہ اسراف ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا تمہارے آنے کا کیا مقصد ہے انہوں نے کہا ہم گنہگار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تمی قوم لوط کی طرف:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ اَلْحُرٰۤفَ لَا تَكُوْنُوْا مِمَّنْ كُنْتُمْ تَتْلُوْنَ اٰیٰتِ الْكِتٰبِ وَلٰكِنْ تَكُوْنُوْنَ سَآخِرٰۤیْنَ ۝ (الفرقان: ۳۳-۳۲)

تاکہ تم ان پر مٹی کے ٹکڑے برائیں جو آپ کے رب کی طرف سے سر فہن کے لیے نشان زدہ ہیں۔

اسی طرح قصاص لینے میں بھی اسراف سے منع فرمایا:

وَلَا تَكُوْنُوْنَ فِی الْقَتْلِ اِکْثٰرًا ۚ (نہی اسرائیل: ۳۳) یہ طور قصاص قتل کرنے میں اسراف نہ کیا جائے یعنی قصاص میں حد سے تہاؤ نہ کیا جائے اور قاتل کے بجائے کسی اور کو قتل نہ کیا جائے جیسے زمانہ جاہلیت میں قاتل کے بجائے اس کے قبیلہ کے زیادہ معزز آدمی کو قتل کر دیا جاتا تھا۔

غلام یہ ہے کہ کسی معاملہ میں حد سے تہاؤ نہ کرنا اسراف ہے۔ (الفرقان: ج ۳ ص ۳۰۲ مطبوعہ مکتبہ دار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

اقرار کا معنی

علامہ حسین بن محمد رافضی صہبانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

الفسر کا معنی ہے خرچ میں کمی کرنا اور بسیار اسراف کا مقابل ہے اور یہ دونوں مذموم ہیں قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِیْنَ یُنۡبِئُوْنَ اِذَا اُنۡتَعُوْا اَلۡحُسۡبَ یُسۡرِفُوْنَ اَوَّلَ مَا یُفۡتَرٰوْنَ اَوَّلَ مَا یُنۡفَعُوْنَ ۝ (الفرقان: ۶۷)

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچ کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا مہمانداری پر ہوتا ہے۔

وَمَا کَانَ لِاِنۡسَآنٍ اَلۡحُسۡبَ ۝ (نہی اسرائیل: ۱۰۰)

یعنی انسان کی جبلت میں بخل ہے۔ طلاق دینے کے بعد مطلقہ کو ستار میں جو کچھ دے دیے جاتے ہیں ان کے متعلق فرمایا:

مَتَّعُوْهُنَّ مَّا عَلٰی النُّوۡسِ بِمَا فُکِّدَۃٌ وَعَلٰی ۝ (البقرہ: ۲۳۶)

مطلقہ عورتوں کو ستار و خوشحال شخص اپنے انداز سے اور بخل دست شخص اپنی حیثیت کے مطابق۔

فسر کے اصل معنی ہیں کسی جلی ہوئی لکڑی کا ٹکڑا ہوا دھواں۔ کبوتر کسی شخص کو اصل چیز دینے کے بجائے اس کا دھواں دے کر اس کو چلانا چاہتا ہے۔ فسرہ کا معنی ہے دھوئیں کی طرح غبار نما بدروقی جو چہرے پر چھا جاتی ہے قرآن مجید میں ہے۔

وَوَجُوۡہُہٗ یَوْمَئِذٍ عَلٰیہَا غَبَرٌ مِّنۡ شَرِّہَا فَاَفۡکَرُوۡا ۝ (ص: ۳۲-۳۱)

اور بہت سے چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے جن پر دھوئیں کے مثلاً سیاہی چھی ہوئی ہوگی۔

(الفرقان: ج ۳ ص ۳۰۸ مطبوعہ مکتبہ دار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

ان لوگوں کا مصداق جو فضول خرچ اور بکل نہیں کرتے تھے

خلاصہ یہ ہے کہ جس جگہ خرچ کرنا ممنوع ہو وہاں خرچ کرنا اسراف ہے اور جس جگہ خرچ کرنے کا حکم ہے وہاں خرچ کرنا تفر اور بکل ہے اور جس جگہ بخشنا خرچ کرنے کا حکم ہے وہاں اتنا خرچ کرنا یا نہ روی ہے۔

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی ستونی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں: اسراف اور اتقار کے دو معنی ہیں:

(۱) خرچ کرنے میں حد سے تجاوز کرنا اسراف ہے اور بخشنا خرچ کرنا ضروری ہوتا ہے بھی خرچ نہ کرنا اتقار ہے۔ حضرت عمرؓ اخطاب نے فرمایا کسی آدمی کے اسراف کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ بروہ چیز کھالے جس کو کھانے کے لیے اس کا دل چاہے۔

(۲) اللہ کی معصیت میں خرچ کرنا خواہ قلیل ہو وہ اسراف ہے اور اللہ کے حق کو ادا کرنے سے منع کرنا اتقار ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جادہ قرار اور ابن جریج وغیرہم کا قول ہے۔

(زاد المسیر ج ۶ ص ۱۰۳-۱۰۴ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

یاد رہے کہ اس آیت کے مصداق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں جو حصول لذت کے لیے کھا نہیں کھاتے تھے اور نہ حصول جمال کے لیے لباس پہنتے تھے بلکہ وہ صرف اتنی مقدار میں کھانا کھاتے تھے جس سے ان کی بیوی دور ہو جائے اور جس کھانے سے ان کو اتنی توانائی حاصل ہو جائے جس سے وہ اپنے رب کی عبادت کر سکیں اور وہ اتنے کپڑے پہنتے تھے جس سے ان کی شرم گاہ چھپ جائے اور وہ لباس ان کو سردی اور گرمی سے بچا سکے۔

(سالم الخلیل ج ۳ ص ۳۵۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۳۷ھ)

اسلام میں اچھے کھانوں اور اچھے لباس پر پابندی نہیں ہے

صحابہ کرام کا یہ عمل ان کے زہد اور تقویٰ کی وجہ سے تھا یا یہ اس دور کی بات ہے جب مسلمانوں پر تنگ دستی کا دور تھا لیکن جب فتوحات کی کثرت کی وجہ سے مسلمانوں پر خوش حالی کا دور آیا تو وہ کھانے پینے کی چیزوں میں اور لباس میں عمدہ اور اچھی چیزوں کو اختیار کرتے تھے اور اسلام میں اس کی ممانعت نہیں ہے اور ہر شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی آمدنی کے لحاظ سے میانہ روی برقرار رکھتے ہوئے کشادگی اور فراخی کے ساتھ زندگی گزارے۔

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا لایا گیا وہ روزے سے تھے انہوں نے کہا حضرت معصوم بن میر شہید ہو گئے اور وہ مجھ سے افضل تھے ان کو صرف ایک چادر میں کھانا دیا گیا جس سے ان کا سر اٹھانے کا توجہ ان کے ہر کھل جاتے تھے اور اگر ان کے ہر ڈھانے جاتے تو ان کا سر کھل جاتا تھا اور حضرت حمزہ شہید ہو گئے اور وہ مجھ سے افضل تھے پھر ہمارے لیے دنیا اتنی کشادہ کر دی گئی جتنی کشادہ کر دی گئی اور دنیا سے ہمیں اتنا کچھ دیا گیا جو دیا گیا اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ ہمیں ہماری نیکیاں دنیا میں ہی مل گئی ہیں پھر وہ روئے گلے کی تم کھانا ترک کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۵۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس حدیث سے یہ معلوم ہو گیا کہ صحابہ کرام پر ابتداء اسلام میں تنگ دستی کا دور تھا بعد میں فتوحات کی کثرت اور مال نفیس کی بہتات سے اللہ تعالیٰ نے انہیں غنی کر دیا تھا اور وہ کشادگی سے زندگی گزارتے تھے اور اسلام میں کشادگی سے زندگی گزارنا ممنوع نہیں ہے۔ جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِمَّنْ ذُوْا اَمْوَالٍ كَثِيْرَةٍ

کشاکی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہیے اور جمو

وَمَنْ مِّنكُمْ مِّثْلُ اللَّهِ ۖ (المزاح: ۷)

پاس کے رزق میں کمی کی گئی ہو اسے چاہیے کہ جو کچھ اللہ نے اسے دیا ہے وہ اسی میں سے حسب حیثیت خرچ کرے۔

اور مطلقہ عورتوں کو حرام میں کپڑے و ذراغ دست اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست اپنی گنجائش کے مطابق دستور اور رواج کے اعتبار سے۔

وَمَنْ مِّنكُمْ مِّثْلُ اللَّهِ ۖ (البقرہ: ۲۳۶)

ان آیتوں میں امیر لوگوں کو قرآنی کے ساتھ کمانے اور کپڑوں میں خرچ کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور اچھے کپڑے پہننے اور اچھے جوتے پہننے کی اسلام میں اجازت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا ایک شخص نے کہا ایک آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے خوبصورت ہوں اور اس کے جوتے عمدہ ہوں آپ نے فرمایا اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے تکبر حق بات کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔ (صحیح مسلم رحمہ اللہ: ۹۱، سنن ابی داؤد رحمہ اللہ: ۴۱۹۹، سنن ابن ماجہ رحمہ اللہ: ۵۹۱)

ابوالاحسن اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ذرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گھٹیا کپڑے پہنے ہوئے گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کیا تمہارے پاس مال ہے؟ انہوں نے کہا ہاں امیر سے پاس ہر قسم کا مال ہے آپ نے پوچھا کس قسم کا مال ہے؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ دیے ہیں اور بکریاں اور گھوڑے اور غلام آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور کرامت کا اثر تم پر نظر آنا چاہیے۔

(سنن ابی داؤد رحمہ اللہ: ۵۲۳۹، سنن ابی داؤد رحمہ اللہ: ۴۱۹۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب اللہ نے وسعت دی ہے تو وسعت کو اختیار کرو۔

(صحیح ابی داؤد رحمہ اللہ: ۳۶۵، مسند احمد رحمہ اللہ: ۲۵۰، جامع الترمذی: ۳۷۳)

میانہ روی کی اسلام میں تاکید

قرآن مجید کی ان آیات اور ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کی نعمت عطا کی ہے اس کے کمانے پہنے لباس اور رہن سہن میں وہ نعمت نظر آنی چاہیے اور تو تمہاری کے باوجود فقیروں اور تنگ دستوں کی طرح رہنا اسلام میں مطلوب اور پسندیدہ نہیں ہے اہلیت اپنی چادر سے زیادہ چڑھ چلا نا اور قرض لے کر امارت جتاننا اور شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں بے جا خرچ کرنا اور خود غناؤں کرنا یا اسلام میں ممنوع ہے۔ اس لیے نہ قرض لے کر اٹلے تلے کیے جائیں اور نہ مال و دولت کے باوجود تنگ دستی سے زندگی گزاری جائے اور چاہے تنگ کیا جائے بلکہ اقتصاد اور میانہ روی سے زندگی گزاری جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میانہ روی سے کام لیا وہ تنگ دست نہیں ہوگا۔

(مسند احمد رحمہ اللہ: ۳۶۶۹، سنن ابی داؤد رحمہ اللہ: ۱۱۱۸، سنن ابی داؤد رحمہ اللہ: ۱۱۱۸، سنن ابی داؤد رحمہ اللہ: ۱۱۱۸)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دولت مندی میں میانہ روی کتنی اچھی ہے اور تنگ دستی میں میانہ روی کتنی اچھی ہے اور عبادت میں میانہ روی کتنی اچھی ہے۔

(مسند ابو ارقم الحدیث: ۳۶۰۳ مجمع الزوائد: ۵۰۵۰)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ مکہ میں گئے آپ روزے سے تھے اور آپ کو روزہ سخت لگ رہا تھا ہم نے آپ کے لیے اونٹنی سے دودھ دوہا اور اس میں شہد ملا یا اور لفظار کے وقت آپ کو پیش کیا آپ نے فرمایا: اللہ تم کو عزت دے جس طرح تم نے میری عزت کی ہے یا کوئی اور عادی مگر فرمایا: جس نے میاں دہوی رکھی اللہ اس کو فنی کر دے گا اور جس نے فضول خرچ کیا اللہ اس کو تنگ دست کر دے گا اور جس نے تواسع کی اللہ اس کو سر بلند کر دے گا اور جس نے تکبر کیا اللہ اس کو ہلاک کر دے گا۔ (مسند ابو ارقم الحدیث: ۳۶۰۵ مجمع الزوائد: ۵۰۵۱)

خوش حال لوگوں کے لیے اچھا کھانا اور اچھا پہننا جائز ہے لیکن ان پر لازم ہے کہ وہ اس میں غرباء کا بھی خیال رکھیں اور اپنے طعام اور لباس میں سے اتنی مقدار غرباء کے لیے ضرور نکالیں جتنی نسبت سے زکوٰۃ نکالی جاتی ہے اور جب وہ اپنے کپڑوں اور دیگر اشیاء میں سے غریبوں کو دیتے رہیں گے تو امید ہے کہ کھانے اور پہننے کی کشادگی اور فراغ دہی میں ان سے مواخذہ نہیں ہوگا۔

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن حوازن قشیری متوفی ۳۶۵ھ لکھتے ہیں:

اسراف یہ ہے کہ تم اپنی خواہش پوری کرنے میں اور نفس کا حصہ ادا کرنے میں خرچ کرو اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جتنا بھی خرچ کرو اس میں اسراف نہیں ہے اور اقرار یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے لیے خرچ کرنے کے بجائے جمع کر کے رکھو اور نفس کی خواہشات کا گھاگھوٹنے کے لیے اور اجتناب شہوات کو کھینچنے کے لیے خرچ کرنے پر جو اپنے نفس پر پابندی لگائی جائے وہ اقرار نہیں ہے۔ (لغات الاشارات ج ۲ ص ۲۹۳ مسند دارالکتب العلمیہ: ۱۳۳۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ وہ ایسے کسی شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے ناحق قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو ایسے کام کرے گا وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گا ۵ قیامت کے دن ان کو دگنا عذاب دیا جائے گا اور وہ اس میں ذلت کے ساتھ ہمیشہ رہے گا ۵ سو اس کے جس نے توبہ کرنی اور ایمان لایا اور اس نے نیک اعمال کیے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا ہے حد درجہ فرمانے والا ہے ۵ (الفرقان: ۷۰-۶۸)

حضرت وحشی کا قبول اسلام

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کے شان نزول میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کچھ مشرکین نے بہت زیادہ قتل کیے پھر وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا آپ ہمیں جس دین کی طرف دعوت دیتے ہیں وہ بہت عمدہ ہے کاش آپ ہمیں یہ بتا دیں کہ ہم نے اس سے پہلے جو برے اعمال کیے ہیں ان کا کوئی کفارہ ہو سکتا ہے تب یہ آیات نازل ہوئیں۔

(جامع البیان: ۲۱۲۲ معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۵۶)

حافظ سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۲۰ھ اور حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۰ھ اپنی سندوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور امام عبدالرحمان ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ اور حافظ ابن کثیر متوفی ۷۵۰ھ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے اور امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اور امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے بھی اپنی سندوں کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کی پوری تفصیل امام طبرانی، امام ابن عساکر اور امام ابن جوزی کی روایات میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کو بلایا اور اس کو اسلام کی دعوت دی اس نے کہا یا محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مجھے اپنے دین کی کسی طرح دعوت دے رہے ہیں حالانکہ آپ نے یہ کہا ہے کہ جس نے شرک کیا یا ناحق قتل کیا یا زنا کیا وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گا۔ قیامت کے دن اس کے عذاب کو کٹا کر دیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ذلت کے ساتھ ہمیشہ رہے گا (الفرقان: ۶۹-۶۸) اور میں یہ تمام کام کر چکا ہوں کیا آپ میرے لیے کوئی رخصت پاتے ہیں؟ تو آپ نے یہ آیت پڑھی: سوا اس کے جس نے توبہ کر لی اور ایمان لایا اور اس نے نیک اعمال کیے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا ہے۔ ہر حد درجہ فرمانے والا ہے۔ (الفرقان: ۷۰) وحشی نے کہا یا محمد! یہ بہت سخت شرط ہے شاید میں اس توبہ پر قائم نہ رہ سکوں اور مجھ سے پھر کوئی گناہ ہو جائے تب آپ نے یہ آیت پڑھی:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ لِمَن يَشْرِكُ بِهِ وَيُغْفِرُ مَا ذُنُوبَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۖ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشنے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے وہ چاہے گا بخش دے گا۔

پھر وحشی نے کہا یا محمد! اس میں فرمایا ہے جس کے لیے اللہ چاہے گا سو میں نہیں جانتا کہ میری مغفرت ہو سکے گی یا نہیں کیا اس کے سوا اور کوئی صورت ہے؟ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

قُلْ يٰۤأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَوَسَّلَ إِلَيْهِ تَوَسُّلُكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ ذَكِيٌّ ۚ (النساء: ۵۳)

آپ کہیے اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے نا امید مت ہو بے شک اللہ تمہارے تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ لاریب وہ بہت بخشنے والا ہے

حد درجہ فرمانے والا ہے۔

جب وحشی نے کہا یہ وہی ہے جو میں چاہتا تھا پھر وہ مسلمان ہو گئے اور لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! اگر ہم سے وہ گناہ سرزد ہو جائیگی جو وحشی سے سرزد ہوئے ہیں؟ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آیت تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے۔

(الحکم الکبریٰ ج ۱ ص ۱۵۸ رقم الحدیث: ۱۳۸۰ تاریخ دمشق الکبریٰ ج ۳ ص ۳۱۶ رقم الحدیث: ۱۳۸۸ ازاد التفسیر ج ۶ ص ۶۰ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۰۱ جامع البیان رقم الحدیث: ۳۰۳۹ التفسیر المجمعین ابی حامد رقم الحدیث: ۱۵۳۷)

اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلقِ عظیم کا اعزازہ کیجیے جو آپ کے محبوب بچا کا قاتل تھا اس کو کس کوشش سے مسلمان کیا ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ سب سے بڑا گناہ شرک کرنا ہے اس کے بعد کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا ہے اور اس کے بعد بڑا گناہ زنا کرنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شریک قرار دے کر اس کی عبادت کرو حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے اس نے پوچھا پھر کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا تم اپنے بیٹے کو اس خوف سے قتل کرو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائے گا اس نے پوچھا پھر کون سا گناہ زیادہ بڑا ہے؟ فرمایا تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔ پھر اس کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے (الفرقان: ۶۸) کو نازل فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۷۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۸۳۳ سنن ابی یوسف رقم الحدیث: ۳۳۷۶ صحیح

زور اور لغو کا معنی

المصالح اور اکثر مفسرین نے کہا السزود سے مراد شرک ہے اور علی بن ابی طلحہ نے کہا اس سے مراد جھوٹی گواہی ہے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جھوٹی گواہی دینے والے کو چالیس کوزے مارتے تھے اور اس کا منہ کالا کر دیتے تھے اور اس کو بازار میں گشت کراتے تھے، ابن جریر نے کہا الزور سے مراد جھوٹ ہے۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد شرکیں کی عیدیں ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ماتم کی مجلس ہے قتادہ نے کہا اس کا معنی ہے وہ اہل باطل کی باطل پر موافقت نہیں کرتے اور محمد بن حنفیہ نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لھو (کھیل کود) اور غنا (موسیقی) کی مجلسوں میں حاضر نہیں ہوتے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا غنول میں اس طرح نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی بھتی کو اگاتا ہے زور کا اصل معنی ہے کسی چیز کی صفت کے خلاف اس کی تعریف و تحسین کرنا پس زور باطل کو طبع کاری کر کے اس کے حق ہونے کا دہرہ پیدا کرنا ہے اور فرمایا جب وہ کسی بے ہودہ کام کے پاس سے گزرتے ہیں تو دھار کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

مقاتل نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ جب وہ کفار کا سب و شتم سنتے ہیں اور ان کی اذیت رسانی کا سامنہ کرتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور درگزر کرتے ہیں حسن بصری نے کہا ہر قسم کا گناہ لغو ہے یعنی جب وہ بے ہودہ اور باطل کاموں کی مجلس سے گزرتے ہیں تو دھار کے ساتھ اعراض کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔

(معالم القرآن ج ۳ ص ۵۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان لوگوں کو اللہ کی آیتوں کے ساتھ فصاحت کی جائے تو وہ ان آیتوں پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے (انفراجان ۷۳)

قرآن مجید کو غفلت اور بے پرواہی سے سننے کی مذمت

اس آیت کے حسب ذیل محال ہیں:

- (۱) ان کے سامنے جب قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ آخرت اور حشر کے دن کو یاد کرتے ہیں اور قرآن کریم کو غفلت سے نہیں سنتے۔
- (۲) وہ کفار کی طرح قرآن سے اعراض کرتے ہوئے بہرے اور اندھے ہو کر قرآن کریم کو نہیں سنتے۔
- (۳) جب ان کے سامنے اللہ کی آیات کو تلاوت کیا جاتا ہے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور وہ روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں اور ان آیات پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے۔
- (۴) ایسا نہیں ہوتا کہ قرآن مجید سننے کے باوجود وہ پہلی حالت اور اسی کیفیت میں بیٹھے رہیں اور ان پر قرآن کریم کی حدوت کا کوئی اثر نہیں ہوا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ یہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے ہماری آنکھوں کی ضد نکھڑا دے اور ہمیں حقین کا امام بنا دے (انفراجان ۷۳)

مال اور اولاد میں کثرت کی دعا کا جواز

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اولاد سے حصول کی دعا کرنی جائز ہے جیسا کہ ان آیات میں بھی ہے:

اے رب مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔

رَبِّ هَبْ لِي مِنْ ذُرِّيَّتِي ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً

(آل عمران ۳۸)

فَهَبْنِي مِن لَّدُنْكَ ذِيًّا (مریم: ۵)

میں تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما۔

اس آیت میں اولاد کے لیے ذریات کا لفظ لایا گیا ہے ذریعت اصل میں چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں لیکن عرف میں چھوٹے اور بڑے سب بچوں کے لیے ذریعت کا لفظ مستعمل ہوتا ہے ذریعت کا لفظ واحد اور جمع دونوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے ذریعت کا لفظ ذرۃ سے مشتق ہے جس کا معنی پیدا کرنا اور پھیلانا ہے یا یہ لفظ ذر سے بنا ہے جس کا معنی کبیرہ ہے۔

قوة اعین میں قرۃ کا لفظ قرار سے بنا ہے قوت عینک کا معنی ہے تہاری آنکھ برقرار رہے۔ یا قو سے بنا ہے جس کا معنی خضک ہے قوت عینک کا معنی ہے تہاری آنکھ خضدی رہے۔ غم کے وقت گرم آنسو نکلتے ہیں اور خوشی کے وقت خضدے آنسو نکلتے ہیں عرب کہتے ہیں اللہ دشمن کی آنکھیں گرم کر دے اور دوست کی آنکھیں خضدی کر دے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا (حضرت انس کی والدہ) کے گھر گئے وہ آپ کے لیے کھجوریں اور گھی لے کر آئیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کو اپنے منگیزہ میں اور کھجوروں کو اپنے برتن میں لونا دو کیونکہ میں روزے سے ہوں پھر آپ نے گھر کے ایک گوشے میں کمرے سے ہو کر نفل نماز پڑھی اور حضرت ام سلمہ اور ان کے گھر والوں کے لیے دعا کی حضرت ام سلمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ امیری ایک خاص اولاد ہے آپ نے پوچھا وہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا آپ کا خادم انس پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا اور آخرت کی ہر خیر کی حضرت انس کے لیے دعا کی اور فرمایا: اے اللہ! اس کو مال اور اولاد عطا فرما اور ان میں اس کو برکت دے! حضرت انس نے کہا میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں اور جب حجاج بصرہ میں آیا تو میری پشت سے ایک سوہیں بیٹے دفن ہو چکے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۸۲ صحیح ابن مہان رقم الحدیث: ۹۲۰ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۷۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس کے مال اور اولاد میں کثرت اور برکت کی دعا فرمائی اس سے حضرت انس کی والدہ کی آنکھیں خضدی ہو گئیں۔ اس حدیث میں ہے کہ حضرت انس نے اپنے ایک سوہیں بیٹے دفن کیے اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت انس نے فرمایا میری اولاد اور میری اولاد کی اولاد کا عدد ایک سو سے زائد ہے انس حدیث کے دیگر فوائد میں سے یہ ہے کہ کسی شخص کا اپنے شناساؤں کی ملاقات کے لیے ان کے گھر جانا اور گھر والوں کا اس کو ہدیے میں حاضر پیش کرنا مستحب ہے اور اگر آنے والا کسی شرعی عذر کی وجہ سے اس کے ہدیے کو قبول نہ کر سکے تو اس کو اپنا عذر بتا دے تاکہ وہ رنجیدہ نہ ہو اور جب ہدیہ پیش کرنے والا اس کو واپس اپنے پاس رکھ لے تو یہ بہہ کر کے واپس لینے کے حکم میں اور مردہ جس نے اور کھانے پینے کی چیزوں کو خفاحت سے رکھنا چاہئے جس طرح آپ نے بھی اور کھجوروں کو دو بارہ اپنے اپنے برتنوں میں رکھنے کا حکم دیا اور جب کوئی شخص اپنے عذر کی وجہ سے کسی کی دعوت قبول نہ کرے تو اس کے حق میں دعا کر کے اس کی صفائی کر دے اور نماز پڑھنے کے بعد دعا کرنا مشروع ہے اور کسی حاجت کو پوری کرنے سے پہلے نماز پڑھنی چاہیے اور نماز میں دنیا اور آخرت کی خیر طلب کرنی چاہیے اور مال اور اولاد میں کثرت کی دعا اخروی خیر کے متافی نہیں ہے اور یہ کہ دنیا کے مال میں کمی قناعت اور زہد کی فضیلت علی الاعموم نہیں ہے۔ اگر تمام لوگ زاہد اور قانع ہو جائیں تو اسلام کے بہت سے احکام پر عمل نہیں ہو سکیں گے پھر زکوٰۃ نہیں دی جاسکے گی نہ فطرانہ ادا ہوگا نہ حج اور قربانی ہوگی نہ صدقات اور خیرات ادا کیے جائیں گے اور مالی عبادات ادا کرنے کا کوئی عمل نہیں رہے گا اس لیے بعض لوگوں کے اعتبار سے زہد اور قناعت افضل ہے اور بعض لوگوں کے اعتبار سے مال میں کثرت افضل ہے انس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام اور امیر کو عوام کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے ان سے ملاقات کے لیے ان کے گھر میں جانا چاہیے خواہ گھر والا گھر میں موجود نہ ہو کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ کے گھر گئے

تھے تو ان کے شوہر حضرت ابو طلحہ ان کے گھر میں موجود نہیں تھے اور یہ کہ اپنے نفس کے اوپر اپنی اولاد کو ترجیح دینی چاہیے کیونکہ حضرت ام سلمہ نے یہ چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بیٹے حضرت انس کے لیے دعا کریں اور یہ کہ حضرت انس کے زیادہ بیٹوں کا فوت ہو جانا ان کی اولاد میں برکت کے منافی نہیں ہے کیونکہ جب وہ اولاد کی موت پر صبر کریں گے تو اس سے ان کے اجر و ثواب میں اضافہ ہوگا اور یہ اخروی خیر ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی نعمتوں کو بیان کرنا چاہئے جیسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے مال اور اولاد کی کثرت کو بیان فرمایا اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں کیونکہ ایک نادر امر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور وہ مال اور اولاد کی کثرت ہے اور ان کے جس ہارے کے لیے دعا کی وہ سال میں دو بار پھل دیتا تھا اور کسی ہارے کی یہ صفت نہیں تھی۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ان کا ہارے سال میں دو بار پھل دیتا تھا اور اس سے ملک کی خوشبو آتی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وہ مدینہ میں رہے اور متعدد جہازوں میں شرکت کی پھر بصرہ میں رہائش اختیار کر لی پھر ۹۰ یا ۹۱ھ میں ننانوے سال کی عمر گزار کر بصرہ میں ہی فوت ہو گئے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اٹھارہ خواتین میں شرکت کی تھی ثابت بنانی نے کہا حضرت انس بن مالک نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہالوں میں سے ایک ہال ہے اس کو میری زبان کے نیچے رکھ دو پس میں نے اس موئے مبارک کو ان کی زبان کے نیچے رکھ دیا پس ان کو دفن کر دیا گیا اور وہ ہال ان کی زبان کے نیچے تھا۔ (الاصابہ ج ۶ ص ۷۷۷ رقم: ۷۷۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ)

اپنی اولاد کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک دینا میں مطلوب ہے یا آخرت میں

رحمان کے بندوں کی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنی بیویوں سے اپنی ایسی اولاد کے حصول کی دعا کرتے ہیں جو ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو یعنی ان کی اولاد ایسی ہو جس کو وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرتے ہوئے دیکھیں جس سے ان کی دنیا اور آخرت میں آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں ان کی یہ مراد نہیں ہے کہ ان کی اولاد بہت حسین و جمیل ہو اور بہت مالدار اور دنیاوی فزون میں غرق ہو بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ ان کی اولاد ایسی ہو جو اللہ تعالیٰ کی بہت فرمان بردار اور بہت عبادت گزار ہو۔

امام احمد اور امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمانہ فترت اور زمانہ جاہلیت میں جس قدر نبی مبعوث فرمائے ہیں ان سب سے بری حالت میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا۔ اس زمانہ میں لوگوں کے نزدیک بتوں کی پرستش سے افضل کوئی دین نہیں تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرقان (قرآن مجید) کو لے کر آئے جس نے حق اور باطل میں اور والد اور اولاد میں تفریق کر دی حتیٰ کہ ایک شخص اپنی اولاد اپنے والد اور اپنے بھائی کو کافر سمجھنے لگا اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں لگے ہوئے قتل کو اسلام سے کھول دیا اور ان کو یقین ہو گیا کہ اگر ان کی اولاد کو کفر کے حال میں مر گئی تو وہ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے اور جب ان کو یہ یقین ہو کر ان کی اولاد اور ان کے دوست و وزغ میں داخل ہوں گے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی نہیں ہوں گی اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور وہ لوگ یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔

(مسند احمد رقم: ۷۷۷۸۱ دارالحدیث مصری جامع ایمان رقم: ۷۷۷۸۱۲۲۲ اندراکھورج ص ۶۷۷)

کثیرین زیاد کہتے ہیں کہ میں نے حسن بھری سے پوچھا کہ اے ابوسعید اس آنکھوں کی خشک کا مصلح دنیا کے ساتھ ہے یا آخرت کے ساتھ؟ انہوں نے کہا نہیں اللہ کی قسم! مسلمان شخص کی آنکھوں کی خشک صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو خود کو اور اپنے دوست کو اللہ کی اطاعت اور اس کی عبادت کرتے ہوئے دیکھے۔

(تفسیر امامین ابی حاتم رقم الحدیث: ۵۸۵۰ مطبوعہ مکتبہ زور صفحہ ۱۷۷ نمبر ۱۳۷۷)

متقین کا امام بننے کی دعا کریں یا ان کا مقتدی بننے کی

رحمن کے مقرب بندوں نے اس دعا کے آخر میں متقین کا امام بنادے۔

حضرت ابن عباسؓ نے کہا یعنی ہمیں اللہ تعالیٰ کی بنا دے اور متقی لوگ ہماری اقتداء کریں۔

مجاہد نے کہا اس کا معنی یہ ہے ہمیں ایسا امام بنادے کہ ہم اپنے سے پہلے متقی مسلمانوں کی اتباع کریں اور ہم اپنے بعد والوں کے امام ہو جائیں۔ امام ابن جریر نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو متقی مسلمان تیری تا فرمائی سے اقتناپ کرتے ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں ہمیں ان کا امام بنادے وہ نیک کاموں میں ہماری اقتداء کریں کیونکہ انہوں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا ہے کہ ان کو متقی لوگوں کا امام بنادے یہ سوال نہیں کیا کہ متقی لوگوں کو ان کا امام بنادے۔

(جامع الامان ج ۱ ص ۶۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۵۵ھ)

امام قشیری نے کہا امامت دعا سے حاصل ہوتی ہے دعویٰ سے حاصل نہیں ہوتی۔ یعنی امامت اللہ تعالیٰ کی توفیق اس کی تائید اور اس کے احسان سے حاصل ہوتی ہے اور کوئی شخص اپنے امام ہونے کا دعویٰ کرے اس سے امامت حاصل نہیں ہوتی حضرت عمرؓ دعا کرتے تھے: اے اللہ ہمیں امیر متقین سے بنادے حضرت ابن عباسؓ رضی اللہ عنہما دعا کرتے تھے اے اللہ! ہمیں امیر ہڈی بنادے، کھول دعا کرتے تھے اے اللہ ہمیں متقین کا امام بنادے۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے اس آیت اور ان آثار میں یہ دلیل ہے کہ دین میں ریاست اور امامت کو طلب کرنے کی دعا کرنا مستحب ہے۔ (المناہج الاحکام للقرآن ج ۱ ص ۸۰-۹۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۵۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ رحمن کے مقبول بندوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کھول ایسے متقی اور پاک ہاڑوں کے لیے متقین کا امام بننے کی دعا کرنا مستحب ہے اور مجھ ایسے ناکارہ خلائق اور گناہوں میں ڈوبے ہوئے کم ہمت اور کم عمل لوگوں کو یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں متقین کا محبوب، قبیح اور مقتدی بنائے رکھے اور متقین کی اقتداء پر ہی خاتمہ کر دے۔

احب الصالحین ولست منهم
لعل اللہ یسوز قنسی صلاحاً
میں خود نیک تو نہیں ہوں لیکن نیکوں سے محبت کرتا ہوں
تا کہ اللہ مجھے بھی نیک عطا فرمادے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے مہر کی جزا میں جنت کی بلند عمارت دی جائے گی اور وہاں ان کو دعا اور سلام پیش کیا جائے گا وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے وہ ٹھہرنے اور رہنے کی عمدہ جگہ ہے (آخر کان: ۷۶-۷۷) رحمان کے مقبول بندوں کی جزاء

یعنی رحمن کے مقبول بندے جنت میں بلند رہے کو حاصل کریں گے 'غزوہ بلند و بالا عمارت کو کہتے ہیں دنیا کی کسی بلند ترین عمارت کو دیکھ کر بھی جنت کے پر شکوہ عمارت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ ان کو یہ بلند درجات ان کے مہر کرنے کی وجہ سے حاصل ہوں گے اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنے اور اس کی عبادت میں مشغول

جلالہ

جنت کرنے میں جو مہر کیا تھا اور یا شکرین کی پہنچائی ہوئی لڑکیوں کو برداشت کرنے میں جو مہر کیا تھا یا اپنی نفسانی خواہشوں اور شہوات کے تقاضوں کو روکنے میں جو مہر کیا تھا اس مہر کی جزا میں ان کو جنت کے بالائے خانے دیے جائیں گے اور جنت میں فرشتے ان کو سلام کریں گے۔ یا وہ خود ایک دوسرے کو سلام کریں گے یا ان کا رب ان کو سلام بھیجے گا اور ایک قول یہ ہے کہ سلام سے مراد یہ ہے کہ وہ آفات اور مصائب سے سلامت رہیں گے اور وہ اس جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے وہ ظہر نے اور رہنے کی عمدہ جگہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے اگر تم میرے رب کی عبادت نہ کرو تو اس کو تمہاری کوئی پروا نہیں ہے پھر بے شک تم نے اس کو بھلا یا تو اس کا عذاب تم پر ہمیشہ لازم رہے گا (الفرقان ۷۷)

رحمن کے مردود بندوں کی سزا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کو یہ خبر دی ہے کہ اگر تم ایمان نہ لائے اور تم نے اپنی حاجات میں اللہ تعالیٰ کو نہ پکارا اور تم مسلسل اس کی تکذیب کرتے رہے تو پھر اللہ تعالیٰ کو بھی تمہاری کوئی پروا نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اگر انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کریں تو پھر ان میں اور جانوروں درختوں اور پتھروں میں کیا فرق ہے۔

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصل مکہ کی طرف رسول بھیج کر انہیں اپنی توحید اور اپنی عبادت کی دعوت دی اور انہوں نے اس رسول کی تکذیب کی اور اس کی دعوت پر لبیک نہیں کہا اب یہ تکذیب ان کو لازم رہے گی اور ان کو توبہ کی توفیق نہیں دی جائے گی حتیٰ کہ ان کو ان کے اعمال کی سزا دی جائے۔ ان جہنم کے کہا اس کا سہمی یہ ہے کہ ان کو ہمیشہ عذاب ہوگا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اس سے مراد وہ عذاب ہے جو اہل مکہ کو جنگ بدر کے دن دیا گیا ان کے ستر افراد کو قتل کیا گیا اور ستر افراد کو قید کیا گیا اور اس عذاب کے ساتھ آخرت کا عذاب بھی اس کے ساتھ متصل اور لازم ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ہی بندوں کی طرف توجہ اور التفات فرماتا ہے جو اس کی عبادت کرتے ہیں اس سے دعا کرتے ہیں اور اس کو پکارتے ہیں اس کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور گڑگڑاتے ہیں اس کے آگے سر اطاعت خم کرتے ہیں اور اسی کے سامنے اپنی جبین نیاز جھکا دیتے ہیں اور اس کے نام کی مالا بچتے ہیں اور جو اس کو یاد نہیں کرتے نہ اس کو پکارتے ہیں نہ اس کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں بھلا اس بے نیاز ذات کو ایسے لائق رہنے والوں منحرف اور سرکش لوگوں کی طرف التفات اور توجہ کرنے کی کیا ضرورت ہے!

سورۃ الفرقان کے اختتامی کلمات

سورۃ الفرقان ۲۵ شعبان ۱۲۳۲ھ / ۷ نومبر ۲۰۱۱ء بروز بدھ کو شروع کی تھی اور آج آٹھ رمضان ۱۴۳۲ھ / ۲۵ نومبر ۲۰۱۱ء بروز اتوار کو بعد نماز ظہر اس کی تفسیر ختم ہوگئی اس طرح صرف اٹھارہ روز میں سورۃ الفرقان کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ فالحمد لله رب العالمین۔

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا اور بے انداز شکر ہے اور اس کا بے حد کرم ہے کہ اس نے اس ناکارہ مکم علم مکم فہم اور کم سواد شخص کو یہ حوصلہ اور یہ امت عطا فرمائی کہ اس نے گونا گوں عوارض اور مسائل کے باوجود قرآن مجید کی تفسیر کے اس سفر کو جاری رکھا اور اس کام کے تسلسل کو ٹوٹنے نہیں دیا۔ بعض مخالفین اور معاندین کی تحریروں میں میرے علم میں آتی رہتی ہیں لیکن میں ان کے جواب اور جواب الجواب اور پھر اس کے جواب کے پتھر میں پڑ کر اپنے وقت کو ضائع نہیں کرتا ان میں جو کوئی معقول شبہ ہوتا ہے اس کا

جواب میری بعد کی کسی تحریر میں مناسب مقام پر آ جاتا ہے 'افسوس اور رنج کا مقام یہ ہے کہ ہمارے ہاں کسی شیعہ اخبار سے تنقید نہیں کی جاتی بلکہ تنقید کرنے والوں کی تحریر میں جارحیت اور سب و شتم اور بدگمانی اور اتہام اور افرام تراشی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے ایک اور تکلیف وہ بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں مسلک کے احارہ دار وہی لوگ ہیں جنہوں نے کوئی علمی اور تحقیقی کام نہیں کیا جو اپنے عوام کا سرمایہ صرف صمود و نمائش اور غیر تعمیری کاموں میں صرف کرتے ہیں لیکن حوصلہ افزاء بات یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا دائرہ اپ سمیتا جا رہا ہے اور جیسے جیسے علم اور آگہی کی روشنی پھیلتی جا رہی ہے ایسے لوگ گمناہی کے عمار میں گرتے جا رہے ہیں اور آنے والا دوران ہی کا ہے جن کے پاس اسلام کی تعلیمات کے متعلق خاص مواد اور قابل ذکر اور لائق شمار علمی لٹریچر ہوگا۔

اس تعمیر کی تحریر کے دوران کچھ حقائق سامنے آتے رہتے ہیں جس کی وضاحت کے لیے اور ان امور میں اپنا نقطہ نظر واضح کرنے کے لیے میں صورت کے انصافی کلمات میں کچھ لکھ دیتا ہوں۔ اب میری عمر پندرہ سال کی ہو چکی ہے کچھ عمر کے تقاضے سے کمزوری ہے کچھ مختلف بیماریوں کی وجہ سے ناتواپی ہے کون جانے کب رشتہ حیات منقطع ہو جائے یہ کام عمل ہو سکے یا نہ ہو سکے بہر حال جب تک رفق حیات باقی ہے میں ان شاء اللہ المعزیز تعمیر لکھنے کے اس سفر کو جاری رکھوں گا اللہ تعالیٰ نے ہی اس تعمیر کو شروع کرانے کی توفیق دی تھی اور وہی اس کو مکمل کرانے والا ہے!

آخر میں یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تعمیر کو اپنی راہ میں مقبول فرمائے اور تاقیامت اس کو مقبول اور اثر آفرین رکھے اور محض اپنے فضل سے اور اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت سے میری لغزشوں اور خطاؤں کو معاف فرما دے اور میری اس کتاب کے ناشر اس کے راج اور اس کے کمپوزر اور دیگر معاونین کی مغفرت فرمائے اور ہم سب کو دنیا اور آخرت کی ہر بلا نظر اب اور پریشانی سے محفوظ رکھے اور دنیا اور آخرت کی ہر نعمت اور سعادت عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین بحمد حبیبک سیدنا محمد خاتم الانبیاء والمرسلین قائد الغر

المحجلین شفیع المذنبین وعلی آلہ الطیبین واصحابہ الراشدین وازواجه

امہات المومنین وعلی اولیاء امتہ وعلماہ ملتہ وسائر امتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

سُورَةُ الشُّعَرَاءِ

(۲۶)

بسم الله الرحمن الرحيم
نحمده ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورة الشعراء

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام اشعراء ہے اور اس لفظ کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے۔
وَالشَّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ (اشعراء: ۲۲۳)
اس سورت میں مکہ کے ان کفار کا رد فرمایا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہتے تھے اشعراء کا لفظ قرآن مجید میں صرف ایک بار آیا ہے اور اس کا اسی سورت میں ذکر ہے۔
اس سورت کا نام طسم بھی ہے لیکن زیادہ مشہور اشعراء ہے۔ احادیث اور آثار میں ان دونوں ناموں کا ذکر ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سورہ (طسم) اشعراء مکہ میں نازل ہوئی ہے۔
انحاس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ سورۃ اشعراء مکہ میں نازل ہوئی ہے سوئے آخری پانچ آیتوں کے ان ہی میں سے وَالشَّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ بھی ہے یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔
(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

قرآن مجید کے نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۷ ہے یہ سورت سورۃ نمل سے پہلے اور سورہ واقعہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔

سورة الفرقان سے سورة اشعراء کی مناسبت

سورة الفرقان اور سورة اشعراء دونوں سورتوں کی ابتدا قرآن مجید کی تقسیم سے ہوئی ہے سورة الفرقان کی ابتدا میں ہے:
كذَّبَكَ الْبَدِئُ تَذَرُ الْفَرْقَانَ عَلَى عَتِيدَةٍ
وہ بہت برکت والا ہے جس نے الفرقان (قرآن مجید) کو اپنے عید (محرم) پر نازل کیا۔ (الفرقان: ۱)

اور سورة اشعراء کی ابتدا میں ہے:

طس ۵۰ ذٰلِكَ الْكِتَابُ الْبَيِّنُ (اشعراء: ۱-۵۰) طاسین ہم ۵۰ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں

اور سورۃ الفرقان کی انتہاء کافروں کی مذمت اور مومنوں کی مدح پر ہوئی ہے اور اسی طرح سورۃ اشعراء میں بھی سورۃ الفرقان کی آخری آیات میں مومنوں کے متعلق فرمایا:

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرَّةَ بِمَا كَفَرُوا (الفرقان: ۷۵)

یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی جہاد میں جہت کی بنا پر عمارت دی جائے گی۔

اور کافروں کے متعلق فرمایا:

فَلَنْ مَّا يَجْعَلُونَ رَبِّي لَوْلَآ ذَعَاؤُهُمْ هَهُنَا كَذِبَتْ
خَشْيَتِي يُكُونُوا لَنَا آوِيًا (الفرقان: ۷۷)

آپ کہے اگر تم میرے رب کی عبادت نہ کرو تو اس کو تنہا ہی کوئی پرہیز نہیں ہے پھر بے شک تم نے اس کو پہلا یا تو اس کا عذاب تم پر ہمیشہ لازم رہے گا۔

اور سورۃ اشعراء میں کافروں کی مذمت اور مومنوں کی مدح کے متعلق فرمایا:

وَالْأَشْرَاءُ سَيَكُونُ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ
وَادٍ يَكْبِتُونَ ۖ وَكَانَتْهُمْ يَنْقُوتُونَ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ ۖ إِلَىٰ الْيَوْمِ
يَنْقُوتُونَ ۖ وَكَانُوا يَنْقُوتُونَ ۖ وَكَانُوا يَنْقُوتُونَ ۖ وَكَانُوا يَنْقُوتُونَ ۖ
بَعِيدًا مَّا يَلْمِزُوا ۚ وَسَيَكُونُ الْيَوْمَ الْيَوْمِ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ (اشعراء: ۲۳۷-۲۴۲)

اور شرعاً ہی جہاد کی مدح کرتے ہیں جو ہم راہ ہیں کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شرعاً ہر وادی میں جھگڑتے پھرتے ہیں اور وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جن پر وہ خود عمل نہیں کرتے اور ان (شرعاً) کے جو ایمان لانے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور اللہ کا بہ کثرت ذکر کیا اور قلم ہے کے بعد بدلہ لیا اور قلم کرنے والے مقرر یہ جان لیں کہ وہ کس کس کو پتہ چلتے ہیں

سورۃ الفرقان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا اجماعی طور پر ذکر کیا گیا تھا اور اس سورت میں ان کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اس کے علاوہ سورۃ الفرقان میں حضرت نوحؑ کا ذکر اور اس کا بھی اجماعی طور پر ذکر کیا گیا تھا اور اس سورت میں ان کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ بعض دیگر انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کا بھی اس سورت میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

سورۃ اشعراء کے مقاصد اور مسائل

(۱) اس سورت میں قرآن مجید کی تعظیم اور کریم بیان کی گئی ہے اس کی فصاحت اور بلاغت کے ساتھ پہنچایا گیا ہے اس کی نظیر کوئی نہیں لاسکتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کو جو قرآن مجید کی دعوت دیتے تھے اور وہ اس سے اعراض کرتے تھے اور جواب میں دل آزار باتیں کہتے تھے۔ ان پر آپ کو تسلی دی گئی ہے۔

(۲) کفار مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائشی معجزات طلب کرتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا آپ ان کی ہٹ دھرمی اور فضول اعتراضات سے ملول اور پریشان نہ ہوں آپ سے پہلے جو رسول بھیجے گئے ان کے زمانہ میں بھی مشرکین ان پر ایسے ہی اعتراضات کرتے تھے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی سرگزشت آیت: ۶۸-۱۰۰ میں بیان کی گئی ہے۔ ۱۰۳-۶۹ تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت پیش کرنے کا ذکر ہے اس کے ضمن میں مشرکین کے انجام کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ۱۲۴-۱۰۵ میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اور ان کی قوم کی طرف سے جو جواب دیا گیا اس کا اور ان کے انجام کا ذکر ہے۔ ۱۳۰-۱۲۳ میں حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم ماد کو جو دعوت دی تھی اور ان کی قوم نے جو تکبرانہ جواب دیا تھا اور اس کے نتیجہ میں

جون پر عذاب نازل ہوا اس کا ذکر فرمایا ہے ۱۵۹-۱۶۱ میں حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت اور ان کی قوم شموک کا جواب اور ان کے انجام کا ذکر ہے ۱۵۵-۱۶۰ میں حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت اور ان کی قوم کے جواب اور اس کے انجام کا ذکر ہے۔ ۱۹۱-۱۹۶ میں حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت اور ان کی قوم مدین کے جواب اور ان کے انجام کا ذکر ہے اور ۲۲۴-۱۹۲ تک ان مقاصد کا ذکر فرمایا جن کے لیے یہ طور تمہید انبیاء صالحین کا ذکر فرمایا ہے۔

(۳) یہ فرمایا ہے کہ تم بھٹی قوموں کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نشانی اور معجزہ کو طلب کر رہے ہو کیا تمہارے لیے اس قرآن کی صورت میں جو نشانی اور معجزہ ہے وہ کافی نہیں ہے۔

(۵) یہ بتایا ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی وحی ہے اور کفار کا اس کو جتنا اور کاجنوں کا کلام قرار دینا یا اس کو شخص شعر و شاعری قرار دینا باطل ہے۔

سورۃ اشعرآء کی فضیلت

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن پر عمل کرو اس کے حلال کو حلال قرار دو اور اس کے حرام کو حرام قرار دو اس کی اقتداء کرو اور اس کی کسی چیز کا انکار نہ کرو اور اس کی آیات قضاہات کو اللہ کی طرف لوٹا دو اور میرے بعد جو علماء راجحین ہیں ان کی طرف اور تورات اور انجیل اور زیور پر ایمان لاؤ اور ان مصاحف پر جو نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیے گئے اور قرآن اور اس کی سورتیں تم پر وسعت کریں گی کیونکہ یہ شفاعت کرنے والا ہے اور اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ سنو! اس کی ہر آیت قیامت کے دن نور ہوگی اور مجھے ذکر اول سے سورۃ البقرہ دی گئی ہے اور مجھے طہ اور طواغین (دو سورتیں جن کے شروع میں طسم ہے) اور النواہیم (دو سورتیں جن کے شروع میں طسم ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی الواح سے دی گئیں اور فاتحہ الکتاب مجھے عرش کے نیچے سے دی گئی۔

(المسند رک ج ۱ ص ۵۶۸ قدیم المسند رک ج ۱ ص ۶۰۸ شعب الایمان رقم اللہ ع: ۴۳۷۸)

علامہ ذہبی نے اس حدیث کی سند پر تعجب کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند میں حمید اللہ ہے امام احمد نے کہا ہے کہ اس کی حدیث کو ترک کرو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے تورات کے بدلہ میں السح الخوال (شروع کی سات لمبی سورتیں) عطا فرمائیں۔ اور انجیل کی جگہ عین (جن سورتوں میں سو یا اس سے زیادہ آیتیں ہوں) عطا فرمائیں اور انزوری کی جگہ النواہیم عطا فرمائیں اور النواہیم کی وجہ سے مجھے کوفضیلت دی مجھ سے پہلے ان کو کسی نبی نے نہیں پڑھا۔ (بخاری الجامع رقم اللہ ع: ۵۶۷۳ کنز العمال رقم اللہ ع: ۴۵۸۲)

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اب اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے سورۃ اشعرآء کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کرتا ہوں اے العالمین مجھے اس سورت کے ترجمہ میں غلطیوں اور لغزشوں سے محفوظ رکھنا حق بات کو مجھ پر آشکار کرنا اور اس کی اتباع عطا فرماتا اور باطل سے بھی مجھے آگاہ کرنا اور اس سے اجتناب عطا فرماتا۔ آمین!

بجاء حبیبک الکریم علیہ التحیۃ و التسلیم

قلام رسول سعیدی غفرلہ

۱۱ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ / ۲۷ نومبر ۲۰۰۱ء

موبائل نمبر: ۳۱۵۶۳۰۹-۳۰۰



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



سورۃ اشعرۃ کی ہے اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس کی حمد و ستائش کیلئے

طَسَّ ① تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْبَيِّنِ ② لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ

طاہسین ہم ① یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں ② (اے رسولِ کرم!) شاید آپ اس تم میں جان دے دیں گے

أَلَا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ③ إِنْ تَشَاءْ نَنْزِلْ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ

کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں ③ اگر ہم چاہتے تو ان کے اوپر آسمان سے ایسی نثانی نازل

آيَةً فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ ④ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرِ

کر دیتے جس سے ان کی گردنیں ہمیشہ جھکی رہیں ④ اور جب بھی ان کے پاس رحمن کی طرف

مِّنَ الرَّحْمَنِ مُحَدَّثٌ إِلَّا كَانُوا عَنْتَهُ مُعْرِضِينَ ⑤ فَقَدْ

سے کوئی نئی نصیحت آتی ہے یہ اس سے اعراض کرنے والے بن جاتے ہیں ⑤ سو انہوں نے

كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيَهُمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا يَاسْتَهْزِءُونَ ⑥ أَوَلَمْ

تکذیب کی پس ان کے پاس عقوبت اس چیز کی خبریں آ جائیں گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ⑥ کیا انہوں

يَرَوْا إِلَى الْأَرْضِ كَمَا أَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّرْجٍ ⑦

نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کتنے ہر قسم کے عمدہ جوازے پیدا کیے ہیں ⑦

إِنِّي فِي ذَلِكَ لَآيَةٌ ⑧ وَمَا كَانْ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ⑨ وَإِنَّ

بے شک اس میں ضرور نثانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں ⑨ بے شک

مَا يَكُ لَكُمْ لَهْوُ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ⑩

آپ کا رہی ضرور بہت غالب بہت رحم فرمانے والا ہے ⑩

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ایسے اللہ الرحمن الرحیم

اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں جو اپنے کلام کی بلندی اور اپنی شان کی عظمت پر خود دلالت کرتا ہے وہ رحمن ہے جو اپنے

معبودیت سے اپنے والوں پر شفقت کرنے اور ان کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا اور رحم ہے جو اس سے محبت کرنے والوں سے

ہوں کو ان کاموں کی توفیق سے زندہ رکھتا ہے جن سے وہ راضی ہوتا ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **عالمین ہم ۵** یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں **۵ (اشعار ۱-۳)**
حکیم کے محال

علی بن طلحہ الوابی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حکیم قسم ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے، قتادہ نے کہا یہ قرآن مجید کے اسماء میں سے ایک اسم ہے، مجاہد نے کہا یہ اس سورت کا اسم ہے، محمد بن کعب قرظی نے کہا اللہ تعالیٰ نے اپنی بلندی اپنی قوت اور اپنی سلطنت کی قسم کھائی ہے۔

(معالم اشعریل ج ۳ ص ۲۶۲-۲۶۱ مسطورہ دارالمنیہ و آثار العربیہ بیت ۳۲ ھ)

الكتاب المبين کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں اس کا معنی یہ ہے: یہ سورت اس روشن کتاب کی آیتوں کا مجموعہ ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس سورت کے مخاطب کفار مکہ ہیں تو اس سورت کی آیات ان کے لیے ان احکام کو کیسے بیان کرنے والی ہوں گی جن پر عمل کرنا ان کے لیے لازم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قرآن کی کسی ایک سورت کی تفسیر لانے کا ان کو پہنچ دیا گیا اور جب وہ ایک بڑے عرصہ تک اس کی کسی ایک سورت کی بھی نظر لانے سے عاجز رہے تو یہ واضح ہو گیا کہ یہ کسی انسان کا حکم نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ربوبیت ثابت ہوگئی اور چونکہ یہ بکا مسیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے اس لیے آپ کی رسالت بھی ثابت ہوگئی اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ قرآن مجید کے بیان کیے ہوئے تمام احکام پر ایمان لائے اور ان پر عمل کرے۔

الكتاب المبين کا معنی ہے واضح اور روشن بیان کرنے والی کتاب قرآن مجید نے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے اور ان کو ماننے کا حکم دیا ہے اور شیطان اور بتوں کو ماننے اور ان کی عبادت کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس حکم کو قرآن مجید نے وضاحت سے آسان اور سادہ دلائل کے ساتھ بیان کر دیا ہے اسی طرح نماز پڑھنے، روزہ رکھنے، زکوٰۃ دینے، صدقہ جہاد کرنے اور جہاد کرنے کا حکم دیا ہے والدین، رشتہ داروں، یتیموں اور عام مسلمانوں کے ساتھ نیکی اور خیر خواہی کرنے کا حکم دیا ہے عفت اور پاک دہی کا حکم دیا ہے شراب پینے، جو اٹھنے، سود کھانے، چوری، ڈاکا، زنا، لوگوں کی حق تلفی کرنے اور ناجائز مال کھانے سے منع فرمایا ہے یہ احکام اس کتاب میں بہت آسان اور سادہ طریقے سے بیان کر دیے ہیں کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کتاب میں کیا احکام ہیں کس کام کے کرنے کا حکم دیا ہے اور کس کام کے کرنے سے منع کیا ہے اور اس کتاب نے جو احکام دیے ہیں ان کے معقول، درست اور قابل عمل ہونے کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اور یہ احکام ایسے نہیں ہیں کہ ان کو شعر و شاعری، جنات کی بتائی ہوئی جھوٹی چٹائی یا تمیں یا جادو کہا جاسکے یہ انسان کے عمل کرنے کے لیے کھلے کھلے احکام ہیں ان میں کوئی پہیلی یا بھارت نہیں ہے اور ہر انصاف پسند شخص یہ تسلیم کرے گا کہ وہ ان کے خلاف اور آخرت کی فلاح اور کامیابی ان ہی احکام پر عمل کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے تو اب اس بات کی صداقت میں کیا شک رہ چکا ہے کہ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول کرم!) شاید آپ اس فہم میں جان دے دیں گے کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں ۵

(اشعار ۳)

کفار کے ایمان نہ لانے سے شدت غم میں گھلنے سے آپ کو منع فرماتا

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: باساع کا معنی ہے شدت غم سے اپنے آپ کو ہلاک کرنے والا۔ اگر کوئی شخص اچھا یا گوارا کرے کہ تھک کسی چیز کو نہ لے یا اس کا اقرار کرے تو اس کو بھی باساع کہتے ہیں۔ اس آیت میں آپ کو اس پر براہمت کیا ہے کہ آپ کفار کے ایمان نہ لانے پر غم اور افسوس کرتا چھوڑ دیں۔ (المطربات ج ۱ ص ۳۸ سلووک مجتہد زہد ص ۱۷۱ مکرر ص ۱۳۸)

اس مضمون کی مزید آیات حسب ذیل ہیں:

فَلَعَلَّكَ بَاقِعَةُ نَفْسِكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُوَفُّوْا
بِعَهْدِ اللَّهِ ذِي اسْمَآءَ ۝ (النحل: ۶)

پس اگر یہ لوگ (کفار) اس قرآن پر ایمان نہ لائیں
کیا آپ ان کے پیچھے اس غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے۔

فَلَا تَتَذَكَّرْ لِنَفْسِكَ مِثْلِهِمْ خَسِرْتَ ۖ (فاطر: ۸)

پس ان کے ایمان نہ لانے کے غم میں آپ اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔

کفر و کفر کے ایمان نہ لانے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رنج اور قلق ہوتا تھا ان آیتوں میں اس کا اظہار کیا گیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفر کے ایمان نہ لانے کے لیے بہت کوشش کرتے تھے ان کے گھروں پر جا کر دستک دیتے اور ان کو ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے وہ آپ کے پیچھے خاک اڑاتے تھے آواز سے کہتے تھے آپ کو بھون اور دوانہ کہتے تھے طرح طرح کی ایذا میں پہنچتے تھے لیکن ان میں سے کوئی چیز آپ کو ایمان کی دعوت دینے سے نہیں روکتی تھی۔ آپ مسلسل کوشش کرتے اور وہ پھر بھی ایمان نہیں لاتے تھے تو آپ کو بہت سخت رنج اور قلق ہوتا تھا اور بعض اوقات آپ کی حالت دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ آپ شدت غم سے ان کے پیچھے جان دہا رہیں گے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفقت اور رحمت سے فرمایا کہ ان کے ایمان نہ لانے سے آپ اس قدر غم نہ کریں ان کو مومن بنانا آپ کے ذمہ نہیں لگا دیا گیا۔ آپ کے ذمہ صرف ان تک پیغام پہنچانا ہے سو آپ نے اللہ کا نام ان تک بہت خوش اسلوبی اور جاں فشانی سے پہنچا دیا ہے اب اگر وہ ایمان نہیں لائے تو یہ ان کا نصیب اور مقدر ہے آپ نے اپنا مشن پورا کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر ہم چاہتے تو ان کے اوپر آسمان سے ایسی نشتی نازل کر دیتے جس سے ان کی گردنیں ہمیشہ جھکی رہیں ۝ (اشعراء: ۳)

اختیاری ایمان اور اختیار کی اطاعت کا مطلوب ہونا اور جبری ایمان اور جبری اطاعت کا نام مطلوب ہونا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی نبوت پر متعدد معجزات اور نشانیاں دکھائیں اور سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید پیش کیا مگر انہوں نے ان نشانیوں کو قبول نہیں کیا اور فرما کر انہیں معجزات طلب کرتے رہے مثلاً وہ کہتے تھے کہ آپ آسمان کو ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں یا اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کریں یا آپ کا سونے کا کوئی گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں! اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اس قسم کی نشانیاں نازل کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں ہے وہ چاہتا تو آسمان کے اوپر سے کوئی ایسی نشتی نازل کر دیتا جس سے اضطراری طور پر ان کی گردنیں جھک جاتیں اور یہ جبراً مسلمان ہو جاتے لیکن ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔ وہ فرماتا ہے:

وَلَوْ شَاءَ آدَمُ بَنُوكَ لَأَمَنَ مَنِ فِي الْأَرْضِ فَخُذْهُ
مَعِي ۚ إِنَّكَ إِن تَشْكُرْ لَتَكُنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب ایمان لے آتے کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے حتیٰ کہ وہ

(نہی ۹۹) مؤمن ہو جائیں!

یعنی اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا کیونکہ اس قسم کا جبری ایمان اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی مصلحت کے خلاف ہے پھر اللہ کو کیا ضرورت ہے کہ وہ لوگوں کو جبراً مومن بنائے وہ انہیں ابتداءً مومن پیدا کر سکتا ہے وہ چاہتا تو لوگوں کو فرشتوں کی طرح بنا دیتا ان میں اختیار اور ارادہ نہ رکھتا وہ اضطراری طور پر اس کی عبادت کرتے رہتے لیکن وہ چاہتا تھا ایک ایسی مخلوق بنائے جس میں خیر اور شر کی دونوں قوتیں ہوں اس لیے اس نے ہدایت دینے کے لیے نبی پیدا کیے اور گمراہ کرنے کے لیے شیطان کو پیدا کیا اور انسان کے اندر بھی دو قوتیں رکھ دیں ایک وہ قوت ہے جو اس کو نیکی کی طرف ابھارتی ہے اور ایک وہ طاقت ہے جو اس کو برائی کی طرف ابھارتی ہے۔ پھر دنیا میں ایسی چیزیں پیدا کیں جن میں سے بعض نیکی کی اور بعض برائی کی ترغیب دیتی ہیں اور انسان کو محض اور مشغور دے دیا اور اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر دلالت کرنے والی نشانیاں رکھ دیں اور خود انسان کے اندر بھی اس کی ذات کی معرفت کی نشانیاں پیدا کر دیں اور ان نشانیوں کی طرف توجہ کرنے کے لیے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور علماء ربانین کو پیدا کیا اور انسان کو اختیار اور ارادہ دیا تاکہ وہ اپنے اختیار اور ارادہ سے نبی کی ہدایت کو قبول کرے اور علماء ربانین کی رہنمائی سے اسلام کو قبول کرے یا اس کائنات کی نشانیوں سے یا خود اپنی ذات سے اللہ تعالیٰ کو پہچانے اور اس کا عرفان حاصل کرے اور قبول حق کے راستے سے منحرف کرنے کے لیے جو شیطانی قوتیں اس کو گمراہ کرنے کی کوشش کریں اور عبادت و ریاضت سے روکنے کے لیے دنیاوی لذتوں اور شہوتوں کی ترغیبات سامنے آئیں ان سب کو اپنی ارادہ سے رد کر دے اور اپنے اختیار اور پختہ عزم سے ایمان پر قائم رہے اور اعمال صالحہ پر جمار ہے سو ایسا ایمان اور ایسے اعمال صالحہ اس کو مطلوب ہیں ان ہی پر انعام و اکرام عطا کرنے کے لیے اس نے جنت بنائی ہے اور ان سے اعراض اور ان کا انکار کرنے والوں کے لیے اس نے دوزخ بنائی ہے یعنی اختیاری اطاعت یا اختیاری معصیت کے لیے اس نے جزاء اور سزا کا سلسلہ قائم کیا ہے ورنہ جبری اطاعت پر کسی انعام کی ضرورت تھی نہ کسی سزا کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب بھی ان کے پاس رمضان کی طرف سے کوئی نئی نصیحت آئی ہے یا اس سے اعراض کرنے والے بن جاتے ہیں سو انہوں نے کذب کی ہنس ان کے پاس اس چیز کی خبریں آجائیں گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ۵

(اشعراء: ۶۰-۵)

کفار کا بد مذہب سرکشی میں بڑھنا

یعنی اے رسولِ مکرم! آپ ان شرکین کے پاس جو بھی ایسی نشانی لے کر آتے ہیں جو آپ کے دعویٰ نبوت کے صدق پر دلالت کرتی ہے اور اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے جو دلائل قدرت پھیلانے ہوئے ہیں ان کو یاد دلانے اور ان کی طرف متوجہ کرنے کے لیے آپ جو بھی اقام کرتے ہیں یہ اس کی تکذیب کرتے ہیں اور اس کو جھٹلاتے ہیں اور اس سے اعراض کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور آپ کے ارشادات میں غور و فکر نہیں کرتے۔

اور اے نبیِ مکرم چونکہ انہوں نے اللہ کی آجوں سے اور آپ کے لائے ہوئے پیغام سے اعراض اور اس کا انکار کیا ہے تو ان کے پاس عقرب اس چیز کی خبریں آجائیں گی جن کا یہ انکار کرتے تھے اور ان سے اعراض کرتے تھے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحید ہے کہ ان کے کفر اور ان کی سرکشی کی وجہ سے عقرب ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔

ان آجوں میں پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کی یہ صفت بیان کی کہ وہ اعراض کرتے ہیں پھر یہ صفت بیان کی کہ وہ تکذیب کرتے ہیں پھر یہ صفت بیان کی کہ وہ مذاق اڑاتے ہیں اور ان میں ہر بعد اولیٰ صفت پہلی صفت سے زیادہ قبیح اور اللہ تعالیٰ کی

نارنگی کا موجب ہے اور جو شخص گم راہی اور بدعتی میں آگے بڑھتا ہے اس کا بھی حال ہوتا ہے پہلے وہ حق اور صدق سے اعراض کرتا ہے پھر صراحت کے ساتھ اس کی تکذیب کرتا ہے اور اس کا انکار کرتا ہے پھر اس کی تکذیب بدعتی رشتی ہے اور حق کے ساتھ اس کی مخالفت زیادہ ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ وہ حق کا مذاق اڑانے پر تل جاتا ہے اور کفار مکہ نے اپنے گھر میں یہی بدعتی اختیار کی پہلے انہوں نے آپ کی دعوت سے اعراض کیا اور چنہ موڑی پھر آپ کی دعوت کو جھٹایا اور مکمل کفر مخالفت کی پھر سرعام آپ کا مذاق اڑایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کتنے ہریم کے عمدہ جوڑے پیدا کیے ہیں ۵ بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں ۵ بے شک آپ کا رب ہی ضرور بہت غالب بہت رحم فرمانے والا ہے ۵ (اشعراء: ۹-۷)

زوج کریم کا معنی

اس آیت میں فرمایا: کیا انہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کتنے ہریم کے عمدہ جوڑے پیدا کیے ہیں۔ زوج سے مراد زمین کی پیداوار کے جوڑے ہیں اور کریم ہر اس چیز کی صفت ہے جو اپنی جنس اور اپنے باب میں پسندیدہ ہو اور قابلِ تحریف ہو اور زمین میں جو زوج کریم ہے اس سے مراد زمین کی وہ پیداوار ہے جس کے منافع بہت زیادہ ہوں کیونکہ زمین کی پیداوار دو قسم کی ہیں ایک وہ ہیں جو بیج آد ہوں اور دوسری قسم وہ ہیں جو نقصان دہ ہوں سمجھو کہ جو درخت اچھا اور زیادہ پھل دے اس کو عرب نخلہ کہتے ہیں اس طرح جو اونٹنی زیادہ دودھ دے اس کو وہ نافلہ کہتے ہیں۔ شعیبی نے کہا لوگ بھی زمین کی پیداوار سے ہیں جو جنت میں داخل ہوگا وہ کریم ہے اور جو دوزخ میں داخل ہوگا وہ لعیم ہے یعنی ملامت کیا ہوا۔

زوج کریم کا دوسرا مہمل یہ ہے کہ اس سے مراد زمین کی ہر قسم کی پیداوار ہے خواہ وہ فائدہ مند ہو یا نقصان دہ اور اس کی صفت کریم اس لیے بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی چیز پیدا کی ہے اس میں کوئی نہ کوئی فائدہ رکھا ہے۔ زمین کی بعض پیداوار میں بظاہر نقصان معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں ان میں بھی فوائد ہوتے ہیں جن تک ہماری رسائی نہیں ہوتی۔ پھر بتایا کہ زمین کی اس پیداوار میں ضرور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت کی نشانی ہے یعنی جو اس میں غور و فکر کرے اور ان میں سے اکثر اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں کیونکہ وہ اپنی اصل سلیم سے کام نہیں لیتے اور ان میں صحیح غور و فکر نہیں کرتے۔

اس کے بعد فرمایا: آپ کا رب ہی بہت غالب اور بہت رحم فرمانے والا ہے اس میں عزیز یعنی غالب کے لفظ کو رحم پر مقدم فرمایا کیونکہ اگر پہلے رحم کے لفظ کو ذکر فرماتا تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ وہ لوگوں پر اس لیے رحم فرماتا ہے کہ وہ کافروں اور فاسقوں کو سزا دینے سے قاصر اور عاجز ہے اس لیے پہلے غالب کا ذکر فرمایا کہ وہ غالب اور قاهر ہے اس کے باوجود وہ اپنے بندوں پر رحم فرماتا ہے۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار مکہ کا کفر اور سرکشی اس کی منتہی ہے کہ ان پر فورا عذاب نازل کر دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس عذاب کو موخر کر دیا ہے تاکہ ان میں سے جو ایمان لانا چاہیں وہ ایمان لائیں۔

وَاذْنَادٰی رَبُّكَ مُوسٰی اِنَّ اَتٰ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ قَوْمٌ

اور (یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے موسیٰ کو دعا کی کہ آپ عالم قوم کے پاس جاییں ۵ جو کہ فرعون

فِرْعَوْنَ ۖ أَلَا يَتَّقُونَ ﴿۱۱﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ۖ ﴿۱۲﴾

کی قوم ہے 'کیا وہ ڈرتے نہیں ہیں ۰' مومن نے کہا: اے میرے رب! مجھے خدشہ ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے ۰

وَيُضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَرُونَ ﴿۱۳﴾

اور میرا دل تنگ ہو رہا ہے اور میری زبان (روانی سے) نہیں چل رہی سو تو ہارون کی طرف (بھی) وہی بھیج دے ۰

وَلَهُمْ عَلَىٰ ذُنُوبٍ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ۖ ﴿۱۴﴾ قَالَ كَلَّا فَاذْهَبَا

اور ان کا مجھ پر ایک قصور کا الزام ہے سو مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے ۰ فرمایا ہرگز ایسا نہیں ہوگا! سو تم دونوں ہماری

بِأَيَّتِنَا أَنَا مَعَكُمْ مُّسْتَعِينُونَ ﴿۱۵﴾ فَأَتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ

نشانیاں لے کر جاؤ 'ہم تمہارے ساتھ ہیں (ہر بات) سننے والے ۰ لہذا تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو ہم

رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ ﴿۱۶﴾ أَنْ أَرْسِلَ مَعَنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ ﴿۱۷﴾ قَالَ

دونوں رب العالمین کے رسول (بھیجے ہوئے) ہیں ۰ کہ تو بنو اسرائیل کو ہمارے ساتھ روانہ کر دے ۰ فرعون نے کہا

أَلَمْ نُزَكِّهِمْ فِينَا وَلَيْدًا وَلَيْسَتْ فِينَا مِنْ عُمَرِكَ سِنِينَ ﴿۱۸﴾

کیا ہم نے انہیں میں تمہاری پرورش نہیں کی تھی ۰ اور تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے پاس نہیں بسر کیے تھے ۰

وَفَعَلْتَ فَعَلَتِكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۹﴾ قَالَ

اور تم نے وہ کام کیے جو تم نے کیے اور تم ہانکروں میں سے تھے ۰ مومن نے کہا

فَعَلْتَهَا إِذَا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ ﴿۲۰﴾ فَقَرَّرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا

میں نے وہ کام اس وقت کیا تھا جب میں بے خبروں میں سے تھا ۰ سو جب مجھے تم سے خطرہ محسوس ہوا تو

خَفَيْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۱﴾

میں تمہارے پاس سے چلا گیا تو میرے رب نے مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے رسولوں میں سے بنا دیا ۰

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَىٰ أَنْ عَبَّدَتْ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ ﴿۲۲﴾ قَالَ

اور کیا تو مجھ پر بھی احسان جتا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے ۰ فرعون نے کہا

فِرْعَوْنَ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

رب العالمین کی کیا تعریف ہے ؟ ۵۰ موسیٰ نے کہا وہ آسمانوں اور زمینوں

وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِنَّكُمْ مُّوقِنِينَ ﴿۳۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا

اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو تو! ۵۱ فرعون نے اپنے گرد بیٹھے والوں سے کہا

تَسْمِعُونَ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿۳۶﴾ قَالَ

کیا تم غور سے سن رہے ہو! ۵۲ (موسیٰ نے) کہا وہ تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے ۵۳ فرعون نے کہا

إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴿۳۷﴾ قَالَ رَبُّ

(اے لوگو!) بے شک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور مجنون ہے ۵۴ موسیٰ نے (پھر) کہا

الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِنَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۳۸﴾ قَالَ

وہ مشرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے اگر تم عقل رکھتے ہو ۵۵ فرعون نے کہا:

لَئِنْ اتَّخَذَتِ الْهَآءُ عِزِّي لَأَجْعَلَ لَكَ مِنَ الْمُسْجُوتِينَ ﴿۳۹﴾

اے موسیٰ! اگر تم نے میرے سوا کسی کو معبود بنایا تو میں ضرور تم کو قیدیوں میں شامل کر دوں گا ۵۶

قَالَ أَوْ لَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِينٍ ﴿۴۰﴾ قَالَ فَأْتِ بِهِ ۖ إِنَّ كُنْتَ

موسیٰ نے کہا خواہ میں تمہارے پاس کوئی روشن چیز بھی لے آؤں! ۵۷ فرعون نے کہا اگر تم سچے ہو تو وہ

مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿۴۱﴾ فَاتَّقِ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثَعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿۴۲﴾

چیز لے آؤ! ۵۸ پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ دو ناکہ کلمہ اڈوا بن گیا ۵۹

وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّظِيرِينَ ﴿۴۳﴾

اور انہوں نے اپنا ہاتھ نکالا تو وہ اچانک دیکھنے والوں کے لیے چمک ہوا بن گیا ۶۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے موسیٰ کو ندا کی کہ آپ ظالم قوم کے پاس جائیے ۶۱ جو کہ فرعون

کی قوم ہے کیا وہ اڑے نہیں ہیں! ۶۲ موسیٰ نے کہا اے میرے رب! مجھے خدشہ ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے ۶۳ اور میرا دل

تنگ ہو رہا ہے اور میری زبان (روانی سے) نہیں چل رہی! سو تو ہارون کی طرف (بھی) وحی بھیج دے ۶۴ اور ان کا مجھ پر ایک

مور کا الزام ہے سو مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے (اشعرہ: ۱۳-۱۰)
گزشتہ رسولوں کے واقعات سنا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں بیان کیا گیا ہے وہ سورتیں یہ ہیں: البقرہ، اعراف، یونس، ہود، الشعراء، النمل، القصص، المؤمن، الحجۃ اور التازعات وغیرہ اور ان سورتوں میں مختلف اسالیب کے ساتھ اس قصہ کو مختلف حکمتوں سے بیان فرمایا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے معرکہ کو یہاں اس طور سے بیان فرمایا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے سخت رنج اور تکلیف ہوئی تھی کہ آپ نے بار بار کفار قریش کے سامنے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر قرآن کریم میں جو دلائل پیش کیے ہیں وہ ان کو سنائے اور اپنے رسول ہونے پر علمی، عقلی اور حسی نشانیوں اور معجزات پیش کیے اور اس پیغام کو قبول نہ کرنے کی صورت میں عذاب الہی سے متعدد بار ڈرایا لیکن کفار قریش پر اس پیغام تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہوا وہ بدستور اپنے انکار پر جتے رہے اور آپ کی مخالفت پر ڈٹے رہے اس صورت حال سے آپ کو اس قدر رنج ہوتا تھا کہ لگتا تھا کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے کے غم میں غل غل کر اپنی جان دے دیں گے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے یہ آیات نازل فرمائی کہ آپ کو پیغام حق سنانے کی راہ میں کفار کی مخالفت کا جو سامنا کرنا پڑ رہا ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ نبیوں اور رسولوں کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے پھر حضرت موسیٰ، حضرت ابراہیم، حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کے واقعات سنائے اور یہ بتایا کہ ان رسولوں نے جب پیغام حق سنایا تو ان کو کتنی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اس کے باوجود ان رسولوں کی امتوں سے بہت کم افراد ایمان لائے اور اکثر لوگ اپنے انکار اور تکذیب پر ڈٹے رہے سو اگر آپ کی قوم کے اکثر افراد بھی آپ کی مخالفت کر رہے ہیں اور آپ پر ایمان نہیں لا رہے تو اس پر رنج اور غصہ نہ کریں۔

سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ سنانے کی حکمت

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے انبیاء سابقین میں سے سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ بیان فرمایا ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی وجوہ سے مناسبت ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ نہایت موزوں ہے کیونکہ متعدد وجوہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین سے زیادہ قوی تھے زیادہ اثر و رسوخ والے تھے اور حضرت موسیٰ کو نقصان پہنچانے پر قادر تھے حتیٰ کہ ان کے خوف کی وجہ سے حضرت موسیٰ نے مصر سے مدین کی طرف ہجرت کی جس طرح آپ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی اور جیسے آپ کے متعدد معجزات دیکھنے کے باوجود کفار مکہ ایمان نہیں لائے ایسے ہی حضرت موسیٰ کے متعدد معجزات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود فرعون اور اس کی قوم کے قبیلی ایمان نہیں لائے اور جس طرح فرعون کی قوم کو مسند میں غرق کر دیا اور حضرت موسیٰ کو کامیاب اور سرخ رو فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے متعدد غزوات میں کفار مکہ کو ذلیل و خوار کیا اور آپ کو فتح اور نصرت عطا فرمائی اور پلٹا کر پورا جزیرہ عرب آپ کے تابع اور آپ کا مطیع ہو گیا اس لیے آپ ان وقت کی مخالفتوں سے نہ گھبرائیں پلٹا کر کامیابی اور غلبہ آپ ہی کو حاصل ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالفین کا زیادہ قوی ہونا

ہم نے یہ لکھا ہے کہ کئی وجوہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین سے زیادہ قوی تھے کیونکہ فرعون مصر کا بادشاہ تھا اور اس کی قوم اس کو بادشاہ سے بڑھ کر خدا مانتی تھی اس کے برخلاف آپ کے مخالف کفار مکہ

تھے جو مختلف قبائل میں بنے ہوئے تھے کہ کا کوئی بادشاہ اور فرماں روا نہ تھا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ بنو ہاشم تھا۔ بہت معزز قبیلہ تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا متعلق بنو اسرائیل سے تھا اور بنو اسرائیل کو فرعون اور اس کی قوم نے ظلم کیا تھا اور بنو اسرائیل مصر میں گھٹی اور پس ماندگی کی زندگی گزار رہے تھے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ الزام تھا کہ انہوں نے برسر اقتدار قوم کے ایک فرد کو قتل کر دیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے انتقام اور ظلم سے بچنے کے لیے مدین ہجرت کر گئے تھے ایسے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو مقام نبوت پر فائز کیا اور فرعون کے دربار میں جانے کا حکم دیا۔ یہ بہت دشمن اور جاں گداز حالات تھے جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وقت کے ایک بادشاہ کے خلاف پیغام حق سنانے اور فرعون کے دعوئی رویہ کے خلاف اللہ تعالیٰ کی توحید کا نعرہ بلند کیا۔ حضرت موسیٰ کی زبردست مخالفت کی مگر لیکن آپ توحید کا پیغام سنانے سے دست کش نہ ہوئے اور بلاخر حضرت موسیٰ علیہ السلام تمام تر بے سروسامانی کے باوجود کامیاب ہوئے اور فرعون اپنے جاہ و خشم کے باوجود نا کام رہا۔ سو آپ بھی کفار مکہ کی مخالفت سے نہ گھبرا ئیں اور ان کی دل آزار باتوں سے طول خاطر نہ ہوں جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرعون کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طلبہ عطا فرمایا تھا اس طرح آپ کو بھی کفار مکہ کے مقابلہ میں طلبہ عطا فرمائے گا۔

حضرت ہارون کے لیے رسالت کا سوال کرنے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس جا کر پیغام حق سنانے کا حکم دیا اور ان کے متعلق فرمایا کیا وہ ڈرتے نہیں ہیں! یعنی فرعون اور اس کی قوم کے حال پر تعجب کرنا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت اور آخرت میں اس کے عذاب سے کس قدر بے خوف ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی خدا اور اس کے کلام کو سنا امام ابو الحسن اشعری کے مذہب کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کلام قدیم کو سنا جو آواز اور الفاظ کی مشابہت سے منزہ ہے اور ابو منصور ماتریدی کے مذہب کے مطابق اللہ تعالیٰ کا وہ کلام سنا جو آواز اور الفاظ کی جنس سے تھا۔

حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب! مجھے قدح ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے اور میرا دل تنگ ہو رہا ہے اور میری زبان (روانی سے) نہیں چل رہی سو تو ہارون کی طرف (بھی) وحی بھیج دے اور ان کا مجھ پر ایک قصور کا الزام ہے سو مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے یعنی حضرت موسیٰ نے یہ کہا کہ مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے جھوٹا قرار دیں گے اس سے مجھے رنج اور افسوس ہوگا اور آپ کا پیغام پہنچانے کے لیے جس روانی سے بات کرنی چاہیے وہ مجھے حاصل نہیں ہے۔ میرے بھائی ہارون میری بہ نسبت زیادہ فصیح اللسان ہیں سو آپ ان کو بھی منصب نبوت عطا فرمائیں۔ سورہ طہ میں اس مضمون کو اس طرح فرمایا تھا:

وَاجْعَلْ لِّي زَيْدًا مِّنْ أَهْلِي ۖ هَٰذَا ذُو ابْنِي ۚ
 اَشَدُّ بِهٖ اَزَّيِّنِي ۚ ذَا شَوْكَةٍ فِیْ اَهْلِي ۚ

اور میرے اہل میں سے میرا ایک وزیر (مددگار) بنا دے ۝
 میرے بھائی ہارون کو ۝ اور ان سے تو میری کمر کو مضبوط کر دے ۝

(طہ: ۳۳-۳۴) اور ان کو میرا شریک کار بنا دے۔

حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی حضرت ہارون کی رسالت کا سوال کیا تھا یا اپنی مدد کے لیے؟

سورہ طہ اور سورہ اشعراء میں یہ ظاہر تقاضا ہے کیونکہ سورہ اشعراء: ۱۳۰ کا یہ معنی ہے کہ تو رسالت کو حضرت ہارون کے ذمہ لگا دے یعنی ان کو رسول بنا دے اور سورہ طہ: ۳۰ کا یہ معنی ہے کہ حضرت ہارون کو میرا مددگار بنا دے اسی طرح سورہ قصص میں فرمایا:

وَإِنِّي هَٰذَا ذُو ابْنِي ۚ هَٰذَا شَوْكَةٌ فِیْ اَهْلِي ۚ

اور میرا بھائی ہارون جو مجھ سے زیادہ فصیح زبان والا ہے تو

وَذَا الْحُسَيْنِ ابْنِ أَخِي أَخَافُ أَنْ يَكُونَ بُونًا

اس کو بھی مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج دے کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ

(انقص ۳۳) وہ مجھے بھلا نہیں گئے۔

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اس تقاض کے جواب میں لکھتے ہیں:

سورة اشعراء: ۱۳ کا یہ معنی ہے کہ تو جبریل کو میرے بھائی کے پاس وحی دے کر بھیج دے تاکہ وہ میری مدد اور معاونت کریں اور اس آیت میں صراحت یہ نہیں فرمایا تاکہ وہ میری مدد کریں جیسا کہ سورة طہ: ۳۰ اور سورة انقص ۳۳ میں فرمایا ہے کیونکہ ان سورتوں میں صراحت رسالت کا ذکر کر دینے سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ درخواست کی تھی کہ ان کی مدد کے لیے حضرت ہارون کو رسول بنا دیا جائے اس لیے سورة اشعراء: ۱۳ کا یہ معنی نہیں ہے کہ تو میرے بھائی حضرت ہارون کو رسول بنا دے اور جب ایک جگہ کسی سبب اور علت کا ذکر کر دیا جائے تو دوسری جگہ اس کو حذف کرنا جائز ہے اور اس حذف پر قرینہ دوسری جگہ اس سبب کا ذکر ہوتا ہے کلام عرب میں اس کی بہت نظائر ہیں۔

(الجامع احکام القرآن ج ۳ ص ۸۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس تقاض کو دور کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علمکں ہے کہ ابتداً حضرت موسیٰ کی درخواست یہی رہی ہو کہ آپ کے بجائے حضرت ہارون کو اس منصب پر مامور کیا جائے اور بعد میں آپ نے محسوس کیا ہو کہ مرضی الہی آپ ہی کو مامور کرنے کی ہے پھر یہ درخواست کی ہو کہ انہیں آپ کا وزیر اور مددگار بنایا جائے یہ سب اس وجہ سے ہوتا ہے کہ یہاں حضرت موسیٰ ان کو وزیر بنانے کی درخواست نہیں کر رہے ہیں بلکہ یہ عرض کر رہے ہیں کہ ہمارا مسئلہ الہی ہماروں آپ ہارون کی طرف رسالت بھیجیں اور سورہ طہ میں یہ گزارش کرتے ہیں کہ میرے لیے میرے خاندان میں سے ایک وزیر مقرر فرمادیجئے میرے بھائی ہارون کو نیز سورہ انقص میں وہ یہ عرض کرتے ہیں کہ میرے بھائی مجھ سے زیادہ زبان آور ہیں لہذا آپ انہیں مددگار کے طور پر میرے ساتھ بھیجئے تاکہ وہ میری تصدیق کریں اس سے خیال ہوتا ہے کہ غالباً یہ موخر الذکر دونوں درخواستیں بعد کی تھیں اور پہلی بات وہی تھی جو حضرت موسیٰ نے اس سورے میں نقل ہوئی ہے۔

(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۳۸۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۹۸۳ء)

ہمارے نزدیک سید ابوالاعلیٰ مودودی کا جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ اس لیے کہ اس جواب سے یہ لازم آتا ہے کہ پیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے وہ دعا کی جو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور فشاء کے خلاف تھی اللہ تعالیٰ انہیں نبی بنانا چاہتا تھا اور وہ نبی دنیا نہیں چاہتے تھے اور انہوں نے یہ کہا کہ تو میرے بجائے میرے بھائی ہارون کو نبی بنا دے تاہیں اس لیے کہ اس جواب کی بنا محض امکان مفروضہ اور انکل چکے پر ہے کسی تاریخی واقعہ کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ پہلے لوگوں واقعہ ہوا اور پھر نازل ہوا بغیر تاریخی شہادت کے صحیح نہیں ہے اور تاہیں اس لیے کہ سورة طہ کا نزول کے اعتبار سے نمبر ۴ ہے (آخری و آخری بابین عاشور) نیز حضرت امین عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا پیسے سورہ طہ نازل ہوئی پھر واقعہ اور اس کے بعد سورة اشعراء نازل ہوئی (روح المعانی ج ۱۹ ص ۱۰۶) پہلے اللہ تعالیٰ نے سورہ طہ نازل کی اور اس میں بتایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون کو اس لیے رسول بنانے کی دعا کی تاکہ وہ ان کے وزیر اور مددگار ہوں اور اس سے بعد سورة اشعراء نازل کی جس میں اس دعا کے سبب کو حذف کر دیا کیونکہ پہلے اس کا ذکر فرما چکا تھا۔ اس لیے وہی جواب صحیح ہے جس کا علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے۔

حضرت موسیٰ کی طرف ذنب کی نسبت کی توجیہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ فرمایا کہ مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک اسرائیلی اور ایک قبطی میں لڑائی ہو رہی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس اسرائیلی کو بچانے کے لیے قبطی کو تادیباً ایک گھونسا مار دیا تھا وہ شخص اتفاقاً گھونسا لگنے سے مر گیا، حضرت موسیٰ نے اس کو قتل کرنے کے ارادہ سے اس کو گھونسا نہیں مارا تھا نہ عداوت کوئی شخص ایک گھونسنے سے مرتا ہے۔ بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ قوم فرعون کو اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی ہے اور وہ اس قبطی کے انتقام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی تیاری کر رہے ہیں تو وہ مصر کو چھوڑ کر مدین کی طرف چلے گئے آٹھ دس سال بعد اچانک اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل فرمائی اور انہیں یہ حکم دیا کہ وہ فرعون اور اس کی قوم کے پاس جائیں اور انہیں اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیں اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خطرہ ہوا کہ ان لوگوں نے تو ان کے خلاف ایک قبطی کو قتل کرنے کے سلسلہ میں پہلے ہی ایک الزام قائم کیا ہوا ہے کہ انہیں تو حید کا پیغام سناتے سے پہلے وہ ان سے اس قتل کے سلسلہ میں باز پرس کرنا شروع کر دیں اور ان سے بدلہ لینے کے لیے ان کو قتل کرنے کی کارروائی شروع کر دیں۔

مکرمین صحت نبوت اس مقام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود گناہ کرنے کا اعتراف کیا ہے ولھم علی ذلک ان کا مجھ پر ایک گناہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ سرزد ہوتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کا محمل یہ ہے کہ ان کے دہم میں میرا ایک گناہ ہے اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ فی الواقع میں نے گناہ کیا ہے کہ کیا قتل کرنا گناہ نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کو قصداً قتل نہیں کیا تھا آپ نے اس کو تادیباً ایک گھونسا مارا تھا اور وہ قضاء الہی سے مر گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا: ہرگز ایسا نہیں ہوگا! سو تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ بے شک تم تہارے ساتھ ہیں (ہر بات) سننے والے! لہذا تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو ہم دونوں رب العالمین کے رسول (بیچے ہوئے) ہیں ۵ کہ تو ہمارا نیکو کار ہے ساتھ روانہ کر دے ۵ فرعون نے کہا کیا تم نے مجھ میں تمہاری پرورش نہیں کی تھی اور تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے پاس بسر نہیں کیے تھے ۵ اور تم نے وہ کام کیے جو تم نے کیے اور تم ہمارے دشمنوں میں سے تھے ۵ موسیٰ نے کہا میں نے وہ کام اس وقت کیا تھا جب میں بے خبروں میں سے تھا ۵ سو جب مجھے تم سے خطرہ محسوس ہوا تو میں تمہارے پاس سے چلا گیا تو میرے رب نے مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے رسولوں میں سے بنادیا ۵ اور کیا تو مجھ پر یہی احسان جتا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے ۵ (اشعراء: ۲۳-۱۵)

فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ناشکری کا الزام لگانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دو چیزوں کا سوال کیا تھا، ایک یہ کہ ان سے فرعون کے شر کو دور کر دیا جائے اور دوسرا یہ کہ ان کے ساتھ حضرت ہارون کو بھی رسول بنادیا جائے اللہ تعالیٰ نے ان کے پہلے سوال کو یہ فرما کر پورا کیا ہرگز ایسا نہیں ہوگا، یعنی فرعون تمہارے خلاف کوئی شرارت نہیں کر سکے گا، اور دوسرے سوال کو یہ فرما کر پورا کیا لہذا تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم دونوں رب العالمین کے رسول ہیں۔

جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون فرعون کے دربار میں اللہ تعالیٰ کا پیغام سناتے کے لیے گئے امام رازی نے کہا وہ ایک سال تک دروازے پر منتظر رہے اور ان کو دربار میں جانے کی اجازت نہیں ملی، حتیٰ کہ دربان نے کہا کہ دربار کے باہر ایک شخص کھڑا ہوا ہے جس کا دہم یہ ہے کہ وہ رب العالمین کا رسول ہے۔ فرعون نے کہا اس کو بلاؤ، ہو سکتا ہے کہ ہم اس سے دل لگا

کریں جب ان دونوں نے پیغام حق سنایا تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان لیا اس نے پیسے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی نعمتیں گنوائیں پھر اپنے زعم کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ناشکری اور احسان ناپسندی کا ذکر کیا۔ اپنی نعمتیں گنواتے ہوئے یہ کہا کیا ہم نے عیجن میں تمہاری پرورش نہیں کی تھی اور تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے پاس بسر نہیں کیے تھے اور اس نے اپنے خیال میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو ناشکری بیان کی وہ یہ تھی اور تم نے وہ کام کیے جو تم نے کیے اور تم ناشکروں میں سے تھے۔ فرعون نے کہا تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے پاس بسر نہیں کیے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس تیس سال رہے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارہ سال کی عمر میں قبلی کو گھونسا مارا تھا اس کے بعد وہاں سے ہجرت کر گئے تھے اور صحیح حدیث کا اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے۔

فرعون نے کہا اور تم ناشکروں میں سے تھے اس قول کے کئی حمل ہیں ایک حمل یہ ہے کہ جس وقت تم نے اس قبلی کو قتل کیا اس وقت تم میرے احسانات کو فراموش کرنے والے تھے اور اس کا دوسرا حمل یہ ہے کہ تم ان لوگوں میں سے تھے جن کی عادت کفرانِ نعمت ہے اور جس شخص کی یہ عادت ہو اس سے یہ بعید نہیں ہے کہ وہ اپنے ولی نعمت کے خواص کو قتل کر ڈالے اور اس کا تیسرا حمل یہ ہے کہ تم فرعون اور اس کی ربوبیت کا کفر کرنے والے تھے یا ان لوگوں میں سے تھے جو فرعون اور اس کی ربوبیت کا کفر کرنے والے تھے۔

حضرت موسیٰ کا ناشکری کے الزام کا جواب دینا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے اعتراض یا اس کے الزام کے جواب میں فرمایا: میں نے یہ کام اس وقت کیا تھا جب میں بے خبروں میں سے تھا یعنی اس وقت مجھ پر وہی نہیں آتی تھی اور اس وقت مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ میرے اس فعل کا کیا انجام ہوگا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ طور نادیب اس کو ایک گھونسا مارا تھا اور آپ کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ ایک گھونسنے سے مر جائے گا اور جو شخص کسی پر ظلم اور زیادتی کر رہا ہو اس کو ناپا کر دوسرے شخص کو ظلم سے بچانا مستحسن کام ہے بلکہ بعض اوقات یہ واجب ہو جاتا ہے وہ قبلی اس اسرائیلی پر ظلم اور زیادتی کر رہا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبلی کو قتل کر دیا اسرائیلی کو اس کے ظلم سے بچایا مگر وہ قبلی اس ضرب سے مر گیا ان کا قصد اس کو قتل کرنا نہیں تھا ان کے پاس کوئی آہ قتل تھا۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوئی قصور نہیں تھا۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وضاحت فرمائی کہ انہوں نے عمر فرعون کے احسانات کا کفر کرنے کے لیے اس قبلی کو قتل نہیں کیا تھا اس لیے فرعون کا حضرت موسیٰ کو ناشکروں میں سے قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ نے فرمایا: سو جب مجھے تم سے خطرہ محسوس ہوا تو میں تمہارے پاس سے چلا گیا اس قول سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مراد یہ تھی جب میں نے اس قبلی کو گھونسا مارا تھا اس وقت میں اس سے بے خبر تھا کہ میرا یہ عرصہ جان لیوا ثابت ہوگا میرا یہ فعل زیادہ سے زیادہ مجھ کے حکم میں تھا اور میں اس فعل کی وجہ سے مصر سے نکل جانے کا مستحق نہ تھا۔ اس کے باوجود جب میں نے سنا کہ تمہارے درباری مجھے قتل کرنے کی سازش کر رہے ہیں تو پھر میں مصر چھوڑ کر مدین کی طرف چلا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وضاحت سے یہ بتایا کہ نہ میں نے کوئی ناشکری کی اور نہ تمہارا مجھ پر کوئی احسان ہے بلکہ درحقیقت تم نے میرے ساتھ بدسلوکی کی کیونکہ جو حمل مجھ سے ہو اس پر زور دیا وہاں تم نے اس کی وجہ سے میرے قتل کا منصوبہ بنایا۔

علم کے کمال کے بعد منصب نبوت عطا فرمانا

اس کے بعد فرمایا تو میرے رب نے مجھے حکم عطا فرمایا اے اللہ مجھے رسولوں میں سے بنادیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مطلب

یہ تھا کہ تم نے تو میرے ساتھ بدسلوکی کی لیکن میرے رب نے مجھ پر احسان فرمایا یا میں طوطہ کہ مجھے حکم حطاف دیا اور مجھے رسولوں میں سے بنادیا۔

اس آیت میں حکم سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں، لیکن سابع نے کہا اس سے مراد نبوت ہے، اور قتال نے کہا اس سے مراد فہم اور علم ہے۔ (زبد المسیر ج ۶ ص ۳۰) امام رازی نے اس کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد فہم اور علم ہے، کیونکہ نبوت کا ذکر تو اس کے بعد اس قول میں مذکور ہے اور مجھے رسولوں میں سے بنادیا اور معطوف معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے، پس حکم سے مراد علم اور فہم ہے، اور علم میں عقل اور رائے بھی داخل ہے اور حکم علم سے مراد تو حید کا علم لیا جائے تو وہ زیادہ قریب ہے، کیونکہ اس وقت تک کسی کو منصب نبوت پر فائز کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کی عقل رائے اور تو حید کا علم کامل نہ ہو جائے۔

فرعون کے اس احسان کا جواب کہ اس نے حضرت موسیٰ کی پرورش کی تھی

فرعون نے حضرت موسیٰ پر یہ احسان بنایا تھا: کیا ہم نے بچپن میں تمہاری پرورش نہیں کی تھی اور تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے پاس بسر نہیں کیے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا اور کیا تو مجھ پر بھی احسان بناتا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنادیا ہے!

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس جواب کی حسب ذیل تقریریں ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس کے ہاتھوں میں تربیت اس وجہ سے ہوئی کہ اس نے بنو اسرائیل کو غلام بنادیا تھا اور ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا، لہذا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا اگر تو ہم پر اور ہمارے آباء و اجداد پر یہ ظلم نہ کرتا کہ بنو اسرائیل کو غلام بناتا اور ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا تو میں تیری پرورش کرنے سے مستغنی ہوتا، سو تیری پرورش مجھ پر کوئی احسان نہیں ہے۔

(۲) تو نے میری پرورش ضرور کی تھی لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنایا تھا تو تیری پرورش کا احسان اس ظلم کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔

(۳) صن بصری نے کہا اس کی تقریر یہ ہے کہ تو نے بنو اسرائیل کو غلام بنایا اور ان کے مال و متاع پر قبضہ کر لیا اور میری پرورش کے لیے تو نے اسی مال کو خرچ کیا تو اس میں تیرا مجھ پر کیا احسان ہے۔

(۴) میری جن لوگوں نے پرورش کی ہے وہ وہی لوگ ہیں جن کو تو نے غلام بنادیا تھا تو تیرا مجھ پر کیا احسان ہے! کیونکہ میری پرورش میری ماں نے کی تھی اور ان لوگوں نے جن کو تو نے غلام بنادیا تھا تو نے میرے ساتھ یہی کیا تھا کہ مجھ کو قتل نہیں کیا تھا اور کسی شخص کا کسی کو قتل نہ کرتا اس پر احسان نہیں ہے۔

(۵) تیرا یہ دعویٰ ہے کہ بنو اسرائیل تیرے غلام ہیں اور مولیٰ اپنے غلاموں کے کھانے پینے اور ان کی ضروریات پر جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ اس کی ذمہ داری اور اس کا فرض ہے تو اس میں تیرا مجھ پر کیا احسان ہے۔

کافر اگر کسی کے ساتھ نیکی کرے تو آیا وہ شکر کا مستحق ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر کافر کسی شخص کے ساتھ کوئی نیکی یا حسن سلوک کرے تو اس کے کفر کے باوجود اس کی وہ نیکی باقی رہے گی یا اس کے کفر کی وجہ سے وہ نیکی زائل ہو جائے گی۔ بعض علماء نے کہا کہ کافر لوگوں کے ساتھ جو نیکی کرتا ہے وہ لوگوں سے اس نیکی پر شکر کا مستحق نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنے کفر کی وجہ سے اس بات کا مستحق ہوتا ہے کہ اس کی توہین کی جائے اور وہ اپنی نیکی کی وجہ سے اس کا مستحق ہو کہ اس کا شکر ادا کیا جائے اور شکر کا معنی یہ ہے کہ انعام کرنے والے کی تعظیم کی جائے

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کے متعلق حضرت موسیٰ اور فرعون کا مباحثہ

فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی پرورش کا احسان رکھتا چاہتا تھا اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دلائل سے ثابت کر دیا کہ ان کی پرورش میں اس کا کوئی احسان نہیں ہے تو اس نے بات کا رخ موڑنے کے لیے کہا بتاؤ رب العالمین کی کیا تعریف ہے؟ کیونکہ وہ خود اپنے لیے رب ہونے کا مدعی تھا۔ جب کسی چیز کی تعریف کی جاتی ہے تو تعریف میں اس چیز کے اجزاء اور اس کی جنس اور فصل بیان کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اجزاء اور جنس اور فصل سے پاک ہے۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات کے ساتھ تعریف کی جو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی پر صادق نہیں آتیں۔ کیونکہ تعریف سے یہی مقصد ہوتا ہے کہ جس چیز کی تعریف کی جائے وہ دوسروں سے مکمل طور پر ممتاز ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی تعریف میں فرمایا وہ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز حادث اور فانی ہے۔ کوئی چیز بھی پہلے موجود نہ تھی پھر اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے موجود ہوئی۔ خود فرعون بھی پہلے موجود نہ تھا سو وہ بھی حادث ہے تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کی یہ شان نہیں کہ وہ تمام آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہو۔ اس کا نکات میں نظم اور ضبط کا تسلسل اور ہر چیز کا ان محنت حکمتوں پر مبنی ہونا زبان حال سے پکار پکار کر کہتا ہے کہ اس کا نکات کا کوئی خالق ہے اور وہ ممکن اور حادث نہیں ہے ورنہ وہ ان ہی کی طرح ہوتا لہذا وہ واجب اور قدیم ہے۔

چونکہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا تھا کہ بتاؤ رب العالمین کیا ہے؟ یعنی اس کی مابیت کیا ہے؟ اور حضرت موسیٰ نے اس کے جواب میں رب العالمین کی وہ صفات بیان کیں جن میں وہ یکتا اور منفرد ہے جن سے وہ دوسروں سے ممتاز ہے تو فرعون نے اپنے درباریوں کی طرف رخ کر کے کہا کیا تم غور سے سن رہے ہو؟ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں نے رب العالمین کی مابیت اور حقیقت پوچھی تھی اور یہ اس کی صفات بیان کر رہے ہیں! اس جاہل کو یہ پتا نہیں تھا کہ مابیت اس چیز کی ہوتی ہے جس کے اجزاء ہوں اور جنس اور فصل ہو اور اللہ تعالیٰ جنس اور فصل سے پاک اور اجزاء اور حقیقہ سے پاک اور منزہ ہے۔ اجزاء کسی مرکب چیز کے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ واحد ہے جو اجزاء سے بنا ہو وہ حادث ہوتا ہے اور اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ واحد ہے اور کسی کا محتاج نہیں ہے سب اس کے محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف صرف ان صفات سے کی جاسکتی ہے جن صفات میں وہ منفرد ہے اور سب سے ممتاز ہے سو وہ تعریف حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے پھر مزید وضاحت کے لیے حضرت موسیٰ نے فرمایا وہ تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے اس قول سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بتایا کہ تو بھی حادث اور مخلوق ہے اور تیرے باپ دادا بھی حادث اور مخلوق تھے۔ کیونکہ تیرے وجود سے پہلے تیرا عدم تھا اور تیرے باپ دادا کے وجود سے پہلے ان کا عدم تھا اور جس کے وجود سے پہلے اس کا عدم ہو وہ حادث ہوتا ہے سو تو بھی حادث اور مخلوق ہے اور تیرے باپ دادا بھی حادث اور مخلوق تھے اور جو حادث اور مخلوق ہو وہ خدا ہو سکتا ہے نہ خالق ہو سکتا ہے۔ خدا اور خالق وہ ہے جس نے تجھ کو اور تیرے باپ دادا کو پیدا کیا۔ حضرت موسیٰ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی عام صفات سے استدلال کیا تھا اب اس کی خاص صفات سے استدلال کیا۔ کیونکہ انسان آسمانوں زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کے احوال کی بہ نسبت اپنے اور اپنے باپ دادا کے احوال بہتر طریقہ سے پہچانتا ہے۔ فرعون حضرت موسیٰ کی اس دلیل کا بھی حسب سابق کوئی جواب نہ دے سکا تو مجبوراً کہہ کر کہنے لگا (اے لوگو!) بے شک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور مجنون ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک اور اسلوب سے رب العالمین کی تعریف کی اور کہا وہ مشرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے اگر تم صل

رہتے ہو۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ رب العالمین وہ ہے جو سورج اور چاند ستاروں کو ایک مقرر وقت اور ایک مقرر جہت سے طلوع کرتا ہے اور ایک مقرر وقت اور مقرر جہت میں غروب کرتا ہے جو اس کا نکات کے نظام کو چلا رہا ہے جب تو نہ تھا تب بھی سورج اسی طرح طلوع اور غروب ہوتا تھا اور جب تیرے باپ دادا نہ تھے تب بھی یہ نظام کا نکات اسی طرح چل رہا تھا سو اس کا نکات کا رب تو ہے نہ تیرے باپ دادا۔ اس کا نکات کا رب وہی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ فرعون جب حضرت موسیٰ کے دلائل سے عاجز آ گیا تو ہمکنیاں دینے پر اتر آیا اور اس نے کہا:

آیا فرعون موجد تھا، مشرک تھا یا دہریہ؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فرعون نے کہا: اے موسیٰ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں ضرور تم کو قیدیوں میں شامل کروں گا۔

دنیا میں یہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ جب کوئی ظالم اور چارہ فحش دلائل کا جواب دینے سے عاجز ہو جاتا ہے تو پھر وہ ظلم اور جبر کرنے اور ہمکنیاں دینے پر اتر آتا ہے فرعون نے بھی جب یہ دیکھا کہ وہ حضرت موسیٰ کے دلائل کا جواب نہیں دے سکتا تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہمکنیاں دینی شروع کر دیں اور کہا اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تم کو قید خانے میں ڈال دوں گا۔

قرآن مجید کی بعض آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتا تھا اور اپنے رب ہونے کا دعویٰ دار تھا اور بعض آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ مانتا تھا کہ اس کا نکات کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے پہلے ہم وہ آیات پیش کر رہے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی الوہیت اور ربوبیت کا مدعی تھا:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأَ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي ۚ (تہس: ۲۸)

فرعون نے کہا اے قوم کے سردارو! میں اپنے سوا تمہارا کوئی اور معبود نہیں جانتا!

فَقَالَ تَارِكًا لَّكَ الْآخِرَ ۝ (فرط: ۲۳)

بلکہ، (فرعون نے) کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذَتِ الْإِثْمَ غَيْرِي لَآتِيَنَّكَ عَذَابِي ۝ (اشرا: ۲۹)

(فرعون نے) کہا اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود قرار دیا تو میں ضرور تم کو قیدیوں میں شامل کروں گا۔

اور درج ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کو مانتا تھا۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا أَنزَلْنَا فَكُلُّوا مِمَّا رَزَقْنَاهُ وَأَطِيعُوا أَمْرًا ۝ (الشعور: ۱۰)

وَالَّذِينَ يَصِفُونَ أَوْلِيَ الْأَعْيُنِ لِقَوْلِهِمْ أَتَيْنَاهُم بِمَثَلٍ ۝ (نہی امرا: ۱۰۳)

(موسیٰ نے) کہا تو خوب جانتا ہے کہ یہ مغزات آسمانوں اور زمینوں کے رب نے ہی نازل کیے ہیں اور اے فرعون میں گمان کرتا ہوں کہ تو ہلاک کیا ہوا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول برحق تھا اور اس سے معلوم ہوا کہ فرعون کو یقین تھا کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعویٰ پر تجرہ کرتے ہوئے کہا:

هَلْؤَلَا الْإِنبِيَاءُ عَلَيْهِمْ أَسْوَأُ فَا مِّنْ ذَهَبٍ أَتُوجَدُونَ مَعَهُ ۝ (الزمر: ۵۳)

(اگر یہ نبی ہیں تو) ان کے اوپر سونے کے ٹکڑے کیوں نہیں گرائے گئے یا ان کے ساتھ مہف پمف فرشتے ہی آ جاتے۔

یعنی فرعون کے نزدیک حضرت موسیٰ کے اللہ کے رسول ہونے کے دعویٰ کے صادق ہونے کا معیار یہ تھا کہ فرشتے ان کے

رسول اللہ ہونے کی تصدیق کرتے اس آیت سے معلوم ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو مانتا تھا۔

وَقَالِ الْمَلَائِكَةُ أَوْفِرْ فِرْعَوْنَ أَتَدْرِكُهُ الْمَوْتُ
اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا کیا تو
موتی اور اس کی قوم کو زمین میں فساد کرنے کے لیے چھوڑ دے؟
(۱۱۱: اعراف) تاکہ وہ تجھ کو اور تیرے سے پیوستہوں کو چھوڑ دے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قطیوں کے نزدیک فرعون کئی خداؤں کی پرستش کرتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ستاروں کی پرستش کرتا ہو یا بتوں کی پرستش کرتا ہو اور وہ یہ بھی مانتا ہو کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا کوئی رب ہے اور چونکہ وہ مصر کا مطلق العنان بادشاہ تھا تو اس بادشاہی کے غرور میں وہ اپنی رعایا سے سجدہ کرتا ہوا اور اپنے آپ کو خدا کہلاتا ہو۔
قاضی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

شاید کہ فرعون دھر یہ تھا یا اس کا یہ اعتقاد تھا کہ جو شخص کسی علاقہ کا بادشاہ ہو جائے یا اپنی طاقت اور اپنے زور سے کسی علاقہ پر قبضہ کر لے وہ اس علاقے کے لوگوں کی عبادت کا مستحق ہوتا ہے۔
(تفسیر طبرستانی مع الکفای من علم ۷۷ مطبوعہ دارکتب العلمیہ بیروت ۱۳۷۷ھ)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۴۳ھ نے لکھا ہے:
فرعون کسی صانع اور پیدا کرنے والے کو نہیں مانتا تھا بلکہ وہ پیدا کرنے والے کا بالکل یہ منکر تھا۔
(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۹ھ)

سورۃ الاعراف: ۱۲۷ میں فرعون کے خداؤں کا ذکر ہے اور سورۃ الزمر: ۱۵۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں پر یقین رکھتا تھا اور بنی اسرائیل: ۱۰۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون اس کو مانتا تھا کہ آسمانوں اور زمینوں کا کوئی رب ہے ان آیات کی روشنی میں حافظ ابن کثیر کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فرعون صانع اور پیدا کرنے والے کا منکر تھا۔
علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے لکھا ہے:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا فرعون کو یہ علم تھا کہ اس جہان کا کوئی رب ہے اور وہ اللہ عزوجل ہے یا اس کو یہ علم نہیں تھا بعض نے کہا اس کو یہ علم تھا کیونکہ حضرت موسیٰ نے فرعون سے فرمایا تھا تو خوب جانتا ہے کہ یہ مجربات آسمانوں اور زمینوں کے رب نے ہی نازل کیے ہیں (بنی اسرائیل: ۱۰۲) اور بعض نے یہ کہا کہ چونکہ اس نے حضرت موسیٰ سے یہ سوال کیا تھا کہ رب العالمین کی کیا تعریف ہے؟ (اشعراء: ۲۳) اس سے معلوم ہوا کہ وہ رب العالمین کے وجود کا محرف تھا اور اس نے جو اپنی قوم سے یہ کہا تھا میں تمہارا رب سے بڑا رب ہوں (الفرص: ۲۳) یہ اپنی قوم کو ڈرانے کے لیے کہا تھا کیونکہ وہ اپنی قوم کو بہت حقیر سمجھتا تھا اور یہ اس کا اعتقاد نہیں تھا اور وہ یہ کہنے اعتقاد کر سکتا تھا کہ وہ اس جہان کا رب ہے حالانکہ وہ جانتا تھا کہ وہ پہلے موجود نہیں تھا پھر موجود ہوا اور اس جہان پر ہزاروں برس گزر چکے تھے جب اس کا وجود نہیں تھا اور بعد میں بھی اس کے قبضہ میں صرف مصر کا ملک تھا اور بعض علماء نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جا مل تھا اس کے باوجود وہ اپنے دل میں یہ اعتقاد نہیں رکھتا تھا کہ وہ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا خالق ہے بلکہ وہ دیر پہلے تھا اور پیدا کرنے والے کا منکر تھا اور اس کا یہ اعتقاد تھا کہ افلاک واجب الوجود ہیں اور تمام حوادث الافلاک کی حرکات سے وجود میں آتے ہیں اور اس کا یہ اعتقاد تھا کہ جو شخص زمین کے کسی علاقے کا مالک ہو جائے یا کسی علاقے پر اپنی طاقت سے قبضہ کر لے وہ اس علاقے کے لوگوں کی عبادت کا مستحق ہو جاتا ہے اور وہ ان کا رب بنتا ہے اس لیے اس نے الوہیت اور ربوبیت کو اپنے ساتھ خاص کر لیا

اور کہا کہ ”مجھے اپنے ساتھ ہمارے کسی اور معبود کا علم نہیں ہے۔ (اتقصص: ۲۸) اور بعض علماء نے یہ کہا کہ وہ ان لوگوں میں سے تھا جن کا یہ اعتقاد ہے کہ رب سبحانہ کا بعض ذوات میں حلول ہے اور اس کا یہ اعتقاد تھا کہ خود اس میں بھی رب سبحانہ کا حلول ہے اسی لیے وہ اپنے آپ کو اللہ کہتا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ اپنی الوہیت کا بھی مدعی تھا اور دوسروں کی الوہیت کا بھی مدعی تھا جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو زمین میں فساد کرنے کے لیے چھوڑ دے گا تا کہ وہ تجھ کو اور تیرے معبودوں کو چھوڑے رہیں (۱۷۷: اعراف) اور یہ تمام اقوال بعید ہیں۔

اور جس چیز پر میرا مبنی غالب ہے اور جو اکثر آج کل کا تقاضا ہے وہ یہ ہے کہ فرعون اللہ عز و جل کو پہچانتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ وہی اس جہان کا خالق ہے مگر اس کی حکومت کا غرور اس پر غالب آ گیا اس لیے اس نے اپنے علم اور اپنے اعتقاد کے خلاف اپنی قوم کے سامنے اعجاز کیا اور اس کے ملک میں جن لوگوں پر جہالت کا غلبہ تھا اور جن کی عقل ناقص تھی انہوں نے اس قول پر یقین کر لیا اور یہ بعید نہیں ہے کہ کچھ لوگ ایسی خرافات پر یقین کر لیں اور یہ نہ جان سکیں کہ یہ باتیں بدیہیات کے خلاف ہیں۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۱۸۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کے واجب قدیم اور واحد ہونے کے دلائل کی مزید وضاحت

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ رب العالمین کی کیا تعریف ہے اللہ تعالیٰ واجب الوجود اور قدیم بالذات ہے اور جو واجب اور قدیم ہو اس کی حقیقت کا ادراک کرنا کسی انسان کے لیے محال ہے اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی تعریف اس کی صفات مختصہ سے کی کہ وہ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے فرعون نے یہ سن کر حضرت موسیٰ کا مذاق اڑایا اور اپنے اہل دربار سے کہا کیا تم غور سے سن رہے ہو! اس کا مطلب یہ تھا کہ دیکھو میں رب العالمین کی تعریف اور مائیت پوچھ رہا ہوں اور یہ اس کی صفات کو بیان کر رہے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اس کی جہالت کو دیکھا تو اسلوب تبدیل کیا پہلے اللہ تعالیٰ کی عام صفات سے استدلال کیا تھا اب اس کی خاص صفت سے استدلال کیا کہ وہ تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے کیونکہ انسان تمام آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کی بہ نسبت اپنے آپ کو اور اپنے باپ دادا کو اور ان کے احوال کو بجز طور پر جانتا ہے اس کو معلوم تھا کہ وہ پیدا ہونے سے پہلے نہ تھا اور تمام دنیا اسی طرح تھی انسان پیدا ہو رہے تھے نہ وہ چڑھ رہے تھے اور سر رہے تھے تمام حیوانوں اور تمام درختوں کا بھی حال تھا سارا نظام اسی طرح چل رہا تھا جب کہ وہ اپنی پیدائش کے ابتدائی مراحل میں ایک کبھی بھی نہیں اڑا سکتا تھا پھر اللہ تعالیٰ اس کو پردہ کش کرنا رہا ”سن بلوغ اور پھر ادھر حرکت پہنچایا“ اس کے باپ دادا مر گئے وہ ان کے بعد تخت نشین ہو گیا اور وہ بھی ایک دن مر جائے گا اور یہ نظام یونہی چل رہے گا تو وہ اس کا نکتہ اور اس کے نظام کا خالق کیسے ہو سکتا ہے! وہ جب بیدار ہوتا ہے تب بھی اس دنیا کا نظام چل رہا ہے اور جب وہ سو جاتا ہے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے پھر بھی یہ نظام اس طرح چل رہا ہے تو وہ اس دنیا کا پیدا کرنے والا اور اس کے نظام کا خالق نہیں ہو سکتا اس کا خالق ضرور ایسا ہے جو پیدا ہونے، مرنے، سونے، جاگنے اور دیگر تصریحات سے منزہ ہو جو واجب اور قدیم ہو اور ہر چیز سے مستغنی ہو اور واحد ہو کیونکہ واجب اور قدیم میں تعدد نہیں ہو سکتا نیز آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں اور خود فرعون اور اس کے باپ دادا کے احوال کو دیکھو ان کے نظام میں وحدت ہے سورج ہمیشہ ایک سمت سے نکلتا ہے اور ایک سمت میں غروب ہوتا ہے یہی حال چاند اور ستاروں کا ہے درختوں، حیوانوں، انسانوں اور خود اپنے اور اپنے باپ دادا میں غور کرو ان کے پیدا

ہونے پرورش پانے اور مرنے میں غور کرو کیا سب کچھ واحد اور طریقہ واحد ہے نہیں ہے اگر اس نظام کے حدود عام ہوتے ہیں تب بھی ان میں اسی طرح یکسانیت ہو سکتی تھی! تو ضرور ان کا خالق واحد ہے وہ واجب بھی ہے قدیم بھی ہے اور واحد بھی ہے فرعون اس محفل دلیل کا جواب نہ دے سکا تو اس نے کہا (اے لوگو!) بے شک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور مجنون (دیوانہ) ہے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے بھی آسان دلیل پیش کی کہ وہ شرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے اگر تم عقل رکھتے ہو یعنی اگر تم عقل رکھتے ہو تو بتاؤ کہ اگر فرعون اپنے رب ہونے کے دعویٰ میں سچا ہے تو وہ سورج چاند اور ستاروں کے طلوع اور غروب میں کوئی تغیر کر سکتا ہے کیا وہ سورج کو چاند کی جگہ سے اور چاند کو سورج کی جگہ سے طلوع کر سکتا ہے؟ کیا وہ دن اور رات کے توہر دہن کوئی تبدیلی کر سکتا ہے مثلاً دن ایک گھنٹہ کا یا ایک ہفتہ کا ہو جائے یا رات میں ایسی کمی بیشی ہو جائے کیا وہ زری پیداوار کے نظام کو بدل سکتا ہے مثلاً زمین سے غلہ پیدا ہونے کے بجائے آسمان سے ندر برسنے لگے آسمان سے بارش نازل ہونے کے بجائے ہر جگہ زمین سے پانی اگلنے لگے کیا وہ انسانوں اور حیوانوں کے طبعی تقاضوں کو بدل سکتا ہے کہ ان سے بھوک پیاس اور جنسی خواہشات کو قہر کر دے اور جب وہ یہ سب کچھ نہیں کر سکتا تو کیوں نہیں مان لینا کہ شرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب وہ نہیں ہے بلکہ کوئی اور ذات ہے جس نے شرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا نظام بنایا ہے جس کے بنائے ہوئے نظام میں ابتداء و آخر پیش سے لے کر آج تک ذرہ برابر تبدیلی نہیں ہوئی اور فرق نہیں ہوا وہ واجب قدیم اور واحد ہے وہی آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے وہی تیرے اور تجھ سے پہلے تیرے باپ دادا کا رب ہے اور وہی شرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے۔ فرعون جب حضرت موسیٰ کے ان دلائل کا جواب نہ دے سکا تو دھمکیوں پر اتر آیا اور کہنے لگا اے موسیٰ اگر تم میرے سوا کسی اور کو معبود قرار دے تو میں ضرور تم کو قیدیوں میں شامل کر دوں گا۔

مباحثہ میں اشتعال میں نہ آنا اور مخاطب کی فہم کے لحاظ سے دلائل کے اسالیب کو تہدیل کرنا

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مباحثہ میں بہت بدتمیزی اور بدزبانی کی پہلے ان کا مذاق اڑایا اور اہل دربار سے کہا ان کی باتیں سن رہے ہو پھر کہا یہ شخص ضرور مجنون ہے پھر کہا میں تم کو ضرور قیدیوں میں شامل کروں گا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی کسی بدزبانی کا بدکاری سے جواب نہیں دیا بلکہ قہر و قابضی کی اور شائستگی کے ساتھ اسے موقف پر دلائل پیش فرماتے رہے اس سے معلوم ہوا کہ مباحثہ میں فریق مخالف کی بدزبانی سے طیش میں نہیں آنا چاہیے بلکہ تحمل اور وقار کے ساتھ بحث جاری رکھنی چاہیے اور یہی انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مباحثہ میں جب فریق مخالف ایک طریقہ سے بات نہ سمجھ سکے تو اسلوب بدل کر دلائل پیش کرنا چاہئیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مباحثہ میں مختلف انداز اور اطوار سے دلائل پیش فرماتے رہے۔

فرعون نے یہ دھمکی دی کہ میں تم کو ضرور قیدیوں میں شامل کروں گا اور یہ نہیں کہا کہ میں تم کو ضرور قید کروں گا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ وہ قیدیوں سے کس طرح کا سلوک کرتا ہے کیونکہ وہ جس کو قید کرتا تھا اس کو گناہات گہرے اور اندھے کوئیں میں ڈال دیتا تھا جس کو وہاں کچھ دکھائی دیتا تھا نہ سنائی دیتا تھا اور یہ قتل کرنے کی بہ نسبت زیادہ شدید سزا تھی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

موسیٰ نے کہا خداوند تمہارے پاس کوئی روشن چیز بھی لے آؤں! فرعون نے کہا اگر تم سچے ہو تو وہ چیز لے آؤ! پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ پکار پکار کر کھلم کھلا اڑ دیا انہوں نے کہا اور انہوں نے اپنا ہاتھ نکالا تو وہ اچانک دیکھنے والوں کے لیے چمک بھانک گیا

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد تو اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل پیش کرنا تھا اور اسی پر مباحثہ ہو رہا تھا پھر انہوں نے اس بحث کے اخیر میں اپنی نبوت اور رسالت پر معجزات کیوں پیش کرنے شروع کر دیے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس طریقہ سے بھی اللہ تعالیٰ کی توحید ہی ثابت کر رہے تھے کیونکہ جب یہ ثابت ہو جائے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے صادق اور برحق رسول ہیں تو پھر ان کا یہ دعویٰ بھی ثابت ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام جہانوں کا رب ہے اور وہ واجبِ تقدیم اور واحد ہے۔

اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدت پر جو دلائل پیش کیے تھے وہ علمی اور عقلی تھے جن کے متعلق یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ وہ فرعون کے درباریوں اور عوام کی سمجھ میں نہ آئیں اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اب اسلوب بدل کر حسی دلائل پیش کیے جن کا سب لوگ مشاہدہ کر رہے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک لاشی کو زمین پر ڈالا اور وہ لاشی مکمل کھلا اژدہا بن گئی دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ اژدہا ایک میل لمبا تھا وہ فرعون کی طرف لپکا اور اس کے جڑوں میں فرعون کا سر آیا چاہتا تھا اور وہ کہنے لگا: اے موسیٰ! آپ جو چاہیں مجھے حکم دیں پھر فرعون نے گھبرا کر اور خوف زدہ ہو کر کہا: اے موسیٰ! میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں تم اس اژدہے کو پکڑ لو حضرت موسیٰ نے اس اژدہے پر ہاتھ ڈالا تو وہ پھر اسی طرح لاشی بن گیا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۶۰۸۵)

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوسرا معجزہ دکھایا اور اپنی بغل میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ سورج کی شعاعوں کی طرح روشن تھا اور لوگوں کی نگاہیں اس سے خیرہ ہو رہی تھیں اور جب دوبارہ بغل میں ہاتھ ڈالا تو وہ پھر پہلے کی طرح ہو گیا اور لوگوں نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات کا مشاہدہ کیا اور اس کے مقابلہ میں فرعون کا عاجز ہونا دیکھا تو ان کے سامنے یہ بات آگئی کہ حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں اور ان کا یہ دعویٰ سچا ہے کہ تمام جہانوں کا رب صرف اللہ ہے جو واجبِ تقدیم اور واحد ہے ماننا نہ ماننا الگ بات ہے۔

شبانِ حیات اور جان کے معانی

ایک اور بحث اس باب میں یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کا جو عصا اژدہا بن گیا تھا اس کو اس آیت: (اشعراء: ۳۳) میں قُلُوبُنَا فُتِنَتْ فرمایا ہے اور ایک جگہ قُلُوبُنَا فُتِنَتْ فَكُنَّا كَالْأَنْعَامِ حَتَّىٰ نَخْشِيَ (۲۰۰) فرمایا ہے کہ جانک وہ ایک سانپ تھا جو دوڑ رہا تھا اور تیسری جگہ فرمایا: فَتَنَّا قُلُوبَهُمْ فَانْجَبَتْ عَنْ قَوْمِهِمُ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَةُ (۳۱) گویا کہ وہ لہراتا ہوا سانپ ہے۔ جان اس سانپ کو کہتے ہیں جو صغریٰ طرف مائل ہو اور شبان اس سانپ کو کہتے ہیں جو کبریٰ طرف مائل ہو اور اوجیہ سانپ کا اسم جنس ہے وہ سانپ جب بہت بڑی شکل اختیار کرتا تو اس کو شبان (اژدہے) سے تعبیر فرمایا اور جب اس سے چھوٹی شکل اختیار کرتا تو اس کو جان سے تعبیر فرمایا۔ شبان کے لغوی معنی ہیں اژدہا اوجیہ کے معنی ہیں سانپ اور سانپ کے لہراتے ہوئے چمن کو جان کہتے ہیں۔

قَالَ لِلْمَلَاحِقَةِ إِنَّ هَذَا السَّحَرُ عَلَيْهِمْ ۖ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ

فرعون نے اپنے ارد گرد بیٹھے ہوئے سرداروں سے کہا ہے ملک یہ ضرور کوئی ماہر جادوگر ہے O یہ اپنے جادو کے ذریعہ تم کو

مِنْ أَرْضِكُمْ بِسَحَرِهِ ۖ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿۲۵﴾ قَالُوا أَرْجَاهُ وَ

تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے سو اب تم کیا مشورہ دیجئے ہو O انہوں نے کہا اس کو اور اس کے بھائی کو نصیراؤ

أَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿٦١﴾ يَا تَوَكُّلْ بِكُلِّ سَعَاءٍ عَلَيْهِمْ

اور (مختلف) شہروں میں جادوگروں کو اکٹھا کرنے والوں کو بھیج دو ﴿۶۱﴾ جو تمہارے پاس ہر بڑے ماہر جادوگر کو لے کر آئے

جَمِيعَ السَّحَرَةِ لِيَقَاتِ يَوْمَ مَعْلُومٍ ﴿٦٢﴾ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ

سو ایک مقرر دن کے وعدہ پر تمام جادوگر اکٹھے کیے گئے ﴿۶۲﴾ اور عوام سے کہا گیا

أَنْتُمْ جُحْتَمِعُونَ ﴿٦٣﴾ لَعَلَّانْتَدِبَ السَّحَرَةُ إِنْ كَانُوا هُمْ الْغَالِبِينَ ﴿٦٤﴾

آیا تم بھی اکٹھے ہو گئے؟ ﴿۶۳﴾ اگر وہ غالب آ گئے تو شاید ہم ان جادوگروں ہی کی جڑی کریں ﴿۶۴﴾

فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَإِنَّا لَنَأْجِزُ إِنْ كُنَّا

سو جب جادوگر آ گئے تو انہوں نے فرعون سے کہا اگر ہم غالب آ گئے تو کیا ہم کو

مُخِّنُ الْغَالِبِينَ ﴿٦٥﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَمِنَ الْمُفْرَقِينَ ﴿٦٦﴾

اٹھام لے گا؟ ﴿۶۵﴾ فرعون نے کہا ہاں اس صورت میں تم میرے خواص اور مقررین سے ہو جاؤ گے ﴿۶۶﴾

قَالَ لَهُمْ مُوسَى الْقَوَامَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ﴿٦٧﴾ فَالْقَوَا حِبَالَهُمْ

موسیٰ نے ان سے کہا تم ان چیزوں کو ڈالو جن کو تم ڈالنے والے ہو ﴿۶۷﴾ تو انہوں نے اپنی رسیاں

وَعَصِيَّتُهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ﴿٦٨﴾ فَالْقَى

اور اپنی لاشیاں ڈالیں اور کہا فرعون کی عزت کی قسم ایقیناً ہم ہی غالب ہیں ﴿۶۸﴾

مُوسَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿٦٩﴾ فَالْقَى السَّحَرَةُ

موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو اچانک وہ ان کی شعیبہ بازوئیں کو نٹکے لگا ﴿۶۹﴾ سو اسی وقت تمام جادوگر

سُجِدِينَ ﴿٧٠﴾ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٧١﴾ رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ ﴿٧٢﴾

سجدے میں گر گئے ﴿۷۰﴾ انہوں نے کہا ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے ﴿۷۱﴾ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے ﴿۷۲﴾

قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُم

فرعون نے کہا تم مجھ سے اجازت لینے سے پہلے اس پر ایمان لے آئے! یقیناً وہی تمہارا وہ بڑا ماہر جادوگر ہے جس نے تمہیں

السَّحَرُ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ لَا قُطْعَنَ أَيْدِيكُمْ وَارْجُلَكُمْ قِن

جادو کشایا ہے، سو مغرب تمہیں معلوم ہو جائے گا، میں ضرور تمہارے ہاتھوں اور پیروں کو (ہر ایک کی)

خِلَافٍ وَلَا وَصَلِبَتَكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۳۹﴾ قَالُوا الْأَصْدِرُ إِنَّا إِلَىٰ سَمِيتَا

مخالف جانب سے کاٹ ڈالوں گا، اور میں ضرور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا ○ انہوں نے کہا کوئی مضائقہ نہیں، ہم اپنے رب

مُنْقَلِبُونَ ﴿۴۰﴾ إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطِيئَاتِنَا إِنَّ كُنَّا أَوَّلَ

کی طرف لوٹنے والے ہیں ○ بے شک ہماری یہ خواہش ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہوں کو بخش دے کیونکہ ہم سب سے

الْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۱﴾

پہلے ایمان لانے والے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرعون نے اپنے ارد گرد بیٹھے ہوئے سرداروں سے کہا بے شک یہ ضرور کوئی ماہر جادوگر ہے ○ یہ اپنے جادو کے ذریعہ تم کو تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے سو اب تم کیا مشورہ دیتے ہو! انہوں نے کہا اس کو اور اس کے بھائی کو ظہر اذ اور (مختلف) شہروں میں جادوگروں کو اکٹھا کرنے والوں کو بھیج دو! جو تمہارے پاس ہر بڑے جادوگر کو لے آئیں ○ (اشعر، ۳۷-۳۸)

فرعون کا حضرت موسیٰ سے مرعوبیت اور ان کے برحق ہونے کے تاثر کو زائل کرنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھرے دربار میں لامحی کو لٹکا دیا تو انہوں نے فرعون کا پیشاب خطا ہو گیا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا کا واسطہ دے کر فریاد کی کہ مجھ کو اس سے بچاؤ تو تمام دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیثیت چھا گئی اور یہ واضح ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حق پر ہیں اور فرعون کو بھیجی یہ اندازہ ہو گیا کہ اہل دربار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے متاثر ہو گئے ہیں تو اس نے اہل دربار کے اس تاثر کو زائل کرنے کے لیے تین باتیں کہیں ایک یہ کہ یہ شخص حق پر نہیں ہے بلکہ یہ کوئی بہت بڑا اور ماہر جادوگر ہے اور اس نے جو کچھ دکھایا ہے وہ جادو کا کرشمہ ہے دوسری بات یہ کہی کہ یہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے وطن سے نکالنا چاہتا ہے یہ اس لیے کہا کہ اہل دربار حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا دشمن خیال کریں اور ان سے خطر ہوں اور تیسری بات ان کی دل جوئی کے لیے کہی کہ اب تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ ان باتوں سے اس کا مقصد یہ تھا کہ اہل دربار کے دلوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برحق ہونے کا جو تاثر پیدا ہو گیا ہے وہ زائل ہو جائے اور ان سے مشورہ طلب کیا تاکہ وہ یہ سمجھیں کہ فرعون ان کو اپنا بھروسہ اور خیر خواہ سمجھ رہا ہے اور ان کے دلوں میں اگر فرعون سے دوری پیدا ہوئی ہے تو وہ اپنا نیت کے جذبے میں ڈھل جائے۔ اہل دربار فرعون کی ان باتوں سے رام ہو گئے اور انہوں نے یہ مشورہ دیا کہ ملک کے تمام شہروں سے جادوگروں کو اکٹھا کیا جائے ان کا خیال یہ تھا کہ جب بہت سارے جادوگر مل کر آئیں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کریں گے تو حضرت موسیٰ مظلوم ہو جائیں گے اور ان کے پیش و آرام کے دن اسی طرح گزرتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو ایک مقرر دن کے وعدہ پر تمام جادوگر اکٹھے کئے گئے اور عوام سے کہا گیا کہ آج تم بھی اکٹھے ہو گے ۵۱ اگر وہ غالب آگئے تو شاید ہم ان جادوگروں ہی کی بیروی کریں ۵۲ سو جب جادوگر آگئے تو انہوں نے فرعون سے کہا اگر ہم غالب آگئے تو کیا ہم کو انعام ملے گا ۵۳ فرعون نے کہا ہاں! اس صورت میں تم میرے خواص اور مقررین میں سے ہو جاؤ گے ۵۴ (اشراء ۳۳-۳۸)

فرعون اور اس کے حواریوں کی اپنی کامیابی کے متعلق خوش فہمی

مقرر دن سے مراد ہے ان کی زینت (جشن) کا دن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ سال کی پہلی تاریخ تھی اور وہ ان کی عید کا دن تھا اور وہی یوم نیروز ہے۔ (مسلم بخیرین ج ۳ ص ۳۶۶ دارالحدیث المکتبۃ العربیہ بیت) اور مقابلاً کہ وقت دن روشن ہونے کے بعد ملے ہوا تھا۔

فَوَيْدُكَ يَوْمَئِذٍ يُؤْمِرُ بِالنَّارِ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْعَشْرِ ۝ (جنت) کے دن کا وعدہ ہے اور یہ کہ جب دن روشن ہو جائے تو سب لوگ جمع ہو جائیں۔ (۵۱)

فرعون کے اہل دربار نے اس مقابلاً کو موخر کرنے کا مشورہ دیا تھا کہ تمام جادوگر جمع ہو جائیں اور سب لوگوں کے سامنے یہ مقابلاً ہو۔ فرعون نے ان کے اس مشورہ کو مان لیا اس کا خیال تھا کہ سب جادوگر مل کر اس کیسے حضرت موسیٰ پر غالب آجائیں گے اور سب کے سامنے حضرت موسیٰ کو شکست ہو جائے گی اور اس کی خدائی برقرار رہے گی اور وہ یہ بھول گیا کہ حضرت موسیٰ کا معجزہ دیکھ کر اس پر کسی ہیبت حاری ہوئی تھی اور اس کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے کیونکہ اپنی خدائی کو ثابت کرنے کی محبت نے اس کو ہر خطرہ سے غافل کر دیا تھا:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی چیز کی محبت تم کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۱۰۰ مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۳ مشکوٰۃ رقم الحدیث ۴۹۹۸ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۷۷)

پھر اس نے یہ ارادہ کیا کہ ان کی عید کے دن یہ مقابلاً منعقد کیا جائے تاکہ تمام لوگ حضرت موسیٰ کی اس کے دھم میں شکست کا مشاہدہ کر لیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی یہی چاہتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دلیل کا غلبہ تمام لوگوں کے سامنے ظاہر ہوا اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خاص کرم تھا کہ خود فرعون نے ایسی بات کہی جو حضرت موسیٰ کے موافق اور ان کی خشاء کے مطابق تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر وہ غالب آگئے تو شاید ہم ان جادوگروں ہی کی بیروی کریں۔ یہ ظاہر سیاق کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات بھی اعلان کرنے والوں نے کہی تھی کیونکہ پھر سے دربار میں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ اور اس کے مقابلہ میں فرعون کی پسپائی دیکھی تھی وہ فرعون کی خدائی کے عقیدہ سے حیرت و حیرت ہو گئے تھے یہی حال ان عوام کا تھا جن تک اس واقعہ کی خبر پہنچی تھی اس لیے اعلان کرنے والوں نے کہا اگر جادوگر موسیٰ پر غالب آئے تو شاید ہم جادوگروں کی اتباع میں فرعون کی خدائی کے عقیدہ پر برقرار رہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرعون اور اس کے حواریوں نے حضرت موسیٰ پر طفر کرتے ہوئے کہہ ہوا کہ یہ اور بارون غالب آگئے تو شاید ہم ان کی اتباع کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: موسیٰ نے ان سے کہا تم ان چیزوں کو ڈالو جن کو تم ڈالنے والے ہو ۵۵ تو انہوں نے اپنی رسیاں اور اپنی لاشیاں ڈالیں اور کہا فرعون کی عزت کی قسم! یقیناً ہم ہی غالب ہیں ۵۶ پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو اچانک وہ ان کی شیعہ و پانزیوں کو لنگھنے لگا ۵۷ تو اسی وقت تمام جادوگر سجدہ میں گر گئے ۵۸ انہوں نے کہا ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے ۵۹ جو موسیٰ اور بارون کا رب ہے ۶۰ (اشراء ۳۸-۴۳)

اس کی توجیہات کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کو پہلے لاشعیاں اور رسیاں ڈالنے کا حکم دیا جب حضرت موسیٰ اور جادوگر مقابلہ کے لیے جمع ہوئے تو ضروری تھا کہ مقابلہ کی ابتدا دونوں فریقوں میں سے کوئی ایک کرنا جادوگروں نے تواضع کی اور کہا اے موسیٰ یا آپ پہلے ڈالیں یا ہم پہلے ڈالنے والے بن جائیں۔ (طہ: ۶۵) جب انہوں نے تواضع کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی تواضع سے کام لیا اور فرمایا: تم ان چیزوں کو ڈالو جن کو تم ڈالنے والے ہو۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جادوگروں کا لاشعیاں اور رسیوں کو ڈالنا جادو تھا اور کفر تھا تو حضرت موسیٰ کے لیے کس طرح جائز ہو گیا کہ وہ ان کو جادو کرنے اور کفر کرنے کا حکم دیں اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ وہ ایمان لے آئیں اور ان کا ایمان لانا اس پر موقوف تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کریں اور مقابلہ میں شکست کھ کر حق کا اعتراف کر لیں اس لیے امام رازی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس حکم کی تاویل یہ کی ہے کہ اگر تم برحق ہو تو ڈالو جو ڈالنا چاہتے ہو اور یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم اس قرآن کی کسی سورت کو شغل بنا کر لاؤ اگر تم سچے ہو۔ (البقرہ: ۲۳) اس کا ایک اور جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ ظاہر کیا کہ ان کے نزدیک ان کے جادو کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور حضرت موسیٰ کو ان کی کوئی پروا نہیں ہے سو وہ جو کرنا چاہتے ہیں وہ کریں ایک اور جواب یہ ہے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلے ہی اپنا جھاڑ ڈال دیتے تو تمام جادوگر اور عوام اس سے خوف زدہ ہو کر بھاگ جاتے اور یہ مقابلہ متعلق نہ ہوتا اور نہ حضرت موسیٰ کا جادوگروں پر غلبہ ظاہر ہوتا اور نہ جادوگروں کے ایمان لانے کا واقعہ ہوتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی تھی کہ پہلے جادوگر اپنی لاشعیاں اور رسیاں ڈالیں اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا: تم ان چیزوں کو ڈالو جن کو تم ڈالنے والے ہو۔

غیر اللہ کی قسم کھانے کا ممنوع ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو انہوں نے اپنی رسیاں اور اپنی لاشعیاں ڈالیں اور کہا فرعون کی عزت کی قسم! ہم ہی غالب ہیں۔ جادوگروں نے یہ قسم اس لیے کھائی تھی کہ ان کو اپنے اور بحمل بھروسہ تھا اور ان کو پختہ یقین تھا کہ اس مقدس جہ میں وہی کامیاب ہوں گے کیونکہ وہ اپنی طرف سے جادو کرنے کی پوری کوشش کر رہے تھے انہوں نے فرعون کی قسم کھائی یہ قسم انھیں جاہلیت میں سے ہے اسلام میں غیر اللہ کی قسم کھانا ممنوع ہے حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے باپ دادا اور اپنی ماؤں کی قسمیں نہ کھاؤ اور نہ ان کی قسم کھاؤ جن کو اللہ کا شریک قرار دیا گیا ہے اور اللہ کے سوا کسی کی قسم نہ کھاؤ اور تم صرف چکی قسمیں کھاؤ۔ (سنن ابی داؤد رحمہ اللہ ج ۸: ۳۷۷ سنن ابی داؤد رحمہ اللہ ج ۸: ۳۷۸)

غیر اللہ کی قسم کھانے کی مکمل تحقیق جہان القرآن ج ۱ ص ۸۳۰-۸۳۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض مفسرین نے کہا جادوگروں نے یہ دیکھا کہ ان کے پاس لاشعیاں اور رسیاں بہت زیادہ ہیں اس کے برخلاف حضرت موسیٰ کے پاس صرف ایک لاشعہ ہے اس لیے ان کو یقین تھا کہ ان ہی کو غلبہ ہوگا اور انہوں نے یہ نہیں جانا کہ بعض اوقات کم تعداد میں حق پرست زیادہ تعداد میں منافقین پر غالب آ جاتے ہیں جیسے ایک مانجس کی تلخی جلاؤ یا ایک بلب روشن کرو تو وہ چرے سے نمرے کے اندر جبر سے کو ختم کر دیتا ہے۔

سانچوں کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خوف زدہ ہونے کی توجیہات

سورہ طہ میں ہے کہ جب انہوں نے اپنی لاشعیاں اور رسیاں ڈالیں تو موسیٰ کو یہ خیال گزرنے لگا کہ ان کے جادو کے اثر

سے ان کی رسیاں اور لٹامیاں بھاگ رہی ہیں تو موسیٰ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا ہم نے فرمایا تم خوف نہ کرو یہ اللہ ہی غالب اور برتر ہو گئے۔ (بخاری: ۶۸-۶۹)

انسان کی طبیعت میں جو سانپوں سے تو وحش اور خطر رکھا گیا ہے اس کے اثر سے حضرت موسیٰ خوف زدہ ہو گئے تھے اور اس خوف کا تعلق وہم سے تھا دل سے نہیں تھا اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر کے ہر کو اپنے قبر کا لباس پہنا دیا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے قبر سے خوف زدہ ہوئے تھے نہ ان معنوی، جعلی اور دنیوی سانپوں سے۔

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

امام ابو منصور ماتریدی نے الہادیات النجیہ میں لکھا ہے انسان کی جبلت میں خوف بشریت ہے خواہ وہ دینی ہو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل سے اس خوف کو نکال لے اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا آپ نہ ڈریں آپ ہی اعلیٰ ہیں اس کا سنی یہ ہے کہ آپ کا اس سے اعلیٰ درجہ ہے کہ آپ خالق کے بجائے مخلوق سے ڈریں اور اس کی ایک اور تفسیر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ مخلوق سے نہیں خائف سے خوف زدہ ہوئے تھے کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ ان کا عصا اڑد ہا بن کر چادو گروں کے چادو کو گل گیا ہے لہذا ان کو مظلوم ہو گیا کہ ان کا عصا اللہ تعالیٰ کی صفت قبر کا مظہر ہو گیا ہے سو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفت قبر سے ڈرے تھے نہ کہ لامخی اور اڑدہ سے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ نہ ڈریں آپ ہی اعلیٰ ہیں یعنی آپ کا درجہ ہمارے نزدیک اس لامخی سے اعلیٰ ہے کیونکہ اس لامخی کو آپ نے اپنے لیے بنایا ہے اور آپ میرے رسول اور میرے معلم ہیں اور آپ کو میں نے اپنے لیے بنایا ہے اور اگر یہ لامخی میری صفت قبر کی مظہر ہے تو آپ میری صفت لطف کے بھی مظہر ہیں اور میری صفت قہر کے بھی مظہر ہیں۔

(روح البیان ج ۵ ص ۳۸۰-۳۸۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

بعض علماء کا سحر کو صرف تحفیل اور مسریریزم قرار دینا اور واقع میں اس کی حقیقت کا انکار کرنا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو اس وقت تمام چادو گر جہدہ میں گر گئے۔

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

ہر فن میں تبحر اور مہارت حاصل کرنا مفید اور سود مند ہوتا ہے کیونکہ ان چادو گروں نے چادو میں تبحر اور مہارت کی وجہ سے یہ پہچان لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو لامخی کو اڑد ہا بنا دیا ہے یہ چادو نہیں ہے بلکہ مجرہ ہے کیونکہ چادو صرف شعبہ بازی طبع کاری یا تھک کی صفاتی اور نظر بندی ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے وَصَحَّوْاْ أَصْحَابَ النَّارِ (الاحزاب: ۸۶) انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر سحر کر دیا یعنی نظر بندی کر دی۔ اگر واقع میں چادو کے ذریعہ ایک چیز کی حقیقت کا دوسری چیز کی حقیقت سے بدل چاہا ممکن ہوتا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا اڑد ہا بن جانا بھی چادو کے قبیل سے قرار دیتے اور اس کو مجرہ نہ قرار دیتے جو چادو کے دائرہ سے خارج ہے اور اس کا مشاہدہ کر کے جہدہ میں نہ جا کرتے اور ایمان کی دولت سے سرفراز نہ ہوتے۔ علامہ شعرانی متوفی ۹۷۳ھ نے ابن العربی سے نقل کیا کہ مسح کو لفظ وقت مسح سے اخذ ہے اور سحر کے وقت میں ضوہ اور غلط اور روشنی اور اندھیرا اختلط ہوتے ہیں اس وقت نہ مکمل رات ہوتی ہے کیونکہ صبح کی روشنی ہوتی ہے اور نہ مکمل دن ہوتا ہے کیونکہ سورج طلوع نہیں ہوتا اسی طرح چادو گر جو کارروائی کرتے ہیں وہ واقع میں باطل محض ہوتی ہے اور جو کچھ آنکھوں کو دکھاتے ہیں وہ واقع میں موجود نہیں ہوتا اس کا وجود صرف دیکھنے والوں کی آنکھوں میں ہوتا ہے علامہ شعرانی نے اس کلام کو نقل کرنے کے بعد کہا یہ بہت نفیس کلام ہے ہم نے اس کی شکل بھی نہیں کی۔ (المکرمۃ الاحرام ص ۵۸-۵۹ مطبوعہ دار الکتب المصریہ بیروت ۱۳۹۸ھ) (روح البیان ج ۵ ص ۳۸۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ القراء

جلد ۱۱

اسی طرح امام غزالی نے رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے:

الاعراف ۱۱۶: اس نے علماء نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ سحر اور جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ محض شعبہ بازی اور نظر بندی ہے قاضی نے کہا اگر سحر برحق ہوتا تو وہ ان کے دلوں پر سحر کرتے نہ کہ ان کی آنکھوں پر اس سے ثابت ہوا کہ انہوں نے ان کو عجیب و غریب امر دکھائے جب کہ واقع میں ایسا نہ تھا علامہ واحدی نے کہا بلکہ انہوں نے ان کی آنکھوں پر سحر کر دیا یعنی ان کی آنکھوں کو صحیح اور اک کرنے سے پلٹ دیا اور ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے انہیوں اور رسیوں کو کھوکھا کر کے ان کے اندر پارہ رکھ دیا تھا اور سورج کی گرمی سے وہ الانہیاں اور رسیاں حرکت کرنے لگیں جس سے دیکھنے والوں نے یہ سمجھ کر سانپ رینگ رہے ہیں۔ (تکبیر کبریا ص ۳۳۵ مطبوعہ دارالحدیث مصری بیروت ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے:

جادوگروں نے اس چیز کا خیال ۱۱۱ جو حقیقت کے خلاف تھا۔

علامہ شہاب الدین خفای متوفی ۱۰۶۹ھ نے لکھا ہے اس سے سحر کا باطل کرنا مراد نہیں ہے کیونکہ وہ مخصوص سے ثابت ہے اس لیے اس عبارت کو ترک کرنا کوئی تھا۔ (معارف القاضی ج ۳ ص ۳۳۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے:

خدائی نشان سے حقیقی تغیر واقع ہوتا ہے اور جادو محض نظر اور نفس کو متاثر کر کے اشیاء میں ایک خاص طرح کا تغیر محسوس کراتا ہے۔ (تفسیر القرآن ج ۲ ص ۶۸ مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۱۹۸۴ھ)

اسی طرح شیخ امین احسن اصلاحی نے لکھا ہے:

جادو خواہ کتنا ہی بڑا ہو لیکن اس سے کسی شے کی حقیقت و ماہیت نہیں بدلتی۔ بس دیکھنے والوں کی آنکھوں اور ان کی قوت متخیلہ پر اس کا اثر پڑتا ہے جس سے آدمی ایک شے کو اس شکل میں دیکھنے لگتا ہے جس شکل میں ساحر اس کو دکھانا چاہتا ہے۔

(تذکرہ قرآن ج ۳ ص ۳۳۶ مطبوعہ دارالحدیث بیروت ۱۴۱۷ھ)

یہ تمام اقوال صحیح نہیں ہیں جادو کی کئی اقسام ہیں اور ایک قسم وہ ہے جس سے کسی چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے۔ جیسا کہ ہم جادو کی تعریف اور اس کی اقسام ذکر کریں گے اور جادو کا واقع میں موثر ہونا دلائل سے واضح کرینگے۔ رہا یہ اعتراض کہ الاعراف ۱۱۶ سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فرعون کے جادوگروں نے تمثیل اور نظر بندی کی تھی اور واقع میں لاشیوں کو سانپ نہیں بنایا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ فرعون کے جادوگروں کا مکمل یہی تھا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جادو کے ذریعے سے اشیاء کی حقیقت نہیں بدلتی اب ہم سحر کی تعریف سحر اور کرامت میں فرق سحر کے وقوع پر دلائل اور سحر پر اعتراضات کے جوابات اور سحر کی اقسام بیان کر رہے ہیں۔

سحر کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ محمد بن محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ سحر کا لغوی معنی لگتے ہیں:

برودہ فعل جس کا ماخذ غامض اور دھنسی ہوا اور اس کا سبب غمی ہوا اس کو سحر کہتے ہیں۔

(القاموس المکی ج ۲ ص ۶۶۱ مطبوعہ دارالحدیث مصری بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ محمد طاہر بٹنی متوفی ۹۸۶ھ لگتے ہیں:

انسان اس وقت تک سحر میں مہارت حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کی شر (فسق و فجور) کے ساتھ مناسبت نہ ہو۔ اہل

حدیث

سنت کا مذہب یہ ہے کہ محرکی حقیقت ہے اور اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جب انسان جاہلو کے مخصوص کمالات ہوتا ہے تو عقل تعالیٰ کی عادت ہے وہ اس وقت غیر معمولی امور پیدا کر دیتا ہے یا وہ ایسے بعض اجسام یا قوی احتجاج سے چڑی مٹاتا ہے جن کو ساحری جانتا ہے کیونکہ بعض زہر قاتل ہوتے ہیں اور بعض زہریلی اشیاء بیمار کر دیتی ہیں یا نقصان پہنچاتی ہیں۔

(مجمع معارف الانوار ج ۳ ص ۷۷ مکتبہ دارالایمان المدینہ منورہ ۱۴۱۵ھ)

علامہ حسین بن محمد رافع اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

محرک اطلاق چند معانی پر کیا جاتا ہے۔

(۱) دھوکا دہی نظر بندی (مسریم یا پہچانا ناز کرنا) قرآن مجید میں ہے:

مَصْرُوفًا أَفْئِنَّا التَّكْوِيْنَ (۱۱۲: اعراف)

(فرعون کے جاہلوں نے لوگوں کی نظر بندی کر دی) (ان کو پہچانا ناز کر دیا)۔

(۲) شیطان کے تقرب اور اس کی مدد سے اپنا مقصد پورا کرنا قرآن مجید میں ہے:

وَلَكِنَّ الشَّيْطَانِ كَفَرًا يُعَلِّمُونَ التَّكْوِيْنَ لیکن شیاطین نے کفر کیا وہ لوگوں کو محرکی تعلیم دیتے تھے۔

(البقرہ: ۱۰۲)

(۳) محرک فعل کا نام ہے جس کی قوت اور تاثیر سے اشیاء کی صورتیں اور حقیقتیں بدل جاتی ہیں سو ساحر انسان کو گدھ جانتا دیتا ہے۔

مفسرین کے نزدیک اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ (یہ علامہ رافع کی اپنی رائے ہے جمہور کی رائے اس کے خلاف ہے)

(۴) جس کا سمجھنا بہت غامض اور دقیق ہو قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ هَذَا إِلَّا جَهَنَّمُ فَظُہِرَ (سہا: ۲۳)

یعنی اس کلام کا سمجھنا بہت غامض اور دقیق ہے۔

نعر اور محرک اس وقت کو کہتے ہیں جب رات کی غفلت دن کی ضو اور روشنی سے غلط ہوتی ہے۔ (اسی طرح محرکی حقیقت

بھی مبہم اور مشتبہ ہوتی ہے۔) (المفردات ج ۱ ص ۲۹۹-۲۹۸ مطبوعہ مکتبہ زہر مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۳۸۸ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

محرر سے مراد وہ کام ہے جس کو حاصل کرنے میں شیطان سے مدد حاصل کی جاتی ہے اور وہی انسان اس مقصد کو حاصل کر سکتا ہے جو شر اور فس کے تحت میں شیطان کے مناسب ہو کیونکہ کسی سے تعاون حاصل کرنے میں یہ شرط ہے کہ دونوں میں مناسبت ہو

اور اسی قید سے ساحری اور ولی سے ممتاز ہو جاتا ہے اور بعض حیرت ناک اور تعجب خیز کام جو مشدہ ہا زنی سے آلات و دوائیوں اور

ہاتھ کی صفائی اور کرتبوں سے کیے جاتے ہیں وہ مذموم نہیں ہیں ان کو مجازاً سحر کہا جاتا ہے یا اس وجہ سے کہ ان کا ماخذ غامض اور

دقیق ہوتا ہے اور ان کا سبب غفلتی ہوتا ہے۔ (انوار البتریل مع حاشیہ القاضی ج ۲ ص ۳۷۷ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

محررہ غیر معمولی اور خلاف عادت کام ہے جس کو حاصل کرنے میں برے کام کر کے شیطان کے تقرب سے مدد حاصل

کی جاتی ہے خواہ وہ برے کام زبان سے کیے جائیں جیسے وہ منتر جن میں شر کے الفاظ ہوں اور شیطان کی تعریف کی جائے یا وہ

برے کام دیگر اعضاء سے کیے جائیں جیسے ستاروں کی عبادت کرنا اور کسی کا نقصان کرنا اور دیگر فحش و فجور کے کام یا وہ برے کام

اعتقاد ہے کیے جائیں مثلاً ان کاموں کو اچھا اعتقاد کرنا جن سے شیطان کا تقرب اور اس کی محبت حاصل ہوتی ہے اور وہی شخص سحر کر سکتا ہے جو سحر اور نفس کی خباثت میں شیطان کے مناسب ہو کیونکہ تعادق اور عہد کے لیے مناسبت شرط ہے پس جس طرح سے فرشتے صرف نیک انسانوں کے ساتھ تعادق کرتے ہیں اور ان ہی پر فیضان کرتے ہیں جو دائمی عبادت کرنے اور اللہ کا تقرب حاصل کرنے میں فرشتوں کے مشابہ ہوں اسی طرح شیاطین بھی ان ہی فساد اور فحار کے ساتھ تعادق کرتے ہیں جو قول فعل اور اعتقاد کی خباثت اور نجاست میں شیاطین کے مشابہ ہوں اور ہماری اس تعریف سے ساحر نبی اور ولی سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۵۳۳ مطبوعہ دارالکتب بیروت ۱۳۷۷ء)

سحر اور کرامت میں فرق

علامہ عبداللہ بن عبدالمول احمد مگر نے سحر اور کرامت میں حسب ذیل وجوہ سے فرق بیان کیا ہے:

- (۱) سحر نصیبت اور فاسق شخص سے ظاہر ہوتا ہے اور کرامت اس نیک مسلمان سے ظاہر ہوتی ہے جو دائمی عبادت کرتا ہو اور برے کاموں سے بچتا ہو۔
- (۲) سحر چند مخصوص برے کاموں کا نام ہے اور کرامت کے مخصوص اعمال نہیں ہیں یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور دہما شریعت کی اتباع سے ظاہر ہوتی ہے۔
- (۳) سحر صرف تعلیم اور تعلم سے حاصل ہوتا ہے اور کرامت اس طرح نہیں ہے بلکہ کرامت وہی ہوتی ہے اور محض اللہ کی عطا سے حاصل ہوتی ہے۔
- (۴) سحر طلب کرنے والوں کے مطالب کے موافق نہیں ہوتا بلکہ محض اور محدود مطالب کے ساتھ مخصوص ہے اور کرامت طلب کرنے والوں کے مطالب کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے اور اس کے مخصوص مطالب نہیں ہیں۔
- (۵) سحر مخصوص وقتوں مخصوص جگہوں اور مخصوص شرائط سے ہوتا ہے اور کرامت کے لیے کسی وقت کسی جگہ اور کوئی شرط ضروری نہیں ہے۔
- (۶) ساحر کو کبھی دوسرا ساحر اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے پہنچ کرتا ہے اور کرامت میں ایک ولی دوسرے ولی کو پہنچ نہیں کرتا۔
- (۷) سحر بغیر کوشش اور جدت حاصل نہیں ہوتا اور کرامت غولہ ہزار بار حاصل ہواں کے لیے کوئی کوشش نہیں کرنی پڑتی۔
- (۸) ساحر فاسقوں کے کام کرتا ہے اور ناپاک رہتا ہے بعض اوقات غسل جنابت بھی نہیں کرتا استنجاء نہیں کرتا ناپاک کپڑے نہیں دھوئے کیونکہ ناپاک اور نجاست کی چادو کے ظہور میں بہت تاثر ہوتی ہے یہ اس کی ظاہری نجاست ہے اور اس کی باطنی نجاست کفر ہے اس کے برخلاف ولی کا ظاہر اور باطن پاک اور صاف ہوتا ہے۔
- (۹) ساحر خلاف شرع کاموں کا حکم دیتا ہے اور ولی شریعت کے موافق کاموں کا حکم دیتا ہے۔

ہم نے سحر اور کرامت میں جو فرق بیان کیے ہیں ان ہی سے سحر اور معجزہ میں بھی فرق معلوم ہو جاتا ہے۔

(دستور العلماء ج ۳ ص ۱۳۰ مطبوعہ دارالکتب بیروت ۱۳۷۱ء)

سحر کے واقع ہونے کے دلائل

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قزازی متوفی ۹۱۷ھ لکھتے ہیں:

سحر ایک خلاف عادت کام ہے جو کسی شریر اور فاسق شخص سے اعمال مخصوصہ کے ذریعہ صادر ہوتا ہے اور یہ اہل حق کے نزدیک عقلاً جائز ہے اور قرآن اور حدیث سے ثابت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَكَيْفَ الْخَاطِلِينَ ﴿١٠٢﴾ اَلَّذِيْنَ يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ الْكِتٰبَ
وَمَا اُنْزِلَ عَلٰی الْمَلٰٓئِكَةِ بِبَابٍ ۙ هَآذُوْا وَمَا نُوْتُ
وَمَا يَسْعٰوْنَ مِنْ اَحَدٍ سَخٰی يَقُوْلُوْا اَلَا اِنَّمَا اُنْزِلَتْ
فَلَا تَعْلَمُوْنَ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُنَّ مَا يُفِيْضُوْنَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ
وَزَوْجِهٖ ۚ وَمَا هُمْ بِضٰلِّیْنَ ۙ ﴿١٠٣﴾ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ
(البقرہ: ۱۰۲-۱۰۳)

جس شیاطین نے کٹر کیا وہ لوگوں کو چاند سکھاتے تھے اور وہ
علم جو عبادت اور مروت و درشتیوں پر ہاں میں ہاں ملایا گیا اور
وہ (خوشے) کسی کو اس وقت تک وہ علم نہیں سکھاتے تھے جب تک
کہ یہ نہ کہہ دیتے کہ تم تو صرف آزمائش ہیں سو تم کفر نہ کرو جس
لوگ ان سے وہ علم سیکھتے جس کے ذریعہ وہ خاندان اور اس کی بیوی
میں جدائی ڈال دیتے اور وہ اللہ کے اذن کے بغیر کسی کو ضرر نہیں
پہنچا سکتے تھے۔

اس آیت میں یہ خبر دی ہے کہ جادو ہیچ ثابت ہے اور وہ محض نظر بندی اور طبع کاری نہیں ہے اور سوز اور خالق حقیقت
میں اللہ تعالیٰ ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمِنْ شَرِّ السَّحَابِ فِي السَّمَاءِ ﴿١٠٤﴾ (النمل: ۴)
(اور میں) گرہ (ہاندہ گرہن) میں بھونکنے والیوں کے شر
سے (بھی پناہ مانگتا ہوں)

اس آیت میں جادو گروں کی شرارت سے پناہ مانگی گئی ہے۔ جادو گر ستر پڑھ پڑھ کر پھوک مارتے ہیں اور گرہ ہاندے
جاتے ہیں عموماً جس پر جادو کرتا ہوتا ہے اس کے ہال یا کوئی چیز حاصل کر کے یہ عمل کیا جاتا ہے۔ اگر جادو ایک ثابت شدہ
حقیقت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس سے پناہ مانگنے کا کیوں حکم دیتا۔

اور جمہور مسلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ سورہ الملق اس وقت نازل ہوئی جب لیبید بن مصمم یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم پر جادو کیا حتیٰ کہ آپ تین دن بیمار رہے۔

اس طرح روایت ہے کہ ایک ہاندی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جادو کیا اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر
جادو کیا گیا پھر لوہا گرم کر کے ان کے ہاتھ پر داغ لگایا گیا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر جادو کار ممکن ہوتا تو کفار تمام انبیاء اور صالحین پر جادو کر دیتے تاکہ ان کو ملک عظیم حاصل
ہوتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرنا کس طرح صحیح ہوگا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ يَصْحَكُ مِنَ السَّكَاسِ ﴿١٠٥﴾ (الاحقاف: ۱۷)

اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔

اور ساحر جہاں سے بھی آئے وہ کامیاب نہیں ہوگا۔

وَلَا يُفْلِحُ السَّحَرَةُ اَنْفٰی ﴿١٠٦﴾ (الاحقاف: ۱۸)

اور کافر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ سب لگاتے تھے کہ آپ پر جادو کیا گیا ہے حالانکہ یہ قطعی بات ہے کہ وہ بھونٹے تھے۔
ہم پہلے اعتراض کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ جادو ہر دور اور زمانے میں نہیں پایا گیا اور نہ ہر خطہ اور ہر جگہ میں پایا گیا ہے۔

ہم دوسرے اعتراض کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محفوظ ہیں کہ لوگ ان کو ہلاک کر دیں یا
آپ کی نبوت میں غلط ڈالیں اور اس بات سے محفوظ نہیں ہیں کہ لوگ آپ کو ضرر پہنچائیں یا آپ کے جسم میں کوئی تکلیف
پہنچائیں اور کفار نے جو کہا تھا کہ آپ پر جادو کیا گیا ہے اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ آپ کی بیعتوں میں اور جادو سے آپ کی صل
زائل کر دی گئی ہے کیونکہ آپ نے ان کے دین کو ترک کر دیا تھا۔

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تُخَلِّشُ الْيَتِيمَ مِنْ يَدِهِ أَكَلَتْ أُتْقَانِي (لا: ۶۶)

موسیٰ کو یہ خیال آنے لگا کہ ان کے چادو کے زور سے وہ

لاٹھیاں اور رسیاں دوڑ رہی ہیں۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محرکی کوئی حقیقت نہیں ہے وہ محض تخیل اور طبع کا کام ہے۔

اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ ہو سکتا ہے کہ ان کا محرکی تخیل (مسمیہ) ہو اور ان کے محرک مسمیہ ہوں اس پر دلالت نہیں کرتا کہ فی نفسه چادو کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

(شرح التلخیص ص ۵۹-۶۰ مطبوعہ مشورات الشریف ارضی امراتہ ۲۰۰۵ء)

یہ علامہ تختستانی کی عبارت ہے ہمارے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر چادو کا اثر ہونے کی روایت صحیح نہیں ہے اس کی تحقیق بنی اسرائیل: ۴۷ میں گزر چکی ہے۔

محرکی اقسام اور اس کے وقوع میں مذاہب

علامہ ابن حجر مہتمی شافعی کی متوفی ۹۳۷ھ لکھتے ہیں 'محرکی حسب ذیل اقسام ہیں:

(۱) ستارہ پر ستوں اٹلاک پر ستوں اور ان کو قائل بنانا والوں کا محرک۔

(۲) اصحاب الاوحام اور اصحاب نفوس قویہ کا محرک۔

(۳) ارواح ارضیہ مثلاً جنات سے استعانت کرنے والوں کا محرک۔

(۴) تخیلات آنکھوں پر اثر ڈالنا کیونکہ آنکھ مشاہدہ میں خطا کرتی ہے 'مشتی' میں سوار نفس کو کنارے پر کھڑے ہوئے درست دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں اور بارش میں برسنے والے قطررات غلط دکھائی دیتے ہیں (اس کو مسمیہ مسمیہ بھی کہہ چا سکتا ہے)

(۵) عجیب و غریب کام جو مختلف شعبہ دوس سے ظاہر ہوتے ہیں ان کے اسباب مختلفی ہوتے ہیں جن کا عام لوگوں کو پتا نہیں چلتا۔

(۶) ایسی دواؤں سے چادو کرنا جو اس کو معطل اور عقل کو زائل کر دیتی ہیں۔

(۷) کسی کے دل کو تابع کر لینا وہ یہ ہے کہ انسان یہ دعویٰ کرے کہ اس کو اسم اعظم معلوم ہے اور جن اس کا تابع ہے اور اس کی اطاعت کرتا ہے پس جو شخص سمجھ ہو گا وہ اس کے دعویٰ کو سچا گمان کرے گا اور وہ مرعوب اور غورزدہ ہو جائے گا پھر چادو کر اس پر قادر ہو گا کہ اس میں جو فعل چاہے وہ کرے۔

علامہ قرطبی مائلی نے کہا ہے کہ اس بات کا انکار نہیں کیا جاتا کہ ساحر کے ہاتھ سے ایسے خلاف عادت کاموں کا ظہور ہوتا ہے جو عام انسانوں کی طاقت میں نہیں ہوتے وہ لوگوں کو بیمار کر دیتے ہیں۔ شوہر اور اس کی بیوی میں تفریق کر دیتے ہیں عقل کو زائل کر دیتے ہیں۔ اعضا کو نیرھا کر دیتے ہیں علماء نے کہا ہے کہ ساحر سے یہ بعید نہیں ہے کہ وہ اپنے جسم کو ان قدر بٹکا کر لے کہ وہ سر کٹنے پر کھڑا ہو جائے یا ایک دھماکے پر چلنے لگے ہوا میں اڑنے لگے پانی پر چلنے لگے اور کتے پر سواری کرے اور سر ان کاموں کی طاعت ہے نہ موجب ہے ان کاموں کو سر کے وقت اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے جیسا کہ وہ کھانے اور پینے کے بعد انسان کے اندر میری پیدا کرتا ہے۔ (المناہج لا حکام القرآن ج ۲ ص ۳۶-۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

اور معتزلہ نے محرکی کی جہلی تین قسموں کا انکار کیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے ان قسموں کے معتقد کو کافر قرار دیا ہے اور یہ اہل سنت تو انہوں نے محرکی تمام اقسام کو جائز قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ساحر کو اس پر قدرت ہوتی ہے کہ وہ ہوا میں

اڑے اور انسان کو گمراہ بنا دے اور گمراہ کو انسان بنا دے اور اس کے علاوہ دیگر شعبوں پر بھی اس کو قدرت ہوتی ہے لیکن کہتے ہیں کہ ان تمام چیزوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے جب ساحر کلمات معینہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو پیدا کر دیتا ہے اور اس پر یہ آیت دلیل ہے:

وَمَا هُمْ بِضَآئِرِينَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اللَّهُ

اور جاوہر اللہ کے اذن کے بغیر اپنے جادو سے کسی کو نقصان

(البقرہ: ۱۰۲)

(الترجمہ: ۲۳ ص ۷۷۔ ۷۸۔ مفسر سلیمان بن عبد اللہ بن مسعود، دار الفکر، ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے اس عبارت کو نقل کر کے اس سے استدلال کیا ہے۔

(رسائل ابن عابدین ج ۳ ص ۳۰۳ مفسرہ سبیل الیقینی لاہور، ۱۳۹۶ھ)

علاوہ دوجہ بندی جبہ اہل سنت کی طرح اللہ تعالیٰ کے اذن سے جادو کے موثر ہونے کے قائل ہیں۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ الاعراف: ۱۱۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان آیات سے ظاہر ہوا کہ ساحرین فرعون نے اس وقت جو شعبہ دکھلایا تھا اس میں فی الواقع قلب مابیت نہیں ہوا بلکہ وہ محض تخیل اور نظر بندی تھی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام اقسام عرسی میں مختصر ہوں شاید انہوں نے یہ گمان کیا ہو کہ ہم اتنی ہی کارروائی سے موسیٰ علیہ السلام کو دبا لیں گے اور کچھ گنچائش ملتی تو ممکن تھا کہ اس عرہیم سے بھی بڑا کوئی عرہ اعظم دکھائے مگر اعجاز موسوی نے عرہ کو پہلے ہی مورچہ پر مایوس کن شکست دے دی آگے موقع ہی نہ رہا کہ مزید مقابلہ جاری رکھا جاتا۔

(حاشیہ عثمانی بر ترجمہ شیخ محمد حسن دوجہ بندی ص ۲۸۸ مفسرہ سعودی ص ۷۶)

مفتی محمد شفیع دوجہ بندی متوفی ۱۳۹۶ھ الاعراف: ۱۱۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا جادو ایک قسم کی نظر بندی تھی اور تخیل تھی جس سے دیکھنے والوں کو یہ محسوس ہونے لگا کہ یہ لالعیان اور رسیاں سانپ بن کر دوڑ رہے ہیں حالانکہ وہ واقع میں اسی طرح لالعیان اور رسیاں ہی تھیں۔ سانپ نہیں بنے تھے بلکہ ایک قسم کا سحر یہ تھا جس کا اثر انسانی خیال اور نظر کو مغلوب کر دیتا ہے۔

لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عرہ صرف اسی قسم میں مختصر ہے عرہ کے ذریعہ انتخاب مابیت نہیں ہو سکتا کیونکہ کوئی شرعی یا عقلی دلیل اس کی نفی پر قائم نہیں ہے بلکہ عرہ مختلف اقسام واقعات سے ثابت ہیں۔ کہیں تو صرف ہاتھ کی چالاکا ہوتی ہے جس کے ذریعہ دیکھنے والوں کو مغالطہ لگ جاتا ہے کہیں صرف تخیل اور نظر بندی ہوتی ہے جیسے سحر یزہم ہے اور اگر کہیں قلب مابیت بھی ہو جاتا ہو کہ انسان کا پتھر بن جائے تو یہ بھی کسی شرعی یا عقلی دلیل کے خلاف نہیں ہے۔

(معارف القرآن ج ۳ ص ۳۱۱ مفسرہ دار الفکر، ۱۴۱۷ھ)

سحر اور ساحر کا شرعی حکم ہم نے الاعراف: ۱۱۶ میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے اسی طرح عرہ کے سیکھنے اور سکھانے کا شرعی حکم بھی ہم نے وہاں تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ (تبیان القرآن ج ۳ ص ۲۶۰-۲۵۹)

فرعون کے ساحروں کا ایمان لانا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہوں نے کہا ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے رب العالمین کے بعد انہوں نے کہا جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر وہ صرف یہ کہتے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے تو یہ خدشہ تھا کہ فرعون یہ کہتا کہ یہ مجھ پر ایمان لائے ہیں اس لیے انہوں نے وضاحت سے کہا ہم

سب الصالحین پر ایمان لائے ہیں جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ غور کا مقام ہے کہ کبھی کوہ کا فر جادوگر تھے اور شام کو وہ موسیٰ اور شعیب تھے۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کسی عمل سے دھوکا نہ کھائے ہو سکتا ہے اس وقت وہ جو نیک عمل کر رہا ہے بعد میں اس کو میسر نہ ہوں اصل بات یہ ہے کہ خاتم ایمان پر ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرعون نے کہا تم مجھ سے اجازت لینے سے پہلے اس پر ایمان لے آئے! یقیناً وہی تمہارا وہ بڑا ماہر جادوگر ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ مغرب تمہیں معلوم ہو جائے گا میں ضرور تمہارے ہاتھوں اور جیروں کو (ہر ایک کی) مقابل جانب سے کاٹ ڈالوں گا اور ضرور میں تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا انہوں نے کہا کوئی مضائقہ نہیں ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں ۵ بے شک ہماری یہ خواہش ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہوں کو بخش دے کیونکہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں ۵ (اشتراک ۵۱-۴۹)

فرعون کا اپنے عوام کو حضرت موسیٰ سے متغیر کرنے کے لیے جادو گروں پر الزام تراشی کرتا

فرعون نے جب یہ دیکھا کہ تمام جادوگر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پر ایمان لے آئے تو اس نے سوچا کہ اب لوگ یہی کہیں گے کہ جادو گروں کی اتنی بڑی اکثریت جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی ہے تو ضرور اس کی وجہ یہ ہے کہ جادو گروں پر یہ شکست ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت برحق ہے اور انہوں نے جو یہ کہا ہے کہ اس تمام کائنات کا صرف ایک خدا ہے اور اس کے علاوہ فرعون الشاک سارے اور اس کائنات کی ہر چیز اللہ بلند و بزرگی مخلوق ہے سو ان کا یہ کہنا بھی برحق ہے اس لیے فرعون نے سوچا کہ اب کسی طریقہ سے عوام کو حضرت موسیٰ اور ان جادو گروں سے متغیر اور برگشتہ کرنا چاہیے ورنہ مصر میں اس کی خدائی کا بھرم قائم نہیں رہے گا اور اس کی الوہیت کا طلسم ٹوٹ جائے گا سو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادو گروں سے عوام کو متغیر کرنے کے لیے حسب ذیل نکات اٹھائے۔

(۱) اس نے جادو گروں سے کہا تم میری اجازت سے پہلے (حضرت) موسیٰ پر ایمان لے آئے۔ اس قول سے اس نے یہ دہم ڈالا کہ اس قدر سرعت کے ساتھ تمہارا (حضرت) موسیٰ پر ایمان لانا یہ بتاتا ہے کہ تم پہلے سے ان کی طرف مائل تھے اور اس بات میں جادو گروں پر یہ جہت لگائی کہ انہوں نے حضرت موسیٰ سے جادو کے مقابلہ میں اپنے کھلم کھن اور مہارت کا اعہاد نہیں کیا اور عہد اجدادی شکست کھا گئے۔

(۲) پھر کہا یقیناً وہی تمہارا بڑا ماہر جادوگر ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ اس قول میں اس نے جادو گروں پر یہ الزام لگایا کہ درحقیقت تم موسیٰ ہی کے شاگرد ہو اور تمہاری آپس میں یہ سازش اور ملی بھگت تھی کہ معمولی مقابلہ کر کے تم ہار جاؤ اس لیے تمہارا یہ مقابلہ دراصل نورا کشتی تھی ورنہ ان جادو گروں کے پاس بھی ایسی قوت تھی جیسی موسیٰ کے پاس ہے اس طرح اس نے عوام کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی کے تاثر کو زائل کرنے کی کوشش کی۔

(۳) پھر اس نے کہا مغرب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ اپنے اس قول سے اس نے ساحروں کو شدید وعید سنائی اور بہت بڑی دھمکی دی۔

(۴) نیز فرعون نے کہا میں ضرور تمہارے ہاتھوں اور جیروں کو (ہر ایک کی) مقابل جانب سے کاٹ ڈالوں گا یعنی سیدھا ہاتھ اور انا ہی اور میں ضرور تم سب کو صلیب (سولی) پر لٹکا دوں گا۔

صلیب کا معنی

صلیب کا معنی ہے چوٹی (سان العرب ج ۱ ص ۴۸۸) اور صلیب کا معنی ہے کسی شخص کے دونوں ہاتھوں کو آ کی شکل میں

پھیلا کر اس کو لٹکا دینا روایت ہے کہ فرعون نے ان کو درختوں کے تنوں پر لٹکا دیا حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئے (سید علیہ السلام)۔
 دار احیاء التراث العربیہ (دعوت) نیز لکھا ہے کہ قتل کے لیے انسان کو لٹکا دینا ایک قول ہے اس کی پشت کو کھڑی پر باندھ دیا اس نے
 ایک لمبے عرصہ تک ان کو اس کھڑی کے ساتھ باندھ رکھا تھا اور فرعون وہ پہلا شخص تھا جس نے کسی کو سولی پر چڑھا یا قتل (سید)
 ایمان ج ۳ ص ۳۸۳-۳۸۲ نیز اردو کی لغات میں مرقوم ہے: سولی کا معنی ہے ایک چوٹی (کھڑی کا) آلا جس میں بحر میں کو
 پاٹوں اور پاؤں میں پھینک کر لٹکا دیتے تھے (فیروز اللغات اردو ص ۸۲۱) صلیب اس شکل + کی کھڑی جس پر عیسائی
 کو لٹکا کر ہلاک کرتے تھے (فیروز اللغات ص ۸۶۵) امام رازی نے لکھا ہے کہ کسی شخص کو ہلاک کرنے کے لیے اس سے قوی اور کوئی
 ذریعہ نہیں ہے۔

اہل معرفت پر مصائب کا آسان ہونا اور مصائب برداشت کرنے پر انہیں مراتب سے نوازنا
 اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جاودگروں نے کہا کوئی مضائقہ نہیں اہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے
 ہیں۔

جاودگروں نے جو فرعون سے کہا ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں اس کے حسب ذیل محال ہیں:
 (۱) وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اتنے مستغرق ہو چکے تھے کہ وہ ہر حادثہ اور ہر مصیبت میں اللہ سے واصل ہونے اور اس کی ذات
 کا ارادہ کرتے تھے وہ ثواب کی رحمت میں ایمان لائے تھے اور نہ عذاب کے خوف سے ان کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی
 رضا کو حاصل کرنا اور اس کی معرفت کے انوار میں ڈوب جانا تھا۔

(۲) انہوں نے کہا ہماری خواہش یہ ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہوں کو بخش دے اس کا محمل یہ ہے کہ ایمان لانے سے پہلے
 جو انہوں نے کفر کیا تھا اور جاود کیا تھا ان گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے۔

(۳) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے قرب کے کتنے بڑے مرجہ پر کیوں نہ پہنچ جائے وہ اللہ
 تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرنے سے مستغنی نہیں ہوتا اور انسان کو بھی اپنی نیکیوں سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے اور چاہے وہ
 کتنا پہنچا ہوا بزرگ اور عبادت گزار کیوں نہ ہو اس کو اپنے آپ کو قصور وار قرار دے کر اللہ تعالیٰ سے اپنی خطاؤں کی معافی
 طلب کرنی چاہیے کوئی بھی شخص قرب الہی میں حضرت امیر ایم علیہ السلام سے بڑھ کر تو نہیں انہوں نے بھی یہ دعا کی تھی:
 وَاللّٰہِ اَکْبَرُ اَنْ یَّخْفِیَ بَیْ حِجَّتَیْ یُؤَخِّرَ اللّٰہُ عَلٰی
 اور جس چیز کی میں امید کرتا ہوں کہ وہ قیامت کے دن

(اشراۃ: ۸۲) میری (اجتنابی یا بہ ظاہر) خطاؤں کو بخش دے گا۔

فرعون نے ایمان لانے والے جاودگروں کو سولی پر چڑھا کر شہید کر دیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو حق کا اظہار
 کرنا چاہیے اور ظالموں کے ظلم اور ان کی دھمکیوں کی پروا نہ کر کے کلمہ حق سنا دینا چاہیے۔ جیسا کہ ان ایمان لانے والے
 جاودگروں نے کیا۔ ابن عطاء نے کہا جو شخص حق کا مشاہدہ کر لیتا ہے اس پر حق کی راہ میں ہر مصیبت اور ہر بلا آسان ہو جاتی
 ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت اسماء
 بنت عمیس ان کے قریب تھیں۔ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا پھر آپ نے فرمایا: اے اسماء یہ جعفر
 بن ابی طالب تھے جو حضرت جبریل اور میکائیل علیہما السلام کے ساتھ تھے وہ یہاں سے گزرے تو انہوں نے مجھ کو سلام کیا۔ میں
 نے ان کے سلام کا جواب دیا اور جعفر نے بتایا کہ ان کا فلاں فلاں دن شریکین سے مقابلہ ہوا تو میرے جسم کے سامنے کے

حصہ میں جبریل اور میکائیل کے ساتھ میرا وہ ہاتھ کاٹ دیا گیا تو میں نے ہمیں ہاتھ میں
جسٹا بکڑ لیا پھر میرا وہ ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے میرے ان دو ہاتھوں کے بدلے میں یہ دو ہاتھ فرمائے جن کے
ساتھ میں حضرت جبریل اور میکائیل کے ساتھ جنت میں اڑتا ہوں اور جہاں چاہتا ہوں اتر جاتا ہوں اور جنت کے بھٹوں سے
جو چاہتا ہوں کھاتا ہوں حضرت اسماء نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت جعفر کو جو خیر عطا کی ہے وہ ان کو مبارک ہو لیکن مجھے خوف
ہے کہ لوگ اس خبر میں میری تصدیق نہیں کریں گے تو یا رسول اللہ! آپ منبر پر چڑھ کر لوگوں کو یہ خبر سنا دیجیے سو آپ منبر پر
چڑھے اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنے کے بعد فرمایا: اے لوگو! جعفر بن ابی طالب جبریل اور میکائیل کے ساتھ گزرے۔
اللہ تعالیٰ نے ان کے دو ہاتھوں کے بدلے میں ان کو دو ہاتھ فرمائے جن کے ساتھ وہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں اڑتے ہیں
انہوں نے مجھے سلام کیا اور یہ بتایا کہ ان کا معاملہ کس طرح ہوا جب ان کا مشرکوں سے مقابلہ ہوا تھا اس دن کے بعد سے
مسلمانوں میں یہ مشہور ہو گیا اور ان کا نام جعفر طیار پڑ گیا کہ وہ جنت میں اڑنے والے ہیں۔

(الحکم الاسلامی رقم الحدیث: ۶۹۳۲، مطبوعہ مکتبۃ المعارف، ریاض ۱۴۱۵ھ، الحکم الاسلامی رقم الحدیث: ۶۹۳۲، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۰ھ،
ماذا لیس فیہ) کہ اس حدیث کی سند حسن ہے مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۷۶-۲۷۵

شیخ اکبر قدس سرہ نے کہا کہ ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اطمان نبوت سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی
شریعت پر عمل کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت اور رسالت عطا فرمائی اور آپ نے اسلام کی تبلیغ فرمائی اس طرح جب
ولی کامل شریعت محمد پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سینہ کو کھول دیتا ہے اور اس کے دل میں قرآن کے معانی اور اس کے
اسرار و القاء کرتا ہے اور اس کی زبان سے وہی بات جاری فرماتا ہے جو حق اور صواب ہوتی ہے پھر اللہ تعالیٰ اس سے حقوق کی
ہدایت کا کام لیتا ہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب رسالت عطا کیا گیا تھا۔

(روح البیان ج ۶ ص ۳۵۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۰ھ)

شیخ اکبر قدس سرہ کے اس کلام کا محمل یہ ہے کہ مسلمان کو جن احکام شریعہ کا علم ہے جب وہ ان پر عمل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ
اس کے سینہ میں انوار معرفت ڈال دیتا ہے اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ان احکام شریعہ پر عمل
کیا جن کا اس کو علم تھا تو اللہ اس کو ان علوم کا وارث کر دیتا ہے جن کو وہ نہیں جانتا۔

(ملیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۳۳۰ ج ۱ ص ۳۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ، احوال السلفۃ لیسٹن ج ۱ ص ۳۰، کشف الظلم ج ۲

ص ۳۶۵، رقم الحدیث: ۲۵۳۲)

جادو گروں کا اول المؤمنین ہونا

اس کے بعد فرمایا: کیونکہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔
ان کے اول المؤمنین ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میدان میں جو لوگ حاضر ہوئے تھے ان میں وہ سب سے پہلے ایمان
لانے والے تھے یا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ جادو گروں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے تھے یا فرعون کی رعایا میں سب
سے پہلے ایمان لانے والے تھے یا اس زمانے کے لوگوں میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے تھے۔ اور فی الواقع
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں سب سے پہلے ایمان لانے والے وہی تھے۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعَبَادِنَا إِنَّكَ مُشْتَبَعُونَ ﴿۵۷﴾ فَأَرْسَلْنَا

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ میرے بندوں کو راتوں رات نکال کر لے جائیں کیونکہ آپ سب کا بچا کیا

فَدَعَوْنَا فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿۵۸﴾ إِنَّ هَؤُلَاءِ لَشُرُذِمَةٌ

جائے گا ۵۸ پھر فرعون نے جمع کرنے والوں کو شہروں میں بھیج دیا ۵۸ کہ بے شک یہ جماعت (یعنی اسرائیل) بہت

قَلِيلُونَ ﴿۵۹﴾ وَإِنَّهُمْ لِنَالِغَاطُونَ ﴿۶۰﴾ وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَازِرُونَ ﴿۶۱﴾

کم تعداد میں ہے ۵۹ اور بے شک وہ ضرور ہم کو غیب میں لانے والے ہیں ۶۰ اور بے شک ہم لوگ ان سے محتاط ہیں ۶۱

فَاخْرَجْنَاهُمْ مِنْ جَدَّتِ وَعْيُونِ ﴿۶۲﴾ وَكُنُوزِهِمْ مَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿۶۳﴾

سو ہم نے ان (فرعونیوں) کو (ان کے) کہاغات اور چشموں سے نکال باہر کیا ۶۲ اور (ان کے) خزانوں اور عمدہ مسکنوں سے ۶۳

كَذَلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَءِيلَ ﴿۶۴﴾ فَاتَّبَعُوهُمْ قُسْرًا قَبِينَ ﴿۶۵﴾

یہ واقعہ اسی طرح ہوا اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنایا ۶۴ سو دن کے روشن ہوتے ہی فرعونیوں نے ان کا بچا کیا ۶۵

فَلَمَّا تَرَاءَى الْجَمْعِينَ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمَذْرُكُونَ ﴿۶۶﴾ قَالَ

پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو اصحاب موسیٰ نے کہا ہم یقیناً بکڑے لے گئے ۶۶ موسیٰ نے کہا

كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿۶۷﴾ فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ اضْرِبْ

ہرگز نہیں! اے بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے جو یقیناً میری رہنمائی فرمائے گا ۶۷ تو ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ

بَعْضَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ﴿۶۸﴾ وَ

اپنا عصا سمندر پر ماریں ۶۸ تو بیک بیک سمندر بٹ گیا پس (اس کا) ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا ۶۹ اور

أَرْزَلْنَاهُ أَتْلَفَ الْآخِرِينَ ﴿۶۹﴾ وَأَنْجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ أَجْمَعِينَ ﴿۷۰﴾

دوسروں کو اس جگہ ہم قریب لے آئے ۷۰ اور موسیٰ کو اور ان کے تمام ساتھیوں کو ہم نے نجات دے دی ۷۱

ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخِرِينَ ﴿۷۱﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ

پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا ۷۱ بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں اور ان میں سے اکثر

مُؤْمِنِينَ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٧٦﴾

ایمان لانے والے نہ تھے ○ اور بے شک آپ کا رب ہی بہت غالب بہت رحم فرمانے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ میرے بندوں کو راتوں رات نکل کر لے جائیں کیونکہ آپ سب کا چچا کیا جائے گا ○ پھر فرعون نے جمع کرنے والوں کو شیروں میں بھیج دیا ○ کہ بے شک یہ جو امت (بنی اسرائیل) بہت کم تعداد میں ہے ○ اور بے شک وہ ضرور ہم کو غصب میں لانے والے ہیں ○ اور بے شک ہم لوگ ان سے محتاط ہیں ○ سو ہم نے ان (فرعونیوں) کو (ان کے) باغات اور چشموں سے نکال باہر کیا ○ اور (ان کے) خزانوں اور عہدہ مسکنوں سے ○

(اشعراء: ۵۹-۶۲)

بنی اسرائیل کی مصر سے روانگی اور فرعون کا تعاقب

اللہ تعالیٰ کی سنت چار یہ ہے کہ جو لوگ اس کے بھیجے ہوئے نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے نبیوں کی تصدیق اور تعظیم کرتے ہیں ان کو نجات عطا فرماتا ہے اور جو کافر اس کے رسولوں کی تکذیب اور توہین کرتے ہیں ان کو ہلاک کر دیتا ہے تو اس سنت الہیہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے قبیحین کو نجات عطا فرمائی اور اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کا بیان فرمایا ہے اور اشعراء ۵۲ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ وہ راتوں رات میرے بندوں کو مصر سے نکال کر لے جائیں اور بنی اسرائیل چونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کو ماننے والے تھے اس لیے ان کو فرمایا "میرے بندوں" اور یہ بتایا کہ آپ سب کا چچا کیا جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کو بحر قلزم (عرب اور افریقہ کا درمیانی سمندر) کی طرف نکل کر لے جائیں وہاں آپ کے اوپر جو میرے احکام پہنچیں آپ ان پر عمل کریں یہ حکم اس وقت نازل ہوا جب آپ متعدد سال مصر میں فرعونوں کے درمیان ٹھہر چکے تھے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی رسالت کی مسلسل دعوت دیتے رہے تھے اور ان کے سامنے معجزات پیش کرتے رہے تھے لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ ٹکھڑے اور سرکشی سے آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کرتے رہے بنی اسرائیل نے اپنی کسی تقریب میں شرکت کے لیے قبیلوں سے زیورات عاریضہ لیے ہوئے تھے نیز فرعونوں نے اپنے کام کاج اور خدمت کے لیے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنایا ہوا تھا اس لیے حضرت موسیٰ نے بتایا کہ جب ان کو پتا چلے گا کہ تم مصر سے جا رہے ہو تو وہ تمہارا تعاقب کریں گے۔

شروع اور حذر دہن کے معنی

صبح کو جب فرعون اٹھا اور اس کو معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل راتوں رات مصر سے نکل رہے ہیں تو اس نے ان کے قیام کا ارادہ کیا اور اس نے مختلف شیروں میں اپنے ہرکارے بھیجے کہ بنی اسرائیل ہاتھ سے جا رہے ہیں لہذا ان کو پکڑنے کی فوری کوشش کی جائے مفسرین نے لکھا ہے کہ بنو اسرائیل کی کل تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تھی اور فرعون کا لشکر گنا گنا اس سے بھی زیادہ تھا کیونکہ فرعون نے بنی اسرائیل کے متعلق کہا یہ شروع قلیلہ ہے یعنی بہت کم تعداد کی جماعت ہے اس نے کہا ان کا بھگوان ہمارے لیے سخت غیظ و غضب کا باعث ہے اس لیے ان کی سازش کو ناکام بنانے کے لیے ہمیں بہت محتاط اور مستعد ہونے کی ضرورت ہے۔ اشعراء ۵۶ میں حذر دہن ہے بعض قراءات میں حاذرون ہے حذر کا معنی دشمن کے شر سے حائف اور خرد رہنا زیادہ جاننے کے کہا اس کا معنی ہے مستعد اور بیدار دماغ "فراء" نے کہا اس کا معنی ہے خوف کے سبب سے کسی چیز سے اجتناب

کرنا پرہیز کرنا اور احتیاط کرنا جیسے ذیابیس کا مریض منجی اور نکستہ دار چیزوں سے پرہیز کرتا ہے تاکہ شوگر نہ چڑھے اور ہائی بلڈ پریشر کا مریض فوج اور دماغ کی شریان پھٹنے کے خطرے سے نمک سے پرہیز کرتا ہے اور جس کا کھسار دل بڑھا ہوا ہو وہ چکنائی سے پرہیز کرتا ہے واضح رہے کہ چکنائی کی زیادتی سے کمر کا درد بھی زیادہ ہوتا ہے۔ غرض فرعون نے کہا ہم سب لوگوں میں یہی ہمیں احتیاط کرنی چاہیے اور مستعد رہنا چاہیے اور ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ان کا چیلہ کرنا چاہیے۔ باغات سے مراد وہ درخت ہیں جو دریائے نیل کے دونوں کناروں پر اگے ہوئے تھے اور چشموں سے مراد دریائے نیل سے نکلنے والی نہریں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ واقعہ اسی طرح ہوا اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنایا۔ سو دن کے روشن ہوتے ہی فرعونوں نے ان کا چیلہ کیا۔ پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو اصحاب موسیٰ نے کہا ہم یقیناً پکڑ لیے گئے۔ موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں! اب تم میرے ساتھ میرا رب ہے جو یقیناً میری رہنمائی فرمائے گا۔ (اشعرا: ۵۱-۵۲)

بنی اسرائیل کو کس سرزمین کا وارث بنایا گیا تھا؟

اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو فرعونوں کی کس چیز کا وارث بنایا تھا؟ بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا اس سے پہلے انہوں میں ذکر ہے یعنی باغات، چشمے، خزانے اور عمدہ رہائشی مکان، حسن بصری وغیرہ نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کرنے کے بعد بنو اسرائیل کو مصر میں آباد کر دیا، ایک قول یہ ہے کہ بنو اسرائیل نے قبیلوں سے عاریتاً زیورات لیے تھے جن کو وہ مصر سے چلتے وقت اپنے ساتھ لے گئے تھے اس وارث سے وہ زیورات مراد ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے، قوم فرعون کو دی ہوئی نعمتوں کے وارث بنانے کا ذکر اس آیت میں بھی ہے۔

وَأَوْرَثْنَا مَرْثَتَهُمُ الْمَوْنِ (الدخان: ۳۸)

ہم نے ان کا وارث کسی دوسری قوم کو بنایا۔

سورۃ الدخان کی اس آیت میں ہر چند کہ قوم کا لفظ عام ہے لیکن جب سورۃ اشعرا میں بنی اسرائیل کو وارث بنانے کی تصریح آگئی ہے تو سورۃ الدخان میں قوم سے مراد بنی اسرائیل ہی ہے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد، مکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

جہلی دو آجوں کا معنی یہ ہے کہ دون چڑھنے کے بعد فرعون اور اس کی قوم نے بنو اسرائیل کا تعاقب کیا لیکن ہم نے ان کو سمندر میں غرق کر دیا اور بنو اسرائیل کو ان کے شہروں کا وارث کر دیا۔

(المباح، حکام القرآن ج ۱۳ ص ۹۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

واضح رہے کہ فرعون کے شہروں سے مراد سرزمین مصر کے شہر ہیں سو علامہ قرطبی کی تفسیر کا معنی یہ ہوا کہ بنو اسرائیل کو مصر کے شہروں کا وارث بنایا لیکن یہ تفسیر صحیح نہیں ہے کیونکہ خود قرآن مجید میں تصریح ہے کہ مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل کو ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا تھا اور ان کے انکار کرنے کے بعد ان کو چالیس سال تک میدانِ حجاز میں بھٹکنے کے لیے پھوڑ دیا گیا اس کے بعد وہ ارض مقدس میں داخل ہوئے جہاں پر بیت المقدس ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر بھی ارض مقدس میں ہی ہے چنانچہ صحیح حدیث میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان کو موت کے وقت ارض مقدس کے اتنا قریب کر دے جتنا ایک پتھر پھینکنے کا فاصلہ ہوتا ہے حضرت ابو ہریرہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں اس جگہ ہوتا تو تم کو راستے کی ایک جانب سرخ ریت کے نیلے کے پاس حضرت موسیٰ کی قبر دکھاتا۔ (صحیح ابی یوسف ج ۲ ص ۱۳۲ سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۸۹)

حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اور حافظ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح

میں لکھتے ہیں:

لکن آئین نے کہا ارض مقدسہ شام ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس کے قریب دفن ہونے کا سوال کیا تھا کیونکہ بیت المقدس ارض مقدسہ میں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارض مقدسہ کے قریب دفن ہونے کی اس لیے دعا کی تھی کہ ان کا مطلوب ابن انبیاء علیہم السلام کا قرب تھا جو بیت المقدس میں مدفون تھے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں داخل ہونے سے روک دیا تھا اور ان کو چالیس سال تک میدان تیار میں ہی چھوڑ دیا حتیٰ کہ ان کو موت نے قہر کر دیا۔ پس ارض مقدسہ میں حضرت یوشع کے ساتھ صرف ان کی اولاد داخل ہو سکی تھی اور ان لوگوں میں سے کوئی بھی ارض مقدسہ میں داخل نہیں ہو سکا تھا جنہوں نے پہلے ارض مقدسہ میں داخل ہونے سے انکار کیا تھا اور ارض مقدسہ کے فتح ہونے سے پہلے حضرت ہارون علیہ السلام فوت ہوئے اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے اور چونکہ جبارین کا ارض مقدسہ پر غلبہ تھا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا موقع نہیں مل سکا اس لیے انہوں نے چاہا کہ وہ ارض مقدسہ کے قرب میں مدفون ہو جائیں۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۶۸ دار الفکر بیروت ۱۳۹۰ھ عمدة القاری ج ۸ ص ۱۱۹۹ اربعۃ اعیان السیرۃ ص ۱۳۳۹) اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ بنو اسرائیل مصر سے نکلنے کے بعد مصر میں نہیں گئے بلکہ چالیس سال تک میدان تیار میں ہی رہے۔ اس کے بعد ارض مقدسہ میں گئے جہاں بیت المقدس ہے اور وہ فلسطین میں ہے نہ کہ مصر میں سوطا قرطبی اور بعض دیگر مفسرین کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعون کے شہروں کا وارث کر دیا تھا بلکہ صحیح یہ ہے کہ اس آیت کا عمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مصر سے نکلنے کے بعد فلسطین کا وارث کر دیا تھا۔

امام عبدالرزاق امام عہدین حمید امام ابن السنہ زمام ابن عساکر اور امام ابن ابی حاتم نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو جس سر زمین کا وارث کیا تھا اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

أَوَسْتَأْذِنُ الْغَوَّارَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَعْتَقُونَ
مَنْ شَاءَ مِنَ الْأَمْثِلِ وَغَوَّارِهِمُ الْيَوْمَ يُرْكَبُهَا
(اور جس قوم کو کثرت و کثرت سمجھا جاتا تھا اس قوم نے اس سر زمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنادیا جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔)

(۱۳۷: اعراف)

اور جس سر زمین میں اللہ تعالیٰ نے برکتیں رکھی ہیں وہ شام ہے حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے شام اور ہمارے یمن میں برکت دے! مسلمانوں نے کہا اور ہمارے نجد میں آپ نے دعا کی اے اللہ! ہمارے شام اور ہمارے یمن میں برکت دے! مسلمانوں نے کہا اور ہمارے نجد میں آپ نے فرمایا وہاں زلزلے آئیں گے اور نئے نمودار ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سینک طلوع ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۳۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۵۳ مسند احمد رقم الحدیث: ۵۶۳۱)

امام عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اور امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۷ھ نے اپنی سندوں کے ساتھ حسن بصری اور قتادہ سے روایت کیا ہے کہ الامراف: ۱۳۷ھ جس سر زمین کا ذکر ہے اس سے مراد شام ہے۔

(تفسیر امام عبدالرزاق ج ۸ ص ۲۶۱ جامع البیان ج ۹ ص ۵۸ تفسیر زمام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۵۵۱)

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن العساکر التتوی ۵۷۱ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابو سلام الاسود نے کہا شام میں برکت دینی چوٹی ہوتی ہے۔

مکحول نے ایک شخص سے کہا تم شام میں کیوں نہیں رہتے وہاں برکت دینی چوٹی ہوتی ہے۔

یجی بن یحییٰ نے کہا مجھ سے عید بن یحییٰ نے کہا وہ بیت المقدس کے رہنے والے تھے وہ اس وقت مسلمان میں تھے اور فلسطین سے دمشق آگئے تھے۔ انہوں نے کہا شام کی تمام برکتیں دمشق میں ہیں۔

(تاریخ دمشق الکبریٰ ج ۱ ص ۱۸۵ مطبوعہ دارالاجلہ لائبریری بیروت ۱۴۰۱ھ)

حافظ جلال الدین السیوطی نے امام ابو الشیخ سے روایت کیا ہے کہ اس سرزمین سے مراد فلسطین ہے۔

(در منثور ج ۳ ص ۴۵ مطبوعہ دارالاجلہ لائبریری بیروت ۱۴۰۱ھ)

بہر حال ہمارے نزدیک رائج یہ ہے کہ جس سرزمین کا بنو اسرائیل کو وارث بنایا گیا وہ مصر نہیں ہے بلکہ وہ فلسطین ہے کیونکہ الاعراف: ۱۳۷ میں فرمایا ہم نے بنی اسرائیل کو اس زمین کا وارث بنایا ہے جس کے ارد گرد برکتیں ہیں اور بنی اسرائیل: ۱۱ میں فرمایا ہے: مسجد اقصیٰ کے ارد گرد برکتیں ہیں اور مسجد اقصیٰ ارض مقدسہ میں ہے اور وہ فلسطین میں ہے۔ ہم نے الاعراف: ۱۳۷ میں بھی اس سرزمین کے متعلق متعدد اقوال نقل کیے ہیں جس کا بنو اسرائیل کو وارث بنایا گیا تھا لیکن ہمارے نزدیک رائج یہ ہے کہ اس سرزمین سے مراد فلسطین ہے۔ فلسطین بھی شام کا ایک صوبہ تھا لیکن آج کل یہ ایک الگ ملک ہے جس کا بیشتر حصہ اسرائیل کے تحت ہے اور کچھ اردن کا حصہ ہے اور مسجد اقصیٰ اسی حصہ میں بیت المقدس کے شہر میں ہے احادیث میں جو شام کو برکت والا شہر قرار دیا ہے وہ بنو اسرائیل کو فلسطین کا وارث بنانے کے خلاف نہیں ہے کیونکہ پہلے فلسطین شام ہی کا ایک صوبہ تھا۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت

اس کے بعد فرمایا: موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں! بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے۔

حضرت موسیٰ نے از خود کہا میرے ساتھ میرا رب ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان الله مع الذين اتقوا (الاعراف: ۱۵۹)

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سید المتقین ہیں سو اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ سب سے زیادہ ہے۔

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے یہیے اپنا ذکر کیا اِنَّ قَبِيْكَ مُّحَمَّدٌ (الاشرا: ۶۳) اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ

وسلم نے پہلے اللہ کا ذکر کیا پھر اپنا اور کہا: اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (التوبہ: ۳۰) بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے اور ان دونوں مقاموں

میں کتنا فرق ہے حضرت موسیٰ کی نظر پہلے اپنی طرف ہے اور پھر اللہ کی طرف ہے اور آپ کی نظر پہلے اللہ کی طرف ہے پھر اپنی

طرف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ اپنا عصا سمندر پر ماریں تو پکا ایک سمندر پھٹ گیا پس

(اس کا) ہر حصہ بڑے پھاڑ کی طرح ہو گیا ۵۰ اور دوسرے کو اس جگہ ہم قریب لے آئے ۵۰ اور موسیٰ کو اور ان کے تمام ساتھیوں کو

ہم نے نجات دے دی ۵۰ پھر ہم نے دوسرا کو قمریٰ کر دیا ۵۰ بے شک اس میں ضرور نکتہ ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے

والے تھے ۵۰ اور بے شک آپ کا رب اہی بہت غائب اور بہت رحم فرمانے والا ہے ۵۰ (الاشرا: ۶۸-۶۳)

سمندر پر عصا مارنے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر اپنا عصا ادا تو اس سے سمندر میں بارہ راستے بن گئے اور بلاشبہ یہ حضرت موسیٰ علیہ

السلام کا عظیم معجزہ ہے، ام رازی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام

بنی اسرائیل کے ساتھ سمندر پر پہنچے تو آپ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ سمندر میں اترا جائیں تو حضرت یوشع بن نون کے سوا

صباح القاد

سب نے انکار کر دیا انہوں نے اپنی سواری پر ضرب لگا لی اور سمندر میں اتر گئے اور دوسرے پار پہنچ کر واپس آ گئے بنو اسرائیل نے سمندر میں اترنے سے انکار کر دیا پھر حضرت موسیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ وہ پھٹ جائے اس نے کہا مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا تب آپ سے کہا گیا کہ آپ سمندر پر اپنا عصا مارے تب سمندر پھٹ گیا اور اس میں بارہ راستے بن گئے اور بنی اسرائیل کا ہر قبیلہ ایک راستے سے گزرنے لگا ان بارہ راستوں کو ممتاز کرنے کے لیے ان کے درمیان دیواریں تھیں اور ہر حصہ ایک بڑے پہاڑ کی مانند الگ تھا بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا ہمیں اپنے قبیلہ والوں کا حال معلوم نہیں کہ آیا وہ زندہ ہیں یا مر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان دیواروں کے درمیان کھڑکیاں اور روشن دان بنا دیئے وہ سمندر پار کرتے ہوئے ان کھڑکیوں سے ایک دوسرے کو دیکھتے تھے اور باتیں کرتے ہوئے چارہ تھے اور عطا اللہ السائب سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل اور آل فرعون کے درمیان حضرت جبریل کھڑے ہوئے تھے اور ان سے کہہ رہے تھے کہ تمہاری پیچھے والی جماعت اگلی جماعت سے مل جائے اور قبیلوں سے کہتے تھے کہ تم آ کر ان سے مل جاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر اپنا عصا مارا اور اس کے نتیجے میں جو اثرات ظاہر ہوئے اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حسب ذیل وجوہ سے معجزات تھیں:

- (۱) لاشی مارنے سے سمندر کے پانی کا پھٹ جانا فی نفسہ معجزہ ہے۔
- (۲) اس پانی کا متعدد اطراف سے خشک ہو کر پہاڑ کی طرح بلند ہو جانا اور بارہ دیواریں بن جانا بھی معجزہ ہے۔
- (۳) بعض روایات میں ہے کہ جب فرعون حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کا تعاقب کر رہا تھا اور وہ ان کے قریب پہنچنے والا تھا تو اس زور کی آغوشی آئی کہ مکمل اندھا چھا گیا اور راستہ کا پتہ نہ چلنے کی وجہ سے اس کو کتابہ اور اس وقت میں بنو اسرائیل بحر قحط کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے اور یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔
- (۴) پانی کی خشک شدہ بارہ دیواروں میں اس طرح کھڑکیاں اور روشن دان بن جانا کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں یہ بھی معجزہ ہے۔

(۵) پانی میں بنے ہوئے ان خشک راستوں کا اس وقت تک باقی رہنا کہ بنو اسرائیل سمندر کو عبور کر لیں اور جب فرعون اور اس کا لشکر ان راستوں پر پہنچا تو ان خشک راستوں کا مٹ کر پھر پانی بن جانا اور بین سمندر کے وسط میں فرعون اور اس کے لشکر کا خرقہ ہو جانا یہ الگ معجزہ ہے۔

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور دوسروں کو ہم قریب لے آئے یعنی فرعون اور اس کے لشکر کو حضرت موسیٰ اور بنو اسرائیل کے قریب لے آئے فرعون کا حضرت موسیٰ کو ہلاک کرنے کے لیے ان کا تعاقب کرنا کفر ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کو ہم نے قریب کیا سو آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف کفر کی نسبت ہو گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرعون اور اس کے لشکر کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریب پہنچنا اس کی ہلاکت اور سزا کا سبب تھا سو آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف کفر کی نسبت نہیں ہے بلکہ کفر کی سزا دینے کی نسبت ہے۔

فرعون کی قوم میں سے ایمان لانے والوں کا بیان

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اس میں ضرورت نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے۔ یعنی فرعون کی قوم میں سے کیونکہ فرعون کی قوم میں سے صرف چند افراد ایمان لائے تھے ایک آل فرعون سے مومن تھا جس کا نام حزقیل تھا دوسری اس کی بیٹی آسیہ تھی جو فرعون کی بیوی تھی اور تیسری مریم نام کی ایک یوڑی عورت تھی جس نے حضرت یوسف

علیہ السلام کی قبر کی نشاندہی کی تھی۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۱۷۷ مطبوعہ بیروت ۱۴۰۷ھ الملاحح ۱۰۸۷ھ القرآن ۳۳ ص ۱۰۸)

حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کی نشاندہی کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک امراہی آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مہمان نوازی کی اور اس سے فرمایا کہ اپنی کوئی حاجت بیان کرو اس نے کہا مجھے سواری کے لیے اونٹنی چاہیے اور دو دھ پینے کے لیے بکریاں چاہئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو بخواسرائیل کی بڑھیا سے بھی کم ہمت نکلا! آپ کے اصحاب نے پوچھا یا رسول اللہ بنی اسرائیل کی بڑھیا کا کیا قصہ ہے؟ آپ نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ نے اپنے ساتھ بخواسرائیل کو لے جانے کا ارادہ کیا تو ان کو راستہ نہیں ملا۔ حضرت موسیٰ نے بخواسرائیل سے پوچھا اس کا کیا سبب ہے؟ تو بنی اسرائیل کے علماء نے کہا جب یوسف علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے ہم سے یہ عہد کیا تھا کہ ہم مصر سے اس وقت تک نہ نکلیں جب تک یوسف علیہ السلام کی فحش کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ حضرت موسیٰ نے پوچھا تم میں سے حضرت یوسف کی قبر کا پتا کس کو معلوم ہے بنی اسرائیل کے علماء نے کہا ان کی قبر کا پتا صرف بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا کو معلوم ہے۔ حضرت موسیٰ نے اس کو بلایا اور فرمایا تم حضرت یوسف کی قبر کی رہنمائی کرو۔ اس نے کہا میں اس وقت تک ان کی قبر کا پتا آپ کو نہیں بتاؤں گی جب تک کہ آپ میری فرمائش نہ پوری کریں۔ حضرت موسیٰ نے پوچھا تمہاری فرمائش کیا ہے؟ اس نے کہا میری فرمائش یہ ہے کہ میں جنت میں آپ کے ساتھ آپ کے درجہ میں رہوں۔ حضرت موسیٰ نے اس کی فرمائش کو ناپسند کیا۔ حتیٰ کہ آپ کو وحی سے بتایا گیا کہ اس کی فرمائش پوری کر دیں آپ نے اس کی فرمائش پوری کرنے کا وعدہ کر لیا۔ وہ ان کو سمندر کی ایک کھاڑی کی طرف لے گئی اور کہا اس جگہ سے پانی پٹاؤ وہاں سے پانی بہتا تو اس نے کہا اس جگہ کھدائی کرو۔ جب وہاں سے کھدائی کی تو حضرت یوسف کی فحش مل گئی اور جب انہوں نے حضرت یوسف کی فحش کو نکال لیا تو پھر تشدد و راستہ ان پر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(المسند رک ج ۳ ص ۴۵۰-۴۵۳ مطبوعہ قدیم المدینہ رک قدیم المدینہ ۱۳۵۳ھ مطبوعہ مدینہ منورہ ج ۱ ص ۵۰۱)

تبیان القرآن ج ۵ ص ۸۷۴-۸۷۵ میں اس مضمون کی دیگر احادیث متعدد مثالوں کے ساتھ ذکر کی ہیں اور اس حدیث کے فوائد اور اس سے جو مسائل مستنبط ہوتے ہیں ان کا بھی ذکر کیا ہے۔

اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم دی ہے کیونکہ آپ نے کفار مکہ کو بہت مجزات دکھائے اور ان کے ایمان کی بہت کوشش کی اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے اس وجہ سے آپ کو بہت رنج اور قلق ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بتایا کہ یہ آپ کے ساتھ کوئی نیا معاملہ نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو بہت مجزات دکھائے وہ ایسے مجزات تھے جن سے محل بہت حیران اور مبہوت ہو چلتی ہے اس کے باوجود فرعون کی قوم سے صرف تین نفر ایمان لائے اور اکثر ایمان نہیں لائے سو اگر آپ پر بھی کفار مکہ ایمان نہیں لائے تو آپ اس پر زیادہ طول خاطر نہ ہوں۔

حضرت موسیٰ فرعون اور بنی اسرائیل کا مفصل قصہ الاعراف: ۱۳۵-۱۰۳ میں بیان کیا گیا ہے اور وہاں ہم نے اس کی سیر حاصل تفسیر کی ہے۔ سو ان آیات کی تفسیر میں سورۃ الاعراف کی ان آجوں کی تفسیر کو بھی پڑھ لیا جائے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ۖ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ۖ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَنْتَظِلُ لَهَا عَافِيْنَ ۖ

اور ان کے سامنے ابراہیم کی خبر (بھی) پڑھی ہے ۵ جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اس کی قوم سے کہا تم کس

کی عبادت کرتے ہو؟ ۵ انہوں نے کہا ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں سو ہم ان ہی کے لیے جم کر بیٹھے رہتے ہیں ۵

قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمۡ إِذْ تَدْعُونَ ۖ أَوْ يَنْتَفَعُونَكُمۡ ۖ

ابراہیم نے کہا کیا وہ تمہاری فریاد سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ ۵ یا وہ تمہیں نفع دیتے ہیں اور نقصان بھی

يَضُرُّونَ ۖ قَالُوا بَلَّٰى وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُونَ ۖ قَالَ

پہنچاتے ہیں ۵ انہوں نے کہا (نہیں!) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا ۵ ابراہیم نے کہا

أَفَدَّعٰیْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۖ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ الْأَقْدَمُونَ ۖ

ابھرا یہ بتاؤ کہ تم کن کی عبادت کرتے رہے تھے؟ ۵ تم اور تمہارے باپ دادا؟ ۵

فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيَ إِلَّا رِبَّ الْعٰلَمِينَ ۖ الَّذِي خَلَقَنِيْ ذَهَبًا

ہے شک وہ (سب) میرے دشمن ہیں (کوئی برحق معبود نہیں) سوا رب العالمین کے ۵ جس نے مجھے پیدا کیا سو وہی

يَهْدِيْنِ ۖ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ۖ وَإِذَا مَرِضْتُ

مجھے ہدایت دیتا ہے ۵ اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے ۵ اور جب میں بیمار پڑتا ہوں

ذَهَبًا يُشْفِيْنِ ۖ وَالَّذِيْ يُبَيِّتُنِيْ تَحْتِ يَحْيٰى ۖ وَالَّذِيْ أَطْعَمَهُ

تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے ۵ وہی میری روح قبض کرے گا پھر مجھے زندہ فرمائے گا ۵ اور جس سے مجھے امید ہے کہ

أَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْئَتِيْ يَوْمَ الدِّينِ ۖ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا

وہ میری (پہنچا ہر) خطاؤں کو قیامت کے دن معاف فرما دے گا ۵ اے میرے رب! مجھے حکم (صحیح فیصلہ) عطا فرما

وَالْحَقِّقْ بِالصَّٰلِحِيْنَ ۖ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْآخِرِيْنَ ۖ

اور مجھے نیکو کاروں کے ساتھ ملا دے ۵ اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ ۵

وَجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ۝ (۸۵) وَاعْفُرْ لِإِنِّي إِنَّهُ كَانَ مِنْ

اور مجھے نعمت والی جنت کے وارثوں میں سے بنا دے ۝ اور میرے (عربی) باپ کو بخش دے بے شک وہ

الضَّالِّينَ ۝ (۸۶) وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ۝ (۸۷) يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ

گمراہوں میں سے تھا ۝ اور جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے مجھے شرمندہ نہ کرنا ۝ جس دن نہ مال نہ

وَلَا بَنُونَ ۝ (۸۸) إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝ (۸۹) وَأَرْسَلْنَا الْجَنَّةَ

اور نہ اولاد ۝ سوا اس شخص کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوا ۝ اور متین کے لیے جنت

لِلْمُتَّقِينَ ۝ (۹۰) وَبَرَزَتْ الْجَحِيمُ لِلْغَوِينَ ۝ (۹۱) وَقِيلَ لَهُمْ آيِنَمَا

قریب کر دی جائے گی ۝ اور گمراہوں کے لیے دوزخ کو ظاہر کیا جائے گا ۝ اور ان سے کہا جائے گا وہ کہاں ہیں

كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۝ (۹۲) مِنْ دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنْصُرُكُمْ أَوْ

جن کی تم عبادت کرتے تھے؟ ۝ اللہ کو چھوڑ کر کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں

يَنْصُرُونَ ۝ (۹۳) فَكُذِّبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ۝ (۹۴) وَجُنُودُ إِبْلِيسَ

یا وہ تمہارا مدد لے سکتے ہیں؟ ۝ پھر وہ اور تمام گمراہ لوگ دوزخ میں لوندھے منہ کرا دیے جائیں گے ۝ اور ابلیس کا سارا

أَجْمَعُونَ ۝ (۹۵) قَالُوا هُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ۝ (۹۶) تَاللَّهِ إِنَّ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ

لغیر بھی ۝ وہ دوزخ میں (ایک دوسرے سے) لاتے ہوئے کہیں گے ۝ اللہ کی قسم! بے شک ہم ضرور گمراہ ہوئی گمراہی

قُبُورٍ ۝ (۹۷) إِذْ سَأَلْتُمْ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ (۹۸) وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا النِّجْمُونَ ۝ (۹۹)

میں تھے ۝ جب کہ (اے تو) ہم تم کو رب العالمین کے مساوی قرار دیتے تھے ۝ اور ہمیں صرف مجرموں نے گمراہ کر دیا

فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ ۝ (۱۰۰) وَلَا صِدِّيقٍ حَنِيمٍ ۝ (۱۰۱) فَلَوْلَا نُنَاكَرُكَ

سو ہمارے لیے کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے ۝ اور نہ کوئی سچا دوست ۝ اگر کاش ہمیں دنیا میں دوبارہ

فَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (۱۰۲) إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۝ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ

لواں ہوتا تو ہم بچے مومن بن جاتے ۝ بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں اور ان میں سے اکثر

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

يَقُومُ اَتَكْفُرُ فَلَنَكْفُرَنَّهُ اَتَكْفُرُ اَتَكْفُرُ اَتَكْفُرُ اَتَكْفُرُ اَتَكْفُرُ

(البقرہ: ۵۳)

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰى قَوْمِهِ فَقَالَ يٰقَوْمُ اعْبُدُوا
اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ ۖ (الاعراف: ۵۹)

وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُ هُودًا فَقَالَ يٰقَوْمُ اعْبُدُوا اللّٰهَ
مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ ۖ (الاعراف: ۶۵)

وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يٰقَوْمُ اعْبُدُوا
اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ ۖ (الاعراف: ۷۳)

وَلَوْ كُنَّا اِذْ قَالَ يٰقَوْمُ مَا اَنَّا تُنُوْنُ الْفَاحِشَةُ مَا
سَبَقْتُكُمْ بِمَا مِنْ اَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِيْنَ ۝

(الاعراف: ۸۰)

وَ اِلٰى مَذْيَنَ اَخَاهُ شُعَيْبًا فَقَالَ يٰقَوْمُ اعْبُدُوا
اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ ۖ (الاعراف: ۸۵)

اے میری قوم! تم نے مجھ سے کومیدود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم! تم صرف اللہ کی عبادت کرو تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے ہم قوم ہود کو بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم! تم صرف اللہ کی عبادت کرو تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے ہم قوم صالح کو بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم! تم صرف اللہ کی عبادت کرو تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم ایسا بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔

اور ہم نے قوم مدین کی طرف ان کے ہم قوم شعیب کو بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم! صرف اللہ کی عبادت کرو تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ قرآن مجید نے ہر نبی کی امت کو اس کی قوم فرمایا ہے سو تمام یہودی ایک قوم ہیں تمام عیسائی ایک قوم ہیں اور تمام مسلمان ایک قوم ہیں ان میں سید مظل اور پٹھان الگ الگ قومیں نہیں ہیں بلکہ تمام مسلمان ایک قوم ہیں اسی طرح تمام کلمہ گو اور تمام اہل اسلام ایک قوم ہیں ان میں تفریق کرنا لغت اور اطلاقات قرآن کے اعتبار سے درست نہیں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام امت ایک قوم ہے۔

شیخ حسین احمد مدنی حنفی ۱۹۵۷ء اور علامہ محمد اقبال حنفی ۱۹۳۸ء کے درمیان یہ بحث تھی کہ قوم وطن سے بنتی ہے یا قوم دین سے بنتی ہے شیخ حسین احمد مدنی یہ کہتے تھے کہ قوم وطن سے بنتی ہے اور ایک ملک میں رہنے والے ایک قوم ہیں لہذا ہندو اور مسلمان چونکہ ایک ملک میں رہتے ہیں اس لیے وہ سب ایک قوم ہیں لہذا انگریز سے آزادی حاصل کرنے کے بعد ملک کو مذہب کی بنیاد پر تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے۔ تمام کافر بھی اور عیسائیت علماء کا یہی موقف تھا یہ لوگ پاکستان کا مطالبہ کرنے کے خلاف تھے اور علامہ محمد اقبال کا نظریہ یہ تھا کہ قوم دین سے بنتی ہے اگر قوم وطن سے بنتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت نہ کرتے۔ آپ نے دین اسلام کی خاطر اپنا وطن چھوڑ دیا۔ اور جب قوم دین سے بنتی ہے تو ہندوؤں اور مسلمانوں کا دین الگ الگ ہے لہذا یہ ایک قوم نہیں بلکہ الگ الگ قومیں ہیں۔ علامہ اقبال کا یہ شعر بہت مشہور ہے:

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
مذہب باہم جو نہیں: محفل انعم بھی نہیں

(بانگ درا ص ۱۲۹ اشک مل بلی کیشن ۱۱ جون ۱۹۹۸ء)

ان کی یہ دہائی بھی بہت مشہور ہے:

نعم بنور خدا رموز دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ یواہی است
سرور ہر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است
چہ مصطفیٰ بہ خویش رساں کہ دیں ہمہ دوست
اگر بہ انا نہ رسیدی قیام یواہی است

(ارمغان مجاز، ص ۲۰۰ اشکات اقبال ص ۳۳۹)

ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

نعم کو ابھی تک دین کے اسرار کا پتا نہیں چل سکا
ورنہ دیوبند سے حسین احمد کا ظاہر ہوتا کس قدر تعجب انگیز ہے
وہ ہر سر منبر یہ کہتے ہیں کہ قوم وطن سے نفی ہے
وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام سے کس قدر بے خبر ہیں
اپنے آپ کو مصطفیٰ تک پہنچاؤ کہ وہی سرایا دین ہیں
اور اگر تم ان تک نہ پہنچ سکو تو یہ سراسر یواہی ہے

صنم کا معنی

اشعرامہ ص ۱۷۷ ہے: انہوں نے کہا ہم اصنام کی عبادت کرتے ہیں سو ہم ان ہی کے لیے دن بھر محکف رہتے ہیں۔

اصنام صنم کی جمع ہے صنم کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ راغب اصلہانی متوفی ۵۰۴ھ لکھتے ہیں:

صنم اس مجسمہ کو کہتے ہیں جو چاندی یا پتیل یا لکڑی سے بنایا گیا ہو۔ کنار اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان کی عبادت کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَقَالُوبًا ۚ إِنَّهُمْ حَصِيدٌ ۚ
(انعام: ۲۵) اور جب ابراہیم نے اپنے (عربی) باپ آذر سے کہا کیا تم
جنوں کو معبود قرار دیتے ہو؟

بعض حکماء نے کہا ہر وہ چیز جس کی اللہ کو چھوڑ کر پرستش کی جائے وہ صنم ہے بلکہ ہر وہ چیز جس کی مشغولیت اللہ سے غافل
کردے وہ صنم ہے اس معنی پر یہ آیت محمول ہے:

وَالَّذِينَ لَا يَرْجُونَ إِلَٰهًا غَيْرَ اللَّهِ ۚ
(انعام: ۳۵)

مجھے اور میرے بیٹوں کو بت پرستی سے دور رکھو۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی جس قدر قوی معرفت تھی اور آپ اللہ کی حکمتوں پر چھٹا
مستحق تھے اس کے پیش نظر یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ کو یہ غمروہ ہوتا کہ آپ ان جنوں کی عبادت کریں گے جن کی آپ کی قوم

صبا للقرآن

عبادت کرتی تھی نہیں گویا کہ آپ نے یہ دعا کی کہ مجھے ان چیزوں میں مشغول ہونے سے باز رکھ جو مجھے تجھ سے غافل کر دیں۔

(المغربات ج ۴ ص ۶۷ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ کٹرکربلا ۱۳۸۱ھ)

انہوں نے کہا ہم دن بھر ان کے لیے محکف رہے ہیں۔

العکوف کا معنی ہے کسی چیز کی تعظیم کی نیت سے اس کی طرف متوجہ ہونا اور اس کے پاس لازم رہنا اور شریعت میں احکام کا معنی ہے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے اپنے آپ کو مسجد میں ٹھہرا لینا کفار بتوں کی تعظیم کے لیے بتوں کے پاس جم کر بیٹھ جاتے تھے۔

نظلی، غل سے بنا ہے اس کا معنی ہے دن بھر کسی کام میں معروف رہنا وہ جو بتوں کی عبادت کرتے تھے وہ دن کے ساتھ خاص نہیں تھی بلکہ وہ دن رات ان کی عبادت میں مشغول رہتے تھے اس لیے اس کا معنی ہے ہم ہمیشہ ان کے پاس ٹھہرے اور تھے رہتے ہیں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھا تم کس کی عبادت کرتے ہو تو انہوں نے بڑے فخر سے بتایا کہ ہم بتوں کی عبادت پر تھے رہتے رہتے ہیں۔

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی والدہ کے گھٹن سے غار میں پیدا ہوئے تھے جب وہ بڑے ہوئے تو غار سے نکلے اور شہر میں داخل ہوئے اور انہوں نے چاہا کہ وہ یہ جان سکیں کہ شہر والے کس دین پر ہیں۔ اسی طرح مثل مند لوگوں کو چاہیے کہ جب وہ کسی نئے شہر میں داخل ہوں تو وہاں کے لوگوں کا مذہب معلوم کریں اگر ان کا مذہب صحیح ہو تو ان کی موافقت کریں اور اگر ان کا مذہب باطل ہو تو ان کا رد کریں جب حضرت ابراہیم نے شہر والوں سے پوچھا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو تو انہوں نے کہا ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں سو ہم ان ہی کے لیے دن بھر محکف رہتے ہیں۔ تب حضرت ابراہیم نے ان کا رد کرنے کا ارادہ کیا اور فرمایا: (روح البیان ج ۶ ص ۳۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۱ھ)

بتوں کی عبادت کا رد فرمایا

اشرار: ۷۳-۷۴ میں فرمایا: ابراہیم نے کہا کیا وہ تمہاری فریاد سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو یا وہ تمہیں نفع اور نقصان بھی پہنچاتے ہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ جو شخص اپنے فیر کی عبادت کرتا ہے اس کا غالب حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی ضروریات اور حاجات کا اپنے معبود سے سوال کرتا ہے تاکہ اس کا معبود جب اس کے سوال کو سنے تو جان لے کہ اس کی کیا ضروریات ہیں پھر اس کو نفع پہنچائے یا اس سے ضرر کو دور کرے اور جب حال یہ ہے کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو وہ تمہاری پکار کو نہیں سنتے اور نہ ان کو تمہاری ضروریات اور حاجات کا علم ہوتا ہے پھر وہ کیسے تمہاری حاجت روائی کریں گے یا تم کو نفع پہنچائیں گے یا کس طرح تم سے ضرر کو دور کر سکیں گے اور جب وہ تم کو نفع پہنچا سکتے ہیں تو تم سے ضرر اور نقصان کو دور کر سکتے ہیں تو پھر ایسے گوشتے بھرے اور کسی کام نہ آسکے والے پتھر کے بے جان محسوس کی عبادت کو تم کس وجہ سے جائز قرار دیتے ہو۔ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ قوی دلیل قائم کی تو ان کے عربی باپ اور ان کی قوم سے کوئی بات نہ بن سکی جس سے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حجت کا توڑ کر سکتے اور بتوں کی عبادت پر ان کے اعتراض کو دور کر سکتے تب انہوں نے یہ کہا:

فرمایا: انہوں نے کہا (نہیں!) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا ہے ۵ ابراہیم نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ تم کن کی عبادت کرتے رہے تھے ۵؟ تم اور تمہارے باپ دادا ۵؟ بے شک وہ (سب) میرے دشمن ہیں۔ کوئی برحق معبود

نہیں سوارب العالمین کے! (اشعراء ۷۷-۷۸)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے پاس بتوں کی عبادت کرنے پر سوائے اپنے باپ دادا کی عبادت تصدیق کے اور کوئی سند نہیں تھی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دلائل کے مقابلہ میں محض تقلید سودمند نہیں ہے اور تقلید کرنا باطل ہے مگر عقائد میں تقلید کرنا ممنوع ہے اور مسائل شرعیہ فریضہ میں تقلید کرنا جائز ہے اور عوام جو خود براہ راست کتاب و سنت سے مسائل اخذ نہیں کر سکتے ان پر علماء اور اہل فتویٰ کی تقلید کرنا واجب ہے۔

بتوں کو دشمن فرمانے کی توجیہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو دشمن فرمایا حالانکہ دشمن ہونا تو کسی جاندار اور صاحب عقل کی مفت ہے جو کسی کا کچھ بگاڑ سکے کسی کو ضرر اور نقصان پہنچا سکے۔ بے جان پتھر کسی کا کیا بگاڑ سکتے ہیں اور کسی کو کیا ضرر پہنچا سکتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ مَا يَكُونُ لَكُمْ عِلْمٌ بِمَا يُكْتُمُ اللَّهُ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِرَّ كُمْ يُعْلِنُهُ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى اللَّهِ كَانُوا كَرِيمِينَ (مریم ۸۲)

ہوں گے (وہ) معترپ لکاری کی عبادت کرنے کا انکار کر دیں گے اور ان کے مخالف اور دشمن ہو جائیں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا گیا ہے کہ کفار دنیا میں جن بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو زندہ کر دے گا حتیٰ کہ وہ کفار کو اس کی عبادت کرنے پر ڈالیں گے اور ان کی عبادت سے اپنی برأت اور بیزارگی کا اظہار کریں گے اس اعتبار سے یہ بت آخرت میں کفار کے دشمن بن جائیں گے۔ اس اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان پر دشمن کا اطلاق فرمایا۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جب کفار نے ان بتوں کی تعظیم اور ان کی عبادت کی اور ان سے نفع پہنچانے اور ضرر دور کرنے کی امید رکھی تو کفار نے اپنے اعتقاد میں ان کو زندہ اور عقل والا قرار دے دیا اور جب واقع میں ان بتوں نے کفار کو دنیا میں نفع پہنچایا نہ آخرت میں اور دنیا میں ان سے ضرر دور کیا نہ آخرت میں تو انہماں کا ردہ بت کفار کے دشمن ثابت ہوئے کہ کفار کی اتنی تعظیم اور عبادت کے وجود نہ دینا اور آخرت میں ان کے کسی کام نہ آ سکے۔

بتوں کو کفار کا دشمن کہنے کے بجائے اپنا دشمن کہنے کی توجیہ

ایک اور اعتراض اس مقام پر یہ ہوتا ہے کہ کلام کے سیاق و سباق سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ ظاہر یہ کہنا چاہیے تھا کہ وہ بت ان کفار کے اپنی عبادت کرنے والوں کے دشمن ہیں حالانکہ انہوں نے یہ کہا کہ وہ میرے دشمن ہیں۔ اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ تعریض نہ کیا ہے یعنی حقیقت میں وہ کفار کے دشمن تھے لیکن فرمایا کہ وہ میرے دشمن ہیں تعریض اس کو کہتے ہیں کہ صراحتاً ایک شخص کی طرف اشارہ دیا جائے اور اشارہ دوسرے کی طرف ہو۔

اس کا مفصل جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو کفار کی جگہ پر رکھ کر فرمایا کہ اگر میں یہ فرض بحال ان بتوں کی عبادت کرتا اور وہ دنیا اور آخرت میں مجھے نقصان پہنچاتے تو میں ان کو اپنا دشمن قرار دیتا اور ان کی عبادت کرنے سے اجتناب کر لیتا اور اس کی عبادت کرتا جو مجھے دنیا اور آخرت میں نفع پہنچاتا اور ضرر سے بچاتا اور وہ صرف رب العالمین ہے تو میں ان کو وہ نصیحت کرتا جو نصیحت میں اپنے نفس کے ساتھ کرتا سو اگر وہ غور کریں گے تو انہیں یہ کہنا پڑے گا کہ حضرت ابراہیم ان کو وہ نصیحت کر رہے ہیں جو نصیحت وہ اپنے آپ کو کرتے۔

خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس نے مجھے پیدا کیا سو وہی مجھے ہدایت دیتا ہے اور وہی مجھے کھلاتا اور چلاتا ہے اور جب میں مار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے اور وہی میری روح قبض کرے گا پھر مجھے زندہ فرمائے گا اور جس سے مجھے امید ہے کہ وہ میری (ظاہری) خطا کو قیامت کے دن معاف فرمادے گا اے میرے رب! مجھے حکم (صحیح فیصلہ) عطا فرما اور مجھے نیکوکاروں کے ساتھ دے اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ اور مجھے نعمت والی جنّتوں کے وارثوں میں سے بنادے اور میرے (عربی) باپ کو بخش دے بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا اور جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے مجھے شرمندہ نہ کریں اور جس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ اولاد اور اس شخص کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوا (اشعراء: ۸۹-۹۸)

پہلے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کی نعمت کا ذکر کرنا پھر اس کی پرورش کی نعمت کا ذکر کرنا

اس سے پہلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معبودان باطلہ سے اپنے نفس کو مستفی فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ کی وہ صفات بیان فرمائی تھیں جن کی وجہ سے وہ عبادت کا مستحق ہے اور یہ بتایا تھا کہ بت نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ نفع اور ضرر پہنچانے کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے سو ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان مطالب اور ان مقاصد کا ذکر فرمایا جن کا حضرت ابراہیم نے اللہ تعالیٰ سے سوال فرمایا تھا ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی سوال کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنی چاہیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: جس نے مجھے پیدا کیا وہی مجھے ہدایت دیتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کی نعمت کا ذکر کیا پھر اس کے بعد ہدایت دینے کی نعمت کا ذکر کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے موافق ہے:

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَالَّذِي فِي يَدَيْكَ فَتْرُتُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالَّذِي فِي يَدَيْكَ فَتْرُتُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالَّذِي فِي يَدَيْكَ فَتْرُتُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (۱-۳)

اپنے رب کے نام کی تسبیح کیجئے جو سب سے بلند ہے اور جس نے پیدا کیا پھر درست کیا اور جس نے اعزاز و مقرر فرمایا پھر ہدایت دی۔
ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ پہلے انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا پھر ہدایت دی اس اسلوب پر حضرت ابراہیم نے پہلے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کا ذکر فرمایا پھر اس کے ہدایت دینے کا ذکر فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ کلام تمام دنیاوی اور دینی نعمتوں اور منافع کو شامل ہے۔ غفلت کرنے میں دنیا کی تمام نعمتوں کا ذکر آ گیا اور ہدایت دینے میں دین کی تمام نعمتوں کا ذکر آ گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیدا کرنے کی نعمت کا صیغہ ماضی سے ذکر کیا اور ہدایت دینے کی نعمت کا مضارع کے صیغہ سے ذکر کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ماضی میں ولید واحد پیدا کر دیا اور اس کو دنیا اور دین کی بھلائوں اور نیکیوں کی طرف ہر لمحہ اور ہر لمحہ ہدایت دے رہا ہے اور مستقبل میں دیتا رہے گا۔
کھلانے چلانے کی نعمت میں لپٹی ہوئی بے شمار نعمتیں

اس کے بعد فرمایا: اور وہی مجھے کھلاتا ہے اور چلاتا ہے (اشعراء: ۹۹) اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے بعد حضرت ابراہیم نے اس کی پرورش کی نعمت کا ذکر کیا کھلانے اور چلانے کی نعمت کے واسطے میں وہ تمام نعمتیں لپٹی اور کھنی ہوئی ہیں جن پر کھانا اور چٹنا موقوف ہے مثلاً وہ طعام اور مشروب کا مالک ہوگا تو کھائے اور پیے گا اگر وہ طعام اور مشروب کا مالک ہو لیکن کوئی دشمن اس کو

کھانے پینے نہ دے تو وہ کھالی نہیں سکتا، خدام کا مالک بھی ہو کوئی منع کرنے والا بھی نہ ہو لیکن کسی مرض کی وجہ سے کھانا مثلاً اس کے منہ میں زخم ہوں یا اس کے منہ میں کینسر ہوں تو وہ کھالی نہیں سکتا، سواں کی سختی بڑی نعمت ہے اس نے کھانے کے لیے زمین میں اناج اور پھل پیدا کیے آسمان سے پانی نازل کیا زمین میں روئیدگی کی صلاحیت رکھی سورج کی حرارت اناج اور پھلوں کو پکایا ہواؤں سے دانے اور بھوسے کو الگ کیا پھر رزق کے حصول کے لیے انسان کو صحت اور قوت کے سہا پہ فراہم کیے کھانے پینے کے وقت کسی مانع سے محفوظ رکھا کھانے پینے کے لیے منہ کو مرض سے محفوظ رکھا اس غذا کو ختم کرنے کے لیے اور اس کو ختم کا جزو بنانے کے لیے معدہ، جگر، آنتوں اور دیگر اندرونی اعضاء کو امراض سے سلامت رکھا، کھانے کو مصلحت کے ساتھ بنائے کہ نوالہ ہاتھوں سے منہ تک لے جائے، اگر وہ ٹھنڈا ہوتا اس کے ہاتھ کئے ہوئے ہوتے تو وہ کیسے کھاتا اور پیتا اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اور نبی مجھے کھلاتا ہے اور چلاتا ہے پھر اس نے کھانے اور پینے کے لیے اناج اور پھلوں کی متعدد اچانک پیدا کیں گندم جو اور کئی ہے چنا ہے چاول ہے اور مختلف اقسام کے پھل ہیں اگر کسی کے حراج اور صحت کے منہ موافق نہیں تو وہ جو اور کئی کھالے وہ بھی موافق نہیں تو وہ زمین کی روٹی کھالے وہ بھی اس نہیں آتا تو چاول کھالے اور جس کو اناج کی کوئی قسم موافق نہیں آتی وہ پھل کھالے گوشت کھانے کے لیے طرح طرح کے حیوانات پیدا کیے، غریب آدمی مرغ اور بکری کا گوشت نہیں کھا سکتا وہ گائے کا گوشت کھالے جس کو گائے کا گوشت نقصان دہ ہو وہ بکری کا گوشت کھالے مرغ کھائے، چھلی کھائے، بزیں کھائے، دلیں کھائے اس نے امیر اور غریب ہر طبقہ کے لیے صحت اور مرض کے اعتبار سے ہر قسم کے انسانوں کے لیے غذا کی اچانک فراہم کیں اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے بعد اس کی پرورش کرنے کی اس عظیم اور بے گیر نعمت کا ذکر فرمایا: اور وہی مجھے کھلاتا ہے اور چلاتا ہے۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے اور پینے کے اسرار

ہمارے نبی سید محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کے کھلانے اور چلانے کا ذکر کیا ہے فرمایا: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وصال کے روزے (محرم و افطار کے بغیر مسلسل روزے) نہ رکھو، صحابہ نے کہا آپ تو وصال کے روزے رکھتے ہیں آپ نے فرمایا میں تم میں سے کسی کی محسوس نہیں ہوں، بے شک میں کھلایا جاتا ہوں اور چلایا جاتا ہوں، فرمایا میں اپنے رب کے پاس رات کو ہوتا ہوں مجھے کھلایا اور چلایا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۶۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۰۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۷۸۱ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۷۷۷۰ جامع الترمذی سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۱۷۱ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۵۷۳)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ نے فرمایا: میں تمہاری محسوس نہیں ہوں بے شک مجھے میرا رب کھلاتا ہے اور وہی مجھے چلاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۶۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۰۵ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۲۶۲) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جس کھانے اور پینے کا ذکر ہے اس کی تشریح میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حسی کھانا ہے جو منہ سے کھایا جاتا ہے دنیاوی کھانے کے اعتبار سے آپ نے وصال کے روزے رکھے تھے اور یہ کھانا آپ کو جنت سے لاکر کھلایا اور چلایا جاتا تھا اور اس کی تشریح میں دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو معرفت کی غذا کھلاتا تھا اور آپ کے قلب پر دعا اور مناجات، "خشوع" خشوع اور سوز و گداز کی اللہ کا فیضان کرتا تھا اور آپ کی آنکھوں کو اپنے قرب کی خشوع عطا کرتا تھا اور اپنی محبت کی راحت عطا کرتا تھا اور اپنے روح پرور جمال سے آپ کی روح کو شاد کام اور نفس کو تازگی عطا فرماتا تھا۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کھانے پینے کے محتاج نہیں تھے یہی وجہ ہے کہ وصال کے روزے رکھتے اور مسلسل کھانے پینے کو ترک کرنے کی وجہ سے آپ کی جسمانی حالت میں کوئی ضعف اور تضعیف رونما نہیں ہوا۔ آپ بہ ظاہر صرف اس لیے کھاتے پیتے تھے کہ آپ کی ضعیف امت کے لیے کھانا چٹا سنت ہو جائے اور ان کو کھانے پینے کے آداب و طریقہ کا علم ہو جائے اور جن چیزوں کو آپ کھاتے پینے کے لیے اختیار کریں ان چیزوں کا کھانا چٹا کا ثواب ہو جائے اور ان چیزوں کا دوسری چیزوں پر مرتبہ بڑھ جائے۔

بعض روایات میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے تو یہ بھوک کی وجہ سے نہ تھا بلکہ یہ اس لیے تھا کہ آپ کمال لطافت کی وجہ سے عالم شکوت سے داخل نہ ہو جائیں بلکہ آپ مخلوق کی رشد و ہدایت اور لوگوں کی رہنمائی کے لیے اسی عالم باسوت میں برقرار رہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں بھی امت کی تعلیم مقصود ہو کہ اگر ان کو کچھ کھانے پینے کے لیے نہ ملے اور بھوک کی شدت ہو تو وہ پیٹ پر پتھر باندھ لیں اور جس طرح کھانا چٹا ان کے لیے سنت ہے اور آپ نے انہیں کھانے پینے کے آداب بتائے اسی طرح بھوکا رہنا بھی ان کے لیے سنت ہو جائے اور اس کے آداب بھی انہیں معلوم ہو جائیں۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور ہم نے کپڑا اٹھا کر اپنے پیٹوں پر باندھے ہوئے پتھر دکھائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر دو پتھر دکھائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۱، مشکل ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۱۱، تہذیب الکمال ج ۱۲ ص ۱۷۱)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

شیخ آندی قدس سرہ نے کہا ہے کہ آپ کی امت کے بعض افراد سے منقول ہے کہ وہ کئی کئی سال بغیر کھائے پئے گزار دیتے تھے کیونکہ ان کو عالم قدس سے داخل ہونے کی شدید قوت تھی اور وہ بشری قیامت سے مجرود ہو چکے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو ان سے بہت اونٹنی اور اونٹنی ہیں۔ (روح البیان ج ۶ ص ۶۳، مطبوعہ دارالحدیث، التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

عام لوگوں کی بیماری کے اسباب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (ابراہیم نے کہا) اور جب میں بیمار پڑ جاتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے۔ (اشعرامہ: ۸۰) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اور جب میں بیمار ہوتا ہوں یہ نہیں کہا جب وہ مجھے بیمار کرتا ہے کیونکہ صحت اس وقت قائم رہتی ہے جب جسم کی تمام اخلاط اعتدال پر رہیں اور جب بعض اخلاط بعض پر غالب ہو جائیں یا کھانے پینے میں بے اعتدالی کی وجہ سے ان میں تباہی اور نقص پیدا ہو جائے تو انسان میں مرض پیدا ہو جاتا ہے مثلاً زیادہ میٹھی اور نشہ دار چیزوں کے کھانے آرام طلبی اور بھانسی نہ کرنے کی وجہ سے شوگر ہو جاتی ہے۔ بے شمار خوری کی وجہ سے بد ہضمی اور معدہ کا ضعف ہو جاتا ہے اور معدہ کے منہ پر درم آ جاتا ہے زیادہ تیزابی ترش اور مرچیں اور مصالحہ دار چٹ پٹی اشیاء کھانے کی وجہ سے معدہ کا اسیر ہو جاتا ہے۔ تھما کو کھانے اور سگریٹ نوشی کی وجہ سے عموماً گھبراہٹ ہو جاتا ہے کھانسی ہو جاتی ہے خون کی شریانیں تنگ ہو جاتی ہیں اور ہائی بلڈ پریشر ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں فالج ہو جاتا ہے اور بعض اوقات دماغ کی رگ پھٹ جاتی ہے زیادہ سگریٹ نوشی (تھین سموکنگ) سے جگر کا سائز کم ہو جاتا ہے اور سروس ہو جاتا ہے اور مرغن اشیاء زیادہ کھانے تن آسانی اور محنت کے کام نہ کرنے کی وجہ سے انسان عارضہ قلب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کوئیرشل بڑھنے کی وجہ سے کمر کا درد ہو جاتا ہے اور زیادہ گوشت کھانے کی وجہ سے آخر عمر میں پروٹین گھٹنے کا حجم زیادہ ہو جاتا ہے اور بچہ شاپ کرنے میں تکلیف ہوتی ہے اور زیادہ گرم اشیاء اور اڑے اور چاول زیادہ مقدار میں کھانے کی وجہ سے گردوں کا درد ہو جاتا ہے اور پتھری ہو جاتی ہے۔ نماز

کے سچ اور پاک زیادہ کھانے کی وجہ سے پتے میں پھری ہو جاتی ہے، جنسی بے اعتدالی اور بے راہ روی کے نتیجے میں آفتاب سوزاک ایسے امراض ہو جاتے ہیں۔ ہم جنس پرستی سے ایڈز کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ شراب نوشی کی کثرت سے کھنکھ ہو جاتا ہے اور ان اخلاق سوز حرکات کی وجہ سے آدھی کا سکون غارت ہو جاتا ہے راتوں کو نیند نہیں آتی، جس کے نتیجے میں پہلے سوجھ بچھ رہتا تھا اب ہو جاتا ہے پھر لوگوں کو سکون بخش اور خواب آور گولیاں لینی پڑتی ہیں۔ بعض لوگ پتھوڈین کے انجکشن لگواتے ہیں اور بعض چرس اور ہیروئن کی پناہ لیتے ہیں اور پھر انسان دن بدن تباہی کے غار میں گرنا چلا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر بیماری مرض اور مصیبت انسان کی اپنی آ پنی آدودہ اور پیدا کردہ ہے جب انسان اسلام کے احکام اور فطرت کے اصولوں سے روگردانی کرتا ہے تو وہ امراض اور مصائب کا شکار ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ
فَاصْبِرُوا إِنَّ كَيْدَ الْبَشَرِ لَشَدِيدٌ (البقرہ: ۲۰۱)

جو انسان فطرت سے بغاوت نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرتے وہ ان مہلک بیماریوں میں مبتلا نہیں ہوتے اور امن اور سکون کے ساتھ زندگی گزار دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّخَذُوا آلَ الْيَمَانِ مَثَلًا
لَهُمْ الْأَمْنُ وَهُم مُّقْتَدِرُونَ (الانعام: ۸۲)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو علم کے ساتھ مخلوق نہیں کیا ان ہی کے لیے امن اور سلامتی ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

غرض یہ کہ حضرت امیر الہدایہ علیہ السلام نے یہ کہا کہ بیماریاں ہوتا ہوں اور یہ نہیں کہا کہ اللہ مجھے بیمار کرتا ہے کیونکہ اللہ نے تو انسان کو صحیح سالم بدن دیا تھا۔ حضرت امیر الہدایہ نے اپنے اس قول سے یہ سمجھ فرمائی کہ انسان بے اعتدالی اور بے راہ روی سے خود اپنے آپ کو بیمار کر لیتا ہے۔

نبی علیہ السلام اور نیک لوگوں کی بیماری کے اسباب

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام اور دوسرے نیک لوگ بھی بعض اوقات بیمار ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابوب علیہ السلام سخت بیمار ہوئے حضرت امیر الہدایہ نے اپنی بیماری کا ذکر کیا حضرت موسیٰ نے اپنی تھکاوٹ کا ذکر کیا خود ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ڈھی ہوئے سر میں درد ہوا اور آپ کو عام لوگوں کی یہ نسبت دگنا بخارا تا تھا کیا ان حضرات کی بیماری بھی خود پیدا کردہ تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان نفوس قدسیہ کی بیماری کے متعلق کوئی بد باطن شخص ہی ایسا قاسد گمان کر سکتا ہے ان پر جو بیماریاں آتی ہیں وہ اللہ کی طرف سے امتحان اور آزمائش ہیں اور ان کے اجر و ثواب میں اضافہ کا سبب ہیں اور امت کے لیے تعلیم ہے تاکہ وہاں علاج کرنا ان کی سنت ہو جائے بیماری کی خدمت کرنے اور بیماری کی عیادت کرنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ مکمل ہو جائے اور امت کو معلوم ہو جائے کہ بیماری کی حالت میں نماز اور دوسری عبادات کس طرح ادا کی جائیں اور یہ معلوم ہو کہ اگر مرض بہت بڑھ جائے اور تکلیف زیادہ ہو تو صبر اور سکون سے کام لیا جائے۔ بے قراری، آواز زاری اور شکوہ و شکایت اور دوا دینا نہ کیا جائے۔ ہم نے عام لوگوں کی بیماری کے اسباب بیان کیے ہیں کہ ان کے امراض بے اعتدالی سے پیدا ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی بیماری ان کے حق میں امتحان بلکہ انعام ہوتی ہے۔

اب بجا طور پر یہ سوال ہوگا کہ جب انبیاء علیہم السلام خود اپنی بیماری کا سبب نہیں ہوتے تو پھر حضرت امیر الہدایہ علیہ السلام نے کیوں فرمایا میں بیمار ہوتا ہوں اور وہ شفا دیتا ہے اس کا جواب آئندہ طور میں آ رہا ہے۔ (ان شاء اللہ)

عیب کی نسبت اپنی طرف اور حسن کی نسبت اللہ کی طرف کرنا

ادب اور تواضع کا تقاضا یہ ہے کہ ہر حسن اور کمال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے اور عیب اور نقص کی نسبت اپنے نفس کی طرف کی جائے جیسا کہ قرآن مجید کی تعلیم ہے:

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سُوْءَةٍ فَمِنَ نَفْسِكَ (اسماء: ۷۹)

(اے انسان!) تجھے جو اچھائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور تجھے جو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جب کشتی کو توڑا اور اس میں نقص اور عیب ڈالا تو اس کی نسبت اپنی طرف کی اور کہا:

أَنَا الشَّيْطَانُ فَكَانَتْ لِلسَّيِّئِينَ يَصْنَعُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَمَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا (المکمل: ۷۹)

میں نے اس میں عیب ڈالنے کا ارادہ کیا۔

اور جب یتیم بچوں کا خزانہ محفوظ کرنے کے لیے اس ٹوٹی ہوئی دیوار کو جوڑا جس کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا تو کہا:

وَأَنَا الْيَهُودُ فَكَانَ لِلْيَهُودِ يَصْنَعُونَ فِي أَمْوَالِهِمْ وَكَانَ خِزَانَتُهُمْ وَأَوَّلَهُمْ وَأَوَّلُهُمْ وَأَوَّلُهُمْ فَكَانَ كَذِبًا أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا خِزْنَهُمَا فَأَنَا

میں جن کا خزانہ اس دیوار کے نیچے دفن ہے۔ ان کا بچ بڑا نیک شخص تھا تو آپ کے رب نے یہ ارادہ کیا کہ یہ دونوں یتیم بچے اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔ (المکمل: ۸۳)

ظاہر میں کشتی تو زنا اور دہرے اور جوڑا دونوں حضرت خضر علیہ السلام کے کام تھے اور حقیقت میں یہ دونوں کام اللہ کے فضل تھے لیکن حضرت خضر نے ادب کو ملحوظ رکھ کر توڑنے کی نسبت اپنی طرف کی اور جوڑنے کی نسبت اللہ کی طرف کی۔

اور اسی نچ پر یہ آیت ہے: جنات نے کہا:

إِنَّا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَتَذَرُنَّ بِيَعْنَ فِي الْأَرْضِ فَتَقُولُوا إِنَّا لَا يَخَذَرُ لَكُمْ إِلَهُكُمْ وَأَنْتُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ (الحج: ۱۰)

ہم نہیں چاہتے کہ (آسمانوں کو محفوظ کر کے) زمین والوں کے ساتھ کسی شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ بھلائی (دہایت) کا ارادہ کیا ہے۔

جنات نے جب شر کا ذکر کیا تو اس کے فائل کو بھول رکھا اور جب بھلائی اور دہایت کا ذکر کیا تو اس کو ان کے رب کا ارادہ کہا۔

میں بیمار ہوتا ہوں اور شفاء وہ دیتا ہے۔ بیماری نقص اور عیب ہے اس کی اپنی طرف نسبت کی اور شفاء دینا حسن اور کمال ہے تو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی اور یہی حسن ادب کا تقاضا ہے۔

مرض اور شفاء کے متعلق عارفین کے اقوال

علامہ اسماعیل حقانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: جب میں گناہ کر کے بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے توبہ سے شفاء دے دیتا ہے اور شبلی رحمہ اللہ نے کہا کہ بیماری غیر اللہ کی طرف دیکھنے سے ہوتی ہے اور شفاء اللہ عزوجل کی تجلیات کے مشابہ سے ہوتی ہے اور بحر میں کھسا ہے کہ بیماری دنیا کے ساتھ تعلق رکھنے سے ہوتی ہے اور شفاء دنیا سے قطع تعلق سے ہوتی ہے اور یہ مرتب اس وقت حاصل ہوتا ہے جب مالک پر جذب کی کیفیت مستحکم ہوتی ہے تو وہ تمام مخلوق سے تعلق منقطع کر کے صرف ایک اللہ کا ہو جاتا

Handwritten text in Urdu script, likely a religious or philosophical treatise. The text is written in a cursive style and is arranged in horizontal lines across the page. The handwriting is dense and fills most of the page area.

بعض صوفیا علاج سے منع کرتے ہیں اور اس کو توکل اور حلیم و دھما کے خلاف قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ بندہ کو جس حال میں رکھے اس حال میں راضی رہنا چاہیے اور وہ علاج نہیں کرتا ہے لیکن یہ بھی نہیں ہے ورنہ بندہ کو وہ بھی نہیں کرتی چاہیے کیونکہ دعائیں بندہ اپنے حال میں تحریر کو طلب کرتا ہے اور یہ قرآن مجید کی بہت سی آیتوں کے خلاف ہے اور یہی میں علاج نہ کرتا ہی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بھی خلاف ہے اور آپ کے احکام سے بھی خلاف ہے۔

اسامہ بن شریک بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کے اصحاب میں عرض پیش ہوئے تھے گویا ان کے سروں پر پرندے ہوں۔ میں نے سلام کیا پھر بیٹھ گیا۔ اعرہ اعرہ سے دیہانت آ رہے تھے انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ کیا ہم دواؤں سے علاج کیا کریں؟ آپ نے فرمایا: دوا استعمل کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں پیدا کی ہے اس کے علاج کے لیے دوا بھی پیدا کی ہے سو ایک یہ دوا کے دوا چاہا ہے۔

(سنن ابی داؤد رقم اللہ ہے ۳۸۵۵ سنن ابی حزمی رقم اللہ ہے ۲۰۳۸ سنن ابن ماجہ رقم اللہ ہے ۱۰۰۳۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی علاج کیا ہے اور اس زمانہ میں علاج کے جو طریقے معروف تھے ان پر عمل فرمایا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حجرے میں داخل ہوئے اور آپ کا درد بہت شدید ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: مجھ پر ایسی سات مشکوں کا پانی اٹھایو جن کا منہ کھولا نہ گیا ہو۔ شاید میں لوگوں کو وصیت کروں آپ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے شب میں بخا دیا گیا پھر ہم نے آپ کے اوپر مشکوں سے پانی اٹھایا شروع کیا حتیٰ کہ آپ نے ہماری طرف اشارہ کر کے فرمایا: بس کرو پھر آپ کو لوگوں کی طرف پھلے گئے۔

(صحیح البخاری رقم اللہ ہے ۱۹۸۰ سنن ابی داؤد رقم اللہ ہے ۱۸۳۳ سنن ابی حزمی رقم اللہ ہے ۱۰۰۳۳)

جدید طبی تحقیق بھی یہی ہے کہ جب بہت تیز بخار ہو تو مریض کو برف سے غنڈک پہنچائی جائے۔

ابو حازم بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت سہیل بن سعد السامدی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے تھے تو کس دوا سے آپ کا علاج کیا گیا تھا؟ انہوں نے کہا: اب اس چیز کو مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی ذاتی نہیں بچا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ کو دوا کر کے دیکھا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے حجرے سے خون کو دھو کر صرف کرتی تھیں پھر ایک چٹائی چلائی گئی اور اس کی راکھ سے آپ کے زخم کو بھر دیا گیا۔

(صحیح البخاری رقم اللہ ہے ۲۲۳۳ سنن ابن ماجہ رقم اللہ ہے ۱۰۰۴۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فصد لوائی (رگ کوٹ کر خون نکھانا) اور رگ کاٹنے والے کو اس کی اجرت دی اور تاک میں دوا ڈلوائی۔ (صحیح البخاری رقم اللہ ہے ۱۶۶۱ صحیح مسلم رقم اللہ ہے ۱۰۰۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بیماریوں کا علاج بھی بتایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلوشی میں موت کے سوا ہر بیماری کے لیے شفا ہے۔ (صحیح البخاری رقم اللہ ہے ۱۶۸۸ صحیح مسلم رقم اللہ ہے ۲۲۱۵)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بخار جنہم کی گری بھی شدت سے ہے اس کو پانی سے غنڈا کرو۔

(صحیح البخاری رقم اللہ ہے ۵۷۲۶ صحیح مسلم رقم اللہ ہے ۲۲۱۲ سنن ابی حزمی رقم اللہ ہے ۲۰۶۳ سنن ابن ماجہ رقم اللہ ہے ۱۰۰۴۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بھی بہت سی بیماریوں کے لیے دوائیں تجویز فرمائی ہیں جن کی تفصیل کتب صحاح ستہ میں ہے۔

پریز کے متعلق احادیث

بعض لوگ پریز کے بھی بہت مخالف ہیں اور پریز خود کرتے ہیں نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں میں نے بہت سے خبر کے مریضوں کو معافی کھاتے ہوئے دیکھا وہ کہتے ہیں صاحب! میٹھی اور نکتہ ست والی چیزوں کو نہ کھانا کھراں نعت ہے ہم اللہ کی نعمتوں کو ترک نہیں کر سکتے۔ حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو پریز کرایا ہے۔

امام ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے اور حضرت علی پر نکتہ ست اور کزوری تھی۔ ہمارے ہاں کبھی کبھور کا خوشنکاح ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر اس میں سے کھجوریں کھانے لگے۔ حضرت علی بھی کھڑے ہو کر کھانے لگے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمانے لگے یہ کھجوریں نہ کھاؤ کیونکہ تم کزور ہو حتیٰ کہ حضرت علی رک گئے میں نے جو اور چند رک سائل بنایا ہوا تھا میں آپ کے پاس وہ لے کر آئی آپ نے فرمایا علی اس میں سے کھاؤ یہ تمہارے لیے قانکہ منہ ہیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۸۵۶ سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۰۳۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۴۳۳)

حضرت قتادہ بن العمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرے تو اس کو دنیا سے اس طرح پریز کراتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص استسقاء کے مریض کو پانی سے پریز کراتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۰۳۶ مسند احمد بن حنبل ۵ ص ۳۲۷ صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۶۶۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۴۳۳ المعجم الکبیر ۱ ص ۱۹ رقم الحدیث ۱۰۳۸)

حضرت محمود بن حنفیہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل اپنے بندہ کو دنیا سے اس طرح پریز کراتا ہے جس طرح تم اپنے مریض کو (نقصان دہ) کھانے اور پینے کی چیزوں سے پریز کراتے ہو۔

(مشعب ابن عمیر رقم الحدیث ۱۰۳۵۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۸۰ھ)

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے حق میں موت کا نعت ہونا

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: وہی میری روح قبض کرے گا پھر مجھے زندہ فرمائے گا (اشعرا: ۸۱) یعنی دنیا میں جب میری اجل (مدت حیات) پوری ہو جائے گی تو وہ میری روح قبض فرمائے گا پھر دوبارہ مجھے زندہ فرمائے گا تاکہ مجھے میرے اعمال کی جزاء عطا فرمائے موت دینے اور روح قبض کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی کہ اے وہ کمال کے لیے موت بھی نعت ہے کیونکہ دنیا کے ربیع و اہل سے خلاصی اور حیات ابدیہ کے حصول کے لیے موت وسیلہ ہے۔

امام شعبی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے عدل سے موت دے گا اور اپنے فضل سے زندہ فرمائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ موت سے مراد جہنم اور معصیت ہے اور زندہ کرنے سے مراد رحم اور اطاعت ہے۔ یا مارنے سے مراد گناہ میں مبتلا کرنا ہے اور زندہ کرنے سے مراد انہوں سے بچانا ہے یا مارنے سے مراد اللہ تعالیٰ سے دوری ہے اور زندہ کرنے سے مراد اللہ تعالیٰ سے وصال ہے۔

حقائق مسلمی میں لکھ ہوا ہے کہ مارنے سے مراد ہے کسی شخص کو ان نیت میں مبتلا کرنا اور زندہ کرنے سے مراد ہے اس کو جاہلیت سے نکالنا۔ (روح البیان ج ۶ ص ۳۶۶-۳۶۵ مطبوعہ دارالمنیر بآثرات احرار بیروت ۱۳۸۱ھ)

علامہ قرطبی مابقی متوفی ۶۸۸ھ نے لکھا ہے اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) جو مجھے اپنے خوف سے مارتا ہے اور اپنی امید سے زندہ کرتا ہے۔

(۲) جو مجھے طمع سے مارتا ہے اور قناعت سے زندہ کرتا ہے۔

ان کے علاوہ اور وہ اقوال ذکر کیے ہیں جن کو ہم روح البیان کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں۔

(الجامع للحکام القرآن ج ۴ ص ۱۰۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خطا کا ذکر کر کے مغفرت طلب کی اس کی توجیہات

اور جس سے مجھے امید ہے کہ وہ میری (بدظاہر) خطاؤں کو قیامت کے دن معاف فرما دے گا (الشعر: ۸۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں یوں کہا مجھے امید ہے کہ وہ معاف فرمائے گا یوں نہیں کہا میری خطاؤں کو معاف فرما دے۔ اس کی وجہ اس لیے ہے اور یہ بتانا ہے کہ بندہ کو خوف اور امید کے درمیان رہنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے کرم پر متبہ فرما دے۔ کیونکہ کریم سے جب کوئی امید رکھی جائے تو وہ اس کو پورا کر دیتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مغفور اور معصوم ہیں پھر انہوں نے اپنی خطا کا کیوں ذکر کیا اور ان کی مغفرت کیوں صوب کی اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ظاہری خطاؤں پر معافی طلب کی مفسرین نے کہا ہے کہ ظاہری خطاؤں سے مراد وہ تین باتیں ہیں جو بدظاہر جھوٹ تھیں لیکن حقیقت میں جھوٹ نہ تھیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے ان کے بتوں کو خود توڑ دیا اور جب قوم نے اس کے متعلق پوچھا تو حضرت ابراہیم نے کہا:

بَلْ فَعَلَهُ كَيْدٌ مِنْهُ وَهَذَا (الانبیاء: ۶۳)

بلکہ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا ہے۔

یہ بدظاہر جھوٹ تھا حقیقت میں جھوٹ نہ تھا کیونکہ حضرت ابراہیم کا غصہ یہ تھا کہ اس بڑے بت کی پرستش کو چھل کرنے اور اس کو ذلیل و خوار کرنے اور اس کے بجز کو ظاہر کرنے کے سبب سے میں نے اس کو توڑ ڈالا کیونکہ اگر یہ واقعی خدا ہوتا تو مجھے ان بتوں کے توڑنے سے روک دیتا اور جب یہ ان بتوں کو مضر سمجھنے سے نہیں بچا۔ کا تو معلوم ہوا کہ یہ خدا نہیں ہے اور اس کی پرستش کرنا جائز نہیں ہے۔ پس ان کا یہ کام بدظاہر جھوٹ تھا حقیقت میں جھوٹ نہ تھا۔

دوسری بات یہ تھی کہ جب قوم ان کو میلے میں لے جانے کے لیے آئی تو انہوں نے کہا:

إِنِّي سَاقِيكَ (المائد: ۸۹)

میں پیار ہوں۔

حالانکہ حضرت ابراہیم پیار نہ تھے حضرت ابراہیم نے بدظاہر یہ کہا تھا کہ میں پیار ہوں لیکن ان کی مراد یہ تھی کہ میری قوم روحانی پیار ہے کہ وہ گمراہی اور بت پرستی میں ڈوبی ہوئی ہے آپ نے پیاری کا صراحت اسناد اپنی طرف کیا لیکن اشارہ آپ کا اسناد اپنی قوم کی طرف تھا سو یہ کام بدظاہر جھوٹ ہے لیکن حقیقت میں جھوٹ نہیں ہے۔

اور تیسری بات یہ تھی کہ حضرت سارہ آپ کی بیوی تھیں لیکن جب ظالم بادشاہ کے کارندوں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے کہا یہ میری بہن ہے آپ کی مراد یہ تھی کہ یہ میری دینی بہن ہے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۴۵۵، ۳۴۵۶، ۳۴۵۷، ۳۴۵۸، ۳۴۵۹، ۳۴۶۰، ۳۴۶۱)

آپ کا یہ کام بھی بدظاہر جھوٹ تھا حقیقت میں جھوٹ نہیں تھا۔

آپ کی یہ تینوں باتیں تبلیغی مقاصد سے تھیں اور برحق تھیں لیکن چونکہ ان کا ظاہر جھوٹ تھا اس لیے آپ نے اپنے بلند

مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے ان کو بھی خطا قرار دیا اور یہ طبع کی کرمیت کے دن اللہ تعالیٰ آپ کی اس ظاہری خطا کو بھی معافی فرمادے گا اور ہر چند کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام معصوم اور مغفور تھے لیکن آپ نے اپنی عبودیت اور بندگی کا اعتراف کرنے کے لیے اس پر معافی طلب کی۔

(۲) حضرت ابراہیم نے اپنی باتوں کو خطا قرار دے کر ان پر معافی چاہی اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ بندہ اس کے سامنے اپنی خطا کا اعتراف اور اقرار کر کے اس سے مغفرت طلب کرے نہ عیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابن جدعان رشتہ داروں سے میل جول رکھتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھاتا تھا کیا یہ عمل اس کو نفع دے گا؟ آپ نے فرمایا: یہ عمل اس کو نفع نہیں دے گا! اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا: اے میرے رب میری خطا کو قیامت کے دن بخش دینا۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث ۵۱۳، السنن، رقم الحدیث ۳۵۴۳، صحیح ابن ماجہ ۱۷۹)

ابن جدعان کا فرما اور اس نے قیامت کا اقرار نہیں کیا تھا کیونکہ جو قیامت کا اقرار کرتا ہے وہ قیامت کے دن اپنی خطا کی مغفرت کا حالب ہوتا ہے اور منکر قیامت کو اس کا عمل نفع نہیں دیتا۔ اس کا پورا نام عبد اللہ بن جدعان تھا۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہم زاد تھا۔ یہ ابتدا میں فقیر تھا پھر اس کو خزانہ مل گیا تو یہ فنی ہو گیا یہ اس خزانے سے تنگی کے کاموں میں خرچ کرتا تھا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ بندہ اپنی خطا کا ذکر کرے اور اللہ سے اس کی مغفرت طلب کرے تو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے اس کا پسندیدہ عمل کیا اور اپنی (ظاہری) خطا کا ذکر کر کے اس سے مغفرت طلب کی۔

(۳) اس کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اس دعا سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ گناہوں سے اجتناب کریں اور ڈریں اور اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کی مغفرت کو طلب کریں اور طلب مغفرت میں ان کی اقتداء کریں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے امام ہو جائیں جس طرح عباد الرحمن نے یہ دعا کی تھی:

وَأَسْأَلُكَ اللَّهُمَّ (اللَّهُمَّ) (الرحمن ۱۰۳)

(۴) مغفرت کی دعا کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ حسنات الاسرار، سببات المحبوبین، نیک لوگوں کی نیکیاں بھی مقبولان بارگاہ الوہیت کے نزدیک گناہ کا حکم رکھتی ہیں اور وہ اپنے انہی نیک بندہ مرتبہ کے پیش نظر عام نیکیوں کو بھی گناہ قرار دیتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس خطا سے ہماری طرح کے گناہ و مردوئیں ہیں بلکہ نیک لوگوں کی نیکیاں مراد ہیں جو ان کے نزدیک گناہ کا حکم رکھتی ہیں۔

(۵) اس کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم جس مرتبہ کے نبی تھے اور اللہ کے پسندیدہ بندہ تھے اس کا کھانا یہ تھا کہ ان کی ہر ساعت اور ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ذکر میں گزارے لیکن بشری قصور سے وہ سوتے بھی تھے کھاتے بھی پیتے بھی تھے قصداً حاجت اور طہارت بھی کرتے تھے۔ لوگوں سے تنجی امور میں جس بھی کرتے تھے اپنی ذہن کے حقوق بھی ادا کرتے تھے۔ حصوں رزق کے لیے کسب معاش بھی کرتے تھے ہر چند کہ یہ امور بھی فی غلبہ عبادت ہیں اور تنگی میں شمار ہوتے ہیں لیکن ان امور میں مشغولیت کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کر سکتے تھے تو آپ اپنی بلند نظر کے اعتبار سے اس کو بھی خطا قرار

دیتے اور اس پر بھی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے کہ میری اس تقصیر طاعت پر قیامت کے دن مجھے معاف کر دیتا۔

(۶) طلب مغفرت کی چھٹی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں غیر متناہی ہیں قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ لَعَلَّكَ وَارْتَمَيْتَ اللَّهُ لَا تَحْصُوهَا ط (۱۱۴:۳۳) اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔

اور ہر نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب ہے اور جس زبان سے وہ اللہ کا شکر ادا کرے گا وہ بھی نعمت ہے پھر اس نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہوگا اور یوں عمر تمام ہو جائے گی اور اس کی ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہ ہو سکے گا تو غیر متناہی نعمتوں کا شکر کیسے ادا ہوگا پس انسان کی قدرت اور استطاعت میں یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کسی ایک نعمت کا بھی شکر ادا کر سکے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس فطری تقصیر پر اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن مغفرت طلب کی۔

مؤخر الذکر دونوں وجوہ کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ذنب کے احصاء کی بحث میں ذکر کیا ہے:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۳۰ھ لکھتے ہیں:

یعنی اللہ عزوجل نے آپ پر اور آپ کے اصحاب پر جو نعمتیں فرمائیں ان کے شکر میں جس قدر کی واقع ہوئی اس سے لیے استغفار فرمائیے کہاں کی اور کہاں غفلت سمجھائیے الیہ ہر فرد پر بے شمار حقیقتاً غیر متناہی بافضل ہیں کا عقد اعلیٰ ابن ہشام دینی ارشاد افضل السليم اللہ تعالیٰ نے فرمایا وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها اگر اللہ کی نعمتیں گننا چاہو تو نہ گن سکو گے۔ جب اس کی نعمتوں کو کوئی گن نہیں سکتا تو ہر نعمت کا کون شکر ادا کر سکتا ہے تو ہر نعمت کا ہر شکر کون ادا کر سکتا ہے۔

از دست و زباں کہ برآید کز عہدہ شکرش بد آید

شکر میں ایسی کمی ہرگز معنی معروف نہیں بلکہ لازمہ بشریت ہے نعمائے الہیہ ہر وقت ہر لمحہ ہر آن ہر لمحہ میں متزاہد ہیں خصوصاً خاصوں پر خصوصاً ان پر جو سب خاصوں کے سردار ہیں اور بشر کو کسی وقت کھانے پینے مٹانے میں مشغول ضرور اگرچہ خاصوں کے یہ افعال بھی عبادت ہی ہیں مگر اصل عبادت سے تو ایک درجہ کم ہیں اس کی کو تقصیر اور اس تقصیر کو ذنب فرمایا گیا۔

(تذکرہ رضویہ ص ۵۷ مطبوعہ دارالعلوم امجدیہ کراچی)

(۷) اس کا ساتواں جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعلیم دین اور تحصیل دین کے لیے جو یہ ظاہر خلاف اولیٰ کام کیے ان کو خطا سے تعبیر فرمایا اور خلاف اولیٰ یا مکروہ تہذیبی کا ارتکاب گناہ نہیں ہوتا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے تصریح کی ہے کہ خلاف اولیٰ اور مکروہ تہذیبی گناہ نہیں ہوتا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

مکروہ تہذیبی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا وہ صرف خلاف اولیٰ ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لیے قصد ایسا کیا اور بنی قصد گناہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے اور گناہ میں مبتلا کرنے والی چیز کا ارتکاب جائز نہیں ہوتا تو بیان جواز کے کیا معنی! پھر یہ (مکروہ تہذیبی) اباحت کے ساتھ جمع ہوتا ہے جیسا کہ اشریہ روایات میں ابوہشام دوسے ہے اور معصیت اباحت کے ساتھ جمع نہیں ہوتی ہے۔ پھر علماء اس کی تعبیر بھی اس سے کرتے ہیں اور گناہ سے بڑھ کر کون باس عظیم ہوگا اور اس لیے کہ گناہ گار بنانے والی چیز واجب التحریک ہے اور جس چیز کا ترک واجب ہو اس کا فعل حرام کے قریب ہوگا اور یہی معنی کراہت تحریم کے ہیں اور اس لیے بھی کہ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ مکروہ تہذیبی کے قائل پر بالکل گناہ نہ ہوگا جیسا کہ متواتر میں ہے اس

کے ساتھ ہی ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ چھوٹے سے چھوٹے جرم پر سزا دے سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ یہ بات دلائل میں نہیں دیتا۔ معلوم ہوا کہ بعض ابتداء زمانہ نے رسالہ شرب الدخان میں مکروہ تہذیبی کو معاذر سے تاکر قاضی ظلی اور خطا عظیم کی ہے۔

(لکھنؤ رضویہ ۱۹۰۳ء، طبع جدید) مطبوعہ دارالعلوم دیوبند ۱۳۸۶ھ (۱۹۶۶ء)

اہل حضرت نے تلمیح کا جو حوالہ دیا ہے اس کی عبارت یہ ہے:
علامہ سعد الدین مسعودی عن عمر ثقفی زانی متوفی ۹۱ھ مکروہ تہذیبی کی تعریف میں لکھتے ہیں:
انہ لا یعاقب فاعلہ لکن یشاب تارکہ
مکروہ تہذیبی کے مرتکب کو عذاب نہیں ہوگا لیکن اس کے
ترک کرنے والے کو کوئی وجہ کا ثواب ہوگا۔

(فتح کنوز ۳۳ مطبوعہ طبع ذریعہ ارجاع المصالح کراچی)

ہم نے جو ساتواں جواب دیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس خطا کا ذکر کیا ہے اس سے مراد مکروہ تہذیبی یا خلاف اولیٰ کا ارتکاب ہے اس جواب علامہ اقبولی نے بھی ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں:
اس اعتراض کا صحیح جواب یہ ہے کہ اس آیت میں خطا کو ترک اولیٰ پر محمول کیا جائے اور انبیاء کے حق میں ترک اولیٰ جائز ہے۔ (تفسیر کبیر ۸ ص ۱۳ مطبوعہ دارالافتاء انجمن اہل بیت اہل بیت ۱۳۸۵ھ)
اہل حضرت امام احمد رضا قاضی بریلوی نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ذنب کے اطلاق کی بحث میں یہ جواب دیا ہے وہ
لکھتے ہیں:

جتنا قرب زائد اسی قدر احکام کی شدت زیادہ ہے جن کے رعبے ہیں سو ان کو سوا مشکل ہے۔
بادشاہ جبار مجمل القدر ایک جنگلی کنواری جو پانت سن لے گا جو برتاؤ گوارہ کرے گا۔ ہرگز شہریوں سے پند نہیں کرے گا۔
شہریوں میں ہزاروں سے معاملہ آسان ہوگا اور خاص لوگوں سے سخت اور خاصوں میں درباریوں اور درباریوں میں وزراء ہر
ایک پر بار دوسرے سے زائد ہے اس لیے وارد ہوا حساسات الاموال و مسیئات العقوبین نیکوں کے جو تک کام ہیں مقررہ
کے حق میں گناہ ہیں وہاں ترک اولیٰ کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ ترک اولیٰ ہرگز گناہ نہیں۔

(لکھنؤ رضویہ ۱۹۰۳ء، طبع جدید) مطبوعہ دارالعلوم احمدیہ کراچی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرے لیے میری خطا معاف فرما اس کی توجیہات
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں فرمایا میرے لیے میری خطا کو بخش دے گا۔ اس مقام پر میرے لیے کیوں فرمایا
اس کی حسب ذیل توجیہات ہیں:

(۱) جب باپ اپنے بیٹے کو معاف کرتا ہے یا مالک اپنے نوکر کو یا خاوند اپنی بیوی کو معاف کرتا ہے تو عموماً وہ حصول ثواب کے
لیے معاف کر دیتا ہے یا عذاب سے بچنے کے لیے یا دنیا میں اپنے علم اور مہر کی تعریف اور حسین کے لیے یا پھر اس لیے
کہ اس تصور وار کے معافی مانگنے سے اس کا دل بچل جاتا ہے تو اپنے دل سے اس رقت کو زائل کرنے کے لیے معاف
کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ جو تصور وار بندہ کو معاف فرماتا ہے تو اس کا مقصد کسی چیز کو حاصل کرنا ہوتا ہے نہ کسی چیز کو زائل
کرنا اللہ سبحانہ جب کسی تصور وار بندہ کو معاف فرماتا ہے تو صرف اس بندہ کی وجہ سے معاف فرماتا ہے
اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اور جس چیز کی میں امید رکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن میرے لیے
میری خطاؤں کو معاف فرما دے گا۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اللہ تعالیٰ کی یہ صفت بیان کی کہ اس نے مجھے پیدا کیا پھر یہ کہا کہ مجھے امید ہے کہ وہ میرے لیے میری خطا کو معاف فرمادے گا اس میں یہ بتایا کہ جب اس نے مجھے پیدا کیا تو پیدا ہونے سے پہلے مجھے پیدا ہونے کی خواہش تھی نہ پیدا ہونے کی احتیاج تھی تو اس نے مجھے پیدا کر دیا اور پیدا ہونے کے بعد جب کہ مجھے مغفرت کی خواہش بھی ہے اور مغفرت کی احتیاج بھی ہے تو اب میں اس بات کے زیادہ لائق ہوں کہ تو مجھے معاف فرمادے۔

(۳) بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا جا رہا تھا تو ان کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر کہا آپ کو کوئی حاجت ہو تو مجھ سے بیان کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: مجھے تم سے کوئی حاجت نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بجز توحید میں اس قدر زیادہ مستغرق تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی واسطے اور وسیلہ کی طرف نظر نہیں کرتے تھے گویا کہ انہوں نے کہا میں صرف تیرا بندہ ہوں اور محض تیرا بندہ ہونے کی وجہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں اور صرف تیرا حقان ہوں اور صرف تجھ سے رابطہ رکھتا ہوں تو صرف میرے لیے میری خطا کو معاف کر دے نہ یہ کہ تو کسی شفاعت کرنے والے کی وجہ سے مجھے معاف فرما۔

دوسرے نبیوں کو مانگنے سے عطا فرمانا اور ہمارے نبی کو بے مانگے عطا فرمانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي (۲۵: ۲۵)

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

اَللّٰهُ تَشْرَحُ لَكَ صَدْرِي (۱۱: ۱۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ اَنْظِرْ اَبْرِيْ اَلَيْكَ ط (۱۳۳: ۱۳۳)

اے میرے رب مجھے اپنی ذات دکھا میں تیری طرف

دیکھوں گا۔

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

اَللّٰهُ تَشْرِيْ اَبْرِيْ (۳۵: ۳۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

وَلَا تَخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُونَ (۸۷: ۸۷)

جس دن لوگوں کو (محشر میں) جمع کیا جائے گا مجھے شرمندہ

نہ کرے۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

يَوْمَ لَا يَخْزِيْ اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ (۸۸: ۸۸)

جس دن اللہ نہ اس عظیم نبی کو شرمندہ کرے گا اور نہ اس کے

ساتھ ایمان لانے والوں کو۔

اور زیر تفسیر آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے:

وَالَّذِيْنَ اَللّٰهُ اَنْ يَّبْعَثَنِيْ يَوْمَ تُبْعَثُ (۸۸: ۸۸)

اور جس سے مجھے امید ہے کہ وہ میری (بہ ظاہر) خطاؤں کو

قیامت کے دن معاف فرمادے گا۔

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا لِّيُفْزِكَ اللَّهُ مَا
تَكُنْ مِنْ دُونِكَ وَمَا أَكْفَرُ بِقَوْمِكَ عَلَيْكَ
يُفْزِيكَ وَصَدَّاكَ فَتُفْزِيكَ (فتح: ۱-۲)

ہر ایک ہم نے آپ کو واضح فتح ظاہری و نامکمل
کے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اپنی سب کام صاف فرمادے
آپ پر اپنی نصرت مکمل کر دے اور آپ کو صراطِ مستقیم پر ہدایت قدم
دے۔

ذنب کا ترجمہ گناہ کرنے کے متعلق مصنف کا موقف

بعض اکابر علماء نے اس آیت میں ذنب کا ترجمہ گناہ کر دیا ہے:

شاہ ولی اللہ دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ لکھتے ہیں:

ہر آئینہ ماحکم کر دیم برائے تو بفتح ظاہر عاقبت فتح آنست کہ بیا مرزد ترا خدا آنچہ کہ
سابق گزشت از گناہ تو و آنچہ پس ماندہ۔

شاہ رفیع الدین متوفی ۱۲۳۳ھ لکھتے ہیں:

تحقیق فتح دی ہم نے تجھ کو فتح ظاہر تا کہ بخشے واسطے تیرے خدا جو کچھ ہوا تھا پہلے گناہوں تیرے سے اور جو کچھ بچے ہوا۔

شاہ عبدالقادر متوفی ۱۲۳۰ھ لکھتے ہیں:

ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہوئے تیرے گناہ اور جو بچے رہے۔

اہل حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے والد ماجد شاہ قلی علی خاں متوفی ۱۲۹۷ھ لکھتے ہیں:

ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا معاف کرے اللہ تیرے اگلے اور پچھلے گناہ اور پورا کرے تجھ پر اپنا احسان۔

(انوار مجال مصطفیٰ ص ۱۷ مطبوعہ شہر مبارکہ اردو بازار لاہور)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذنب کے نسبت کے ترجمے میں
لکھتے ہیں:

ہم سے آئندہ عیسیٰ راہس مے گوید عیسیٰ من نیستم اهل این کار ولیکن بیائید محمدا صلی
اللہ علیہ وسلم کہ بندہ ایست کہ آمر زیدہ است مر اورا هر چه پیش گزشتہ از گناہان وی و هر چه
پس آمدہ۔ (مجموع الفتاویٰ ج ۳ ص ۶۸۹ مطبوعہ مطبعہ کراچی)

علامہ فضل حق شیرازی متوفی ۱۸۶۱ھ اس حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

پس بیائید بر عیسیٰ علیہ السلام پس بگوید برائے شفاعت نیستم لیکن بر شما لازم است کہ
بروید بر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم او بندہ ایست کہ آمر زیدہ است خدایے تعالیٰ مر اورا
از گناہان پیشین و پسین او۔ (تحقیق الفتاویٰ ص ۳۲۸-۳۲۹ کتبہ دار دیوبند ۱۳۹۹ھ)

اور مولانا قلام رسول رضوی متوفی ۱۳۲۲ھ اس حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

لوگ صلی علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ کہیں گے میں اس پوزیشن میں نہیں کہ تمہاری شفاعت کروں تم محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے و پچھلے سب گناہ معاف کر دیے ہیں۔

(تہذیب انصاری ج ۱ ص ۲۸۸ مطبوعہ مدینہ)

اہل حضرت فاضل بریلوی نے بھی ایک کتاب میں محمد ۱۹ کے ترجمہ میں اسی طرح ترجمہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

قال الرضا ہی بھی ابوالشیخ نے روایت کی اور خود قرآن عظیم میں ارشاد ہوتا ہے واستغفر للذنبک وللمؤمنین والمؤمنات، مغفرت مانگ اپنے گناہوں کی اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کے لیے۔

(ذیل المدح الحسن الوعاء (فقداد دعا) ص ۶۶ مطبوعہ غیاث الدین بکلی کتبشہ کراچی)

امام بنوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کے والدہ کے حصن میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے گناہوں کا ذکر عار دلانے کے لیے نہیں بلکہ اپنے انعامات کے اظہار کے لیے فرمایا نیز یہ بتانے کے لیے کہ کوئی شخص اللہ کی رحمت سے محروم نہ ہو۔ (مسلم بخاری)

امام احمد رضا بریلوی اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: ذنوب انبیاء علیہم السلام سے مراد صورت گناہ ہے ورنہ حقیقت گناہ سے انبیاء کرام علیہم السلام نہایت دور اور منزہ و مبرا ہیں۔ (مطبوعات رضائے اکیڈمی ممبئی ۱۳۸۸ھ)

اس عبارت میں امام احمد رضا قاضی بریلوی نے انبیاء علیہم السلام کی ذلات پر صورت گناہ کا اطلاق فرمایا ہے۔ ہمارے نزدیک انبیاء علیہم السلام کی ذلات پر خصوصاً سید الانبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ظاہر خلاف اولیٰ افعال پر چھینچا یا صورت گناہ کا اطلاق کرنا غیر مستحسن ہے اس لیے کہ علماء کو جانتے ہیں کہ یہ اطلاق سبب خلاف اولیٰ یا حسنات الاہوار و حسنات المقبولین کے اظہار سے ہے لیکن جب اردو خواص عوام ذنب کا ترجمہ گناہ پر نہیں کرتے تو وہ ان باریکیوں تک نہیں پہنچ سکتے کہ وہ تو صاف اور سیدھے سادے طور پر یہی سمجھیں گے کہ نبی سے بھی گناہ صادر ہوتے رہتے ہیں اور جب عام لوگوں کے ذنوب میں نبی کے لیے بھی گناہ ثابت ہو جائیں تو انہیں کس پر کیسے آمادہ کیا جاسکے گا اسی طرح جب مستشرقین اور غیر مسلم مغربین کے ہاتھوں میں یہ تراجم پہنچیں گے تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہ کا ثابت کرنے کے لیے ان مسلم علماء کے تراجم اور ان کی عبارات کافی نہیں ہوں گی!

دواری راتے یہ ہے کہ ان اکابر علماء کی توجہ اس پہلو کی طرف مبذول نہیں ہوئی ورنہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گناہ یا صورت گناہ کا لفظ نہ لکھتے اور یقیناً ان اکابر علماء کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت اور محبت اور تعظیم و تکریم بہت زیادہ تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا پہلا مطلوب اور حکم کا معنی

سابقہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور اس کے بعد اپنے مطالب کے حصول کے لیے دعا کی اس سے یہ معلوم ہوا کہ اپنے مطلوب کی دعا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنی چاہیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں اپنے مطالب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

اے میرے رب مجھے حکم (صحیح فیصلہ) عطا فرما اور مجھے نیکو کاروں کے ساتھ ملا دے۔

حکم سے مراد علم شریعت ہے یا ایسا علم جس کے ذریعہ وہ زمین میں اللہ کی خلافت قائم کر سکیں اور مخلوق کی رہنمائی کر سکیں اور یہ کہ وہ علم کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوں کیونکہ جس شخص کو کسی چیز کا علم نہ ہو یا وہ علم کے تقاضوں پر عامل نہ ہو اس کو حکیم نہیں کہا جاتا اور نہ اس کے علم کو حکم اور حکمت کہا جاتا ہے۔ نیز فرمایا اور مجھے نیکو کاروں کے ساتھ ملا دے یعنی مجھے ایسے علوم اور ایسے اعمال اور اخلاق کی توفیق دے جو مجھے عبادت و ریاضت میں ایسے کاملین اور درجہ اولیٰ کے گروہ میں شامل کروں جو تمام صفات اور کمالات گناہوں سے منزہ ہوں یا جنت میں مجھے ان کے ساتھ جمع کروے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول فرمائی چنانچہ ان کے متعلق فرمایا:

وَلَقَدْ اصْطَلَفْنَا فِي الدُّنْيَا ۖ وَارْتَمَيْنَا فِي الْآخِرَةِ وَكُنَّا مِنَ الضَّالِّينَ

اور بے شک ہم نے ابراہیم کو دنیا میں (بھی) ہمراہ کر کے لیا
بے شک وہ آخرت میں نیکو کاروں میں سے ہیں۔

الضَّالِّينَ (۱۵) (البقرہ ۱۲۹)

اور یہ اس دعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مطالب میں سے پہلا مطلوب ہے۔

بعد والوں کی شفاء کے حصول کی دعا کی توجیہات

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دعا میں اپنے دوسرے مطلوب کے لیے فرمایا اور بعد میں آنے والے لوگوں میں صرف ذکر خیر جاری رکھنا کی اس دعا کے حسب ذیل محال ہیں:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلی آیت میں آخری کمال کے حصول کی دعا کی تھی اور اس آیت میں کمال دنیا کے حصول کے لیے دعا کی اس دعا میں یہ صلب کیا کہ تمام دنیا کے لوگ ان کی مدح اور ثنائیں اور ان کی تعظیم و بحکم کریں۔

(۲) اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم کو ایسی عزت اور فضیلت عطا فرمائے جس کا اثر قیامت تک باقی رہے اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی کیونکہ یہود نصیانی اور مسلمان سب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے محبت کرتے ہیں اور ان کی تعظیم اور بحکم کرتے ہیں۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبول عطا فرمائے اور تمام لوگوں کی زبانوں پر ان کے لیے ذکر خیر جاری ہو اور زبانوں پر ذکر خیر کو اس لیے صلب کیا کہ لوگوں کا اپنی زبانوں سے آپ کا ذکر خیر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ آپ سے محبت کرتے ہیں اور لوگوں کا آپ سے محبت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے محبت کرتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلا کر فرماتا ہے میں فلاں (بندے) سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو پھر جبریل اس سے محبت کرتے ہیں پھر جبریل آسمان میں ندا کرتے ہیں کہ بے شک اللہ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو تو آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں پھر زمین والوں میں اس کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔

(صحیح ابوداؤد رقم الحدیث ۳۹۵۰ صحیح مسلم رقم الحدیث ۶۲۳ سنن اتریزی رقم الحدیث ۳۱۷۳ مسند احمد رقم الحدیث ۱۰۶۸۵ عالم الکتب مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۶ ج ۳ ص ۱۳۳ جمع قدیم)

(۴) جب لوگ اپنی زبانوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاق فاضلہ اور اوصاف حمیدہ کا ذکر کریں گے تو ان فضائل اور کمالات کو سن کر دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی ان اوصاف سے متصف ہونے اور ان اخلاق سے متعلق ہونے کی رغبت ہوگی۔

(۵) اس دعا سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی غرض یہ تھی کہ آخر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ان کی اولاد سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمائے جس کا اس آیت میں بھی ذکر ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

اے ہمارے رب! ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیج

مُرْسِلًا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ

دے جو ان پر تیری آیتوں کی تلاوت کرے اور ان کو کتاب اور

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَيِّنْ لَهُمْ اَنَّهُمْ اِلَيْكَ لَاقِعُونَ

حکمت کی تعلیم دے اور ان کے باطن کو پاک اور صاف کرے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ (البقرہ ۱۲۹)

شک تو بہت غالب ہے حد حکمت والا ہے۔

حضرت مرہا بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے اور میں عنقریب تمہیں اپنی ابتدا کی خبر دوں گا میں ابراہیم کی دعا ہوں اور یحییٰ کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو اس نے میری پیدائش کے وقت دیکھا تھا ان سے ایک نور نکلا جس نے ان کے لیے شام کے ٹھکرات روشن کر دیے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۲۸ — ۱۲۷ بحوالہ ابن حبان رحمہ اللہ ص ۶۸۳ المسند رک ج ۲ ص ۶۰۰ شرح السنہ رحمہ اللہ ص ۳۶۶ کنز العمال رقم اللہ ص ۳۸۳۵ مسکن رحمہ اللہ ص ۵۹۰)

جنت کی دعا کا مطلوب ہونا اور شہر مدینہ سے جنت کا زیادہ محبوب ہونا

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی: اور مجھے نعمت والی جنتوں کے داروں میں سے بنادے ۵

(اشعرا: ۸۵)

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تیسرا مطلوب ہے اس سے پہلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنیا کی سعادت کے حصول کی دعا کی تھی اور اس آیت میں آخرت کی سعادت کے حصول کی دعا کی ہے۔

جس شخص کو اپنے کسی مورث (رشتہ دار) کے مرنے کے بعد اس کا ترکہ مل جائے اس کو وارث کہتے ہیں۔ اس آیت میں جنتیں کو جنت کا وارث فرمایا ہے کیونکہ جو مومن نیک عمل کرتا ہے اس کو اس کے کسی استحقاق کے بغیر شخص اللہ کے فضل سے جنت مل جاتی ہے جس طرح کسی وارث کو بغیر کسی استحقاق کے شخص اپنے رشتہ دار کی موت سے اس کا ترکہ مل جاتا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنت کے حصول کی دعا کرنا حضرت ابراہیم کی سنت ہے اور اس دعا کو ترک کرنا تکبر ہے بعض عافی اور ان پڑھ صوفی یہ کہتے ہیں کہ ہمیں جنت نہیں چاہیے ہمیں تو مولیٰ کی رضا چاہیے بعض کہتے ہیں کہ ہمیں جنت نہیں دینہ نہیں چاہیے یہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ قرآن مجید کی بہ کثرت آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے جنت کی طرف رغبت دلانی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت انفرادی کے سوال کرنے کا حکم دیا ہے۔ سو جنت کے حصول کی دعا کرنے سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول رضی ہوں گے اور اس کا سوال نہ کرنے یا جنت کی تنقید کرنے سے اللہ اور اس کے رسول ناراض ہوں گے۔ سو اللہ کی رضا جنت کی دعا کرنے میں ہے نہ کہ جنت کی دعا کو ترک کرنے میں باقی رہا دینہ کا مطلوب ہونا سو اس کی طلب برحق ہے اور اللہ کی رضا کا مطلوب ہونا بھی برحق ہے لیکن یہ اس کو کب مستلزم ہے کہ پھر جنت کو طلب نہ کیا جائے اور اس کے حصول کی دعا نہ کی جائے۔ نیز جس جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں وہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے سور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی جنت میں ہیں اور آخرت میں بھی جنت میں ہوں گے اور مدینہ صرف اس لیے محبوب ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکن کا شہر ہے اور آپ کا اصل مسکن تو دنیا اور آخرت میں جنت ہی ہے سو شہر مدینہ کی نسبت وہ جگہ زیادہ محبوب ہونی چاہیے جو آپ کا اصل مسکن ہے اور وہ جنت ہے لہذا شہر مدینہ کی نسبت جنت زیادہ محبوب ہونی چاہیے کیونکہ آپ اب بھی جنت میں ہیں اور آخرت میں بھی جنت میں ہوں گے اور یہ واضح ہے کہ پورا شہر مدینہ جنت نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم کی آزر کے لیے دعا کی توجیہات

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چوتھی دعا یہ کی: اور میرے (عربی) باپ کو بخش دے بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا ۵

(اشعرا: ۸۶)

اس دعا پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عربی باپ آزر کا فر تھا اور کافر کے لیے مغفرت کی دعا کرنی جائز

نہیں ہے بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ مغفرت ایمان لانے پر متوقف ہے۔ اس لیے زعمہ کافروں اور مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کرتا دراصل ان کے ایمان لانے کی دعا کرتا ہے۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عربی باپ آزر کے لیے مغفرت کی دعا کر کے حقیقت میں یہ دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی توفیق عطا فرمائے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس تاویل سے تو ہر زندہ مشرک اور کافر کے لیے مغفرت کی دعا کی جاسکتی ہے۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ آزر نے حضرت ابراہیم سے ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا حضرت ابراہیم نے اس کے وعدہ پر اصرار کر کے اس کے لیے مغفرت کی دعا کی تھی اور جب وہ اپنے وعدہ سے منحرف ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے بیزار ہو گئے۔

اور ابراہیم کا اپنے (عربی) باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو اس نے ان سے کر لیا اور جب ابراہیم پر یہ مشکلف ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے زار ہو گئے بے شک ابراہیم بہت نرم دل اور بہت بردبار تھے۔

امام رازی نے اس کا ایک یہ جواب دیا ہے کہ آزر باطنی طور پر حضرت ابراہیم کے دین پر تھا اور ظاہر آخرود کے دین پر تھا کیونکہ وہ اس سے ڈرتا تھا تو حضرت ابراہیم نے اس اعتبار سے اس کے لیے دعا کی ہے اور جب حضرت ابراہیم پر یہ ظاہر ہوا کہ اللہ اس کے خلاف ہے تو وہ اس سے بے زار ہو گئے۔ (تفسیر کبرج ص ۸۸ عاۃ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس جواب پر یہ اعتراض ہے کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ حقیقتاً حضرت ابراہیم پر ایمان لا چکا تھا اور آخرود کے ڈر اور خوف سے اس پر ایمان کا اعتبار کرتا تھا اور حضرت ابراہیم پر اس کا خلاف کیسے ظاہر ہوا اس مفروضہ پر کوئی دلیل نہیں ہے اس لیے صحیح جواب وہی ہے جو التوبہ: ۱۱۳ سے ظاہر ہوتا ہے۔

قیامت کے دن حضرت ابراہیم کی آزر سے ملاقات کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے (عربی) باپ کو قیامت کے دن اس حال میں دیکھیں گے کہ اس کا چہرہ فہار سے آلودہ ہوگا اور اس پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۰۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم کی اپنے (عربی) باپ سے ملاقات ہوگی تو حضرت ابراہیم کہیں گے کہ اے میرے رب تو نے وعدہ فرمایا تھا کہ تو مجھے قیامت کے دن شرمندہ نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۰۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے (عربی) باپ آزر سے ملیں گے آزر کے چہرے پر سیاہی اور گرد و غبار ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے کہیں گے: کیا میں تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ تم میری نافرمانی نہ کرو اس کے (عربی) باپ کہیں گے آج میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا حضرت ابراہیم (اللہ تعالیٰ سے) عرض کریں گے: اے میرے رب تو نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ تو قیامت کے دن مجھے شرمندہ نہیں کرے گا اور اس سے بڑی میری اور کیا شرمندگی ہوگی کہ میرا باپ (حیری رحمت سے) بہت دور ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہے پھر کہا جائے گا اے ابراہیم دیکھو! تمہارے پیروں کے نیچے کیا ہے؟ حضرت ابراہیم دیکھیں گے تو وہ گندگی میں لتھڑا ہوا زیادہ بالوں والا نر بکرو گا (یعنی آزر کو سخ کر کے بچو بنا دیا جائے گا) (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۳۵۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قیامت کے دن آزر کی شفاعت کرنے پر اشکال اور اس کے جوابات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن جریر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پھر اس کو ناگوں سے پکار کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کو بچو کی شکل میں مسخ کرنے کی عنت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اس سے متحضر ہوں اور چونکہ اس کی صورت حضرت ابراہیم کے مشابہ تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا تھا کہ اس صورت کے حامل کو دوزخ میں ڈالا جائے اس لیے اس کی صورت کو سخ کر کے زیادہ بالوں والے نر بکرو کی شکل بنا دی اور اس لیے کہ حضرت ابراہیم نے نہایت نرمی اور عاجزی سے اس کو ایمان لانے کی طرف ترغیب دی مگر اس نے تکبر کیا اور کفر پر اصرار کیا اس لیے قیامت کے دن اس کو دوزخ میں جتا دیا گیا اور اس کو سخ کر کے بچو بنا دیا گیا۔

محدث اسماعیلی نے اس حدیث کی صحت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت کا کیوں سوال کیا علاوہ ازیں قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس کی مغفرت کے لیے سوال کرنا اس آیت کے بھی خلاف ہے:

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ الْإِنسَانِ لِرَبِّهِ الْإِلاَّ عَنْ وَجْهِ ۚ
وَعَنْ حَاشَاتِنَا ۚ فَلَئِنَّ آيَاتِ لَكَ الْكَذِبِ ۚ وَلَوْ كُنَّا نَعْلَمُ لَوَلِيَّةُ لِرَبِّ
الْإِنسَانِ لَفَازَ وَحَلِيلُهُ ۚ (انجیل: ۱۱۳)

اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اس سے کیا تھا جب ان پر یہ تکلف ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے زار ہو گئے۔

نیک ابراہیم بہت نرم دل اور بردبار تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم نے کس وقت اس سے ہدایت کا اظہار کیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے دنیا میں ہی اس سے بے زاری کا اظہار کیا تھا جب وہ حالت شرک میں مر گیا تھا یہ قول امام ابن جریر نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے ایک روایت میں ہے جب وہ مر گیا تو انہوں نے اس کے لیے استغفار نہیں کیا۔ ایک اور روایت میں ہے جب تک وہ زندہ رہا حضرت ابراہیم اس کے لیے استغفار کرتے رہے اور جب وہ مر گیا تو پھر انہوں نے اس کے لیے استغفار کو ترک کر دیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے قیامت کے دن بیزار ہوئے جب اس کی شکل مسخ کر دی گئی اور وہ اس سے مایوس ہو گئے یہ قول بھی امام ابن جریر نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے سعید بن جبیر نے کہا قیامت کے دن حضرت ابراہیم اس کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے اے میرے رب! میرا والد میرا والد جب تیسری بار اس کا ہاتھ پکڑ کر یہ کہیں گے تو اس کی طرف ان کی نظر پڑے گی تو وہ بچو بچو گا پھر وہ اس سے بے زار ہو جائیں گے اور ان دونوں قولوں میں اس طرح سے تطبیق ہو سکتی ہے کہ جب وہ دنیا میں شرک پر مر گیا تو حضرت ابراہیم اس سے بیزار ہو گئے پھر جب قیامت کے دن اس کو دیکھا تو ان پر بھر نرمی اور شفقت غالب آ گئی اور انہوں نے اس کی مغفرت کا سوال کیا پھر جب اس کو سخ شدہ بچو کی شکل میں دیکھا تو پھر اس سے داغی طور پر بیزار ہو گئے دوسری تطبیق یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ یقین نہیں تھا کہ وہ کفر پر مراء ہے کیونکہ یہ ہو سکتا تھا کہ وہ دل میں ایمان لایا ہو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے ایمان پر مطمئن نہ ہوئے ہوں اس لیے قیامت کے دن اس کی

سفارش کی حتیٰ کہ قیامت کے دن جب ان کو یقین ہو گیا کہ یہ کفر پر مراء تھا تو اس سے بے زار ہو گئے۔
 آزر کو دوزخ میں ڈالنے پر خلف وعد اور خلف وعید کے اعتراض کا جواب

علامہ کرمانی نے یہ اعتراض کیا ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے عرفی باپ کو دوزخ میں ڈال دیا تو ان کو دوسرا کر دیا کیونکہ قرآن مجید میں ہے: ﴿لَمَّا اتَّكَمَ مِنْ تَدْخُلِ النَّارِ لَقَدْ اَعْرَضَهُ (آل عمران: ۱۳۱)﴾ "اے ہمارے رب! بے شک تو نے جس کو دوزخ میں ڈالا اس کو سوا کر دیا" اور باپ کی رسوائی بچنے کی رسوائی ہے۔ پس خلف وعد لازم آ گیا اور یہ محال ہے اور اگر اس کو دوزخ میں نہیں ڈالا تو خلف وعید لازم آ گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ حَرَمَ مِمَّا عَلٰی الْکَافِرِیْنَ (الاحزاب: ۵۰)﴾ "اللہ نے جنت کے پانی اور جنت کے رزق کو کافروں پر حرام کر دیا ہے" اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آزر کو اس کی اصل صورت میں دوزخ میں ڈالا گیا ہوتا تو حضرت ابراہیم کے لیے باعث رسوائی تھا اور جب وہ بڑے باپوں والے نر بھوکے قتل میں دوزخ میں ڈالا گیا تو آزر سوا ہوا نہ حضرت ابراہیمؑ لہذا خلف وعد لازم آیا نہ خلف وعید دوسرا جواب یہ ہے کہ آزر کے دوزخ میں ڈالے جانے سے حضرت ابراہیم اس وقت سوا ہوئے جب انہوں نے اس کے لیے دعا کی ہوئی اور اس کے باوجود اس کو دوزخ میں ڈال دیا جاتا اور جب انہوں نے اس کے لیے دعائیں کی اور وہ اس سے بیزار ہو گئے تو پھر وہ رسوا یا شرمندہ نہیں ہوئے اور کوئی خرابی نہ تھی خلف وعد یا خلف وعید لازم نہیں آیا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۳۴۹-۳۵۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ)
 حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے آزر کی جو سفارش کی اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو نہیں بخشے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے اس عہد کے خلاف نہیں کرے گا پھر انہوں نے کیوں آزر کی سفارش کی؟ اس کا یہ جواب ہے کہ جب انہوں نے آزر کو دیکھا تو ان پر شفقت اور رحمت غالب آگئی اور وہ اس کے لیے سوال کیے بغیر نہ رہ سکے۔ (الفتح علی الطالب للصبح ج ۳ ص ۲۵۰ مطبوعہ دار الکتب الخلفیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

وضو کے بعد حضرت ابراہیم کی اس دعا کو پڑھنے کا ثواب

امام ابن ابی الدنیا اور امام ابن مردویہ نے اپنی سندوں کے ساتھ حضرت سرہ بن جناب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ فرض نماز کے لیے وضو کرے اور پورا پورا وضو کرے پھر اپنے گھر سے نماز پڑھنے کے ارادہ کے لیے نکلے اور نکلنے وقت یہ پڑھے بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِی (اللہ کے نام سے جس نے مجھے پیدا کیا سو وہی ہدایت دیتا ہے) تو اللہ اس کو صحیح بات کی ہدایت دے گا اور امام ابن مردویہ کی روایت میں ہے اس کو صحیح کاموں کی ہدایت دے گا پھر پڑھے وَالَّذِیْ هُوَ یُعْطِیْنِیْ وَیَسْلُبِیْ (جو مجھے کھلاتا ہے اور ہٹاتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے طعام سے کھلائے گا اور جنت کے مشروب سے پلائے گا پھر پڑھے نَوَاضًا مَرْضًتَ فَهُوَ یَشْفِیْ (اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کو شفا دیتا ہے اور اس کی بیماری کو اس کے لیے کفارہ بنا دیتا ہے پھر پڑھے وَالَّذِیْ یَمِیْتُسْنِیْ ثُمَّ یَحْیِیْهِ (اور جو میری روح قبض کرے گا پھر مجھ کو زندہ کرے گا) تو اللہ تعالیٰ اس کو نیک بختوں کی حیات کے ساتھ زندہ کرے گا اور اس کو شہداء کی موت کے ساتھ موت دے گا پھر پڑھے وَالَّذِیْ اَطْمَعَنِ اَنْ یَغْفِرَ لِیْ خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (اور جس سے مجھے یہ امید ہے کہ وہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دے گا) تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام خطاؤں کو بخش دے گا خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں پھر پڑھے وَبِہَبْ لِّیْ حُکْمًا وَالحَقْنِیْ بِالْصَّالِحِیْنَ (اے میرے رب مجھے حکم (صحیح فیصلہ) عطا فرما اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے) تو اللہ اس کو صحیح فیصلہ کی قوت عطا فرماتا ہے اور اس کو گنہگار سے پاک

ہوئے یا موجودہ نیک لوگوں کے ساتھ ملا دیتا ہے پھر پڑھے واجعل لی لسان صدق فی الاخرین (اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ) تو ایک سفید ورق میں یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ غلاں بن غلاں صادقین میں سے ہے پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو حج پورے کی توفیق دیتا ہے اس کے بعد پڑھے واجعلنی من ورثة جنة النعیم (اور مجھے نعمت والی جنتوں کے وارثوں میں سے بنا دے) تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں محلات بنا دیتا ہے اور حسن بھری اس کے بعد یہ دعا بھی پڑھتے تھے واغفر لوالدی کما وریثتی صغیرا (میرے ماں باپ کو بخش دے جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی) (الدر المنثور ج ۶ ص ۶۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۲۱ھ)

علامہ اسماعیل حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ اور علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اس دعا کو نقل کیا ہے۔

(روح البیان ج ۶ ص ۳۶۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۳۱ھ روح المعانی ج ۱ ص ۱۶۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

قیامت کے دن پردہ رکھنے کی دعا کی تلقین

حضرت ابراہیم نے پانچویں دعا یہ کی کہ: اور جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے مجھے شرمندہ نہ کرنا (اشعرا: ۸۷) یعنی مجھ سے ایسے جو کام سرزد ہو گئے جو خلاف اولیٰ تھے ان پر مجھے عتاب نہ فرماتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر عتاب نہیں فرمائے گا اور ان کو شرمندہ نہیں کرے گا اس کے باوجود انہوں نے اظہارِ مودت کے لیے یہ دعا کی اور دوسروں کو اس دعا کی ترغیب دینے کے لیے۔

قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

كَامُتَاتُ الْيَوْمِ إِنَّكَ التَّجْوِزُونَ (نہیں: ۵۹)

اے مجرمو! آج تم الگ ہو جاؤ۔

اس دن کافر مومن سے اور گنہگار طاعت گزار سے الگ کر کے کھڑے کر دیے جائیں گے۔ اس دن بدکاروں کو نیکیوں سے الگ کر دیا جائے گا اس دنیا میں تو سب لوگ مل جل کر رہتے ہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن ہر بدکاروں کی صف میں ہو اور مرید نیکی کاروں کی صف میں ہو اور استاذ بدکاروں کی صف میں ہو اور شاگرد نیکیوں کی صف میں کھڑا ہو جن لوگوں کو دنیا میں حقیت اور احرام کی نفروں سے دیکھا جاتا تھا جب قیامت کے دن وہ بدکاروں کی صف میں کھڑے ہوں گے تو ان کی شرمندگی کا کیا عالم ہو گا وہ ان سے آکھ نہیں ٹاکیں گے۔ اللہ العظیم ہمیں اس دن کی شرمندگی اور رسوائی سے بچانا جس طرح دنیا میں ہم پر پردہ رکھا ہے آخرت میں بھی پر پردہ رکھنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمیں اسی دعا کی تلقین فرمائی ہے۔

جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسروں کو تلقین کرنے کے لیے یہ دعا کی کہ جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے مجھے شرمندہ نہ کرنا یعنی میرا پردہ رکھنا اور میرے محبوب اور خطائیں لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کرنا اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کی تعلیم کے لیے یہ دعا کی ہے کہ میرے محبوب اور خطائیں پر پردہ رکھنا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح اور شام ان دعاؤں کو ترک نہیں کرتے تھے:

اللهم انسی استلک العافیة فی الدنیا

اے اللہ میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں عافیت کا سوال کرتا

والاخرہ اللهم انی استلک العفو والعافیة فی

ہوں اے اللہ! میں تجھ سے اپنے دین اور دنیا میں اور اپنے اہل اور

دینی و دنیاوی و اہلی و مالی اللهم استر عورتی

میں عافیت کا سوال کرتا ہوں اے اللہ! میرے محبوب پر پردہ

و آمن روحانی اللهم احفظنی من بین یدی ومن

رکھا اور جن چیزوں سے مجھے خوف ہے ان سے مجھے محفوظ رکھا اے

حلمی وعن یمینی وعن شمالی ومن لوفی
واعوذ بک بعظمتک ان اغتال من تحتی قال
یعنی الحسف.

اللہ! میرے آگے اور میرے پیچھے اور میرے دائیں اور میرے بائیں اور میرے اوپر (کے شر) سے مجھ کو محفوظ رکھ اور اس سے میری عزت کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں اپنے بچے سے کسی شر میں مبتلا کیا جاؤں! حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا آپ کی مراد حق زمین میں دھنسنے سے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۷۰۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۸۰۱ عمل ایام اہلبیت رقم الحدیث ۵۶۶ مسند احمد ج ۲ ص ۲۵ مجمع قدیم مسند احمد رقم الحدیث ۳۷۹۵ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۲۹ ۳۳۰ ج ۱ ص ۱۵۰ ۱۸۰ ب اسطر رقم الحدیث ۱۲۰۰ مجمع ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۷۵۶ کنز العمال رقم الحدیث ۳۹۹۷)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً بھی مسلمانوں کو پروردگار کے لیے دعا کی تلقین فرمائی ہے۔
حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ خندق کے دن ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب خوف سے ہمارے پیچھے ہٹ گئے تو کوئی ایسی چیز ہے کہ ہم پناہ لیں کریں۔ آپ نے فرمایا ہاں! تم یہ دعا کیا کرو:
اللھم اسر عودنا وامن دوعالتنا۔
اے اللہ ہمارے محبوب پر پروردگار جن چیزوں کا ہمیں خوف ہے ان سے ہم کو محفوظ رکھ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے مونہوں پر سخت آغوش بھیجی پھر اللہ عزوجل نے اس آغوش کے ذریعہ ان کو شکست دے دی۔
(مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۱ مجمع قدیم مسند احمد رقم الحدیث ۱۰۰۹ کنز العمال رقم الحدیث ۳۷۱۳)

آخرت میں مسلمانوں کے مال کی نفع رسانی

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا جس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ اولاد ۵۰ سو اس شخص کے جوار اللہ کے حضور قلب سیم لے کر نہ ضرور ہوگا (اشعار: ۸۹-۸۸)

یعنی مسلمانوں کے علاوہ اس دن کسی کا مال اس کو نفع نہیں دے گا خواہ وہ اس مال کو تنہی اور اچھائی کے راستوں میں خرچ کرتا رہا ہو اور نہ اس کی اولاد اس کو نفع دے گی خواہ اس کی اولاد بیک پر بیٹے گا اور عبادت گزار ہو۔

اس آیت کا محض یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان نہ لایا تو اس کا مال اس کی اولاد اس کو اللہ کے عذاب سے نہیں چھڑا سکیں گے یہ وہ اپنے مال اور اپنی اولاد کا فائدہ دے کر اپنے آپ کو آخرت کے عذاب سے نہیں بچا سکے گا ورنہ مومن جو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہے وہ اس کو آخرت کے عذاب سے بچاتا ہے۔

اِنْ شَبَدُوْا الضَّمٰتِ فَيَعْبَاہِیْ ۙ وَ اِنْ
تَضَفُّوْہَا وَ شَوَّہَا الْفَقْرَآءُ فَمَا یَخْیِّرُکُمْ ۚ وَ
یَخْیِّرُ عَنْکُمْ مَنْ سَیِّئَ تِلْکَ ۚ وَ اِنَّہٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِیْرٌ ۝ (البقرہ ۲۷)

اور تم جو بھی اچھی چیز اللہ کی راہ میں دے گے تو اس کا فائدہ تمہارے لیے ہے اور تم صرف اللہ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرو

اَلَيْسَ لَكُمْ اَنْتُمْ وَالْحَفَظُونَ (البقرہ ۷۵)

کے اور تم جو بھی اچھی چیز اللہ کی راہ میں دے گے تم کو اس کا پورا پورا اجر دیا جائے گا اور تمہارے اجر میں کمی نہیں کی جائے گی۔

اسی طرح مال کی نفع رسانی کے متعلق احادیث ہیں:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے روزِ قیامت کی آگ سے بچو خواہ کجور کے ٹکڑے کو صدقہ کرنے سے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۷۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۱۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۶۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے صدقہ کرنے کا سب سے زیادہ اجر ہوتا ہے آپ نے فرمایا تم اس وقت صدقہ کرو جب تم سندرست ہو اور تم کفایت سے خرچ کرنا چاہتے ہو اور تم کو خیر کا ذخیرہ ہو اور تم کو خوش حالی کی امید ہو اور صدقہ کرنے میں ڈھیل نہ دیتے رہو حتیٰ کہ تمہاری جان مفلوم تک پہنچ جائے اور تم کہو یہ چیز فلاں کے لیے ہے اور یہ چیز فلاں کے لیے ہے اور اب تو وہ فلاں کی بوسی ٹہی ہے (تمہارے مرنے کے بعد یہ طور وراثت)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۷۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۶۵ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۶۷۰)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی عورت اپنے گھر سے طعام کو خرچ کرے جب کہ اس کو ضائع کرنے والی نہ ہو تو اس کو اس کا اجر ملتا ہے جو کچھ وہ (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتی ہے اور اس کے خاندان کو بھی اس مال کے کمانے کا اجر ملتا ہے اور اس مال کے رکھنے والے کو بھی اس کا اجر ملتا ہے اور بعض کو اجر عطا کرنے سے دوسرے بعض کا اجر کم نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۷۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۸۵ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۸۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۶۴)

اللہ عنہ ۲۶۹۳ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۱۹۱۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے کہ صدقہ دینے کے بعد اس کے پاس یہ قدر ضرورت مال باقی رہے (یعنی سارا مال صدقہ میں نہ دے دے) اور پہلے ان پر خرچ کرے جس کی کفالت اس کے ذمہ ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۷۶ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۷۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ فقیر کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث تم میں سے کس کو سب سے زیادہ یاد ہے؟ میں نے کہا مجھے یاد ہے جس طرح آپ نے فرمایا تھا حضرت عمر نے کہا بے شک تم اس کی مصلحت رکھتے ہو تو بتاؤ آپ نے کیا فرمایا تھا؟ میں نے کہا آپ نے فرمایا تھا کوئی شخص اپنی بیوی اپنی اولاد اور اپنے پردوسی کی وجہ سے جس قدر میں چلا ہوتا ہے تو اس کی نماز اس کا صدقہ اور خیرات کرنا اس کا نیک باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا ان کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ اللہ عنہ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۷۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۳۷)

آخرت میں مسلمانوں کی اولاد کی نفع رسانی

آخرت میں اولاد کی نفع رسانی کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مر جاتا ہے تو تمہیں کے سوا اس کے باقی اعمال منتقل ہو جاتے ہیں (۱) صدقہ چارہ (۲) وہ علم جس سے نفع اٹھایا جاتا ہے (۳) اس کی نیک اولاد جو

اس کے لیے دعا کرتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷۳۲ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۷۶ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۷۵۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں میں سے جس کے بھی تین نیک بیعت ہو جائیں اللہ تعالیٰ ان بچوں پر رحمت کرنے کی وجہ سے اس کو جنت میں داخل فرما دے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۶۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۰۳ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۶۳ مسوط امام مالک رقم الحدیث: ۱۶۴)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عرض کیا کہ ہمیں وعظ کرنے کے لیے آپ ایک دن مقرر فرما دیجیے تو آپ نے ان کو وعظ فرمایا اور یہ فرمایا کہ جس عورت کے بھی تین نیک بیعت ہو جائیں وہ اس کے لیے دوزخ سے نجات ہو جائیں گے ایک عورت نے کہا اور اگر وہ ہوں تو آپ نے فرمایا دو بھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۹ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۵۸۹۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ایسا مسلمان نہیں ہوگا جس کے تین نیک بیعت ہو جائیں اور وہ دوزخ میں داخل ہو مگر قسم کو پورا کرنے کے لیے۔ امام بخاری نے کہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا:

وَاِنْ يَنْتَكِفُوا فَاَنْزِلْهُمْ فِيهَا (مریم: ۷۷) اور قسم میں سے ہر شخص دوزخ پر وارد ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ناقام (کچے) بچے کے ماں باپ کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا تو وہ اپنے رب سے جھگڑا کرے گا کہ جب اس سے کہا جائے گا اے ناقام بچے اپنے رب سے جھگڑنے والے اپنے ماں باپ کو جنت میں داخل کر دے تو وہ اپنے ماں باپ کو اپنی ناف سے باندھ کر تھپتھپاتی گئی کہ ان کو جنت میں داخل کر دے گا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۹۸ مسند ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۶۸۸)

ابن ماجہ کی سند میں مندل بن علی بخاری نام کا راوی ضعیف ہے۔
قلب سلیم کی تعریف اس کی علامات اور اس کا مصداق

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سوا اس شخص کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوا (اشعراء: ۸۹)

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انسا اموالکم واولادکم فتنۃ (التھابین: ۱۵) تمہارے اموال اور اولاد تمہیں فتنہ ہیں۔ سو جو شخص اموال اور اولاد کے فتنہ سے سلامت رہا وہ قیامت کے دن شرمندگی سے سلامت رہے گا۔ اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

کفار یہ کہتے تھے کہ ہمارے اموال اور ہماری اولاد بہت زیادہ ہیں اور وہ اپنے اموال اور اولاد کی کثرت پر فخر کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ ان کے اموال اور ان کی اولاد قیامت کے دن ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے کیونکہ دنیا میں ان کے دل کفر اور شرک اور فتنہ و فحش و فجور سے سلامت نہیں رہے اور یہ مسلمان تو ان کو ان کے اموال کا صدقہ اور خیرات کرنا نفع دے گا اور مسلمانوں کو ان کی اولاد بھی نفع دے گی کیونکہ مسلمان شخص کا بیٹا اگر اس سے پہلے فوت ہو جائے تو وہ اس کے لیے ذخیرہ اور اجر بن جاتا ہے اور اگر مسلمان کے بعد اس کا بیٹا فوت ہو تو وہ اس کے لیے دعاء خیر کرتا ہے اور اس کے نیک اعمال کا ثواب اس کو پہنچتا ہے اور اس کی شفاعت متوقع ہوتی ہے۔

قلب سلیم کا مصداق یہ ہے کہ اس کا قلب جہل اور اخلاق رذیلہ سے سلامت رہے کیونکہ جس طرح بدن کی صحت کا

سلامت رہتا اس کے حراج کے معتدل ہونے پر موقوف ہے اور بدن کا مریض ہونا اس کے حراج کے غیر معتدل ہونے سے عبارت ہے اسی طرح قلب کا سلامت رہنا علم اور اخلاق فاضلہ کے حصول اور جبل اور اخلاق رذیلہ سے خالی ہونے پر موقوف ہے۔

اس آیت میں یوں نہیں فرمایا اس شخص کے جو اللہ کے پاس ایمان اور اسلام کے ساتھ حاضر ہوا بلکہ فرمایا جو اس کے پاس قلب سلیم کے ساتھ حاضر ہوا کیونکہ ایمان وہی لاتا ہے جس کا قلب سلامت ہو اور جس کا قلب بے راہ ہو وہ ایمان سے محروم رہتا ہے اسی طرح اعمال صالحہ بھی قلب کی سلامتی پر موقوف ہیں نہ صیٹ میں ہے:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حلال کھانا کھا کر اور حرام (بجی) کھانا کھا کر وہ اپنے دین اور اپنی عزت کی حفاظت کرتا ہے اور جو شخص مشبہات سے پرہیز نہیں کرتا وہ اس چرواہے کی طرح ہے جو شاہی چراگاہ کے نزدیک بکریاں چراتا ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ اس کی بکریاں اس شاہی چراگاہ سے چر لیں سنو! ہر بادشاہ کی خاص چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی خاص چراگاہ اس کی حدود ہیں سنو! جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے وہ درست ہو تو پورا جسم درست رہتا ہے اور وہ فاسد ہو تو پورا جسم فاسد ہو جاتا ہے سنو وہ دل ہے!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۹۹ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۲۹ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۵ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۳۵۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۸۳ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۵۵۸ سنن دارمی رقم الحدیث: ۵۲۳)

قلب سلیم کی علامات یہ ہیں (۱) اس قلب میں خوف خدا ہو (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سب سے زیادہ ہو۔ (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب آپ کے قرابت دار اور اولیاء اللہ اور علماء دین کی محبت ہو۔ (۴) دنیا سے دلچسپی کم اور آخرت کی طرف رجحان زیادہ ہو (۵) بے حیائی کے کاموں اور دیگر گناہوں سے نفرت ہو (۶) کینہ حسد اور بغض سے خالی ہو (۷) عبادات سے محبت ہو (۸) ہر مسلمان کی خیر خواہی کا جذبہ ہو (۹) ایثار اور اخلاص ہو (۱۰) جب کسی شخص کے ساتھ کسی کرے تو اس سے بدلہ کی توقع نہ کرے۔

امام ابو القاسم عبدالکریم بن حواری قشیری متوفی ۳۶۵ھ قلب سلیم کی تعریف میں لکھتے ہیں:

سلیم اس شخص کو کہتے ہیں جو سانپ یا بچھو سے ڈسا ہوا ہو سو قلب سلیم والا وہ شخص ہے جو خوف خدا سے ڈرے ہوا ہو یعنی جس طرح سانپ یا بچھو سے ڈسا ہوا شخص بے یمن مضطرب اور بے کل رہتا ہے وہ بھی خوف خدا سے بے کل اور بے یمن رہے۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ پہلے گرم رہا ہے سلامت ہو پھر بدعت سے پھر غفلت سے پھر غیبت سے پھر دنیاوی پیش و پام اور دنیاوی رنگینیوں اور دلچسپیوں سے یہ تمام چیزیں آفتیں ہیں اکابر ان سے سلامت رہتے ہیں اور اصغر ان کی آواز کش میں جتنا رہتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ قلب سلیم وہ ہے جو اپنے نفس کی محبت اور اس کی طرف توجہ اور ارادہ سے بھی سلامت ہو۔

(لطف الاشارات ج ۳ ص ۲۰۳ مطبوعہ دارالکتب اعلیٰ بیروت ۱۴۰۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور متقین کے لیے جنت قریب کر دی جائے گی اور اگر انہوں کے لیے دوزخ کو ظاہر کیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا وہ کہاں ہیں جن کی تم عبادت کرتے تھے اللہ کو چھوڑ کر کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں تمہارا بدلہ لے سکتے ہیں؟ پھر وہ اور تمام گمراہ لوگ دوزخ میں اوندھے منہ گرا دیے جائیں گے اور انہیں کا (سرا) لشکر بھی وہ دوزخ

میں لڑتے ہوئے کہیں گے ۵ اللہ کی قسم! اے شک ہم کبھی ہوئی گراہی میں تھے ۵ جب کہ (اے خدایا) ہم تم کو رب مانتے تھے
سادہ قرار دیتے تھے ۵ اور ہمیں صرف مجرموں نے گم راہ کر دیا ۵ اس لیے کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے ۵ اور نہ کسی
سچا دوست ۵ اگر کاش دنیا میں ہمیں دوبارہ لوٹنا ہوتا تو ہم کبے مومن بن جاتے ۵ بے شک اس میں ضرور شکناہی ہے اور ان میں
سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے ۵ بے شک آپ کا رب ہی ضرور بہت غالب ہے حد درجہ فرمانے والا ہے ۵

(اشراء: ۱۰۳-۹۰)

جنت اور دوزخ کی صفات

ازلقت کا معنی ہے قریب کر دینی حالانکہ جنت ابھی قریب نہیں کی گئی قیامت کے دن قریب کی جائے گی اس کا جواب
یہ ہے کہ جس چیز کا تحقق اور وقوع مستقبل میں یقینی ہو اس کو ماضی کے ساتھ تعبیر کر دیا جاتا ہے کیونکہ ماضی میں جو کام ہو چکا اس
کا تحقق ہونا بغیر کسی شک و شبہ کے ثابت ہوتا ہے۔

اور متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو کفر اور شرک سے بچتے ہوں اور وہ مسلمان جو کبیرہ گناہوں سے بچتے ہوں اور متقین
کا اعلیٰ درجہ وہ مسلمان ہیں جو گناہ و صیغہ خلاف سنت اور خلاف اولیٰ سے بھی بچتے ہوں۔ اشراء: ۹۰ میں جنت کا ذکر ہے اور
اشراء: ۹۱ میں دوزخ کا ذکر ہے اور جنت اور دوزخ کے متعلق یہ حدیثیں ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت اور دوزخ میں بحث ہوئی۔
دوزخ نے کہا مجھے حکیم اور جابر لوگ دیے گئے ہیں جنت نے کہا میرے لیے کیا ہے مجھ میں تو کثرت دردی اور پس ماندہ لوگ
داخل ہوں گے اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا تم میری رحمت ہو میں اپنے بندوں میں سے جس پر رحم کرنا چاہوں گا تمہارے
ساتھ اس پر رحم کروں گا اور دوزخ سے فرمایا تم میرا عذاب ہو میں اپنے بندوں میں سے جس کو عذاب دینا چاہوں گا تمہارے
ساتھ اس کو عذاب دوں گا اور تم میں سے ہر ایک کے لیے بھرا اور پر کرتا ہے دوزخ تو وہ اس وقت تک پر نہیں ہوگی جب
تک کہ اللہ اس میں اپنا پیر نہیں رکھ دے گا پھر وہ کسی کے: بس! بس! بس! اس وقت بھر جائے گی اور اس کا بعض حصہ دوسرے
بعض حصہ سے مل جائے گا! بس اللہ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا! ربی جنت تو اللہ اس کے لیے ایک حقوق پیدا کرے
گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۵۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۸۲۰ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۶۹۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا تو جبریل
سے فرمایا: جاؤ جنت کی طرف دیکھو وہ گئے اور انہوں نے جنت کی طرف دیکھا اور جنتیوں کے لیے اس میں جو نعمتیں رکھی ہیں ان
کو دیکھا پھر وہ آئے اور انہوں نے کہا: اے میرے رب! تیری عزت اور جلال کی قسم! جو شخص بھی جنت کے متعلق سنے گا وہ اس
میں ضرور داخل ہوگا! پھر جنت کے اوپر مصائب اور مشقتیں ڈال دی گئیں پھر جبریل سے فرمایا: اے جبریل! اب جاؤ اور جنت
کی طرف دیکھو انہوں نے جا کر جنت کو دیکھا پھر آئے اور کہا اے میرے رب! تیری عزت اور جلال کی قسم! مجھے خدشہ ہے کہ
اب تو اس میں کوئی بھی داخل نہیں ہوگا! پھر اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو پیدا کیا اور فرمایا: اے جبریل! جاؤ دوزخ کی طرف دیکھو
جبریل گئے اور انہوں نے دوزخ کو دیکھا پھر کہا: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! دوزخ کو سن کر تو کوئی شخص بھی اس میں
داخل نہیں ہوگا! پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر شبیہیں ڈال دیں پھر فرمایا: اے جبریل! جاؤ دوزخ کی طرف دیکھو وہ گئے اور
انہوں نے دوزخ کو دیکھ کر کہا: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! اب تو کوئی شخص بھی اس میں داخل ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۴۳ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۰ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۷۴۳ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۵۶۹۸)

جنت اور دوزخ کس جگہ پر واقع ہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جنہم غلوین کے لیے ظاہر کی گئی ہے غلوین سے مراد کافر اور شرک ہیں۔ کفار کے دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے ان پر دوزخ کو ظاہر کر دیا جائے گا تاکہ دوزخ کا خوف اور غم ان پر طاری ہو جائے اسی طرح جنتیوں کو بھی پہلے جنت دکھادی جائے گی تاکہ جنت میں داخل ہونے سے پہلے ان پر فرح اور سرور کی کیفیت طاری ہو جائے۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

جنت کے متعلق فرمایا اس کو قریب کر دیا گیا ہے اور دوزخ کے متعلق فرمایا اس کو ظاہر کیا گیا ہے یعنی اس کو دکھایا گیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جنت اہل عشرہ کے قریب ہوگی اور دوزخ کو دور سے دکھایا جائے گا اہل کمال نے یہ کہا ہے کہ جنت کی جگہ ارض محشر سے بہت دور ہے اس لیے فرمایا اس کو متعین کے قریب کر دیا گیا اور دوزخ کی جگہ ارض محشر کے قریب ہے اس لیے فرمایا اس کو ظاہر کیا گیا ایک قول یہ ہے کہ یہ مشہور قول پر مبنی ہے کہ جنت آسمان میں ہے اور دوزخ زمین میں ہے اور قیامت کے دن جب زمین کو پھیلایا جائے گا تو اس کی گولائی کو ختم کر کے اس کو پھیلا دیا جائے گا کیونکہ قریب اور بعد کا معاملہ اسی وقت ظاہر ہو سکتا ہے۔

اور یہ امر واضح رہے کہ جنت کا آسمان میں ہونا ان امور میں سے ہے جن پر اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے اور اس میں ان کا کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں ہے لیکن دوزخ کے زمین کے نیچے ہونے میں توقف ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اتمام الدرایہ میں کہا ہے کہ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ جنت آسمان میں ہے اور دوزخ کے متعلق ہم توقف کرتے ہیں۔ دوزخ کس جگہ پر ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس باب میں مجھے کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جس پر مجھے اعتماد ہو اور ایک قول یہ ہے کہ دوزخ زمین کے نیچے ہے۔ علامہ سیوطی کا کلام ختم ہوا۔

زمین کو پھیلا کر اس کی گولائی کو ختم کر دینا یہ فیض کا قول ہے۔ امام قرطبی نے فقہاء میں یہ کثرت احادیث کو نقل کرنے کے بعد یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ایک اور زمین کو پیدا کرے گا جو چاندی کی ہوگی اور سفید ہوگی جس پر کوئی ناحق خون بہایا گیا ہوگا نہ کوئی ظلم کیا گیا ہوگا اور ارض محشر سے دوزخ کے قریب ہونے اور جنت کے بعید ہونے کے متعلق اولیٰ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ ہل صراط کو عبور کرنے کے بعد جنت تک رسائی ہوگی اور وہ ہل صراط دوزخ کی پشت پر رکھا ہوا ہے جیسا کہ اس کی احادیث میں تصریح ہے پس پہلے دوزخ تک پہنچنا ہوگا پھر ہل صراط کو عبور کرنے کے بعد جنت تک رسائی ہوگی اور یہ دوزخ کے قریب ہونے اور جنت کے بعید ہونے میں واضح ہے پھر اس آیت کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنت کو اس کی اصل جگہ سے ارض محشر کے قریب منتقل کیا جائے گا کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے اور جنت متعین کے قریب کر دی گئی اور احادیث میں جنت کو منتقل کرنے کا ذکر نہیں ہے ہاں احادیث میں دوزخ کو منتقل کرنے کا ذکر ہے کیونکہ فقہاء کہہ میں ہے امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس دن دوزخ کو لایا جائے گا اس کے ساتھ ستر ہزار لگا میں ہوں گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ دوزخ کو اس کی اصل جگہ سے لایا جائے گا۔

بہر حال اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قیامت کے دن جنت کو متعین کے لیے ارض محشر کے قریب لایا جائے گا اور دوزخ کو دکھایا جائے گا۔ اور علامہ قرطبی نے اس آیت کی یہ توجیہ کی ہے کہ دوزخ کی پشت پر ہل صراط کو بچھا دیا جائے گا سو پہلے دوزخ سے گزر ہوگا اور پھر جنت تک رسائی ہوگی۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۱۵۶-۱۵۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۲ھ)

میں کہتا ہوں کہ حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جنت آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے ہے:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں جو شخص ہو اور ہر دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین میں فاصلہ ہے اور فردوس جنت کا سب سے بلند درجہ ہے اور اس جنت کی چار نہریں نکلتی ہیں اور اس کے اوپر دھن کا عرش ہے پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔

(سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۵۳۱ صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۷۰۱ مسند احمد، ص ۳۶۶)

اور دوزخ کے متعلق کسی حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ وہ کہاں پر ہے۔

مشرکین ان کے باطل معبودوں اور ان کی عبادت کی ترغیب دینے والوں کی دوزخ میں حالت زلزلہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ان سے کہا جائے گا وہ کہاں ہیں جن کی تم عبادت کرتے تھے؟ اللہ کو چھوڑ کر کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا وہ تمہارا بدلہ لے سکتے ہیں؟ (اشرا، ص ۴۳-۴۲)

یعنی جب تم دنیا میں تھے تو کس کی دامن عبادت کرتے تھے؟ تمہارے وہ معبود کہاں ہیں جن کے متعلق تمہارا یہ دھم تھا کہ اس میدانِ حشر میں تمہاری شفاعت کریں گے؟ تم جس دوزخ کو اور اس میں عذاب کو دیکھ رہے ہو کیا وہ تم سے اس عذاب کو دور کر سکتے ہیں؟ یہ سوال ان سے جواب طلب کرنے کے لیے نہیں بلکہ ان کی زبردستی اور ان کی ذلت و پست کے لیے تھا۔ اس لیے فرمایا:

پھر وہ اور تمام گمراہ لوگ دوزخ میں اوندھے منہ گرا دیے جائیں گے اور انہیں اس سارا لشکر بھی (اشرا، ص ۴۵-۴۴) اس آیت میں کھینچو اکالفتہ ہے کعب کا معنی ہے کسی چیز کو منہ کے بل گرا دینا اور اکعب کا معنی ہے کسی چیز کو اوندھے منہ سے کام پر گرا دینا کھینچو کا معنی ہے کسی چیز کو لاٹھا کر کسی گڑھے یا عمارت میں گرا دینا اور کھینچو اکیھا کا معنی ہے ان کو اوندھے منہ دوزخ میں گرا دیا جائے گا۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۳۳ مطبوعہ بیروت ۱۳۸۸ھ) زجاج نے کہا ہے کہ کھینچو کا معنی ہے کسی کو ہار ہار اوندھے منہ گرانے یعنی ان کو ہار ہار دوزخ میں اوندھے منہ گرا دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ دوزخ کی گہرائی میں پہنچ جائیں گے۔

اس آیت میں فرمایا ہے ان کو اور غادون کو دوزخ میں اوندھے منہ گرا دیا جائے گا۔ اس آیت کے کلی مجمل ہیں:

- (۱) ان سے مراد ہے مشرکین عرب اور غادون سے مراد ہے عام مشرکین۔
 - (۲) ان سے مراد ہے پیروی کرنے والے مشرکین اور غادون سے مراد ہے وہ مردار جن کی عام مشرکین پیروی کرتے تھے۔
 - (۳) ان سے مراد وہ بت ہیں جن کی مشرکین عبادت کرتے تھے اور غادون سے مراد وہ مشرکین ہیں جنہوں نے ان بتوں کی عبادت کی تھی سو پہلے بتوں کو دوزخ میں ڈالا جائے گا اس کے بعد ان کی پرستش کرنے والوں کو بتا کہ بتوں کی پرستش کرنے والے اول میں ہی ان سے ایسا ہو جائیں کہ جن کی شفاعت کی ہمیں توقع تھی کہ وہ ہماری شفاعت کر کے ہم کو دوزخ کے عذاب سے چھڑائیں گے وہ خود اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیے گئے ہیں ہم کو کیا چھڑائیں گے!
- نیز فرمایا اور انہیں اس سارا لشکر بھی۔ انہیں کے سارے۔ شمر سے مراد جن اور ان سے اس کے پیروکار ہیں اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد شیاطین ہیں کیونکہ شیاطین نے ہی مشرکین کو بتوں کی عبادت کرنے پر اکسایا تھا اور اس سے مراد یہ ہے کہ مشرکین جن کے بھکانے اور درغلانے میں آ کر بتوں کی عبادت کرتے تھے آج وہ بھکانے والے وہ بت اور ان کی پرستش کرنے والے سب دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہیں۔

دورخ میں مشرکین اور بتوں کا ایک دوسرے کو مطعون کرنا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ دورخ میں (ایک دوسرے سے لڑتے ہوئے) کہیں گے: اللہ کی قسم! بے شک ہم ضرور کھلی ہوئی گمراہی میں تھے: جب کہ (اے بتو!) ہم تم کو رب العالمین کے مساوی قرار دیتے تھے: اور ہمیں صرف مجرموں نے گمراہ کر دیا: (اشعراء: ۹۹-۹۶)

سابقہ آیتوں سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بتوں کی عبادت کرنے والے مشرکین ان کے معبود بت اور اس عبادت کی ترفیع دینے والے شیاطین سب جنہم میں لوندھے منہ گرا دیے گئے پھر اس کے بعد کیا ہوا؟ اس کے جواب میں فرمایا پھر وہ سب آپس میں لڑنے لگے:

اور بتوں کی پرستش کرنے والوں نے بتوں سے کہا بے شک ہم ضرور کھلی ہوئی گمراہی میں تھے جب ہم تمہاری عبادت کرتے تھے اس طرح وہ بت پرستی پر اپنی عنایت کا اظہار اور بتوں کی عبادت کرنے میں اپنی رائے کی نقلی کا اعتراف کریں گے اور ہدایت کو اختیار نہ کرنے پر اپنی حسرت کا اظہار کریں گے اور اس دن بتوں سے اظہار برأت کرنا اور ان کی مذمت کرنا ان کے لیے سود مند نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

وَلَنْ يَنْفَعَكُمْ الْيَوْمَ اِنْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ فِي الْعَذَابِ مُضِفًا ۝ (الزمر: ۳۹)

اور جب کہ تم حکم کر چکے ہو تو یہ بات تم کو ہرگز نفع نہیں دے گی کہ تم سب عذاب میں مشرک ہو۔

اس وقت مشرک کہیں گے کہ ہمیں صرف مجرموں نے گمراہ کر دیا تھا۔ اس آیت میں مجرموں سے مراد کون ہیں اس میں متعدد اقوال ہیں:

(۱) کیونکہ اس سے پہلے مشرکین کا بتوں اور شیاطین سے جھگڑے کا ذکر کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرموں سے مراد وہی بت اور شیاطین ہیں۔

(۲) اس سے مراد ان کے بڑے بڑے سردار ہیں جن کی وہ عقائد میں پیروی کرتے تھے جیسا کہ قرآن مجید کی دوسری آیت میں ہے:

وَقَالُوا رَبَّنَا اِنَّا اَلْفَنَاسُ وَنَا وَكُنَّا اَنْفَاكًا فَاهْلُتُوْنَا
الْحِجَابَ ۝ (الاحزاب: ۶۷)

اور وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے اپنے بڑوں اور اپنے سرداروں کا کہا مانا تو انہوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکا دیا۔

(۳) اس سے مراد ان کے اگلے باپ دادا ہیں۔

(۴) اس سے مراد وہ جن اور انس ہیں جنہوں نے ان کو بتوں کی عبادت کرنے پر اکسایا۔

(۵) ان جرتج نے کہا اس سے مراد انیس ہے اور قاتل ہے جس نے سب سے پہلے قتل کیا تھا اور مصیبت کی بنیاد رکھی تھی۔

اس دن مشرکین حیران ہوں گے کہ اپنے کفر اور شرک کا سبب کس کو قرار دیں گی وہ اس کا سبب انیس کو قرار دیں گے کبھی اگلے باپ دادا کو اور کبھی اپنے بڑوں اور سرداروں کو اور کبھی اپنے دوسرے دوستوں کو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشرکین آپس میں لڑ رہے ہوں اور کہہ رہے ہوں کہ تم میری گمراہی کا سبب ہو اور اگر تم نہ ہو تو میں مومن ہوتا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بتوں کو کو پانی عطا فرمائے اور وہ بت ان سے کہیں کہ ہم تو جمادات تھے اور ہر قسم کے گناہوں سے بری تھے تم نے ہم کو اپنا معبود بنالیا اور ہم کو اس جلاکت میں مبتلا کر دیا۔

صدق اور حمیم کا معنی

اس کے بعد مشرکین کہیں گے: سو ہمارے لیے کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے اور نہ کوئی سچا دوست ۵

(اشراۃ ۱۰۱-۱۰۰)

جب مشرکین اور کفار یہ دیکھیں گے کہ انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ مومنوں کی شفاعت کر رہے ہیں اور ان کو دوزخ اور عذاب سے نجات دلا رہے ہیں تو اس وقت وہ حسرت اور افسوس سے کہیں گے کہ ہمارے لیے کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے اور نہ کوئی سچا دوست ہے۔

علامہ رافع الصلہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

صدق کا معنی ہے دوست اس کی جمع اصدقاء ہے علامہ رافع نے کہا ہے کہ صدقہ کا معنی ہے دوستی میں صدق اعتقاد اور یہ صرف انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۶۵) حمیم کا معنی ہے نہایت گرم پانی اور گہرا دوست اصل میں حمیم خلت گرم پانی کو کہتے ہیں اور اسی اعتبار سے اس قریمی دوست کو بھی حمیم کہا جاتا ہے جو اپنے دوست کی حمایت میں گرم ہو جائے اگر حمیم گرم پانی کے معنی میں ہو تو اس کی جمع حوام ہے اور اگر گہرے دوست کے معنی میں ہو تو اس کی جمع احواء ہے۔ حمیم یہ معنی گرم پانی اس آیت میں ہے:

وَسَقُودُهُمْ حَمِيمًا (نور: ۱۵)

اور دوست کے معنی میں اس آیت میں ہے:

وَلَا يَسْتَنْ حَمِيمًا حَمِيمًا (العنکبوت: ۱۰)

اور کوئی دوست کسی دوست کو نہیں پوچھے گا۔

(المفردات ج ۲ ص ۳۶۵) علامہ رافع نے لکھا ہے:

مومنوں کی مغفرت اور اس پر کفار کی حسرت کے متعلق احادیث

حافظ جمال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابن مردویہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ قیامت کے دن پل صراط سے گزر رہے ہیں اور صراط ایک پھسلواں جگہ ہے۔ لوگ اس سے پھسل کر دوزخ کی آگ میں گر رہے ہیں اور دوزخ کی آگ ان کو پکڑ لے گی اور جس طرح برف پاری کے ایام میں برف گرتی ہے اسی طرح دوزخ کی آگ ان پر گرنے لگی اور وہ بہت زور سے چٹکھاڑ رہی ہوگی وہ اسی حال میں ہوں گے کہ ان کے پاس رحمان کی جانب سے ایک ندا آئے گی: اے میرے بندو! تم دنیا میں کسی کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو خوب جانتا ہے کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے تھے پھر وہ ان کو ایسی آواز کے ساتھ جواب دے گا کہ تمام مخلوق میں سے کسی نے ایسی آواز نہیں سنی ہوگی اے میرے بندو! مجھ پر حق ہے کہ میں آج تم کو اپنے سوا کسی کے سپرد نہ کروں۔ میں نے تم کو معاف کر دیا اور تم سے راضی ہو گیا پھر اس وقت ملائکہ شفاعت کے لیے کھڑے ہوں گے جس لوگ اس جگہ سے نجات حاصل کریں گے اور جو لوگ ان کے نیچے دوزخ میں ہوں گے وہ کہیں گے کیا وجہ ہے کہ ہمارے لیے کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے اور نہ کوئی سچا دوست اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر ان کو اور عاودن (بچوں) کو اوندھے منہ دوزخ میں گرادیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا ان سے کہا جائے گا اب تم آخرون تک دوزخ میں رہو۔

امام ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وہ اس کو ایک نیکی دے دے گا وہ پھر اسی جگہ اپنے رب کو اس نیکی کے لئے کی خبر دے گا اللہ فرمائے گا میں نے اس نیکی کو
سے قبول کر لیا اور اس کے حق سے کسی چیز کی کمی نہیں کی میں نے اس کو بھی بخش دیا اور تمہیں بھی بخش دیا۔

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ کے نزدیک دوستی کا بہت بڑا اعتبار ہے۔
حسن نے کہا زیادہ سے زیادہ مسلمانوں سے دوستی رکھو کیونکہ قیامت کے دن ان کی شفاعت ہوگی۔

حسن بصری نے کہا جب بھی کوئی جماعت اللہ کا ذکر کرنے کے لیے مجتمع ہے تو ان میں کوئی جتنی بندہ ہوتا ہے جو ان کی
شفاعت کرتا ہے اور مومنین ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شفاعت کرنے والے ہیں اور ان

کی شفاعت قبول کی جائے والی ہے۔ (روح البیان ج ۶ ص ۳۷۳-۳۷۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۱ھ)

علامہ اسماعیل حق نے جو روایت ذکر کی ہے مجھے اس کی تائید حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملی۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

کب احبار نے بیان کیا دو آدمی دنیا میں دوست تھے قیامت کے دن ان میں سے ایک دوسرے کے پاس سے گذرا
جس کو دوزخ کی طرف تھمت کر لایا جا رہا تھا پس اس کا بھائی اس سے کہے گا اللہ کی قسم! تمہاری نجات کے لیے صرف ایک
نیکی کی ضرورت ہے! اے میرے بھائی تم وہ نیکی لے لو تم کو اس عذاب سے نجات مل جائے گی اور میں اور تم دونوں اصحاب
الاعراف سے ہو جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جنت میں داخل کرنے کا حکم دے گا۔

(الجامع لا کام القرآن ج ۳ ص ۱۰۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

یہ حدیث اسراہیلیات میں سے ہے۔

ان روایات سے یہ معلوم ہو گیا کہ مومنوں کے دوست آخرت میں ان کے کام آئیں گے اور کفار اس نعت سے محروم
ہوں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

أَلَا يَعْلَمُ لِيَتْخَذِينَ بِعِصْمَتِهِمْ لِيَحْمِلُوا أَسَاقِطَهُمْ ۚ (الزحرف: ۶۷) متفقین کے۔

اس دن جب کفار دیکھیں گے کہ مسلمانوں کی شفاعت انہیں ملائکہ اور ان کے دنیا کے دوست کر رہے ہیں تو اس وقت وہ
حسرت سے کہیں گے ہماری شفاعت کرنے والا کوئی نہیں ہے اور نہ ہمارا کوئی وفادار دوست ہے اور جن کو ہم دنیا میں اپنا دوست
اور نجات دہندہ سمجھتے تھے آج وہ خود عذاب میں گرفتار ہیں اور نجات کے طالب ہیں اور جن بتوں کو ہم خدا کچھ کر ان کی عبادت
کرتے تھے وہ سب ہم سے پہلے جہنم میں جا گئے ہیں۔

مصائب میں گھر کر انسان کا اللہ کی طرف رجوع کرنا اور مصائب دور ہونے کے بعد پھر غافل ہو جانا
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (پھر مشرکین کہیں گے) اگر کاش ہمیں دنیا میں دوبارہ لوٹنا ہوتا تو ہم کچے مومن بن

جاتے (اشتراک: ۱۰۳)

ان کا یہ کلام افسوس اور حسرت کے اعتبار کے لیے ہے اور اگر ان کو دنیا میں لوٹا دیا جاتا تو وہ ضرور دوبارہ ان کاموں کو
کرتے جن سے ان کو منع کیا گیا تھا کیونکہ جو بندہ ایمان پر کفر کو اختیار کرے اور اللہ اس میں گمراہی کو پیدا کر دے اس کو پھر کوئی
ہدایت نہیں دے سکتا خواہ ان کو دنیا میں بار بار لوٹا یا جائے کیا دنیا میں ایسا نہیں ہوتا کہ ایک شخص کے گناہوں کی شامت اعمال
سے اس پر کوئی مصیبت آ جاتی ہے وہ گمراہ اگر اللہ سے دعا کرتا ہے کہ اس بار اس کو مصاف کر دے وہ دوبارہ ایسے بڑے کام نکلتا

کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دیتا ہے اور جب وہ مصیبت دور ہو جاتی ہے تو وہ اس گرفت کو بھول جاتا ہے پھر حسب سابق برائیوں میں مشغول ہو جاتا ہے قرآن مجید میں ہے:

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ مِّنْ عَآئِلَةٍ فَيَسْتَدْعُوا اللَّهَ عِوَاذًا
عَوَّلَ عَلَيْهِ فَمِنْ أَهْلِكَ مِمَّا كَانَتْ يَدْعُو الْإِنْسَانُ مِنَ قَبْلُ

(الزمر: ۸)

اور جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس سے دعا کرتا ہے پھر جب وہ اپنے پاس سے اس کو نصرت عطا فرما دیتا ہے تو وہ بھول جاتا ہے کہ وہ اس سے پہلے کیا دعا کر رہا تھا۔

آپ کیسے وہ دن ہے جو تم کو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے نجات دیتا ہے (جب) تم اس کو گڑگڑا کر اور ہینکے ہینکے پکارتے ہو اگر تو ہم کو ان تاریکیوں سے نجات دے دے تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے آپ کیسے کہ اللہ ہی تم کو ان تاریکیوں سے اور ہر غم سے نجات دیتا ہے ہر مہم ترک کرنے لگتے

ہو

وہی ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں سڑکاتا ہے حتیٰ کہ جب تم کشتیوں میں (نوحسفر) ہو اور وہ کشتیوں میں واقع ہوا کے ساتھ لوگوں کو لے کر جاری ہوں اور لوگ ان سے خوش ہو رہے ہوں تو (اپنا تک) ان کشتیوں پر تجھ پر اندھی آئے اور (سمندر کی) موجیں ہر طرف سے ان کو گھیر لیں اور لوگ یہ یقین کر لیں کہ وہ (طوفان میں) بھنس چکے ہیں اس وقت وہ دین میں غفلت ہو کر اس سے دعا کرتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس (طوفان) سے بچالیا تو ہم ضرور تجھ پر شکر بھالانے والوں میں سے ہو جائیں گے پھر جب اللہ نے انہیں بچالیا تو پھر وہ ایک زمین میں اتنی بے اعتنائی (نساد) کرنے لگتے ہیں اسے لوگو! تمہاری بے اعتنائی صرف تمہارے لیے ہی (مضر) ہے۔ دنیا کی زندگی کا کچھ فائدہ (افعال) پھر تم نے ہماری ہی طرف لوٹا ہے پھر ہم تمہیں ان کاموں کی خبر دیں گے جو تم کرتے تھے۔

موجس طرح ہا شکرے انسان اور کفار مصائب میں گھر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور مصائب دور ہو جانے کے بعد پھر اس سے شرف ہو جاتے ہیں اور اپنی روش پر لوٹ جاتے ہیں اسی طرح کفار قیامت کے دن دوزخ کا عذاب دیکھ کر یہ کہیں گے کہ اگر ہمیں پھر ایک بار دنیا میں لوٹا دیا جائے تو ہم شرک نہیں کریں گے لیکن اللہ کو خوب علم ہے کہ اگر ان کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا گیا تو یہ پھر اسی طرح شرک کریں گے اور قیامت کے اس عذاب کو بھول جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا رحیم ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اس میں ضرورت نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے

(اشتراک)

یعنی حضرت ابراہیم اور ان کی قوم کا جو قصہ ذکر کیا گیا ہے اس میں ان لوگوں کو غور و فکر کرنا چاہیے اور عبرت حاصل کرنا چاہیے جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں تاکہ وہ جان لیں کہ جن کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ آخرت میں ان کے کسی کام نہ آسکیں گے ان کو کسی ضرر سے نہیں بچ سکیں گے اور نہ ان کو کوئی فائدہ پہنچا سکیں گے اور وہ بلاخران سے بیزار ہو جائیں گے تو کہیں نہ دنیا میں ہی ان کی عبادت کرنے سے بری ہو جائیں اور شرک کو ترک کر دیں اور اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کریں خصوصاً اہل مکہ کو اس میں غور کرنا چاہیے کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ ملت ابراہیم پر ہیں۔ اور حضرت ابراہیم کی قوم کے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے جس طرح ابتداً اہل مکہ میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے تھے۔ روایت ہے کہ اہل ہاتل میں سے حضرت ابراہیم پر صرف حضرت لوط اور نردو کی بیٹی ایمان لائی تھی۔ (روح البیان ج ۶ ص ۳۴۳)

اس کے بعد فرمایا: بے شک آپ کا رب ہی ضرور بہت غالب ہے حد درجہ فرمانے والا ہے ۵ (اشتراک: ۱۰۳) اللہ تعالیٰ بہت غالب ہے جب چاہے مگرین اور شرکین پر عذاب بھیج کر ان کو نیست و نابود کر سکتا ہے اور بہت رحیم ہے کہ وہ عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کرتا اور شرکین کو رجوع کرنے اور توبہ کرنے کی سہلت دیتا ہے اور جو اس کی بارگاہ میں توبہ کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و مدد سے قریش کو ایمان لانے کی سہلت دی یا یہ کہ ان کی اولاد میں سے کوئی ایمان لے آئے۔

انسان کا نفس اس کو برائی کا حکم کرتا ہے اس لیے وہ اس کو کفر کا حکم دیتا ہے اور کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے نفس امارہ کی مخالفت کر کے ایمان اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں اس لیے فرمایا ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ رحیم ہے وہ اپنی رحمت سے ان لوگوں کو اپنی راہ دکھاتا ہے جو اس کی طرف پہنچنے کے لیے کوشش اور جدوجہد کرتے ہیں ہر چند کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس کے کرم سے حاصل ہوتی ہے لیکن اس کے لیے ہدایت کے اسباب کو حاصل کرنا ضروری ہے اور انسان اس دنیا میں ہی اللہ کی نافرمانی کرنے پر اپنے نفس کو طاعت کرے اور گناہوں پر توبہ کرے اور ان کا تدارک اور عطا کرے بجائے اس کے کہ قیامت کے دن کفار کی طرح اپنے برے اعمال پر کف انہیں ملے اور کچھ بتائے اور یہ قہر کرے کہ کاش اس کو ایک اور نیکی کرنے کا موقع دیا جائے اور پھر دنیا میں بھیج دیا جائے سو وہ اس دنیا میں ہی اپنے برے کاموں پر خود کو طاعت کرے اور توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرے اور اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے اور بہت رحیم ہے اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے قارئین کو غور سے سننے والا اور عبرت حاصل کرنے والا بنائے اپنی خامیوں کی اصلاح کرنے والا توبہ کرنے والا اور نیک عمل کرنے والا بنائے۔ ہدایت پر مستقیم رکھے اور ایمان پر خاتمہ فرمائے اور دنیا قبرِ مشر اور آخرت کے تمام مراحل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت آپ کی شفاعت اور آپ کے قرب سے متبع فرمائے۔ (آمین)

كَذَبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ

نوح کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی ۵ جب ان کے ہم قبیلہ

نُوحٌ أَلَّا تَتَّقُونَ ۖ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ

نوح نے ان سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے ۵ بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہیں ۵ سو تم اللہ سے ڈرو

وَأَطِيعُونَ ﴿۱۰۹﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجَرْتُمْ إِلَّا

اور میری اطاعت کرو O اور میں تم سے اس (تلفیق دین) کے کوئی اجر طلب نہیں کرتا میرا اجر تو صرف

عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۱۰﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ﴿۱۱۱﴾ قَالُوا

رب العالمین کے ہے O سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو O ان کی قوم نے کہا

أَنْتُمْ مِنْ لَدُنْكَ وَاتَّبِعْكَ الْأَزْدَلُونَ ﴿۱۱۲﴾ قَالَ وَمَا عَلَيْنِي بِمَا

کیا تم آپ پر ایمان لے آئیں حالانکہ آپ کی پیروی پسماندہ لوگوں نے کی ہے O نوح نے کہا ان کے کاموں

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۱۳﴾ إِنْ حَسَابُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿۱۱۴﴾

کو جاننے سے مجھے کیا سروکار ہے O ان کا حساب تو صرف میرے رب کے ذمہ ہے اگر تمہیں کچھ شعور ہو O

وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۵﴾ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۱۶﴾ قَالُوا

اور میں ایمان والوں کو دھکارتے والا نہیں ہوں O اور میں تو صاف طور پر (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں O (ان کی

لَيْنٌ لَّمْ تَنْتَهِ يَنُوحٌ لِّتَكُونَ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ﴿۱۱۷﴾ قَالَ رَبِّ

قوم نے کہا) O نوح! اگر آپ باز نہ آئے تو آپ ضرور ان لوگوں میں سے ہو جائیں گے جن کو ستکار کر دیا گیا O (نوح نے عرض

إِنَّ قَوْمِي كَذِبُونَ ﴿۱۱۸﴾ فَافْتَرَيْتَنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجْتِي

کیا: اے میرے رب! میری قوم نے میری تکذیب کر دی O پس تو میرے لئے اور ان کے درمیان آخری فیصلہ کر دے اور مجھے اور

وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۹﴾ فَانْجَيْنَاهُ وَمَنْ مَّعَهُ فِي

ان لوگوں کو نجات دے دے جو میرے ساتھ ایمان لانے والے ہیں O پس ہم نے ان کو نجات دے دی اور ان لوگوں کو جو

الْفُلْكَ الْمَشْحُونِ ﴿۱۲۰﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدَ الْبَاقِينَ ﴿۱۲۱﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

میری ہوئی تھی میں ان کے ساتھ تھے O بعد ازاں باقی تمام لوگوں کو ہم نے غرق کر دیا ہے شک اس میں

لَا يَۡهٖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۲۲﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ

ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے O بے شک آپ کا رب ضرور بہت غالب

الترجیم

بہت رحم فرمانے والا ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نوح کی قوم نے رسول کی تکذیب کی جب ان کے ہم قبیلہ نوح نے ان سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے؟ وہ کہے کہ شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں (خلیفہ دین) پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا میرا جزو تو صرف رب العالمین پر ہے سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو (اشعراء: ۱۰۵-۱۰۶)

ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب ہے

یہ اس سورت میں انبیاء علیہم السلام کے قصص میں سے حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ ہے اور یہ تیسرا قصہ ہے۔ اس سے پہلے اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم کے قصے بتائے تھے اور یہ بتایا تھا کہ ان کی قوم ان کا پیغام سن کر کسی بدتمیزی اور گستاخی کے ساتھ پیش آئی اور ان کے معجزات دیکھنے اور ان کے دلائل سننے کے باوجود اپنی ہمت دھری پر بھی رہی اور ایمان نہ لائی۔ سو اگر آپ کی قوم بھی آپ کے پیغام کی تکذیب کرتی ہے اور ایمان نہیں لاتی اور ضد اور عناد سے کام لیتے ہوئے اپنے آپ کو اجداد کی تقلید پر جمی رہتی ہے تو آپ غم اور افسوس نہ کریں تمام نبیوں اور رسولوں کے ساتھ ایسا ہوتا آیا ہے۔

فرمایا: نوح کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی۔ (اشعراء: ۱۰۵) اس آیت پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے صرف حضرت نوح کی تکذیب کی تھی تو یہ ایک رسول کی تکذیب ہوئی تمام رسولوں کی تکذیب تو نہ ہوئی پھر یہ کیوں فرمایا انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے ایک رسول کی تکذیب کی اس نے تمام رسولوں کی تکذیب کی کیونکہ تمام رسولوں کا پیغام ایک ہوتا ہے وہ سب اللہ کو واحد ماننے کا حکم دیتے ہیں اور اللہ کا شریک بنانے سے منع کرتے ہیں اور اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیتے ہیں برے کاموں سے روکتے ہیں اور نیک کاموں کی ترغیب دیتے ہیں اور اللہ کے نہ ماننے پر عذاب سے ڈراتے ہیں اور اس کے ماننے پر آخرت میں ثواب کی بشارت دیتے ہیں۔ تمام رسولوں کا یہی مشن ہوتا ہے اس لیے جس نے ایک رسول کا انکار کیا اس نے گویا سب رسولوں کا انکار کر دیا دوسرا جواب یہ ہے کہ تمام رسولوں کی رسالت کے اثبات کا طریقہ ایک ہے۔ سب رسول دلائل اور معجزات سے اپنی نبوت اور رسالت کو ثابت کرتے ہیں اور اپنی سادہ پاکیزہ حیات اور اپنے صدق اور امانت کو اپنی رسالت کی دلیل قرار دیتے ہیں سو جس نے کسی ایک رسول کا انکار کیا تو اس نے سب رسولوں کا انکار کر دیا کیونکہ سب رسولوں کی رسالت کے اثبات کا طریقہ واحد ہے اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ ہر رسول تمام رسولوں کی تصدیق کرنے کا حکم دیتا ہے تو جس نے کسی ایک رسول کی تکذیب کی تو اس نے تمام رسولوں کی تکذیب کر دی اور اس کا چوتھا جواب یہ ہے کہ انفرطین میں الف لام جنس کا ہے اور جنس کا الف لام جمعیت کے معنی کو باطل کر دیتا ہے اور اس آیت کا معنی ہے انہوں نے جنس رسالت کی تکذیب کر دی پھر اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے عقائد دھریوں اور بدھمنوں کی طرح ہوں اور وہ نبوت کو بالکل نہ مانتے ہوں۔

حضرت نوح کو بھائی کہنے کی توجیہ اور ان کی نبوت پر دلیل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب ان کے ہم قبیلہ نوح نے ان سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے؟ (اشعراء: ۱۰۶) اس آیت

اپنی تعلیم تدریس وقت اور خطابات سے کوئی نفع حاصل نہ کریں کیونکہ جو علماء اپنے سواۃ اور خطابات کا سننے والے مسلمانوں کوئی نذرانہ لیتے ہیں تو ان کے سواۃ سننے والوں کو کوئی برکت حاصل نہیں ہوتی اور نہ علماء کو وہ نفع سا کہ نذرانے لینے اور سواۃ دنیاوی معاوضہ کے بدلہ میں دین فروخت کرنے سے کوئی برکت حاصل ہوگی۔

(روح البیان ج ۶ ص ۲۷۵-۲۷۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

ہر چند کہ علامہ اسماعیل حق نے قرآن اور حدیث کی اجرت لینے میں صرف برکت کی نئی کی ہے جو ان کی نئی نہیں کی تاہم ہمارے نزدیک برکت کی نئی بھی صحیح نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی اجرت لینے کی اجازت دی ہے اور اکابر صحابہ کرام دینی خدمات کا معاوضہ لیتے رہے ہیں تو اس معاوضہ کو بے برکت اور بے فیض کہنا کس طرح صحیح ہوگا! امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث روایت کی ہے اس کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ۔ جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں اجرت کی سب سے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۳۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی) زیادہ مستحق اللہ کی کتاب ہے۔

امام محمد بن سعد متوفی ۲۴۰ھ اپنی سند کے ساتھ عطاء بن السائب سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا گیا تو وہ صبح کو کپڑوں کی ایک گھنٹری لے کر فروخت کرنے کے لیے بازار گئے۔ ان کی حضرت عمر اور ابوسعید بن جراح سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا: اے خلیفہ رسول! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ حضرت ابوبکر نے کہا بازار! ان دونوں نے کہا آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ مسلمانوں کے خلیفہ بن چکے ہیں؟ حضرت ابوبکر نے کہا پھر میں اپنے اہل و عیال کو کہاں سے کھلاؤں گا؟ ان دونوں نے کہا آپ چلیے ہم آپ کے لیے وظیفہ مقرر کرتے ہیں پھر انہوں نے حضرت ابوبکر کے لیے ہر روز آدھی مہری اور سر اور پیٹ ڈھانپنے کا لباس مقرر کیا۔

(المطبوعات الکبریٰ ج ۳ ص ۸۹ مطبوعہ دار صادر بیروت المطبوعات الکبریٰ ج ۳ ص ۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) ابوبکر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے کہا میں نے اپنے لیے بیت المال کو ختم کے درجہ میں قرار دیا ہے جو مستحق ہو وہ اجتناب کرے اور جو ضرورت مند ہو وہ کھالے۔

(المطبوعات الکبریٰ ج ۳ ص ۷۳ مطبوعہ دار صادر بیروت المطبوعات الکبریٰ ج ۳ ص ۷۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) اور جن روایات میں قرآن اور حدیث کی تعلیم پر اجرت لینے سے منع کیا گیا ہے وہ سب ضعیف ہیں اس کی مکمل تفصیل شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۱۰۷-۱۰۳ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے دوبارہ کہا: سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ (اشراۃ: ۱۰۰) اس جگہ یہ سوال ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے دوبارہ یہ کلام فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے انہوں نے کہا تھا ہے شک میں تھا میرے لیے امانت دار رسول ہوں اس کے بعد فرمایا: سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو یعنی جب میری رسالت ثابت ہوئی تو تم میری اطاعت کرو ورنہ تم اللہ کے عذاب کے مستحق ہو گے اور دوسری بار جب فرمایا میں اس تبلیغ دین پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا تو دوبارہ فرمایا سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو یعنی جب یہ واضح ہو گیا کہ میرا تمہیں دین پہنچانا محض اخلاص سے ہے اور میں تم سے اس کا کوئی معاوضہ نہیں لے رہا تو تم پر میری اطاعت کرنا واجب ہے غلط یہ ہے کہ آپ نے دوسری اپنی اطاعت کرنے کا حکم دیا۔ دونوں حکموں کے دو مختلف سبب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کی قوم نے کہا کیا ہم آپ پر ایمان لے آئیں حالانکہ آپ کی بیروی پس ماندہ لوگوں نے کی ہے۔ نوح نے کہا ان کے کاموں کو جاننے سے مجھے کیا سروکار ہے؟ ان کا حساب تو صرف میرے رب کے ذمہ ہے اگر تمہیں کچھ شعور ہو؟ اور میں ایمان والوں کو مدد کرنے والا نہیں ہوں؟ اور میں تو صاف طور پر (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں۔ (اشعراء ۱۰۵-۱۰۷)

جن نیک لوگوں کو معاشرہ میں پست اور بے وقعت سمجھا جاتا ہے اللہ کے نزدیک وہی عزت والے ہیں یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے کہا ہم کیسے آپ پر ایمان لائیں حالانکہ جو لوگ آپ کی بیروی کر رہے ہیں وہ بہت پس ماندہ ہیں ان کے پاس مال و دولت ہے نہ معاشرہ میں کوئی نمایاں حیثیت ہے نہ آپ کے ساتھ نچلے درجہ کے لوگ بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں تو ہم آپ کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے قرآن مجید میں ان کے لیے ارفلسون کا لفظ ہے اور یہ ارذل کی جمع ہے اور رذالت کا معنی ہے خست اور گھٹیا ہیں جن سے نفرت کی جائے۔ ان کی قوم کا مطلب یہ تھا کہ آپ کی بیروی نہایت بے وقعت لوگوں نے کی ہے جن کا کوئی وزن اور شمار نہیں ہے کیونکہ یہ کم عقل لوگ ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے یہ جو تین گانٹھنے والے اور قحط کرنے والے لوگ ہیں ان کو کیا خبر کہ کسی کی عبادت کرنی چاہیے اور کسی کی نہیں ان کے نزدیک عزت اور وجاہت والے لوگ وہ تھے جن کے پاس مال و دولت ہو معاشرہ میں ان کا اونچا مقام ہو اور وہ لوگ اس بات سے جاہل تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان لوگوں کی جگہ کے پرے برابر ہی حیثیت نہیں ہے کیونکہ اصل نعمت تو آخرت کی نعمت ہے اور یہ نعمت اللہ تعالیٰ کے خوف اس کی اطاعت اور اس کے نبی کی محبت اور اس کی اتباع سے حاصل ہوتی ہے سو عزت اور وجہ جنت والا وہی ہے جو اس نعمت سے سرفراز ہو اور ارذل اور پس ماندہ وہ ہے جو اس نعمت سے محروم ہو اسی طرح ہمارے نبی سید محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کفار قریش آپ کے اصحاب کو ارذل اور گھٹیا کہتے تھے اور ہر زمانے میں انبیاء علیہم السلام کے پیروکاروں کو منکر لوگ ارذل اور گھٹیا کہتے رہے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے زیادہ تر پیروکار وہی ہوتے ہیں جن کو معاشرے میں کم حیثیت ہے وقعت اور گھٹیا سمجھا جاتا ہے اسی طرح اولیاء اللہ جو انبیاء علیہم السلام کے علوم کے وارث ہوتے ہیں ان کا تعلق بھی معاشرہ کے اسی طبقہ سے ہوتا ہے جس کو پس ماندہ کہا جاتا ہے اور بہت کم مالدار لوگوں اور دنیاوی سرداروں کو ولایت کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُ (المجادلہ ۱۳)

اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تقی ہے۔

آج ہمارے معاشرہ میں زیادہ عزت والا اس کو سمجھا جاتا ہے جو سرمایہ دار ہو یا زمین ہو یا ملک یا کسی اور ادارہ میں بہت بڑا افسر ہو خواہ اس کی دولت اس کا منہ پرانی سودی کاروبار نہ ہو اور اشیاء کی فروخت اور رشوت سے حاصل ہوئی ہو جو شخص بھٹا زیادہ حرام ذرائع سے روزی حاصل کرنے والا ہو وہ اتنا بڑا عزت دار ہے اور جو زمین کھودنے والا نہ کیوں اور مکان بنانے والا مزدور ہو محنت مشقت سے دیواروں پر رنگ کرنے والا دگر باز ہو جو تکی کی حرمت کرنے والا مویج ہو جو اپنی محنت مشقت سے رزق حلال کھاتا ہو اس کو نچلے درجہ کا اور گھٹیا ذات کا سمجھا جاتا ہے اور اس کو اشراف میں شمار نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ بڑے بڑے نامور علماء اور فقہاء اس طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اور ان کو ان کے ان ہی پیشوں سے پکارا جاتا تھا۔ امام بزاز کہتا ہے: بچے تھے بزاز کہنا بچے والے کو کہتے ہیں۔ امام خضاف جو تین کی حرمت کرتے تھے خضاف جو تکی حرمت کرنے والے کو کہتے ہیں۔ امام حدادو ہار تھے حدادو ہار کو کہتے ہیں۔ امام غزالی کہتا ہے: امام غزالی کہتے ہیں۔ علامہ قدوری مٹی کی ہندیا بناتے

تھے اس کو قہر دہی کہتے ہیں جس کو لوگ کہہ رہے ہیں۔ آج ان پیشوں کو کھلیا اور باعث عار کہا جاتا ہے اور یہ قہار پیشوں سے مشہور ہیں اور ان پر فخر کرتے تھے اور اللہ کے نزدیک یہی لوگ عزت والے ہیں۔

احکام شرعیہ ظاہر پر مبنی ہیں اور باطن اللہ کے سپرد ہے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نوح نے کہا ان کے کاموں کو جاننے سے مجھے کیا سروکار؟ (اشعراء: ۱۱۴) ان کی قوم نے کہا تھا کہ یہ لوگ غور و فکر اور بصیرت سے ایمان نہیں لائے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا مجھ سے پیشوں سے کوئی سروکار نہیں ہے انہوں نے میرے سامنے اللہ کا شریک قرار دینے سے تو پہ کی اور اللہ کی وحدانیت کا اعتراف اور اقرار کیا میرے لیے یہ کافی ہے اور کہا: ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے اگر تمہیں کچھ شعور ہو۔ (اشعراء: ۱۱۴)

یعنی ان کے دل میں اخلاص ہے یا خلاق ہے یہ جاننا اور یہ فیصلہ کرنا میرا منصب نہیں ان کے باطن اور ان کے دل کی تحقیق کرنا میرا کام نہیں ہے میرا کام صرف ظاہر پر حکم لگانا ہے اور باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کروں حتیٰ کہ وہ یہ گواہی دیں کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ ادا کریں اور جب وہ ایسا کر لیں گے تو وہ مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیں گے ماسوا حق اسلام کے (اور اگر انہوں نے کوئی جرم عقلی رکھا) تو اس کا حساب کرنا اللہ کے ذمہ ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۹۷۷۷۷۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر اعتراض کرتے ہوئے کہا اللہ سے ڈرنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر افسوس ہے اگر میں اللہ سے نہیں ڈروں گا تو پھر کون اللہ سے ڈرے گا پھر وہ شخص چپے پچیر کر چل دیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں اس شخص کی گردن نہ اڑا دوں! آپ نے فرمایا: نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ نماز پڑھتا ہو! حضرت خالد نے کہا کتنے نماز پڑھنے والے ہیں وہ زبان سے جو کچھ پڑھتے ہیں وہ ان کے دلوں میں نہیں ہوتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں لوگوں کے دلوں کو چیر کر دیکھوں اور نہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں ان کے باطن کی تحقیق کروں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۵۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۰۶۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۶۳ سنن ابوالحسن رقم الحدیث: ۲۵۷۸۷۷۷۷)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب فروہ بنک میں آپ کے ساتھ نہ جانے والے اسی (۸۰) سے زیادہ منافقوں نے آپ کے سامنے جھوٹے بیانے کر کے عذر پیش کیے تو:

فقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم
علائتهم وبائعهم واستغفر لهم و وكل مسألتهم
الى الله. (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۹)

اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کر دیا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرے کے دروازہ کے باہر لوگوں کے لڑنے کی آواز سنی آپ حجرے سے باہر نکل کر ان کے پاس گئے اور فرمایا میں صرف بشر ہوں (خدا نہیں ہوں) اور بے شک میرے پاس دو لڑنے والے فریق آتے ہیں نہیں ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی فریق اپنے موقف کو زیادہ چرب زبانی کے ساتھ پیش کرے اور میں (ظاہر کے اعتبار سے) یہ گمان کروں کہ وہ سچا ہے۔ پس (بالفرض) میں اس کے متعلق کسی مسلمان کے حق

پہلے کروں تو دراصل وہ آگ کا گولا ہے، خواہ وہ اس کو لے یا اس کو ترک کر دے۔

(حجۃ الاسلامیہ، رقم الحدیث: ۶۷۵۸، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۷۱۱، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۲۵۸۳، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۳۳۹، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۲۳۱۱، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۳۱۱)

عبداللہ بن عقبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں وحی کی وجہ سے لوگوں پر گرفت ہوتی تھی اور اب وحی منقطع ہو چکی ہے اور اب ہم تمہاری صرف اس چیز پر گرفت کریں گے جو تمہارے عمل سے ظاہر ہوگی، سو جو شخص ہمارے سامنے کسی خیر اور نیکی کو ظاہر کرے گا ہم اس کو مومن رکھیں گے اور اس کو مقرب بنائیں گے اور اس کے باطن کی کوئی چیز ہمارے پردہ نہیں ہے اس کے باطن کا اللہ حساب لے گا اور جس نے ہمارے سامنے کسی برے کام کو ظاہر کیا تو ہم اس کو کائنات میں دیں گے اور اس کی تصدیق نہیں کریں گے خواہ وہ یہ کہے کہ اس کا باطن نیک ہے۔

(حجۃ الاسلامیہ، رقم الحدیث: ۲۶۳۱، مسطورہ دارالقرآن، ج ۱، ص ۱۰۲)

امام عبدالبر نے تمہید میں لکھا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ دنیا کے احکام ظاہر پر مبنی ہیں اور باطنی معاملات اللہ کے سپرد ہیں۔ (مغذی عن الامامین، المجلد ۱، ص ۱۲۳-۱۲۴، مسطورہ دارالکتب العلمیہ، ج ۱، ص ۱۲۳)

امیر کافروں کی خوشنودی کے لیے غریب مسلمانوں کو نہ اٹھایا جائے

اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے منکبرین سے کہا: اور میں ایمان والوں کو دھکارتے والا نہیں ہوں اور میں تو صاف طور پر (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں (اشرار: ۱۱۵-۱۱۴)

اس آیت سے التزامی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے منکبرین نے ان سے یہ کہا تھا کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لائیں تو ان بے وقعت اور گھٹیا لوگوں کو اپنے پاس سے اٹھا دیں کیونکہ ہم ان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے۔ ان کے ساتھ بیٹھنے میں ہماری تو جین ہے تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا میں ان کو دھکارتے والا نہیں ہوں۔ میں تو صرف اللہ کا رسول ہوں جسے مکلفین کو ڈرانے کے لیے مبعوث کیا گیا ہے، اور کفر اور شرک اور گناہوں سے منع کرنے کے لیے مبعوث کیا گیا ہے، خواہ وہ امیروں سے ہو یا غریبوں سے، سو امیروں کو قریب کرنے کے لیے غریب مسلمانوں کو دھکارتا میرے لیے کب مناسب ہے بلکہ جس نے میرے پیغام کو قبول کر لیا وہی میرے قریب ہے اور جس نے میرے پیغام کو رد کر دیا وہ مجھ سے بعید ہے۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کفار قریش کے منکبرین نے اسی طرح کہا تھا:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم چند نفوس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو مشرکین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ان لوگوں کو اپنے پاس سے دھکارتے دیں، ہم پر (براہماری کی) جرأت نہ کریں، حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا: میں تھا اور ایک مسلمان حدیث سے تھا اور بلال تھے اور دو مسلمان اور تھے جن کا میں نام نہیں ہے، ہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں وہ آیا جبرائیل نے چاہا اور آپ نے اپنے دل سے کوئی بات کی تو یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَقْرَأُ الْكِتَابَ وَلَا تُكَلِّمُ الَّذِينَ يُبْذَلُونَ وَيَذْمُونَ رَبَّهُمْ فَأَلْقِهَا فِي الْوَيْدِ
الْعَبَسَ رَبِّي بِرَبِّدَاؤُنْ وَجْهًا مَّعًا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مَقْرُنْ
شَقِيٍّ وَوَعَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مَقْرُنْ شَقِيٍّ وَتَقَرَّرْ وَهَمَّ
تَكَلَّمَ مِنْ الظَّالِمِينَ (الانعام: ۵۴)

اور ان (مسکین مسلمانوں) کو دور نہ کیجیے جو بیگ و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں اور جس حد تک وہ اس کی رضا طلب کرتے رہتے ہیں ان کا حساب ہاں گل آپ کے ذمہ نہیں ہے اور آپ کا حساب سر مومن کے ذمہ نہیں ہے۔ پس اگر (بافرض) آپ

نے ان کو دور کر دیا تو آپ فیر متصفوں سے ہو جائیں گے۔

اس آیت کی مکمل تفصیل اور تحقیق کے لیے جہان القرآن ج ۳ ص ۲۸۹-۲۸۵ کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ان کی قوم نے کہا) اے نوح! اگر آپ باز نہ آئے تو آپ ضرور ان لوگوں میں سے ہو جائیں گے جن کو سنگسار کر دیا گیا (نوح نے) عرض کیا: اے میرے رب! میری قوم نے میری تکذیب کر دی (پس تو میرے اور ان کے درمیان آخری فیصلہ کر دے اور مجھے اور ان لوگوں کو نجات دے دے جو میرے ساتھ ایمان لانے والے ہیں) (پس ہم نے ان کو نجات دے دی اور ان لوگوں کو جو بھری ہوئی کشتی میں ان کے ساتھ تھے بعد ازاں باقی تمام لوگوں کو ہم نے غرق کر دیا) (پس شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے) (پس شک آپ کا رب ضرور بہت غالب اور بہت رحم فرمانے والا ہے) (اشعرار: ۱۳۲-۱۱۶)

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے خلاف دعا کی توجیہ

جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے منکرین حضرت نوح علیہ السلام کے دلائل کا جواب نہ دے سکے تو انہوں نے حضرت نوح کو دھمکیاں دینا شروع کر دیں جیسا کہ بروہہ شخص کرتا ہے جو دلائل سے عاجز ہو اور لا جواب ہو جائے انہوں نے یہ دھمکی دی کہ اگر وہ اپنی کشتی سے باز نہ آئے تو وہ حضرت نوح کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے جب حضرت نوح علیہ السلام ان کے ایمان لانے سے باز ہو گئے تو انہوں نے اپنی قوم کے منکرین کے خلاف دعا کی: اے میرے رب! میری قوم نے میری تکذیب کر دی (پس تو میرے اور ان کے درمیان آخری فیصلہ کر دے۔ اس سے حضرت نوح کا یہ مقصد نہیں تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو یہ خبر دے رہے ہیں کہ ان کی قوم نے ان کی تکذیب کر دی ہے کیونکہ ان کا ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ ہے۔ لیکن ان کا ارادہ یہ تھا کہ وہ قوم کے خلاف دعا کرنے کا اپنی طرف سے عذر پیش کریں کہ وہ اپنی قوم کے خلاف اس لیے دعا نہیں کر رہے کہ قوم نے ان کی تکذیب کی ہے اور ان کو ایذا پہنچائی ہے بلکہ وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ اے اللہ! میں صرف حیر اور حیرے دین کی وجہ سے ان کے خلاف دعا کر رہا ہوں کیونکہ انہوں نے حیر و دق اور حیری رسالت کی تکذیب کی ہے۔ حضرت نوح نے دعا کی: تو میرے اور ان کے درمیان آخری فیصلہ کر دے اس سے حضرت نوح کی مراد یہ تھی کہ تو ان کے اوپر عذاب نازل فرما کیونکہ اس کے بعد حضرت نوح نے یہ دعا کی: اور مجھے اور ان لوگوں کو نجات دے دے جو میرے ساتھ ایمان لانے والے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس ہم نے ان کو نجات دے دی اور ان لوگوں کو جو بھری ہوئی کشتی میں ان کے ساتھ تھے بعد ازاں باقی لوگوں کو ہم نے غرق کر دیا۔

اس آیت میں الفلک المشحون کا لفظ نے الفلک کا معنی ہے کشتی اور المشحون کا معنی ہے بھری ہوئی۔ وہ کشتی انسانوں اور جانوروں سے بھری ہوئی تھی اس کشتی میں برشم کے حیوان تھے اور کھانے پینے اور برسنے کی وہ تمام چیزیں تھیں جن کا تعلق ضروریات زندگی سے ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے ہم نے باقی لوگوں کو غرق کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو تمام روئے زمین کے لوگوں کے لیے رسول بنایا تھا اور یہ طوفان تمام روئے زمین پر آیا تھا اور حضرت نوح کے قبیعین کے سوا روئے زمین کے تمام لوگوں کو غرق کر دیا تھا یہی لیے فرمایا ہے ہم نے باقی لوگوں کو غرق کر دیا جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا تھا ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا یعنی فرعونوں کو۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر جو طوفان آیا تھا اس کی تفصیل ہم ص ۲۸-۲۷ ج ۳

جان کر چکے ہیں اس کو جاننے کے لیے سورہ عہد کی ان آیات کا مطالعہ فرمائیں۔

اشعراء: ۱۲۲ میں فرمایا ہے شک آپ کا رب ضرور غالب ہے یعنی وہ جن کافروں کو عذاب دینے کا ارادہ کرے ان پر ضرور غالب ہے اور بہت رحم فرمانے والا ہے یعنی جو توبہ کرے اس پر رحم فرماتا ہے یا عذاب کو موخر کر کے کافروں پر بھی اس دنیا میں رحم فرماتا ہے۔

قصہ نوح کے بعض اسرار

حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں اس آیت کا مکرر ذکر فرمایا: بے شک اس میں ضرور نشانہ ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے (اشعراء: ۱۲۱) اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ ایمان والے کم لوگ تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا کے اکثر لوگ اللہ کے نزدیک اعلیٰ اور ازل ہیں اور جو لوگ اللہ کے نزدیک معظم اور محرم ہوں وہ بہت کم ہیں اور اللہ کے نزدیک معظم اور محرم وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور حقیقی اور پرہیزگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (النجم: ۱۳)

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت وار وہ ہے جو سب سے زیادہ حقیقی اور پرہیزگار ہے۔

اور بے شک آپ کا رب عزیز اور غالب ہے تو جو اللہ کے نزدیک ازل اعلیٰ اور سچ لوگ ہیں وہ اس کی طرف ہدایت نہیں پاتے اور وہ بہت رحم فرمانے والا ہے تو جو اس کے نزدیک معزز اور محرم ہیں وہ اپنی رحمت سے ان کو اپنی طرف ہدایت دینے کے لیے جن لیتا ہے۔

ان آیات میں حضرت نوح سے انسان کے قلب کی طرف اشارہ ہے اور ان کی قوم سے نفس اور اس کی صفات کی طرف اشارہ ہے اور مومنین سے انسان کے جسم اور اس کے اعضاء کی طرف اشارہ ہے کیونکہ انسان کا جسم اور اس کا قلب اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر احکام شریعہ پر عمل کرتے ہیں اور بھری ہوئی کشتی سے شریعت کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام اور امر اور نواہی اور مواضع اسرار اور حقائق اور معانی سے بھری ہوئی ہے جو شریعت کی اس کشتی میں سوار ہو جاتا ہے وہ نجات پا جاتا ہے۔

اور جو شریعت کی اس کشتی میں سوار نہیں ہوتا وہ مذموم اور برے اخلاق دنیا کے مال و دولت دنیاوی عزت و زینت اور نفس کی شہوات کے طوفان کے غلبہ میں غرق ہو جاتا ہے اور ہر کشتی کو چلانے کے لیے کسی ملاح کی ضرورت ہوتی ہے اور شریعت کی اس کشتی کو چلانے والے علماء و ائمہ ہیں جو علم شریعت میں ماہر ہوں اور علم کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوں۔

ہمارے اس دور میں لوگ مروجہ بیروں پر اعتقاد رکھتے ہیں اور ان ہی کو نجات دہندہ سمجھتے ہیں لیکن ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ اس دور کے اکثر بیروں اور گندی نفسیں شریعت سے ناواقف اور بے بہرہ ہیں ان کو خود احکام شریعہ کا علم نہیں ہوتا تو وہ اپنے مریدوں کی کس طرح رہنمائی کریں گے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ اور ایسے لوگوں کے حلق یہ پیش کوئی فرمائی ہے

جاہل بیروں کی بیعت کا حرام ہونا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے بے شک اللہ بندوں (کے سینوں) سے علم نہیں نکالے گا لیکن علماء کے اللہ جانے سے علم اٹھ جائے گا حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں بچے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنائیں گے ان سے سوال کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے جواب دیں گے سو وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور تو کوئی بھی گمراہ کریں گے۔

(مجلی الناری رقم الحدیث: ۶۸۴۳ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۵۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۶۹۴)

للسائل رقم الحدیث: ۵۶۹۴

اہلی حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی حوالی ۱۳۳۰ھ فرماتے ہیں:

صوفیائے کرام فرماتے ہیں صوفی بے علم سحر و شیطان است وہ جاننا ہی نہیں شیطان اپنی باگ ڈور پر لگایا ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا: المستعبد بغیر فقه کالمحمار فی الطاحون بغیر فقه کے عابد بننے والا (عابد نہ فرمایا بلکہ عابد بننے والا فرمایا یعنی بغیر فقه کے عبادت ہو ہی نہیں سکتی) عابد بنتا ہے وہ ایسا ہے جیسے بچی میں گدھا کہ محنت شائد کرے اور حاصل کچھ نہیں۔ ایک صاحب لولیانے کرام میں سے تھے قدسنا اللہ تعالیٰ باسرار ہم انہوں نے ایک صاحب ریاضت و عبادت کا شہرہ سنا ان کے بڑے بڑے دعائی سننے میں آئے ان کو بلایا اور فرمایا یہ کیا دعوے ہیں جو میں نے سنے عرض کی مجھے دینا راہی روز ہوتا ہے۔ ان آنکھوں سے سمندر پر خدا کا عرش چمکتا ہے اور اس پر خدا جلوہ فرما ہوتا ہے اب اگر ان کو علم ہوتا تو پہلے ہی کچھ لینے کہ دینا راہی دنیا میں بحالت بیداری ان آنکھوں سے محال ہے سوائے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور حضور کو بھی فوق السموات والسموات دیدار ہوا۔ دنیا نام ہے مساوات و ارض کا۔ خیر ان بزرگ نے ایک عالم صاحب کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ وہ حدیث پر موقوف جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیطان اپنا تخت سمندر پر بچھاتا ہے۔ انہوں نے عرض کی بے شک سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ان ابلیس یضع عرشہ علی البحر۔ شیطان اپنا تخت سمندر پر بچھاتا ہے انہوں نے جب یہ سنا تو کہجے کہ اب تک میں شیطان کو خدا بھتا رہا اسی کی عبادت کرتا رہا اسی کو سجدہ کرتا رہا کپڑے پہاڑے اور جنگل کو چلے گئے پھر ان کا پتہ نہ چلا۔ سیدی ابوالحسن جو عتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہیں حضرت سیدی ابوالحسن بن عتی رضی اللہ عنہ کے اور آپ خلیفہ ہیں حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آپ نے اپنے ایک مرید کو رمضان شریف میں چلے بٹھایا۔ ایک دن انہوں نے رونا شروع کیا آپ تشریف لائے اور فرمایا کیوں روتے ہو۔ عرض کیا حضرت شب قدر میری نظروں میں ہے۔ شجر و حجر اور دیوار و درجہ میں میں نور پھیلا ہوا ہے۔ میں سجدہ کرنا چاہتا ہوں ایک لوہے کی تسلاخ مطلق سے بیٹے تک ہے جس سے میں سجدہ نہیں کر سکتا اس وجہ سے روتا ہوں۔ فرمایا اسے فرزند وہ تسلاخ نہیں وہ حیر ہے جو میں نے حیر سے بیٹے میں رکھا ہے اور یہ سب شیطان کا کرشمہ ہے شب قدر وغیرہ کچھ نہیں۔ عرض کی حضور میری تقبلی کے لیے کوئی دلیل ارشاد ہو۔ فرمایا اچھا دونوں ہاتھ پھیلا کر تدریجاً سمیٹنا شروع کیا جتنا سمیٹتے تھے اتنی ہی روشنی مبدل پر غلٹ ہوتی جاتی تھی یہاں تک کہ دونوں ہاتھ مل گئے بالکل اندھرا ہو گیا۔ آپ کے ہاتھوں میں سے شور و غل ہونے لگا۔ حضرت مجھے چھوڑے میں جانا ہوں۔ جب ان مرید کی تقبلی ہوئی (پھر فرمایا) بغیر علم کے صوفی کو شیطان کچے تانگے کی لکام ڈالتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے بعد نماز عصر شیاطین سمندر پر جمع ہوتے ہیں ابلیس کا تخت بچھتا ہے۔ شیاطین کی کارگزاری پیش ہوتی ہے کوئی کہتا ہے اس نے اچھی شراہیں پلائیں کوئی کہتا ہے اس نے استے زنا کرائے سب کی سیں۔ کسی نے کہا اس نے آج فلاں طالب کو پڑھنے سے باز رکھا۔ سنتے ہی تخت پر سے اٹھیں پڑا اور اس کو گھٹے سے لگا لیا اور کہا انت انت تو نے کام کیا اور شیاطین یہ کیفیت دیکھ کر مل گئے کہ انہوں نے استے بڑے بڑے کام کیے ان کو کچھ نہ کہا اور اس کو اتنی شاہاں دی۔ ابلیس بولا تمہیں نہیں معلوم کہ جو کچھ تم نے کیا سب اسی کا صدقہ ہے۔ اگر علم ہوتا تو وہ نہ کہہ نہ کرتے۔ بتاؤ وہ کون سی جگہ ہے جہاں سب سے بڑا عابد رہتا ہے مگر وہ عالم نہیں

اور وہاں ایک عالم بھی رہتا ہو۔ انہوں نے ایک مقام کا نام لیا۔ صبح کو قبل طلوع آفتاب شیاطین کو لیے ہوئے اس مقام پر پہنچا اور شیاطین غلی رہے اور یہ انسان کی شکل میں کرست پر کھڑا ہو گیا۔ عابد صاحب تہجد کی نماز کے بعد فجر کے واسطے مسجد کی طرف تشریف لائے۔ راستہ میں ابلیس کھڑا ہی تھا 'اسلام علیکم' و 'نیکم السلام' حضرت مجھے ایک مسئلہ پوچھتا ہے عابد صاحب نے فرمایا جلد پوچھو مجھے نماز کو جانا ہے۔ اس نے اپنا جیب سے ایک شیشی نکال کر پوچھا اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ان عبادات وارش کو اس جھوٹی سی شیشی میں داخل کر دے۔ عابد صاحب نے سوچا اور کہا کہاں آسمان وزمین اور کہاں یہ جھوٹی سی شیشی۔ بولا بس یہی پوچھتا تھا تشریف لے جائیے اور شیاطین سے کہا دیکھو اس کی راہ مادی اس کو اللہ کی قدرت پر ہی ایمان نہیں عبادت کس کام کی۔ طلوع آفتاب کے قریب عالم صاحب جلدی کرتے ہوئے تشریف لائے اس نے کہا السلام علیکم وعلیکم السلام مجھے ایک مسئلہ پوچھتا ہے۔ انہوں نے فرمایا جلدی پوچھو نماز کا وقت کم ہے۔ اس نے وہی سوال کیا۔ عالم نے کہا: بھون تو ابلیس معلوم ہوتا ہے ارے وہ قادر ہے کہ یہ شیشی تو بہت بڑی ہے ایک سوئی کے ٹاکے کے اندر اگر چاہے تو کروڑوں آسمان وزمین داخل کر دے۔ ان اللہ علی کل شے قدير۔ عالم صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد ابلیس شیاطین سے بولا دیکھو یہ علم ہی کی برکت ہے۔ (ملفوظات ص ۲۶۹-۲۷۰ مطبوعہ عابدینڈ کھنٹی لاہور)

اسی کتاب میں اعلیٰ حضرت کا یہ ارشاد بھی مذکور ہے:

عرض: جاہل و فقیہ کا مرید ہونا شیطان کا مرید ہونا ہے۔ ارشاد: بلاشبہ (ملفوظات ص ۲۲۳ مطبوعہ عابدینڈ کھنٹی لاہور)

كَذَّابَتْ عَادُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٣٣﴾ اِذْ قَالَ لَهُمُ اخُوهُمْ هُودٌ اَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣٤﴾

قوم عاد نے رسولوں کی تکذیب کی ○ جب ان سے ان کے ہم قوم ہود نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے ○

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اٰمِیْنٌ ﴿٣٥﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْٓنِیْ ﴿٣٦﴾ وَمَا اَسْأَلُکُمْ

بے فکر میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں ○ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ○ اور میں تم سے اس

عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیْ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿٣٧﴾ اَتَّبِعُوْنَ

(تلفظ دینا) ہر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا میرا اجر تو صرف رب العالَمین پر ہے ○ کیا تم ہر

بِکُلِّ رِیْعَ اٰیۃٍ تَعْبَثُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصٰنِعَ لَّعَلَّکُمْ تُخْلَدُوْنَ ﴿٣٩﴾

اوجھنی جگہ پر لبو و لعلب کی ایک یادگار تعمیر کر رہے ہو ○ اور تم اس توقع پر مضبوط مکان بنا رہے ہو کہ تم ہمیشہ رہو گے ○

وَ اِذَا بَطَشْتُمْ بِطَشْتِمْ جَبَّارِیْنَ ﴿٤٠﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْٓنِیْ ﴿٤١﴾ وَ

اور جب تم کسی کو پکارتے ہو تو سخت جبر سے پکارتے ہو ○ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ○ اور

اتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ۖ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ۖ

اس سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی جن کو تم جانتے ہو ۱۳۰ اس نے تمہاری چوپایوں اور بیٹوں سے مدد کی

وَجَدْتُمْ وَاعْيُونَ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۖ

اور باغوں سے اور چشموں سے ۱۳۱ بے شک مجھے تم پر عظیم دن کے عذاب کا غم ہے ۱۳۲

قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ ۖ

انہوں نے کہا ہمارے لیے برابر ہے کہ آپ ہمیں نصیحت کریں یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہوں ۱۳۳

هَذَا الَّذِي آتَيْنَاكَ ۖ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ ۖ فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ ۖ

صرف پہلے لوگوں کا طریقہ ہے ۱۳۴ اور ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا ۱۳۵ سو انہوں نے ہود کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو

إِن فِي ذَلِكَ لَآيَةٍ ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ

ہلاک کر دیا ہے ۱۳۶ اس میں ضرور نشانی ہے ۱۳۷ اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے ۱۳۸ بے شک آپ کا رب

لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۖ

ہی ضرور غالب ہے بہت رحم فرمانے والا ۱۳۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قوم عاد نے رسولوں کی تکذیب کی ۱۴۰ جب ان سے ان کے ہم قوم ہود نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے؟ ۱۴۱

بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں ۱۴۲ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ۱۴۳ اور میں تم سے اس (تسلیم دین) پر

کوئی اجرت طلب نہیں کرتا ۱۴۴ میرا جزو صرف رب العالمین پر ہے ۱۴۵ (اشعرا: ۱۳۰-۱۳۹)

قوم عاد کا مختصر تعارف

حضرت موسیٰؑ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت نوحؑ علیہم السلام کے بعد یہ چوتھا قصہ حضرت ہود علیہ السلام کا ہے۔ عادی قوم عاد

کے جد اعلیٰ کا نام ہے متاعل نے کہا ہے کہ عاد اور خود ایک دوسرے عم زاد بھائی تھے عاد حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھی اور خود

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی عاد اور خود دونوں کی ہلاکتوں کے درمیان پانچ سو سال کا عرصہ تھا، بعض مؤرخین نے کہا ہے

کہ عاد اور خود دونوں بھائی تھے اور ارم بن سام بن نوح کی اولاد سے تھے عاد اور اس کے فرزندوں کا مسکن یمن میں تھا اور خود

اور اس کے فرزندوں کا مسکن حجاز اور شام کے درمیان میں تھا۔ ان سب کی زبان اور لٹ عربی تھی یہ سب ختم ہو گئے اب ان کی

نسل باقی نہیں ہے۔ (روح البیان ج ۱ ص ۳۷۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۱ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی دمشقی متوفی ۷۴۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ہود علیہ السلام کے قبیلہ کا نام عاد بن موسیٰ بن سام بن نوح تھا یہ عرب تھے اور احناف میں رہتے تھے یہ پہلا ذوق

کے درمیان ریکٹن ہے یہ جگہ یمن میں عمان اور حضرموت کے درمیان ہے یہ لوگ مضبوط ستونوں والے چیموں میں رہتے تھے صحیح انہی جہان میں انبیاء اور مرسلین کے ذکر میں ایک طویل حدیث مروی ہے اس میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے ابو ذر چار نبی عرب ہیں: حمود صانع، شعیب اور تمہارے نبی (صحیح ابن حبان رقم اللہ ص: ۳۶۱) ایک قول یہ ہے کہ حضرت حمود علیہ السلام پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے عربی زبان میں کلام کیا ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم ہیں اور یہ قول حق کے زیادہ قریب ہے مقصود یہ ہے کہ اس عاد سے مراد عادوئی ہے یہ وہ پہلی قوم ہے جس نے طوفان نوح کے بعد بت پرستی کی ان کے تین بت تھے: صد مسموہ والورصر۔ (ابو داؤد الترمذی ج ۱ ص ۱۸۹-۱۸۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۸ھ)

اس رکوع میں ۱۲۷-۱۲۳ تک کی آیات دی ہیں جو اس سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں گزر چکی ہیں۔ ان کی دوبارہ تفسیر لکھنے کی ضرورت نہیں ہے ان کو وہیں دیکھ لیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت ہود نے کہا) کیا تم ہر اونچی جگہ پر لھو و لعب کی ایک یادگار تعمیر کر رہے ہو؟ اور اس وقوع پر مضبوط مکان بنا رہے ہو کہ تم ہمیشہ رہو گے ان اور جب تم کسی کو پکارتے ہو تو سخت جبر سے پکارتے ہو سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو (الشعر: ۱۲۱-۱۲۸)

قوم عاد کے لعب لھو و لعب کے متعلق اقوال

اس آیت میں دو معنی کا لفظ ہے رنج کا معنی ہے ٹیلا ہر وہ اونچی جگہ جو دور سے نظر آئے (المفردات ج ۲ ص ۴۷۳) اور اس میں تسعشون کا لفظ ہے۔ یہ مہٹ سے بنا ہے اس کا معنی ہے کھیل کود اور بے کام کام میں مشغول ہونا۔ جس کام کی کوئی غرض صحیح نہ ہو اس کو مہٹ کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۶۶) اور اس میں آیت کا لفظ ہے اس کا معنی ہے علامت نشانی اور یادگار۔ قوم عاد ہر اونچی جگہ پر جو ایک یادگار تعمیر کرتے تھے اس کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ اونچی جگہ پر مکان بناتے تھے جس میں وہ رہائش کا ارادہ نہیں رکھتے تھے اس لیے اس کو مہٹ فرمایا۔

(۲) سعید بن جبیر اور مجاہد نے کہا وہ عمارت بنا کر اس کے اوپر برج بناتے تھے اور اس برج میں کھیت کر لیتے تھے۔

(۳) ضحاک نے وہ بلند جگہ پر ایک عمارت بناتے اور اس میں کھڑے ہو کر آنے جانے والوں کو دیکھتے اور ان کا مذاق اڑاتے۔ (ذوالسیر ج ۶ ص ۱۳۶-۱۳۵ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

ان اقوال کے علاوہ امام رازی نے دو قول اور ذکر کیے ہیں:

(۴) وہ اونچی جگہوں پر عمارتیں بناتے تاکہ اس سے ان کا فخر اور خوشحال ہونا ظاہر ہو اور وہ ان عمارتوں پر فخر کرتے تھے۔ اس لیے ان کے اس کام کو مہٹ فرمایا۔

(۵) وہ لوگ جب سفر پر جاتے تھے تو اپنا راستہ تلاش کرنے میں ستاروں سے رہ نمائی حاصل کرتے تھے اور انہوں نے اس کے لیے راستوں میں بلند عمارتیں اور نشانیاں بنادی تھیں حالانکہ ان کو اس کی ضرورت نہ تھی وہ ستاروں سے رہ نمائی حاصل کرتے تھے۔

ہم نے امام راغب سے نقل کیا ہے کہ مہٹ کا معنی ہے جس کام کی کوئی صحیح غرض نہ ہو اسی طرح لہو کا معنی ہے وہ چیز یا وہ کام جو انسان کو اس کے مقصود مشن اور اہم کام سے غافل کر دے وہ لہو ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۶۶)

مفسرین نے قوم عاد کے مہٹ کا سوں اور لہو و لعب میں چھتوں پر کھیتوں کے کابک بنانے اور کھیت بازی کا بھی ذکر کیا

ہے ہم پہلے لہو و لعب اور کبوتر بازی کے متعلق احادیث ذکر کریں گے۔ لہو و لعب کی تعریف چار کھیلوں کی طرف سے
کھیلوں کے نقصانات فقہی جزئیات اور دیگر مناسب امور بیان کریں گے۔

لہو و لعب اور کبوتر بازی کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ ایک تیری کی حد سے
تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرماتا ہے تیر کا بنانے والا جو اس کے بنانے میں خیر اور ثواب کی نیت رکھتا ہو تیر بچھنے والا اور اس
کی لہو اکرنے والا۔ اہم تیر اندازی کرو اور سواری کرو اور تیر اندازی کرنا سواری کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ ہر وہ چیز جس
سے مسلمان لہو کرتا ہے (کھیلتا ہے) وہ باطل ہے (بے فائدہ اور لغو کام ہے) (ما سوا اس کا مکان سے تیر بچھنا اور اپنے گھوڑے کو
ترتیب دینا۔ اور اپنی بیوی سے دل لگی کرنا کیونکہ یہ برحق کام ہیں۔

سنن الترمذی رقم اللہ ہے: ۱۶۳۷ سنن ابوداؤد رقم اللہ ہے: ۲۵۳۳ سنن ابن ماجہ رقم اللہ ہے: ۲۵۸۰ سنن ابن ماجہ رقم اللہ ہے: ۱۸۱۱ مسند
عبدالرزاق رقم اللہ ہے: ۱۹۵۴۲ ۱۹۵۴۳ ۱۹۵۴۴ سنن ابی شیبہ ج ۵ ص ۳۴۹ ج ۹ ص ۲۲ مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ سنن دارمی رقم اللہ ہے: ۱۲۳۱۰ ۱۲۳۱۱ ۱۲۳۱۲
الکبیر رقم اللہ ہے: ۱۲۳۲۱ المسند رک ج ۵ ص ۵۹ سنن ابی نعیم رقم اللہ ہے: ۱۳۲۱۸ ۱۳۲۱۹

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورج غروب ہونے کے بعد تم اپنے
موشیوں اور بچوں کو باہر نہ نکالو حتیٰ کہ عشاء کی سیاق غائب ہو جائے کیونکہ سورج غروب ہونے کے بعد شیاطین کھینچنے لگتے
ہیں حتیٰ کہ عشاء کی سیاق غائب ہو جائے۔ (صحیح مسلم رقم اللہ ہے: ۲۰۱۳ سنن ابوداؤد رقم اللہ ہے: ۲۶۰۳۰ ۲۶۰۳۱ ۲۶۰۳۲ مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۶) -

حضرت یزید بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے تم
میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی کوئی چیز مذاق سے لے نہ سجدگی سے یا دل لگی اور کھیل کے طور پر لے نہ سجدگی سے اور جس
شخص نے اپنے بھائی کی لاش لگی ہے وہ اس کو داپس کر دے۔

(سنن ابوداؤد رقم اللہ ہے: ۵۰۰۳ سنن الترمذی رقم اللہ ہے: ۲۶۶۰۰ ۲۶۶۰۱ ۲۶۶۰۲ الکبیر ج ۵ رقم اللہ ہے: ۱۲۳۰۰ ۱۲۳۰۱ ۱۲۳۰۲ سنن ابی نعیم رقم اللہ ہے: ۱۳۲۱۸ ۱۳۲۱۹ ۱۳۲۲۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دو سے ہوں نہ دو مجھ سے ہے۔
(مسند ابی ہریرہ رقم اللہ ہے: ۲۲۸۰۲ ۲۲۸۰۳ ۲۲۸۰۴ الکبیر ج ۵ ص ۲۱۵)

علامہ ابن اثیر الجزری نے کہا دو کا معنی ہے لہو و لعب یعنی میں کھیلنے کو دے والوں میں سے نہیں ہوں اور نہ کھیل کو دے میرا
شغل ہے (الایضی ج ۳ ص ۱۰۳ ۱۰۴) ابو نعیم یحییٰ بن محمد نے کہا دو کا معنی ہے باطل (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۲۵)

حضرت شریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے
کسی چیز کو بے فائدہ (بغیر کھانے کی فرض کے) قتل کیا وہ قیامت کے دن اللہ عزوجل سے فریاد کرے گی کہ فلاں شخص نے
مجھے عیب قتل کیا اور مجھے کسی فائدہ کے لیے قتل نہیں کیا۔ (سنن ابن ماجہ رقم اللہ ہے: ۲۲۵۰۰ ۲۲۵۰۱ ۲۲۵۰۲)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا جو شخص کسی کھیل کے مہروں (شکار لوڈو کی گولوں) کے ساتھ کھیلا اس نے اللہ اور رسول کی
نافرمانی کی۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۹ المسند رک ج ۵ ص ۵۰ سنن ابی نعیم رقم اللہ ہے: ۱۲۳۱۰ ۱۲۳۱۱ ۱۲۳۱۲)

حضرت براء بن العاصب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص زرد شیر (چمڑا یا حلیہ
کے مہروں) کے ساتھ کھیلا پس گویا کہ اس نے اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون میں رنگ لیا۔ (کیرم اسٹورک اور لوڈو وغیرہ)

قوت حاصل کرنے کے لیے دوڑنا بھاگنا (اور دوسری ورزشیں کرنا) یا دماغ کی تازگی کے لیے آلات موسیقی کے محرم اور عیسائیہ اشعار سننا۔ (مرقات ج ۲ ص ۳۱۸ مطبوعہ مکتبہ ادبیہ لبنان ۱۳۹۰ھ)

جسمانی صحت کے حصول کے لیے جائز کھیلوں اور ورزشوں کا جواز

جسمانی ورزش اور باہمی دلچسپی کے لیے جو کھیل کھیلے جاتے ہیں ان کے کھیلنے سے اگر کسی غیر شرعی امر کا ارتکاب نہ ہو اور کوئی عبادت ضائع نہ ہوتی ہو تو ان کا کھینا جائز ہے مثلاً بعض کھیل ایسے ہیں جن میں کھلاڑی ٹھنڈوں سے اونچا نکل پھرتے ہیں بعض کھیل ایسے ہیں جو صبح سے شام تک جاری رہتے ہیں اور ظہر کی نماز کا وقت کھیل کے دوران آ کر ٹک جاتا ہے اور کھلاڑی اور کھیل دیکھنے والے نماز کا کوئی خیال نہیں کرتے کھانے اور چائے کا وقت کیا جاتا ہے لیکن نماز کا کوئی وقفہ نہیں ہوتا بعض دفعہ کسی کھیل میں ہار جیت پر کوئی شرط رکھی جاتی ہے یہ سب امور جائز ہیں۔

انسان کی صحت اور جسم کو چاق و چوبند رکھنے کے لیے کھیل اور ورزش دونوں بہت ضروری ہیں بعض لوگ میز کرسی پر بیٹھ کر دن رات پڑھنے لکھنے کا کام کرتے ہیں ان کو اپنے کام کی وجہ سے زیادہ چلنے پھرنے اور جسمانی مشقت کا موقع نہیں ملتا اس کی وجہ سے ان لوگوں کی توند نکل آتی ہے اور خون میں کوئلہ سرول کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے اور یہ لوگ ذیابیطس (خون میں شکر کا ہونا) پٹی بند پریشورل کی بیماریوں معدہ کا ضعف اور گیس کا شکار ہو جاتے ہیں ان بیماریوں سے محفوظ رہنے یا بیماری لاحق ہونے کے بعد ان کا مقابلہ کرنے کے لیے مختلف قسم کے کھیلوں اور ورزشوں میں مشغول رہنا حفظان صحت کے لیے نہایت ضروری ہے۔

اسلام میں مختلف کھیلوں اور ورزشوں کی بھی مناسب حد تک حوصلہ افزائی کی گئی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھڑ سواری کا مقابلہ کرایا پیدل دوڑ کا مقابلہ کرایا آپ نے خود بے غس نہیں دوڑ کے مقابلہ میں حصہ لیا۔ اسی طرح آپ نے کشتی بھی کی۔ جسم کو چاق و چوبند اور صحت کو قائم رکھنے کے لیے جو کھیل کھیلے جائیں اور جسمانی ورزشیں کی جائیں ان میں یہ نیہت ہونی چاہیے کہ ایک صحت مند اور طاقت ور جسم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر زیادہ اچھی طرح عمل کر سکا ہے اور حقوق العباد کی ادائیگی اور خلق خدا کی خدمت سندرست اور توانا جسم سے بہتر طور پر کی جاسکتی ہے اس لیے اچھی صحت اور طاقت کے حصول کے لیے مناسب کھیلوں اور ورزشوں میں حصہ لینا چاہیے۔

علامہ ابن قدامہ ضلی لکھتے ہیں:

بغیر کسی عوض کی شرط کے مقابلہ میں حصہ لینا مطلقاً جائز ہے اور نہ اس میں کسی معین جنس کے مقابلہ کی قید ہے خواہ پیادہ دوڑ کا مقابلہ ہو کشتیوں کا ہو یا پاندوں، چھروں، گدھوں اور ہاتھیوں یا نیزوں کا مقابلہ ہو اسی طرح کشتی لڑنا بھی جائز ہے اور طاقت آزمائی کے لیے چھرا اٹھانا بھی جائز ہے کیونکہ ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے دوڑ میں مقابلہ کیا ہے حضرت سلمہ بن اکوع نے ایک انصاری سے دوڑ میں مقابلہ کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رکانہ سے کشتی لڑی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کے پاس سے گزرے جو چھرا اٹھا کر طاقت آزمائی کر رہے تھے آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا۔

(المغنی ج ۹ ص ۳۶۸)

ان تمام احادیث اور آثار میں اس کا ثبوت ہے کہ صحت اور قوت کو برقرار رکھنے کے لیے صحت مند کھیلوں اور جسمانی ورزشوں کو اختیار کرنا چاہیے اور ان کھیلوں میں دل چسپی پیدا کرنے کے لیے مقابلہ منعقد کرنا بھی جائز ہے البتہ کسی بھی مقابلہ پر ہار جیت کی شرط رکھنا جائز ہے۔ ان احادیث کی تفصیل کے لیے شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۲۳۲-۲۳۸ اور تہیان القرآن ج ۳ ص ۳۰۹-۳۰۶ کا مطالعہ فرمائیے۔

لبو باطل (غیر شرعی مشغل) کے نقصانات

- (۱) لبو باطل سے بندہ اور اللہ کے درمیان بہتر رتبہ قائم ہوتا جاتا ہے اور بندہ کو اس کا شعور نہیں ہوتا۔
- (۲) لبو باطل سے بندہ شیطان کے پھندوں میں پھنستا چلا جاتا ہے اور دشمن سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔
- (۳) لبو باطل کی تمام انواع اور اقسام مکروہ تہذیبی ہیں یا مکروہ تحریمی ہیں یا حرام ہیں مثلاً فلم آرٹ اور شوہز۔
- (۴) اس میں ناجائز طریقہ سے مال خرچ ہوتا ہے اور انسان دیکھتے دیکھتے امارت سے افلاس کے گڑھے میں جا گرتا ہے جیسے رئیس جو غنیمتوں اور نئے میں غرق ہو جاتا ہے اور لکھ پتی اور کروڑ پتی انسانوں کا دیوالیہ لنگھ جاتا ہے۔
- (۵) مسلمان کا بلا فائدہ وقت ضائع ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت سے غافل ہو جاتا ہے اور تارکِ قرآن ہو جاتا ہے۔
- (۶) بعض اوقات کمیلیوں میں ہرجیت میں اختلاف اور نزاع پیدا ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ میں کینہ حسد اور بغض پیدا ہوتا ہے اور کئی مرتبہ لڑائی اور جدال اور قتال کی نوبت آ جاتی ہے۔
- (۷) انسان کی شہرت اور عزت داغ دار ہو جاتی ہے کتنے کھلاڑی جو لوگوں کے آنڈیل اور ہیر و تھے سٹھ کھیلنے کی وجہ سے ذلیل و خوار اور قابلِ نفرت ہو گئے ہیں اس کی بہت مثالیں ہیں۔
- (۸) اس سے دل میں غشاق پیدا ہوتا ہے اور شیطان کھیلنے والے کے دل میں غشاق سازشوں اور دھوکا دہی کو حیرن کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کو بیکار فرمیں چاہا لہذا اور منافق بناتا ہے۔
- (۹) دنیا میں اس کی شخصیت گمراہ اور حقیر ہو جاتی ہے اور آخرت میں وہ دردناک عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔
- (۱۰) کمیلیوں میں جیت کے لیے ناجائز ہنگامے استعمال کرنے کی وجہ سے اور ناجائز پیسہ حاصل کرنے کے سبب سے انسان اپنے سینکڑوں دشمن بنالیتا ہے۔

لبو باطل اور کبوتر بازی کے متعلق فقہاء کی تصریحات

علامہ شمس الدین محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۷۸۳ھ لکھتے ہیں:

جو شخص کبوتروں سے کھیلتا ہو اور کبوتر اڑاتا ہو اس کی گواہی جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں شدت غفلت ہے ظاہر یہ ہے کہ وہ شخص عام طور پر کبوتر بازی میں مشغول رہتا ہو اور دوسرے امور کی طرف کم توجہ دیتا ہو پھر وہ شخص لہو واجب پر اصرار کرنے والا ہو حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں کھیلنے کو نہ والوں میں سے نہیں ہوں اور نہ کھیل کو میرا مشغل ہے۔

(مسند ابوالمرقم رحمہ اللہ ص: ۲۴۴)

اور کبوتر باز کا غالب حال یہ ہے کہ وہ چھتوں پر گھومتا پھرتا ہے اور لوگوں کی خواتین کو تازتا ہے اور یہ فحش ہے اور جو شخص اپنے گھر میں کابک میں کبوتروں کو رکھے تاکہ ان سے انس اور محبت کرے اور ان کو عادی اڑاتا ہو تو وہ شخص نیک ہے اور اس کی شہادت مقبول ہوگی کیونکہ گھروں میں کبوتروں کو بند رکھنا مباح ہے لوگ کبوتروں کے لیے برتن بناتے ہیں اور اس کو کسی نے منع نہیں کیا۔ اور جو شخص گانے گاتا ہو اور اس پر مجمع لگاتا ہو اس کی گواہی جائز نہیں ہے اسی طرح نوحہ کرنے والی عورت کی بھی گواہی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کے فحش پر اصرار کرتے ہیں اور نیک لوگوں کے نزدیک ان کی عزت اور وقار نہیں ہے اور ان سے ساز بجا نا اور جھوٹ بولنا بچہ نہیں ہے۔ اس لیے ان کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔

(الموطع ج ۲ ص ۱۵۵ اسلموعدارکتب احادیث ج ۲ ص ۱۳۲)

جن کاموں سے انسان فاسق ہو جاتا ہے اور اس کی شہادت قابل قبول نہیں ہوتی

علامہ حسن بن منصور کلاز جندی متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

جو شخص کبوتروں کے ساتھ کھیلتا ہو اور ان کو اڑاتا ہو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ ان کے ساتھ اس کی مشغولیت زیادہ ہوگی اور اس کی غفلت شدید ہوگی اور اس سے یہ خطرہ ہے کہ اس کی نظر مسلمانوں کی خواہشیں پر پڑے گی لیکن اگر وہ کبوتر کو اس کے لیے اپنے گھر میں بند رکھے اور اس کو اڑائے نہیں تو پھر اس کی گواہی قبول کرنا جائز ہے کیونکہ جس کے پاس کبوتروں کا برج (چھت پر گنبد) ہو تو وہ فاسق نہیں ہوتا اور جو شخص شرط لگا کر شرطیں کھیلے (یعنی اگر وہ ہار گیا تو وہ اتنی رقم دے گا) یا کسی اور چیز کے ساتھ جوا کھیلے تو اس کی گواہی قبول کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ جوا کھیلنا مکناہ کبیرہ ہے اور اگر بغیر شرط اور جوئے کے شرطیں کھیلے تو اگر وہ ادا شرطیں کھیلتا ہو حتیٰ کہ وہ کھیل اس کو نمازوں سے غافل کر دے یا وہ کھیل کے دوران جھوٹی قسمیں کھائے تو اس کی گواہی قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص تھوڑی مقدار میں کوئی کھیل کھیلے جو اس کو فرائض سے غافل نہ کرے تو اس کی عدالت (گواہی دینے کی اہلیت) ساقط نہیں ہوگی۔ اور یہی اور تیر کمان اور گھوڑے کے ساتھ کھیلنے سے اس وقت تک عدالت ساقط نہیں ہوگی جب تک کہ یہ مشغولیت اس کو فرائض سے غافل نہ کر دے اور اگر آلات لھو سے کھیلتا اس کے فرائض سے بالغ نہ ہو لیکن لوگوں کے نزدیک وہ کھیل مذموم ہو جیسے حرا میر اور طائر (بائسرایا اور ستار) اور اگر وہ لوگوں کے نزدیک مذموم نہ ہوں جیسے گا کر انٹوں کو ہانکنے والے جیسے سرکنڈے کی بائسری بھاتا اس سے اس کی عدالت باطل نہیں ہوگی ماسوا اس کے کہ وہ بہت زیادہ گائے بھائے اور لوگ اس کی دھن پر رقص کریں اور اصل (امام محمد کی ہمسوا) میں مذکور ہے کہ جو شخص گا کا کر جمع لگاتا ہو اس کی گواہی مقبول نہیں ہے کیونکہ وہ معصیت کا اعتبار کر رہا ہے اس طرح جو شخص شریعوں کی مجلس میں بیٹھے خواہ وہ شراب نہ پیے اور اس کو نشہ نہ آئے اس کی گواہی قبول نہیں ہوگی اور نہ کرنے والوں مردوں اور عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور نہ ان لوگوں کی جو سود خوری میں مشہور اور معروف ہوں اور جو نیک شخص فحش اشعار پڑھے اس کی عدالت ساقط نہیں ہوگی کیونکہ وہ دوسروں کے اشعار نقل کرتا ہے اور جو شخص ترنم سے اشعار پڑھے اس کی عدالت بھی ساقط نہیں ہوگی اور جو شخص فرائض واجب ہونے کے بعد ان کو تاخیر سے ادا کرے تو اگر ان فرائض کا وقت صحیح ہے جیسے نماز روزہ زکوٰۃ اور حج تو امام محمد کی روایت کے مطابق اس کی عدالت ساقط نہیں ہوگی اور امام محمد بن مقاتل نے اسی پر فتویٰ دیا ہے اور بعض علماء نے کہا اگر اس نے زکوٰۃ اور حج کو بغیر عذر کے مؤخر کر دیا تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی اور فقہ ابو الیث نے اسی پر فتویٰ دیا ہے امام ابو یوسف نے انہی میں لکھا ہے کہ حج فوراً واجب ہوتا ہے اور صحیح ہے کہ زکوٰۃ کی تاخیر سے اس کی عدالت باطل نہیں ہوگی۔ اور جس شخص نے جمعہ سے اعراض کرتے ہوئے بغیر عذر کے تین مسلسل جمعہ نہیں پڑھے تو وہ فاسق ہے اور اس کی عدالت ساقط ہوگئی۔ یہ شخص الاثرہ سرخی کا قول ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ جس شخص نے ایک جمعہ بھی بلا عذر ترک کر دیا یا اس کا سببی عزم ہے اور جس الاثرہ طوائف کا اسی پر فتویٰ ہے اور اگر اس نے کسی عذر یا مرض یا بعد مسافت کی وجہ سے یا کسی تاویل سے جمعہ کو ترک کیا مثلاً اس کے نزدیک امام فاسق ہے یا گمراہ ہے تو پھر اس کا یہ حکم نہیں ہے اور اگر کسی نماز کی جماعت کو ترک کیا اور اس کو گناہ نہیں جانا جیسا کہ عوام کرتے ہیں تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی اور اگر اس نے کسی تاویل سے یا جماعت نماز نہیں پڑھی مثلاً اس کے نزدیک امام فاسق ہے یا گمراہ ہے تو پھر اس کا یہ حکم نہیں ہے۔ اور جو شخص جھوٹ بولنے میں مشہور ہو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی اور جو شخص اپنی اولاد کو اپنی بیوی کو اور پردیسوں کو گالیاں دیتا ہو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی ایک قول یہ ہے کہ اگر عاذاً ایسا کرتا ہو تو اس کی عدالت ساقط ہوگی اور اگر کبھی کبھی ایسا کرتا ہو تو عدالت ساقط نہیں ہوگی اور جو شخص

صرف ظہور مہکن کر بازار میں چلا ہو یا راستہ میں کھاتا ہو تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی کیونکہ یہ افعال حیا اور آداب کے خلاف ہیں اور جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو گالیاں دیتا ہو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی فاسق جب توبہ کرے تو اس کی شہادت اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوگی جب تک کہ اتنا عرصہ نہ گزر جائے جس میں اس کی توبہ کا اثر ظاہر ہو جائے۔

(لکھنؤ قاضی خاں علی صاحب مدظلہ، بی ۳۶۰ مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیر یہ، ۱۰ ذی القعدہ ۱۳۱۰ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر الرضائی الترمذی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

مفت کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی اور نہ نوحہ کرنے والی کی اور نہ گانے والی کی کیونکہ یہ دونوں حرام کی مرتکب ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور گانے والی کی آوازوں (کو سننے) سے منع فرمایا ہے (سنن ابوداؤد رحمہ اللہ ص: ۳۱۸ مسند احمد ج ۳ ص ۶۵) اور نہ اس شخص کی شہادت قبول ہوگی جو درہم یا سدر حاصل کرنے کے لیے شراب پیتا ہو اور نہ اس شخص کی جو پندرہ اڑا ہوا کیونکہ اس سے غفلت پیدا ہوتی ہے اور نہ اس شخص کی جو جمع گاکر گاتا ہو کیونکہ یہ گناہ کبیرہ ہے (بہر شریک ان اشعار میں کسی زندہ اور مین مرد یا عورت کے محاسن بیان کیے ہوں یا شراب نوشی کی ترقیب کا مضمون ہو یا کسی مسلمان یا ذی کی جھوٹا یا اس میں نوحہ ہو فتح القدیر ج ۷ ص ۳۸۳-۳۸۴ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ) اور نہ اس شخص کی گواہی قبول ہوگی جو کسی ایسے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے جس پر حد واجب ہو اور نہ اس شخص کی جو شہاد میں اشتعال کی وجہ سے نماز ترک کر دے اور نہ اس کی جو سود کھانے میں مشہور ہو اور نہ اس شخص کی جو راستہ میں چٹا پ کرتا ہو یا کھاتا پیتا ہو اور نہ اس شخص کی جو اصحاب رسول کو سب و شتم کرے اور نہ رافضیوں کی۔ (حدایہ تخریریں ص ۱۲۳-۱۲۴ مطبوعہ مکتبہ مکتبہ علیہ السلام)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے قاضی خاں ابو فتح القدیر کی ذکر کردہ تمام صورتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے طوالت کی وجہ سے ہم ان کی عبارت کو ترک کر رہے ہیں جو دیکھنا چاہتا ہو اصل کتاب میں دیکھ لے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۱۸۲-۱۸۳ مطبوعہ دارالافتاء مائتات العربیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

ہمارے زمانہ کے بنادوئی صوفیاء کا سماع 'قص اور دھمال' کرنا

الہجہ میں مذکور ہے کہ شمس الامامہ اٹھو اٹنی سے پوچھا گیا کہ جو لوگ اپنے آپ کو صوفیہ کہتے ہیں وہ مخصوص قسم کا لباس پہنتے ہیں اور طحا اور قص میں مشغول رہتے ہیں اور اپنے لیے معرفت کے ایک مرتبہ کے دھنی ہوتے ہیں تو علامہ اٹھو اٹنی نے کہا ان لوگوں نے اللہ پر جھوٹ اور بہتان باغ دھاؤں سے پوچھا اگر وہ غیر شرعی کام کریں تو کیا ان کو شہر بدر کیا جائے گا؟ تا کہ عام لوگوں پر ان کے فتنہ کا اثر نہ ہو تو انہوں نے کہا تکلیف وہ چیز کو راستہ سے ہٹاؤ اور غیث کو طیب سے الگ کرنا ضروری ہے اسی طرح تا تاریخانیہ میں مذکور ہے 'سماع اور اشعار کا حکم اور قص جس کو ہمارے زمانہ کے بنادوئی صوفی کرتے ہیں حرام ہے اس کا قصد کرنا اور اس کی مجلس میں بیٹھنا جائز نہیں ہے وہ اور فحشا (گانا) اور حرامیہ (ساز) برابر ہیں۔ ان کو بنادوئی صوفیوں نے جائز کہا ہے۔ اور حقدم مشائخ کے افعال سے استدلال کرتے ہیں۔ اٹھو اٹنی نے کہا میرے نزدیک حقدم من مشائخ کے افعال ایسے نہیں تھے۔ کیونکہ ان کے زمانہ میں ایسا شہر پڑھا جاتا تھا جو ان کے حال کے موافق ہوتا تھا تو جس کا دل نرم ہوتا تھا اس کے دل پر فحشی طاری ہو جاتی تھی۔ وہ غیر اختیاری طور پر کھڑا ہو جاتا تھا اور اس سے اس کے ارادہ اور اختیار کے بغیر کچھ حرکات صادر ہوتی تھیں ان کے جواز کے متعلق یکجا استبعاد نہیں ہے اور ان افعال پر گرفت نہیں ہوگی اور ان مشائخ کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جائے گا کہ وہ اس قسم کے افعال کرتے تھے جس قسم کے افعال ہمارے زمانہ کے قاضیین کرتے ہیں اور جن لوگوں کو احکام شرع کا کوئی علم نہیں ہے استدلال صرف دین دالوگوں کے افعال سے کیا جاتا ہے اسی طرح جو اہل الفتویٰ میں مذکور ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ شادی کے علاوہ دیگر مواقع پر فسخ کے بغیر عورتیں وصول عیا نہیں ہو سکتی ہیں۔
اسے مکروہ کہتے ہیں انہوں نے کہا میں اس کو مکروہ نہیں کہتا لیکن جس گانے میں لعب قاضی (بہت زیادہ ساز) ہوں میں اس کو
مکروہ کہتا ہوں عید کے دن دف بجانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(فتاویٰ مائتھی ج ۵ ص ۲۵۸ مطبوعہ مطبعہ امیر کبیر بیروت سنہ ۱۳۶۰ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

برکبہ یعنی عبت اور لعب (لغو اور فضول کام) مکروہ ہے اس عبارت کا اطلاق نفس فعل کو بھی شامل ہے اور اس کے سننے کو بھی
مثلاً رقص کرنا مذاق اڑانا تابی بجانا ستار سازگی اور واکسن کے تار بجانا پاروسنم اور ہانسری بجانا جھانجن بجانا اور نکل اور
نرسنگھا بجانا (چٹا نو میعار اور آرکسٹرا بھی اسی حکم میں ہے) یہ تمام افعال مکروہ ہیں کیونکہ یہ افعال کفار کے مشابہ ہیں اور وصول
اور ہانسری وغیرہ کی آواز سننا حرام ہے اور اگر کسی نے اچانک سن لیا تو وہ معذور ہوگا اور اس پر واجب ہے کہ وہ نہ سننے کی کوشش
کرے۔ (رد المحتار ج ۹ ص ۲۸۸-۲۸۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۹ھ)

نیز علامی شامی لکھتے ہیں:

آلات لمھو بذاتھا حرام نہیں ہیں (کیونکہ قیامت کے صور پر مشبہ کرنے کے لیے نکل بجانا جائز ہے اسی طرح عید اور
شادی کے مواقع پر دف بجانا جائز ہے۔ سعیدی غفرلہ) بلکہ لغو و لعب کے قصد سے جائز ہیں خواہ ان کو سننے والا ہو یا ان کو
بجانے والا ہو کیا تم نہیں دیکھتے کہ اختلاف نیت اور اختلاف مقاصد سے یہ آلات موسیقی بھی حلال ہوتے ہیں اور بھی حرام اور
اس قول میں ہمارے سادات صوفیہ کی دلیل ہے جو سماع سے ان ہی امور کا قصد کرتے تھے جن کا ان ہی کو طمق تھا لہذا معترضین ان
پر انکار کرنے میں جلدی نہ کرے تاکہ ان کی برکتوں سے محروم نہ ہو کیونکہ ہمارے بہتر سردار ہیں اللہ تعالیٰ ان کی امداد سے
ہماری مدد فرمائے اور ان کی نیک دعاؤں اور برکتوں کو ہم تک پہنچائے۔ اس تمام بحث کو میں نے مفتی کے حواشی میں لکھا ہے۔
حسن بصری سے مروی ہے کہ شادی کے مواقع پر دف بجانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ رمضان میں سونے
ہوئے لوگوں کو چمکانے کے لیے ٹبل بجانا بھی حرام کے نکل بجانے کی طرح جائز ہے۔

(رد المحتار ج ۹ ص ۲۸۷-۲۸۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابراہیم بن محمد حلبی متوفی ۹۵۶ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے قرآن مجید پڑھتے وقت جتناہ میں وعظ میں اور جہاد میں آواز بلند کرنے
کو مکروہ قرار دیا ہے تو تمہارا اس فتا (گانے) کے متعلق کیا گمان ہے جس کو یہ لوگ وجد کہتے ہیں۔

(مفتی ابوالہج ج ۳ ص ۲۱۹ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۹ھ)

اس کی شرح میں علامہ محمد بن محمد الحسینی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

جس فتا کو یہ لوگ وجد اور محبت کہتے ہیں یہ مکروہ ہے اس کی دین میں کوئی اصل نہیں ہے۔ الجہاد میں مذکور ہے ہمارے
زمانہ میں ہنوائی صوفی جو کچھ کرتے ہیں وہ حرام ہے اس کا قصد کرنا اور ان کی مجلس میں بیٹھنا جائز نہیں ہے اور ان سے پہلے
لوگوں نے یہ کام نہیں کیے اسی طرح جو منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعار سنے ہیں وہ فتا کی اباحت پر دلالت نہیں کرتا
وہ اشعار سکنت اور وعظ پر مبنی تھے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تو اہد کی حدیث صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے ہادی سماع کرتے تھے ان کو
طاقت کی گئی تو انہوں نے کہا کہ سماع نصیبت کرنے سے بہتر ہے ان سے کہا گیا صیبات! بلکہ سماع کی لغزش نصیبت سے بدتر

بندگی مقرر کی تھی۔ لہذا وہ کہنے کی شرط یہ ہے کہ وہ کہہ کرنے والا حالت وہ دم میں اس حد پر ہو کہ اگر اس کے چہرے پر ہلکاوار ہلکی جانتے تو اس کو درد کا احساس نہ ہو۔ البتہ تنہائی میں بندہ کر سکتا اور شادی اور زوجت کے موقع پر اشعار پڑھنا جائز ہے۔

(الدر المنثور فی شرح المغنی ج ۳ ص ۲۰۰-۲۱۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ)

پرنہوں اور جانوروں کو پالنے کے متعلق احادیث

ہم نے اس بحث میں یہ بیان کیا ہے کہ کبوتروں اور دوسرے پرندوں کو اڑانا مکروہ تحریمی ہے اور اس مقصد کے بغیر ان کو پالنا اور مکروں میں کانپوں میں بند کر کے رکھنا جائز ہے اسی سیاق میں ہم دوسرے جانوروں کو مکروں میں پالنے اور موذی جانوروں پرندوں اور حشرات الارض کو مارنے کا شرعی حکم بھی بیان کرنا چاہتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے مل جل کر رہتے تھے حتیٰ کہ میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے تھے یا ابا عمیر ماعقل النعیر (اے ابو عمیر تمہارے کیا کیا) تمہارے ساتھ ابو عمیر کھیتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۰۳-۶۱۹۹ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۳ مصنف ابی حنیفہ ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۱۳۱ مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۰۰ سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۰۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۱۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۵۰)

قاضی میاض نے کہا تمہارے سرخ رنگ کا چڑیا کے برابر ایک پرندہ ہے۔ (صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے کھیتوں کی حفاظت، موشیوں کی حفاظت یا فکارت کی ضرورت کے سوا کتا رکھا اس کے اجر سے ہر روز ایک قیہ ادا کر دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم کتاب النکاح ج ۱ ص ۵۶۲ رقم الحدیث: ۲۹۵۳)

موذی جانوروں اور حشرات الارض کو قتل کرنے کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جانوروں میں سے پانچ کُل نہ لے ساق ہیں۔ ان کو حرم میں (بھی) قتل کر دیا جائے: کوا، چیل، چھوڑ، باکٹا، کتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۲۴ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۹۸ سنن ابی حنیفہ ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۱۳۱ مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مثنیٰ کے ایک فارم میں تھے۔ اس وقت آپ پر سورۃ المراتل نازل ہوئی۔ آپ اس کو تلاوت کر رہے تھے اور میں آپ کے منہ سے سن کر اس کو یاد کر رہا تھا اور آپ کا منہ اس کی تلاوت سے مرطوب تھا، ایک ہمارے اوپر ایک سانپ گر پڑا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو قتل کر دیا ہم اس کی طرف جھپٹے تو وہ ہماگ گیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تمہارے شر سے بچ گیا جس طرح تم اس کے شر سے بچ گئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۳۰ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۶۸ دار الحدیث بیروت)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زہد بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وزغ (کرنت یا بچیل) کے لیے فرمایا: یہ فہین (چھوڑا فہین) ہے اور میں نے نہیں سنا کہ آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۳۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۶۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۲۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے زلفہ (کرنت یا بچیل) کو بچیلہ ضرب میں قتل کر دیا اس کے لیے آبی اور آبی نیکیاں ہیں اور جس نے اس کو دوسری ضرب میں قتل کیا اس نے لیے آبی اور آبی نیکیاں ہیں مگر جس نے اس کو تیسری ضرب میں قتل کیا اس نے لیے آبی نیکیاں ہیں اور جس نے اس کو چوتھی ضرب میں قتل کیا اس نے لیے آبی نیکیاں ہیں۔

بنانا چاہتے ہیں اور بلا ضرورت بنانا جائز نہیں ہے۔ اس زمانہ میں مدینہ منورہ چھوٹا شہر تھا اس کی بہت قلیل اور مختصر آبادی تھی اس لیے اس دور کے مسلمانوں کے لیے چھوٹے چھوٹے مکان ان کی ضروریات کے لیے کافی تھے۔ اب آبادی بہت بڑھ گئی ہے بڑے بڑے شہروں میں بڑی بڑی رہائشی ایکسیس بنائی گئی ہیں کئی کئی منزلہ پلازے ہیں۔ پھر بھی دور رہائشی ضروریات کے لیے نا کافی ہیں۔ کتنی چھبوں پر ایک ایک قلیت میں کئی کئی خاندان رہتے ہیں ہمارا شہر کراچی تقریباً دو سو مربع کلومیٹر کے رقبہ پر مشتمل ہے اور اس میں ایک کروڑ سے زیادہ افراد رہتے ہیں۔ کچے مکان اور چھوٹی گلیاں اس دور کے موسمی حالات کا مقابلہ نہیں کر سکتے لہذا پختہ مکان بنانا اس دور کی ضرورت ہے اور کم جگہ کو زیادہ افراد کی رہائش کے قابل بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں کثیر البہرہ عمارات بنائی جائیں جو بہ کثرت فلیٹس پر مشتمل ہوں تب اس دور کی بڑھتی ہوئی آبادی کی کھپت ہو سکتی ہے اس لیے مضبوط معکم اور بلندو بالا عمارات کو بنانا اور وہاں کے رہنے والوں کے لیے وہیں شاپنگ سنٹر بنانا اسی طرح بچوں اور نوجوانوں کی تعلیم کے لیے ان ہی علاقوں میں وسیع و عریض اسکول اور کالج بنانا بنیادوں کے لیے اسی مناسبت سے ایسے ہی وسیع و عریض اور بلندو بالا اسپتال بنانا تجارتی مارکیٹیں بنانا اور اس نوع کی دیگر تعمیرات کرنا اس دور کی ضرورت ہے اور اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ تعمیرات میں حسن کو شامل کرنا اور خوبصورت چٹکے اور نکلیاں بنانا بھی اسلام کے خلاف نہیں ہے بلکہ اسلام کے ساتھ ہم آہنگ ہے اس کو سمجھنے کے لیے اس حدیث کو ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے دل میں ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا ایک شخص نے کہا ایک آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اس کے جوتے اچھے ہوں! آپ نے فرمایا اللہ جمیل اور حسین ہے وہ جمال اور حسن سے محبت کرتا ہے تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جانا ہے۔

(صحیح مسلم ایمان: ۱۷۷ رقم بحوالہ ۹۱، المزمع المسلسل: ۲۵۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۹۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۹۱، سنن ابن ماجہ رقم

الحدیث: ۵۹۰)

اس حدیث سے ظاہر ہو گیا کہ انسان کا اپنی وسعت کے مطابق اچھے کپڑے پہننا اچھے جوتے پہننا اور خوبصورت مکان بنانا اسلام میں پسندیدہ ہے لہذا مضبوط معکم بلندو بالا اور حسین و جمیل عمارات بنانا اسلام کے عین مطابق ہیں اسلام کے خلاف نہیں ہیں۔

اس کی وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسجد (نبوی) مکی اینٹوں سے بنی ہوئی تھی اور اس کی چھت کھجور کی شاخوں سے بنائی ہوئی تھی اور اس کے ستون کھجور کے تنوں کے تھے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں توسیع کی اور اضافہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی بنیادوں پر اینٹوں اور شاخوں سے مسجد کو وسیع بنایا اور اس کے ستون دوبارہ کھجوروں کے بنائے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی تعمیر میں تبدیلی اور توسیع کی اس کی دیواریں نقشیں چھروں اور چوڑے سے بنائیں اس کے ستون بھی نقشیں چھروں سے بنائے اور اس کی چھت ساگوں کی لکڑی سے بنائی۔

(صحیح ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۴۰، عالم الکتاب ج ۱: ۱)

اس حدیث سے اس امر پر واضح روشنی پڑتی ہے کہ ہر دور کے خاصوں کے اعتبار سے عمارات کی تعمیر کے طور اور طریقے

بدلتے رہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مدینہ منورہ کی آبادی کم تھی تو اس وقت کی ضرورت کے لیے ایک چھوٹی سی جگہ مسجد کافی تھی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آبادی بڑھ گئی اور دوسرے مومنین سے بھی تو مسلم لوگوں نے مدینہ منورہ کا رخ کیا تو حضرت عمر نے مسجد نبوی کی توسیع بھی کی اور اس کی دیواروں اور ستونوں کو پختہ بھی کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آبادی مزید بڑھی اور فن تعمیر میں جدید بنائے درآئے گئے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی عمارت کو بھی تعمیر کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کیا اور مسجد نبوی کی عمارت کے حسن میں بھی اضافہ کیا نقشین چٹروں سے اس کی دیواریں بنائیں اور ساگوں کی قیمتی لکڑی سے اس کی چھت بٹائی اور یوں جیسے جیسے اسلام کا رقبہ وسیع ہوتا گیا اور مسلمانوں کی دنیا میں تعداد بڑھتی گئی اور دوسری قوموں کی آمیزش سے علوم و فنون میں اور زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی ہوتی گئی۔ تو جدید تقاضوں کے مطابق فن تعمیر میں بھی توسیع اور ترقی ہوتی گئی پہلے تیروں گھوڑوں اور تیزوں سے جنگ ہوتی تھی پھر بندو قوں توپوں اور ٹینکوں کا دور آیا اس کے بعد جنگی حیلاروں آپ دوڑوں اور بھوک کا دور آیا اور اب دور مار میز انگوں اور ایشی تھمپیاروں کا دور ہے جس طرح اب میز انگوں اور ایشی تھمپیاروں کا تیروں اور گھوڑوں سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا اسی طرح اب تہذیبی زندگی میں کچے مکانوں اور جمہور پیڑیوں سے گزارہ نہیں ہو سکتا ہمیں اسلامی قواعد و ضوابط اور اسلامی ہدایات کی روشنی میں بدلتے ہوئے عالمی حالات اور جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہونا چاہیے اور زمانہ کے قدم کے ساتھ قدم ملا کر چلنا چاہیے جب ہم ٹیچروں اور تیل گاڑیوں پر سفر کرنے کے بجائے ٹرینوں اور طیاروں میں سفر کرتے ہیں اور چراغ اور موسم جی کو جاننے کے بجائے بجلی کے قیظوں کو روشن کرتے ہیں تو ہمیں دیگر ثقافتی اور تہذیبی معاملات میں بھی ترقی کی شاہد ہو کر گامزن ہونا چاہیے۔

کسی کو تا دیب اور سرزنش کے لیے زیادہ سزا نہ دی جائے اور دس ڈنڈ یوں سے زیادہ نہ مارا جائے

اس کے بعد فرمایا: اور جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو سخت جبر سے پکڑو ۵۰ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ۵

(اشتراک: ۱۳۰-۱۳۱)

یعنی جب تم کسی کو گرفتار کرتے ہو تو اس کو سزا دینے کے لیے کوڑے مارتے ہو یا گھوڑے سے قتل کرتے ہو اور جس طرح کسی کو ظالم اور جاہل شخص کے دل میں کوئی نرمی ہوتی ہے نہ ترس ہوتا ہے اسی طرح تمہارا معاملہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو ادب سکھانے کے لیے اس کو معمولی سرزنش کرے تو یہ درست ہے یا کسی ظالم سے مظلوم کا بدلہ لینے کے لیے بدقولی اس کو سزا دے تو یہ جائز ہے اور قصاص اور بدلہ لینا بھی جائز ہے لیکن اس میں بھی حد سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ ماہی باپ اور استاد بچوں کو سزا دینے کے لیے ان کو بڑے کپاچوں اور ڈنڈوں سے بہت سخت مارتے ہیں اور ان کے منہ پر طمانچہ یا تھپڑ مارتے ہیں اسلام میں منہ پر طمانچہ یا تھپڑ مارنا جائز نہیں ہے اور کسی بچے یا بڑے کو سزا دینے کے لیے دس ڈنڈ یوں سے زیادہ مارنا جائز نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے پر مارنے سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۴۱ مسند احمد ج ۱ ص ۱۸۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص چہرے پر نہ مارے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۱۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۱۳ مسند ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۲۱ مسند احمد ج ۳ ص ۲۲۲)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ نبی کا خادمہ پر کیا حق

آپ نے فرمایا جو وہ خود کھاتا ہے وہی اس کو کھلائے، جو وہ خود پیتا ہے وہی اس کو پیتائے چہرے پر مارے نہ اس کو بدنام کرے اور اس کو صرف گھر میں چھوڑے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۵۰، مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۷)

اسی طرح حدود کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی سزائیں دی ہیں اس سے زیادہ کسی کو تادیب یا سزا دینے کے لیے سزا نہ دی جائے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی بیوی کے اوپر لاشی نہ اٹھاؤ اور ان کے معاملات میں اللہ سے ڈرو۔ (المجموع للکبیر رقم الحدیث: ۱۱۳، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۰۶)

اسد بن وداعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جزی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میری بیوی میری نافرمانی کرتی ہے میں اس کو کس چیز سے سزا دوں؟ آپ نے فرمایا تم اس کو معاف کر دو جب اس نے دوسری یا تیسری بار پوچھا تو آپ نے فرمایا اگر تم اس کو سزا دو تو اس کو بہت قصور سزا دو اور اس کے چہرے پر مارنے سے اجتناب کرو۔

(المجموع للکبیر رقم الحدیث: ۱۱۳۰، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۰۶)

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کو دس کوڑوں (درست کی ٹہنیوں یا ڈنڈیوں) سے زیادہ نہ مارا جائے۔ ماسوا اللہ تعالیٰ کی حدود کے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۳۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۸۷۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۹۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۶۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۱۰، سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۶۲۳، مسند عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۳۶۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۳۲، مسند رک ج ۳ ص ۲۵۱، مسند احمد ج ۳ ص ۵۳، سنن کبریٰ للبخاری ج ۸ ص ۳۲۷، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۲۶۰۹، المجموع للکبیر ج ۲ رقم الحدیث: ۵۱۵، ۵۱۶)

رفیع بن ہریرہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ سات سال کی عمر میں بچے کو نماز سکھاؤ اور دس سال کی عمر میں اس کو مار کر نماز پڑھاؤ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۷۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۹۳، مسند ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۷، مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۲، مسند رک ج ۳ ص ۲۵۱، سنن کبریٰ للبخاری ج ۸ ص ۱۲)

تکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کو (زندہ) آگ میں جلا دیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے فرمایا اگر میں اس موقع پر ہوتا تو ان لوگوں کو آگ میں نہ جلاتا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ کے عذاب کے ساتھ کسی کو عذاب نہ دو اور میں ان کو قتل کروں گا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کر دو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۷۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۸۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۵۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۵۱)

حضرت ابوسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے ایک غلام (نکر) کو مار رہا تھا تو میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی ۱۱ ابوسعود! یہ جان لو کہ جتنا تم اس پر قادر ہو اس سے کہیں زیادہ اللہ کو تم پر قدرت ہے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہے آپ نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو تم کو دو زخم کی آگ جلاتی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۵۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۲۸، مسند عبد الرزاق رقم الحدیث: ۵۵۹، مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۹، المجموع للکبیر ج ۲ ص ۲۵۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۸۳، علیہ السلام ج ۳ ص ۲۱۸، سنن کبریٰ للبخاری ج ۸ ص ۱۰، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۲۲۱۰)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! کوئی بار مغاف کروں؟ آپ نے فرمایا: ہر روز ستر بار!۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۶۳، مسند احمد ج ۲ ص ۹۰، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۷۰، سنن ابی یوسف ج ۲ ص ۱۰۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے خادم کو مارے پس وہ بھڑکے کرے تو تم اس سے اپنے ہاتھ اٹھاؤ۔

(سنن ابی ہریرہ رقم الحدیث: ۱۹۵۰، شرح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۳۳، کمال اللہ بن عدی ج ۲ ص ۱۳۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھی کے نرم سے دو گدو کرؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ تھی کی لغزش سے اپنا ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔ (المجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۲۲۱، مجمع ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۶۶۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسوز اور پادقار لوگوں کی لغزشوں کو معاف کر دو۔ (مجمع ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۶۶۵)

علامہ محمد بن عبدالواحد اکین حمام ستونی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

تغویر دینے پر صحابہ کا اجماع ہے تغویر کا معنی ہے برے کاموں پر ملامت اور سرزنش کرنا تاکہ کوئی شخص اس برائی کا عادی اور خیر نہ ہو جائے اور کبلی بار سے بڑھ کر برائی اور بے حیائی کے کام نہ کرنے لگے اس لیے برے کام پر سرزنش کرنا واجب ہے۔ علامہ ترمذی نے ذکر کیا ہے کہ علامہ سرخسی نے کہا ہے کہ تغویر میں کوئی سزا مقرر نہیں ہے بلکہ یہ سزا قاضی کی صواب دہ پر موقوف ہے کیونکہ اس سے متفقہ جرم و توبہ اور سرزنش کرنا ہے اور لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں بعض لوگ صرف ڈانٹ ڈپٹ سے کن اصلاح کر لیتے ہیں اور بعض لوگ ایک آدھ تھپڑ یا ایک آدھ ڈھڑکی سے سدھر جاتے ہیں اور بعض لوگوں کو قید خانے میں ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

الثانی میں مذکور ہے کہ تغویر کے کئی مراحب ہیں: امراء اور اشراف کو صرف قاضی کے پاس لے جانے اور مقدمہ کرنے کی دھمکی کافی ہوتی ہے اوسط درجہ کے لوگوں کو قید میں ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے اور نچلے درجے کے لوگوں کو قید اور مار دونوں کی ضرورت پڑتی ہے امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ سلطان مالی جرمانہ بھی کر سکتا ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک مالی جرمانہ عائد کرنا جائز نہیں ہے اور علامہ میں مذکور ہے کہ اگر قاضی یا والی مناسب سمجھے تو مالی جرمانہ کر سکتا ہے جو آدھی جماعت میں حاضر نہیں ہوتا اس پر مشائخ نے مالی جرمانہ کرنے کا امام ابو یوسف سے قول پر لٹوی دیا ہے۔

(بخاری رقم الحدیث: ۲۳۶۰-۲۳۶۱، مسند ابی یوسف ج ۲ ص ۱۳۳)

قید کرنے اور مالی جرمانے کی سزائیں

علامہ علاء الدین ابوالحسن علی بن غیلان الطرابلسی لکھتے ہیں:

امام ابو یوسف کے مذہب میں مالی جرمانے کی سزا دینا جائز ہے امام مالک کا بھی یہی قول ہے اور جن علماء نے یہ کہا کہ مالی سزائیں سوغ ہوگی ہے ان کا قول غلط ہے۔

تغویر کی کم از کم سزائیں ڈھڑکیاں ہیں اور زیادہ سے زیادہ اسٹائیس ڈھڑکیاں یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور امام شافعی کے نزدیک تغویر بہر حال چالیس ڈھڑکیوں سے کم ہو اور امام احمد بن حنبل نے ظاہر حدیث پر عمل کیا ہے اور کہا کہ تغویر میں دس ڈھڑکیوں سے زیادہ نہ ماری جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر نے کسی کو قید کیا ہے یا نہیں اس میں آج مختلف ہیں۔ بعض نے ذکر کیا ہے ان کوئی قید خانہ نہیں تھا اور نہ انہوں نے کسی کو قید کیا ہے۔ اور بعض نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو قتل کے الزام میں قید کر لیا تھا۔ اس حدیث کو امام عبدالرزاق اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایک الزام میں دن کے کچھ وقت قید میں رکھا پھر رہا کر دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قید کیا ہے ہر چند کہ اس کے لیے کوئی قید خانہ بنا ہوا نہیں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حطیبیہ نام کے ایک آدمی کو بھجوا کرنے کی بنا پر قید خانے میں ڈال دیا تھا اور صابی بن الحارث نام کا ایک شخص بنو حنیملہ کے چوروں میں سے ایک تھا اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قید خانہ میں ڈال دیا تھا جو ہیں مر گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں قید خانہ بنایا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی قید خانہ بنایا تھا۔ (میں انکام ص ۹۵ مطبوعہ مطبعہ مصلیٰ البابی دہلادہ مصر ۱۳۹۳ھ)

اگر بروقت حکام سے رابطہ نہ ہو سکے تو مسلمان از خود قلم اور برائی کو منائے

نیز علامہ کمال الدین ابن حمام لکھتے ہیں:

علامہ ترمذی نے لکھا ہے کہ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اللہ کا نائب ہو کر کسی جرم پر قہور لگائے امام ابو جعفر حندیٰ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کسی مرد کو عورت کے ساتھ دیکھے تو کیا اس کے لیے اس کو قتل کرنا جائز ہے؟ انہوں نے کہا اگر اس کو یہ یقین ہو کہ یہ شخص صرف ڈانٹ ڈپٹ کرنے سے زنا سے باز آ جائے گا تو وہ اس کو کسی ہتھیار سے مارے اور اس کو قتل نہ کرے اور اگر اس کو یہ یقین ہو کہ وہ اس کو قتل کرنے کے سوا باز نہیں آئے گا تو اس کے لیے اس کو قتل کرنا جائز ہے اور اگر عورت خوشی سے اس سے زنا کر رہی ہو تو اس کو قتل کرنا بھی جائز ہے اور اس میں یہ تصریح ہے کہ ہر انسان کو قہور جاری کرنے کا اختیار ہے خواہ وہ مجتہب (عالم یا حاکم) نہ ہو۔ منگنی میں اس کی تصریح ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ برائی کو اپنے ہاتھ سے مٹانے کے باب سے ہے اور شارع علیہ السلام نے ہر شخص کو اس کا اختیار دیا ہے حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جس شخص نے کسی برائی کو دیکھا وہ اس کو اپنے ہاتھ سے مٹائے اور اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھے تو پھر زبان سے اس کا رد کرے اور اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو پھر دل سے اس کو برا جانے اور یہ سب سے کمزور وجہ کا ایمان ہے۔

(صحیح مسلم ایمان: ۸۱، المرقیہ بحکام: ۲۹، المرقیہ سلسلہ: ۱۷۵، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۱۱۲۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۰۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۱۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۰۶، مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۱۰۰۹، مسند احمد ج ۳ ص ۲۰، سنن کبریٰ للبخاری ج ۱ ص ۹۰)

البتہ حدود و حکام کے سوا اور کوئی جاری نہیں کر سکتا۔ اسی طرح وہ قہور جو کسی بندے کے حق کی وجہ سے واجب ہو مثلاً قذف (زنا کی تہمت) وغیرہ کیونکہ اس کا پہلے حاکم کے سامنے دعویٰ کیا جائے گا پھر وہ فیصلہ کرے گا ہاں اگر دونوں فریق کسی شخص کو حاکم بتائیں تو پھر اس کو قہور لگانے کا اختیار ہوگا۔ (فتح اللہ ج ۵ ص ۳۳۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابن حمام نے برائی کو مٹانے کے وجوب کے سلسلہ میں زنا کی مثال دی ہے ہمیری رائے میں یہ مثال صحیح نہیں ہے کیونکہ زنا چھپ کر کیا جاتا ہے اور اس حدیث کا تعلق اس برائی سے ہے جو علی الاطلاق کی جارہی ہو نیز اگر کوئی چھاپا مار کر زنا میں گرفتار ہو جائے تو عاۓہا نہیں ہوتا کہ وہ چھاپا مارنے والوں سے یہ کہیں کہ نہیں ہم ضرور زنا جاری رکھیں گے اور منع کرنے بلکہ قتل کے بغیر باز نہ آئیں بلکہ جب ان کو یمن موقع پر پکڑ لیا جائے تو وہ خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور ان پر بھرماندہ

نظم حالات کے سوائے کسی کے حکم دینے اور برائی سے روکنے کو ترک نہ کیا جائے

قرآن مجید میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ

(المائدہ: ۱۰۰)

اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو جب تم بدعت پر ہو تو کوئی گمراہ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

حضرت ابو بکر نے ایک خطبہ میں اس آیت کو تلاوت کر کے فرمایا تم اس آیت کا غلط مطلب لیتے ہو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ کسی قلم کرنے والے کو دیکھیں اور اس کے ہاتھوں کو نہ پکڑیں تو قریب ہے اللہ تعالیٰ ان سب پر عذاب نازل فرمائے ابو اسیر شعبانی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابو ثعلبہ خثعمی سے اس آیت کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا تھا آپ نے فرمایا تم کسی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو حتیٰ کہ جب تم یہ دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جارہی ہے اور خواہش کی بھڑکی کی جارہی ہے دنیا کو ترجیح دی جارہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر اتر رہا ہے اس وقت تم صرف اپنی جان کی فکر کرو اور عوام کو چھوڑ دو کیونکہ تمہارے بعد میرے ایام ہیں ان ایام میں مہر کرنا انکار سے پکڑنے کے مترادف ہے اس وقت میں ایک عمل کرنے والے کو پچاس عمل کرنے والوں کا اجر ملے گا۔

اگر برائی اور ظلم کو روکنا ناگزیر ہو تو مسلمان از خود کارروائی کریں

یہ حدیث اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دو حال ہیں ایک حال وہ ہے جس میں برائی کو بدلنا اور اس کو مٹانا ممکن ہو اس حال میں جس شخص کے لیے برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹانا ممکن ہو اس پر اس برائی کو مٹانا فرض ہے اور اس کی کلی صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ وہ برائی کو تلواریں سے مٹائے مثلاً ایک شخص اس کو یا کسی اور شخص کو قتل کرنے کا قصد کرے یا اس کا مال لوٹنے کا قصد کرے یا اس کی بیوی سے زنا کرنے کا قصد کرے اور اس کو یقین ہو کہ زبان سے منع کرنے سے ذہان نہیں آئے گا بغیر ہتھیار کے اس سے جنگ کی (مثلاً تھپڑ یا مکا مارا) تب بھی باز نہیں آئے گا تب اس پر لازم ہے کہ اس کو قتل کر دے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "تم میں سے جو شخص برائی دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹائے" اور جو شخص برائی کر رہا ہے اگر اس کو قتل کیے بغیر اس برائی کو مٹانا ممکن نہ ہو تو اس کو قتل کرنا اس پر فرض ہے اور اگر اس کو ضمن غالب ہو کہ بغیر ہتھیار کے بھی اس برائی کو مٹانا ممکن ہے (مثلاً تھپڑ اور کسے مارنے سے) تو پھر اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر اس کو یہ گمان ہو کہ اب اگر اس کو بغیر ہتھیار کے مارا یا زبان سے منع کیا تو یہ باز آ جائے گا لیکن بعد میں اتنی سزا سے باز نہیں آئے گا اور اس کو قتل کیے بغیر یہ برائی نہیں مٹ سکے گی تو پھر اس کو قتل کرنا لازم ہے۔

(کسی بھی شخص کے لیے قانونی طور پر از خود کارروائی کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر وہ یہ دیکھے کہ جتنی دیر میں وہ سرکاری حکام سے رابطہ کرے گا اتنی دیر میں کسی بے قصور کو قتل کر دیا جائے گا یا کسی گھر میں ڈاکا پڑ جائے گا یا کسی شریف آدمی کی عزت لٹ جائے گی اور وہ مسلمان شخص اپنی قوت سے اس برائی یا ظلم کو روک سکتا ہو تو اس پر اس برائی کو مٹانا اور اس ظلم کو روکنا شرعاً فرض ہے اور اگر اس مہم کے دوران اس کی جان چلی گئی تو وہ شہید ہوگا۔ سعیدی وغیرہ)

ابن رحمہ نے امام محمد سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے کسی کا سامان چھین لیا تو تمہارے لیے اس کو قتل کرنا جائز ہے حتیٰ کہ تم اس کا سامان چھڑاؤ اور اس آدمی کو واپس کر دو اسی طرح امام ابو حنیفہ نے فرمایا جو درمکانوں میں نقب لگا رہا ہو تمہارے لیے اس کو قتل کرنا جائز ہے اور جو آدمی تمہارا دانت توڑنا چاہتا ہو (مدافعت میں) تمہارا اس کو قتل کرنا جائز ہے بشرطیکہ تم ایسی جگہ

جلد ۱۲

کی طرح بعض واجبات میں تقصیر کے باوجود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ساقط نہیں ہوتا۔

تھیاروں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ہفتہ کہنے کا بطلان

علماء امت میں سے صرف ایک جاہل قوم نے یہ کہا ہے کہ باقی جماعت سے قتال نہ کیا جائے اور تھیاروں کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کیا جائے انہوں نے کہا جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں تھیار اٹھانے کی ضرورت پڑے تو یہ فتنہ ہے حالانکہ قرآن مجید میں ہے:

فَقَاتِلُوا الَّذِينَ تَقِيقُوا حَتَّى تَخْرُجُوا إِلَى اللَّهِ.

جو جماعت بھگوت کرے اس سے جنگ کرو حتیٰ کہ وہ نہ

(المجرات: ۹) کے امر کی طرف لوٹ آئے۔

ان لوگوں نے یہ کہا کہ سلطان کے ظلم اور جور پر انکار نہ کیا جائے البتہ سلطان کا غیراگر برائی کرے تو اس کو قول سے منع کیا جائے اور بغیر تھیار کے ہاتھ سے منع کیا جائے یہ لوگ بدترین امت ہیں امام ابو داؤد نے اپنی سنن کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل جہاد یہ ہے کہ ظالم سلطان یا ظالم امیر کے سامنے حق کہنا جائے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب ہیں اور وہ شخص جس نے ظالم حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر اس کو نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا اور اس کی پاداش میں اس کو قتل کر دیا گیا۔

کسی شخص سے محبت کی وجہ سے امر بالمعروف کو ترک نہ کیا جائے

کسی شخص سے دوستی اور محبت کی وجہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک نہیں کرنا چاہیے نہ کسی شخص کے نزدیک قدر و منزلت بڑھانے اور اس سے کوئی فائدہ طلب کرنے کے لیے مدد است (بے جا نری اور دنیاوی مفاد کے لیے نبی عن المنکر کو ترک کرنا) کرنی چاہیے۔ کیونکہ کسی شخص سے دوستی اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے ساتھ خیر خواہی کی جائے اور اس کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کو آخرت کی فلاح کی ہدایت دی جائے اور اس کو آخرت کے عذاب سے بچایا جائے اور کسی انسان کا سچا دوست وہی ہے جو اس کے لیے آخرت کی بھلائی کی سعی کرے اور اگر وہ فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں تقصیر کر رہا ہو تو اسے ان فرائض کی ادائیگی کا حکم دے اور اگر وہ کسی برائی کا ارتکاب کر رہا ہو تو اس کو برائی سے روکے۔

امر بالمعروف میں ملائمت کو اختیار کیا جائے

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں نرمی اور ملائمت کو اختیار کرنا چاہیے تاکہ وہ مؤثر ہو امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو تہائی میں فصاحت کی اس نے خیر خواہی کی اور جس نے کسی شخص کو لوگوں کے سامنے فصاحت کی اور ملائمت کی اس نے اس کو شرمندہ اور رسوا کیا۔

اگر کسی برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹانے سے ملکی قوانین کو اپنے ہاتھوں میں لینا لازم نہیں آتا تو اس برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹایا جائے ورنہ زبان سے اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو پھر اس برائی کو دل سے ناپسند کرے۔

یہ بھی گمان کیا ہے کہ حکام اور ارباب اقتدار پر لازم ہے کہ وہ برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹائیں مثلاً قتل کو قصص میں قتل کریں اور چور کا ہاتھ کاٹیں زانی کو کوڑے لگائیں یا رجم کریں اسی طرح دیگر حدود الدینیہ جاری کریں۔ اور علماء پر لازم ہے کہ وہ ان سے برائی کی مذمت کریں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں اور عوام کو چاہے کہ وہ ہر برائی کو دل سے

براجائیں لیکن صحیح یہ ہے کہ جس شخص کے سامنے علم اور زیادتی ہو وہ اس کو حسب مقدار ملانے کی کوشش کرے جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کیا ہے۔ (احکام بطرآن ج ۳ ص ۳۲-۳۰ ملخصاً سلیمہ سکیل اکیڈمی لاہور ۱۳۰۰ء)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی جن کو تم جانتے ہو اس نے تمہاری پوجا پس اور بیٹوں سے مدد کی اور باغوں سے اور چشموں سے اور بے شک مجھے تم پر عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے اور انہوں نے کہا ہمارے لیے برابر ہے کہ آپ ہمیں نصیحت کریں یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہوں اور صرف پہلے لوگوں کا طریقہ ہے اور ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا اور انہوں نے خود کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا ہے بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے اور بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے بہت رحم فرمانے والا ہے اور (اشتراک: ۱۳۰-۱۳۲)

قوم خود کا تکبر اور اس کا ہلاک ہونا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ حضرت حود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ہر اونچی جگہ پر مودع کی ایک یادگار تعمیر کر رہے ہو؟ اور اس توقع پر مکان بنارہے ہو کہ تم ہمیشہ رہو گے اور جب تم کسی کو پکارتے ہو تو سخت جبر سے پکارتے ہو۔ (اشتراک: ۱۳۰-۱۳۲)

اور ان تین باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اونچی جگہ پر مکان بنانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ بلندی اور بڑائی کو پسند کرتے تھے اور مضبوط مکان بنانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دنیا کے دلدلادہ تھے اور ان میں زیادہ سے زیادہ عرصہ رہنا چاہتے تھے بلکہ دوام چاہتے تھے اور ان کا شدت سے پکارتا ہوا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ جاہ اور شہید بننا چاہتے تھے اور یہ تینوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں یعنی تکبر دوام اور جبر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بندگی کی حدود سے نکل کر ربوبیت کے مدعی تھے اس لیے فرمایا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو پھر ان کو خواہ غفلت سے چگانے کے لیے اور ان پر اللہ تعالیٰ کے احسانات گنوانے کے لیے فرمایا: اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی جن کو تم جانتے ہو اور اس نے تمہاری پوجا پس اور بیٹوں سے مدد کی اور باغوں سے اور چشموں سے اور پہلے ان کے سامنے ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات گنوائے تاکہ ان کو اپنی ناپسائی اور ناشکری پر عداوت ہو پھر ان کو آخرت کے عذاب سے ڈرانے کے لیے فرمایا: بے شک مجھے تم پر عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے اور کیونکہ انسان یا تو کسی کے انعام اور اکرام کی وجہ سے اس کی اطاعت کرتا ہے یا اس کے ڈر اور خوف کی وجہ سے اس کی اطاعت کرتا ہے حضرت حود علیہ السلام کے اس حکیمانہ خطاب کے جواب میں انہوں نے کہا: ہمارے لیے برابر ہے کہ آپ ہمیں نصیحت کریں یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہوں یہ صرف پہلے لوگوں کا طریقہ ہے اور ان کی مراد یہ تھی کہ آپ خواہ ہمیں نصیحت کریں یا نہ کریں ہم آپ کی بات ماننے والے نہیں ہیں پھر انہوں نے اپنے موقف پر یہ دلیل قائم کی کہ ہم جس دین اور جس طریقہ پر قائم ہیں یہ ہم سے پہلے لوگوں کا دین اور ان کا طریقہ ہے۔ ہم ان ہی کی تقلید کر رہے ہیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس سے پہلے بھی لوگ اسی طرح زندہ تھے اور مر جاتے تھے ہم بھی اسی طرح جیتے اور مرتے رہیں گے یا اس کا معنی یہ ہے کہ جس طرح پہلے لوگ اپنی طرف سے من گھڑت باتیں کرتے تھے آپ بھی اسی طرح من گھڑت باتیں کر رہے ہیں پھر انہوں نے اپنے آپ کو اطمینان اور تسلی دلاتے ہوئے خود فریبی سے کہا اور ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔ اور انہوں نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور حشر اور حساب و کتاب کا انکار کر دیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو انہوں نے خود کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اللہ تعالیٰ نے ایک حد و حق قرار دیا جس نے حضرت حود علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کر دیا ہوا بہت لطیف چیز ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس لطیف اور ضعیف چیز کو

ڈور پھانسی زبردست قوم کو ہلاک کر دیا اور حج و عین سے اکٹھا پھینکا جس طرح غرود جیسے ظالم اور جاہل بادشاہ کو ایک حقیر بچہ سے ہلاک کر دیا۔ سوانسان کو چاہیے کہ اپنی طاقت پر مہمندانہ کرے اور اس عزیز اور غالب سے ڈرتا رہے جو قادر و قیوم ہے جس کو کسی کی بولہاں اور کبیر پسند نہیں ہے وہی حقیقت میں جاہل اور حکیم ہے اور اس کے سوا کوئی جہاں نہیں ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٣١﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلَا

ثمود نے رسولوں کی تکذیب کی ۱۳۱ جب ان سے ان کے ہم قبیلہ صالح نے کہا کیا

تَتَّقُونَ ﴿١٣٢﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٣٣﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَ

تم نہیں ڈرتے؟ ۱۳۲ اے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں ۱۳۳ سو تم اللہ سے ڈرو اور

أَطِيعُوا ﴿١٣٤﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجَرْتُكُمْ إِلَّا عَلَى

میری اطاعت کرو ۱۳۴ اور میں تم سے اس (مخلّغ دین) پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا میرا اجر صرف

رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٣٥﴾ أَتَتْرَكُونَ فِي مَا هُمْ عَنْ آمِنِينَ ﴿١٣٦﴾ فِي جَنَّتٍ وَ

رب العالمین پر ہے ۱۳۵ کیا تم یہاں کی چیزوں میں امن کے ساتھ رہتے رہو گے؟ ۱۳۶ ہاں میں اور

عُيُونٍ ﴿١٣٧﴾ وَزُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ﴿١٣٨﴾ وَتَنَحُّونَ مِنَ الْجِبَالِ

چشموں میں ۱۳۷ اور کھجوروں کے درختوں میں جن کے خوشے نرم ہیں ۱۳۸ اور تم خوشی سے اتراتے ہوئے پہاڑوں

بَيُوتًا فَرِهِينَ ﴿١٣٩﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا وَلَا تَطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ﴿١٤٠﴾

کو تراش کر گھر بناتے ہو ۱۳۹ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ۱۴۰ اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو

الَّذِينَ يَفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿١٤١﴾ قَالُوا إِنَّمَا

جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے ۱۴۱ انہوں نے کہا تم

أَنْتُمْ مِنَ الْمُسْحَرِينَ ﴿١٤٢﴾ مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ قَتَلْنَا نَحْنُ فَاتِّبَاعُكُمْ بِأَيِّهِ

صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا ہوا ہے ۱۴۲ تم صرف ہماری مثل بشر ہو اگر تم بچوں میں سے ہو

إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿١٤٣﴾ قَالَ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ شَرِبَ وَلَكُمْ

اگر تم سچے لوگوں میں سے ہو ۱۴۳ کہا یہ لکھی ہے ایک دن اس کے (ہانی) پینے کا ہے

شَرِبْ يَوْمَ مَعْلُومٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَسْهَوْا يَوْمَ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ

اور ایک مقررہ دن تمہارے (پانی) پینے کا ہے ۱۵۵ تم اس کے ساتھ کوئی برائی نہ کرنا ورنہ بڑے دن کا طراب

عَظِيمٍ ﴿۱۵۶﴾ نَعَقَرُوا مَا قَابِضُوا اَنْدَامِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ اِنْ قِي

تم کو پکڑ لے گا ۱۵۶ پھر بھی انہوں نے اس کی کوئی جھجکاٹ دیں پس وہ پچھتاے ۱۵۷ سو ان کو عذاب نے پکڑ لیا بے شک اس میں

ذٰلِكَ لَا يَهْدِيْهُمُ لَهْوَ وَاَمَّا كَانِ اَكْثَرَهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ رَّبِّكَ لَهٗوَ

ضرور نشانہ ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے ۱۵۸ بے شک آپ کا رب ہی ضرور

الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾

غالب ہے بہت رحم فرمانے والا ۱۵۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فہو نے رسولوں کی تکذیب کی ۱۵۵ جب ان سے ان کے ہم قبیلہ صالح نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے ۱۵۶
شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں ۱۵۷ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ۱۵۸ اور میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی
اجر طلب نہیں کرتا میرا اجر تو صرف رب العالمین پر ہے ۱۵۹ (اشراء: ۱۳۵-۱۳۱)

قوم فہو کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجتا

انبیاء علیہم السلام کے قصص میں سے پانچواں قصہ حضرت صالح علیہ السلام کا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے
قبیلہ کا نام فہو تھا ان کا جد اعلیٰ فہود بن عبید بن عوص بن عاد بن ارم بن سام بن نوح تھا۔ ان کی قوم نے حضرت صالح کی
تکذیب کی ۱۵۵ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس نے رسولوں کی تکذیب کی کیونکہ کسی ایک رسول کی تکذیب کرنا تمام رسولوں کی تکذیب کے
مترادف ہے۔ تمام رسولوں کا ایک ہی دشمن ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی دعوت
دیتے ہیں جب ان سے ان کے ہم قبیلہ صالح نے کہا قرآن مجید میں ہے جب ان کے بھائی صالح نے کہا حضرت صالح ان
کے دینی بھائی نہ تھے کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کفر گناہ کبیرہ صغیرہ اور ہر قسم کے قاتل
حاصل کاموں سے مبرا اور منزہ ہوتے ہیں حضرت صالح علیہ السلام نے کہا میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں تاکہ ان کی
امانت اور ایمان کی وجہ سے ان کی قوم ان کی رسالت کی تصدیق کرے حضرت صالح علیہ السلام کا نسب یہ ہے: صالح بن عبید
بن آصف بن کاٹھ بن حاذر بن فہود (روح البیان ج ۱ ص ۳۸۴)

انہوں نے کہا تم کو معلوم ہے کہ میں امانت دار ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ سے ڈرتا ہوں اور اس کی اطاعت کرتا ہوں سو
میں تم سے بھی کہتا ہوں کہ تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو تم جو تم کو نصیحت کر رہا ہوں سو وہ کسی دنیاوی منتفعت کی وجہ سے
نہیں کر رہا میں اپنے اجر کو صرف اللہ عزوجل سے طلب کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت صالح نے کہا) کیا تم یہاں کی چیزوں میں امن کے ساتھ رہتے رہو گے ۱۵۵ یا غوں میں اور
چشموں میں ۱۵۶ کھیتوں میں اور کھجور کے درختوں میں جن کے خوشے نرم ہیں ۱۵۷ اور تم خوشی سے اترتے ہوئے پھاڑوں کو تراش

صواء القواء

کر گھبراتے ہو سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو (اشعراء: ۱۵۰-۱۳۶)

مشکل الفاظ کے معانی

طلع: خوش گھاگھا سمجھو کے درخت کا پہلا ٹکڑا جو باہر نکلتا ہے اس کو طلع کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

وَالْمُحَنِّ لَیْسَتْ لَهَا کَلَّةٌ نَّحِیْنًا (۱۰۰)

مٹھی بھر سمجھو کہ کہتے ہیں قوم طلاع الکف۔ (المفردات ج ۳ ص ۳۹۸)

هضم: کمزور پختی اور نرم چیز کو ہضم کہتے ہیں اس کے معنی توڑنے اور کھینچنے کے بھی ہیں معدہ جو طعام کو کھینچتا اور پیتا ہے اس کو بھی اسی اعتبار سے ہضم کرنا کہتے ہیں اور جو چیز نرم ہو وہ جلدی ہضم ہو جاتی ہے۔

(المفردات ج ۳ ص ۷۷ مطبوعہ مکتبہ نزار مصلیٰ مدکرہ ۱۴۱۸ھ)

تصحون: نجات کا معنی ہے تراشا تصحون: تم تراشتے ہو۔

فسادھین: فروہ اگر یہ خورم کے باب سے ہو تو اس کا معنی ہے عقل والا ہونا کسی کام کا ماہر ہونا اور اگر یہ سمع کے باب سے ہو تو اس کا معنی ہے اترانا منک کر چلنا تکبر اور غرور کرنا یہاں معنی ہے خوشی سے اتراتے ہوئے تکبر کرتے ہوئے یا اس کا معنی ہے تم بڑی مہارت سے پہاڑوں کو تراش کر گھبراتے ہو۔ (المفردات ج ۳ ص ۳۹۰ مدکرہ ۱۴۱۸ھ)

جسمانی اور روحانی لذتیں

ان آیات کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوم حود کے اوپر عقلی اور معنوی لذات غالب تھیں کیونکہ وہ سر بلندی کو ہمیشہ باقی رہنے کو انفرادیت کو اور تکبر کو پسند کرتی تھی اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر حسی اور ظاہری لذات غالب تھیں کیونکہ وہ کھانے پینے کی چیزوں کو اور انجی رہائش کو پسند کرتی تھی اور یہ اصل دنیا کی لذتوں میں سے لذتیں ہیں اور آخرت کی لذتیں ان تمام لذتوں سے بالاتر ہیں یہ علوم اور معارف کی نگہی اور روحانی لذتیں ہیں اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر و فکر کی لذتیں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور وصال کی اور آپ کی اطاعت اور اتباع کی لذتیں ہیں جن میں بروقت یہ جی چاہتا ہے کہ انسان آپ کی سنتوں میں جذب ہو جائے اور آپ کے پیچھے چلے جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے انہوں نے کہا تم صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر چادو کیا ہوا ہے تم صرف ہماری مثل بشر ہو اگر تم بچوں میں سے ہو تو (اپنی نبوت پر) کوئی نشانی لاؤ (اشعراء: ۱۵۳-۱۵۱)

فساد اور شرکی دوستیں

حضرت صالح علیہ السلام نے کہا تم حد سے تجاوز کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو یعنی جو لوگ دنیاوی لذتوں سے بہرہ اندوز ہونے میں اور ان کی طلب میں حد سے بڑھ چکے ہیں جن کو صرف کھانے پینے اور جنسی خواہش پوری کرنے کی ہی طلب ہوتی ہے اور اسی میں مصروف رہتے ہیں اور ان کو اس کا کوئی خیال نہیں آتا کہ اگر زندگی کا مقصد صرف کھانا پینا اور جنسی میل کرنا ہی ہو تو پھر انسان اور حیوان میں کیا فرق ہے۔ یہ لوگ اپنی ان خواہشوں کو ہر جائز اور ناجائز طریقے سے پورا کرتے ہیں اور حلال اور حرام کا کوئی فرق نہیں کرتے اگر اپنی عقلی اور روحانی خواہش کی تکمیل کے لیے چھیننا اور بھیننا پڑے اور اس سے بڑھ کر لڑنا جھگڑنا قتل اور غصوں و بڑی کراہت سے تو یہ اس سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اس طرح وہ زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے اگر یہ کیا جائے کہ جب یہ فریاد کیا تھا کہ وہ زمین میں فساد کرتے ہیں تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ وہ اصلاح

جدید

نہیں کرتے اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات فساد میں کسی ننگی اور خیر کا بھی پہلو ہوتا ہے جیسے کوئی آدمی رشوت لینا ہے لیکن وہ رشوت لے کر حق دار کو اس کا حق دے دیتا ہے رشوت لینا اگرچہ ناجائز کام ہے لیکن حق دار کو اس کا حق دلوایا بہر حال ننگی ہے ہمارے دفاتر میں ایسا عموماً ہوتا ہے کسی شخص کے بتایا جات حکم میں پہنچے ہوئے ہیں اس کی فائل حلقہ ہجر کے پاس دھلا کے لیے نہیں بھیجی جا رہی یا کسی محکمہ دار کے بل پہنچے ہوئے ہیں اور ہرک اس کے بل پیش نہیں کرتا پھر رشوت لے کر یہ کام کرتا ہے بہر حال یہ ناجائز کام ہے لیکن اس میں ننگی اور خیر کا پہلو بھی ہے۔ لیکن اگر کوئی افسر رشوت لے کر کسی بے قصور کو سزا دلا دے یا کوئی کلرک رشوت لے کر کسی حقدار کا حق اپنے کسی عزیز کو دلوادے اور حقدار کو کھردم کر دے تو یہ ایسا ناجائز کام ہے جس میں خیر کا کوئی پہلو نہیں ہے سو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے افراد ایسا فساد کرتے تھے جس میں اصلاح ننگی اور خیر کا کوئی پہلو نہیں ہوتا تھا۔

حضرت صالح علیہ السلام سے دلیل کا مطالبہ

حضرت صالح علیہ السلام نے جب اپنی قوم سے یہ کہا کہ تم حد سے تجاوز کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے تو ان کی قوم نے جواب دیا: تم صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا ہوا ہے سو مسخر اس شخص کو کہتے ہیں جس پر بہت زیادہ جادو کیا گیا ہو حتیٰ کہ اس کی عقل بالکل مغلوب ہو جائے اور مسخر اس شخص کو بھی کہتے ہیں جس کے پیٹ کے اوپر کا بھرا ہوا ہو۔ یعنی تم ان لوگوں میں سے ہو جن کا کام صرف کھانا چننا ہوتا ہے۔

پھر انہوں نے کہا تم صرف ہماری مثل بشر ہو ان کا مطلب یہ تھا کہ تم تو ہماری طرح ہو تم کسی بھی طرح ہو سکتے ہو؟ ان کا یہ قول اسی طرح تھا جس طرح کفار ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام کے متعلق کہا کرتے تھے کہ اگر یہ اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہوتے تو فرشتوں کی جس سے ہوتے اور اس قول کا دوسرا حمل یہ ہے کہ تم تو ہماری مثل بشر ہو پھر تمہیں اپنی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل پیش کرنی چاہیے تھی حضرت صالح علیہ السلام نے کہا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: صالح نے کہا یہ اونٹنی ہے ایک دن اس کے (پانی) پینے کا ہے اور ایک (مقرورہ) دن تمہارے پانی پینے کا ہے سو تم اس کے ساتھ کوئی برائی نہ کرو نہ بڑے دن کا عذاب تم کو پکڑ لے گا سو پھر بھی انہوں نے اس کی کوئی بات دیں پس وہ بچھڑائے سو ان کو عذاب نے پکڑ لیا ہے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے سو بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے بہت رحم فرمانے والا ہے (اشعراء: ۱۵۹-۱۵۵)

حضرت صالح کا چٹان سے اونٹنی نکال کر دکھانا

روایت ہے کہ انہوں نے کہا ہم یہ جانتے ہیں کہ اس چٹان سے ایک دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکلے اور وہ فوراً ایک بچہ جن دے۔ حضرت صالح علیہ السلام بیٹہ کران کے اس مطالبہ پر غور کرنے لگے تب ان سے حضرت جبریل علیہ السلام نے آ کر کہا: آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ اس پتھر سے اونٹنی نکال دے تو اس چٹان سے ایک اونٹنی نکلے اور ان کے سامنے آ کر بیٹھ گئی اور فوراً اس سے ایک بچہ پیدا ہو گیا۔ (تفسیر کبیرہ ص ۵۲۵ تا ۵۲۶) (اشعراء: ۱۵۵-۱۵۴)

امام عبدالمؤمن بن محمد بن ابی حاتم متوفی ۳۴۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ جوک میں گئے ہوئے تھے تو آپ نے مقام جبر میں پہنچ کر فرمایا اے لوگو! اپنے نبی سے دلائل اور معجزات کا مطالبہ نہ کیا کرو یہ قوم صالح ہے جس نے اپنے نبی سے یہ سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے دینی نشانی بھیجے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اونٹنی بھیج دی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم اللہ ۱۵۸۶۲)

حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قوم شمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا: اگر تم پہاڑوں میں سے ہو تو (اپنی نبوت پر) کوئی نشانی لاؤ۔ تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: تم اس پہاڑ کی طرف جاؤ تو وہ پہاڑ اچانک عائد عورت کی طرح پھول گیا پھر وہ پہاڑ چٹ گیا اور اس کے وسط سے اونٹنی نکلی۔ حضرت صالح نے ان سے فرمایا یہ اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے اس کو اللہ کی زمین میں چرنے پھٹنے کے لیے چھو دو۔ (رقم اللہ ۱۵۸۶۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اونٹنی بھیجی وہ اپنی باری پر ان کے راستے سے اپنا پانی پیتی تھی۔ اور جتنا وہ لوگ اس کے ٹانگہ کے دن پانی پیتے تھے اس سے اس دن تھوڑا دوہ لیتے تھے۔ پھر وہ لوٹ جاتی تھی۔ (رقم اللہ ۱۵۸۶۸)

امام محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو اونٹنی بطور نشانی نکالی تھی وہ قوم شمود کی زمین میں درختوں کو چرتی تھی اور پانی پیتی تھی۔ حضرت صالح نے ان سے کہا یہ اونٹنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے نشانی ہے اس کو اللہ کی زمین میں چرنے دو اور اس کو کوئی نقصان نہ پہنچانا ورنہ تم پر بڑے دن کا عذاب آئے گا۔ (رقم اللہ ۱۵۸۶۳)

حضرت عبداللہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قوم شمود کے قبیلہ میں ابو زمعدی شکل کی طرح کا ایک شخص تھا وہ اس اونٹنی کو قتل کرنے کے لیے اٹھا۔ (رقم اللہ ۱۵۸۷۵)

قوم شمود کا اونٹنی کو قتل کرنا اور ان کا عذاب سے ہلاک ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر بھی انہوں نے اس کی کوئی بھی کاٹ دیں پس وہ چھٹاے۔ (اشراۃ: ۵۷)

اس آیت میں ہے لعنواھا مقرر کا معنی ہے کوئی بھی کاٹنا پاؤں کے جو پھٹے پیچھے کی طرف اڑی کے پاس ہوتے ہیں ان کو کوئی بھی کہتے ہیں عرب میں یہ دستور تھا کہ جب اونٹ کو ذبح کرنا مقصود ہوتا تھا تو پہلے اس کی کوئی بھی کاٹتے تھے تاکہ وہ بھگ نہ جائے پھر اس کو کھر کرتے تھے یعنی اس کو کھرا کر کے اس کے سینہ کے بالائی حصہ پر نیزہ مارتے تھے یا ذبح کر دیتے تھے۔

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ وہ اس اونٹنی کی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے اور قدار اس کے راستے میں ایک چنٹا کی جڑ میں چھپا بیٹھا تھا اور مصدع دوسری جڑ میں چھپا ہوا تھا وہ اونٹنی مصدع کے پاس سے گزری اس نے تاک کر اس کو تیر مارا وہ تیر اس کی چنٹی کے گوشت میں جا کر بیست ہو گیا پھر قدار نے اس پر تلوار سے وار کیا اور اس کی کوئی بھی کاٹ ڈالیں وہ اونٹنی گر پڑی وہ چیخ چیخ کر اپنے بچے کو خبردار کر رہی تھی۔ پھر انہوں نے اس کے سینہ کے بالائی حصے پر وار کر کے اس کو کھر کر دیا اور اس کا بچہ چیخا ہوا پہاڑوں میں گم ہو گیا۔ حضرت صالح علیہ السلام ان کے پاس آئے تو دیکھا اونٹنی قتل کی جا چکی تھی وہ رونے لگے اور کہنے لگے تم نے اللہ کی حرمت کو پاہل کر دیا اب تم کو اللہ کے عذاب اور اس کی ناراضگی کی بشارت ہو!

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ ۱۵۸۷۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اپنے رب کی ناراضگی کی اور اس اونٹنی کی کوئی بھی کاٹ دیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ وعید سنائی کہ وہ اپنے گھر میں تین دن تک عیش کر لیں یہ اللہ تعالیٰ کی وعید تھی جو جھوٹی نہیں تھی پھر ایک زبردست چنگھاڑ آئی اور زمین کے مٹ رق اور مغارب میں جس قدر لوگ تھے وہ سب ہلاک کر دیے گئے سوا ایک شخص کے جو اللہ کے حرم میں تھا اس کو اللہ کے حرم سے عذاب سے بچا۔ آپ

ہمدرد

صباح الفراء

سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ وہ کون شخص تھا آپ نے فرمایا وہ ابوہریرہ تھا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ ص: ۱۵۸۷۹)
 ابن عطاء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اس کو سختی کو ذبح کر دیا تو حضرت
 صالح نے ان سے فرمایا تم پر عذاب آنے والا ہے انہوں نے پوچھا اس عذاب کی کیا علامت ہے؟ حضرت صالح نے فرمایا اس
 کی علامت یہ ہے کہ پہلے دن تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے اور دوسرے دن تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے اور
 تیسرے دن تمہارے چہرے سیاہ ہو جائیں گے پھر پہلے دن جب صبح ہوئی تو وہ ایک دوسرے کے چہرے کی طرف دیکھ رہے
 تھے اور وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے اسے فلاں شخص! تمہارا چہرہ سرخ کیوں ہو گیا؟ اور جب دوسرا دن ہوا تو ان کے
 چہرے زرد ہو گئے اور وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے اسے فلاں شخص! تمہارا چہرہ زرد کیوں ہو گیا؟ اور تیسرے دن ان
 کے چہرے سیاہ ہو گئے پھر وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ تمہارا چہرہ سیاہ کیوں ہو گیا؟ حتیٰ کہ ان کو عذاب کا یقین ہو گیا
 پھر انہوں نے خوشبو لگائی، کفن پہنے اور اپنے گھروں میں ٹھہر گئے۔ پھر حضرت جبریل نے ایک بیچ ماری جس سے ان کے
 جسموں سے ان کی رو جس نکل گئیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ ص: ۱۵۸۸۰)

حضرت صالح علیہ السلام پر بالغ ہونے کے بعد وحی نازل ہوئی اور ان کو حضرت حود علیہ السلام کے ایک سو سال بعد
 مبعوث کیا گیا تھا اور وہ دوسو بیس سال زندہ رہے۔ (روح البیان ج ۶ ص ۳۸۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۲۱ھ)
 قوم شمود کے نام ہونے کے باوجود ان پر عذاب آنے کی توجیہ

اشعراء: ۱۵۷ میں فرمایا ہے: انہوں نے اس کو سختی کی کوٹھیں کاٹ دیں پھر وہ بچھڑے اور نام ہوئے اس جگہ یہ اعتراض
 ہے کہ جب وہ نام ہو گئے تھے تو پھر ان پر عذاب کیوں نازل کیا گیا؟ اس کے دو جواب ہیں ایک جواب یہ ہے کہ ان کی
 ندامت تو بہ کرنے والوں کی ندامت نہ تھی بلکہ وہ ڈرنے والوں اور خوف زدہ لوگوں کی ندامت تھی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر
 ان کی ندامت تو بہ کرنے والوں کی ندامت بھی ہو تو وہ اس وقت نام ہوئے جب ان کا نام ہونا سود مند نہ تھا کیونکہ عذاب کا
 مشاہدہ اور معائنہ کرنے سے پہلے تو بہ مفید ہوتی ہے اور انہوں نے عذاب کا مشاہدہ اور معائنہ کرنے کے بعد تو بہ کی تھی قرآن
 مجید میں ہے:

وَكَيْسَتِ النَّفْسُ الْبَازِيَّةُ يَوْمَئِذٍ يَوْمَئِذٍ يَوْمَئِذٍ يَوْمَئِذٍ
 حَتَّىٰ إِذَا احْتَرَسْتُمْ أَنَّ هُوَ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي بُدِّلْتُ
 وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كَغَارٍ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ
 لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (النمل: ۱۸)

ان لوگوں کی تو بہ قبول نہیں ہوتی جو بڑے کام کرتے رہے
 ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آ جاتی ہے تو وہ کہتا
 ہے کہ میں نے اب تو بہ کر لی اور نہ ان لوگوں کی تو بہ قبول ہوتی ہے
 جو حالت کفر میں مر جاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے
 دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۵

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۷ھ روایت کرتے ہیں:
 حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قوم عاد کے سواروں اور پیادوں نے عدن سے لے کر عمان تک کے
 علاقے کو گھرا ہوا تھا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی فرمائی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا تو ان کی وراثت کو میری ان دو جوتیوں
 کے بدلہ میں بھی کون خریدے گا۔ پھر وہ خود کہتے کہ کوئی نہیں خریدے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ ص: ۱۵۸۸۲)
 علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد بکلی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ان کی ندامت سے ان کو اس لیے فائدہ نہیں ہوا کیونکہ انہوں نے ندامت کے باوجود تو نہیں کی بلکہ جب ان کو عذاب

بچتیں ہو گیا تو پھر حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کے لیے انہیں ڈھونڈتے پھر رہے تھے ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ وہ ٹوٹنی کی ٹوٹتیں کاٹنے پر تادم نہیں تھے بلکہ اس پر تادم تھے کہ انہوں نے ٹوٹنی کے ساتھ ہی اس کے بچہ کو بھی کیوں قتل نہیں کر دیا اور اس کو کل کر بھاگنے کا موقع کیوں دیا لیکن یہ جواب بعید ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان میں سے اکثر لوگ ایمان لائے والے نہ تھے ۵ (اشعراء: ۱۵۸)

قوم عاد میں سے مردوں اور عورتوں کو مار کر دو ہزار آٹھ سو افراد ایمان لائے تھے ایک قول یہ ہے کہ چار ہزار آدمی ایمان لائے تھے کعب احبار نے کہا حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے بارہ ہزار قبیلے تھے اور ہر قبیلہ میں عورتوں اور بچوں کے سوا بارہ ہزار مرد تھے اور قوم عاد ان سے چھ گنا زیادہ تھی۔ (المناہج لا حکام القرآن ج ۳ ص ۱۳۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم اور اس کے قہر و غلبہ کے آثار اور تقاضے

اس کے بعد فرمایا: بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے بہت رحم فرمانے والا ۵ (اشعراء: ۱۵۹)

آپ کا رب ہی غالب ہے یعنی قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی جو کذب یہ تھی ان کا انتقام لینے کے لیے وہ بہت غالب ہے نہیں اس نے ان کو عذاب میں مبتلا کر کے نیست و نابود کر دیا اس لیے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس کے غضب سے ڈرتے رہنا چاہیے تاکہ وہ بھی اسی عذاب میں نہ گرفتار ہو جائیں جس عذاب میں پہلی کذب کرنے والی اقوام ہلاک ہو گئی تھیں۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ بہت رحم فرمانے والا ہے کہ وہ بغیر اتحقاق کے عذاب نازل نہیں کرتا اور اتحقاق ثابت ہونے کے بعد بھی تو یہ کاموقع فراہم کرنے کے لیے ڈھیل دیتا رہتا ہے۔

یہ قرآن ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور اس میں انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کے قصص بیان کیے گئے تاکہ ہم ان واقعات سے عبرت حاصل کریں سو جس نے اس قرآن کو چھوڑ دیا اور اس کے احکام پر عمل نہیں کیا اس کو کل آخرت کے دن انفس اور عداوت ہوگی جب اس کو عذاب کا سامنا ہوگا سو انسان کو چاہیے کہ وہ ان مثالوں سے عبرت حاصل کرے اور ایمان لائے اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنے کو اپنے لیے باعث عار نہ بنائے اور ناکوار اختیار نہ کرے۔

جو شخص پہ غور سننے والا ہو اور اس کا دل گداز ہو وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی طرف متوجہ اور راض ہوگا اور اللہ عزوجل کے جلال اور قہر سے خوف زدہ ہوگا اور دن اور رات کے اکثر اوقات میں اللہ جل شانہ کو یاد کرے گا اور خلوت اور جلوت میں اللہ تعالیٰ کا یہ کثرت ذکر کرے گا۔

حکایت ہے کہ دوران سفر شلی قدس سرہ نے ایک نوجوان کو دیکھا جو اللہ کا بہت ذکر کر رہا تھا اور وہ اللہ اللہ کہہ رہا تھا شلی نے کہا بغیر علم کے تمہیں اللہ اللہ کہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین بھی اللہ کو مانتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

وَلَكِنْ سَأَلَكُمْ عَنْ شَعَلَةٍ مِّنْ يَّعْقُولُونَ ۖ إِنَّ اللَّهَ

اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے۔ (الزخرف: ۸۷)

اس نوجوان نے پھر دس مرتبہ اللہ کہا اور بے ہوش ہو کر گر گیا اور اس حالت میں اس کی جان نکل گئی شلی نے آ کر دیکھا تو اس کا سینہ پھٹ چکا تھا اور اس کے جگر پر اللہ کا لفظ نقش تھا پھر ایک منادی نے ندا کی اے شلی ایہ عین میں سے تھا اور عین بہت کم ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے عارفین کے دلوں کو پیدا کیا اور ان کو معرفت اور یقین سے بھر دیا اور ان کی روح میں ذکر حق داخل کر دیا جس طرح غاقوں کے دلوں میں نسیان کو پیدا کر دیا اور ان کو ایسے کاموں پر اصرار کرنے میں رہنے دیا جس کی

ہج سے وہ جسمانی اور روحانی عذاب میں مبتلا رہتے ہیں انزل الذکر قلوب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار ہیں اور جہاں اللہ تعالیٰ کے قہر اور غلبہ کے آثار ہیں انہیں اللہ کی طرف وحی ہدایت پہنچاتے ہیں جو اس کے قرب اور وصال کے اصل ہوتے ہیں اور وحی لوگ اس کی راہ سے پہنچتے ہیں جو اس کے قہر اور غضب کے متعلق ہوتے ہیں تو اس کریم اور رحیم سے ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اس بڑے دن کے عذاب سے محفوظ رکھے جس دن کوئی مال نفع دے گا نہ اولاد کسی کام آئے گی نہ وہ شخص جو اللہ کے پاس قلوب سیم لے کر گیا ہو۔ (روح البیان ج ۶ ص ۳۸۹-۳۹۵ مخلصا معہہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۳۱ھ)

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطُ

لوٹ کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی ۱۶۰ جب ان سے ان کے ہم قوم لوط نے کہا

أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ

کیا تم نہیں ڈرتے؟ ۱۶۱ بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں ۱۶۲ سو تم اللہ سے ڈرو

وَأَطِيعُوا أَمْرِي وَالْأَمْرَ إِلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجَرْتُ إِلَّا عَلَىٰ

اور میری اطاعت کرو ۱۶۳ اور میں تم سے اس (تبلغ دین) پر کوئی اجر نہیں کرتا میرا اجر تو صرف

رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾ أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُونَ

رب العالمین پر ہے ۱۶۴ کیا تم جہاں والوں میں سے مردوں کے پاس آتے ہو؟ ۱۶۵ اور تمہارے رب نے

فَخَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَرْوَاحِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَعْلَمُوا ﴿١٦٦﴾ قَالُوا

تمہارے لیے تمہاری بیویوں میں جو چیز پیدا کی ہے اس کو چھوڑ دیجئے ہوا بلکہ تم لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہو ۱۶۶ انہوں

لَيْنَ لَّمْ تَنْتَهِ يَلُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ﴿١٦٧﴾ قَالَ إِنِّي لَعَلِّكُمْ

نے کہا ہے لوط! اگر آپ باز نہ آئے تو آپ ضرور ان لوگوں میں سے ہو جائیں گے جن کو کبھی سے نکال دیا گیا ہے ۱۶۷ لوط نے کہا میں تمہارے

قِنَ الْقَالِينَ ﴿١٦٨﴾ رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٩﴾ فَجَنَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ

کام کی وجہ سے تم سے سخت ناراض ہوں ۱۶۸ اے میرے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کی بدکاریوں سے نجات دے دے ۱۶۹ سو ہم نے ان

أَجْبَعِينَ ﴿١٧٠﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَرْنَا الْأَخْرِينَ ﴿١٧٢﴾ وَ

کو اور ان کے تمام گھر والوں کو نجات دے دی ۱۷۰ سوا ایک بوڑھی عورت کے جو باقی رہنے والوں میں سے تھی ۱۷۱ پھر ہم نے دوسروں کو

اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۱۷۵﴾ اِنْ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةٌ

ہلک کر دیا ۱۷۵ سورہ نم نے ان پر چٹروں کی بارش کی سوجھ بوجھ کو عذاب سے ڈرایا جا چکا تھا ان پر کسی بری بارش بھی ۱۷۵ ہے شک

وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۷۶﴾ وَإِنْ مَّا بَلَكَ لَهْوَ الْعَزِيزِ

اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے ۱۷۶ ہے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے

الزَّحِيْمُ ﴿۱۷۷﴾

بہت رحم فرمانے والا ۱۷۷

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لوط کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی ۱۷۵ جب ان سے ان کے ہم قوم لوط نے کہا کیا تم نہیں درتے ۱۷۶ ہے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں ۱۷۷ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ۱۷۸ اور میں تم سے اس (تخلیق دین) پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا میرا جزو صرف رب العالمین پر ہے ۱۷۹ کیا تم جہان واپس میں سے مردوں کے پاس آتے ہو ۱۸۰ اور تمہارے رب نے تمہارے لیے تمہاری بیویوں میں جو چیز پیدا کی ہے اس کو چھوڑ دیتے ہو! بدتم لوگ عد سے تجاوز کرنے والے ہو ۱۸۱ (اشرار: ۱۶۶-۱۶۷)

حضرت لوط علیہ السلام کی اہل سدوم کی طرف بعثت

انجیا، عظیم السلام کے بیان کیے ہوئے قصص میں سے یہ چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم سے مراد اہل سدوم اور ان کے قبضین ہیں۔ انہوں نے حضرت لوط حضرت ابراہیم اور ان سے پہلے تمام نبیوں اور رسولوں کی تکذیب کی تھی اشرار: ۱۶۱ میں حضرت لوط کو اس قوم کا بھائی فرمایا ہے یہاں بھائی کا معنی ہم قید نہیں ہے جیسا کہ بعض مترجمین نے لکھا ہے کیونکہ حضرت لوط باہر سے اس علاقہ میں آئے تھے ان کا تعلق ان کے نسب سے تھا ان کے وطن سے تھا یہاں پر بھائی کا اطلاق صرف مشفق کے معنی میں کیا گیا ہے کیونکہ بھائی بھائی پر شفیق اور مہربان ہوتا اور حضرت لوط علیہ السلام بھی اس قوم پر مشفق اور مہربان تھے۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر القوافی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام کا نام ہے لوط بن حاران بن تارخ حاران حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے بھائی تھے اور حضرت لوط حضرت ابراہیم کے بیٹے تھے۔

حسان بن علی نے بیان کیا ہے کہ نبی (عراقوں کی ایک قوم) کے بادشاہ نے حضرت لوط اور ان کے اہل پر حملہ کر کے ان کو قید کر لیا۔ پھر حضرت ابراہیم نے حضرت لوط کو چھڑانے کے لیے اس سے جنگ کی اور حضرت لوط اور ان کے اہل کو چھڑا لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ نبیوں کے سوا تمام انجیا، حضرت یعقوب کی نسل سے ہیں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل حضرت ابراہیم حضرت اسحاق حضرت یعقوب حضرت لوط حضرت حمود حضرت شعیب حضرت صالح اور حضرت نوح عظیم السلام۔ (اس پر یہ اطلاق ہوگا کہ ان میں کئی انجیا، عظیم السلام کا ذکر نہیں ہے)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت لوط علیہ السلام نے بعد جس نے اپنے

اہل و عیال کے ساتھ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کی وہ عثمان (بن عفان) ہیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۵ ص ۵۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کو رسول بنانے کے بعد حضرت سارہ کا جو واقعہ حضرت حاجر کے ساتھ ہوا اس کے بعد حضرت سارہ کے دل میں اولاد کی خواہش ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو ارض مقدس کی طرف بھیجا اور حضرت لوط علیہ السلام کو السملو لفسکات (انٹی ہوئی بستیوں) کی طرف بھیجا اور حضرت لوط علیہ السلام کی چار بستیاں تھیں۔ سدوم، امورا، عامورا اور ممبرا اور ہر بستی میں ایک لاکھ جنگجو تھے اور ان کی کل تعداد چار لاکھ تھی اور ان کا سب سے بڑا شہر سدوم تھا حضرت لوط علیہ السلام اس بستی میں مبعوث کیے گئے تھے اور یہ شہر بھی السملو لفسکات میں سے تھا یہ شام اور فلسطین کے شہروں سے ایک دن کی مسافت پر تھا حضرت ابراہیم خلیل الرحمن حضرت لوط بن حارثان کے چچا تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت لوط کی قوم کو نصیحت کرتے تھے۔ ان کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل دی ہوئی تھی۔ انہوں نے شرم و حیا کے قلاب پھاڑ دیے تھے اور حرام کاری شروع کر دی تھی۔ اور بہت بڑی بے حیائی کا ارتکاب کرتے تھے حضرت ابراہیم دروازہ گوش پر سوار ہو کر قوم لوط کے پاس گئے اور ان کو نصیحت کی انہوں نے اس نصیحت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اس کے بعد وہ سدوم کی طرف جاتے اور اس کو دیکھ کر کہتے: اے سدوم اب اللہ کی طرف سے تیرا کون سا دن ہے؟ میں تمہیں ان کاموں سے منع کرتا ہوں تاکہ تم اللہ کے عذاب کے مستحق نہ بنو۔ اللہ بیٹ

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۵ ص ۵۳۸-۵۳۹ (مختصاً) مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۱ھ)

علامہ عبدالرحمان بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام اپنے ہم محترم حضرت ابراہیم پر ایمان لائے تھے اور ان کی اتباع کرتے تھے اور انہوں نے حضرت ابراہیم کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی تھی پھر وہ مصر چلے گئے اس کے بعد پھر لوٹ کر شام کی طرف آئے پھر حضرت ابراہیم فلسطین میں ٹھہر گئے اور حضرت لوط اردن چلے گئے اس وقت حضرت ابراہیم کی نصف عمر گزر چکی تھی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط کو احمل سدوم کی طرف رسول بنا کر بھیج دیا احمل سدوم کا فر تھے اور مردم پرستی میں مبتلا تھے اور حضرت لوط علیہ السلام ان کو کفر اور بے حیائی کے کاموں سے روکتے تھے اور منع کرتے تھے۔ (المختصر ج ۵ ص ۷۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۵ھ)

جنسی اعضاء اور جنسی عمل کا ذکر اشارہ اور کنایہ سے کرنے کی تلقین

اس کے بعد ذکر ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے احمل سدوم سے کہا: کیا تم جہان والوں میں سے مردوں کے پاس آتے ہو؟ (اشعر: ۱۶۵)

اس سے مراد یہ ہے کہ تم مردوں سے اپنی جنسی خواہش پوری کرتے ہو جنسی خواہش پوری کرنے کو کنایہ آنے سے تعبیر فرمایا ہے جس طرح اس آیت میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَحْزَنُوْا لَكُمْ اَنْ يَّخْلُقَ
تمہاری یہ یاں تمہاری نکیتیاں ہیں تم اپنی نکیتیاں میں جس طرح سے چاہو آؤ۔ (البقرہ: ۲۳۳)

یہاں بھی نکیتیاں سے مراد اپنی یہ یوں سے جماع کرنا ہے جس کو کنایہ نکیتیاں میں آنے سے تعبیر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جنسی خواہش پوری کرنے کو الفاظ میں بیان کرنا ہو تو کھلے کھلے لفظوں میں ذکر کرنے کے بجائے اشارے اور کنایہ میں اس کا ذکر کرنا چاہیے اور شرم و حیا اور حجاب کو قائم رکھنا چاہیے۔

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ تم اولاد آدم میں سے مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو حالانکہ ان کے شہر میں عورتیں بہت زیادہ تھیں، ہم سورۃ الاعراف میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ انہیں نے ان کو اس غیبت عمل کی تعلیم دی تھی اور وہ اس شہر میں آنے والے مسافروں کو پکار کر ان کے ساتھ یہ غیبت عمل کیا کرتے تھے۔
عورتوں سے عمل معکوس کرنے کی ممانعت

اس کے بعد فرمایا: اور تمہارے رب نے تمہارے لیے تمہاری بیویوں میں جو چیز پیدا کی ہے اس کو چھوڑ دیتے ہو!

(اشعر ۱۶۶)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اشارہ اور کنایہ سے کلام فرمایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کے جس عضو کو اس مقصد کے لیے بنایا ہے وہ اس عضو کی بجائے اس کے پچھلے عضو میں دخول کرتے تھے اور عمل معکوس کرتے تھے۔
 مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا تم عورتوں کی نعل (اندام نہانی) کو چھوڑ کر مردوں اور عورتوں کی پشت میں دخول کرتے ہو (جامع البیان رقم اللہ ہے: ۲۰۳۳ دار الفکر بیروت) تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ ہے: ۱۵۸۸۷ مکتبہ زار مصطفیٰ کٹرہ) علامہ قسطلانی علامہ قرطبی علامہ اسماعیل حقی اور علامہ آلوسی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں اسی طرح لکھا ہے۔

احادیث میں بھی عورتوں کے ساتھ عمل معکوس کرنے کی مذمت کی گئی ہے:

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۵۵ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو صحرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قوم لوط مردوں کے ساتھ یہ عمل کرنے سے چالیس سال پہلے عورتوں کے ساتھ یہ عمل کرتی تھی۔

طاؤس سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص عورت کی سرین (پچھلی جانب) میں یہ عمل کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا یہ اس کا کفر ہے۔ قوم لوط نے اس عمل کی ابتداء کی تھی پہلے وہ عورتوں کے ساتھ یہ عمل کرتے تھے پھر مردوں کے ساتھ یہ عمل کرنے لگے۔ (تابع دمشق الکبریٰ ج ۵ ص ۲۳۶ مطبوعہ دار البیان بیروت ۱۳۲۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر (رحمت) نہیں کرتا جو اپنی بیوی کی پچھلی جانب میں جماع کرتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم اللہ ہے: ۲۱۶۲ سنن ابن ماجہ رقم اللہ ہے: ۱۶۳۳ مصنف میرزا رفیع رقم اللہ ہے: ۲۰۹۵۲ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۵۳ مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۶ سنن دارقطنی رقم اللہ ہے: ۱۱۵۵ سنن کبریٰ المصنوع ج ۵ ص ۱۶۸ شرح السنن رقم اللہ ہے: ۳۲۹۶)

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا بے شک اللہ حق بات سے حیا نہیں فرماتا تم عورتوں کی پچھلی جانب میں دخول نہ کرو۔

(سنن ابن ماجہ رقم اللہ ہے: ۱۶۳۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۵۳ مسند احمد ج ۵ ص ۲۱۳ سنن الدار قطنی رقم اللہ ہے: ۱۱۵۵ سنن کبریٰ المصنوع ج ۵ ص ۱۶۸ سنن ابی داؤد رقم اللہ ہے: ۲۱۶۲ صحیح ابن حبان رقم اللہ ہے: ۳۲۹۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اس مرد کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرماتا جو کسی مرد یا عورت کی دیر (مقعد سرین) میں دخول کرے۔

(سنن ابی داؤد رقم اللہ ہے: ۱۱۶۵ مسند ابی یعلیٰ رقم اللہ ہے: ۲۲۵۸ صحیح ابن حبان رقم اللہ ہے: ۳۲۹۸ اکمال الدین ج ۳ ص ۱۱۳۰) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کی دیر (ہوا)

خارج ہو تو وہ دشمن کرے اور تم عورتوں کی بچگی جانب میں نہ آؤ۔

(سنن ابی داؤد رحمہ اللہ ج: ۱ ص: ۱۶۶، مسند ابی یوسف رحمہ اللہ ج: ۲ ص: ۲۷۸، مسند ابی حنبلہ رحمہ اللہ ج: ۳ ص: ۱۳۳)

عمل قوم لوط کی سزا

اس کے بعد حضرت لوط نے فرمایا: جلد تم لوگ حد سے تجاوز کرتے ہو یعنی یوں تو تمام معاملات میں حد سے تجاوز کرتے ہو اور خصوصیت کے ساتھ جنسی عمل میں حد سے تجاوز کرتے ہو۔

عمل قوم لوط کی سزا میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ نے فرمایا اس پر تعزیر لگائی جائے گی اور اس پر حد نہیں ہے۔ امام مالک نے کہا: قتل اور مفلوج دونوں کو رجم (ستار پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا) کرنا واجب ہے، خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک اس کی وہی سزا ہے جو زنا کی ہے، ان کے نزدیک یہ فعل عین زنا تو نہیں مگر زنا کے مثل ہے۔ اس کی تفصیل ہم نے الاعراف: ۸۰ میں بیان کر دی ہے، دیکھیے تہیان القرآن ج: ۳ ص: ۲۱۹-۲۱۷ اور اس فعل کی قدرتی سزا یہ ہے کہ قوم لوط کا قتل کرنے والا ایذا کی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ انسان کے خون میں جو سفید طلیہ ہوتے ہیں وہ کسی بھی بیماری کے خلاف مزاحمت اور مدافعت کرتے ہیں ایذا کی بیماری میں یہ سفید طلیہ ختم ہو جاتا ہے جس اور انسان کے جسم میں یہ ریس کے خلاف جو مدافعت کا طبی نظام ہے وہ مردہ ہو جاتا ہے۔ پھر انسان کو جو بھی بیماری ہو وہ ختم نہیں ہوتی اور اس کا ہر مرض لا علاج ہوتا ہے ابھی تک ایذا کا صحیح علاج دریافت نہیں ہو سکا۔

قوم لوط کی بری خصلتیں

امام ابو القاسم علی بن الحسن بن حبیب اللہ ابن ہشام کرتوفی ۱۷۵ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین خصلتوں کے سوا قوم لوط کی تمام خصلتیں مٹ چکی ہیں، تمواروں کے نطف کو کھینچنا، ناشوں کو رنگن اور شرمگاہی کرنا۔ (تاریخ دمشق المکبر رحمہ اللہ ج: ۴ ص: ۱۱۷)

حضرت ابوالحسن ہاشمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قوم لوط دس خصلتوں کی وجہ سے پہچانی جاتی تھی، کبوتروں سے کھانا، ٹھیل بازی کرنا، سیٹیاں بجانا، مجلس میں ٹکڑے پھینکنا، سر کے بال سیدھے سنوارنا، دنداں لگانا، چادر کو ٹکٹوں سے بچے لگانا، اچھٹوں کو بند کرنا، مردوں سے خواہش پوری کرنا اور دامن شراب چننا اور یہ امت ایک اور برائی کا اضافہ کرے گی۔ عورتیں عورتوں سے جنسی خواہش پوری کریں گی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ٹھیل بازی، سیٹیاں بجانا، ٹکڑے پھینکنا اور دنداں چھاننا قوم لوط کے برے اخلاق میں سے ہیں۔ حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قوم لوط دس خصلتوں کی وجہ سے ہلاک کی گئی اور میری امت ان سے ایک کام زیادہ کرے گی، مرد مردوں سے جنسی عمل کرتے تھے، ٹھیل سے ننانہ لگاتے تھے، مجلس میں ٹکڑے پھینکتے تھے، کبوتر بازی کرتے تھے، دف بجاتے تھے، شراب (انگوڑی شراب) پیتے تھے، داڑھی کاٹتے تھے، مونچھیں لمبی رکھتے تھے، سیٹیاں بجاتے تھے، تالی پیتے تھے، ریشم پہنتے تھے اور میری امت ان سے ایک کام زیادہ کرے گی۔ عورتیں عورتوں سے جنسی خواہش پوری کریں گی۔ (تاریخ دمشق المکبر رحمہ اللہ ج: ۴ ص: ۱۱۷)

حضرت ام حانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق پوچھا:

وَمَا تَفْخَرُ فِي تَابِؤَيْكُمُ اللَّيْلُ لَكُمْ (انکسوت ۲۹) تم اپنی تمام مجلسوں میں برے کام کرتے ہو۔

میں نے پوچھا یہ بتائیے وہ کیا برے کام کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا وہ راستہ میں جانے والوں کو ٹکڑے مارتے تھے اور ان کا مذاق

الذین یحییون (۱۰۰)

کی ہیں وہ دونوں نیک بندے ان سے لوط کے طلب کو باطل
نہ کر سکے اور ان (عورتوں) سے کہا جائے گا کہ عورتوں کو
دور رخ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

اس آیت میں حضرت لوط اور حضرت نوح کی بیویوں کی خیانت کا ذکر کیا گیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے:
امام ابو القاسم علی بن حسن بن حبیب اللہ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان عورتوں نے زنا نہیں کیا تھا لیکن حضرت نوح کی بیوی لوگوں
کو جا کر یہ بتاتی تھی کہ حضرت نوح بھٹوں اور دیوانے ہیں اور حضرت لوط کی بیوی لوگوں کو جا کر بتا دیتی تھی کہ آج حضرت لوط
کے پاس مہمان آئے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اپنے گھر کی چھت پر چڑھی اس نے
اپنے کپڑے سے اشارہ کیا تو فاسق لوگ اس کے پاس بھاگتے ہوئے آئے اور اس سے پوچھا تمہارے پاس کوئی خبر ہے؟ اس
نے کہا ہاں! اے شک اللہ کی قسم ہمارے پاس ایسے حسین و جمیل مہمان آئے ہیں اور ان سے ایسی اچھی خوشبو آ رہی ہے میں نے
ایسے لوگ ساری رات نہ سوتے دیکھے۔

اشرف خراسانی بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا۔

(تاریخ دمشق، تفسیر رقم اللہ ج ۱ ص ۳۳۵-۳۳۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۱ھ)

امام ابو القاسم علی بن الحسن بن حبیب اللہ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
قد وہ بیان کرتے ہیں کہ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے وہ اس وقت کوئی کام کر رہے تھے انہوں نے کہا ہم
آج رات آپ کے پاس مہمان رہیں گے۔ حضرت لوط ان کو ساتھ لے کر اپنے گھر کی طرف چل پڑے۔ حضرت لوط نے رات
میں ان کی طرف مڑ کر فرمایا: کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ اس بستی کے لوگ کس طرح کے کام کرتے ہیں! اقامت دوئے زمین میں ان
سے زیادہ برے کام کرنے والا اور کوئی نہیں ہے حضرت لوط نے یہ بات ان سے نہیں یاد رکھی اور ان فرشتوں سے یہ کہا گیا تھا کہ
ان کو اس وقت تک عذاب نہ دیں جب تک کہ تمہیں ہمارے ان کے خلاف شہادت نہ حاصل کر لیں۔ جب وہ فرشتے حضرت لوط کے
گھر داخل ہوئے تو وہ کافروں بوزعمی اپنی قوم کے پاس گئی اور ان کو حضرت لوط کے گھر کے دروازے پر لے آئی ایک فرشتہ اٹھا اور
اس نے پوری قوت کے ساتھ دروازہ کو بند کر دیا۔ حضرت جبریل نے ان کو عذاب دینے کے لیے اپنے رب سے اجازت طلب
کی اللہ تعالیٰ نے ان کو اجازت دے دی پھر حضرت جبریل نے ان کے اوپر اپنا پر مارا جس سے وہ اندھے ہو گئے اور انہوں نے
بہت بری حالت میں رات گزار دی پھر فرشتوں نے حضرت لوط سے کہا:

قَالُوا لِنُوطُ إِنَّا نَمْلِكُ لَكَ رَحْمَةً لَّنْ نَّبْعِثَ إِلَيْكَ كَلْبًا
بِأَهْلِكَ يَقْطَعُ عَنْ يَدَيْهِ وَلَا يَمْلِكُ مِنْكَ أَحَدٌ وَلَا نَمْلِكُ
إِنَّا مُصِيبُهُ أَمَّا أَصَابُهُمْ ط (عمر: ۸۱)

فرشتوں نے کہا: اے لوط! ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے
ہیں یہ لوگ آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے آپ رات کے ایک حصے
میں اپنے گھر والوں کے ساتھ یہاں سے روانہ ہو جائیں اور آپ
میں سے کوئی شخص مڑ کر نہ دیکھے البتہ اپنی بیوی کو ساتھ نہ لیں۔
شک اس کو (بھی) وہی (عذاب) پہنچنے والا ہے جو انہیں پہنچے گا۔

قرآن کہتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ اس بوزعمی عورت نے ایک آواز سنی تو اس نے اس آواز کی طرف مڑ کر دیکھا

اس کا ایک چمڑا کر لگا وہ اس وقت اپنی قوم سے الگ جگہ پر تھی۔ قتادہ نے کہا ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت جبریل نے اس جنتی کو درمیان سے پکڑ کر اٹھایا اور اس کو آسمان کی طرف لے کر چڑھے جتنی کسا آسمان والوں نے اس بہتی کے کنوئیں کی آوازیں سنیں حضرت جبریل نے اس بہتی کو پلٹ دیا اس کے اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کر دیا پھر ان پر لگا تا کہ ہر سانسے قتادہ نے کہا میں یہ حدیث پہنچی ہے کہ ان کی تعداد چار لاکھ تھی۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۳ ص ۳۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۲ھ)

حدود کے نفاذ کا رحمت ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اس میں ضرور نشتانی ہے (اشعراء: ۱۷۴) یعنی قوم لوط کو جو عذاب دیا گیا اس میں حدود والی نسلوں کے لیے عبرت کا سامان ہے تاکہ وہ اس قسم کی بدکاری اور ایسے قبیح فعل کے ارتکاب سے باز رہیں تاکہ ان پر بھی وہ عذاب نہ آ جائے جو قوم لوط پر آیا تھا پھر فرمایا اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے۔ اس بہتی میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کے سوا اور کوئی مومن نہیں تھا حضرت لوط علیہ السلام مومن تھے اور ان کی دو بیٹیاں اور ان کے داماد مومن تھے۔ (المائدہ: ۶۱، قرآن مجید ص ۳۳۳، روح البیان ج ۶ ص ۳۸۹)

پھر فرمایا بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے کہ وہ اپنے اور اپنے رسول کے دشمنوں سے انتقام لیتا ہے اور بہت رحم فرمانے والا ہے کہ وہ اپنے انبیاء اور اولیاء کی مدد فرماتا ہے اور کفار پر بھی بغیر حسیب کے عذاب نازل نہیں فرماتا اور ان کو ایمان لانے اور اصلاح کرنے کی مہلت دیتا ہے۔ اور عذاب کے تحقیق کو عذاب دینا بھی صالحین کے اوپر اس کی رحمت کا کمال ہے کیونکہ جس کے کسی عضو میں ناسور ہو جائے تو اس عضو کو کاٹ دینا ہی پورے جسم کی صلاح کا ضامن ہے اور یہ جہان بھی ایک جسم کی طرح ہے اور کفار اس جہاں میں اس عضو کی طرح ہیں جس میں ناسور ہو تو ان کفار کو عذاب سے ہلاک کر دینے میں پورے جہان کی سلامتی ہے اور اگر قہر اور غلبہ میں کوئی فائدہ نہ ہوتا تو حدود کو شروع نہ کیا جاتا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نسلوں کی زنجیری اور زنجی پیداوار کی بہتات سے زیادہ نفع حدود کے قائم کرنے میں ہے کیونکہ اگر نفاذ حدود کے ذریعہ معاصی فواحش اور جرائم کی روک تھام نہ کی جائے اور منکرات اور فواحش بڑھ جائیں تو پھر زمین میں پانی کے سوتے خشک ہو جاتے ہیں۔ فصلیں ویران ہو جاتی ہیں اور رزق میں کمی ہو جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ نے فرمایا: اے مہاجرین کی جماعت! جب تم پانچ چیزوں میں جٹا ہو تو ان کو پانے سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔ جب کسی قوم میں بے حیائی ظاہر ہو اور وہ اس کو مکمل کھلا کر نہ لگیں تو ان میں طاعون پھیل جاتا ہے اور وہ ان امراض میں جٹا ہو جاتے ہیں جو ان سے پہلے گذرے ہوئے نیک لوگوں میں نہیں تھے اور جو قوم ناپ اپور تول میں کمی کرتی ہے وہ قحط سالی شدید محنت اور مشقت اور بادشاہ کے ظلم میں جٹا ہو جاتی ہے اور جو لوگ اپنے اموال کی زکوٰۃ دینے سے منع کرتے ہیں ان سے آسمان کی بارش روک دی جاتی ہے اور اگر جانور نہ ہوتے تو ان پر بارش نہ ہوتی اور جو قوم اللہ اور اس کے رسول سے کیے ہوئے عہد کو توڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے اوپر اغیار کو مسلط کر دیتا ہے سو ان کی ساری پونجی کو وہ اغیار لوٹ کر لے جاتے ہیں اور جب تک مسلمانوں کے ائمہ اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کریں گے اور اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کو اختیار نہیں کریں گے تو اللہ ان کو آپس کی جنگوں میں جٹا کر دے گا۔ (اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں خالد بن حذافہ ضعیف راوی ہے لیکن اس کا مضمون صحیح ہے اور دیگر احادیث اس کی تائید ہیں۔) (سنن ابن ماجہ ص ۳۸۱ مطبوعہ دار احیاء ج ۸ ص ۳۳۳-۳۳۲)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت ضرور خمر (انگور

کی شراب) کا نام بدل کر اس کو چھتری رہے گی اور اس کے سروں پر آلات موسیقی بجتے رہیں گے اور گانے والوں کا گانہ نہیں کی جاتی کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے گا اور ان میں سے ہندو اور کھتری بٹا دے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۶۸۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۲۲۲ سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۶۵۵ سنن ابی نعیم رقم الحدیث ۳۳۰۰) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میری امت (قوم) کام کرے گی تو اس پر بادیں اور مصائب نازل ہوں گے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون سے کام ہیں؟ آپ نے فرمایا جب مل ٹھیکت کو (ذاتی) دولت بنایا جائے گا اور امانت کو مل ٹھیکت کو مل لیا جائے گا اور زکوٰۃ کو تاج بٹھا جائے گا اور مرد اپنی بیوی کی اطاعت کرے گا اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا اور اپنے دوست کے ساتھ نیکی کرے گا اور اپنے باپ کے ساتھ بدی کرے گا اور مسجد میں شریک پائے گا اور ذلیل آدمی کو قوم کا سردار بنادیا جائے گا اور کسی شخص کے شرے سے بچنے کے لیے اس کی عزت کی جائے گی اور شر (انگور کی شراب) پنی جائے گی اور ریشم پہنا جائے گا اور اس امت کے بچپلے لوگ اگلے لوگوں کو برائے کہیں گے تو ان کا منوں کے وقت سرخ آنکھوں اور زمین میں دھنسا دے جائے گا اور مسج کے جانے کا انتظار کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۶۸۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۲۲۲ سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۶۵۵ سنن ابی نعیم رقم الحدیث ۳۳۰۰) حضرت عمر بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت کے لیے زمین میں دھنسا دے گا اور آسمان سے پتھروں کا برت بھی ہوگا ایک مسلمان نے آپ سے پوچھا یا رسول اللہ! یہ کب ہوگا آپ نے فرمایا جب گانے والوں اور موسیقی کا حضور ہوگا اور شر (انگور کی شراب) پنی جائے گی۔ (اس حدیث کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے) (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۶۸۸)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر میں صرف نیکی سے اضافہ ہوتا ہے۔ اور عقدر (مطلق) کو صرف دعا ملتی ہے اور انسان تمہا ہوں کے ارتکاب کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۶۸۸) ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ فواحش، منکرات اور جرائم کے ارتکاب سے بد کمیں اور مصائب آتے ہیں زمین میں دھنسا دے گا کہ جسے رزق سے محرومی کے عذاب نازل ہوتے ہیں اس لیے حدود اور تعزیرات کو مشروع کیا گیا تاکہ ان کے ذرا اور خوف سے لوگ جرائم سے باز رہیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی ناراضگی سے بچیں۔ زمین میں لیے جرائم پر سزا دینا اور حد و دکان لڈ کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

علامہ اسامہ بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ۱۳ھ تکھتے ہیں کہ حضرت اور یس علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص ایک جگہ میں رہے جہاں کوئی قہر سلطان نہ ہو اور عادل قاضی نہ ہو اور طغیب عالم نہ ہو اور دوکان میں اور بازار نہ ہوں اور چار دیواری نہ ہو اس نے اپنے نفس کو اپنے اصل کو اپنے مال کو اور اپنی اولاد کو ضائع کر دیا۔ پس عقل والے پر لازم ہے کہ وہ اپنی طبعی خواہش سے احتراز کرے اور اپنی بری عادات کو ترک کرے اور تمام حالات میں خیر کے ساتھ اپنے نفس امارہ سے جیاد کرے۔ (ابن ابی شیبہ رقم الحدیث ۳۸۹۹ مسند ابی داؤد رقم الحدیث ۱۳۲۷)

کَذَّبَ أَصْحَابُ لَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا
أَحْسِبُ أَنَّكُمْ لَأَنْتُمْ الرُّسُلُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٧﴾

اصحاب الایکہ (سرہر جنگل والوں) نے رسولوں کی تکذیب کی ○ جب ان سے شعیب نے کہا کیا تم

تَتَّقُونَ ﴿۱۸۷﴾ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۸۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْا ؕ وَمَا

نہیں ڈرتے! ﴿۱۸۷﴾ بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں ﴿۱۸۸﴾ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ﴿۱۸۷﴾ اور میں

اَسْأَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجَرْتِیْ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۹﴾ اَوْفُوا

تم سے اس (مبلغ دین) پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا میرا اجر تو صرف رب العالمین پر ہے ﴿۱۸۹﴾ چاہے پورا

اَلْکَیْلُ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَرَبُّوْا بِالْقِسْطِ اِلَی الْمُسْتَقِیْمِ

بھر کر دو اور کم تولے والوں میں سے نہ بن جاؤ ﴿۱۹۰﴾ اور سچ ترازو سے تول کر دیا کرو ﴿۱۹۰﴾

وَلَا تَبْخَسُوْا النَّاسَ اَشْیَآءَہُمْ وَلَا تَعْتَوُوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۱۹۱﴾

اور لوگوں کی چیزیں کم نہ کرو اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے حد سے تجاوز نہ کرو ﴿۱۹۱﴾

وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالْحَبِیْۃَ الْاَوَّلٰیْنَ ﴿۱۹۲﴾ قَالُوْا اِنَّمَا اَنْتَ مِنْ

اور اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اور تم سے پہلے لوگوں کی پہلی (سرشت) کو پیدا کیا ہے ﴿۱۹۲﴾ انہوں نے کہا

اَلْمُسْحَرِیْنَ ﴿۱۹۳﴾ وَمَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ تُظَنُّکَ لَمِنْ الْکٰذِبِیْنَ ﴿۱۹۴﴾

تم صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا گیا ہے ﴿۱۹۳﴾ اور تم صرف ہماری مثل بشر ہو اور بے شک ہم تم کو ضرور جھوٹوں میں

فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا کِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۹۵﴾ قَالَ

سے گمان کرتے ہیں ﴿۱۹۴﴾ اگر تم بچوں میں سے ہو تو ہمارے اوپر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو ﴿۱۹۵﴾ شعیب نے کہا

رَبِّیْۤ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹۶﴾ فَکَذَّبُوْہُ فَاَخَذَہُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظَّلٰۃِ

میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ﴿۱۹۶﴾ سو انہوں نے شعیب کی تکذیب کر دی تو ان کو سائبان والے دن کے عذاب

اِنَّہٗ كَانَ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۹۷﴾ اِنِّیْ فِیْ ذٰلِکَ لَآیَۃٌ ؕ وَمَا کَانَ

نے پکڑ لیا بے شک وہ بہت بھاری دن کا عذاب تھا ﴿۱۹۷﴾ بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں اور ان میں سے

اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹۸﴾ وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُو الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۹۹﴾

اکثر ایمان لانے والے نہ تھے ﴿۱۹۸﴾ اور بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے نہایت رحم فرمانے والا ﴿۱۹۹﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اصحاب الایکہ (سرسبز جنگل والوں) نے رسولوں کی تکذیب کی جب ان سے شیعہ نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے! یہ شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں سو تم ڈرو اور میری اطاعت کرو ۵۰ اور میں تم سے اس (تخلیف دین) پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا میرا جزو صرف رب العالمین پر ہے ۵۱ (اشعراء: ۱۸۰-۱۷۶)

حضرت شعیب علیہ السلام کا تذکرہ

انبیاء علیہم السلام کے قصص میں سے ساتواں قصہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے۔

حافظ علی بن الحسن بن حبہ اللہ ان عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے حضرت شعیب کا نام اس طرح لکھا ہے:

شعیب بن یحییٰ بن عقیل بن مدین۔ (تاریخ دمشق المکبر ج ۵ ص ۲۸ مطبوعہ دارالایضاح بیروت ۱۳۲۱ھ)

حافظ ابوالفرج عبدالرحمان بن علی الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

ان کا نام شعیب بن یحییٰ بن عبد بن مدین بن ابراہیم ہے اکثر مؤرخین نے اسی طرح لکھا ہے اور بعض نے یہ کہا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے نہیں ہیں بلکہ یہ ان بعض لوگوں میں سے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے لیکن یہ حضرت لوط علیہ السلام کے نواسے ہیں ان کو دو استوں کی طرف مبعوث کیا گیا۔ اہل مدین اور اصحاب الایکہ مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کا گھر تھا اور ایک کا علاقہ مدین کے پیچھے تھا۔

علماء نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو تیس سال کی عمر میں مدین کی طرف مبعوث کیا یہ قوم تاپ اور قول میں کمی کرتی تھی۔ حضرت شعیب نے ان کو توحید کی دعوت دی۔ اور ان کو تاپ اور قول میں کمی کرنے سے منع کیا حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو بہترین جواب دیتے تھے اس لیے ان کو خطیب الانبیاء کہا جاتا تھا جب اہل مدین کی سرکشی بہت بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت گرمی کا عذاب بھیجا وہ گرمی سے ٹھہرا کر اپنے گھروں کو چھوڑ کر جنگل کی طرف نکل گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر ایک بادل بھیجا جس سے سورج سے ان کے اوپر سایہ کر لیا۔ اس سے ان کو ٹھنڈک اور لذت حاصل ہوئی پھر ان میں سے بعض نے بعض کو بلایا حتیٰ کہ سب اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کے اوپر ایک آگ بھیجی جس نے ان سب کو جلا ڈالا اور یہی یوم الظلہ (ساتھان کے دن) کا عذاب ہے۔

پھر حضرت شعیب نے باقی عمر اصحاب الایکہ کے ساتھ گذاری اور ان کو اللہ سبحانہ کا پیغام سناتے رہے اور ان کو اللہ پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کی دعوت دیتے رہے اور اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیتے رہے۔ لیکن ان کی دعوت کا اثر ان پر برعکس ہوا۔ ان کی سرکشی اور گمراہی بڑھتی رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی گرمی مسلط کر دی اور یہ ہو سکتا ہے کہ دو استوں پر ایک جیسا عذاب آیا ہو۔

قائد نے یہ کہا ہے کہ اہل مدین کو ایک چٹکھڑا نے جلاک کر دیا تھا اور اصحاب الایکہ پر سات دن تک مسلسل سخت گرمی مسلط کی گئی پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک آگ بھیجی جو ان کو کھانگی اور یہی یوم الظلہ کا عذاب ہے۔

(الفتح ج ۵ ص ۲۱۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۵۵ھ)

امام ابوالحسن علی بن ابی الکرم اصبہانی ابن الاثیر الجوزی المتوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ حضرت شعیب کا نام شعیب بن یحییٰ بن عقیل بن حبہ اللہ ان عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے حضرت شعیب کا نام اس طرح لکھا ہے: شعیب بن یحییٰ بن عبد بن مدین بن ابراہیم ہے ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام شعیب بن میکیل ہے اور وہ مدین کی اولاد سے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت ابراہیم کی اولاد سے نہیں ہیں وہ ان بعض لوگوں کی اولاد سے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور انہوں نے حضرت ابراہیم کے ساتھ شام

کی طرف ہجرت کی تھی لیکن وہ حضرت لوط کے نواسے ہیں اور حضرت لوط کی بیٹی حضرت شعیب کی بانی تھیں حضرت شعیب تاجنا تھے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے حضرت شعیب کی قوم نے ان سے کہا:

فَالْوَاۤءِلٰٓئِیۡنَیۡنِیۡ بِشَعِیۡبَ مَا نَفَقَہٗ کَثِیۡرًا مِّمَّا تَقُوۡلُ وَاِنَّا لَنَرٰکَ فِیۡنَا ضَعِیۡفًا (مور: ۱۹)

بھگتے اور بے شک ہم آپ کو اپنے درمیان بہت کمزور پاتے ہیں۔ (میں کہتا ہوں کہ اس آیت سے حضرت شعیب علیہ السلام کے تاجنا ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ ان کی قوم کا مشاء یہ تھا کہ آپ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے اس سے ان کے تاجنا ہونے پر شہری نہیں پڑتی۔ سعیدی غفرلہ)

حضرت شعیب علیہ السلام اس قوم کو کفر سے اور ناپ اور تول میں کمی کرنے سے ڈراتے تھے اور جب اس قوم پر کوئی اثر نہیں ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر یوم الظلہ کا عذاب نازل کر دیا۔ (اس کی تفصیل امام ابن جوزی کی عبارت میں گزر چکی ہے) اور قتادہ نے کہا ہے کہ حضرت شعیب کو دراستوں کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ اصل مدین کی طرف اور اصحاب الایمہ کی طرف اصحاب الایمہ گھنے جنگلوں میں رہنے والے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب دینے کا ارادہ کیا تو ان کو سخت گرمی میں مبتلا کر دیا۔ پھر ان پر ایک بادل چھا گیا وہ سب اس کے سائے میں جمع ہو گئے کیونکہ اس میں ان کو خشکد اور راحت ملی پھر اچے تک اس بادل سے ان پر آگ برسی شروع ہو گئی اور وہ سب جل کر خاکستر ہو گئے اور یہی عذاب یوم الظلہ ہے۔ اور رہے اصل مدین تو وہ مدین بن ابراہیم الکلیل کی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک زلزلہ اور اس کی پگھلاؤ سے ہلاک کر دیا تھا۔

بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت شعیب کی قوم نے اللہ کی حد کو معطل کر دیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں توسیع کر دی انہوں نے پھر حد کو معطل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر ان کے رزق میں توسیع کر دی۔ پھر پھر پھر رہا حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ان پر ایسی گرمی مسلط کر دی جو ان کی برداشت سے بڑھتی تھی ان کو تکلیف پہنچا دیا پھر انہوں نے پھر حد کو معطل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو آگ سے بھری دیا اور ان پر آگ برسنے لگی اور یہی یوم الظلہ (ساتھان والے دن) کا عذاب ہے۔ (اکال فی تاریخ ج ۱ ص ۸۹-۸۸ مسطورہ کتاب العربیہ ص ۱۳۰۰)

حافظہ حماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر حنفی ص ۳۷۷ سے نقل ہے:

اصل مدین مدین نام کے اس شہر میں رہتے تھے جو حجاز کی اس جانب آباد تھا جہاں اس کی سرحد شام سے ملتی ہے اس کے قریب بحیرہ قوم لوط تھا (یہ شہر فلج عقبہ کے شرعی اور غریبی ساحلوں پر آباد تھا اور یہ سارا علاقہ مدین کہلاتا تھا اور اس علاقے کے مرکزی شہر کا نام بھی مدین تھا اس شہر میں جو قبیلہ آباد تھا اس کا نام بھی مدین تھا)

امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں یہ حدیث درج کی ہے:

اسے ابو ذر اچھا نہیں عرب سے ہیں: حمود صالح شعیب اور تمہارے نبی۔ (صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۷۷)

اصل مدین کفار تھے راستوں میں ڈاکے ڈالتے تھے اور گزرنے والوں کو خوف زدہ کرتے تھے۔ اور الایمہ کی عبادت کرتے تھے اور الایمہ ایک درخت تھا اس کے گرد بہت گھنے جنگل تھے اور وہ لوگوں کے ساتھ بہت بد معاملہ تھے۔ ناپ اور تول میں کمی کرتے تھے۔ کسی سے کچھ لینا ہوتا تو زیادہ لیتے تھے اور دینا ہوتا تھا تو کم دیتے تھے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان میں حضرت شعیب کو اپنا رسول بنا کر بھیجا حضرت شعیب نے ان کو حکم دیا کہ تم صرف ایک اللہ کو معبود مانو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور ان کو ان کے برے کاموں سے منع کیا اور ان سے فرمایا کہ لوگوں کے ہاتھوں میں کمی کرنا چھوڑ دو راستے سے گزرنے والوں کو

پریشان نہ کرو ڈاکے نہ ڈالو ان میں سے بعض حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور اکثر نے کفر کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر خوف ناک عذاب بھیجا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اس قوم کو جو معجزات دکھائے تھے اور اپنی نیت اور رسالت پر جو معجزات پیش کیے تھے وہ ہم تک نہیں پہنچے۔ (الہدایہ النہایہ ص ۲۶۷-۲۶۸ سلیمہ دار احیاء التراث العربیہ دہلی ۱۳۸۸ھ)

حافظ ابوالفتح مسلم بن الحسین بن حربہ اللہ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت شداد بن ابی اسحق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام اللہ کی محبت میں اس قدر روئے کہ چاہا ہو گئے پھر اللہ نے ان کی چٹائی لوٹا دی اور ان کی طرف یہ وحی کی کہ اے شعیب! تم کس وجہ سے روئے ہو؟ آیا جنت کے اشتیاق میں روئے ہو یا دوزخ کے خوف سے! حضرت شعیب نے کہا: اے میرے معبود اور اے میرے مالک! تو خوب جانتا ہے کہ میں جنت کے شوق میں روتا ہوں نہ دوزخ کے خوف سے! لیکن میں نے اپنے دل میں تیری محبت کو باندھ لیا ہے۔ پس جب میں تیری طرف دیکھتا ہوں تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہوتی کہ تو کیا کر رہا ہے! پس اللہ نے وحی کی کہ اے شعیب! اگر یہ برحق ہے تو اے شعیب! تم کو میری ملاقات مبارک ہو اسی لیے میں نے اپنے کلیم موسیٰ بن عمران کو تمہارا خادم بنایا ہے۔ (درج ذیل التکبیر رقم اللہ ۵۲۳۷ ص ۳۵۵ سلیمہ دار احیاء التراث العربیہ دہلی ۱۳۳۲ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسجد حرام میں صرف دو قبریں ہیں جن کے سوا اور کوئی قبر نہیں ہے۔ حضرت اسماعیل اور حضرت شعیب علیہما السلام کی قبریں ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر حکیم میں ہے اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر حجر اسود کے بالمقابل ہے۔ وہب بن منہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے مکہ میں فوت ہوئے اور ان کی قبریں دار النہدہ اور باب بنی کعب کے درمیان کعبہ کی قربی جانب میں ہیں۔

(درج ذیل التکبیر رقم اللہ ۵۲۳۷ ص ۳۵۵ سلیمہ دار احیاء التراث العربیہ دہلی ۱۳۳۲ھ)

حضرت شعیب کا مقام بحث

قرآن مجید میں ہے:

وَاللَّهُمَّ اكْبِرْ لَهُمَا قُدْرَتَهُمَا (البقرہ: ۷۹)

اور لو کہی کہ قوم اور مدین دونوں بڑی شاہراہ پر آباد تھیں۔ جو شاہراہ حجاز کے قافلوں کو شام، فلسطین، یمن، بلکہ مصر تک لے جاتی تھی اور بحر قلزم کے مشرقی کنارے سے ہو کر گذرتی تھی قرآن مجید اسی کو امام یمن فرماتا ہے۔ یہ شاہراہ قریشی قافلوں کے لیے بہت متعارف اور تجارتی مرکز تھی۔ مدین کا قبیلہ بحر قلزم کے مشرقی کنارہ اور عرب کے شمال مغرب میں شمال کے متصل حجاز کا آخری حصہ تھا۔ بعض متاخرین لکھتے ہیں:

مدین کا اصل علاقہ حجاز کے شمال مغرب اور فلسطین کے جنوب میں بحر احمر اور فلج حبیہ کے کنارے پر واقع تھا۔ مگر جزیرہ نمائے سینا کے مشرقی ساحل پر بھی اس کا کچھ سلسلہ پھیلا ہوا تھا یہ ایک بڑی تجارت پیشہ قوم تھی۔ قدیم زمانہ میں جو تجارتی شاہراہ بحر احمر کے کنارے یمن سے مکہ اور بیروج ہوتی ہوئی شام تک جاتی تھی اور ایک دوسری تجارتی شاہراہ جو عراق سے مصر کی طرف جاتی تھی اس کے یمن چوراہے پر اس قوم کی بستیاں واقع تھیں۔ اسی بناء پر عرب کا کچھ بچہ مدین سے واقع تھا اور اس کے مٹ جانے کے بعد بھی عرب میں اس کی شہرت برقرار رہی کیونکہ عربوں کے تجارتی قافلے مصر اور شام کی طرف جاتے ہوئے رات دن اس کے آثار قدیمہ کے درمیان سے گزرتے تھے۔

اہل مدین اور اصحاب الایکہ

مکرمہ نے کہا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے سوا کسی نبی کو دوسرے نبی بھیجا گیا۔ ان کو ایک مرتبہ مدین کی طرف بھیجا گیا پھر اس قوم کی نافرمانی کی بناء پر اس کو ایک زبردست گرج دار آواز سے ہلاک کر دیا گیا اور دوسری دفعہ ان کو اصحاب الایکہ (سر سبز جھاڑیوں والے علاقے کے رہنے والوں) کی طرف بھیجا گیا جن کو سائبان والے عذاب نے پکڑ لیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا مدین اور اصحاب الایکہ۔ اہم ہیں جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا (ہر چند کہ اس میں مغربین کا اختلاف ہے لیکن اس حدیث کی بنا پر یہی قول درج ہے کہ یہ دو الگ الگ اہم ہیں۔ سعیدی وغیرہ)

فقہانہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو اصحاب اہل مدین (۳۸) کو مبعوث کر کے فرمایا ہے اس سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ مدین اور اصحاب الایکہ ان دونوں سے مراد ایک قوم ہے۔

(مختصر تاریخ و تفسیر، ص ۳۰۵-۳۰۶ مطبوعہ دار الفکر، بیت ۱۳۰۵ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۳۷۰ھ کی تحقیق یہ ہے کہ اصحاب الایکہ اور مدین دونوں سے مراد ایک ہی قوم ہے۔ ان کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے:

مدین اس قوم کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی نسل سے ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام بھی اسی نسل سے تھے اور قوم مدین جس علاقہ میں آدمی وہ سر سبز جھاڑیوں پر مشتمل تھا اس لیے اس کو اصحاب الایکہ بھی کہا گیا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس علاقہ میں ایک نام کا ایک درخت تھا اور مدین اس درخت کی پرستش کرتے تھے اس لیے ان کو اصحاب الایکہ کہا گیا۔ ہر حال مغربین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ الگ الگ قومیں ہیں یا یہ دونوں ایک قوم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت شعیب نے فرمایا) کیا نہ پورا بھر کر دو اور کم تولے والوں میں سے نہ بن جاؤ اور صحیح ترازو سے تول کر دیا کرو اور لوگوں کی چیزیں کم نہ کرو اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے حد سے تجاوز نہ کرو اور اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اور تم سے پہلے لوگوں کی جنت (مرثیہ) کو پیدا کیا انہوں نے کہا تم صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جاؤ کیا گیا ہے اور تم صرف ہماری مثل بشر ہو اور بے شک ہم تم کو ضرور جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں اور تم بھوک میں سے ہو تو ہمارے اوپر آسمان کا کوئی ٹکڑا اگر اودھو شعیب نے کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو سو انہوں نے شعیب کی تکذیب کر دی تو ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا ہے شگ وہ بہت بھاری دن کا عذاب تھا ۵۰ بے شک اس میں ضرورت نثانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے ۵ اور بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے بہت رحم فرمانے والا (اشعراء: ۱۸۱-۱۸۲)

قطاس کا لغوی اور اصطلاحی معنی

اشعراء: ۱۸۱ میں قطاس کا لفظ ہے۔ اس لیے ہم قطاس کا لغوی اور اصطلاحی معنی اس کے متعلق احادیث اس کے فوائد اور دیگر امور بیان کر رہے ہیں۔ قطاس کا معنی میزان اور ترازو ہے اور اس کو کھالت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۷۲) یہ لفظ رومی ہے جس کو عربی میں ڈھالا گیا ہے اور قطا کا معنی ہے بدل اور انصاف کے ساتھ کسی چیز کا حصہ قرآن مجید میں ہے:

لَيَسِّرُ الْكَذِبَ أَتَمْنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ
 تاکہ اللہ ایمان لانے والوں اور اعمال صالحہ کرنے والوں کو
 (پس: ۳) انصاف کے ساتھ اتر دے۔

جب انسان کسی کا حصہ دوسرے کو دے دے تو اس کو بھی قسط کہتے ہیں اور یہ قلم کا معنی میں ہے اور قاطون کا معنی ہے علم
 کرنے والے قرآن مجید میں ہے:

وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝

(النجم: ۱۵)

(المفردات ج ۲ ص ۵۲۲-۵۲۱ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ کوثر ۱۳۷۸ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن کرم ابن منکور افریقی مصری متوفی ۱۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء جنسی میں سے ایک اسم ہے المقسط یعنی عادل قسط بقسط ضرب بعراب کے باپ سے ہوتا
 اس کا معنی ہے قلم کرنا اور جب یہ باپ افعال سے ہوتا اس میں ہمزہ سلب ناخذ کے لیے ہے اور اس کا معنی قلم کو دور کرنا اور
 عدل کرنا ہے۔ حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ سوتا نہیں ہے اور نہ سوتا اس کی شان کے لائق ہے وہ قسط یعنی میزان کو جھکا تا ہے اور
 اس کو اوپر اٹھاتا ہے یعنی بندوں کے جو اعمال اس کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں ان میں سے نیک اعمال کے پلڑے کو وہ
 جھکا تا ہے اور برے اعمال کے پلڑے کو وہ اوپر اٹھاتا ہے اور اس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ وہ میزان میں بندوں کے رزق کو
 زیادہ کر کے اس کے پلڑے کو جھکا دیتا ہے اور ان کے رزق کے پلڑے کو رزق میں کمی کر کے اوپر اٹھاتا ہے۔ حضرت علی رضی
 اللہ عنہ نے فرمایا مجھے ناسکین اور قاسطین اور مصادیقین سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ناسکین کا معنی ہے مہذبہئی کرنے
 والے اس سے مراد اہل جمل ہیں یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر والے کیونکہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی
 بیعت کی خلاف ورزی کی اور قاطون کا معنی ہے قلم کرنے والے اس سے مراد اہل صفین ہیں یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
 کے لشکر والے کیونکہ انہوں نے خلیفہ برحق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور ان کے خلاف بغاوت کی اور
 مارقون کا معنی ہے خارج ہونے والے اور اس سے مراد خوارج ہیں کیونکہ وہ دین سے اس طرح نکل گئے تھے جس طرح تیر فکار
 سے نکل جاتا ہے القسط فی حکمہ کا معنی ہے قضا فیخص نے عدل سے فیصلہ کیا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَأَقِمْ وَدَّاعِلَةَ يُحِبِّتِ النَّفْسَ الْيَتِيمَ ۝

(الجرات: ۹) ہے۔

اور قسط کا معنی ہے قلم کرنا اور قاطون کا معنی ہے قلم کرنے والے اور حق سے تجاوز کرنے والے۔

(کسان العرب ج ۸ ص ۳۷۸ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ کوثر ۱۳۷۵ھ)

علامہ مٹاوی متوفی ۱۰۰۳ھ نے کہا ہے کہ قسط کا معنی ہے عدل سے کسی چیز کا حصہ کرنا (التوقیف علی مہمات ائمہ اربعہ ص ۲۷۱)
 اور علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ قسط کا معنی ہے معاملات میں عدل کرنا۔

قسطاس (عدل کرنے) کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مقسطین (عدل
 کرنے والے) اللہ کے پاس نور کے منبروں پر رحمن کی دائیں جانب بیٹھے ہوں گے اور رحمن کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں جو لوگ
 اپنے گھر والوں اور رحمن پر ان کو حکم بتایا گیا ان میں عدل سے فیصلہ کریں گے۔ (صحیح مسلم قسط اللہ ص: ۱۸۲)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان اور جو شخص حامل قرآن ہو اور اس میں غلو نہ کرتا ہو اور اس کے ساتھ جفا نہ کرتا ہو اور صاحب اقتدار کی تکریم کرنا اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے، ان کے حکم میں ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۳۳)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھر کے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے جس میں قریش کی ایک جماعت تھی آپ نے اس گھر کے دروازے کی چوکت کو پکڑ کر فرمایا: کیا اس گھر میں صرف قریش ہیں؟ آپ نے کہا کیا اس میں فلاں شخص ہمارا بھانجا بھی ہے؟ آپ نے فرمایا کسی قوم کا بھانجا بھی ایسی ہی قوم میں شمار ہوتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: یہ خلافت اس وقت تک قریش میں رہے گی جب تک ان سے رحم طلب کیا جائے تو یہ رحم کرتے رہیں۔ اور جب تک یہ انصاف سے فیصلے کرتے رہیں اور یہ عدل سے تقسیم کرتے رہیں اور ان میں سے جو شخص اس طرح نہیں کرے گا اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو اس کا کوئی فرض قبول ہوگا نہ نفل۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۶ سنن حدیث کی سند صحیح ہے)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر دنیا کی بقا میں صرف ایک دن رہ جائے گا تو اللہ اس دن کو ضرور طویل کر دے گا حتیٰ کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو اس دن بھیجے گا جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا اور جس کے والد کا نام میرے والد کے نام کے موافق ہوگا وہ زمین کو عدل اور انصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح زمین پہلے ظلم اور بے انصافی سے بھری ہوئی تھی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۳۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۱ مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۶-۳۹۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، مغرب تم میں ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے وہ عدل و انصاف سے فیصلے کریں گے۔ صیب کو توڑ دیں گے اور خزیر کو قتل کر دیں گے اور جزیہ کو موقوف کر دیں گے اور مال و دولت کو اتنا تقسیم کریں گے کہ پھر اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۴۴ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۵۰)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے والد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا آپ اس پر گواہ ہو جائیں کہ میں نے نعمان کو اپنے مال سے اتنی اتنی چیزیں بہہ کر دی ہیں۔ آپ نے پوچھا تم نے جتنی چیزیں نعمان کو دی ہیں کیا اپنے باقی بیٹوں کو بھی اتنی چیزیں دی ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا پھر تم اس پر میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بناؤ پھر آپ نے فرمایا کیا تم کو اس سے خوشی نہیں ہوگی کہ تمہارے تمام بیٹے تمہارے ساتھ ننگی کرنے میں برابر ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا پھر تم بھی ان کے ساتھ برابر کا سلوک کرو۔ ایک اور روایت میں ہے آپ نے فرمایا مجھ کو گواہ نہ بناؤ کیونکہ میں ظلم پر گواہی نہیں دیتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۵۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۳۱ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۴۱۱)

قسط اس (عدل کرنے) کے متعلق آثار

ربیعہ بن ابی عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ عراق والوں میں سے کوئی شخص حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا میں آپ کے پاس ایک ایسے کام کے لیے آیا ہوں جس کا کوئی سر پہ نہ کوئی دم ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا ہمارے علاقے میں جمہوری گواہیاں دینے کا بہت رواج ہو گیا ہے حضرت عمر نے پوچھا کیا واقعی ایسا ہوا ہے؟ اس نے کہا

ہاں! حضرت عمرؓ نے کہا اللہ کی قسم! عدل کے بغیر اسلام میں کوئی شخص خوشحال نہیں ہو سکتا۔

(مؤطا امام مالک، عبادات، ۳۰، رقم الحدیث: ۱۳۶۵، دارالمعرفۃ، بیروت ۱۳۸۰ھ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مثالیں بیان کی ہیں اور تمہارے لیے ایک قول کو بار بار دہرایا ہے تاکہ دل زندہ ہوں! کیونکہ دل سینوں میں مردہ ہیں جب تک اللہ ان کو زندہ نہ کرے جس نے کسی چیز کا علم حاصل کیا اس کو اس سے نفع پہنچاتا چاہیے بے شک عدل کی کچھ علامتیں ہیں اور عدل کی کچھ خوشخبریاں ہیں۔ عدل کی علامتیں یہ ہیں: حیا، سخاوت، آسانی اور نرمی اور عدل کے لیے خوشخبری رحمت ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک دروازہ بنایا ہے اور ہر دروازے کی ایک چابی بنائی ہے پس عدل کا دروازہ اعتبار ہے اور اس کی چابی زحہ ہے اور اس کا اعتبار مال بھیج کر موت کو یاد کرنا اور اس کی تیاری کرنا ہے اور زہد ہر اس شخص سے حق وصول کرتا ہے جس پر کسی کا حق ہو اور جس شخص کو بہ قدر ضرورت چیزیں مل جائیں ان پر قناعت کرتا ہے اور اگر اس کو بہ قدر ضرورت چیزیں کافی نہ ہوں تو اس کو کوئی چیز مستغنی نہیں کر سکتی۔

(الایہ والنبی، ص ۳۰، طبع دارالایمان، القا، ۱۳۸۸ھ)

خرش بن الحریان کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس شہادت دی! حضرت عمرؓ نے کہا میں تم کو نہیں پہچانتا! اور اگر میں تم کو نہیں پہچانتا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے! تم اس شخص کو لے کر آؤ جو تم کو پہچانتا ہو! تو تم میں سے ایک شخص نے کہا میں اس کو پہچانتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا تم کس وجہ سے اس کو پہچانتے ہو؟ اس نے کہا عدل اور فضل ہے! حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا وہ تمہارا قریب ترین پڑوسی ہے؟ تم جس کو دن رات دیکھتے ہو اور اس کے گھر سے نکلے اور گھر میں داخل ہونے سے واقف ہو؟ اس نے کہا نہیں! حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا تمہارا اس سے کبھی روپے پیسے کا لین دین ہوا ہے جس سے معاملات میں اس کی خدا خونی پر استدلال کیا جاسکے؟ اس نے کہا نہیں! حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا یہ شخص کبھی سفر میں تمہارا رفیق رہا ہے جس سے اس کے مدارک اخلاق پر استدلال کیا جاسکے؟ اس نے کہا نہیں! حضرت عمرؓ نے کہا پھر تم اس شخص کو نہیں پہچانتے۔ پھر کوئی دینے والے شخص سے فرمایا تم اس شخص کو لے کر آؤ جو تم کو پہچانتا ہو۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰، ص ۱۲۹-۱۳۵، مطبوعہ نشر المکتب)

عدل کے متعلق اقوال علماء

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ نے فرمایا:

بندہ کا عدل میں حصہ بالکل ظاہر ہوتا ہے اس میں کوئی خفا نہیں ہے! عدل کے لیے اس کے نفس کی صفات میں سے اس کے لیے جو پہلی چیز واجب ہے وہ یہ ہے کہ اس کی ثبوت اور اس کا غصب اس کی عقل اور اس کے دین کے تابع ہوں! کیونکہ اگر اس نے اپنی عقل کو اپنی ثبوت اور اپنے غصب کے تابع کر دیا تو اس نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ اور عدل کے لیے دوسری چیز یہ واجب ہے کہ وہ تمام معاملات میں حدود و شرع کی رعایت کرے اور ہر عضو میں اس کا عدل یہ ہے کہ وہ اپنے ہر عضو کو شریعت کے احکام کے مطابق استعمال کرے اور اپنے اہل و عیال میں اس کا عدل یہ ہے کہ ان سے نہ جائز حقوق کو ادا کرے اور اگر وہ حکومت کے کسی منصب پر فائز ہے تو اس کا عدل یہ ہے کہ وہ اپنے تمام فرائض کو دیانت داری سے ادا کرے۔

(المصنف، ص ۱۰۱-۱۰۸، مطبوعہ مطبعہ قریب، ۱۳۸۰ھ)

علامہ ابن حمام نے فرمایا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کرنا عدل ہے نہ کہ محض اپنی رائے سے۔ عبد الرحمن بن ناصر الدین سعدی نے کہا حقوق واجبہ کو خرچ کرنا اور مستحقین میں برابر برابر حقوق تقسیم کرنا عدل ہے۔

ان حزم نے کہا نفس کے حقوق ادا کرنا اور اس سے دوسروں کے حقوق حاصل کرنا عدل ہے۔

علامہ شریف جرجانی نے کہا افراط اور تفریط کے درمیان امر متوسط عدل ہے اور جو کام دین میں منع ہوں ان سے بچتے ہوئے صراطِ مستقیم پر قائم رہنا عدل ہے۔

عدل عقلی اور عدل شرعی

عقلانہ عدل یہ ہے کہ جو شخص تمہارے ساتھ نیکی کرے تم بھی اس کے ساتھ نیکی کرو اور جو شخص تم سے برائی و تکلیف کو دور کرے تم بھی اس سے برائی اور تکلیف کو دور کرو اور شرعاً عدل یہ ہے کہ کسی شخص سے برابر برابر سلوک کرنا اگر وہ نیکی کرے تو اس کے ساتھ نیکی کی جائے اور اگر وہ برائی کرے تو اس کے ساتھ اتنی ہی برائی کی جائے۔ قرآن مجید میں عدل کا ذکر ہے حضرت نوح علیہ السلام نے کافروں سے کہا:

إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ۝

(ص: ۳۸)

اگر تم ہم پر ہنس رہے ہو تو ایک دن ہم بھی تم پر ہنس گئے۔ جس طرح تم ہم پر ہنس رہے ہو۔

نیکی کا بدلہ صرف نیکی ہے۔

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ۝

(الزمر: ۶۰)

جو شخص تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی زیادتی کرنا جتنی اس نے زیادتی کی ہے۔

فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا

اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ ۖ (البقرہ: ۱۹۴)

برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی ہے۔

جَزَاءُ السَّيِّئَةِ سَيِّئَةً مِّثْلُهَا ۚ (الشوری: ۴۰)

عدل اور احسان

عدل اور احسان میں فرق یہ ہے کہ عدل مساوات کا نام ہے کسی نے جس قدر نیکی کی ہو اس کے ساتھ اسی قدر نیکی کی جائے یا جس نے جس قدر زیادتی کی ہو اس کے ساتھ اسی قدر زیادتی کی جائے تو یہ عدل ہے اور احسان یہ ہے کہ کسی کی نیکی کا اس سے زیادہ نیکی کے ساتھ بدلہ دیا جائے یا کسی کی زیادتی کے بدلہ میں اس سے کم زیادتی کی جائے یا اس کی زیادتی کو معاف کر دیا جائے یا اس کی زیادتی کے جواب میں اس کے ساتھ نیکی کی جائے قرض کی رقم اتنی ہی ادا کی جائے تو عدل ہے اس سے زیادہ ادا کی جائے تو احسان ہے بشرطیکہ قرض خواہ کا مطالبہ نہ ہو کسی کے جرم پر اس کو سزا دینا عدل ہے اور اس کو معاف کر دینا احسان ہے اسی طرح مجرم کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی احسان ہے قصاص لینا عدل ہے اور خون بہا یا دیت دینا احسان ہے اور دیت کو ساقط کر دینا یہ اس سے بھی بڑا احسان ہے۔

عدل اور احسان کے متعلق یہ آیتیں ہیں:

وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ فَلَمْ يَكُونُوا مِن دُونِ ۝

(الشوری: ۳۹)

اور جب ان پر زیادتی کی جائے تو وہ صرف بدلہ دیتے ہیں۔

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةً مِّثْلُهَا ۚ فَمَنِ عَفَا وَأَصْلَحَ

فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝

(الشوری: ۴۰)

اور برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی ہے پس جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ پر ہے جب اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں کرتا۔

وَلَكِن صَبَرُوا وَعَلَىٰ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝

اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو یہ شبہ بہت کم ہے

(المعدی: ۳۳) کاموں سے ہے ۵

اور طہرہ کو پہنے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے اور اللہ
نیکي کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۵ (آل عمران: ۱۳۴)

احسان کے متعلق سب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فطرتاً بدگو تھے نہ تکلفاً اور نہ بازاروں میں
شور کرتے تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے لیکن معاف کر دیتے تھے اور درگزر کرتے تھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۶۱، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۸۸، مسند احمد ج ۶ ص ۷۲، مسند ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۰، صحیح ابن ماجہ رقم

الحدیث: ۶۳۹۰، سنن کبریٰ للبخاری ج ۷ ص ۴۵)

حضرت حذیفہ بن عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی میں نے آگے
بڑھ کر آپ سے مصافحہ کیا پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے افضل عمل بتائیے آپ نے فرمایا: اے حذیفہ جو تم سے تعلق
توڑے اس سے تعلق جوڑ دو جو تم کو حرم کرے اس کو حلال کر دو اور جو تم پر ظلم کرے اس سے اعراض کرو۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۸۸، مسند ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۱۲۱، مسند ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۳، دارالحدیث قاہرہ ۱۳۶۶ھ

تہذیب تاریخ دمشق ج ۳ ص ۶۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۶۳۴۰)

عدل اور انصاف کے فوائد

(۱) عدل کرنے والا دنیا اور آخرت میں امن سے رہتا ہے اس کی دنیا میں تعریف و تحسین ہوتی ہے اور آخرت میں اجر و ثواب
ملا ہے۔

(۲) عدل و انصاف کرنے کی وجہ سے اس کی حکومت اور سلطنت کو استحکام حاصل ہوتا ہے اور دشمن کے حملہ کے وقت عوام اس
کی پشت پر ہوتے ہیں۔

(۳) عادل حکمران نے حقوق راضی دیتی ہے اور ان کی رضا کی وجہ سے اس سے اللہ بھی راضی رہتا ہے۔

(۴) عدل و انصاف کرنے والا پہلے اپنے اعضاء کے ساتھ عدل کرتا ہے اور ان کو نیکو ہوں سے بچاتا ہے اور اپنے اصل و عیال
کے ساتھ عدل کرتا ہے اور ان کو برائی سے احتیاط کرنے اور نیکی کی تحقیر کرتا ہے اور پھر عام مسلمانوں اور معاشرہ میں
نیکی کا حکم دیتا ہے اور برے کاموں سے روکتا ہے۔

(۵) عدل اور انصاف سوشلزم، کمیونزم اور کپٹلزم کا راستہ روکتے ہیں اور اسلامی نظام معیشت کی راہ ہموار کرتے ہیں۔

(۶) عدل اور انصاف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی سیرت کی اتباع حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ راضی ہوتا
ہے۔

(۷) عدل اور انصاف لوگوں کے حقوق اور ان کی امانتوں کی حفاظت کا ضامن ہے اور اس سے معاشرہ میں بے چینی نہیں
پھیلی۔

(۸) عدل و انصاف قائم کرنا لا الہ الا اللہ کی شہادت میں اخلاص کی علامت ہے۔

(۹) عدل و انصاف کرنے والے کو قیامت کے دن نور کا لباس پہنایا جائے گا۔

(۱۰) عدل و انصاف کرنے والا قیامت کے دن اللہ کی لعنت سے فرشتوں کی لعنت سے اور لوگوں کی لعنت سے محفوظ رہے گا۔

مادری و قسیمی

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور لوگوں کی چیزیں کم نہ کرو اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے حد سے تجاوز نہ کرو۔ (اشعراء ۱۸۳) اس آیت میں تخصیص کے بعد قسیم ہے۔ پہلے ان کو خصوصیت کے ساتھ تاپ اور قول میں کمی کرنے سے منع فرمایا تھا اور اس آیت میں ان کو مطلقاً لوگوں کے مالوں میں کمی کرنے سے منع فرمایا۔ خواہ وہ کسی چوری کے ذریعہ کی جائے یا اذاکے کے ذریعہ تاپ اور قول میں کمی کے ذریعہ اور ان کو زمین میں قتل و عارت گری کرنے سے بھی منع فرمایا۔ اس آیت میں عسی کے بعد فساد کا ذکر فرمایا اور ان دونوں نکتوں کے معنی ہیں فساد کرنا اور حد سے تجاوز کرنا اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات کوئی کام صورت فساد سے لے لیکن عین فساد نہیں ہوتا۔ جیسے حضرت فخر علیہ السلام نے سکینوں کی کشتی کا ایک ٹھنڈا کھاڑ دیا۔ یا جیسے انہوں نے ایک لڑکے کو قتل کر دیا تھا یہ کام بہ ظاہر فساد تھے حقیقت میں اصلاح تھے۔ یا جیسے جراح یا سرجن سرجری کرتا ہے اور کسی عضو کو کاٹ ڈالتا ہے یہ ظاہر یہ اعضا کو کاٹتا ہے لیکن اس میں جسم کی صلاح اور اصلاح ہوتی ہے۔ اس طرح بعض کام صورت فساد اور ظاہر فساد ہوتے ہیں اور درحقیقت وہ اصلاح اور صلاح ہوتے ہیں۔ اس لیے یہاں عسی کے بعد فساد کا ذکر فرمایا کہ تم اس طرح کا فساد نہ کرو جس میں حد سے تجاوز ہو اور اس میں اصلاح اور صلاح کا کوئی پہلو نہ ہو۔

جہلت کا معنی

الشعراء: ۱۸۳ میں فرمایا: اس ذات سے ڈرو جس نے تم کو پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کی جہلت (سرشت) کو پیدا کیا۔

الجہلۃ: جہلت کا معنی ہے کسی انسان کا فطری اور پیداؤنی وصف جیسہ اللہ علی کذا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کی سرشت میں ایسا وصف رکھ دیا ہے جس کو وہ ترک نہیں کر سکتا۔ جیسے کوئی انسان فطرۃً بخبی ہو یا فطرۃً دینا دار ہو۔ اور انسان کی فطرت بدل نہیں سکتی۔ اسی طرح کہا جاتا ہے جیسہ اللہ علی الکرم انسان فطرتاً نے کرم اور شرافت اس کی فطرت میں رکھی ہے۔

علامہ حسین بن محمد رافضی صنفی لکھتے ہیں: قرآن مجید میں ہے:

وَاللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ (اشعراء: ۱۸۳)

اس ذات سے ڈرو جس نے جسیں پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کی جہلت کو پیدا کیا۔

یعنی کافروں کے جو اوصاف ہیں وہ فطری اور بدلی ہیں بحکیم ممتد اور ہمت دہری ان کی سرشت میں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فَلْيَنْفَعِلْ مَن يَفْعَلُ (سراء: ۸۳)

یہ شخص اپنی فطرت اور سرشت کے مطابق عمل کرتا ہے۔

(تفسیر طبرستان ج ۱ ص ۱۸۳ مطبوعہ دار المعرفۃ، دار الفکر، بیروت ۱۴۰۸ھ)

نیز علامہ حسین بن محمد رافضی صنفی لکھتے ہیں: طبیعت، خلقت اور عادت میں فرق ہے:

طبیعت، خلقت اور عادت کا فرق

الطبیع: اس لفظ کی اصل یہ ہے طبع الشیء تصور کو حاصل کیا یعنی لوہے سے اس کی مخصوص صورت بتائی گئی اسی طرح صام اور دینار کو مخصوص صورتوں میں جو حاصل جاتا ہے اس کو بھی طبع کہتے ہیں اسی طرح انسان کو جس سرشت پر بنایا جائے اس کو طبیعت اور غرض کہتے ہیں غرض کا معنی ہے گاڑنا اور ٹھکانا کو یا اس وصف کو اس میں گاڑ دیا گیا ہے اور طبیعت اور غرض انسان کی

خلق کا زیادہ تر اطلاق جہلت پر ہوتا ہے جس کی وجہ سے انسان ایک کام کرتا ہے اور دوسرا کام نہیں کرتا جیسے ایک شخص غضب کرنے والا ہوتا ہے کیونکہ اس کے حرائج میں تھری اور تیزی ہوتی ہے اسی وجہ سے ہر شخص اس خلق کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے جو اس کی اصل خلقت اور فطرت میں ہوتا ہے جیسے شیر شجاعت کے ساتھ مخصوص ہے اور خرگوش یا بکری بزدلی کے ساتھ اور لومڑی مکاری کے ساتھ اور کبھی طلق کا اطلاق اوصاف منکبہ پر بھی کیا جاتا ہے انسان بعض کاموں کو کرنے کا وہی اور خیر ہو جاتا ہے اور گویا کہ وہ کام اس کی فطرت ثابت نہیں جاتے ہیں جیسا کہ حسن اخلاق کے متعلق درج ذیل احادیث ہیں
حسن اخلاق کے متعلق احادیث

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو اور جب تم کسی گنہگار کے بعد کوئی نیک کام کرو گے تو وہ اس گناہ کو مٹا دے گا اور لوگوں کے ساتھ حسن خلق کے ساتھ پیش آؤ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۷، مسند احمد ج ۵ ص ۵۳، سنن داری رقم الحدیث: ۱۷۹۳، مسند رک ج ۳ ص ۵۳)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے سناٹے اس کے بندوں میں سے ایک ایسے بندہ کو پیش کیا گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا تم نے دنیا میں کیا عمل کیا؟ اس نے کہا اے میرے رب! تو نے مجھے اپنا مال عطا کیا تھا اور میں لوگوں سے خرید و فروخت کرتا تھا اور میرا خلق (طریقہ) یہ تھا کہ میں لوگوں سے درگزر کرتا تھا میں امیر آدمی کے لیے آسانی کرتا تھا اور غریب آدمی کو مہلت دیتا تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہاری پابست درگزر کرنے کا زیادہ مستحق ہوں (پھر فرشتوں سے فرمایا) میرے اس بندے سے درگزر کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۸۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمنین میں سے سب سے کامل ایمان والا وہ شخص ہے جس کا خلق سب سے اچھا ہے اور تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جن کا اپنی بیویوں کے ساتھ خلق سب سے بہتر ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۹۳، مسند احمد ج ۵ ص ۵۳، سنن ابن حبان رقم الحدیث: ۱۳۱۱، مسند رک ج ۳ ص ۳)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جنت کے وسط میں اس شخص کے گھر کا ضامن ہوں جو اپنا موقف برحق ہونے کے باوجود منکڑے کو ترک کر دے اور اس شخص کے لیے جنت کے وسط میں گھر کا ضامن ہوں کہ وہ خواہ مذاق کر با ہو جھوٹ نہ بولے اور اس شخص کے لیے جنت کے سب سے بلند درجہ میں گھر کا ضامن ہوں جس کا خلق سب سے اچھا ہو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۰۰، الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۹۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن اپنے حسن خلق کی وجہ سے روزہ دار شب زندہ دار کا اجر و ثواب پالیتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۹۸، مسند رک ج ۳ ص ۵۳، سنن ابن حبان رقم الحدیث: ۱۷۹۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس لیے مہوت کیا گیا ہے کہ اس صالح (نیک) اخلاق کو پورا کروں۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۵۳، مسند رک ج ۳ ص ۵۳)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ میری مجلس کے قریب وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق سب سے اچھے ہوں گے اور میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ مبغوض اور سب سے زیادہ میری مجلس سے دور وہ لوگ ہوں گے جو تکلف سے

زادہ باتیں کرتے ہوں گے اور فصاحت و بلاغت بھارتے ہوں گے اور اپنے فضائل کا اظہار کر کے تکبر کرتے ہوں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۸۸ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۸۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کس چیز کی وجہ سے نیا آدمی لوگ جنت میں داخل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے ڈر اور حسن خلق کی وجہ سے اور آپ سے پوچھا گیا کہ کس چیز کی وجہ سے نرا وہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: منہ اور شرم کا وہی وجہ سے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۰۰۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۲۳۶، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۱، الادب المفرد رقم الحدیث ۲۸۹، صحیح ابی حنیفہ رقم الحدیث ۱۰۰۰۰)

الحديث ۶۷۹: المسجد رک ج ۳ ص ۲۲۳ شرح المنیہ رقم الحديث: (۴۳۹)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (مجھ کو رخصت کرتے وقت) جب میرا پاؤں رکاب میں تھا تو سب سے آخر میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی اس میں فرمایا: اے معاذ بن جبل لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق کے ساتھ پیش آنا۔ (مؤطا امام، کتاب ج ۳ ص ۳۰۳ رقم الحدیث: ۱۶۱۶۱، معجمہ واداء المعروفہ ج ۱ ص ۱۳۳۰)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن مومن کے میزان میں حسن خلق سے زیادہ کوئی چیز وزنی نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ بے حیائی اور بری باتوں کے کرنے والے سے بغض رکھتا ہے۔ (سنن احمد رقم الحدیث: ۲۰۰۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۹۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق سب سے اچھا تھا ایک دن آپ نے مجھے کسی کام سے بھیجا میں نے کہا اللہ کی قسم! میں نہیں جاؤں گا۔ حالانکہ میرے دل میں یہ تھا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں گے تو میں چلا جاؤں گا۔ حضرت انس نے کہا میں چلا گیا حتیٰ کہ میں بچوں کے پاس سے گذرا جو بازار میں کھیل رہے تھے اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے آکر مجھے گمادی سے پکڑا۔ میں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ جس رہے تھے آپ نے فرمایا: اے انیس وہاں جاؤ جہاں جانے کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے میں نے کہا: جی ہاں یا رسول اللہ! میں جا رہا ہوں۔ حضرت انس نے کہا: اللہ کی قسم! میں سات سال یا نو سال آپ کی خدمت میں رہا مجھے علم نہیں کہ آپ نے کسی کام کے متعلق یہ فرمایا ہو کہ تم نے یہ کام کیوں کیا یا کسی کام کے متعلق یہ فرمایا ہو کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۷)

وہ افعال جو حسن اخلاق کا مصداق ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی (دیہاتی) نے مسجد میں پیشاب کر دیا لوگ اس کو مارنے کے لیے چھینے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اس کو چھوڑ دو اور اس کے پیشاب کے اوپر ایک یا دو ڈول پانی بہا دو کیونکہ تم آسانی کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۳۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۸۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا السلام علیکم (تم پر سلام ہو) (آئے) حضرت عائشہ نے کہا تم پر موت آئے اور تم پر اللہ کی لعنت ہو اور تم پر اللہ کا غضب ہو۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ رک جاؤ! تم نرمی کو لازم رکھو اور تم موجب عار باتوں اور بدگھائی سے اجتناب کرو۔ حضرت عائشہ نے کہا کیا آپ نے سنا نہیں انہوں نے کہا کیا تھا؟ آپ نے فرمایا میں نے ان کی بات ان پر لوٹ دئی تھی اور ان کے متعلق میری دعا قبول ہوئی اور میرے متعلق دعا کی دعا قبول نہیں ہوئی۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۶۰۳۰ صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۴۱۲۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ کی باتوں میں سے کوئی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی وہاں لے جاتی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۴۳)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں گئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے تو وہ بھی آپ کے ساتھ واپس آ گئے ایک وادی جس میں بہت زیادہ درخت تھے وہاں سب کو خندہ آ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ٹھہر گئے اور لوگ حشتر ہو کر درختوں کے سائے میں آرام کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے اترے اور اپنی کھوار درخت پر لٹکا دی اور ہم لوگ سو گئے۔ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بلارہے تھے اور اس وقت وہ اعرابی آپ کے پاس کھڑا ہوا تھا آپ نے فرمایا جس وقت میں سویا ہوا تھا تو اس اعرابی نے مجھ پر کھوار سونت لی میں بیدار ہوا تو وہ برہنہ کھوار لیے ہوئے کھڑا تھا اس نے کہا تمہیں مجھ سے کون بچائے گا میں نے تین بار کہا: اللہ! آپ نے اس کو زنا نہیں دی اور بیٹہ گئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۱۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۴۳۳)

حضرت کل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چادر لے کر آئی سہل نے کہا تم کو معلوم ہے کہ وہ کیسی چادر تھی اس کے دونوں کناروں پر نٹل بونے کڑھے ہوئے تھے اس عورت نے کہا یا رسول اللہ میں آپ کو یہ چادر پہناؤں گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر لے لی اور آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی۔ آپ نے اس چادر کو پہن لیا صحابہ میں سے ایک شخص نے اس چادر کو دیکھا اس نے کہا یا رسول اللہ یہ چادر کتنی خوبصورت ہے آپ یہ چادر مجھے دے دیجئے۔ آپ نے فرمایا: اچھا! جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر چلے گئے تو آپ کے اصحاب نے اس شخص کو خلافت کی اور کہا تم نے یہ چادر نہیں کیا۔ جب تم کو معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کی وجہ سے یہ چادر لی ہے پھر تم نے آپ سے اس چادر کا سوال کر لیا اور تم کو معلوم ہے کہ آپ سے کسی چیز کا سوال کیا جائے تو آپ منع نہیں فرماتے۔ اس شخص نے کہا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چادر کو پہن لیا تو میں اس چادر میں برکت کی توقع رکھتا تھا تاکہ میں اس چادر میں ٹھن دیا جاؤں پھر وہ اس کا ٹھن ہو گئی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۴۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو بوسہ دیا۔ اس وقت آپ کے پاس الاقرع بن حابس جیسی بھی بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا میرے دس بیٹے ہیں اور میں نے ان میں سے کسی کو بوسہ نہیں دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا جو شخص کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۹۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳۱۸)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی سال آتا یا آپ سے کوئی حاجت طلب کی جاتی تو آپ فرماتے تم (اس کی) سفارش کرو تم کو اجر دیا جائے گا اور اللہ اپنے نبی کی زبان سے جو چاہے گا فیعلہ فرمائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۳۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳۲۷)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ گویا کہ میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا آپ نبیوں میں سے کسی نبی کا واقعہ بیان فرما رہے تھے ان کی قوم نے ان کو زد و کوب کیا اور ان کا چہرہ خون آلود کر دیا اور وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے ہوئے دعا کر رہے تھے کہ اے میرے رب! امیری قوم کو محاف کردے کیونکہ وہ مجھے نہیں جانتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۹۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷۳)

اسود بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مگر میں کیا کام

کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ آپ گھر کے کام کاج میں مشغول رہتے تھے اور جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۳۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۸۰، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۶۶۱)

عمرہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کام کرتے تھے۔ انہوں نے کہا آپ بستر میں سے ایک بستر تھے۔ کپڑے صاف کر لیتے تھے۔ بکری کا دودھ دودھ لیتے تھے اور اپنے کام کرتے تھے۔ (بخاری ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۳، صحیح ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۶۶۸، صلیہ الاولیاء ج ۸ ص ۲۳۱، ابوالفضل علی بن ابی نعیم ج ۳ ص ۲۳۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جوتی مرمت کر لیتے تھے اور اپنے کپڑے سی لیتے تھے۔ اور گھر میں اس طرح کام کرتے تھے جس طرح تم میں سے کوئی شخص کام کرتا ہے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۸۱، مسند عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۴۹۲، مسند ابی یعلیٰ رقم الحدیث: ۳۶۵۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا آپ کے اوپر ایک نجرانی چادر تھی جس کے کنارے سخت مونے تھے ایک اعرابی نے اس چادر کو پکڑ کر سختی کے ساتھ کھینچا میں نے دیکھا کہ اس چادر سختی کے ساتھ کھینچنے کی وجہ سے آپ کے کندھے پر نشان پڑ گئے تھے پھر اس اعرابی نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے پاس جو اللہ کا مال ہے اس میں سے مجھے دینے کا حکم دیجئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا آپ ہنسے پھر آپ نے اس کو کچھ عطا کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۹۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی کھانے کی خدمت میں کی اگر آپ کو کوئی چیز پسند ہوتی تو آپ اس کو کھا لیتے ورنہ اس کو چھوڑ دیتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۶۶۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ کسی بیوی کو نہ کسی خادم کو سوا اس کے کہ آپ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے تھے اور جب بھی کسی شخص نے آپ کو تکلیف پہنچائی تو آپ نے اس سے انتقام نہیں لیا۔ ہاں اگر اللہ کی حرمت اور اس کی حدود کو کسی نے پامال کیا تو آپ اللہ عزوجل کے لیے انتقام لیتے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دو کاموں کے درمیان اختیار نہیں دیا گیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے اس کام کو اختیار کرتے جو آسان ہوتا۔ بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو اور اگر کوئی کام گناہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اس کام سے دور ہوتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز میں بھی اپنی ذات کا انتقام نہیں لیا ماسوا اس کے کہ اللہ کی حدود کو توڑا جائے تو پھر آپ اللہ کے لیے انتقام لیتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۸، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۷۹۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۹۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ پر جنگ اُجد سے بھی زیادہ کوئی سخت دن آیا تھا آپ نے فرمایا میں نے تمہاری قوم کی طرف سے جو تکلیفیں اٹھائی ہیں وہ اٹھائی ہیں اور سب سے زیادہ تکلیف یوم عقبہ (جس دن آپ نے طائف کی گھاٹیوں میں جا کر تبلیغ کی تھی) کو اٹھائی تھی اس دن میں نے اپنے آپ کو ابن عبدیہ بن عبد کلال پر پیش کیا میں جو کچھ چاہتا تھا اس نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا پھر میں انتہائی اندوہ کی کے ساتھ چل پڑا میں اس وقت قرن اشعاب میں تھا اور میرا غم ابھی دور نہیں ہوا تھا میں نے سراپہ اٹھایا تو ایک بادل نے مجھ پر سایہ کیا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا تو وہاں پر حضرت جبریل تھے انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا

بے شک اللہ نے سن لیا ہے کہ آپ نے اپنی قوم کو کیا پیغام سنایا اور انہوں نے آپ کو کیا جواب دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے تاکہ آپ جو چاہیں اس کو حکم دیں پھر پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے آواز دی اور مجھے سلام کیا پھر کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جو چاہیں! اگر آپ چاہیں تو میں ان لوگوں کو دو پہاڑوں کے درمیان جیسے ذوالنہی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی پشتوں سے ایسے لوگوں کو نکالے گا جو اللہ و وحدہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۳۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۵۰ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۶۰۹۰ شرح السنن رقم الحدیث: ۳۷۳۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! مشرکین کے خلاف دعا کیجیے۔ آپ نے فرمایا مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ مجھے تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۱۲۵۹۰ ابی ہریرہ رقم الحدیث: ۳۷۳۷ شرح السنن ج ۳ ص ۲۸۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبیوں دیکھا کہ کبھی کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان کے ساتھ اپنا منہ لگا دیا اور آپ نے اس کے پاس سے اپنا سر ہٹا لیا ہو حتیٰ کہ وہ خود اپنا سر ہٹاتا تھا اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی شخص نے آپ کا ہاتھ پکڑا ہو اور آپ نے اس سے اپنا ہاتھ چمڑا لیا ہو حتیٰ کہ وہ خود اپنا ہاتھ چمڑا لیا تھا اور امام ترمذی کی روایت میں ہے کہ جب کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر آپ سے مصافحہ کرتا تو آپ اس سے اپنا ہاتھ نہیں چمڑاتے تھے حتیٰ کہ وہ خود آپ سے اپنا ہاتھ چمڑا لیتا تھا اور آپ کسی شخص سے اپنا چہرہ نہیں پھیرتے تھے حتیٰ کہ وہ شخص خود اپنا چہرہ پھیر لیتا تھا۔

(سنن ابی ہریرہ رقم الحدیث: ۹۴۳۰ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۳۷۳۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے مدینہ کے راستوں میں سے کسی راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی حاجت پیش کی۔ آپ نے فرمایا: اے ام کلثوم! تم مدینہ کی گلیوں میں سے کسی گلی میں جی بیٹھ جاؤ میں تمہارے پاس بیٹھ جاؤں گا۔ اس عورت نے ایسا ہی کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس بیٹھ گئے حتیٰ کہ اس کی حاجت پوری کر دی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۳۲ سنن ابی ہریرہ رقم الحدیث: ۳۸۱۹ مسند احمد ج ۳ ص ۹۹ شرح السنن رقم الحدیث: ۳۷۷۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مریض کی عیادت کرتے تھے۔ جنازہ کے ساتھ جاتے تھے خادم کی دعوت کو قبول کر لیتے تھے اور دروازہ گوش پر سوار ہو جاتے تھے میں نے خود جنگ خیبر کے دن دیکھا آپ دروازہ گوش پر سوار تھے اس کی کلام شک گھاس کی تھی۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۷۷۰ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۳۷۷۲ شرح السنن رقم الحدیث: ۳۷۷۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ گوش کی نگلی پشت پر سوار ہوتے تھے اور ملک (خادم) کی دعوت کو قبول فرما لیتے تھے اور زمین پر سوتے تھے اور زمین پر بیٹھ جاتے تھے اور زمین پر (بیٹھ کر) کھاتے تھے اور فرماتے تھے اگر مجھے بکری کے ایک پائے کو کھانے کی بھی دعوت دی گئی تو میں چلا جاؤں گا اور اگر مجھے بکری کی ایک دھنی کی بھی دعوت دی گئی تو میں اس کو قبول کروں گا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۳۸ سنن ابی ہریرہ رقم الحدیث: ۳۳۳۷ شرح السنن رقم الحدیث: ۳۷۷۲ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۳۷۷۲)

مسند ابن عمر ضعیف راوی ہیں)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں حراج بھی کرتا ہوں لیکن میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتا۔ (صحیح ابی ہریرہ رقم الحدیث: ۳۷۷۲ مسند ابی نعیم رقم الحدیث: ۳۷۷۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہی نازل ہوئی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں کہتے کہ آپ لوگوں کو خدا سے ڈرائیں گے اور جب آپ سے یہ کیفیت دور ہو جاتی تو میں دیکھتا کہ آپ سب لوگوں سے زیادہ کثادہ روئے سب سے زیادہ خوش طبع اور سب سے زیادہ حسین تھے۔

(مسند ابی ہریرہ رحمہ اللہ ج ۱ ص ۲۳۱ ح ۱۰۰۰۰) اسی نے کہا اس حدیث کی سند میں ہے مجمع الزوائد رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۰۰۰۰ حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں کنواری لڑکی کے چہرے سے زیادہ شرم و حیا ہوئی تھی اور جب آپ کو کوئی چیز ناگوار ہوتی تھی تو ہم آپ کے چہرے سے جان لیتے تھے۔ (المجموع الکبیر ج ۱ ص ۱۸۸ ح ۲۰۶) حافظ ابی نعیم نے کہا امام جہانی نے اس حدیث کو ۱۱۰ سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے ان میں سے ایک سند صحیح ہے مجمع الزوائد رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۰۰۰۰

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے میرے اوپر آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا جو مجھ سے پہلے کسی نبی پر نازل نہیں ہوا تھا اور نہ میرے بعد کسی پر نازل ہوگا اور وہ اسراہیل ہیں اور ان کے ساتھ حضرت جبریل علیہ السلام بھی تھے انہوں نے کہا السلام علیک یا محمد! میں آپ کے پاس آپ کے رب کا پیغام لائے والا ہوں مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں آپ کو یہ اختیار دوں کہ آپ چاہیں تو نبی اور مہر رہیں اور اگر آپ چاہیں تو نبی اور بادشاہ ہو جائیں میں نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا انہوں نے تو اسے کرنے کا اشارہ کیا نہیں اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اگر میں نبی بادشاہ کہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلتے۔

(المجموع الکبیر رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۳۳۰) اس حدیث کو امام جہانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں بھی بن عبد اللہ ابی نعیم ضعیف راوی ہے مجمع الزوائد رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۰۰۰۰

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا پکپکا رہا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تم آرام اور اطمینان سے کھڑے رہو کیونکہ میں بادشاہ نہیں ہوں میں قریش کی ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو گوشت کھاکر کھاتی تھی۔ (المجموع الکبیر رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۸۲) اس حدیث کو ۲۰۶ مجمع الزوائد رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۰۰۰۰ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آدمی رات کے وقت بھی جو کی روٹی کھانے کے لیے بلاتا تھا تو آپ چلے جاتے تھے۔

(المجموع الکبیر رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۳۳۰) حافظ ابی نعیم نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں مجمع الزوائد رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۰۰۰۰ حضرت حذافہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپ چار زانو پر بیٹھے ہوئے تھے۔ (المجموع الکبیر رحمہ اللہ ج ۱ ص ۳۹۸) حافظ ابی نعیم نے کہا اس حدیث کی سند میں محمد بن عثمان القرظی ضعیف راوی ہے مجمع الزوائد رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۰۰۰۰ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد کی طرف گیا آپ کی جوتی کا ترموٹ گیا میں آپ کی جوتی کو ٹھیک کرنے لگا آپ نے میرے ہاتھ سے جوتی لے لی اور فرمایا یہ خود پسندی اور خود کو دوسرے پر ترجیح دینا ہے اور میں خود پسندی کو پسند نہیں کرتا۔

(مسند ابی ہریرہ رحمہ اللہ ج ۱ ص ۲۳۱ ح ۱۰۰۰۰) اسی نے کہا اس حدیث کی سند میں ایک راوی مجہول ہے مجمع الزوائد رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۰۰۰۰ خصلت اور عادت کا معنی اور آداب عادت کا بدلنا ممکن ہے یا نہیں؟

علامہ راغب اصفہانی ج ۱ ص ۵۰۲ دیکھئے ہیں:

عادت کا لفظ عہاد بمعود سے بنا ہے آدمی جب کسی فعل کو بار بار کرتا ہے یا کسی فعل کو بار بار قبول کرتا ہے تو اس کو عادت کہتے ہیں عادت حقوق کا فعل ہے اور بحیثیت اور جہت اللہ تعالیٰ کا فعل ہے یہ انسان کی قدرت میں نہیں ہے کہ وہ اپنی بحیثیت اور جہت کے خلاف کوئی کام کرے کیونکہ حقوق کا فعل خالق کے فعل کو تبدیل نہیں کر سکتا لیکن بعض اوقات عادت اس قدر قوی اور مضبوط ہوتی ہے کہ وہ بحیثیت اور جہت کے قائم مقام ہو جاتی ہے اور پھر اس کو طبیعت جانیہ کہتے ہیں۔

ہم نے پہلے بتا دیا ہے کہ کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی خلقت کو تبدیل نہیں کر سکتا اس لیے انسان کی سرشت اور جہت انکو نیک یا فاجر بنانے کے لیے بنایا گیا ہے تو وہ نیک رہے گی اور اگر بد ہے تو وہ بد رہے گی حدیث میں ہے: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حسین شکل دی اور نیک فطرت دی اس کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ (کشف الخفاء ج ۱ ص ۱۷۷) اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ خلق (شکل و صورت) کو خلق (بحیثیت اور جہت) سے فارغ ہو چکا ہے اور خالق کے فعل کو تبدیل کرنا حقوق کی طاقت میں نہیں ہے۔

(الذکر جلد ۵ ص ۵۵-۱۱۳ مطبوعہ منشورات ارضی ایران ۱۳۱۴ھ)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ فرماتے ہیں:

بعض لوگوں کا یہ ذمہ ہے کہ اخلاق میں تغیر اور تبدل نہیں ہو سکتا اور اس پر دو دلیلیں ہیں ایک یہ ہے کہ خلق باطن کی صورت ہے جیسا کہ خلق ظاہر کی صورت ہے اور انسان ظاہر کی صورت کو نہیں بدل سکتا مثلاً جس کا قد چھوٹا ہو وہ اپنا قد بڑا نہیں کر سکتا اور جس کا قد بڑا ہو وہ اپنا قد چھوٹا نہیں کر سکتا اور جس کی شکل و صورت قبیح ہو وہ اپنی شکل و صورت حسین نہیں بنا سکتا پس جس طرح وہ اپنی ظاہری صورت کو تبدیل نہیں کر سکتا اسی طرح وہ اپنی باطنی صورت کو بھی تبدیل نہیں کر سکتا اور اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حسن اخلاق جب حاصل ہوتا ہے جب انسان اپنی شہوت اور غضب کو منقطع کرے اور شہوت اور غضب جب منقطع ہوگا جب انسان کی طبیعت اور اس کا حراز بدل جائے۔ اور ہم نے دیکھا ہے کہ لوگ طویل چاندہ اور کڑی ریاضت کرنے کے باوجود بھی شہوت اور غضب کو منقطع نہیں کر پاتے لہذا اپنے اخلاق کو تبدیل کرنے کی کوشش محض عبث اور تصحیح اوقات ہے۔ ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اگر اخلاق تغیر اور تبدل کو قبول نہ کریں تو عقل اور فصاحت اور تادیب اور وصیت سب باطل ہو جائیں گی اور قرآن اور حدیث میں جو نیک کام کرنے کی تلقین اور ترغیب کی گئی ہے وہ سب عبث ہو جائیں گی حالانکہ یہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: حسنوا اخلاقکم اپنے اخلاق حسین بناؤ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو اور لوگوں کے ساتھ اچھے اور نیک اخلاق کے ساتھ پیش آؤ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۷ سند صحیح ص ۵۳ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۴۹۳۷ مسند احمد رک ج ۱ ص ۵۲ علیہ السلام ج ۳ ص ۳۷۸)

اگر خلق کو تبدیل کرنا ممکن نہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم کیوں دیتے؟

ہم دیکھتے ہیں کہ جانوروں کی طبیعت اور خلق میں تغیر ہو جاتا ہے جنگلی جانوروں کی طبیعت میں انسانوں سے وحشت ہے ان سے گھبرا کر دور بھاگتے ہیں لیکن انسان ان کو مانوس کر لیتا ہے شیر یا بچہ اور بندروں کو سدھالیتا ہے۔ کتے کی طبیعت میں گوشت کھانے کی حرص ہے لیکن انسان تعلیم اور تادیب سے شکاری کتے کی فطرت اور طبیعت بدل دیتا ہے وہ مالک کے لیے بھاری کرتا ہے اور خود نہیں کھاتا تو جب جانوروں کی طبیعت بدل جاتی ہے تو انسان کی طبیعت کیوں نہیں بدل سکتی۔

(ایضاً باطل ج ۳ ص ۵۱ مطبوعہ دارکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ داغاب الصہبانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

عادت کا لفظ عباد یعود سے بنا ہے آدمی جب کسی فعل کو بار بار کرتا ہے یا کسی فعل کو بار بار قبول کرتا ہے تو اس کو عادت کہتے ہیں عادت مخلوق کا فعل ہے اور بحیثیت اور جبلت اللہ تعالیٰ کا فعل ہے یہ انسان کی قدرت میں نہیں ہے کہ وہ اپنی بحیثیت اور جبلت کے خلاف کوئی کام کرے کیونکہ مخلوق کا فعل خالق کے فعل کو تبدیل نہیں کر سکتا لیکن بعض اوقات عادت اس قدر قوی اور مضبوط ہو جاتی ہے کہ وہ بحیثیت اور جبلت کے قائم مقام ہو جاتی ہے اور پھر اس کو طبیعت ثانیہ کہتے ہیں۔

ہم نے پہلے بتا دیا ہے کہ کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی خلقت کو تبدیل نہیں کر سکتا اس لیے انسان کی سرشت اور جبلت انگوٹھ کے تودہ نیک رہے گی اور اگر بد ہے تو وہ بد رہے گی حدیث میں ہے: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حسین شکل دی اور نیک فطرت دی اس کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ (کشف المظہار ج ۱ ص ۱۷۷) اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ خلق (شکل و صورت) اور خلق (بحیثیت اور جبلت) سے فارغ ہو چکا ہے اور خالق کے فعل کو تبدیل کرنا مخلوق کی طاقت میں نہیں ہے۔

(اللہ ربیع ص ۱۱۵-۱۱۳ مطبوعہ منشورات ارضی ایران ۱۳۳۳ھ)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ فرماتے ہیں:

بعض لوگوں کا یہ ذمہ ہے کہ اخلاق میں تغیر اور تبدیل نہیں ہو سکتا اور اس پر دو دلیلیں ہیں ایک یہ ہے کہ خلق باطن کی صورت ہے جیسا کہ خلق ظاہر کی صورت ہے اور انسان ظاہر کی صورت کو نہیں بدل سکتا مثلاً جس کا قد چھوٹا ہو وہ اپنا قد بڑا نہیں کر سکتا اور جس کا قد بڑا ہو وہ اپنا قد چھوٹا نہیں کر سکتا اور جس کی شکل و صورت قبیح ہو وہ اپنی شکل و صورت حسین نہیں بنا سکتا پس جس طرح وہ اپنی ظاہری صورت کو تبدیل نہیں کر سکتا اسی طرح وہ اپنی باطنی صورت کو بھی تبدیل نہیں کر سکتا اور اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حسن اخلاق تب حاصل ہوتا ہے جب انسان اپنی ثبوت اور غضب کو منقطع کرے اور ثبوت اور غضب تب منقطع ہوگا جب انسان کی طبیعت اور اس کا حراج بدل جائے۔ اور ہم نے دیکھا ہے کہ لوگ طویل مجاہدہ اور کثرت ریاضت کرنے کے باوجود بھی ثبوت اور غضب کو منقطع نہیں کر پاتے لہذا اپنے اخلاق کو تبدیل کرنے کی کوشش محض عہد اور تصبیح اوقات ہے۔ ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اگر اخلاقی تغیر اور تبدیل کو قبول نہ کر سکیں تو وعظ اور نصیحت اور تادیب اور وصیت سب باطل ہو جائیں گی اور قرآن اور حدیث میں جو نیک کام کرنے کی تلقین اور ترغیب کی گئی ہے وہ سب عہد ہو جائیگی کی حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: حسنوا اخلاقکم اپنے اخلاق حسین بنادو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو اور لوگوں کے ساتھ اچھے اور نیک اخلاق کے ساتھ پیش آؤ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۷ مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۳ سنن الداریم رقم الحدیث: ۱۷۹۳ مسند رک ج ۳ ص ۵۲ مطبوعہ الادبیات ج ۳ ص ۳۷۸)

اگر خلق کو تبدیل کرنا ممکن نہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم کیوں دیتے؟

ہم دیکھتے ہیں کہ جانوروں کی طبیعت اور خلق میں تغیر ہو جاتا ہے جنگلی جانوروں کی طبیعت میں انسانوں سے وحشت ہے وہ ان سے گھبرا کر دور بھاگتے ہیں لیکن انسان ان کو مانوس کر لیتا ہے شیر باغی رچھ اور بندروں کو سدھالیتا ہے۔ کتے کی طبیعت میں گوشت کمانے کی حرص ہے لیکن انسان تعلیم اور تادیب سے فکارتی کتے کی فطرت اور طبیعت بدل دیتا ہے وہ مالک کے لیے شکار کرتا ہے اور خود نہیں کھاتا تو جب جانوروں کی طبیعت بدل جاتی ہے تو انسان کی طبیعت کیوں نہیں بدل سکتی۔

(ادبیات مطبوعہ ج ۳ ص ۵۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ راجب ابن ابی مہدی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

لوگوں کی جہنمیں مختلف ہوتی ہیں بعض لوگوں کی جہنم کسی چیز کو جلدی قبول کرتی ہے اور بعض لوگوں کی جہنم کسی چیز سے قبول کرتی ہے اور بعض لوگوں کی جہنم متوسط ہوتی ہے اور ہر ایک میں کسی کی اثر قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے خواہ صلاحیت بہت کم ہو اور جو ظالم یہ کہتے ہیں کہ خلق اور جہنم میں بالکل تغیر نہیں ہو سکتا ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ قوت ختم نہیں ہو سکتی مثلاً کسی شخص کی جہنم میں برے کاموں کی قوت ہے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ سرے سے وہ قوت ختم ہو جائے اور اس کے بجائے اس میں نیکی کی قوت ہو جائے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ عطا اور نصحت سے اس کی برائی کی قوت میں کمی ہو جائے اور یہ صحیح ہے کیونکہ مجبور کی عقل میں مجبور کو پیدا کرنے کی طاقت ہے اس کی پیداوار میں کمی تو ہوتی ہے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ مجبور کی عقل سے سبب پیدا ہو جائے اور جو ظالم یہ کہتے ہیں کہ خلق اور جہنم میں تغیر اور تبدل ہو سکتا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ انسان میں نیکی اور بدی دونوں کی صلاحیت ہے فرض کیجیے کہ اس کی جہنم میں بدی ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس بدی کو بروئے کار لائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس بدی کو بروئے کار نہ لائے اسی طرح فرض کریں کہ اس کی جہنم میں نیکی ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس نیکی کو بروئے کار لائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی قوت سے اس نیکی کو بروئے کار نہ لائے کسی شخص کے پاس مجبور کی عقل ہو تو وہ چاہے تو اس سے مجبور کا درستہ اگائے اور چاہے تو اس کو یونہی چھوڑ دے حتیٰ کہ وہ مغل سزا جائے اور یہ قول بھی صحیح ہے۔

(الترجمہ ص ۱۱۶ مصلوہ مشقورات الرضی ایران ۱۳۴۲ھ)

اصحاب الایکہ کا اپنے انکار پر اصرار اور ان پر عذاب کا نزول

اس کے بعد فرمایا: انہوں نے کیا تم صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا گیا ہے؟ (اشتراک: ۱۸۵) یعنی جن لوگوں پر پہلے جادو کیا گیا تھا تم بھی ان ہی میں سے ہو۔ پھر کیا اور تم صرف ہماری طرح بشر ہو اور ہم تم کو ضرور جہنموں میں سے گمان کرتے ہیں؟ (اشتراک: ۱۸۶) ان کا گمان یہ تھا کہ رسول کے لیے ضروری ہے کہ وہ فرشتہ ہو اور جب کہ تم فرشتہ نہیں ہو تو تمہارا رسالت کا دعویٰ جھوٹ ہے اس کے بعد انہوں نے کہا: اگر تم جہنم میں سے ہو تو ہمارے لاپرواہان کا کوئی ٹکڑا اگر دو؟ (اشتراک: ۱۸۷) انہوں نے یہ بات حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کرتے ہوئے اور ان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہی۔

شعیب نے کہا: میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو؟ (اشتراک: ۱۸۸) یعنی تم جو کفر کرتے ہو اور انواع و اقسام کے گناہ کرتے ہو ان کو میرا رب خوب جانتا ہے اور اس کفر کی وجہ سے تم عذاب کے مستحق ہو اور وہ عذاب اپنے مقرروقت پر ضرور آئے گا۔

روایت ہے کہ جب اصحاب الایکہ اپنے انکار اور تکبر میں حد سے گزر گئے تو اللہ سبحانہ نے ان پر سات مسلسل سخت گرمی کے دن بھیج دیئے حتیٰ کہ ان کے کنوئیں میں پانی جوش سے اٹھنے لگا اور ان کے لیے سخت گرمی کے باعث سانس لینا دشوار ہو گیا اور ان سب نے جھنگوں کا رخ کیا اور درختوں کے نیچے لیٹ گئے ایک ایک سیاہ رنگ کا برہ ظاہر ہوا اور اس کے نیچے غصہ ہی ہوا چلنے لگی۔ وہ سب ایک دوسرے کو آوازیں دے کر اس ایر کے نیچے جمع ہو گئے اور جب تمام لوگ اس پادل کے نیچے اکٹھے ہو گئے تو اچانک اس ایر سے آگ برسنے لگی اور اس نے ان سب لوگوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سو انہوں نے شعیب کی تکذیب کر دی تو ان کو ساتیاں والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا ہے شک وہ بہت بھاری دن کا عذاب تھا؟ (اشتراک: ۱۸۹) یعنی انہوں نے اپنے شہادت کے زائل ہونے اور حضرت شعیب علیہ السلام کے دلائل واضح ہونے سے باوجود اپنی تکذیب پر اصرار کیا تو ان کو یوم الظلہ کے عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا الظلہ سلیا کرنے والے پادل کو

تھے ہیں اور ساتیاہن کو بھی کہتے ہیں انہوں نے یہی کہا تھا کہ ان کے اوپر آسمان سے کوئی ٹکڑا گر دیا جائے گا یا وہ آسمان کی عذاب سے کسی عذاب کے نازل ہونے کا مطالبہ کر رہے تھے تو ان پر آسمان کی طرف سے ہی عذاب نازل کر دیا گیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کو دو امتوں کی طرف بھیجا گیا تھا اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ اصحاب مدین کو چنگھار اور حرہ کے عذاب سے ہلاک کیا گیا اور اصحاب الایکہ کو یوم القلۃ کے عذاب سے ہلاک کیا گیا۔ اس کے بعد فرمایا:

بے شک اس میں ضرورت تھی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے (اشعراء: ۱۹۰)

یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کا جو قصہ ذکر کیا گیا ہے اس میں اصل والوں کے لیے ضرورت تھی ہے اور اکثر اصحاب الایکہ ایمان لانے والے نہ تھے بلکہ کل اصحاب الایکہ ایمان لانے والے نہ تھے کیونکہ ان میں سے کسی شخص کا بھی ایمان لانا متقول نہیں ہے (علامہ اسماعیل حقانی کا یہ کلمہ قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت کے خلاف ہے) اس کے برخلاف اصحاب مدین میں سے ایک جماعت ایمان لے آئی تھی۔ (روح البیان ج ۶ ص ۳۲۲) علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ دونوں امتوں میں سے نوسو نفر حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے۔ (المجامع کا مقرر قرآن ج ۳ ص ۱۷۷) اس کے بعد فرمایا:

اور بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے بہت رحم فرمانے والا (اشعراء: ۱۹۱)

آپ کا رب غالب ہے یعنی ہر چیز پر قادر ہے اور اس کے قلب کے آثار سے یہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد فرماتا ہے۔

سورۃ اشعراء میں انبیاء علیہم السلام کے قصص کی تنقیح

سورۃ اشعراء میں انبیاء علیہم السلام کے قصص میں سے سات قصے بیان کیے گئے ہیں اور حضرت شعیب علیہ السلام کا قصہ ان میں آخری قصہ ہے۔ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قریشی تہذیب کرتے تھے ان کو بتایا کہ جس قوم نے بھی اپنے نبی کی تہذیب کی اس پر آسمانی عذاب نازل ہوا سو قریش بھی اس عذاب سے ڈرنا چاہیے اور آپ کی تہذیب کو ترک کر دینا چاہیے اور ان واقعات میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر قریش آپ کی تہذیب کر رہے ہیں تو آپ تم اور انھوں نے نہ کریں ہر زمانہ میں ہر نبی کے ساتھ اس طرح ہوتا آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ان سات نبیوں کے قصص بیان فرمائے۔ سات سے کم یا سات سے زیادہ نبیوں کے واقعات کیوں بیان نہیں فرمائے اور ان سات مخصوص نبیوں کی کیا وجہ تھیں ہے اور کیا وجہ ترجیح ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ہم پر یہ وجہ تھیں اور ترجیح مشکف نہیں ہو سکی۔ نیز ان انبیاء میں سے پہلے حضرت موسیٰ کا پھر حضرت ابراہیم کا پھر حضرت نوح کا پھر حضرت صالح کا پھر حضرت لوط کا اور پھر آخر میں حضرت شعیب علیہم السلام کا قصہ بیان فرمایا۔ اور ظاہر ہے کہ ان انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی ترتیب اس طرح نہیں ہے پہلے حضرت نوح علیہ السلام ہیں پھر حضرت عمو ہیں پھر حضرت صالح ہیں پھر حضرت ابراہیم ہیں پھر حضرت لوط ہیں پھر حضرت شعیب ہیں اور پھر حضرت موسیٰ علیہم السلام ہیں۔ سو ان کے واقعات کو اس ترتیب کے ساتھ بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمت ہے۔ اس کو بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہم پر اس کی حکمت اور اس کی وجہ مشکف نہیں ہو سکی۔

مستقبل میں عذاب سے نجات کا مدار

سورۃ اشعراء میں گذرے ہوئے عذاب کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے ذکر سے مستقبل کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔ کفر اور کٹاؤ کبیرہ کے ارتکاب پر عذاب ہوتا ہے اس لیے دل کو کفر اور گناہوں کے ارادہ اور گناہوں کی لذت اور محبت سے خالی کرنا

ضروری ہے اور دل میں اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق اور ان پر ایمان کا حصول ضروری ہے اور دل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع کا جذبہ لازمی ہے اور انسان پر واجب ہے کہ وہ ان چیزوں اور ان تسکینات سے کنارہ کش رہے جو اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور ان کی اطاعت کی راہ میں حرام ہوتی ہیں۔ اس پر اخصام اور نہایت موقوف ہے اور یہ چیز اس وقت حاصل ہوگی جب وہ تمام احکام شریعت پر عمل کرے گا اور ہر قسم کے گناہوں سے بچے گا اور وہ وصیحت اور خیر خواہی کی باتوں کو قبول کرے گا اور کسی صاحب دل اور صاحب فکر کی مجلس میں بیٹھے گا اور اس کے سلوک اور وظائف پر عمل کرے گا پس جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر آپ کے اصحاب کے طریقہ پر اور ائمہ مجتہدین کے ارشادات ان کے اخلاق اور ان کے زہد و تقویٰ پر عمل کرے گا اور ہمیشہ شب بیداری اور تہجد گزار کرے گا اور تمام مامورات شریعہ پر دائرہ عمل کرے گا اور تمام منوعات شریعہ سے لازماً بچتا رہے گا اور اپنے آپ کو تسلیم و رضا کے قالب میں اس طرح ڈھال لے گا کہ اس پر جب بھی مصیبت یا زہ اور مرض کا نزول ہو تو وہ اس سے ٹھہرائے گا نہیں اور جب بھی اس پر فحش و زنا اور حوادث روزگار کا ورود ہو تو وہ اس سے ٹک نہ ہو اور دنیا کے مناصب اور دنیا کی لذتوں اور تفریبات کے چمن جانے سے اس کو احساس محرومی نہ ہو بلکہ فرحت اور خوشی ہو تو اس وقت اس کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رحمت کے یہ آثار ہیں کہ اس کے دل میں اللہ کے حکم کی تعظیم ہو اور اس کے تمام اعضا ساری زندگی اس کے حکم پر عمل پیرا رہیں اور اگر اس کا حال اس کے برعکس ہو تو اس کو جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہے اور اس پر غضبناک ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو تو اللہ تعالیٰ کا برابر و غالب ہے اور اپنا انتقام لینے پر ہر طرح سے قادر ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت کے سامنے میں رکھے اور اپنے قہر و غضب اور اپنے انتقام سے اپنی پناہ میں رکھے (آمین)

وَاتَّعَ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۷﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿۳۸﴾ عَلَىٰ

اور ہے شک یہ (قرآن کریم) کی منزل فرمائی ہوئی کتاب ہے ۳۷ جس کو روح الامین (جبریل) لے کر نازل ہوئے ہیں ۳۸ آپ

قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿۳۹﴾ بِلسَانٍ عَرَبِيٍّ قَبِيْلٍ ﴿۴۰﴾ وَآتَتْهُ

کے قلب کے نور کا آپ (اللہ کے خطاب سے) اُذرائے دلوں میں سے ہو جائیں ۳۹ صاف صاف عربی زبان میں ۴۰ اور ہے شک

لَفِي زُبْرِ الْأَقْلِينَ ﴿۴۱﴾ أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ أَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَءِيلَ ﴿۴۲﴾

اس قرآن کا ذکر کئی کئیوں میں (بھی) ہے ۴۱ کیا ان (کفار کلمہ) کے لیے یہ کافی نکلی نہیں ہے کہ اس (قرآن) کو علماء بنی اسرائیل بھی جانتے ہیں ۴۲

وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ﴿۴۳﴾ فَقَرَأَهُ عَلَيْهِمْ مَا كَانُوا بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿۴۴﴾

اور اگر ہم اس (قرآن) کو کسی فحش شخص پر نازل کرتے ۴۳ پھر وہ اس (قرآن) کو ان کے سامنے پڑھا تب بھی وہ اس پر ایمان نہ لاتے ۴۴

كَذَلِكَ سَلَكْنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۴۵﴾ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّىٰ

اسی طرح ہم نے مجرموں کے دلوں میں ان کے انکار کو داخل کر دیا ہے ۴۵ وہ اس وقت تک اس پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ

يَرَوُ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٣١﴾ فَيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٣٢﴾ فَيَقُولُوا

کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں ۳۱ ان پر اچانک وہ عذاب آئے گا اور ان کو اس کا شعور بھی نہ ہوگا ۳۲ اس وقت وہ یہ نہیں

هَلْ فَنَنْ مُنْظَرُونَ ﴿٣٣﴾ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿٣٤﴾ أَفَرَأَيْتَ إِنْ

کے کہ کیا ہمیں کچھ سہلت دی جائے گی؟ ۳۳ کیا وہ اس عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں؟ ۳۴ اچھا یہ بتائیے کہ اگر ہم ان کو

فَتَعْتَهُمْ سِنِينَ ﴿٣٥﴾ ثُمَّ جَاءَهُمْ مَا كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٣٦﴾ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ

کئی سالوں کی سہلت دے بھی دیں ۳۵ پھر اس کے بعد ان پر وہی عذاب آ جائے جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا ۳۶ تو وہ سامان ان کے کس

فَمَا كَانُوا يَمْتَنِعُونَ ﴿٣٧﴾ وَمَا أَهْلَكَ نَارِينِ قَرِيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ ﴿٣٨﴾

کام آئے گا جس سے فائدہ اٹھانے کی ان کو سہلت دی گئی تھی؟ ۳۸ ہم نے جس ہستی کو بھی ہلاک کیا اس کے لیے عذاب سے ڈرانے والے

ذِكْرِي ﴿٣٩﴾ وَكَأَنَّا ظَالِمِينَ ﴿٤٠﴾ وَمَا تَنْزَلَتْ بِهِ الشَّيْطَانُ ﴿٤١﴾ وَمَا

(جیسے گئے) تھے ۳۹ ان کو پاد کرنے کے لیے اور ہم (ان پر) ظلم کرنے والے نہ تھے ۴۰ اور اس (قرآن) کو شیطان نے نہ نہیں نازل ہوئے ۴۱ اور

يَنْبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٤٢﴾ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ﴿٤٣﴾ فَلَا

نہ وہ اس کے لائق ہیں اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں ۴۲ بے شک وہ (فرشتوں کا کلام) سننے سے محروم کر دیئے گئے ہیں ۴۳ سو

تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَكُونُ مِنَ الْمُعَذِّبِينَ ﴿٤٤﴾ وَانْذِرْ

(اے مخاطب!) تو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کر ورنہ تو بھی عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جائے گا ۴۴ اور آپ

عَشِيرَتِكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٤٥﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

اپنے قریبی رشتہ داروں کو (عذاب سے) ڈرا ہے ۴۵ اور جن مسلمانوں نے آپ کی پیروی کی ہے ان کے لیے اپنی رحمت

الْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٦﴾ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنَّي بِرِئَاسَةٍ قَتْلًا تَعْمَلُونَ ﴿٤٧﴾

کے بازو جھکا کر رکھے ۴۶ پھر بھی اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہیے میں تمہارے کاموں سے بیزار ہوں ۴۷

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿٤٨﴾ الَّذِي يَدْرِكُ حِينَ تَقُومُ ﴿٤٩﴾ وَ

اور بہت غالب اور بے حد رحم کرنے والے پر توکل کیجئے ۴۸ جو آپ کو آپ کے قیام کے وقت دیکھتا ہے ۴۹ اور

تَقْلِبْكَ فِي السَّجْدَيْنِ ﴿۱۹۸﴾ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۹۹﴾ هَلْ أَنْتُمْ مُنْجُونَ

عبدہ کرنے والوں میں آپ کے لئے کوہ ہے شک وہ بہت سننے والا ہے حد جاننے والا ہے ۵ کیا میں سمجھوں گی

عَلَىٰ مَنْ تَنْزَلُ الشَّيْطَانُ ﴿۲۰۰﴾ تَنْزَلُ عَلَىٰ كُلِّ آفَاكٍ أَثِيمٍ ﴿۲۰۱﴾ يُلْقُونَ

خبر دوں جن پر شیاطین نازل ہوتے ہیں ۵ وہ ہر جہت پانہ سننے والے گنہگار پر نازل ہوتے ہیں ۵ وہ سنی سنی

السَّمْعَ وَآكُثَرَهُمْ كَذِبُونَ ﴿۲۰۲﴾ وَالشَّعْرَاءُ يُبَيِّعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿۲۰۳﴾ أَلَمْ تَرَ

باتیں پہنچاتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں ۵ اور شاعروں کی بیرونی گروہ لوگ کرتے ہیں ۵ کیا آپ نے نہیں دیکھا

أَنْتُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهَيِّمُونَ ﴿۲۰۴﴾ وَأَنْتُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿۲۰۵﴾ إِلَّا

کہ وہ ہر وادی میں بھگتے پھرتے ہیں ۵ اور بے شک وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے ۵ سوا ان

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا إِنَّ

لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور انہوں نے اللہ کو بہت زیادہ یاد کیا اور انہوں نے اپنے مظلوم

بَعْدًا ظَلَمُوا وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ﴿۲۰۶﴾

ہونے کے بعد بدلہ لیا اور ظلم کرنے والے عذریہ جان لیں گے کہ وہ کسی لڑنے کی جگہ لوٹ کر جاتے ہیں ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک یہ (قرآن) رب العالمین کی نازل فرمائی ہوئی کتاب ہے ۵ جس کو الروح الامین

(جبریل) لے کر نازل ہوئے ہیں ۵ آپ کے قلب کے اوپر تاکہ آپ (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والوں میں سے

ہو جائیں ۵ صاف صاف عربی زبان میں ۵ اور بے شک اس قرآن کا ذکر پہلی کتابوں میں (بھی) ہے ۵ (اشراء: ۱۹۶-۱۹۷)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلائل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین علیہم السلام کے احوال اور ان کی نبوت کے دلائل ذکر فرمائے تھے اور

ان کی قوموں نے جو ان کی نبوت کا انکار کیا تھا اور اس انکار کے نتیجہ میں ان پر جو اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تھا اس کا ذکر فرمایا تھا اور

اس آیت میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل ذکر فرمائے ہیں کیونکہ ان آیتوں میں انبیاء علیہم السلام

کے قصص اور ان کے واقعات بیان فرمائے جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قصص اور واقعات کو کسی سے نہیں سنا تھا کیونکہ

قریش کہہ جاتے تھے کہ آپ اہل علم اور اہل تاریخ کی مجلس میں نہیں بیٹھے تھے اس کے باوجود آپ نے ان کے واقعات بالکل

درست بیان فرمادیے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام واقعات سے آپ کو بذریعہ وحی مطلع فرمایا۔ اور آپ پر وحی کا

نزول آپ کی نبوت کی دلیل ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے یہ واقعات سابقہ کتابوں میں مذکور ہیں اور آپ

نے سابقہ کتابیں نہیں پڑھی تھیں کیونکہ آپ اُبی تھے اس کے باوجود آپ نے یہ واقعات اسی تفصیل کے ساتھ بیان فرمادیے اور

یہی ہو سکتا تھا جب آپ پر وحی نازل ہو اور نزول وحی آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔

حضرت جبریل کو الروح الامین فرمانے کی وجہ

اس آیت میں قرآن مجید کو اسرار کے لیے حزیل کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور بعض آیات میں انزال کا لفظ ذکر فرمایا ہے حزیل کا معنی ہے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا اور انزال عام ہے دفعہ نازل کرنا یا تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا نیز تکلیل کا وزن کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن مجید تیس سال میں متعدد بار نازل ہوا ہے اور اس کے ساتھ رب العالمین کا ذکر فرمایا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ قرآن مجید کی حزیل مخلوق کی تربیت اور اس کی پرورش کے لیے ہوئی ہے۔

اس کے بعد فرمایا جس کو الروح الامین (جبریل) نے نازل کیا ہے۔ (اشعر، ۱۹۳)

حضرت جبریل کو امین فرمایا کیونکہ وحی کی امانت ان کے سپرد کی گئی تاکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک وحی کو پہنچائیں اور ان کو روح اس لیے فرمایا کہ وہ مکلفین کے دلوں کی زندگی کا سبب ہیں جس طرح روح بدن کی زندگی کا سبب ہوتی ہے کیونکہ دل علم اور معرفت کے نور سے زندہ ہوتے ہیں اور بے علمی اور جہالت سے مردہ ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غار کو مردہ فرمایا:

إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ. (اہل، ۸۰)

بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا تے۔

کفار اس لیے مردہ تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے نور سے خالی تھے اور اس کی ذات اور صفات کو ملاحظہ نہیں پہنچاتے تھے پس حضرت جبریل کو الروح فرمانے کی یہ وجہ ہے کہ وہ وحی لانے پر مامور ہیں اور وحی سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی معرفت ہوتی ہے اور اس معرفت سے دل زندہ ہوتے ہیں اور روح زندگی کا سبب ہے اس لیے حضرت جبریل کو الروح فرمایا۔ حضرت جبریل کو الروح فرمانے کی دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت جبریل کا جسم لطیف ہے اور روحانی ہے اسی طرح فرشتے بھی روحانی ہیں وہ روح سے پیدا کیے گئے ہیں اور وہ ہوا کی طرح لطیف ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ فرشتے اجسام لطیف ہیں اور وہ اپنی لطافت کی وجہ سے روح کے حکم میں ہیں۔ اس لیے ان کو روح قرار دیا گیا اور حضرت جبریل کی لطافت باقی فرشتوں سے بہت زیادہ ہے کیونکہ حضرت جبریل کی تمام فرشتوں پر اس طرح فصیلت ہے جس طرح نبی کی اپنی امت پر فصیلت ہوتی ہے سو فصیلت لطافت کی وجہ سے ان کو الروح فرمایا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر قرآن مجید کو نازل کرنے کی کیفیت

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو الفاظ عربیہ کا لباس پہنایا اور ان الفاظ عربیہ کو حضرت جبریل پر نازل فرمایا اور ان کو ان الفاظ پر امین بنایا تاکہ وہ اس کے حقائق میں تصرف نہ کریں پھر حضرت جبریل نے ان الفاظ کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل فرمایا جیسا کہ فرمایا:

آپ کے قلب کے اوپر تاکہ آپ (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں (اشعر، ۱۹۳)

یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم جبریل نے اس قرآن کی آپ کے سامنے تلاوت کی حتیٰ کہ آپ نے اس کو اپنے دل میں یاد کر لیا کیونکہ دل ہی کسی چیز کو یاد رکھنے اور اس کے ثبوت کا محل ہے اور وحی اور الہام کا معدن اور منبع ہے اور انسان کے جسم میں صرف دل ہی خطاب اور فیض کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور اللہ کے کلام کو اپنے دل میں جذب کرنے اور اس کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت تمام انبیاء میں سے اللہ تعالیٰ نے صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰ. (اہل، ۶)

ہم حقیرب آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ (اس کو) نہیں

بھولیں گے۔

اور باقی انبیاء کی کتابیں الواح (تختیں) اور صحائف کی صورتوں میں نازل کی گئی تھیں ان کے دلوں پر نازل نہیں
تھیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وہی اس وقت نازل کی گئی جب آپ کو وحی کی سخت عیاس تھی پھر وہی آپ کی فہم و بصائر
کی سماعت میں آگئی اور یہ بلندی سے پہنچی کی طرف نزول ہے اور خواص کا مرتبہ ہے کیونکہ عوام پہلے کسی کلام کو سننے ہیں پھر
ان کی فہم میں آتا ہے پھر اس کے بعد وہ اس کو دل میں یاد رکھتے ہیں اور یہ پہنچی سے بلندی کی جانب ترقی ہے اور یہ مرتبہ بلندی
اہل سلوک کا درجہ ہے سو خواص اور عوام میں کس قدر فرق ہے۔

الغنائی النورانیہ میں مرقوم ہے کہ السید سے سوال کیا گیا کہ حضرت جبریل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنی بار نازل
ہوئے تو انہوں نے جواب دیا کہ مشہور قول یہ ہے کہ وہ آپ پر چوبیس ہزار بار نازل ہوئے۔ اور مشکوٰۃ الانوار میں مذکور ہے کہ
ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جبریل ستائیس ہزار بار نازل ہوئے اور باقی انبیاء علیہم السلام پر تین ہزار بار سے زیادہ نازل نہیں
ہوئے۔ (روح البیان ج ۶ ص ۳۹۳)

نیز فرمایا تاکہ آپ (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔ ہر چند کہ آپ نیک اعمال پر
ثواب کی بشارت دینے والے بھی ہیں اور برے اعمال پر اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے بھی ہیں۔ لیکن اس آیت میں صرف
عذاب سے ڈرانے کا ذکر کیا ہے کیونکہ ثواب کے حصول کی بہ نسبت عذاب سے بچنا زیادہ اہم اور اس پر مقدم ہے۔ وہ رذائل سے
خالی ہونا فضائل سے متصف ہونے پر مقدم ہوتا ہے جیسے بیمار اور کمزور آدمی پہلے بیماری کو دور کرتا ہے پھر قوت بخش غذا کھاتا
ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے قرآن مجید کے علاوہ دیگر احکام کے متعلق بھی آپ پر وحی نازل کی ہے
حافظ جمال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابن مردودہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو الروح الامین نے
میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کسی شخص کو اس وقت تک موت نہیں آتی جب تک کہ اس کا رزق مکمل نہ ہو جائے خواہ اس
میں تاخیر ہو۔

امام ابن ابی شیبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ
کام جو تم کو جنت کے قریب کرے گا اور دوزخ سے دور کرے گا میں تم کو اس کا حکم دے چکا ہوں اور ہر وہ کام جو تم کو دوزخ کے
قریب اور جنت سے دور کرے گا میں تم کو اس کام سے منع کر چکا ہوں اور بے شک الروح الامین نے میرے دل میں یہ بات
ڈالی ہے کہ جب تک کوئی شخص اپنے رزق کو مکمل نہیں کرے گا اس کو موت نہیں آئے گی پس تم اللہ سے ڈرو اور اچھے طریقہ سے
طلب کرو اور حصول رزق کی تاخیر تم کو اللہ کی محبت پر نہ ایمارے کیونکہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کی اطاعت سے ہی
حاصل ہوتا ہے۔ (معنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۳۳۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۷۲ھ)

(الدر المنثور ج ۶ ص ۲۸۹ مطبوعہ دارالاحیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۲ھ)

علامہ سید محمود آلوی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں آپ کے قلب سے مراد آپ کی روح ہے اور قلب کا روح پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے۔ اور قرآن مجید کو
آپ کی روح پر نازل کیا گیا ہے کیونکہ روح ہی مدبر اور مخلف ہے نہ کہ جسد اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کی دو جہتیں تھیں آپ کی ایک جہت مکی تھی اور اس جہت سے آپ فیض قبول کرتے تھے اور آپ کی دوسری جہت بصری تھی

تعداد الفراء

اور اس جہت سے آپ ﷺ کو فیض دیتے تھے اس لیے قرآن مجید کو آپ کی روح پر نازل کیا گیا کیونکہ آپ کی روح ہی صفات ملکیت سے متصف ہے جن صفات کی وجہ سے آپ ﷺ الروح الامین سے فیض (روحی) کو قبول کرتے ہیں۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۱۸۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۷ھ)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

حضرت جبریل علیہ السلام کو قرآن مجید نازل ہونے کے لیے قرآن مجید لوح محفوظ سے بیت الصوت کی طرف نازل ہوا۔ یا جب جبریل علیہ السلام کو قرآن مجید کو نازل کرنے کا حکم دیا جاتا تو وہ اس کو لوح سے محفوظ کر لیتے تھے یا ان کی طرف قرآن مجید کی وحی کی جاتی اور وہ اس کو لے کر نازل ہو جاتا یا جیسا کہ بعض محدثین نے کہا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام سے قرآن مجید سنتے پھر بغیر کسی تغیر کے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر القا کرتے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حضرت جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کے معانی نازل کرتے تھے پھر آپ ﷺ معانی کو اپنے الفاظ سے تعبیر کرتے تھے لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: **فَلْيَسْمَعِ الْغُيُوبِ** (انشر ۱۰۵)۔ جبریل نے اس قرآن کو صاف صاف عربی زبان میں نازل کیا ہے اور اگر ایسا ہوتا تو پھر وحی مشکوٰۃ اور وحی غیر مشکوٰۃ میں اور قرآن اور حدیث میں کوئی فرق نہ رہتا۔

اسی طرح بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ الروح الامین سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہو کیونکہ آپ کی روح انتہائی مقدس اور فی نفسہ اس قدر کامل تھی کہ وہ خود بغیر کسی واسطے کے معانی کا ادراک کرتی تھی۔ یہ قول بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ الروح الامین سے مراد حضرت جبریل ہیں اور قرآن مجید میں تصریح ہے کہ قرآن مجید آپ پر حضرت جبریل نے نازل کیا ہے:

ثُمَّ مِّنْ بَيْنِ عَيْنَيْكَ وَالْجَنَّةِ نَازِلَةٌ
عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ (البقرہ ۹۷)
آپ کے جو شخص جبریل کا دشمن ہے (وہ اپنے غیب میں مل جائے) کیونکہ جبریل نے اس قرآن کو آپ کے قلب پر اللہ کے اذن سے نازل کیا ہے۔

اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حضرت جبریل پر معانی اللہ کیے گئے اور انہوں نے ان معانی کو اپنے الفاظ سے تعبیر کیا یہ قول بھی صحیح نہیں ہے۔ صحیح قول یہی ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ بھی اللہ عزوجل نے نازل کیے ہیں اور ان میں حضرت جبریل کا کوئی دخل نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَإِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فَاذْكُرُونَا أَنْصَبُونَ (یس ۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن کو جبریل سے سنتے تھے اور اپنی خدا دادا قوتوں سے اس کو یاد کر لیتے تھے اور یہ اس طرح نہیں تھا جس طرح عام بشر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنتے تھے اور پھر اس کو یاد کر لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کے نزول کے وقت آپ پر سخت دہشت طاری ہوتی تھی اور شدید سردی میں بھی آپ کی پیشانی پر پسینہ کے قطرے نمودار ہو جاتے تھے حتیٰ کہ بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ آپ پر فحش طاری ہوگئی اور بھی یہ گمان کیا جاتا کہ آپ کو انگھ رہے ہیں۔

حضرت الحارث بن عساکم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبھی کبھی مجھ پر وحی ٹپکنے کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھ پر

بہت سخت ہوتی ہے، پس وہی جھ سے منقطع ہوتی ہے اور میں اس کو یاد کر چکا ہوں اور کبھی میرے پاس فرشتہ آدمی کی شکل میں آتا ہے، پس وہ مجھ سے کلام کرتا رہتا ہے اور میں اس کے کلام کو یاد کرتا رہتا ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے انتہائی سردیوں میں دیکھا کہ آپ سے جب وہی کا نزول منقطع ہوا تو آپ کی پیشانی سے پینہ بہرہا تھا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۱۳۳، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۷۹۰، مسند احمد، رقم الحدیث: ۱۷۷۶۶) اور اسی کے موافق صحیح مسلم کی یہ حدیث ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے، اچانک آپ کو اونگھنے لگے، پھر آپ نے سر اٹھایا تو آپ منکرارے تھے، ہم نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کس وجہ سے فس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا مجھ پر ابھی ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے، پھر آپ نے پڑھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ انا اعطیناک البکونۃ فصل لربک وانحر ۱۵ شاتنک هو الابتر ۵

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۳۰۰۰، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۸۳۰، سنن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۹۰۳۰) بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ آپ پر تمام قرآن مجید بیداری میں نازل ہوا ہے۔ اب ان پر یہ اشکال ہوا کہ یہ سورت اکثر تو آپ پر اونگھنے کی حالت میں نازل ہوئی ہے، پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ دراصل پہلے آپ پر یہ سورت بیداری میں نازل ہوئی تھی پھر دوبارہ آپ پر یہ سورت اونگھ یا نیند میں نازل ہوئی۔ ہمارے نزدیک اس تاویل کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے قرآن کریم کو یاد کرتے تھے اور آپ کی تیسرے قرآن مجید کو یاد کرنے سے مانع نہیں تھی کیونکہ حدیث صحیح میں ہے:

قالت عائشة فقلت یا رسول اللہ اتمام قبل
ان توتر فقال یا عائشة ان عیسیٰ تداہان ولا ینام
قلبی۔
حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ رتر پڑھنے سے پہلے سو جلتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! بے شک میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۱۳۷، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۳۶۸، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۳۳۹۰، سنن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۳۳۹۱، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۳۹۳۰)

علامہ اصہبانی نے اپنی تفسیر کے شروع میں کہا ہے کہ اصل السنۃ والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام نازل کیا گیا ہے اور انزال کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا اس کا معنی ہے قرأت کا اظہار کرنا اور بعض علماء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کا جبریل علیہ السلام پر انزال کیا اور وہ اس وقت آسمان میں تھے اور ان کو قرأت کی تعلیم دی۔ پھر حضرت جبریل نے بیچے زمین پر اتر کر اس کو پہنچایا اور اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صورت بشریہ سے خالی ہو کر صورت ملکئہ کی طرف منتقل ہو جائیں اور جبریل علیہ السلام سے وہی کو وصول کر لیں اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حضرت جبریل اپنی صورت اصلہ سے خالی ہو کر صورت بشریہ میں منتقل ہو جائیں اور دونوں میں سے پہلی صورت زیادہ دشوار ہے اور علامہ الطبری نے کہا ہو سکتا ہے کہ آپ پر نزول قرآن اس طرح ہوا ہو کہ فرشتہ روحانی طور پر قرآن مجید کو حاصل کرنے یا نوح محفوظ سے قرآن مجید کو یاد کر لے پھر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کر دے۔

اور بلعد القلب نے کشف کے حواشی میں لکھا ہے کہ انزال کا معنی ہے کسی چیز کو بلندی سے نیچے کی طرف حرکت دینا اور یہ معنی کلام میں تحقیق نہیں ہو سکتا، سو یہ معنی مجازی میں مستعمل ہے، پس جس شخص کے نزدیک قرآن مجید ایک معنی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے تو پھر انزال کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کلمات اور حرف کو پیدا کرے جو اس معنی پر دلالت کریں

بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ ہر چند کہ قرآن مجید کو حضرت جبریل علی نازل کرتے تھے لیکن وہ مجید آپ کے قلب پر قرآن مجید کو نازل نہیں کرتے تھے بلکہ آپ کے قلب پر قرآن مجید کو نازل کرنا انکڑ اور اغلب کے اعتبار سے ہے کیونکہ شیعی الدین ابن عربی نے الفتوحات المکیہ کے چودھویں باب میں لکھا ہے کہ جو فرشتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لے کر آتا تھا اس کی دو قسمیں ہیں مکی وہ آپ کے قلب پر وحی نازل کرتا تھا اور مکی وہ آپ کے پاس جسمانی صورت میں آتا تھا اور جو وحی لے کر آتا تھا اس کو آپ کے کان میں القا کرتا تھا جس کو آپ سنتے تھے اور مکی وہ اس کو آپ کی ہر پر القا کرتا تھا جس کو آپ دیکھتے تھے اور آپ کو دیکھتے تھے جو وحی حاصل ہوتی تھی وہ اس کے بالکل مساوی تھی جو آپ کو سننے سے حاصل ہوتی تھی لیکن یہ صحیح نہیں ہے صحیح یہ ہے کہ قرآن مجید ہمیشہ حضرت جبریل نے آپ کے قلب پر نازل کیا ہے البتہ بعض دیگر امور کے متعلق آپ پر وحی مذکورہ دوسرے طریقہ سے بھی نازل ہو جاتی تھی جیسا کہ احادیث میں ہے بعض اوقات فرشتہ آپ کے پاس جسمانی شکل میں بھی آتا تھا۔ (روح المعانی ج ۱۹ ص ۱۸۸-۱۸۹ مضافاً مسطورہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۷ھ)

قرآن مجید کے عربی زبان میں ہونے کی تحقیق اور غیر عربی الفاظ کا جواب

اس کے بعد فرمایا: صاف صاف عربی زبان میں ۵۰ (اشعرامہ ۱۹۵)

یعنی قرآن مجید کو ایسی صاف صاف عربی زبان میں نازل کیا گیا جس میں الفاظ کی اپنے معانی پر والہات بالکل واضح تھی اور اس میں کوئی خفاء اور اشتباہ نہ تھا تا کہ عرب کے رہنے والے اور قریش مکہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم اس کلام کو سن کر کیا کریں جس کو ہم سمجھ ہی نہیں سکتے اس آیت سے عربی زبان کی تفصیلات بھی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل کیا ہے کسی اور زبان میں نازل نہیں کیا۔ اسی وجہ سے اصل جنت کے لیے عربی زبان کو اختیار کیا گیا ہے اور اہل نار کے لیے عجمی زبان کو سفیان نے کہا قیامت کے دن جنت میں داخل ہونے سے پہلے لوگ سریانی زبان میں کلام کریں گے اور جنت میں داخل ہونے کے بعد عربی زبان میں کلام کریں گے۔

امام عبد الرحمن بن محمد بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن بریدہ روایت کرتے ہیں کہ لسان عربی سے مراد لسان جرهم ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۹۳۷)

نہایت نے کہا قرآن مجید لسان قریش پر نازل ہوا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۹۳۸)

یعنی ابن النضر میں بیان کرتے ہیں کہ میں نے سفیان الثوری کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ عربی زبان کے سوا اور کسی زبان میں وحی نازل نہیں ہوئی پھر برہمی نے اس کا ترجمہ اپنی قوم کی زبان میں کیا اور قیامت کے دن لوگوں کی زبان سریانی ہوگی اور جو جنت میں داخل ہوگا وہ عربی زبان میں کلام کرے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۹۵۰)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید کا صاف صاف عربی زبان میں ہونا کس طرح درست ہوگا جب کہ اس میں دوسری لغات بھی ہیں مثلاً اس میں مسجیل کا لفظ ہے جس کا معنی پتھر اور کچڑ ہے اور یہ فارسی زبان کا لفظ ہے اور قرآن مجید میں صُور کا لفظ ہے فَصَحْنَهُ الْيَتِيمَ (البقرہ ۲۶۰) یعنی ان کو کات کر ان کے نکلے کر دو اور یہ رومی زبان کا لفظ ہے اور قرآن مجید میں ہے وَكَذَلِكَ يَجْنِبُ الْمُتَكَبِّرِينَ (م ۳) اور نہ ہی وہ وقت مانگے کہ تھا یہ سریانی زبان کا لفظ ہے اور کُفَّيْنِیْ کا لفظ ہے اس کے معنی ہیں دو حصے اور یہ جیٹی زبان کا لفظ ہے اور فَسَوَّوْا كَالْفَخَّاءِ ہے جس میں رومی پکائی جاتی ہے اور یہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عرب ان الفاظ کو استعمال کرتے ہیں اور ان کو اپنے عرف اور محاورہ میں پہچانتے ہیں اس لیے یہ الفاظ عربی زبان کے علم میں ہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ الفاظ لغات متداخہ میں سے ہوں یہ الفاظ دوسری زبانوں میں بھی مستعمل

ہوں اور عربی زبان میں بھی مستعمل ہوں۔

عربی زبان کی فضیلت

فقیر ابو الیث نے کہا ہے کہ عربی زبان کو تمام زبانوں پر فضیلت ہے، جس شخص نے عربی زبان خود سیکھی یا کسی دوسرے کو سکھائی تو اس کو اجر ملے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل کیا ہے۔

(روح البیان ج ۶ ص ۳۹۵ حرث ۱۲۲۱ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریش کی محبت ایمان ہے اور جس نے عربوں سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے عربوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

(مسند ابو ارقم رحمہ اللہ ص: ۶۳ حافضہ دمشقی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی ابوسعیم بن جاز مرزوق ہے مجمع الزوائد رحمہ اللہ ص: ۱۶۳۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین وجہوں سے عربوں سے محبت رکھو کیونکہ میں عربی ہوں اور قرآن عربی ہے اور اصل جنت کا کلام عربی ہے۔

(المجموع لکھنؤ رحمہ اللہ ص: ۱۱۳۴ حافضہ دمشقی نے کہا اس حدیث کی سند میں ابوسعیم بن جاز مرزوق ضعیف راوی ہے مجمع الزوائد رحمہ اللہ ص: ۱۶۶۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی پر وہی عربی زبان میں نازل کی پھر بعد میں وہ نبی اس وحی کو اپنی قوم کی زبان میں بیان فرماتا۔

(امام ابو القاسم طبرانی حنفی ۳۶۰ھ فرماتے ہیں اس حدیث کو زہری سے صرف سلیمان بن ارقم نے روایت کیا ہے اور عباس بن الفضل اس میں حذر ہے۔ المجموع ص ۱۱۳۴ حافضہ دمشقی نے کہا سلیمان بن ارقم ضعیف راوی ہے۔ مجمع الزوائد رحمہ اللہ ص: ۱۶۶۰)

عربی زبان کی تاریخ

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کی زبان عربی تھی جب انہوں نے شجر ممنوع سے کھالیا تو اللہ تعالیٰ نے اس زبان کو ان سے سلب کر لیا پھر وہ سریانی زبان میں کلام کرنے لگے پھر جب انہوں نے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ نے وہ زبان ان کو لوٹا دی سریانی زبان ارض سورہ کی طرف منسوب ہے اور یہ ایک جزیرہ کی زبان ہے حضرت نوح علیہ السلام کی زبان اور غرق سے پہلے ان کی قوم کی بھی یہی زبان تھی اور وہ عربی زبان کے مشابہ تھی لیکن اس میں تحریف ہو چکی تھی اور ان کی کشتی میں سوار لوگوں کی بھی ایک کے سوا یہی زبان تھی۔

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم الخلیل علیہ السلام کو یہ عربی زبان الہام کی گئی تھی۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے تو یہی ہے کہ اسلام کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

(المسند ج ۶ ص ۳۳۳ طبع قدیم المسند رک قدیم اللہ ص: ۳۳۱۵ طبع جدید کنز العمال رحمہ اللہ ص: ۳۲۲۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تلاوت کی: قسرا انا عسرہا لغوم یسلمون (تلاوت ۳) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہ زبان الہام کی گئی تھی۔ یہ حدیث

تاکہ کہ مندرجہ ذیل ہر وہ احکام لاگو نہیں ہوتے جو حقیقی بننے کے احکام ہیں اور جیسے اس واقعہ کا حکم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض الزواج کی رضا کے لیے شہد نہ کھانے کی قسم کھائی تھی اسی طرح کی اور دوسری آیات جن کا تعلق خصوصیت سے آپ کے ساتھ ہے یا آپ کی امت کے ساتھ ہے۔

آیا قرآن مجید کو غیر عربی میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں

علامہ سید محمود آلوی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

مشہور یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ قرآن مجید کو فارسی، ترکی، ہندی اور دوسری زبانوں میں بھی پڑھنا جائز ہے، کیونکہ سہلۃ آسمانی کتابیں عربی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں مثلاً عبرانی یا سریانی زبان میں تھیں اور ان زبانوں میں قرآن مجید کی آیات یا اس کے مضامین مذکور تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کو غیر عربی زبان میں پڑھنا جائز ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ امام اعظم نے صرف فارسی زبان میں قرآن مجید پڑھنے کی اجازت دی ہے، کیونکہ عربی زبان کے بعد سب سے افضل زبان فارسی ہے، کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ اصل جنت کی زبان عربی اور فارسی ہے ایک اور روایت میں ہے کہ فارسی زبان میں اس وقت قرآن مجید پڑھنا جائز ہے جب ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی شان، جو جیسے سورۃ الاحقاف اور جب اس میں کوئی اور مضمون ہو تو پھر قرآن مجید کو فارسی میں پڑھنا جائز نہیں ہے، اور امام اعظم سے ایک اور روایت یہ ہے کہ جب نمازی عربی میں قرآن کریم پڑھنے سے عاجز ہو تو پھر اس کے لیے فارسی میں قرآن مجید پڑھنا جائز ہے اور جس مضمون کو اس نے پڑھا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو یا اس کی تہنیت ہو، لیکن جب پڑھنے والا عربی اچھی طرح پڑھ سکتا ہو اور وہ غیر نماز میں پڑھے یا نماز میں پڑھے تو اس کے لیے غیر عربی میں قرآن کریم پڑھنا جائز نہیں ہے، یا وہ عربی میں پڑھنے سے عاجز ہو لیکن جس مضمون کو وہ پڑھا ہو وہ اسری یا نبی ہو تو پھر اس کے لیے غیر عربی میں پڑھنا جائز نہیں ہے اور ذکر کیا گیا ہے کہ یہ امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے اور پہلے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس قول کی مخالفت کی تھی پھر انہوں نے اس قول سے رجوع کر لیا اور ثقہ حنفیہ کی ایک جماعت سے صحت کے ساتھ مقول ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے مطلقاً غیر عربی میں قرآن پڑھنے کی اجازت سے رجوع کر لیا اور علامہ حسن بن عمار شربلائی متوفی ۱۰۶۹ھ نے اس مسئلہ کی تحقیق میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام یہ رکھا ہے العنقۃ القدسیۃ فی احکام فواء القرآن فی طرح اس میں فارسی میں قرآن مجید لکھنے کی بھی تحقیق کی ہے اور امام ابو حنیفہ کا اس مسئلہ میں رجوع اس لیے ہے کہ سورۃ اشعراء کی آیت: ۱۹۶ سے اس مسئلہ پر استدلال کرنا ضعیف ہے۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۱۸۹ سلیمہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۷ھ)

غیر عربی میں قرآن مجید پڑھنے کی مزید تحقیق

علامہ محمد بن علی بن محمد حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ اور اس کے شارح علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

اور نماز کو غیر عربی زبان کے شروع کرنا صحیح ہے خواہ کوئی زبان ہو اور علامہ البردوسی نے فارسی زبان کی تخصیص کی ہے کیونکہ اس کی فضیلت حدیث میں ہے، اصل جنت کی زبان عربی اور فارسی فصیح ہے (المطالع القاری نے کہا ہے حدیث موضوع ہے الاسرار المرفوعہ رقم: ۳۵۸) اسی طرح امام ابن جوزی اور حافظ سیوطی نے کہا ہے (الموضوعات ج ۲ ص ۳۹، المجلد فی المصنوع ج ۱ ص ۴۴۴) اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے یہ شرط عائد کی کہ وہ عربی میں پڑھنے سے عاجز ہو، اور خطبہ اور نماز کے تمام اذکار میں بھی یہی اختلاف ہے کہ ان کو غیر عربی میں پڑھنا کراہت تخریج کے ساتھ صحیح ہے۔ اور اگر وہ عربی میں قرآن پڑھنے سے عاجز ہے تو اس کا نماز میں غیر عربی میں قرأت کرنا اجتماعاً جائز ہے۔ قرأت میں بھری قید لگائی ہے، کیونکہ زیادہ صحیح ہے کہ امام ابو حنیفہ نے

صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا اور اسی پر فتویٰ ہے میں کہتا ہوں کہ علامہ مبنی نے نماز کے شروع کرنے کا حکم بھی نماز میں قرأت کرنے کی مثل لکھا ہے لیکن سلف نے اس طرح نہیں کہا اور نہ اس قول کی تقویت میں کوئی سند ہے بلکہ تاریخہ میں نماز کے شروع کرنے کو تنبیہ کی مثل کہا ہے پس ظاہر یہ ہے کہ صاحبین نے امام ابوحنیفہ کے قول کی طرف رجوع کیا ہے نہ کہ امام اعظم نے ان کے قول کی طرف رجوع کیا ہے اس کو یاد رکھنا کیونکہ اکثر فقہاء پر یہ چیز مخفی ہے حتیٰ کہ علامہ شربلانی متوفی ۱۰۶۹ھ پر بھی ان کی تمام کتابوں میں۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۱ ص ۱۶۱-۱۶۲ مطبوعہ دارالامیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابو یوسف اور امام محمد نے یہ کہا ہے کہ نماز میں عربی میں قرأت کرنا شرط ہے ہاں اگر کوئی عاجز ہو تو وہ فارسی میں قرأت کر سکتا ہے پہلے امام ابوحنیفہ بخیر بخیر کے بھی فارسی میں قرأت کرنے کو جائز کہتے تھے پھر انہوں نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا کیونکہ نماز میں قرآن کو پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور قرآن کی تحریف ہے وہ الفاظ عربیہ جو مستقیم ہیں اور نازل شدہ ہیں اور مصاحف میں مکتوب ہیں۔ اور ہماری طرف نقل متواتر سے نقل کیے گئے ہیں اور جو عجیب زبان میں پڑھا گیا ہو یا لکھا گیا ہو اس کو مجازاً قرآن کہا جاتا ہے اسی لیے اس سے قرآن کے نام کی نئی کرنا صحیح ہے۔ اس دلیل کی قوت کی وجہ سے امام اعظم نے ان کے قول کی طرف رجوع کر لیا اور فارسی میں نماز شروع کرنے کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کی دلیل قوی ہے کیونکہ نماز کو شروع کرنے سے مطلب ذکر اور تقسیم ہے اور یہ کسی بھی لفظ سے اور کسی بھی زبان سے حاصل ہو جاتا ہے خواہ وہ عربی یا کسی طرح پڑا ہو یا نہیں اس لیے غیر عربی میں بلا عذر نماز شروع کرنا بالاطلاق جائز ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۱۶۲ مطبوعہ دارالامیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ علاء الدین حصکی لکھتے ہیں:

اگر اس نے نماز میں فارسی میں قرآن پڑھا یا تورات یا انجیل پڑھی اگر اس نے قصہ پڑھا ہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر پڑھا ہے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

علامہ شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اگر اس نے عربی میں قرأت پر قدرت کے باوجود فارسی میں قرآن پڑھا یا تورات پڑھی تو اگر اس نے قصہ پڑھا ہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور فتح القدیر میں مذکور ہے کہ اگر اس نے فارسی میں قرآن کے کسی قصہ یا امر یا نہی کو پڑھا تو محض اس کے پڑھنے سے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس وقت وہ اس قرآن کے ساتھ کلام کر رہا ہے جو غیر قرآن ہے۔ اس کے برخلاف اگر اس نے فارسی میں قرآن مجید کا وہ حصہ پڑھا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے یا اس کی شرک اور ولد وغیرہ سے تنزیہ ہے تو اس صورت میں اس کی نماز اس وقت فاسد ہوگی جب وہ اسی پڑھنے پر اقتصاد کرے اور عربی میں قرأت نہ کرے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۶۳ مطبوعہ دارالامیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

آیا ترجمہ قرآن پر قرآن مجید کا اطلاق ہو سکتا ہے یا نہیں

کشف الاستار میں مذکور ہے کہ اگر قرآن کا مصداق وہ ہے جس کو چہ طور معجزہ نازل کیا گیا ہے تو پھر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ترجمہ قرآن قرآن نہیں ہے اور اگر قرآن مجید کا مصداق وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ پھر اس کی قرأت ممکن ہی نہیں ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ قرآن مجید کا مصداق وہ معنی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے تعبیر کیا جائے خواہ وہ کسی لغت میں ہو تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ اسوں کا اختلاف لغات کے اختلاف

ہے ہوتا ہے اور جس طرح قرآن مجید کا نام تورات نہیں رکھا جاسکتا اسی طرح تورات کا نام قرآن مجید نہیں رکھا جاسکتا۔ پس
ناموں کے اختلاف میں ان کی عبارات اور الفاظ کی خصوصیت کا دخل ہے اور ایسا نہیں ہے کہ ان کے نام اس معنی کے اشتراک
کی وجہ سے ہیں اور اس میں بحث ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَجْمَبًا لَعَالُوا لَأَفْهَمُوا لِقَاءَ رُسُلِهِمْ ۚ لَئِنْ شِئْنَا لَآتَيْنَهُمْ الْكِتَابَ مِنْ فَوْقٍ وَأَعْلَمُوا بِآيَاتِنَا ۚ (نجم: ۳۳)

اور اگر ہم اس قرآن کو کبھی زبان میں عبادت تو یہ ضرور کہتے
کس کی آیتیں صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں۔
نیا آیت اس معنی کو مستلزم ہے کہ اگر یہ قرآن کبھی زبان میں ہوتا تب بھی اس کا نام قرآن ہی ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ
عبارت اور الفاظ کی خصوصیت کا اس کا نام قرآن رکھنے میں کوئی دخل نہیں ہے اور حق یہ ہے کہ اگر قرآن کا لفظ تکرر ہو تو پھر اس کا
لغوی معنی سے منقول ہونا ثابت نہیں ہے اور اگر قرآن کا لفظ معرّفہ ہو یعنی القرآن تو پھر اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے الفاظ اور
اس کی عبارت عربی ہو اور یہی عرف شرعی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کا نام رکھنے میں اس کے الفاظ اور اس کی عبارت کی
خصوصیت کا دخل ہے اور جو آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نماز میں قرآن مجید کا پڑھنا فرض ہے وہ یہ ہے:

فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْ الْقُرْآنِ ۚ (الزمر: ۲۰)

پڑھو۔
اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا نام قرآن رکھنا جائز نہیں ہے۔

(روح المعانی ج ۱۲ ص ۱۹۰-۱۹۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۷ھ)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا ان (کفار مکہ) کے لیے یہ کافی نشانی نہیں ہے کہ اس (قرآن) کو ملا یعنی اسرائیل بھی جانتے
ہیں اور اگر ہم اس قرآن کو کسی عجیب گھٹیا پرانے کرے تو پھر وہ اس (قرآن) کو ان کے سامنے پڑھتا تب بھی وہ اس پر
ایمان نہ لاتے (اشتراک: ۱۹۹-۱۹۷)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل

اشتراک: ۱۹۷ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق اور اس کے نبوت پر دوسری دلیل قائم کی ہے اور اس کی
تقریر یہ ہے کہ علماء بنی اسرائیل کی ایک جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لے آئی تھی اور انہوں نے یہ نشانہ ہی کی
کہ تورات اور انجیل کی ملاں ملاں آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت اور آپ کی نعمت بیان کی گئی ہے اور مشرکین مکہ
یہود کے پاس جاتے رہتے تھے اور ان کو یہ واقعہ معلوم تھا اور اس واقعہ میں آپ کی نبوت کے صدق پر واضح دلالت ہے کیونکہ
آسمانی کتابوں کا آپ کی نبوت پر متفق ہونا آپ کی نبوت کے صدق پر قطعی دلیل ہے۔

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلام علماء بنی
اسرائیل میں سے تھے اور ان میں سب سے افضل مانے جاتے تھے وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب کے ادھر پر ایمان لے
آئے تھے اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: کیا ان (کفار مکہ) کے لیے یہ کافی نشانی نہیں ہے کہ اس (قرآن) کو ملا یعنی
اسرائیل بھی جانتے ہیں (جامع البیان رقم الحدیث: ۸۳۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۵ھ) تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۹۵۹

امام عبد الرحمن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
عطیہ نے کہا یہ بنی اسرائیل کے پانچ علماء تھے: حضرت اسد، حضرت اسید، حضرت ابن یاسین، حضرت ثعلبہ اور حضرت
عبد اللہ بن سلام۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۹۵۹ مطبوعہ مکتبہ نزار صوفی کراچی ۱۳۷۷ھ)

قائد نے کہا اس آیت سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں جو تورات اور انجیل میں یہ لکھا ہوا پاتے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ ج ۱: ۱۵۹۵)

قرآن مجید میں جو لفظ علماء ہے یہ ہر اس شخص کو شامل ہے جس کو یہود و نصاریٰ کی کتابوں کا علم ہو خواہ وہ اسلام لایا ہو یا اسلام نہ لایا ہو اور اصل کتاب کی شہادت مشرکین پر اس لیے حجت ہے کہ وہ اپنے دینی معاملات میں اصل کتاب کی طرف رجوع کرتے تھے کیونکہ ان کے متعلق ان کا علم غالب ہے یہ تھا کہ ان کو دین کا علم ہے۔

اس آیت کا یہ معنی بھی ہے کہ یہ قرآن اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے اور اس کا ذکر سابقہ آسانی کتابوں میں ہے کیا اس پر ایمان لانے کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام حضرت سلمان فارسی اور حضرت عدی بن ابی حاتمؓ یہود و نصاریٰ کے نقاد اور معتد علماء میں سے ہیں اور وہ اس حقیقت کو جانتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے راسخ رسول ہیں اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کلمی کتاب ہے روایت ہے کہ کل مکہ نے ۵۰ ہجری کے یہودیوں کے پاس ایک وفد بھیجا اور ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کی بشارت کے متعلق سوال کیا تو علماء یہود نے کہا وہ اس زمانہ کے نبی ہیں اور ہم کو تورات میں ان کی نعمت اور صفت معلوم ہے۔

(روح البیان ج ۶ ص ۳۹۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۳۲ھ)

اس کے بعد فرمایا: اور اگر ہم اس (قرآن) کو کسی گنجی شخص پر نازل کرتے ۵۰ پھر وہ اس (قرآن) کو ان کے سامنے پڑھتا

جب بھی وہ اس پر ایمان نہ لاتے ۵۰ (اشتراک: ۱۹۹-۱۹۸)

کفار مکہ کا عناد اور ہٹ دھرمی

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان دو دلیلوں سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صادق ہونا بیان کر دیا اس کے بعد یہ فرمایا کہ ان کفار اور معاندین کے لیے دلائل اور براہین سود مند نہیں ہیں کیونکہ ہم نے یہ قرآن اس شخص پر نازل کیا ہے جو ان کا ہم زبان ہے اور ان کی طرح عربی بولتا ہے جس کی زبان اور اس کے کلام کو یہ سنتے اور سمجھتے ہیں اور جانتے اور پہچانتے ہیں اور یہ کلام معجز ہے اور اس کا معارضہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور عریضہ یہ کہ سابقہ آسانی کتابوں میں بھی اس کی پیش گوئی اور بشارت موجود ہے اس کے باوجود مکہ کے کفار اس پر ایمان نہیں لائے اور اس کے وحی الہی ہونے کا انکار کیا وہ اس کو کبھی شعر کہتے ہیں کبھی جادو کہتے ہیں اور کبھی گزشتہ لوگوں کے قصے کہانیاں قرار دیتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ یہ محض خیالی باتیں اور من گھڑت اقوال ہیں تو اگر ہم اس قرآن کو کسی گنجی شخص پر نازل کرتے جو عربی زبان اچھی طرح بولنے والا نہ ہوتا تب بھی یہ اس کا کفر کرتے اور اپنے انکار اور کفر پر اس کے گنجی ہونے کو دلیل اور عذر بنا لیتے اور کہتے ہیں اس گنجی شخص پر ایمان لانا ہمارے لیے باعث عار ہے اور تکبر کی وجہ سے اس پر ایمان نہ لاتے حالانکہ ایک گنجی شخص کا ایسا فصیح و بلیغ کلام پیش کرنا جس کی نظیر لانے سے تمام دنیا عرب عاجز تھی اپنے معجز ہونے میں بہت زیادہ واضح اور جلی تھا کہین یہ لوگ محض تکبر کی وجہ سے اس پر ایمان نہ لاتے۔

امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مطیع نے اس آیت کی تفسیر میں کہا گنجی نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جانوروں کو بگم یعنی گویا فرماتے تھے۔

مجاہد نے کہا جس طرح بگم کے حیوانوں پر قرآن مجید پڑھا جائے تو وہ اس پر ایمان نہ لاتے اسی طرح یہ کفار بھی قرآن مجید پر ایمان نہیں لارے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۳۹۹ مطبوعہ مکتبہ زہد معینی مکتبہ مدینہ ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی طرح ہم نے منکروں کے دلوں میں انکار کو داخل کر دیا ہے ۵۰ وہ اس وقت تک اس پر ایمان

جس لائیں گے حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں ۵۱ ان پر اچانک وہ عذاب آئے گا اور ان کو اس کا شعور بھی نہ ہوگا ۵۲ اس وقت وہ یہ کہیں گے کہ کیا ہمیں کچھ سہلت دی جائے گی؟ ۵۳ کیا وہ ۵۴ اسے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں؟ ۵۵ اچھا یہ بتائیے کہ اگر ہم ان کو کوئی سائل کی سہلت دے بھی دیں ۵۶ پھر اس کے بعد ان پر وہی عذاب آجائے جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا ۵۷ تو وہ سامان ان کے کس کام آئے گا جس سے فائدہ اٹھانے کی ان کو سہلت دی گئی تھی ۵۸ ہم نے جس ہستی کو بھی ہلاک کیا اس کے لیے عذاب سے ڈرانے والے (جیسے مجھے) تھے ۵۹ ان کو یاد کرانے کے لیے 'اور ہم (ان پر) ظلم کرنے والے نہ تھے ۶۰ اور اس قرآن کو شیاطین نے کر نہیں نازل ہوئے ۶۱ اور نہ وہ اس کے لائق ہیں اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں ۶۲ بے شک وہ (فرشتوں کا کلام) سننے سے محروم کر دیئے گئے ہیں ۶۳ (اشعر: ۳۱۲-۳۰۰)

کفار کی ہٹ دھرمیوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

ان آیتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر آپ کی پیغم تبلیغ کے باوجود یہ ایمان نہیں لاتے اور دلائل اور معجزات کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا تو آپ تم اور انھوں نہ کریں ان کے تکبر اور عداوت کی سزا دینے کے لیے ہم نے ان کے دلوں میں کفر اور عداوت کو داخل کر دیا ہے اور جب ہم نے ان کے دلوں میں انکار کو داخل کر دیا ہے تو پھر ان کو مومن بنانے کے لیے ان پر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی آپ ان پر اسی وقت اثر ہوگا جب یہ اپنی آنکھوں سے عذاب کو دیکھ لیں گے۔

امام عبدالرحمن بن محمد بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا اسی طرح ہم نے مکرروں کے دل میں شرک کو داخل کر دیا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ عنہ: ۱۵۹۸۹ مطبوعہ مکتبہ ذر مغلیٰ لاہور ۱۴۱۷ھ)

عکرمہ نے کہا اس کا معنی ہے ہم نے ان کے دلوں میں سخت دلی کو داخل کر دیا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رقم اللہ عنہ: ۱۵۹۹۰)

حضرت انس نے کہا قلوب المعجمین سے مراد ہے قلوب المشرکین اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا قلوب المعجمین سے مراد ہے قلوب الکفار۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رقم اللہ عنہ: ۱۵۵۹۲ ۱۵۵۹۳)

قائد نے کہا جب انہوں نے اللہ کے رسول کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ ڈال دیا کہ وہ اس پر ایمان نہ لائیں سدی نے کہا وہ اس پیغام پر ایمان نہیں لائیں گے جس کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔

عبدالرحمن بن زید نے کہا ان کے کفر اور شرک پر اصرار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں گمراہی کو پیدا کر دیا اور ان کو ایمان لانے سے روک دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ عنہ: ۱۵۹۹۳ ۱۵۹۹۵)

اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے ہم نے اسی طرح مشرکین قریش کے دلوں میں قرآن کو داخل کر دیا حتیٰ کہ انہوں نے اس کے معانی کو اور اس کے معجزہ ہونے کو پہچان لیا پھر بھی وہ اپنے عداؤ خدا اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس پر ایمان نہ لائے۔

اس کے بعد فرمایا: وہ اس پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ وہ اس دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں ۵

(اشعر: ۳۰۰)

اس عذاب کو دیکھنے کے بعد وہ ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں گے لیکن اس وقت ان کا ایمان لانا ان کو نفع نہیں دے گا۔

اس کے بعد فرمایا: ان پر اچانک وہ عذاب آئے گا اور ان کو اس کا شعور بھی نہیں ہوگا ۵ (اشعر: ۳۰۰)

ان پر وہ عذاب یا دنیا میں اچانک آئے گا یعنی وہ دنیا میں اپنی رنگ رلیوں اور کفر اور شرک میں گمن ہوں گے اور اسی حالت میں اچانک ان پر وہ عذاب آجائے گا یا آخرت میں پھر کسی تیاری کے اچانک ان پر وہ عذاب آجائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: اس وقت وہ یہ کہیں گے کہ کیا ہمیں کچھ مہلت دی جائے گی؟ (اشعراء ۸۳)
اللہ کے عذاب کو جلد طلب کرنے کی مذمت

یعنی اس عذاب میں کچھ تاخیر کر دی جائے تاکہ ہم ایمان لے آئیں اور نبیوں کی تصدیق کریں۔
 اور جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے کہا آپ کب تک ہم کو عذاب سے
 ڈراتے رہیں گے اور جس عذاب سے آپ ڈراتے ہیں وہ کب آئے گا؟ تب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا:
 کیا وہ ہمارے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں؟ (اشعراء ۲۰۳)
 کبھی وہ کفار یوں کہتے تھے:

وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِن كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ
 عَبْدِكَ فَأَنْظِرْ عَلَيْنَا جَزَاءَ الَّذِي آمَنَّا بِعَذَابٍ
 أَلَيْنَا ۖ (۱۰) (نحل ۳۶)

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافروں نے کہا تھا:
 قَالُوا إِنَّمَا بُعِثُوا بِكَ نَذِيرًا فَكَذَّبُوا فَجَاءَهُمْ سَيْدَانِ
 يَسْمَانِ ۖ فَذُنُّوهُمْ فَاسْتَفْتَاهُ جَاوِدٌ وَجَاءَ الْحَقُّ بِغُلَامَيْنِ
 يَتِيمَيْنِ (۱۱) (۱۲) (۳۶)

انہوں نے کہا اے نوح تم نے ہم سے بحث کی ہے اور بہت
 زیادہ بحث کی ہے، سو اب تم جس عذاب سے ہم کو ڈار رہے ہو وہ
 لے لی آؤ اگر تم بچوں میں سے ہو۔
 اور جب ان پر عذاب نازل کیا جاتا تو ان کا حال یہ ہوتا تھا کہ وہ اس سے پناہ مانگتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم کو اس دردناک
 عذاب سے کچھ مہلت دی جائے اور ہم سے اس عذاب کو موخر کر دیا جائے اور ان کی ان دونوں ہاتھوں میں کس قدر تھائی اور
 تشدد ہے وہ دیکھ لیں واضح ہے۔ اور امام ابو منصور، تریخی نے التالیفات النجیہ میں کہا ہے ان کا عذاب کو طلب کرنا اور عذاب کی
 دعا مانگنا دراصل یہ بھی ان پر ہمارے عذاب کی دعا، مدت میں سے ہے۔
 امام عبدالرحمن بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں سے ایک شخص کی عیادت
 کی جو کمزور ہو کر بالکل چورہ ہو چکا تھا آپ نے اس سے پوچھا کیا تم اللہ سے کسی چیز کی دعا کرتے تھے یا اس سے کوئی سوال
 کرتے تھے؟ اس نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا تھا: اے اللہ! اگر تو مجھے آخرت میں کوئی عذاب دینا چاہتا ہے تو مجھے وہ
 عذاب دینا میں ہی دے دے! آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! تم آخرت کے عذاب کی طاقت نہیں رکھتے تم نے یہ دعا کیوں نہیں
 کی! اے اللہ ہمیں دنیا میں بھی اچھائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا لے پھر آپ
 نے اس کے لیے دعا فرمائی تو اس کو شفا ہو گئی۔
اس فانی زندگی پر مغرور نہ ہونے کی تلقین

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اچھ یہ بتائیے کہ اگر ہم ان کو کئی سالوں کی مہلت دے بھی دیں ۵ پھر اس کے بعد بھی ان
 پر وہی عذاب آجائے جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا ۵ تو وہ سامان ان کے کس کام آئے گا جس سے فائدہ اٹھانے کی ان کو مہلت
 دی تھی؟ (اشعراء ۲۰۵-۲۰۶)

اشعراء ۲۰۵ کے (و معنی کیے گئے ہیں ایک معنی یہ ہے کہ انہوں نے مدت العمر جو بیش و عشرت اور ناز و نعم کا سامان جمع کیا

قاتلہ اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے جب ان پر اچانک عذاب آ گیا اور دوسرا معنی یہ ہے کہ ہم نے جہان کی مدت عمر تک ان سے عذاب کو مؤخر کر دیا اور ان کو ان کی زندگی خوشحالی کے ساتھ گزارنے کے لیے ساز و سامان عطا کیا اس سے انہوں نے کیا فائدہ اٹھایا کیونکہ انہوں نے اپنے شرک سے توبہ نہیں کی تو عذاب کی اس تاثیر نے ان کو ناکامی اور نادمی کے سوا اور کیا دیا اور ان کو کیا نفع پہنچایا بلکہ جوں جوں ان کی عمر زیادہ ہوئی انہوں نے زیادہ کفر کیا اور بت پرستی کی اور دیگر بڑے بڑے گناہ بھی جس کی وجہ سے وہ اور زیادہ عذاب کے مستحق ہوئے اور اگر ان کی عمر میں یہ اضافہ نہ کیا جاتا تو وہ یہ گناہ نہ کرتے اور زیادہ عذاب کے مستحق نہ ہوتے تو اس دھمیل دینے اور عذاب کو مؤخر کرنے سے بچائے فائدہ کے ان کو الٹا نقصان ہوا۔

یزید بن ابی حازم بیان کرتے ہیں کہ سلیمان بن عبدالملک ہر جمعہ کو اپنے خطبہ میں یہ ضرور کہتے تھے کہ اصل دنیا دنیا میں خوف اور پریشانی کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں اور ان کو کسی گھر میں امن اور چین حاصل نہیں ہوگا حتیٰ کہ اللہ کا حکم آ جائے گا اور وہ اسی حال میں ہوں گے اسی طرح ان کی نعمتیں اور ان کے میض و آرام کا سامان بھی باقی نہیں رہے گا اور وہ اچانک ٹوٹ پڑنے والے مصائب سے مامون نہیں ہوں گے اور ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں رہے گی جس سے وہ سرور ہو سکیں پھر وہ ان آیتوں کی تلاوت کرتے ترجمہ: اچھا یہ بتائیے کہ اگر ہم ان کو کئی سالوں کی مہلت دے بھی دیں پھر اس کے بعد ان پر وہ عذاب آ جائے جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا تو وہ سامان ان کے کس کام آئے گا جس سے فائدہ اٹھانے کی ان کو مہلت دی گئی تھی۔

عبدالرحمان بن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا اس سے مراد کفار ہیں۔

(تفسیر امام ابی حاتم رقم اللہ علیہ: ۱۵۹۹۹/۱۵۹۹۸ مطبوعہ مکتبہ دارالحدیث مصر ۱۴۱۷ھ)

روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ہرجب جب اپنے تخت پر بیٹھے تھے تو وعظ اور نصیحت کے لیے اس آیت کو پڑھتے تھے۔

یحییٰ بن محاذ رحمہ اللہ کہتے تھے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ غافل وہ شخص ہے جو اپنی فانی زندگی پر مغرور رہا اپنی پسندیدہ چیزوں کی لذتوں میں کھویا رہا اور اپنی عاقبتوں کے مطابق زندگی گزارنا رہا۔

حارون رشید نے ایک شخص کو قید کر لیا اس قیدی نے اپنے محافظ سے کہا: امیر المؤمنین سے کہنا تمہارا ہر دن جو تمہاری نعمتوں اور لذتوں میں گزر رہا ہے وہ میری قید اور مشقت کے ایام کو کم کر رہا ہے اور موت عنقریب آنے والی ہے اپنی صراط پر ہماری ملاقات ہوگی جہاں حکم کرنے والا صرف اللہ ہوگا حارون رشید نے جب یہ پیغام سنا تو وہ سیبوش ہو کر گر گیا اور جب ہوش میں آیا تو اس نے اس قیدی کو رہا کرنے کا حکم دیا۔ (روایات ابن ماجہ ص ۳۹۸-۳۹۹ مطبوعہ دارالحدیث مصر ۱۴۱۷ھ)

جرم کے بغیر بھی عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا ظلم نہیں ہے

اس کے بعد فرمایا: ہم نے جس بھی کو بھی ہلاک کیا اس کے لیے عذاب سے ڈرانے والے (بیچھے گئے) تھے ۵ ان کو یاد کرانے کے لیے اور ہم ان پر ظلم کرنے والے نہ تھے ۵ (اشعار: ۲۸-۲۹)

اس آیت میں جمع کے صیغے کے ساتھ مستند و نہ فرمایا ہے اور اس سے مراد ہر بھی میں بیچھے جانے والے نبی اور ان کے تابعین ہیں جو لوگوں کو عذاب سے ڈرانے میں اپنے نبی کی مدد کرتے تھے پھر فرمایا ان کو یاد کرانے کے لیے یعنی ان کو وعظ اور نصیحت سنانے کے لیے اور ان پر جہت قائم کرنے کے لیے اور فرمایا اور ہم ان پر ظلم کرنے والے نہ تھے یعنی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی ایسے شخص کو ہلاک کر دیا جس نے ظلم نہ کیا ہو اس آیت کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر ہم کسی بھی کو اس میں ڈرانے والوں کو بیچھے سے پہلے ہلاک کر دیتے تو یہ ظلم ہوتا جب کہ ہم کسی بھی کو اس وقت ہلاک کرتے ہیں اور اس وقت اس پر عذاب بھیجتے ہیں

جب ہم اس ہستی میں عذاب سے ڈرانے والوں کو بھیج دیں اور وہ لوگ بھر بھی کفر و شرک اور بے کاموں کو نہ چھوڑیں۔ ہر شخص کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی ڈرانے والے کو نہ بھیجے اور اس کے بغیر کسی ہستی پر عذاب بھیج کر اس کو ہلاک کر دے تو یہ بھی اس کا علم نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا مالک ہے اور مالک اپنی ملکوت میں جو چاہے تصرف کرے اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے اور یہ اس کا علم نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے علم سے اپنی کمال نزاحت اور برامت کو ظاہر کرنے کے لیے اس طرح فرمایا اس کی حریف وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

ابن الدیلمی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن ابی کعب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور کہا میرے دل میں تقدیر کے حلقوں ایک شبہ پیدا ہو گیا ہے آپ مجھے کوئی حدیث سنائیے تاکہ اللہ تعالیٰ میرے دل سے اس شبہ کو نکال دے انہوں نے کہا اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں کو اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ان کو عذاب دے گا اور یہ اس کا علم نہیں ہوگا اور اگر وہ ان پر رحم فرمائے تو اس کی ان پر رحمت ان کے اعمال سے زیادہ بہتر ہے اور اگر تم احد پہاڑ جتنا سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دو تو اللہ اس کو اس وقت تک قبول نہیں فرمائے گا حتیٰ کہ تم تقدیر پر ایمان لے آؤ۔ اور تم یہ یقین رکھو کہ جو مصیبت تم کو پہنچی ہے وہ تم سے ملنے والی نہیں تھی اور جو چیز تم سے مل گئی وہ تم کو پہنچنے والی نہ تھی اور اگر تم اس کے خلاف عقیدہ پر مرسے تو تم دوزخ میں داخل ہو جاؤ گے ابن الدیلمی نے کہا پھر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا پھر میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا پھر میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح حدیث روایت کی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۹۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۷۷، مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۷۷، مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۸۷، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۶۹۹، سنن البیہقی ج ۱ ص ۲۰۳)

انسان کو خیر اور شر کا اختیار عطا فرماتا

امام ابو منصور ماتریدی نے التاویلات العجیبہ میں کہا ہے کہ اس آیت میں جس قریہ (ہستی) کا ذکر ہے اس قریہ سے مراد انسان کا جسم ہے اور قریہ میں رہنے والوں سے مراد نفس و قلب اور روح ہے اور ان کو ہلاک کرنے سے مراد یہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی یعنی اس کے احکام اور اس کی منوعات کے تقاضوں پر عمل کرنے کو ترک کر دیتے ہیں اس کے دیے ہوئے حکم کو بجا نہیں لاتے اور جس چیز سے اس نے منع کیا ہے اس کو ترک نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ نے ان انسانوں کے دلوں میں اور ان کی روحوں میں جو نیکی کی صلاحیت پیدا کی ہے اس کو اللہ تعالیٰ ضائع کر دیتا ہے اور یہ جو فرمایا ہے کہ وہ ہستی والوں کو اس ہستی میں ڈرانے والوں کو بھیجنے کے بعد اس ہستی کو ہلاک کرتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ انسان کے دل میں نیکی کا الہام کرتا ہے اور اس کے ضمیر میں برائی پر ملامت کرنے کو پیدا کرتا ہے اور اس کا دل اور اس کا ضمیر اس کو برائی پر مجبور کرتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کے احکام یا دلاتے ہیں اور جب وہ اپنے ضمیر کی آواز پر کان نہیں دھرتا اور مسلسل ایسا ہی کرتا ہے تو پھر اس کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے اور پھر اس سے کوئی آواز نہیں آتی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں جو نیکی کی صلاحیت رکھی تھی وہ فاسد اور ضائع ہو جاتی ہے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكَ فَصًا مَّوَدَّعًا فَكَفَّ يَدَكَ وَأَعْيَتْ عَيْنَكَ وَأَلْطَمَ لسانَكَ
فَلَوْلَا دَعْوَةُ خَلْقِكَ لَخَلَّفَتْكَ حَتَّىٰ تَمُوتَ وَمَا تُدْرِكُكَ
فَلَوْلَا دَعْوَةُ خَلْقِكَ لَخَلَّفَتْكَ حَتَّىٰ تَمُوتَ وَمَا تُدْرِكُكَ
فَلَوْلَا دَعْوَةُ خَلْقِكَ لَخَلَّفَتْكَ حَتَّىٰ تَمُوتَ وَمَا تُدْرِكُكَ

قسم ہے نفس کی اور اس کو درست بنانے کی ۵۰ ہر نفس کو بدکاری کی اور اس سے بچنے کی بھجھ دینے کی۔

اَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِيَتَيْنِ ۚ يَوْمَ اِذَا هُوَ يُنْفَخُ ۚ وَيَوْمَ اِذَا هُوَ يُنْفَخُ ۚ
 اَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِيَتَيْنِ ۚ يَوْمَ اِذَا هُوَ يُنْفَخُ ۚ وَيَوْمَ اِذَا هُوَ يُنْفَخُ ۚ
 اَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِيَتَيْنِ ۚ يَوْمَ اِذَا هُوَ يُنْفَخُ ۚ وَيَوْمَ اِذَا هُوَ يُنْفَخُ ۚ
 اَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِيَتَيْنِ ۚ يَوْمَ اِذَا هُوَ يُنْفَخُ ۚ وَيَوْمَ اِذَا هُوَ يُنْفَخُ ۚ
 اَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِيَتَيْنِ ۚ يَوْمَ اِذَا هُوَ يُنْفَخُ ۚ وَيَوْمَ اِذَا هُوَ يُنْفَخُ ۚ
 اَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِيَتَيْنِ ۚ يَوْمَ اِذَا هُوَ يُنْفَخُ ۚ وَيَوْمَ اِذَا هُوَ يُنْفَخُ ۚ

(الہود: ۲۰-۱۸)

کیا ہم نے انسان کی دو آنکھیں نہیں بنائیں اور نہ ہاں اور
 دو ہونٹ (نہیں بنائے)؟ ہم نے انسان کو دونوں راستے
 دکھادیے سو وہ (خیر کی) گھاٹی (راہ) میں داخل نہیں ہوا اور وہ
 کیا سمجھا کہ (خیر کی) گھاٹی (راہ) کیا ہے؟ کسی (لوہڑی یا غلام)
 کی گردن کو آ زانو کاٹا ہو کہ والے دن کھانا کھائے؟ کسی شیخ رشتہ
 دار کو یا خاک پر پڑے ہوئے مسکین کو؟ پھر وہ کاش مؤمنین میں
 سے ہو جاتا جو ایک دوسرے کو میر کی اور رحم کرنے کی وصیت کرتے
 ہیں؟ یہی لوگ دائیں طرف والے (نیک بخت) ہیں اور جن
 لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا وہ بائیں طرف والے
 (بد بخت) ہیں؟ ان پر چاروں طرف سے گھری ہوئی آگ
 ہوگی۔

اور فرمایا: ہم ان پر قلم کرنے والے نہ تھے کہ عذاب کو عذاب کی جگہ پر نہ رکھتے یا رحمت کو رحمت کی جگہ نہ رکھتے یا غیر مستحق
 کو عذاب دیتے یا کفار مرتدین اور منافقین کو عذاب عطا فرماتے اور صحیح یہ ہے کہ نیک لوگوں کو عذاب عطا فرما، اللہ تعالیٰ کا فضل
 ہے اور بدکاروں کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔

اس پر دلائل کہ شیاطین قرآن کو نازل نہیں کر سکتے

اس کے بعد فرمایا: اور اس قرآن کو شیاطین نے کر نہیں نازل ہوئے اور نہ وہ اس کے لائق ہیں اور نہ وہ اس کی حقت
 رکھتے ہیں؟ بے شک وہ (فرشتوں کا کلام) سننے سے محروم کر دیئے گئے ہیں؟ (اشعر: ۲۱۳-۲۱۲)
 یعنی اس قرآن کو شیاطین نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل نہیں کیا بلکہ اس کو آپ پر الروح الامین نے نازل کیا ہے
 اور نہ شیاطین کے لیے یہ لائق ہے کہ وہ اس کو آپ پر نازل کریں اور نہ وہ اس کی صلاحیت اور استطاعت رکھتے ہیں کیونکہ
 آسمان کی جس جگہ سے قرآن مجید نازل ہوتا ہے وہ وہاں تک پہنچ نہیں سکتے اور شیاطین کو قرآن سننے کی جگہ تک پہنچنے سے معزول
 کر دیا گیا ہے وہ وہاں تک پہنچنے کی کوشش کریں تو ان پر آگ کے گولے پھینکے جاتے ہیں۔

مقابل نے کہا کہ مشرکین قریش یہ کہتے تھے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کاہن ہیں ان کے پاس کوئی جن ہے
 جس کا وہ کلام سننے میں اور پھر اس کلام کو نقل کر کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ خدا کا کلام ہے اور اسی وجہ سے کہہ جاتا ہے کہ رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں ہر کاہن کے ساتھ کوئی جن ہوتا تھا جو آسمان سے دروازوں پر چڑھ کر
 فرشتوں کی باتیں سنتا تھا اور پھر ان باتیں اس کاہن کے کانوں میں ڈال دیتا تھا اور پھر کاہن وہ باتیں مشرکوں کو بتاتا تھا
 اس وجہ سے مشرکین نے یہ گمان کیا کہ قرآن مجید کی وحی بھی اسی جنس سے ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھوک قرار دیا اور فرمایا:
 اس قرآن کو شیاطین نے نازل نہیں کیا بلکہ اس کو الروح الامین نے نازل کیا ہے اور نہ ان کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ آسمان سے
 قرآن کو سن کر اس کو نازل کر سکیں اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد ان کا
 آسمانوں پر فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے جانا ممنوع ہو گیا کیونکہ ان کے اوپر آگ کے گولے بارے جاتے ہیں۔

شیاطین فرشتوں کا کلام نہیں سن سکتے اس کی توجیہ اور بحث و نظر

بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ شیاطین فرشتوں کا کلام سننے سے اس لیے معزول ہیں کہ فرشتوں اور شیاطین کی صفات میں کوئی مشارکت نہیں ہے اور شیاطین میں انوار حق کے فیضان کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے اور ان کے اندر علوم رہا ہے۔ معارف نورانیہ کی صورتیں حرم اور غفلت نہیں ہو سکتیں شیاطین کے نفوس خبیثہ ظلماتیہ اور شریرہ ہیں وہ صرف اسی چیز کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جو از قبیل خونِ شر ہو اور اس میں بالکل خیر نہ ہو اور قرآن مجید تو حقائق اور معنیات پر مشتمل ہے ماسوائے ملائکہ اور کوئی اس کو آسمانوں سے قبول نہیں کر سکتا۔

ان آیات میں یہ اشارہ ہے کہ شیاطین میں قرآن مجید کو نازل کرنے کی صلاحیت نہیں ہے اور نہ اس کو برداشت کرنے کی قوت ہے اور نہ اس کو سمجھنے کی وسعت ہے کیونکہ وہ آگ سے پیدا کیے گئے ہیں اور قرآن مجید نور قدیم ہے اور آگ نور قدیم کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتی کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب دوزخ کی آگ کے پاس سے مومن کا گزر ہوتا ہے تو وہ کھتی ہے:

جز یا مومن فقد اطفأ نورک لہی

۱۔ مومن جلدی سے گزر جا کیونکہ تیرا نور میرے شعلے کو بجھا رہا ہے۔

(الحجۃ المکبرۃ ۳۲ ص ۲۵۸ مائتہ ۱۰ ص ۱) نے کہا اس کی سند میں سلیم بن منصور بن حازم ضعیف راوی ہے صحیح ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۳۳۶) اور جب آگ حائلین قرآن کو برداشت کرنے کی قوت نہیں رکھتی اور ان سے کلام سننے کی استطاعت نہیں رکھتی تو آگ سے بے ہوش ہوئے شیاطین قرآن مجید کو نازل کرنے کی کب طاقت رکھتے ہیں اور اگر وہ اس کلام کو سن بھی لیں تو وہ اس کو سمجھنے سے محروم ہیں اور اس کلام کی فہم ہی اس پر عمل کرنے کا سبب بنتی ہے اور اسی وجہ سے وہ عذاب کا مستحق ہوئے ہیں۔ اس تقریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیاطین فرشتوں کے کلام کو بالکل نہیں سن سکتے اور وہ قرآن مجید کو مطلق نہیں سن سکتے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے وہ آسمانوں پر جا کر فرشتوں کی باتیں سنا کرتے تھے ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا اب وہ جب آسمانوں پر فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے جاتے ہیں تو فرشتے ان پر آگ کے گولے پھینک کر ان کو وہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَسْمَعُ لَیْسَ لَہُمْ سَمْعٌ وَہُمْ لَا یُبْصِرُونَ ﴿۱۰﴾
وَلَا یَسْمَعُونَ لَیْسَ لَہُمْ سَمْعٌ وَہُمْ لَا یُبْصِرُونَ ﴿۱۱﴾
اور ہم نے آسمان کو نوازا تو ہم نے اس کو سخت محافظوں اور سخت آگ کے قسطوں سے بھرا ہوا پایا اور ہم پہلے باتیں سننے کے لیے آسمان میں (جگہ جگہ) جینے جایا کرتے تھے اور اب جو بھی کان لگا کر سنتا ہے وہ اپنے عقاب اور گھات میں آگ کے شعلے کو پا کر

۱۰۔

اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ جن اور شیاطین قرآن مجید کو نہیں سن سکتے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

فَلَنُؤْمِنَ بِرَبِّیْ اِنْ اَنۡزَلَ عَلَیۡہِمْ مِّنۡ سَمۡوَٰتٍ مَّکۡرُۡرًا ﴿۱۰﴾
اِنۡ اَنۡزَلَ عَلَیۡہِمْ مِّنۡ سَمۡوَٰتٍ مَّکۡرُۡرًا ﴿۱۱﴾ (الحجۃ ۱۰)

جماعت نے (یہ قرآن) سنا اور کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے

بعض اکابرین نے کہا ہے کہ شیاطین فرشتوں کا کلام سننے سے محروم ہیں کیونکہ ان کے کانوں ان کی آنکھوں اور ان کے دلوں پر غفلت کے پردے چڑے ہوئے ہیں وہ قرآن مجید کو سننے سے غافل ہیں اور حقیقت میں سننے والا وہ ہوتا ہے جس

اس قلبی، عقلی، نفسی اور روحی سماعت ہو وہ ہر لمحہ کائنات کی تمام حرکات اور آوازوں میں حق سبحانہ کے خطاب کو سنتا ہے جس سے اس کی روح کو سرور اور ذوق و شوق حاصل ہوتا ہے جس شخص کو اللہ کے کلام کی فہم حاصل ہو جائے اور وہ شریعت، حقیقت اور اللہ کی امانت کا پار اٹھانے کی صلاحیت حاصل کر لے اس کو آفرین ہو اور مبارک ہو اور اس کے علاوہ جو لوگ اس مرتبہ سے معزول ہیں ان پر افسوس اور حسرت ہے 'مواے سننے والو! اللہ کے کلام کو سمجھو اور اس کی حقیقت کو پانے کی کوشش کرو کیونکہ علم حقیقت میں وہ ہے جو سینوں میں ہے نہ وہ جو محض ظن اور اندازوں سے حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (سو اے مخاطب!) تو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو نہ تو بھی عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جائے گا اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (عذاب سے) ڈرا ہے اور جن مسلمانوں نے آپ کی عیرونی کی ہے ان کے لیے اپنی رحمت کے بازو جھکا کر رکھے پھر بھی اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہیے میں تمہارے کاموں سے بیزار ہوں اور بہت غالب اور بے حد رحم فرمانے والے پر توکل کیجئے جو آپ کو قیام کے وقت دیکھتا ہے اور جہد کرنے والوں میں آپ کے پلٹنے کو بے شک وہ بہت سننے والا ہے حد جاننے والا ہے کیا میں تمہیں ان کی خبر دوں جن پر شیاطین نازل ہوتے ہیں وہ ہر بہت باندھنے والے نگہگار پر نازل ہوتے ہیں وہ سنی سنائی باتیں پہنچاتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں (اشعراء: ۲۲۳-۲۱۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر اللہ کی عبادت سے ممانعت کی توجیہ

اشعراء: ۲۱۳ میں فرمایا سو تو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو نہ تو بھی عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جائے گا۔ اس آیت میں یہ ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے لیکن درحقیقت یہ خطاب آپ کے قہمیں اور آپ کی امت کی طرف متوجہ ہے کیونکہ آپ تو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد شرک اور ہر قسم کے کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے معصوم ہیں خواہ ان گناہوں کا صدور کیا ہو یا عمداً صورتاً ہو یا حقیقتاً اس لیے اس آیت میں تقریباً خطاب ہے صراحتاً آپ کی طرف نسبت کی گئی ہے اور مراد آپ کی امت ہے اور اس چیز پر یہ خطاب میں یہ حسیہ کرتا ہے کہ اگر یہ فرض محال آپ نے بھی اللہ کے غیر کی عبادت کی تو آپ بھی عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جائیں گے تو بادشاہ اور عام لوگوں کی کیا حیثیت ہے کہ اگر انہوں نے غیر اللہ کی عبادت کی تو وہ کیونکر اللہ کے عذاب اور اس کی گرفت سے بچ سکیں گے۔

امام غفر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ حقیقت میں آپ کے غیر سے خطاب ہے کیونکہ حکیم کا یہ اسلوب اور طریقہ ہوتا ہے کہ جب وہ کسی قوم سے خطاب کو نکو کرنا چاہتا ہے تو ظاہر میں اس خطاب کو اس قوم کے رئیس کی طرف متوجہ کرتا ہے ہر چند کہ اس خطاب سے مقصود اس شخص کے قہمیں ہوتے ہیں اور کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ غیر اللہ کی عبادت سے اجتناب کرنے میں آپ کی امت آپ کی عیرونی اور آپ کی اتباع کرے اور اس میں بھی ان کو آپ کی اقتداء کرنے کا شرف حاصل ہو اس وجہ سے اس آیت میں اللہ مانی نے صرف آپ کو خطاب فرمایا ہے۔ (تفسیر کبیرہ، ج ۸ ص ۵۳۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں سے خطاب ہے جو اللہ تعالیٰ اور قرآن مجید کا کفر کرتے تھے کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو نہ تو بھی عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جاؤ گے اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور ہر چند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر اللہ کی عبادت نہیں کر سکتے

کیونکہ آپ معصوم اور بیکار ہیں لیکن آپ کو بھی غیر اللہ کی عبادت سے ممانعت کے ساتھ خطاب کیا گیا کیونکہ اس سے حضور آپ کا غیر ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس آیت کے بعد فرمایا:

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿۲۲۷﴾ (اشراء: ۲۲۷)

اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائیے۔

تاکہ آپ کے رشتہ دار آپ کے نب اور آپ کی قربت پر بھی کسی کے نیک عمل اور برے کام سے اجتناب کو ترک نہ کریں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۱۳۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت: ۱۳۵ھ)

عشیرۃ کا معنی اور صلہ رحم میں الاقرب فالاقرب کی ترجیح

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائیے۔ (اشراء: ۲۲۷)

یعنی آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اس عذاب سے ڈرائیے جو شرک کرنے اور کبیرہ گناہ کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے اس آیت میں قریبی رشتہ داروں کے لیے عشیرۃ کا لفظ ہے اور ثیرہ کا لفظ عشرہ سے بنا ہے اور عشرہ (دس کا عدد) عدد کامل ہے اس لیے یہ لفظ کسی شخص کے ان رشتہ داروں کی جماعت کا نام بن گیا جو کثیر تعداد میں ہوں خواہ وہ اس کے قریب ہوں یا اس کے معاون ہوں۔ (المغرب ج ۲ ص ۲۳۹ مطبوعہ مکتبہ المدینہ مفتی محمد عمر: ۱۴۱۸ھ)

اس آیت میں قریبی رشتہ داروں سے مراد جو ہاشم ہیں اللہ کے عذاب سے ڈرانے میں ان سے ابتداء کرنا اسی طرح اولیٰ ہے جس طرح نیکی اور صلہ رحم میں ان سے ابتداء کرنا اولیٰ ہے۔ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ نیکی اور صلہ رحم کرنے کے متعلق یہ احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میری نیکی اور صلہ رحم کا کون زیادہ مستحق ہے آپ نے فرمایا تمہاری ماں! اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں! اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں! اس نے پوچھا پھر کون فرمایا تمہارا باپ! ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا: تمہاری ماں! پھر تمہاری ماں! پھر تمہارا باپ! پھر تمہارے زیادہ قریب! زیادہ قریب!۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۲۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۷۰۲ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۹۱۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی انسان کی سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ وہ اپنے باپ کے پیچھے پیچھے گئے کے بعد اس کے دوستوں کے ساتھ نیکی کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۲۲ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۹۱۱)

حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی مسلمان اپنے گھر والوں پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو اس کو اس میں بھی صدقہ کا اجر ملتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۰۲ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۶۵ سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۲۵ سنن البیہقی رقم الحدیث: ۱۲۵۵)

جس طرح قریب کے رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا حکم ہے اور قریب کے رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کرنے اور صلہ رحم کرنے کا حکم ہے اسی طرح جو کفار قریب ہوں ان کے خلاف پہلے جہاد کرنے کا حکم ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الدِّينِ لَا تَعْلَمُوا أَلَّا يَلُونَكُمْ مِنْكُمْ

اے ایمان والو! ان کفار سے جہاد کرو جو تمہارے قریب

التکلیف (المعنی: ۱۳۳)

ہیں۔

اس آیت میں کفار سے جہاد کرنے کا اہم اصول بیان کیا گیا ہے کہ الاول فالاول اور الاقرب فالاقرب کے سوا فقی کفار کے خلاف جہاد کیا جائے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جزیرہ عرب کے مشرکین سے قتال کیا جب آپ مکہ طائف یمامہ خيبر یثرب اور مدینہ منورہ وغیرہ کے خلاف جہاد سے فارغ ہو گئے تو پھر آپ نے اصل کتاب سے جہاد کا آغاز کیا اور نو ہجری میں عیسائیوں سے جہاد کرنے کے لیے حوکن تشریف لے گئے جو جزیرہ عرب کے قریب ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلفاء راشدین نے دم کے عیسائیوں سے قتال کیا اور پھر امیران کے مجوسیوں کے خلاف جہاد کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوہ صفا پر چڑھ کر اپنے قرابت داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وانفذ عسبر تک الاقربین (اشراء: ۲۱۳) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑ پر چڑھے اور آپ نے بلند آواز سے فرمایا ہما صبا حاہ (دشمن کے حملہ کے وقت ان الفاظ سے حسیہ کی جاتی تھی ان کے کفر و شرک کی وجہ سے آپ کو ان پر عذاب کا خطرہ تھا اس لیے آپ نے ان الفاظ کے ساتھ حسیہ کر کے قوم کو آواز دی) تو مکہ کے سب لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے آپ نے فرمایا یہ بتاؤ کہ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ دشمن کا ایک بڑا لشکر اس پہاڑ کے پیچھے کھڑا ہے تو کیا تم سب میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا ہم نے آپ سے کبھی جھوٹ نہیں سنا اس لیے ہم آپ کی تصدیق کریں گے آپ نے فرمایا تو میں تم کو اس بات سے ڈرا رہا ہوں کہ تمہارے سامنے بہت سخت عذاب ہے جب ابولہب نے کہا تمہارے لیے ہلاکت ہو کیا تم نے ہم کو صرف اس لیے جمع کیا تھا؟ پھر وہ کھڑا ہو گیا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی ثبت یدایہی لہب و نسب (تہ: ۱) "ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ خود بھی ہلاک ہو گیا۔"

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۷۱ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۳ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۱۰۸۱۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۵۰ دلائل النبی ج ۲ ص ۱۸۶-۱۸۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی: وَ اَنْذَرْنِي زَحٰطِيْكَ (التکوین: ۲۱۳) تو آپ نے فرمایا:

اے قریش کی جماعت! اپنی جانوں کو خرید لو (عذاب سے بچاؤ) میں تم کو اللہ کے عذاب سے ڈرا بھی نہیں بچا سکتا! (یعنی اگر تم اپنے کفر و شرک پر قائم رہے تو میں تم کو عذاب سے ڈرہ رہا ہوں بھی نہیں بچا سکتا) اے ابو عبد مناف! میں تم کو اللہ کے عذاب سے ڈرا بھی نہیں بچا سکتا! اے صفیاء! رسول اللہ کی پھوپھی! میں تم کو اللہ کے عذاب سے ڈرا بھی نہیں بچا سکتا! اے فاطمہ! بنت محمد! میرے مال سے جس چیز کا چاہے سوال کرو میں تم سے اللہ کے عذاب کو بالکل دور نہیں کر سکتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۵۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۱ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۱۰۸۱۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۵۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۳)

ایک اور حدیث کا متن اس طرح ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وانفذ عسبر تک الاقربین (اشراء: ۲۱۳) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ہر عام اور خاص کو بلایا جب وہ سب جمع ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بنی کعب بن لوی! تم اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ! اے بنی مرہ بن کعب! تم اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ

جلد: ۱۰

سے بچاؤ! اے نبی محمد! تم اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ! اے نبی محمد مناف! تم اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ! اے نبی ہاشم! تم اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ! اے نبی فاطمہ! تم اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ! البتہ میرا تمہارے ساتھ رحم کا رشتہ ہے اور میں مغرب اس کی تراوٹ تم کو پہنچاؤں گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۵ سنن الاسحاق رقم الحدیث: ۲۶۳۱ سنن بکیری رقم الحدیث: ۵۷۷۷)

رحم کی تراوٹ سے فائدہ پہنچانا

صحیح مسلم کی حدیث کے آخر میں ہے میرا تمہارے ساتھ رحم کا رشتہ ہے میں مغرب اس کی تراوٹ تم کو پہنچاؤں گا! اس جملہ کی شرح میں قاضی عیاض متوفی ۵۴۳ھ علامہ ابو العباس احمد بن عمر القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ علامہ نووی متوفی ۶۷۶ھ علامہ سنوی متوفی ۸۹۵ھ اور جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے لکھا ہے کہ رحم کو آگ کی حرارت سے تشبیہ دی گئی ہے جس کو پانی سے ٹھنڈا کیا جاتا ہے یعنی میں تمہارے ساتھ صلہ رحم کروں گا اور تم کو فائدہ پہنچاؤں گا! مسنون کو اکرام کروں گا اور کافروں کو ہدایت دوں گا۔

(اکمال المعلم رقم الحدیث: ۵۹۳-۵۹۴ المعجم ج ۷ ص ۳۸۳ محل اکمال ج ۱ ص ۱۲۳ صحیح مسلم بشرح النووی ج ۲ ص ۱۰۸۳)

مطبوعہ مکتبہ نزار مظنی مکہ مکرمہ الدبیح ج ۲ ص ۲۹۷)

ملاحظہ فرمائی متوفی ۱۰۱۳ھ نے لکھا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے:

اگر اللہ تمہیں عذاب دینا چاہے تو میں تم سے اللہ کے عذاب کو بالکل دور نہیں کر سکتا! اور اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا بیان ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر چند کہ مسلمانوں کو اپنی شفاعت سے نفع پہنچائیں گے! کیونکہ آپ شفاعت کریں گے اور آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی لیکن آپ نے یہاں مطلق نفع رسائی سے منع فرمایا تاکہ انہیں عذاب سے ڈرائیں کہ وہ صرف شفاعت پر تکیہ نہ کریں اور ان کو آخرت کے لیے کوشش کی ترغیب دیں اور فرمایا میرا تمہارے ساتھ رحم کا تعلق ہے۔ میں مغرب صلہ رحم کروں گا! یعنی میں اپنے قربت داروں کے ساتھ قربت کی وجہ سے نیکی اور احسان کروں گا۔

(الترغبات ج ۱ ص ۱۰۵ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان ۱۳۹۰ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس کا معنی یہ ہے کہ چونکہ مجھ پر تمہارے رحم اور قربت کا حق ہے میں اس کی تری سے اس کو ترک کروں گا اور صلہ احسان کا پانی چھڑکوں گا۔ اس حدیث میں بہت زیادہ مبالغہ کے ساتھ ڈرایا گیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اس امت کے گنہگاروں کے لیے بھی ہوگی چہ جائیکہ اپنے اقرباء اور خویشان کے لیے! اور احادیث سے ان کے حق میں شفاعت ثابت ہے! اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا خوف باقی ہے۔ (حدیث المعاد ج ۲ ص ۳۲۱-۳۲۲ مطبوعہ مکتبہ دار الفکر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر خاص و عام کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا

حضرت عیاض بن حمار مجاشعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا: سنو! میرے رب نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں ان چیزوں کی تعلیم دوں جو تم کو معلوم نہیں اور اللہ تعالیٰ نے آج مجھے ان چیزوں کا علم دیا ہے! (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) میں نے اپنے بندے کو جو کچھ مال دیا ہے وہ عطا ہے! میں نے اپنے تمام بندوں کو اس حال میں پیدا کیا کہ وہ باطل سے دور رہنے والے تھے! بے شک ان کے پاس شیطان آئے اور ان کو دین سے مجبور فرمایا اور

پھر آپ نے یہ سوال تمہیں ہار دیا ہر مرتبہ میں آپ کے سامنے کھڑا ہوتا اور آپ فرماتے جینے جاؤ گی کہ تمہاری ہمارا آپ میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارا یعنی مجھے بیعت کر لیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۸۶ سلیمہ دار الفکر دہلی ۱۴۱۶ھ سنہ ۱۹۹۵م رقم الحدیث: ۱۳۷۱ سلیمہ دارالحدیث کراچی ۱۴۱۶ھ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۸۶) ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایا ایک مرتبہ کہ صفا پر چڑھ کر ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا اور ایک بار آپ نے سب کی دعوت کی اور ان کو ایمان نہ لانے پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا ان احادیث سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخرت میں کسی کے کام نہیں آ سکتے جب آپ اپنے قریبی رشتہ داروں سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کر سکتے تو کسی اور سے اللہ کے عذاب کو کیسے دور کر سکیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان احادیث کا مکمل یہ ہے کہ آپ کے رشتہ داروں میں سے جو آپ پر ایمان نہیں لایا اور موت تک کفر اور شرک پر قائم رہا آپ اس کی شفاعت نہیں فرمائیں گے اور اس سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کریں گے لیکن جو آپ پر ایمان لے آیا اور اس سے عمل میں کچھ تعمیر ہوئی تو آپ ایسے عام مسلمانوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے تو اپنے خواص اور اقربین کی شفاعت کیوں نہیں فرمائیں گے اس کے ثبوت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

اہل بیت اور اپنے دیگر قرابت داروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخرت میں نفع پہنچانا

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس منبر پر فرما رہے تھے: ان لوگوں کا کیا حال ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت آپ کی قوم کو نفع نہیں پہنچائے گی، ونگ میری قرابت دنیا اور آخرت میں مجھ سے ملی ہوئی ہے اور اسے لوگوں کا جب تم حوض پر آؤ گے تو میں حوض پر تمہارا بیٹھا ہوں گا۔ (الحدیث)

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۸ دار الفکر بیروت رقم الحدیث: ۱۱۸۸۰ مجمع الزوائد ج ۱۰ رقم الحدیث: ۱۱۸۸۰)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے میں اپنی امت میں سے اپنے اہل بیت کی شفاعت کروں گا پھر جو ان سے زیادہ قریب ہوں اور پھر جو ان سے قریب ہوں پھر انصار کی شفاعت کروں گا پھر ان کی جو چھ پر ایمان لائے اور انہوں نے میری اتباع کی پھر اہل یمن کی پھر باقی عرب کی پھر اعراب کی۔

(الکبیر ج ۱۲ رقم الحدیث: ۱۳۵۵۰ الاکلیل لابن عدی ج ۲ ص ۶۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۳۵۰ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۸۱ ص ۳۸۰)

انفرادی براثر انقلاب رقم الحدیث: ۱۲۶۹۰ حدیث کی سند میں شخص بن ابی داؤد و حرک ہے اور ایضاً بن سلیم شریف ہے لہذا فی المسود ج ۲ ص ۳۴۳ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا کہ میرے اہل بیت میں سے کسی کو دو درجہ میں داخل نہ فرمائے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا فرمایا۔

(انفرادی براثر انقلاب رقم الحدیث: ۳۳۰۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۳۹۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قاطرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ہے شک اللہ عزوجل نے فرمایا کہ وہ نہ تمہیں عذاب دے گا اور نہ تمہاری اولاد کو۔

(الکبیر ج ۱۱ رقم الحدیث: ۱۱۶۸۵۰ حافضہ سیوطی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے درجہ اہل اللہ ہیں)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے میرے رب نے میرے

یا نقصان پہنچانے کے مالک نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس بات کا مالک بنائے گا کہ آپ اپنے اقارب کو نفع پہنچائیں گے۔ آپ شفاعت سے مراد اور شفاعت خاصہ کے ذریعہ تمام امت کو نفع پہنچائیں گے سو آپ صرف اسی چیز کے مالک ہوں گے جس کو آپ کا مولیٰ عزوجل مالک کرے گا اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے: میں تم کو اللہ کے عذاب سے بالکل مستثنیٰ نہیں کروں گا اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ مجھے یہ عزت اور مقام نہیں دے گا یا جب تک مجھے منصب شفاعت نہیں دے گا یا جب تک میری وجہ سے مغفرت کرنے کا مرتبہ مجھے نہیں دے گا اس وقت تک میں تم کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچھاؤں گا۔ اور چونکہ یہ مقام اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا تھا اور نیک اعمال پر براہیئت کرنے کا تھا اس لیے آپ نے یہ قیود ذکر نہیں فرمائیں۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنے رحم کے حق کی طرف اشارہ بھی فرمایا کہ میرا اتہارے ساتھ رحم کا قطع ہے اور میں عنقریب اس کی تراوت تمہیں پہنچاؤں گا جتنی تم کو نفع پہنچاؤں گا اور یہ احادیث میں تحقیق کا بہت عمدہ طریقہ ہے نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: قیامت کے دن میرے لایا ہوا متقی ہوں گے (الادب المفرد) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا ولی اللہ ہے اور صالح مؤمنین ہیں۔ (صحیح مسلم ابواب ۳۶۶ (۲۱۵) ۵۸۸ مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۳ مسند ابی حنوفہ ج ۱ رقم اللہ: ۹۶) سو یہ احادیث آپ کے رحم اور اقارب کو نفع پہنچانے کے خلاف نہیں ہیں اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس شخص نے اپنے عمل میں دیر کر دی تو اس کا نسب اس پر سبقت نہیں کرے گا۔

(صحیح مسلم ابواب ۳۸ (۶۲۹۹) ۶۴۶۲ سنن ابی داؤد رقم اللہ: ۳۹۳۶ سنن ابن ماجہ رقم اللہ: ۲۷۵۰ کنز العمال رقم اللہ: ۳۸۸۳۷) اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے عمل کو مؤخر کر دیا اس کا نسب اس کو بلند درجات تک پہنچانے میں جلدی نہیں کرے گا۔ اس لیے یہ حدیث نجات کے معنی نہیں ہے خاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا باب بہت وسیع ہے اور یہ بھی محظوظ رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حدود کی پابندی پر بہت فیور ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے عہد میں اور وہ صرف اسی چیز کے مالک ہیں جس کا آپ کے مولیٰ نے آپ کو مالک بنادیا ہے اور آپ کی وہی خواہش پوری ہوتی ہے جس کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ (دررکن ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۰۰ مجموعہ کتب اکتیوی ہوز ۳۹۶ ج ۱)

اس پر دلیل کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفع اور ضرر کی نفی ذاتی نفع اور ضرر پر محمول ہے

عہد بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجر اسود کو بوسہ دے رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے کہ بے شک مجھے ہم سے تو ایک حجر ہے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بھی بوسہ دیتا۔

(صحیح البخاری رقم اللہ: ۵۷۷۰ صحیح مسلم ابواب ۲۲۸ (۱۷۷۰) ۳۰۱۳ سنن ابی داؤد رقم اللہ: ۱۸۷۳ سنن الترمذی رقم اللہ: ۷۱۱۷ سنن ابن ماجہ رقم اللہ: ۲۷۵۰ مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۳ مسند ابی حنوفہ ج ۱ رقم اللہ: ۹۶) حدیث دارالافتاء (۱)

تمام شارحین حدیث نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ جو لوگ ثواب کی نیت سے اور اخلاص کے ساتھ حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں حجر اسود ان کے حق میں گواہی دے گا اور جو لوگ دکھاوے اور ریاکاری کے لیے حجر اسود کو بوسہ دیں گے حجر اسود ان کے خلاف گواہی دے گا سو حجر اسود نفع بھی پہنچائے گا اور ضرر بھی اور حضرت عمر نے حجر اسود کو مخاطب کر کے جو یہ کہا کہ تو ایک حجر ہے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان تو اس کا معنی یہ ہے کہ تو باہدات نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتا اور باعرض نفع اور ضرر پہنچا سکتا ہے (شرح الباری) مدۃ القاری شرح ابی داؤد فیض الہادی فی التفسیر وغیرہ) سو جس طرح حجر اسود سے نفع اور ضرر کی نفی ذاتی پر محمول ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نفع اور ضرر کی نفی ذاتی پر محمول ہے اور جس طرح حجر اسود اللہ کی عطا سے نفع اور ضرر

پہنچاتا ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کی عطا سے نفع اور ضرر پہنچاتے ہیں۔
نسب پر اعتماد کرنے کے بجائے عمل کی کوشش کی جائے

امام ابو منصور مازنی ری حنفی ۳۳۵ھ دیلات النجیہ میں لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے والسنو عسبرنک الاقرین اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

فَلَا تَسَابُ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ۝
 پس جب اس دن (صور پھونک دیا جائے گا) تو نہ آپس
 کے رشتے ہوں گے نہ آپس میں سوال کرنا۔ (المومنون: ۱۰۴)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت کے دن ہر نسب منقطع ہو جائے گا ماسوا میرے نسب کے (المحرک: ص ۳۷) پس آپ کا نسب ایمان اور تقویٰ ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا: ہر مومن متقی میری آل ہے (المسلم: ص ۵۵) نیز آپ نے فرمایا: سنو آل ابی فلاں میرے اولیاء نہیں ہیں میرا ولی اللہ ہے اور صالح المومنین ہیں۔ (صحیح مسلم: ص ۲۱۵) اس میں یہ اشارہ ہے کہ جس کا دل نور ایمان سے روشن ہوا وہ اپنے رشتہ داروں کے چراغ سے روشن نہیں ہوا خواہ وہ رشتہ دار اس کا والد ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اولیاء اللہ کی اقتداء میں یہی رزق ہے یہی وجہ ہے کہ انسان خود کھانا کھائے تو اس کا پیٹ بھرتا ہے اور اس کے والد کے کھانے سے اس کا پیٹ نہیں بھرتا سو آپ نے اپنے رشتہ داروں کو اس بات سے ڈرایا اگر ان میں اصل ایمان نہیں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت انہیں کوئی نفع نہیں دے گی اور ان کے حق میں شفاعت قبول کی جائے گی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا:

خطا کاروں کے لیے استغفار اور منکروں سے برأت

اور جن مسلمانوں نے آپ کی پیروی کی ہے ان کے لیے اپنی رحمت کے بازو جھکا کر رکھے ۵ (اشعراء: ۲۱۵)
 اس آیت میں بازو کے لیے جناح کا لفظ ہے جناح کے معنی ہیں بازو اور پرندہ کا پر کسی چیز کے پہلو اور جانب کو بھی جناح کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَطْرِقُ الْعُنَاقُ يَوْمَئِذٍ الْعُنُقَ ۝ (الانعام: ۲۸)

جناحا السلفینہ کا معنی ہے کشش کی دو جاہیں اور جناحا العسکرو کا معنی ہے لشکر کی دو طرفیں۔

وَاضْمُرْ يَتَذَكَّرُ لَكُمْ يَوْمَئِذٍ ۝ (الزمر: ۲۲)

اور اپنا ہاتھ اپنے پہلو کے ساتھ ملائے۔

وَاضْمُرْ يَتَذَكَّرُ لَكُمْ يَوْمَئِذٍ ۝ (الزمر: ۲۲)

اور ہاں باپ پر رحمت کے لیے تو اضع کا بازو جھکائے رکھنا۔

(نبی امر: نکل: ۲۳)

اس آیت میں جناح کے لفظ میں استعارہ ہے کیونکہ ذلت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ذلت ہے جو انسان کا مرتبہ پست کرتی ہے جیسے دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالنا اور دوسری وہ ذلت ہے جو انسان کا مرتبہ بلند کرتی ہے جیسے اللہ کے سامنے سر جھکانا یہاں جناح کے لفظ میں استعارہ ہے کیونکہ ماں باپ کے سامنے ذلت اختیار کرنے سے انسان کا مرتبہ بلند ہوتا ہے انسان جب ماں باپ پر رحم کرنے کے لیے ذلت اور عاجزی اختیار کرے گا تو یہ ذلت اس کو ازاد کر اللہ کی بارگاہ میں لے جائے گی اور اس کا مرتبہ اللہ کے نزد یک بلند کر دے گی۔

اور زیر تفسیر آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ مومنوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں اور ان کو عفو اور درگزر کے دامن میں چھالیں ان کی تفسیرات سے صرف نظر کریں اور ان کے ساتھ حسن اخلاق کے ساتھ پیش آئیں ان کی خطاؤں کو معاف کریں

اور ان کے لیے استغفار اور حفاظت کریں۔ اس کے بعد فرمایا:

پھر بھی اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہیے کہ میں تمہارے کاموں سے بیزار ہوں۔ (اشتراک: ۲۷۷)

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ کے بعض اقدار نے آپ کی مخالفت اور عداوت کا دروازہ کھول دیا اور آپ پر طعن و تشنیع کی زبان دراز کر دی اور آپ کی اطاعت اور اتباع کرنے سے انکار کر دیا پھر فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے غالب اور رحیم ہونے کا معنی

اور بہت غالب اور بے حد رحم فرمانے والے پر توکل کیجیے (اشتراک: ۲۷۷)

بہت غالب سے مراد یہ ہے کہ جو اپنے محبت کرنے والے کو سوا نہیں کرتا اور عداوت کرنے والے کو سر بلند نہیں کرتا اور وہ اپنے دشمنوں کو سرنگوں اور مغلوب کرنے پر قادر ہے اور بے حد رحم فرمانے والے سے مراد یہ ہے جو اس پر بھروسہ کرے اور اپنے معاملات اس کے سپرد کر دے وہ اس کو ناکام اور نامراد نہیں کرتا جو اپنے چاہنے والوں اور اپنے دوستوں کو فتح اور نصرت سے نوازا رہا ہے اور توکل کرنے سے مراد یہ ہے کہ تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اور اس کے ماسوا سے اعراض کرے اور ایسا شخص وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے خواص اور کاملین میں سے ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو ان کے یقین میں سے بنادے۔

توکل کی تحقیق

توکل کا معنی ہے کسی چیز کے حصول کے اسباب فراہم کر کے اس کے حصول کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں اونٹنی کو پانچھ کر توکل کروں یا اس کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا اونٹنی کو پانچھ کر توکل کرو۔

(سنن ابی داؤد: ۴۱۷۷، ترمذی: ۲۵۱۷، ابی داؤد: ۴۱۷۷، ابی داؤد: ۴۱۷۷، ابی داؤد: ۴۱۷۷)

علاء سید محمود اٹوٹی متوفی ۱۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

بہت سے علماء نے توکل کی یہ تعریف کی ہے کہ انسان جس کام کا مالک ہو اور اس کے نفع اور ضرر پر قادر ہو اس کام کو اللہ پر چھوڑ دے یہ توکل ہے اور بعض علماء نے یہ کہا کہ انسان پر کوئی ایسی مصیبت ٹوٹ پڑے جس کو وہ اللہ کی نافرمانی کر کے دور کر سکا ہو اور وہ اللہ کی نافرمانی کر کے اس مصیبت کو دور نہ کرے تو یہ توکل ہے مثلاً وہ جھوٹی گواہی پیش کر کے کسی اہرام سے بیعت سکا ہو لیکن وہ اللہ پر بھروسہ کر کے ایسا نہ کرے تو یہ توکل ہے اور بعض علماء نے کہا یہ توکل کا اونٹنی مر رہا ہے۔ بعض عارفین سے منقول ہے کہ اللہ پر توکل کرنے میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

- (۱) انسان کسی چیز کے سبب کو حاصل کر کے اس کو طلب کرنے اور اس کی نیت یہ ہو کہ وہ اس چیز سے مخلوق کو نفع پہنچائے گا۔
- (۲) انسان کسی چیز کے حصول کے اسباب سے صرف نظر کرے نہ اس چیز کو طلب کرے نہ اس چیز کی حرص کرے اور اپنے آپ کو فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں مشغول رکھے۔

- (۳) انسان کسی چیز کو طلب نہ کرے اور اس کے حصول کے لیے کوئی کوشش نہ کرے اور یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو مہمل نہیں چھوڑا بلکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے اور اس کی تقدیر سے فارغ ہو چکا ہے اور اس نے ہر چیز کے حصول کو ایک وقت مقرر کر کے لیے مقدر کر دیا ہے پس مشکل وہ شخص ہے جس نے غور و فکر کرنے اور اشیاء کے اسباب کو تلاش کرنے سے اپنے نفس کو آرام اور راحت کے ساتھ دھکا ہوا ہے اور وہ اس کا منتظر ہے کہ تقدیر سے اس کے لیے کیا چیز ظاہر ہوتی ہے اور اس کو یہ یقین ہے کہ طلب کرنے سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور توکل اس کو تسخیر نہیں کرے گا اور جب وہ اپنے آپ کو

اسباب کی غلامی سے نکال لے گا اور وہ اپنے توکل میں اللہ تعالیٰ کے حق کے سوا اور کسی چیز کا لحاظ نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ہریم میں کافی ہوگا۔ (روح المعانی ج ۱۹ ص ۲۰۶-۲۰۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۷ھ)

حق توکل کا معنی

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو اس طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے وہ بھوسے مچ کرتے ہیں اور شام کو قلم سیر لٹھتے ہیں۔ (سنن الترمذی رقم اللہ ۲۳۴۳ سنن ابن ماجہ رقم اللہ ۴۱۶۳)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیسی المتوفی ۷۳۳ھ لکھتے ہیں:

حق توکل کا معنی یہ ہے کہ انسان کو یہ یقین ہو کہ اللہ کے سوا کوئی کسی کام کو کرنے والا نہیں ہے اور حقوق میں سے جو چیز بھی موجود ہے اس کو وہی رزق دیتا ہے وہی عطا کرتا ہے وہی منع کرتا ہے وہی زندگی دیتا ہے وہی موت دیتا ہے وہی غنی کرتا ہے اور وہی فقیر کرتا ہے اور جو چیز بھی موجود ہے اس کا وجود اللہ تعالیٰ سے ہی ہے پھر وہ ایسے طریقہ سے اپنے مطلب کی طلب میں کوشش کرے اس کو پرندوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیونکہ پرندے صبح کو بھوکے نکلتے ہیں پھر وہ اپنی روزی اور رزق کو تلاش کرتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔

امام ابو حامد غزالی نے کہا ہے کہ بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ توکل کا معنی ہے بدن سے کب اور کوشش کو ترک کرنا اور دل سے تدبیر کو ترک کرنا اور انسان زمین پر اس طرح پڑا رہے جیسے زمین پر کوئی کپڑے کا ٹکڑا پڑا ہوا یا گوشت کی ہونی پڑی ہو اور یہ جاہلوں کا گمان ہے اور ایسا توکل کرنا شریعت میں حرام ہے اور شریعت نے توکل کرنے والوں کی تعریف کی ہے تو جو شخص حرام کام کرے گا وہ کیسے تعریف اور تحسین کا مستحق ہوگا اور توکل کا معنی یہ ہے کہ بندہ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنے عمل کو بروئے کار لائے اور سعی اور جدوجہد کرے۔ (الکاشف عن حقائق سنن ج ۶ ص ۶۳-۶۴ مطبوعہ دار الفکر آن کراچی ۱۴۱۳ھ)

آیا اسباب کو ترک کرنا توکل میں داخل ہے یا نہیں؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے ستر ہزار نفر بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو نہ داغ لگواتے ہوں گے نہ دم کرتے ہوں گے اور نہ بدقالی نکالتے ہوں گے اور صرف اپنے رب پر توکل کرتے ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم اللہ ۶۲۵۳ صحیح مسلم کتاب ایمان ۱۱۷۷ رقم بخاری ۲۱۸۱ رقم المسلسل ۵۱۳)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۷۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام عبد اللہ المازنی نے کہا اس حدیث سے استدلال کر کے بعض علماء نے کہا کہ وہاں اور علاج کرنا مکروہ ہے اور جمہور علماء اس کے خلاف ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ کثرت احادیث میں دواؤں کے اور کھانے پینے کے فوائد بیان کیے ہیں اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دواؤں سے علاج کیا ہے اور آپ کے دوا کرنے اور دم کرنے سے شفاء کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہ کثرت احادیث مقول ہیں اور احادیث صحیحہ میں ہے کہ بعض صحابہ نے بچھو کے کانے ہوئے پر دم کرنے کی اجرت لی اور جب یہ چیزیں ثابت ہیں تو پھر اس حدیث کا مکمل یہ ہے کہ حق توکل کے معنی وہ لوگ ہیں جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ دوائیں اپنی طبیعت سے نفع دیتی ہیں اور وہ شفا کو اللہ تعالیٰ کی طرف موصول نہیں کرتے۔

قاضی عیاض نے کہا اکثر شارحین حدیث نے اس تاویل کو اختیار کیا ہے لیکن یہ تاویل درست نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم نے ان لوگوں کی زائد فضیلت کا ذکر کیا ہے کہ یہ لوگ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے اور ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے اور اگر یہ تاویل درست ہوتی تو پھر یہ لوگ اس فضیلت کے ساتھ مخصوص نہ ہوتے کیونکہ تمام مومنوں کا یہی عقیدہ ہے اور جس کا عقیدہ اس کے خلاف ہو وہ کافر ہے اور علماء اور اصحاب العالی نے اس مسئلہ میں کلام کیا ہے اور علامہ ابوسلمہ بن خالد نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ پر توکل کرتے ہوئے اور اس کی تقدیر اور اس کی نازل کی ہوئی بیماری پر راضی رہتے ہوئے علاج اور دم کرانے اور دیگر اسباب کو ترک کر دیتے ہیں۔ علامہ خطابی نے کہا ہے مؤمنین کا لیکن کے بلند درجات میں سے ہے اور بہت علماء کا یہ مذہب ہے۔ قاضی عیاض نے کہا یہ اس حدیث کا ظاہر معنی ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ داغ لگوانے دم کرانے اور طب کی باقی انواع میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ سب حق توکل کے مترادف ہیں۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حدیث کا ظاہر معنی وہی ہے جس کو علامہ خطابی نے اختیار کیا ہے اور حق توکل کرنے والے وہی لوگ ہیں جو اسباب کو ترک کر دیں اور ربانی صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج کر لیں تو وہ بیان جواز کے لیے ہے کیونکہ حدیث صحیح میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو داغ لگوانے سے منع بھی فرمایا ہے۔ (پہلے زمانہ میں درد کی جگہ پر لوہے کو گرم کر کے داغ لگا دیتے تھے اور یہ بھی علاج کی ایک قسم ہے)۔

توکل کی حقیقت میں حقد میں اور متاخرین علماء کا اختلاف ہے ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ توکل کے اسم کا وہ ہر شخص مستحق ہے جس کے دل میں غیر اللہ کا خوف بالکل نہ ہو اس کو کسی دردہ کا خوف ہو نہ کسی دشمن کا حتیٰ کہ وہ اللہ کی حمایت پر اعتماد کرتے ہوئے رزق کے طلب کرنے کو بھی چھوڑ دے۔

اور ایک جماعت نے کہا توکل کی تعریف یہ ہے اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا اور یہ یقین رکھنا کہ اس کی تقدیر نافذ ہوگی اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے سعی اور جدوجہد کرنے میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا خصوصاً کھانے پینے میں اور دشمنوں سے حفاظت کے معاملہ میں جیسا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی یہ سنت ہے۔

قاضی عیاض نے کہا اول الذکر بعض مصنف اور اصحاب علم بالقلب والاشارات کا مذہب ہے اور ثانی الذکر علما و ائمہ کا مذہب ہے اور صوفیاء میں سے محققین نے توکل کی تعریف میں یہ کہا ہے کہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اسباب کو اختیار کرنا ضروری ہے لیکن جب انسان صرف اسباب پر قناعت کرے اور مطمئن ہو جائے تو یہ توکل نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کی حکمت کے مطابق اسباب کو اختیار کرے اور اس کا یہ یقین ہو کہ یہ اسباب کسی نفع کے حصول یا ضرر کو دفع کرنے میں مستقل اور موثر نہیں ہیں اور نفع اور ضرر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ سے ہی ظاہر ہوگا۔ یہ تمام کلام قاضی عیاض کا ہے۔

(اکمال المعلم بطرح المسلم ج ۱ ص ۶۰۳-۶۰۱ مطبوعہ دارالوفا و بیروت ۱۳۶۰ھ مکتبہ سلم شرح الخواص ج ۲ ص ۱۰۰-۱۰۹ مطبوعہ مکتبہ زوار مطبعی)

الہاذکر عنہ ۱۳۱ھ

توکل کی تعریف میں صوفیاء کے اقوال

امام ابو القاسم عبدالکریم بن حواری القشیری التونی ۳۶۵ھ لکھتے ہیں:

سہل بن عبداللہ مسری نے کہا متوکل کی تین علامتیں ہیں وہ خود سے سوال نہیں کرتا کسی کی دی ہوئی چیز کو رد نہیں کرتا اور کسی کی دی ہوئی چیز کو جمع نہیں کرتا۔

بایں یہ سے پوچھا گیا کہ توکل کی کیا تعریف ہے؟ انہوں نے پوچھا تمہارے نزدیک توکل کی کیا تعریف ہے؟ سائل نے

کہا ہمارے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ توکل یہ ہے کہ اگر تمہارے دائیں اور بائیں درندے اور آڑوھے ہوں تو تمہارے دل میں خوف نہ پیدا ہوا یا بڑید نے کہا ہاں یہ بھی درست ہے لیکن اگر اہل جنت کو جنت میں ثواب ہو رہا ہو اور اہل دوزخ کو دوزخ میں عذاب ہو رہا ہو اور تم ان میں تیز کر رہے ہو تو تم متوکلین میں سے نکل جاؤ گے۔

سہل بن عبد اللہ نے کہا توکل کا پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح جو جس طرح مردہ غسل کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔

امام قشیری فرماتے ہیں کہ توکل کا محل قلب ہے اور اس کی ظاہری حرکت قلب کے توکل کے معانی نہ ہو اور اس کے نزدیک تقدیر اللہ کی طرف سے ہوا اگر کوئی چیز مشکل ہو تو اللہ کی تقدیر سے ہے اور اگر کوئی چیز آسان ہے تو وہ بھی اللہ کی تقدیر سے ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اونٹنی پر سوار ہو کر آیا اور آپ سے پوچھا کہ اونٹنی کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں یا اونٹنی کو ہانک کر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا اونٹنی کو ہانک کر توکل کرو۔

(سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۴۳۳۳)

ابراہیم خواص بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک دیہات میں جا رہے تھے کہ انہوں نے ایک آواز سنی انہوں نے مڑ کر دیکھ تو ایک اعرابی جا رہا تھا اس نے کہا اے ابراہیم! ہمارے نزدیک توکل یہ ہے کہ جب تم کسی شہر میں جاؤ تو شہر والوں سے تمہاری یہ امید نہ ہو کہ وہ تمہیں کھانا کھلائیں گے بلکہ اللہ پر توکل ہو۔ ابوتراب حبشی نے کہا کہ توکل یہ ہے کہ تم اپنے بدن کو عبادت میں مشغول رکھو اور اپنے دل کو اللہ کی یاد میں مستغرق رکھو اور قدر ضروری پر مطمئن رہو۔ اگر تم کو کچھ دیا جائے تو شکر کرو اور نہ دیا جائے تو صبر کرو۔

حمود بن قتادہ سے توکل کے متعلق سوال کیا گیا تو اس نے کہا اگر تمہارے پاس دس ہزار روپے ہوں اور تم پر ایک روپے کا قرض ہو تو تم موت سے بے خوف نہ ہو ہو سکتا ہے کہ تم پر وہ قرض رہ جائے اور تمہارے لایہ دس ہزار روپے قرض ہو اور تمہارے پاس اس کی ادائیگی کے لیے رقم نہ ہو تو تم اللہ تعالیٰ سے مایوس نہ ہو کہ وہ تمہارے قرض کی کی ادائیگی کی تکمیل کر دے گا۔

استاذ ابوعلی دقاق یہ کہتے تھے کہ متوکل کے تین درجات ہیں: ۱۔ التوکل پھر تسلیم پھر تقویض اللہ کے وعدہ پر مطمئن ہون توکل ہے اور اس کے علم پر قناعت کرنا تسلیم ہے اور اس کے حکم پر راضی رہنا تقویض ہے توکل ابتداء ہے تسلیم متوسط ہے اور تقویض انتہاء ہے نیز استاذ ابوعلی دقاق کہتے تھے کہ توکل مؤمنین کی صفت ہے تسلیم اولیاء کی صفت ہے اور تقویض موصدین کی صفت ہے یا توکل عوام کی صفت ہے اور تسلیم خواص کی صفت ہے اور تقویض خواص انھوں کی صفت ہے نیز وہ کہتے تھے کہ توکل مہمندیہ کی صفت ہے اور تسلیم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت ہے اور تقویض ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے۔

(الرمزۃ النعمیہ ص ۴۰۳-۴۰۴ منہجۃ مفتی دارالکتب العلمیہ بیروت ۸/ ۱۷۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اصحاب کی عبادات کی تفتیش کرنا

اس کے بعد فرمایا: جو آپ کو قیام کے وقت دیکھتا ہے ۵ اور سجدہ کرنے والوں میں آپ کے پٹنے کو ۵ (اشعار: ۲۱۹-۲۱۸) ان دو آیتوں کے حسب ذیل حاصل ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب پر پہلے تہجد کی نماز واجب تھی پھر بعد میں قیام اللیل منسوخ ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات کو تہجد کے لیے قیام فرماتے پھر اپنے اصحاب کے گھروں میں دیکھتے کہ آیا وہ تہجد کی فریضت منسوخ ہونے کے بعد قیام اللیل کو ترک کر چکے ہیں یا نہی طور پر پڑھ رہے

جس کیونکہ آپ کو یہ پسند تھا کہ آپ کے اصحاب عبادت میں کوشش کرتے رہیں پھر جب آپ ان کے گھروں میں دیکھتے تو ان کے قرآن پڑھنے کی آوازیں آ رہی ہوتی تھیں سو اس آیت کا معنی ہے کہ ہم آپ کو اس وقت دیکھتے ہیں جب آپ آدمی رات کو خود نماز میں قیام کرتے ہیں اور ہم آپ کو اس وقت بھی دیکھتے ہیں جب آپ سجدہ کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کی تفتیش کے لیے گھومتے ہیں۔

تہجد کی نماز کی فضیلت اور اہمیت

اس سے تہجد کی نماز کی فضیلت معلوم ہوتی ہے اور اس کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان کے مہینے کے بعد اللہ کے مہینہ محرم کے روزے سب سے افضل ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل تہجد کی نماز ہے۔

(صحیح مسلم رقم اللہ ہے: ۱۱۶۳ سنن الترمذی رقم اللہ ہے: ۲۳۸۰ سنن ابوداؤد رقم اللہ ہے: ۲۲۹۸ سنن ابن ماجہ رقم اللہ ہے: ۱۳۲۳ سنن اصفیٰ رقم اللہ ہے: ۱۶۱۳/۱۶۱۴ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۶ مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۳ سنن الدارمی رقم اللہ ہے: ۱۷۸۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں جب کوئی شخص سوتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ میں یہ پانچ ہوتا ہے کہ تہجد کی رات بہت لمبی ہے سو جاؤ اگر وہ بیٹھ کر ہو اور اللہ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر اگر وضو کرے تو دوسری گرہ بھی کھل جاتی ہے اور اگر نماز پڑھ لے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے پھر وہ روزانہ کی اور پاکیزگی کے ساتھ صبح کرتا ہے اور نہ غصہ اور سستی کے ساتھ صبح کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم اللہ ہے: ۱۱۳۰ صحیح مسلم رقم اللہ ہے: ۶۷۱ سنن ابوداؤد رقم اللہ ہے: ۱۳۰۶ سنن اصفیٰ رقم اللہ ہے: ۱۶۰۶)

عبداللہ بن ابی قیس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رات کے قیام کو ترک نہ کرو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے قیام کو ترک نہیں کرتے تھے اور جب آپ بیمار ہوتے یا تھکے ہوئے ہوتے تو چند کر نماز پڑھ لیتے تھے۔ (سنن ابوداؤد رقم اللہ ہے: ۱۳۷۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب درد یا کسی اور وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی نماز ختم ہو جاتی تو آپ دن میں بارہ رکعت پڑھتے تھے۔

(صحیح مسلم صلوٰۃ المسافرین: ۱۳۰۰ ازرقم المسلسل ۱۷۱۶ سنن الترمذی رقم اللہ ہے: ۲۲۵۰ سنن اصفیٰ رقم اللہ ہے: ۱۷۹۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رات میں ایک ایسی ساعت ہے کہ جب بھی کوئی مسلمان شخص اللہ تعالیٰ سے اس ساعت میں سوال کرے گا خواہ وہ دنیا کی کسی خیر کا سوال کرے یا آخرت کی تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ عطا کر دے گا اور یہ عطا پوری رات رہتی ہے۔

(صحیح مسلم صلوٰۃ المسافرین: ۱۶۶۱ ازرقم المسلسل ۱۷۱۶ رقم المسلسل ۱۷۳۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا رب تبارک و تعالیٰ ہر رات کو آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کروں کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کروں؟ صحیح مسلم کی دوسری روایت (رقم المسلسل ۱۷۳۳) میں ہے وہ فجر روشن ہونے تک یا نبی فرماتا رہتا ہے ترمذی کی روایت بھی اسی طرح ہے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۱۱۳۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۸۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۳۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۹۸ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۶۸۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۴۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو رات کو بیدار ہو کر نماز پڑھے اور اپنی اہلیہ کو بیدار کرے کہ وہ نماز پڑھے اگر وہ اٹھنے سے انکار کرے تو اس کے منہ پر پانی چھڑکے اور اللہ تعالیٰ اس عورت پر رحم فرمائے جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھے اور اپنے شوہر کو بیدار کرے تاکہ وہ نماز پڑھے اگر وہ اٹھنے سے انکار کرے تو اس کے منہ پر پانی چھڑکے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۹ فتح قدیم مسند رقم الحدیث: ۹۵۹۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۸۸ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۶۱۱۰ صحیح ابن خزیمرہ رقم الحدیث: ۱۱۳۸ التلخیص العربی رقم الحدیث: ۹۹۸۸ کنام طبرانی رقم الحدیث: ۱۳۳۳ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۳۵۸۰ حافظ زین نے کہا امام احمد کی سند صحیح ہے حاشیہ مسند احمد ج ۹ ص ۲۶۷ دارالحدیث قاہرہ ۱۳۶۶ حنفی نے کہا امام طبرانی کی سند ضعیف ہے مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۲۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے ایسے عمل کی خبر دیجیے کہ جب میں اسے کروں تو جنت میں داخل ہو جاؤں آپ نے فرمایا تم بلند آواز سے سلام کرو کھانا کھلاؤ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرو اور جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو رات کو اٹھ کر نماز پڑھو پھر سلاحتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۸۴۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۴۳ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۶۱۱۰ فتح العربی رقم الحدیث: ۹۹۹۹ مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۳ قدیم مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۳۳۶ دارالحدیث قاہرہ ۱۳۶۶ حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے امام عبدالرحمان البانی نے کہا اس حدیث کو امام ترمذی امام ابن حبان اور امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے بلوغ البانی ج ۳ ص ۴۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ تہجد کی نماز کس وقت پڑھنا افضل ہے؟ آپ نے فرمایا تہجد رات کے درمیان یا آدھی رات میں اور اس کو پڑھنے والے کم ہیں۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۳۷۲ التلخیص العربی رقم الحدیث: ۱۰۰۰۰ حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے حاشیہ مسند احمد ج ۱۶ ص ۲۱ دارالحدیث قاہرہ ۱۳۶۶ امام عبدالرحمان البانی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے بلوغ البانی ج ۳ ص ۴۲۵)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر قیام کرتے تھے کہ آپ کے چہرہ ہارک سوچ جاتے تھے آپ سے کہا گیا (حضرت عائشہ کی روایت میں ہے یا رسول اللہ آپ اس قدر کوشش کیوں کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت فرمادی ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں!۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۲۸۳۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۹ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۱۵ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۵۰۰۰ مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۱ مسند احمد رقم الحدیث: ۸۸۱۳ دارالحدیث قاہرہ ۱۳۶۶ التلخیص العربی رقم الحدیث: ۶۹۳۳ مسند میدی رقم الحدیث: ۵۰۹)

(۵۰۹)

انبیاء علیہم السلام کے ذنوب کی توجیہ اور بندہ کے شکر اور اللہ کے شکر کا معنی

امام عبدالرحمان البانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء نے کہا ہے کہ قرآن مجید اور حدیث میں جو بعض انبیاء علیہم السلام کے بعض ذنوب کا ذکر وارد ہوا ہے جیسے:

وَعَلَّمَكَ اللَّهُ فَرَغَ لَكَ وَكَانَ (۱۲۱)

اور آدم نے (پہنچا کر) اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ (جسے)
کی رہائش سے) بے رلو ہو گئے۔

اور اس قسم کی دوسری آیات ہیں سو ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم قرآن اور سنت کے علاوہ ان کی طرف ذنوب کی نسبت کریں اور ہم پر لازم ہے کہ ہم ان آیات کی تاویل ترک ادنیٰ سے کریں اور ان کے ان افعال کو ذنوب سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ ان کے بلند مرتبہ کے اعتبار سے ترک ادنیٰ بھی ذنوب کے حکم میں ہے جیسا کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر اس کی نیکیاں بھی مقررین کے نزدیک گناہ ہیں اسی وجہ سے جب بعض صحابہ نے آپ سے سوال کیا کہ آپ عبادت کرنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں حالانکہ آپ کے اگلے اور پچھلے ذنوب کی مغفرت کر دی گئی ہے جیسا کہ سورۃ النحل میں ہے نیز اس آیت میں بعد کے ذنوب کی بھی مغفرت کا ذکر ہے حالانکہ بعد کے افعال کا تو ابھی آپ سے صدور بھی نہیں ہوا تھا اور جو کام ابھی ہوا ہی نہ ہوا اس کو ذنوب نہیں کہا جاتا اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت سے مقصود ہے کہ آپ کو آخرت کے شدت خوف سے مامون رکھا جائے اور آپ کو تسلی دی جائے کیونکہ آپ نے فرمایا مجھے تم سب سے زیادہ اللہ کا علم ہے اور میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں (صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۰۰۰) سو اس آیت سے مراد یہ ہے کہ یہ فرض محال اگر آپ سے کوئی گناہ واقع بھی ہوتا تو وہ بخشا ہوا ہوتا اور آپ کے ذنوب کو فرض کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ واقع بھی ہوا ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ میں اپنی تہجد کی نماز کو ترک کر دوں پھر میں زیادہ شکر کرنے والا بندہ نہیں رہوں گا اور اس کا سنی یہ ہے کہ یہ طور شکر تہجد کی نماز پڑھنے سے مغفرت حاصل ہوتی ہے تو میں تہجد کی نماز کو کیسے ترک کر سکتا ہوں! قاضی عیاض نے کہا شکر کا معنی ہے محسن کے احسان کو جاننا اور اس کو بیان کرنا اور نیک کام کو شکر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ نیک کام احسان کرنے والے کی حمد و ثناء کو محضمن ہوتا ہے اور بندہ کے شکر کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا اعتراف کرنے اس کی حمد و ثناء کرے اور اس کی عبادت دہنا کرے اور اللہ کے شکر کا معنی یہ ہے کہ وہ بندوں کو ان کی عبادت کی جزا دے اور ان کو دگنا چوگنا اجر عطا فرمائے اور اللہ بھانے کے اسماء میں سے جو شکر اور شکر ہے اس کا یہی معنی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو جو بہت شدید خوف ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا غم ہوتا ہے اور ان کا یہ ایمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے استحقاق کے بغیر ان کو یہ نعمتیں عطا کی ہیں اس لیے وہ اس کی عبادت کرنے میں بہت زیادہ کوشش کرتے ہیں تاکہ اپنی استطاعت کے مطابق اس کا شکر ادا کر سکیں ورنہ اس کا کما حقہ شکر کوئی ادا نہیں کر سکتا۔

(ہرغ الاوائی (شرح مسند احمد بن حنبل) ج ۲ ص ۲۲۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قرآن مجید میں مذکور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنوب کا ترجمہ گناہ کرنے کی تحقیق

جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذنوب کی نسبت ہو تو بعض علماء نے ذنوب کا ترجمہ گناہ کر دیا ہے:
اہل حضرت ام احمد رضا کے والد گرامی مولانا شاہ علی خاں متوفی ۱۲۹۷ھ سورۃ النحل: ۲۰-۱ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:
ہم نے فیصد کردیا حیرے واسطے صریح فیصلہ کا معاف کرے اللہ حیرے اگلے اور پچھلے گناہ اور پورا کرے تجھ پر اپنا احسان اور چلا دے تجھ کو سیدھی راہ اور بد کرے تجھ کو خدا پر دست ہد۔ (انوار جمال مسکن ص ۱۷ مطبوعہ شیعہ برادرانہ اور)

اور ازیم بحث حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں آپ نے اس قدر عبادت کی کہ پائے مبارک سوچ مجھے لوگوں نے کہا آپ تکلیف اس قدر کیوں اٹھاتے ہیں کہ خدا نے آپ کو ان کی کبھی خطا معاف کی فرما یا فلاں کون عبدًا شکوراً۔

(سرور القلوب بزرگوار کیجیے کہ ۲۲۸ مطبوعہ شیخ محمد اوزار دہلی دارالعلوم)

اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

اور خود قرآن عظیم میں ارشاد ہوتا ہے واستغفر الذنوبک وللؤمنین والمؤمنات مغفرت ما یکما اپنے گناہوں کی اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لیے۔ (ذیل المداح حسن النعماء (فضائل دعا) ص ۶۶ مطبوعہ نیا مالدین جلی کیشنر کراچی)

نیز اعلیٰ حضرت معالم الشریعہ کے عوامی میں تحریر فرماتے ہیں:

ذنوب انبیاء علیہم السلام سے مراد صورت گناہ ہے ورنہ حقیقت گناہ سے انبیاء کرام علیہم السلام دور اور منزہ و میرا ہیں۔

(تحقیقات رضا ص ۲۵ مطبوعہ رضا اکیڈمی سکس ۱۹۸۱ء)

مولانا غلام رسول رضوی متوفی ۱۳۲۲ھ ایک حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

لوگو! صلی علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ کہیں گے میں اس پوزیشن میں نہیں کہ تمہاری شفاعت کروں تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو لاکھ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے ہیں۔

(تفسیر الباری ج ۱ ص ۲۸۸ المجددہ پرنٹرز)

ہمارے نزدیک ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے اور اعلان نبوت کے بعد ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے سہواً اور عمدہً حقیقاً اور صورتاً معصوم ہیں۔ قرآن مجید میں آپ کے افعال پر جو ذنوب کا اطلاق کیا گیا ہے وہ یہ ظاہر خلاف اولیٰ کے معنی میں ہے اور حقیقت میں آپ کا ہر کام اولیٰ ہے ہمارے بعض اکابرین نے ذنوب کا ترجمہ گناہ کر دیا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ ان بزرگوں کا علمی تسامح ہے کیونکہ جب اردو خواں لوگ ذنوب کا ترجمہ گناہ پر جیسے گئے اور نبی کے افعال پر گناہ کا اطلاق دیکھیں گے تو ان کے ذہن مشوش ہوں گے وہ ذنوب کی تاویلات کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ وہ یہ نہیں سمجھ سکیں گے کہ یہاں آپ کے افعال پر ذنوب کا اطلاق مجازاً کیا گیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ نبی سے بھی گناہ صادر ہو جاتا ہے اور جب عام لوگوں کے ذہنوں میں نبی کے لیے بھی گناہ ثابت ہو جائیں تو انہیں نیکی پر کس طرح آمادہ کیا جائے گا اسی طرح جب مشرکین اور غیر مسلم معترضین کے ہاتھوں میں یہ تراجم پہنچیں گے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (العیاذ باللہ) گنہگار ثابت کرنے کے لیے ان تراجم کو پیش کریں گے بعض لوگوں نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ (النور: ۱۰)

ان سے کہے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

کیا اس ترجمہ سے عام لوگوں کے ذہن مشوش نہیں ہوں گے اور ان کے ذہنوں میں اللہ تعالیٰ کے جسم ہونے کا وہم پیدا نہیں ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم ہونے پر تو امت مسلمہ کا اتفاق ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن مجید میں یہ (ہاتھ) (چہرہ) اور ایمین (آنکھیں) کے جو الفاظ ہیں ان سے کیا مراد ہے اس میں حقد میں اور متاخرین کا اختلاف ہے حقد میں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ہاتھ چہرہ اور آنکھیں ہیں لیکن وہ جہانیت سے پاک ہے اور حقوق میں اس کی کوئی مشل نہیں ہے اس کی یہ صفات اس کی شان کے لائق ہیں امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں:

اللہ کی کوئی ضد (معارض اور مخالف) نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی ضد (مشابہ) ہے اور نہ اس کی کوئی مشل ہے اور اس کا ہاتھ ہے اور اس کا چہرہ ہے اور اس کا نفس ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو چہرہ ہاتھ اور نفس کا ذکر کیا ہے وہ اس کی بلا کیف صفات ہیں اور یہ نہ کہا جائے کہ ہاتھ سے مراد اس کی قدرت یا نعمت ہے کیونکہ اس قول میں اس کی صفات کو باطل کرنا ہے اور یہ

قدر یہ اور محترمہ کا قول ہے لیکن اس کا ہاتھ اس کی صفت بلا کیف ہے اور اس کا غضب اور اس کی رضا اس کی صفات میں سے صفات بلا کیف ہیں۔ (فتاویٰ کبریا شریعتی، ص ۳۷-۳۸ مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ، لاہور، ۱۳۷۵ھ)

اور متاخرین نے ان صفات کی تاویلات کی ہیں:

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قنطاری متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

مجاہدین اسلام نے قرآن اور حدیث کی ان نعوص سے استدلال کیا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کے لیے جہت اور جمیع ثابت ہوتی ہے اور اس کی صورت اور اس کے اعضاء ثابت ہوتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تزیینات پر دلائل قائم ہیں اس لیے ان نعوص کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف منغوض کرنا واجب ہے جیسا کہ سلف صالحین کا طریقہ ہے کہ وہ زیادہ سلامتی والے طریقہ کو پسند کرتے ہیں۔ ان نعوص کی تاویلات صحیحہ کی جائیں جیسا کہ متاخرین علماء کو اختیار ہے تاکہ جاہلوں کے اعتراضات کو دور کیا جاسکے اور کمزور مسلمانوں کو اسلام پر برقرار رکھا جاسکے۔ (شرح ۱۵۵۸ھ، المصنف، ص ۳۳ مطبوعہ کراچی)

ان تاویلات کی مثال حسب ذیل ہے قرآن مجید میں ہے:

فَلَا يَمْلِكُ لَكُمْ شَيْئًا وَلَا يُلْقِي إِلَيْكُم مَّوْجَهُ اللَّهُ - (البقرہ: ۱۰۵)

تم جہاں کہیں بھی (قبلہ کی طرف) منہ کرو تو وہ ہیں اللہ کا چہرہ

ہے۔

یعنی وہ ہیں اللہ تمہاری طرف متوجہ ہے یا وہ ہیں اللہ کی ذات ہے۔

اسی طرح حدیث میں ہے:

حضرت محمد بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے لڑے تو وہ چہرے پر مارنے سے اجتناب کرے کیونکہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔

(صحیح مسلم ابوابہ: ۱۱۵، رقم الحدیث ۲۶۱۳، المصنف، ص ۲۳۲، تاریخ دمشق، ص ۷۷، رقم الحدیث: ۱۵۳۲)

۱۵۵۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۲۱ھ)

علامہ شمس الدین خیالی متوفی ۸۷۰ھ نے لکھا ہے اس حدیث میں صورت سے مراد اس کی صفت ہے یعنی علم اور قدرت میں سے کسی صفت پر حضرت آدم کو پیدا کیا اسی طرح قرآن مجید میں یہ اللہ (الخ: ۱۰) ہے اس سے مراد اللہ کی قدرت ہے۔

(حاشیہ الایمانی علی شرح ۱۵۵۸ھ، ص ۳۷ مطبوعہ مطبعہ حق، کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قرآن مجید میں جو ذب کا لفظ ہے اس کا ترجمہ گناہ کرنے میں اور یہ اللہ کا ترجمہ اللہ کا ہاتھ کرنے میں بہت فرق ہے کیونکہ تمام اصل اسلام کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں اور جب ذب کا ترجمہ گناہ کیا جائے گا تو تمام مسلمانوں کے ذہن متوش ہوں گے اس کے برخلاف جب یہ اللہ کا ترجمہ اللہ کے ہاتھ کیا جائے گا تو اس سے کسی مسلمان کو تشویش نہیں ہوگی کیونکہ تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور خود قرآن مجید میں مذکور ہے کہ اللہ کی محفل کوئی چیز نہیں ہے۔ اس لیے اللہ کے ہاتھ کا معنی یہ ہے کہ اس کے شایان شان ہاتھ ہے جس کی مخلوق میں کوئی محفل نہیں ہے اور یہ معنی امام ابوحنیفہ اور دیگر حنفیہ کے نزدیک ہے اور متاخرین کے نزدیک اس کا معنی اللہ کی قدرت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت قیام اور ساجدین میں دیکھنے کے دیگر محامل

الَّذِي يَذُكُّ بَيْنَ تَقْوَاهُ وَتَقَلُّبُكَ فِي الصَّلَاةِ ۝

جو آپ کو قیام کے وقت دیکھنے اور سجدہ کرنے والوں

(اشراۃ: ۲۱۷-۲۱۸) میں آپ کے پٹنے کو

اس آیت کی تفسیر میں دیگر محافل یہ ہیں:

(۲) جب آپ مسلمانوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے قیام رکوع بخود اور قعود میں تصرف کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو مسلمانوں کے ساتھ قیام کرتے ہوئے اور سجدہ کرنے والوں کے ساتھ سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ (تفسیر مدار الزان رقم اللہ ص: ۲۱۸۰)

(۳) مقابل وغیرہ نے کہا اللہ آپ کو دیکھتا ہے جب آپ تنہا نماز پڑھتے ہیں اور جب آپ مسلمانوں میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ مجاہد نے کہا اللہ آپ کو دیکھتا ہے جب آپ کی نظر نمازیوں میں گردش کرتی ہے کیونکہ آپ پس پشت بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح سامنے سے دیکھتے تھے۔

(جامع البیان رقم اللہ ص: ۲۰۸۵، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ ص: ۶۰۳۰، معالم بشر رقم ۳ ص ۲۸۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں سامنے متوجہ رہتا ہوں ایسی اللہ کی قسم! مجھ پر نہ تمہارا ششوع مخفی ہوتا ہے اور نہ تمہارا رکوع مخفی ہوتا ہے اور بے شک میں تم کو اپنے پس پشت بھی ضرور دیکھتا ہوں۔

(محکم النظار رقم اللہ ص: ۳۱۸، محکم مسلم رقم اللہ ص: ۲۲۳، مسند احمد رقم اللہ ص: ۸۰۲، مسند ابی حاتم رقم ۲ ص ۱۳۸، کنز العمال رقم اللہ ص: ۲۰۸۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندھیرے میں بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح روشنی میں دیکھتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اندھیرے میں بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح دن کی روشنی میں دیکھتے تھے۔ (راکب البیہ فی التعلیق ج ۱ ص ۷۵-۷۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۳) ضحاک نے کہا جب آپ اپنے بستر سے کھڑے ہوتے ہیں یا اپنی مجلس سے کھڑے ہوتے ہیں تو وہ آپ کو دیکھتا ہے، ثناء نے کہا جو آپ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے تمام حالات میں دیکھتا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱ ص ۲۸۸) (۵) اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھتا رہتا ہے جب آپ دینی معاملات اور دینی مہمات کو سر کرنے کے لیے قیام کرتے ہیں یا سجدہ کرنے والوں میں تصرف کرتے ہیں۔

(۶) ساجدین سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور جس طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کار نبوت کو سرانجام دینے میں قیام کرتے تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کو تکمیل امور میں قیام کرتے ہوئے دیکھتا رہتا ہے۔ (جامع البیان رقم اللہ ص: ۲۰۸۹۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کے ثبوت میں احادیث

اس آیت کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ ساجدین سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب انبیاء علیہم السلام کی پشتوں میں ایک نبی سے دوسرے نبی کی پشت میں متصل ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھ رہا تھا اور اس تفسیر میں اس پر دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کرام مومن تھے اس تفسیر کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:

امام عبدالرحمن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کی پشتوں میں جھک ہوتے رہے حتیٰ کہ آپ اپنی والدہ کے گالوں سے پیلا ہوئے۔ (اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کے تمام آباء

کے کشتی میں سوار کیا گیا تو میں اپنے باپ حضرت نوح کی پشت میں تھا۔ اور جب مجھے (آگ میں) پھینکا گیا تو میں حضرت ابراہیم کی پشت میں تھا میرے والدین بھی بدکاری پر جمع نہیں ہوئے اور اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ معزز پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا میری صفت محدی ہے اور جب بھی دو شاخیں میں سے سب سے خیر (اچھی) شاخوں میں تھا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے نبوت کا جیاق اور اسلام کا عہد لیا اور تورات اور انجیل میں میرا ذکر پھیلایا اور ہر نبی نے میری صفت بیان کی اور زمین میرے نور سے چمک اٹھی اور بادل میرے چہرے سے برستا ہے اور مجھے اپنی کتاب کا علم دیا اور آسمانوں میں میرے شرف کو زیادہ کیا اور اپنے ناموں میں سے میرا نام بنایا پس عرش والا محمود ہے اور میں محمد ہوں اللہ ص۔

(الہدایۃ النہایۃ ج ۲ ص ۶۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۸ھ)

حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ بیان کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے قریش اللہ عزوجل کے سامنے ایک نور تھے یہ نور تسبیح کرتا تھا اور فرشتے اس کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کرتے تھے جب اللہ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو یہ نور ان کی پشت میں رکھ دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس اللہ نے حضرت آدم کی پشت میں اس نور کو زمین کی طرف اتارا پھر کشتی میں یہ نور حضرت نوح کی پشت میں رکھ دیا گیا اور حضرت ابراہیم کی پشت میں یہ نور آگ میں ڈالا گیا اور اللہ مجھے ہمیشہ کرم پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا حتیٰ کہ مجھے میرے ان والدین سے نکالا جو کبھی بدکاری پر جمع نہیں ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نکاح سے پیدا کیا گیا ہوں اور بدکاری سے نہیں پیدا کیا گیا۔ حضرت آدم سے لے کر حتیٰ کہ میں اپنی والدہ سے پیدا ہوا اور مجھے زمانہ جاہلیت کی بدکاری سے کسی چیز نے نہیں چھوا۔ (الطہارۃ النہایۃ ج ۳ ص ۷۷ رقم الحدیث: ۳۲۵۶۱۳۵۷ مکرر)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث کا ذکر کیا ہے۔

امام ابن مردود نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! جب حضرت آدم جنت میں تھے اس وقت آپ کہاں تھے؟ آپ مسکرائے حتیٰ کہ آپ کی مبارک ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں پھر آپ نے فرمایا: میں ان کی پشت میں تھا ان کو زمین پر اتارا گیا اس وقت بھی میں ان کی پشت میں تھا میں اپنے باپ حضرت نوح کی پشت میں کشتی میں سوار ہوا اور اپنے باپ ابراہیم کی پشت میں مجھے آگ میں ڈالا گیا اور میرے ماں باپ بھی ایک دوسرے کے ساتھ بدکاری میں جمع نہیں ہوئے اور اللہ مجھے ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل کرتا رہا جب کہ وہ صاف اور منہذب تھے جب بھی دو شاخیں ہام لبس تو میں ان سے بہتر شاخوں میں تھا۔

اللہ تعالیٰ نے مجھ سے نبوت کا جیاق لیا اور مجھ کو اسلام کی ہدایت دی اور تورات اور انجیل میں میرا ذکر بیان کیا۔ اور میری تمام صفات کو شرق اور مغرب میں بیان کر دیا اور مجھ کو اپنی کتاب کا علم دیا اور اپنے اسماء میں میرا ذکر بلند کیا اور اپنے اسماء میں سے میرا اسم بنایا سوعرش والا محمود ہے اور میں محمد ہوں اور مجھے حوض کے نزدیک کیا اور مجھے کوثر عطا کیا اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور مجھے اپنی امت کے سب سے بہتر قرن میں نکالا اور میری امت بہت حمد کرنے والی ہے اور نیکی کا حکم دینے والی ہے اور برائی سے روکنے والی ہے۔

(الدر المنثور ج ۶ ص ۲۹۹-۲۹۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۸ھ)

حافظ ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان المعروف بابن شامہین المتوفی ۳۸۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقام حجون پر بہت افسردگی اور غم کی حالت میں اترے
اور جب تک آپ کے رب عزوجل نے چاہا آپ وہاں ٹھہرے رہے پھر آپ وہاں سے بہت خوش خوش واپس ہوئے میں نے
پوچھا یا رسول اللہ! آپ مقام حجون پر بہت افسردگی کے عالم میں اترے تھے پھر آپ بہت خوش خوش واپس ہوئے آپ نے
فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری والدہ کو زندہ کر دیا وہ مجھ پر ایمان لائیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان
پر موت کو لوٹا دیا۔ (الناصح بالسنن رقم الحدیث ۳۲۰ ص ۲۸۳ مطبوعہ دارالاباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ السبکی المتوفی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں:

قاضی ابو عمران احمد بن ابی الحسن نے ایک سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں چند بھول راوی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی
اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے خبر دی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ وہ اپنے والدین کو
زندہ کر دے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ان کو زندہ کر دیا اور وہ دونوں آپ پر ایمان لے آئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان
پر موت طاری کر دی۔

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی رحمت اور قدرت کسی چیز سے عاجز نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اصل
ہیں کہ وہ آپ کو جس وصف سے چاہے اپنے فضل سے خاص کرے اور اپنے کرم سے آپ کو جس نعمت سے چاہے نواز دے۔
صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم (ارضی اللہ عنہ ص ۲۹۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ ج ۱ ص ۱۳۸ھ)

والدین کریمین کے ایمان پر امام فخر الدین رازی کے دلائل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کے آباء کا فرض تھے اس کے متعدد دلائل ہیں:

پہلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَأُتُوا بِغُلَامٍ فَاَلَيْسَ لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ غُلَامٌ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَمَنْ يَمْلِكُ أَنْ يَقُولَ لِلْمَلَائِكَةِ بِإِذْنِ اللَّهِ كَذِبُوا أَوْ لِلنَّاسِ عَذَابٌ أَلِيمٌ** (اشعراء: ۲۱۹-۲۲۰) کہا گیا
ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کی روح ایک مساجد سے دوسرے مساجد کی طرف منتقل ہو رہی تھی سو اسی تقدیر پر یہ آیت
اس پر دلالت کرتی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء مسلمان تھے اور اس وقت یہ قطعی طور پر ثابت ہوگا کہ حضرت
ابراہیم علیہ السلام کے والد کا فرض تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وفضلک فی السجودین کی اور بھی تفسیریں ہیں۔
ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب تہجد کی فرضیت منسوخ ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اپنے اصحاب کے گھروں میں
تفتیش کرتے تھے کہ وہ اپنے گھروں میں کیا کر رہے ہیں کیونکہ آپ کو اس پر رشید جس تھی کہ وہ اس کے بعد بھی رات کو عبادت
کرتے رہیں آپ نے دیکھا کہ ان کے گھروں سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کی بجلی بجلی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس اعتبار سے
وفضلک فی السجودین کا معنی ہے کہ اللہ آپ کے قیام کو دیکھتا ہے اور مساجد میں آپ کے طواف کرنے اور گھومنے کو
دیکھتا ہے اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جب آپ لوگوں کو نماز پڑھاتے ہیں تو وہ آپ کو دیکھتا رہتا ہے اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے
کہ اللہ تعالیٰ پر آپ کا حال غلط نہیں ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور مساجد میں کے دینی مسائل اور معاملات میں مشغول
ہوتے ہیں تو وہ آپ کو دیکھتا رہتا ہے اور اس کا چوتھا معنی ہے جب آپ اپنی نظر کو حرکت دے کر اپنے پیچھے سے نمازیوں کو دیکھتے
ہیں تو وہ آپ کو دیکھتا رہتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے اپنا اپنا رکوع اور خود پورا پورا کیا کرو کیونکہ میں تم کو اپنے ہمیں پشت بھی دیکھتا

ہوں۔

پس ہر چند کہ اس آیت میں ان چاروں تفسیروں کا بھی احتمال ہے مگر ہم نے جس تفسیر کا ذکر کیا ہے اس کا بھی اس تفسیر میں احتمال ہے اور ہر تفسیر کے متعلق احادیث وارد ہیں اور ان تفسیروں کے درمیان کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے پس اس آیت کو ان تمام تفسیروں پر محمول کرنا واجب ہے اور جب یہ صحیح ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضرت امیر الیم علیہ السلام کے والد بت پرستوں میں سے نہ تھے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء مشرک نہ تھے اس پر دوسری دلیل یہ ہے کہ حدیث میں آپ کا ارشاد ہے کہ میں ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ دھنوں کی طرف منھل ہوتا رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا انما المشركون نجس (ناجیہ: ۲۸) مشرکین نجس کے سوا اور کچھ نہیں، یعنی پاک بالکل نہیں پس اس سے واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء اجداد میں سے کوئی بھی مشرک نہیں ہے۔ (اسرا: ۲۶، ۲۷) اور انرا، علی ص: ۲۶۸-۲۶۷ مطبوعہ دارالکتب والادب، بغداد، عراق: ۱۹۹۰ء)

والدین کریمین کے ایمان پر علامہ قرطبی کے دلائل

حافظ ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان المعروف بابن شامین التوفی ۳۸۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقام حون پر بہت افسردگی اور غم کی حالت میں اترے اور جب تک آپ کے رب عزوجل نے چاہا آپ وہاں ٹھہرے پھر آپ وہاں سے بہت خوش خوش واپس ہوئے میں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ مقام حون پر بہت افسردگی کے عالم میں اترے تھے پھر آپ بہت خوش خوش واپس ہوئے آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری والدہ کو زندہ کر دیا وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت کو: یا۔ (الناخ والمسنوخ رقم الحدیث: ۶۳۰ ص: ۳۸۳ مطبوعہ مکتبۃ دارالہدایہ، کربلا: ۱۳۷۲ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ابو بکر احمد بن علی الخطیب نے کتاب "السابق والملاحق" میں اور ابو حفص عمر بن شامین نے "الناخ والمسنوخ" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتہ الوداع کالج ہمارے ساتھ کیا۔ آپ میرے ساتھ الحجہ ن گھاٹی میں گزرنے اس وقت آپ دروہے تھے اور ٹھکنے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے کی وجہ سے میں بھی رونے لگی آپ وہاں اترے اور فرمایا: اے حبیبا! ٹھہر جاؤ! میں اونٹ کی ایک جانب ٹیک لگا کر بیٹھ گئی آپ کافی دیر وہاں ٹھہرے رہے پھر خوش خوشی مسکراتے ہوئے واپس آئے میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں اور باپ فدا ہوں! آپ یہاں پر غم اور افسردگی کی کیفیت میں اترے تھے حتیٰ کہ یا رسول اللہ! آپ کے رونے کی وجہ سے میں بھی رونے لگی پھر آپ اس حال میں میرے پاس واپس آئے کہ آپ خوش خوشی مسکرا رہے تھے۔ یا رسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا میں اپنی ماں آئندہ کی قبر کے پاس سے گزر رہی ہوں اپنے رب اللہ سے یہ سوال کیا کہ وہ ان کو زندہ کر دے سو اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا تو وہ مجھ پر ایمان لے آئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ عزوجل نے ان کی موت کو پھر لوٹ دیا۔ یہ خطیب کی عبارت ہے اور علامہ سبکی نے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں بھول دلائی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والد اور والدہ دونوں کو زندہ کیا اور وہ دونوں آپ پر ایمان لائے۔ اس حدیث کے معارض وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے اپنی والدہ کے لیے استغفار کرنے کی اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے لیے استغفار کرنے سے منع فرمایا علامہ قرطبی فرماتے ہیں الحمد للہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ آپ کو اپنی والدہ ماجدہ کے لیے استغفار کرنے سے منع کرنے کا واقعہ پہلے کا ہے اور آپ کے والدین کریمین کو زندہ کرنے کا واقعہ بعد کا ہے۔ لیونکہ حضرت عائشہ رضی

اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ والدہ کو زندہ کرنے کا واقعہ حجۃ الوداع کے موقع کا ہے اس طرح امام ابن شاذلیؒ نے اللہ عنہا والہوسوغ میں اس کو تابع قرار دیا ہے (رقم الحدیث ۶۳۰) اور استغفار کی اجازت نہ دینے کو منسوخ قرار دیا ہے (رقم الحدیث ۶۳۱)۔ اسی طرح صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! میرا باپ کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا دوزخ میں! جب وہ واپس جانے لگا تو آپ نے فرمایا: میرا باپ اور تمہارا باپ دوزخ میں ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث ۶۳۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۷۱۸)

یہ ظاہر یہ حدیث والدین کو زندہ کرنے کی حدیث کے معارض ہے لیکن اس حدیث میں میرے باپ سے مراد میرا چچا ہے یعنی ابوطالب پھر کوئی اعتراض نہیں ہے ایک اور اعتراض یہ ہے کہ والدین کو زندہ کرنے کے بیان والی حدیث موضوع ہے قرآن مجید اور اجماع کے مخالف ہے کیونکہ جو کفر پر مراد اس کی حیات لوٹانے کے بعد اس کے ایمان لانے سے اس کو کوئی نفع نہیں ہوگا بلکہ اگر وہ موت کے فرشتوں کو دیکھنے کے وقت بھی ایمان لے آئے تو اس کو ایمان لانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا چہ جائیکہ زندہ کیے جانے کے بعد اس کے ایمان لانے سے اس کو کوئی فائدہ ہو! قرآن مجید میں ہے:

وَلَيْسَ لِلنَّاسِ الْغَيْبُ إِلَّا بِمَا عَمِلُوا ۚ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُحَانٍ مُّسَمًّى ۖ ذَٰلِكُمُ الْجَزَاءُ لِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ (مائدہ: ۱۸) اور ان لوگوں کی تو بہ (مقبول) نہیں ہے جو (مسئل) منہا کرتے رہے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی ایک کو موت آئے تو وہ کہے کہ میں نے اب تو بہ کر لی اور نہ ان لوگوں کی تو بہ (مقبول) ہے جو کفر کی حالت میں مر جاتے ہیں۔

اور کتب تفسیر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میرے ماں باپ نے کیا کیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تُنْفِلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ۝ اور آپ سے دو زمینوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔

(البقرہ: ۱۱۹)

یہ روایت محمد بن کعب قرظی اور ابو عاصم سے منقول ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۱۵۵۸/۱۵۵۹) علامہ قرظی لکھتے ہیں کہ حافظ ابوالخطاب عمر بن وحید نے کہا ہے کہ یہ اسناد لال محدث ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل کل اور خصہ نفس آپ کے وصال تک متواتر اور مسلسل ثابت ہوتے رہے ہیں لہذا آپ کے والدین کریمین کو زندہ کرنا بھی آپ کے ان خصائص میں سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرف کیا ہے۔

نیز آپ کے والدین کریمین کو زندہ کرنا عقلاً اور شرعاً مستحسن نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ بنی اسرائیل کے مقتول کو زندہ کیا گیا اور اس نے اپنے قاتل کی خردی اور حضرت یحییٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے اسی طرح امامائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کی ایک جماعت کو زندہ فرمایا اور جب یہ امور ثابت ہیں تو آپ کے والدین کریمین کو زندہ کرنے اور پھر ان کے ایمان لانے سے کیا چیز مانع ہے؟ جب کہ اس میں آپ کی زیادہ کرامت اور فضیلت ہے اور جب کہ اس مسئلہ میں حدیث بھی وارد ہے۔

اور معترض نے جو یہ کہا ہے کہ جو شخص کفر پر مر جائے اس کی تو بہ مفید نہیں ہوتی تو اس کا یہ اعتراض اس حدیث سے مردود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سورج کو غروب ہونے کے بعد لوٹا دیا تھا امام محامدی نے کہا یہ حدیث ثابت ہے کہ

اگر سورج کا ٹوٹا یا جانا مفید نہ ہوتا تو اس کو نہ ٹوٹایا جاتا یہی اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو زندہ کرنا ان کے ایمان لانے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے کے لیے مفید تھا اور بے شک ظاہر قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ اور ان کے اسلام کو قبول کر لیا تھا حالانکہ وہ عذاب کی علامات نمودار ہونے کے بعد ایمان لائے تھے اور اس کے بعد انہوں نے توبہ کی تھی اور سورۃ البقرہ ۱۱۹ کا جواب یہ ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کے زندہ کیے جانے اور ان کے ایمان لانے سے پہلے فرمایا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے غیب کو زیادہ جانتے والا ہے۔

(اللہ عز وجل ص ۳۷-۳۸ مطبوعہ دارالانوار بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ قرطبی کے دلائل بہت قوی ہیں البتہ انہوں نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کے ہاتھ پر مردوں کی ایک جماعت کو زندہ فرمایا سو یہ ثابت نہیں ہے۔

والدین کریمین کے ایمان پر علامہ سبکی کے دلائل

علامہ ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ السبکی التتوی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں ہے۔ جب وہ پتہ پھیر کر جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میرا باپ اور تمہارا باپ دوزخ میں ہیں“ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۰۳) اور ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق ایسی کوئی بات کہیں اور آپ کو ایذا پہنچائیں کیونکہ آپ نے فرمایا ہے مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذا نہ پہنچو۔ وہ حدیث یہ ہے: امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ روایت کرتے ہیں:

عمر وہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن ابی جہل رضی اللہ عنہ میں آئے تو لوگ جمع ہو کر کہنے لگے: یہ ابو جہل کا بیٹا ہے یہ ابو جہل کا بیٹا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذا نہ پہنچو۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۳ ص ۱۹۵-۱۹۶ مطبوعہ دارالاحیاء التراث العربی بیروت ۱۳۳۱ھ کتب المعانی رقم الحدیث ۳۷۷۷)

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ
فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ۝

(۱۱۷: ۷۷) لیے درود ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور حضرت عمر کے والد کو کافر کہنا حضرت عمر کے لیے باعث اذیت ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو کافر کہنا آپ کے لیے کس قدر باعث ایذا ہوگا! اس کے بعد علامہ سبکی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کیے جانے کے متعلق دو حدیثیں لکھی ہیں جن کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں اور لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور قدرت اس سے بے چارہ نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اہل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آپ کو جس چیز کے ساتھ چاہے خاص کرے۔

(الروض الافئدہ ج ۱ ص ۲۹۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۸۸ھ)

والدین کریمین کے ایمان پر علامہ ابی مالکی کے دلائل

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں! جب وہ پتہ پھیر کر جانے لگا تو آپ نے فرمایا میرا باپ اور تمہارا باپ دوزخ میں ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دلجوئی کی وجہ سے فرمایا تھا کہ اس شخص کو سزا ہو (اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں باپ کا اطلاق چچا پر ہو اور اس سے مراد ابو

عالم ہوں) اس کے بعد علامہ ربانی ماہکی نے علامہ سیوطی کا پورا کلام ذکر کیا ہے جس کو ہم نقل کر چکے ہیں اس کے بعد علامہ ربانی نے علامہ نووی پر در کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ کے والدین اصل فخرت میں سے تھے اور اہل فخرت پر عذاب نہیں ہوتا کیونکہ اصل فخرت ان دو رسولوں کے درمیان کے لوگوں کو کہتے ہیں جن کی طرف پہلے رسول کو بھیجا نہ گیا ہو اور دوسرے رسول کو انہوں نے پایا نہ ہو جیسے وہ عرب جن کی طرف حضرت یحییٰ علیہ السلام مبعوث نہیں کیے گئے اور نہ انہوں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا ہو اور اس تعریف کے اعتبار سے فخرت ہر ان لوگوں کو شامل ہے جو دو رسولوں کے درمیان ہوں جیسے حضرت ادریس اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان کے لوگ اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان کے لوگ اور ان کے درمیان آٹھ سو سال ہیں اور حضرت صالح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان کے لوگ اور ان کے درمیان چھ سو تیس سال ہیں لیکن فقہاء جب فخرت میں کلام کرتے ہیں تو اس سے مراد ان لوگوں کو کہتے ہیں جو حضرت یحییٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کے لوگ ہیں۔

(اکمال اکمال لمعلم ج ۵ ص ۶۱۷-۶۱۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ربانی ماہکی کی تقریر کا مطلب یہ ہے کہ بالفرض اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا زندہ کیا جاتا اور ان کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا نہ بھی تسلیم کیا جائے پھر بھی آپ اصل فخرت میں سے ہیں اور اہل عیاذ باللہ اصل دوزخ میں سے نہیں ہیں۔

فیض علامہ ربانی نے لکھا ہے کہ اصل فخرت کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم وہ ہے جنہوں نے شرک کیا اور دوسری قسم وہ ہے جنہوں نے شرک کیا اور دین میں تبدیلی کی اور اپنی طرف سے چیزوں کو حلال اور حرام کیا ان دونوں قسم کے اہل فخرت کو عذاب ہوگا اور تیسری قسم کے اہل فخرت وہ ہیں جنہوں نے نہ شرک کیا نہ کسی نبی کی شریعت میں تغیر اور تبدل کیا اور نہ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام کیا اور نہ کسی دین کو اختراع کیا وہ ساری غفلت اور جاہلیت میں رہے ان کو باطل عذاب نہیں ہوگا اور آپ کے والدین کریمین اہل فخرت کی اسی تیسری قسم میں سے تھے۔ (اکمال اکمال لمعلم ج ۵ ص ۶۱۸-۶۱۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

والدین کریمین کے ایمان کے ثبوت میں حافظ سیوطی کے رسائل

حقیقہ میں کی کتب حدیث میں احادیث کا سب سے بڑا مجموعہ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کی مسند احمد بن حنبل ہے اس میں ۲۸۱۹۹ کل مرفوعہ و منقولہ احادیث ہیں (مطبوعہ عالم الکتاب بیروت ۱۴۱۹ھ) اور متاخرین کی کتب حدیث میں احادیث کا سب سے بڑا مجموعہ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کی مجمع الجوامع ہے اس میں ۱۲۹۰۲۵ احادیث مرفوعہ ہیں ۱۵۳۰۳ آثار صحابہ ہیں ۱۲۵ احادیث موضوعہ و ضعیفہ ہیں اور اس میں درج شدہ کل احادیث کی تعداد ۳۵۵۸۵ ہے (مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۱ھ) اور مطبوعہ کتب حدیث میں یہ احادیث کا سب سے بڑا مجموعہ ہے اور حدیث کی سب سے زیادہ خدمت بھی حافظ سیوطی نے کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا رنگ بھی سب سے زیادہ ان کی تصانیف میں جھلکتا ہے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان پر انعام بھی بہت زیادہ ہے علامہ عبد الوہاب اشعرانی المتوفی ۹۷۳ھ نے لکھا ہے کہ حافظ سیوطی کو بیداری میں متحضر بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ہے۔

(النجیر ان التبریج ج ۵ ص ۵۵-۵۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے زندہ کیے جانے ان کے ایمان لانے اور ان کے غیر معذب اور جنتی ہونے کے متعلق حافظ سیوطی کے حسب ذیل رسائل ہیں:

- (۱) المقامة السندسية في النسبة المصطفوية، مطبوع مجلس دائرة المعارف النظامية حیدرآباد دکن ۱۳۱۶ھ
 - (۲) تنزيه الانبياء عن تشبيه الاغبياء، مجلس دائرة المعارف النظامية حیدرآباد دکن ۱۳۱۶ھ
 - (۳) السبيل الجلية في الآباء العلية، مجلس دائرة المعارف النظامية حیدرآباد دکن ۱۳۱۶ھ
 - (۴) مسالك الحنفاء في والدي المصطفى، مجلس دائرة المعارف النظامية حیدرآباد دکن ۱۳۱۶ھ
 - (۵) نشر العلمين المبينين في احياء الامويين الشريفين، مجلس دائرة المعارف النظامية حیدرآباد دکن ۱۳۱۶ھ
 - (۶) الدرر العنيفة في الآباء الشريفة، مجلس دائرة المعارف النظامية حیدرآباد دکن ۱۳۱۶ھ
 - (۷) التعظيم والمنة في ان ابوي رسول الله في الجنة، مجلس دائرة المعارف النظامية حیدرآباد دکن ۱۳۱۶ھ
- المقامة السندسية في النسبة المصطفوية کا خلاصہ**
(آپ کے والدین کو زندہ کرنا اور ان کا ایمان لانا)

یہ اس موضوع پر حافظ سیوطی کا پہلا رسالہ ہے اور اس کے میں صفحات ہیں۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ایک عظیم خصوصیت یہ ہے کہ اللہ نے آپ کی عظمت اور شان ظاہر کرنے کے لیے آپ کے نسب کو ظاہر رکھا ہے اور آپ کے آباء کو ہر قسم کے میل کی آلودگی سے محفوظ رکھا ہے اور آپ کے آباء و اجداد میں سے ہر آپ اور جد کو ان کے زمانہ کا سب سے بہتر فرد بتایا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے: میں ہر زمانہ میں بنو آدم کے سب سے افضل لوگوں سے بھیجا گیا ہوں حتیٰ کہ جس زمانہ میں میں ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بہ اعتبار نسب کے تم سب سے افضل ہوں اور بہ اعتبار سسرال اور خاندانی شرافت اور محاسن کے بھی تم سب سے افضل ہوں اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رگوں کی طرف منتقل کرتا رہا جب بھی دو شخص آپس میں بیٹیں تو میں سب سے بہتر شاخ میں ہوتا تھا تو میں خود بھی تم سے افضل ہوں اور میرے باپ بھی تم سے افضل ہیں۔

تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ جس نبی کو بھی جو مجروحہ دیا گیا یا جو خصوصیت دی گئی اس کی مثل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور دی گئی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ مجروحہ دیا گیا کہ وہ قبر کے مردوں کو زندہ کرتے تھے پس ضروری ہوا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی اس کی مثل ہو چرچہ کہ بکری کے گوشت نے آپ سے کام کر کے کہا مجھ میں زہر نہ ہوا ہے اور کھجور کے ستنے نے بھی آپ سے کام کیا اور یہ بھی مردوں کو زندہ کرنے کی مثالیں ہیں لیکن اس کی قریب ترین مثال یہ ہے کہ آپ نے اپنے والدین کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لائے۔

آپ کے والدین کا اصل فترت سے ہونا اور غیر معذب ہونا

اور آپ کے والدین اصل فترت میں سے ہیں اور اصل فترت کے متعلق صحیح اور حسن احادیث وارد ہیں اور ان کے غیر معذب ہونے کے ثبوت میں قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۝

(نہ برائیں ۱۵)

ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں۔

وَلَوْ أَنَّا أَهْنَكُم مِّنْ بَعْدِ أَنْ قَبِلْتُمْ لَفَنَّتُمْ كَقَبِيلٍ ۚ لَكُنَّا أَوَّلَ آبَاءٍ لَا يَأْتِيكُمُ اللَّهُ بِخَلْقٍ غَيْرِكُمْ ۚ إِنَّكُمْ إِذْ لَبِيتُمْ لَأُولَٰئِكَ لَشَرُّ الْأَوَّلِينَ وَأَكْثَرُ الْخَسِرِينَ ۝

اور اگر ہم اس سے پہلے انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ یقیناً یہ کہہ دیتے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہمارے پاس اپنے رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے تیری

وَقُلْتُمْ ۝ (نہ ۳۳)

علامہ مصطفیٰ کی عبارت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو دوزخی کہا آپ کے لیے باعثِ اذہا ہے اور آپ کا
ایذا پہنچانا کفر ہے علامہ بخاری کی پوری عبارت اور اس حدیث کی توجیہ ہم اس سے پہلے نقل کر چکے ہیں۔

السبيل العلية في الالباء العلية کا خلاصہ

یہ اس موضوع پر تیسرا رسالہ ہے رسالہ ۱۷ صفحات مشتمل ہے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے
نجات یافتہ اور جنتی ہونے کے سلسلہ میں دلائل کے جائزہ (طریقہ) بیان کیے ہیں:
آپ کے والدین کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی سو وہ غیر معذب ہیں

مکی سبیل (سپلا طریقہ) یہ ہے کہ آپ کے والدین کو زمانہ جاہلیت میں اسلام کی دعوت نہیں پہنچی اور امامِ مرقی نے مصطفیٰ
میں اور امامِ رازی نے محمول میں اور قاضی ابوبکر الباقانی نے تخریب میں اور متعدد دلائلِ اصول نے اپنی کتابوں میں یہ اصول بیان
کیا ہے کہ جس کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی وہ مختلف نہیں ہے اور یہ اصول اس آیت سے مستحب ہے:

ذَٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكَ فِتْنَةٌ مِّنْهُ لَوْ كُنْتَ فَاسِقًا
یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ کا رب کسی بھی دلوں کو کفر کی وجہ
سے ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب کہ اس سستی والے غافل ہوں۔

اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ایسا فیضِ نجات یافتہ ہے اور چونکہ آپ کے والدین بھی اسلام کی دعوت سے غافل تھے سو
وہ نجات یافتہ ہیں۔

آپ کے والدین اصحابِ فترت سے ہیں اس لیے وہ نجات یافتہ ہیں

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے والدین اصحابِ فترت میں سے ہیں اور اصحابِ فترت کے متعلق متعدد احادیث سے
ثابت ہے کہ قیامت کے دن ان کا امتحان لیا جائے گا اور جو امتحان میں کامیاب ہوگا اس کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا امام
ابن جریر امام ابن ابی حاتم اور امام ابن السکنت نے تین مختلف سندوں کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اہل فترت کو اور کم عقل کو اور بہرے اور گونگے اور بڑھوں کو
جمع فرمائے گا جنہوں نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا پھر ان کی طرف ایک رسول بھیجے گا جو ان سے کہے گا کہ دوزخ میں داخل ہو
جاؤ وہ کہیں گے کیوں؟ ہمارے پاس تو کوئی رسول نہیں آیا تھا! آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم اگر وہ اس میں داخل ہو جائے تو وہ ان
پر غصہ کی اور ستمناشی والی ہو جائیگی پھر ان کی طرف ایک رسول بھیجے گا پھر جس کے متعلق اللہ چاہے گا وہ اس رسول کی اطاعت
کرے گا پھر حضرت ابو ہریرہ نے کہا اگر تم جانتے ہو تو یہ آیت پڑھو:

وَمَا لَنَا فَعَلْنَا بِرَسُولٍ مَّا فَعَلْنَا بِالْأَوَّلِينَ ۚ
ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ

(فی اسرار: ۱۵) رسول نہ بھیج دیں۔

(جامع الترمذی رقم الحدیث ۲۷۲۷۷، کنز الدقائق رقم الحدیث ۱۱۳۱۳، جامع الترمذی رقم الحدیث ۲۷۲۷۷، کنز الدقائق رقم الحدیث ۱۱۳۱۳)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ نے اس آیت سے یہ سمجھا تھا کہ اس آیت میں رسول سے مراد عام ہے خواہ وہ
رسول دنیا میں بھیجا جائے یا قیامت کے دن جب اہل فترت سے کہے گا کہ دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔

حافظ ابن حجر نے کہا آپ کے والدین کے متعلق گمان یہ ہے کہ وہ سب زمانہ فترت میں فوت ہو گئے تھے اور قیامت کے
دن جب ان سے یہ طور امتحان کیا جائے گا کہ دوزخ میں داخل ہو جاؤ تو وہ اس امتحان میں کامیاب ہوں گے اور قیامت کے

دن رسول کی اطاعت کر کے دوزخ میں داخل ہو جائیں گے اور وہ ان پر غضبی اور سلاحتی والی ہو جائے گی اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو یہ توفیق دے گا کہ وہ قیامت کے دن رسول کی اطاعت کریں گے۔

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام ابو سعید نے ”شرف نبوت“ میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ میرے اہل بیت میں سے کسی کو دوزخ میں داخل نہ کرنا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا کر دیا اور امام ابن جریر نے ولسوف یعطیک ربک فرضی کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا میں سے یہ ہے کہ آپ کے اہل بیت میں سے کسی کو دوزخ میں داخل نہ کیا جائے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۰۵۳) اور ان میں سے بعض احادیث بعض کو مضبوط کرتی ہیں کیونکہ حدیث ضعیف جب متعدد اسانید سے مروی ہو تو اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے حافظ سیوطی کا غشاء یہ ہے کہ ان احادیث کی بناء پر والدین کریمین بغیر امتحان کے جنت میں داخل ہوں گے کیونکہ وہ بھی آپ کے اہل بیت سے ہیں اور اصحاب فترت کی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی دوزخ سے نجات ہوگی۔

آپ کے والدین کو زندہ کرنا اور ان کا ایمان لانا اور اس کے مخالف احادیث کی تاویل

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا حتیٰ کہ وہ آپ پر ایمان لائے اور اس طریقہ کی طرف اکثر ائمہ دین اور حفاظ حدیث نے میلان کیا ہے۔ اس حدیث کا علامہ السبکی نے الروض الانف میں ذکر کیا ہے ابن جوزی نے اس کو موضوع کہا ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ یہ موضوع نہیں ضعیف ہے اور بہت ائمہ اور حفاظ نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف کی وہ قسم ہے جس کا فضائل اور مناقب میں ذکر کرنا جائز ہے ان حفاظ میں سے حافظ ابوبکر خطیب بغدادی ہیں ابو القاسم بن عساکر حافظ ابن اثیر ابن حنفیہ امام قرطبی محب الدین طبری علامہ ناصر الدین اور فتح الدین وغیرہ ہیں۔

اور جب ان طریقوں سے ثابت ہو گیا کہ آپ کے والدین نجات یافتہ اور بخشنے ہیں تو جو احادیث ان کے خلاف ہیں وہ ان سے پہلے کی ہیں جیسا کہ بعض احادیث میں ہے کہ شریکین کے بچے دوزخ میں ہیں پھر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ

اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(نور العاقل: ۱۵)

تو اب اس آیت پر عقیدہ ہو گا نہ کہ پہلی احادیث پر تو جن احادیث سے والدین کریمین کا بخشتی ہونا ثابت ہے ان پر عقیدہ ہو گا نہ کہ ان کی مخالف احادیث پر۔

آپ کے والدین ملت ابراہیم پر تھے

چوتھا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے والدین کریمین ملت ابراہیم پر تھے جیسا کہ زید بن عمرو بن نفیل زمانہ جاہلیت میں تھے اور ان کی مثل دوسرے ائمہ الجوزی نے ”المصباح“ میں اس عنوان کا ایک باب قائم کیا ہے ”وہ لوگ جو زمانہ جاہلیت میں بت پرستی سے کنارہ کش رہے تھے“ ان میں ایک جماعت کا ذکر کیا ہے جن میں زید بن عمرو بھی ہیں اور قس بن ساعدہ ہیں اور ورقہ بن نوفل ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وغیرہم ہیں سو آپ کے والدین بھی اسی جماعت میں سے ہیں اس طریقہ کی طرف امام فخر الدین رازی نے میلان کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کے تمام آباء و اجداد پر قائم ہیں اور اپنی تفسیر صغیر اسرار الصوفیہ میں لکھتی ہیں: **يُنَادِي بِذِكْرِ جِبْرِيلَ بْنِ مَعْقُودٍ وَنُفْلِكَةَ بْنِ الْهَيْثَمِيِّ** (اشعر: ۲۱۹-۲۲۰) میں انہوں نے

نویسنہ یہ ہے (اہم اس کو باحوالہ بیان کر چکے ہیں سعیدی غفرلہ)

امام رازی کے موقف پر مجھے عام دلائل بھی حاصل ہوئے اور خاص دلائل بھی عام دلائل دو مقدموں سے مرکب ہیں اول مقدمہ یہ ہے کہ احدیث مجھ سے ثابت ہے کہ آپ کے اجداد میں سے ہر جد اپنے زمانہ میں سب سے خیر اور افضل تھے کیونکہ امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ میں قرآن پڑھتا ہوں آدم کے خیر قرون (ہر زمانہ کے سب سے بہترین لوگوں) سے مبعوث ہوا ہوں حتیٰ کہ جس زمانہ کے لوگوں میں میں ہوں (مجھے بخاری رقم احاد ہے: ۳۵۵۷) دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ مصنف عبدالرزاق اور مسند احمد کی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ روئے زمین کبھی سات یا اس سے زیادہ مسلمانوں سے کبھی خالی نہیں رہی۔ ورنہ زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے (مصنف عبدالرزاق رقم احاد ہے: ۹۱۶۲ حدیث ۵ ص ۹۶ قدیم) اور مومن اور مشرک میں مومن خیر ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر زمانہ کے بہترین لوگوں سے ہیں اور اس زمانہ میں مومن بھی ہیں تو ضروری ہوا کہ آپ کے والدین مومن ہوں۔

اور دلیل خاص یہ ہے کہ امام محمد بن سعد نے "طبقات الکبریٰ" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کے تمام آباء مومن تھے۔

مسالك الحنفاء في والدي المصطفى (مسلك اول آپ کے والدین کا اصحاب فترت سے ہونا)

اس موضوع پر یہ چوتھا رسالہ ہے اور یہ سب سے مختصر رسالہ ہے اس کے چھپن (۵۶) صفحات ہیں۔ مسلك اول یہ ہے کہ آپ کے والدین آپ کی بعثت سے پہلے فوت ہو گئے اور جو لوگ بعثت سے پہلے فوت ہو گئے اور ان کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی وہ نبوت یافتہ ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا (اعراس: ۱۵) اس پر مفسر دلائل گزر چکے ہیں اور یہ واضح ہو چکا ہے کہ اس مسلك کے اعتبار سے آپ کے والدین نجات یافتہ ہیں۔ حافظ سیوطی نے ۱۵ صفحات تک اس مسلك پر دلائل پیش کیے ہیں۔

مسلك ثانی آپ کے والدین کا دین ابراہیم پر ہونا

آپ کے والدین سے شرک بالکل ثابت نہیں بلکہ وہ اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے جیسا کہ عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل وغیرہم تھے اس کی تفصیل امام رازی نے اسرار المقلیل میں اشعراء: ۱۹-۱۸ میں کی ہے۔

آپ کے تمام آباء کے مومن ہونے کے متعلق احادیث

احادیث مجھ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت آدم سے لے کر حضرت عبداللہ تک آپ کے تمام آباء مومن تھے اور اس پر یہ دلیل ہے کہ امام بخاری نے اپنی تصحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ہر زمانہ میں اولاد آدم کے بہترین لوگوں میں مبعوث کیا گیا ہوں حتیٰ کہ اس زمانے کے بہترین لوگوں میں سے جس میں میں ہوں۔ (صحیح البخاری رقم احاد ہے: ۳۵۵۷)

اور امام بخاری نے دلائل ائمہ قاسم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی دوگوں میں دو فرقے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مجھے ان میں سے بہتر فرقہ میں رکھا پس مجھے اپنے والدین سے اس حال میں نکالا گیا کہ مجھے زمانہ نبوت کی کوئی چیز نہیں پہنچی تھی اور میں نکاح سے نکلا گیا ہوں اور حضرت آدم سے لے کر میرے ماں باپ تک میں زمانہ نبوت سے پہلے ہی میں خود ابراہیم سے آیا۔ و اجداد تم سب سے خیر اور افضل ہیں۔

(دلائل ائمہ قاسم ج ۳ ص ۷۱) حافظ ابن کثیر نے یہاں حدیث کی سند ضعیف لی لیکن اس کے بہت خواہ ہیں بلکہ حافظ ابن کثیر نے ان شاء اللہ

مذکورہ بالا بیانِ نبوی ص ۸۷ اور انکارِ کفر ص ۱۶۸ کے تاریخ و موقع الکبرج ص ۳۹ رقم اللہ ہے: ۵۵۵ سلیمہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۲ھ
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے ماں باپ بھی زنا پر متوج
نہیں ہوئے اور اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ پاکیزہ چشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا جو صاف اور مہذب تھے اور جب بھی
دو شخص ملیں میں ان میں سے افضل اور بہتر شاخوں میں تھا۔ (وسائل الیمین ص ۵۶ رقم اللہ ہے: ۱۱۵۵ شمس السمری ص ۴۳)
حضرت امام بن الاثیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اواد واسہ میں
سے کنانہ کو اختیار کیا اور کنانہ کی اولاد سے قریش کو جن کا لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو جن کا لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو جن کا لیا۔

امام الحب الطبری نے ذخائر العقبیٰ میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرب میں بہترین معتر ہیں اور مصر میں بہترین بنو عبد مناف ہیں اور بنو عبد مناف میں بہترین بنو ہاشم ہیں اور بنو ہاشم میں بہترین بنو عبد المطلب ہیں اور اللہ کی قسم اللہ نے تخلیق آدم سے لے کر جب بھی دو گروہ پیدا کیے تو مجھے ان میں سب سے بہتر میں رکھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے شک اللہ عزوجل نے سات آسمانوں کو پیدا کیا اور ان میں سے اوپر والے آسمانوں کو فضیلت دی اور ان میں جس مخلوق کو چاہا رکھا اور سات زمینوں کو پیدا کیا اور ان میں اوپر والی زمین کو فضیلت دی اور اس میں جس مخلوق کو چاہا رکھا، مخلوق کو پیدا کیا تو اس میں بنو آدم کو سب مخلوق پر فضیلت دی اور بنو آدم میں سے عرب کو چن لیا اور عرب میں سے مصر کو چن لیا۔ اور مصر میں سے قریش کو چن لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو چن لیا اور مجھے بنو ہاشم میں سے چن لیا، پس میں بہترین لوگوں میں سے بہترین لوگوں کی طرف منتقل ہوں رہا ہوں سو جس نے عربوں سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے عربوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔

(دلائل الغیو ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸،

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار ہوں۔ جب بھی لوگوں کے درگروہ ہوئے مجھے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے سب سے بہتر گروہ میں رکھا۔ پس میرا اپنے ماں باپ سے ظہور ہوا تو مجھے زمانہ جاہلیت کی بدکاریوں میں سے کسی چیز نے نہیں چھوڑا تھا اور میں نکاح کے ذریعہ پیدا ہوا اور میں بدکاری کے ذریعہ پیدا نہیں ہوا حتیٰ کہ حضرت آدم سے لے کر میں اپنے ماں باپ تک پہنچا پس میں بھی تم سے خیر اور بہتر ہوں اور میرے باپ بھی تم سب سے خیر اور افضل ہیں۔

(دراں المم و التبرقی ج ۱ ص ۱۷۵-۱۷۴ الهادیہ الفیاء ج ۲ ص ۲۹۸ تاریخ دمشق الکبریٰ ج ۳ ص ۳۰-۲۹ رقم الحدیث ۵۵۵ معجمہ دار الیمین
تراث اسلامی روایت ۱۳۲ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا میں نے زمین کے تمام مشرق اور مغارب کو گھٹھا لایا تو میں نے (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کسی کو نہیں پایا۔

تیسری آیت یہ ہے:

رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَرَبِّ اجْعَلْنِي مِمَّنْ ذُكِّرْتُ

اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد

سے بھی۔ (ابراہیم ۴۰)

امام ابن المنذر نے ابن جریر سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم کی اولاد میں کچھ لوگ بھیظ فطرت پڑتے اور اللہ کی عبادت کرتے رہے۔

حضرت عبدالمطلب کے ایمان کی بحث

سعید بن المسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے آپ نے دیکھا وہاں ابو جہل بن حشام اور عبد اللہ بن ابی امیہ بن العسیر بھی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب سے کہا اے میرے چچا! آپ لا الہ الا اللہ پڑھیے یہ وہ کلمہ ہے جس کی وجہ سے میں اللہ کے پاس آپ کے حق میں شہادت دوں گا تو ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ نے کہا: اے ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کی ملت سے اعراض کرو گے؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل اس کے سامنے یہ کلمہ پیش کرتے رہے اور وہ دونوں اپنی بات دہراتے رہے حتیٰ کہ ابوطالب نے آخر میں ان سے کہا وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہے اور اس نے لا الہ الا اللہ پڑھنے سے انکار کر دیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! اللہ کی قسم! میں ضرور تمہارے لیے استغفار کرتا رہوں گا جب تک اللہ مجھے تمہارے لیے استغفار سے منع نہ کر دے پھر سورۃ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا

لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ

لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (التوبہ: ۸۳)

نبی اور مومنوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے رشتہ دار ہوں اس کے بعد جب ان پر ان کا دوزخی ہونا ظاہر ہو جائے۔

یہ حدیث حضرت عبدالمطلب کے مومن ہونے کے منافی ہے کیونکہ اس میں یہ تصریح ہے کہ ابوطالب نے وفات کے وقت کہا کہ وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہے اور لا الہ الا اللہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔

حافظ سیوطی نے اس کے معارضہ میں یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر آباد پر فخر کرنے سے منع فرمایا ہے اس کے باوجود آپ نے عبدالمطلب کے بیٹے ہونے پر فخر فرمایا ہے اس سے واضح ہوا کہ عبدالمطلب کافر نہیں تھے مومن تھے۔

(مصلحہ سالک الملاحم ص ۳۳)

کافر آباد پر فخر کرنے سے مناعت کی احادیث یہ ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں بنی اسرائیل کے دو آدمیوں نے اپنے نسب کا ذکر کیا ان میں سے ایک کافر تھا اور دوسرا مسلمان تھا پس کافر نے اپنے نو آباد کو واحد کا ذکر کیا اور مسلمان نے کہا میں فلاں بن فلاں ہوں اور ان کے ماسوا (کافر باپ دادا) سے بری ہوں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے اور ان دونوں کو آواز دے کر فرمایا: اے اپنے باپ دادا کی طرف نسبت کرنے والو! تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہے پھر فرمایا: اے کافر! تو نے اپنے نو کافر باپ دادا کی طرف نسبت کا ذکر کیا اور تو ان میں کا دھواں دوزخ میں ہے اور تو اے مسلم! تو نے صرف اپنے دو مسلم آباد پر اکتفا کیا اور ان کے ماسوا سے براہت کا اکتہار کیا سو تو اصل اسلام سے ہے اور ان کے ماسوا سے بری ہے۔ (عقب ۱۱، ج ۲ ص ۲۸۸ رقم الحدیث ۵۱۳۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ان باپ دادا پر فخر نہ کرو جو زمانہ جاہلیت میں مر چکے ہیں کیونکہ اگر اس کی ناک میں سیاہ کیڑا بیٹھتا رہے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے ان باپ دادا پر فخر کرے جو زمانہ جاہلیت میں مر چکے ہیں۔ (شعب الایمان ج ۳ ص ۲۸۶ رقم الحدیث: ۵۱۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے عیوب کو (جاہلیت کے) باپ دادا پر فخر کرنے کی خصلت کو دور کر دیا ہے تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے مومن متقی ہے اور فاجر شقی ہے لوگ ان پر فخر کرنے سے باز آ جائیں وہ جہنم کے کونوں میں سے کوئد ہیں ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سیاہ کیڑوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں گے۔ (شعب الایمان ج ۳ ص ۲۸۶ رقم الحدیث: ۵۱۳۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالمطلب کے نسب پر فخر کیا اس کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے ایک شخص نے پوچھا: کیا تم غزوہ حنین کے دن بھاگ گئے تھے انہوں نے کہا نہیں خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹہ نہیں پھیری لیکن آپ کے اصحاب سے کچھ نوجوان نکلے جو بے سروسامان تھے ان کے پاس کسی قسم کا سامان نہیں تھا وہ اہل بیت میدان چھوڑ گئے تھے ان کا ہوازن اور بنو نصر کے بہترین حیراندازوں سے مقابلہ ہوا وہ اس قدر ماہر حیرانداز تھے کہ ان کا کوئی تیرہ مشکل خطا ہوتا تھا اس وقت مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے آپ سفید فخر پر سوار تھے اور آپ کے ہم زاد حضرت ابو سفیان بن الحارث بن عبدالمطلب اس فخر کو ہٹا رہے تھے آپ نے سواری سے اتر کر اللہ تعالیٰ سے مدد کی پھر یہ شعر پڑھا:

انا النبی لا کذب
میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے

انا ابن عبدالمطلب
میں (حضرت) عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۳۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۷۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۸۸ سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۰۵۰ مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۳ سنن اللیثی ج ۱ ص ۵۵۵ علیہ السلام ج ۱ ص ۱۲۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۶۰۱ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۸۹۵ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۸۹ معصف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۵۲۷)

جس حدیث سے مخالفین نے استدلال کیا ہے وہ بھی صحیح بخاری کی روایت ہے اور یہ حدیث بھی صحیح بخاری کی روایت ہے لیکن یہ حدیث اس پر راجح ہے اولاً اس لیے کہ وہ سعید بن مسیب کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے اور سعید بن مسیب تابعی ہیں اس لیے وہ حدیث مرسل ہے اور یہ حدیث حضرت براء بن عازب کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے اور وہ صحابی ہیں سو یہ حدیث متصل ہے ثانیاً اس حدیث میں ابو جہل عبد اللہ بن ابی امیہ اور ابو طالب کے اقوال سے استدلال کیا گیا ہے اور وہ کفار تھے اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے استدلال ہے چنانچہ اس حدیث میں یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ ابو جہل وغیرہ کے نزدیک عبدالمطلب کا دین تو حید کے خلاف تھا لیکن نفس الامر اور واقع میں ان کا دین تو حید کے خلاف نہیں تھا اور اس تاویل پر قریب وہ دلائل ہیں جن سے یہ ثابت ہے کہ آپ کے تمام آباء مومن ہیں۔ یہ جوابات اس ناکارہ کے ذہن میں آئے ورنہ حافظ سیوطی نے فرمایا: ملت عبدالمطلب سے استدلال کر کے ابو جہل کا ابو طالب کو ایمان سے منع کرنا ایک قوی معارضہ ہے اور اس حدیث کی کوئی قریب تاویل نہیں ہے۔ سو عبدالمطلب کے ایمان میں توقف کرنا چاہیے۔ (مسائل العلماء ص ۳۳)

نیز ایک حدیث میں ہے:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن سب سے کم عذاب اس شخص کو ہوگا جس کے تلووں کے نیچے آگ کے دو انگارے رکھے جائیں گے جن سے ان کا دماغ کھول رہا ہوگا۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث ۵۶۱۱، صحیح مسلم رقم الحدیث ۷۳۳، سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۸۰۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ والوں میں سب سے بڑا عذاب ابو طالب کو ہوگا اس کو آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی جن سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۴۷۰۰)

حافظ سیوطی فرماتے ہیں یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کے والدین دوزخ میں نہیں ہیں کیونکہ اگر وہ دوزخ میں ہوتے تو ان کا عذاب ابو طالب سے بھی کم ہوتا کیونکہ ابو طالب کی یہ نسبت ان کا سب آپ سے زیادہ قریب ہے اور ان کا عذاب بھی زیادہ ہے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ نہیں پایا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ایمان پیش کیا اور نہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان پیش کرنے پر انکار کیا اس کے برخلاف ابو طالب نے آپ کی بعثت کا زمانہ پایا۔ آپ نے ان پر اسلام پیش کیا اور انہوں نے انکار کیا اس کے باوجود ان کو سب سے کم عذاب ہوگا تو پھر والدین کو بھی عذاب نہیں ہوگا۔ (مسائل النجاشی ص ۳۸-۳۷)

نیز والد بن کر یحییٰ بن کریمان کے ایمان کے سلسلہ میں یہ حدیث بھی ہے:

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر میں اپنے والدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو پاتا اور میں عشاء کی نماز میں ہوتا اور اس میں سورہ فاتحہ پڑھی جا چکی ہوتی اور ان میں سے کوئی ایک مجھے باجمہ کہہ کر پکارتا تو میں بہت کہہ کر ان کی نیکار کا جواب دیتا۔

(*) حب الایمان صفحہ ۹۵ رقم الحدیث ۸۸۷۱ کے امام بیہقی نے کہا اس کی سند میں یاسین بن محاذ ضعیف راوی ہے۔

اسی حدیث کو حافظ سیوطی نے شعب الایمان کے حوالے سے مسالک الخلفاء ص ۵۶ پر درج کیا ہے اور اسی صفحہ پر مسالک الخلفاء ختم ہو گیا۔

نشر العلمین المنیفین فی احیاء الابوین الشریفین کا خلاصہ
(والدین کریمین کو زندہ کرنے والی حدیث کی تقویت اور ترویج کی وجہ)

یہ اس موضوع پر پانچواں رسالہ ہے۔ یہ رسالہ اخبار و صفحات پر مشتمل ہے۔ حافظ ابن شاکین اور حافظ ابو القاسم عبدالرحمن بن عبد اللہ نے والدین کی قبروں میں زندہ کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی جو احادیث روایت کی ہیں ان کی سندوں پر جو موضوع اور مجہول ہونے کے اعتراضات ہوتے ہیں اس رسالہ میں حافظ سیوطی نے ان اعتراضات کے جوابات دیے ہیں اور اس حدیث کی ترجیح اور ثقہ کی وجہ بیان کی ہیں حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی نیجات کے متعلق متعدد رسائل تحریر کیے ہیں اور یہ بیان کیا ہے کہ اس سلسلہ میں غلام کے کیا مسالک ہیں اور ان مسالک پر ان کے کیا دلائل ہیں اور جو احادیث پر ظاہر اس کے خلاف ہیں ان کے کیا جوابات ہیں اور آپ کے والدین کے ایمان کو اعتبار کرنے کی میرے نزدیک حسب وظیفہ وجوہ ہیں:

(۱) اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین محاذ اللہ کا فریاض شریک تھے تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہو گا اور آپ کو ایذا پہنچانا حرام ہے قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ الْغَنِيِّ يُذْخِرُ وَالْكَلْبُ وَالرَّسُولُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ

ma

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۞

ہیں ان پر اللہ دنیا میں اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور اس نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (۵۷: ۲۶)

قاضی ابو محمد بن ابی نعیم نے پوچھا جو شخص یہ کہے کہ آپ کے آباء و ورغ میں ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے کہا وہ شخص ملعون ہے اور مذکورہ حدیث سے استدلال کیا اور قاضی عیاض نے شفاء میں لکھا ہے کہ عمر بن عبد العزیز کے کاتب نے آپ کے والد بن کو کفر کیا تو انہوں نے اس کو موزول کر دیا۔

(۲) جب یہ بیان کیا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد بن موسیٰ اور یحییٰ بن قیس سے موئین خوش ہوں گے اور جس مسئلہ میں اختلاف ہو اس میں مسلمانوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے امام کے قول کو ترک کر کے دوسرے امام کے قول پر عمل کریں جیسے فقہاء احناف، متقدم، مالکیہ کے مسئلہ میں امام مالک کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں حالانکہ وہ صرف اپنی سہولت کے لیے ایسا کرتے ہیں تو جو شخص ان علماء کا معتقد ہو جو والد بن کریمین کے ایمان کے قائل نہیں ہیں تو ان کے لیے زیادہ لائق ہے کہ وہ اس مسئلہ میں ان علماء کی پیروی کریں جو والد بن کریمین کے ایمان کے قائل ہیں کیونکہ اول الذکر صورت میں وہ اپنے نفس کی سہولت کے لیے دوسرے ائمہ کے مذہب کی طرف منتقل ہوں گے اور ثانی الذکر صورت میں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد بن کریمین کی تعظیم اور آپ کی فرحت اور سرور کے لیے دوسرے علماء کے مذہب کی طرف منتقل ہوں گے اور اس میں آپ کے شرف اور فضیلت اور آپ کے سچے اور آپ کی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے اور آپ کے والد بن کریمین کو ماننے میں کوئی نقصان نہیں ہے اور نہ کسی کا حق ضائع ہوتا ہے اور نہ کسی سے ذمہ کوئی چیز واجب ہوتی ہے اس کے برخلاف جب وہ آپ کے والد بن کریمین کے کفر کا قائل ہوگا تو اس میں آپ کے والد بن کریمین کی امانت ہے اور آپ کو ایذا پہنچاتا ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد بن کریمین کو ماننا آپ کے تقرب کا ذریعہ ہے آپ کی رضا اور آپ کی شفاعت کے حصول کا ذریعہ ہے اور اس کے ثبوت کے دلائل کو تلاش کرنے کی مشقت اجر عظیم کے حصول کا سبب ہے۔

والد بن کریمین کو زندہ کرنے والی حدیث کی حقیقت

حافظ ابن شاپین متوفی ۳۸۵ھ نے آپ کی والدہ کو زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے کی حدیث اس سند کے ساتھ روایت کی ہے:

عمر بن الحسن بن زیاد ابو عمرو محمد بن یحییٰ الزهری، عبد الوہاب بن موسیٰ الزهری، عبد الرحمن بن ابی الزناد، عاصم بن عمرو الزهری، از عاصم (اصح ما روای عنہ) (۴۸)

امام ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے اور کہا ہے کہ محمد بن یحییٰ اٹھارہ غیر ثقہ ہے اور محمد بن یحییٰ مجہول ہے حافظ سیوطی فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ علامہ ذہبی نے محمد بن یحییٰ کا بیان اور ابن یحییٰ ذکر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ محمد بن یحییٰ کے حلق امام دارقطنی نے کہا ہے کہ وہ مجہول ہے اور الزادری نے کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے نہیں وہ ضعیف راوی ہے اور اس کا موضوع کے تحت درج کرنا صحیح نہیں ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں امام ابن جوزی کا کلام ذکر کرنے کے بعد کہا کہ محمد بن یحییٰ کو مجہول کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ وہ معروف ہے تاریخ مصر میں اس کا مذکور ہے اس میں مذکور ہے کہ محمد بن یحییٰ بن محمد بن عبد العزیز بن عبد الرحمن بن عوف ابو عبد اللہ ہے اس کا لقب ابو غریبہ ہے وہ مدنی ہے اور مصر میں آکر رہے اور وہ اس کی مجلس میں اس سے اسحاق بن ابراہیم الکلباسی اور ذکر یحییٰ البطلی اور مسلم بن سوادہ الطاعلی اور محمد بن

عبد اللہ بن حکیم اور محمد بن فیروز نے روایت کی ہے اور وہ دس محرم ۲۵۸ ہجری میں فوت ہو گیا۔

اور ہاشم بن یحییٰ اگر یہ غلط ہے جیسا کہ ابن جوزی نے ذکر کیا ہے تو یہ قرأت کے علاوہ اور اکثر تفسیر میں سے ہے کہ ذہبی نے کہا وہ اپنے زمانہ میں قرآن کا استاذ تھا اور ضعف کے باوجود اس کی تعریف کی ہے۔

حافظ سیوطی نے اس حدیث کے روایت کی تعدیل میں طویل بحث کی ہے اور کہا ہے کہ یہ ضعیف راوی ہیں موضوع نہیں ہیں اور فضائل اور مناقب میں حدیث ضعیف کا اعتبار کیا جاتا ہے پھر حافظ سیوطی نے بہت سی ایسی احادیث کا ذکر کیا ہے جن کو ابن الجوزی نے موضوع کہا ہے اور وہ واقع میں صحیح، حسن یا ضعیف ہیں۔

الدراج المنیفہ فی الأباء الشریفہ کا خلاصہ

اس موضوع پر یہ چھتر سالہ ہے اور یہ رسالہ ۱۸ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں احادیث اور آثار کے حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ آپ کے والدین آخرت میں نجات یافتہ ہیں اور اس کے تین طریقے ہیں پہلا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے والدین کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی اور انہوں نے آپ کی بیعت کا زمانہ نہیں پایا اور آپ اصحاب فترت سے ہیں پھر قرآن اور حدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ اصحاب فترت غیر معذب ہیں ان دلائل کا ہم تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لائے اس کی تفصیل بھی گذر چکی ہے۔ محب طبری نے کتاب ذخائر العقبیٰ میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدہ بنت ابی لہب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ! لوگ مجھے یہ کہتے ہیں کہ تم دوزخ کی کھڑکیوں کے گھسے والے کی بیٹی ہو اس سے آپ غرض ہوئے اور فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو میرے قربت داروں کو اذیت پہنچاتے ہیں جس نے میرے قربت داروں کو اذیت پہنچائی اس نے مجھے اذیت پہنچائی اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی اس نے اللہ کو اذیت پہنچائی۔ اور اس طرح کے آثار بہت ہیں۔

اور تیسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے والدین ملت ابراہیم پر ہیں۔ اس کی تفصیل بھی کئی مرتبہ گذر چکی ہے۔ حافظ سیوطی کے ان تمام رسائل میں احادیث آثار اور دلائل کا کھرا بہت زیادہ ہے اور ہم نے بلا کھرا خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ کیا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی نے بت پرستی کی ہے؟ تو انہوں نے کہا نہیں کیا تم نے نہیں سنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ اے اللہ! مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی پرستش سے محفوظ رکھنا! اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد اس دعا میں کیوں داخل نہیں ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے خصوصیت کے ساتھ مکہ میں پیدا ہونے والی اولاد کے لیے یہ دعا کی تھی (اس روایت کا یہ جملہ محل اشکال ہے) اور حضرت عبدالملک میں علماء کا اختلاف ہے اور ان کے متعلق احسن قول یہ ہے کہ ان کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی، پھر حسینی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عبدالملک کی پیشانی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ نور کا عکس ہوا تھا اور اس نور کی برکت سے ان کو اپنے بیٹے کی نذر الہام کی گئی تھی اور اسی نور کی برکت سے انہوں نے ابرہہ سے کہا تھا کہ اس بیت کا رب ہے وہی اس کی حفاظت کرے گا اور اسی نور کی برکت سے وہ اپنی اولاد کو برہہ کا مومن سے منع کرتے تھے اور نیک کاموں کا حکم دیتے تھے وہ اپنی وصیت میں یہ کہتے تھے کہ دنیا سے کوئی ظالم اس وقت تک نہیں جائے گا جب تک کہ اس سے اس کے ظلم کا بدلہ نہ لے لیا جائے ان سے کہا گیا کہ کئی ظالم حکم کا بدلہ لے جانے سے پہلے دنیا سے چلے جاتے ہیں تو انہوں

سنے سوچ کر کہا اللہ کی قسم اس جہان کے بعد ایک اور جہان ہے جہاں نیک شخص کو اس کی نیکیوں کی جزا دی جائے گی اور برے شخص کو اس کی برائیوں پر سزا دی جائے گی اور اس میں یہ دلیل ہے کہ ان کو اسلام کا صحیح پیغام نہیں پہنچا تھا، کیونکہ اگر ان تک صحیح دین پہنچا ہوتا تو وہ بغیر غور و فکر کیے ہوئے جنت اور دوزخ کی خبر اور رسولوں کا پیغام پہنچا دیتے، حضرت عبدالعصب کے متعلق ایک قول ابن سید الناس کا ہے ان کی سیرت میں ہے کہ ان کو بھی زندہ کیا گیا اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے لیکن اس قول کو صرف شیعہ نے اختیار کیا ہے۔ امام رازی یہ کہتے ہیں کہ حضرت عبدالعصب ملت ابراہیم پر تھے۔ (اصحاح ص ۱۵۷)

التعظیم والمنہ فی ان ابوی رسول اللہ فی الجنة کا خلاصہ (والدین کریمین کو قبر میں زندہ کرنے کے متعلق پہلی حدیث)

اس موضوع پر یہ حافظ سیوطی کا ساتواں رسالہ ہے اور اس کے ۳۹ صفحات ہیں۔ اس میں یہ ثابت کیا ہے کہ آپ کے والدین جنت میں ہیں اس رسالہ میں حافظ سیوطی نے زیادہ تر بحث اس حدیث سے کی ہے جس کو امام ابن شاہین متوفی ۳۸۵ھ نے ان دو حدیثوں کے لیے ناخ قرار دیا ہے جو بہ ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان لانے کے خلاف ہیں۔ پہلے ہم امام ابن شاہین کی ذکر کردہ منسوخ اور ناخ احادیث کو بیان کریں گے پھر اس کے بعد باقی اسی حدیث کا ذکر کریں گے۔

امام ابن شاہین اپنی پوری سند کے ساتھ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا تو آپ ایک قبر کے پاس آ کر بیٹھ گئے لوگ بھی آپ کے پاس آ کر بیٹھ گئے پھر آپ روتے ہوئے کھڑے ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو لوگوں میں سب سے زیادہ جرأت والے تھے انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! آپ کو کس چیز نے رلایا! آپ نے فرمایا یہ میری والدہ کی قبر ہے میں نے اپنے رب عزوجل سے اس کی زیارت کا سوال کیا تو مجھے اس کی اجازت دی گئی، پھر میں نے اپنی والدہ کے لیے استغفار کرنے کا سوال کیا تو مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی پس اپنی والدہ کو یاد کر کے رورہا ہوں اور اس دن سے زیادہ آپ کو روتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

(الناخ والمنسوخ ص ۲۸۳، رقم الحدیث: ۳۲۶، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۲ھ)

نیز امام ابن شاہین اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ملکیکہ کے دو بیٹے آئے اور کہا یا رسول اللہ! ہماری والدہ مہمانوں کی ضیافت کرتی تھیں اور وہ زمانہ جاہلیت میں پیدا ہوئی تھیں سو ہماری والدہ کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں دوزخ میں ہے وہ دونوں کھڑے ہو گئے اور ان کو اس خبر سے بہت رنج ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو بلایا پھر فرمایا سنو! میری ماں بھی تم دونوں کی ماں کے ساتھ ہے ایک منافق نے کہا جس طرح ملکیکہ کے دونوں بیٹے اپنی ماں سے عذاب کو دور نہیں کر سکتے یہ بھی اپنی ماں سے عذاب کو دور نہیں کر سکتے، پھر انصار کے ایک جوان نے کہا یا رسول اللہ! آپ کے والدین کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے ان کے متعلق سوال نہیں کیا تاکہ وہ مجھے ان کے متعلق جواب عطا فرماتا۔ امام ابن شاہین نے کہا یہ حدیث سابق کے خلاف ہے، کیونکہ اس میں والدہ کے لیے استغفار کی اجازت کے سوال کا ذکر ہے اور اس میں ہے کہ میں نے ان کے متعلق سوال نہیں کیا۔

(الناخ والمنسوخ ص ۲۸۳، رقم الحدیث: ۳۳۰، مسند احمد ص ۳۹۹-۳۹۸، رقم الحدیث: ۳۷۸۶، عالم الکتب، مسند ابو ارجس ص ۲۵۱، المعجم الکبیر

ج ۱ ص ۸۱-۸۰، رقم الحدیث: ۱۰۱۷، المسند رکب ص ۳۶۵-۳۶۳، رقم الحدیث: ۳۲۸۵، جامع الترمذی ص ۱۰۱، رقم الحدیث: ۳۶۶)

پھر امام ابن شاہین نے ان دونوں حدیثوں کی ناخ حدیث کو اس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے:

حدیث محمد بن الحسن بن زیاد بن احمد بن یحییٰ بن ابی حمزہ محمد بن یحییٰ الزہری تابع ابو الوحاب بن موسیٰ الزہری ابو عبد الرحمن بن علی الزہری تابع ہمام بن عمرو الزہری ابو عاصم رضی اللہ عنہما بنی صلی اللہ علیہ وسلم مقام حنن پر ہمدرد اور غمزدہ اترے جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ وہاں ٹھہرے رہے پھر آپ خوشی خوشی لوٹے میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ مقام حنن پر غمزدہ اترے تھے پھر جب تک اللہ نے چاہا آپ وہاں ٹھہرے پھر آپ خوشی خوشی لوٹے آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری ماں کو زندہ کر دیا وہ مجھ پر ایمان لائیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی۔

(ابناح، المندرج، ص ۳۸۵-۳۸۴ رقم الحدیث: ۳۸۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۷ھ)

اس حدیث کے متن پر علامہ ابن جوزی کے اعتراضات کے جوابات

علامہ عبد الرحمن بن علی بن ابی جوزی التوفی ۵۹۷ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

بے شک یہ حدیث موضوع ہے اور جس شخص نے اس حدیث کو وضع کیا ہے وہ بہت کم فہم اور بے علم ہے کیونکہ اگر اس کو علم ہوتا تو وہ جان لیتا کہ جو شخص کفر کی حالت میں مر گیا اس کو وہ بارہ زندہ کیے جانے کے بعد ایمان لے آئے تھے دیکھا کہ وہ موت کے وقت عذاب کو دیکھ لے پھر بھی اس کو ایمان لے آئے تھے اور اس حدیث کو رد کرنے کے لیے قرآن مجید کی یہ آیت کافی ہے:

وَمَنْ يَزِدْهُمْ مِغْزًى وَيَسْأَلْهُمْ أَتُؤْمِنُ أَمَّا لَمْ يُبَيِّنْ لَكُمْ قُلُوبُهُمْ فَأُولَٰئِكَ فَتَنَ اللَّهُ فَتَنَ قُلُوبَهُمْ هُمُ الْمُنَافِقُونَ (البقرہ ۲۱۷)

آخرت میں ضائع ہو جاتے ہیں اور وہی لوگ روزی ہیں اور وہ روزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

(علامہ ابن جوزی کا اس آیت سے استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ والدین کریمین مرتد تھے نہ کافران سے کفر اور شرک بالکل ثابت نہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے فوت ہو گئے تھے دولت ابراہیم پر تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اصحاب فترت تھے اور اصحاب فترت غیر معذب ہیں اس کے بعد علامہ ابن جوزی اس حدیث کے رد پر دوسری دلیل لکھتے ہیں: (یہ حدیث اس صحیح حدیث کے خلاف ہے جس میں ہے میں نے اپنے رب سے اجازت طلب کی کہ میں اپنی والدہ کے لیے استغفر کروں تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہیں دی علامہ قرطبی نے اس کے جواب میں فرمایا ان دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ استغفار سے منع کرنے کا واقعہ پہلے کا ہے اور والدین کو زندہ کرنے کا واقعہ بعد کا ہے اور رہا یہ کہ موت کے بعد ایمان لانا غیر مفید ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے جیسا کہ قرآن مجید میں تصریح ہے کہ کفار کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوتی:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَأَعَانُوا هُمْ أَكْفَرُ وَأُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ
لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ خَالِدِينَ فِيهَا
لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْقَرُونَ ۝

(البقرہ ۱۷۳-۱۷۴)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ حالت کفر میں مر گئے ان پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے وہ اس (لعنت) میں ہمیشہ رہیں گے ان سے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور ان کو کھلتا دی جائے گی۔

اس کے باوجود صحیح حدیث میں ہے کہ موت کے بعد ابولہب کے عذاب میں تخفیف کی گئی (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۱۰۱) الحدیث اکبری ج ۱ ص ۸۷) اسی طرح ابو الوحاب کے عذاب میں بھی تخفیف کی گئی (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۹) سو جس طرح آپ کی خصوصیت کی وجہ سے ابولہب اور ابو طالب کے عذاب میں تخفیف کی گئی ہے اسی طرح آپ کے

خصوصیت کی وجہ سے آپ کے والدین کو یحییٰ کو موت کے بعد زندہ کر کے انہیں آپ کے اوپر ایمان لانے کے ساتھ مشرف کیا گیا جب کہ ابولہب اور ابوطالب کی بہ نسبت آپ کے والدین کریمین کی آپ کے ساتھ قربت بہت زیادہ ہے۔

اس حدیث کی سند پر علامہ ابن جوزی کے اعتراضات کے جوابات

اس کے بعد علامہ ابن الجوزی نے اس حدیث کی سند پر یہ اعتراض کیے ہیں:

محمد بن حسن بن زیاد نقاش ثقہ نہیں ہے اور احمد بن یحییٰ اور محمد بن یحییٰ دونوں مجہول ہیں اور ہمارے شیخ ابو الفضل بن ناصر نے کہا یہ حدیث موضوع ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام الاہواء میں فوت ہوئیں تھیں اور وہیں پر دفن ہوئی ہیں اور ان کی قبر مقام حنن میں نہیں ہے۔

(کتاب الموضوعات ج ۳ ص ۲۸۳-۲۸۴ مطبوعہ مکتبہ سنیہ مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی حنفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

میں نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ بنت وہب موحدة تھیں اور وہ ملت ابراہیم طفیل اللہ پر تھیں اور انہوں نے زائد جاہلیت میں جن کی عبادت نہیں کی جیسا کہ زید بن عمرو بن نفیل اور ان کی طرح دوسرے لوگوں نے زائد جاہلیت میں جن کی عبادت نہیں کی تھی اور ان کو زندہ کرنے کے حقائق جو حدیث ہے وہ موضوع نہیں ہے جیسا کہ بعض حفاظ کا ادعا ہے۔

محمد بن حسن بن زیاد نقاش پر ابن جوزی کی جرح کا جواب حافظ ذہبی سے

علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی حنفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

محمد بن حسن بن محمد بن زیاد ابو بکر نقاش استاذ القراء اور مفسر ہیں وہ ضعیف راوی ہیں ابو عمر الدانی نے ان کی حسین کی ہے برقیانی نے کہا ان کی حدیث منکر ہے۔ (میزان الاحیال ج ۶ ص ۱۵۰-۱۵۱ رقم: ۳۱۰-۳۱۱ مطبوعہ دارالکتب الخلیفہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

علامہ ذہبی نے محمد بن حسن بن محمد بن زیاد کو ضعیف راوی کہا ہے وضاحت نہیں کیا اور نہ اس کی روایت کو موضوع کہا ہے انہوں نے کہا ان کی روایت منکر ہے۔ مگر اس حدیث کو کہتے ہیں جو حدیث صحیح کے خلاف ہو۔ حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت آمنہ کی قبر مقام الاہواء میں ہے اور اس حدیث میں ہے کہ ان کی قبر مقام حنن میں ہے سو یہ روایت حدیث صحیح کے خلاف ہونے کے وجہ سے منکر قرار پائی اور حدیث منکر ضعیف کی اقسام میں سے ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں ہے اور حدیث ضعیف فضائل اور مناقب میں مستحضر ہوتی ہے۔

محمد بن یحییٰ اور احمد بن یحییٰ پر جرح کا جواب حافظ ذہبی اور حافظ عسقلانی سے

علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی حنفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

محمد بن یحییٰ ابو یزید المدنی موثق بن وردان سے روایت کرتے ہیں الدار قطنی نے کہا یہ متروک ہیں اور لا زدی نے کہا ضعیف ہیں۔ (میزان الاحیال ج ۶ ص ۱۶۳-۱۶۴ مطبوعہ دارالکتب الخلیفہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

علامہ ذہبی نے یہی لکھا ہے کہ محمد بن یحییٰ ضعیف راوی ہیں اور ہم نے بھی ان کی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے اور فضائل اور مناقب میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔

حافظ ابن جریر عسقلانی نے بھی ان کے حقائق یہی لکھ لکھا ہے۔

(لسان المیزان ج ۵ ص ۲۳۰ مطبوعہ دارالکتب الخلیفہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ محمد بن یحییٰ اور احمد بن یحییٰ دونوں مجہول ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رے محمد بن یحییٰ تو وہ مجہول نہیں ہیں بلکہ وہ معروف ہیں ابو سعید بن یونس نے تاریخ مصر میں ان کا ممدہ مذکر کر لکھا ہے امام دارقطنی نے ان پر وضع کی تہمت لگائی ہے اور وہ ابو غزہ یہ محمد بن یحییٰ الفرہری ہیں اپنے مقام پر ان کا ذکر آئے گا اور یہ احمد بن یحییٰ تو اس سند کے سب سے قریب احمد بن یحییٰ بن زکیر ہیں اور وہ مصری ہیں۔ اور ابن الجوزی نے اپنے شیخ محمد بن ناصر سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ کیونکہ حضرت آنند کی قبر ابواء میں ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے اور اس ابو غزہ نے یہ کہا کہ وہ انجمن میں ہے اور مجھے ابو غزہ یہ کی اس حدیث کا حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے ایک اور شاہد ملا ہے۔

(لسان المیزان ج ۳ ص ۹۲-۹۱ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ طبع ۱۴۰۰ھ)

حافظ عسقلانی کی اس عبارت سے واضح ہو گیا علامہ ابن جوزی کا محمد بن یحییٰ اور احمد بن یحییٰ کو مجہول کہنا صحیح نہیں ہے وہ معروف ہیں اور ابن جوزی اور ان کے استاد محمد بن ناصر کا اس حدیث کو موضوع کہنا غلط ہے یہ حدیث ضعیف ہے اور فضائل میں معتبر ہے نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام ابن عساکر نے حضرت عائشہ کی اس حدیث کو اس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے:

الحسين بن علي بن محمد بن اسحاق المجلسي 'حدثنا ابو طالب' عمر بن الربيع الخشاب حدثنا علي بن ايوب الكهبي حدثنا محمد بن يحيى الزهري ابو غزبه حدثني مالك عن ابى الزناد عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة. امام ابن عساکر نے اس حدیث کو منکر کہا ہے۔

(لسان المیزان ج ۳ ص ۳۰۵ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ طبع ۱۴۰۰ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ یہ حدیث صرف امام ابن شاپین کی سند سے مروی نہیں ہے امام ابن عساکر کی سند سے بھی مروی ہے اور امام ابن عساکر نے اس حدیث کو منکر کہا ہے اور منکر ضعیف کی اقسام سے ہے اور جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں اور اس کی سند کا ضعیف ہونا ہمیں معذور نہیں ہے فضائل اور مناقب میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔

والدین کریمین کو زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے کی حدیث میں حفاظ حدیث کا اختلاف

حافظ جمال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ والدین کریمین کو زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے کے متعلق جو حدیث ہے بعض ائمہ نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے اور بعض ائمہ نے اس کو حفظ ضعیف کہا ہے جن ائمہ نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے ان میں امام دارقطنی امام جوزقانی امام ابن عساکر علامہ ابن جوزی اور علامہ ابن دجہ ہیں اور جن حفاظ حدیث نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث حفظ ضعیف ہے اور موضوع نہیں ہے ان میں حافظ ابن شاپین خطیب بغدادی حافظ ابن عساکر علامہ صحیحی علامہ ابو عبد اللہ قرطبی ان کے استاد علامہ ابوالعباس قرطبی محبت طبری ابن سید الناس علامہ ابی مالکی علامہ ستوی مالکی وغیرہم ہیں امام ابن شاپین نے اس حدیث کو اس حدیث کے لیے ناسخ قرار دیا ہے جس میں حضرت آنند کی قبر کی زیارت دی ہے اور ان کے لیے استغفار سے منع کیا ہے اگر ان کے نزدیک یہ حدیث موضوع ہوتی تو وہ اس سے منسوخ ہونے پر استدلال نہ کرتے۔ اور جن وجوہات کی بناء پر بعض حفاظ حدیث نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے جب ہم نے ان پر غور کیا تو وہ تمام وجوہ غیر موثر ثابت ہوئیں جیسا کہ ہم علامہ ابن جوزی کے دلائل کا تجزیہ کر کے واضح کر چکے ہیں اس مسئلہ میں متاخرین میں سے حافظ شمس الدین بن ناصر الدین

بھڑٹ دمشق نے بھی میری موافقت کی ہے انہوں نے اپنی کتاب مورد الصادی فی مولد الہادی میں یہ اشعار لکھے ہیں۔
(ان اشعار کا ارتدو میں خلاصہ یہ ہے: (اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فضل بالائے فضل کی بنا پر آپ کو حیات عطا کی اور آپ کی والدہ اور آپ کے والد کو آپ پر ایمان لانے کے لیے زندہ کیا جس کو وہ زندہ کیے جانے کے بعد آپ پر اسلام لانے اور اللہ اس پر قادر ہے ہر چند کہ اس مسئلہ کے اثبات میں حدیث ضعیف ہے۔ (اتظیم والرمیس ۷۷ مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۱۷ھ)

اصحاب کہف کو زندہ کیے جانے سے والدین کریمین کو زندہ کیے جانے پر استدلال

اس سے پہلے امام ابن شاپین کی روایت سے یہ گزر چکا ہے کہ آپ نے ملکیہ کے دو بیٹوں سے فرمایا تمہاری ماں میری ماں کے ساتھ دوزخ میں ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ حدیث والدین کریمین کے زندہ کیے جانے اور ان کے ایمان لانے کے خلاف ہے۔ حافظ سیوطی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ آپ کے والدین کے زندہ کیے جانے اور ان کے ایمان لانے سے پہلے کا واقعہ ہے نیز اس حدیث میں ہے کہ جب آپ سے ایک انصاری نے پوچھا کہ آپ کے والدین کہاں ہیں تو آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے ان کے متعلق سوال نہیں کیا تا کہ وہ مجھے ان کے متعلق جواب عطا فرماتا اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک یہ جائز تھا کہ جب آپ اپنے رب سے اپنے والدین کی مغفرت کے متعلق سوال کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو یہ جواب عطا فرمائے گا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کے اصحاب کے نزدیک آپ کے والدین کی مغفرت ممکن تھی اور آپ کی خصوصیات میں سے تھی جیسی انہوں نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تھا۔

امام ابن سعد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عباس سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ ابو طالب کے متعلق کیا امید رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں اپنے رب سے ہر خیر کی توقع رکھتا ہوں۔

(المطبوعات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۰۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، کتب العمال رقم الحدیث: ۵۸۷۱)

جب آپ کی ابو طالب کے متعلق یہ توقع تھی حالانکہ اس نے آپ کی نبوت کا زمانہ پایا اور آپ نے اس پر اسلام کو پیش کیا اور اس نے انکار کر دیا تو آپ کے والدین جنہوں نے آپ کے زمانہ نبوت کو نہیں پایا ان کے متعلق آپ کا ان کی مغفرت کی دعا کرنا زیادہ متوقع ہے۔ (اتظیم والرمیس ۷۷)

والدین کریمین کو زندہ کیے جانے کی اور اس کے خلاف احادیث میں تطبیق

حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ والدین کریمین کے ایمان لانے پر مجھے واضح دلیل یہ ملی ہے کہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اصحاب الکھف امام مہدی کے مددگار ہوں گے امام ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ اصحاب کہف اپنی موت کے بعد پھر زندہ کیے جائیں گے اور اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے لیے ایک عمر لکھ دی ہو پھر ان کی عمر پوری ہونے سے پہلے ان کی روحوں کو قبض کر لیا ہو پھر ان کو وفات کے بعد زندہ کر کے بقیہ زندگی عطا فرمائی ہو اور وہ اس زندگی میں آپ پر ایمان لے آئے ہوں پھر ان کی زندگی پوری ہونے کے بعد پھر ان پر وفات طاری کر دی ہو جیسا کہ اصحاب کہف کے ساتھ ہوا اور دونوں کے درمیان جو ان کو حیات عطا فرمائی یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی وجہ سے ہو۔

حافظ فتح الدین ابن سید الناس نے اپنی سیرت میں امام ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عبدالطلب اور حضرت آمنہ بنت وہب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین اسلام لانے اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لانے اور آپ کے جد کریم حضرت عبدالطلب کے متعلق بھی ایسی ہی روایت ہے اور یہ امام احمد کی اس روایت کے

خلاف ہے کہ آپ نے ایک شخص سے فرمایا تمہاری ماں دوزخ میں ہے پھر جب اس نے پوچھا کہ آپ کے گھر سے ہونے والے کہاں ہیں تو آپ نے فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہاری ماں میری ماں کے ساتھ وہاں روایات میں جہنم کی طرح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قدر سچا کمالات اور فضائل عطا کیے جاتے تھے ہو سکتا ہے کہ پہلے آپ کے والدین کو یہ مقام حاصل نہ ہو اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کو زندہ کر کے یہ مقام عطا فرمایا ہو۔ (تاہم سچ یہ ہے کہ آپ کے والدین غیر محض تھے کیونکہ وہ اصل فخرت میں سے تھے) (التعلیم، ماہ ۹ ص ۸-۹)

حضرت آمنہ کے موصودہ ہونے پر دلیل

حافظ ابونعیم نے دلائل الملوۃ میں ام سلمہ بنت رحم کی ماں سے روایت کیا ہے کہ جس بیماری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ فوت ہوئیں اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پانچ سال تھی تو حضرت آمنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ کر چند اشعار کہے ان میں سے بعض یہ ہیں:

من عندی الجلال والاكرام

فلانت مبعوث الی الامم

رب ذوالجلال والاكرام کی جانب سے

آپ لوگوں کی طرف مبعوث ہونے والے ہیں۔

فاللہ انہاک عن الاصنام

دین ایک ابو ابرہام

پس اللہ نے آپ کو بت پرستی سے منع کیا ہے۔

اپنے نیک باپ ابراہیم کے دین پر ہیں

(التعلیم، ماہ ۹ ص ۸-۹ مسطورہ جیداً یاد رکھو ۱۳۷ھ)

جب حضرت آمنہ مومنہ تھیں تو آپ کو ان کے لیے استغفار کی اجازت کیوں نہیں ملی اور آپ نے ان کو دوزخی کیوں فرمایا!

حافظ سیوطی فرماتے ہیں اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت آمنہ کے موصودہ ہونے کا قول کیونکر درست ہو سکتا ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لیے استغفار کرنے کی اجازت نہیں دی گئی اور آپ نے علیحدہ کے دو بیٹوں سے فرمایا میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ دوزخ میں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ ارشاد پہلے کا واقعہ ہے جب آپ کی طرف یہ وحی نہیں کی گئی تھی کہ آپ کے والدین اصل جنت سے ہیں اس کی نظیر یہ ہے کہ آپ نے پہلے تیج کے متعلق فرمایا تھا میں نہیں جانتا وہ مومن تھا یا نہیں (الذخ، المصور رقم الحدیث: ۶۳۱) پھر اس کے متعلق فرمایا تیج کو برا نہ کہو وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ (الذخ، المصور رقم الحدیث: ۶۳۲-۶۳۳) آپ نے ان کے متعلق پہلے سوال نہیں کیا تھا اور جاہلیت کے لوگوں کے متعلق عام قاعدہ ہے کہ وہ دوزخی ہیں اس اعتبار سے آپ نے فرمایا میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ دوزخ میں ہے اور بعد میں آپ کو بذریعہ وحی ان کے بھتی ہوئے کے متعلق بتایا گیا اور آپ کو آپ کی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت نہیں دی گئی تھی اس سے ان کا کفر لازم نہیں آتا اس کی نظیر یہ ہے کہ پہلے جو مسلمان مقرر ہو کر مر جاتا تھا آپ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے کیونکہ آپ کے استغفار کا تعلق خایہ ہے کہ اس کی فی الفور مغفرت ہو جائے اور مقررہ کی اس وقت تک مغفرت نہیں ہوتی جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ کر دیا جائے اسی طرح آپ کی والدہ کو بھی برزخ میں جنت سے روک لیا گیا تھا اس کی وجہ کفر کے علاوہ دوسرے امور تھے اس وجہ سے پہلے آپ کو ان کے لیے استغفار کی اجازت نہیں تھی حتیٰ کہ بعد میں آپ کو ان کے لیے استغفار کی اجازت دے دی اور ان دونوں حدیثوں کا یہ جواب بھی دیا جاسکتا ہے کہ حضرت آمنہ موصودہ تھیں لیکن ابھی تک ان کو قیامت اور مرنے کے بعد اٹھنے کا علم نہیں تھا اور نہ اس پر ایمان تھا اور یہ اسلام کا بہت بڑا اصول ہے پس اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا تھا حتیٰ کہ وہ قیامت اور رسول اللہ صلی

علیہ وسلم کی شریعت کے تمام اصول اور مبادی پر ایمان لائیں اس لیے ان کے زندہ کرنے کے معاملہ کو حجۃ الوداع تک مؤخر کیا۔ کما حقہ کی شریعت مکمل ہوگئی اور یہ آیت نازل ہوگئی الیوم اکملت لکم دینکم پھر حضرت آدمؑ کو زندہ کیا گیا اور وہ آپ کی عمل شریعت پر ایمان لائیں۔ (التظیم والریض ص ۲۱-۲۲ مطبوعہ دارالعارف النظامی حیدرآباد دکن ۱۳۷۷ھ)

تمام انبیاء کی اہمیت کے ایمان سے حضرت آدمؑ کے ایمان پر استدلال

حافظ سیوطی فرماتے ہیں میں نے تمام انبیاء علیہم السلام کی اہمیت پر غور کیا تو وہ سب مومنات ہیں تو ضروری ہوا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ بھی مومن ہوں اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم ہیں اور وہ نص قرآن سے صدیقہ ہیں۔

وَأَنفَاكِتُكَ ط. (المائدہ: ۷۵) اور عیسیٰ کی ماں صدیقہ ہیں۔

اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ سارہ ہیں ان کا بھی قرآن مجید میں ذکر ہے فرشتوں نے ان سے کہا: أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ وَخَسَتْ لَوِ الْوُجُوهُ عَنْكَ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ ط. (مور: ۷۳) کیا آپ اللہ کی قدرت پر تعجب کر رہی ہیں! اے اس گھر کے لوگو! تم پر اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں۔

اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی ماں کا بھی قرآن مجید میں ذکر ہے:

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ آلِ هَارُونَ أَنِ اقْضُوا إِلَيْهِ رِقَابَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَخُذُوا آلَ هَارُونَ بِزُرِّيَّتِهِمْ مِنَ الْيَمِينِ ط. (التقص: ۷)

اور حضرت شیث کی ماں حضرت حواء ام البشر ہیں۔ اور اعدائے اور اچارہ میں وارد ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجر مومنہ تھیں۔ اور حضرت یعقوب اور ان کی اولاد کی ماں مومنہ تھیں اور حضرت داؤد حضرت سلیمان حضرت زکریا حضرت یحییٰ حضرت شموئیل حضرت شمعون حضرت ذوالکفل علیہم السلام کی والدہ مومنہ تھیں اور بعض مفسرین نے تصریح کی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی والدہ مومنہ تھیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے والدین کے لیے دعا کی دُنِّ اَعْلٰیٰ لٰی وَلٰوْلاَیَہٗ (نوح: ۸۸) حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ حضرت نوح سے حضرت آدم تک ان کے آباء میں سے کسی نے کفر نہیں کیا۔

امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہی کے سوا تمام انبیاء علیہم السلام بنو اسرائیل سے تھے حضرت نوح حضرت حمود حضرت صالح حضرت لوط حضرت شعیب حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل حضرت اسحاق حضرت یعقوب اور حضرت محمد علیہم السلام ان سب کے آباء مومن تھے ان میں سے کوئی کافر نہ تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا پس جس نے ان کے ساتھ کفر کیا اس نے کفر کیا۔

(تاریخ و تحقیق الکبریٰ ج ۷ ص ۳۱۱ ج ۳ ص ۲۷۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

پس بنو اسرائیل کے تمام انبیاء کی ماںیں مومنات ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد استوں میں کسی کو مبعوث نہیں کیا گیا اور یہ دس انبیاء تو حضرت اسماعیل حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کی ماں کا ایمان ثابت ہے اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کی ماں کے ایمان کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ دونوں نے اپنے والدین کی مفسرت کی دعا کی ہے اب حضرت حمود حضرت صالح حضرت لوط اور حضرت شعیب کی ماں کا ذکر کر دیا گیا اور ان کے ایمان کا ثبوت کسی نقل یا دلیل کا محتاج ہے اور ظاہر یہ ہے کہ وہ بھی مومنات ہیں اور جب سب انبیاء علیہم السلام کی ماںیں مومنات ہیں تو سید الانبیاء اور افضل الانبیاء کی ماں مومنہ کیوں نہیں ہوں گی! (التظیم والریض ص ۲۲-۲۳ مطبوعہ دارالعارف النظامی حیدرآباد دکن ۱۳۷۷ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! موتین کی اولاد کہاں ہوگی؟ آپ نے فرمایا وہ بچے آہا کے ساتھ ہوں گے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بلائیں؟ آپ نے فرمایا اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے وہ کیا عمل کرنے لے گئے اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور شرکین کی اولاد! فرمایا: اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے وہ کیا کرنے والے تھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۳)

الاسود بن سریق بیان کرتے ہیں آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! جنت میں کون ہوں گے؟ آپ نے فرمایا نبی جنت میں ہوں گے اور شہید جنت میں ہوں گے اور بچے جنت میں ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ اضافہ ہے اور جس کو زندہ درگور کیا گیا وہ جنت میں ہوگا۔

(الحکم الکبیر رقم الحدیث: ۱۸۳۸) الحکم البصری رقم الحدیث: ۳۳۶۸) مسند ابو ارقم الحدیث: ۱۲۶۶۸) حدیث کا رقم الحدیث: ۲۰۹۸۸) مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۱۹ حضرت سرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب اور اس کی تعبیر کے سلسلہ میں ایک حدیث روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے وہ طویل شخص جو باغ میں تھا وہ حضرت ابراہیم تھے اور ان کے گرد جو بچے تھے وہ فطرت پر پیدا ہوئے تھے آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! شرکین کی اولاد بھی؟ آپ نے فرمایا شرکین کی اولاد بھی۔

(صحیح ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۴۷) صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۵) سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۹۵) سنن الکبیر للنسائی رقم الحدیث: ۷۶۵۹) اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ شرکین کے بچے جنت میں ہوں گے اور وہ احادیث جو اس کے خلاف ہیں وہ اس سے پہلے کی ہیں اور وہ اس حدیث سے منسوخ ہو گئیں۔

زمانہ جاہلیت میں دین ابراہیم پر قائم رہنے والے دوسرے لوگ

حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں: امام بزار نے اور امام حاکم نے سند کی صحت کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ورقہ بن نوفل کو برا نہ کہو! کیونکہ میں نے اس کے لیے ایک جنت یا دو جنتیں دیکھی ہیں۔ (مسند ابو ارقم الحدیث: ۲۷۵۰، ۲۷۵۱) المسند رک ج ۲ ص ۶۰۹ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۶۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۷۷) امام بزار نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زید بن عمرو بن نفیل کے متعلق سوال کیا آپ سے کہا گیا یا رسول اللہ! وہ زمانہ جاہلیت میں قبلہ کی طرف مت کرتا تھا اور کہتا تھا میرا دین ابراہیم کا دین ہے اور میرا خدا ابراہیم کا خدا ہے اور مجھ کو رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا اس ایک امت میں حشر کیا جائے گا جو میرے اور میری امت کے درمیان ہے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۲ ص ۳۲۷) دلائل البیہ والنبی ج ۲ ص ۱۱۳ رقم الحدیث: ۳۶۷۳) دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۱ھ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۸۶۰)

امام ابونعیم نے دلائل البیہ و النبی ج ۲ ص ۱۱۳ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قس بن ساعدہ عکاظ کے بازار میں بنی قوم کو خطبہ دے رہے تھے انہوں نے اپنے خطبہ میں کہہ کر کہا اس طرف اشارہ کر کے کہ اس طرف سے تمہارے پاس حق آئے گا اور کہا وہ لوگ بنی غلاب کے نسب سے ایک شخص ہوگا جو تمہیں مکہ اخلاص اور ہدیٰ نجات اور نعمتوں کی دعوت دے گا تم اس کی دعوت قبول کرنا اور اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں ان کی بہشت تک زندہ رہوں گا تو میں ان کی دعوت کو قبول کرنے میں سمجھتا کرتا۔

امام ابونعیم نے عمرو بن عسکری سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا مجھے یقین ہے کہ میری قوم باطل پر ہے اور وہ مجھ کو کی

دعوت کرتے ہیں۔

امام خراسانی اور امام ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ ابوس بن حارث دعوت حق کا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت کا ذکر کرتے تھے اور انہوں نے اپنی اولاد کو اس کی وصیت کی تھی۔

حضرت غالب بن ابجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قسم کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اللہ قسم پر حرم فرمائے (الحکم البکیر ج ۸ ص ۲۶۵ رقم الحدیث: ۶۶۳) نیز آپ نے فرمایا وہ ہمارے باپ اسماعیل بن ہریرہ کے دین پر تھے۔ یہ سب لوگ زمانہ جاہلیت میں دین ابراہیم پر تھے اور سوز تھے اور یہ سب غیر معذب اور بقی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین بھی اس طرح ہیں۔ (التعظیم والریض ص ۳۵-۳۶ مطبوعہ دار الفکر العربیہ بیروت ۱۴۰۷ھ)

حافظ سیوطی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کے اثبات میں جو سات رسائل لکھے ہیں ان کی تالیفیں یہاں پر ختم ہو گئی۔

والدین کریمین کے ایمان کی نفی پر ملا علی قاری کے دلائل

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی آپ خود بھی روئے اور آپ نے اپنے گرد کے مسلمانوں کو بھی بلوایا اور فرمایا میں نے اپنی والدہ کے استغفار کے لیے اپنے رب سے اجازت طلب کی تو مجھے اجازت نہیں دی گئی پھر میں نے یہ اجازت طلب کی کہ میں ان کی قبر کی زیارت کروں تو مجھے اس کی اجازت دے دی گئی سو تم قبروں کی زیارت کیا کرو یہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔

(صحیح مسلم ابواب الجنائز: ۱۰۵ رقم الحدیث: ۵۶۷۱ بحار ج ۹ ص ۹۷ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۳۳۳ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۲۴۳۳ سنن ابی یوسف رقم الحدیث: ۳۵۸۲ سنن ابی حنبلہ رقم الحدیث: ۳۵۸۲)

امام ابن جوزی نے کتاب الوفا میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والدہ (رضی اللہ عنہ) کی وفات کے بعد اپنی والدہ (حضرت) آمنہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس رہے جب آپ کی عمر چھ سال کی ہوئی تو وہ آپ کو اپنے ماموں کے پاس بنی عدی بن النجار کے پاس مدینہ میں لے گئیں۔ آپ ان کی زیارت کے لیے گئیں۔ پھر آپ مکہ روانہ ہوئیں جب آپ مقام المایہ پر پہنچیں تو آپ فوت ہو گئیں آپ کی قبر وہیں پر ہے ایک قول یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کیا تو مقام المایہ میں آپ کی قبر کی زیارت کی پھر آپ نے مکہ سے ہو کر فرمایا میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تھی تو مجھے اجازت دے دی اور میں نے ان کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی تو یہ آیت نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا
لِلْمُشْرِكِينَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا آلَ الْكَفْرِ. (النساء: ۱۳۶)

نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے رشتہ دار ہوں۔

علامہ ابن حجر مکی نے بہت عجیب بات کہی کہ شاید حضرت آمنہ کے لیے استغفار کی اجازت نہ دینے کی حکمت یہ تھی کہ آپ پر نعمت کو مکمل کیا جائے کہ اس واقعہ کے بعد آپ کے لیے حضرت آمنہ کو زندہ کیا تاکہ آپ پر ایمان لا کر حضرت آمنہ کو زندہ سے ہو جائیں یا ان کے زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے تک ان کے لیے استغفار کی اجازت کو منحصر کیا تاکہ وہ وقت استغفار کامل کی منتظر ہو جائیں۔ (علامہ ابن حجر مکی کی عبارت ختم ہوئی) اس عبارت پر یہ اعتراض ہے کہ وہ ایمان لانے سے پہلے مطلقاً استغفار کی منتظر نہیں تھی۔ پھر جمہور کا موقف یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مکہ پر سے

اللہ) اور جو احادیث ان کے متعلق وارد ہیں ان میں صحیح ترین حدیث یہ صحیح مسلم کی حدیث ہے اور علامہ ابن حجر کا یہ کہنا کہ آپ کے والدین کو زندہ کرنے کی حدیث صحیح ہے اور جن علماء نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے ان میں امام قرطبی ہیں اور الحافظ محمد بن صرالدین ہیں سو اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ حدیث اس کی صلاحیت نہیں رکھتی کہ وہ صحیح مسلم کی اس حدیث کے محارض ہو سکے علاوہ ازیں حفاظ نے اس حدیث کی سند پر طعن کیا ہے اور ان کے ایمان لانے کے جواز سے یہ چیز مانع ہے کہ موت کے بعد ایمان لانا ایسا عام غیر مقبول ہے جیسا کہ اس پر کتاب اور سنت میں دلائل ہیں اور مختلف سے جو ایمان مطلوب ہے وہ ایمان نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَكُونُوا أَتَقَاتُوا لَهَا وَالْآيَاتُ هِيَ الْآيَاتُ (الانعام: ۲۸)

اور اگر ان (کافروں) کو دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے تو وہ پھر دنیا میں وہی کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ آپ کے والدین اصل فخرت میں سے تھے (یعنی اس دور کے لوگوں میں سے تھے جس کے لیے کسی نبی کی بعثت نہیں تھی اور وہ کسی عزم شرعی کے مختلف نہیں تھے) اور اصل فخرت پر عذاب نہیں ہوتا صحیح مسلم کی اس حدیث سے ان کا بھی رد ہو جاتا ہے۔ حافظ سیوطی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی نجات کے متعلق تین رسالے لکھے ہیں اور ان میں چابکین کے دلائل کا ذکر کیا ہے۔ جو اس مسئلہ کی تفصیل جاننا چاہتا ہو اس کو ان رسائل کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

(مرکات ج ۳ ص ۱۳ مطبوعہ مکتبہ امداد بہتان ۱۳۹۰ھ)

ہم کو حافظ سیوطی کے سات رسائل دستیاب ہوئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان پر دلائل دے گئے ہیں سابقہ اوراق میں ہم نے ان کا ترجمہ اور خلاصہ پیش کیا ہے۔

مطالعہ قاری کے دلائل پر مصنف کا تبصرہ

مطالعہ قاری کی فصاحت کے مطابق نہ صرف ہم نے ان رسائل کا مطالعہ کیا بلکہ ان رسائل کا خلاصہ عام قارئین کے لیے بھی پیش کر دیا کیونکہ عام مسلمان تو انگ رہے خواص اور علماء کی دسرس میں بھی یہ رسائل نہیں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کی لٹھی پر مطالعہ قاری اور دیگر مفکرین کی قوی ترین دلیل صحیح مسلم کی حدیث ۱۰۵ ہے جس میں مذکور ہے کہ آپ نے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت مانگی تو آپ کو اس کی اجازت نہیں دی گئی اور آپ نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تو آپ کو اس کی اجازت دی گئی۔

ہم اس کا جواب ذکر کر چکے ہیں کہ استغفار کی اجازت نہ دینے کا واقعہ پہلے کا ہے اور آپ کے والدین کا زندہ کیا جانا اور ان کا ایمان لانا بعد کا واقعہ ہے جو جہۃ الوداع کے موقع کا ہے اور ای وجہ سے امام ابن شاہین اور دیگر ائمہ اور محققین نے اس حدیث کو صحیح مسلم کی حدیث کے لیے ناخ قرار دیا ہے 'جاننا ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ کو اپنی والدہ کے لیے استغفار سے اس لیے منع فرمایا کہ اگر غیر معصوم کے لیے استغفار کیا جائے تو اس کے حقیقی گناہ کا وہم ہوتا ہے تو آپ کو حضرت آمنہ کے لیے استغفار کی اجازت اس لیے نہیں دی گئی کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ وہ گناہگار تھیں اس لیے آپ نے ان کے لیے استغفار کیا اور یہ وجہ نہیں کہ وہ معاذ اللہ مشرک تھیں کیونکہ قبل از بعثت ان کا شرک بالکل ثابت نہیں وہ اصحاب فخرت میں سے تھیں بلکہ وہ طہت ابراہیم پر تھیں اور ہم یہ کہتے ہیں کہ صحیح مسلم کی حدیث میں بھی آپ کے ایمان پر دلیل ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ کو حضرت آمنہ کی قبر کی زیارت کی اجازت دی گئی اور کافروں کی قبر کی زیارت کی آپ کو اجازت نہیں ہے بلکہ ان کی قبروں پر کھڑے ہونے کی بھی آپ کو اجازت نہیں ہے قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَقْصِلْ عَلَى أَحَدٍ مِنْكُمْ مَا كُنْتُمْ لَا تَقْصِلُ
عَلَى كَثِيرَةٍ أَنْتُمْ لَكُمْ رُسُلُهُمْ وَمَا تَأْتُوا بِهِمْ
فِي شَيْءٍ ۝ (النجم: ۸۳)

اور ان میں سے کوئی نہ کہے کہ آپ اس کی ہرگز نہ
نہ چھوڑیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں انہوں نے اللہ
کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور فتنہ کی حالت میں رہ گئے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا معاذ اللہ کا فرہ نہیں تھیں ورنہ ان کی قبر پر کھڑے ہونے کی اور ان کی
قبر کی زیارت کرنے کی اجازت نہ دی جاتی۔

اگر یہ کہا جائے کہ اگر حضرت آمنہ پہلے ہی سوئے تھیں تو پھر بیت الوداع کے موقع پر ان کو قبر میں زندہ کرنے کی اور رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ پہلے صرف توحید پر ایمان لائی تھیں اور زندہ کیے
جانے کے بعد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کی مکمل شریعت پر ایمان لائیں۔

ملا علی قاری نے یہ تو لکھا ہے کہ مسلم کی اس حدیث سے ان لوگوں کا بھی رد ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ آپ کی والدہ اہل
فرت سے تھیں، ہم پوچھتے ہیں کیا حضرت آمنہ اہل فرت سے نہیں تھیں؟ کیا انہوں نے کسی نبی کی بعثت کا زمانہ پایا تھا؟ اور
جب انہوں نے کسی نبی کی بعثت کا زمانہ نہیں پایا تو ان کو معذب ماننا کیا قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف نہیں ہے:

وَمَا لَكُمْ أَنتُم بَيْنَ يَدَيْهِ فَتَعْثَبُونَ ۝
ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں حتیٰ کہ ہم
(نبی امرنا کل: ۱۵) رسول بھیج دیں۔

اور علامہ امست کا اس پر اجماع ہے کہ اصحاب فرت غیر مکلف اور غیر معذب ہیں۔

ملا علی قاری کے افکار پر ان کے استاذ ابن حجر مکی کا تبصرہ

علامہ عبد العزیز پر حاروی لکھتے ہیں:

اسانید ضعیفہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے والد اور آپ کی
والدہ کو زندہ کر دیا۔ اور وہ دونوں آپ پر ایمان لائے اور امام رازی کا عقار یہ ہے کہ آپ کے والدین نے طہ امیر الہیم پر وفات
پائی اور ان کو زندہ کرنا تاکہ وہ آپ پر ایمان لائیں اس لیے تھا کہ ان کو یہ کرامت بھی حاصل ہو اور محقق جلال الدین سیوطی نے
ان کے ایمان کے اثبات میں چھ رسالے لکھے ہیں۔ ملا علی قاری نے ایک رسالہ میں ان کا کفر ثابت کیا ہے۔ پھر ان کے استاذ
علامہ ابن حجر مکی نے خواب میں دیکھا کہ ملا علی قاری جہت سے گر پڑے اور ان کی ناک ٹوٹ گئی اور کہا گیا کہ یہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کے والدین کی توہین کی سزا ہے پھر جس طرح انہوں نے خواب دیکھا تھا وہی ای ہو گیا جو اس مسئلہ پر بصیرت
حاصل کرنا چاہے وہ علامہ سیوطی کے رسائل کا مطالعہ کرے۔ (نہر میں ۵۲۶ شامہ مباحث اکیڈمی ہند دہلی ۱۳۹۷ھ)

ملا علی قاری یہ علامہ لوسی کا تبصرہ

اَلَّذِي فِي يَدَيْكَ يَتْلُو تَقْرَأُ فِي الصُّحُفِ ۝ (اشعراء: ۲۷۷-۲۷۸)

اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ موتھیں کی پشتوں میں منتھل ہوتے رہے ہیں اور اس آیت سے نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان پر استدلال کیا گیا ہے اور یہ کثرت اجل اہل سنت کا یہی مذہب ہے اور مجھے اس
موضوع کے اوپر کلمہ کا خطرہ ہے جو والدین کریمین کو کافر کہتا ہے ملا علی قاری اور ان جیسے لوگوں کی ناک کو خاک میں سمیٹتے ہوئے
لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ یہ آیت اس مذہب پر دلیل قطعی ہے اور اللہ تعالیٰ کے دیکھنے سے ایسا دیکھنا مراد ہے جو اس کی شان کے
لائی ہے اور عارفین کے نزدیک اللہ تعالیٰ موجود اور معدوم غائبی دونوں کو دیکھتا ہے اس لیے یہ نہ کہا جائے کہ جب

ظہار میں اپنے وجود خارجی کے ساتھ نہیں تھے تو اللہ تعالیٰ آپ کو کیسے دیکھتا تھا! اور انہوں نے کہا کہ معدوم کو اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کی مثال ایسے ہے جیسے ہم خواب میں قیامت وغیرہ کو دیکھیں (میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی کوئی مثال نہیں ہے 'سعید غفرلہ') اور یہ کثرت علماء نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا تعلق معدوم کے ساتھ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ جو آپ کو ساجدین کی پشتوں میں دیکھ رہا تھا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا ظہر ہے۔

(روح المعانی ۲: ۱۹۷ ص ۲۱۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۷ھ)

مطالعہ قاری نے لکھا ہے کہ والدین کریمین کے ایمان پر حافظ سیوطی کے تین رسائل ہیں علامہ عبدالعزیز بن حاروی نے لکھا ہے کہ چھ رسائل ہیں لیکن درحقیقت یہ سات رسائل ہیں جن کا خلاصہ ہم نے یہاں ذکر کر دیا ہے اس کے خلاصہ میں ہم نے مکرر دلائل اور مکرر عبارات کو حذف کر دیا ہے اور دور از کار احاث بھی حذف کر دی ہیں۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کی بحث اس تقریر میں تین جگہ پر کی ہے پہلی بار البقرہ: ۱۱۹ میں یہ بحث کی ہے یہ بحث تبیان القرآن ج ۱ ص ۵۳۳-۵۳۴ میں ہے اور دوسری بار الانعام: ۷۵ میں یہ بحث کی ہے یہ بحث تبیان القرآن ج ۳ ص ۵۴۳-۵۴۴ میں ہے اور تیسری مرتبہ یہاں (اشعر: ۱۱۹) میں یہ بحث کی ہے۔ اور یہاں پر سب سے زیادہ مفصل اور مدلل گفتگو کی ہے نہ اس کے محشی نے لکھا ہے کہ مطالعہ قاری نے مرنے سے پہلے والدین کریمین کے ایمان کے انکار سے رجوع کر لیا تھا اس مسئلہ میں جن لوگوں کو بھی الغرض ہوئی ان سب کے متعلق ہم یہی حسن ظن رکھتے ہیں 'اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین

اب ہم اس صورت کی بقیہ آیتوں کی تقریر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں:

وہ دلائل اور وجوہات جن کی بناء پر قرآن مجید شیطان کا نازل کیا ہوا نہیں ہے

اشعر: ۱۹۲ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور بے شک یہ (قرآن) رب العالمین کی نازل فرمائی ہوئی کتاب ہے ۵ مشرکین مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں اس کتاب کے نزول کو تو روک نہیں سکتے تھے تو انہوں نے لوگوں کو اس کتاب سے برگشتہ اور متنفر کرنے کے لیے یہ کہنا شروع کیا کہ یہ کتاب شیطان کی نازل کی ہوئی ہے 'اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا: اور اس (قرآن) کو شیاطین نے کر نازل نہیں ہوئے ۵ اور نہ وہ اس کے لائق ہیں ۵ اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں ۵ بے شک وہ (فرشتوں کا کلام) سننے سے محروم کر دیئے گئے ہیں ۵ (اشعر: ۲۱۳-۲۱۴) جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کے مضامین سنے تھے اور وہ شیاطین کی باتوں اور ان کے دوسوں سے بھی واقف تھے وہ واضح طور پر جانتے تھے کہ قرآن شیطانوں کا نازل کیا ہوا نہیں ہو سکتا 'شیاطین تو شر اور برائی کو پھیلاتے ہیں وہ تو ہر غلط اور ناجائز طریقہ سے زبان پھینٹ اور شرمگاہ کے نقاضوں کو پورا کرنے پر ابھارتے ہیں اور قرآن خیر اور نیکی کو فروغ دیتا ہے اور ہر قسم کے غلط اور ناجائز کاموں سے روکتا ہے اور عفت پاکیزگی اور پاک دہاشی کی تعلیم دیتا ہے شیطان شرک کا داعی ہے قرآن تو حید کا پیغام دیتا ہے شیطان کہتا ہے باہر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست اس دنیا کی رنگینیوں اور لذتوں سے جتنا فائدہ اٹھا سکتے ہو اٹھا لو کہ اس کے بعد اور کوئی زندگی نہیں ہے اور قرآن یہ کہتا ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہے جس میں تمہیں اس زندگی میں کیے ہوئے تمام کاموں کا حساب دینا ہوگا اور اس حساب کے نتیجہ میں تمہاری اچھی یا بری ثواب اور عفتوں کی یا عذاب اور مصیبتوں کی داغ بھری ہوگی 'سو مضامین قرآن اور دوساں شیاطین میں آسمان و زمین سے زیادہ کافر ہے تو قرآن شیاطین کا نازل کیا ہوا کیسے سکتا ہے! پھر بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کی سیرت کی شیاطین کی تعلیم اور تلقین سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے

ان پر شیاطین کیسے نازل ہو سکتے ہیں آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ: آپ اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کریں اگر پہلے فرشتے آپ نے ایسا کیا تو آپ بھی عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جائیں گے اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی (اللہ کے عذاب سے) ڈرائیے اور جن مسلمانوں نے آپ کی پیروی کی ہے ان کے لیے اپنی رحمت کے بازو جھکا کر رکھے اور بھی اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہیے کہ میں تمہارے کاموں سے بے زار ہوں اور بہت عذاب اور بے حد دردم فرمانے والے پر توکل کیجئے جو آپ کو (آپ کی نمازوں میں) قیام کے وقت دیکھتا ہے اور مجبورہ کرنے والوں میں آپ کے پیچھے کوہ بے شک وہ بہت سننے والا ہے حد جائزے والا ہے (اشعراء: ۲۳-۲۴)

سو جس شخص کی پوری زندگی ان احکام پر عمل سے عبارت ہو جس کی ہیرت خدا خونی اور نیک چلتی ہو جو اپنی اور بے گانوں کو آخرت کے عذاب سے ڈراتا ہو جو راتوں کو اٹھ کر نمازوں میں قیام کرتا ہو اور اپنے اصحاب کو بھی شب زندہ داری اور تہجد گزاری کی تلقین کرتا ہو اس پر شیاطین کیسے نازل ہو سکتے ہیں ان کی شیطانی کاموں کے ساتھ کیا مشابہت اور کیا مناسبت ہے پھر بتایا کہ شیطان کس قسم کے لوگوں پر نازل ہوتے ہیں فرمایا: کیا میں تمہیں ان کی خبر دوں جن پر شیاطین نازل ہوتے ہیں وہ ہر تہمت ہاندے سے والے گناہ گار پر نازل ہوتے ہیں وہ سنی سنائی باتیں پہنچاتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں اور شاعروں کی پیروی کر رہے لوگ کرتے ہیں کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ ہرادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں (اشعراء: ۲۴-۲۵) ان آجوں میں یہ بتایا ہے کہ شیاطین کس قسم کے بدکار گنہگار اور بدکار لوگوں پر نازل ہوتے ہیں وہ پاک طینت اور پاک دامن لوگوں پر نازل نہیں ہوتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تو صاف اور شفاف ہے اور پاکیزہ زندگی ہے تو شیاطین آپ پر کیسے نازل ہو سکتے ہیں اور نہ قرآن مجید کے مضامین شیاطین کا موضوع ہیں کفار کہہ کا یہ کہنا ہر اعتبار سے باطل اور غلط ہے کہ اس قرآن مجید کو شیاطین نے نازل کیا ہے قرآن مجید تو رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔

ان آجوں میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی نشانیاں بیان کی ہیں جن پر شیطان اترتے ہیں کہ وہ تہمت ہاندے والے گنہگار ہیں وہ سنی سنائی باتیں پہنچاتے ہیں اور جھوٹے ہیں اور شاعروں کی پیروی کر رہے گم راہ لوگ کرتے ہیں اور شاعر ہرادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں اب ہم ان اوصاف کے معانی اور ان کے متعلق احادیث پیش کریں گے فتقول و بالله التوفیق! افک اور اشیع کے معنی

اشعراء: ۲۳-۲۴ میں فرمایا: کیا میں تم کو ان کی خبر دوں جن پر شیاطین نازل ہوتے ہیں وہ ہر پاک اشیع پر نازل ہوتے ہیں۔ افک کا لفظ ایک سے بنا ہے علامہ راغب اصفہانی افک کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بروز چیز جس کا مناس کی اصل جانب سے پھیر دیا گیا ہو اس کو افک کہتے ہیں جھوٹ اور بہتان میں بھی کسی چیز کو اس کی اصل صورت سے پھیر دیا جاتا ہے اس لئے اس کو افک کہتے ہیں وہ ہوائیں جو مخالف جانب اور اپنی جلی رہی ہوں ان کو موسو کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَالْمُؤْتَفِكَةُ أَهْوَىٰ (الحج: ۵۴)

اور (قوم لوط کی) اوندھے منہ گری ہوئی بستیوں کو افک کر

پھینک دیا۔

فرعون اور اس سے پہلے لوگ اور جن کی بستیوں کا افک کر

تھیں انہوں نے بھی خطا نہیں کی۔

وَجَاءَ وَجَرُوعُهُمْ وَهَنَ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكَةُ

بِالْغَضَائِكِ (الزمر: ۲۰)

اور الفا ک مبالغہ کا صیغہ ہے جو شخص بہت زیادہ بہتان تراشتا ہو اور جھوٹ بولے ہو اس کو الفا کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۳ ص ۲۳ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الہیہ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

ائم ان افعال کو کہتے ہیں جو ثواب سے مانع ہوں جو افعال گناہ کبیرہ ہوں ان کو بھی ائم کہا جاتا ہے۔ ائم کا مقابلہ ہر ہے (نیکی) حدیث میں ہے البرہہ وہ کام ہے جس پر دل مطمئن ہو اور الاثم وہ کام ہے جو تہارے دل میں خلش اور کھٹک پیدا کرے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۲۸-۲۲۷ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۳۳۳) ائم کا لفظ عدوان سے زیادہ عام ہے۔

(المفردات ج ۳ ص ۱۲-۱۱ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الہیہ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

کاہن کا معنی کاہن کے متعلق احادیث اور ان کی تشریح

قرآن نے کہا اس آیت میں الفا ک ائم سے مراد کاہن ہیں۔

علامہ ابن الجوزی التوفی ۶۰۶ھ کاہن کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کاہن اس شخص کو کہتے ہیں جو زمانہ مستقبل میں ہونے والے واقعات کی خبر دیتا ہے اور معرفت اسرار کا مدعی ہوتا ہے شق اور سطح نام کے عرب میں کاہن تھے بعض کاہنوں کا یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کے تابع جنات ہوتے ہیں جو ان کو غیب کی خبریں آ کر بتاتے ہیں اور بعض کاہنوں کا یہ زعم ہوتا ہے کہ جو شخص ان سے سوال کرتا ہے وہ اس کے فضل یا اس کے حال سے اس کے متعلق ہونے والے مستقبل کے امور کو جان لیتے ہیں ان کو حراف کہتے ہیں ان کا یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ کسی چوری ہو جانے والی چیز یا کسی گمشدہ چیز کو جان لیتے ہیں۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کاہن کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی یا جس شخص نے اپنی بیوی سے حالت حیض میں جماع کیا یا جس شخص نے اپنی بیوی سے اس کی سرین میں جماع (عمل محکوس) کیا وہ اس دین سے بری ہو گیا جو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۵۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۳۹)

یہ حدیث کاہن حراف اور نجومی سب کو شامل ہے۔ (انہما ج ۳ ص ۱۸۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابوسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہنے کی قیمت فحشہ کی اجرت اور کاہن کی مشائلی سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۳۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۶۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۸۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۲۸۶ سنن ابوالی

رقم الحدیث: ۳۶۶۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۵۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: یہ کوئی چیز نہیں ہے لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! وہ بعض اوقات ہمیں کوئی بات بتاتے ہیں اور وہ سچ بھگتی ہے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سچی بات وہ ہے جو ان کے پاس جن پہنچاتا ہے جن ان کے کان میں وہ بات ڈال دیتا ہے جس کے ساتھ وہ کلی جھوٹ ملا دیتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۳۷ مسند احمد رقم الحدیث: ۶۵۷۷۷۷ عالم اکتب صحیح ابن مہبان رقم الحدیث: ۶۱۳۶)

کاہنوں کی اقسام

امام بزار نے یہ کہا ہے کہ کاہن وہ لوگ ہیں جن کے متعلق مشرکین یہ زعم رکھتے تھے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں

کی چالیس روز کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں (سنن الترمذی رقم اللہ: ۱۸۶۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مومن جس کم کرنے یا بخشنے یا بغل کے بال نوچنے اور زیر ناف بال صاف کرنے میں ہمارے لئے چالیس روز کی حد مقرر کی گئی ہے (صحیح مسلم رقم اللہ: ۲۵۸۱ سنن ابوداؤد رقم اللہ: ۳۷۰۰ سنن الترمذی رقم اللہ: ۲۷۵۸ سنن ایشیاء رقم اللہ: ۱۳۰ سنن ابن ماجہ رقم اللہ: ۲۱۵) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تم میں سے ہر شخص (نفل کی صورت میں) چالیس دن اپنی ماں کے پیٹ میں جمع رہتا ہے پھر وہ علقہ (جما ہوا خون) میں جاتا ہے پھر چالیس روز بعد وہ مدفہ (گوشت کا ٹکڑا) میں جاتا ہے پھر چالیس روز بعد اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم اللہ: ۲۶۸۸ صحیح مسلم رقم اللہ: ۲۶۶۳ سنن ابوداؤد رقم اللہ: ۲۷۰۸ سنن الترمذی رقم اللہ: ۲۷۳۷ سنن ابن ماجہ رقم اللہ: ۷۷۰ سنن ابوداؤد رقم اللہ: ۲۷۰۸) (اگر کسی شخص کو کوئی خصوصیت ہے۔) (اکمال المسلمین ص ۱۵۳-۱۵۴ دارالوفا بیروت ۱۴۱۹ھ)

شہاب ثاقب کے متعلق حدیث اور اس کی تشریح

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک انصاری نوجوان نے مجھے بتایا کہ ایک رات ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ پھینکا گیا جس سے روشنی ہو گئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: جب اس طرح کا ستارہ پھینکا جائے تو تم اس کو زمانہ جاہلیت میں کیا کہتے تھے؟ آپ کے اصحاب نے کہا اس کی حقیقت کو اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ ہم یہ کہتے تھے کہ آج رات کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے یا آج رات کوئی بڑا آدمی مر گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان ستاروں کو کسی کی موت کی وجہ سے پھینکا جاتا ہے نہ کسی کی حیات کی وجہ سے لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو حاملین عرش سبحان اللہ کہتے ہیں پھر ان کے قریب کے آسمان والے سبحان اللہ کہتے ہیں حتیٰ کہ آسمان دنیا تک ان کے سبحان اللہ کہنے کی آواز پہنچتی ہے پھر حاملین عرش کے قریب والے فرشتے حاملین عرش سے پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فیصلہ کیا تو وہ ان کو اس کی خبر دیتے ہیں پھر بعض آسمان والے دوسرے بعض کو اس کی خبر دیتے ہیں حتیٰ کہ آسمان دنیا تک اس کی خبر پہنچ جاتی ہے پھر جنات یہ خبر کان لگا کر سنتے ہیں اور اپنے دوستوں تک پہنچا دیتے ہیں پھر جو خبر بعینہ وہی ہو وہ برحق ہے لیکن جنات اس میں کچھ الٹ پلٹ کر دیتے ہیں اور اپنی طرف سے کچھ ملا دیتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم اللہ: ۲۲۹۱ سنن الترمذی رقم اللہ: ۲۲۲۲ سنن الکبریٰ للبخاری رقم اللہ: ۱۷۷۲)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی حنفی ۵۲۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
حاملین عرش اللہ تعالیٰ کے سب سے مقرب فرشتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے علم غیب کو اور مستقبل میں ہونے والے امور کو سب سے پہلے ان پر منکشف فرماتا ہے پھر ان کے واسطے سے باقی آسمانوں کے فرشتوں کو دوہرہ دوہرہ مطلع فرماتا ہے۔
امام مازری نے کہا ہر باطل نجوم تو بہ کثرت فلاسفہ نے یہ کہا ہے کہ ہر فلک اپنے ماتحت الفلک میں تاثیر کرتا ہے حتیٰ کہ آسمان دنیا تمام حیوانات میں معدنیات میں اور نباتات میں تاثیر کرتا ہے اور اس تاثیر میں اللہ عزوجل کا کوئی دخل نہیں ہے اور یہ قول اسلام سے خروج ہے۔

اور جس نے یہ کہا کہ ہر چیز میں قائل اور مؤثر صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بعض چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسی طبعی قوتیں رکھی ہیں جو تاثیر کرتی ہیں جیسے آگ میں جلانے کی تاثیر رکھی ہے اور سورج کی حرارت میں نباتات کو تیار کرنے کی تاثیر رکھی ہے اسی طرح بعض دواؤں میں بعض بیماریوں سے شفا کی تاثیر رکھی ہے اور زہر میں ہلاکت کی تاثیر رکھی ہے۔ اسی طرح بعض ستاروں کا جب کسی برج میں اتصال یا انفصال ہوتا ہے تو اس سے بعض تاثیرات صادر ہوتی ہیں تو اس سے یہ کہا جائے گا یہ ستاروں کی

تاثر نہیں ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ یہ جز بعض امور مستحبہ کے لیے علامات ہیں جیسے گمہ سے گور گئے ہادوں کا بارش کی علامت ہے۔ ستاروں کی تاثیر کی نفی کے متعلق بھی احادیث وارد ہیں۔

(اکمال لمسلم ج ۱ ص ۱۶۲-۱۵۹ مطبوعہ دارالافتاء مصر ۱۳۶۹ھ)

قاضی عیاض مانگی نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے۔

ستاروں کی تاثیر کی نفی کے متعلق احادیث اور ان کی تشریح

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حد یہیہ میں صبح کی نماز پڑھائی اور آسمان پر رات کی بارش کے آثار تھے جب آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا: صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتا ہے آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میرے بندوں نے صبح کی بعض مجھ پر ایمان لانے والے تھے اور بعض کفر کرنے والے تھے جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی ہے وہ مجھ پر ایمان لانے والے تھے اور ستاروں کا کفر کرنے والے تھے اور جنہوں نے کہا فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے وہ میرا کفر کرنے والے تھے اور ستاروں پر ایمان لانے والے تھے۔

(صحیح ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۳۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۶ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۶ سنن ابوالحسن رقم الحدیث: ۱۵۳۵)

قاضی عیاض بن موسیٰ مانگی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث تفسیل پر محمول ہے کیونکہ عرب یہ گمان کرتے تھے کہ بارش ستاروں کی تاثیر سے ہوتی ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل نہیں گردانتے تھے لیکن جو شخص بارش نازل کرنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے اور ستاروں کو علامات قرار دے جیسے رات اور دن اوقات کی علامت ہیں تو اس میں گنہگار ہے جیسے حضرت ابو ہریرہ نے کہا ہمیں اللہ نے پانی پلایا ہے اور ستاروں نے پانی نہیں پلایا اور جو شخص ستاروں کو موثر مانے وہ کافر ہے۔ (اکمال لمسلم ج ۱ ص ۳۳۱ مطبوعہ دارالافتاء مصر ۱۳۶۹ھ)

علامہ ابوالیمان النکدی علامہ خفاجی اور علامہ آلوسی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(المعراج ج ۱ ص ۱۰۰ منیۃ القاضی ج ۱ ص ۱۸۳ روح البانی ج ۱ ص ۲۳۹)

علامہ یحییٰ بن شرف نوادی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے بارش کو نازل کرنے میں ستاروں کو موثر حقیقہ یا اس کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے اور جس شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ بارش اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہوئی ہے اور ستارے بارش نازل ہونے کی علامت اور اس کا وقت ہیں اور اس کو وہ سبب عادی جانتا ہو جیسے کہ وہ یوں کہے کہ فلاں وقت ہم پر بارش نازل ہوئی ہے تو یہ کفر نہیں ہے تاہم یہ مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ اس قسم کا کفر اور دہریہ کرتے ہیں اور یہ زمانہ جاہلیت کے اقوال کے مشابہ ہے۔

(صحیح مسلم بشرح ابوالخدیج ج ۱ ص ۱۸۹ مطبوعہ مکتبۃ دارالمصطفیٰ کربلا ۱۳۷۷ھ)

واقع نے کہا اللہ کی قسم! اللہ نے کسی ستارے میں کسی کی زندگی رکھی ہے نہ کسی کی موت اور نہ کسی کا رزق! نبوی اللہ پر جھوٹ

اور بہتان بانڈھتے ہیں اور ستاروں کو علت قرار دیتے ہیں۔ (مشکوٰۃ الصالح رقم الحدیث: ۲۶۰۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کا بہن (نبوی) کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی یا جس شخص نے حاضرہ عورت کے ساتھ مباشرت کی یا جس شخص نے اپنی عورت کی پچھلی طرف مباشرت کی وہ اس دین سے بری ہو گیا جو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۹)

علم نجوم کا لغوی معنی

ان احادیث میں چونکہ ستاروں کی تاثیر کا ذکر آ گیا ہے اس لئے ہم یہاں علم نجوم اور علم جفر کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور ان کا شرعی حکم بیان کرنا چاہتے ہیں۔ علم نجوم کا لغوی معنی یہ ہے:

سیاروں کی تاثیرات یعنی سعادت و خوشی اور واقعات آئندہ کی حسب گردش پیش گوئی یا معاملات تقدیر اور ایسے برے موسم کی خبر دینے کا علم۔ (اردو لٹریچر ۱۹۳۳ء، ۱۹۵۱ء اور دولت پور ڈگری کالج جون ۱۹۹۰ء)

علم نجوم کے اصول اور مبادی

علم نجوم کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ عالم تحت القمر یا ارض طالعیسی "عالم الکون و الفساد" میں جتنی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں ان سب کا اجرام سماوی کے مخصوص طالع اور حرکات سے قریبی تعلق ہے۔ انسان جو عالم اصغر ہونے کی حیثیت سے پورے عالم اکبر کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے بالخصوص ستاروں کی تاثیرات کے تابع ہے اس میں خواہ ہم بظہور کسی کی چوری میں واضح طور پر اس عملی نظریے کو تسلیم کریں کہ اجرام سماوی سے نکلی ہوئی شعاعوں سے ایسی قوتیں یا اثرات خارج ہوتے ہیں جو معمول (قابل) کی طبیعت کو عامل (فاعل) کی طبیعت کے مطابق بنادینے کی صلاحیت رکھتے ہوں یا راسخ عقیدہ مسلمانوں کا ہم خیال ہونے کی غرض سے اجرام سماوی کو آئندہ ہونے والے واقعات کا اصل فاعل نہ مانتے ہوئے محض ان واقعات کی نشانیاں (دلائل) تصور کریں۔ ستاروں کا اثر ان کی انفرادی نوعیت پر نیز زمین یا دوسرے ستاروں کے لحاظ سے ان کے مقام پر منحصر ہے لہذا عالم کون و فساد کے واقعات اور انسانی زندگی کے خلیب و فراز ہمیشہ لائقہ اور نہایت متنوع بلکہ متناقض سماوی اثرات کے نہایت ہی پیچیدہ اور حفیضہ استخراج کے تابع ہوتے ہیں۔ ان اثرات کو جاننا اور ان کو ایک دوسرے کے ساتھ نظر میں رکھ کر دیکھنا عجم کا محنت طلب کام ہے۔

آخر میں جفر ایمانی عنصر کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔ چونکہ روئے زمین کی ہر اقلیم ایک خاص برج اور ایک خاص سیارے کی تاثیر کے تابع ہے لہذا مختلف ملکوں کے افراد کے لیے افلاک کی حالت سے ایک ہی جیسی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی۔ نجومی کا یہ "ساز و سامان" ایک خاص وضع قطع کا ہے۔ اس کا استعمال بھی اس سے کچھ کم پیچیدہ نہیں۔ مسلمان مجتہدین کا فہم تین بڑے نظاموں میں محدود قرار دیا جاسکتا ہے: (۱) نظام سائل (استفسارات یا سوالات) جس کی غرض و غایت ایسے سوالوں کا جواب دینا ہے جو روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے واقعات کے متعلق ہوں یعنی جب سائل کسی غیر حاضر شخص کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے یا کسی کسی چور کا سراغ لگانا مقصود ہو یا کسی کوئی ہوئی چیز کا پانا مطلوب ہو۔ یہ نجوم کا سب سے زیادہ آسان اور عام شعبہ ہے (۲) نظام اختیارات (Electiones) یعنی کسی نہ کسی کام کے سرانجام دینے کا بعد وقت۔ اس وقت کے تعین کے لیے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ چاند اس وقت کس برج میں ہے۔ جو اندھائی ہندی طریقوں کو ترجیح دیتے ہیں وہ بارہ برجوں کے بجائے چاند کی ۲۸ منزلوں کا شمار کرتے ہیں۔ (۳) نظام سہام الموالید (Genethliological System) یا مسلم مصنفین کی اصطلاح میں جس نظام کی بنیاد تھامیل اسٹین (Revolutions Annorum) پر ہے یعنی ان اصطلاحی یا وضعی سالوں یا ان کے حصوں پر جو کسی فرد کی پیدائش یا کسی حکومت "فرقے" یا مذہب یا کسی شہر کی تاسیس وغیرہ سے شروع کر کے اب تک گزر چکے ہوں یا گزرے ہوئے سمجھے جائیں۔ اس نظام کا بنیادی اصول دوسرے نظاموں سے مختلف ہے اور وہ یہ کہ ٹھیک پیدائش کے وقت کرہ سماوی کی خاص صورت حال اہل طور پر نوزائیدہ کی قسمت کی ہمیشہ کے لیے حد بندی کر

دیتی ہے اور اس کے بعد اس کی زندگی بنیادی طور پر کربہ سلوی کی آئندہ پیش آنے والی تبدیلیوں سے متاثر نہیں ہوتی۔
 بطوریکہ اس کا نظام ہے جس میں اختیارات کا بہت کم لحاظ رکھا گیا ہے اور جو کچھ ہے اس کی حیثیت ضرورت کی ہے اس کے پاس
 نظام مسائل کے لیے ایک لفظ تک نہیں، نیز اس نظام میں دوسرے دو نظاموں کی نسبت فی وقتیں زیادہ ہیں۔

(اردو نثر، معارف اسلامیہ ج ۱ ص ۳۷۷-۳۷۸، ج ۲ ص ۳۷۸، ج ۳ ص ۳۷۸، ج ۴ ص ۳۷۸، ج ۵ ص ۳۷۸)

علم نجوم کا اصطلاحی معنی اور اس کا شرعی حکم

علامہ مصطفیٰ آندی بن عبد اللہ آندی لفظ علم النجوم کے معنی: علم نجوم کے معنی:

یہ ان قواعد کا علم ہے جس سے تعکلات فلکیہ یعنی افلاک اور کوکب کی اوضاع مخصوصہ مثلاً مقارنت اور مقابلت وغیرہ
 سے دنیا کے حوادث ان کے مرنے اور جینے اور بگڑنے اور دیگر احوال کی معرفت پر استدلال کیا جاتا ہے۔
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ستاروں پر ایمان لایا وہ کافر ہو گیا لیکن اس کا تحمل یہ ہے کہ جب نبوی کا
 اعتقاد یہ ہو کہ ستارے عالم کی تدبیر میں مستقل ہیں۔

علم نجوم کی توجیہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ عادت جاری کر دی ہو کہ بعض حوادث بعض دوسرے
 حوادث کا سبب ہوں لیکن اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ سیارے غومت (اور اسی طرح سعادت) کے لیے عادتاً اسباب اور علت
 ہیں نہ اس پر کوئی حسی دلیل ہے نہ سمعی اور نہ عقلی حسی دلیل کا نہ ہوتا تو بالکل ظاہر ہے اور عقلی دلیل اس لئے نہیں ہے کہ سیاروں
 کے متعلق ان کے اقوال متضاد ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ عناصر سے مرکب نہیں ہیں بلکہ ان کی طبیعت خاصہ ہے پھر کہتے ہیں کہ زحل
 سرخ رنگ ہے اور مشتری گرم تر ہے اس طرح انہوں نے عناصر کے خواص کو کوکب کے لیے ثابت کیا۔ اور شرعاً اس لئے صحیح نہیں
 ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ستاروں کے کاہن کے پاس گیا یا عراف کے پاس گیا یا نجم کے پاس گیا اور اس کی
 تصدیق کی تو اس نے اس دین کا کفر کیا جو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا۔

دیگر احادیث اس طرح ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص عراف یا ساحر یا کاہن کے پاس گیا اس سے سوال کیا اور اس کے قول کی
 تصدیق کی تو اس نے اس دین کا کفر کیا جو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا۔

(مسند ابویعلیٰ رحمہ اللہ ج ۵ ص ۵۸۸، حنفیہ کتبچی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۱۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کاہن یا عراف کے پاس گیا اور اس
 کے قول کی تصدیق کی تو اس نے اس دین کا کفر کیا جو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۹، مسند احمد رحمہ اللہ ج ۵ ص ۵۳۳، عالم الکتاب)

خصوصیت کے ساتھ نجومیوں کے متعلق یہ حدیث ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ستاروں کے علم سے اقتباس کیا
 اس نے جادو سے اقتباس کیا۔ (سنن ابوداؤد رحمہ اللہ ج ۵ ص ۳۹۵، سنن ابن ماجہ رحمہ اللہ ج ۲ ص ۳۲۹، مسند احمد رحمہ اللہ ج ۵ ص ۵۳۳، دار الفکر)

کشاف اصطلاحات الفنون میں مذکور ہے کہ اس علم کا موضوع ستارے ہیں اس حیثیت سے کہ ستاروں سے اس جہان
 کے احوال اور مسائل معلوم ہوں جیسے ان کا یہ قول ہے کہ جب سورج اس مخصوص جگہ پر ہو تو وہ اس جہان میں غلاں چیز کے پیدا
 ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

علامہ ابن قلدون نے لکھا ہے کہ اصحاب علم نجوم کا یہ دھم ہے کہ وہ سیاروں کی قوتوں کی معرفت سے اس جہان کی چیزوں کو پیدا ہونے سے پہلے جان لیتے ہیں۔

علم نجوم کے بطلان پر یہ دلیل کافی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے خود کسی ترکیب، کسی صنعت اور کسی طریقہ سے فیب کا علم حاصل کیا نہ امت کو اس کی تعلیم دی، انبیاء علیہم السلام کو صرف وحی سے اور اللہ تعالیٰ کی عطا سے علم فیب حاصل ہوتا تھا۔

(كشف القلوب ج ۳ ص ۱۹۳-۱۹۴ مطبوعہ مکتبہ اسلام پبلشرز ۱۳۷۸ھ)

علم نجوم کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء (امام غزالی، امام بخاری، علامہ طیبی، ملا علی قاری، علامہ شامی، امام احمد رضا، علامہ امجد علی، مفتی احمد یار خاں، مفتی وقار الدین اور شیخ ابن تیمیہ وغیرہم کی آراء)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ فرماتے ہیں:

علم نجوم کے احکام کا حاصل یہ ہے کہ وہ اسباب سے حوادث پر استدلال کرتے ہیں لیکن شریعت میں یہ علم مذموم ہے حدیث میں ہے:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میرے اصحاب کا ذکر کیا جائے تو بحث نہ کرو اور جب ستاروں کا ذکر کیا جائے تو خاموش رہو اور جب تقدیر کا ذکر کیا جائے تو رک جاؤ۔

(المجموع اکبر رقم الحدیث: ۱۳۷۷۷ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے) (المجموع اکبر رقم الحدیث: ۱۳۷۷۸ حدیث ابو ہریرہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اپنے بعد اپنی امت پر پانچ چیزوں کا خطرہ ہے۔ تقدیر کی کھد ب کرنا اور ستاروں کی تقدیر کرنا۔ (ابو یعلیٰ نے صرف دو کا ذکر کیا ہے)

(مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۳۵۰ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۰۳ الطالعات رقم الحدیث: ۲۹۲۶)

حضرت جابر بن سرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھے اپنی امت پر تین چیزوں کا خطرہ ہے ستاروں سے بارش کو طلب کرنا، سلطان کا ظلم کرنا اور تقدیر کی کھد ب کرنا۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۹۰ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۲۹۲۳۳ حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے اس کی سند میں بڑے رجحانی ضعیف ہے باقی راوی ثقہ ہیں)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آفرینانہ میں مجھے اپنی امت پر جس چیز کا سب سے زیادہ خطرہ ہے وہ ستارے ہیں تقدیر کو چھلانا ہے اور سلطان کا ظلم کرنا ہے۔

(المجموع اکبر رقم الحدیث: ۱۱۳۳۰ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۰۳ اس کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے باقی راوی ثقہ ہیں)

امام غزالی فرماتے ہیں نجوم کے احکام محض عن تعین اور اندازوں پر مبنی ہیں اور ان کے متعلق کوئی شخص یقین یا ظن غالب سے کوئی حکم نہیں لگا سکتا لہذا اس پر حکم لگانا جہل پر حکم لگانا ہے سو نجوم کے احکام اس لئے مذموم ہیں کہ یہ جہل ہیں نہ اس حیثیت سے کہ یہ علم ہیں یہ علم حضرت ادریس علیہ السلام کا بخیرہ تھا (دراصل وہ علم دل قدامتیں کیروں سے زائچہ بنانے کا علم وہ نجوم کا علم نہیں تھا) اب یہ علم مٹ چکا ہے اور کبھی کبھار نجومی کی جو بات کچھ نکلتی ہے وہ بہت نادر ہے اور محض اتفاق ہے کیونکہ وہ کبھی بعض اسباب پر مطلع ہو جاتا ہے اور ان اسباب کے بعد مصیبت اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب بہت ساری شروط پائی جائیں جن کے

حقائق پر مطلع ہونا بشر کی قدرت میں نہیں ہے جیسے انسان کبھی ہادل دیکھ کر بارش کا گمان کرتا ہے حالانکہ بارش کے بار بھی اس وقت ہوتے ہیں جن پر وہ مطلع نہیں ہوتا اور جس طرح ہواؤں کا رخ دیکھ کر طالع کشی کو سلاستی سے لے جانے کا گمان کرتا ہے حالانکہ سلاستی کے اور بھی اسباب ہیں جن پر وہ مطلع نہیں ہوتا اور اس کا اندازہ کبھی صحیح ہوتا ہے اور کبھی غلط۔

(احیاء علوم الدین ج ۸ ص ۲۵ مطبوعہ دارالکتب المصریہ بیروت ۱۴۲۲ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ رَئَيْتُمَا السَّمَاءَ الَّتِي يُبَصِّطُ فِيهَا دُمُومُ (الحک: ۵)

بے شک ہم نے آسمان دیکھا جو چاندیوں (ستاروں) سے

مزین فرمایا ہے۔

قنادہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین کاموں کے لیے پیدا فرمایا ہے ان ستاروں کو آسمان کی زینت بنایا اور ان کو شیاطین پر رجم کرنے کے لیے بنایا اور ان کو راستوں کی ہدایت کی علامات بنایا اور جس نے ان ستاروں کا کوئی اور مقصد قرار دیا اس نے خطا کی اور اپنا حصہ ضائع کیا اور جس چیز کا علم نہیں تھا اس میں تکلف کیا۔ رزین نے یہ اضافہ کیا ہے کہ انبیاء اور فرشتے اس علم سے عاجز نہ تھے۔ (کتاب بدو الخلق باب ۳ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۶۰۴)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطبری المتوفی ۴۳۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام قشیری نے نجومیوں کے مذاہب تفصیل سے ذکر کر کے ان کو باطل کیا ہے اور لکھا ہے کہ نجومیوں کا صحت کے قریب ترین قول یہ ہے کہ ان حوادث کو ابتداء اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور اپنے اختیار سے پیدا فرماتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی عادت جاری یہ ہے کہ وہ ان حوادث کو اس وقت پیدا فرماتا ہے جب یہ سیارے بروج مخصوصہ میں ہوتے ہیں اور یہ سیارے اپنی رفتار اپنے اتصال اور اپنی شعاؤں کے گزرنے میں مختلف ہوتے ہیں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عادت جاری ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے عادت جاری کر دی ہے کہ نہ اور مادہ کے اختلاط کے بعد پچھ پیدا ہو جاتا ہے اور کھانے کے بعد پیٹ بھر جاتا ہے علامہ قشیری نے کہا یہ چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت میں جائز ہے لیکن اس پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف پر دلیل ہے کیونکہ جو کام یہ طور عادت جاری ہو اس میں احتراز ہوتا ہے اور کم از کم درجہ یہ ہے کہ اس میں ٹھکار ہوتا ہے اور ان کے نزدیک ایک وقت ایک مخصوص طریقہ سے بار بار نہیں ہوتا کیونکہ ایک سال میں سورج کسی برج کے ایک درجہ میں ہوگا تو دوسرے سال اس برج کے اس درجہ میں نہیں ہوگا اور قرآن مقابلات اور کوکب کی طرف نظر کے اعتبار سے احکام مختلف ہوتے رہتے ہیں۔

(شرح الطبری ج ۸ ص ۳۳۱-۳۳۵ مطبوعہ دار الفکر ان کراچی ۱۴۱۳ھ)

ستاروں کی تاثیرات دائمی یا اکثری نہیں ہیں اس کو آسمان اور عام فہم طریقہ سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر کسی خاص صفت کے ساتھ کسی ستارے کا کسی مخصوص برج میں ہونا برکت یا نحوست یا قاعدہ یا نقصان کا موجب ہے تو ہمیشہ یا اکثر اوقات میں اس ساعت میں برکت یا نحوست یا قاعدہ یا نقصان کے اثرات ہونے چاہئیں حالانکہ ایسا نہیں ہوتا اگر بارش کا ہونا طوفانوں کا اٹھنا اور زلزلوں کا آنا ستاروں کے کسی مخصوص برج میں ہونے کی وجہ سے ہو تو جب بھی وہ ستارہ اس مخصوص برج میں ہو تو یہ آثار صادر ہونے چاہئیں یہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ سعادت، نحوست اور نفع اور نقصان کے آثار جن اوقات میں مرتب ہوتے ہیں ان مخصوص اوقات میں ان کا ترعب دائمی یا اکثری نہیں ہے اور مسبب کا دائمی اور اکثری نہ ہونا سبب کے دائمی اور اکثری نہ ہونے کی دلیل ہے اس سے یہ واضح ہو گیا کہ جن اوقات میں ستارے مخصوص برج میں ہوتے ہیں ان اوقات میں دائمی یا اکثری طور پر ان مخصوص حوادث کا صدور نہیں ہوتا اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت جاری ہے کہ جب یہ

ستارے مخصوص برج میں مخصوص مفت کے ساتھ ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان مخصوص حوادث کو صادر کرتا ہے لہذا ستاروں کا مخصوص برج میں ہونا نہ حوادث کے صدور کی علت ہے نہ ان کے صدور کا داغی یا اکثری سبب ہے۔

امام عبداللہ بن محمد بن عبداللہ الخلیف حمیری التوتنی ۳۱ھ بیان کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اللہ کی ذکر کی ہوئی چیز کے سوا کسی اور چیز کے لیے ستاروں کا علم حاصل کیا اس نے جادو کا ایک حصہ حاصل کیا، نجوی کا کہن ہے اور کا کہن جادوگر ہے اور جادوگر کافر ہے۔ اس حدیث کو زرین نے روایت کیا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۶۰۳)

اللہ کی ذکر کی ہوئی چیزوں سے مراد ستاروں سے آسمان کی زینت ان کا نجوم شیاطین (شہاب چاقب) ہونا اور ان سے راستوں کی ہدایت حاصل کرنا ہے۔ سو جس شخص نے ان کے علاوہ کسی اور چیز کے لیے ستاروں کا علم حاصل کیا (مثلاً غیب جاننے کے لیے اور آئندہ کی پیش گوئی کے لیے) تو اس نے جادو کا ایک حصہ حاصل کیا۔

ملاطی بن سلطان محمد القاری التوتنی ۱۰۱۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پس کا کہن اور نجوی دونوں کافر ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ پانچ سال تک اپنے بندوں سے بارش کو روک لے اس کے بعد بارش نازل فرمائے تو لوگوں میں سے کافروں کی ایک جماعت یہ کہے گی کہ فلاں ستارے کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی ہے۔ (سنن الشیخ رقم الحدیث: ۱۵۲۶، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۶۰۵)

ملاطی قاری لکھتے ہیں: اب ان کافروں سے یہ کہا جائے گا کہ پانچ سال تک وہ ستارہ کہاں تھا جس کی وجہ سے ایک سال میں سینکڑوں بار بارشیں ہوتی تھیں اس سے معلوم ہوا کہ ستارے داغی سبب ہیں نہ اکثری سبب ہیں اور نہ بارش کے لیے ان کا مخصوص برج میں ہونا سبب ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے اور نہ بارش کی علامت ہے یہ سب کفار کی بے دلیل باتیں اور غرافات ہیں۔ (مرقات المفاتیح ج ۴ ص ۲۲ مسطورہ مکتبہ امدادیہ لبنان ۱۳۹۰ھ)

سید محمد امین ابن جابر بن شامی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ علاء الدین ابوالحسنی متوفی ۱۰۸۸ھ نے علم نجوم اور علم رمل وغیرہ کو حرام کہا ہے۔ (درعراج ص ۲۳ ملخصاً)

علامہ شامی فرماتے ہیں علم نجوم کی تعریف ہے: حوادث سفلیہ پر تفکرات فلکیہ سے استدلال کی معرفت جس علم سے حاصل ہو وہ علم نجوم ہے۔

صاحب ہادیہ نے عبارات نوازل میں لکھا ہے کہ فی نفسہ علم نجوم اچھا علم ہے مذموم نہیں ہے ایک علم حسابی ہے اور یہ برحق ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَلْيَسِّرْ لِلْعُمَمِ حَسْبَانِ ۝ (الزلزلہ: ۵)

سورج اور چاند مقررہ حساب سے (گردش کر رہے) ہیں۔

یعنی ان کی رفتار اور ان کا گردش کرنا حساب سے ہے اور اس کی دوسری قسم استدلال ہے یعنی وہ ستاروں کی رفتار اور اخلاک کی حرکت سے اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر پر استدلال کرتے ہیں اور یہ جائز ہے جیسے طبیب نبض کی رفتار سے صحت اور مرض پر استدلال کرتا ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر پر استدلال نہ کرے بلکہ خود غیب جاننے کا دعویٰ کرے تو اس کو کافر قرار دیا جائے گا پھر اگر علم نجوم سے صرف نمازوں کے اوقات اور قبلہ کی سمت پر استدلال کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ الخ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اتنی مقدار سے زائد علم نجوم حاصل کرنے میں حرج ہے بلکہ انفصول میں مذکور ہے کہ مطلقاً علم نجوم کو

حاصل کرنا حرام ہے جیسا کہ درختار میں ہے اور اس سے مراد علم نجوم کی وہ قسم ہے جس میں ستاروں کی رفتار اور حرکت سے اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر پر استدلال کیا جاتا ہے اسی وجہ سے احیاء العلوم میں مذکور ہے کہ کئی قسم علم نجوم مذموم نہیں ہے مگر حضرت عمر نے فرمایا ستاروں سے وہ علم حاصل کرو جس سے تم بخود میں راستوں کی ہدایت حاصل کر سکو مگر رک چلا حضرت عمر نے اس کے پاس کوئٹہ سے منع فرمایا ہے: (۱) یہ علم اکثر حقوق کے لیے سحر ہے کیونکہ عوام جب یہ علم سیکھیں گے تو وہ ستاروں کو موثر اعتقاد کریں گے۔ (۲) ستاروں کے احکام محض اندازوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ (۳) اس علم کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ جو چیز مقدر کر دی گئی ہے وہ بہر حال ہونی ہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

علم رمل وہ علم ہے جو قواعد سے لیکروں اور نقطوں کی مختلف اشکال پر مبنی ہے اور ان شکلوں سے مستقبل میں پیش ہونے والے امور معلوم ہو جاتے ہیں اور تم کو معلوم ہے کہ یہ علم حرام قطعی ہے اس کی اصل حضرت ادریس علیہ السلام ہیں اور یہ شریعت منسوخ ہو چکی ہے۔ علامہ ابن حجر مکی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ اس علم کا سیکھنا اور سکھانا حرام قطعی ہے کیونکہ اس سے عوام کو یہ وہم ہو گا کہ اس علم کا جاننے والا غیب کے علم میں اللہ کا شریک ہے (لادنی حدیث ص ۱۶۰ سلوہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۶۷ھ) نیز علامہ شامی فرماتے ہیں حدیث میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کاہن کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی یا جس شخص نے عاقلہ عورت کے ساتھ مباشرت کی یا جس شخص نے اپنی بیوی کی کچلی طرف میں مباشرت کی تو وہ اس دین سے بڑی ہو گیا جو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۳ سنن ابویوسف رقم الحدیث: ۱۳۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۹) اس حدیث میں کاہن کا لفظ عزاف اور تنم دونوں کو شامل ہے اور عرب ہر اس شخص کو کاہن کہتے تھے جو علم رمل کا حامل ہو اور بعض عرب تنم اور طیب کو بھی کاہن کہتے تھے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۶۶ ۱۳۶ ۱۳۷ سلوہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۶۷ھ)

اخلا حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۳۰ھ قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:

نجوم کے دو ککڑے ہیں علم رمل یا شمیر اور ک طرف تو قرآن عظیم میں ارشاد ہے: الشمس والقمر بحسبان O والشمس تسجری لمستقر لها ذلک تقدیر العزیز العلیم O والقمر قدرہ منازل حتیٰ عاد کالمرجون O والقدیم O لا الشمس ينبغي لها ان تدرك القمر ولا اللیل سابق النهار وکل فی فلک یسبحون O وجعلنا اللیل والنهار ایتن لمحمونا ایة اللیل وجعلنا ایة النهار مبصرة لتبتغوا فضلا من ربکم ولتعلموا عدد السنین والحساب وکل شیء فصلنه تفصیلا O والسماء ذات البروج O تبارک الذی جعل فی السماء بروجا O فلا یقسم بالخنس O الجوار الکس O ویفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت هذا باطلا سبحدک فقنا عذاب النار O الم ترانی ربک کیف مذل الظل ولو شاء لجعلہ ساکنم جعلنا الشمس علیہ دلیلا O ثم قبضه البنا قبضا یسیرا O المی غیر ذلک من آیات کثیرة اور اس کا کائنات شمیر باطل ہے تدبیر عالم سے کوکب کے متعلق کچھ نہیں کیا گیا تان کے لیے کوئی تاثیر ہے غایت درجہ فلکیہ جس حرکات نبض علامات ہیں کما قال اللہ تعالیٰ وعلمت وبالنجم ہم یهتدون نبض کا اختلاف احتمال سے طبیعت کے اخلاف پر دلیل ہوتا ہے مگر وہ اخلاف اس کا اثر نہیں بلکہ یہ اختلاف اس کے سبب سے ہے اس علامت ہی کی وجہ سے کبھی اس کی طرف اکابر نے نظر فرمائی ہے فسطر نظرة فی النجوم فقال انی مسقیم زمانہ فی امیر المؤمنین قاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ باران کے لیے دعا کرو اور منزل قبر کا لفظ کر لو امیر المؤمنین متوفی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے منقول ہے لاصافروا والقمر فی العقب اگرچہ

علماء نے اس کی یہ تاویل فرمائی ہے کہ مقرب ایک منزل تھی اور قریب ایک راہزن کا نام تھا کہ اس منزل میں تھا۔ علم کبیر علم جبر سے جدا دوسرا فن ہے اگرچہ جبر میں بھی تعبیر کا کام پڑتا ہے یہ بھی اکابر سے منقول ہے۔ امام جتہ الاسلام غزالی و امام فقر الدین رازی و شیخ اکبر علی الدین ابن عربی و شیخ ابوالعاسا یونی و شاہ محمد غوث گوالیاری وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ اس فن کے معنی و مقصد و مجتہد گذرے ہیں اس میں شرف قہر وغیرہ ساعات کا لحاظ اگر اسی علامت کے طور پر ہو جس کی طرف ارشاد قادروٹی نے اشارہ فرمایا تو لباس پہ ہے اور پابندی او باہم یمن کے طور پر ہو تو ناجائز ان ہی الاسماء سمیعہ و النعم و آباء کم ما نزل اللہ بہما من سلطان ان الحکم الا للہ امر ان لا تعبد والا ایاء ذلک الدین القیم ولكن اکثر الناس لا یعلمون ۵ ظلم و غیر نجات سراسر ناجائز ہیں نصیر تجو شعبہ ہے اور شعبہ حرام کما فی الدر المختار وغیرہ من الاسفار اور ظلم تصادم سے خالی نہیں اور تصویر حرام اشد الناس عذابا یوم القیمۃ من قتل نبیا او قتلہ نبی والمصورون۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(تذکرہ رضویہ ج ۲-۱۰ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی ۱۳۱۲ھ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ لکھتے ہیں:

باقی ستارے رہے تو یہ بات بعید نہیں ہے کہ ان کی بھی کچھ اصل ہو کیونکہ شرع نے صرف ان کے اندر مشغول رہنے سے نفی فرمائی ہے۔ ان کی حقیقت کی نفی بالکل نہیں کی ہے اور اسی طرح سلف صالح سے ان چیزوں میں مشغول نہ ہونا اور مشغولین کی مذمت اور ان تاجرات کا قبول نہ کرنا تو برابر چلا آیا ہے مگر ان سے ان چیزوں کا معدوم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ علامہ بریس ان میں سے بعض اشیاء ایسی ہیں جو یقین کے درجہ میں بدیہات اولیٰ کے درجہ کو پہنچ چکی ہیں مثلاً شمس و قمر کے حالات مختلف ہونے سے فصلوں کا مختلف ہونا و علی ہذا القیاس اور بعض باتیں مگر یا تجربہ یا رسد سے ثابت ہوتی ہیں جس طرح تجربہ وغیرہ سے سونگھ کی حرارت اور کافور کی برودت ثابت ہوتی ہے اور غائبانہ ان کی تائید و طریقے سے ہوتی ہے ایک طریقہ تو طبیعت کے قریب قریب ہے یعنی جس طرح ہر نوع کے لیے طبع مختلف ہوتی ہیں جو اسی نوع کے ساتھ مختص ہوا کرتی ہیں یعنی حرارت و برودت اور رطوبت اور بیوست اور امراض کے دفع کرنے میں انہیں طبع سے کام لیا جاتا ہے۔ اسی طرح املاک اور کواکب کے لیے بھی طبع خاص اور جدا خواص ہیں مثلاً آفتاب کے لیے حرارت اور چاند کے لیے رطوبت اور جب ان کواکب کا اپنے اپنے محل میں گذر ہوتا ہے زمین پر ان کی قوت کا ظہور ہوتا ہے۔ دیکھو کہ عورتوں کے لیے جو عادات اور اخلاق مخصوص ہیں ان کا نشاء عورتوں کی طبیعت ہی ہوا کرتی ہے اگرچہ اس کا ادراک ظاہر طور پر نہ ہو سکے اور مرد کے ساتھ جو اوصاف مختص ہیں مثلاً جرأت آواز کا بھاری ہونا اس کا خفا بھی اس کی کیفیت حرازی ہوا کرتی ہے پس تم اس بات سے انکار مت کرو کہ جس طرح ان طبع خفیا کا اثر ہوتا ہے اسی طرح زہرہ اور مریخ وغیرہ کے قوتی زمین میں حلول کر کے اپنا اثر ظاہر کریں اور دوسرا طریقہ قوت روحانیہ اور طبیعت کے باہم ترکیب کے قریب قریب ہے۔ اس کی مثال ہے کہ جس طرح جنین کے اندر ماں اور باپ کی طرف سے قوت نفسانی حاصل ہوتی ہے اور آسمان و زمین کے ساتھ ان عناصر مثلاً حال ایسا ہی ہے جو ماں باپ کے ساتھ جنین کا حال ہوا کرتا ہے پس جیسی قوت جہان کو اولاً صورت حیوانیہ بعد ازاں صورت انسانیت کے قبول کرنے کے قابل بناتی ہے اور اتصالات فکری کے اعتبار سے ان قوتی کا حلول کی طرح ہوتا ہے اور ہر قسم کے خواص مختلف ہوتے ہیں جب کچھ لوگوں نے اس کے اندر غور کرنا شروع کیا تو ان ستاروں کا علم یعنی علم نجوم حاصل ہو گیا اور اس کے ذریعہ سے آئندہ واقعات ان کو معلوم ہونے لگے مگر جب متفقہاً انہی اس کے خلاف مقرر ہو جاتی ہے تو ستاروں کی قوت ایک دوسری صورت میں جو اسی صورت کے قریب ہوتی ہے متصور ہو جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے اور کواکب کے خواص کا نظام بھی قائم رہتا ہے اور شروع میں اس نکتہ کو

اس طرح پتھیر کیا جاتا ہے کہ کواکب کے خواص میں لزوم مطلق نہیں ہے بلکہ عادت الہی اس طرح جاری ہے اور خاص بحول امارات اور عطاست کے ہیں مگر جب کثرت سے لوگوں کو اس علم میں تو غفل ہو گیا اور بصرہ تن اس میں مشغول ہو گئے تو اس واسطے اس میں کفر اور خدا تعالیٰ پر ایمان کے قائم نہ رہنے کا احتمال پیدا ہوا کیونکہ جو شخص اس علم میں مشغول ہو رہا ہے وہ تہ دل سے کیونکر یہ بات کہہ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے یہ چند برس اسے بلکہ دو تو خواہ وہ بھی کہے گا کہ فلاں فلاں تارے کی وجہ سے برس ہے لہذا یہ امر اس کو اس ایمان سے جو نجات کا دار و مدار ہے ضرور مانع ہو گا اور اگر کسی شخص کو اس علم سے باور اقیقت ہے تو اس کی یہ باور اقیقت کچھ معترض نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ خود تمام عالم کا مختصائے حکمت کے موافق انتظام کرتا ہے خواہ کوئی اس سے واقف ہو یا نہ ہو۔ پس ضرور ہوا کہ شرع میں ایسا علم نیست و تا بود کر دیا جائے اور لوگوں کو اس کے سیکھنے سے ممانعت کی جائے اور یہ بات ظاہر کر دی جائے کہ جس نے نجوم سیکھا اس نے جادو کا ایک شعبہ حاصل کیا جس قدر زیادہ دیکھے اسی قدر اس کا وبال ہوگا۔ اس کا حال توریت و انجیل کا سا حال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے ساتھ نہایت تشدد کیا ہے جو ان کے دیکھنے کا قصد کرے کیونکہ ان دونوں میں تحریف ہو گئی ہے اور ان کے دیکھنے میں احتمال ہے کہ آدی ان کو دیکھ کر قرآن عظیم کی فرمانبرداری ترک کر دے اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نفی فرمائی یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہماری رائے ہے اور ہمارے شخص کا نتیجہ ہے۔ پس اگر سنت سے اس کے خلاف کچھ ثابت ہو تو جو سنت سے ثابت ہو وہی بات ٹھیک ہے۔ (ترمذی رحمہ اللہ جلد ۱ ص ۱۹۵ مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ لاہور)

صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی متوفی ۱۳۷۶ھ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ترمذی عرق ہے یعنی چاند جب برج عقرب میں ہوتا ہے تو سفر کرنے کو برا جانتے ہیں اور نجومی اسے منحوس بتاتے ہیں اور جب برج اسد میں ہوتا ہے تو کپڑے قلع کرانے اور سلوانے کو برا جانتے ہیں ایسی باتوں کو ہرگز نہ مانا جائے یہ ہائیں خلاف شرع اور نجومیوں کے ڈھکوسلے ہیں۔

نجوم کی اس قسم کی ہائیں جن میں ستاروں کی تاثیرات بتائی جاتی ہیں کہ فلاں ستارہ طلوع کرے گا تو فلاں بات ہوگی یہ بھی خلاف شرع ہے اس طرح پنجستروں کا حساب کہ فلاں پنجستروں سے بارش ہوگی یہ بھی لفظ ہے حدیث میں اس پر سختی سے انکار فرمایا۔ (بیاد شریعت حصہ ۱ ص ۱۵۹ مطبوعہ مکتبۃ القرآن علی کشتورہ ہوز ۱۳۱۶ھ)

مفتی احمد یار خاں نے بھی متوفی ۱۳۹۱ھ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یعنی فلاں ستارہ فلاں برج میں پہنچا لہذا بارش ہوئی اس کی تاثیر سے ہادل اور برسا یا کہا حرام ہے بلکہ بعض معانی سے کفر ہے خیال رہے کہ ستاروں کو فاعل مدبر ماننا کفر ہے انہیں بارش کی علامت ماننا اگرچہ کفر نہیں ہے مگر یہ کہنا بہت برا ہے کہ فلاں تارے سے یہ بارش ہوئی کہ اس میں کفار کے عقیدے کا اظہار ہے۔ (اس سے پہلے ص ۷۰ پر لکھا ہے)۔ بہ حال نجومیوں سے غیب کی خبریں پوچھنا بدترین گناہ ہے۔ (مرآت المناجیح ج ۱ ص ۷۲ مطبوعہ مکتبۃ)

مفتی محمد وقار الدین قادری رضوی متوفی ۱۹۹۳ھ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

نجومی اور کابھن وغیرہ سے تو سوال کرنے کی بھی ممانعت ہے صحیح مسلم میں ہے: جو کابھن (نجومی) کے پاس آئے اور اس سے کچھ دریافت کرے اس کی چالیس دن کی نذاریں قبول نہیں ہوں گی حضرت ربیع سے ایک روایت ہے کہ قسم اللہ کی اللہ تعالیٰ نے کسی ستارے میں کسی کی زندگی نہیں رکھی نہ ہی اس کا رزق اور نہ ہی اس کی موت اور وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور وہ ستاروں کو علت قرار دیتے ہیں (مشکوٰۃ الصالح کتاب الطب دہلوی باب الکلمات الغلط) مشکوٰۃ میں ایک اور حدیث ہے حضرت

لکن مہاسی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: جس کسی نے علم نجوم کا کچھ حصہ سیکھا جو اللہ تعالیٰ نے نہیں بیان فرمایا، پس تحقیق اس نے ایک حصہ جادو کا حاصل کیا، نبوی کا بہن ہے اور کا بہن جادوگر ہے اور جادوگر کافر ہے۔ (مشکوٰۃ نوالہ ۱۱۱) غرض علم نجوم اور علم رمل سیکھنا ناجائز ہے اور زنا، چھوٹا بھی ناجائز ہے۔ (وقار النبی ج ۳ ص ۲۳۳-۲۳۴ ملخصاً مسطورہم ذم وقار النبی ج ۳ ص ۱۳۲) شیخ تقی الدین احمد بن حبیہ الحرانی متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

اسی طرح نبوی ہیں اور ان کے علم کا مخفی ہے کہ حرکات علویہ حوادث کے حدوث کا سبب ہیں اور سب کا علم مسبب کے علم کو واجب کرتا ہے ان لوگوں کو کسی چیز کے ایک سبب کا پتا چل جاتا ہے لیکن اس چیز کے باقی اسباب اس کی تمام شروط اور تمام موانع کا علم نہیں ہوتا مثلاً ان کو یہ علم ہوتا ہے کہ اگر گرمیوں میں سورج سر پر پہنچ جائے تو فلاں علاقے میں انجور ختی بن جائیں گے لیکن ہو سکتا ہے اس علاقہ میں انجور پیدا نہ ہوئے ہوں یا بارش اور ڈالہ باری سے انجور پکنے سے پہلے ہی ضائع ہو گئے ہوں لہذا صرف اس بات کے علم سے کہ گرمیوں میں سورج کی حرارت سے انجور ختی بن جاتے ہیں یہ پیش گوئی نہیں کی جاسکتی کہ کسی علاقے میں فلاں مہینے میں انجور ختی بن گئے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا جس شخص نے عرفاء کے پاس جا کر کسی چیز کا سوال کیا اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۳۰) اور عرفاء کا لفظ کا بہن، نبوی اور رمل سب کو شامل ہے۔ (لذاتی ابن حبیہ ج ۳ ص ۱۰۶ مسطورہم ذم رمل و رملیہم ذم رملیہ ج ۱ ص ۱۳۸) شیخ تقی الدین احمد بن حبیہ الحرانی متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

بحران نجومیوں کا طریقہ کار یہ تھا کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو یہ اس کے نام کا ستارہ معلوم کرتے اور بچہ کا وہ نام رکھتے جو اس ستارے پر دلالت کرتا پھر وہ بچہ جب بڑا ہو جاتا تو پھر وہ اس ستارے کے احوال سے اس بچے کے احوال کو معلوم کرتے اور ان کے اختیارات یہ ہوتے تھے کہ اگر انہوں نے کسی سفر پر جانا ہوتا تو اگر چاند کسی مبارک برج میں ہوتا جو ان کے نزدیک سرطان ہے تو وہ سفر پر جاتے اور اگر چاند کسی مخصوص برج میں ہوتا اور وہ ان کے نزدیک مقرب ہے تو پھر وہ سفر پر نہ جاتے۔ جب حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے خوارج سے قتال کے لیے جانے کا ارادہ کیا تو ان کے پاس ایک نبوی آیا اور کہنے لگا: اے امیر المؤمنین! آپ سفر نہ کریں کیونکہ چاند برج مقرب میں ہے کیونکہ اگر آپ نے اس حال میں سفر کیا جبکہ چاند برج مقرب میں ہے تو آپ کے اصحاب کو کھٹ ہو جائے گی۔ حضرت علی نے فرمایا بلکہ میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے سفر کروں گا اور تمہاری کھذیب کروں گا سو انہوں نے سفر کیا اور ان کا وہ سفر بابرکت رہا حتیٰ کہ بہت سے خوارج مارے گئے اور یہ ان کی بہت بڑی مہم تھی کیونکہ حضرت علی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے خوارج سے قتال کیا تھا۔ اور یہ جو بعض لوگوں نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اس حال میں سفر نہ کرو کہ قمر (برج) مقرب میں ہو تو اس پر تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ محض جھوٹ ہے۔

اور بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ علم نجوم حضرت ادریس علیہ السلام کا فن ہے تو اول تو یہ قول بلا علم ہے کیونکہ اس قسم کی بات بغیر نقل صحیح کے معلوم نہیں ہو سکتی اور اس قسم کی کوئی نقل صحیح ثابت نہیں ہے تاہنا اگر اس قسم کی کوئی پیش گوئی حضرت ادریس سے ثابت ہو تو وہ ان کا تجرہ ہوگا اور یہ وہ علم ہوگا جو ان کو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہوگا اور وہ علوم نبوت سے ہے اور نبوی اپنے تجرہ اور قیاس سے پیش گوئی کرتے ہیں نہ کہ حضرت ادریس علیہ السلام کی وہی خبر سے چنانچہ نجومیوں کی پیش گوئیاں بہ کثرت جھوٹ ہوتی ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی خبریں جھوٹ سے مصوم ہوتی ہیں۔ رابعاً ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے خبر دی ہے کہ اہل کتاب نے اپنی کتابوں میں تحریف کر دی ہے اور اس میں جھوٹ ملا دیا ہے اور ان کی تصدیق کرنے سے منع

فرمایا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تمہیں اہل کتاب کوئی خبر دیں تو تم اس کی تصدیق کرو نہ تکذیب کرو بلکہ یوں کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو تمہاری طرف نازل کیا گیا ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہے ہم اسی پر ایمان لاتے ہیں (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۸۵) سو جب ہم کو اہل کتاب کی آسانی کتابوں کی تصدیق سے منع کر دیا تو ہم اس چیز کی تصدیق کیسے کر سکتے ہیں جس کو بغیر کسی ثبوت کے حضرت اور میں علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

جن ستاروں کو نجومیوں نے منجوس اور مبارک کہا ہے اگر آپ اس کا الٹ کر دیں اور مثلاً جب قمر برج سرطان میں ہو تو اس کو منجوس کہیں اور جب وہ برج عقرب میں ہو تو اس کو مبارک کہیں اور اس بنیاد پر پیش گوئی کریں جب بھی بعض اوقات یہ پیش گوئی صحیح ہوگی اور بعض اوقات یہ پیش گوئی غلط ہوگی جس طرح ان کے مفروضات کی بنیاد پر بھی ان کی پیش گوئی صحیح ہوتی ہے اور کبھی ان کی پیش گوئی غلط ہوتی ہے بلکہ زیادہ تر غلط ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ جس بنیاد پر پیش گوئی کرتے ہیں وہ بنیاد محض ان کی من گھڑت اور خود ساختہ ہے اس کی کوئی بھی بنیاد نہیں ہے اور یہ محض اندھیرے میں ٹانگ ٹوٹیاں مارتے ہیں۔

(فتاویٰ ابن عیوب ج ۳ ص ۱۱۱-۱۰۹، مسطورہ دارالکتب رطخ ۱۳۸ھ)

یہ تو شیخ ابن تیمیہ کے زمانے کے نجومیوں پر تبصرہ ہے اور ہمارے زمانہ میں جو نجومی ہیں ان کو تو یہ بھی پتا نہیں ہوتا کہ برج کس چیز کا نام ہے اور کون سا ستارہ کس برج میں کب ہوتا ہے اور اس کو جاننے کا کیا ذریعہ ہے اور یہ کیسے معلوم ہوا کہ کون سا ستارہ مبارک ہے اور کون سا منجوس ہے اور کس شخص کا کون سا ستارہ ہے اس کا علم کس کا ہند سے ہوا۔

اخبارات میں شائع ہونے والی نجومیوں کی پیش گوئیوں اور غیب کی خبروں پر مصنف کا تبصرہ
علم نجوم کی بحث میں ہم وہ احادیث نقل کر چکے ہیں جن میں نجومیوں سے سوال کرنے اور ان کی تصدیق کرنے کو کفر قرار دیا ہے۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ اخبارات میں ہر ہفتہ اس عنوان سے ایک مضمون شائع ہوتا ہے کہ "یہ ہفتہ کیسا رہے گا" اور اس مضمون میں اس ہفتہ کے متعلق غیب کی خبریں بتائی جاتی ہیں۔ چند خبریں ملاحظہ فرمائیں۔
(حاصل ۲۱ مارچ ۱۴۱۲ھ بمطابق)

دوستوں پر اندھا اعتماد نقصان دہ ثابت ہوگا محتاط رہیں۔ مالی سلسلہ میں دوسرے سے وابستہ توقعات پوری ہو سکیں گی۔ آمدنی و اخراجات کا تناسب یکساں رہے گا۔ بیرون ملک سفر اختیار کرنے کے سلسلے میں مایوسی لاحق ہو سکتی ہے۔ موسمی اثرات یا غذائی بد پریشی کے باعث صحت خراب ہونے کا احتمال ہے۔ اس ہفتہ کا موافق ہمدرد ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کی تاریخ پیدائش ۲۱ مارچ سے ۱۲ اپریل کے درمیان ہے ان کا برج حمل ہے اور اس ہفتہ یعنی ۱۰ فروری ۲۰۰۲ء سے ۱۷ فروری تک برج حمل کی یہ تاثیرات رہیں گی۔
(قوس ۲۳ نومبر تا ۲۲ دسمبر)

کاروباری پوزیشن غیر مستحکم رہے گی۔ آمدنی میں کمی کا احتمال ہے جبکہ اخراجات میں اضافہ ہوگا۔ بھائیوں کے ساتھ تعلقات خراب ہو سکتے ہیں۔ گھریلو ماحول بہتر رہے گا رہائش گاہ کی تبدیلی عمل میں آنے کا امکان ہے۔ پرانے باغ یا کسی اور انعامی تنیم کے ذریعہ کثیر رقم ہاتھ آ سکتی ہے۔ اس ہفتہ موافق ہمدرد ہے۔

اس کا بھی یہ مطلب ہے کہ جن لوگوں کی تاریخ پیدائش ۲۳ نومبر تا ۲۲ دسمبر ہے ان کا برج قوس ہے اور اس ہفتہ (۱۰ فروری تا ۱۷ فروری) برج قوس کی یہ تاثیرات رہیں گی۔ (روزنامہ جنگ سنڈے میگزین ۱۰ فروری ۲۰۰۲ء)

علماء نجوم ستاروں کی تاثیرات کے قائل ہیں برج کی تاثیرات کے قائل نہیں ہیں جو ستارے سیارے ہیں وہ یہ ہیں جن

وہل: عطارد، شمس، مشتری، مریخ اور زہرہ ان کے نزدیک سات آسمانوں میں سے ہر آسمان میں ایک سیارہ ہے آسمانوں میں ثابت ہیں۔ یہ وہ ستارے ہیں جو حرکت نہیں کرتے۔ ان ستاروں کے اجتماع سے مختلف شکلیں بن جاتی ہیں مثلاً قزاق یا شیری شکلیں یہ شکلیں نویں آسمان میں اصدگاہوں کے اندر نظر آتی ہیں۔ اگر شیری شکل بن جائے تو اس کو برج اسد اور تر ازو کی شکل بن جائے تو اس کو برج میزان اور بچھو کی شکل بن جائے تو اس کو برج عقرب کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ان برج کو سیاروں کی منازل بھی کہتے ہیں علماء نجوم ان سیارگان کی تاثیرات کے قائل ہیں۔ برج کی تاثیرات کے قائل نہیں ہیں اور "یہ ہفتہ کیسا رہے گا" کے تحت لکھنے والوں نے اپنی کم علمی یا بے علمی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ برج کی تاثیرات ہوتی ہیں۔ انہوں نے کسی لغت میں برج کے نام پڑھ لئے اور اپنی طرف سے مختلف فرضی باتیں گھڑ کر ہر برج کی طرف ہفتہ کے لیے تاثیرات منسوب کر دیں۔ ان کی یہ تمام پیش گوئیاں اور غیب کے دعوے جھوٹ ہیں۔ اللہ تعالیٰ غیب کا علم وحی کے ذریعہ انبیاء علیہم السلام کو عطا فرماتا ہے اور غیب کی صداقت قطعی ہے اور الہام کے ذریعہ اولیاء کالمین کو غیب کا علم عطا فرماتا ہے اور اس کی صداقت قطعی ہے اور اسی نوع سے فراست کا علم ہے۔ برج اور سیاروں کے ذریعے علم غیب اور مستقبل کی باتوں کے حصول کا کتاب وسنت میں ثبوت نہیں ہے بلکہ احادیث میں ستاروں کو موثر ماننے سے منع فرمایا ہے اور اس کو کفر قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مِمَّا تَكْتُمُ عَنَّا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْتَدِفُ ثَمُورًا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (النجم: ۳۳)

بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وحی بارش نازل فرماتا ہے اور وحی جانتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا۔ بے شک اللہ ہی تمام باتوں کو جانتے والا ہے اور تمام چیزوں کی خبر رکھنے والا ہے۔
خلاصہ یہ ہے کہ علماء نجوم سے مستقبل کی باتوں کو اور غیب کو معلوم کرنا جائز نہیں اور جو شخص غیب کی باتیں بتائے اور غیب جانے کا دھی ہو اس کی تصدیق کفر ہے۔
علم نجوم کی تحقیق سے قاریغ ہونے کے بعد ہم علم جزئی حقیق کرنا چاہتے ہیں۔
جنفر کا لغوی معنی

علم الجفر ایک علم ہے جس میں اسرار حروف سے بحث ہوتی ہے اور اس کے ماہرین کا دعویٰ ہے کہ وہ اس کی مدد سے آنکھ و حالات و واقعات کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ (المجمد ص ۶۳ مطبوعہ ماہ ۱۳۷۹ھ سنہ ۱۳۶۶ھ مطبوعہ کراچی)
غیب کے حالات معلوم کرنے کا علم۔ (۴۱۰ الفیات مطبوعہ ۱۳۷۱ھ)
ایک علم جس سے غیب کا حال بتایا جاتا ہے۔ حضرت امام جعفر سے بھی منسوب کیا جاتا ہے۔

(فیروز اللغات ص ۶۲ مطبوعہ لاہور)

جنفر کا اصطلاحی معنی

علامہ مصطفیٰ آفندی بن عبداللہ آفندی قسطنطنی الشیخ بالکاتب الحنفی التونی ۱۰۶۷ھ لکھتے ہیں:
علم الجفر والجلدہ اس علم کو کہتے ہیں جو لوح محفوظ اور تقدیر کا اجمالی علم ہے جو ماسکان و مہابکون کے تمام کلی اور جزئی امور کو شامل ہے اور جنفر قضاء و قدر کی اس لوح کو کہتے ہیں جو عقل کل ہے اور الہامہ تقدیر کی اس لوح کو کہتے ہیں جو نفس کل ہے۔
ایک جماعت نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنر کی جلد میں انھیں حروف جہی لکھے مخصوص طریقوں اور

میں شرطوں کے ساتھ الفاظ مخصوصہ سے اس چیز کو معلوم کیا جاسکتا ہے جو قضاء اور قدر کی لوح میں ہے یہ وہ علم ہے جو اصل میں ہے۔
 میں یہ طور وراثت منتقل ہوا ہے اور ان میں جو اصل بیت کی طرف منسوب ہیں اور وہ مشائخ کا ملین جنہوں نے اس علم کو ان سے حاصل کیا ہے اور یہ حضرات اس علم کو دوسروں سے مکمل طور سے مخفی رکھتے تھے ایک قول یہ ہے کہ سہدی بختر کے سوا کوئی شخص اس کتاب سے واقف نہیں ہو سکتا۔ یہ علم انبیاء سابقین کی کتابوں میں تھا جیسا کہ منقول ہے کہ حضرت یحییٰ نے فرمایا ہم کردہ انبیاء تمہارے پاس نازل شدہ عبارات کو پیش کرتے ہیں اور اس کی تاویل میرے بعد تمہارے پاس فارغیہ لائیں گے لیکن علم نے کہا کہ جعفر اور جعفر بن محمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں منبر پر خطبہ دیتے ہوئے ان میں سے ایک کا ذکر کیا اور دوسری وہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راز رکھا اور اس کو وہ دن کرنے کا حکم دیا جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے متفرق طریقہ سے لکھا جو اونٹ کی کمال پر لکھی ہوئی تھی۔ یہ حضرت آدم سے منقول تھی۔ اس میں تمام اولیٰین اور آخرین کے واقعات تھے لوگ اس کے بنانے میں متفق ہیں۔ امام جعفر صادق اس کو عیسٰی صلیب سے کسر کرتے ہیں اور بعض علماء نے اس کا نام الباب الکبیر یا کبیر الکبیر رکھا ہے اور اصغر یا کبیر الکبیر رکھا ہے اور بعض اس کو عیسٰی متوسط سے بناتے ہیں اور یہی اونٹ ہے اور اسی پر الحاقیت ائمہ یہ دانشیہ کا دار ہے۔ (کشف المحجوبین ص ۵۹۲-۵۹۱ مطبوعہ مکتب اسلامہ تبریز ۱۳۸۷ھ)

علم جعفر کا تفصیلی تعارف

جعفر: (ایک عددی علم جس کی مدد سے واقعات خصوصاً آنے والے واقعات یا ان کی اطلاع حاصل کی جاتی ہے۔ ہاشمی روایت بعض خاص حلقوں میں بڑی مقبول ہوئی۔)

خلافت کے لیے بعض حلقوں کی سر توڑ کوشش کے دوران میں جو ابتداء ہی سے باہمی اختلافات سے کمزور ہو گئے تھے اور بالخصوص اہل بیت کے مہد خلافت میں سخت جبر و تشدد کا شکار بنے رہے ۱۲۳۷ھ/۸۵۱ء میں ایک کشفی اور القائی ادب کا آغاز ہوا۔ یہ ادب مختلف شکلوں میں منظر عام پر آیا جس پر بحیثیت مجموعی جعفر کے اسم کا عام اطلاق ہوتا ہے۔ اکثر اس کے ساتھ اسم "جہدہ" یا صفت "جامع" کا بھی اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کی نوعیت القائی اور مخفی طور پر کشفی ہے اور مؤخر الذکر صورت میں اس کا خلاصہ ایک جدول ہے جس میں جعفر سے قضاء اور جہدہ سے قدر مراد ہے۔ حاجی خلیفہ (۳: ۶۰۳، ج ۱) کا بیان ہے کہ "یہ قضاء و قدر کی لوح پر (نوشتہ) علم کا خلاصہ ہے اور اس میں کلی اور جزوی طور پر وہ تمام امور شامل ہیں جو پیش آچکے ہیں یا آئندہ پیش آنے والے ہیں۔" جعفر "مکمل کل پر اور" جہدہ "روح کل پر حاوی ہے لہذا جعفر کا روحان باغی الفطرت اور کائناتی بنانے پر رذت عالم کی طرف ہے۔ اپنی ابتدائی صورت میں الہامی نوعیت کے ایک ایسے علم ہاشمی سے ہٹ کر جو آخر یعنی حضرت علیؑ کے وارثوں اور چائشوں سے مخصوص تھا اب یہ پیش گوئی کے ایک ایسے طریق کار سے منسوب ہونے لگا جس تک ہر حسب و نسب کے منقول آدمی خصوصاً صوفیہ حضرات کی رسائی ہو سکے (دیکھئے علم المعروف) کثیر التعداد مصنفوں نے اس طریق کار کے ارتقا میں حصہ لیا۔ ان میں چار بطل القدر نام قابل ذکر ہیں: (۱) محی الدین ابو العباس البیہقی (م ۲۲۲ھ/۱۲۳۵ء) نے اپنی تصنیف شمس المعارف میں جس کے تین منہج و مہذب متن ہیں: ۱۱۱ صفر الاول وسط اور ۱۱۱ اکبر: مؤخر الذکر ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۳ء ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۶ء میں قاہرہ سے چار جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ایک چھوٹی سی کتاب جو جعفر الامام علی بن ابی طالب یا الدار المنظم کے نام سے مشہور ہے اور ابن العربی سے منسوب ہے (قب مخطوط لا یزک) عدد ۸۳۳ ورق او (مخطوط) بیروت عدد ۶۳۶۲ و Aleppo-Sbath ۵۷۷ و ۳۹۰) محض شمس المعارف کے تصنیف میں اور چھوٹی سی کتاب جو ان گراف پر مشتمل ہے (قب Apokalypse..... Eine arab: Hartmann ص ۱۰۹ ابجد): (۲) محی

المدین ابن العربی (م ۶۳۸ھ/۱۲۳۰ء): منہاج البحر الجامع (مخطوط استانبول) حمید بن اسحاق بن ائدی عدد ۲۸۰ مخطوط بریس عدد ۲۳۶۹ ورق ۱۳ وغیرہ: (۳) ابن عسکر العدوی الرندی (م ۶۵۲ھ/۱۲۵۳ء): اسی عنوان سے یا بعنوان السور المصنوع فی السور الاعظم (مخطوط بریس عدد ۱۶۶۳/۳: مخطوط استانبول) عروج حسین پاشا عدد ۳۳۸ و سرائے احمد چالٹ عدد ۳۵۰ وغیرہ: (۴) عبدالرحمن البساطی (م ۸۵۸ھ/۱۴۵۳ء) انیس عنوانوں سے (مخطوط AS عدد ۲۸۱۲/۳: مخطوط Vatican عدد ۷۱۲۵۳: قب ٹکاس Nicholson عدد ۱۸۹۹۹ م ۹۰ء)

ان میں اور بہت سی ایسی دیگر تصانیف میں قابل عمل طریق کار میں بڑی الجھن درپیش ہوتی ہے۔ مبہم نگری کی دوسری صورتوں کے بے جواز عناصر کا اس میں اضافہ کر دیا گیا ہے مثلاً حروف ابجد اور اسے حسنی کے تقابلی خصائص حساب الجمل: کسی ایسے نام کی عددی قدر کا اظہار جسے پوشیدہ رکھنا مقصود ہو: کسی لفظ کے حروف کی ترتیب کا رد و بدل تاکہ کوئی دوسرا لفظ بن جائے: الکسور والبسط: یعنی کسی متبرک نام کے حروف ترتیبی کا مطلوب کے نام کے حروف کے ساتھ جوڑنا: قاعدہ آتش کے مطابق (جس میں تقابلی حروف کی ایک جدول بنی ہوتی ہے جس میں عبرانی ابجد کا پہلا حرف آخری حرف کے مطابق ہوتا ہے دوسرا ماقبل آخر کے قس علیٰ هذا) کے مطابق کسی لفظ کے ایک حرف کی جگہ کوئی دوسرا حرف لانا: کسی جملے کے الفاظ کے حروف اول کو ملا کر ایک نیا لفظ بنانا: دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ وہ تمام طریقے جو زمانہ قدیم سے باطنی عقائد کی ترہائی کرتے رہے ہیں۔ (تہ: J. G. Fevrier: Histoire de l'écriture: ۱۹۲۸ء، نمبر ۳ ص ۵۸۸-۵۹۱)

حروف کی عددی قدروں پر ایسی قیاس آرائیوں کو بعض اہل تصوف نے بھی بڑی اہمیت دی ہے جن میں نہ صرف متبرک ناموں کے حروف ترتیبی کو بلکہ سورہ فاتحہ میں نہ پائے جانے والے سات حروف گنجی کو بھی خاص تقدس کا درجہ دیا جاتا رہا ہے۔ فرقہ حروفید کے ہاں تو خلاطونی اور یہودیوں کی قدیم باطنی روایات بعض صوفیہ کرام کے نقل و قال سے مل کر ایک ایسا مبہم و پراسرار علم ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں کہ بقول حاجی خلیفہ (۶۰۳:۴) اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کے اہل صرف مہدی آخر الزمان ہوں گے۔ "طریق عمل کی یہ یوگسوی طریق تقسیم میں اختلاف و تباہی کے باعث اور بھی پیچیدہ ہو جاتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بعض مصنف طویل ترتیب حروف گنجی (الف باء تاہ وغیرہ) اور بعض ابجدی ترتیب (الف باء تاہم وغیرہ) کی عددی کرتے ہیں۔ پہلا طریقہ "الجفر الکبیر" کہلاتا ہے اور اس میں ایک ہزار مادے ہیں اور دوسرا طریقہ "الجفر الصغیر" کے نام سے موسوم ہے اور یہ صرف سات سو مادوں پر مشتمل ہے۔ ایک اور "الجفر المتوسط" بھی ہے جو حروف شمسی اور حروف قمری پر علیحدہ علیحدہ مبنی ہے۔ مصنفین نے اس آخری طریقے کو ترجیح دی ہے اور یہی عام طور پر تعویذوں وغیرہ میں مستعمل ہے۔

(حاجی خلیفہ نقل مذکور)

حروف کے اس عددی اور فنی پہلو کے ساتھ ساتھ جو اپنی فنی اور معنوی نوعیت کی وجہ سے جفر کو زائید (رک بان) کی سطح پر لے آتا ہے ان کے نجومی پہلو کو واضح کرنا بھی ضروری ہے۔ بقول ابن خلدون (مقدمہ ۱۹۱:۳) ۲۱۸:۳: قب م ۱۸۳ و طبع Rosenthal (ص ۲۰۹) حقیقوں نے یعقوب بن اسحاق الکندی (م بعد از ۲۵۹ھ/۸۷۰ء) کی احکام نجوم پر مبنی پیش گوئیوں پر مشتمل ایک کتاب کو جفر کا نام دے رکھا تھا۔ یہ غالباً وہی کتاب ہے جس کا ذکر ابن الدیم نے بعنوان الاسماء لال بالکسوفات علی الحوادث کیا ہے (تہرست ص ۲۵۹: قب الرسالة فی القضاء: علی الکسوف: مخطوط اسکور پال Escorial عدد ۱۹۱۳ ورق ۳: مخطوط AS عدد ۲۸۴۲ ورق ۲۷: تفصیل کے لیے قب Memoires sur les Carmathes: De Goeje بار دوم لاہور ۱۸۸۶ء ص ۱۱۷) یہ کتاب جس میں الکندی نے کسوفات کی بنا پر

ہے۔ اس میں جواب منکوم عربی زبان بحر طویل اور حروف ل کی روی سے آتا ہے اور جب تک جواب پورا نہیں ہوتا مطلق نہیں آتا جس کو صاحب علم کی اجازت نہیں ہوتی نہیں آتا میں نے اجازت حاصل کرنا چاہی اس میں کچھ پڑھا جاتا ہے۔ جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لاتے ہیں۔ اگر اجازت عطا ہوئی غم لگیا اور نہ نہیں میں نے تین روز پڑھا تیسرے روز خواب میں دیکھا کہ ایک وسیع میدان ہے اور اس میں ایک بڑا پختہ کنواں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور چھ صحابہ کرام بھی حاضر ہیں جن میں سے میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہچانا۔ اس کنویں میں سے خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پانی بھر رہے ہیں اس میں سے ایک بڑا تختہ نکلا کہ عرض میں ڈیڑھ گز اور طول میں دو گز ہو گا اور اس پر سبز کپڑا چڑھا ہوا تھا جس کے وسط میں سفید روشن بہت بلی گھم سے ۱۷ ڈیڑھ اسی شکل میں لکھے ہوئے تھے جس سے میں نے یہ مطلب نکلا کہ اس کا حاصل کرنا ہڈیاں فرمایا جاتا ہے۔ اس سے بقاعدہ و جنر اذن نکل سکتا تھا۔ جو کہ بطور صدر مؤخر آخر میں رکھا۔ اس کے بعد پانچ ہیں اب وہ اپنی جگہ سے ترقی کر کے دوسرے مرتبہ میں آگئی اور پانچ کا دوسرا مرتبہ پانچ وہی ہے یعنی پچاس جس کا حرف نون ہے یوں اذن سمجھاتا مگر میں نے اس طرف التفات نہ کیا اور لفظ کو غلط پر رکھ کر اس فن کو چھوڑ دیا کہ اہل کے معنی ہیں فضول ہیک۔ (مخلفات حیدر اس ۹۳ مطبوعہ حیدر اہل کتب ۱۱۱۰)

مولانا وقار الدین رضوی متوفی ۱۹۹۳ء لکھتے ہیں: علم جفر کج ہے مگر اس کے جوابات صرف علم پڑھ لینے سے نہیں نکلتے بلکہ اس کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اجازت لینی پڑتی ہے اگر اجازت مل جاتی ہے تو جوابات کج برآمد ہوتے ہیں اور اگر اجازت نہیں ملتی تو جوابات بھی کج برآمد نہیں ہوتے۔ (وقار الدین ج ۳ ص ۳۳۳ مطبوعہ مہم وقار الدین کراچی ۱۳۴۱ھ)

شیخ تقی الدین احمد بن حبیبہ احرانی المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں۔

اسی طرح حضرت جعفر کی طرف جفر منسوب کیا گیا ہے اور یہ سب جھوٹ ہے اور اس پر اہل علم کا اتفاق ہے اور امام جعفر کی طرف رسائل اخوان الصفا بھی منسوب کئے گئے ہیں اور یہ بھی جھوٹ ہے کیونکہ یہ رسائل امام جعفر کی وفات کے دو سو سال سے زیادہ بعد تصنیف کئے گئے ہیں۔ ان کی وفات ۱۲۸ھ میں ہوئی ہے اور یہ رسائل چوتھی صدی ہجری کے درمیان میں خوبو یہ کے عہد میں تصنیف کئے گئے ہیں۔ ان کو قادیانہ میں ایک جماعت نے تصنیف کیا تھا جن کا دھم تھا کہ انہوں نے شریعت اور فلسفہ میں تطبیق دی ہے سو وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے وہ اصحاب جنہوں نے ان سے علم حاصل کیا ہے جیسے امام مالک بن انس، سفیان بن عیینہ اور دیگر ائمہ اسلام وہ ان جہوں پانوں سے بری ہیں۔ اسی طرح شیخ ابو عبد الرحمن سلمی نے امام جعفر صادق سے کچھ باتیں نقل کی ہیں وہ بھی محض جھوٹ ہیں۔ اسی طرح رافضیوں نے بہت سے مذاہب باطلہ امام جعفر کی طرف منسوب کر دیئے ہیں جن کا جھوٹ ہونا بالکل بدیہی ہے۔

جس شخص نے فرض کی ابتداء کی تھی وہ منافق زندقہ تھا اس کا نام عبد اللہ بن سبا تھا اس نے اس قسم کی خرافات وضع کر کے مسلمانوں کے دین کو فساد کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ (تذکرہ ابن حبیبہ ج ۳ ص ۱۱۳-۱۱۴ مطبوعہ دار الجلیل ریاض ۱۴۱۸ھ)

نیز شیخ ابن حبیبہ لکھتے ہیں:

یہ امور یہود نصاریٰ مشرکین صابئین کے فلسفیوں اور نجومیوں میں پائے جاتے ہیں جو ایسے امور باطلہ پر مشتمل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

نیز شیخ ابن حبیبہ نے لکھا ہے کہ نجومی حوادث ارضیہ پر احوال فلکیہ سے استدلال کرتے ہیں اور یہ صفت کتاب سنت اور

اجماع امت سے حرام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے علم نجوم کا کوئی حصہ حاصل کیا اس نے جادو کے علم کا حصہ حاصل کیا (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۶۷) اور حضرت معاویہ بن اہم سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہماری قوم کاجنوں کے پاس جاتی ہے آپ نے فرمایا ان کے پاس نہ جاؤ۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۶۷۷) اور کابن کے معنی میں نجومی بھی داخل ہے۔

(تذوی ابن حبیہ ج ۲ ص ۳۵۵-۳۵۶-۱۱۲ اسلمیہ دارالکتاب للنیل ریاض المصنوع)

نجومی رمال (ہاتھ کی ٹکڑوں سے غیب جاننے کے مدعی) اور علم جفر کے مدعی یہ سب غیب جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور لوگ ان سے غیب کے حقائق سوال کرتے ہیں حالانکہ غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے یا جس کو اللہ وحی کے ذریعہ امور غیب پر مطلع فرماتا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہے جو اس کے رسول ہیں اور یا وہ اولیاء کاملین ہیں جس کو اللہ بہ ذریعہ الہام امور غیب پر مطلع فرماتا ہے اور ان کے سوا اور کسی کو غیب کا علم نہیں اور جو شخص ستاروں ہاتھ کی ٹکڑوں یا جفر یا علم جفر کے ذریعہ غیب دانی کا دعویٰ کرتا ہے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے اللہ کی کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور علماء سلف کا اجماع اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ ہم ان کی جہالت، گمراہ کن روش اور ان کے شر اور فساد سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو قرآن اور سنت کی تعلیمات پر قائم رکھے اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔ (آمین) علم جفر کی بنیاد پر اخبارات اور رسائل میں غیب کی خبروں اور پیش گوئیوں پر مصنف کا تبصرہ

ہم علم جفر کی تعریف میں یہ بیان کرتے ہیں کہ اس علم کے اسرار سے اسی شخص کو واقفیت حاصل ہوتی ہے جس کو کسی واسطہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اجازت حاصل ہو اور بعض کے نزدیک سوائے امام مہدی کے کسی اور پر یہ علم منکشف نہیں ہوگا بہر حال اگر کسی پر یہ علم منکشف ہو بھی تو اس کی حیثیت کشف اور کرامت سے زیادہ نہیں ہے اور جو شخص علم جفر کی بنیاد پر کوئی پیش گوئی کرے اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ظنی ہے اور جو ظنی الثبوت: وہ قطعی الثبوت کے معارض نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید کی نصوص صریحہ سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ عام لوگوں کو اپنے غیب پر مطلع نہیں فرماتا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ مِنْ رُسُلِهِ فَمَن يُضْلِمْ فَمَن يَضِلْ

(آل عمران: ۱۷۹)

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تم (عام مسلمانوں) کو غیب پر مطلع کرے لیکن اللہ (غیب پر) مطلع کرنے کے لیے) جن کو چاہتا ہے جنہیں لیتا ہے اور وہ اللہ کے (سب) رسول ہیں۔

عَلَيْهِ الْغَيْبُ فَلَا يُظْهِرُهُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَن آتَىٰ أَهْلَ الْغَيْبِ مِنْ رُسُلِهِ

(الجن: ۲۷-۲۸)

(اللہ) عالم الغیب ہے سو وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں فرماتا مگر ان کے جن سے وہ راضی ہے اور وہ اس کے (سب) رسول ہیں۔

ان دونوں آیتوں سے یہ واضح ہو گیا کہ عام لوگوں کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو غیب پر مطلع فرمائے یا ان پر غیب کا اظہار فرمائے اور یہ دونوں آیتیں نصوص قطعیہ سے ہیں۔ اب کوئی شخص علم جفر کے جاننے کا دعویٰ کرے غیب کی خبریں بیان کرے تو اس کا یہ دعویٰ قطعاً مردود ہوگا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ رسائل میں اور اخبارات میں ہر ہفتہ لوگوں کے غیب سے حقائق سوالات اور علم جفر کی بنیاد پر ان کے جوابات پچھتے ہیں۔ ہمارے سامنے ۱۰ فروری ۲۰۰۲ء کا روزنامہ جنگ کا سنڈے سیکڑین ہے۔ اس میں جلی عنوان ہے علم جفر اور کوئی محمد احمد شاہ تخت ابدالی صاحب ہیں جنہوں نے لوگوں کے جوابات دیئے ہیں اور یہ سوال و جواب غیب کی خبروں پر مبنی ہیں۔ ہم چند سوالات اور ان کے جوابات ذکر کر رہے ہیں ان جوابات میں وہاں تک کا بھی

ذکر ہے لیکن چونکہ مخالف کے ہم قائل ہیں اور ان کو رد کرنا ہمارا موضوع نہیں ہے اس لئے ہم نے ان کا ذکر حذف کر دیا ہے:

اسامیل لاہور

س: ہمارے گھر کے حالات گزشتہ کئی برسوں سے خراب ہیں، کاروبار نہ ہونے کے برابر ہے۔ گھر میں آپس میں اختلافات بہت ہیں۔ بیماری تو جانے کا نام ہی نہیں لیتی۔ آپ بتائیں کیا وجہ ہے؟

ج: بد عملیات کے اثرات کی وجہ سے کاموں اور کاروبار و آمدنی میں رکاوٹیں گھریں لڑائی جھگڑے اور آپس میں اختلافات اور الجھنیں اور پریشانیاں پیدا ہو رہی ہیں۔

مبین احمد سیالکوٹ

س: کاروبار قطع کے بجائے نقصان میں جا رہے ہر وقت پریشان رہتا ہوں، حالات کب تک بہتر ہوں گے؟

ج: بد عملیات کی وجہ سے کاروبار و آمدن میں رکاوٹیں نقصان گھریں الجھنیں اور پریشانیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ آپ اس کا اتار اور بندش کرائیں۔ ان شاء اللہ اس کے بعد حالات بہتر ہو جائیں گے۔

عبدالقیوم کراچی

س: میں طویل عرصے سے پریشانیوں میں مبتلا ہوں۔ یہ پریشانیاں کب ختم ہوں گی اور ان تمام پریشانیوں کی وجہ کیا ہے؟

ج: غصہ سیراگان کے اثرات کی وجہ سے کاموں اور کاروبار و آمدنی و ملازمت میں رکاوٹیں، وقتی الجھنیں اور پریشانیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ یہ غصہ ۲۰۰۲ء کے آخر میں دور ہو رہی ہے جس کے بعد ہی تمام پر دگر کاموں کی تکمیل کا سلسلہ شروع ہوگا۔

کمال احمد حیدر آباد

س: مستقل روزگار کب تک ملے گا؟ نہ ملنے کی کیا وجہ ہے؟

ج: آپ پر غصہ سیراگان کے اثرات ہیں، جس کی وجہ سے کاروبار و آمدنی و ملازمت ملنے میں رکاوٹیں ہیں، وقتی دباؤ اور حراج میں چڑچاہن ہو رہا ہے۔ یہ غصہ سیراگان ۲۰۰۲ء میں دور ہو رہی ہے اس کے بعد ہی مستقل روزگار کا امکان ہے۔

(آپ پچیس ہم بتائیں سنہ ہجری ۱۴۲۹ء روزنامہ جنگ)

کسی مخلوق سے غیب کے متعلق سوال کرنا اور کسی مخلوق کا غیب کے متعلق پوچھنے کے مسائل کا جواب دینا اسلام میں جائز نہیں ہے۔ قرآن مجید اور سنت مجید میں اس کا جواز اور گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے جو شخص مسلمان ہے اور قرآن اور سنت پر اس کا صحیح ایمان ہے اس کو یہ سلسلہ ترک کر دینا چاہیے۔ علم جفر ویسے ہی نظری اور پیچیدہ ہے اور اس کے قائلین کے نزدیک بھی اس سے ہر شخص استفادہ نہیں کر سکتا۔ اس کا ثبوت محض بعض صوفیاء کی بعض بہم اور مشکل عبارات سے ہے اور ہم قرآن سنت اور اجماع پر اعتقاد رکھنے اور ان پر عمل کرنے کے پابند ہیں اور جب قرآن اور سنت میں یہ واضح تصریح ہے کہ عام لوگوں کو غیب کا علم نہیں دیا جاتا تو ہمیں عام لوگوں سے غیب کے متعلق سوال نہیں کرنے چاہئیں اور نہ عام لوگوں کو غیب کی باتیں بتانے کی جرأت کرنی چاہیے یہ درست ہے کہ اولیاء اللہ کو الہام کے ذریعہ غیب کا علم دیا جاتا ہے لیکن اولیاء اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ اولیاء اللہ غصہ سیراگان کے اثرات کے قائل نہیں ہوتے۔ اسلام میں کوئی چیز شخص اور نامہارک نہیں ہے اور بد قالی نکالنا اسلام میں منع ہے اور جو شخص سیراگوں کی تاثیرات کا قائل ہو وہ ولی اللہ تو کیا ہوگا مسلمان بھی نہیں ہے۔

حساب و کتاب اور سائنسی آلات کے ذریعہ پیش گوئیوں کا شرعی حکم

رہا حساب کتاب کے ذریعہ اور آلات کی مدد سے پیش گوئی کرنا یہ ہمارے نزدیک جائز ہے جیسے چاند گرہن اور سورج

(۱) چاند کی عمر ۲۰ گھنٹے سے کم ہو۔

(۲) چاند کی بلندی جب ۸۰۰ ڈگری سے کم ہو۔

(۳) غروب آفتاب اور مابیناب کے درمیان وقت ۳۵ منٹ سے کم ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور شاعروں کی بیرونی گمراہیوں کرتے ہیں کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر راوی میں جھگڑتے پھرتے ہیں اور بے شک وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے (اشعار: ۳۶۶-۳۶۷)

شعر کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور شعر کی تاریخ

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

شعر کا معنی معروف اور مشہور ہے اور اس کی جمیع اشعار بے شعر اصل میں ہال کو کہتے ہیں اور ہال بہت باریک ہوتا ہے اور اشعار میں بھی بہت دقیق اور باریک مضمون ہوتا ہے اس لئے ان کو شعر اور شاعری کہتے ہیں۔ شعر کا عربی معنی ہے وہ کلام جو موزون اور منقح ہو قرآن مجید میں بعض سورتیں موزون اور منقح ہیں تَبَّتْ يَدَايِي لِهَيْبٍ وَتَبَّتْ مَنَا أَعْلَى عَفْءٍ مَالًا وَمَا كَسَبْتُ سَيِّئًا ذَاتَ لَهَيْبٍ ۚ وَامْرَأَتُهُ حَفَّالَةٌ الْحَكْبِ ۝ (دہب: ۱۱۰) اسی طرح یہ سورۃ ہے لِقَاءِ أَهْلِيكَ الْكَوْكَرُ كَهَلِيٍّ بِلَدِّكَ ۚ وَانْحَرْ ۚ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝ (الکوثر: ۱۰۸) اسی طرح اور سورتیں بھی ہیں اور بعض سورتوں کی بعض آیات کے آخری الفاظ بھی ایک وزن پر ہوتے ہیں اس وجہ سے کفار مکہ قرآن مجید کو شعر اور آپ کو شاعر کہتے تھے لیکن ظاہر ہے کہ سارا قرآن مجید کلام موزون اور کلام منقح نہیں ہے اور نہ اس سے ان کا کوئی مقصد پورا ہوتا تھا کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے اور عرب شعر کو جھوٹ سے اور شاعر کو جھوٹے سے تعبیر کرتے تھے حتیٰ کہ وہ جھوٹے کلام کو اشعار کہا کرتے تھے اور اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے شعراء کے متعلق فرمایا کہ ان کی بیرونی گمراہیوں کرتے ہیں اور کیونکہ اشعار جھوٹے کلام پر مشتمل ہوتے ہیں اس وجہ سے عرب کہتے ہیں کہ سب سے اچھا شاعر وہ ہے جو سب سے بڑا جھوٹا ہو۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۲۵ مطبوعہ مکتبہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جہانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

لغت میں شعر کا معنی علم ہے اور اصطلاح میں اس کلام کو شعر کہتے ہیں جس میں قصد کلام کے آخری الفاظ کو ایک وزن اور ایک قافیہ پر لایا گیا ہو اور اگر کسی کلام کا آخر بغیر قصد کے ایک وزن پر ہو تو اس کو شعر نہیں کہا جاتا۔ اس لحاظ سے یہ آیت شعر نہیں ہوگی۔ اَلَّذِي اَنْقَضَ ظِلُّوْنَكَ وَوَضَعْتَ اَلْكَ وَكَوْنَكَ ۝ (اشعار: ۳-۴) یہ کلام بھی منقح اور موزون ہے لیکن یہ شعر نہیں ہے کیونکہ اس آیت کے آخری الفاظ کو قصد ایک وزن پر نہیں لایا گیا اسی طرح دوسری آیات بھی جو موزون اور منقح ہیں وہ اشعار نہیں ہیں کیونکہ ان کو موزون اور منقح لانے کا مقصد نہیں کیا گیا اور منطقوں کی اصطلاح میں شعراء اس کلام کو کہتے ہیں جو خیالی باتوں سے بنایا جائے اور اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ کسی کو کسی چیز پر راغب کیا جائے یا کسی کو کسی چیز سے متنفر کیا جائے۔

(اقترب یات ص ۹۲-۹۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۸ھ)

قاضی عبدالغنی بن عبدالرسول احمد عمری لکھتے ہیں:

لغت میں شعر کا معنی جانا ہے اور اصطلاح میں اس کلام کو شعر کہتے ہیں جس میں کلمات کو ایک وزن پر لانے کا قصد کیا گیا ہو اس تعریف کے اعتبار سے قرآن مجید شعر نہیں ہے مؤرخین نے کہا ہے کہ سب سے پہلا شعر حضرت آدم علیہ السلام نے کہا تھا جب قاتل نے بائبل کو لٹک کر دیا تھا تو انہوں نے اس کے غم میں یہ اشعار کہے:

فوجہ الارض مغربہ
وقل بشاشة الوجه الملیح
علیک الیوم محزون قریح

لمیرت البلاد ومن علیہا
لمیر کل ذی طعم ولون
وہابیل مذاق السموت فانی

(تمام شہر اور ان کے رہنے والے ختم ہو گئے زمین کا چہرہ غبار آلود اور خراب ہو گیا ہر ذائقہ والی اور رنگ دار چیز ختم ہو گئی اور چہروں کی بشارت اور ملاحات کم ہو گئی۔ اے باہنسل تو نے موت کا ذائقہ چکھ لیا اور تجھ پر میری طبیعت غمزہ اور طول ہے۔)

قاسم بن سلام بغدادی نے کہا سب سے پہلا شعر حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں میں سے ہارپ بن قحطان نے کہا اور فارسی میں سب سے پہلا شعر بہرام گور نے کہا اور ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے جس نے مدح اور تعریف میں قصائد کی بنیاد رکھی وہ چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں خراسان بخارا اور ہرات کے سلطان احمد بن نوح اسلامی کا درباری تھا اس کا نام رودکی تھا۔ (دستور احصاء ج ۳ ص ۱۵۸-۱۵۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۸ھ)

نیک لوگوں کی بیرونی کرنے سے آپ کی نبوت کے برحق ہونے پر استدلال

کفار قریش قرآن مجید کو شعر و شاعری کہا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم شاعر نہیں ہیں اور قرآن مجید شعر نہیں ہے کیونکہ شعراء کی بیروی تو جاہل اور گمراہ لوگ کرتے ہیں اور ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جاہل اور گمراہ نہیں ہیں بلکہ وہ تو ہدایت یافتہ نیک بار کردار اصحاب فہم و فراست ہیں اور کفار کے شعراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی بھوکرتے تھے اور اسلام کی مذمت کرتے تھے اور جاہل عرب ان کی بیروی کرتے تھے اور ان کی کی ہوئی تھی اور مذمت کو یاد کر لیتے تھے اور اپنی مجلس میں ان اشعار کو دہراتے تھے اور ہنستے تھے۔

کفار قریش جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہتے تھے اور قرآن مجید کو شعر کہتے تھے ان کا یہ مقصد نہیں تھا کہ قرآن مجید کلام موزون اور متغنی ہے بلکہ ان کے نزدیک اشعار میں خیالی باتیں اور جھوٹی باتیں ہوتی ہیں اور ان کے نزدیک جنت اور دوزخ کے مناظر محض افسانے اور خیالی باتیں تھیں اور مرنے کے بعد اٹھنے کا قصہ بھی جھوٹ تھا قیامت حساب و کتاب اور عذاب و ثواب کی کیفیات ان کے نزدیک صرف خیالی باتیں اور جھوٹ تھیں اس وجہ سے وہ قرآن مجید کو شعر و شاعری اور جھوٹ سمجھتے تھے اور چونکہ شعر و شاعری جھوٹ اور خیالی باتیں ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور شاعروں کی بیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں کیونکہ شاعر کو اگر اپنے مدوح سے انعام و اکرام کی طبع ہو تو وہ اپنے مدوح کی مدح اور تعریف میں زمین و آسمان کے تقابے ملاتا ہے خواہ اس کا مدوح کتنا ہی برا اور بے کفایت ہو اور اگر وہ کسی شخص سے بغض رکھتا ہو تو وہ اس میں زمانے بھر کے کیزے لٹکالے گا خواہ وہ کتنا ہی نیک اور اچھا شخص ہو۔

شعراء کا ہر وادی میں بھٹکتے پھرتا

نیز فرمایا: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں یعنی وہ ہر قسم کی صنف میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ وہ اشعار میں کسی کی مدح کرتے ہیں کسی کی مذمت کرتے ہیں کسی کی بھوکرتے ہیں ان کے اشعار میں بے حیائی کی باتیں ہوتی ہیں کالی گلوچ، لعن طعن، افتراء اور بہتان، تکبر اور فخر کا اظہار، حسد و کھانا، فضیلت اور دناوت کا بیان، تذلیل توہین، اطلاق رذیلہ اور انساب میں طعن اور دوسری چیزیں ہوتی ہیں۔ بعض اشعار حکیمانہ ہوتے ہیں ان میں شجاعت اور سخاوت کی ترقیب ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت اور مصائب کرام اور اہل بیت کی منقبت بھی ہوتی ہے۔ غرض یہ کہ شعراء ہر وادی میں گھومتے کرتے ہیں ان کے کلام میں اچھی باتیں بھی ہوتی ہیں اور بری باتیں بھی ہوتی ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شعر کا ذکر کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شعر کلام ہے اس کا اچھا کلام اچھا ہے اور برا کلام برا ہے۔

(سنن ابی یوسف ج ۳ ص ۵۵ کتاب النکاح باب خبر الواحد جب اصل رقم ۳۰۴)

پھر فرمایا: اور بے شک وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے۔

یعنی وہ اپنے اشعار میں سخاوت کی ترغیب دیتے ہیں اور بخل کی مذمت کرتے ہیں حالانکہ وہ خود سخاوت نہیں کرتے اور بہت سنجی کرتے ہیں وہ پاکیزگی اور پاکیزگی کی تعریف اور حسین کرتے ہیں اور خود بے حیائی کے کام کرتے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں نعت خوان زیادہ تر ایسے ہی ہیں اور نعت گو شعراء کا بھی یہی حال ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق و محبت میں نشیت کہتے ہیں اور دروہیاں منڈا لے جاتے ہیں اور فرض نمازیں نہیں پڑھتے۔ ڈاکٹر اقبال نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق و محبت میں بہت نکھیں کھیں لیکن وہ برطانیہ فرانس، برٹس اور ارمین کے لیکن حرمین شریفین نہیں گئے!

اشعار کی مذمت میں احادیث اور ان کا محمل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کسی شخص کا پیٹ چپ سے بھر جائے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ اشعار سے بھر جائے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۵۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۲۵۵ سنن ابی یوسف رقم الحدیث: ۶۸۵۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۵۹ مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۵ سنن کبریٰ متکلی ج ۱ ص ۲۲۳ شرح ملت رقم الحدیث: ۳۳۰۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شعر سنے جاتے تھے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا اشعار آپ کے نزدیک مہووش ترین تھے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۳ حافظ البیہقی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۳۲۹۷)

حضرت شہداء ابن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے عشاء کے بعد شعر پڑھا اس کی اس رات کی نماز قبول نہیں ہوگی۔

(مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۶۰۷۰ سنن ابی یوسف رقم الحدیث: ۶۲۵۵ سنن ابی یوسف رقم الحدیث: ۶۲۵۵ سنن ابی یوسف رقم الحدیث: ۶۲۵۵)

کوشہ کہا ہے اور دوسروں نے اس کو ضعیف کہا ہے اور باقی راوی شک ہیں۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۳۲۹۷)

یہ احادیث ان شاعروں پر محمول ہیں جو پیشہ و شاعر ہوں جن کو اگر مال اور پیسہ نہ ہو تو وہ لوگوں کی تعریف اور حسین میں اشعار کہیں اور اگر ان کو مال اور پیسہ نہ ہو تو وہ لوگوں کی بھجواؤ مذمت کریں یا وہ اشعار رندانہ ہوں ان میں اللہ تعالیٰ کا کفر ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید آپ کے اصحاب اور آپ کے اہل بیت کے خلاف مضامین ہوں یا وہ اشعار بے حیائی کے مضامین پر مشتمل ہوں ان میں خوبصورت عورتوں کے ریش لاکوں شراب اور فحش کاموں کی ترغیب ہو اور وہ اسلام کی تعلیم کے خلاف ہوں ان احادیث میں ایسے ہی اشعار کی مذمت فرمائی ہے اور اس آیت میں جو فرمایا ہے اور شاعروں کی بیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ اس آیت میں بھی شعراء سے ایسے ہی شعراء مروا ہیں۔ رہے وہ شعراء جو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کہتے ہیں آپ کے اصحاب اور اہل بیت کی منقبت کہتے ہیں اور اسلام اور قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق اشعار کہتے ہیں تو وہ اس آیت اور ان احادیث کا مصداق نہیں ہیں ان کا استثناء اس کے بعد دلی آیت میں آ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور انہوں نے اللہ کو بہت زیادہ

عبداللہ بن رواد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کے یہ اشعار پڑھتے ہوئے چاہے تھے۔

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ

الیوم نصر بکم علی قلیلہ

حضر ما یزیل الہام عن مقبلہ

ویزہل الخلیل عن خلیلہ

(کفار کے بیٹوں کو آپ کے راستے سے ہٹاؤ قرآن مجید کے حکم کے مطابق آج ہم کفار پر اس طرح وار کریں گے کہ ان کے سرتن سے الگ ہو جائیں گے اور ان کا دوست اپنے دوست کو بھول جائے گا۔)

حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے عمر! اس کو چھوڑو! یہ شعر ان کے دلوں میں تیر سے زیادہ اثر کرتے ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۴۷، تلمیذ ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵۰، معجم ابن حبان رقم الحدیث: ۸۸۸۸، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۳۳۰، شرح ابن رقم الحدیث: ۳۲۹۷، سنن کبریٰ المصنوعی ج ۱ ص ۲۸، حدیث ۱۱۱۱۱، ابی داؤد ج ۶ ص ۲۹۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش کی جھوکرؤ کیونکہ ان پر اپنی جھوکیوں کی بوجھاڑ سے زیادہ شاق گذرتی ہے پھر آپ نے حضرت ابن رواد کی طرف پیغام بھیجا کہ کفار قریش کی جھوکرؤ انہوں نے کفار قریش کی جھوکی دہ آپ کو پسند نہیں آئی پھر آپ نے حضرت کعب بن مالک کی طرف پیغام بھیجا پھر حسان بن ثابت کی طرف پیغام بھیجا جب حضرت حسان آپ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا اب وقت آ گیا ہے آپ نے اس شیر کی طرف پیغام بھیجا ہے جو اپنی دم سے مارتا ہے پھر اپنی زبان نکال کر اس کو بلانے لگے پھر کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو قحط دے کر بھیجا ہے میں ان کو اپنی زبان سے اس طرح چیز چھاڑ کر رکھ دوں گا جس طرح چڑے کو پھانستے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جلدی نہ کرو کیونکہ ابوبکر قریش کے نسب کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں اور ان میں میرا نسب بھی ہے تاکہ ابوبکر میرا نسب ان سے الگ کر دیں حضرت حسان حضرت ابوبکر کے پاس گئے پھر لوٹ آئے اور کہا یا رسول اللہ! آپ کا نسب الگ کر دیا گیا ہے اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو قحط دے کر بھیجا ہے میں آپ کو ان سے اس طرح نکال لوں گا جس طرح گندھے ہوئے آٹے سے ہال نکال لیا جاتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تک تم اللہ اور رسول کی طرف سے جواب دیتے رہتے ہو روح القدس تمہاری تائید کرتا رہتا ہے نیز حضرت عائشہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے حسان نے کفار قریش کی جھوکر کے مسلمانوں کی شقاوت دی (یعنی ان کا دل ٹھنڈا کر دیا) اور کفار کے دلوں کو تیار کر دیا حضرت حسان کے وہ اشعار ہیں:

(۱) ہجوت محمداً فاجبت عنہ

تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جھوکی تو میں نے حضور کی طرف سے جواب دیا اور اس کی اصل جزا اللہ ہی کے پاس ہے۔

وعند اللہ فی ذاک الجزاء

تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جھوکی جو نیک ہیں اور اولیاء

(۲) ہجوت محمداً برا حنیفا

باطلہ سے اعراض کرنے والے ہیں وہ اللہ کے رسول ہیں اور ان کی خلعت وفا کرتا ہے۔

رسول اللہ شیمتہ الوفاء

بلاشبہ میرے ماں باپ اور میری عزت تم سے محمد صلی اللہ

(۳) فان ابی و والدتی وعرضی

علیہ وسلم کی عزت بچانے کے لیے قربان ہے۔

لعرض محمد منکم وفاء

میں خود پر گریہ کروں (یعنی مر جاؤں) اگر تم گھوڑوں کو

(۴) شکلت بنیتی ان لم تر وھا

نهر النقع من کنفی کداء'

(۵) یسارین الاعنة مصعدات

علی اکفائها الاصل الظماء

(۶) تظل جیادنا متمطرات

تلطمهن بالخمر النساء

(۷) فسان اعرضتموا عنا اعترضنا

وکان الفتح والکشف الغطاء

(۸) والا فاصبرو والضراب يوم

یمز الله فيه من یشاء

(۹) وقال الله قد ارسلت عبدا

بقول الحق لیس به خفاء

(۱۰) وقال الله قد یسرت جندا

هم الانتصار عرضتها اللقاء

(۱۱) بلاقسی کل يوم من معد

سباب او قتال او هجاء

(۱۲) فمن یمجر رسول الله منکم

ویمدحه وینصره سوءاء

(۱۳) وجبریل رسول الله فینا

وروح القدس لیس له کفاء

کدام کی طرف گرداڑا تے نہ دیکھو۔

وہ گھوڑے جو تہاری طرف دوڑتے ہیں ان کے کندھوں پر

پیاسے نیرے ہیں۔

ہمارے گھوڑے دوڑتے ہوئے آئیں گے اور ان کی

تھوکتیوں کو جوڑیں وہ پتوں سے صاف کریں گی۔

اگر تم ہم سے روگردانی کرو تو ہم عمرہ کر لیں گے، وہ انہ

جائے گا اور فتح حاصل ہو جائے گی۔

ورنہ اس دن کا انتظار کرو جس دن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا

عزت دے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے ایک بندہ کو رسول بنایا ہے جو حق

کہتا ہے اور اس میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے ایک لشکر بنایا ہے جو انصار ہیں

اور ان کا مقصد صرف دشمن کا مقابلہ کرنا ہے۔

وہ لشکر ہر روز دمّت جنگ یا ٹھکر کرنے کے لیے تیار ہے۔

یہ تم میں سے جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھ

کرتے، تعریف کرنے یا آپ کی مدد کرنے سب برابر ہے۔

ہم میں اللہ کے رسول جبریل موجود ہیں وہ روح القدس ہیں

جن کا کوئی کفو نہیں ہے۔

(مکج مسلم رقم الحدیث: ۳۳۹۰، ذوالحجہ ۵۵: ۵۱-۵۰، مسالم اشتریل ج ۳ ص ۲۸۸-۲۸۷، الجامع ۱۱، کلام القرآن ج ۳ ص ۱۳۲)

اشعار کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے سچی بات جو کسی شاعر نے

کہی ہے وہ لہید کی بات کی ہے:

الا کل شیء ما خلا الله باطل

سنو اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔

(مکج بخاری رقم الحدیث: ۳۰۷۷، مکج مسلم رقم الحدیث: ۳۲۵۶)

حضرت عمرو بن الشریحہ رضی اللہ عنہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں میں ایک دن ایک سواری پر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا: کیا تمہیں امیہ بن الصلت کا کوئی شعر یاد ہے؟ میں نے کہا جی ہاں آپ

نے فرمایا: میں نے ایک شعر سنا یا آپ نے فرمایا اور سنا؟ حتیٰ کہ میں نے آپ کو ایک سو اشعار سنائے۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم ہر شعر کے بعد فرماتے تھے اور سنا۔

(مکج مسلم رقم الحدیث: ۳۲۵۵، مشکاوت رقم الحدیث: ۳۳۹۰، ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۴۷، مسند النبی ص ۸۰۹، مصنف ابن ابی

شیر: ۸ ص ۶۹۱ مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۹-۳۸۸ بحکم الکبیر رقم اللہ ہے ۲۳۷ سنن کبریٰ المصنوع ج ۱ ص ۲۶۶ شرح السنہ رقم اللہ ہے ۲۳۰
ابن جبر رقم اللہ ہے (۳۷۵۸)

حضرت جناب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بعض غزوات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی دینی ہوگئی تو آپ نے فرمایا
هل انت الا اصبع ديمت وفي ميل الله ما لقيت
تو صرف ایک انگلی ہے جو زخمی ہوئی ہے۔ اور تو نے اللہ کی راہ میں تکلیف اٹھائی ہے۔

(صحیح البخاری رقم اللہ ہے ۲۸۰۲ صحیح مسلم رقم اللہ ہے ۹۲۷۷ مسند احمد رقم اللہ ہے ۳۷۸۸)
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے
فرماتے ہوئے سنا ہے جب تک تم اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مدافعت کرتے رہتے ہو جبریل تمہاری تائید کرتے
رہتے ہیں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حسان نے ان کی جھوکی تو خود بھی شفاء پائی اور
مسندوں کو بھی شفاء دی۔ (صحیح مسلم رقم اللہ ہے ۲۹۹۰ مسند احمد رقم اللہ ہے ۳۷۹۱)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ خندق کے دن مٹی پلٹ رہے
تھے آپ کا قہقہہ مبارک ٹھہرا تو دہرور ہاتھ اٹھا اور آپ فرما رہے تھے:

والله لو لا الله ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا

اللہ کی قسم اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم ہدایت نہ پاتے نہ ہم صدق دیتے نہ نماز پڑھتے

فالرسل سكية علينا واليت الاقدام ان لا قينا

سو ہم پر رسولوں کا بوجھ ہے اور اگر ہمارا دشمنوں سے مقابلہ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ

ان الاولی قد بغوا علينا اذا ارادوا اقتنة ايينا

بے شک پہلے لوگوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی جب وہ فتنہ ڈالنے کا ارادہ کریں گے تو ہم انکار کریں گے

آپ کو یاد رہے ایسا ایسا فرماتے اور آواز بلند فرماتے۔ (صحیح البخاری رقم اللہ ہے ۳۱۰۳ صحیح مسلم رقم اللہ ہے ۱۸۰۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب جرین اور انصار خندق کھودتے وقت مٹی ڈال رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

لحسن الدين يايعوا محمدا على السجود ما بقينا اهدا

ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد کے ہاتھ پر جب تک زندہ رہیں جہاد کی ہیئت کی ہے

(صحیح البخاری رقم اللہ ہے ۲۸۳۵ صحیح مسلم رقم اللہ ہے ۱۸۰۵)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض اشعار حکمت آمیز ہوئے
ہیں۔ (صحیح البخاری رقم اللہ ہے ۶۱۳۵)

حافظہ ابن عبد البر رحمہ اللہ اور حافظہ ابن حجر عسقلانی وغیرہم نے بیان کیا ہے کہ حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ
نے کہا کہ زمانہ جاہلیت میں ان کے چوس چنات آتے تھے اور پاتھیں بتاتے تھے اور ان کو ان کے جن نے تین راہیں مسلسل نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کی ہشت کی خبر دی پھر حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار سنائے جن
میں سے بعض یہ ہیں:

وہاں سے ہوں جس کو خدا
 نے اپنا دوست بنایا
 کہ وہ اس کو سرور دے
 اور اس کو اپنے دوست
 سے کہ جس کو خدا

نے اپنا دوست بنایا
 وہاں سے ہوں جس کو خدا
 نے اپنا دوست بنایا
 کہ وہ اس کو سرور دے
 اور اس کو اپنے دوست

سے کہ جس کو خدا
 نے اپنا دوست بنایا
 وہاں سے ہوں جس کو خدا
 نے اپنا دوست بنایا
 کہ وہ اس کو سرور دے
 اور اس کو اپنے دوست
 سے کہ جس کو خدا

نے اپنا دوست بنایا
 وہاں سے ہوں جس کو خدا
 نے اپنا دوست بنایا
 کہ وہ اس کو سرور دے
 اور اس کو اپنے دوست
 سے کہ جس کو خدا

نے اپنا دوست بنایا

وہاں سے ہوں جس کو خدا
 نے اپنا دوست بنایا
 کہ وہ اس کو سرور دے
 اور اس کو اپنے دوست
 سے کہ جس کو خدا
 نے اپنا دوست بنایا
 وہاں سے ہوں جس کو خدا
 نے اپنا دوست بنایا
 کہ وہ اس کو سرور دے
 اور اس کو اپنے دوست

نے اپنا دوست بنایا

وہاں سے ہوں جس کو خدا
 نے اپنا دوست بنایا
 کہ وہ اس کو سرور دے
 اور اس کو اپنے دوست
 سے کہ جس کو خدا
 نے اپنا دوست بنایا
 وہاں سے ہوں جس کو خدا
 نے اپنا دوست بنایا
 کہ وہ اس کو سرور دے
 اور اس کو اپنے دوست

سُورَةُ التَّائِيلِ

(۲۷)

بسم الله الرحمن الرحيم
نحمده ونصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ النمل

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام سورۃ النمل ہے کیونکہ اس سورت کی درج ذیل آیت میں انمل کا ذکر ہے:

حَتَّىٰ إِذَا أَتَوْا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا
النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسْكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَ
هُمْ لَا يَشْعُرُونَ (انمل: ۱۸)

علامہ ابن عطیہ علامہ قرطبی اور علامہ سیوطی وغیرہم نے کہا ہے کہ یہ سورت مکی ہے نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر
اڑتالیس (۳۸) ہے۔ یہ سورۃ اشعراء کے بعد اور سورۃ القصص سے پہلے نازل ہوئی ہے اہل مدینہ اور اہل مکہ کے نزدیک اس کی
پچانوے (۹۵) آیتیں ہیں اور اہل شام بصرہ اور کوفہ کے نزدیک اس کی چورانوے (۹۴) آیات ہیں ہمارے مصاحف میں
اس کی تیرانوے (۹۳) آیات لکھی ہوئی ہیں۔ آیات کا یہ اختلاف ان کے شمار کے اعتبار سے ہے۔

سورۃ انمل اور سورۃ اشعراء کی باہمی مناسبت

اس سورت کی اس سے پہلے والی سورۃ اشعراء سے حسب ذیل وجوہ سے مناسبت ہے۔

- (۱) اس سے پہلے والی سورۃ میں بھی انبیاء علیہم السلام کے قصص بیان کئے گئے تھے لیکن اس میں حضرت داؤد اور حضرت
سلیمان علیہما السلام کا قصہ نہیں تھا اس میں ان کا قصہ بھی ہے سو یہ سورۃ سابقہ سورۃ کا تہ ہے۔
- (۲) سابقہ سورۃ میں جن انبیاء علیہم السلام کے قصص اجمالی طور پر بیان کئے گئے تھے اس سورۃ میں ان کے قصص تفصیل سے
بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سات سے چودہ نمبر آیت تک ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ
پینچالیس سے تریچین نمبر آیت تک ہے اور حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ چون سے اٹھاون نمبر آیت تک ہے۔
- (۳) سورۃ اشعراء کی ابتدا میں بھی قرآن مجید کا وصف بیان فرمایا تھا تفسیر البت الکتاب العبین اور اس سورۃ کی ابتدا
میں بھی قرآن کریم کا وصف بیان فرمایا ہے: وَتِلْكَ آيَاتُ الْفُرْقَانِ وَالْكِتَابِ الْمُنِينِ
- (۴) ان دونوں سورتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی دی گئی ہے کہ آپ کفار کی ایذا دہانہوں سے گھبراہٹیں نہیں لارہے پریشان ہوں۔

سورت انمل کے مضامین اور مقاصد

- (۱) اس سورۃ کی ابتدا سورۃ البقرہ کی طرح ہے اس میں فرمایا ہے کہ قرآن مجید ہدایت کی کتاب ہے اور یہ مومنین کے لیے

رست ہے جو نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کو آخرت میں دردناک عذاب ہوگا۔

(۲) حضرت موسیٰ کی سرگزشت کا ابتدائی حصہ بیان فرمایا ہے کہ ان کو نو واضح معجزات کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا لیکن وہ ان پر ایمان نہیں لایا۔

(۳) حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے واقعات بیان فرمائے ہیں ان کو نعمتیں عطا فرمائیں اور ان کے لشکر گزار ہونے کا امتحان لیا۔

(۴) حضرت صالح علیہ السلام کے قصہ میں بتایا کہ جن لوگوں نے ان کی نافرمانی کی وہ پلّا خر عذاب کا شکار ہوئے اور انہوں نے جو اپنے لئے بلند مضبوط اور مستحکم مکان بنائے تھے ان کے کنڈرات آج بھی جوگ کی راہ گزاروں میں موجود ہیں۔

(۵) قوم لوط کے واقعات کی طرف اشارہ ہے حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی بد اخلاقیوں اور بد فعلیوں کی اصلاح کی بہت کوشش کی لیکن انہوں نے کوئی اثر قبول نہیں کیا اور ان پر بھی عبرتناک عذاب آگیا۔

(۶) اللہ تعالیٰ کا جو دستور اس کی توحید پر دلائل بیان فرمائے کہ اس نے آسمانوں اور زمینوں اور بحر و بر کو پیدا کیا اور انسان کو یہ اہتمام کیا کہ وہ زمین کے خزانوں سے فائدہ اٹھائے اور اس کو جنگلوں اور سمندروں کے راستوں میں ہدایت دی اور اس کو بہت کثیر روزی دی اور بتایا کہ قیامت اچانک آنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت اور دن اور رات کے بار بار آنے سے بھی اپنی توحید پر استدلال فرمایا۔

(۷) سورۃ کے اخیر میں قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر فرمایا اور بتایا کہ قرب قیامت میں زمین سے ایک جانور نکلے گا (دآبۃ الارض) اور جب صور پھونک دیا جائے گا تو چند نفوس کے سوا تمام آسمانوں اور زمینوں والے گھبرا جائیں گے اور پہاڑ بادلوں کی طرف اڑ رہے ہوں گے نیز سورۃ کے اخیر میں یہ بتایا ہے کہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں بعض نیکوکار ہیں اور بعض بدکار ہیں اور ہر شخص کو اپنے اعمال کے اعتبار سے اچھی یا بری جزا ملے گی اور شرکین پر لازم ہے کہ وہ صرف اللہ عزوجل کی عبادت کریں اور بتوں کی عبادت کو ترک کر دیں اور قرآن مجید نے جس دستور حیات کی ہدایت دی ہے اس پر عمل کریں اور جس نے ان احکام پر عمل کیا اس کا اپنا فائدہ ہے اور جس نے گمراہی کو اختیار کیا تو اس میں صرف اس کا اپنا نقصان ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں جو امور بیان کئے گئے ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کی تصدیق کرے اور اپنی زندگی گزارنے کے لیے قرآن کریم کو چراغ ہدایت مان لے۔

سورۃ النمل کے اس تعارف اور اس تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل اور اعتماد کرتے ہوئے اس سورۃ کے ترجمہ اور اس کی تفسیر کو اس دعا کے ساتھ شروع کرتا ہوں کہ اے اللہ! مجھ پر حقانیت واضح فرماتا اور مجھے ان کی اتباع نصیب فرماتا اور مجھ پر امور باطلہ کے بطلان کو کشف فرماتا اور مجھے ان سے مجتنب اور دور رکھنا۔ (آمین)

تاکارہ خلافت

غلام رسول سعیدی غفرلہ

خادم اللہ بیت دارالعلوم نعیمیہ کراچی

۱۳ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ / ۲۸ فروری ۲۰۰۲ء

موبائل نمبر: ۳۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ ۚ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ ۚ

سورہ اہل کی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) کہ نہایت بڑا مہربان ہے اس کی توفیق سے آیات اور سورتیں ہیں

طَسَ تِلْكَ آيَةُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُبِينٍ ۝ هُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ۝

طاسمین یہ قرآن اور روشن کتاب کی آیتیں ہیں ۝ یہ ان ایمان والوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہے ۝

الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ

جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت کے

هُمْ يُوقِنُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ نَمِيتًا لَهُمْ

یقین رکھتے ہیں ۝ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے کاموں کو ان کے لیے خوش نما بنا

أَعْمَالَهُمْ فَمَنْ يَعْمَهُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ

دیا ہے پس وہ بھٹکتے پھر رہے ہیں ۝ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے برا عذاب ہے

وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْآخَسِرُونَ ۝ وَإِنَّكَ لَتَلْقَى الْقُرْآنَ مِنْ

اور وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں ۝ اور بے شک آپ کو بے انتہا حکمت اور علم والے کی طرف

لَدُنْ حَكِيمٍ عَلَيْهِ ۝ إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا ۝

سے قرآن سکھایا جا رہا ہے ۝ جب موسیٰ نے اپنی اہلیہ سے کہا بے شک میں نے آگ دیکھی ہے

سَاتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ بَشِيرٍ قَبْسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ۝

میں تمہارے پاس ابھی کوئی خبر لاتا ہوں یا کوئی سکتا ہوا انکارہ تاکہ تم حرارت حاصل کرو ۝

فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنْ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۝

پھر جب وہ اس جگہ پہنچے تو ان کی عدا کی گئی کہ جو آگ (کی جلی) میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے وہ برکت والا ہے

وَسُبْحَنَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ يَمُوسَىٰ إِنَّهُ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ

اور اللہ سبحان ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے ۝ اے موسیٰ! سنو بات یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں بہت غالب

الْحَكِيمُ ۝۱۰ وَالَّذِي عَصَاكَ فَلَئِمَّا رَاهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْمِرًا

بڑی حکمت والا اور اپنا عصا ڈال دیتے پھر جب انہوں نے اس کو اس طرح لہرا ہوا دیکھا کہ وہ ساپ جلتا ہوا پیٹھ پر کھل

وَلَمْ يُعَقِّبْ يَمُوسَى لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ ۝۱۱

دینے اور پیچھے نہ مڑ کر نہ دیکھا (تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اے موسیٰ! ڈر ہے مت بے شک میری بارگاہ میں رسول ڈرا نہیں کرتے

إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي عَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۱۲

سوا اس کے جس نے ظلم کیا پھر اس نے برائی کے بعد کوئی نیکی کی تو بے شک میں بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہوں

وَأَدْخُلْ يَدَاكَ فِي جَيْبِكَ تَخَرُّجَ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ إِنِّي

اور آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں تو وہ بنیر کسی عیب کے چمکا ہوا نکلے گا آپ کو

تَسْعِ آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ۝۱۳

نشانیاں لے کر فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ گے بے شک وہ نافرمانوں کا گروہ ہے

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَذَا إِسْحَارٌ نَبِيِّنَا ۝۱۴ وَلَوْحَدُوا

سو جب ان کے پاس ہماری بصیرت افروز نشانیاں آئیں تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا ہوا جادو ہے انہوں نے علم اور

بہاؤ استیقتنہا انفسهم ظلمات وعلوا فانظركيف كان عاقبة

نگہ کی وجہ سے ان نشانوں کا انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل ان (نشانوں کی صداقت) کا اعتراف کر چکے تھے پس دیکھئے ان

الْمُقْسِدِينَ ۝۱۵

فاسد پروردگاروں کا کیسا انجام ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم کے معانی

اللہ کے نام سے شروع اس کا نام عزیز ہے گنہگار اپنی سزا میں تخفیف کے لیے اس کے نام کا قصد کرتا ہے تو اس کا گناہ معاف کر دیا جاتا ہے اس کا نام کریم ہے عبادت گزار اپنی عبادت کے اجر میں اضافہ کے لیے اس کا قصد کرتا ہے تو اس کے اجر میں اضافہ کر دیا جاتا ہے اس کا نام عظیم ہے ولی عزت و کرامت کی طلب کے لیے اس کا قصد کرتا ہے تو اس کا قصد پورا ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: طاسین یہ قرآن اور روشن کتاب کی آیتیں ہیں ۝ (نمل: ۱)

طاسمین کے اسرار

مفسرین نے کہا ہے کہ طاسمین کی ط سے یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کے دل طیب ہیں اور سین سے اس سر (راز) کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس سے محبت کرنے والوں کے دلوں میں ہے۔ نیز اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ وہ اپنے طالبین کی طبیب کی قسم کھاتا ہے کہ ان کے دل اس کے ماسوا کی طلب سے سلامت ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ طاس سے اس کے قدس کی طہارت کی طرف اشارہ ہے اور سین سے اس کی سناء (روشنی یا ہندی) کی طرف اشارہ ہے۔ گویا کہ وہ اپنے قدس کی طہارت اور اپنی عزت کی بلندی کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ میں اپنے لطف کے کسی امیدوار کی امید کو ضائع اور نامراد نہیں کروں گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ طاس سے اس کے فضل اور سین سے اس کی سناء (ہندی) کی طرف اشارہ ہے۔

امام قشیری متوفی ۳۶۵ھ نے لکھا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ میری پاکیزگی کی وجہ سے میرے اولیاء کے قلوب طیب ہو گئے اور میرے جمال کے مشاہدہ کی وجہ سے میرے اصفیاء کے اسرار چھپ گئے میرا ارادہ کرنے والوں کی طلب میرے لطف کے مقابل ہے اور نیک اعمال کرنے والوں کے اعمال میری رحمت کے مشکور ہیں۔

(لٹاکلف الاشارات ج ۳ ص ۲۰۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

اس سورۃ کو قرآن اور کتاب مبین فرمانے کی وجہ

تھلک کے لفظ سے اس سورۃ کی آیات کی طرف اشارہ ہے اور کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے جس میں تمام ماسکائن و مایکون کا بیان ہے اور خدا تعالیٰ کو پڑھ کر مستقبل میں ہونے والے امور کا بیان کرتے ہیں۔

اس کی دوسری تعبیر یہ ہے کہ تھلک کے لفظ سے اس عظیم الشان سورۃ کی طرف اشارہ ہے اور آیات قرآن سے مراد تمام قرآن کی آیات ہیں یا اس سورۃ کی آیات ہیں اس قرآن کو کتاب مبین فرمایا ہے مبین کا معنی ہے مظہر یعنی یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور اس کے احکام کو آخرت کے احوال کو جن میں نیکیوں کا ثواب اور بدوں کا عذاب ہے اور سبقتہ انبیاء اور گزشتہ امتوں کے واقعات کو ظاہر کرنے والی ہے۔

اس سورۃ کو قرآن بھی فرمایا اور کتاب بھی قرآن کا لفظ قرأت سے بنا ہے جس کا معنی پڑھنا ہے اور کتاب کا لفظ کتب سے بنا ہے جس کا معنی لکھنا ہے اس کو قرآن اس لئے فرمایا کہ اس کو سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے اور کتاب اس لئے فرمایا کہ اس کو سب سے زیادہ لکھا جاتا ہے اور قرآن کے لفظ کو کتاب کے لفظ پر اس لئے مقدم فرمایا کہ پہلے اس کو پڑھا جاتا تھا پھر اس کو لکھا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ ان ایمان والوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں (انجیل ۲۴: ۳-۵)

ہدایت اور بشارت کو مومنوں کے ساتھ مخصوص کرنے کی توجیہات

اس کتاب کی صفت میں بیان فرمایا کہ یہ ہدایت اور خوشخبری ہے ظاہریوں پر فرماتا چاہیے تھا کہ یہ ہدایت دینے والی اور خوشخبری دینے والی ہے لیکن اس جہاد میں مبالغہ ہے، ہم کسی عالم کی تعریف میں مبالغہ کرتے ہوئے نہیں کہ وہ شخص تو خود ہم سے یا کسی کی سخاوت کی تعریف کرتے ہوئے نہیں کہ وہ شخص تو سراپا سخاوت ہے اس طرز پر فرمایا یہ کتاب مومنوں کے لیے سراسر ہدایت اور بشارت ہے۔

اس آیت میں ہدایت کو مومنوں کے ساتھ مخصوص کر دیا حالانکہ یہ کتاب تو تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے اس کا حجاب ہے کہ اس آیت میں ہدایت کے ساتھ بشارت کا بھی ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کتاب بشارت تو صرف مومنوں کے لیے ہے کیونکہ کافروں کے کام تو بہر حال قاتل بشارت نہیں ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس کتاب کی آیتوں سے فائدہ تو صرف مومنوں نے اٹھایا ہے۔ اس لیے آل کار یہ کتاب صرف مومنوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے جیسے قرآن مجید میں ہے:

إِنَّمَا آتَيْنَا مَنَظِّرَاتٍ لِّتَعْظُمَ بِهَا (قرآن مجید: ۳۵)

آپ تو صرف ان کو ڈرانے والے ہیں جو قیامت سے ڈرتے ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ہدایت کو مومنوں کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے مراد ہے ہدایت میں زیادتی یعنی زیادہ ہدایت مومنوں کے ساتھ خاص ہے۔ جس طرح قرآن مجید میں ہے:

وَيُؤْتِيهِمُ اللَّهُ الْإِيمَانَ لِيَتَمَيَّزُوا بِهِ (قرآن مجید: ۱۷۷)

اور ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت کو اللہ تعالیٰ زیادہ کر دیتا ہے۔ (مریم: ۷۶)

اور اس کا چوتھا جواب یہ ہے کہ اس ہدایت سے مراد دنیا کی ہدایت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد آخرت میں مومنوں کو جنت کا راستہ دکھانا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ہدایت مومنوں کے ساتھ ہی خاص ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِنَّا وَفَضْلٍ وَيُؤْتِيهِمْ أَجْرَهُمُ بِحَسَنَاتِهِمْ (قرآن مجید: ۱۷۷)

وہ وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اس (کے) دامنِ رحمت) کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو وہ ان کو عظیم اپنی رحمت میں اور اپنے فضل میں داخل فرمائے گا اور ان کو اپنی طرف مصلحت مستقیم کی ہدایت دے گا۔ (انعام: ۱۷۵)

اس کا پانچواں جواب یہ ہے کہ اس ہدایت سے مراد ہے کامل ہدایت کہ انسانی حیات کے ہر شعبہ میں اور زندگی میں خوش آنے والے ہر ہر رموز اور ہر ہر مرحلہ پر انسان کو ہدایت مل جائے اور ہر ہر قدم پر انسان کو صحیح اور غلط کا ادراک حاصل ہو جائے اور کسی بھی معاملہ میں وہ اللہ کی طرف سے ہدایت سے محروم نہ ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے جو خبریں لائے ان کی تصدیق کرے اور جو احکام لائے ان کو مانے اور تصدیق کرے اور پانچویں وقت کی نماز پڑھ کر اور جب مالکِ حساب ہو تو زکوٰۃ ادا کر کے ایمان کے تقاضے کو پورا کرے اور خصوصیت کے ساتھ آخرت پر یقین رکھنے۔

اس سوال کا جواب کہ ایمان والوں کے ذکر کے بعد آخرت پر یقین رکھنے والوں کا ذکر کیوں فرمایا اگر یہ سوال کیا جائے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے گا پانچویں وقت کی نماز پڑھے گا اور زکوٰۃ ادا کرے گا وہ لامحالہ آخرت پر بھی یقین رکھتا ہو گا پھر ایمان نماز اور زکوٰۃ کے بعد آخرت پر یقین رکھنے کا کیوں ذکر فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کے شرف کے تین مراتب ہیں پہلا مرتبہ یہ ہے کہ اس کو مبدع فیاض کا علم ہو اور اس پر ایمان ہو اور آخری مرتبہ یہ ہے کہ اس کو معاد اور آخرت کا علم ہو اور اس پر ایمان ہو اور متوسط مرتبہ یہ ہے کہ وہ ان دونوں مرتبوں کے ثبوت اور تصدیق کے لیے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر عمل کرے اور ان احکام میں اہم حکم یہ ہے کہ وہ اپنی جان اور مال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف کرے نماز پڑھے اور زکوٰۃ ادا کرے اور جو ان احکام پر پابندی سے عمل کرے گا وہ باقی احکام پر بھی پابندی سے عمل کرے گا۔ اس لیے اس آیت میں پہلے انسان کے شرف اور کمال کے پہلے مرتبہ کا ذکر فرمایا اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر

ہاں لانا ہے پھر متوسط مرتبہ کا ذکر کیا اور وہ نماز پڑھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا ہے اور اس کے بعد آخری مرتبہ کا ذکر کیا اور وہ آخرت یقین رکھنا ہے۔

اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ قییم کے بعد تحصیل ہے جیسے فنون المعاملۃ والروح (۴) اللہ (۳) میں عام فرشتوں کے ذکر کے بعد خصوصیت کی بنا پر حضرت جبریل کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح مومنین کا لفظ عام ہے یعنی جو لوگ اللہ کی ذات صفات اس کی کتابوں اس کے رسولوں اس کی تفسیر اور عقیدہ آخرت پر ایمان رکھتے ہوں پھر عقیدہ آخرت کی خصوصیت کی وجہ سے اس کا الگ بھی ذکر فرمایا کہ وہ مسلمان آخرت پر یقین رکھتے ہوں۔

اور اس سوال کا تیسرا جواب یہ ہے کہ آخرت اور مشر و شر کے حلق لوگ دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں جن کو آخرت پر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر حساب و کتاب اور جزا اور سزا پر یقین ہے اور وہ عذاب کے خوف ثواب کے شوق اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نماز پڑھتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور باقی احکام پر عمل کرتے ہیں اور دوسرے وہ لوگ ہیں جن کا آخرت پر پورا یقین نہیں ہے اور برے کاموں سے بچتے اور نیک کاموں کے کرنے کے لیے ان کے اندر سے کوئی تحریک نہیں اٹھتی۔ وہ لوگوں کی دیکھا دیکھی کی طور پر نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں یقین کی کیفیت نہیں ہوتی اور دراصل یہ لوگ قرآن مجید کی ہدایت پر عمل کرنے والے نہیں ہیں اور نہ ہی قرآن مجید کی بشارت کا مصداق ہیں۔

اس سوال کا چوتھا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حصر کے ساتھ فرمایا ہے کہ جو مومنین نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ آخرت پر حق یقین اور کامل ایمان ان ہی مومنوں کا ہے جو ایمان اور اعمال صالحہ کو جمع کرنے والے ہیں کیونکہ آخرت کا خوف ہی ان کو شہوت اور غضب کے غلبہ کے وقت گناہوں سے باز رکھتا ہے اور جب سخت سردی کے موسم میں نرم اور گرم بستروں سے نکل کر فجر کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں جانا دشوار ہو اور جب مال کی تنگی کے خوف سے زکوٰۃ ادا کرنا ٹھس پر دشوار ہو تو اس وقت صرف آخرت کا خوف ہی مسلمانوں کو سردی میں بستروں سے اٹھاتا ہے اور مال میں کمی کے خطرہ کے باوجود زکوٰۃ کی ادائیگی پر اسکا تا ہے سو اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ ٹھس پر دشواری کے باوجود نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں دراصل وہی مسلمان آخرت پر کامل یقین رکھنے والے ہیں۔

زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی پھر کی سورۃ میں اس کے ذکر کی توجیہ

اس جگہ ایک اور اعتراض یہ ہوتا ہے کہ سورۃ النمل کی ہے اور زکوٰۃ مدینہ میں دو ہجری میں رمضان کے روزوں کی فرضیت سے پہلے فرض ہوئی ہے (زاد المعاد ج ۳ ص ۱۵۶) اور ادیان باختر ضری بیروت) سو اس آیت میں نماز کے بعد زکوٰۃ کے ذکر کی کیا توجیہ ہوگی بعض علماء نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں زکوٰۃ سے اس کا معروف معنی مراد نہیں ہے بلکہ زکوٰۃ سے مراد تزکیہ نفس اور نفس کی برائی اور بے حیائی کے کاموں سے پاکیزگی اور طہارت ہے اور نیک کاموں اور مکارم اخلاق سے نفس کو حریں کرنا مراد ہے مگر اس جواب پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ جب بھی نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر ہوتا ہے تو اس سے مراد زکوٰۃ معروف ہوتی ہے یعنی جو شخص مالک نصاب ہو وہ سال گزرنے کے بعد اس مال کا چالیسواں حصہ ادا کرنے اس لیے اس سوال کے جواب میں یہ کہنا مناسب ہے کہ نفس زکوٰۃ یعنی اللہ کی راہ میں مطلقاً مال خرچ کرنا اتنی قدر کہ میں ہی فرض ہوئی تھی اور زکوٰۃ کی تمام تفصیلات اور اس کی شرائط اور مختلف اجناس کے مختلف نصابوں کا تعین مدینہ منورہ میں ہجرت کے دوسرے سال میں کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے کاموں کو ان کے لیے بے ثمر کر دیا ہے پس وہ بھٹکتے پھر رہے ہیں ۵ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے برا عذاب ہے اور وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں ۵ (انفال: ۵-۴)

جب کفر یہ کاموں کو اللہ تعالیٰ نے مہین فرمایا ہے تو پھر ان کی خدمت کیوں کی جاتی ہے؟

قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ مومنوں اور کافروں کا ساتھ ساتھ ذکر فرماتا ہے کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اس سے پہلی آیت میں مومنوں کا ذکر فرمایا تھا کہ یہ (قرآن) ان ایمان والوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے جو نماز کا کام کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں ۵ اور اس آیت میں کافروں کا ذکر فرمایا ہے کہ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے کاموں کو ان کے لیے خوش نما بنا دیا ہے پس وہ بھٹکتے پھر رہے ہیں ۵ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے برا عذاب ہے اور وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اس آیت کے ظاہر پر دو اعتراض ہوتے ہیں ایک اعتراض تو یہ ہے کہ جب کافروں کے کاموں کو اللہ تعالیٰ نے ہی ان کے لیے خوش نما بنا دیا اور مزین کر دیا ہے تو پھر اگر کافروں نے وہ کام کر لیے تو پھر ان کو ملامت اور ان کی خدمت کیوں کی جاری ہے اور ان کو ان کاموں پر عذاب کی وعید کیوں سنائی جاری ہے اور دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے ان کے کاموں کو مزین کرنے کی اپنی طرف نسبت کی ہے اور دوسری آیتوں میں ان کاموں کو مزین کرنے کی شیطان کی طرف نسبت کی ہے قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَتُكَ لَظْمُ الْكُفْرِ إِنَّكُمْ لَأَعْمَاءٌ لَّهُمْ

اور جب شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو مزین کر

دیا۔ (انفال: ۴۸)

سو ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو وہ عاجزی کرتے اور گڑبڑاتے لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے کاموں کو مزین کر دیا۔

فَلَوْلَا ذِكْرُ اللَّهِ تَعَالَى لَفَسَدَتِ أَعْيُنُكُمْ وَأَلْبُسْتُمْ ثِيَابَ غُلُوفٍ كَثُورٍ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۝

(انعام: ۴۳)

(شیطان نے) کہا اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے تو مجھے بھی قسم ہے کہ میں ان کے لیے ضرور زمین میں گناہوں کو مزین کر دوں گا اور میں ضرور ان سب کو گمراہ کر دوں گا۔

فَإِنْ يَنْتَهِبُوا أَمْوَالُكُمْ فَلَا يَذْكُرُهَا فِي الْآثَارِ ۝ وَلَا تَحْزَنْ لَهَا أَجْمَعِينَ ۝ (الجم: ۳۸)

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہم کئی بار بیان کر چکے ہیں کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور بندوں کے اعمال کا بھی وہی خالق ہے اور بندہ جس عمل کو کرنے کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس بندے کے لیے اس عمل کو پیدا کر دیتا ہے سو جب کافروں نے شرک، کفر اور دیگر برے اعمال کو اپنایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نگاہوں میں ان کفریہ اعمال کا حسن پیدا کر دیا دوسرا جواب یہ ہے کہ جب کفار نے تسلسل اور تواتر کے ساتھ کفر اور شرک کیا اور نبیوں اور رسولوں کی تکذیب، تنقیص اور تنقیح کی اور آخرت کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ طور سزا ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور ان اعمال قبیحہ کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا۔

معتزلہ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ دراصل ان کاموں کو ان کے لیے شیطان نے مزین کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ان کاموں کی نسبت مجازاً ہے اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ان کفریہ اور فحش اعمال پر چونکہ غور نہ کر سکتے تھے اور ان کے عرصہ تک ان کو ان کے کفر کے باوجود تسلسل و تواتر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس سہولت دینے کو مجازاً اس طرح تعبیر فرمایا کہ اس نے ان

لے لیے ان کاموں کو حرمین کر دیا۔

حسن بھری نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے نیک کاموں کو حرمین فرمایا تھا لیکن انہوں نے اپنے فکری وجہ سے ان نیک کاموں کو نہیں کیا، لیکن یہ جواب درست نہیں اول تو اس لیے کہ یہ معنی سیاق اور سباق کے مناسب نہیں ہے۔ دوسرے اس لیے کہ قرآن مجید میں ترغیبن کا اطلاق زیادہ تر برے کاموں کے لیے آیا ہے جیسے کہ ان آیات میں ہے:

لَنْ يَنْفَعَكَ دِينُكَ وَالْأَعْيُنُ عَلَى اللَّهِ غَابِرَةٌ (البقرہ ۲۱۷)

وَكُلُّكُمْ لَنَا يَوْمَئِذٍ خَاشِعُونَ (الحج ۱۷)

فَرَأَى النَّاسَ لِيَكُونُوا مِنْهُمْ شَرْكَاءَ لِيُؤْخَذُوا بِهِمْ وَلِيَلْجَأُوا بِهَا إِلَى اللَّهِ وَلِيُؤْخَذُوا بِهِمْ (الحج ۱۷)

کافروں کے لیے دنیا کی زندگی حرمین کر دی گئی ہے۔
اسی طرح مشرکین کے باطل معبودوں نے مشرکین کے لیے ان کی اولاد کے قتل کرنے کو حرمین کر دیا ہے تاکہ وہ ان کو ہلاک کر دیں اور ان پر ان کے دین کو مشتبہ کر دیں۔

(الانعام: ۱۳۷)

اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو لوگ آخرت کی تصدیق نہیں کرتے، ہم نے برے کاموں کو ان کے لیے پسندیدہ بنا دیا ہے مگر وہ ان کی طبیعت کا تقاضی بن گئے ہیں جیسا کہ اس حدیث میں ہے:
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کا احاطہ تکلیف دو چیزوں نے کیا ہوا ہے اور دوزخ کا احاطہ پسندیدہ چیزوں نے کیا ہوا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳۶ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۲۵۵۹ مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۴ صحیح ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۷ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۲۸۳۶ مسند ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۲۷۵)

اور دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ان افعال کو حرمین کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بہ اعتبار تحقیق کے ہے اور شیطان کی طرف اس کی نسبت بہ اعتبار کسب اور اس کے ارادہ کے ہے۔

پھر فرمایا یہ دو لوگ ہیں جن کے لیے برا عذاب ہے۔ یعنی دنیا میں ان کو قتل کیا جائے گا اور گرگزیار کیا جائے گا جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا اور وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں کیونکہ انہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو اختیار کیا اور دوزخ کے عذاب کی نجات سے محروم ہو گئے اور جنت اور اس کی نعمتوں کے نہ ملنے کا نقصان اٹھایا۔

دوزخ سے پناہ مانگنے اور جنت کے حصول کی دعا کرنے کے متعلق آیات اور احادیث

بعض علماء نے کہا ہے کہ دنیا والے آخرت کے خسارے میں رہتے ہیں اور آخرت والے مولیٰ کی خسارے میں رہتے ہیں اور جو دنیا اور آخرت کسی کی طرف التفات نہ کرے وہ اپنے مولیٰ کو پا لیتا ہے۔

(روح البیان ج ۱ ص ۳۱۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی دنیا سے ترک تعلق کر لے اور اس کے دل میں دوزخ کے عذاب کا خوف اور جنت کی نعمتوں کا شوق نہ ہو اور وہ دنیا اور آخرت سے بے پرواہ ہو جائے اور دنیا کی کسی ذمہ داری کو پورا نہ کرے اور جنگوں اور غاروں میں جا کر اللہ اللہ کرتا رہے یہ وہ بات ہے کہ اسلام میں ممنوع ہے اور آخرت سے بے پرواہ ہونا قرآن مجید کی بہ کثرت بات اور بہت احادیث کے انکار اور ان کی توہین کو مستلزم ہے انہیاء علیہم السلام دنیا کی چیزوں میں مشغول رہے ہیں وہ کھاتے پیتے تھے نکاح کرتے تھے ازواج کے حقوق ادا کرتے تھے رزق حلال کے حصول کے لیے کسب اور جدوجہد کرتے تھے دوزخ کے عذاب سے پناہ طلب کرتے تھے اور جنت کے حصول کی دعا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بہت کثرت سے کرتے ہیں: اے اللہ! ہمارے رب! ہمیں دنیا میں اچھائی عطا فرما اور آخرت میں اچھائی اور خیر عطا فرما اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۸۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶۹۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۹۰، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۰۰۳، عالم الکتاب، ج ۱۰، ص ۱۰۰) (ماہنامہ رقم الحدیث: ۹۳۹)

اللہ تعالیٰ نے عباد الرحمن کے متعلق ذکر فرمایا ہے وہ یہ دعا کرتے ہیں:

رَبِّنَا انصُرْ عَمَّا عَذَبَ ابْ جَهَنَّمَ ۚ اِنَّ عَذَابَہَا كَانَ عَذَابًا ۙ

اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب دور کرنے کیلئے

اِس کا عذاب چٹ جانے والا ہے۔ (انعام: ۶۵)

اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جنت کی طلب کی دعا کی:

وَاجْعَلْنِيْ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ رَبِّمَنَّوْنِيْ ۙ

اور مجھ کو نفع بخش دہی جنت کے وارثوں میں سے بنا دے۔ (اشعراء: ۸۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عذاب قبر سے عذاب جہنم سے اور فتنہ و حال سے پناہ طلب کرتے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب السباہ: ۱۳۳، رقم الحدیث: ۵۸۸، رقم المسلسل: ۱۳۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۵۱۷)

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا بھی کی ہے:

اللھم انی اعوذ بک من الکسل والھرم

اے اللہ! میں سستی بڑھانے، قرض اور گناہ سے تیری پناہ

والمغمرم والمائم اللھم ان اعوذ بک من النار

میں آتا ہوں اے اللہ! میں دوزخ کی آگ اور دوزخ کی آگ

وفاقتہ النار۔ العیت

کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۷۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۸۰، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۳۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۰۹۵، عالم الکتاب، مسند احمد ج ۶ ص ۷۷، مسند ابن ماجہ ج ۱ ص ۵۲، مسند عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۶۶۳۱، کتاب الاسماء، سنن ابوالاحسان رقم الحدیث: ۳۷۷۷۸)

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی دعا تعلیم دی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس دعا کی تعلیم دی:

اللھم انی استنلک الجنة وما قرب الیھا

اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور ان باتوں

من قول او عمل واعوذ بک من النار وما قرب الیھا

اور ان کاموں کا جو جنت کے قریب کر دیں اور میں تجھ سے دوزخ

سے پناہ مانگتا ہوں اور ان باتوں اور ان کاموں سے جو دوزخ کے قریب کر دیں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۳۷، مسند ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۶۲، مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۶، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۵۳۳، عالم الکتاب، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۸۳۷، مسند ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۴۹۵، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۴۷۳، صحیح ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۶۳۱، مسند ابن ماجہ ج ۱ ص ۵۲، مسند ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۷۷۸)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چند دعائیں روایت کی ہیں ان میں یہ دو دعائیں بھی ہیں اور ان

ماؤں میں آپ نے خود جنت کی طلب کی ہے۔

اے اللہ! مجھے دوزخ کی آگ سے نجات دے اور رات اور دن کی مفترت عطا فرما اور جنت کا عمدہ درجہ عطا فرما (آمین)
اے اللہ! میں تجھ سے سلامتی کے ساتھ دوزخ سے چھٹکارے کا سوال کرتا ہوں اور تجھ کو جنت میں داخل فرما دے (آمین)

اللهم ونجني من النار ومغفرة الليل والنهار
والمعسر الصالح من الجنة آمين اللهم اني
اسئلك خلاصا من النار سالما وادخلني الجنة.

(الحکم النکیر ج ۳۳ ص ۳۶۷-۳۶۸ رقم اللہ ہے: ۱۷۱۷۱۷ الحکم الاوسط ج ۳ ص ۳۵۳-۳۵۴ رقم اللہ ہے: ۱۷۱۷۱۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۲ھ حافظہ النکیر نے کہا الحکم النکیر کی ایک سند کے راوی اور الحکم الاوسط کے راوی ثقہ ہیں مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۷)

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر جنت کے شوق اور دوزخ کے خوف سے عبادت کی جائے گی تو وہ اللہ کے لیے نہیں ہوگی یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کے لیے ایمان لانے اور جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں اس تجارت پر رہنمائی کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے دے؟ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے ہاتھوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تمہیں علم ہو اللہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تم کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور ان پاکیزہ گھروں میں جو جنتاوت عدن میں ہوں گے یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور تمہیں ایک اور نعمت بھی عطا فرمائے گا جس کو تم پسند کرتے ہو اور وہ اللہ کی مدد اور جلدی و کامرانی ہے اور ایمان والوں کو بشارت دے دیجیے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ عِبَادَةٍ
تُجْزِيكُمْ مِنْ عَذَابِ الْآلِيفِ تُؤْتِيكُمْ بِالسَّلَامِ وَتَرْسُولِهِ
وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ
لَّكُمْ إِن تَعْلَمُونَ يُغْفِرُ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَسُكُنَ فِيهَا بِجَنَّاتٍ
عَذْيٍ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَافِلُونَ وَأُخْرَىٰ تُجْزِي نَفْسًا تَنْصُرُ
مِنْ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِيرٌ الْمُؤْمِنِينَ

(الف-۱۰۳)

اس طرح ایک اور آیت میں فرمایا ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ
بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط (التوبة: ۱۱)

بے شک اللہ نے مومنین سے ان کی جانوں کو اور ان کے ہاتھوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔

جنت کی تعریف اور تحسین اور جنت کے مطلوب ہونے پر قرآن اور حدیث میں تصریحات

ہمارا یہ فطریہ ہے کہ انسان صرف دوزخ کے خوف اور جنت کے شوق سے عبادت کرے اور اللہ کی رضا کے لیے عبادت نہ کرے۔ بے شک بندے کے لیے سب سے بڑا انعام اللہ تعالیٰ کی رضا ہے ہم صرف ان لوگوں کا رد کر رہے ہیں جو دوزخ کے خوف اور جنت کے شوق سے عبادت کرنے کی مذمت کرتے ہیں اور جنت کی طلب سے منع کرتے ہیں اور جنت کی تنقیص اور تحقیر کرتے ہیں جیسا کہ ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے:

جب رنگ پر ہے بیمار مدینہ کہ سب جہتیں ہیں شمار مدینہ

طبیب کے ہوتے غلہ بریں کیا کروں حسن مجھ کو یہی پسند ہے مجھ کو یہی عزیز

بیر گھنٹن کون دیکھے دھبہ طیبہ چھوڑ کر
ایسے جلوے پر کروں میں لاکھ حوروں کو نثار

تیری میری چاہ میں زاہد بس اتنا فرق ہے

سینکڑوں جنتیں قربان ہوئی جاتی ہیں

تری جنت تری حوریں مبارک ہوں تجھے زاہد

کعبہ ہو یا کہ عرش بریں ہو کہ غلدہ ہو

بیکہ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخرت میں مدینہ کو چھوڑ کر ہی جنت میں تشریف لے جائیں گے نیز رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی جنت میں ہیں کیونکہ حدیث میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما بین ایتنی ومنیری وروضۃ من ویاض الجنة

میرے جگر سے اور میرے منبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ

جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۱۵، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۶۹۴، مسند

ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۶، سنن بیہقی رقم الحدیث: ۲۲۷، مسند عبد الرزاق رقم الحدیث: ۵۲۲۳، مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۲۹۰، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۳۷۰،

۸-۹، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۶۸۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۸۵۰)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی جنت میں ہیں اور آخرت میں بھی جنت میں ہوں گے دنیا اور

آخرت میں آپ کا گھر جنت میں ہے اور جس سے محبت ہوتی ہے اس کے گھر سے بھی محبت ہوتی ہے اور محبوب کے گھر کی محبت

تعریف اور توصیف کی جاتی ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے دعوے اور جنت کی تحقیق کیوں کرتے ہیں جبکہ اللہ اور

اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بے حد تعریف و توصیف کی ہے اور اس کی طرف رجعت دلائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالشَّعۡوُنَ الشَّعۡوُنَ ۚ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۚ فَاِذَا جِئْتَ

التَّجۡنِیۡبَ ۚ ثَلَاثَ مِیۡنَ اَلَا فَاُولٰٓئِکَ رَکَّوۡنَ ۚ فَاِذَا جِئْتَ مِنْ اَیۡدِیۡہِمْ

عَلٰی سُرُرٍ مَّوۡضُونٍ ۚ فَاَقْبَبَہُمۡ عَلٰیہَا مُتَقَابِلِیۡنَ ۚ یَلۡظِفُوۡنَ عَلَیۡہِمۡ

وَلَدَیۡنَ ۚ فَاَقْبَبَہُمۡ عَلٰیہَا ۚ وَآٰلَہٗٓ اٰتِیۡنَ ۚ وَکَاۡنَ مِنْ

مُعۡوِنَیۡنَ ۚ لَا یَصۡغُرُوۡنَ عَلَیۡہَا ۚ لَا یُزۡفِقُوۡنَ ۚ وَکَاۡنَ فِیۡہَا

یَتَخَفَتُوۡنَ ۚ وَکَاۡنَ فِیۡہَا یُسَبِّحُوۡنَ ۚ وَکَاۡنَ فِیۡہَا

سوائے جنت کون جائے درگاہ را چھوڑ کر
کیا غرض کیوں جاؤں جنت کو مدینہ چھوڑ کر

تجھ کو جنت چاہیے مجھ کو مدینہ چاہیے

مرتبہ دیکھو مدینہ کے بیابانوں کا

بمیں تو رہاں آئی ہے گدائی کوئے جاہاں کی

سب آ کے جموئے ہیں مدینہ کے سامنے

میرے جگر سے اور میرے منبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ

جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۱۵، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۶۹۴، مسند

ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۶، سنن بیہقی رقم الحدیث: ۲۲۷، مسند عبد الرزاق رقم الحدیث: ۵۲۲۳، مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۲۹۰، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۳۷۰،

۸-۹، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۶۸۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۸۵۰)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی جنت میں ہیں اور آخرت میں بھی جنت میں ہوں گے دنیا اور

آخرت میں آپ کا گھر جنت میں ہے اور جس سے محبت ہوتی ہے اس کے گھر سے بھی محبت ہوتی ہے اور محبوب کے گھر کی محبت

تعریف اور توصیف کی جاتی ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے دعوے اور جنت کی تحقیق کیوں کرتے ہیں جبکہ اللہ اور

اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بے حد تعریف و توصیف کی ہے اور اس کی طرف رجعت دلائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالشَّعۡوُنَ الشَّعۡوُنَ ۚ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۚ فَاِذَا جِئْتَ

التَّجۡنِیۡبَ ۚ ثَلَاثَ مِیۡنَ اَلَا فَاُولٰٓئِکَ رَکَّوۡنَ ۚ فَاِذَا جِئْتَ مِنْ اَیۡدِیۡہِمْ

عَلٰی سُرُرٍ مَّوۡضُونٍ ۚ فَاَقْبَبَہُمۡ عَلٰیہَا مُتَقَابِلِیۡنَ ۚ یَلۡظِفُوۡنَ عَلَیۡہِمۡ

وَلَدَیۡنَ ۚ فَاَقْبَبَہُمۡ عَلٰیہَا ۚ وَآٰلَہٗٓ اٰتِیۡنَ ۚ وَکَاۡنَ مِنْ

مُعۡوِنَیۡنَ ۚ لَا یَصۡغُرُوۡنَ عَلَیۡہَا ۚ لَا یُزۡفِقُوۡنَ ۚ وَکَاۡنَ فِیۡہَا

یَتَخَفَتُوۡنَ ۚ وَکَاۡنَ فِیۡہَا یُسَبِّحُوۡنَ ۚ وَکَاۡنَ فِیۡہَا

وَالشَّعۡوُنَ الشَّعۡوُنَ ۚ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۚ فَاِذَا جِئْتَ

التَّجۡنِیۡبَ ۚ ثَلَاثَ مِیۡنَ اَلَا فَاُولٰٓئِکَ رَکَّوۡنَ ۚ فَاِذَا جِئْتَ مِنْ اَیۡدِیۡہِمْ

عَلٰی سُرُرٍ مَّوۡضُونٍ ۚ فَاَقْبَبَہُمۡ عَلٰیہَا مُتَقَابِلِیۡنَ ۚ یَلۡظِفُوۡنَ عَلَیۡہِمۡ

فَكَتَابَ الْمَوْلَى الْكَتُوبِي سَمْعًا لَا يَسْمَعُونَ وَلَا يَرَوْنَ وَلَا يَأْتِيهِمْ إِلَّا فِي غَنَابَةٍ وَ
أَخْضَابٍ لَا تُغْنِي عَنْهُمْ كَيْفَ مُبْذَرِ السَّيِّئِينَ ۚ فِي سَدِيرِ
مُضْطَرَضٍ ۚ وَكَذَلِكَ مُمْتَدِدٍ ۚ وَكَهَلٍ مُتَدَوِّدٍ ۚ وَمَاءٍ
مُتَلَوِّدٍ ۚ وَكَذَلِكَ يُكَيِّدُ ۚ وَلَا مَسْطُوعَةٍ ۚ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ۚ
وَقَدْ شَرَّ مُرَلَوَعٍ ۚ إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنَفًا ۚ فَهِيَ إِفْرَا ۚ
عَرَبًا ۚ إِنَّا لِلْأَخْضَابِ الْيَعِينِ ۚ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ ۚ وَ
وَكَلَّةٌ مِنَ الْآخِرِينَ ۚ (الفرقان: ١٠-٢٠)

جام لے کر ۵۰ جس سے نہ ان کے سر میں درد ہوگا اور نہ ان کی عقل خراب ہوگی ۵ اور ان پھلوں کو لے کر جن کو وہ پسند کریں گے ۵ اور ان کی پسند کے پھندوں کا گوشت لے کر ۵ اور (ان جنٹوں میں) بڑی بڑی آنکھوں والی خوریں ہوں گی ۵ جو پیچھے ہوئے موتیوں کی طرح ہیں ۵ یہ ان کے (نیک) اعمال کی جزا ہے ۵ جنٹوں میں کوئی گناہ کی اور بے گار بات نہیں کہیں گے ۵ مگر ہر طرف سے سلام سلام کی آواز آئے گی ۵ اور دائیں طرف والے کیا جی پیسے ہیں دائیں طرف والے ۵ وہ بغیر کاتوں کے ۵ کے درختوں میں ہوں گے ۵ اور تہ بہ تہ کیلون میں ۵ اور لمبے لمبے سایوں میں ۵ اور پتے ہوئے پانی میں ۵ اور بہ کثرت پھلوں میں ۵ جو نہ کچی ختم ہوں گے نہ تن سے روکا جائے گا ۵ اور (وہ) اونچے اونچے بستروں میں ہوں گے ۵ ہم نے ان حوروں کو خصوصیت سے بنایا ہے ۵ پس ہم نے ان کو نکواریاں بنایا ہے ۵ محبت کی جانے والیاں اور ہم عمر ۵ (وہ) دائیں ہاتھ والوں کے لیے ہیں ۵ بڑا گروہ پہلے لوگوں میں سے ہوگا ۵ اور بڑا گروہ بعد والوں میں سے ہوگا ۵

جنت کے فضائل اور محاسن میں احادیث بھی بہ کثرت مروی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ان نعمتوں کو تیار کر رکھا ہے جن کو نہ کسی آدمی نے دیکھا ہے نہ کسی کائنات نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے اور اگر تم جیسا ہو تو اس آیت کو پڑھو:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مِمَّا أُخِيتِ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً

يَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾ (اسجد: ١٤)

کوئی نفس نہیں جانتا کہ ہم نے ان کی آنکھوں کی خدمت کے لیے کیا چہارہ کما ہے (یہ) ان کے نیک کاموں کی جزا ہے۔

(مکملہ ذخیرۃ رقم اللہ ص: ۲۳۳، مجمع مسلم رقم اللہ ص: ۸۸۴، سنن اقرظی رقم اللہ ص: ۳۱۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں سو سال تک چلا رہے پھر بھی اس کا سایہ ختم نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۵۱ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۹۳ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۸۷۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو پہلا گروہ جنت میں داخل ہوگا ان کی صورت چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگی اور جو لوگ ان کے بعد داخل ہوں گے وہ آسمان کے ایک حسین اور چمکدار درے کی طرح روشن ہوں گے ان سب کے دل ایک فیض کے دل کی طرح ہوں گے ان میں آپس میں نہ بغض ہوگا نہ حسد۔ فیض کے لیے بڑی آنکھوں والی خوروں جی سے دو بیویاں ہوں گی ان کی پینڈیلوں کا گوا کھال اور بڈیوں کے پار سے نظر رہا ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۵۳ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۴۷۳۷ صحیح ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۳۷ مسند احمد رقم الحدیث: ۸۱۸۳)

حضرت سہل بن سعد الساعدي رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایک جگہ بھی دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۵۰ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۸۸۰) اب جب یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بہت تعریف اور حمین فرمائی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب جس جگہ آرام فرمائیں وہ بھی جنت ہے اور آخرت میں بھی جنت میں ہوں گے اور اول و آخر آپ کا گھر جنت ہے تو پھر جنت کی تحقیر کرنا اور مدینہ منورہ سے اس کا قاتل کر کے جنت کو مدینہ سے کم مانتا اور جنت کے مقابلہ میں مدینہ منورہ کو افضل اور اپنا مطلب قرار دینا قرآن اور حدیث کی ان صریح نصوص کثیرہ کا انکار یا پھر ان سے بے ملکی پر مبنی ہے۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم کو جنت نہیں مدینہ چاہیے اور جو لوگ جنت کی طلب کو اپنی شان اور اپنے مقام کے خلاف سمجھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ دوزخ سے نجات کی طلب کرنا اور جنت کے حصول کی طلب کرنا نقصان اور خسارہ ہے۔ اصل چیز مولیٰ کی رضا کو طلب کرنا ہے ان کا اس قسم کی آیات اور احادیث پر کیسے ایمان ہوگا!

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی حمین فرمائی جو یہ دعا کرتے ہیں:

جولوگ یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے سو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

اور جو لوگ (راتوں کو اللہ کر) یہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہم سے دوزخ کے عذاب کو دور کر دے بے شک دوزخ کا عذاب چھننے والا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے:

اللہم انی اعوذ بک من فتنة النار وعذاب النار۔

اے اللہ! میں تجھ سے دوزخ کے فتنہ اور دوزخ کے عذاب سے پناہ طلب کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۴۷ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۸۸۰ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۱۳۸۸)

اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کو طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ

متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (آل عمران: ۱۳۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے اللہ پر حق ہے کہ اس کو جنت میں داخل کر دے۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے یا اس زمین میں بیٹھا رہے جس میں وہ پیدا کیا گیا صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم لوگوں کو یہ خوش خبری نہ سنائیں! آپ نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں اللہ نے ان کو فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیا ہے اور ہر درجہ کے درجوں کے درمیان آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے ایسی جہاد اللہ سے سوال کرنا اس سے فردوس کا سوال کرنا جنت کا سوال ہے اور سب سے بلند درجہ ہے اور اس کے اوپر رحمن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کے دریا جاری ہوتے ہیں۔

رضا کا علم ہو تو جسمانی تکالیف اور بھوک و پیاس کا بھی احساس نہیں ہوتا چہ جائیکہ جسمانی نعمتوں اور لذتوں کے ساتھ اس کو ہر کام کا مالک اور سونپا اور محبوب بھی اس سے راضی ہے تو اس کی خوشی اور راحت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

حسن بصری نے کہا: اللہ نے رضا سے ان کے دلوں میں جو لذت اور خوشی حاصل ہوتی ہے وہ جنت کی تمام نعمتوں سے زیادہ لذیذ ہوتی ہے اور ان کی آنکھیں سب سے زیادہ اس نعمت سے غمغدی ہوتی ہیں۔ زحری نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللہ کی رضا سب سے بڑی ہے اس میں مقررین کے درجات کی طرف اشارہ ہے ہر چہ کہ تمام نعمتی اللہ تعالیٰ سے راضی ہوتے ہیں لیکن ان کے درجات مختلف ہوتے ہیں ہر صلاح اور سعادت کا سبب اللہ کی رضا ہے۔

(المحرر المکمل ج ۵ ص ۳۶۲-۳۶۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۳ھ)

اللہ تعالیٰ کی رضا اس وقت حاصل ہوگی جب اہل جنت اللہ تعالیٰ کا دیا کریں گے۔ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا۔ آپ نے فرمایا: تم غریب اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو اگر تم سے ہو سکے تو طلوع شمس سے پہلے اور غروب شمس سے پہلے کی نمازوں (نجر اور عصر کی نمازوں) سے عاجز نہ ہونا پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

وَسَيَجْزِي غَدَتِي بِرَبِّكَ قَبْلَ مَطْلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۝ (ن: ۳۹)

(بکھج مسلم رقم اللہ: ۵۵۳ صحیح مسلم رقم اللہ: ۶۳۳ سنن الترمذی رقم اللہ: ۲۵۵۱ سنن ابوداؤد رقم اللہ: ۲۵۶۹ سنن ابن ماجہ رقم اللہ: ۱۷۱۱)

حضرت مصیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ چارک و تھانی فرمائے گا: تم کوئی اور چیز چاہتے ہو جو میں تم کو عطا فرماؤں! وہ عرض کریں گے: کیا تو نے ہمارا چہرہ و سفید نہیں کیا! کیا تو نے ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا! کیا تو نے ہم کو روزِ شہادت سے نجات نہیں دی! آپ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ حجاب منکشف کر دے گا اور اہل جنت کو ایسی کوئی چیز نہیں عطا کی گئی ہوگی جو ان کو اپنے رب عز و جل کے دیدار سے زیادہ محبوب ہو۔

(بکھج مسلم رقم اللہ: ۱۸۱۱ سنن الترمذی رقم اللہ: ۲۵۵۱ سنن ابن ماجہ رقم اللہ: ۱۸۷۱ سنن ابوداؤد رقم اللہ: ۲۵۶۹ سنن ابن ماجہ رقم اللہ: ۱۸۷۱)

حضرت حماد بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! اپنے علم غیب سے اور حقوق پر اپنی قدرت سے مجھے اس وقت تک زندہ رکھنا جب تک میرے لیے زندہ رہنا بہتر ہو اور مجھے اس وقت وفات دینا جب حیرے علم میں میرے لیے وفات بہتر ہو اے اللہ! میں تجھ سے غیب میں (جب کوئی دیکھ نہ رہا ہو) اور شہادت میں (لوگوں کے سامنے) حیرے خوف کا سوال کرتا ہوں اور میں رضا اور غضب میں کھنکھرتے کہنے کا سوال کرتا ہوں اور فقر اور غنا میں میانہ روی کا سوال کرتا ہوں اور میں تجھ سے قسم نہ ہونے والی نعمت کا سوال کرتا ہوں اور روزِ اکرام نہ ہونے والی آنکھوں کی خشک کا سوال کرتا ہوں اور تقدیر واقع ہونے کے بعد اس پر راضی رہنے کا سوال کرتا ہوں اور موت کے بعد غمغدی زندگی کا سوال کرتا ہوں اور حیرے چہرے کی طرف دیکھنے کی لذت کا اور تجھ سے ملاقات کے شوق کا سوال کرتا ہوں جو بغیر کسی ضرر اور گمراہ کرنے والے فتنہ کے حاصل ہوا اے اللہ! ہمیں ایمان کی زینت کے ساتھ حریں کر اور ہمیں ہدایت یافتہ اور ہدایت دہندہ

واللہ اعلم۔ (سنن ابی داؤد، ج ۳، ص ۳۶۳، ج ۳، ص ۳۶۳)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے دیدار کرنے اور اس کی ملاقات کے شوق کے حصول کی دعا کی ہے۔
ابو یزید نے کہا: اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں کہ اگر اللہ جنت میں اپنے چہرے کو حجاب میں کرے تو وہ جنت میں اس طرح فریاد کریں گے جس طرح دوزخی دوزخ میں فریاد کرتے ہیں۔

بعض حکایات میں ہے کہ کسی نے خواب میں دیکھا کہ معروف کثیف کے حلق کہا گیا کہ یہ معروف کثیف ہیں جب یہ دنیا سے گئے تو اللہ کی طرف مشتاق تھے تو اللہ عزوجل نے اپنا دیدار ان کے لیے مباح کر دیا۔

کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ جو لوگ مجھ سے روگردانی کیے ہوئے ہیں کاش وہ جاننے کہ مجھ کو ان کا کتنا انتظار ہے اور ان کے لیے کیسی نری ہے اور ان کے گناہ ترک کرنے کا مجھ کو کتنا شوق ہے تو وہ میرے اشتیاق میں مر جاتے اور میری محبت میں ان کی رگیں کٹ جاتیں اے داؤد! یہ تو مجھ سے روگردانی کرنے والوں کے لیے میرا ارادہ ہے تو جو میری طرف بڑھنے والے ہیں ان کے حلق میرا ارادہ کیا ہوگا!

استاذ ابوی الدقاق یہ کہتے تھے: حضرت شعیب علیہ السلام روئے حتیٰ کہ بتایا ہو گئے پھر اللہ عزوجل نے ان کی بیٹائی لونہ دی وہ پھر روئے حتیٰ کہ بتایا ہو گئے پھر اللہ عزوجل نے پھر ان کی بیٹائی لونہ دی وہ پھر روئے حتیٰ کہ بتایا ہو گئے پھر اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی کی اگر تمہارا یہ روئے جنت کے لیے ہے تو میں تمہارے لیے جنت مہیا کر دیتا ہوں اور اگر تمہارا یہ روئے دوزخ کی وجہ سے ہے تو میں تمہیں دوزخ سے پناہ دے دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا: نہیں بلکہ میں تم سے ملاقات کے شوق میں رو رہا ہوں۔ اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی کی: اسی وجہ سے میں نے اپنے نبی اور اپنے حکیم کو دس سال تمہاری خدمت میں رکھا۔

اور کہا گیا ہے کہ جو اللہ کی طرف مشتاق ہو اس کی طرف ہر چیز مشتاق ہوتی ہے اور حدیث میں ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت تین قسموں کی مشتاق ہے: علی، عمار اور سلمان۔

(سنن الترمذی، ج ۳، ص ۲۸۳، تاریخ دمشق، ج ۵، ص ۲۵۹) (رسالہ فقیر، ص ۳۶۱-۳۶۲، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

جنت کی تخفیف نہ کی جائے

مذکورہ الصدر احادیث اور اقوال صوفیہ کا یہ تقاضا ہے کہ عذاب نار سے نجات اور جنت کی تمام نعمتوں سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی رضا ہے اور یہ بالکل برحق ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عذاب نار سے نجات اور جنت کوئی معمولی نعمت ہے اور جنت کی تخفیف کی جائے یا العباد باللہ جنت کی حقیر کی جائے، بعض لوگ اللہ کی رضا کو بنیاد بنا کر جنت کی تخفیف اور عطف کر رہے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں جنت نہیں چاہیے۔ ہمیں اللہ کی رضا چاہیے اور یہ نہیں جانتے کہ اللہ کی رضا اس کا حکم ماننے سے حاصل ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے جنت کو طلب کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی نہیں جانتے کہ اللہ کی رضا بھی جنت میں حاصل ہوگی اور اس کا دیدار بھی جنت میں ہوگا اور بعض لوگ مدینہ منورہ کی محبت کو بنیاد بنا کر جنت کی توہین کرتے ہیں اور ان کو ہمیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی جنت میں ہیں اور آخرت میں بھی جنت میں ہوں گے۔ قرآن مجید اور احادیث مجھ میں بہت زیادہ جنت کی تعریف کی گئی ہے اور اس کی طرف رغبت دلائی گئی ہے اور تمام نبیوں اور رسولوں نے دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگی ہے اور جنت کے حصول کی دعا کی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تحقیق کی ہے کہ ہم عذاب نار سے پناہ مانگیں اور جنت آخرتوں کے حصول کی دعا کریں اور یہ ذہن میں رکھیں کہ اللہ کی رضا اور اس کا دیدار بھی ہمیں جنت میں ہی حاصل ہوگا اس لیے بھی جنت مقصود ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی داعی قیام کا بھی

جنت ہے اور محبوب کا دیار اور اس کا گھر بھی محبوب ہوتا ہے۔ اس لیے بھی جنت ہمیں مطلوب اور محبوب ہونی چاہیے۔ ہمیں دوزخ کے اور ہر قسم کے عذاب سے اپنی پناہ میں رکھ اور ہمیں جنت الفردوس عطا فرما۔ ہم سے راضی ہو جائے ہمیں اپنا دیار عطا فرما۔ اے شک تیری رضا اور تیرا دیدار سب سے بڑی نعمت ہے سو ہم سے وہ کام کرا جن سے تو راضی ہو! اور ان کا سونے سے بچا جن سے تو راضی ہو۔ آمین یا رب العلمین بحرۃ نبیک سیدنا محمد خاتم النبیین، فاللہ المرسلین شفیع المرسلین وعلی آلہ الطاہرین واصحابہ الراشدین وعلی اولیاء امته وعلماء ملتہ وصائر المعنویین والمسلمین اجمعین۔

اس سورۃ کے قصص انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب موسیٰ نے اپنی اہلیہ سے کہا بے شک میں نے آگ دیکھی ہے میں تمہارے پاس ابھی کوئی خبر لاتا ہوں یا کوئی سنگت ہوا انکار دے تا کہ تم حرارت حاصل کرو۔ پھر جب وہ اس جگہ پہنچے تو ان کو خدا کی گئی کہ جو آگ (کی گئی) میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے وہ برکت والا ہے اور اللہ سبحان ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے (تہل: ۸-۷) اصل کا معنی

تہل: ۷ میں فرمایا: جب موسیٰ نے اپنے اہل سے فرمایا علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

کسی شخص کے اہل وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس کے ہم نسب ہوں، ہم دین ہوں، ہم پیش ہوں یا اس کے گھر میں یا اس کے شہر میں رہنے والے ہوں اصل میں کسی شخص کے اہل وہ لوگ ہوتے ہیں جو ایک گھر میں رہتے ہوں کسی شخص کی بیوی کو بھی اس کے اہل سے تعبیر کیا جاتا ہے ایک دین کے سامنے والوں کو بھی اہل کہا جاتا ہے جیسے اہل اسلام کہا جاتا ہے اور چونکہ شریعت نے اکثر احکام میں مسلم اور کافر کے درمیان نسب کا رشتہ منقطع کر دیا ہے اس لیے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا: **إِنَّكَ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّكَ عَنْتُ لَعْنَةُ صَالِحٍ** یہ (آپ کا بیٹا) آپ کے اہل سے نہیں ہے اس کے نیک اعمال نہیں ہیں۔ (ص: ۳۶)

جب کوئی شخص شادی کرے تو کہا جاتا ہے ناعمل وہ اہل والا ہو گیا۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۷) ابن ملک نے شرح المشارق میں لکھا ہے: اہل کی تفسیر بیوی اولاد نوکر اور دستوں اور رشتہ داروں سے کی جاتی ہے یہاں مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی اپنے بچوں اور اپنے خدام سے فرمایا: **حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آگ کو دیکھنا**

اللہ تعالیٰ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد دلارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کو بزرگی دی اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔ ان کو اپنی ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا اور ان کو بڑے بڑے معجزے عطا فرمائے اور ان کو فرعون اور اس کی قوم کے پاس رسول بنا کر بھیجا لیکن انہوں نے تکبر کیا اور آپ پر ایمان نہیں لائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کی طرف روانہ ہوئے اور اپنی بیوی کو ساتھ لے گئے۔ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی تھی۔ ان کا نام مغورا تھا اس سفر میں آپ راستہ بھول گئے اور رات آگئی یہ سردیوں کا موسم تھا آپ کو دودھ سے آگ کا شعلہ نظر آیا۔ آپ نے اپنے اہل سے فرمایا تم لوگ یہیں ٹھہرو میں نے آگ کا شعلہ دیکھا ہے قرآن مجید میں انست کا لفظ ہے انست کا لفظ انس سے بنا ہے جس کا معنی ظہور ہے انسان کو انسان اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ظاہر ہوتا ہے اور جنات اس کے مقابلہ میں مخفی اور چھپے ہوئے ہوتے ہیں جس طرح انس کا معنی ظہور ہے اسی طرح جن کا معنی مخفی ہوتا ہے۔ انسان ظاہر ہے

اور دکھائی دیتا ہے اور جن مٹتی ہے اور دکھائی نہیں دیتا۔ حضرت موسیٰ کو آگ کا ایک شعلہ سا دکھائی دیا۔ انہوں نے کہا میں اس روشنی کے پاس جاتا ہوں ممکن ہے اس روشنی سے راستہ کی سمت معلوم ہو جائے یا میں وہاں سے آگ کا کوئی سنگٹا ہوا ٹکڑا لے آؤں جس سے تم لوگ سردی کی اس سخت رات میں حرارت حاصل کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخت میں جو آگ دیکھی وہ اصل میں کیا چیز تھی

اہل ۸: میں فرمایا: ان کو خدا کی مٹی جو آگ (کی مٹی) میں ہے اور اس کے پاس ہے وہ برکت والا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد اللہ عزوجل کی ذات ہے۔ انہوں نے فرمایا رب الخلیقین کا نور درخت میں تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۴۰۳۵)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس کے علاوہ اور بھی اقوال ذکر کیے ہیں وہ کہتے ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ جو آگ میں ہے اس سے مراد اللہ کا نور ہے اور جو اس کے آس پاس ہے اس سے مراد فرشتے ہیں یہ قنادہ اور زجاج کا قول ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کلام سے خدا کی جس کو انہوں نے اس مبارک سرزمین میں ایک درخت سے سنا۔ نہیں وہ درخت اللہ تعالیٰ کے کلام کا مکمل تھا اور اللہ تعالیٰ کلام کرنے والا تھا بایں طور کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کا فعل تھا نہ کہ درخت کا اور یہ درخت آگ میں تھا اور اس کے آس پاس فرشتے تھے اس لیے فرمایا اس کو برکت دی گئی جو آگ میں تھا اور جو اس کے آس پاس تھے۔ یہ جہاں کا قول ہے چوتھا قول یہ ہے کہ جو آگ میں ہے اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں کیونکہ وہ آگ کے قریب تھے اور جو اس کے پاس ہے اس سے مراد فرشتے ہیں اور یہ قول زیادہ قریب ہے کیونکہ جو شخص کسی چیز کے قریب ہو اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اس میں ہے پانچواں قول صاحب کشاف کا ہے کہ جس کو برکت دی گئی ہے یہ وہ مبارک سرزمین ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا آتَاهُمَا لُؤُؤِيٌّ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يَتَخَفَتَا إِلَىٰ ذِي الْأَرْبَعِ
ذَاتِ الْعُلْمَيْنِ ۝ (قصص: ۳۰)

(تفسیر کبرج ۸/۳۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس حسن بصری اور محمد بن کعب نے کہا وہ آگ اللہ عزوجل کا نور ہے اس کی تائید یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک عظیم نور کو دیکھا اور اس کو آگ گمان کیا اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اپنی آیات اور اپنے کلام کو آگ سے ظاہر فرمایا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جہت اور کسی سمت میں تھا جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَهُوَ الَّذِي فِي الشَّمْسِ وَاللَّهُ فِي الْأَرْضِ ۝ (الفرق: ۸۴)

اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ آسمان اور زمین اللہ تعالیٰ کے لیے ظرف اور مکمل ہیں اسی طرح اس آگ میں اللہ تعالیٰ کے ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ آگ اللہ تعالیٰ کے لیے ظرف اور مکمل ہے لیکن ہر فعل میں اللہ تعالیٰ کا عبور ہوتا ہے جس سے فاعل کا کلام ہوتا ہے اس آیت کا یہ معنی بھی ہے کہ جس کو آگ میں برکت دی گئی وہ اللہ تعالیٰ کی سلطنت اور اس کی قدرت ہے۔

دلالت کرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کو جہت جانب اور جگہ میں ہونے سے متحرک مانتے ہیں اسی طرح ہم اللہ تعالیٰ کے کلام کو بھی جہت اور جگہ سے پاک مانتے ہیں اور حضرت موسیٰ کو یہ کلام درخت کی کئی جانب سے نہیں بلکہ درخت کی ہر جانب سے سنائی دے رہا تھا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت موسیٰ نے بغیر حروف اور آواز کے اور بغیر کسی سمت کے یہ کلام کیسے سن لیا؟ ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ جس طرح بغیر کسی رنگ کے اور بغیر کسی جہت میں ہونے کے اللہ تعالیٰ کی ذات دکھائی دے سکتی ہے۔ اسی طرح بغیر کسی آواز کے اور بغیر کسی جہت میں ہونے کے اللہ تعالیٰ کا کلام سنائی دے سکتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی کیفیت کے متعلق سوال کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ بغیر کسی جسم کے ہوا جو اور عرض کے اللہ تعالیٰ کی ذات کس طرح تحقیق ہے؟ اور بغیر کسب اور حصول کے اس کا علم کس طرح تحقیق ہے؟ اور بغیر ملاقات کے اس کی قدرت کس طرح ہے اور کسی چیز کے شوق اور آرزو کے بغیر اس کا ارادہ کیسے ہے؟ اور بغیر آواز الفاظ اور حروف کے وہ کلام کیسے کرتا ہے اور کسی چیز کے مقابل ہونے بغیر وہ دیکھتا کیسے ہے۔ زمان اور مکان اور وقت اور جگہ کے بغیر وہ کیوں کر ہے۔

اور اگر یہ سوال ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا کلام کیسے سن لیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے ہر طرف اور ہر جہت سے یہ کلام سنا ان کو یہ آواز اوپر نیچے دائیں بائیں آگے اور پیچھے ہر جانب سے آ رہی تھی اور ان کا ہر عضو یہ کلام سن رہا تھا۔ ان کا پورا جسم ہر ساعت ہو گیا تھا اور آخرت میں بھی مومنوں کی یہی صفت ہوگی اور کالمین اور واسطین کے لیے دنیا بھی آخرت کے حکم میں ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰ نے درخت سے آواز سن کر کیسے یقین کر لیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اس باب میں امام رازی کی تحقیق

فرمایا: سنواہات یہی ہے کہ میں ہی اللہ ہوں بہت غالب بڑی حکمت والا (اقبل: ۹)

یہ اس کی تہنید ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ کے ہاتھ پر ایک عظیم معجزہ ظاہر کرنے والا ہے اور وہ ایسی چیزوں کو ظہور میں لانے پر قادر ہے جو انسان کی فکر اور اس کے دہم سے بھی بہت دور ہوتی ہیں جیسے لامٹی کا اڑ دھان چانا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب حضرت موسیٰ کو یہ آواز آئی کہ میں ہی اللہ ہوں تو انہوں نے کیسے یہ یقین کر لیا کہ یہ اللہ کا ارشاد ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ یہ ابلیس یا کسی جن نے یہ آواز دی ہو! اس کے جواب میں امام رازی لکھتے ہیں: اعلیٰ سمت کے نزدیک اس سوال کے دو جواب ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا کلام سنا جو آواز اور حروف کی مشابہت سے منزہ اور پاک تھا تو انہوں نے بدلتہ جان لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

(۲) ائمہ بارہ ائمہ (دریائے آمو کے پار وسطی ایشیا کی ریاستوں مثلاً بلخ بخارا تاشقند سمرقند تاجکستان ازبکستان قازقستان اور ترکمانستان کے اکابر علماء) کا قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخت سے آواز سنی تو انہوں نے حسب ذیل وجوہ سے یہ جان لیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

(۱) جب انہوں نے دیکھا کہ ایک درخت سے اور آگ سے آواز آ رہی ہے تو انہوں نے جان لیا کہ اس پر اللہ کے سوا اور کوئی قادر نہیں ہو سکتا تو یہ ضرور اللہ کا کلام ہے لیکن یہ وہب ضعیف ہے کیونکہ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ شیطان آگ میں

درخت میں داخل ہو گیا تھا اور اس نے حضرت موسیٰ کو آواز دی تھی۔

(ب) وہ آواز اس قدر عظیم تھی کہ اس سے موسیٰ علیہ السلام نے جان لیا کہ یہ معجزہ ہے اور یہ ضرور اللہ کا کلام ہے۔ یہ وجہ بھی ضعیف ہے کیونکہ ہمیں فرشتوں اور جنات اور شیاطین کی آوازیں کا اندازہ اور علم نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی کی آواز اس قدر عظیم ہو آ خر حضرت جبریل کی ایک جج سے بستیوں الٹ جاتی تھیں۔

(ج) اس عدا کے ساتھ کوئی معجزہ بھی تھا جس سے حضرت موسیٰ کو یہ یقین ہو گیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور ایک ہرے بھرے اور سرسبز درخت میں سے آگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے نکل رہے تھے اس کے باوجود وہ درخت جوں کا توں اور صحیح و سالم تھا اور ذرا بھی نہیں جلا اور یہ بھی معجزہ تھا اور اس یقین کے لیے کافی تھا کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۳۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

نبی کیسے جان لیتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اس باب میں مصنف کی تحقیق

ہمارے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسی قوت اور اک عطا کی ہے جس کی وجہ سے ہم پہچان لیتے ہیں کہ یہ انسان کی آواز ہے یہ کسی چرندے کی آواز ہے یہ کسی درندہ کی آواز ہے اور یہ کسی پرندہ کی آواز ہے پھر انسانوں کی آواز میں بھی ہم جان لیتے ہیں یہ فلاں انسان کی آواز ہے اور یہ فلاں انسان کی آواز ہے۔ اسی طرح چرندوں میں بھی ہم کو معلوم ہوتا ہے یہ گائے کی آواز ہے یہ بکرے کی آواز ہے اسی طرح درندوں اور پرندوں میں بھی ہم کو ان کا باہمی امتیاز معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو صرف عالم شہادت اور ظاہر کی آوازیں کے اور اک کی قوت دی ہے اور انبیاء علیہم السلام کو اس سے زائد عالم غیب اور باطن کے اور اک کی قوت عطا کی ہے وہ فرشتوں کے کلام کو سننے ہیں۔ جنات کے کلام کو سننے ہیں شیاطین کے کلام کو سننے ہیں اور ان کے کلام کے باہمی فرق کو پہچانتے ہیں اس لیے جب ان کے پاس پہلے بار فرشتہ وحی لے کر آتا ہے تو ان کو اس میں بالکل تردد نہیں ہوتا کہ یہ فرشتہ کا کلام ہے جس طرح ہمیں کسی انسان کا کلام سن کر اس کے انسان کے کلام ہونے میں بالکل شک نہیں ہوتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی تھا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا۔

اسی سے ملتی جلتی بات سید ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہ العالی نے ۱۳۹۹ھ نے بھی کہا ہے۔

سورہ اقصیٰ میں ہے کہ عدا ایک درخت سے آ رہی تھی طی البقعة المباركة من الشجرة اس سے جو صورت معاملہ مجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ وادی کے کنارے ایک شعلے میں آگ سی لگی ہوئی تھی مگر نہ کچھ جل رہا تھا نہ کوئی دھواں اٹھ رہا تھا اور اس آگ کے اندر ایک ہرا ہر اور درخت کھڑا تھا جس پر سے نکلا یہ عدا آتی شروع ہوئی۔

یہ ایک عجیب معاملہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ پیش آتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پہلی مرتبہ نبوت سے سرفراز کیے گئے تو عارحرا کی تنہائی میں نکلا ایک ایک فرشتہ آ یا اور اس نے اللہ کا بیٹام پہنچانا شروع کر دیا۔ حضرت موسیٰ کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی کہ ایک شخص سفر کرتا ہوا ایک جگہ ٹھہرا ہے دور سے آگ دیکھ کر راستہ پوچھنے یا انکارا پہنچنے کی غرض سے آتا ہے اور یکنفث اللہ رب العالمین کی ہر قیاس و گمان سے بالا ذات اس سے مخاطب ہو جاتی ہے۔ ان مواقع پر درحقیقت ایک ایسی غیر معمولی کیفیت خارج میں بھی اور انبیاء علیہم السلام کے نفس میں بھی موجود ہوتی ہے جس کی بنا پر انہیں اس امر کا یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ کسی جن یا شیطان یا خود ان کے اپنے ذہن کا کوئی کرشمہ نہیں ہے نہ ان کے حواس کوئی دھوکا کھا رہے ہیں بلکہ فی الواقع یہ خداوند عالم یا اس کا فرشتہ ہی ہے جو ان سے ہم کلام ہے۔ (تفسیر القرآن ج ۳ ص ۵۵۸ مطبوعہ ترجمان القرآن لاہور ۱۹۸۳ء)

اس عبارت میں سید مودودی نے یہ تصریح کر دی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے نفوس میں ایک ایسی غیر معمولی قوت ہے جس سے انہیں یہ یقین ہو جاتا ہے کہ فی الواقع یہ خداوند عالم یا اس کا فرشتہ ہی ہے جو ان سے ہم کلام ہے اور اسی چیز کو سلف اور ہم یوں تعبیر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو محفل اور نطق کے علاوہ ایک اور قوت مددک عطا فرماتا ہے جس سے وہ غیب اور اک کر لیتے ہیں۔

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ فرماتے ہیں:

ووراء العقل طور اخر تفتح فيه عين
اخرى يبصر بها الغيب وما سيكون في الغيب
وامورا اخر العقل معزول عنها كعزل قوة
التمييز عن ادراك المعقولات و كعزل قوة
الحس عن مدركات التمييز وكما ان التمييز
لو عرضت عليه مدركات العقل لا باها
واستبعدها فكذلك بعض العقلاء ابو امير كات
النسوة واستبعدوها وذلك عين الجهل۔

اور عقل کے باوراء ایک اور عالم ہے جس میں اور اک کی ایک اور آنکھ کھلتی ہے جس سے انسان غیب کا اور اک کرتا ہے اور مستقبل میں ہونے والے امور غیب اور بہت سے امور کو جان لیتا ہے جن تک عقل کی رسائی نہیں ہے۔ جیسے قوت تمیز، مستحولات کا اور اک نہیں کر سکتی اور جس طرح حواس قوت تمیز کے مدرکات نہیں پاسکتے۔ (اسی طرح عقل قوت اور اک غیب کے مدرکات کو نہیں پاسکتی) اور جس طرح صاحب قیصر کے سامنے عقل کے مدرکات پیش کیے جائیں تو وہ ان کو بید کچھ کر ان کا انکار کرتا ہے اسی طرح بعض عقل والوں کے سامنے نبوت کے مدرکات پیش کیے گئے تو انہوں نے ان کا انکار کر دیا اور یہ خالص جہالت ہے۔

امام غزالی نے اس عبارت میں یہ واضح کر دیا ہے کہ جس طرح حواس کے بعد تمیز کا مرتبہ ہے اور تمیز کا مرتبہ ہے اسی طرح عقل کے بعد نبوت کا مرتبہ ہے اور جس طرح قوت عقلیہ سے معقولات کا اور اک ہوتا ہے اسی طرح نبوت کی قوت سے مغیبات کا اور اک ہوتا ہے اور جس طرح عام حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے حواس کی قوت عطا کی ہے اور انسان کو اس سے ایک زائد قوت عطا کی ہے اور وہ عقل اور تمیز ہے اسی طرح نبی کو اللہ تعالیٰ نے ان قوتوں سے زائد ایک قوت عطا کی ہے جس قوت سے وہ غیب کا اور اک کرتا ہے اور جس طرح انسان عالم محسوسات میں ظاہری چیزوں کو دیکھتا ہے اور ان کی آوازیں سنتا ہے حیوانات اور انسانوں کو دیکھتا ہے اور ان کی آوازیں سنتا ہے اسی طرح نبی غیب کی مخفی چیزوں کو دیکھتا ہے فرشتوں اور جنات کو دیکھتا ہے ان کی آوازیں سنتا ہے اور ان سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اور اس سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی اپنی حقیقت میں عام بشر اور انسان سے ممتاز ہوتا ہے اور جس طرح انسان عام حیوانوں سے خاص ہے نبی عام انسانوں سے خاص ہوتا ہے۔

(المؤمن الاعمال ص ۵۵ سلیمہ رحمۃ اللہ علیہ ۱۴۰۶ھ اور ص ۱۹۱)

نبی کو ابتداء نبوت میں اپنے نبی ہونے کا علم ہوتا ہے یا نہیں اس باب میں سید مودودی کا نظریہ اور اس پر مصنف کا تبصرہ

تقسیم القرآن میں سید مودودی نے یہ تصریح کی ہے کہ جب نبی کے پاس فرشتہ وحی لے کر آتا ہے تو اس کو اس کے فرشتہ ہونے اور وحی کے کلام الہی ہونے کا یقین ہوتا ہے اور اس پر شرح صدر ہوتا ہے لیکن ان کی آخری کتاب بیرت سرور عالم ہے اور اس میں انہوں نے اس کے خلاف لکھا ہے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب عارحرا کی تمہانی میں فرشتہ آیا اور آپ کی جیل وحی نازل ہوئی اور سورۃ الفلق کی ابتدائی پانچ آیتیں نازل ہوئیں تو اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اور نزول وحی کی اس روایت

بڑی کرتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

نزول وحی کی کیفیت کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے پہلے یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا تک اس صورت حال سے سابقہ پیش آیا تھا۔ آپ کو اس سے پہلے کبھی یہ گمان بھی نہ گزرا تھا کہ آپ نبی بنائے جانے والے ہیں۔ نہ اس کی کوئی خواہش آپ کے دل کے کسی گوشے میں موجود تھی۔ نہ اس کے لیے کوئی تیاری آپ پہلے سے کر رہے تھے اور نہ اس کے متوقع تھے کہ ایک فرشتہ اوپر سے پیغام لے کر آئے گا۔ آپ غلط میں بیٹھ چکے کہ مراتب اور عبادت ضرور فرماتے تھے لیکن نبی بنائے جانے کا کوئی تصور آپ کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا۔ اس حالت میں جب یکا یک عار حرا کی اس تہائی میں فرشتہ آیا تو آپ کے اوپر اس پہلے عظیم اور غیر معمولی تجربے سے وہی گھبراہٹ طاری ہوئی جو لامحالہ ایسے حالات میں ایک بشر پر طاری ہونی چاہیے قطع نظر اس سے کہ وہ کیسا ہی عظیم الشان بشر ہو۔ یہ گھبراہٹ بسیط نہیں بلکہ مرکب نوعیت کی تھی۔ طرح طرح کے سوالات حضور کے ذہن میں پیدا ہو رہے تھے جنہوں نے طبع مبارک کو سخت فلجیان میں جتا کر دیا تھا۔ کیا واقعی میں نبی ہی بنایا گیا ہوں؟ کہیں مجھے کسی سخت آزمائش میں تو نہیں ڈال دیا گیا۔ یہ بار عظیم آخر میں کیسے اٹھاؤں گا؟

اس عبادت کی وضاحت کرتے ہوئے سید مودودی نے اس کے حاشیہ میں لکھا ہے:

بے نظیر شخصیت کے مالک ہونے پر بھی وہ ذات جب خود پسندی سے اس درجہ خالی تھی کہ جب آپ نبوت کے منصب عظیم پر یکا یک مامور کر دیے گئے اس وقت بھی کافی دیر تک آپ کو یہ اطمینان نہ ہوتا تھا کہ دنیا کے کروڑوں انسانوں میں سے تنہا ایک میں ہی اس قابل ہوں کہ اس منصب کے لیے رب کائنات کی نگاہ انتخاب میرے اوپر پڑے۔

اور اپنی عبادت کا تسلسل قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ بار عظیم آخر میں کیسے اٹھاؤں گا؟ لوگوں سے کیسے کہوں کہ میں تمہاری طرف نبی مقرر ہوا ہوں؟ لوگ میری بات کیسے مان لیں گے؟ آج تک جس معاشرے میں عزت کے ساتھ رہا ہوں۔ اب اسی معاشرے کے لوگ میرا مذاق اڑائیں گے اور مجھے دیوانہ کہیں گے اس جاہلیت کے ماحول سے آخر میں کیسے لڑ سکوں گا؟ غرض اس طرح کے نہ معلوم کتنے سوالات ہوں گے جو آپ کو پریشان کر رہے ہوں گے۔

اسی وجہ سے جب آپ گھر پہنچے تو کانپ رہے تھے۔ جاتے ہی فرمایا کہ ”مجھے اڑھا دو مجھے اڑھا دو۔“ گھر والوں نے آپ کو اڑھا دیا۔ کچھ دیر کے بعد جب ذرا دل ٹھہرا تو سیدہ خدیجہ کو سارا واقعہ سنایا اور فرمایا:

لقد خشيت على نفسي ”مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔“

(سیرت سرور عالم ج ۲ ص ۱۳۶ مطبوعہ ادارۃ ترجمان القرآن لاہور ۱۹۸۹ء)

اس عبادت کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ کے وحی لانے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کا معاملہ مباحوث ہونے کا علم تو انگ رہا سورہ خلق کی ابتدائی پانچ آیتوں کے نازل ہونے کے بعد بھی حضور کو جبریل کا علم ہوا نہ وحی اور قرآن کا سامنے نبی اور صاحب کتاب ہونے کا!

سوال یہ ہے کہ جب حضور کی نبوت کی پہلی بنیادی شک پر کمی لگی تو بعد میں جا کر کون سی ایسی نئی چیز سامنے آئی تھی جس کے سبب سے یہ شک یقین سے بدل گیا جو جبریل پہلی بار وحی لے کر آیا وہی جبریل آخر وقت تک وحی لا رہا جس قسم کے کلام کو اس نے پہلی بار پیش کیا اسی قسم کا کلام آخر وقت تک پیش کرتا رہا کوئی نئی چیز اس دوران رونما نہیں ہوئی۔ وہی حضور تھے وہی جبریل اور وہی قرآن! پھر کیا سبب ہے کہ پہلی پانچ آیتوں کا قرآن ہونا حضور کے نزدیک مشکوک ہو اور باقی آیتوں کا قرآن

روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(سبحان ربی رب العالمین ص ۱۰۹، اسرار رکب ص ۶۰، ملاک الیوم ص ۱۰۹)

شیخ اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی شریعت طیبہ کی ابتداء میں یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے وصف نبوت بلکہ ختم نبوت کا مرتبہ حاصل ہو چکا تھا البتہ نبوت کا مظهر حضور کی جسمانی پیدائش کے چالیس سال بعد ہوا ہے۔

شیخ تھانوی لکھتے ہیں:

اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ اس وقت (عالم ارواح میں۔ سعیدی فخر لہ) ختم نبوت کے ثبوت کے بلکہ خود نبوت ہی کے ثبوت کے کیا معنی کیونکہ نبوت آپ کو چالیس سال کی عمر میں عطا ہوئی اور چونکہ آپ سب انبیاء کے بعد میں مبعوث ہوئے اس لیے ختم نبوت کا حکم کیا گیا سو یہ وصف تو خود تاخر کو متعلق ہے جواب یہ ہے کہ یہ تاخر مرتبہ مظهر میں ہے مرتبہ نبوت میں نہیں جیسے کسی کو تحصیل داری کا عہدہ آج مل جائے اور تختہ بھی آج ہی سے چڑھنے لگے مگر مظهر ہو گا کسی تحصیل میں بیٹھ جانے کے بعد۔ ۱۲

(شرعیات ص ۷۷)

اس بحث کے اخیر میں ہم بڑے رفیع اور کرب کے ساتھ ابتدائے وحی کی حدیث کی تشریح میں نبوت کے بارے میں سو روئی کی یہ عبارت پیش کر رہے ہیں:

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے نبی بننے کی فکر میں ہوتے اپنے متعلق یہ سوچ رہے ہوتے کہ مجھ جیسے آدمی کو نبی ہونا چاہیے اور اس انتظار میں مرا تے کر کے اپنے ذہن پر زور ڈال رہے ہوتے کہ کب کوئی فرشتہ آتا ہے اور میرے پاس پیغام لاتا ہے تو غار حرا والا معاملہ پیش آتے ہی آپ خوشی سے اچھل پڑتے اور بڑے دم دعوے کے ساتھ پہاڑ سے اتر کر سیدھے اپنی قوم کے سامنے پہنچتے اور اپنی نبوت کا اعلان کر دیتے لیکن اس کے برعکس یہاں حالت یہ ہے کہ جو کچھ دیکھا تھا اس پر ششدر رہ جاتے ہیں کاپتے اور رزتے ہوئے گھر پہنچتے ہیں خلاف اوڑھ کر لیٹ جاتے ہیں ذرا دل غمناک ہے تو بیوی کو چپکے سے بتاتے ہیں کہ آج غار حرا کی تنہائی میں مجھ پر یہ حادثہ گزرا ہے معلوم نہیں کیا ہونے والا ہے مجھے اپنی جان کی خیر نظر نہیں آتی۔ یہ کیفیت نبوت کے کسی امیدوار کی کیفیت سے کس قدر مختلف ہے؟

پھر بیوی سے بڑھ کر شوہر کی زندگی اس کے حالات اور اس کے خیالات کو کون جان سکتا ہے؟ اگر ان کے تجربے میں پہلے سے یہ بات آتی ہوئی ہوئی کہ میاں نبوت کے امیدوار ہیں اور ہر وقت فرشتے کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں تو ان کا جواب ہرگز وہ نہ ہوتا جو حضرت خدیجہ نے دیا۔ وہ کہیں کہ میاں گھبراہٹ کیوں ہو جس چیز کی مدتوں سے قناعتی وہ مل گئی چلو اب میری کی دکان چکاؤ میں بھی نذرانے سنبھالنے کی تیاری کرتی ہوں۔ (سیرت مرد عالم ج ۷ ص ۳۳۷ انوار ترمذی عن ابن عباس)

نیا بتائے جانے کا پہلے علم ہو یا نہ ہو اس عبارت کے مطابق سید ابوالاعلیٰ کے نزدیک نبوت تو بہر حال میری کی دکان چکانے اور نذرانے سنبھالنے سے عبارت ہے۔ اعلیٰ باللہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اپنا عصا ڈال دیجیے۔ پھر جب انہوں نے اس کو اس طرح لہراتا ہوا دیکھا گویا کہ وہ سانپ ہے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا (تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اے موسیٰ! ڈریے مت بے شک میری بارگاہ میں رسول ڈرائیں گے ۵

(احسن ۱۰۰)

جہان اور ثنایان کے معانی میں تطبیق

حضرت موسیٰ علیہ السلام جس لامحی پر یک لگائے ہوئے تھے اور جس کا سہارا لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنا عصا زمین پر ڈال دیجیے! اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عداست ہے اور اس کے جمال کے انوار کا مشاہدہ کرتا ہے، اسے ہر اس چیز کو چمک دینا چاہیے جس کا وہ اللہ کے سوا سہارا لیتا ہو اور اس کو چاہیے کہ وہ اللہ کے فضل و کرم کے سوا اور کسی چیز کا سہارا نہ لے۔

اس آیت میں جہان کا لفظ فرمایا ہے جس کا معنی سانپ ہے اور ایک اور سورۃ میں ثنایان فرمایا ہے جس کا معنی اڑدھا ہے: **فَأَنفِثْ مَعَنَّا فَكَانَ مَثَلَهُنَّ تَأْوِيلُهُنَّ** (۱۰۷: اعراف) (۱۳: اعراف) اڑدھا تھا۔

ایک اور جگہ فرمایا ہے: **فَأَنفِثْنَا بِكَ وَكَانَ حَيَّةً تَسْفِي** (۲۰: اعراف) موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو یکا یک وہ سانپ بن کر دوڑنے لگا۔

حیۃ اور جہان کے معنی سانپ ہیں وہ چونکہ تیزی سے حرکت کرتا ہوا پھر رہا تھا اس لیے اس کو حیۃ اور جہان فرمایا اور الاعراف اور اشعار میں اس کو ثنایان فرمایا کیونکہ جسامت میں وہ اڑدھے کے برابر تھا دوسری توجیہ یہ ہے کہ وہ عصا ظاہری طور پر اس وادی میں سانپ کی صورت بن گیا اور فرعون کے دربار میں اس کو خوف زدہ کرنے کے لیے اڑدھے کی صورت بن گیا۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ کے سوا کسی چیز پر تکیہ اور اعتماد کرتا ہے وہ تکیہ اور سہارا اور حقیقت اس کے حق میں سانپ اور اڑدھا ہوتا ہے۔ رسولوں کے ڈرنے یا نہ ڈرنے کی تحقیق

پھر جب حضرت موسیٰ نے اس عصا کو اس طرح لہراتے ہوئے دیکھا گو یا وہ سانپ ہے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا (تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ اڑیے مت بے شک میری بارگاہ میں رسول ڈرائیں کرتے۔

اس آیت کے دو محمل ہیں ایک یہ ہے کہ آپ میرے غیر سے مت ڈریے اور دوسرا یہ ہے کہ آپ مطلقاً مت ڈریے۔ پھر فرمایا: بے شک میری بارگاہ میں رسول ڈرائیں کرتے۔

یہ ظاہر اس کا معنی یہ ہے کہ رسول مطلقاً نہیں ڈرتے لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ جب ان پر وحی کی جائے اور اللہ تعالیٰ ان سے خطاب فرما رہا ہو اس وقت وہ نہیں ڈرتے کیونکہ اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے مطالعہ میں منہمک اور مستغرق ہوتے ہیں۔ اس لیے اس وقت وہ کسی سے نہیں ڈرتے اور باقی اوقات میں وہ اللہ سبحانہ سے سب سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ان کو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا آخرت میں انجام بہ خیر ہوگا اس لیے وہ سوہ عاقبت (برے انجام) سے نہیں ڈرتے۔

انبیاء علیہم السلام کا اللہ سے ڈرنا

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی ظاہر خصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی آخرت کے خوف سے دنیا میں ڈرتے رہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ (۹۹: اعراف) ہیں۔ اللہ کی گرفت اور عذاب سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں

جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اور ایک اور آیت میں ہے:

إِنَّمَا يَشْفَعِي اللَّهُ مَنْ جَاءَهُ بِالْحَقِّ (۲۸: ۲۵)

علم والے ہیں۔

اللہ کے بندوں میں سے صرف وہی اللہ سے ڈرتے ہیں

اور اللہ کی ذات اور صفات اور احکام شریعہ کے سب سے زیادہ علم والے انبیاء علیہم السلام ہیں تو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے بھی انبیاء علیہم السلام ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے نمازیوں کی تعریف اور تحسین کرتے ہوئے ان کے اوصاف بیان فرمائے:

وَالَّذِينَ يُصَلُّونَ لِيُذَكِّرُوا آلَهُمْ وَأَنفُسَهُمْ وَالَّذِينَ هُمْ
عَنِ عَذَابِ رَبِّهِمْ خَشَعُونَ (۲۸: ۲۶-۲۷)
اور وہ حساب کے دن پر یقین رکھتے ہیں اور وہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں بے شک ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں ہے

اور ان اوصاف کے ساتھ کامل متصف انبیاء علیہم السلام ہیں لہذا وہ سب سے زیادہ اللہ کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔

اسی طرح بعض احادیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ سے ڈرنا

فہر بن عوشب بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا: اے ام المؤمنین! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس تشریف فرما ہوتے تھے تو آپ اکثر اوقات میں کیا دعا فرماتے تھے؟ حضرت ام المؤمنین نے فرمایا: آپ اکثر اوقات یہ دعا کیا کرتے تھے:

یا مغلب القلوب ائمت قلبی علی دینک
اے دلوں کو الٹ پلٹ کرنے والے امیرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔

پھر آپ نے فرمایا: اے ام سلمہ! ہر آدمی کا دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان میں ہے پس وہ جس کے دل کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور جس کے دل کو چاہتا ہے نیز ہا کر دیتا ہے پھر راوی نے اس آیت کی تلاوت کی۔

اے اللہ سے رب! تو ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دین کو نیز عانت کر۔ (آل عمران: ۸)

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰۹ ج ۱ ص ۲۷۷، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷،

ہوا کہ میرے جسم کا کوئی حصہ اس آفت سے بچ جائے گا۔

(مفتوحہ المصنوعہ ج ۱۱۱ کتبہ نزار مصطفیٰ رضی علیہ السلام ج ۶۵ حرث ۱۳۸۸، اختلاف المذاہب ج ۵ ص ۱۲۶، مجمع البحرین ج ۱ ص ۱۲۶)

الحدیث ۶۳۹۱: کنز العمال رقم الحدیث ۶۳۵۹

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اللہ سے ڈرنا

حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا! اگر میں چاہوں تو سب سے زیادہ ظالم لباس پہنوں اور سب سے لذیذ کھانا کھاؤں اور سب سے اچھی زندگی گزاروں لیکن میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو ان کے کاموں پر ملامت کی اور فرمایا:

اذھبت طیتکم فی حیاتکم الدنیا واستمعتکم یہا (علیہ السلام رقم الحدیث ۱۱۷۷ طبع حدیث) تم نے ان سے (خوب) فائدہ اٹھالیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو تین منوں تک ان کے رونے کی آواز آتی تھی۔ (علیہ السلام رقم الحدیث ۱۳۳۳ طبع حدیث)

داؤد بن علی کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا: اگر فرات کے کنارے ایک بکری بھی ضائع ہوگئی تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ مجھ سے اس کے متعلق سوال کرے گا۔ (علیہ السلام رقم الحدیث ۱۳۱۱ مفتوحہ المصنوعہ ج ۵ ص ۱۲۸)

یحییٰ بن ابی کثیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر آسمان سے ایک متادی یہ ندا کرے کہ: اے لوگو! تم سب کے سب جنت میں داخل ہو جاؤ، سوا ایک شخص کے تو مجھے ڈر ہے کہ وہ ایک شخص میں ہوں گا اور اگر متادی یہ ندا کرے کہ: اے لوگو! تم سب کے سب دوزخ میں داخل ہو جاؤ، سوا ایک شخص کے تو مجھے امید ہے کہ وہ ایک شخص میں ہوں گا۔ (علیہ السلام رقم الحدیث ۱۳۳۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ حیات لگا تار روزے رکھتے رہے۔

سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ آدھی رات کے وقت نماز پڑھنے کو پسند کرتے تھے۔

(مفتوحہ المصنوعہ ج ۵ ص ۱۲۹)

عمر بن میمون بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عبداللہ بن عمر! ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ عمر بن الخطاب آپ کو سلام عرض کرتا ہے اور ان سے یہ سوال کرو کہ میں اپنے صاحبوں (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر) کے ساتھ دفن کرو دیا جاؤں؟ حضرت عائشہ نے فرمایا: میں اپنے لیے اس جگہ دفن ہونے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن آج میں عمر کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔ جب حضرت ابن عمر واپس آئے تو حضرت عمر نے پوچھا کیا ہوا؟ انہوں نے کہا اے امیر المؤمنین! انہوں نے آپ کو اجازت دے دی۔ حضرت عمرؓ نے کہا میرے نزدیک اس جگہ دفن ہونے سے زیادہ اور کوئی اہم چیز نہیں تھی جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے جنازہ کو ام المؤمنین کے پاس لے جانا ان کو سلام عرض کرنا پھر کہنا عمر بن الخطاب آپ سے اجازت طلب کرتا ہے اگر وہ اجازت دے دیں تو مجھے دفن کرو دینا ورنہ مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرو دینا۔ پھر فرمایا میرے نزدیک اس خلافت کا ان مسلمانوں سے زیادہ کوئی اور مستحق نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال کے وقت راضی تھے۔ پس میرے بعد جس کو بھی خلیفہ بنا دیا جائے تم سب اس کے احکام کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا پھر حضرت عمرؓ نے یہ نام لیے: حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ

عبدالرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔ اس وقت انصار کا ایک نوجوان آیا اور کہا اے امیر المؤمنین! آپ کو اللہ کی طرف سے خوشخبری ہو آپ کو معلوم ہے کہ آپ اسلام لانے میں مقدم ہیں پھر آپ کو طیفہ بتایا گیا تو آپ نے عدل کیا پھر ان تمام (خوہیوں) کے بعد آپ کو شہادت ملی۔ آپ نے فرمایا: اے میرے پیچھے کاش کہ یہ سب برابر ہو جانے لگے مجھے عذاب ہو نہ تو آپ ہو اللہ عت۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۳۹۳)

حضرت عبداللہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب کو دیکھا انہوں نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا: کاش! میں یہ تنکا ہوتا کاش میں پیدا نہ کیا جاتا کاش میری ماں مجھے نہ جنتی کاش میں کچھ بھی نہ ہوتا کاش میں بھولا ہوا ہوتا۔ (مسلوۃ صفحہ ۱۸ ص ۱۸۸)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اللہ سے ڈرنا

شرعیل بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لوگوں کو امیروں والا کھانا کھاتے تھے اور جب گھر میں داخل ہوتے تو سرک اور زیتون کے تیل سے روٹی کھاتے تھے۔ (کتاب الازہار ص ۱۹۰ صفحہ ۱۸۵ و ۱۸۶ ص ۱۳۷)

حضرت عثمان کے آزاد شدہ غلام ہانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر کے پاس گزرے ہوتے تو اس قدر روتے کہ ان کی دائمی آنسوؤں سے بھگ جاتی۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اور قبر کو دیکھ کر اس قدر روتے ہیں تو انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: قبر آخرت کی منازل میں سے سب سے پہلی منزل ہے۔ جو اس منزل سے نجات پا گیا اس کے لیے اس کے بعد کی منازل زیادہ آسان ہیں اور اگر اس سے نجات نہیں ہوئی تو بعد کی منازل زیادہ دشوار ہیں۔

(کتاب الازہار ص ۱۹۰ صفحہ ۱۸۵ و ۱۸۶ ص ۱۳۷ سنن ابی یوسف رقم الحدیث ۲۳۰۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۷۶۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اللہ سے ڈرنا

مجمع بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیت المال کا سارا مال تقسیم کرنے کا حکم دینے پھر اس میں جھڑو دے کر اس کو دھو ڈالتے پھر اس میں نماز پڑھتے اور یہ امید رکھتے کہ قیامت کے دن یہ بیت المال گواہی دے گا کہ انہوں نے بیت المال کے مال کو مسلمانوں سے روکا نہیں۔ (کتاب الازہار ص ۱۹۳ صفحہ ۱۸۵ و ۱۸۶ ص ۱۳۲)

حبیب بن جوین بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس قالودہ لایا گیا اور ان کے سامنے رکھا گیا تو حضرت علی نے فرمایا: حیرتی بہت اچھی خوشبو ہے اور بہت اچھا رنگ ہے اور بہت اچھا ذائقہ ہے لیکن مجھے یہ نا پسند ہے کہ مجھے تجھے کھانے کی عادت پڑ جائے۔ (کتاب الازہار ص ۱۹۵)

حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے حضرت علی کی شہادت کے بعد خطبہ دیا کہ تمہارے پاس سے ایک امین شخص چلا گیا پہلوں میں اس جیسا کوئی امین تھا اور نہ بعد میں کوئی ان جیسا ہوگا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جہاد کے لیے بھیجتے تھے اور ان کو جھنڈا عطا فرماتے اور وہ ہمیشہ فتح و کامرانی کے ساتھ لوٹتے تھے۔ انہوں نے اپنے ترکہ میں کوئی سونا چاندی نہیں چھوڑا سوا سات سو درہم کے جو انہوں نے مستحقین میں تقسیم کرنے کے لیے رکھے ہوئے تھے اور ان کے اہل کے لیے کوئی نہ دم نہیں تھا۔

(کتاب الازہار ص ۱۹۶)

یزید بن یحییٰ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے آپ نے اپنی کھوار مٹکا کر اس کو میان سے نکالا پھر فرمایا: اس کھوار کو کون خریدے گا بخدا اگر میرے پاس لباس کو خریدے کے لیے پیسے ہوتے تو میں اس کو نہ فروخت کرتا۔

(کتاب الترمذی ج ۱ ص ۱۶۳ علیہ السلام رحمہ اللہ ص ۱۶۸۸) میں اس طرح ہے:

ہارون بن عازرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت علی بن ابی طالب کی خدمت میں حاضر ہوا وہ ایک چادر میں لپیٹا ہوا تھا۔ میں نے کہا اے امیر المومنین اللہ نے آپ کے لیے اور آپ کے اہل کے لیے بھی اس بیت المال میں حصہ رکھا ہے اور آپ نے اپنا یہ حال بنا رکھا ہے! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہارے مال میں سے کچھ کم نہیں کرنا چاہتا میرے پاس صرف میری یہ چادر ہے جو میں دین سے لایا تھا۔ (متفقہ تصحیح ص ۱۶۳)

عصمت کی تحقیق

بعض علماء نے یہ کہا کہ انبیاء علیہم السلام اس لیے نہیں ڈرتے کہ وہ معصوم ہیں کیونکہ جب ان سے گناہ ہو ہی نہیں سکتا تو پھر ان کو گناہوں پر عذاب سے ڈر بھی نہیں ہوگا۔ یہ دلیل اولاً اس لیے صحیح نہیں کہ فرشتے بھی معصوم ہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ قرآن مجید میں فرشتوں کے متعلق ہے:

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ أَنْقَضَ وَهُوَ قَدْ خَلَّيْنَاهُ (النبا: ۲۸)

اور فرشتے اس کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت سے اللہ راضی ہو اور وہ اس کے رعب اور جلال سے ڈرنے والے ہیں۔

دوایا یہ بات اس لیے بھی غلط ہے کہ کسی شخص کے معصوم ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ گناہ کر ہی نہیں سکتا۔ عصمت کی تعریف یہ ہے:

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر گنگا زلی متوفی ۹۱۷ھ لکھتے ہیں:

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ میں اس کی قدرت اور اختیار کے باوجود گناہ نہ پیدا کرے اسی کے قریب یہ تعریف ہے: عصمت اللہ تعالیٰ کا لطف ہے جو بندہ کو نیک کاموں پر ابھارتا ہے اور برے کاموں سے روکتا ہے۔ اس کے باوجود کہ بندہ کو اختیار ہوتا ہے تاکہ بندہ کا مکلف ہونا صحیح رہے اس لیے شیخ ابو منصور ماتریدی نے فرمایا عصمت مکلف ہونے کو داخل نہیں کرتی۔ ان تعریفوں سے ان لوگوں (شیعہ اور بعض معتزلہ) کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ عصمت نفس انسان یا اس کے بدن میں ایسی خاصیت ہے جس کی وجہ سے گناہوں کا صدور محال ہو جاتا ہے کیونکہ اگر کسی انسان سے گناہ کا صدور محال ہو تو اس کو مکلف کرنا صحیح ہوگا نہ اس کو اجر و ثواب دینا صحیح ہوگا۔ (شرح معانی ص ۱۰۹ مطبوعہ نور محمدیہ المطابع کراچی)

علامہ عبدالحزیز پرہاروی نے بھی عصمت کی اس تعریف سے اتفاق کیا ہے۔ (نور اس ص ۳۳ مطبوعہ لاہور ۱۳۹۷ھ)

علامہ شمس الدین غیاثی متوفی ۸۷۰ھ عصمت کی تعریف میں لکھتے ہیں:

ہی مملکت اجتناب المعاصی مع التمكن فيها.

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے بچنے کے ملکہ (مہارت) کو عصمت کہتے ہیں۔

(حاشیہ البانی ص ۱۳۶ مطبوعہ مطبعہ عربیہ مصر)

علامہ زبیدی متوفی ۱۳۰۵ھ نے علامہ مناوی سے عصمت کی یہی تعریف نقل کی ہے اور علامہ میر سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ھ نے بھی یہی تعریف لکھی ہے۔ (تاج شریعہ ج ۱ ص ۹۹ مطبوعہ مطبعہ الخیرۃ مصر ۱۳۰۷ھ تقریرات ص ۲۵ مطبوعہ مصر ۱۳۰۷ھ)

شیعہ اور معتزلہ نے عصمت کی یہ تعریف کی ہے شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کے لیے کوئی برا کام کرنا ممکن نہیں ہے نبوت سے پہلے نہ نبوت کے بعد مضمرہ نہ کبیرہ۔

(اقیان ص ۱۹۹ دارالحدیث اشرفیہ)

لیکن شیعہ کی یہ تہریف اس لیے غلط ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کا صدور ناممکن اور محال ہو تو پھر ان کو گناہوں کے ترک کرنے کا مکلف کرنا صحیح نہ ہوگا کیونکہ مکلف اس چیز کا کیا جاتا ہے جس کا کرنا یا نہ کرنا بندہ کی قدرت اور اس کے اختیار میں ہو اس پر بعض لوگوں نے یہ کہا کہ انبیاء علیہم السلام صرف امر کے مکلف ہوتے ہیں نبی کے مکلف نہیں ہوتے میں کہتے ہوں کہ جب آپ نے ان کو امر کا مکلف مان لیا تو یہ مان لیا کہ امر پر عمل کرنا یا نہ کرنا ان کے اختیار میں ہے اور جب یہ مان لیا تو آپ نے ان کی گناہوں پر قدرت مان لی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے امر اور حکم پر عمل نہ کرنا گناہ ہے۔

انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کا صدور عقلاً متعین اور محال نہیں ہے ہاں شرعاً متعین ہے یعنی انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کا صدور عاودہ محال ہے کیونکہ نصوص قطعہ سے یہ ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہ نہیں کرتے "صغیرہ نہ کبرہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت اور ان کی اتباع کو واجب قرار دیا ہے اگر وہ گناہ کرتے تو ان کی اطاعت اور اتباع واجب نہ ہوتی اس لیے شرعاً ان کا گناہ کرنا متعین ہے اور عقلاً ان کا گناہ کرنا متعین نہیں ہے کیونکہ وہ مکلف ہیں۔ ان کے نیک کاموں کی اللہ تعالیٰ نے تہریف اور تحسین فرمائی ہے اور ان سے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب انہوں نے اپنے اختیار سے نیک کام کیے ہوں اور اپنے اختیار سے برے کاموں کو ترک کیا ہو۔

رسولوں کے اللہ سے نہ ڈرنے کا محمل

علامہ سید محمود آلوی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ ظاہر کتاب و سنت سے اور عقل سلیم سے یہ ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اللہ کی گرفت اور پکڑ سے بے خوف نہیں ہیں اور ہر چند کہ ان سے گناہوں کا صدور شرعاً متعین ہے لیکن عقلاً ان سے گناہوں کا صدور محال نہیں ہے بلکہ ان سے گناہوں کا صدور ان ممکنات میں سے ہے جن ممکنات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق صحیح ہے۔ سوا نبیاء علیہم السلام اور ملاحمہ سب اللہ تعالیٰ سے خائف ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو فرمایا ہے

﴿إِنِّي لَا أَجْعَلُ لَكَ ذُلًّا ۚ وَالَّذِي أَلْمَزْتُهُ لَكَ ۖ﴾ (آئل ۱۰۰)

بے شک میری بارگاہ میں رسول ڈرا نہیں کرتے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کے دلوں میں یہ علم پیدا کر دیا ہے کہ جس عذاب سے وہ ڈرتے رہتے ہیں وہ عذاب ان کو کسی وقت بھی نہیں دیا جائے گا ہر چند کہ وہ عذاب فی نفسہ ممکن بالذات ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ وہ اپنے رسولوں کو عذاب نہیں دے گا اور اس نے اپنے رسولوں سے نجات کا وعدہ فرمایا ہے اللہ کے رسول اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کے وعدہ کی وجہ سے عذاب سے نہیں ڈرتے اور اس عذاب کے ممکن بالذات ہونے کی بنا پر اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔

(روح البانی ج ۱ ص ۲۳۷ ۲۳۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

جب رسولوں کو معجزہ ظاہر کرنے کا حکم دیا جائے اس وقت وہ کسی سے نہیں ڈرتے اور جہاں تک اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا تعلق ہے تو وہ اللہ عزوجل سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۳۵ مطبوعہ دار انبیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو منصور ماتریدی نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ماسوا سے مامون اور محفوظ رکھتا ہے اور اس سے فرماتا ہے تم میرے غیر سے مت ڈرو تم میری پناہ میں ہو جو میری پناہ میں ہو وہ میرے غیر سے نہیں ڈرتا۔

علامہ ابو محمد روز بہان بن ابی نصر اہلبی الشیرازی المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا: آپ اژدھے سے ڈاریں کیونکہ آپ نے جو کچھ دیکھا ہے وہ میری مصیبت کا ظہور ہے اور مجھ سے خطاب کے وقت میری عظمت اور جلال کے مشاہدہ سے رسول نہیں ڈرتے کیونکہ وہ میری رسلیت کے اسرار کو جانتے ہیں۔ (مرآۃ البیان ج ۲ ص ۲۳۰) (اسلمیہ مطبعہ فنی و فکھور کھنڈ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبلی کو گھونسا مار کر ہلاک کر دینا آیا گناہ تھا یا نہیں!

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر میں ایک قبلی کو تادیب گھونسا مارا تھا اور وہ قضاء الہی سے مر گیا تھا اور فرعونوں نے یہ سمجھا تھا کہ حضرت موسیٰ نے ظلماً ایک شخص کو ہلاک کر دیا ہے اس لیے وہ انتقام آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے اس وجہ سے آپ مصر چھوڑ کر مدین چلے گئے تھے اور دس سال سے زیادہ عرصہ گزار کر پھر مصر لوٹ رہے تھے اس لیے اس موقع پر آپ کو اس قبلی کے ہلاک ہونے کا واقعہ یاد آیا تو اللہ تعالیٰ نے تعزین فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اس کے جس نے ظلم کیا پھر اس نے برائی کے بعد کوئی نیکی کی تو بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں۔ (آئل ۱۱)

قبلی کے قتل کو ظلم فرمانے کی تحقیق

امام محمد بن مر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کے جن افعال کو قرآن مجید میں ظلم فرمایا ہے اس سے مراد ترک انفعلی ہے یا گناہ صغیرہ۔ (صحیح ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے کسی قسم کا کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا۔ صغیرہ نہ کبیرہ نبوت سے پہلے نہ نبوت کے بعد سمجھنا صحیح) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تعذیب ہی ایہ میں تخریب کرنا مقصود ہو حسن بصری نے کہا خدا کی قسم! حضرت موسیٰ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے قبلی کو قتل کر کے ظلم کیا تھا پھر انہوں نے اس ظلم کو نیکی سے تبدیل کیا۔ قرآن مجید میں ہے:

لَیْسَ اِیَّیْكَ فَکَلَّمْتُ نَعُوْثٰی فَالْتَمِیْزْ لِّی الْفَتٰکَ ۚ کَلٰ ۚ

اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا سو تو

(التقص: ۱۶)

مجھ کو معاف فرما پس اللہ نے ان کو معاف فرمادیا۔

(تفسیر کبرج ج ۸ ص ۴۴۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۶۵ھ)

امام رازی نے حسن بصری کا جو قول نقل کیا ہے وہ ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبلی کو ارادۂ قتل نہیں کیا تھا اور نہ عادت کوئی شخص ایک گھونٹے سے ہلاک ہو جاتا ہے حضرت موسیٰ نے اس قبلی کو تادیب گھونسا مارا تھا وہ شخص قضاء الہی سے مر گیا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فعل قتل صحیح تھا نہ ظلم تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس کو ظلم کہنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عایت تو واضح اور انتہائی مجروحہ و نکار کا اظہار ہے۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کا رمسا طلسمنا فرمانا بھی اوب اور تو واضح کے لیے تھا اور اس تعلیم کے لیے تھا کہ ان سے اگر کوئی فعل اجتہادی خطا کی بنا پر بھی صادر ہو جائے تو وہ اس کو بھی ظلم اور ذنب قرار دیتے ہیں حالانکہ عام مسلمانوں کو بھی اجتہادی خطا پر اجر ملتا ہے اور اس کو ظلم اور گناہ نہیں کہا جاتا تو ان کی اجتہادی خطا کو ظلم کہنا کس طرح جائز ہوگا! اور اس میں ہمارے لیے یہ تعلیم ہے کہ انبیاء علیہم السلام اجتہادی خطا پر اس قدر اظہار نہ است اور تو بے اور استغفار کرتے ہیں تو ہمیں اپنی عمارت خطاؤں پر کس قدر زیادہ تو بے اور استغفار کرنا چاہیے۔

عوام اور خواص کے معاصی کا فرق

علامہ اسماعیل حنفی مبنی ۱۱۳۷ھ اس مقام پر لکھتے ہیں:

الفتوحات السکریہ میں مذکور ہے کہ خواص کے معاصی عوام کے معاصی کی طرح نہیں ہیں، کیونکہ عوام کے معاصی ان کی شہوت طبعیہ کی وجہ سے ہوتے ہیں اور خواص کے معاصی تاویل میں خطا کی وجہ سے ہوتے ہیں اور اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی عارف باللہ میں گناہ پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے نزدیک کسی تاویل سے اس فعل کو مزین کر دیتا ہے۔ کیونکہ عارف کی معرفت اس کو بغیر تاویل کے گناہ کے ارتکاب سے باز رکھتی ہے، کیونکہ عارف باللہ کبھی حکم کلام اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرتا، پھر جب وہ کسی تاویل سے اس فعل کا ارتکاب کر لیتا ہے تو اس کے بعد اس پر مشکف ہوتا ہے کہ اس کی وہ تاویل صحیح نہیں تھی اور درحقیقت اس فعل کا ارتکاب جائز نہیں تھا، جیسا کہ شجر ممنوع سے کھانے کے لیے حضرت آدم علیہ السلام نے یہ تاویل کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس خاص درخت سے کھانے سے منع فرمایا تھا اگر میں اس نوع کے کسی اور درخت سے اس کا پھل کھاؤں تو یہ جائز ہے اور ممنوع نہیں ہے اور بعد میں ان پر یہ مشکف ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس نوع کے تمام درختوں سے کھانے سے منع فرمایا تھا، یا انہوں نے یہ تاویل کی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا منع فرمایا تنزیہاً تھا اور بعد میں ان پر مشکف ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا منع فرمایا تحریماً تھا اس لیے انہوں نے بعد میں اس پر توبہ کی اور استغفار کیا اور تاویل میں شہ کی وجہ سے ان کا یہ فعل گناہ نہیں تھا جیسے ایک وقت میں کوئی مفتی یا مجتہد یہ کہے کہ غیر مسلم دینک سے سود کھانا جائز ہے یا قوالی سننا جائز ہے یا وڈیو بھانا اور تصویر کھینچنا جائز ہے اور بعد میں اس پر یہ مشکف ہو کہ یہ تمام امور ناجائز اور گناہ ہیں تو جب اس نے اپنے دلائل کی بنا پر یہ کام کیے تھے تو ان پر مواخذہ نہیں ہوگا خواہ اس کے دلائل غلط ہوں اور خطا یعنی ہوں، ہاں اپنے فکر کی غلطی پر مطلع ہونے کے بعد اگر ان کا مسو کو کرے گا تو پھر گناہ ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی بندہ کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ بغیر کسی تاویل کے یا بغیر کسی فعل کی خوشنمائی کے یا بغیر غفلت یا لسان کے عہد کوئی گناہ کرے، حضرت یازید بسطامی سے پوچھا گیا کہ کوئی شخص جو عارف باللہ ہو اور اہل کشف میں سے ہو یا وہ اللہ تعالیٰ کی کوئی معصیت کر سکتا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں، ایہ اللہ کی تقدیر سے ہے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دیا ہے وہ ہو کر رہتی ہے اور جب کسی عارف باللہ سے کوئی قصور ہو جائے تو وہ قصور کسی تاویل کی بنا پر ہوگا یا ترجمین کی بنا پر اور ترجمین کا معنی یہ ہے کہ اس کے نفس نے اس کے لیے اس فعل کو خوشنما بنا دیا اور اس فعل کے ارتکاب کے وقت وہ اس بات سے غافل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس فعل سے منع کیا ہے یا اس کی نگاہوں سے اس وقت وہ عذاب اوجھل ہو گیا جو عذاب اس فعل پر مرتب ہوتا تھا۔

(درر الجہان ج ۶ ص ۱۶۶ مصلحاً و مضافاً مطبوعہ دارالامان و تراث اعلیٰ بیروت ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں تو وہ بغیر کسی مہب کے چٹکا ہوا نکلے گا۔ آپ نو نشانیاں نے کفر فرعون اور اس کی قوم کے پاس جا بیٹے جب شک وہ نافرمانوں کا گروہ ہے ۵ سو جب ان کے پاس ہماری بصیرت افرود نشانیاں آگئیں تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا ہوا چادو ہے ۵ انہوں نے علم اور تکبر کی وجہ سے ان نشانوں کا انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل ان (نشانوں کی صداقت) کا اعتراف کر چکے تھے۔ پس دیکھیے ان قہر پروردگوں کا کیسا انتہام ہوا ۱۱۳۔۱۱۲ (نہل: ۱۱۳-۱۱۲)

عصا کے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیگر معجزات

برس کے دارغ بھی بہت زیادہ سفید ہوتے ہیں مگر ان کو مہب شمار کیا جاتا ہے اس لیے واضح فرمایا کہ آپ کا ہاتھ بغل میں ڈالنے کے بعد ہر چند کہ بہت سفید ہو کر نکلے گا مگر وہ برس کی طرح مہب دار نہیں ہوگا۔

اس کے بعد بتایا کہ آپ کی لاش کا ڈالنے کے بعد اڑو حاکمین جانا اور قتل میں ڈالنے کے بعد آپ کے ہاتھ کا مٹا دینا۔ سفید ہو جانا آپ کو دی جانے والی نوشتہوں اور آپ کے نو بیڑات میں سے ہے باقی سات نشانیاں یہ ہیں غزوہ میں پر قتل کے سالوں کا مسئلہ کیا جانا پہلوں کا کم ہونا، مٹیاں جو کیمینڈک خون اور طوقان۔ پھر بتایا کہ آپ کو غزوہ اور اس کی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا ہے کیونکہ یہ لوگ فاسق تھے یعنی ایمان اور اعمال صالحہ کی حدود سے نکل کر کفر اور بدکاریوں میں داخل ہو چکے تھے، فاسق کا معنی ہے خروج۔ پھر بتایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو مکمل کلمی نشانیاں دکھائیں تو انہوں نے ان نشانوں کا انکار کیا اور کہا یہ تو کھلا ہوا چادر ہے۔

پھر بتایا کہ انہوں نے اپنی زبانوں سے ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید کی نشانی قرار دینے سے انکار کیا۔ جس حدود کا معنی ہے کسی چیز کو پہچاننے کے باوجود ہٹ دھرمی سے اس کا انکار کرنا، حالانکہ ان کے دل یہ مانتے تھے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید کی پکی نشانیاں ہیں۔

ابواللیث نے کہا ان کے دلوں میں ان نشانوں کے بچی ہونے کا اس لیے یقین تھا کہ جب بھی ان پر کوئی عذاب آتا تھا ان کا گھر خون سے بھر جاتا ان کے پانی کے برتنوں میں پانی کی جگہ خون ہوتا تو پھر وہ حضرت موسیٰ سے فریاد کرتے کہ اس عذاب کو ان سے دور کر دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا فرماتے تو وہ عذاب ان سے دور ہو جاتا۔ اس سے ان کے دلوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کا یقین ہو جاتا اس طرح جب ان پر قتل سالی آتی یا ان کے گھر میں مذکوروں اور مٹوں سے بھر جاتے تو اس عذاب سے نجات کے لیے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاتے تھے کیونکہ ان کو یقین تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور آپ کی دعا سے ہی ان سے یہ مصیبت نکلے گی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان کو اس عذاب سے نجات مل جاتی لیکن وہ اپنا ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اور ان کے پیغام کا مسلسل انکار کیے جاتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیص اور قیص میں جن لگانے کی تحقیق

اہل ۱۳: میں فرمایا اور آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں۔

امام الحسین بن مسعود بغوی حوالی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

جب کے معنی ہیں گریبان اہل تفسیر نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھلے ہوئے گریبان کی قیص پہنے ہوئے تھے اس میں نہ آستین تھی نہ گھنڈیاں (جن) (تھیں) سو انہوں نے اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالا۔

(معالم باقر ج ۳ ص ۲۹۲ مسطورہ دار احیاء التراث العربی ۱۳۸۰ ھ)

بعض احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گریبان کے جن کھلے ہوئے ہوتے تھے:

معاویہ بن قرقہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ میں حریزہ کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جس ہم نے آپ سے بیعت کی اس وقت آپ کی قیص کے جن کھلے ہوئے تھے پھر میں نے اپنا ہاتھ آپ کی قیص کے گریبان میں ڈالا اور میں نے ہر نبوت کو چھوڑا عمرو کہتے ہیں کہ میں نے جب بھی معاویہ اور ان کے بیٹے کو دیکھا تو ان کی قیصوں کے جن کھلے ہوئے ہوتے تھے خواہ سردی ہو یا گرمی اور وہ کبھی بھی اپنی قیصوں کے جن نہیں لگاتے تھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۹۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۷۸ شکل ترمذی رقم الحدیث: ۵۷۵۸ مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۳)

قیس کے بن لگانے کے متعلق بھی احادیث ہیں:

حضرت زید بن ابی لوفی رضی اللہ عنہ نے ایک طویل حدیث روایت کی اس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو بلایا اور فرمایا:

اے عثمان قریب ہو! اے عثمان قریب ہو! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مسلسل قریب ہونے کے لیے فرماتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے زانو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زانو کے ساتھ ٹالے پھر آپ نے ان کی طرف دیکھا پھر آسمان کی طرف دیکھا پھر تمیز پھر فرمایا: سبحان اللہ العظیم پھر حضرت عثمان کی طرف دیکھا تو ان کی قیس کے بن کھلے ہوئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ان کے بن بند کر دیے پھر فرمایا اپنی چادر کو دوہرا کر کے اپنے سینہ پر باندھ لو۔ (المکرمین ج ۵ ص ۲۲۱-۲۲۰ رقم الحدیث: ۵۱۳۶ مسلیوہ دارالامان لکھنؤ ص ۱۳۱)

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا ان کی قیس کے بن کھلے ہوئے تھے ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۶۳۱ مسلیوہ دارالامان لکھنؤ ص ۱۳۸)

امام ابوالشیخ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی قیس نہیں بنائی جس میں گھنڈی (بن) ہو۔ (سبل اللہ فی دار الشریعہ ج ۲ ص ۲۹۵ دارالکتب القطرہ بیروت ۱۳۱۳ھ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آستین پیچھے تک ہوتی تھی۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۵۱۷ المساجد لکھنؤ ج ۱ ص ۳۵۵ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۱۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیس سوتی تھی۔ اس کی لمبائی کم تھی اور اس کی آستین چھوٹی تھی۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۷۷ المساجد لکھنؤ ج ۱ ص ۳۵۵ بیروت ۱۳۱۸ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی قیس پہنتے تھے جو ٹٹوں سے اوپر ہوتی تھی اور اس کی آستین انگلیوں تک ہوتی تھی۔ (سبل اللہ فی دار الشریعہ ج ۲ ص ۲۹۳ مسلیوہ بیروت ۱۳۱۳ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی متوفی ۱۳۳۰ھ سے سوال کیا گیا:

اور حضور کے کریمہ شریف میں گھنڈی لگی تھی یا بن اور کریمہ شریف میں چاک کھلے تھے یا نہیں؟ گھنڈی آپ کے کریمہ مبارک میں سامنے تھی یا ادھر ادھر تھی؟

اعلیٰ حضرت اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

کریمہ مبارک میں بن ثابت ہیں چاک دونوں طرف تھے صحیح مسلم شریف میں اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ وہ جیسا مکشوفین بالذہاب جگر بیان مبارک سیدہ اقدس پر تھا۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۹۳-۹۲ مسلیوہ مکتبہ رضویہ کراچی ۱۳۷۲ھ)

نیز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی سے سوال کیا گیا:

حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کریمہ شریف کتنا نیچا تھا اور گریان مبارک سیدہ اقدس پر تھا یا دائیں ہاتھیں اور چاک مبارک کھلی تھی یا دوختہ اور بن لگے تھے یا گھنڈی۔ الخ

اعلیٰ حضرت اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

قیس مبارک خیم ساق تک تھا۔ مواب شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیس اور چادر کی لمبائی چڑھ کے نصفہ تک تھی اور کم طول بھی وارد ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیس سوئی اس کی لمبائی دو آستینیں چھوٹی تھیں مگر بیان مبارک سینہ القدس پر تھا دامن کے چاک کھلے ہونا ثابت ہے کہ ہون پر ریزہ کپڑے کی کوٹ تھی اور کوٹ کھلے ہوئے چاکوں پر لگاتے ہیں اس زمانے میں گھنڈی نگے ہوتے تھے جن کو زرد مردہ کہتے ہیں جن کا بت نہیں نہ ان میں کوئی حرج۔ (ذکوی ۲: ۱۰۷/۱۰۸ ص ۱۰۷) مسطورہ کتبہ رضویہ (۱۳۳۱ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیس کا گریبان کھلا ہوا ہوتا تھا اور اس میں گھنڈی یا جن لگے ہوئے نہیں ہوتے تھے اور آپ نے اسی طرح نماز پڑھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی معمول تھا سنن ابوداؤد سنن ترمذی اور طبقات ابن سعد میں اسی طرح ہے۔ البتہ امام طبرانی نے حضرت زید بن ابی لوفی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان کے کسی قیس کے جن کھلے ہوئے تھے تو آپ نے ان کو بند کر دیا اس زمانہ میں سیپ پٹاسنگ یا اسٹیل کے جن نہیں ہوتے تھے۔ کپڑے کی جن نما ابھری ہوئی گولی چیز ہوتی تھی جس کو کاج کے سوراخ میں ڈال دیتے تھے اس کو عربی میں زرد اور اردو میں گھنڈی کہتے ہیں ہم نے اس کا ترجمہ جن کیا ہے۔

ہر چند کہ نماز اور غیر نماز میں گریبان کا کھلا رکھنا سنت ہے لیکن چونکہ آپ نے حضرت عثمان کے گریبان کے جن بند کر دیئے تھے اس لیے نماز میں قیس کے جن بند کر لینے چاہئیں اور یہ بھی آپ کی سنت ہے۔

دو آستینوں میں تعارض کا جواب

اس سورۃ میں فرمایا ہے:

فَلَمَّا جَاءَ مَطَرُ الْيَوْمِ (آئل: ۱۳)

اور دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

فَلَمَّا جَاءَ مَطَرُ الْيَوْمِ (القصص: ۳۲)

جس جب موسیٰ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے آئے۔

سورۃ القصص میں حضرت موسیٰ کی طرف نشانیاں لانے کا اسناد کیا ہے اور سورۃ النمل میں نشانوں کی طرف آنے کا اسناد کیا ہے۔ آئل میں نشانوں کی طرف آنے کا اسناد حقیقت ہے اور القصص میں مجاز ہے اور بعض مفسرین نے اس کے برعکس کہا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سورۃ القصص میں فرعون کے دربار میں معجزات پیش کرنے کا سیاق ہے اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ان معجزات کے لانے کی نسبت کی ہے اور سورۃ النمل میں اس طرح نہیں ہے اس لیے اصل کے اعتبار سے فرمایا جب ان کے پاس نشانیاں آئیں۔

کفار اور مشرکین کو تنبیہ

اللہ تعالیٰ نے فرعونوں کے حلقہ بتایا کہ انہوں نے کھلے کھلے اور روشن معجزات دیکھنے کے باوجود ظلم اور تکبر کی بنا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا اس میں کفار تک کو تنبیہ کرتا ہے کیونکہ وہ بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن معجزات دیکھنے کے باوجود ظلم اور تکبر کی بنا پر آپ کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کر دیا سو جو فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کر چکا ہے اس کے لیے کفار تک کو ہلاک کرنا کیا مشکل ہے۔ اس لیے عقل دانوں کو چاہیے کہ قوم فرعون کے حال سے نصیحت حاصل کریں اور ان کاموں کو ترک کر دیں جن کاموں کی وجہ سے قوم فرعون کو عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک

کیا کیا تھا اور علم اور حکم کو چھوڑ کر عدل اور تواضع کو اختیار کریں اور نفس کے تقاضوں پر عمل کرنے کے بجائے ضمیر کی نکار پر لبیک کہیں۔

اور اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے فیض کو قبول کرنے کی فطری صلاحیت اور استعداد کو ضائع کر دیا اور وہ چھ پاؤں اور دردندوں کے پست گڑھے میں گر گئے ان کا انجام یہ ہے کہ وہ آخرت میں شیاطین کے ساتھ دوزخ کی آفتاب گہرائیوں میں جا کرے۔ اللہ کے قرب اور اس کی معرفت کی بلندی میں چڑھنا مشکل ہوتا ہے اور نفس کی پستی میں اترنا آسان ہوتا ہے جیسے کسی چتر کو آپ اوپر اچھالیں تو اپنی طبیعت کے تقاضے کے خلاف اس کے لیے اوپر جانا مشکل ہوتا ہے اور اپنے طبعی تقاضے کے موافق نیچے آنا اس کے لیے آسان ہوگا سو یہی حال کافروں کا ہے وہ شرک اور کفر کے خوگر اور عادی ہو چکے ہیں اور کفر ان کی طبیعتِ ثانیہ بن چکا ہے لہذا ان کے لیے کفر اور شرک کو چھوڑ کر اسلام اور توحید کی طرف آنا مشکل ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا ۖ وَقَالَ الْخَمْدُ لِلَّهِ الذِّی

اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو عظیم علم عطا کیا تھا اور ان دونوں نے کہا تمام تر تعظیمیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم کو

فَصَلَّٰنَا عَلٰی کَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُوْمِنِیْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ

اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر نصیبت عطا فرمائی ہے ۱۵ اور سلیمان داؤد کے

دَاوُدَ وَقَالَ یٰۤاٰیُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مَنطِقَ الطَّیْرِ وَاُوْتِیْنَا

وارث ہوئے اور کہنے لگے اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز

مِّنْ کُلِّ شَیْءٍ ۚ اِنَّ هٰذَا لَهٗوَ الْفَضْلِ الْمُبِیْنِ ﴿۱۶﴾ وَحِشْرُ

سے عطا کیا گیا ہے اور بے شک یہی کھلا ہوا فضل ہے ۱۶ اور سلیمان کے لیے

لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ فَهُمْ یُوْرِعُوْنَ ﴿۱۷﴾

جنات اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کیے گئے اور ہر ایک کو ایک ایک قسم کا کام دیا ۱۷

حَتّٰی اِذَا اَتَوْا عَلٰی وَادِی النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ یٰۤاٰیُّهَا النَّمْلُ

حتیٰ کہ جب وہ چیتوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیتوں نے کہا اے چیتو! اپنے اپنے

اَدْخُلُوْا مَسٰکِنَکُمْ ۚ لَا یَحْطُبْکُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا

لوگوں میں گھر بنائے کہیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں انہیں روند نہ

يَسْعُرُونَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّن قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ

ڈالے ۵ اس کی بات سے سلیمان مسکرا کر کہیں دیے اور دعا کی اسے میرے رہا

أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ

تو نے مجھے اور میرے والدین کو جو نعمتیں عطا کی ہیں مجھے ان کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ

وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ

اور مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ جن سے تو راضی ہے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل

الصَّالِحِينَ ﴿۱۹﴾ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدًى هَٰذَا

کر لے ۵ اور انہوں نے پرندوں کی گھنٹیش کی تو کہا کیا وجہ ہے کہ میں ہر جگہ کو نہیں دیکھ رہا

أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ﴿۲۰﴾ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ

یا وہ غیر حاضرین میں سے ہے ۵ میں اس کو ضرور سخت سزا دوں گا

لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لِيَأْتِيَنِي بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿۲۱﴾ فَكَثَرَ غَيْرِ بَعِيدٍ

یا اس کو ضرور ذبح کر دوں گا ورنہ وہ اس کی صاف صاف وجہ بیان کرے ۵ وہ (ہر جگہ) کچھ دیر بعد آکر پولا

فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنِيَّائِقِينَ ﴿۲۲﴾

میں نے اس جگہ کا احاطہ کر لیا ہے جس کا آپ نے احاطہ نہیں کیا میں آپ کے پاس (لکھ) سبا کی ایک بھٹی بھری لایا ہوں ۵

إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا

میں نے دیکھا کہ ان پر ایک عورت حکومت کر رہی ہے اور اس کو ہر چیز سے دیا گیا ہے اور اس کا

عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدَتْهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ

بہت بڑا تخت ہے ۵ میں نے اس کو اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں

دُونِ اللَّهِ وَرَأَيْنَا لَكُمُ الشَّيْطٰنَ أَعْمٰلَهُمْ فَصَدَّاهُمْ عَنْ

اور شیطان نے ان کے لیے ان کے (ان) کاموں کو خوش نما بنا دیا ہے سو ان

السَّبِيلُ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ﴿۳۸﴾ أَلَا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ

اللہ کے راستے سے روک دیا ہے پس وہ ہدایت نہیں پا رہے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمانوں

الْخُبَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿۳۹﴾

اور زمینوں کی چیزوں کو باہر آتا ہے اور وہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جن کو تم چھپاتے ہو اور جن کو تم ظاہر کرتے ہو۔

أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۴۰﴾ قَالَ سَنَنْظُرُ

اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔ سلیمان نے کہا ہم دیکھتے ہیں

أَصْدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿۴۱﴾ إِذْ هَبْ بِيكُتَيْبَىٰ هَٰذَا

کہ تم نے سچ کہا ہے یا تم جھوٹوں میں سے ہو۔ میرا یہ مکتوب لے جاؤ اور اسے

فَالِقَهُ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ ﴿۴۲﴾ قَالَتْ

ان کے پاس ڈال دو پھر ان سے پشت پھیر لو اور دیکھو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ (مکہ سہانے) کہا

يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا إِلَى الْبَقِ إِلَىٰ كِتَابٍ كَرِيمٍ ﴿۴۳﴾ إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمٍ وَإِنَّهُ

اے میرے سردار! اے ملک میرے پاس ایک معزز مکتوب پہنچایا گیا ہے۔ اسے ملک وہ مکتوب سلیمان کی جانب سے ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۴۴﴾ أَلَا تَعْلَوْنَ أَعْلَىٰ وَاتُّونِي

اور بے شک وہ اللہ ہی کے نام سے (شروع کیا گیا) ہے جو بہت مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ یہ کہ تم میرے مقابلہ

مُسْلِمِينَ ﴿۴۵﴾

میں سرشار تھاؤ اور مسلمان ہو کر میرے پاس آ جاؤ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو حکیم علم عطا کیا تھا اور ان دونوں نے کہا تم تعریفیں اللہ

کے لیے ہیں جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ (آئل: ۱۵)

اس سورۃ میں انبیاء علیہم السلام کے قصص میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا دوسرا قصہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا تھا اور اس آیت سے حضرت داؤد اور

حضرت سلیمان علیہما السلام کا قصہ شروع فرمایا ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے قصص تو رات میں مذکور

ہیں اور قریش مکہ کو معلوم تھا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تو رات اور انجیل نہیں پڑھیں اور نہ آپ علماء اہل کتاب

کی مجلس یا ان کے مدرسہ میں رہے ہیں۔ اس کے باوجود آپ انبیاء سابقین کے حلقہ وہ جہیں بیان فرماتے ہیں تصدیق ان کی کتابوں میں تھی اور اس سے یہ یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ آپ کو ان انبیاء سابقین کے حلقہ میں ہوں گا۔ قتالی کی وجہ سے حاصل ہوا ہے اور یہ آیتیں آپ کی بیٹی ہوئی تھیں ہیں بلکہ یہ اللہ کی نازل کی ہوئی آیتیں ہیں اور سورق میں اللہ تعالیٰ بار بار ان انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرماتا ہے تاکہ اس کلام کے دلی اثبات ہونے پر بار بار صبر ہوتی رہے اور قریش کو بار بار یاد دہانی ہوتی رہے اور سننے والوں کے دلوں میں اور ان کے دماغوں میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلائل تازہ ہوتے رہیں۔ ہم اس آیت کی تفسیر شروع کرنے سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام اور پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی سوانح بیان کریں گے۔ فقول وبالله التوفیق۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا نام و نسب اور ان کا جالوت کو قتل کرنا

امام ابو القاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر الترمذی ۵۷۰ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں: آپ کا نام: داؤد بن ایسا بن عبد بن ماعز بن سلون بن عثون بن غوثیاد بن ارم بن عمرو بن کاوس بن عمرو بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کا نام داؤد بن زکریا بن یثوی ہے۔ علیہ السلام۔ آپ اللہ کے نبی اور اس کی زمین میں اس کے خلیفہ ہیں اور اہل بیت المقدس سے ہیں۔ روایت ہے کہ آپ دمشق کی جانب سے آئے تھے اور آپ نے مرنے سے قبل تمام حکیم کے پاس جالوت کو قتل کیا تھا۔

سعید بن عبد العزیز نے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے:

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَمْسَسْ يَدَهُ بِمَاءٍ فَمَا كَانَ مِنَ الَّذِينَ ابْتَعَتْهُمُ أَغْوَاثُهُمْ فَطَرَفَ بِهِم بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا شَارَبُوا فَمَجَّى وَلَيْسَ مِنِّي مَن شَرِبَ إِلَّا غُلَامًا فَإِنَّ الْمَلَأَ مِنْ الَّذِينَ لَمْ يَمْسَسُوا يَدَهُمْ بِمَاءٍ إِلَّا ذَاوُدَ وَسِعَاهُ إِذ لَمْ أَكُنْ مِنَ السَّارِبِينَ فَاسْتَبْرَأَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَمَازَاكَ قَالَ فَكُنْ مَعِيَ وَنَحْنُ لَا نَمْلِكُ شَيْئًا قَالُوا هَؤُلَاءِ جَاءُواكَ يُسَلِّمُونَكَ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ فَأُولَٰئِكَ التَّائِبُونَ

یہ وہ روایا ہے جو امام حکیم بنت الخارث بن اشام کے پل کے پاس ہے اور سعید بن عبد العزیز نے کہا میں نے سنا ہے یہ وہ روایا ہے جس میں حضرت یحییٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لیے غسل کیا تھا۔

متحدہ اسانید کے ساتھ وہب بن منہ سے روایت کیا کہ حضرت داؤد کے چار بھائی تھے اور ان کے والد بہت بوڑھے تھے۔ حضرت داؤد کے بھائی جالوت سے لڑنے کے لیے طالوت کے لشکر میں شامل ہو گئے اور ان کے والد گھر میں رہ گئے اور انہوں نے حضرت داؤد کو بکریاں چرانے کے لیے روک لیا اس وقت لوگ جالوت سے لڑنے کی تیاری کر رہے تھے۔

حسن نے بیان کیا کہ حضرت داؤد کا قد چھوٹا تھا نیلی آنکھیں تھیں اور سر کے بال کم تھے اور ان کا دل پاک اور صاف تھا جس وقت وہ بکریاں چرا رہے تھے انہوں نے ایک عداوتی اسے داؤد اتم تو جالوت کو قتل کرنے والے ہو تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ اپنی بکریاں اپنے رب عزوجل کی امان میں چھوڑ دو اور اپنے بھائیوں کے ساتھ جالوت کی نیکو طالوت نے کہا ہے کہ جو جالوت کو قتل کرے گا وہ اس کو اپنا نصف مال دے دے گا اور اس سے اپنی بیٹی کی شادی کر دے گا۔ پھر حضرت داؤد نے اپنی بکریاں اپنے رب کی امان میں چھوڑیں اور روانہ ہو گئے اور اپنے والد سے یہ کہا میں اپنے بھائیوں کو دیکھنے جا رہا ہوں کہ ان کا کیا حال ہے ان کو اصل واقعہ بتانا پسند نہیں کیا۔

حضرت داؤد اپنے بھائیوں کے لیے زاوراہ لے کر روانہ ہوئے ان کے ساتھ ان کا عصا تھا اور ان کا توبرہ تھا اور پتھر
نے کا آلہ تھا جس سے وہ درندوں کو اپنی بکریوں سے دور رکھنے کے لیے پتھر مارتے تھے۔ سفر کے دوران ایک پتھر نے ان کو
الودی: اسے داؤد! مجھے اٹھا کر رکھ لو میں تمہارے لیے جالوت کو قتل کروں گا۔ حضرت داؤد نے پوچھا تم کون ہو تو اس نے کہا
میں وہ پتھر ہوں جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فلاں فلاں کو ہلاک کر دیا تھا اور میں اللہ کے اذن سے جالوت کو قتل کر
وں گا۔ حضرت داؤد نے اس پتھر کو اٹھا کر اپنے توبرے میں رکھ لیا۔ حضرت داؤد پھر چل پڑے پھر وہ ایک اور پتھر کے پاس سے
گزرے اس نے بھی کہا اے داؤد! مجھے بھی اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیجئے۔ حضرت داؤد نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں
حضرت اسحاق کا وہ پتھر ہوں جس سے انہوں نے فلاں فلاں کو قتل کر دیا تھا اور میں اسی طرح اللہ کے اذن سے جالوت کو بھی قتل
کروں گا۔ حضرت جالوت نے اس پتھر کو بھی اٹھا کر اپنے توبرے میں رکھ لیا۔ حضرت داؤد پھر چل پڑے پھر وہ ایک اور پتھر کے
پاس سے گزرے اس نے بھی کہا اے داؤد! مجھے بھی اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیجئے۔ حضرت داؤد نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا
میں حضرت یعقوب کا پتھر ہوں میں اللہ عزوجل کے اذن سے جالوت کو قتل کروں گا۔ حضرت داؤد نے پوچھا تم اس کو کس طرح
قتل کرو گے؟ اس نے کہا میں آدمی سے مددوں کا وہ مجھے اس کے خود پر مار دے گی میں اس کی پیشانی کے اندر کھس کر اس کو قتل
کروں گا۔ حضرت داؤد نے اس کو بھی اٹھا کر اپنے توبرے میں رکھ لیا۔

وہب بن منہ نے کہا کہ حضرت داؤد آگے بڑھے تو انہوں نے تینوں پتھروں کو جوڑ کر ایک پتھر بنالیا پھر اس کو اپنے
گوہمیا (پتھر مارنے کا آلہ اس کو فلاں بھی کہتے ہیں) میں رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں سے فرمایا میرے بندے داؤد کی
حضرت اور مدد کرو پھر حضرت داؤد نے آگے بڑھ کر نعرہ بکیر لگایا۔ فرشتوں جاہلین عرش اور جنات اور انسانوں کے سوا سب
مخلوق نے اس نعرہ کا جواب دیا۔ جالوت اور اس کے لشکر نے جب اس نعرہ کا جواب سنا تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے
تمام مخلوق کو ان کے مقابلہ پر جمع کر دیا ہے۔ پھر زبردست آدمی آئی جس سے اندھیرا چھا گیا اور جالوت کا خود گریا اور حضرت
داؤد نے اس پتھر کو گویے میں ڈال کر تاک کے اس کی پیشانی پر مارا تو وہ تینوں پتھر الگ الگ جا کر گئے ایک پتھر اس کی پیشانی
میں کھس گیا اور اس کو ہلاک کر کے زمین پر گر دیا۔ دوسرا پتھر جالوت کے دائیں جانب کے لشکریوں میں کھس گیا اور ان کو شکست
دے دی اور تیسرا پتھر بائیں جانب کے لشکریوں میں کھس گیا اور ان کو شکست دے دی اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ ان کے اوپر
بھڑا آگرے ہیں ان میں افراتفری مچ گئی اور جھگڑا میں انہوں نے ایک دوسرے کو کچل ڈالا۔ وہ ایک دوسرے کو روندتے
ہوئے پیٹہ پھیر کر بری طرح بھاگے اور بہت سارے لشکری ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو
فتح عطا فرمائی اور طاووت فتح اور کامرانی کے ساتھ بنی اسرائیل کے ساتھ واپس ہوا۔ طاووت نے حسب وعدہ حضرت داؤد علیہ
السلام کے ساتھ اپنی بیٹی کا عقد کر دیا اور ان کو اپنا نصف مال دے دیا۔

(تاریخ دمشق، ج ۱، ص ۶۸-۵۹، خلاصہ مستقیمہ، احادیث اربعہ، ص ۱۳۱، اہلبیہ، انتہایں، ص ۱۵۳، مستقیمہ، دار الفکر، بیروت، ۱۳۸۸ھ)
حضرت داؤد علیہ السلام کی بعثت اور ان کی سیرت کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابو القاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر التوفی ۵۷۱ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

بشر بن حزن الصری بیان کرتے ہیں کہ اونٹوں والوں اور بکریوں والوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک
سہرے پر فخر کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت داؤد کو مبعوث کیا گیا (نبوت دے کر بھیجا گیا) حالانکہ وہ بکریاں
لاتے تھے اور حضرت موسیٰ کو بھیجا گیا اور وہ بکریاں چراتے تھے اور مجھے مبعوث کیا گیا اور میں اس وقت تلخہ اہلبیہ والوں کی

بکریاں چراتا تھا۔ (دلائل البیہ و البیہ ج ۳ ص ۳۳ تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۳۳۳ ج ۱ ص ۱۰۱ مطبوعہ دار الفکر)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت امیر المومنین علیؑ رمضان کی دوسری تاریخ کو بھیجئے نازل کیے گئے حضرت داؤد علیہ السلام پر چھ رمضان کو زبور نازل کی گئی اور (سیدنا) رسول صلی علیہ وسلم پر چوبیس رمضان کو فرقان نازل کیا گیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۳۳۳ ج ۱ ص ۱۰۱ مطبوعہ دار الفکر دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حق یہ ہے کہ لقمان نبی نہ تھے لیکن وہ ثابت قدم بندے تھے بہت زیادہ غور و فکر کرتے تھے لوگوں کے ساتھ یک گمن رکھتے تھے وہ اللہ سے محبت کرتے تھے اللہ ان سے محبت کرتا تھا اور اللہ ان کے لیے حکمت کا خزانہ ہو گیا تھا ایک دن وہ دو پہر کو سوئے ہوئے تھے کہ ان کے پاس خدا آئی۔ اے لقمان اتھار اٹھ آیا کیا خیال ہے اگر اللہ تمہیں زمین میں ظیفہ بنا دے تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو گے لقمان نے بیدار ہو کر اس خدا کے جواب میں کہا اگر میرا رب مجھے اختیار دے گا تو میں قبول کر لوں گا کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اگر اللہ نے ایسا کر دیا تو وہ میری مدد کرے گا اور مجھے تعلیم دے گا اور میری حفاظت کرے گا اور اگر میرے رب نے مجھے اختیار دیا تو میں عافیت کو قبول کر دوں گا اور احسان کو قبول نہیں کر دوں گا فرشتوں نے آواز سے کہا اور وہ ان کو نہیں دیکھ رہے تھے اے لقمان اس وجہ سے؟ لقمان نے کہا کیونکہ حاکم سب سے زیادہ بخشنے والا اور مشکل میں ہوتا ہے اس کو ہر طرف سے علم گھیر لیتا ہے۔ اس کی مدد کی جائے تو وہ نہایت پالیتا ہے اگر وہ خطا کرے تو جنت کے راستے سے خطا کرتا ہے اور دنیا کی سرداری سے بھرتا ہے کہ وہ دنیا میں ذلت سے ہو اور جو شخص دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے تو دنیا اس کو فتنہ میں ڈال دیتی ہے اور وہ آخرت میں اجر نہیں پاسکتا۔ فرشتوں کو ان کے حسن کلام سے تعجب ہوا وہ سو گئے پھر ان کو حکمت سے بھر دیا گیا اور انہوں نے بیدار ہو کر حکمت سے کلام کیا۔ پھر حضرت داؤد کو ندا کی گئی تو انہوں نے خلافت اور حکومت کو قبول کر لیا اور انہوں نے لقمان کی طرح کوئی شرط نہیں مانگی اور انہوں نے ان کی ہر فیصلہ کرنے میں خطا کی اور ہر بار اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا سے درگزر کیا اور ان کو معاف کر دیا اور لقمان ان کو اپنی حکمت اور اپنے علم سے مشورے دیتے تھے۔ حضرت داؤد نے ان سے کہا اے لقمان! تمہارے لیے خوشی ہو کیونکہ تم کو حکمت دی گئی اور تم کو احسان سے بھالایا گیا اور حضرت داؤد کو خلافت دی گئی اور ان کو احسان اور آزمائش میں ڈال دیا گیا۔ (لقمان نے حکمت کو طلب کیا اور حضرت داؤد علیہ السلام نے خلافت اور حکومت کو طلب کیا اس سے لقمان کی حضرت داؤد پر فضیلت ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ لقمان نے آسان اور بغیر خطرہ اور آزمائش کی راہ پر چلنے کی راہ کو اختیار کیا اور حضرت داؤد نے پرخطر اور آزمائش والی راہ پر سفر کرنے کو اختیار کیا اور کمال اس کا ہے جو پرخطر راہ سے سلامتی کے ساتھ گزر جائے نہ اس کا جو پر امن راستے سے گزرے گویا حضرت داؤد نے عزیمت کو اختیار کیا اور لقمان نے رخصت کو قبول کیا۔ فضیلت عزیمت پر عمل کرنے میں ہے نہ کہ رخصت پر عمل کرنے میں)

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱ ص ۱۰۱ رقم الحدیث: ۱۲۳۳۳ ج ۱ ص ۱۰۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۲ھ)

حضرت داؤد علیہ السلام کی دعاؤں کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت داؤد یہ دعا کرتے تھے اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں اور تجھ سے محبت کرتا ہے اس کی محبت کا سوال کرتا ہوں اور اس عمل کا سوال کرتا ہوں جو مجھ تک تیری محبت کو پہنچا دے۔ اے اللہ! تو اپنی محبت کو میرے نزدیک میرے قس اور میرے اہل اور غفیر سے بٹھا دے۔

ابو الجعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میں تیرا شکر کیوں کر ادا کر سکا ہوں کیونکہ تیرے شکر کی ادائیگی بھی تو تیری ہی دی ہوئی نعمت ہے۔ تب ان کے پاس وہی آئی کہ اے داؤد! کیا تم کو یہ علم نہیں کہ تم تک یہ بھی نعمت پہنچتی ہے وہ مجھ سے پہنچتی ہے۔ حضرت داؤد نے کہا کیوں نہیں اے میرے رب! فرمایا پس میں تیری طرف سے اس شکر پر راضی ہوں۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۱۸۱ غلہ ایہ النہج ص ۳۷۱)

حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد کو اس قدر حسین آواز دی گئی تھی کہ اس قدر حسین آواز اور کسی کو نہیں دی گئی تھی۔ حتیٰ کہ پرندے اور وحشی جانور آپ کے پاس آ کر بیٹھ جاتے تھے اور یونہی بھوکے پیاسے مر جاتے تھے اور دریاؤں کی روانی رک جاتی تھی۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۱۸۱ غلہ ایہ النہج ص ۳۷۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۸ھ) وہ بے بن مہذب بیان کرتے ہیں کہ حرامیر برابطہ اور صنوحہ (بائسریاں سارنگیاں اور جھانگھیس) کی ابتداء حضرت داؤد کی آواز سے ہوئی ہے۔ وہ اس قدر حسین آواز کے ساتھ زبور پڑھتے تھے کہ اس سے پہلے کانوں نے اتنی حسین آواز نہیں سنی تھی۔ جن انسان پرندے اور چمڑے ان کی آواز سننے کے لیے بیٹھ جاتے تھے یہاں تک کہ بعض بھوکے مر جاتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک دن ابلیس خوف زدہ ہو کر باہر نکلا کیونکہ اس نے دیکھا کہ انسان اور چوپائے حضرت داؤد کی قرأت کے حسن سے بہت حائر اور بہت مانوس ہو رہے ہیں اس نے اپنے سرداروں کو بلایا اور کہا تمہارے ہوتے ہوئے یہ کیا ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا تم جو چاہے ہو ہمیں اس کا حکم دے۔ اس نے کہا ان کو زبور کے سننے سے صرف ایسی چیز روک سکتی ہے جس کی آواز کا حسن داؤد کی آواز کے مشابہ ہو۔ انہوں نے حرامیر برابطہ اور صنوحہ وغیرہ آلات فتنائے جب گمراہ لوگوں اور جنات نے ان آوازوں کو سنا تو وہ ان سازوں کی آوازوں کی طرف منتقل ہو گئے اور اسی طرح چوپائے اور پرندے بھی اور حضرت داؤد بنو اسرائیل میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے احکام بیان کرتے رہے۔ وہ نبی حکیم مہابد اور مجتہد تھے اور تمام نبیوں سے زیادہ عبادت میں کوشش کرتے تھے اور بہت روتے تھے۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۱۸۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۲ھ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اعابعد کہا اور قرآن مجید میں جو فصل الخطاب ہے (ص ۳۰) اس سے مراد یہی ابا بعد کے کلمات ہیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۱۸۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۲ھ)

حضرت داؤد علیہ السلام کی دعائیں

کعب احبار بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام ہر صبح اور شام کو تین بار یہ کلمات پڑھتے تھے: اے اللہ! مجھے ہر اس مصیبت سے محفوظ رکھ جو تو نے آج رات آسمان سے زمین کی طرف نازل کی ہے۔ اے اللہ! مجھے ہر اس اچھائی سے حصہ عطا فرما جو تو نے آج رات آسمان سے زمین کی طرف نازل کی ہے۔

سعید نے بیان کیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک دعا یہ تھی: اے اللہ! مجھے اتنی زیادہ چیزیں نہ دینا کہ میں سرکشی کروں اور اتنی کم نہ دینا کہ میں بھول جاؤں۔ کیونکہ جو چیز کم ہو وہ ان زیادہ چیزوں سے بچر ہے جو بے پرواہ کر دیں۔ اے اللہ! مجھے ہر دن روزی عطا فرما اور جب تو دیکھے کہ میں ذکر کرنے والوں کی مجلس کو چھوڑ کر تکبر کرنے والوں کی مجلس میں جا رہا ہوں تو میری انگلیوں کو توڑ دے۔ کیونکہ یہ بھی تیری مجھ پر ایک نعمت ہے جس سے تو مجھ پر احسان کرے گا۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۱۸۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۲ھ)

عطاء بن ابی مروان اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ کعب اس ذات کی قسم کھا کر کہتے تھے جس نے حضرت موسیٰ کے لیے مسند کو کچر دیا تھا 'م' نے تو رات میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ داؤد نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو یہ دعا کرتے: اے اللہ! میرے ذہن کو درست رکھ جس کو تو نے میری حفاظت بنایا ہے اور میری دنیا کو درست رکھ جس کو تو نے میرا روزگار بنایا ہے اے اللہ! میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں اے اللہ! جس چیز کو تو عطا کرے اسے کوئی چھیننے والا نہیں ہے اور جس چیز کو تو واپس لے لے اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے اور تیرے مقابلہ میں کسی کی کوشش کامیاب ہو سکتی ہے نہ کسی کا بخت نہ کسی کا نسب۔

(تاریخ دمشق، المجلد ۱۹ ص ۷۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۲ھ)

حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا اور ان میں روح پھونک دی تو ان کو چھبک آئی تو انہوں نے کہا الحمد للہ! سو انہوں نے اللہ کے اذن سے اس کی حمد کی ان سے ان کے رب نے کہا اے آدم! آپ پر اللہ رحم کرے ان فرشتوں کی طرف جائیے ان کی ایک جماعت کی طرف جو بیٹھی ہوئی ہے اور کہیے السلام علیکم! انہوں نے کہا وعلیکم السلام اور رحمتہ اللہ! حضرت آدم پھر اپنے رب کی طرف لوٹ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ آپ کا سلام ہے اور آپ کی اولاد کا آپس میں سلام ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا درآں جائیکہ اس کی دونوں مٹھیں بند تھیں ان میں جس مٹھی کو چاہو اختیار کر لو انہوں نے کہا میں اپنے رب کا دایاں ہاتھ اختیار کرتا ہوں اور میرے رب کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں دایاں ہاتھ مبارک ہے پھر اس ہاتھ کو کھولا تو اس میں حضرت آدم اور ان کی اولاد تھی۔ حضرت آدم نے پوچھا اے میرے رب! یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد ہے! پھر اس میں ہر انسان کی عمر اس کی آنکھوں کے آگے لکھی ہوئی تھی ان میں ایک شخص ایسا تھا جو سب سے زیادہ روشن تھا حضرت آدم نے پوچھا: اے میرے رب! یہ کیوں ہے؟ فرمایا یہ تمہارا بیٹا داؤد ہے میں نے اس کی عمر چالیس سال لکھی ہے۔ حضرت آدم نے کہا اے میرے رب! میں اپنی عمر میں سے اس کو سترھ سال دیتا ہوں فرمایا اس کا تمہیں اختیار ہے پھر اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا حضرت آدم کو جنت میں رکھا پھر ان کو جنت سے اتار کر زمین پر لایا۔ حضرت آدم اپنی عمر سمجھتے رہے تھے پس جب ان کے پاس موت کا فرشتہ آیا تو ان سے حضرت آدم نے کہا تم جلدی آگئے ہو میری عمر تو ایک ہزار سال لکھی گئی تھی۔ فرشتہ نے کہا کیوں نہیں! لیکن آپ اپنے بیٹے داؤد کو اپنی عمر میں سے سترھ سال دے چکے ہیں۔ حضرت آدم نے انکار کیا تو ان کی اولاد نے بھی انکار کیا اور حضرت آدم بھول گئے سو ان کی اولاد بھی بھول گئی۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۸۸، التذکرۃ ابن ابی عمیر رقم الحدیث: ۲۰۶، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۲۸، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۵۸)

صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۱۶۷۷، التذکرۃ رقم الحدیث: ۲۰۶، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۵۸

امام ابوالکریم محمد بن محمد شیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت داؤد فوت ہو گئے تو ان کے ملک ان کے علم اور ان کی نبوت کے حضرت سلیمان وارث ہوئے اور ان کے انجس (۱۹) بیٹے تھے پس ان کو چھوڑ کر حضرت سلیمان حضرت داؤد کے وارث ہوئے اور جب حضرت داؤد فوت ہوئے تو ان کی عمر ایک سو سال تھی یہ صحت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور ان کی حکومت کی مدت چالیس سال تھی۔ حضرت داؤد کی عمر کے حلق مؤرخین کی متعدد متعارض روایات ہیں لیکن ہمارے نزدیک راجح وہی روایت ہے جو سنن ترمذی میں ہے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۱ ص ۱۲۸ مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۴۱۰ھ)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر اللہ شقی التوتی ۳۷۷ھ تکلیف ہے:

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق جو احادیث ہم نے پہلے ذکر کی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا تو انہوں نے اپنی اولاد میں ایک روشن چہرے والا دیکھا پوچھا: اے رب! یہ کون ہے؟ فرمایا یہ آپ کا بیٹا داؤد ہے۔ پوچھا: اے رب! اس کی عمر کتنی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال! کہا: اے رب! اس کی عمر زیادہ کر دے۔ فرمایا نہیں! بلکہ تم اپنی عمر میں سے کچھ اس کو دے دو اور حضرت آدم کی عمر ایک ہزار سال تھی۔ انہوں نے حضرت داؤد کی عمر میں چالیس سال زیادہ کر دیئے! پس جب حضرت آدم کی عمر پوری ہو گئی تو ان کے پاس موت کا فرشتہ آیا۔ حضرت آدم نے کہا: ابھی تو میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں اور حضرت آدم یہ بھول گئے کہ انہوں نے یہ چالیس سال حضرت داؤد کو دے دیئے تھے پس اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے ایک ہزار سال اور حضرت داؤد کے ایک سو سال پورے کر دیئے! اس حدیث کو امام احمد نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام ابن خزیمہ نے اور امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام ابن جریر نے کہا کہ حضرت داؤد کی عمر ستر (۷۷) سال تھی ان کا یہ قول غلط اور مردود ہے اور انہوں نے کہا کہ ان کی حکومت کی مدت چالیس سال تھی اور ان کی یہ نقل مقبول ہے کیونکہ ہمارے پاس کوئی ایسی تصریح نہیں ہے جو اس کے منافی ہو یا اس کی متضمن ہو۔ (المبدیۃ والنهاہ ص ۳۶۳-۳۶۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ)

ہم اس سے پہلے سنن ترمذی (رقم: ۳۳۶۸) سے نقل کر چکے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر چالیس سال تھی اور حضرت آدم نے ان کی عمر میں جو ساٹھ سال کا اضافہ کیا تھا وہ واپس لے لیا اور سنن ترمذی میں یہ نہیں ہے کہ ان کی عمر ساٹھ سال تھی! حضرت آدم علیہ السلام نے ان کی عمر میں چالیس سال کا اضافہ کیا پھر بھول گئے اور بچا کر اللہ تعالیٰ نے ان کی عمر سو سال کر دی۔ یہ روایت مستند احمد وغیرہ میں ہے۔ حافظ ابن کثیر کا اس حدیث کو ترمذی کے حوالے سے بیان کرنا غلط ہے ہم ترمذی کا مکمل متن بیان کر چکے ہیں اور اب مستند احمد کا مکمل متن بیان کر رہے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے جس نے (کسی بات کا) انکار کیا وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اللہ عزوجل نے جب ان کو پیدا کیا تو ان کی چنچہ پر ہاتھ بھیرا اور ان کی اولاد کو نکالا۔ پھر حضرت آدم کی اولاد ان کو دکھائی۔ انہوں نے اپنی اولاد میں ایک شخص کو دیکھا جس کا چہرہ بہت روشن تھا۔ انہوں نے پوچھا: اے میرے رب! یہ کون ہے؟ فرمایا یہ تمہارا بیٹا داؤد ہے۔ پوچھا: اس کی عمر کتنی ہے؟ فرمایا! ساٹھ سال۔ حضرت آدم نے کہا: اے میرے رب! اس کی عمر زیادہ کر دے! فرمایا نہیں! اس یہ ہو سکتا ہے کہ تم اپنی عمر میں سے (کچھ سال دے کر) اس کی عمر زیادہ کر دو تو حضرت آدم نے اپنی عمر میں سے اس کی عمر میں چالیس سال کا اضافہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو نکالا اور اس پر فرشتوں کو گواہ بنا دیا! پھر جب حضرت آدم کی روح کو قبض کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت آدم نے کہا: ابھی تو میری عمر میں سے چالیس سال باقی ہیں تو ان سے کہا گیا کہ آپ اپنی عمر کے یہ چالیس سال اپنے بیٹے داؤد کو دے چکے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس آدم علیہ السلام نے اس بات کا انکار کر دیا۔ جب اللہ عزوجل نے وہ لکھا ہوا وثیقہ نکالا اور حضرت آدم علیہ السلام کے خلاف گواہ پیش کیے پھر حضرت داؤد علیہ السلام کے سو سال پورے کر دیئے اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کے بھی ایک ہزار سال پورے کر دیئے۔

(مسند احمد ص ۲۵۱-۲۵۲ المسجم الکبیر للطرطوسی ج ۳ ص ۱۶۵ رقم الحدیث: ۱۳۹۸۸ مسند ابی یوسف ص ۲۷۱ رقم الحدیث: ۲۷۱۰)

یہ حدیث سنن ترمذی (رقم الحدیث: ۳۳۶۸) کی روایت کے متن وچ سے خلاف ہے اول اس وجہ سے کہ سنن ترمذی میں ہے

کہ حضرت داؤد کی عمر چالیس سال تھی اور اس روایت میں ہے کہ ان کی عمر ساٹھ سال تھی۔ ثانی اس لیے کہ سنن ترمذی میں ہے کہ حضرت آدم نے اپنی عمر میں سے حضرت داؤد کو ساٹھ سال دیئے اور اس روایت میں ہے کہ حضرت آدم نے حضرت داؤد کو اپنی عمر میں سے چالیس سال دیئے اور ثالث اس وجہ سے کہ اس روایت میں مذکور ہے کہ حضرت داؤد کی عمر کے سوسال پر سے کر دیئے گئے اور یہ اضافہ سنن ترمذی میں نہیں ہے اور سنن ترمذی صحاح ستہ کی کتاب ہے اور اس کی سند صحیح ہے اور یہ حدیث تین وجہ سے اس کے خلاف ہے۔ سو یہ حدیث منکر ہے۔ علاوہ ازیں محدثین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اس حدیث کو امام ابن سلمہ نے علی بن زید نے روایت کیا ہے اور اس کو جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔

حافظ احمد بن علی بن جریر مسقانی متوفی ۸۵۲ھ علی بن زید کے متعلق لکھتے ہیں:

انسان سعد نے کہا یہ باجنا پیدا ہوا تھا یہ بہت احادیث بیان کرتا تھا اور اس میں ضعف ہے اس سے استدلال نہیں کیا جاتا صالح بن احمد نے کہا یہ قوی نہیں ہے امام احمد نے کہا یہ لبس ہشیء ہے امام احمد اور یحییٰ بن یحییٰ نے کہا یہ ضعیف ہے داری نے کہا یہ قوی نہیں ہے امام ابن ابی یوسف نے یحییٰ سے نقل کیا کہ یہ ہر شے میں ضعیف ہے اور اس کی روایت اس پائے کی نہیں دوری نے کہا یہ حجت نہیں۔ اس (تہذیب احمد ج ۲ ص ۱۷۵-۱۷۴ رقم: ۲۹۰۵ مطبوعہ دارالکتب المصریہ بیروت ۱۳۱۵ھ)

حافظ ابن جریر مسقانی کا مختار یہ ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ (تہذیب احمد ج ۲ ص ۱۷۵-۱۷۴ رقم: ۲۹۰۵ نیز دیکھئے تہذیب الکمال رقم: ۱۷۴۰۰ ص ۱۷۴) اکبر ج ۲ ص ۲۸۹، البحر والنعیم ج ۲ ص ۱۷۴، المعجم ج ۲ ص ۵۸۳۔

حافظ ابی نعیم نے کہا ہے کہ اس کی سند میں علی بن زید ہے اور اس کو جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (معجم الزوائد ج ۳ ص ۲۰۹) مسند ابویعلیٰ کے متعلق نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (مسند ابویعلیٰ ج ۵ ص ۱۰۱) خلاصہ یہ ہے کہ سنن ترمذی میں مذکور ہے کہ حضرت داؤد کی عمر چالیس سال تھی اور مسند احمد، المعجم، اکبر اور مسند ابویعلیٰ میں مذکور ہے کہ ان کی عمر سوسال تھی لیکن ان کتابوں کی سند ضعیف ہے اور حافظ ابن کثیر نے ترمذی کی صحیح روایت کے مقابلہ میں ان کتابوں کی روایت پر اعتماد کیا ہے بلکہ ان کتابوں کی روایت کو بھی ترمذی کی طرف منسوب کر دیا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ تحقیق کے سلسلہ میں حافظ ابن کثیر کی بہت شہرت ہے لیکن اس مقام پر حافظ ابن کثیر کو سخت لغزش ہوئی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات

حافظ ابو اللہ اسماعیل بن عمر بن کثیر اللہ متوفی ۷۷۳ھ لکھتے ہیں:

امام احمد اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام میں غیرت بہت زیادہ تھی جب وہ گھر سے باہر جاتے تو دروازوں کو بند کر کے تالا لگا دیتے تھے اور ان کے واپس آنے تک ان کے گھر میں کوئی نہیں داخل ہوتا تھا۔ ایک دن وہ حسب معمول دروازہ بند کر کے گئے ان کی اہلیہ گھر کی طرف دیکھ رہی تھی ایک شخص گھر کے وسط میں کھڑا ہوا تھا ان کی اہلیہ نے کہا: حضرت داؤد کہیں گے یہ آدمی گھر میں کیسے آ گیا؟ گھر تو بند ہے اللہ کی قسم! ہم تو حضرت داؤد سے شرمندہ ہوں گے۔ پھر حضرت داؤد آ گئے اور وہ شخص اسی طرح گھر کے وسط میں کھڑا ہوا تھا۔ حضرت داؤد نے اس شخص سے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا میں وہ شخص ہوں جو بادشاہوں سے ڈرتا ہے اور نہ کوئی حجاب اس کا راستہ روک سکتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا پھر تم ضرور موت کے فرشتہ ہو۔ اللہ کے حکم پر تمہیں خوش آمدید ہو۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ان کی روح قبض کر لی گئی پھر جب ان کو غسل دیا گیا اور ان کے امور سے فراغت ہو گئی تو دھوپ نکل آئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں سے کہا کہ حضرت داؤد پر سایہ کرو تو پرندوں نے اپنے پر پھیلا لیے حتیٰ کہ زمین پر اندھیرا

چھامیا پھر حضرت سلیمان نے پرندوں سے کہا کہ اپنے پر سیٹ تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بازو پھیلایا کہ
 سیٹ کر دکھایا کہ کس طرح پرندوں نے اپنے بازو پھیلانے سے اور سینے سے۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۵۳۳۳ ص ۱۸۸)
 حافظ ابن کثیر نے حسن سے روایت کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام سو سال کی عمر میں فوت ہوئے اور ان کو بدھ کے
 اچانک موت آئی اور ابو الاسکن الجہری نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام اچانک فوت ہوئے حضرت داؤد اچانک فوت ہوئے
 اور ان کے بیٹے حضرت سلیمان اچانک فوت ہوئے۔ اس کو حافظ ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۱ ص ۱۳۸)
 امام ابن اثیر متوفی ۶۳۰ھ نے بھی لکھا ہے کہ حضرت داؤد کی عمر سو سال تھی اور یہ حدیث صحیح میں ہے ان کی حکومت کی مدت
 چالیس سال تھی اور ان کے انھیں بیٹے تھے اور صرف حضرت سلیمان ان کے وارث ہوئے۔ (الکامل لابن حجر ج ۱ ص ۱۳۸)
 بعض لوگوں سے روایت ہے کہ جس وقت ملک الموت آیا اس وقت حضرت داؤد و خراب (چو بارہ) سے اتر رہے تھے۔
 حضرت داؤد نے کہا مجھے اتنی سہلت دو کہ میں خراب سے اتر جاؤں یا خراب کی طرف چڑھ جاؤں۔ ملک الموت نے کہا اے اللہ
 کے نبی! سال اور مہینے پورے ہو چکے ہیں۔ پھر حضرت داؤد وہیں بیڑی کے ایک ڈٹے پر بچہ ہوں گے اور بچہ کی حالت
 میں ملک الموت نے آپ کی روح قبض کر لی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۱ ص ۱۳۸) (المبدیہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۹۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۸ھ)
 مختصر تاریخ دمشق علامہ ابن منظور متوفی ۷۴۰ھ نے مرتب کی ہے جس میں انہوں نے تاریخ دمشق الکبیر کی تفسیر کی ہے مگر
 مذکور الصدر روایات تاریخ دمشق الکبیر میں نہیں ہیں اور عائنا حافظ ابن کثیر کے سامنے اصل تاریخ دمشق نہیں تھی کیونکہ یہ کتاب تو
 ابھی چند سال پہلے چھپی ہے ہم نے دونوں کتابوں کا مقابل کیا ہے۔ علامہ ابن منظور نے اس مختصر میں کئی روایات اپنی طرف
 سے بھی داخل کر دی ہیں جو اصل کتاب میں نہیں ہیں۔ (امام ابن اثیر اور حافظ ابن کثیر نے حضرت داؤد کی عمر سو سال لکھی ہے
 لیکن سنن ترمذی میں تصریح ہے کہ ان کی عمر چالیس سال تھی)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام و نسب اور انبیاء مبعوثین کی ترتیب

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی ۵۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام و نسب اس طرح ہے: سلیمان بن داؤد بن اشی بن عویہ بن ناعم بن سلون بن عثرون بن
 مینا زب بن ارم بن خضرون بن قارص بن یحییٰ بن یحییٰ بن اسحاق بن ابراہیم ابو اربعہ نبی اللہ بن نبی اللہ (علیہم السلام)
 بعض روایات میں ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام بھی دمشق میں آئے تھے۔

سب سے پہلے جس نبی کو مبعوث کیا گیا وہ حضرت اور لیس تھے پھر حضرت نوحؑ پھر حضرت ابراہیمؑ پھر حضرت اسماعیلؑ پھر
 حضرت اسحاقؑ پھر حضرت یعقوبؑ پھر حضرت یوسفؑ پھر حضرت لوطؑ۔ (اس پر یہ اشکال ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام تو حضرت
 ابراہیم علیہ السلام کے ہم عصر تھے) پھر حضرت ہودؑ پھر حضرت صالحؑ پھر حضرت شعیبؑ پھر حضرت موسیٰؑ پھر حضرت ہارونؑ پھر
 حضرت یاساؑ پھر حضرت الیاسؑ پھر حضرت یونسؑ پھر حضرت ایوبؑ پھر حضرت داؤدؑ پھر حضرت سلیمانؑ پھر حضرت زکریاؑ پھر
 حضرت یحییٰؑ پھر حضرت عیسیٰؑ ان مریمؑ پھر سیدنا حضرت محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم کو مبعوث کیا گیا۔ علیہم الصلوٰۃ
 والتسلیمات (تاریخ دمشق الکبیر ج ۱ ص ۱۲۵ مطبوعہ دار بیاترات عمری بیروت ۱۴۲۱ھ)

قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید کی ان آیات میں ہے: البقرہ ۱۰۲، النساء ۱۶۳، الانعام: ۸۸، الانبیاء:

۷۸: اھل: ۲۳-۱۵: سہا: ۳۰-۳۰

البقرة النساء الانعام اور الانبياء کی تفسیر گزر چکی ہے۔ اھل: ۲۳-۱۵ کی تفسیر ان شاء اللہ عنقریب اس رکوع میں آ رہی ہے۔ اس لیے ہم یہاں پر م: ۳۰-۳۰ کا ذکر کر رہے ہیں جن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہے۔

اور ہم نے داؤد کو سلیمان (نام کا بیٹا) عطا فرمایا۔ وہ کیا ہی اچھے بندے تھے بے شک وہ اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے ۵ جب ان کے سامنے شام کے وقت تیز رفتار عموہ گھوڑے پیش کیے گئے ۵ سو انہوں نے کہا میں اس غیر (گھوڑوں) کی محبت میں اپنے رب کی یاد سے غافل رہا حتیٰ کہ سورج پر وہ (مغرب) میں چھپ گیا ۵ ان گھوڑوں کو (دو بارہ) میرے سامنے لاؤ پھر ان کی چڑیلوں اور گرہوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا ۵ اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور ان کے تحت پر جسم ڈال دیا پھر انہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا ۵ انہوں نے دعا کی اے رب! میری مغفرت فرما اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے علاوہ کسی اور کے لائق نہ ہو بے شک تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے ۵ سو ہم نے ہوا کو ان کے ماتحت کر دیا وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے تھے ان کو زری سے لے جاتی تھی ۵ اور قوی جنات کو بھی ان کے تابع فرما کر دیا جو ہر قسم کی عمارت بنانے والے اور غوطہ لگانے والے تھے ۵ اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں بکڑے رہتے تھے ۵ یہ ہماری عطا ہے خواہ آپ (ان) کو کسی پراحسان کر کے دے دیں یا اپنے پاس روک لیں آپ سے کوئی حساب نہیں ہوگا بے شک اس کا ہمارے پاس (بہت) قرب ہے اور اس کے لیے (آخرت میں) اچھا ٹھکانا ہے ۵

جہاد کے گھوڑوں کے معائنہ کی مشغولیت کی وجہ سے حضرت سلیمان کی عصر کی نماز کا قضا ہوتا

امام ابن ہساکر نے روایت کیا ہے کہ جب گھوڑوں کے معائنہ میں مشغولیت کی وجہ سے حضرت سلیمان کی عصر کی نماز قضا ہو گئی تو انہوں نے اس کے غم و فخر میں تمام گھوڑوں کو کھوار سے کاٹ ڈالا۔ (تاریخ دمشق ج ۳ ص ۷۴)

حافظ عمار الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر حنفی ص ۷۷۷ لکھتے ہیں:

اکثر حقد میں مفسرین نے یہ کہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کو دیکھنے کے شوق میں اس قدر مشغول ہوئے حتیٰ کہ عصر کی نماز کا وقت نکل گیا اور سورج غروب ہو گیا اس کو حضرت علی بن ابی طالب نے روایت کیا ہے اور حتیٰ بات یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بغیر مذر کے عہد نماز کو ترک نہیں کیا تھا البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی شریعت میں جہاد اور جہاد کے حصول کے لیے نماز کو موخر یا قضا کر دینا جائز تھا اور گھوڑے بھی اسباب جہاد میں سے ہیں اس لیے وہ گھوڑوں

کے معائنہ میں اس قدر مشغول ہوئے کہ سورج غروب ہو گیا اور جب وہ اس پر متوجہ ہوئے کہ ان کے اس استحصال کی وجہ سے عصر کی نماز کا وقت نکل گیا تو انہوں نے دوبارہ گھوڑوں کو بلوایا اور ان کی چنڈیوں اور گردنوں پر ٹکڑے لگا دیے اور ان کو نکل کر دیا اور اس کی دوسری تعمیر یہ ہے کہ انہوں نے گھوڑوں کی چنڈیوں اور گردنوں پر چکارنے کے لیے ہاتھ بچیر اور بھران کے درمیان گھڑ دوڑ کا مقابلہ کرایا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ غزوہ خندق کے دن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز موخر کر دی تھی کیونکہ یہ پہلے شروع اور جائز تھا کہ جہاد کی مشغولیت کی وجہ سے نماز کو موخر کر دیا جائے بعد میں صلوات کا خوف کا حکم نازل ہوا اور پھر جہاد کی مشغولیت کی وجہ سے نماز کا موخر کرنا منسوخ ہو گیا اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن عصر کی نماز کو عموماً موخر نہیں کیا تھا بلکہ جہاد کی مشغولیت کی وجہ سے آپ بھول گئے تھے۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بھی گھوڑوں کے معائنہ کی وجہ سے عصر کی نماز پڑھنا بھول گئے تھے۔

(الہدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۴۷۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۸ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک یا غزوہ خیبر سے آئے حضرت عائشہ کے حلقہ پر ایک پردہ تھا۔ ہوا سے پردہ اڑا تو اس میں حضرت عائشہ کی گڑیاں رکھی ہوئی نظر آئیں۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اسے عائشہ! حضرت عائشہ نے کہا یہ میری گڑیاں ہیں۔ آپ نے دیکھا ان گڑیوں کے درمیان ایک گھوڑا رکھا ہوا تھا جس کے پر بنے ہوئے تھے۔ آپ نے پوچھا ان گڑیوں کے درمیان میں کیا رکھا ہوا ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا یہ گھوڑا ہے! آپ نے پوچھا اس کے اوپر کیا بنا ہوا ہے؟ کہا وہ اس کے دو پر ہیں آپ نے فرمایا کیا گھوڑے کے پر ہوتے ہیں؟ حضرت عائشہ نے کہا کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پروں والے گھوڑے تھے! حضرت عائشہ نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بٹے حتیٰ کہ میں نے آپ کی داڑھیوں دیکھیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۴۳)

(الہدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۴۷۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۸ھ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کی تعداد

ص: ۳۳ میں ہے: اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر جسم ڈال دیا پھر انہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت سلیمان بن داؤد نبی اللہ نے کہا میں آج رات ستر ازواج کے پاس جاؤں گا ان میں سے ہر ایک سے ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا ان کے ساتھی یا کسی فرشتے نے کہا کیسے ان شاء اللہ وہ بھول گئے اور نہ کہا پھر ان کی ازواج میں سے صرف ایک کے ہاں اوصور لڑکا پیدا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ ان شاء اللہ کہتے تو ان کی جسم نہ فوتی! اور ان کا مقصد پورا ہو جاتا۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۶۷۳۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷۵۳ مسند احمد رقم الحدیث: ۷۳۷۷ عالم الکتب تاریخ دمشق الکبریٰ ج ۳ ص ۱۸۶ رقم

الحدیث: ۵۱۳۱، ۵۱۳۲، ۵۱۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۳۱ھ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کی تعداد کے بیان میں مضطرب روایات میں تطبیق

حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کی تعداد میں اضطراب ہے۔ بعض روایات میں ساٹھ ازواج کا ذکر ہے بعض میں ستر کا بعض میں نوے کا اور صحیح بخاری میں ننانوے اور سوا ازواج کا بھی ذکر ہے۔ علامہ نووی نے اس کے

جواب میں لکھا ہے کہ عدد میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا اور عدد قلیل کے ذکر سے عدد کثیر کی نفی نہیں ہوتی۔

(شرح مسلم ج ۳ ص ۲۹ مطبوعہ کراچی)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ نووی کے جواب کو مسترد کر دیا ہے اور لکھا ہے کہ بہت سے علماء کے نزدیک عدد میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے اس لیے صحیح جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان کی ساٹھ ازواج تھیں اور باقی باندیاں تھیں اور جن روایات میں ساٹھ سے زیادہ ازواج کا ذکر ہے ان میں مجاز باندیوں پر بھی ازواج کا اطلاق کیا گیا ہے پاس کے برعکس ساٹھ باندیاں تھیں اور باقی ازواج تھیں دوسرا جواب یہ ہے کہ اصل میں ازواج نوے سے زیادہ اور سو سے کم تھیں جس روایت میں نوے کا ذکر ہے اس میں کسر کو حذف کر دیا اور جس روایت میں سو کا ذکر ہے اس میں کسر کو پورا کر دیا اور ساٹھ اور ستر کے ذکر سے کثرت میں مبالغہ مراد ہے کیونکہ عرب کثرت میں مبالغہ کے لیے ساٹھ اور ستر کا عدد ذکر کرتے ہیں اور وہ بن مہد سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک ہزار عورتیں تھیں جن میں سے تین سو ازواج تھیں اور سات سو باندیاں تھیں۔ امام حاکم نے مستدرک میں اپنی سند کے ساتھ محمد بن کعب سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان کے پاس ایک ہزار ششے کے لکڑی پر جڑے ہوئے گھر تھے تین سو ازواج کے تھے اور سات سو باندیوں کے۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۶۶۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۰ھ)

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ازواج کے عدد میں اختلاف راویوں کے تصرف کا نتیجہ ہے ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا عدد بیان کیا جو کثرت پر دلالت کرتا ہو اور ہر راوی نے اپنی سمجھ کے اعتبار سے اس کی دوسرے سے مختلف تعبیر کر دی اور اس سے اصل حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ ان کے نزدیک ازواج کے عدد کو محفوظ اور منضبط رکھنے کے ساتھ کوئی دینی اور دنیوی فرض متعلق نہیں تھی۔

حضرت سلیمان سے متعلق ایک حدیث صحیح پر سید مودودی کے اعتراض کے جوابات

سید ابو الاعلیٰ مودودی نے ایک رات میں ساٹھ ازواج سے جماع کرنے کو عتقا مستحب قرار دے کر ان احادیث ہی کا انکار کر دیا لکھتے ہیں:

تیسرا اگر وہ کہتا ہے کہ حضرت سلیمان نے ایک روز جم کھائی کہ آج رات میں اپنی ستر بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ہر ایک سے ایک ایک جامہ بی سبیل اللہ پیدا ہو گا مگر یہ بات کہتے ہوئے انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف ایک بیوی حاملہ ہوئیں اور ان سے بھی ایک اور اور بچہ پیدا ہوا جسے دانی نے لا کر حضرت سلیمان کی کرسی پر ڈال دیا۔ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور اسے بخاری و مسلم اور دوسرے محدثین نے متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے۔ خود بخاری میں مختلف مقامات پر یہ روایت جن طریقوں سے نقل کی گئی ہے ان میں سے کسی میں بیویوں کو تعداد ساٹھ بیان کی گئی ہے کسی میں ۷۰ کسی میں ۹۰ کسی میں ۱۰۰ جہاں تک اسناد کا تعلق ہے ان میں سے اکثر روایات کی سند قوی ہے اور ہا اعتبار روایت اس کی صحت میں کلام نہیں کیا جاسکتا لیکن حدیث کا مضمون صریح عقل کے خلاف ہے اور بیکار بیکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ہرگز نہ فرمائی ہوگی جس طرح وہ نقل ہوئی ہے بلکہ آپ نے عائشہ بیوی کی یادہ گوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے کسی موقع پر اسے بطور مثال بیان فرمایا ہو گا اور سامع کو یہ غلطی لاحق ہوگئی کہ اس بات کو حضور خود بطور واقعہ بیان فرما رہے ہیں۔ ایسی روایات کو کھٹھل مٹھل سے اندازے کی روشنی میں اس کی کوشش کرنا دین کو محکمہ بنانا ہے ہر شخص خود حساب لگا کر دیکھ سکتا ہے کہ جائزے کی طویل ترین رات میں بھی عشاء اور فجر کے درمیان دس گیارہ

گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں ہوتا۔ اگر بیویوں کی کم سے کم تعداد ساٹھ ہی مان لی جائے تو اس کے سنی یہ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس رات بغیر دم لینے کی گھنٹہ چوبیس بیویوں کے حساب سے مسلسل دس گھنٹے یا 11 گھنٹے باہر ت کرتے چلے گئے کیا یہ ممکن بھی ہے؟ اور کیا یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ حضور نے یہ بات واقعے کے طور پر بیان کی ہوگی؟

(تفسیر طبرستان ج ۳ ص ۳۳۷ مطبوعہ لاہور ۱۳۷۷ھ)

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جس انداز سے اس حدیث صحیح کو مسترد کیا ہے اس میں ان کا اسلوب نگارش غلام احمد پروجیٹور ڈاکٹر غلام جیلانی سے چنداں مختلف نہیں ہے حدیث کی جانچ اور پرکھ کا اصول محمد شین اور مجتہدین کے نزدیک یہ ہے کہ اس کی سند صحیح ہو اور اس کا متن قرآن مجید، سنت مشہورہ اور عقل صریح کے خلاف نہ ہو یا اس طور کہ وہ کسی محال عقلی کو مستلزم نہ ہو اور اگر ہر شخص کی عقل کو حدیث کی صحت اور عدم صحت کے لیے ترازو مان لیا جائے تو دین کے اکثر اور بیشتر احکام سے احکاہ داغہ جائے گا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس حدیث پر جو اعتراض کیا ہے اس کے جواب میں پہلی گزارش یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کی تعداد میں یہ فرض کر لینا صحیح نہیں ہے کہ وہ قطعی طور پر ساٹھ ہی تھیں، کیونکہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ ذکر کیا جس کو رادیوں نے اپنی اپنی فہم کے مطابق ساتھ ستر یا نو سے تعبیر کر لیا۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ اگر بارہ گھنٹے کی رات فرض کی جائے اور ساٹھ ازواج ہوں تو ایک گھنٹہ میں پانچ کا حسب آتا ہے اور یہ چنداں مستبعد نہیں ہے تیسری گزارش یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے افعال مبارک کو عام آدمیوں کے افعال پر قیاس کر لینا ہی گمراہی کا اولین سبب ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت کے ایک ولی (آصف بن برخیا) نے تین ماہ کی مسافت سے تخت بقیس کو چمک چمکنے سے پہلے لاکر حاضر کر دیا اور جب سلیمان علیہ السلام کا ایک خاص امتی تین ماہ کے کام کو چمک چمکنے سے پہلے کر سکتا ہے تو خود حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت اور اختیار کا کیا عالم ہوگا! سید ابوالاعلیٰ مودودی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی کارکردگی کے لیے گھنٹوں اور منٹوں کا جو تخمینہ ٹھیل بتایا ہے اس کے اعتبار سے کسی نیما کا مجروح ثابت ہو سکتا ہے اور نہ کسی ولی کی کرامت!!

حضرت سلیمان علیہ السلام کی اجتہاد میں اصابت رائے

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَكَاذِبٌ وَكَلِيمٌ ۚ اِذَا يَتَخَلَّفُونَ فِي الْحَدِيثِ اِذَا نَفَسَتْ فِيهِ عَنَّا الْقَوْمُ ۚ وَلَمَّا اِلْمَكِيهِمْ شَيْئًا مِنْ قَوْلِنَا سَيِّئًا ۚ وَكَلَّا اَتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ

(الانبیاء ۷۸-۷۹)

(حضرت) داؤد اور (حضرت) سلیمان (علیہما السلام) جب اس کھیت کا فیصلہ کرنے گئے جس کی فصل کو ایک قوم کی بکریوں نے رات میں روئے والا تھا ان کا فیصلہ ہمارے سامنے تھا ہم نے (حضرت) سلیمان کو اس فیصلہ کی فہم دے دی تھی اور ہم نے دونوں کو حکمت دی تھی اور علم عطا فرمایا تھا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں ایک مقدمہ پیش ہوا کہ ایک شخص کے کھیت میں رات کے وقت دوسرے لوگوں کی بکریاں آ گئیں اور کھیت کا نقصان کر دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ دیکھ کر بکریوں کی قیمت اس مالیت کے برابر ہے جس کا کھیت والے نے نقصان اٹھایا تھا یہ فیصلہ کیا بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ کھیت والا اپنے پاس بکریاں رکھے اور ان سے فائدہ اٹھائے اور بکریوں والے

کھیت کو دوبارہ اصل حالت پر لانے کے لیے کھیتی باڑی کریں اور جب کھیت پہلی حالت پر واپس آ جائے تو بکریاں ان کے مالکوں کو لوٹا دیں اور کھیت والے اپنا کھیت لے لیں۔ اس میں دونوں کا نقصان نہ ہوگا۔ حضرت داؤد نے یہ فیصلہ سن کر حضرت سلیمان کی تحسین فرمائی اور اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔ فقہی اصطلاح میں حضرت داؤد نے حضرت سلیمان کے امتحان کے مقابلہ میں اپنے قیاس سے رجوع فرمایا۔

اس آیت سے معلوم ہو کہ کسی پیش آمدہ مسئلہ کو حل کرنے کے لیے اصول شرع کے مطابق اپنی رائے دینا اجتہاد ہے اور کبھی ایک مسئلہ میں اجتہاد سے دو حل معلوم ہوتے ہیں۔ ایک حل ظاہر اور دوسرا خفی ہوتا ہے۔ ظاہر کو قیاس اور خفی کو امتحان کہتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے اجتہاد کی دوسری مثال اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو عورتیں اپنے اپنے بچے کو ساتھ لے کر جاری تھیں، اسنے میں بھیڑیہ آ کر ان میں سے ایک کے بچے کو لے گیا، ایک عورت نے دوسری سے کہا بھیڑیا تمہارے بچے کو لے گیا ہے، دوسری نے کہا نہیں، تمہارے بچے کو لے گیا ہے وہ دونوں حضرت داؤد کے پاس اپنا مقدمہ لے کر گئیں، انہوں نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا، پھر وہ دونوں حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے پاس گئیں اور ان کو ماجرا سنایا۔ حضرت سلیمان نے فرمایا چھری لاؤ میں اس بچے کے دو ٹکڑے کر کے تم دونوں کو دے دیتا ہوں، چھوٹی نے کہا نہیں، اللہ تم پر رحم کرے وہ اسی کا بچہ ہے، پھر حضرت سلیمان نے چھوٹی کے حق میں اس بچے کا فیصلہ کر دیا۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا بخدا! (چھری کے لیے) سبکین کا لفظ میں نے اسی دن سنا ہے۔ ہم اس سے پہلے "دیہ" کہتے تھے۔

(صحیح مسلم القلیہ: ۲۰، رقم الحدیث: ۱۷۸۷، ارقم، السلسلہ: ۲۲۱۵، تاریخ الخلفاء: ۲۲۳، رقم الحدیث: ۵۳۳)

اس حدیث میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس بچے کا بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا، اس جگہ یہ سوال ہے کہ حضرت داؤد نے کس قرینہ کی بنا پر بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت داؤد کے خیال میں وہ بچہ بڑی عورت کے مشابہ ہو اور اس مشابہت کی بنا پر انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہو یا بچہ بڑی عورت کے ہاتھ میں دیکھ کر یہ فیصلہ کر دیا ہو۔

حضرت سلیمان کا واقعاتی شہادت سے استدلال

حضرت سلیمان نے حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان دونوں سے کہا کہ میں چھری سے اس بچے کے دو ٹکڑے کر دیتا ہوں تاکہ یہ دیکھیں کہ یہ فیصلہ کس پر دشوار ہوتا ہے اور جس عورت پر بچے کے دو ٹکڑے کرنے کا فیصلہ شاق ہوگا وہی عورت حقیقت میں بچی کی ماں ہوگی اور جب بڑی عورت بچے کے ٹکڑے کرنے پر راضی ہوگئی اور چھوٹی عورت نے بچے کی جان بچانے کے لیے کہا کہ نہیں یہ اسی کا بچہ ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ بچہ حقیقت میں چھوٹی عورت کا ہے اور انہوں نے چھوٹی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ درحقیقت اس مسئلہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے واقعاتی شہادت اور قرینہ خارجیہ سے استدلال کیا ہے کیونکہ یہاں اور گواہی نہیں تھی اور علماء نے کہا ہے کہ حکام کو اس قسم کے معاملات میں واقعاتی شہادتوں سے استدلال کرنا چاہیے۔

ایک مجتہد دوسرے مجتہد سے کب اختلاف کر سکتا ہے؟

ایک سوال یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کے بعد اسی مقدمہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیوں فیصلہ

- کیا اور ان کے فیصلہ کو کیوں تبدیل کیا؟ حالانکہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کے فیصلہ کو تبدیل نہیں کرتا اس کے حدود خارج ہیں۔
- (۱) حضرت داؤد علیہ السلام کو اس فیصلہ پر یقین نہیں تھا۔
- (۲) یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فتویٰ تھا فیصلہ نہیں تھا۔
- (۳) ہو سکتا ہے کہ ان کی شریعت میں یہ جائز ہو کہ جب دوسرے حاکم کے پاس مقدمہ پہنچے تو وہ پہلے حاکم کے خلاف فیصلہ کر دے۔

(۴) حضرت سلیمان نے جب جیلہ سے یہ معلوم کر لیا کہ بچہ چھوٹی عورت کا ہے تو انہوں نے بڑی عورت سے اقرار کر لیا اور اقرار جنت ملازمہ ہے کیونکہ جب اس نے حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کے خلاف خودی اقرار کر لیا کہ حق چھوٹی عورت کا ہے تو اب حضرت سلیمان پر فیصلہ تبدیل کرنے کا اعتراض نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک مجتہد کا دوسرے مجتہد سے اختلاف کرنا جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اجتہاد کرتے ہیں اور بعض اوقات انبیاء علیہم السلام سے اجتہادی خطا بھی ہو جاتی ہے جیسا کہ اس مسئلہ میں حضرت داؤد علیہ السلام سے اجتہادی خطا ہو گئی لیکن وہ اجتہادی خطا پر برقرار نہیں رہے اللہ تعالیٰ ان پر حق واضح کر دیتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایسا ملک عطا فرماتا جو دوسروں کو نہ دیا گیا ہو

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت سلیمان نے بیت المقدس بنا لیا تو اپنے رب عزوجل سے تین چیزوں کا سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان میں سے دو چیزیں عطا فرمادیں اور ہمیں امید ہے کہ تیسری چیز ہمیں مل جائے گی۔ انہوں نے سوال کیا کہ وہ ایسا فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے موافق ہو تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ عطا فرمادیا اور انہوں نے یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسا ملک عطا فرمائے جو ان کے بعد اور کسی کے سوا اور نہ ہو اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ان کو عطا فرمادیا اور انہوں نے یہ سوال کیا کہ جو بھی اپنے گھر سے اس مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آئے اور اس کا ارادہ صرف اس مسجد میں نماز پڑھنا ہو تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے جیسے وہ اپنا ماں کے پلٹن سے ابھی پیدا ہوا ہو ہمیں امید ہے کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کر دی ہے۔

(سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۶۹۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۳۸۸، مسند احمد رقم الحدیث ۶۶۵۵، دار الفکر، ج ۱، صفحہ ۲۳، رقم الحدیث ۵۱۵۳)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر فرماتا

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی تھی:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مَلَكًا لَا يُتَبَعُنِي إِلَّا بِحَبِي

قَتْنٍ بَعْدِي إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (۴۵)

اے میرے رب! میری مغفرت فرما اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو بے شک تو ہی بہت عطا فرمائے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس دعا کو قبول کر کے فرمایا:

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ أَوْ يَمْسِكُ وَيَمْنُ مَتْنًا

سو ہم نے ہوا کو ان کے ماتحت کر دیا وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہے تھے ان کو جی سے لے جاتی تھی۔ (۴۶)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب محض اللہ کی رضا کے لیے اپنے شوق کے باوجود گھوڑوں کے ساتھ دلچسپی لینے اور ان

جس خصوصیت کو ترک کر دیا اور ایک تفسیر کے مطابق گھوڑوں کو قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ہوا کو ان کے لیے سواری بنا دیا جو گھوڑوں کی رفتار سے کہیں زیادہ تیز تھی حضرت سلیمان کے پاس گھڑی کا ایک بہت بڑا تخت تھا اس کے علاوہ ان کی ضرورت کی تمام چیزیں ان کے پاس موجود تھیں ان کے پاس مکان 'مُلُ' خیمے اور ساز و سامان تھا گھوڑے تھے انسان اور جن ان کے خدمت گار تھے۔ حیوانات اور پرندے ان کے تابع تھے اور ہر قسم کی خوبصورت چیزیں ان کے پاس مہیا تھیں جب وہ کسی سفر پر جانے کا قصد کرتے کسی سے ملاقات کے لیے کسی علاقہ میں جہاد کرنے کے لیے یا کسی دشمن پر حملہ کرنے کے لیے خواہ وہ کسی ملک میں جانے کا قصد کرتے تو ضرورت کی ساری چیزیں انواع و اقسام کا ساز و سامان اور خدام سب اس تخت پر آ جاتے پھر آپ ہوا کو حکم دیتے وہ اس تخت کے نیچے داخل ہو کر اس تخت کو اوپر اٹھا لیتی۔ پھر جب وہ تخت زمین سے کافی بلندی پر چلا جاتا تو آپ نے جہاں جانا ہوتا ہوا آپ کو بہت تیزی اور سرعت کے ساتھ وہاں پہنچا دیتی۔ آپ صبح کے وقت بیت المقدس سے سفر کرتے اور ہوا آپ کو ایک ماہ کی مسافت کے فاصلہ پر پہنچا دیتی۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَمَّا مَنَّ اللَّهُ عَلَىٰ النَّبِيِّ وَجَعَلَ مَا بَيْنَ يَدَيْهِ رُجُومًا ۖ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا
وَأَسْمَأُكُلَ الْغَنَيْنِ الْغُلَّظِ (سہا: ۱۳)

اور ہم نے سلیمان کے لیے ہوا کو سفر کر دیا کہ وہ صبح کی سر
میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتی اور شام کی سر میں ایک ماہ کی
مسافت طے کر لیتی اور ہم نے ان کے لیے تانے کا چشمہ بھا دیا
(تاکہ تانے کی دھات سے وہ جو چاہیں بنا سکیں)

بے شک یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا بہت عظیم معجزہ تھا ہوا ان کو صبح کے وقت میں ایک ماہ کی مسافت پر لے جاتی تھی اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے زیادہ عظیم معجزہ عطا فرمایا کیونکہ حضرت سلیمان کو تخت پر بیٹھ کر جانا پڑتا تھا اور ہمارے نبی جہاں چاہتے تھے وہ جگہ خود آپ کے سامنے آ جاتی تھی۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الله زوى لى الارض فربايت مشارقها
ومغاربها۔
بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے تمام روئے زمین کو پیٹ
دیا اور میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو کچھ لیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۵۲ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۰۱۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۲)
رہا یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف افراض اور مقاصد کے لیے سفر بھی کیے ہیں اور آپ متعدد علاقوں میں گئے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو نہیں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تمام علاقے آپ کو دکھا دیئے تھے آپ کا سفر کرنا اور مختلف علاقوں میں جانا شخص اس لیے تھا کہ سفر کرنا اور مختلف علاقوں میں جانا ہمارے لیے سنت اور کارِ ثواب ہو جائے اور اس باب میں آپ کا اسوہ اور نمونہ فراہم ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ
يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَذِكْرًا ۝

(البقرہ: ۲۱)

زیادہ ذکر کرتا ہے۔

حضرت سلیمان کے لیے جنات کو مسخر کرنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الطَّيِّبِينَ مَنْ بَنَىٰ دَوْلَةً وَصَالِحِينَ (۳۷:۵)

اور قوی جنات کو بھی ان کے صالح فرما کر دیا جو ہم
عزت بنانے والے اور فخر ملانے والے تھے۔

وَمِنَ الَّذِينَ مَنَ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِمْ ذِكْرًا

اور بعض جنات بھی ان کے رب کے حکم سے ان کے سامنے
ان کے فرمان کے موافق کام کرتے تھے اور ان میں سے جو بھی
ان کے حکم سے سرکاری کرے گا ہم اس کو بڑی ہی آگ کا حرہ
پکھائیں گے۔

وَمَنْ تَتَّبِعْهُمْ عَنْ أَمْرِكَ فَإِنَّهُ مِنْ عَذَابِ

التَّوْبَةِ (۱۲:۴)

اللہ تعالیٰ نے جنات کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے سحر کر دیا تھا وہ جو کام چاہتے تھے ان سے کرا لیتے تھے وہ ان کی
اطاعت سے انحراف نہیں کرتے تھے اگر وہ سر مو بھی ان کی حکم بدولی کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو سخت عذاب میں مبتلا کر دیتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گزشتہ رات ایک بہت بڑا جن (نماز
میں) مجھ پر حملہ آور ہوا تاکہ میری نماز توڑ دے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر قدرت دے دی میں نے اس کو پکڑ لیا اور میں نے یہ
ارادہ کیا کہ میں اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ایک ستون کے ساتھ باندھ دوں پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد
آئی:

عَمَّ يَتَّبِعُنِي وَيُؤْتِي مَلَكًا لِّيَتَّبِعَنِي يَكْفِي

اے رب! میری مغفرت فرما اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو
میرے علاوہ کسی اور کے لائق نہ ہو۔

قَدْ تَبَيَّنَ (۳۷:۵)

تو میں نے اس (بہت بڑے جن) کو ناکام اور تار مارا دلوٹا دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۱۳۳۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳۱۱ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۱۳۳۰ مسند احمد رقم الحدیث: ۹۷۴۷ مسطور
دار الفکر بیروت: تاریخ دمشق (تکبیر) ۲۴: ۱۸۹ رقم الحدیث: ۵۳۳۷ مسطور بیروت: ۱۳۲۱ھ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے ہم نے نماز میں آپ کو
تین بار یہ دعا کرتے ہوئے سنا: "میں تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں اور تجھ پر اللہ کی لعنت کرتا ہوں" اور آپ نے (نماز میں)
اس طرح ہاتھ بڑھایا جیسے کسی چیز کو پکڑ رہے ہوں جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے آپ
کو نماز میں ایک دعا کرتے ہوئے سنا ہم نے اس سے پہلے نماز میں آپ سے وہ دعا نہیں سنی اور ہم نے آپ کو نماز میں اپنا ہاتھ
بڑھاتے ہوئے دیکھا آپ نے فرمایا اللہ کا دشمن ایسے نماز میں میرے چہرے پر آگ کا ایک گولہ مارنے کے لیے آیا میں نے
تین بار کہا میں تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں پھر میں نے کہا میں تجھ پر اللہ کی لعنت کرتا ہوں وہ تین بار پیچھے نہیں ہٹا پھر میں
نے اس کو پکڑنے کا ارادہ کیا اللہ کی قسم! اگر ہمارے بھائی سلیمان نے دعا نہ کی ہوتی تو وہ صبح کو زنجیروں سے جکڑا ہوا ہوتا اور
اہل مدینہ کے بچے اس سے کھیل رہے ہوتے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳۳۷ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۱۳۲۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اور میں آپ
کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا آپ نے قرأت کی تو آپ پر قرأت مشتبہ ہو گئی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا
کاش تم مجھے ایسے کے ساتھ دیکھتے میں اپنے ہاتھ سے اس کا گلا گھونٹنے لگا اور اس وقت تک اس کا گلا گھونٹتا رہا حتیٰ کہ میں نے
اس کے لعاب کی خشک لپٹی ان دو انگلیوں اور ان کے ساتھ انگوٹھے میں محسوس کی اور اگر میرے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو
یہ صبح کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ایک ستون کے ساتھ بندھا ہوا ہوتا اور مدینہ کے بچے اس کے ساتھ کھیل رہے ہوتے پھر

ہم میں سے جو شخص اس کی استطاعت رکھتا ہو کہ اس کے اور قبلہ کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو تو وہ ایسا کرے (یعنی صف اول میں نماز پڑھے) (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۹۹۰ مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۱۷۸۸۰ دار الفکر بیروت)

اس حدیث پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

لَا تَقْرَءُ مَعَهُمْ هُوَ يَقِيلُكَ مِنْ حَيْثُ لَا تَشَاءُ وَنَهَضَ

(الاعراف: ۴۷) اس کو نہیں دیکھتے۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ عام لوگ شیطان اور اس کی ذریعہ کو نہیں دیکھ سکتے پھر آپ نے یہ کیسے فرمایا کہ تم اس کو مسجد کے کسی ستون کے ساتھ بندھا ہوا دیکھتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غالب احوال اور عام اوقات میں ہم اس کو نہیں دیکھ سکتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت اہل مدینہ کے دیکھنے کا فرمایا ہے وہ اس عموم سے مستثنیٰ ہے اور وجہ استثناء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اس حدیث پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تو یہ دعا کی تھی کہ اے رب اچھے ایسا ملک عطا فرما جو کسی اور کے لائق نہ ہو اور جب ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس بہت بڑے جن کو باندھنے اور اس کو بھگانے پر قدرت تھی تو آپ کی بھی جنات پر سلطنت ثابت ہو گئی اور یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیت نہ رہی!

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی جنات پر سلطنت یہ تھی کہ وہ ان سے ہر قسم کی خدمت لینے اور کام پر لگانے پر قادر تھے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف اتنی مقدار پر قادر تھے کہ اس کو باندھ دیتے یا اس کو بھگا دیتے لہذا جن پر آپ کے اس تصرف سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمومی سلطنت اور ان کے ساتھ اختصاص میں کوئی فرق نہیں آتا۔ (معجم ابیاری ج ۱ ص ۲۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۲۸ھ)

علامہ بدر الدین عینی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جنات پر وہ قوت عطا کر دی تھی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا کی تھی اس کے باوجود آپ نے اس جن کو نہیں باندھا تا کہ جنات پر تصرف کرنے کی حضرت سلیمان علیہ السلام کی انفرادیت اور خصوصیت باقی رہے۔ (عمدة القاری ج ۳ ص ۲۳۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت مصر ۱۳۵۸ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو دعا کی تھی کہ مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کو سزاوار نہ ہو یعنی وہ سلطنت صرف آپ میں منحصر ہو اس دعا میں حصر سے مراد حصر حقیقی نہیں تھا حصر اضافی تھا یعنی ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی نبی یا ولی یا کسی بھی شخص کو جنات پر ایسی ہمہ گیر سلطنت حاصل نہیں تھی اور یہ حصر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماسوا کے اعتبار سے ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب ہیں سید خلق ہیں اور قائد المرسلین ہیں اور تمام نبیوں اور رسولوں کے کمالات اور ان کے معجزات کے جامع ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی نبی کو کوئی سلطنت اور کمال حاصل ہو اور وہ آپ کو حاصل نہ ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نبوت یا کوئی اور نعمت ہو جس کو بھی جو چیز ملتی ہے وہ آپ ہی کے وسیلے سے ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مطلقاً عطا فرماتا ہے اور آپ مطلقاً تقسیم کرتے ہیں ابتداءً از فریش عالم سے جس فرد کو جو چیز ملتی ہے وہ آپ ہی کی تقسیم سے ملتی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے معمولات اور ان کے احوال و کوائف کے متعلق احادیث

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت سلیمان کی انگوٹھی میں

نقش تھا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ.

(جامع البیان ج ۳ ص ۹۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۶۵ھ تاریخ ذیقعد ۱۸۲ قمری رقم الحدیث: ۵۸۵۰ ج ۳ ص ۱۸۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۶۵ھ)
حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی انگوٹھی کا گھنیرہ آسمانی تھا ان کی طرف وہ گھنیرہ گرایا گیا تو انہوں نے اس کو اٹھا کر اپنی انگوٹھی میں رکھ لیا اس پر یہ عبارت نقش تھی:

انا اللہ لا اله الا انا محمد عبیدی ورسولی۔
میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے محمد میرے بندے اور میرے رسول ہیں۔

(تاریخ ذیقعد ۱۸۲ قمری رقم الحدیث: ۵۸۶۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۳۲ھ)
سلیمان بن عامر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے سلیمان بن داؤد کو کتنا بڑا ملک عطا کیا تھا پھر بھی وہ اللہ کے خوف کی وجہ سے آسمان کی طرف نظر نہیں اٹھاتے تھے حتیٰ کہ ان کی روح قبض کر لی گئی۔ (تاریخ ذیقعد ۱۸۶ قمری رقم الحدیث: ۵۸۶۳ مطبوعہ بیروت ۱۳۶۱ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو وہ ملک عطا کیا جو عطا کیا تو انہوں نے اللہ عزوجل کے خوف کی وجہ سے آسمان کی طرف نظر نہیں اٹھایا۔

(تاریخ ذیقعد ۱۸۶ قمری رقم الحدیث: ۵۸۶۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۴۳۳۳)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے دیکھا کہ اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو ملک عطا فرمایا تو اس ملک اور سلطنت نے ان میں اللہ کے خوف کے سوا اور کسی چیز کو زیادہ نہیں کیا اور وہ اپنے رب عزوجل کے خوف کی وجہ سے آسمان کی طرف نظر نہیں اٹھاتے تھے۔

(تاریخ ذیقعد ۱۸۶ قمری رقم الحدیث: ۵۸۶۷ ج ۳ ص ۱۸۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۶۵ھ)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت سلیمان علیہ السلام کو مال ملک اور علم کے درمیان (کسی ایک کے انتخاب کا) اختیار دیا گیا تو حضرت سلیمان نے علم کو اختیار کر لیا۔

(تاریخ ذیقعد ۱۸۶ قمری رقم الحدیث: ۵۸۶۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۴۳۳۳)
حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ نے حضرت سلیمان سے کہا اے بیٹے ارات کو زیادہ نہ سویا کرو کیونکہ جو رات کو زیادہ سوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرتا ہے کہ وہ فقیر ہو۔ (تاریخ ذیقعد ۱۸۸ قمری رقم الحدیث: ۵۸۶۸ المعجم المصنوع ج ۱ ص ۱۲۱)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ پہلے شخص جن کے لیے حمام (نہانے کے لیے گرم پانی) بنایا گیا وہ حضرت سلیمان بن داؤد ہیں جب وہ حمام میں داخل ہوئے اور اس کی گرمی محسوس کی تو کہا: واللہ! اللہ کے عذاب سے۔ (تاریخ ذیقعد ۱۸۸ قمری رقم الحدیث: ۵۸۶۸ ج ۳ ص ۱۸۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۶۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ انبیاء میں سے ایک نبی ہارن کی دعا مانگنے کے لیے لوگوں کو لے کر گئے اچانک دیکھا کہ ان میں ایک چوٹی بھی آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے تھی تو اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واپس آ جاؤ کیونکہ اس چوٹی کی وجہ سے تمہاری دعا قبول ہو گئی ہے۔

(تاریخ ذیقعد ۱۸۸ قمری رقم الحدیث: ۵۸۶۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۳۲ھ)

کیونکہ جب تک صالح (اس دنیا کو جاننے والا) عالم اور قادر کا علم نہ ہو جو رسولوں کو بھیجے والا ہے اور انہیں کو نازل کرنے والا ہے اس وقت تک علم فقہ کا تصور ہوگا نہ علم حدیث کا نہ علم تفسیر کا پس تمام علوم اس علم اصول پر موقوف ہیں اور یہ علم تمام علوم کا رئیس ہے پس اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کا علم مکلف کے اوپر سب سے پہلا واجب ہے اور مقصود لذت ہے لیکن اس معرفت سے اللہ تعالیٰ کی حقیقت کا علم مراد نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت کسی بشر کو معلوم نہیں ہے اور نہ اس سے یہ مراد ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف آخرت میں دکھائی دے گا اور دنیا میں بیداری میں اس کا دیدار ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوا اور خواب میں چند اکابر اولیاء اور علماء کو اس کا دیدار حاصل ہوا ہے بلکہ ہم صرف اس کے مکلف ہیں کہ ہمیں دلائل سے اللہ تعالیٰ کے وجود کا علم ہو اور ہم کو یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کیا چیزیں واجب ہیں اور کیا چیزیں اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہیں مثلاً علم اور قدرت اللہ تعالیٰ کے لیے واجب ہیں اور جہل اور عجز اس کے لیے محال ہیں اسی طرح صدق اللہ تعالیٰ کے لیے واجب ہے اور کذب اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے صفات کمال اور حسن اللہ تعالیٰ کے لیے واجب ہے اور عیب اور نقص اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے۔

سائل نے آپ سے عمل کے متعلق سوال کیا تھا کہ سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے جواب میں علم کا ذکر فرمایا آپ نے فرمایا سب سے افضل عمل اللہ کا علم ہے اس نے کہا میں نے تو عمل کے متعلق سوال کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: بے شک علم جہیں نفع دے گا خواہ اس کے ساتھ عمل کم ہو یا زیادہ کیونکہ عبادت علم پر موقوف ہے پس اہم مطلوب اور اہم مقصود اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ نفع نفس کو چاہیے کہ اس علم کو حاصل کرے جو اس کے ساتھ بزرگ میں بھی رہے نہ کہ وہ علم جو موت کے بعد اس سے الگ اور زائل ہو جائے اور اس علم کو حاصل کرے جو اس کے ساتھ آخرت میں منتقل ہو اور آخرت میں صرف وہ علم اس کے ساتھ منتقل ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے بتائے ہوئے احکام شرعیہ کا علم ہوگا نیز آپ نے فرمایا کہ جہل جہیں نفع نہیں دے گا خواہ اس کے ساتھ عمل کم ہو یا زیادہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے جاہل ہو اور اس کو احکام شرعیہ کا علم نہ ہو تو اس کا کوئی مقیدہ صحیح ہوگا نہ عمل۔

(فیض القدیر ج ۳ ص ۱۷۷-۱۷۸ مسطورہ مکتبہ زار صلی اللہ علیہ وسلم لاہور ۱۳۸۸ھ)

جہل کی مذمت

علامہ اسماعیل حق ستوی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

جو شخص بغیر علم کے عبادت کرتا ہے وہ پتلی کے گدھے کی طرح ہے وہ اس کے گرد گھومتا رہتا ہے اور مسافت کو قطع نہیں کرتا۔

(درج البیان ج ۶ ص ۳۲۰ مسطورہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز ستوی ۱۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت سے سوال کیا گیا کہ بعض لوگ تفسیر حدیث پڑھے بغیر بے خواندہ بے اجازتہ و بے سربازار و مسجد و غیرہ بطور عطف و نصائح کے بیان کرتے ہیں حالانکہ مطلب و معنی میں کچھ سمجھ نہیں فقط اردو کی کتابیں دیکھ کے کہتے ہیں یہ کہنا اور بیان کرنا ان لوگوں کے لیے شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ جواز و جہاد۔

اعلیٰ حضرت اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

حرام ہے اور ایسا عطف و نصائح بھی حرام۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جس نے بغیر علم کے قرآن مجید کے متعلق کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے یہ حدیث امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

(لکھنؤ رضویہ ج ۱/۱ ص ۱۸۸ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی ۱۳۱۲ھ)

نیز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:

زید جاہل کا اپنے آپ کو مولوی صاحب کہنا دونا گناہ ہے کہ اس کے ساتھ جھوٹ اور جھوٹی تعریف کا پسند کرنا بھی شامل ہوا قال اللہ عزوجل لا تحسبن الذين يفرحون بما اتوا ويحزون ان يحملوا بما لم يفعلوا فلا تحسبنهم بمغفرة من العذاب ولهم عذاب الیم O ہرگز نہ چاہئے تو انہیں جو اترتے ہیں اپنے کام پر اور دوست رکھتے ہیں اسے کہ تعریف کیے جائیں اس بات سے جو انہوں نے نہ کی تو ہرگز نہ چاہئے انہیں عذاب سے پناہ کی جگہ میں اور ان کے لیے دکھ کی مار ہے۔ عالم شریف میں مکرر تابعی شاکر عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں منقول: یفسر حسون باضلالہم الناس وبسبب الناس ایہم الی العلم والیسوا باهل العلم خوش ہوتے ہیں لوگوں کو بھکانے پر اور اس پر کہ لوگ انہیں مولوی کہیں حالانکہ مولوی نہیں۔ جاہل کی وعظ کوئی بھی گناہ ہے۔ وعظ میں قرآن مجید کی تفسیر ہوگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یا شریعت کا مسئلہ اور جاہل کو ان میں کسی چیز کا بیان جائز نہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں من قال فی القرآن بغیر علم فلیتوا مقعده من النار جو بے علم قرآن کی تفسیر بیان کرے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے رواہ الترمذی و صحیح من ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حدیث میں اسے صحیح و غلط ثابت و موضوع کی تفسیر نہ ہوگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من یقل علی ما قل فلیتوا مقعده من النار جو مجھ پر وہ بات کہے جو میں نے نہ فرمائی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔ رواہ البخاری فی صحیحہ عن سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اغتوا بغیر علم فضلوا واضلوا بے علم مسئلہ بیان کیا سو آپ بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا رواہ الاتمسۃ احمد والشیخان والترمذی وابن ماجہ عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما دوسری حدیث میں آیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من اغتسی بغیر علم لعتنہ ملئکۃ السماء والارض جو بے علم تونہی دے اسے آسمان وزمین کے فرشتے لعنت کریں رواہ ابن عساکر عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ یونہی جاہل کا بغیر جہاں لوگوں کو مرید کرنا چار سے زیادہ پاؤں پھیلاتا چھوٹا منہ بڑی بات ہے پیر بادی ہوتا ہے اور جاہل کی نسبت ابھی حدیثوں سے گزرا کہ ہدایت نہیں کر سکتا نہ قرآن سے نہ حدیث سے نہ فقہ سے کہ بے علم تو اس خدا را شناخت۔ زید کا شریکین کی مدح و ستائش علی الاطلاق خصوصاً منبر ذکر شریف پر بیان کرنا خصوصاً انہیں مسلمانوں پر ترجیح دینا سخت ناپسند رب العزت جل و علا ہے حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اذا مدح الفاسق غضب الرب و اهتز للذلک العرش جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے رب جل و علا غضب فرماتا اور عرش الہی اٹھ جاتا ہے۔ رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبة وابو یعلیٰ والبیہقی فی السنن وانس بن مالک وابن عدی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس بیان سے تمام مراتب مؤمنان کا جواب ہو گیا زید پر لازم کہ توبہ کرے اللہ عزوجل توفیق دینے والا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(لکھنؤ رضویہ ج ۱/۱ ص ۱۹۲ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی ۱۳۱۲ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی اس موضوع پر مزید تحریر فرماتے ہیں:

جاہل عالم کی فضیلت کو کسی طرح نہیں پہنچ سکتا جبکہ وہ عالم عالم دین ہو قال اللہ تعالیٰ قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون تم فرما دیا کیا برابر ہو جائیں گے علم والے اور بے علم۔ جاہل بوجہ جہل اپنی عبادت میں سونگاہ کر لیتا ہے۔ اور مصیبت یہ کہ انہیں گناہ بھی نہیں جانتا اور عالم دین اپنے گناہ میں بھی وہ حد خوف و عداوت کا رکھتا ہے کہ اسے جلد

نجات بخشتی ہے، لہذا حدیث میں ارشاد ہوا کہ عالم کا ہاتھ رب العزت کے دست قدرت میں ہے اگر وہ نعرہ بھی کرے تو تعالیٰ جب چاہے اسے اٹھا لے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (تذیب رضویہ ج ۱/۲ ص ۸۷ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی ۱۳۷۲ھ)

نیز اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فرماتے ہیں:

(پھر فرمایا) صوفیائے کرام فرماتے ہیں صوفی بے علم سحر و شیطان است وہ جانتا ہی نہیں شیطان اپنی باگ ڈور پر لگا لیتا ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا المستعبد بغیر فقهہ کالحمار فی الطاحون بغیر فقهہ کے عابد بنے والا (عابد نہ فرمایا بلکہ عابد بنے والا فرمایا یعنی بغیر فقهہ کے عبادت ہوئی نہیں سکتی) عابد بنتا ہے وہ ایسا ہے جیسے چکی میں گدھا کر محنت شاقہ کرے اور حاصل کچھ نہیں۔ ایک صاحب اولیائے کرام میں سے تھے قدسنا اللہ تعالیٰ ہمارا وہم انہوں نے ایک صاحب ریاضت و مجاہدہ کا شہرہ سنانا کے بڑے بڑے دعاوی سننے میں آئے ان کو بلایا اور فرمایا یہ کیا دعوے ہیں جو میں نے سنے عرض کی مجھے دیدار الہی روز ہوتا ہے۔ ان آنکھوں سے سمندر پر خدا کا عرش بچھتا ہے اور اس پر خدا جلوہ فرما ہوتا ہے اب اگر ان کو علم ہوتا تو پہلے ہی مجھ لینے کہ دیدار الہی دنیا میں بحالت بیداری ان آنکھوں سے محال ہے سوائے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضور کو بھی فسوق السموات والعرض دیدار ہوا۔ دنیا نام ہے مساوات وارض کا۔ خیر ان بزرگ نے ایک عالم صاحب کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ وہ حدیث پر موقوف ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیطان اپنا تخت سمندر پر بچھتا ہے۔ انہوں نے عرض کی بے شک سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان ابلیس بضع عرشہ علی البحر شیطان اپنا تخت سمندر پر بچھتا ہے۔ انہوں نے جب یہ سنا تو مجھے کہ اب تک میں شیطان کو خدا سمجھتا رہا اسی کی عبادت کرتا رہا اسی کو جہدے کرتا رہا کپڑے پھاڑے اور جنگل کو چلے گئے پھر ان کا پانا نہ چلا۔ سیدی ابوالحسن جو سنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہیں حضرت سیدی ابوالحسن ملی بن مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے اور آپ خلیفہ ہیں حضور سیدنا نوٹ اعظم رضی اللہ عنہ کے آپ نے اپنے ایک مرید کو مضامین شریف میں چلے بٹھایا۔ ایک دن انہوں نے رونا شروع کیا آپ تشریف لائے اور فرمایا کیوں روتے ہو؟ عرض کیا حضرت شب قدر میری نظروں میں ہے شجر و حجر اور دیوار و درجہ میں ہیں نور پھیلا ہوا ہے۔ میں جہدے کرتا چاہتا ہوں ایک لوہے کی سلاخ مطلق سے سینے تک ہے جس سے میں جہدہ نہیں کر سکتا اس وجہ سے روتا ہوں۔ فرمایا اے فرزند وہ سلاخ نہیں وہ تیرے ہے جو میں نے تیرے سینے میں رکھا ہے اور یہ سب شیطان کا کرشمہ ہے شب قدر وغیرہ کچھ نہیں۔ عرض کی حضور میری تکلفی کے لیے کوئی دلیل ارشاد ہو۔ فرمایا اچھا دونوں ہاتھ پھیلا کر تڑپنا سمیٹو۔ سمیٹنا شروع کیا جتنا سمیٹتے تھے اتنی ہی روشنی مبدل بہ ظلمت ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ دونوں ہاتھ مل گئے بالکل اندھیرا ہو گیا۔ آپ کے ہاتھوں میں سے شور و غل ہونے لگا حضرت مجھے چھوڑ دینے میں جاتا ہوں۔ تب ان مرید کی تکلفی ہوئی (پھر فرمایا) بغیر علم کے صوفی کو شیطان کہے تاکہ اس کی لگام ڈالے۔ ایک حدیث میں ہے بعد نماز عصر شیطین سمندر پر جمع ہوتے ہیں انہیں کا تخت بچھتا ہے شیطین کی کارگزاری پیش ہوتی ہے کوئی کہتا ہے اس نے اتنی شرابیں چلائیں کوئی کہتا ہے اس نے اتنے زنا کرائے سب کی نہیں۔ کسی نے کہا اس نے آج فلاں طالب کو بڑھنے سے باز رکھا۔ سننے ہی تخت پر سے اچھل پڑا اور اس کو گھٹے سے لگایا اور کہا انت انت تو نے کام کیا اور شیطین یہ کیفیت دیکھ کر جل گئے کہ انہوں نے اتنے بڑے بڑے کام کیے ان کو کچھ نہ کہا اور اس کو اتنی شاباش دی۔ انہیں بولا تمہیں نہیں معلوم جو کچھ تم نے کیا سب اسی کا صدق ہے۔ اگر علم ہوتا تو وہ گناہ نہ کرتے۔ بتاؤ وہ کوئی جگہ ہے جہاں سب بڑا عابد رہتا ہے مگر وہ عالم نہیں اور وہاں ایک عالم بھی رہتا ہو۔ انہوں نے ایک مقام کا نام لیا۔ صبح کو قبل طلوع آفتاب شیطین کو لیے ہوئے اس مقام پر پہنچا اور شیطین غلی رہے اور یہ انسان کی شکل میں کرستہ پر کھڑا ہو گیا۔ عابد صاحب چھپر کی نماز کے بعد فجر کے واسطے مسجد کی طرف تشریف لائے۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر یہ خواب سنایا تو آپ نے فرمایا یہ چشمان کا عمل ہے۔

(مکی القاری رقم الحدیث: ۲۶۸۷۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۰۰۰۰)

اس سے پہلے ہم نے علم کے متعلق یحییٰ بن ابی کثیر کا قول نقل کیا تھا لیکن اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کہا میں عالم ہوں وہ جاہل ہے۔ (المجموع ۵: ۲۳۳ رقم الحدیث: ۶۸۳۳، مسطورہ مکتبہ المعارف، باب ۱۲۵۵)

امام ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے قرآن مجید میں ہے حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا رَافِی حَیْقَظَ عَلَیْہِ (یوسف: ۵۵) میں بہت حفاظت کرنے والا اور بہت جاننے والا ہوں۔ اسی طرح حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت معاویہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا میں عالم ہوں۔ حافظ سیوطی نے متعدد شواہد اور دلائل سے اس حدیث کے متن اور سند کو باطل قرار دیا ہے۔ (الذی للحدیث ج ۳ ص ۹۰، مسطورہ مکتبہ لکھنؤ)

من عرف نفسه فقد عرف ربه کے حدیث ہونے کی تحقیق

علامہ اسماعیل مکی متوفی ۱۱۳۷ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا:

من عرف نفسه فقد عرف ربه۔ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

(روح البیان ج ۶ ص ۲۶۹، مسطورہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۳۱ھ)

عرف عام میں یہ قول بہ طور حدیث کے مشہور ہے اس لیے ہم یہاں یہ تحقیق کرنا چاہتے ہیں کہ آیا یہ حدیث ہے یا نہیں! علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السیوطی المتوفی ۹۰۲ھ اس قول کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے۔ یہ یحییٰ بن معاذ الرازی کا قول ہے علامہ نووی نے کہا یہ ثابت نہیں ہے اس کی تائید میں یہ کہا گیا ہے کہ جس نے اپنے نفس کے حالات ہونے کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کے قدیم ہونے کو پہچان لیا اور جس نے اپنے نفس کے قافی ہونے کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کے باقی ہونے کو پہچان لیا۔

(التصديق ج ۲ ص ۲۶۶ رقم الحدیث: ۱۱۳۹، مسطورہ دار الکتب المصریہ بیروت ۱۴۳۷ھ)

حافظ جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے کہا یہ غیر ثابت ہے ابن اسماعیل نے کہا یہ یحییٰ بن معاذ الرازی کے کلام سے ہے۔

(الدر المنثور ج ۵ ص ۲۵۸ رقم الحدیث: ۱۲۰۰، مسطورہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد طابری بن علی بن عقیق البہزی المتوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے کہا ہے کہ من عرف نفسه فقد عرف ربه ثابت نہیں ہے ابن تیمیہ نے کہا یہ موضوع ہے اور یہ اسی طرح ہے جس طرح اس نے کہا ہے مقاصد میں مذکور ہے یہ حدیث مرفوع نہیں ہے یہ یحییٰ بن معاذ کا قول ہے۔

(ذکر الکلیات موضوعات ص ۱۸، مسطورہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

حافظ ابن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں:

ابن تیمیہ نے کہا یہ موضوع ہے اسماعیل نے کہا یہ حدیث مرفوع نہیں ہے اس کے متعلق حکایت کی جاتی ہے کہ یہ یحییٰ بن معاذ رازی کا قول ہے۔ علامہ نووی نے کہا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے ورنہ اس کا معنی ثابت ہے اس کا معنی یہ

صباح القراء

ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس کے جہل کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کے علم کو پہچان لیا اور جس نے اپنے نفس کی فنا کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کی بقا کو پہچان لیا اور جس نے اپنے نفس کے ضعف اور مجر کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کی قوت اور قدرت کو پہچان لیا۔ (الاسرار المفہومہ ص ۲۳۸ رقم الحدیث: ۶۳۷ مطبوعہ دارالہدایہ کربلا ۱۳۸۵ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد الجبلی الترمذی ۱۱۶۲ھ لکھتے ہیں:

انہی تیسہ نے کہا یہ موضوع ہے اور اس سے پہلے علامہ نووی نے کہا یہ ثابت نہیں ہے ابو المنظر بن اسمعانی نے القواعد میں کہا یہ حدیث مرفوعہ نہیں ہے اس قول کو یحییٰ بن معاذ المرآزی سے نقل کیا جاتا ہے ابن القریس نے علامہ نووی کا قول نقل کرنے کے بعد لکھا لیکن صوفیہ کی کتابیں اس قول سے بھری ہوئی ہیں وہ اس کو بہ طور حدیث لکھتے ہیں جیسے شیخ محی الدین بن عربی وغیرہ اور ہمارے شیخ حجازی جو الجوامع الصغیر کے شارح ہیں انہوں نے کہا شیخ محی الدین بن عربی کا بھی حفاظ میں شمار کیا جاتا ہے اور بعض اصحاب نے ذکر کیا ہے کہ شیخ محی الدین بن عربی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ہر چند کہ بہ طریق روایت ثابت نہیں ہے لیکن ہمارے نزدیک بہ طریق کشف یہ حدیث صحیح ہے علامہ سیوطی نے اس پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے: الأصول الاشبہ فی حلیث من عرف نفسه فقد عرف ربه اور علامہ بارودی کی کتاب "ادب العبدین والدنیا" میں حضرت حاکم رحمہ اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ اپنے رب کو پہچاننے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو سب سے زیادہ اپنے نفس کو پہچانے والا ہے۔

(کشف الکھادرجل الاہل ص ۲۲ رقم الحدیث: ۶۵۳۲ مطبوعہ مکتبۃ الغفرانی دمشق)

من عرف نفسه فقد عرف ربه کے معانی اور محال

علامہ الجبلی نے حافظ سیوطی کے جس رسالہ کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے:

علامہ نووی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس کے ضعف اور اللہ کی طرف محتاج ہونے کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کی قوت ربوبیت کمال مطلق اور صفات طبع کو پہچان لیا۔ شیخ حاج الدین نے لفظ اکمل میں کہا کہ شیخ ابوالحسن الری کہتے ہیں کہ اس حدیث میں دو تاویلیں ہیں۔ (۱) جس شخص نے اپنے نفس کی ذلت مجر اور اختیار کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کی عزت قدرت اور غنا کو پہچان لیا پس پہلے اپنے نفس کی معرفت ہوگی پھر اپنے رب کی معرفت ہوگی (۲) جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ اپنے رب کو پہچان چکا ہے پس پہلا سالکین کا حال ہے اور دوسرا معجزوین کا حال ہے۔ ابوطالب کی نے قوت القلوب میں کہا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم نے مخلوق کے ساتھ معاملات میں اپنے نفس کی صفات کو پہچان لیا کہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو کہ تمہارے افعال پر اعتراض کیا جائے اور تمہارے کاموں کی مذمت کی جائے تو تم بھی اللہ کی قضا اور قدر پر اعتراض نہ کرو اور تقدیر پر راضی ہو جاؤ اور اللہ کے ساتھ وہی معاملہ کرو جس کو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو۔

شیخ عز الدین نے کہا مجھ پر اس حدیث کا راز ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے اس روح لطیف کو اس جسم کثیف میں رکھا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی ربانیت پر کئی وجہ سے دلائل ہیں:

(۱) یہ نیکل انسانی ایک مدبر اور محرک کا محتاج ہے اور اس کا مدبر اور محرک اس کی روح ہے اس سے ہم نے جان لیا کہ اس جہان کا بھی مدبر اور محرک ہونا ضروری ہے۔

(۲) جب اس نیکل انسانی کا مدبر واحد ہے اور وہ اس کی روح ہے تو ہم نے جان لیا کہ اس جہان کا مدبر بھی واحد ہے: جیسا

کہ قرآن مجید میں ہے:

لَوْ كُنَّا نَفْقَهُ سِرِّ الْهَيْكَلِ الَّذِي بَنَوْا لَنَا لَأَوْدَعُنَا آلَ الْكَافِرِينَ

(النمل: ۴۲)

فَلَنْ نَذْرِكُنَّ مَعَهُ إِلَهًا كَمَا يَتْلُونَ إِذْ لَا يَخْتَلَفُونَ

إِلَى ذِي الْعَرْشِ سُبُلًا (نمل: ۴۲)

اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا عبادت کے سخی ہو جاتے

تو آسمان اور زمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

آپ کہے اگر اللہ کے ساتھ اور بھی عبادت کے سخی ہوتے

جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو وہ اب تک ضرور مالک عرش کی راہ و صراط چکے ہوتے۔

اللہ نے کسی کو جیسا نہیں بنایا نہ اس کے ساتھ کوئی اور عبادت

کا مستحق ہے ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو الگ کر لیتا اور ہر معبود

دوسرے پر غالب ہونے کی کوشش کرتا اللہ ان اوصاف سے پاک

ہے جو یہ اس کے لیے بیان کرتے ہیں۔

مَا اخْتَفَى اللَّهُ مِنْ ذِكْرٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ

إِذَا الدَّجَالُ سَبَّحَ لِلَّهِ بِمَا سَلَّمَ وَأَلْعَلَّ لَاحِظُهُمْ عَنِ بَعْضِ

شَيْئِ اللَّهِ فَكَانُوا يَحْضُرُونَ (المؤمنون: ۹۷)

(۳) جبکہ یہ جسم صرف روح کے ارادہ اور اس کی تحریک سے حرکت کرتا ہے تو ہم نے جان لیا کہ اس جہان کا بھی کوئی محرک ہے

جس کے ارادہ اور اس کی رضا اور اس کی تقدیر سے اس جہان کا نظام چل رہا ہے۔

(۴) جبکہ اس جسم کی کوئی چیز روح کے علم اور اس کے شعور کے بغیر حرکت نہیں کرتی تو ہم نے جان لیا کہ اس جہان کی ہر حرکت

کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے اور کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے خواہ وہ چیز زمین میں ہو یا آسمان میں۔

(۵) جبکہ روح جسم کے سب سے زیادہ قریب ہے تو ہم نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ بھی اس جہان کے سب سے زیادہ قریب

ہے۔

(۶) روح اس جسم کے موجود ہونے سے پہلے تھی اور اس جسم کے معدوم ہونے کے بعد بھی رہے گی تو ہم نے جان لیا کہ اللہ

تعالیٰ اس جہان کو پیدا کرنے سے پہلے بھی تھا اور اس جہان کے فنا ہونے کے بعد بھی رہے گا۔

(۷) روح اس جسم میں کس کیفیت سے ہے اس کا کسی کو علم نہیں ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی کیفیت سے پاک اور برتر اور منزہ ہے۔

(۸) روح جسم میں ہر جگہ موجود ہے لیکن کوئی نہیں جانتا کہ وہ جسم میں کس جگہ ہے اور کس کیفیت سے ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ

بھی اس جہان میں ہر جگہ موجود ہے لیکن وہ زمان مکان اور کیفیت سے منزہ ہے۔

(۹) جس طرح روح جسم میں ہے لیکن وہ آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتی اور نہ اس کی کوئی مثال اور صورت ہے اسی طرح اللہ

اس جہان میں ہے لیکن آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور نہ اس کی کوئی مثال اور صورت ہے۔

(۱۰) جبکہ جسم میں روح ہے لیکن اس کا حواس خمسہ سے ادراک نہیں ہوتا اسی طرح اللہ تعالیٰ اس جہان میں ہے لیکن اس کا

حواس خمسہ سے ادراک نہیں ہوتا۔

یہی معنی اس حدیث کا ہے جس نے اپنے نفس کو ان وجوہ سے پہچان لیا اس نے ان وجوہ سے اپنے رب کو پہچان لیا۔

اس حدیث کی تفسیر ایک اور طریقہ سے بھی ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس کی صفات کو پہچان لیا تو وہ جان لے گا کہ اس

کے رب کی صفات اس کی صفات کے برعکس ہیں مثلاً جس نے جان لیا کہ اس کا نفس قاتی ہے تو وہ جان لے گا کہ اس کا رب

باقی ہے اور جس نے جان لیا کہ اس کا نفس جفا کرنے والا اور خطا کرنے والا ہے تو وہ جان لے گا کہ اس کا رب وفا کرنے والا

اور خطا کرنے والا ہے اور جس طرح کوئی شخص اپنے نفس (روح) کی حقیقت کو نہیں جان سکتا اسی طرح وہ اپنے رب کی حقیقت

کو نہیں جان سکتا گو یا کہ اس حدیث میں ایک محال کو دوسرے محال پر معلق کیا ہے پس وہ روح جو تہمارے جسم کے اندر ہے جب تم اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتے تو اپنے رب کی حقیقت کو کیسے جان سکتے ہو۔

علامہ قنوی نے شرح اشرف میں اس کو حریص وضاحت سے لکھا ہے کہ اس حدیث میں محال کو محال پر معلق کیا ہے کیونکہ روح کی حقیقت کی معرفت محال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے قل الروح من امر ربي (نبی اسرائیل: ۸۵) آپ کہیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے علماء نے روح کی تعریف میں ستر سے زیادہ اقوال ذکر کیے ہیں اور کسی ایک تعریف پر ان کا اتفاق نہیں ہے تو اس حدیث میں اس پر تعجب کی ہے کہ جب تم روح کی حقیقت کا ادراک کرنے سے عاجز ہو جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور وہ تمہارے سب سے زیادہ قریب ہے تو پھر تم اپنے خالق کی حقیقت کا ادراک کیسے کر سکتے ہو سو اس لیے فرمایا جس نے اپنے نفس کی حقیقت کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کی حقیقت کو پہچان لیا یعنی جس طرح اپنے نفس کی حقیقت کو پہچانا محال ہے اسی طرح اپنے رب کی حقیقت کو پہچانا محال ہے۔ (الامارۃ للکتاب ج ۳ ص ۳۳۸-۳۳۹ مطبوعہ مکتبۃ دارالریضۃ لائل پور)

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو عظیم علم عطا فرمایا اس کا شکر ادا کرتے ہوئے ان دونوں نے کہا:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَجَّزَنَا عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّنْ رِّبٍّ عِثَارًا وَوَدَّ

الْمُؤْمِنِينَ ۝ (نمل: ۱۵)

ایمان والے بندوں پر فضیلت عطا فرمائی۔

کسی شخص کا اپنے قلب اپنے فضل یا اپنے قول سے منعم کی تعظیم کا اظہار کرنا اس کا شکر کہلاتا ہے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان نے اپنے اس قول سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی اور ان کا اس قول سے اللہ کی تعظیم کرنا دل سے اللہ کی تعظیم کرنے اور اپنے افعال سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کو بھی مستلزم ہے اور یہی کامل شکر ہے۔ دل سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنے کا معنی یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کمال کا اعتقاد ہو اور زبان سے اس کی تعظیم کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کی جائے اور اس کی نعمتوں کا ذکر کیا جائے اور افعال سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنے کا معنی یہ ہے کہ جن کاموں کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے نعم دیا ہے وہ کام کیے جائیں اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے ان سے باز رہا جائے۔

شکر کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو جس قدر نعمتیں عطا کی ہیں ان تمام نعمتوں کو ان مقاصد میں صرف کیا جائے جن مقاصد کے لیے وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں مثلاً زبان اس لیے دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور ثناء کرنے عام مسلمانوں کی خیر خواہی کرنے نیک اور اچھی باتیں کرے اگر وہ اس طرح کرے گا تو وہ زبان کا شکر ادا کرے گا۔ اگر وہ خاموش رہے گا اور اس طرح کا کام نہیں کرے گا تو وہ زبان کی ناشکری کرے گا اور اگر وہ زبان سے بدکلامی کرے گا مسلمانوں کی دل آزاری کرے گا ظالمانہ احکام جاری کرے گا دین کو نقصان پہنچانے کی باتیں کرے گا تو وہ زبان کا کفر کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں میں نعمتِ علم کی خصوصیت

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے کہا اللہ نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے یہ نہیں کہا کہ اس نے اپنے سب بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان سے زیادہ علم عطا فرمایا ہے اگرچہ ان کو بہت لوگوں سے زیادہ علم عطا فرمایا ہے اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تواضع اور انکسار کو اختیار کیا کیونکہ جب کوئی شخص یہ کہے گا کہ مجھے سب سے زیادہ علم دیا گیا ہے تو اس

میں ایک گونہ اختیار اور تسلی کا پہلو نکلتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کبر اور بڑائی کے شائبہ سے بھی دور رہے ہیں۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے انواع و اقسام کی بے شمار نعمتیں عطا فرمائی تھیں، حضرت داؤد علیہ السلام کو جالوت پر فتح عطا فرمائی، ان کو نبوت سے سرفراز فرمایا، ان کو حسن صوت عطا فرمایا، زیور عطا فرمائی، لوہے کو ان کے ہاتھ پر نرم کر دیا اور بہت نعمتیں عطا فرمائیں، اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی، پرندوں کی بولیاں سکھائیں، حکومت عطا فرمائی، جنات کو ان کے تابع کر دیا اور کثیر انعامات کیے لیکن انہوں نے نعمتوں کا شکر ادا کرتے وقت جس نعمت کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا وہ علم کی نعمت ہے۔

پہلے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مطلق علم کی نعمت عطا کرنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ہے، لیکن ایسا نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا علم باقی علوم سے اشرف اور اعلیٰ ہے، اس کے بعد احکام شرعیہ کا علم ہے، اور یہ علوم دیگر مومنین کو بھی حاصل ہیں لیکن ہر ایک کا علم اپنے درجہ اور مقام کے اعتبار سے ہوتا ہے، انبیاء علیہم السلام کے علم کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں مستغرق ہوتے ہیں، ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہوتا اور ان کا دل کسی آن اور کسی لمحہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور کہنے لگے اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز سے عطا کیا گیا ہے اور بے شک یہی کھلا ہوا فضل ہے (آئین: ۱۶)۔

وراثت کا لغوی اور اصطلاحی معنی

امام لکھنوی بن احمد فراہیدی متوفی ۵۷۷ھ لکھتے ہیں:

الایوارث: الایسقاء للشیئ کسی چیز کو باقی رکھنا، یورث اسی یسقی میراث کسی چیز کو یہ طور میراث باقی رکھنا، کہا جاتا ہے اور ثلث العشق ہما عشق نے اس کو تم کا وارث بنا دیا، اور ثلث الحمی صغفا بنار نے اس کو کوردی کا وارث بنا دیا۔ (کتاب النہج ج ۳ ص ۱۹۳ مطبوعہ ماہنامہ ۱۳۱۳ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن کرم بن منکور افریقی مصری متوفی ۱۱۷۷ھ لکھتے ہیں:

الوارث اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے اس کا معنی ہے باقی اور دائم و ثابت خصوص الوارثین الانبیاء: ۸۹ یعنی تمام مخلوق کے فنا ہونے کے بعد تو باقی رہنے والا ہے، کہا جاتا ہے وراثت فلاحا مالا میں فلاں کے مال کا وارث ہوا، قرآن مجید میں ہے:

كَلْبَ بَنِي مِنْ لَدُنْكَ يَتْلُوَنَ كِتَابَ وَرِثَ مِنْ
ہو اور یعقوب کی آل کا (بھی) وارث ہو۔ (مرجہ: ۵-۶)

ابن سید نے یہ کہا کہ وہ ان کا اور آل یعقوب کی نبوت کا وارث ہو اور یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ حضرت ذکر کیا کہ یہ خوف تھا کہ ان کے رشتہ داران کے مال کے وارث ہو جائیں گے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم گردہ انبیاء مورث نہیں بنائے جاتے، ہم نے جو کچھ بھی چھوڑا وہ صدقہ ہے اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: وورث سلیمان داؤد (آئین: ۱۷) اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے، ان پر حاج نے کہا کہ وہ ان کے ملک اور ان کی نبوت کے وارث ہوئے، روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے، ان میں سے صرف حضرت سلیمان ان کی نبوت اور ان کے ملک کے وارث ہوئے اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہے:

اللهم معنی بسمی وبصری واجعلها

اے اللہ میرے کانوں اور میری آنکھوں سے مجھ کو نفع دے اور ان کو میرا وارث بنادے۔

الوارث منی۔

(المعراج ص ۵۴۲ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷۸)

ابن فضیل نے کہا اس کا معنی ہے میرے کانوں اور میری آنکھوں کو حاجات صحیحہ اور سلامت رکھنا اور ایک قول یہ ہے کہ جب بڑھاپے میں قوتی نقصان پہنچ جائے تو میری سماعت اور بصارت کو پائی رکھنا پس سماعت اور بصارت تمام قوتوں کے بعد باقی رہیں اور ان کی وارث ہو جائیں۔ (لسان العرب ج ۲ ص ۲۷۱-۲۷۲ ملخصاً مطبوعہ نشر ادب لہجہ داران ۱۳۰۵ھ)

علامہ حسین بن محمد راضی صنفی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

وراثت کی تعریف یہ ہے:

النقل قنبۃ الیک عن غیرک من غیر عقد

غیر کی کاپی کا تہداری طرف بغیر کسی عقد یا قائم مقام عقد کے تہداری طرف منتقل ہونا۔

ولا ما یجرى العقد۔

اسی وجہ سے میت کی جو کاپی وارثوں کی طرف منتقل ہوتی ہے اس کو میراث کہتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

البسوا علی مشاعیرکم فانکم علی اراث

تم اپنے مشاعر (میدان عراقت) پر ثابت قدم رہو کیونکہ تم اپنے باپ ابراہیم کے وارث ہو۔

ابیکم۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۱۱۹ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۸۸۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۰۰ المعراج ص ۳۶)

قرآن مجید میں ہے وَذُرِّثُوا مِنْ اٰیْلِ یَعْقُوْبَ (مریم: ۶) یعنی وہ نبوت، علم اور فضیلت کا وارث ہو گا نہ کہ مال کا کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے نزدیک مال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے حتیٰ کہ وہ اس میں رغبت کریں وہ بہت کم مال جمع کرتے ہیں اور اس کے مالک ہوتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم گروہ انبیاء و مورث نہیں بنائے جاتے ہم نے جو چھوڑا وہ صدقہ ہے (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۰۳) اور آپ کا ارشاد ہے: علماء انبیاء کے وارث ہیں (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۱۱ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۱۸۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۳ سند احمد ج ۵ ص ۱۹۶) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو بھی وارث فرمایا ہے کیونکہ تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتی ہیں وَیَرْثُ یَتِیْمَ الْاَمْوَالِ وَالْاَرْصَ (الفرقان: ۱۸۰) "اللہ ہی کے لیے تمام آسمانوں اور زمینوں کی میراث ہے" اور کوئی شخص جب کسی سے علم کا استفادہ کرے تو کہا جاتا ہے میں اس سے وارث ہوا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَرِثَوا الْکِتٰبَ (الاعراف: ۱۶۰) "بعد کے لوگوں نے ان سے کتاب کو حاصل کیا وَرِثَوا الْکِتٰبَ مِنْ بَعْدِیْ ھٰذَا (الاحزاب: ۱۳) "بے شک جو لوگ ان کے بعد کتاب کے وارث ہوئے" لَقَدْ اَوْفَقْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْ فِیْہِ الْفَصٰحِیْنَا مِنْ حِیْثُ کُوْنَا (الاحزاب: ۳۲) "پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا" کیونکہ وراثت حقیقیہ یہ ہے کہ انسان کو کوئی ایسی چیز حاصل ہو جس میں اس کے ذمہ نہ کوئی معاوضہ ہو نہ اس میں اس کا کوئی محاسبہ ہو اور جو اس طریقہ سے اس دنیا کو حاصل کرے گا اس سے نہ کوئی حساب لیا جائے گا نہ اس کو کوئی سزا دی جائے گی بلکہ اس کے لیے اس میں معافی اور درگزر ہو گا جیسا کہ حدیث میں ہے: قیامت کے دن اس شخص پر حساب آسان ہو گا جو دنیا میں اپنا حساب کرے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۰) (المفردات ج ۳ ص ۶۷۳-۶۷۴ ملخصاً مطبوعہ مکتبہ دار معینی المازکرہ کربلا ۱۳۱۸ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ وراثت کا لغوی معنی ہے کسی کا کسی کے بعد باقی رہنا اور اصطلاحی معنی ہے کسی چیز کا ایک شخص سے

دوسرے شخص کی طرف منتقل ہوتا، خواہ مال کا انتقال ہو یا ملک کا یا علم اور نبوت کا انتقال ہو یا نعلین اور عاس کا اور قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں ان تمام معانی کے اعتبار سے وراثت کا استعمال کیا گیا ہے۔

اہل سنت کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کسی کو مال کا وارث نہیں بناتے کیونکہ انبیاء کے نزدیک مال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور نہ وہ مال کو جمع کر لیتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام علم کا وارث کرتے ہیں اور ان کی جو اولاد ان کی وارث ہوتی ہے وہ علم اور نبوت میں ان کی وارث ہوتی ہے اور اہل تشیع کے نزدیک چونکہ حضرت سیدنا فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوڑے ہوئے باغ فدک کی وارث تھیں اس لیے وہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام مال جمع کرتے ہیں اور مال کا وارث بناتے ہیں اس لیے سنی مفسرین کے نزدیک وَوَرِثَ سُلَيْمَنُ دَاوُدَ (اہل: ۱۶) کا معنی ہے حضرت سلیمان حضرت داؤد علیہ السلام کے علم ملک اور نبوت کے وارث ہوئے اور شیعوں مفسرین کے نزدیک اس کا معنی ہے حضرت سلیمان حضرت داؤد علیہ السلام کے مال کے وارث ہوئے۔ سو ہم اس آیت کی تفسیر پہلے سنی مفسرین سے نقل کریں گے پھر شیعوں مفسرین سے نقل کریں گے پھر اس مسئلہ میں سنی ائمہ کی اور شیعوں ائمہ کی روایات احادیث پیش کریں گے پھر اخیر میں شیعوں مفسرین کے دلائل کے جوابات کا ذکر کریں گے۔ فقول وبالله التوفیق

سنی مفسرین کے نزدیک حضرت سلیمان، حضرت داؤد کی نبوت اور علم کے وارث تھے نہ کہ مال کے

حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کی کس چیز کے وارث ہوئے اس کے متعلق علامہ علی بن محمد ہارونی متوفی ۳۵۰ھ لکھتے ہیں:

اس میں حین قول ہیں:

(۱) قتادہ نے کہا حضرت سلیمان، حضرت داؤد کی نبوت اور ان کے ملک کے وارث ہوئے، کبھی نے کہا حضرت داؤد کے انہیں بیٹے تھے اور صرف حضرت سلیمان کو ان کی وراثت کے ساتھ خاص کیا گیا کیونکہ یہ نبوت اور ملک کی وراثت تھی اگر یہ مال کی وراثت ہوتی تو اس وراثت میں ان کی تمام اولاد برابر کی شریک ہوتی۔

(۲) ربیع نے کہا حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے بھی جنت اور ہواؤں کو مسخر کر دیا گیا تھا۔

(۳) ضحاک نے کہا حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی زندگی میں حضرت سلیمان کو بنی اسرائیل پر خلیفہ بنا دیا تھا اور اس وراثت سے مراد ان کی مبنی ولایت ہے اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں کیونکہ علماء دین میں انبیاء کے قائم مقام ہیں۔

امام احسن بن مسعود بخاری المتوفی ۵۱۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت سلیمان حضرت داؤد کی نبوت ان کے علم اور ان کے ملک کے وارث ہوئے نہ کہ ان کی باقی اولاد حضرت داؤد کے انہیں بیٹے تھے حضرت سلیمان کو حضرت داؤد کا ملک عطا کیا گیا اور ہواؤں اور جنت کی تحفیں ان کو زیادہ دی گئی متاعل نے کہا حضرت سلیمان کا ملک حضرت داؤد کے ملک سے زیادہ تھا اور وہ ان سے اچھا فیصلہ کرنے والے تھے۔ حضرت داؤد حضرت سلیمان سے زیادہ عبادت گزار تھے اور حضرت سلیمان ان سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے۔

(مسلم بخاری ج ۳ ص ۳۹۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۳۰ھ)

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس پر دلائل قائم کیے ہیں کہ اس آیت میں مال کی وراثت مراد نہیں ہے بلکہ اس میں علم اور نبوت کی وراثت مراد ہے وہ فرماتے ہیں:

اگر یہاں مال کی وراثت مراد ہوتی تو پھر اس کے بعد یہاں الناس علمنا منطلق الطیور کا کوئی فائدہ نہ تھا اور جب اس سے مراد نبوت اور ملک کی وراثت ہو تو یہ کلام عمدہ ہے کیونکہ پرندوں کی بولی کا سکھانا بھی علوم نبوت کے ساتھ مربوط اور متصل ہو گا جبکہ مال کے وارث کا پرندوں کی بولی کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے اسی طرح واثوینا من کل شیء "ہمیں ہر چیز سے دیا گیا" یہ بھی ملک کی وراثت کے ساتھ مربوط ہو گا اور مال کے وارث کا اس کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے اسی طرح اس کے بعد فرمایا ان هذا لہو الفضل العین "اور بے شک یہی کھلا ہوا فضل ہے" اس فضل کا تعلق بھی علم اور نبوت کی وراثت سے ظاہر ہے اور مال کے وارث کا فضیلت والا ہونا ظاہر نہیں ہے کیونکہ مال کا وارث تو کامل شخص بھی ہوتا ہے اور ناقص بھی "نیک بھی اور بدکار بھی" اسی طرح اس کے بعد جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کا ذکر کیا گیا اس کا ربط اور تعلق بھی اسی صورت میں ظاہر ہو گا جب اس وراثت سے مراد علم نبوت اور ملک کی وراثت ہو نہ کہ مال کی وراثت مراد ہو۔

(تخیر کیرج ۸ ص ۵۴۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۵ھ)
امام عبدالرحمن علی بن محمد جوزی مثلی متوفی ۵۹۷ھ علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ حافظ ابن کثیر شافعی متوفی ۷۴۷ھ علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ علامہ محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ ان سب نے یہی لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام علم نبوت اور ملک میں حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور اس آیت میں مال کی وراثت مراد نہیں ہے کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے انہیں بیٹے تھے اور مال کی وراثت میں یہ سب برابر کے حضرت سلیمان علیہ السلام کے شریک تھے اور اس آیت میں صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو حضرت داؤد علیہ السلام کا وارث قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نبوت ان کے علم اور ان کے ملک کے وارث تھے۔

(زاد المسیر ج ۶ ص ۱۵۹ الطابع لا حکام القرآن ج ۳ ص ۱۵۳ تخیر کیرج ۸ ص ۵۴۷ دار الفکر بیروت ۱۳۷۵ھ) (تاریخ العربی ۱۳۲۱ھ روح المعانی ج ۱۹ ص ۲۵۵ دار الفکر ۱۳۷۵ھ)

شیعہ مفسرین کے نزدیک حضرت سلیمان حضرت داؤد کے مال کے وارث تھے نہ کہ نبوت اور علم کے

شیخ الاسلام ابو جعفر محمد بن الحسن القلوسی التوفی ۳۶۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ حضرت سلیمان حضرت داؤد کے وارث ہوئے اب اس میں اختلاف ہے کہ وہ کس چیز کے وارث ہوئے ہمارے اصحاب نے کہا کہ وہ مال اور علم کے وارث ہوئے اور ہمارے مخالفین نے کہا وہ علم کے وارث ہوئے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہم گروہ انبیاء و مرسلین بنائے جاتے اور میراث کی حقیقت یہ ہے کہ گزرنے والے کی موت کے بعد اس کا ترکہ اس کے رشتہ داروں میں سے کسی دوسرے شخص کی طرف منتقل کر دیا جائے اور اس کا حقیقی معنی یہ ہے کہ اعیان (فخوس مادی چیزوں مثلاً مال و دولت زمین اور ساز و سامان وغیرہ) کو منتقل کیا جائے اور میراث کا لفظ جب علم کے معنی میں استعمال کیا جائے گا تو وہ عجاز ہو گا اور انہوں نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ خبر واحد ہے اور خبر واحد سے قرآن کے عام کو خاص کرنا جائز ہے اور نہ اس کو منسوخ کرنا جائز ہے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حضرت داؤد کے انہیں بیٹے تھے اور ان میں سے صرف حضرت سلیمان کو وارث بنایا گیا اگر اس آیت میں مال کی وراثت مراد ہوتی تو اس میں تمام بیٹے شریک ہوتے نہ کہ صرف حضرت سلیمان اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں علم اور نبوت کی وراثت مراد ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چیز بھی خبر واحد سے ثابت ہے سو اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

(انہما فی تخیر القرآن ج ۸ ص ۸۳-۸۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیعہ مفسرین کے دلائل کے جوابات

شیخ طوسی کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ میراث کا قنط عام ہے اور اہل سنت نے اس کو 'علم نبوت اور ملک کی وراثت کے ساتھ خاص کر لیا ہے' اور قرآن مجید کے عام کو خاص کرنا جائز نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دلیل علماء شیعہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ انہوں نے اس وراثت کو مال کے ساتھ خاص کر لیا ہے جبکہ وراثت عام ہے خواہ اس سے مال کا انتقال ہو یا علم نبوت اور فاضل کا انتقال ہو و دوسرا جواب یہ ہے کہ جب شخص عقل یا عرف ہو تو عام کی تخصیص جائز ہے جیسے قرآن مجید میں ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَاتِ نَفْسٍ الْمَوْتُ (النبا: ۳۵) ہر نفس موت کو بخشنے والا ہے۔

اس آیت کے عموم میں اللہ تعالیٰ شامل نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر موت کا آنا محال ہے اور اس کا شخص عقل ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا:

وَأُوذِينَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (آئل ۱۶) اور میں ہر چیز سے عطا کیا گیا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو نیک ظہارے اور میراث نہیں عطا کیے گئے تھے اس کے لیے یہاں پر "ہر چیز" سے مراد ان کے زمانہ کی تمام چیزیں ہیں اور اس کا شخص عرف ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا:

أَفَنِي لَعَلَّكُمْ عَلَى الْعُلَمَاءِ (البقرہ ۱۷۹) ہے شک میں ہے تم کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے۔

اور ظاہر ہے بنی اسرائیل کو سیدہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت پر فضیلت نہیں دی گئی تھی سو یہاں بھی عرف اور عقل اس کا شخص ہے اور مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو ان کے زمانہ کے لوگوں پر فضیلت دی گئی تھی۔

اسی طرح قرآن مجید میں یہ آیت ہے:

وَمَا تَزَالُ يَكْفُرُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَأَعْلَاءُ الَّذِينَ يَبْقِيُونَ الصَّلَاةَ وَيُدْخِرُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ (المائدہ: ۵۵) تمہارا ولی صرف اللہ اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

(المائدہ: ۵۵) جیسے۔

اس آیت میں تمام ایمان والوں کو مسلمانوں کا ولی فرمایا ہے لیکن علماء شیعہ نے اس آیت کو حضرت علی کی ولایت اور امامت کے ساتھ خاص کر لیا ہے۔ خود شیخ طوسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امیر المومنین علیہ السلام کی امامت بلا فصل پر واضح دلیل ہے۔

(ایمان ج ۲ ص ۵۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

چھٹی صدی کے علماء شیعہ میں سے شیخ ابوعلی الفضل بن الحسن الطبرسی نے بھی یہی لکھا ہے نیز انہوں نے لکھا ہے:

یہ آیت اس پر نص صریح ہے کہ ایمان والوں سے مراد حضرت علی ہیں اور یہ آیت ان کی امامت پر نص ہے اور اس آیت سے عموم مراد نہیں ہے اور یہ آیت حضرت علی کے ساتھ خاص ہے۔ (معجم البیان ج ۳ ص ۳۶ مطبوعہ ایران ۱۴۰۶ھ)

اسی طرح السید محمد حسین الطباطبائی حنفی ۱۲۹۳ھ نے لکھا ہے:

وَمَا تَزَالُ يَكْفُرُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ (المائدہ: ۵۵) اور فان حزب اللہ ہم العلویون (المائدہ: ۱۵۶) یہ دونوں آیتیں عام نہیں ہیں یہ دونوں آیتیں حضرت علی کے ساتھ خاص ہیں اور یہ چیز نبی اور شیعہ کی بہ کثرت روایات سے ثابت ہے۔

(الکبیر ان ج ۶ ص ۵ مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ طہران ۱۳۳۳ھ)

حالانکہ ان دونوں آجوں میں المسلمین اعنوا اور حب اللہ کے الفاظ عام ہیں لیکن علماء شیعہ نے روایات کی بنا پر ان کو خاص کر لیا ہے اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ
وَلَنْ نَكْفُرَ بِكَ فَمَا كُنْتَ بِمَنْزِلَةِ مَنْ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ
وَلَنْ نَكْفُرَ بِكَ فَمَا كُنْتَ بِمَنْزِلَةِ مَنْ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ
(المائدہ: ۶۷)

اے رسول! آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے جو

کچھ نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے (بالتفرض) ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں (کے ضرر) سے بچائے گا۔

اس آیت میں لفظ "ما" عام ہے یعنی جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا یعنی تمام احکام شریعہ اور تمام خبریں آپ پر امت کو پہنچانی ضروری ہیں لیکن علماء شیعہ نے اس آیت کو حضرت علی کی خلافت کے ساتھ خاص کر لیا ہے۔

شیخ طبری لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی کہ وہ حضرت علی کو خلیفہ بنائیں اور آپ اس سے ڈرتے تھے کہ آپ کے اصحاب پر یہ دشوار ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی تاکہ آپ بہادری سے اللہ کا یہ حکم سنائیں۔

(تبیان ج ۳ ص ۵۸۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ حضرت علی کے متعلق تبلیغ کریں سو آپ نے حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر کہا میں جس کا مولیٰ ہوں علی اس کے مولیٰ ہیں اے اللہ! جو علی سے محبت رکھے اس سے محبت رکھ اور جو علی سے عداوت رکھے اس سے عداوت رکھ اور حضرت ابو جعفر اور حضرت ابو عبد اللہ سے مشہور روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی کہ وہ حضرت علی کو خلیفہ بنائیں۔

(مجمع البیان ج ۳ ص ۳۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ان آیات میں قرآن مجید کے لفظ عام کو خاص کرنے کے باوجود شیخ طبری اور شیخ طبرانی نے قَوْلُكَ سَلِّمْ عَلَيْنَا قَوْلًا کی تفسیر میں لکھا ہے اس سے مراد حضرت سلیمان کو مال کا وارث بنانا ہے اور ظم اور ثبوت کا وارث بنانا مراد نہیں ہے۔

(مجمع البیان ج ۳ ص ۳۳۳ طبرانی ج ۵ ص ۳۸۸ مطبوعہ طبعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید کی یہ کثرت آیات میں کتاب کا وارث بنانے کا ذکر ہے اور وہاں مال کا وارث بنانے کو مراد نہیں لیا جاسکتا:

فَعَلَّكَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ عِلْفًا وَرَثًا الْكِتَابِ
لَقَدْ أَوْزَعْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ أَصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِكَ
وَأَوْزَعْنَا بَيْنَهُمْ الْكِتَابَ وَالْأَنْبِيَاءَ الْكَاتِبِينَ
إِنَّ الَّذِينَ أَوْزَعُوا الْكِتَابَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ لَقَدْ خَلَقُوا
فِتْنَةً مُبِينًا (الحجرات: ۱۳)

پھر ان کے بعد ایسے لوگ جائیں ہوئے جو کتاب کے وارث ہوئے۔

پھر ہم نے ان لوگوں کو الکتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا تھا۔

اور ہم نے نبی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔

بے شک جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب کا وارث بنایا گیا وہ اس کی طرف سے زبردست شک میں ہیں۔

صہبہ القراء

علم کا وارث بنانے اور مال کا وارث نہ بنانے کے ثبوت میں روایات ائمہ اہل سنت

ایک طویل حدیث میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس اور حضرت علی سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ہم مورث نہیں بنائے جاتے ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۳۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۵۷۷ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۶۹۶۵ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۷۱ سنن بیہقی رقم الحدیث: ۱۵۷۶ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۸۲)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص علم کو طلب کرنے کے لیے کسی راستہ پر جاتا ہے اللہ اس کو جنت کے راستہ کی طرف لے جاتا ہے اور فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے اپنے پر رکھتے ہیں اور تمام آسمانوں اور زمینوں کی چیزیں عالم کے لیے مغفرت طلب کرتی ہیں حتیٰ کہ پانی میں مچھلیاں بھی اور عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نہ دینار کا وارث کرتے ہیں نہ درہم کا وہ صرف علم کا وارث کرتے ہیں سو جس نے علم کو حاصل کیا اس نے بہت بڑے حصہ کو حاصل کیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۳ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۶۹۶۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳ مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۶ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۲۶۹۱ سنن حبان رقم الحدیث: ۸۸ مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۲۲۳ شرح الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۷۱)

علم کا وارث بنانے اور مال کا وارث نہ بنانے کے ثبوت میں روایات ائمہ مشیعہ

شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب الکلی الرازی المتوفی ۳۲۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابو اہثری بیان کرتے ہیں کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں کیونکہ انبیاء نہ درہم کا وارث کرتے ہیں نہ دینار کا وہ اپنی احادیث میں سے احادیث کا وارث کرتے ہیں انہیں جس شخص نے ان سے کسی چیز کو حاصل کیا اس نے بہت بڑے حصہ کو حاصل کیا۔ اللہ ع۔ (الاصول سنن الکافی ج ۳ ص ۳۳ مسند احمد ج ۱ ص ۱۸۸)

محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ علم میں وراثت ہوتی ہے اور جب بھی کوئی عالم فوت ہوتا ہے تو وہ علم میں اپنا جیسا چھوڑ جاتا ہے۔ (الاصول سنن الکافی ج ۳ ص ۳۳ مسند احمد ج ۱ ص ۱۸۸)

ابو جعفر علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک روئے زمین پر سب سے پہلے وہی حبیب اللہ بن آدم تھے اور جو نبی بھی گزرے ان کا ایک وہی ہوتا تھا اور تمام انبیاء ایک لاکھ میں ہزار تھے ان میں سے پانچ اولوالعزم نبی تھے نوحؑ ابراہیمؑ موسیٰؑ عیسیٰؑ اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بے شک علی بن ابی طالب (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے اللہ تعالیٰ کا حلیہ تھے۔ وہ تمام اولیاء کے علم کے وارث ہوئے اور اپنے سے پہلوں کے علم کے وارث ہوئے اور بے شک (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے سے پہلے انبیاء اور مرسلین کے علم کے وارث تھے۔

(الاصول سنن الکافی ج ۳ ص ۳۳ مسند احمد ج ۱ ص ۱۸۸)

انفصل بن عمر بیان کرتے ہیں کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے کہا کہ بے شک سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور بے شک (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سلیمان کے وارث ہوئے اور ہم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وارث ہیں اور بے شک ہمارے پاس تو رات انجیل اور زیور کا علم ہے۔ اللہ ع۔ (الاصول سنن الکافی ج ۳ ص ۳۳-۳۳۵)

ابو یسیر بیان کرتے ہیں کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: بے شک داؤد انبیاء علیہم السلام کے علم کے وارث تھے اور ہم

فک سلیمان داؤد کے وارث تھے اور بے شک (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سلیمان کے وارث تھے اور بے شک ہم (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں اور بے شک ہمارے پاس حضرت ابراہیم کے صحائف ہیں اور حضرت موسیٰ کی الواح ہیں۔

(اصول سنن الکافی ج ۱ ص ۲۲۳ مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ ایران ۱۳۸۸ھ)

ان تمام دلائل سے آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام علم کا وارث بناتے ہیں مال کا وارث نہیں بناتے اور حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے علم ان کے فضائل ان کے ملک اور ان کی نبوت کے وارث تھے اور اس آیت میں اسی وراثت کا ذکر ہے ان کے مال کی وراثت کا ذکر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور کہنے لگے اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز سے عطا کیا گیا ہے اور بے شک یہی مکتا ہوا فضل ہے (آئیل ۱۶)۔
تحدیث نعمت (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار کرتا)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ کہنا فخر اور تکبر کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار اور اس کی تشہیر کے لیے تھا اور آپ نے اپنے معجزات کا ذکر کیا تاکہ آپ لوگوں کو اپنے ان معجزات کی وجہ سے اپنی نبوت کی تصدیق کی دعوت دیں بعض علماء نے کہا آپ نے لوگوں کو یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیا کیا نعمتیں دی ہیں تاکہ مومنوں کا اس پر زیادہ ایمان ہو اور مکروں کے خلاف جہت قائم ہو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَلَيْنَا مِنْهُمْ مَبَازِيزًا ۖ وَفَعَلْنَا لَمْ تَخْشَ فِئْتَانًا يَنْزِعَا مِنَ الْمَضَاجِعِ أَرْسِلَ رِجْلَ بَازٍ مُّقْبَصٍ ۚ لَأُلْقِيَ بَحْرُ الْوَعْدِ لَهُمْ وَأَوْرَثْنَا عِلَاقًا ۚ (یٰس: ۱۱)

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے رب کی نعمتوں کا ذکر اور اظہار فرمایا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بیٹھے ہوئے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ آپ حجرے سے باہر آئے اور ان کے قریب پہنچ کر ان کی باتیں سننے لگے ان میں سے بعض نے کہا تعجب ہے کہ اللہ نے اپنی مخلوق میں سے ظلیل بنایا تو حضرت ابراہیم کو ظلیل بنایا دوسرے نے کہا اس سے زیادہ تعجب اس پر ہے کہ حضرت موسیٰ کو اپنا کلیم بنایا ایک اور نے کہا حضرت یحییٰ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں اور دوسرے نے کہا حضرت آدم صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے ان کے پاس آ کر ان کو سلام کیا اور فرمایا: میں نے تمہاری باتیں اور تمہارے تعجب کو سنا کہ ابراہیم ظلیل اللہ ہیں وہ اسی طرح ہیں اور موسیٰ بھی اللہ ہیں اور وہ اسی طرح ہیں اور یحییٰ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں وہ اسی طرح ہیں اور آدم صلی اللہ علیہ وسلم وہ اسی طرح ہیں اور سنا میں حبیب اللہ ہوں اور فخر نہیں! اور میں قیامت کے دن حمد کا جعزۃ الخانیۃ والا ہوں گا اور فخر نہیں! اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میں وہ ہوں جس کی شفاعت قیامت کے دن سب سے پہلے قبول کی جائے گی اور فخر نہیں! اور میں سب سے پہلے جنت کے دروازوں کو کھٹکتاؤں گا تو اللہ میرے لیے (ان کو) کھول دے گا اور مجھ کو اس میں داخل کر دے گا اور میرے ساتھ خیرا مومنین ہوں گے اور فخر نہیں! اور میں اولین اور آخرین میں سب سے عظم ہوں اور فخر نہیں۔
(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۶ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۸۸۱ مسند ابی حاتم رقم الحدیث: ۷۰۰۹)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے حج کے صیغہ کے ساتھ کہا ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔ یہ اس طرح ہے جیسے سلاطین اور حکام اپنے آپ کو حج کے صیغہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اس میں تکبر اور جبر نہ تھا دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان کا ارادہ یہ تھا کہ ان کو اور حضرت داؤد علیہ السلام دونوں کو پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے کیونکہ امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے

ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام دو دن جانوروں کے درمیان فیصلہ کرتے تھے اور ایک دن انسانوں کے درمیان فیصلہ کرتے تھے ایک دن ایک گائے نے آ کر ان کے دروازے کے مندرجہ میں اپنا سینگ رکھا پھر اس طرح بولی جس طرح ماں اپنے بچے سے بولتی ہے اس نے کہا جب میں جو ان تھی تو یہ مجھ سے بچ نکلاتے تھے اور مجھ سے اپنے کام لیتے تھے اب جب میں بوزی ہو گئی ہوں تو یہ مجھے ذبح کرنا چاہتے ہیں! پھر حضرت داؤد نے کہا اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور اس کو ذبح نہ کرو۔ (تفسیر امام ابن ابی قحطیط: ۱۶۱۸۹)

نفل اور منطلق کا لغوی اور اصطلاحی معنی

امام لغت ذیل بن احمد انفراسیدی التوفی ۱۷۵۵ھ لکھتے ہیں:

الناطق کے معنی ہیں فصاحت اور بلاغت سے بولنے والا الکتاب الناطق کے معنی ہیں واضح کتاب ہر چیز کے کلام کو منطلق کہتے ہیں کمر کے ہاتھ منے کے پکے یا پٹنی کو منطلق لناطق یا منطلق کہتے ہیں۔

(کتاب الصنایع ص ۳۷۸ مطبوعہ مکتبۃ السوہام ان ۱۳۴۲ھ)

امام ابوالقاسم حسین بن محمد رافع الصلہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں۔

نفل کا معنی ہے وہ الگ الگ اور متمیز آوازیں جن کو انسان ظاہر اور صادر کرتا ہے اور کان ان کو سنتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

مَا تَلْعَلْ لَا تَسْمَعُونَ ۝ (الصافات: ۹۲)

تم کو کیا ہوا تم بولنے کیوں نہیں!

نفل کا اطلاق اور استعمال صرف انسان کے لیے کیا جاتا ہے اور دوسروں کے لیے بالبع کیا جاتا ہے الناطق اور الصامت الناطق سے مراد ہے جس کی آواز ہو اور الصامت سے مراد ہے جس کی آواز نہ ہو حیوانات کو مطلقاً ناطق نہیں کہا جاتا منطلق اس قوت کو نفل کہتے ہیں جس سے کلام صادر ہوتا ہے نیز وہ مقولات کے ادراک کرنے والے کو ناطق کہتے ہیں اور وہ انسان کی تعریف حیوان ناطق کرتے ہیں یعنی ایسا جاندار جو نور و فکر کرتا ہو اور بول ہو ان کے نزدیک نفل دو معنوں میں مشترک ہے وہ قوت انسانہ جس سے کلام صادر ہوتا ہے اور وہ کلام جو آواز سے صادر اور ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا كَلَّمَا لَا تَسْمَعُونَ ۝ (النہار: ۶۵)

آپ کو معلوم ہے کہ یہ (بت) بولنے نہیں ہیں۔

اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ بت بولنے والوں اور عقل والوں کی جنس سے نہیں ہیں اور قرآن مجید میں ہے:

خَلَقْنَا مَنطِقًا لِّلْكَافِرِ ۝ (نفل: ۱۶)

ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔

اس آیت میں پرندوں کی آوازوں کو اس اعتبار سے نفل فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان ان آوازوں سے ان کی مراد کو سمجھتے تھے سو جس آواز سے کوئی شخص کسی معنی کو سمجھے خواہ وہ بولے اور یا نہیں کرنے والا نہ ہو اس آواز کو نفل اور منطلق اور اس آواز والے کو ناطق کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے قیامت کے دن کہا جائے گا:

هَذَا كَيْفَ تَنطِقُ عَلَيْهِ بِالنَّحْوِ ۝ (الہدیہ: ۲۹)

یہ ہے داری کتاب (مجید اعمال) جو تمہارے سامنے ہے

بول رہی ہے (تمہارے اعمال کو ظاہر کر رہی ہے۔)

کتاب بھی ناطق ہے لیکن اس کے نفل کا آنکھیں ادراک کرتی ہیں جیسے کلام بھی کتاب ہے لیکن اس کا ادراک قوت

ساتھ کرتی ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۳۲-۶۳۱ مکتبہ نزار مصطفیٰ الہ آباد مکرر ۱۳۱۸ھ)
طیر کے معانی

علامہ حسین بن محمد راضی صنفانی حنفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:
 ہر وہ جانور جو ہمیشہ اپنے پروں کے ساتھ اڑتا ہو اس کو طائر کہتے ہیں اور اس کی جمع طیر ہے جیسے راکب کی جمع رکب ہے قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ (الانعام: ۲۸) اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے پرندوں کے ساتھ اڑتا ہو۔

عرب پرندوں کو اڑا کر قال لکھتے تھے اگر پرندہ دائیں طرف اڑ جاتا تو وہ اس سے نیک شگون لیتے تھے اور اگر وہ بائیں طرف اڑ جاتا تو وہ اس سے برا شگون لیتے تھے اس کو کہتے تھے طہور فلان، پھر طہیر کے لفظ کا غائب استعمال بد شگونی میں ہونے کا قرآن مجید میں ہے:

وَأَن تَحِبُّهُمْ سَيُحِبُّكَ وَيُغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُضِلَّهُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَبِيلَهُ (الاعراف: ۱۳۱) اور اگر ان کو کوئی برائی پہنچتی تو وہ (قوم فرعون) اس کو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی محنت کہتے۔

طائر کا اطلاق اعمال نامہ پر بھی کیا گیا ہے جیسے گلے کا بار گلے کے ساتھ چٹا ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کا اعمال نامہ انسان کے گلے کے ساتھ چٹا ہوا ہوگا قرآن مجید میں ہے:

وَلَكِنِ الْإِنْسَانَ أَنذَرْنَاهُ لِقَائِهِ إِنَّهُ كَفُرٌ وَكَافٍ (الانسان: ۱۳)

گرد و غبار کی طرح چاروں طرف پھیل جانے والی چیز کو مستطیر کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

يُؤْخَذُونَ بِاللَّغْوِ وَيَقَالُونَ يَوْمًا كَانَتْ شَرَكًا (الاحزاب: ۷) جس کی برائی چاروں طرف پھیل جانے والی ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۳۲-۶۳۱ مکتبہ نزار مصطفیٰ الہ آباد مکرر ۱۳۱۸ھ)

چیتوئیوں اور بعض پرندوں کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک چیتوئی نے انبیاء (ساتھین) میں سے کسی نبی کے کاٹا تو ان کے حکم سے چیتوئیوں کی ہستی کو جلا دیا گیا اللہ تعالیٰ نے اس نبی کی طرف وحی کی ایک چیتوئی نے آپ کو کاٹا تھا تو آپ نے چیتوئیوں کی پوری نسل کو ہلاک کر دیا جو اللہ کی تسبیح کرتی تھیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۳۱۲، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۶۱۹، مسند ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۶۱۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۵۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جانوروں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چیتوئی، شہد کی مکھی، بدم اور لٹورا (مونے سر سفید اور سبز چیتے کا ایک پرندہ جو چھوٹے پرندوں کا فکار کرتا ہے حدیث میں اس کے لیے صرر کا لفظ ہے اگر یہ جانور ضرر پہنچائیں تو ضرر سے بچنے کے لیے ان کو مارنا جائز ہے اور محض ان کو ایذا پہنچانے کے لیے ان کو مارنا جائز نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۳۱۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۶۱۹، دار الفکر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے جاتے تو دور

جاتے تھے ایک دن آپ نگر کے درخت کے نیچے بیٹھے اور آپ نے دونوں سوزے اٹھادئے آپ نے ایک سوزہ چھانک کر ایک پرندہ آکر دوسرے سوزے کو اٹھا کر لے گیا پھر وہ بھڑی پر جا کر فدا میں پکڑ لگانے لگا تو اس میں سے سیاہ رنگ کا موٹی سانپ نکلا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کرامت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مکریم کیا ہے اے اللہ! میں زمین پر دو بیروں کے ساتھ چلنے والوں کے شر سے اور پید کے تلے رہنے والوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(الحکم الامام رقم الحدیث: ۱۳۰۰۰ الحدیث باب الثمانیۃ ج ۳ ص ۵۵۲ الحدیث نمبر ۱۰۹۰۹ اسلم لحدیثی دارالعلوم ص ۵۵۳) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے آپ کسی کام سے گئے تو ہم نے ایک پرندہ دیکھا جس کے ساتھ اس کے دو بچے تھے ہم نے اس کے بچوں کو پکڑ لیا وہ پرندہ آکر ترچے لگا نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو آپ نے فرمایا: اس پرندہ کو اس کے بچے کی وجہ سے کس نے پریشان کیا ہے؟ اس کے بچے اس کو داپس کر دیے۔ پھر آپ نے دیکھا کہ ہم نے بیویوں کی ایک بھتی کو جلا دیا تھا آپ نے پوچھا ان کو کس نے جلایا ہے؟ ہم نے کہا ہم نے آپ نے فرمایا آگ کے رب کے سوا کسی کے لیے آگ سے عذاب دینا جائز نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۶۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے مل جل کر رہتے تھے حتیٰ کہ میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے تھے اے ابو عبیدہ! میں تم سے (میل) نے کیا کیا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۰۰ مسند ابی شیبہ ج ۹ ص ۱۳۱ مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۹) حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفید مرغ میرا دوست ہے اور اللہ کے دشمنوں کا دشمن ہے اپنے مالک کے گھروں کی حفاظت کرتا ہے۔

(الجامع البصیر رقم الحدیث: ۱۲۳۹۱ کنز العمال رقم الحدیث: ۶۰۷۵۷۶ ج ۱۰ ص ۱۹۸ الحدیث: ۱۱۹۸ الحدیث: ۱۲۳۹۰) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سفید مرغ جس کی کافی شاخ در شاخ ہو میرا دوست ہے اور میرے دوست کا دوست ہے جبریل اس کے گھر کی اور اس کے بچوں کے سولہ گھروں کی حفاظت کرتا ہے۔ چار دائیں چار بائیں چار آگے اور چار پیچھے۔

(الجامع البصیر رقم الحدیث: ۱۲۳۹۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۷۷۷۷ ج ۱۰ ص ۱۹۸ الحدیث: ۱۲۳۹۰ ج ۱۰ ص ۱۹۸ الحدیث: ۱۲۳۹۰) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مرغ نماز کی اذان دیتا ہے جس نے سفید مرغ رکھا اس کی تین چیزوں سے حفاظت کی جائے گی۔ ہر شیطان کے شر سے چاروں طرف سے اور کابن سے۔

(غضب الامان رقم الحدیث: ۵۷۷۷۷۷ الجامع البصیر رقم الحدیث: ۱۲۳۹۵ ج ۱۰ ص ۱۹۸ الحدیث: ۱۲۳۹۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۷۷۷۷) مرغ کے متعلق ان تینوں احادیث کی اسانید ضعیف ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کبوتروں کو اپنے گھروں میں رکھو کیونکہ یہ جنات کو تھما دے بچوں سے دور رکھتے ہیں۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۷۷۷۷ ج ۱۰ ص ۱۹۸ الحدیث: ۱۲۳۹۰) (سنن ضعیف ہے۔)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شک مریم بنت عمران نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ وہ ان کو ایسا رزق کھلائے جس میں گوشت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مٹی کی کھلائی۔ حضرت مریم نے دعا کی اے اللہ! اس کو بغیر دودھ سے زندہ رکھ۔

(سنن کبریٰ للبخاری ج ۹ ص ۵۵۸ الحکم الامام رقم الحدیث: ۱۳۱۱۱۱ ج ۱۰ ص ۱۹۸ الحدیث: ۱۲۳۹۰ ج ۱۰ ص ۱۹۸ الحدیث: ۱۲۳۹۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۷۷۷۷)

الحمد۔ ۲۵۹۳۳ء حنفی نے کہا اس حدیث کی سند میں بڑا الجھنیں کو میں جس بیجا اس کے باقی راوی اللہ ہیں مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۹) حضرت ابوالاسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے موزوں کو پہننے کے لیے منگایا۔ آپ نے ایک موزہ پہنا تھا کہ ایک کو ایاہ دوسرا موزہ اٹھا کر لے گیا اس نے (اوپر جا کر) اس موزہ کو پھینکا تو اس میں سے ایک سانپ نکلا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ موزوں کو بھاڑے بغیر نہ پہنے۔ (المجموع کبیر رقم الحدیث: ۲۸۰۰) حنفی نے کہا اس حدیث کے راوی اللہ ہیں ج ۵ ص ۱۳۰ اخص کبیر ج ۲ ص ۱۰۹ سلسلہ حدیث راہنہ ارشاد

ج ۶ ص ۵۸۵

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے زمانہ میں ایک پرندہ پیدا کیا جس کو لہجہ تھا کہا جاتا تھا حجاز کے شہروں میں اس کی نسل بہت زیادہ ہو گئی وہ بچوں کو چھٹ کر لے جاتا تھا لوگوں نے اس زمانہ کے نبی حضرت خالد بن سنان سے اس کی شکایت کی یہ حضرت یحییٰ کے بعد نبی جس سے ظاہر ہوئے تھے انہوں نے اس کے خلاف دعا کی تو اس کی نسل منقطع ہو گئی۔ (مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۶۴۳۳) کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۹۹۱) (یہ حدیث معلل ہے کیونکہ حضرت یحییٰ اور ہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی نبی مبعوث نہیں کیا گیا۔)

انبیاء کرام اور اولیاء عظام کا پرندوں کی پائیں سمجھنا

شیخ ابو محمد روز بہان بن ابی النصر الجلی الشیرازی الترمذی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

پرندوں اور وحشی جانوروں کی آوازیں اور کائنات کی حرکتیں یہ سب اللہ سبحانہ کے انبیاء اور مرسلین اور عارفین اور محدثین اور صوفیوں کے لیے خطابات ہیں جن کو وہ اپنے مقامات اور احوال کے اعتبار سے سمجھتے ہیں۔ پس انبیاء اور مرسلین محض پرندوں کی بولیوں سے ان کے معانی اور مطلب کو سمجھ لیتے ہیں اور اس چیز کا ولی کے لیے واقع ہونا بھی ممکن ہے لیکن اکثر اولیاء پرندوں کی آوازوں سے ان چیزوں کو سمجھ لیتے ہیں جو ان کے احوال کے مطابق ہوتی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں الہام کرتا ہے نہ یہ کہ وہ ان کی لغات کو بعینہ جانتے ہیں۔

ابو عثمان الصغرانی نے کہا جو شخص تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتا ہے وہ اس سے ہر چیز سمجھتا ہے اور ہر چیز سے اس کو سمجھتا ہے سو اس کو پرندوں کی آوازوں سے اور دروازوں کی چڑچاہٹ سے بھی اللہ کا علم حاصل ہوتا ہے۔ جیسے عام لوگوں کو کھیل کی آواز سے قافلہ کی روانگی کا علم ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اہل حضور اور خواص کو پرندوں اور وحشی جانوروں کی آوازوں سے معانی اور مطالب پر مطلع فرماتا ہے۔

مقال نے کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے پاس سے ایک پرندہ بولتا ہوا گزرا انہوں نے اہل مجلس سے کہا کیا تم جانتے ہو کہ یہ پرندہ جو ابھی گزرا تھا اس نے کیا کہا ہے؟ لوگوں نے کہا آپ ہی بہتر جانتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا اس پرندہ نے کہا ہے: اے نبی اسرائیل کے بادشاہ! آپ پر سلام ہو! اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت عطا فرمائی ہے اور آپ کو اپنے دشمنوں پر غلبہ عطا فرمایا ہے میں اپنے بچوں کے پاس جا رہا ہوں مجھ کو بارہ آپ کے پاس سے گزروں گا آپ نے فرمایا وہ بارہ گزرے گا تم اس کا انتظار کرو کائناتی دیر انتظار کے بعد وہ مجھ کو بارہ گزرا اس نے آپ کو سلام کیا اور بتایا کہ وہ اپنے بچوں کو کھانا لایا ہے۔ اس قسم کی مثال حضرت سلیمان علیہ السلام سے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت معروف ہیں۔ (عرائس ایمان ج ۳ ص ۱۱۲-۱۱۱) (مطبوعہ مطبعہ المدنیہ لدینی نوٹس)

الہامی دارشاد ج ۹ ص ۵۲۸-۵۱۹

حضرت علی بن مرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گردن بڑھا کر بڑبڑا رہا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس اونٹ کے مالک کو بلاؤ جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ میں ان کے ہاں پیدا ہوا انہوں نے مجھ سے غریب کام لیا اب جب میں بڑھا ہوا گیا ہوں تو یہ مجھے ذبح کرنا چاہتے ہیں اور آپ نے فرمایا:

ما من شيء فيها الا يعلم اني ورسول الله الا
فان من جن اور انس کے۔

(المجم الكبير ج ۲۲ ص ۲۶۱-۲۶۲ اربعہ وائیلہ ج ۹ ص ۵۲۳ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۵۹ دلائل البیہ ج ۱ ص ۲۸۱-۲۸۰)
الخاص الكبير ج ۳ ص ۹۵-۹۴ مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۲ سل السعدی دارشاد ج ۹ ص ۵۱۳

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین اور انصار کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اونٹ نے آ کر آپ کو کبھہ کیا۔ (دلائل البیہ ج ۱ ص ۲۸۱ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۶۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ایک باغ میں داخل ہوئے آپ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور انصار تھے باغ میں ایک بکری تھی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھہ کیا حضرت ابو بکرؓ نے کہا یا رسول اللہ! اس بکری کی یہ نسبت ہم آپ کو کبھہ کرنے کے زیادہ مستحق ہیں آپ نے فرمایا میری امت میں سے کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کو کبھہ کرے اور اگر کسی کے لیے کسی کو کبھہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو کبھہ کرے۔ (دلائل البیہ ج ۱ ص ۲۸۱ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۶۰ مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۲ سل السعدی دارشاد ج ۹ ص ۵۱۶)

علامہ سید محمود آلوسی ج ۱ ص ۱۲۷ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے پاس سے گزرے اس کی چوٹی پر بیٹھا ہوا ایک بلبل چھپا رہا تھا اور اپنی دم ہلارہا تھا آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی زیادہ جانتے والے ہیں آپ نے فرمایا وہ کہہ رہا ہے میں نے آدھے بلبل کھالیے اور دنیا میں زیادتی ہے اور ایک غاصتہ بولنے لگی تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہی ہے کہ کاش یہ مخلوق پیدا نہ کی جاتی اور مورد بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ تم جیسا کرو گے ویسا مجھ کو گئے اور ہمد بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے: اے گنہگارو! اللہ سے استغفار کرو اور طیلوی (ایک پرندہ) بولا تو آپ نے فرمایا: یہ کہہ رہا ہے کہ ہر زندہ مرنے والا ہے اور ہر نبی چیز پرانی ہونے والی ہے اور خطاب (لبے باز اور چھوٹے پاؤں والا سیاہ پرندہ) بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ شکلیاں بھیجو آخرت میں ان کو پاؤں گے اور رشتہ (سیاہ رنگ کا گدھ) بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ سبحان رب الاعلیٰ من معانہ وارضہ (رب اعلیٰ کی تسبیح آسمان اور زمین کی پہنائی کے برابر) اور قری بولی تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہی ہے کہ سبحان رب الاعلیٰ اور نخل بولی تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے اور لفظا (ایک پرندہ) بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ جو خاموش رہا وہ سلامت رہا اور طوطا بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ دنیا اور دنیا کی فکر کرنے والے کے لیے ہلاکت ہو اور مرغ بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ اے عالمو! اللہ کا ذکر کرو اور تسلیم گدھ بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ اے آدم! تو جب تک چاہتا ہے زندہ رہو بلا خرے موت آئے گی اور عقاب بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ لوگوں سے دور رہنے میں انس ہے اور مینڈک بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ سبحان ربی القدوس اور چنڈول (کلفی والا پرندہ) بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ اے اللہ محمد

اور آل محمد سے بغض رکھنے والے پر لعنت فرما اور زبور (ایک پندہ) بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ اے اللہ! میں سے ہر نئے دن کا رزق طلب کرتا ہوں اور تجھ کو تو آپ نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے الرحمن علی العرش اسعی۔

(درج الحدیث ۱۹۷۲ ص ۲۵۴-۲۵۶ مسطورہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس روایت کا امام بغوی حنفی ۵۱۶ھ نے ذکر کیا ہے۔

(سالمہ اشتریل ج ۳ ص ۳۹۳-۳۹۴ مسطورہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت عبداللہ بن قریظ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانچ یا چھ لوشیاں قربانی کے لیے لائی گئیں ان میں سے ہر اونٹنی آپ کے قریب ہونے لگی کہ آپ اس سے ذبح کی ابتداء کریں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۷۶۵)

ایسے ہی موقع کے لیے کسی نے یہ شعر کہا ہے:

ہر آہوان صحرا سر خود نہادہ برنگف
ہر امید آنکہ روزے پہ فکار خواہی آمد

جنگل کے تمام ہرن اپنی اپنی عقلیوں پر اپنے اپنے سر لیے پھر رہے ہیں اس امید پر کہ وہ کسی روز فکار کرنے کے لیے آئیں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو دنیا کی ہر چیز دی جانے کا محفل

اس کے بعد فرمایا اور میں ہر چیز سے عطا کیا گیا ہے اور بے شک یہی کھلا ہوا فضل ہے۔

اصل میں کل کا لفظ احاطہ افراد کے لیے آتا ہے اور اس کا حقیقی معنی یہ ہے کہ حضرت سلیمان نے یہ کہا میں دنیا کی ہر چیز دی گئی ہے۔ لیکن یہاں حقیقت مراد نہیں ہے کیونکہ جس وقت انہوں نے یہ فرمایا تھا اس وقت تو ان کے پاس تخت بقیس بھی نہیں تھا اور کل ہماز اکثر چیزوں کے لیے آتا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو بہت زیادہ چیزیں دی گئی تھیں ان کو ملک 'سلطنت' نبوت' کتاب' ہواؤں' جنات اور شیاطین کی کھیر دی گئی تھی۔ پرندوں کی بولیوں کا علم دیا گیا تھا 'تاج' عیش اور بہت معدنیات دے گئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام دنیا اور آخرت کی جس چیز کا بھی ارادہ کرتے تھے وہ انہیں مل جاتی تھی ایک قول یہ ہے کہ انہیں اپنے ملک کی حفاظت کے لیے جو چیز درکار ہوتی وہ انہیں میسر ہو جاتی تھی۔ (درج الحدیث ۱۹۷۲ ص ۲۵۸ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

سلطان کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلطان زمین میں اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے اللہ کے بندوں میں سے ہر مظلوم اس کی پناہ میں آتا ہے اگر وہ عدل کرے تو اس کو ثواب ہوگا اور اس کی رعایا پر اس کا شکر ادا کرنا لازم ہے اور اگر وہ ظلم کرے تو اس کو عذاب ہوگا اور اس کی رحمت پر صبر کرنا لازم ہوگا اور جب حکام سے جنگ کی جاتی ہے تو آسمان سے قحط نازل ہوتا ہے اور جب زکوٰۃ روک لی جاتی ہے تو موسیٰ ہلاک ہو جاتا ہے اور جب زنا کا غلبہ ہوتا ہے تو فخر اور ذلت کا ظہور ہوتا ہے اور جب زمینوں سے بدھمدی کی جاتی ہے تو کفار کا مسلمانوں پر غلبہ ہو جاتا ہے۔

(مسند ابوہریرہ رقم الحدیث ۵۹۰۰ حنفی حنفی ۸۰۰ھ نے کہا اس حدیث کی سند میں ایک بدوی سید بن سنان متروک ہے۔ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۹۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلطان زمین میں اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے

پس جو شخص اس کے ساتھ خیر خواہی کرے اور اس کو دعا دے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جو اس کو دھوکا دے اور اس کو بددعا دے وہ گمراہ ہوگا۔ (کتاب الفقہاء الکبیر ج ۳ ص ۲۵۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۸ھ)

سہل بن عبد اللہ شمری نے کہا جس نے سلطان کی امامت کا انکار کیا وہ زندیق ہے اور جس کو سلطان نے بلایا اور وہ حاضر نہیں ہوا وہ زندیق ہے اور جو اس کے پاس بغیر جائے گیا وہ جاہل ہے اور سہل سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ تو انہوں نے کہا سلطان! ان سے کہا گیا کہ ہماری رائے تو یہ ہے کہ لوگوں میں سب سے برا سلطان ہے! انہوں نے کہا ایسا نہ کہو! اللہ تعالیٰ ہر روز دو بار نظر رحمت فرماتا ہے ایک نظر مسلمانوں کے اموال کی سلامتی کی طرف ہوتی ہے اور ایک نظر ان کے جسموں اور بدلوں کی سلامتی کی طرف ہوتی ہے! پھر اللہ تعالیٰ سلطان کے حینہ اعمال کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے تمام گناہ بخش دیتا ہے۔ (ایضاً، المطالع مع احوال السلاطین ج ۹ ص ۸۸۸ و در بیان آثار اللہ العزیز بیروت ۱۴۲۳ھ)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا بے شک یہی کھلا ہوا فضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو نعمتیں عطا کی تھیں اور بہت بڑی سلطنت دی تھی اس کا شکر ادا کرتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا اور میں ہر چیز سے عطا کیا گیا ہے اور بے شک یہی کھلا ہوا فضل ہے! اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ کہنا اعجازِ شکر کے لیے تھا نہ کہ اپنی بڑائی اور شرف کے اعجاز کے لیے جیسے اس حدیث میں ہے: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور خیر نہیں ہے اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور خیر نہیں ہے اور اس دن جو بھی نبی ہوگا آدم ہوں یا ان کے علاوہ کوئی اور وہ سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور سب سے پہلے مجھ سے زمین (قبر) پھینے کی اور خیر نہیں ہے۔ (سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۷۵۵)

امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں: مقاصد نے کہا حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبوت اور ملک دیا گیا اور ان کے لیے جنت ہواؤں اور شیطا میں کو مسخر کیا گیا! روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو زمین کے تمام مشارق اور مغارب کی حکومت دی گئی اور انہوں نے سات سو سال اور چھ ماہ حکومت کی! اور وہ دنیا کے تمام جنات انسانوں، مویشیوں، پرندوں اور درندوں کے مالک تھے اور وہ ہر جانور کی بولی جانتے تھے اور ان کے زمانہ میں بہت عجیب و غریب کام ہوئے۔

(معالم القریب ج ۳ ص ۲۹۳ مطبوعہ دارالاحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۸ھ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر اور ان کی حکومت کی مدت کے متعلق اس کے مخالف اقوال بھی ہیں اور ان کی حقیقی عمر اور موت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سلیمان کے لیے جنت اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کیے گئے اور ہر ایک کو ایک الگ مقسم کیا گیا! (آئل: ۱۷)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت اور ان کا لشکر

امام عبد الرحمن محمد بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنا تخت رکھتے تھے اور اس کی دائیں اور بائیں جانب کرسیاں رکھتے تھے۔ پہلے انسانوں کو بیٹھنے کی اجازت دیتے! پھر جنات کو بیٹھنے کی اجازت دیتے جو انسانوں کے پیچھے بیٹھتے تھے۔ پھر شیطا میں کو بیٹھنے کی اجازت دیتے جو جنات کے پیچھے بیٹھتے تھے! پھر ہوا کو حکم دیتے وہ ان سب کو اٹھ کر لے جاتی اور پرندے ان کے اوپر سایہ کرتے اور ہوا ان کے تخت اور ان کی کرسیوں کو اڑا کر لے جاتی! وہ صبح کے وقت بھی ایک ماہ کی

مسافت کی سیر کرتے اور شام کو بھی ایک ماہ کی مسافت کی سیر کرتے۔ وہ بن مہدی بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو ملک کا وارث کیا اور ان کو نبوت عطا فرمائی۔ حضرت سلیمان نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسا ملک عطا کرے جہاں کے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی۔ سو ان کے لیے انسانوں جنوں پر بندوں اور ہواؤں کو سخر کر دیا۔ حضرت سلیمان کے گھنے بال تھے روشن چہرہ تھا اور وہ سفید کپڑے پہنتے تھے جب وہ اپنے گھر سے اپنی مجلس کی طرف جاتے تو ان کے اوپر پرندے اڑتے تھے اور جب تک وہ اپنے تخت پر بیٹھ نہیں جاتے تو انسان اور جن ان کے لیے کھڑے رہتے تھے وہ بہت جنگ جو شخص تھے بہت کم فارغ بیٹھتے تھے روئے زمین میں ان کو جب بھی کسی کی سلطنت کا پتا چلا وہ اس پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لیتے تھے (یہ روایت بھی محل اشکال ہے) وہ جب کسی ملک پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتے تو لشکر کو اپنا تخت اٹھانے کا حکم دیتے ان کے لشکر میں انسان اور مویشی اور انواع و اقسام کے چھار ہوتے تھے وہاں ہوا کو حکم دیتے تو وہ ان کے تخت کو اس ملک میں پہنچا دیتی تھی۔ (تفسیر اسمان ابی حاتم ص ۹۷ ۸۵۵ ۸۵۶ رقم الحدیث ۱۶۱۱۰-۱۶۱۱۱ مکتبہ دار مصطفیٰ الباز کراچی ۱۳۸۸ھ) علامہ ابو حیان محمد بن یوسف غرناطی اندلسی متوفی ۵۴۷ھ لکھتے ہیں۔

روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کی جگہ ایک سو فرخ میں تھی بچیس فرخ جگہ انسانوں کے لیے تھی بچیس فرخ جگہ جنات کے لیے تھی بچیس فرخ جگہ پرندوں کے لیے تھی اور بچیس فرخ جگہ وحشی جانوروں کے لیے تھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تختوں پر ایک ہزار شیشہ کے گھر بنے ہوئے تھے جن میں ان کی تین سو منکوحہ بیویاں تھیں اور سات سو باندیاں تھیں جنات نے ان کے لیے سونے کے تہاروں اور ریشم کے کدے بنائے ہوئے تھے وہ ان گدوں کے وسط میں سونے کے منبر پر بیٹھتے تھے اور علامہ چاندی کی کرسیوں پر بیٹھتے تھے اور ان کے گرد عام لوگ ہوتے تھے اور عام لوگوں کے گرد جنات اور شیاطین ہوتے تھے اور پرندے اپنے پروں سے ان پر سایہ کرتے تھے حتیٰ کہ ان پر بالکل دھوپ نہیں پڑتی تھے اور صبح کی ہوا ان گدوں کو اٹھا کر ایک ماہ کی مسافت پر لے جاتی تھی ان چیزوں کی تفصیل صحت نقل کا تقاضا کرتی ہے ان کا ملک بہت بڑا تھا جو تمام روئے زمین کو محیط تھا اور تمام آبادیاں ان کی مطیع تھیں اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ چار بادشاہ ایسے گزرے ہیں جو تمام روئے زمین کے مالک تھے ان میں سے دو مسلمان تھے حضرت سلیمان اور حضرت ذوالقرنین اور دو کافر تھے بخت نصر اور نمرود (یہ روایت بھی محل اشکال ہے) حضرت سلیمان کے لشکر میں جن انسان پرندے اور وحشی جانور جمع کیے جاتے تھے جب حضرت سلیمان کسی سفر پر یا کسی مہم پر جاتے تھے تو تمام لشکر آپ کے ساتھ جاتا تھا۔ (انہر لکھیا ج ۸ ص ۸۸ سلیمہ دارالمنکر و النہی ۱۳۸۲ھ) اس روایت کو امام بخاری متوفی ۵۱۶ھ علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اور علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے بھی بیان کیا ہے۔

(مسلم بخاری ج ۳ ص ۲۹۳ المباح الا حکام القرآن ج ۳ ص ۱۵۶ روح البیان ج ۲ ص ۳۷۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حتیٰ کہ جب وہ حیویتیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک حیویتی نے کہا اے حیویتیو! اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ کہیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں روند نہ ڈالے اس کی بات سے سلیمان مسکرا کر ہنس دینے اور دعا کی اے میرے رب اتونے مجھے اور میرے والد کو جو نعمتیں عطا کی ہیں مجھے ان کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ اور مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ جس سے تو راضی ہے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے (نمل: ۱۹-۲۸)

وادی کا معنی

اس آیت میں وادی کا لفظ ہے قرآن مجید میں ہے انک ہالواد المقدس (لؤ: ۱۳) آپ مقدس وادی میں ہیں۔ اصل میں وادی اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے پانی بہہ کر آ رہا ہو اسی وجہ سے دو پہاڑوں کے درمیان جو گھاٹی یا راستہ ہو

ہے اس کو وادی کہا جاتا ہے اسی طرح قرآن مجید میں ہے۔

الْمَثَرُ الْكَمِّي فِي ظِلِّ الْوَادِ الْغَمَامِ (اشعار: ۶۶۵)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ (شعراء) ہر وادی میں جھکتے پھر رہے ہیں۔

یعنی وہ کلام کے ہر قسم کے اسلوب میں طبع آزمائی کرتے پھر رہے ہیں کبھی کسی کی مدح کرتے ہیں، کبھی جھوکتے ہیں کبھی جہل کہتے ہیں کبھی غزل کہتے ہیں (جہل سے مراد ہے جنگ پر اجماع کرنے والے اشعار اور غزل سے مراد ہے محبوب کے متعلق اشعار) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ كَانَ لِبْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَا يَبْغِي الْبِهِمَا لَالًا۔
لو کہان آدم و ادیان من ذهب لا بعی کو تلاش کرے گی۔

(صحیح مسلم الزکاة: ۱۷۷، رقم الحدیث: ۵۰۳۸، تہذیب: ۱۳۷۷، المفردات ج ۲ ص ۶۷۱)

نعلتہ کا معنی

نیز اس آیت میں ہے: فَالْت نَعْلَتَ بَابِهَا النَّمْلُ (انمل: ۱۸)

نعلتہ کا معنی ہے چوٹی پہلو میں چوٹی کی شکل کے مشابہ ایک پھنسی ہو جاتی ہے اس کو بھی نعلتہ کہتے ہیں جس طرح چوٹی آہستہ آہستہ جسم پر رہتی ہے اور کاٹتی ہے اسی طرح چوٹی کی تکلیف بھی انسان کو آہستہ آہستہ ڈنک مارتی رہتی ہے اور چوٹی کرنے والے کو نال اور شام کہتے ہیں اور نعلتہ انہی کی پر کو کہتے ہیں اس کو جمع نائل ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۵۶، مطبوعہ مکتبہ دار مصطفیٰ بیروت ۱۴۱۸ھ)

امام محمد بن ابوبکر رازی متوفی ۶۶۰ھ نے لکھا ہے: نعلتہ واحد ہے اور انمل جمع ہے۔

(تذکرہ اصحاب ج ۳ ص ۳۸۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۸ھ، اصحاب طبع برنی ج ۵ ص ۱۸۳۶)

جس چوٹی نے حضرت سلیمان کے لشکر سے ڈرایا تھا وہ مذکر بھی یا مؤنث

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

یہ چوٹی نلکڑی تھی اس کے دو بازو تھے یہ چوٹیوں کی نلکڑی تھی تو رات میں لکھا ہے کہ اس کا نام منذرہ یا نضہ یا جری تھا اور بعض صحائف میں لکھا ہے کہ اس کا نام اللہ تعالیٰ نے رکھا تھا حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام اس کو پہچانتے تھے چونکہ یہ باتیں کرتی تھی اس لیے اس کا نام رکھا گیا اور نہ چوٹیوں کے نام نہیں رکھے جاتے اور نعلتہ مؤنث حقیقی ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے فالْت نَعْلَتَ اور فعل کے ساتھ اس وقت لائی جاتی ہے جب اس کا فاعل مؤنث حقیقی ہو کیونکہ نعلتہ کا ذکر اور مؤنث دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے پس جب اس کو تمیز اور ممتاز کرنے کا ارادہ کیا جائے گا تو کسی تمیز خارجی کی ضرورت ہوگی مثلاً کہا جائے گا مذکر نعلتہ اور مؤنث نعلتہ اسی طرح حملتہ اور حملتہ کے الفاظ ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ قنادہ کو فہم گئے تو لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے۔ انہوں نے لوگوں سے کہا جو پوچھنے سے پوچھو اس وقت امام ابو حنیفہ کم عمر لڑکے تھے انہوں نے لوگوں سے کہا ان سے پوچھو کہ جس چوٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کلام کیا تھا وہ مذکر تھی یا مؤنث؟ لوگوں نے سوال کیا تو قنادہ خاموش ہو گئے اور ان کو کوئی جواب نہ آیا تب امام ابو حنیفہ نے کہا وہ مؤنث تھی ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ انہوں نے کہا قرآن سے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فالْت نَعْلَتَ مردہ چوٹی مذکر ہوتی تو اللہ تعالیٰ فرماتا فال نعلتہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حملتہ (کبوتر) اور شاة (بکری) کی طرح نعلتہ کا اطلاق

بھی ذکر اور مؤنث دونوں پر ہوتا ہے اور ان کو تکریر اور متنازع کرنے کے لیے ذکر یا مؤنث کی تکریر میں لائی جاتی ہیں۔
 ہے ہو شافہ (وہ بکرا ہے) یا ہی شافہ (وہ بکری ہے) اور جوئی نضر ذکر ہو اور اس میں نقلی تائید ہو اس کے لیے مؤنث فعل
 یا مؤنث ضمیر نہیں لائی جاتی مثلاً یہ نہیں کہا جاتا کہ قاتل طلحہ یا قاتل حمزہ سواگر یہ جوئی ذکر ہوتی اور اس میں صرف
 نقلی تائید ہوتی تو قاتل نعلہ کہا جاتا اور قاتل نعلہ نہ فرمایا جاتا اور قاتل نعلہ فرماناس کی دلیل ہے کہ یہ جوئی مؤنث
 تھی۔ (روح البیان ج ۶ ص ۳۸۸-۳۸۷ مطبوعہ دارالحدیث المشرقی بیروت ۱۴۲۱ھ)

قنادہ اور امام اعظم کا یہ قصہ ان کتابوں میں بھی ہے: الکشاف ج ۳ ص ۳۶۱ تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۳۸ شیخ زادہ علی
 ابیہادی ج ۶ ص ۳۸۵ قنادہ بن عامر سدوسی تابعی ہیں۔ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت
 کی ہیں اور یہ بدیل بن مسیرہ العقلمی کے معاصر ہیں۔ صحاح ستہ کے تمام مصنفین ان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔
 امام محمد بن سعد نے ان کو اہل بصرہ کے طبقہ ثالث میں شمار کیا ہے۔ مگر بن عبد اللہ المرونی نے کہا وہ اپنے زمانہ کے سب سے قوی
 حافظ تھے ابوہوانہ نے کہا میں نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں تیس سال سے نوے دے رہا ہوں لیکن میں نے کوئی ٹوٹی
 اپنی رائے سے نہیں لکھا یہ ستاون سال کی عمر میں واسطہ کے طاعون میں فوت ہو گئے تھے۔ ان کا سن وفات ۱۱۷ھ ہے۔

(تہذیب الکمال ج ۱۵ ص ۲۳۳-۲۳۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ محمد بن یوسف ابوہامان اندلسی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

فصل (قاتل) کے مؤنث ہونے کی وجہ سے نملہ مؤنث ہو (جیسا کہ امام اعظم کی تقریر میں ہے) نحو یوں کا کلام اس کے
 خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ خبر دینے کے سوائے کا مؤنث ہونا معلوم نہیں ہو سکتا اور علامہ زحیری نے نملہ کو الحماۃ اور اللثاق
 کے ساتھ جو تشبیہ دی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے درمیان ایک قدر مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ان دونوں کا ذکر اور مؤنث
 دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے اور ان میں ایک فرق بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ الحماۃ اور اللثاق کے ذکر اور مؤنث میں مفت کے
 ساتھ تیز حاصل ہو جاتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے ذکر حملہ اور مؤنث حملہ اور ضمیروں سے ان کو تمیز نہیں کیا جاتا مثلاً یوں کہا جاتا
 هو حملہ اور صی حملہ اور نملہ اور نملہ میں ذکر اور مؤنث کی تیز صرف خبر کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اور اس کا حکم وہ ہے جو
 ذوالفعل میں سے مؤنث پانہ کا حکم ہوتا ہے جیسے المرقاة یا غیر ذوی الفاعل میں سے مؤنث پانہ کا حکم ہوتا ہے (اس لیے اس
 کے ساتھ مؤنث کے صیغے لائے جاتے ہیں) ہاں اگر فعل اور فاعل کے درمیان فصل ہو جائے تو پھر جائز ہے کہ فعل کے ساتھ
 تائید کی علامت لائی جائے یا نہ لائی جائے جیسا کہ نحو یوں نے علم مؤنث کا حکم بیان کیا ہے۔

(انوار اللیخ ج ۸ ص ۲۲۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ سلیمان الجمل التوفی ۱۲۰۳ھ لکھتے ہیں:

زحیری نے جو امام ابوحنیفہ کا قول نقل کیا ہے شیخ نے اس کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ قاتل کے ساتھ تائید کا لگنا اس
 کی دلیل نہیں ہے کہ نملہ مؤنث ہے بلکہ نملہ ذکر کے ساتھ بھی قاتل کہا درست ہے کیونکہ نملہ میں ذکر اور مؤنث کی تیز فعل
 کی تکریر اور تائید سے نہیں ہوتی بلکہ خبر سے حاصل ہوتی ہے۔ (نہج)

(معانی الجمل علی الجلالین ج ۳ ص ۳۰۶-۳۰۵ مطبوعہ المکتبۃ النہج بیروت)

علامہ احمد بن محمد الصادق المالکی التوفی ۱۲۲۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کے استدلال پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ فعل (قاتل) کے ساتھ تا کا لاحق ہونا نملہ کے مؤنث ہونے

حالات میں کرتا کیونکہ مسئلہ میں تاہدیت کے لیے ہے تاہیث کے لیے نہیں ہے لہذا امام ابوحنیفہ کی دلیل مفید عن ہے نہ کہ مفید تحقیق۔ (حلیۃ الصادق علیہ السلام ج ۳ ص ۱۳۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۳۱ھ)

نواب صدیق بن حسن بن علی قزوینی متوفی ۱۳۰۷ھ نے امام اعظم اور قتادہ بن دعامہ کا مکالمہ نقل کر کے اس پر علامہ ابوالمہان اندلسی کی بحث لکھی ہے پھر کہا ہے کہ یہ جموعہ قصہ ہے اس طرح اس چیز کی کے نام کے متعلق جو اقوال نقل کیے گئے ہیں ان کو بھی جموعہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ان ابھات میں مشغول ہونا ہے فائدہ ہے۔

(فتح البیان ج ۵ ص ۱۲۳ مطبوعہ دار الکتب مطبوعہ بیروت ۱۳۸۰ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ابن المہیر نے کہا اگر یہ قصہ واقعی ثابت ہو تو مجھے امام ابوحنیفہ پر تعجب ہوگا اس لیے کہ مسئلہ کا حرامہ اور شاقہ کی طرح ذکر اور مؤنث پر اطلاق کیا جاتا ہے کیونکہ یہ اسم جنس ہے اس لیے مذکر مؤنث اور مؤنث مذکر کہا جاتا ہے جیسے مذکر حرامہ اور مذکر شاقہ اور مؤنث حرامہ اور مؤنث شاقہ کہا جاتا ہے پس یہ لفظ مؤنث ہے اور اس کا معنی اس کے لفظ کی جہ سے مؤنث بھی ہو سکتا ہے خواہ اس کا اطلاق ذکر پر ہو بلکہ وہی صبیح اور مستعمل ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا یضمی بعرء ولا عمیاء ولا عصفاء۔

جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤنث بکریوں کی یہ صفات بیان کی ہیں جبکہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ نہ ایسی بکریوں کی قربانی کی جائے نہ ایسے بکروں کی لہذا قرآن مجید میں جو حالت مسئلہ ہے اس میں تائید لفظی کی رعایت کرتے ہوئے قوت فرمادہ ہے اور معنی کے اعتبار سے وہ چیز بھی ہو سکتی ہے اور مؤنث بھی نہیں ہے کیسے ہو سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس چیز کوئی کے ذکر یا مؤنث ہونے کا سوال کیا ہو اور قتادہ بن دعامہ سدوی جیسے عقیم عالم کو سکت کر دیا ہو اور حق کے مشابہ بات یہ ہے کہ یہ تصحیح نہیں ہے۔

ابن حاجب نے امام اعظم کے استدلال پر یہ اعتراض کیا ہے کہ مسئلہ کے ساتھ مؤنث فعل قاتل لانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مسئلہ مؤنث ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مذکر چیز کوئی کا نام مسئلہ رکھ دیا ہو اور اس میں بالفاظ تائید کے لیے ہو اور اس صورت میں تائید لفظی کی وجہ سے فعل مؤنث لایا گیا ہو جیسے جساء ت الطلحة میں ہے بعض اصناف نے امام اعظم کی طرف سے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ اس طرح پھر جساء ت طلحة کہنا بھی جائز ہونا چاہیے کیونکہ اس میں بھی تائید لفظی ہے اور یہ مذکر کا نام ہے لیکن اس جواب پر یہ اعتراض ہے کہ اسامہ اعلام کی تائید کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ ان میں لفظ کا نہیں صرف معنی کا اعتبار ہوتا ہے اور مطلقہ اسامہ اعلام میں سے ہے لیکن ابن حاجب کا یہ اعتراض اس لیے مدفع ہے کہ انہوں نے خود اپنی کتاب کے شروع میں لکھا ہے کہ جب مؤنث لفظی کے ساتھ کسی مذکر کا نام رکھا جائے تو شرط یہ ہے کہ وہ مؤنث لفظی تین حرف سے زائد ہو اور مسئلہ کا مادہ فعل تین حرف سے زائد نہیں ہے۔

(میں کہتا ہوں کہ ابن حاجب نے مطلقہ مذکر کا نام رکھنے کی یہ شرط بیان نہیں کی بلکہ غیر منصرف کا سبب بننے کے لیے یہ شرط رکھی ہے اسی لیے انہوں نے کہا ہے کہ قدم مؤنث لفظی ہے کیونکہ اس کے مقابلہ میں زائد نہیں ہے لیکن جب کسی مذکر کا نام قدم رکھ دیا جائے تو وہ منصرف رہے گا اس لیے کہ قدم تین حرف سے زائد نہیں ہے۔ لہذا ابن حاجب کا اعتراض صحیح ہے۔

(سعیدی غفرلہ)

علامہ آلوسی مزید لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جب تم شافعی اور حنفی کے ذکر کا ارادہ کرنا ہو
 ہو ہذا شافعی اور ہذا ہنفی یعنی جب بکر اور نعل مراد ہو اور جب اس سے مؤنث کا ارادہ کرو تو کہتے ہو ہذا شافعی
 ہنفی ' علامہ طبری نے بھی اس جواب کو پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ صحیح وہی ہے جو امام ابوحنیفہ نے کہا ہے۔

الکشف میں مذکور ہے کہ نملہ میں تاوعدت کے لیے ہے سو یہ مؤنث لغتی کے حکم میں ہے اس کا قضا یہ ہے کہ نملہ سے
 مراد مذکر بھی ہو سکتا ہے اور اس کے ساتھ جو مؤنث فعل (قالت) لایا گیا ہے ہو سکتا ہے اس وجہ سے ہو کہ نملہ سے مراد مؤنث
 حقیقی ہو یا وہ مذکر ہو اور فعل مؤنث اس وجہ سے لایا گیا ہو کہ تاوعدت لفظاً مؤنث کے مشابہ ہے یا جمعیت کے قصد کی وجہ سے
 فعل مؤنث لایا گیا ہے یعنی نملہ سے مراد نمل کی جماعت ہو اور جب تائیت اور شبہ تائیت کا معنی باقی نہ رہے تو پھر اس کے فعل
 کے ساتھ علامت تائیت لانے کی کوئی وجہ نہیں رہے گی۔ غلام یہ ہے کہ نملہ کے ساتھ مؤنث فعل (قالت) لانے کا لازماً
 مطلب یہ نہیں ہے کہ نملہ مؤنث ہے کیونکہ نملہ سے مراد مذکر چوتھی بھی مراد ہو سکتی ہے اور اس صورت میں فعل کا مؤنث ہونا
 تائیت لغتی کی وجہ سے ہو گا اور یا اس وجہ سے کہ نملہ میں تاوعدت کے لیے ہے اور قالت مؤنث کا مینہ اس لیے ہے کہ تاو
 وعدت تائیت کے مشابہ ہے اور یا اس لیے کہ اس سے جماعت نمل مراد ہے اور نملہ قول یہ ہے کہ یہ حکایت صحیح نہیں ہے کیونکہ
 امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقام کو تو تم پہچانتے ہو خواہ وہ اس وقت تو عمر لڑے تھے اور قتادہ بن عامر سعدی کے حقیقی علم رجال
 کے ماہرین کا اجماع ہے کہ وہ عربی زبان پر خوب بسمت رکھتے والے تھے اس لیے ان کے حقیقی جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے
 اس کا ان سے صادر ہونا مکمل بعید ہے۔ (روح المعانی ج ۱۹ ص ۲۶۵-۲۶۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۱ھ)

انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا اور ان کے اصحاب کا محفوظ ہونا

اس چوتھی نے کہا 'اے چوتھیو! اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ' کہیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں جھیں روند نہ
 ڈالے۔

امام فخرالدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی سڑک پر جا رہا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو ٹریفک کے حادثات سے
 بچانے کے لیے پیچھے سے آنے والے تیز رفتار دھڑکی کی زد میں آنے سے محفوظ رکھے اور اس کے لیے ہر ممکن تدبیر کو اختیار کرنے
 کیونکہ ابھی حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر تین میل دور تھا تو چوتھیوں کی ملکہ نے چوتھیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے بلوں میں گھس
 جائیں۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۲۹)

امام رازی کا یہ قول چوتھیوں کے بارے میں درست ہے لیکن اس آیت کا انسانوں پر اطلاق کرنا درست نہیں ہے بلکہ
 پیچھے سے آنے والی گاڑیوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی حد رفتار کو قابو میں رکھیں اور ڈرائیور اس قدر تیز رفتاری سے گاڑیاں نہ چلائیں
 کہ وہ بے قابو ہو کر آگے جانے والے کسی شخص کو ٹکرا کر ہلاک کر دیں اور جس شخص کی تیز رفتار گاڑی کی زد میں آ کر کوئی
 مسلمان ہلاک ہو گیا تو اس کو اس ہلاک ہونے والے مسلمان کے ورثہ کو دیات ادا کرنی ہوگی اور کفار سے میں دو ماہ کے مسلسل
 روزے رکھنے ہوں گے جیسا کہ النساء ۹۳ کا قضا ہے۔

اس آیت سے جو دوسرا مسئلہ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور ان کے اصحاب محفوظ ہیں کیونکہ اس
 چوتھی نے یہ کہا کہیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں جھیں روند نہ ڈالے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس چوتھی کا یہ اعتقاد تھا کہ
 حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے اصحاب دانستہ اور عمدہ انجینئروں کے پاؤں تلے نہیں روندیں گے البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ

ان صحابہ سے کہا سرزد ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے وفات سے پہلے ان کو توبہ کی توفیق دے دی ان پر حدود جاری کی گئیں اور انہوں نے توبہ کر لی سودہ گناہوں سے پاک ہو گئے ان کے علاوہ اور جن صحابہ سے کہا نہ کہ صدور ہوا ان پر بھی حد جاری کی گئی اور انہوں نے توبہ کر لی اور اگر ان جرائم پر حد نہیں تھی اور انہوں نے دیے ہی توبہ کر لی تو وہ پاک اور صاف ہو گئے غرض یہ کہ بعض صحابہ سے بشری تقاضے سے کبیرہ سرزد ہوئے ان پر حد جاری کی گئی یا انہوں نے توبہ کر لی اور وہ ان گناہوں سے پاک اور صاف ہو گئے اور ان صحابہ کے گناہ بھی درجہ میں ہماری نیکیوں سے بڑھ کر ہیں کیونکہ ان کے گناہوں کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں حد جاری ہونے کا اسودہ اور نمونہ تحقیق ہوا اور اسی وجہ سے کئی آیات نازل ہوئیں اور بہت سے شرعی احکام اور مسائل معلوم ہوئے۔

مسافت بعیدہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کا چوٹی کو کیسے شعور ہوا اور آپ نے اس کا کلام کیسے سن لیا

امام حسین بن مسعود البغوی الترمذی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

جب چوٹیوں کی ملکہ نے کہا: اے چوٹیو! اپنے اپنے بلوں میں تمس جاؤ کہیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں روند نہ ڈالے تو حضرت سلیمان نے ان کی یہ بات سن لی اور اللہ کی حقوق میں سے جو بھی کوئی بات کرتی تھی تو ہوا اس بات کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے کانوں میں پہنچا دیتی تھی۔

مقابل نے کہا حضرت سلیمان علیہ السلام نے چوٹی کی بات کو تین میل کی مسافت سے سن لیا تھا اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر تو تخت پر تھا اور ہوا ان کو اڑا کر لے جا رہی تھی اور جب وہ فضا میں تھے تو ان سے چوٹیوں کو روندنا کس طرح تصور ہو سکتا تھا حتیٰ کہ چوٹیوں کی ملکہ کو ان سے ڈرانے کی ضرورت پیش آتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام تخت پر ہوا میں پرواز کر رہے تھے اور ان کا لشکر سواروں اور پیادوں پر مشتمل تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کے سفر کرنے سے پہلے پیش آیا ہو۔ بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام وادی نمل میں پہنچے تو آپ نے اپنے لشکر کو روک لیا حتیٰ کہ چوٹیاں اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو گئیں۔ (معالم بشری ج ۳ ص ۳۹۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس چوٹی کا کلام حضرت سلیمان علیہ السلام کا مجروح تھا جیسے گوہ اور بکری کے گوشت کا کلام کرنا ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مجروح تھا مقابل نے کہا حضرت سلیمان نے تین میل کی مسافت سے چوٹی کا کلام سن لیا تھا اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ چوٹی کو بھی اتنے فاصلے سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کے آنے کا پتا چل گیا تھا۔ حضرت سلیمان کا اتنے فاصلے سے چوٹی کی بات کو سن لینا بعید نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ آثار میں ہے ہوائے ان تک یہ بات پہنچا دیتی تھی یا اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی قوت قدسیہ عطا کی تھی جس سے انہوں نے یہ بات سن لی تھی لیکن چوٹی کا اتنی مسافت سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو محسوس کر لینا بعید ہے اور عربوں میں مشہور ہے کہ چڑی بھی دور دراز سے محسوس کر لیتی ہے اور تم کو معلوم ہے کہ اس خبر کی صحت کا انکار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ایک قول یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کوئی آواز مطلقاً نہیں سنی تھی۔ چوٹی کے دل میں جو بات تھی اللہ تعالیٰ نے اس کا ان کے دل میں الہام کر دیا تھا۔

اس بحث کے آخر میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں: تم کو معلوم ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں ان تاویلات کی کوئی ضرورت نہیں

يَعْلِيٰ شَيْخًا ۚ اِنَّ هٰذَا الْكَفٰى وَتَجَنَّبْهَا ۝ (ص: ۷۲-۷۱)

دی ۵ اس نے کہا اے ہے! کیا میں پچھنوں گی حالانکہ میں بلا ہوں اور میرا یہ شوہر بھی یوزرا ہے بے شک یہ بہت عجیب بات ہے۔

اور مذاق اڑانے کے لیے شک کے اطلاق کی مثال یہ آیات ہیں:
فَاتَّخَذَ شَرِيْقُهُمْ صَفِيْرًا حَتّٰى اَسْوَدَ وَكَوْنِيْ وَكُنْتُمْ
جَنَّتُهُمْ تَصْحٰكُوْنَ ۝ (المومن: ۱۱۰)

سو (اے کارو!) تم ان (نیک بندوں) کا مذاق ہی اڑاتے رہے حتیٰ کہ ان چیزوں نے تم کو سمیری یاد (جسی) بھلا دی اور تم ان پر ہنسنے لگی رہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰجَبُوْهُوا كَاٰثُوْرِيْنَ الَّذِيْنَ اَعْتَبُوْا
يَصْحٰكُوْنَ ۝ (المطففين: ۲۹)

بے شک کفار مومنوں پر ہنسا کرتے تھے۔

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْ الْكُفْرِ يَصْحٰكُوْنَ ۝
(المطففين: ۳۳)

سو آج مومنین ان کافروں پر ہنسی لگے۔

(المغرات ج ۲ ص ۳۸۱ مصلحہ سلیبہ مکتبہ زور معنی الہامیہ مکہ ۱۳۸۸ھ)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکرانے اور ہنسنے کے متعلق احادیث

حضرت ۷ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی اس طرح ہنسنے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے منہ کا اندرونی حصہ حلق تک نظر آئے آپ صرف مسکرایا کرتے تھے۔ (یعنی اکثر اوقات)

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۶۰۹۶ صحیح مسلم رقم الحدیث ۶۹۹۱ سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۵۹۹۱ مسند احمد ج ۶ ص ۶۶۱ شرح السنن رقم الحدیث ۳۵۹۵)
حضرت عبداللہ بن حارث بن جزہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۶۶۱ مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۱ شرح السنن رقم الحدیث ۳۵۹۶)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میں اس شخص کو ضرور جانتا ہوں جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا اور میں اس شخص کو ضرور جانتا ہوں جو سب سے آخر میں دوزخ سے نکالا جائے گا ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور کہا جائے گا اس کے سامنے اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کرو اور اس سے اس کے بڑے بڑے گناہ چھپائے جائیں گے اس سے کہا جائے گا کہ تو نے فلاں فلاں دن میں کیا کیا تھا؟ وہ اقرار کرے گا اور کسی گناہ کا انکار نہیں کرے گا اور وہ اپنے بڑے بڑے گناہوں سے ڈر رہا ہوگا پھر کہا جائے گا اس کے ہر گناہ کے بدلہ میں اس کو نیکی دے دو وہ کہے گا میرے تو اور بھی گناہ ہیں جن کو میں اس وقت یہاں نہیں دیکھ رہا حضرت ابوذر نے کہا پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر ہنسنے ہوئے دیکھا کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں۔

(صحیح مسلم ابی یوسف: ۳۱۵-۳۱۳ سنن الترمذی رقم الحدیث ۵۹۹۶ مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۷ سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۶۰۹۶)
۱۹۰ شرح السنن رقم الحدیث ۳۳۹۰)

اس حدیث میں جو فرمایا ہے جو شخص سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا اس سے مراد ہے جو شخص گناہ گار مسلمانوں میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا اور نہ علی الاطلاق سب سے پہلے جنت میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوں گے اور جو شخص سب سے آخر میں دوزخ سے نکالا جائے گا یہ وہ شخص ہے جس کا حضرت ابن مسعود کی روایت (بخاری: ۶۵۷۱) میں ذکر

آ رہا ہے اور اس حدیث میں جو اس کو دوزخ میں سب سے آخر میں نکالے جانے والے کا ذکر ہے یہ صرف ترمذی میں ہے اور یہ امام ترمذی کا تسامع ہے اور صحیح مسلم میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ (بیئ الواسط ج ۳ ص ۲۱)

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سے میں اسلام لایا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے اوچل نہیں ہوئے اور آپ جب بھی مجھے دیکھتے تھے جنتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۳۶-۳۰۳۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۵ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۲۰ مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۸ مسند احمدی رقم الحدیث: ۱۸۰۰ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۲۱۹ شرح السنہ: ۳۳۴۹)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس شخص کو بیعت نہ ہوں جس کو سب سے آخر میں دوزخ سے نکالا جائے گا دوسرین کے علی گھشتا ہو اور دوزخ سے نکلے گا اس سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ وہ جنت میں داخل ہونے کے لیے جائے گا تو دیکھے گا کہ سب نے اپنے اپنے ٹھکانے بنائے ہیں اس سے کہہ جائے گا کیا تم کو وہ وقت یاد ہے جب تم دوزخ میں تھے؟ وہ کہے گا جی ہاں! پھر اس سے کہا جائے گا تمنا کرو جس وہ تمنا کرے گا پھر اس سے کہا جائے گا جو تم نے تمنا کی ہے وہ بھی اور اس سے دنیا کا اس گناہ زائد کہ لوہہ کیے گا کیا تم مجھ سے مذاق کر رہے ہو یا کہ تم فرشتے ہو! حضرت عبد اللہ نے کہا میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر ہنسے کہ آپ کی داڑھیں باہر ہو گئیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۷۱-۵۵۱۱ صحیح مسلم الامان: ۱۸۶۱ رقم الحدیث: ۳۰۸۶-۳۰۹۶ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۵ سنن ابن جریر رقم الحدیث: ۲۳۴۹ مسند احمد ج ۳ ص ۲۷۸-۲۷۹ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۱۳۹ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۳۴۹ شعب: ۱۰۷۱۳۱ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۹ شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۳۵۶)

علی بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں اس موقع پر حاضر تھا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوار ہونے کے لیے ان کے پاس سواری لائی گئی جب انہوں نے اپنا بیڑ رکاب میں رکھا تو کہا: بسم اللہ اور جب سواری کی پشت پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تو کہا الحمد للہ پھر کہا: سبحان الذی صنع لنا هذا وما كنا له مقرنين وانا الي رونا لعنقلون (الزخرف: ۳) پھر تین دفعہ کہہ الحمد للہ اور تین دفعہ کہہ اللہ اکبر سبحانک انی ظلمت نفسي فاغفر لی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت پھر ہنسے میں نے ان سے پوچھا آپ کس وجہ سے ہنسے ہیں اے امیر المومنین؟ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے جس طرح میں نے کیا ہے پھر آپ ہنسے میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کس وجہ سے ہنسے ہیں؟ آپ نے فرمایا: بے شک تمہارا رب اپنے بندے سے اس وقت خوش ہوتا ہے جب وہ دعا کرتا ہے وہ اب اغفر لی ذنوبی "اے میرے رب میرے گناہ بخش دے" کیونکہ بندے کو یقین ہوتا ہے کہ اس کے سوا اور کوئی اس کے گناہوں کو نہیں بخشے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۰۴ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۶ مسند احمد ج ۳ ص ۹۷ مسند عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۹۳۸۰ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۳۶ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۳۸۰ کتاب الدعاء للعلی رقم الحدیث: ۷۸۷۷-۷۸۷۸ مسند احمد ج ۳ ص ۹۹ سنن کبریٰ للعلی ج ۵ ص ۲۵۲ کتاب الدعاء للعلی ص ۲۷۱ شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۳۴۳-۳۳۴۲)

انسان کے والدین کی نعمتوں کا بھی اس کے حق میں نفع ہوتا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور (سلیمان نے) دعا کی اے میرے رب! تو نے مجھے اور میرے والد کو جو نعمتیں عطا کی ہیں مجھے ان کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ اور مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ جس سے تو راضی ہے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے۔ (الزلزلہ: ۱۹)

وزع کا سنی ہے تقسیم کرنا اور اوزعنی کا سنی ہے میری قسمت میں کروئے مجھے تو فی حاشا مجھے قائم رکھو اور مجھے الھام فرما۔ (المفردات ج ۱ ص ۶۷۶)

جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے جینی کا کام سنا اور اپنے لشکر کو دیکھا تو اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور یہ دعا کی کہ مجھے شکر ادا کرنے پر قائم رکھو اور اس پر مجھ کو حضرت عمر بن عبدالمطلب نے کہا نعمت وحیہ ہے اور بھاگ جانے والی ہے اس کو ادا نہ کیجئے شکر کے ساتھ پابندہ کر رکھو۔ (درساہ ابن ابی اللہ ج ۱ ص ۳۳) حضرت سلیمان کو ظلم نبوت ملک محل اور پرندوں کے کام کی فہم کی نعمت عطا کی تھی اور ان کے والد حضرت داؤد کو نبوت پہنچاؤں اور پرندوں کی فصیح کی فہم اور لوہے سے زور بخنے کی نعمت عطا کی تھی۔ حضرت سلیمان نے اپنی نعمتوں کے ساتھ اپنے والد کی نعمتوں کا بھی شکر ادا کیا کیونکہ انسان کے والد کی نعمتیں بھی اس کے حق میں نعمتیں ہوتی ہیں اس لیے انہوں نے اپنی اور اپنے والد کی دونوں نعمتوں کا شکر ادا کیا اور یہ دعا کی کہ تو اپنی رحمت سے مجھے اپنے صالح بندوں میں داخل کر لے۔ صالح بندوں سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور وہ لوگ جو انبیاء علیہم السلام کے تبعین ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام پر اپنی نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد یہ حکم دیا تھا:

وَاسْمَعُوا آتَانَ دَاوُدَ وَشُلُوعًا وَحَبِيبًا وَحَبِيبًا
اے آل داؤد (ان نعمتوں کا) شکر ادا کرو اور میرے بندوں میں سے شکر ادا کرنے والے بہت کم ہیں۔

سور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس حکم پر عمل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

ادائیگی شکر کا طریقہ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو کہا مجھے ان (نعمتوں) کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھو اس سے ان کی مراد دل اور زبان سے شکر ادا کرنا ہے اور انہوں نے جو فرمایا اور مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھو اس سے مراد جسم کے باقی اعضاء کا ہرہ سے شکر ادا کرنا ہے تاکہ شکر کامل ہو جائے کیونکہ شکر کا سنی ہے دل زبان اور اعضاء کا ہرہ سے نعمت دینے والے کی تعظیم کرنا بعض علماء نے کہا حضرت سلیمان نے اپنی دعا میں پہلے ایک خاص چیز کا سوال کیا کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہیں پھر عام چیز کا سوال کیا کہ وہ نیک عمل کریں پھر اعمال صالحہ کے ساتھ یہ قید بھی لگائی کہ وہ ایسے اعمال صالحہ ہوں جن سے تو راضی ہو اور رضا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اعمال صالحہ کو قبول فرمائے کیونکہ اعمال صالحہ کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبول بھی فرمائے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَأَن تَلْعَلِيْمٌ تَبْنِيْ أَيْدِيْكَ بِالْحَيِّ رُفْقًا وَرَافِقًا
فَتَقْبَلُ مِنْ أَسَدِيْهِمَا وَأَنْ تَقْبَلُ مِنْ أَسَدِيْهِمَا
اور ان کو آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ حق کے ساتھ سنا نہیں جب ان دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی قربانی قبول نہیں کی گئی۔ (المائدہ: ۲۷)

باطل اور قاتل دونوں نے قربانی کی تھی۔ باطل کی قربانی قبول کر لی گئی اور قاتل کی قربانی قبول نہیں کی گئی حالانکہ دونوں کے عمل صالح تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نیک عمل کرنے کے بعد اس کے قبول ہونے کی دعا کرتے تھے قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِيْ شَرَّ النَّاسِ لِقَافِلِهِمْ أَلْقُوا مِنْ أَيْدِيْهِمْ
مَّا تَبْنِيْ قَاتِلِينَ وَمَا أَتَى السَّمِيعُ الْعَلِيمُ
اور جب ایسا حکم اور اسٹیل کعب کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور دیواریں بلند کر رہے تھے (تو یہ دعا کرتے تھے) اے ہر سچے

تو ہم سے (اس عمل کو) قبول فرما ہے فلک تو ہی بہت سننے والا
سب کچھ جانتے والا ہے۔

حضرت سلیمان کا اپنے جد کریم کی اتباع میں جنت اور بعد از وفات شہ جہیل کی دعا کرنا

علامہ ذخری حنفی ۵۳۸ھ نے کہا حضرت سلیمان نے دعا میں جو یہ کہا اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے اس کا معنی ہے مجھے اہل جنت سے کر دے (الکشاف ج ۳ ص ۳۳۳ دارالادب والخرات مصر ج ۱۳۷۷) اور علامہ اسماعیل حنفی حنفی ۱۱۳۷ھ نے کہا یہاں مفعول مقدر ہے یعنی اپنی رحمت سے مجھے جنت میں داخل کر دے اور ان دونوں توجیہات کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان نے جب دعا میں یہ کہا کہ مجھے اعمال صالحہ کی توفیق دے تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ مجھے اپنے صالح بندوں میں داخل کر لے کیونکہ جو اعمال صالحہ کرے گا وہ صالح بندہ ہی ہوگا۔ اس کا علامہ ذخری نے یہ جواب دیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے اہل جنت سے کر دے تاکہ اس آیت میں تکرار لازم نہ آئے اور جب اعمال صالحہ کی طلب کے بعد جنت کی طلب کی تو گویا اعمال صالحہ پر دوام کو طلب کیا کیونکہ صرف اعمال صالحہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اعمال صالحہ دائمی بھی ہوں۔

نیز اعمال صالحہ کے بعد جنت کی دعا کر کے یہ بتایا کہ کسی شخص کا اعمال صالحہ سے متصف ہونا اس کے جنتی ہونے کو مستلزم نہیں ہے اور نہ جنتی ہونے کے لیے کافی ہے کیونکہ جنت تو صرف اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتی ہے حدیث میں ہے:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا آپ سے کہا گیا یا رسول اللہ آپ کو بھی نہیں آپ نے فرمایا: اور نہ مجھے سوا اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث ۶۸۱۹ رقم المسلسل ۶۹۸۰ صحیح بخاری رقم الحدیث ۵۶۷۳ مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۲ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۵۶)
کنز العمال رقم الحدیث ۵۳۱۵۰۳۸۵۳۱۵ (۹۶ ص ۹۶)

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو دعا میں کہا اپنی رحمت سے مجھے داخل کر دے اس میں بھی اسی طرف اشارہ ہے قرآن مجید کی بعض آیتوں میں ہے اور تسموھا بما کسبتم تعملون (الاعراف ۱۲۳/۱۲۴) جنہیں اپنے عملوں کی وجہ سے جنتوں کا وارث بنایا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جنت میں دخول کا ظاہری سبب نیک اعمال ہیں اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہو تو انسان نیک عمل نہیں کر سکتا۔ ان آیات میں دخول جنت کے ظاہری سبب کا ذکر فرمایا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس دعا میں اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں دخول جنت کے حقیقی سبب کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو دخول جنت کی دعا کی ہے اس میں اپنے جد کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر عمل کیا ہے کیونکہ آپ نے بھی دخول جنت کی دعا کی تھی:

وَأَسْأَلُكَ مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ۝

(البقرہ: ۸۵)

نیز حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو دعا کی ہے "مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما دے" یعنی جب ان نیک بندوں کا ذکر کیا جائے تو میرا بھی ذکر کیا جائے گویا مجھے ایسے اعمال صالحہ عطا فرما کہ ان اعمال صالحہ کی بنا پر بعد کے

لوگ میرا شمار صالحین میں کریں کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر عمل صالح کرنے والے کا شمار صالحین میں کیا جائے۔ ہر عمل نیک عمل کرتے ہیں لیکن ان کا شمار صالحین میں نہیں کیا جاتا۔ مقصد یہ تھا کہ بعد میں بھی آپ کی شمار جمل اور حسین ہوتی رہے۔
اس دعا میں بھی آپ نے اپنے جد کریم کی اتباع کی ہے کیونکہ حضرت ابراہیم نے اپنی دعا میں کہا تھا:
وَأَجْعَلْنِي لِي لِسَانٍ وَذَقْنِي فِي الْآخِرَةِ ۝
اور میرا ذوق خیر بعد کے لوگوں میں بھی باقی رکھ

(اشعر: ۸۴)

انبیاء علیہم السلام اپنے صالح ہونے کی دعا کیوں کرتے تھے

ایک اعتراض یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے درجات اولیاء اور صالحین کے درجات سے بلند ہوتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام صالحین کے زمرہ اور ان کی جماعت میں دخول کی دعا کرتے تھے؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی:
تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّكَ أَعْيُنُكَ بِالطَّلِحِ ۝
مجھے اسلام پر وقاوت دینا اور صالحین کے ساتھ ملا دینا

(یوسف: ۱۰۱)

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی یہ دعا کی:

وَأَذْهَبْنِي بِرَحْمَتِكَ إِلَىٰ عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ۝
اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے صالح بندوں میں داخل فرما

(اقبل: ۱۹) —

علامہ القسطلی متوفی ۷۲۷ھ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ صالح کامل وہ شخص ہے جو نہ معصیت کرے اور نہ معصیت کا ”حم“ کرنے (حم سے مراد ہے عزم سے کم درجہ کا ارادہ جس میں غالب جانب ہلنے کرنے کی ہو اور مطلوب جانب فعل نہ کرنے کی ہو) اور یہ بہت بلند درجہ ہے۔ (تحریر کبریٰ ص ۵۴۹ مطبوعہ دارالمنار، بیروت ۱۳۵۷ھ)
علامہ ابوالیمان اندلسی متوفی ۵۴۷ھ اور علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے بھی اسی جواب کا ذکر کیا ہے۔

(انجمن المجلد ۸ ص ۲۲۲ روح البیان ج ۶ ص ۳۳۸)

اس جواب پر یہ اعتراض نہ کیا جائے انبیاء علیہم السلام نے جو صلاح کامل کے بلند درجہ کی دعا کی ہے اس سے معصوم ہونا ہے کہ ان کو یہ درجہ حاصل نہیں تھا کیونکہ اس دعا سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو یہ درجہ حاصل نہ ہو جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں دعا کی اِذْهَبْنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (القادر: ۵۰) ”ہم کو سیدھے راستہ پر چلا“ حالانکہ آپ سیدھے راستہ پر ہی چل رہے تھے تو اس دعا سے مقصود صراطِ مستقیم پر دوام اور ثبات کو طلب کرنا ہے یا اس میں حریز ترقی کو طلب کرنا ہے اسی طرح جب انبیاء علیہم السلام صلاح کامل کو طلب کرتے ہیں تو ان کا مقصود صلاح کامل کے درجہ میں دوام اور ثبات کو طلب کرنا ہوتا ہے اور اس میں حریز ترقی کو طلب کرنا ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ جو اولیاء اور صالحین ہوتے ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کے صلاح کامل کے درجہ پر فائز نہیں ہوتے بلکہ اس سے کم درجہ پر ہوتے ہیں یعنی وہ بالعموم معصیت تو نہیں کرتے لیکن معصیت کے ”حم“ سے محفوظ اور مامون نہیں ہوتے سو انبیاء علیہم السلام نے صلاح کامل کے درجہ کی دعا کی ہے اور یہ دیگر اولیاء اور صالحین کی صاحت سے بلند درجہ ہے جس کو علامہ القسطلی وغیرہ نے صلاح کامل سے تعبیر فرمایا ہے۔

اور علامہ شہاب الدین احمد بن محمد غفاری متوفی ۱۰۶۹ھ نے اس اعتراض کے جواب میں کہا ہے کہ ہر چہ کہ انبیاء علیہم السلام کا درجہ اولیاء اور صالحین سے بہت بلند ہوتا ہے لیکن انبیاء علیہم السلام نے جو یہ دعا کی کہ ہم کو صالحین کی جماعت میں داخل کر دے تو یہ ان کی تواضع اور ان کا انکسار ہے۔ (مجموع الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۳۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۰۷ھ)

اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے یہ کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلے دعا میں کہا: تو نے مجھے اور میرے والد کو جو نعمتیں عطا کی ہیں مجھے ان کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ اور مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ جن سے تو راضی ہے دعا کے اس حصہ میں یہ طلب کیا کہ مجھے حقوق اللہ کی ادائیگی کی توفیق دے اور جب کہا مجھے اپنی رحمت سے صالح بندوں میں داخل کر دے تو یہ طلب کیا کہ مجھے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی توفیق دے کیونکہ صالحیت دونوں حقوق کی ادائیگی سے حاصل ہوتی ہے سو یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۷۷۱ ص ۷۷۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

شیخ اور امام یا امیر کی معرفت اور اس کی بیعت اور اطاعت کا ضروری ہونا

صوفیاء کرام نے کہا ہے کہ جو شخص ہوائے عشق کے پرندوں میں سے ہوگا وہی پرندوں کی زبانوں کو سمجھے گا اور جو شخص اپنے وقت کے سلیمان کو نہیں دیکھے گا وہ ان آوازوں کے معانی کو کیسے سمجھ سکے گا اور سلیمان سے مراد مرشد کامل ہے جس کے ہاتھ میں حقیقت کی انگوٹھی ہوتی ہے جس سے وہ دونوں کی ملکیت کی حفاظت کرتا ہے اور غیوب کے اسرار پر مطلع ہوتا ہے پھر ہر چیز اس کی خوشی یا ناخوشی سے اطاعت کرتی ہے جو ناخوشی سے اطاعت کرتے ہیں وہ بہ منزلہ شیاطین ہیں انہیں مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ امام عصر کی معرفت حاصل کرے اور وہ اس کی بیعت اور اطاعت کرے اس سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے متعلق سوال کرتے تھے اور میں آپ سے شر کے متعلق سوال کرتا تھا مبادا میں کسی شر میں مبتلا نہ ہو جاؤں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم زمانہ جاہلیت میں شر میں تھے پھر اللہ تعالیٰ ہمارے پاس اس خیر کو لے آیا آیا اس خیر کے بعد پھر شر ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے پوچھا آیا اس شر کے بعد پھر خیر ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! لیکن اس خیر میں کچھ کمزورت ہوگی میں نے عرض کیا وہ کمزورت کیسی ہوگی؟ آپ نے فرمایا لوگ میری سنت کی اتباع نہیں کریں گے اور میری ہدایت کے خلاف عمل کریں گے ان میں اچھی اور بری دونوں باتیں ہوں گی میں نے پوچھا آیا اس خیر کے بعد پھر کوئی شر ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! کچھ لوگ دوزخ کے دروازوں پر کھڑے ہوں گے اور لوگوں کو بلائیں گے جو ان کے پاس چلا جائے گا وہ اس کو دوزخ میں ڈال دیں گے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمیں ان لوگوں کے اوصاف بیان کیجئے آپ نے فرمایا ان لوگوں کا رنگ ہماری طرح ہوگا اور وہ ہماری زبانوں میں بات کریں گے میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر میں ان کا زمانہ پاؤں تو میرے لیے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا تم مسلمانوں کے امام اور ان کی جماعت کے ساتھ وابستہ رہنا میں نے عرض کیا اگر اس وقت مسلمانوں کی جماعت اور ان کا امام نہ ہو؟ آپ نے فرمایا تم ان تمام فرقوں سے الگ رہنا خواہم کوتاہیات و دشمنی کی جڑیں چنائی پڑیں اور اسی حال میں تمہیں موت آجائے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۰۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۸۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۷۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (حاکم کی) اطاعت سے نکل جائے اور جماعت کو چھوڑ دے تو وہ جاہلیت کی موت مر اور جو شخص اندھی تقلید میں کسی کے جھنڈے تلے جنگ کرے یا کسی مصیبت کی بنا پر غضبناک ہو یا مصیبت کی دعوت دے یا مصیبت کی خاطر جنگ کرے اور مارا جائے تو وہ شخص جاہلیت کی موت مرے گا اور جس شخص نے میری امت کے خلاف خروج کیا اور اچھوں اور بدوں میں کوئل کیا کسی مومن کا لحاظ کیا نہ کسی سے کیا ہوا عہد پورا کیا وہ میرے دین پر نہیں ہے اور نہ اس سے میرا کوئی تعلق ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۸۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۷۹ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۳۵۷۹)

نافع بیان کرتے ہیں کہ یزید بن معاویہ کے دور حکومت میں جب واقعہ حرہ ہوا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

بہت بڑا تخت ہے ۵۰ (آئل ۳۳-۳۰)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بدہد کی گمشدگی کے متعلق جو سوال کیا تھا اس کی وجوہ

اس آیت میں ہے: تفلقد الطیر تفلقد کے معنی ہیں گمشدہ چیز کو تلاش کرنا اور فلقہ کا معنی ہے گم ہو جانا۔

(المغربات ج ۲ ص ۳۹۵ مطبوعہ مکتبہ نذر مصلیٰ، مکہ مکرمہ ۸۰ھ)

حضرت سلیمان نے پرندوں میں سے بدہد کو گم پایا تو فرمایا: مجھے کیا ہوا کہ میں بدہد کو نہیں دیکھ رہا؟ یہ ظاہر یوں کہن چاہیے تھا کہ بدہد کو کیا ہوا وہ کیوں نظر نہیں آ رہا؟ لیکن یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا بہت مہذب اور شائستہ طریقہ گفتگو ہے کہ ظہیری نسبت اپنی طرف فرمائی۔

علامہ ابو الیمان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۵۳۷ھ لکھتے ہیں:

ظاہر یہ ہے کہ حضرت سلیمان نے تمام پرندوں کی تفتیش کی جیسا کہ بادشاہوں اور حکمرانوں کا طریقہ ہے کہ وہ تمام رعاۃ اور عوام کی تفتیش کرتے ہیں ایک قول یہ ہے کہ ان کے پاس ہر صنف سے ایک پرندہ آتا تھا تو اس روز بدہد نہیں آیا ایک قول یہ ہے کہ دھوپ میں پرندے ان پر سایہ کرتے تھے ظہور بدہد دائیں طرف سے ان پر سایہ کرتا تھا حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب دھوپ لگی تو انہوں نے بدہد کی جگہ پر دیکھا تو ان کو بدہد نظر نہیں آیا حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سفر کے دوران اسکی جگہ ظہر سے جہاں پر پانی نہیں تھا اور بدہد زمین کے ظاہر اور باطن کو دیکھتا تھا اور حضرت سیدن کو اس کی خبر دیتا تھا پھر جن زمین سے اس چیز کو نکال لیتے تھے جیسے بکری سے کھال اتاری جاتی ہے جب حضرت سلیمان جنگل میں اس جگہ ظہر سے اور انہیں پانی کی ضرورت پڑی تو ان کو بدہد کا خیال آیا کہ وہ زمین کو دیکھ کر بتائے کہ اس کے اندر پانی ہے یا نہیں تاکہ جنات سے پانی نکلوا یا جاسکے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو پرندوں کی تفتیش کی اس میں یہ دلیل ہے کہ حاکم کو رعایا کے احوال کی تفتیش کرنی چاہیے تاکہ وہ عوام کی ضروریات کو پورا کر سکے حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر دریائے فرات کے کنارے ایک بکری کو بھی بھیڑ یا اٹھ کر لے گیا تو عمرؓ سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

(میں کہتا ہوں کہ جب چھوٹے چھوٹے شہر ہوتے تھے اور ان میں انسانوں کی آبادیاں بہت کم ہوتی تھیں اس وقت حاکموں کو رعایا کے احوال کی تفتیش کی ضرورت ہوتی تھی اب تو وسیع آبادیوں پر مشتمل بہت بڑے بڑے شہر ہیں جہاں کھوکھ اور کورڈوں انسان رہتے ہیں اب اخبارات ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ لوگوں کے احوال معلوم ہوتے رہتے ہیں اور فرد فرد لوگوں کے احوال معلوم کرنا عملاً ممکن نہیں ہے۔)

پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے کیا ہے کہ میں بدہد کو نہیں دیکھ رہا اس سے یہ مفہوم نکلتا تھا کہ وہ حاضر ہے لیکن کسی چیز کی اوٹ میں ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آ رہا پھر حضرت سلیمان علیہ السلام پر یہ مشکلف ہوا کہ وہ غائب ہے اس لیے انہوں نے حکام سابق سے اعراض کر کے فرمایا: یادو غیر حاضر ہیں میں سے ہے۔

اور کشف میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت المقدس کی تعمیر کو مکمل کر چکے تھے توجہ کے لیے تیار ہوئے پھر وہ قمر میں گئے اور جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہاں رہے پھر یمن کی طرف روانہ ہونے کا قصد کیا پھر ایک دن صبح کے وقت مکہ سے نکلے اور زوال کے وقت صنعاء میں پہنچے اور یہ فاصلہ ایک ماہ کی مسافت پر تھا انہوں نے ایک خوبصورت اور سرسبز زمین دیکھی جو ان کو اچھی لگی وہ وہاں پر کچھ کھانے پینے اور نماز پڑھنے کے لیے ظہر سے اس جگہ ان کو پانی نہیں ملا اور بدہد ان کو آکر

بتاتا تھا کہ اس جگہ پانی ہے یا نہیں! پھر جس جگہ ہر جہ پانی کی نشاندہی کرتا وہاں سے جہات پانی نکال کر دیتے تھے اس
حضرت سلیمان نے ہر جہ کی طرف توجہ کی تو وہ نظر نہیں آیا لہذا فرمایا: مجھے کیا ہوا کہ میں ہر جہ کو نہیں دیکھ رہا یا وہ غیر حاضر ہیں
سے ہے۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۲۲۳-۲۲۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دینا

علامہ سید محمود آلوسی نقلی متوفی ۱۲۷۰ھ نے لکھا ہے کہ جب حج کے موقع پر حضرت سلیمان حرم شریف میں پہنچے تو آپ نے
اپنے سرداروں سے کہا: یہ وہ جگہ ہے جہاں سے نبی عربی کا ظہور ہوگا اور ان کی ایسی ایسی صفات ہوں گی ان کے اہداء کے
خلاف ان کی ہدوی جائے گی ایک ماہ کی مسافت سے ان کے دشمنوں پر ان کا رعب طاری کر دیا جائے گا اور اللہ کا پیغام سنانے
میں انہیں کسی غلامت کرنے والے کی غلامت کا خوف نہیں ہوگا سرداروں نے پوچھا یا نبی اللہ! وہ کون سے دین پر ہوں گے؟
فرمایا وہ دین حنیفہ (ادیان باطلہ سے اعرض کرنے والا دین) پر ہوں گے اس کے لیے خوشی ہو جو ان کا زمانہ پائے اور ان پر
ایمان لائے سرداروں نے پوچھا ہمارے اور ان کے ظہور کے درمیان کتنی مدت باقی ہے؟ آپ نے فرمایا تقریباً ایک ہزار
سال ہیں سو ہر حاضر کو چاہیے کہ وہ ہر عاقبت تک یہ خبر بے شکوائی دے کیونکہ وہ تمام انبیاء کے سردار ہیں اور تمام رسولوں کے خاتم ہیں
پھر انہوں نے یمن کی طرف روانگی کا قصد کیا اور ایک ماہ کی مسافت کو صبح سے زوال تک طے کر کے ایک سرسبز وادی میں پہنچے
اس جگہ ان کو پانی نہیں ملا اور پھر ان کو ہر جہ کی تلاش ہوئی۔

(روح المعانی ج ۹ ص ۲۷۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ معارف القرآن ج ۳ ص ۴۹۷)

تقدیر کا تدبیر پر غالب آتا

امام عبدالرحمن بن محمد بن اوربیس بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
مکرر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرمعونوں سے
ہر جہ کی کیوں خصوصیت سے تفتیش کی تھی؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام ایک ایسی جگہ ٹھہرے جہاں ان
کو پانی نہیں ملا اور ہر جہ انھیں نظر نہ آیا انہوں نے اس سے یہ پوچھنے کا ارادہ کیا کہ کس جگہ زمین کے اندر پانی ہے؟ تو اس کو گم پایا میں
نے کہا وہ کیسے انھیں نظر ہوگا حالانکہ بچے زمین میں دھاگے کا ایک پھندا بنا کر دبا دیتے ہیں اور اس پھندے میں اس کی گردن پھنس
جاتی ہے اور وہ اس کو شکار کر لیتے ہیں (ان کا مطلب یہ تھا کہ جب ہر جہ کو زمین کی سطح کے پاس ہی چھپا ہوا پھندا نظر نہیں آتا تو
زمین کی گہرائی میں چھپا ہوا پانی اس کو کیسے نظر آجاتا ہے؟) حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب تقدیر آتی ہے تو آنکھیں کام
نہیں کر سکتیں ایک اور روایت میں فرمایا جب تقدیر کا لکھا پورا ہوتا ہے تو انسان اپنی احتیاط سے غافل ہو جاتا ہے۔

(تفسیر الامام ابی حاتم ج ۸ ص ۲۸۵ رقم الحدیث ۱۳۲۲ مطبوعہ مکتبۃ زہد صفحہ ۱۵۷)

تربیت دینے اور ادب سکھانے کے لیے جانوروں کو مارنے اور سزا دینے کا جواز

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: میں اس کو ضرور سخت سزا دوں گا اس کو ضرور ذبح کروں گا ورنہ وہ اس کی
صاف صاف جہت بیان کرے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو ہر جہ کو سزا دینے کی وعید سنائی اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہر جہ ایک جانور اور پرمعون تھا
اور جانور کسی چیز کا منکلف نہیں ہوتا پھر ہر جہ کی غیر حاضری پر اس کو سزا کی وعید سنانے کی کیا توجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر
سزا پر طور تادیب ہے اور جانوروں کو سزا دینا اور ان کو تربیت دینے کے لیے بھی سزا دی جاتی ہے بچے بھی غیر منکلف ہوتے ہیں

لیکن ان کو تربیت دینے کے لیے مناسب حد تک مار لگائی جانی ہے حدیث میں ہے:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے بچے سات سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب وہ دس سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان کو ہار دو اور ان کے ہنر الگ الگ کر دو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۵۶، مسند ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۳۲، مسند احمد ج ۳ ص ۱۸۰، رقم الحدیث: ۶۶۸۹، سنن ترمذی ج ۲ ص ۲۲۹، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۶)

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۴۵ھ نے کہا ہے کہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں تمام پرندے و دیگر حیوانات اور جنات اور شیاطین جو ان کے لیے سحر کیے گئے تھے وہ سب حضرت سلیمان کا حکم ماننے کے تکلف تھے اور ان کے احکام ان کے احوال کے مناسب تھے ان میں فہم اور ادراک تھا اور جس طرح انسان ادا کر اور نواہی کو قبول کرتے ہیں وہ بھی ادا کر اور نواہی کو قبول کرتے تھے اور یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا۔

علامہ سید محمود لکوی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حافظ جلال الدین سیوطی نے لاکھ بیل میں لکھا ہے کہ حیوانات اور بہائم جب چلنے یا دوڑنے میں سستی کریں یا جو کام ان کو سکھایا گیا ہے اس میں غفلت اور غلطی کریں تو ان کو مارنا جائز ہے اور پرندوں کے پر اکھاڑنا بھی جائز ہے کیونکہ اس سزا سے مراد ہر پرندے کے پر اکھاڑنا تھا اور علامہ ابن العربی نے یہ کہا ہے کہ سزا بہ قدر جرم دینی چاہیے نہ کہ بہ قدر جسم نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پرندے ان کے احکام کے تکلف تھے تب ہی ہر پرندے کی غیر حاضری پر اس کے لیے سزا کی وعید سنائی۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۲۷۷، مطبوعہ دار الفکر، دہلی ۱۳۱۹ھ)

ہر پرندے کی سزا کے متعلق متعدد اقوال

ہر پرندے کی سزا کے متعلق حسب ذیل چار اقوال ہیں:

- (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جمہور کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہر اکھاڑنا ہے۔ (۲) عبداللہ بن شداد نے کہا اس سے مراد اس کے پر اکھاڑنا اور اس کو دھوپ میں رکھنا ہے۔ (۳) ضحاک نے کہا اس سے مراد اس کے چر بانہ کرنا ہے۔ (۴) مقاتل بن حیان نے کہا اس سے مراد اس پر چل ٹل کر اس کو دھوپ میں چھوڑ دینا ہے۔ (۵) قتیبہ نے کہا اس سے مراد اس کو بنجر سے میں بند کرنا ہے۔ (۶) قتیبہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی مانوس چیزوں کو اس سے دور کر دیا جائے۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۱۶۴، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت ۱۴۰۷ھ)

عربی قواعد کے خلاف قرآن مجید کی کتابت کی تحقیق

حضرت سلیمان نے فرمایا تھا میں اس کو ضرور سخت سزا دوں گا یا اس کو ضرور ذبح کر دوں گا ذبح کرنے کے متعلق قرآن مجید میں اس طرح لکھا ہے لا اذبحہ منہ اس پر یہ اعتراض ہے کہ کلا کے بعد جو الف لکھا ہوا ہے یہ قواعد کے خلاف ہے قواعد کے موافق اس طرح لکھا ہونا چاہیے تھا لا اذبحہ۔

علامہ عبدالرحمن ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ لکھتے ہیں:

عربوں کی کتابت اس زمانے کے بدوؤں کی کتابت سے ملتی جلتی تھی بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی کتابت سے آج کل کے بدوؤں کی کتابت اچھی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ شہری تمدن سے اور شہروں اور حکومتوں کے اختلاط سے بہت قریب ہیں۔ مضر تو

بدویت میں ڈوبے ہوئے تھے اور یمن عراق شام اور مصر کے لوگ تمدن سے بہت دور تھے۔ اسی لیے شروع اسلام میں عربی
اسلام کو خوبصورتی اور عمدگی کی حد تک نہیں پہنچا تھا بلکہ درمیانی درجہ تک بھی نہیں پہنچا تھا کیونکہ عرب بدویت و وحشت سے قریب
اور صنعتوں سے دور تھے اسی لیے مصنف شریف کی رسم کتابت میں جو کچھ پیش آتا تھا پیش آیا۔ صحابہ کرام نے اپنے رسم الخط میں
مصنف کو لکھانے کی عمدگی میں استحکام نہ تھا چنانچہ اکثر جگہ ان کا رسم الخط مسروق رسم الخط کے خلاف ہے۔ مگر یہی رسم الخط انھیں
نے ترک کے طور پر رہے دیا کیونکہ یہ صحابہ کا خط تھا جو امت میں بہترین لوگ اور وحشی کو براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے سیکھنے والے تھے۔ جیسے آج کل تبرک کے طور پر کسی عالم یا ولی کا خط بحال رہنے دیا جاتا ہے اور اس کے رسم الخط کی پیروی کی
جاتی ہے۔ خواہ وہ صحیح ہو یا غلط۔ صحابہ کا تو پھر بھی بہت اونچا درجہ ہے چنانچہ ان کا رسم الخط قرآن پاک میں باقی رکھا گیا اور خاص
خاص مقامات پر علماء نے ان کے مخصوص خط کی نشاندہی فرمائی۔

بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ صنعت خط میں صحابہ کے زمانہ میں استحکام تھا اور موجودہ رسم الخط کی جہاں کہیں مخالفت
پائی جاتی ہے اس کی کوئی خاص وجہ ہے جسے "لا اذبحہ" "میں الف کی زیادتی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فصل ذبح کا وقوع
نہیں ہوا تھا اور ہامید میں باکی زیادتی سے اللہ کی کمال قدرت کی طرف اشارہ ہے۔ غرضیکہ جہاں کسی حرف کی زیادتی ہے اس
میں کوئی نہ کوئی حسیہ مقصود ہے۔ آپ اس قسم کی رائے کی طرف توجہ بھی نہ دیں کہ اس رائے کی کوئی اصل نہیں اور محض بہت دھری
ہے۔ لوگوں کو اس توجہ پر صحابہ کی شان میں نقص کو اچھا نہ سمجھنے نے آباد کیا کہ کوئی یہ نہ کہہ دے کہ انہیں اچھی طرح سے لکھتا
بھی نہیں آتا تھا۔ ان کے رسم میں وہ اس نقص سے بری تھے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ لکھنا کمال کی نشانی ہے اور اس میں نقص صحابہ کی
شان کے نقص کو لازم ہے اس لیے تحریر میں نقص سے صحابہ کو بری کرنے کے لیے وہ کہتے ہیں کہ ان کی تحریر بالکل صحیح ہے۔ اصول
رسم الخط کے خلاف نہیں اور جہاں اصول رسم الخط کے خلاف لازم آتا ہے وہاں تاویل میں کر لیتے ہیں حالانکہ یہ گمان ہی صحیح نہیں۔
یاد رکھیے کہ صحابہ کے حق میں لکھنا کمال نہیں کیونکہ کتابت بھی دیگر شریعی صنعتوں کی طرح روزی کمانے کی ایک صنعت ہے جیسا
کہ گزشتہ اور اوراق میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے اور صنعتوں کا کمال مطلق کمال کی بہ نسبت اضافی ہے کیونکہ ان کی کمی کا اثر نہ تو
بالذات دین پر پڑتا ہے نہ عبادتوں پر بلکہ اسباب معاش پر پڑتا ہے اور تمدنی تعاون پر بھی کیونکہ کتابت اظہار خیالات کا ایک
قوی ذریعہ ہے۔

غور کیجئے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ای تھے کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقام کے بلند ہونے کی وجہ سے آپ
کو عملی صنعتوں سے اور آبادی و معاش کے اسباب سے محفوظ رہنا ہی مناسب تھا لیکن ہمارے حق میں ای رہنا کمال نہیں کیونکہ
آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو دنیا سے کٹ کر اپنے رب سے لولگائے ہوئے تھے اور ہم دنیوی زندگی کے لیے باہمی تعاون
کرتے ہیں جیسا کہ تمام صنعتوں کا حال ہے حتیٰ کہ اصطلاحی علوم کا بھی کیونکہ آپ کے حق میں ان سب سے بچنا ہی کمال ہے
ہمارے حق میں نہیں۔ (مقدمہ ابن خلدون ج ۱ ص ۳۶۹ مطبوعہ دارالاندلس، مکتبۃ المدینہ، بیروت ۱۳۶۴ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی حنفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن خلدون کا یہ کہنا کہ لا اذبحہ خفسہ میں الف کا زیادہ لکھنا اس پر محمول ہے کہ صحابہ کرام کو عربی لکھنے کے فن میں
مہارت نہیں تھی بہت بعید ہے بعض لوگوں نے اس کی یہ توجہ کی ہے کہ اس میں الف اس لیے زیادہ کیا ہے تاکہ اس پر حسیہ ہو
کہ ہر بد کو ذبح نہیں کیا گیا تھا یہ توجہ بھی صحیح نہیں ہے ورنہ لا عذبہ میں بھی الف کو زیادہ کرتے کیونکہ ہر بد کو عذاب بھی نہیں دیا
گیا تھا اور علامہ ابن خلدون نے جو یہ کہا ہے کہ مصنف صحابہ کرام نے اپنے خطوط میں لکھا جن کی عمدگی میں استحکام نہ تھا اگر اس

سے ان کی مراد یہ ہے کہ ان کا خط خوب صورت نہیں تھا تو یہ ان کے حق میں کوئی نقص نہیں اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ ان کا خط عربی قواعد کے مطابق نہ تھا یعنی عربی قواعد میں جہاں وصل کر کے لکھتا چاہیے اور جہاں فصل کر کے لکھتا چاہیے اور جہاں جس چیز کو لکھتا چاہیے اور جہاں جس چیز کو ترک کرنا چاہیے اور صحابہ نے اس کی رعایت نہیں کی تو یہ گل بحث ہے اور ظاہر یہ ہے کہ جن صحابہ نے قرآن مجید کو لکھا ہے وہ رسم الخط کو اچھی طرح جانتے والے تھے کہ کہاں کسی حرف کو لکھتا چاہیے اور کسی حرف کو ترک کرنا چاہیے اور کہاں کسی لفظ کو لکھتا چاہیے اور کہاں کسی لفظ کو ملائے بغیر لکھتا چاہیے لیکن انہوں نے بعض مقامات پر کسی علت کی اور کسی علت کی بنا پر ان قواعد کی مخالفت کی ہے صحابہ میں سے حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم فن کتابت میں مشہور تھے اور ان کی شہرت ان کے عہدہ لکھنے ہی کی وجہ سے تھی سو جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ اکابر اور دیگر صحابہ یہ نہیں جانتے تھے کہ کہاں الف لکھتا چاہیے اور کہاں نہیں اسی طرح جن دوسرے مقامات میں انہوں نے قواعد خط کی مخالفت کی ہے تو ان کو اصل قواعد کا علم نہیں تھا اس کا یہ قول ادب اور انصاف کے خلاف ہے۔

اسی طرح جو شخص بعد کے ان تابعین وغیرہم کے متعلق یہ کہتا ہے کہ وہ اس پر مطلع تو ہو گئے تھے کہ صحابہ کرام نے ان مقامات پر قواعد میں خط کی مخالفت کی ہے لیکن انہوں نے صحابہ کرام کے خط کو تھکا اسی طرح رہنے دیا اور اس کی اصلاح نہیں کی اس کا قول بھی ادب اور انصاف سے دور ہے البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام نے جن لوگوں سے لکھنا سیکھا تھا انہوں نے ان کو اسی طرح بتایا تھا سو یہ صحابہ کا قصور نہیں ہے بلکہ ان کو سکھانے والے کا قصور ہے یہ جواب بھی اگرچہ پہلے جواب کی مش ہے لیکن اس میں پہلے جواب کی طرح بے ادبی نہیں ہے۔ (روح المعانی ج ۱۹ ص ۲۶۷-۲۷۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد طاہر ابن عاشور لکھتے ہیں:

لا اذہب عنہ میں لا کے بعد الف بھی لکھا گیا ہے کیونکہ مسلمانوں کا اعتقاد قرآن مجید کے پڑھنے میں حفاظ پر ہے کتابت پر نہیں ہے کیونکہ مصاحف کو اس وقت تک نہیں لکھا گیا جب تک کہ ان کو میں سے زیادہ مرتبہ پڑھ نہیں لیا گیا اور مصحف کے رسم الخط میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو بعد میں بنائے گئے رسم الخط کے قواعد کے مخالف ہیں کیونکہ ابتداء اسلام میں رسم الخط کے قواعد منطبق نہیں ہوئے تھے اور عرب کا اعتقاد اپنے حافظوں پر تھا۔ (آئینہ دارالعلوم ج ۱۸ ص ۲۸۸-۲۸۷ مطبوعہ مجلس)

لا اذہب عنہ کے علاوہ قرآن میں اور بھی کافی الفاظ ایسے ہیں جو رسم الخط کے قواعد کے خلاف لکھے ہوئے اس لیے ہم ذیل میں ان الفاظ کی فہرست پیش کر رہے ہیں۔

قواعد رسم الخط کے خلاف مصحف میں مذکور الفاظ کی فہرست

نمبر	لفظ	صفحہ	سطر	سورۃ	آیت	پارہ	رکوع
۱	اَلْهٰی مٰث	۱۰۲	۸	سورہ آل عمران	۱۳۳	۳	۶
۲	لَا اِلٰہَ اِلَّا	۱۰۶	۶	سورہ آل عمران	۱۵۸	۳	۸
۳	نَبُوۡۤءِ	۱۶۸	۱۱	سورہ مائدہ	۲۹	۶	۹
۴	مَلٰٓئِیَہ	۲۳۵	۱۱	سورہ اعراف	۱۰۳	۹	۳
۵	لَا اَوْضَحُوۡا	۲۹۲	۲	سورہ توبہ	۳۷	۱۰	۱۲
۶	مَلٰٓئِیَہ	۳۲۶	۳	سورہ یونس	۷۵	۱۱	۱۲

۷	۱۱	۸۳	سورۃ یونس	۳	۳۲۷	مَلَايَهُمْ	۷
۶	۱۲	۶۸	سورۃ ہود	۵	۳۳۳	نَمُوذَا	۸
۹	۱۲	۹۷	سورۃ ہود	۳	۳۳۹	مَلَايَهُ	۹
۱۰	۱۳	۳۰	سورۃ زمر	۱۲	۳۷۹	يَسْتَلُوا	۱۰
۱۳	۱۵	۱۳	سورۃ کہف	۳	۳۳۲	لَنْ نَذْغُرَا	۱۱
۱۶	۱۵	۲۳	سورۃ کہف	۸	۳۳۳	لِشَاءِ	۱۲
۱۷	۱۵	۳۸	سورۃ کہف	۳	۳۳۷	لِكُنَّا	۱۳
۳	۱۷	۳۳	سورۃ انبیاء	۷	۳۸۷	اَقْلَابِن مِثْ	۱۴
۳	۱۸	۳۶	سورۃ مومنون	۲	۵۱۸	مَلَايَهُ	۱۵
۲	۱۹	۳۸	سورۃ فرقان	۲	۵۳۵	نَمُوذَا	۱۶
۱۷	۱۹	۲۱	سورۃ نمل	۱۱	۵۶۷	لَا اَذْكُرُهُ	۱۷
۷	۲۰	۲۲	سورۃ قصص	۷	۵۸۳	مَلَايَهُ	۱۸
۱۶	۲۰	۳۸	سورۃ عنکبوت	۷	۶۰۱	نَمُوذَا	۱۹
۷	۲۱	۳۹	سورۃ روم	۱۰	۶۱۲	يَسْتَلُوا	۲۰
۶	۲۳	۶۸	سورۃ صافات	۵	۶۷۳	لَا اِلٰى الْجَنِينِ	۲۱
۱۱	۲۵	۳۶	سورۃ زحرف	۲	۷۳۹	مَلَايَهُ	۲۲
۵	۲۶	۳	سورۃ محمد	۱۱	۷۶۰	يَسْتَلُوا	۲۳
۸	۲۶	۲۱	سورۃ محمد	۱۲	۷۶۳	وَلَبَلُوا	۲۴
۷	۲۷	۵۱	سورۃ النجم	۳	۷۹۲	نَمُوذَا	۲۵
۱۹	۲۹	۳	سورۃ دھر	۶	۸۶۸	سَلْبَا	۲۶
۱۹	۲۹	۱۵	سورۃ دھر	۵	۸۶۹	كَانَتْ قُلُوبُهُمْ	۲۷
۱۹	۲۹	۱۶	سورۃ دھر	۵	۸۶۹	قُلُوبُهُمْ	۲۸

(القرآن الکریم مع ترجمہ البیان مطبوعہ مکی علی بخش رحمان)

قواعد رسم الخط کی مخالفت کے جوابات کی تنقیح

- (۱) علامہ ابن قلدون نے یہ جواب دیا ہے کہ جن صحابہ نے صحیفہ کو لکھا و رسم الخط کے جانے والے نہ تھے اور بعد کے جاننے والوں نے ان الفاظ کی اصلاح نہیں کی اور ان کو تکرار اور دہرایا اسی طرح رہے۔
- (۲) علامہ ابوی نے یہ جواب دیا ہے کہ صحابہ کرام ان قواعد کے جانے والے تھے لیکن ان کی یہ مخالفت کسی حکمت اور کسی بھٹے پر مبنی ہے اور یہ ضروری نہیں کہ ہم اس حکمت پر قطع ہوں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام نے جن لوگوں سے لکھا سیکھا تھا انہوں نے ان کو یہ قواعد پوری طرح نہیں سکھائے اس لیے قصور رکھانے والوں کا ہے نہ کہ صحابہ کرام کا۔
- (۳) صحابہ کرام کے صحیفہ میں لکھنے کے بعد یہ قواعد بتائے گئے ہیں اور بعد میں بتائے گئے قواعد کی اجراع کرنا صحابہ کرام پر

لازم نہ تھا۔

صحف کرم کا خط بھی تو اتر سے ثابت ہے اور موجودہ خط پر امت کا اجماع ہے اس لیے اس خط میں رد بدل کرنا جائز نہیں اور جو آیات صحف میں جس طرح لکھی ہوئی ہیں ان کو اسی طرح لکھا جائے گا۔

یہ آیات جو لکھنے کے قواعد کے خلاف صحف میں لکھی ہوئی ہیں اس مخالفت میں یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید ترمیم تحریف اور رد بدل سے محفوظ ہے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحف کو لکھوایا تھا آج بھی صحف اسی طرح لکھا ہوا ہے حتیٰ کہ اس وقت جو الفاظ رسم الخط کے قواعد کے خلاف لکھے ہوئے تھے۔ وہ آج بھی اسی طرح لکھے ہوئے ہیں نہ یہ ممکن تھا کہ جب بعد میں رسم الخط کے قواعد مرتب اور مدون کیے گئے تو قرآن مجید میں جو الفاظ ان قواعد کے خلاف لکھے گئے تھے ان کی اصلاح کر کے ان کو بدل دیا جاتا لیکن ایسا نہیں کیا گیا اور تمام امت نے قرآن مجید کے خط کو اسی حال پر باقی رکھا جس حال میں حضرت عثمان نے اس کو رکھا تھا اور یہ اس بات کی بہت واضح اور بین اور بہت قوی دلیل ہے کہ قرآن مجید ہر قسم کی تحریف اور رد بدل سے محفوظ ہے نہ اس کے رسم الخط اور لکھنے میں کوئی ترمیم ہوئی اور نہ اس کی علامات میں۔ (البتہ برصغیر کے بعض مصاحف میں ناخواندہ عجیبوں کی سبوت کے لیے رسم الخط میں کچھ تاثر پر تبدیلی کر دی گئی ہے)۔

بد بد کا ملک سبا کی سیر کر کے حضرت سلیمان کی خدمت میں آنا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ (بد بد) کچھ دیر بعد آ کر ہوا اس نے اس جگہ کا احاطہ کر لیا ہے جس کا آپ نے احاطہ نہیں کیا۔ (المثل ۲۳)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الترمذی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت سلیمان علیہ السلام حج کرنے کے بعد حرم شریف سے واپس آئے تو زوال کے وقت یمن کے مقام صنعاء میں پہنچے یہ جگہ حرم سے ایک ماہ کی مسافت پر تھی ان کو وہ جگہ اچھی لگی۔ انہوں نے کہا نے ان کے ارزاں پر بیٹھنے کے لیے وہاں اترنے کا قصد کیا جب وہ تخت سے اس جگہ اتر گئے تو بد بد نے دل میں کہا حضرت سلیمان تو اس جگہ کی سیر میں مشغول ہیں میں اڑ کر لکھا میں گھومتا ہوں اس نے دائیں بائیں دیکھا تو اس کو بتیس کا باغ نظر آیا وہ اس کے سبز اور پھولوں کی طرف ہنس ہوا وہ اس باغ میں اتر گیا وہاں بھی اس نے ایک بد بد کو دیکھا۔ حضرت سلیمان کے بد بد کا نام بھنور تھا اور یمن کے بد بد کا نام بھنیر تھا پس یمن کے بھنیر نے حضرت سلیمان کے بھنور سے کہا تم کہاں سے آئے ہو اور کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا میں اپنے بادشاہ سلیمان بن داؤد کے ساتھ یمن میں آیا ہوں اس نے پوچھا سلیمان کون ہیں؟ اس نے کہا وہ جن اور اس اور شیاطین اور پرندوں اور وحشی جانوروں اور ہواؤں کے بادشاہ ہیں؟ پھر اس سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اس نے کہا میں اس ملک کا رہنے والا ہوں بھنور نے پوچھا اس ملک کا بادشاہ کون ہے؟ اس نے کہا ایک عورت ہے جس کا نام بتیس ہے اور بے شک تمہارا مالک بہت بڑا بادشاہ ہے لیکن بتیس کا ملک بھی اس سے کم نہیں ہے وہ پورے یمن کی ملکہ ہے اور اس کے ماتحت بارہ ہزار سردار ہیں اور ہر سردار کے تحت ایک لاکھ جنگجو ہیں کیا تم میرے ساتھ چلو گے تاکہ میں تمہیں اس ملک دکھائوں؟ بھنور نے کہا مجھے خدشہ ہے کہ سلیمان کو جب پانی کی ضرورت ہوگی تو وہ مجھے تلاش کریں گے کیونکہ میں ان کو پانی کی طرف رہنمائی کرتا ہوں ایمانی بد بد نے کہا جب تم اپنے بادشاہ کے پاس اس ملک کی خبر لے کر جاؤ گے تو وہ خوش ہوگا پھر بھنور اس کے ساتھ چلا گیا اور بتیس اور اس کے ملک کو دیکھا پھر بد بد مصر کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نماز کے وقت تخت سے اترے اس جگہ پانی نہیں تھا آپ نے انسان جنات اور شیاطین سے پانی کے متعلق سوال کیا تو

ان کو معلوم نہیں تھا پھر آپ نے پرندوں کی گیتبش کی تو ہمد کو غیر حاضر پایا آپ نے پرندوں کے حاش کرنے والے کو بلایا۔
گندہ تھا اس سے ہمد کے متعلق سوال کیا اس نے کہا اللہ آپ کے ملک کو سلامت رکھے مجھے معلوم نہیں وہ کہاں ہے؟ حضرت
سلیمان علیہ السلام غضبناک ہوئے اور فرمایا میں اس کو ضرور سخت سزا دوں گا یا اس کو ذبح کر دوں گا پھر پرندوں کے سردار عقاب
کو بلایا اور اس سے کہا ابھی ہمد کو لاکر حاضر کر۔ عقاب ہوا میں بلند ہوا اور دائیں بائیں نظر ڈالی تو ہمد یمن کی طرف سے آرہا
تھا عقاب اس پر حملہ کرنے کے لیے جھپٹا تو ہمد نے اس کو قسم دی کہ اس ذات کی قسم جس نے تجھ کو مجھ پر قدرت دی ہے مجھ پر
حملہ نہ کر! عقاب نے اس کو چھوڑ دیا اور کہا تجھ پر انہوں نے قسم دی ہے کہ تو نے اللہ کے نبی نے یہ قسم کھائی ہے کہ وہ تجھ کو
ضرور سزا دے گا یا ضرور ذبح کر دے گا ہمد نے پوچھا آیا اللہ کے نبی نے قسم کے ساتھ کوئی استثناء بھی کیا ہے یا نہیں تو اس کو
بتایا کہ حضرت سلیمان نے کہا ہے کہ ورنہ وہ اس کی (یعنی اپنی غیر حاضری کی) صاف صاف وجہ بیان کرے ہمد نے کہا اب
میری نجات ہو جائے گی پھر عقاب اور ہمد حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت سلیمان
اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے عقاب نے کہا میں نے ہمد کو حاضر کر دیا ہے۔ ہمد نے اپنا سر لا پٹھایا اور اپنی دم اور پر جھکا دیئے
حضرت سلیمان نے اس سے پوچھا تم کہاں تھے؟ میں تم کو سخت سزا دوں گا! ہمد نے کہا اے اللہ کے نبی! آپ وہ وقت یاد کیجیے
جب آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے حضرت سلیمان یہ سن کر کاپٹنے لگے اور اس کو معاف کر دیا پھر اس سے تاخیر کا
سبب دریافت کیا تو اس نے کہا میں نے اس جگہ کا احاطہ کر لیا ہے جس کا آپ نے احاطہ نہیں کیا میں آپ کے پاس (ملک) سبا
کی ایک چٹینی خبر لایا ہوں میں نے دیکھا کہ ان پر ایک عورت حکومت کر رہی ہے اور اس کو ہر چیز سے دیا گیا ہے اور اس کا بہت
بڑا تخت ہے۔ (معاذ اللہ) ۳۸ سلطوبہ دار دنیا مائتات اربعی (دست ۱۳۵۵ھ)

اس قصہ کو علامہ زنجبیری متوفی ۵۳۸ھ علامہ سراج جوزی متوفی ۵۹۷ھ علامہ ابوالیمان اندلسی متوفی ۵۴۷ھ علامہ اسماعیل
حقی متوفی ۱۱۳۷ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی بیان کیا ہے۔

(الکشاف ج ۳ ص ۱۳۳ زبد السیر ج ۶ ص ۱۶۲ کنز الدقائق ج ۲ ص ۲۲۲ روح البیان ج ۹ ص ۳۳۳ روح المعانی ج ۹ ص ۷۷۷)
ہمد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جو اپنے علم کا اظہار کیا اس کی علامہ زنجبیری کی
طرف سے توجیہ

ہمد نے کہا میں نے اس جگہ کا احاطہ کر لیا ہے جس کا آپ نے احاطہ نہیں کیا میں آپ کے پاس (ملک) سبا کی ایک چٹینی
خبر لایا ہوں۔

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزنجبیری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ اس کی تحریر میں لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ نے ہمد کو اس کلام کا الہام کیا تھا جو اس نے حضرت سلیمان کے دربار میں کہہ دیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبوت
حکمت علوم وافرہ اور بہ کثرت معلومات کے احاطہ کی فضیلت دی گئی ہے اس کے باوجود ان کی آزمائش کے لیے ان کو اس کا علم
نہیں دیا گیا اور ایک ادنیٰ اور کمزور ترین مخلوق نے ان چیزوں کے علم کا احاطہ کر لیا جن کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے علم نے
احاطہ نہیں کیا تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت سلیمان علیہ السلام پر انعام تھا جو کہ وہ باوجود اپنے عظیم علوم کے معسر اور
متواضع رہیں اور ان کے دل میں اپنے علوم کی برتری اور تفاخر کا معمولی سا شائبہ بھی پیدا نہ ہوا اور کسی چیز کے علم کے احاطہ کا معنی
یہ ہے کہ اس کی تمام جہات معلوم ہوں اور اس کا کوئی گوشہ مخفی نہ رہے۔ مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں رافضیوں کے اس
قول کا بطلان ہے کہ امام سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی اور اس کے زمانہ میں اس سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں ہوتا۔

(الکشاف ج ۳ ص ۳۹ مطبوعہ دار الفکر اثراٹ العربیہ ۱۴۱۷ھ)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس تقریر کا خلاصہ لکھا ہے اور علامہ ابو العیاض المتوفی ۵۳۷ھ نے بھیجی یہی لکھ ہے۔

علامہ بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ نے بھی اس کا خلاصہ لکھا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۵۰ البحر المحیط ج ۸ ص ۲۳۵ تفسیر البیضاوی مع الفتاویٰ ج ۷ ص ۲۳۹)

علامہ زنجیزی کی توجیہ کا رد اور اس کی صحیح توجیہ

ہر دور نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے اپنے علم کا اظہار کیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے علم کی نفی کی اور یہ یہ ظاہر ہر دور کی اللہ کے نبی کے سامنے جسارت اور بے ادبی ہے علامہ زنجیزی اور ابن کے قسمن نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ ہر دور کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اس قول کا الہام اس لیے کیا تھا تا کہ حضرت سلیمان اپنے عظیم علوم پر فخر نہ کریں لیکن دیگر مفسرین نے اس توجیہ سے اختلاف کیا ہے۔

علامہ ابوالسود دہم بن محمد مصطفیٰ اعمادی لکھی المتوفی ۹۸۲ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ہر دور نے جو کہا تھا کہ میں نے اس چیز کا احاطہ کر لیا ہے جس کا آپ نے احاطہ نہیں کیا اور احاطہ کا معنی ہے کسی چیز کی جمیع جہات سے معرفت ہو اس سے ہر دور کی یہ مراد نہیں تھی کہ اس نے ان حقائق علوم اور دقائق معارف کا احاطہ کر لیا ہے جو علم اور حکماء کا خاصہ ہے حتیٰ کہ اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے اس کا یہ کہنا دائرہ ادب سے تعدی اور اپنی حد سے تجاوز ہو اور اس کا یہ حکم ہے ہاں کی اور گستاخی پر محمول کیا جائے اور اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے اس علم کی جوئی کی تھی اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی بے ادبی اور توہین قرار دیا جائے اور پھر اس کی یہ توجیہ کی جائے کہ ہر دور نے جو کچھ کہہ وہ اللہ تعالیٰ کے الہام سے کہا تھا تا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبوت حکمت علوم کثیرہ اور معلومات وافرہ کے احاطہ کی جو فضیلت دی گئی ہے اس کی وجہ سے ان کو تفاخر نہ ہو اور ان کو اس پر تحیہ ہو کہ اللہ کی ادنیٰ اور ضعیف ترین مخلوق نے بھی اس چیز کے علم کا احاطہ کر لیا جس کا حضرت سلیمان علیہ السلام نے احاطہ نہیں کیا تا کہ حضرت سلیمان متواضع اور متکسر ہیں بلکہ ہر دور کا اپنے اس قول سے یہ ارادہ تھا کہ ہر دور نے جس ملک سہا کو دیکھا ہے اس کو دیکھنا ان امور میں سے نہیں ہے جس کا احاطہ کرنا کوئی فضیلت ہو اور نہ اس سے غافل ہونا کوئی نقص ہے کیونکہ ملک سہا کا احاطہ کرنا تو صرف اس کے دیکھنے اور مشاہدہ کرنے پر موقوف ہے اور اس کے ادراک میں عقل والے اور بے عقل سب برابر ہیں اور ہر دور کو یہ معلوم تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملک سہا کا مشاہدہ نہیں کیا اور نہ انہوں نے کسی اور سے اس کی خبر سنی ہے۔ اس لیے ہر دور نے اس طریقہ سے یہ بات کہی تا کہ حضرت سلیمان کو ملک سہا کو دیکھنے کا شوق ہو اور وہ اس کے غائب رہنے کا عذر اس لیے قبول کر لیں کہ وہ ان کو دیکھنی چیز دکھانے اور اس کی طرف راغب کرنے کے لیے غیر حاضر رہا تھا۔ (تفسیر ابوالسود ج ۵ ص ۵۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ اسماعیل حق متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

ملک سہا کو نہ دیکھنا حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان میں کسی کی کامو جب نہیں ہے کیونکہ جو علم نبوت میں نافع اور مفید نہ ہو وہ انبیاء و پیغمبر اسلام کی شان کے لائق نہیں ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ دعا کی ہے:

اعوذ بک من علم لا ینفع (صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۷۴۲ سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۷۴۲) جو علم غیر نافع ہو میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں بعض علماء نے یہ کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام صنعاء میں پہنچ چکے تھے اور وہاں سے ملک سہا صرف

تین دن کی مسافت یا تین فرسخ کے فاصلہ پر تھا اس کے باوجود کسی مصلحت اور حکمت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ملک سہا آپ سے رکھا جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام سے حضرت یوسف علیہ السلام کی جگہ چلی رکھی تھی۔

(روح البیان ج ۶ ص ۳۳۳ ملاحظہ دارالمنیرات ص ۱۱۲ و ۱۱۳)

علامہ آلوسی مفتی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی علامہ زبیدی وغیرہم کی توجیہ کا ہی دلیل سے رد کیا جو علامہ ابن مسعود نے بیان کی ہے کہ ملک سہا کو دیکھنے میں کوئی فضیلت نہیں تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو تواضع اور انکسار پر راضی کرنے کے لیے جب کا یہ قول کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اس سے متعلق پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر فرمایا ہے: اے میرے رب! تو نے مجھے اور میرے والد کو جو نعمتیں عطا کی ہیں مجھے ان کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ اور تو مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ جس سے تو راضی ہے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے۔ (احمل ۱۹)

(روح المعانی ج ۱۹ ص ۶۷۸ ملاحظہ دارالمنیرات ص ۱۱۲ و ۱۱۳)

انبیاء علیہم السلام کے علم غیب کے متعلق علامہ قرطبی کا نظریہ

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۷۸ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: یعنی مجھے اس چیز کا علم ہو گیا جس کا آپ کو علم نہیں ہے اس آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ انبیاء کو غیب کا علم ہوتا ہے۔ (المباح ۱۱ کا مآثر ج ۲ ص ۱۶۸ ملاحظہ دارالمنیرات ص ۱۱۲ و ۱۱۳)

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو کل غیب کا علم ہوتا ہے اور ان سے کوئی چیز چھپی نہیں ہوتی 'سابقہ جزیہ موجب کلیہ کی تنفیض ہوتی ہے اور جب حضرت سلیمان کو بعض غیب کا علم نہیں تھا تو معلوم ہوا کہ ان کو کل غیب کا علم نہیں تھا کیونکہ علامہ قرطبی اس کے قائل ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ جتنا چاہے غیب کا علم عطا فرماتا ہے۔

ابن ۲۷-۲۶ کی تفسیر میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

اولیٰ یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب کو صرف اس پر ظاہر فرماتا ہے جس کو وہ نبوت کے لیے چن لیتا ہے پھر وہ اس کو جس قدر چاہتا ہے غیب پر مطلع فرماتا ہے تاکہ یہ علم غیب اس کی نبوت پر دلالت کرے۔

علامہ رحیم اللہ نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے عالم الغیب ہونے سے اپنی مدح فرمائی اور علم غیب کو اپنے ساتھ خاص کر لیا تو اس میں یہ دلیل تھی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو غیب کا علم نہیں ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے ان کا استغناء کر لیا جن کو اس نے اپنی رسالت کے لیے چن لیا اور بذریعہ وحی ان کو غیب عطا فرمایا اور اس علم غیب کو ان کے لیے مجزہ اور ان کی نبوت کے صدق کی دلیل بنایا۔ (المباح ۱۱ کا مآثر ج ۲ ص ۱۶۷-۱۶۸ ملاحظہ دارالمنیرات ص ۱۱۲ و ۱۱۳)

ملک سہا کی تحقیق

ہم نے کہا میں آپ کے پاس (ملک) سہا کی جتنی خبر لایا ہوں۔

سہا یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے اس قبیلہ کے سب سے بڑے شخص کا نام سہا تھا اس کا پورا نام سہا بن حجب بن حرب بن قحطان تھا یہ بھی کہا ہے کہ اس کا نام عبد اللہ تھا اور اس کا لقب سہا تھا کیونکہ وہ سب سے پہلے قید کیا گیا تھا (سہا کا معنی قید کرنا ہے) پھر تارک نامی شہر کا نام سہا رکھ دیا سہا اور منعا کے درمیان تین دن کی مسافت ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ سہا وہ پہلا شخص ہے جس نے یمن کے بادشاہوں میں سے تاج پہنا تھا اس کے دس بیٹے تھے ان میں سے چھ یمن میں رہے اور

شام میں اور امام راضی نے لکھا ہے کہ سب ایک شیر کا نام ہے جس کے رہنے والے مختلف جگہوں میں بچھل گئے تھے۔

(انفردات ج ۱ ص ۲۹۵) (درج المیزان ج ۶ ص ۳۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۳۱ھ)

سہا بن کا ایک علاقہ ہے جو منعمہ اور حضر موت کے درمیان ہے اس کا مرکزی شیر مارک تھا اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس علاقہ میں سہا بن جب بن ہرب بن قحطان کی شاخ آباد تھی۔ (تجملہ البلدان (اردو) ص ۱۸۳ مطبوعہ لاہور)

ملکہ سبا کا تعارف

ہم نے کہا میں نے دیکھا کہ ان پر ایک عورت حکومت کر رہی ہے اور جس کو ہر چیز سے دیا گیا ہے اور اس کا بہت بڑا تخت ہے۔

امام ابو محمد الحسن بن مسعود انفرادی الخوی التوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

اس عورت کا نام بقیس بن شریل تھا یہ ہرب بن قحطان کی نسل سے تھی اس کا باپ عظیم الشان بادشاہ تھا یہ تمام یمن کا مالک تھا اس نے ارد گرد کے بادشاہوں سے کہا تم میں سے کوئی میرا کنوئیں ہے اور ان کے ہاں شادی کرنے سے انکار کر دیا پھر انہوں نے ایک جلیہ (جن عورت) سے اس کا نکاح کر دیا اس کا نام ریحلہ بنت اسکن تھا پھر اس سے بقیس پیدا ہوئی۔ حدیث میں ہے کہ بقیس کے ماں باپ میں سے ایک جن ہے جب بقیس کے والد فوت ہو گئے تو اس کے علاوہ اس کا اور کوئی وارث نہیں تھا بقیس نے عسکر بنی کی خواہش کی اکثر سرداروں نے اس کو حلقہ مارن لیا بعض نے مخالفت کی لیکن بقیس ان پر غالب آ گئی۔ (مسلم بخاری ج ۳ ص ۶۹۰-۶۹۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۳۰ھ)

امام علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۵ھ نے بقیس کی مزید تفصیل لکھی ہے:

یہ ملکہ سبا ہے اس نے نو سال یمن پر حکومت کی پھر حضرت سلیمان کی طرف سے یہ یمن پر غلبہ ہو گئی اور ان کی طرف سے حرہ چار سال حکومت کی۔

مسلم بن عبد اللہ بن ربیع نے بیان کیا کہ جب بقیس مسلمان ہو گئی تو اس سے حضرت سلیمان بن داؤد نے نکاح کر لیا اور ملک اس کو ہرب میں دیا۔ (ملک ایک تہیم شہر ہے جو دمشق سے تین دن کی مسافت پر ہے تجملہ البلدان (عربی) ج ۱ ص ۲۵۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بقیس کے ماں باپ میں سے ایک جن ہے۔ حسن بصری سے ملکہ سبا کے متعلق پوچھا گیا اور لوگوں نے کہا اس کے ماں باپ میں سے ایک جن ہے تو انہوں نے کہا انسان اور جن کے درمیان ولادت نہیں ہوتی۔ (دار الفکر ج ۳ ص ۵۰۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۳۲ھ)

آیا جن اور انسان کا نکاح عقلاً ممکن ہے یا نہیں؟

ہم نے ذکر کیا ہے کہ انسان اور جلیہ کے ملاپ کے نتیجہ میں بقیس پیدا ہوئی اور اس سلسلہ میں امام ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ سے حدیث بھی روایت کی ہے حافظ ابن کثیر متوفی ۷۴۳ھ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۲۷۰ دار الفکر ۱۳۸۸ھ) اس مقام پر دو بحثیں ہیں ایک یہ کہ انسان اور جلیہ کے ملاپ سے تولید ہو عقلاً ممکن ہے یا نہیں دوسری بحث یہ ہے کہ انسان اور جلیہ کے درمیان نکاح کا شرعاً کیا حکم ہے ہم پہلے اس تولید کے عقلی امکان کا جائزہ لے رہے ہیں:

قاضی بدر اللہ بن محمد بن عبد اللہ اصبہلی الخلی التوفی ۷۶۹ھ لکھتے ہیں:

ہم کہتے ہیں کہ انسان کا جلیہ سے اور جن کا انسان عورت سے نکاح کرنا ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا:

امام ابن جریر نے امام احمد اور امام اسحاق سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے ساتھ **مناظر** سے منع فرمایا ہے اور فقہاء احناف کی تصانیف میں سے قادی سرا جیہ میں لکھا ہوا ہے کہ انسان اور جن کے درمیان **مناظر** کی وجہ سے نکاح جائز نہیں ہے۔

اور ہمارے اکثر شافعیہ میں سے شیخ الاسلام البہاری نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ احسان فرمایا ہے کہ اس نے ہمارے غفلتوں سے ہماری بویاں بٹائی ہیں (اقمل ۷۲) اور ابن اعمار نے شرح الوصیہ میں اس نکاح کو جائز کہا ہے اور امش نے کہا ہے کہ ایک جنتی نے ہم سے شادی کی میں نے اس سے پوچھا کہ تم کو کون سا کھانا پسند ہے اس نے کہا چاول ہم اس شادی میں گئے! میں نے دیکھا کہ چاول دسرخوان سے اٹھ رہے تھے اور کھانے والے نظر نہیں آ رہے تھے میں نے اس سے پوچھا کیا تمہارے اندر بھی گمراہ فرتے ہوتے ہیں؟ اس نے کہا ہاں! میں نے پوچھا پھر رافضیوں کا تمہارے ہاں کیا حکم ہے؟ اس نے کہا وہ سب سے بدتر فرقہ ہے۔ (الفتاویٰ البہاریہ ص ۹۸-۹۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۸ھ)

بلیغیس کی عسکرانی سے عورت کی عسکرانی پر استدلال کا جواب

بعض علماء نے بلیغیس کی عسکرانی سے عورت کی عسکرانی کے جواز پر استدلال کیا ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ جس دور میں بلیغیس عسکران تھی اس وقت وہ کافرو تھی اور کافروں پر اس کی حکومت تھی جیسا کہ مقررہ قرآن مجید کی آیات سے واضح ہو جائے گا اور کافروں کا کوئی قول اور فعل جت نہیں ہوتا چاہے اس لیے کہ ہمارے لیے جنت ہمارے لیے جنت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور آپ نے عورت کی عسکرانی کی مذمت فرمائی ہے جیسا کہ ہم مقررہ اس سلسلہ میں احادیث پیش کریں گے۔ عورت کے وزیر اعظم ہونے کے جواز کے دلائل اور ان کے جوابات

ہمارے ملک میں ۱۹۸۸ء اور ۱۹۹۲ء میں دوسرے ایک عورت کو ملک کا وزیر اعظم بنایا جا چکا ہے اور جو لوگ عورت کو ملک کا سربراہ بنانے کو جائز کہتے ہیں ان کا اولین استدلال ملکہ سبا کی حکومت سے ہے اس کا جواب ہم نے بیان کر دیا۔ دوسرا استدلال اس سے ہے کہ جنگ جمل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سربراہی میں لڑی گئی! استاذ العلماء ملک المدین قدس سرہ افریضہ لکھتے ہیں:

اب بندہ اس امر پر چند دلائل مزید پیش کرتا ہے کہ بعض امور میں عورت سربراہ ہو سکتی ہے: دلیل اول: جنگ جمل حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کی سربراہی میں لڑی گئی اور اس جنگ میں عائشہ صدیقہ سربراہ لشکر تھیں اور جزاؤں فوجیوں نے اپنی ماں کے قدموں میں جانیں قربان کر دیں ان میں صحابہ بھی تھے بلکہ بعض صحابہ عشرہ مبشرہ سے تھے۔ (عورت کی عسکرانی ص ۴۱-۴۰)

یہ استدلال درست نہیں ہے حضرت عائشہ نے اس جنگ میں جو قیادت کی تھی انہوں نے اس سے رجوع فرمایا تھا لہذا اب ان کے اس فعل سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب وقوف ملی بیو تکن (۱۸۷ھ) (ج ۳۳) "تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو" کی تلاوت کرتیں تو اس قدر روئیں کہ آپ کا دوش پٹا آٹوؤں سے بھجک جاتا۔

(الفتاویٰ البہاریہ ج ۸۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۸ھ)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت عائشہ اپنے لہرہ کے سفر اور جنگ جمل میں حاضری سے کل طور پر تادم ہوئیں۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۷۷۲ بیروت ۱۴۰۲ھ) حافظ زبلی ابن عبدالبر کے حوالے سے لکھتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے حضرت عبداللہ بن عمر سے فرمایا:

مجھے اس سفر میں جانے سے کیوں منع نہیں کیا؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا میں نے دیکھا کہ ایک صاحب (یعنی حضرت ابن الزبیر) کی رائے آپ کی رائے پر غالب آچکی تھی۔ (نصب الراية ج ۳ ص ۷۰ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ ۱۴۰۵ھ)

امام حاکم نیشاپوری قیس بن ابی حازم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے دل میں سوچتی تھیں کہ انہیں ان کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر کے ساتھ دفن کیا جائے لیکن بعد میں انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک بدعت کا ارتکاب کیا ہے اب مجھے آپ کی دوسری ازواج کے ساتھ قبچ میں دفن کرونا چنانچہ آپ کو قبچ میں دفن کر دیا گیا امام حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

(المعجم رک ج ۳ ص ۶۰ بحوالہ)

حافظ ذہبی ان کے اس قول کی تشریح میں فرماتے ہیں: بدعت سے حضرت عائشہ کی مراد ان کا جگہ جمل میں جانا تھا وہ اپنے اس فعل پر کبھی طور پر ناہم ہوئیں اور انہوں نے اس پر توبہ نہ کر لی اگرچہ ان کا یہ اقدام اجتہاد پر مبنی تھا اور ان کی نیت نیک تھی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۹۳ بحوالہ ۱۴۰۲ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے اجتہاد سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کے قصد سے گھر سے نکلی تھیں لیکن بعد میں انہوں نے اپنے اس فعل کو بدعت اور خطا قرار دیا اور اس پر اس قدر ناہم ہوئیں کہ روزہ رسول میں حضور کے جوار میں دفن ہونے سے بھی آپ کو شرم آئی اور تاحیات اس فعل پر عنایت سے آنسو بہاتی رہیں لہذا حضرت عائشہ کے بعد کے سفر سے عورتوں کے گھروں سے نکلنے پر استدلال کرنا درست نہیں ہے عورت کی سربراہی کا تو اس واقعہ میں کوئی ذکر ہی نہیں ہے نہ آپ سربراہی کی مدح تھیں نہ جنگ میں پیشوائی کر رہی تھیں جنگ جمل تو ایک اتفاقی حادثہ تھا جو قاتلین عثمان کی سازش کے نتیجہ میں واقع ہوا جیسا کہ علامہ آلوسی نے وفون فی بیوتکن کی تفسیر میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

استاذ العلماء قدس سرہ العزیز نے اس مسئلہ پر دوسری دلیل یہ قائم کی ہے:

دلیل دوم: فقہ میں مصرح ہے کہ عورت قاضیہ ہو سکتی ہے اور قاضی بھی ان لوگوں کے لیے جن کا وہ قاضی ہے سربراہ ہوتا ہے اور وہ لوگ اپنے امور قاضی کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ (عورت کی عمرانی ص ۴۱)

فقہاء و محدثین مطلقاً عورت کی سربراہی اور امامت کو ناجائز کہتے ہیں البتہ فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ جن امور میں عورت کی شہادت قبول کی جائے گی ان امور میں عورت کی قضا بھی قبول کی جائے گی اس کا ثبانی جواب فقہاء احناف کے مذہب کے مؤمنوں میں انشاء اللہ العزیز بیان کریں گے۔

ہر چند کہ استاذ العلماء قدس سرہ العزیز نے ان دلیلوں سے عورت کی امامت اور خلافت یا ملک کی سربراہی پر استدلال نہیں فرمایا بلکہ انتظامیہ کی سربراہی پر استدلال فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں:

یہ کہنا کہ عورت مطلقاً سربراہ نہیں ہو سکتی بالکل باطل اور غلط ہے کیونکہ وہ سربراہ جو عورت نہیں ہو سکتی اس کی تین تعریفیں گزر چکی ہیں اور یہ تین تعریفیں صدر مملکت پر صادق آتی ہیں وزیر اعظم پر صادق نہیں آتی تو خلاصہ یہ ہے کہ عورت صرف صدر مملکت نہیں ہو سکتی اور وزیر اعظم ہو سکتی ہے۔ (عورت کی عمرانی ص ۴۱)

امامت اور خلافت کی تین تعریفیں اور ان پر بحث و نظر

حضرت استاذ العلماء قدس سرہ العزیز نے امامت کی جن تین تعریفوں کا حوالہ دیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ درختار سے تعریف نقل فرماتے ہیں: خلاصہ تعریف یہ ہوا کہ امامت میں لوگوں پر تصرف عام کا استحقاق ہوتا ہے۔

(عورت کی عکرائی ص ۲۵) (الدر المختار ج ۱ ص ۲۳۰ دارالایام قرأت لکھنؤ ص ۲۳۰)

(۲) موافق اور شرح موافق سے نقل فرمایا: ایک شخص کے لیے دنیاوی امور میں ریاست اور سرداری عام حاصل ہو سکتی ہے اور دنیاوی شعبہ اس کی ریاست سے خارج نہ ہو۔ (اولی قول) اس تعریف سے یہ واضح ہو گیا کہ شریعی امام صرف ایک ہے۔ امام متعدد نہیں ہو سکتے۔ تعریف اول اور دوم تقریباً ایک جیسی ہیں۔ (عورت کی عکرائی ص ۲۴-۲۶ ملاحظہ)

(شرح موافق ج ۸ ص ۳۳۵ مطبوعہ ایران ۱۳۳۵ھ)

اس کے بعد شرح موافق سے ہی تیسری تعریف نقل فرماتے ہیں:

(۳) خلاصہ تعریف سوم یہ ہے کہ امامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کا نام ہے اور یہ خلافت اقامت دین میں ہے اور ملت کے مجموعہ کی حفاظت میں ہے اور اس کی اتباع (اطاعت) تمام امت پر واجب ہوتی ہے اس آخری قید سے قاضی اور مجتہد خارج ہو گئے کیونکہ قاضی اور مجتہد کی اتباع (اطاعت) ساری امت پر واجب نہیں بلکہ قاضی کی اتباع (اطاعت) صرف اس حلقہ کے لوگوں پر ہے جس حلقہ کا وہ قاضی ہے یا ان لوگوں پر ہے جن کا مقدمہ اس قاضی کے پاس ہے اسی طرح مجتہد کی اتباع (اطاعت) صرف اس کے مقلدین پر واجب ہے اس تعریف پر وہ اعتراض نہیں ہوتا جو تعریف اول و دوم پر ہوتا ہے کہ ہر دو تعریف نبوت پر بھی صادق آتی ہیں حالانکہ امامت اور نبوت دو متضاد چیزیں ہیں۔ (شرح موافق ج ۸ ص ۳۳۵ مطبوعہ ایران ۱۳۳۵ھ)

اس تعریف پر اعتراض اس لیے نہیں ہوتا کہ نبوت کسی رسول کی خلافت نہیں ہے بلکہ نبوت شریعت مطہرہ کی بشت ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ عورت امام اور حاکم نہیں ہو سکتی اس سے مراد وہ حکومت اور امامت ہے جس کی تین تعریفیں ذکر کی گئی ہیں اس کے سوا بعض صورتوں میں عورت حاکم ہو سکتی ہے جیسے قاضی یا ملک کے کسی حصہ کی حکومت البتہ عورت جس طرح امامت کبریٰ کی اہل نہیں ہے امامت صغریٰ کی بھی اہل نہیں ہے۔ یعنی نفاذ کی امامت کی بھی اہل نہیں ہے اب دیکھنا ہے کہ امامت کی یہ مذکورہ تین تعریفیں صرف صدر پر صادق آتی ہیں یا صرف وزیر اعظم پر یا ہر ایک پر یا ہر دو کے مجموعہ پر تو بندہ عرض کرتا ہے کہ یہ تعریفیں صرف اور صرف صدر پر صادق آتی ہیں کیونکہ تینوں تعریفوں کا خلاصہ یہ ہے کہ امام کے لیے ضروری ہے کہ تمام لوگوں پر اس کا تصرف عام ہو اور تمام لوگوں پر اس کی اتباع (اطاعت) واجب ہو اور یہ امر صرف صدر مملکت پر صادق آتا ہے۔

(عورت کی عکرائی ص ۲۸-۲۹)

حضرت استاذ العلماء قدس سرہ العزیز نے یہ تینوں تعریفیں امامت کبریٰ کی ہیں اور امام وہ ہے جس کی اطاعت تمام امت پر واجب ہو جیسا کہ خود استاذ العلماء نے فرمایا ہے اور امام اور خلیفہ تمام عالم اسلام کا سربراہ ہوتا ہے اور صدر مملکت صرف کسی ایک ملک کا سربراہ ہوتا ہے اس لیے یہ تعریفیں صدر مملکت پر صادق نہیں آتیں بلکہ یہ امام اور خلیفہ ہی کی تعریفیں ہیں۔ آیا اس دور میں مسلمانوں پر خلیفہ کو مقرر کرنا واجب ہے یا نہیں؟

علامہ تخت زانی، علامہ خیالی اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے یہ بیان کیا ہے کہ امت پر تمام عالم اسلام میں ایک خلیفہ مقرر کرنا اس وقت واجب ہے جب ان کی قدرت اور اختیار میں ایک خلیفہ کو مقرر کرنا ممکن ہو اور خلفاء راشدین کے بعد جب غلبہ اور جور سے مروانی حکومت پر قابض ہو گئے تو اس وقت خلیفہ کو نصب کرنا مسلمانوں کی قدرت اور اختیار میں نہیں تھا اس لیے یہ ان پر واجب نہیں رہا۔ اسی طرح بنو امیہ میں سے عمر بن عبدالحزب اور بنو عباس میں سے مہدی عباسی خلیفہ تھے لیکن ان کے بعد غلبہ اور جور سے ملوک اور سلاطین سحران بن گئے اور اس وقت بھی ایک خلیفہ کو مقرر کرنا مسلمانوں کی قدرت میں نہیں تھا اس لیے

مسلمانوں پر ایک خلیفہ مقرر کرنا واجب نہ رہا، علیٰ ذہن القیاس اب براعظم ایشیا اور افریقہ میں مسلمانوں کے انچاس ملک ہیں اور بیشتر ممالک کے درمیان بحری بری اور فضائی رابطے کم ہیں اکثر ممالک اسلامیہ میں مغربی طرز کی جمہوری حکومت ہے بعض ممالک میں ملوک اور مسلمانین کی حکومت ہے اور بعض جگہ فوجی حکومت ہے اور اب مسلمانوں کی قدرت اور اختیار میں یہ نہیں ہے کہ دنیا میں ان تمام ممالک کے حکمرانوں کو معزول کر کے ان تمام ممالک اسلامیہ میں ایک حکومت قائم کر دیں اور کسی ایک ملک میں مرکزی خلافت بنا کر تمام ممالک کو اس ملک کے صوبے بنادیں اور ان تمام ممالک اسلامیہ کی ایک فوج بنو ایک کرنسی ہو اور تمام ملکوں میں حکمرانوں کا تقرر خلیفہ کے حکم سے ہو اور تمام ملکوں میں اس ایک خلیفہ کا خطبہ پڑھا جائے لا یشکلف اللہ نفسا الا وسعہا " اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی قوت اور طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا اس لیے اب مسلمانوں پر خلیفہ کا مقرر کرنا واجب نہیں ہے اور دنیا کے جن جن علاقوں میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہیں وہاں کے مسلمانوں پر غیر معصیت میں ان حکمرانوں کی اطاعت لازم ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر صرف امیر کا مقرر کرنا واجب ہے اور اسلامی حکومت جہاں پر جس شکل میں بھی قائم ہو صحیح ہے اور مسلمانوں پر اپنے اپنے امیر کی اطاعت کرنا واجب ہے ہاں اگر امیر خلاف شرع حکم دے تو اس میں اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی البتہ مسلمانوں کو چاہیے کہ ایک اسلامی بلاک بنائیں اور اسلامی ممالک کی ایک فیڈریشن قائم کر لیں اور اس کے لیے مسلسل کوشش کرتے رہنا چاہیے اگر مسلمانوں کا ایک اسلامی بلاک بن گیا یا ایک فیڈریشن قائم ہو گئی تو یہ نظام خلافت اسلام کے قریب تر ہوگا۔

عورت کو مردوں کے کسی بھی ادارہ کی سربراہ بنانے کی ممانعت

مجوز یہ نہ کہتے ہیں کہ عورت کو ریاست کا سربراہ یعنی صدر مملکت بنانا تو جائز نہیں ہے لیکن انتظامیہ کا سربراہ یعنی وزیراعظم بنانا جائز ہے اور قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور فقہاء امت کی تصریحات کے اعتبار سے عورتوں کو مردوں کے کسی بھی ادارہ کا سربراہ بنانا جائز نہیں ہے کیونکہ جب عورت مردوں کے کسی ادارہ کی سربراہ ہوگی تو لازماً عورت گھر سے نکلے گی اور عرف اور عادت یہ ہے کہ ایسی عورت گھر سے بے قیاب نکلتی ہے اور عورت اور مرد لازماً ایک دوسرے کی طرف دیکھیں گے اور ایک دوسرے سے باتیں کریں گے اور عرف اور معمول یہ ہے کہ عورت لوچ دار آواز میں باتیں کرتی ہے اور بلند آواز سے تقریر کرتی ہے حالانکہ عورت کے لیے یہ تمام امور شریعت میں ممنوع ہیں۔ ہم پہلے قرآن اور سنت سے عورت کے بے پردہ گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت پر دلائل پیش کریں گے پھر پردہ کے ثبوت اور ایک دوسرے کو دیکھنے اور ایک دوسرے سے باتیں کرنے کی ممانعت پر دلائل پیش کریں گے پھر عورت کی سربراہی کی ممانعت پر قرآن اور سنت سے دلائل پیش کریں گے اور آخر میں اس کی ممانعت پر علماء ربوہ کے فقہاء کی تصریحات پیش کریں گے۔

عورت کے گھر سے باہر بے پردہ نکلنے کے متعلق قرآن اور سنت کی تصریحات

وَقَدْ كَانَ فِي مَوَاقِفٍ وَلَا تَخْضَعْنَ ظُهُورَكُمْ لِلْعَجَاذِبِ

اور اپنے گھروں میں غمیری رہو اور پرانی چوہیت کی طرح

الذوقی (۱۱۰: ۳۳)

بے پردہ نہ چرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت واجب استر ہے جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو کتا کتا ہے وہ اپنے رب کی رحمت کے اس وقت زیادہ قریب ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کی کھڑکی میں ہو۔ (المجموع، التکریم، رقم الحدیث ۶۸۱۱، حاشیہ ۱) نے کہا اس حدیث کے تمام راویوں کی تصحیح کی گئی ہے (معجم الزوائد ج ۳ ص ۳۵)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں

شوہروں کے باپ اپنے بیٹے شوہروں کے بیٹے اپنے بھائی سمجھتے
بھانجے سلطان عورتیں باعدیاں ایسے نوکر جنہیں عورتوں کی خواہش
نہ ہو اور وہ لڑکے جو عورتوں کی شرم کی باتوں پر مطلع نہیں ہوتے اور
وہ اپنے پاؤں سے اس طرح نہ چٹکیں جس سے ان کی اس زینت کا
لوگوں کو علم ہو جائے جس کو وہ چھپا کر رکھتی ہیں اور اسے مسلمانو! تم
سب اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرو تا کہ تم سب نفاق کو پہنچ جاؤ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم پر ان کی زنا کاری کا حصہ
لکھ دیا ہے جس کو وہ لاحقہ پاکیں گے آنکھوں کا زنا دیکھنا زبان کا
زنا بولنا ہے نفس تنہا کرتا ہے اور شہوت کرتا ہے اور اس کی شرمگاہ
اس کی تصدیق کرتی ہے یا کذب کرتی ہے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۲۶۵۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۵۴)

قال ابو ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ
وسلم قال ان اللہ کتب علی ابن ادم حلقہ من
الزنا وادرک ذلک لا محالۃ فرنی العین النظر
ورزی اللسان النطق والنفس تمنی وتشتہی
والفرج یصدق ذلک ویکذبہ۔

مردوں سے عورتوں کے کلام کی ممانعت

شرعی ضرورت کے بغیر عورت کا اپنی مردوں سے کلام کرنا ممنوع ہے اگر نماز میں امام بھول جائے تو اس کو مستحب کرنے
کے لیے مرد بھیمان اللہ کہیں اور عورتوں کو بھیمان اللہ کہنے سے بھی منع فرمایا ہے وہ تالی بجا کر امام کو مستحب کریں حدیث میں ہے:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد بھیمان اللہ کہیں اور عورتیں تالی بجا کہیں۔
(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۱۸۴۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۳۹ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۱۲۸۸ سنن ابن ماجہ رقم
حدیث: ۱۰۳۳)

عورت کو سربراہ مملکت بنانے کی ممانعت پر قرآن اور سنت سے استدلال

اَلرَّجُلُ کَافٍ لِّلْمَرْءِ عَلٰی الْاِسْتِغَاثَةِ بِمَا فَتَنَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ
بَعْضًا (النساء: ۳۳)
تو آدم کا معنی ہے کسی چیز کی رعایت اور حفاظت کرنا (المفردات ج ۲ ص ۵۸۸) اس کا معنی کلمات کرنا اور خرچ اٹھانا بھی ہے۔
(لسان العرب ج ۱۲ ص ۵۰۳ تاج المعرب ج ۹ ص ۳۵)

امام رازی شافعی کہتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر مردوں کو غلبہ اور حاکمیت کی دو وجہیں بیان کی ہیں پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے
افریق کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر غلبہ اور شرعاً متحدہ وجہ سے فضیلت عطا کی ہے جبکہ
سنت اس طرح دی ہے کہ عقل و دانش اور قوت و طاقت کے اعتبار سے چند مستثنیات سے قطع نظر مرد عورتوں سے افضل
ہے ہیں اسی وجہ سے علم اور حکمت اور شجاعت اور بہادری کے کارناموں کا زیادہ ظہور مردوں سے ہوتا ہے اور شرعاً فضیلت یہ
کہ انبیاء اور رسل مردوں سے مبعوث ہوئے ہیں اور حکومت، خلافت، قیام کی امامت، جہاد کی امارت، اذان، خطبہ، احکام اور
بجائے میں شہادت یہ تمام احکام بالا اتفاق مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور وراثت اور وصیت میں مرد کا حصہ عورت سے

دو گنا ہے طلاق دینے پر جو جرح کرنے اور متعدد عورتوں سے نکاح کرنے کا حق بھی مردوں کو دیا ہے ان تمام وجوہ سے مردوں کو عورتوں پر برتری اور فضیلت واضح ہے۔ اور عورتوں پر مردوں کی حاکمیت کی دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ وہ مساکین و یتیموں کو مال و اموالہم "اس وجہ سے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں" کیونکہ مرد عورت کو کھردھاتا ہے اور اس کی ضروریات کی کفالت کرتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۷۷-۷۸) اور ایسا ماحول تھا جس میں عورت

علامہ آلوسی مٹنی لکھتے ہیں:

الرجال فوامون کا معنی یہ ہے کہ جس طرح حاکم رعایا پر اپنے احکام نافذ کرتا ہے اسی طرح مرد عورتوں پر احکام نافذ کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ نبوت رسالت حکومت امامت اذان اقامت خطبات اور دیگر امتیازات تشریف و غیرہ مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ (روح البانی ج ۵ ص ۲۵) اور اس پر دہانت ۱۳۷۷ھ

مذہب ارباب کے مفسرین کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا ہے ہر چند کہ یہ آیت براہ راست خانگی امور سے متعلق ہے لیکن اول تو اس آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو اس آیت کو خانگی امور کے ساتھ خاص کرتا ہو یا جب اللہ تعالیٰ نے ایک گھر کی ذمہ داری عورت پر نہیں ڈالی تو پورے ملک کی ذمہ داری اس پر کیسے ڈالی جاسکتی ہے؟ اس لیے اول تو اپنے عموم کی بناء پر یہ آیت عبادۃ الہیہ سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو ملک کا حاکم یا سربراہ نہیں بنایا جاسکتا اور ثانیاً دلالت الہیہ سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو ملک کا بلکہ کسی شعبہ کا بھی سربراہ نہیں بنایا جاسکتا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں کا قوام یعنی نگران اور کفیل بنایا ہے اور یہ ایک بدیہی بات ہے کہ ملک کا سربراہ اور حاکم ملک کے مردوں اور عورتوں سمیت تمام قوام کا قوام یعنی نگران اور کفیل ہوتا ہے پس اگر عورت کو ملک کا سربراہ اور حاکم بنا دیا جائے تو وہ عورت ملک کے تمام مردوں کی نگران اور کفیل ہوگی اور یہ چیز صریح قرآن مجید کے خلاف ہے اسی طرح اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں سے افضل قرار دیا ہے اور یہ ایک بدیہی بات ہے کہ حاکم محکوم سے منصب حکومت کے اعتبار سے افضل ہوتا ہے سو اگر عورت کو ملک کا سربراہ اور حاکم بنا دیا جائے تو اسے اپنے شوہر سمیت سب مردوں پر افضلیت حاصل ہوگی اور یہ سراسر قرآن مجید کے خلاف ہے لہذا اگر عورت کو ملک کا سربراہ بنایا جائے خواہ ریاست کی سربراہ ہو یا انتظامیہ کی تو ان دونوں سے قرآن مجید کی مخالفت لازم آئے گی!

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو نکران بنالیا ہے تو آپ نے فرمایا وہ قوم ہرگز طلاق نہیں پائے گی جس نے عورت کو اپنا امیر بنالیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۷۷ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۳ سنن ابی یوسف رقم الحدیث: ۳۷۳۳ سنن ابی حنیفہ رقم الحدیث: ۳۷۳۳ سنن ابی حنیفہ رقم الحدیث: ۳۷۳۳)

۳۳ سنن ابی حنیفہ رقم الحدیث: ۳۷۳۳ سنن ابی حنیفہ رقم الحدیث: ۳۷۳۳ سنن ابی حنیفہ رقم الحدیث: ۳۷۳۳

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے حکام نیک ہوں گے اور تمہارے مالدار لوگ نیک ہوں گے اور تمہارے باہمی معاملات مشورے سے ہوں گے تو تمہارے لیے زمین کے اوپر کا حصہ نچلے حصہ سے بہتر ہوگا اور جب تمہارے حاکم بد کردار ہوں گے اور تمہارے مالدار بخیل ہوں گے اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے پردہ ہوں گے تو تمہارے لیے زمین کے نیچے کا حصہ زمین کے اوپر کے حصہ سے بہتر ہوگا۔

(سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۳ سنن ابی یوسف رقم الحدیث: ۳۷۳۳ سنن ابی حنیفہ رقم الحدیث: ۳۷۳۳)

حکومت پورے ملک کی سربراہ ہو یا مردوں کے کسی ایک ادارہ کی سربراہ ہو تو بہر حال عورت مردوں پر مقدم ہوگی حالانکہ حدیث میں حکم یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں سے مؤخر رکھا جائے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا عورتوں کو مؤخر رکھو جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو مؤخر رکھا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۵۱۱۶، قدیم ۵۱۲۴، جدید ۲۸۳۱، تفسیر رقم الحدیث: ۶۳۸۴، حاشیہ ۱) نے کہا اس حدیث کے تمام روای صحیح ہیں۔

(ازداد کتب ج ۳ ص ۳۳)

عورتوں کی سربراہی کی ممانعت کے متعلق فقہاء مالکیہ کی تصریحات

قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی المالکی التونی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ کسرئی کے مرنے کے بعد جب اس کی قوم نے اس کی بیٹی کو اپنا حاکم بنالیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ قوم ظلال نہیں پائے گی جس نے اپنے معاملات کا حاکم عورت کو بنادیا۔ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ عورت خلیفہ نہیں ہو سکتی اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ امام ابن جریر طبری سے یہ منقول ہے کہ عورت کو قاضی بنانا جائز ہے ان سے یہ نقل صحیح نہیں ہے (کیونکہ اس آیت ائمل: ۲۳ کی تفسیر میں انہوں نے اس مسئلہ میں کچھ نہیں لکھا) اگر ان کے نزدیک عورت کو قاضی بنانا جائز ہوتا تو اس مقام پر اپنا حاکم رکھ دیتے (اسی طرح امام ابوحنیفہ سے یہ منقول ہے کہ جس معاملہ میں عورت کی گواہی جائز ہے اس معاملہ میں عورت کی قضا بھی جائز ہے اگر یہ قول ثابت ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک افراد کی معاملہ میں عورت کو فریقین حاکم بنالیں تو یہ جائز ہے نہ یہ کہ عورت کو بہ طور عموم حاکم بنانا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام ابن جریر سے حسن ظن بھی یہی ہے۔

ابن طرار شیخ الشافعیہ نے یہ اعتراض کیا کہ قاضی سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ گواہوں کے بیانات کو سنے اور فریقین کے درمیان فیصلہ کرے اور یہ کام جس طرح مرد کر سکتا ہے عورت بھی کر سکتی ہے قاضی ابوبکر بن اخطیب مالکی اشعری نے اس کے جواب میں کہا کہ خلیفہ اور حاکم سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ مردوں کی حفاظت کرے ملک کے داخلی معاملات کا انتظام کرنے قوم کو متحد رکھے ذکوۃ اور خراج کو وصول کرے مستحقین پر خرچ کرے اور ان کاموں کو عورت اس طرح انجام نہیں دے سکتی جس طرح ان کاموں کو مرد انجام دیتے ہیں۔

قاضی ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں یہ دونوں بزرگ اپنے اپنے موقف پر کوئی قوی دلیل نہیں لائے خلیفہ اور حاکم مجلس میں بیٹھ کر ملک کے داخلی اور خارجی انتظامی امور انجام دیتا ہے اور عورت عام مجلس میں نہیں بیٹھ سکتی اور نہ مردوں کے ساتھ مل جل کر کوئی کام کر سکتی ہے (کیونکہ شرعاً وہ ستر اور حجاب کی پابند ہے) کیونکہ جو ان عورت کو دیکھتا اور اس سے کلام کرنا حرام ہے۔ (الکام القرآن ج ۳ ص ۳۸۳-۳۸۴ مطبوعہ دارالکتب مصریہ ص ۱۳۸۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے بھی یہ عبارت نقل کر کے اس سے استدلال کیا ہے۔

(المناہج لا حکام القرآن ج ۳ ص ۱۷۱ مطبوعہ دارالکتب ص ۱۳۱۵ھ)

عورتوں کی سربراہی کی ممانعت کے متعلق فقہاء شافعیہ کی تصریحات

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی التونی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

اس پر اتفاق ہے کہ عورت خلیفہ اور قاضی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ جہاد کرنے کے لیے امام کو باہر نکلنے کی ضرورت ہوتی ہے اور مسلمانوں کے امور کے انتظام سمجھنے کے لیے بھی اس کو باہر نکلنا پڑتا ہے اور قاضی کو بھی مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے

باہر نکلتا پڑتا ہے اور عورت کے لیے گھر سے باہر نکلتا جائز نہیں ہے کیونکہ عورت واجب استر ہے اور وہ اپنے غیبتی لباس سے اکثر کاموں کو انجام دینے سے عاجز ہے اور اس لیے کہ عورت ناقص ہے اور خلافت اور قضا کا دل و دلاعت کے منصب پر اس لیے اس منصب کو کامل مرد ہی انجام دے سکتے ہیں۔

(شرح الحدیث ج ۱ ص ۷۰۷ رقم الحدیث ۲۸۶۷ مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ بیروت ص ۳۳۳)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی شافعی نے کہا ہے کہ عورت خلافت اور قضا کی اہلیت نہیں رکھتی یہی جمہور فقہاء کا مسلک ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۷۲ مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ بیروت ص ۳۳۳)

عورتوں کی سربراہی کی ممانعت کے متعلق فقہاء حنبلیہ کی تصریحات

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

قاضی کے لیے مرد ہونا شرط ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وہ قوم فلاح نہیں پاسکتی جس نے اپنا حاکم عورت کو بنادیا نیز قاضی عدالت میں مردوں کے سامنے بیٹھتا ہے اور اس کی رائے عقل اور ذہانت کا کامل ہونا ضروری ہے اور عورت ناقص عقل اور قلیل الرائے ہے اور مردوں کی مجلس میں حاضر ہونے کی دلیل نہیں ہے اور جب تک اس کے ساتھ مرد نہ ہو اس کی شہادت مقبول نہیں ہے خواہ اس کے ساتھ ہزار عورتیں ہوں۔ اللہ نے ان کے نسیان کی تصریح فرمائی ہے:

أَنْ تَنْسِيَ إِنْ خُذْتُمْ مِمَّا قَدْ كُنْتُ إِسْخَاطًا لَكُمْ لَكُمْ

کہ ان دو میں سے کوئی ایک (عورت) بھول جائے تو اس

(البقرہ ۲۸۳) ایک کو دوسری یاد دلا دے۔

اور عورت امامت عقلی (خلافت) کی صلاحیت نہیں رکھتی اور نہ شہروں میں حاکم (گورنر) بننے کی صلاحیت رکھتی ہے اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نہ خلفاء راشدین میں سے کسی نے کسی عورت کو کسی شہر کا حاکم بنایا اور نہ کسی عورت کو منصب قضا سونپا اور اگر یہ جائز ہوتا تو ہر زمانہ میں عورت خلیفہ گورنر یا قاضی بنی ہوتی۔

(الفتح ج ۱ ص ۱۰۹ مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ بیروت ص ۳۳۳ رقم الحدیث ۲۸۶۷ مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ بیروت ص ۳۳۳)

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

مطلوبہ شخص کو عورتوں کی اطاعت سے گریز کرنا چاہیے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑا کھنڈ کوئی نہیں چھوڑا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۵۰۹۲ صحیح مسلم رقم الحدیث ۴۷۰۰)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم فلاح نہیں پاسکتی جس نے اپنے معاملات کا حاکم عورتوں کو بنادیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۳۲۵ صحیح مسلم رقم الحدیث ۴۰۹۹)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آکر آپ کو خبر دی کہ ایک قوم نے اپنا حاکم عورت کو بنالیا آپ نے یہ سن کر تین بار فرمایا جب مرد عورتوں کی اطاعت کریں گے تو وہ ہلاک ہو جائیں گے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۵ الحدیث رقم ۲۹۱ حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی حافظ ذہبی

نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے حاشیہ مسند احمد رقم ۲۳۳۳ ص ۴۵)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا میں نے تم

زیادہ کوئی ناقصات محل اور (ناقصات) دین نہیں دیکھیں جو کسی ہوشیار مرد کی عقل کو ضائع کرنے والی ہوں! عورتوں نے پوچھا یا رسول اللہ! ہمارے دین کا نقصان کیا ہے اور ہماری عقل کا نقصان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا عورت کی شہادت مرد کی شہادت کی نصف کی مثل نہیں ہے انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ عورتوں کی عقل کا نقصان ہے! کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب عورت کو حیض آتا ہے تو وہ نہ نماز پڑھتی ہے نہ روزے رکھتی ہے! انہوں نے کہا کیوں نہیں! فرمایا یہ ان کے دین کا نقصان ہے!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۸۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۷۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۱۳، سنن انسائی رقم الحدیث: ۱۵۷۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۳۳، سنن الکبیری للعلانی رقم الحدیث: ۱۳۳۳، السنن الکبیری ج ۱ ص ۳۸، مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۳، المستدرک ج ۲ ص ۱۹۰، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۰۷۵، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۰۰۰، معنیٰ مدارق رقم الحدیث: ۲۰۱۵، معنیٰ ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۵۲۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۶۲، الشرح المندرج رقم الحدیث: ۱۷) (مجموع الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۸ھ)

علامہ منصور بن یونس بمقوی منلی متوفی ۱۰۵۱ھ لکھتے ہیں:

قاضی کا مرد ہونا ضروری ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پاسکتی جس نے اپنے معاملات کا حاکم عورت کو بنالیا اور اس لیے کہ عورت ناقص العقل اور قلیل الہدای ہے مردوں کی عقل میں حاضر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ (کشاف القناع ج ۲ ص ۳۷۷، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۸۸ھ)

حدود اور قصاص کے سوا عورتوں کی قضاء کے جواز کے متعلق فقہاء احناف کا موقف

علامہ علی بن ابی بکر الرضائی اہل السنن متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

عورت کو حدود اور قصاص کے سوا ہر چیز میں قاضی بنانا جائز ہے اس کا اعتبار عورت کی شہادت پر کیا گیا ہے اور اس کی وجہ گزر چکی ہے۔ (دایہ خیرین ص ۱۳۱، مطبوعہ مرکز علمیات)

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد متوفی ۸۶۱ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اسکے علاوہ نے کہا ہے کہ عورت کو قاضی بنانا جائز نہیں ہے کیونکہ عورت مردوں کے نزاعی معاملات میں حاضر ہونے کی اہلیت نہیں رکھتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قوم نے عورت کو اپنے معاملات میں حاکم بنالیا وہ فلاح نہیں پاسکتی! مصنف نے کہا اس کی قضا کے جواز کی وجہ گزر چکی ہے اور وہ یہ ہے کہ مصنف نے قضا کی بحث میں کہا ہے کہ قضا بھی شہادت کی طرح باب ولایت سے ہے اور عورت شہادت کی اہل ہے اس لیے وہ ولایت کی اہل ہے۔

(فتح القدیر ج ۷ ص ۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۵ھ)

علامہ محمد بن محمود ہامیری متوفی ۸۶۷ھ لکھتے ہیں:

مصنف نے کتاب ادب القاضی کے شروع میں کہا ہے کہ قضا کا حکم شہادت کے حکم سے مستفاد ہوتا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک ولایت (تصرف) کے باب سے ہے پس ہر وہ شخص جو شہادت دینے کا اہل ہے وہ قاضی بننے کا اہل ہے اور جو چیزیں شہادت دینے کی شرائط ہیں وہ قضا (فیصلہ) کرنے کی شرائط ہیں۔ (دایہ خیرین ص ۱۳۳) اور عورت حدود اور قصاص کے سوا باقی معاملات میں شہادت دینے کی اہل ہے سو وہ حدود اور قصاص کے سوا باقی معاملات میں قاضی بننے کی بھی اہل ہے۔

(امتیاز فتح القدیر ج ۷ ص ۷۷، دار الفکر بیروت ۱۳۷۵ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے بھی اس عبارت کی اسی طرح شرح کی ہے۔ (البتا یہ ۵۹۸ھ مطبوعہ دارالکتاب احقریہ دہلی ۱۳۳۷ھ)
علامہ ابوبکر بن مسعود کا سانی حنفی حنفی حنفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:
قاضی کے لیے مرد ہونے کی شرط نہیں ہے کیونکہ عورت بھی فی الخلق شہادت دینے کی اہل ہے مگر وہ حدود اور قصاص میں شہادت نہیں دے سکتی اور قضا کی اہلیت شہادت کی اہلیت پر موقوف ہے۔

(دائع مصالح ج ۱ ص ۸۶ مطبوعہ دارالکتاب احقریہ دہلی ۱۳۳۷ھ)

حدود اور قصاص کے ماسوا میں عورت کی قضا کا جواز اس کو مستلزم نہیں کہ اس کو دیوانی عدالت کا قاضی بنا دیا جائے

فقہاء احناف نے جو یہ کہا ہے کہ حدود اور قصاص (فوجداری مقدمات) کے سوا باقی معاملات (دیوانی مقدمات) میں عورت قاضی بن سکتی ہے اس سے بعض لوگوں کو یہ وہم ہوا ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک عورت امام خلیفہ اور سربراہ مملکت بھی بن سکتی ہے سواں جگہ اس پر غور کرنا چاہیے کہ عورت دیوانی معاملات میں اکیلی گواہی نہیں دے سکتی بلکہ ایک عورت بھی گواہی نہیں دے سکتی صرف دو عورتیں مل کر ایک مرد کے ساتھ گواہی دے سکتی ہے۔ علامہ مرغینانی حنفی ۵۹۳ھ فرماتے ہیں:
ز: کے سوا باقی حدود اور قصاص میں دوسروں کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: واستشهدوا شہدین من رجالکم (البقرہ ۲۸۲) دوسروں کو گواہ بنانا اور ان میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی (کیونکہ زہری نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اور حضرت ابوبکر اور عمر اور ان کے بعد سے یہ سنت جاری ہے کہ حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی نہیں ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۷۹) اور ان کے علاوہ دیگر حقوق میں دوسروں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت قبول کی جائے گی خواہ ان حقوق کا تعلق مال سے ہو یا معاملات سے جسے نکاح طلاق وکالت اور وصیت وغیرہ (مثلاً عناق اور نسب) (ہدایہ فیہ ج ۱ ص ۱۵۵ مطبوعہ مکتبہ شریعت علیہ السلام)

صرف ایک شخص کا یہ طور قاضی مقرر کیا جاتا ہے اور دیوانی معاملات میں صرف ایک عورت کی گواہی جائز نہیں ہے اس لیے دیوانی معاملات میں بھی عورت کو قاضی بنانا جائز نہیں ہے چہ جائیکہ اس کو سربراہ مملکت بنانا جائز ہو یا بعض امور میں صرف ایک عورت کی گواہی جائز ہے سواں صورت میں اس کی قضا بھی جائز ہے اور وہ صورت یہ ہے:
ولادت میں بکارت میں اور خواتین کے دیگر ان میوہ میں جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے ان امور میں ایک عورت کی شہادت بھی قبول کی جائے گی۔ حضرت ابن عمر نے کہا تنہا عورتوں کی شہادت دینا جائز نہیں ہے ماسوا ان صورتوں کے جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے۔ (سنن ترمذی ج ۱ ص ۱۵۱)

(ہدایہ فیہ ج ۱ ص ۱۵۵ مطبوعہ مکتبہ شریعت علیہ السلام) علامہ طبرسی ج ۱ ص ۷۹ دارالکتاب احقریہ دہلی ۱۳۳۷ھ
ہدایہ اور مبسوط کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ صرف ایک عورت کی قضا صرف ولادت اور بکارت ایسے امور میں جائز ہے جیسے دائی یا لیدنی ڈاکٹر بتائے کہ یہ عورت کنواری ہے یا نہیں یا اس کو حمل ہے یا نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مخصوص معاملہ میں جب اس کی تحقیق کی ضرورت ہو مثلاً کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اس عورت کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا تو لیدنی ڈاکٹر معاینہ کر کے بتادے کہ واقعی اس کے ساتھ ایسا کیا گیا ہے یا یہ بنوڑ کنواری ہے اور اس کی بکارت قائم ہے اور جزوی معاملہ میں عورت کی قضا اور اس کے قول کے حجت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ عورت کو عمومی طور پر عدالت میں قاضی لگا دیا جائے یا اس کی سربراہ مملکت بنادیا جائے یہ فقہاء احناف پر بہتان عظیم ہے اب ہم علامہ علی اور علامہ شامی کی عبارات سے یہ واضح کر رہے ہیں

ہیں کہ عورت کے لیے امامت کبریٰ جائز نہیں ہے، یعنی اس کو مسلمانوں کا امام خلیفہ یا سربراہ مملکت بنانا جائز نہیں ہے۔
عورت کو سربراہ مملکت بنانے کے عدم جواز کے متعلق فقہاء احناف کی تصریحات

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد صلی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

لوگوں پر عام تصرف کے استحقاق کو امامت کبریٰ کہتے ہیں اور امام کو مقرر کرنا سب سے اہم واجبات میں سے ہے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ شخص مسلمان ہو آزاد ہو مرد ہو باطل بالغ ہو صاحب قدرت ہو قریشی ہو اس کا باغی ہو یا عوی ہو یا معصوم ہو شرط نہیں ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

خلیفہ اور سربراہ مملکت کے لیے مرد ہونے کی شرط اس لیے لگائی گئی ہے کہ عورتوں کو گھروں میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ ان کے احوال ستر اور حجاب پر مبنی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وہ قوم کیسے خلع پاوے گی جس کی بادشاہ عورت ہو۔
(رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

نیز علامہ شامی فرماتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عورت کو امام کے منصب پر مقرر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اس کی اہل نہیں ہے اور نہ اس کو امام کے قائم مقام مقرر کرنا جائز ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۸ھ)
عورت کی سربراہی کے متعلق ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۶۹۰-۶۹۲ میں مفصل بحث کی ہے اور تبیین القرآن ج ۳ ص ۶۵۸-۶۵۹ میں بھی اس پر لکھا ہے لیکن اس مقام پر سب سے زیادہ لکھا ہے۔

تحت بلقیس کی صفت

نیز ہد نے کہا اس کو ہر چیز سے دیا گیا ہے یعنی اس دور میں بادشاہوں کو جن چیزوں کی ضرورت ہوتی تھی وہ سب اشیاء اس کے پاس موجود تھیں۔

اور ہد نے کہا اس کا بہت بڑا تخت ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ قیمتی اور خوبصورت تخت تھا وہ سونے کا بنا ہوا تھا اور اس کے پائے جواہر اور موتیوں کے تھے۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۲۰۸۸۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں۔

امام ابن ابی حاتم نے زہیر بن محمد سے روایت کیا ہے کہ وہ سونے کا تخت تھا اور اس کے اوپر یا قوت اور زمرہ جڑے ہوئے تھے اس کا طول اسی (۸۰) ہاتھ کا اور عرض چالیس (۴۰) ہاتھ کا تھا وہ سات منزلہ تخت تھا اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی چانتا ہے ظاہر یہ ہے کہ عرش سے مراد تخت ہے ہد نے اس کو بہت عظیم اس لیے کہا کہ اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک میں اتنا بڑا اور اتنا خوبصورت تخت نہیں دیکھا تھا یا اور بادشاہوں کے پاس ایسا تخت نہیں دیکھا تھا حضرت سلیمان علیہ السلام ہر چہ کہ بہت بڑے بادشاہ تھے لیکن ان کے پاس بھی اتنا عظیم الشان تخت نہیں تھا ہد نے اس تخت کی اس قدر تحریف اور توصیف اس لیے کی کہ حضرت سلیمان اس کی باتوں کی طرف متوجہ ہوں اور ان کو یہ خیال آئے کہ ہد جو غیر حاضر رہا تھا وہ یونہی وقت ضائع کرنے کے لیے نہیں گیا تھا بلکہ بہت قیمتی معلومات حاصل کر کے آیا ہے۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۲۸۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ہد ہ نے کہا) میں نے اس کو اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے لیے (ان) کاموں کو خوشنایا دیا ہے سو ان کو اللہ کے راستے سے روک دیا ہے میں وہ چاہتا ہوں کہ ان کے پاس سے ۵ یہ لوگ اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمینوں کی چیزوں کو بابر لاتا ہے اور وہ ان تمام چیزوں کو چاہتے ہیں جس کو تم چھپاتے ہو اور جن کو تم ظاہر کرتے ہو ۵ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے ۵ (اقبل ۲۶-۲۷)

ہد ہ کے اس قول کا معنی یہ ہے کہ بتیس کی قوم اللہ کی عبادت کرنے کے بجائے سورج کی پرستش کرتی ہے اور شیطان نے ان کے برے کاموں کو ان کی نظر میں اچھا بنا دیا ہے یعنی سورج کی پرستش اور ان کے دیگر کفریہ کاموں اور محاسن کو اور ان کو صحیح طریقہ سے روک دیا ہے۔

ان لا یسجدوا کی متعدد نحوی ترکیبیں اور تراجم

اصل ۲۵: میں ہے ان لا یسجدوا اس کی مختلف نحوی تراکیب ہیں اس لیے اس کے تراجم بھی مختلف ہیں۔ شیخ سعدی متوفی ۶۹۱ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: راہ نے پایند تا سجدہ کنند خداے را شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس کا ترجمہ کیا ہے: راہ نے پایند بسوئے آنکہ سجدہ کنند آں خداے را شاہ رفیع الدین متوفی ۱۲۳۳ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: نہیں راہ پاتے یہ کہ سجدہ کریں واسطے اللہ کے شاہ عبدالقادر محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۰ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: راہ نہیں پاتے کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو اعلیٰ حضرت متوفی ۱۳۳۰ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: کیوں نہیں سجدہ کرتے اللہ کو علامہ سید احمد سعید گنگوٹی متوفی ۱۳۰۶ھ نے لکھا ہے (شیطان نے انہیں روک دیا) تاکہ وہ سجدہ نہ کریں۔

ان لا یسجدوا میں لام تعلیلیہ محذوف ہے اصل میں لعللا یسجدوا یعنی شیطان نے بتیس کی قوم کو کفریہ کاموں میں اس لیے ملوث کیا تاکہ وہ اللہ کو سجدہ نہ کریں یا شیطان نے ان کے برے کاموں کو ان کی نظر میں اس لیے اچھا بنا دیا یا ان کو سیدھے راستے سے اس لیے روکا تاکہ وہ اللہ کو سجدہ نہ کریں۔

ان لا یسجدوا کی دوسری تقریر یہ ہے کہ اس میں لا (حرف نفی) لازمہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ شیطان نے ان کو اللہ کے لیے سجدہ کرنے سے روک دیا۔

اس کی تقریر یہ ہے کہ لعللا میں بھی لا (حرف نفی) لازمہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
 لَنْ يَنْتَظِرُوا أَهْلَ الْكِتَابِ أَنْ يَفْعَلَ اللَّهُ فِعْلَهُمْ وَلَا يَتَذَكَّرُ فِيهِمْ
 فَمَنْ فَضَّلَ الْاَلَهُ (اللہ ۲۴)
 تاکہ اہل کتاب جان لیں کہ ان کو اللہ کے فضل میں سے کسی چیز پر قدرت نہیں ہے۔

ان لا یسجدوا کی تیسری تقریر یہ ہے کہ اس سے پہلے الی مقدور ہے اور یہ چار مجرور لا یسجدون کے متعلق ہے اور اس صورت میں بھی لا لازمہ ہے اور اس کا یہ معنی ہے: جس وہ اللہ کو سجدہ کرنے کی طرف ہدایت نہیں پائیں گے۔

ان لا یسجدوا کی ترکیب کی چوتھی تقریر یہ ہے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور اس کا معنی ہے ان کا طریقہ اور ان کی عادت یہ تھی کہ وہ اللہ کو سجدہ نہیں کرتے تھے۔

ان لا یسجدوا کی نحوی ترکیب کی پانچویں تقریر یہ ہے کہ ان لا (اللہ) حرف حبیہ ہے گویا ہد بتیس کی قوم کو کھانا کھانے کے قائم مقام کر کے کہہ رہا ہے کہ تم اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں سے اللہ تعالیٰ نے نیا کلام شروع کیا

ہو کہ یہ لوگ اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمینوں کی چیزوں کو باہر لاتا ہے یا یہاں سے حضرت سلیمان علیہ السلام کا کلام شروع ہوا یعنی ہد ہد کا کلام سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے بتیس کی قوم کے متعلق تبصرہ فرمایا یہ لوگ اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمینوں کی چیزوں کو باہر لاتا ہے۔

(روح المعانی ج ۱۹ ص ۳۸۵-۳۸۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

تحت بتیس اور عرش الہی دونوں کے عظیم ہونے کا فرق

آئینہ ۲۶ میں ہد ہد کا قول ہے یا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔

اس سے پہلے ہد ہد نے بتیس کے عرش (تحت) کو عظیم کہا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے عرش کو عظیم کہا ہے دونوں عرشوں کے عظیم ہونے میں فرق ہے بتیس کا تحت دنیاوی بادشاہوں کے تختوں کے اعتبار سے عظیم تھا اور اللہ تعالیٰ کا عرش کائنات کے تمام تختوں کے اعتبار سے عظیم ہے نہیں بلکہ وہ تمام زمینوں اور آسمانوں سے بڑا ہے۔

امام ابن جریر نے اور امام ابو اسحاق نے کتاب احکامہ میں اور امام ابن مردودہ نے اور امام بیہقی نے الاسماء والصفات میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کرسی کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اے ابو ذر اسات زمینیں اور سات آسمان کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے جنگل کی زمین میں انگوٹھی مری ہوئی ہو اور عرش کی فضیلت کرسی پر ایسے ہے جیسے انگوٹھی کی فضیلت جنگل پر ہے۔

خطیب بغدادی 'امام قرطبی' امام عبد بن حمید 'امام ابن المنذر' امام ابن ابی حاتم 'امام طبرانی' امام ابوالشیخ 'امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کرسی قدموں کی جگہ ہے اور عرش کی عظمت اور مقدار کا کوئی شخص اندازہ نہیں کر سکتا۔ (الدر المنثور ج ۱۸ ص ۱۸۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ)

امام ابن جریر 'امام ابن المنذر' امام ابوالشیخ نے اور امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ کرسی پر رکھنے کی جگہ ہے اور وہ چرہ چر کرتی ہے جس طرح پالان چرہ چر کرتا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ نے کہا یہ بہ طور استعارہ ہے اور اللہ تعالیٰ تشبیہ سے پاک ہے اس کی وضاحت میں امام ابن جریر نے ضحاک کا یہ قول درج کیا ہے کہ کرسی وہ چیز ہے جس کو تخت کے نیچے رکھا جاتا ہے بادشاہ تخت پر بیٹھ کر اس پر اپنے پر رکھتے ہیں۔

(الدر المنثور ج ۱۸ ص ۱۸۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت سلیمان نے) کہا ہم دیکھتے ہیں کہ تم نے جگ کہا ہے یا تم جھوٹوں میں سے ہو ۵ میرا یہ مکتوب لے جاؤ اور اسے ان کے پاس ڈال دو پھر ان سے پشت بھرنے کو اور دیکھو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں ۵ ملکہ سائے کہا اے میرے سردار! اے شک میرے پاس ایک معزز مکتوب پہنچایا گیا ہے ۵ بے شک وہ مکتوب سلیمان کی جانب سے ہے اور بے شک وہ اللہ ہی کے نام سے (شروع کیا گیا) ہے جو بہت مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے ۵ یہ کہ تم میرے مقابلہ میں سر نہ اٹھاؤ اور مسلمان ہو کر میرے پاس آ جاؤ ۵ (آئینہ ۳۱-۳۲)

خبر واحد اور خبر متواتر وغیرہ کی تعریضیں اور ان کے احکام

یہ آیات ایک سوال کے جواب میں ہیں سوال یہ ہے کہ جب ہد ہد نے اپنی پوری بات سنا دی تو حضرت سلیمان نے کیا فرمایا اس کے جواب میں حضرت سلیمان نے فرمایا: ہم دیکھتے ہیں کہ تم نے جگ کہا ہے یا تم جھوٹوں میں سے ہو حضرت سلیمان

کے اس فرمان میں یہ دلیل ہے کہ خبر واحد صدق اور کذب دونوں کا احتمال رکھتی ہے خبر واحد وہ ہے جو حوالہ کے ساتھ متواتر اسے کہتے ہیں کہ ابتداء سے آخر تک ہر دور میں اس کے بیان کرنے والے اتنے زیادہ ہوں کہ وہ اصل کے نزدیک متفق نہ ہو سکیں اور جو خبر اس درجہ تک نہ پہنچی ہو وہ خبر واحد ہے خواہ وہ خبر مشہور ہو خبر غریب ہو یا خبر مشہور ہو خبر کے بیان کرنے والے پہلے دور میں تو اتنے زیادہ نہ ہوں کہ ان کا اتفاق جھوٹ پر نہ ہو سکے لیکن بعد میں اس کے بیان کرنے والے اتنے زیادہ ہوں اور خبر غریب وہ ہے جس کے سلسلہ سند میں کسی جگہ صرف دو راوی ہوں اور خبر غریب وہ ہے جس کے سلسلہ سند میں کسی جگہ صرف ایک راوی ہو۔

حضرت سلیمان کے اس قول میں یہ دلیل بھی ہے کہ ہر چند کہ خبر واحد صدق اور کذب دونوں کا احتمال رکھتی ہے تاہم خبر واحد سننے کے بعد اس کو بالکل نظر انداز نہیں کیا جاتا بلکہ اس کی تحقیق کی جائے گی کہ دیگر دلائل اور قرآن سے اس کا صدق متعین ہوتا ہے یا کذب اگر اس کا صدق ثابت ہو جائے تو اس خبر کو صادق قرار دیا جائے گا اور اگر اس کا کذب ثابت ہو جائے تو اس کو کاذب قرار دیا جائے گا۔ خبر متواتر مفید یقین ہوتی ہے اور خبر واحد مفید ظن ہوتی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا مکتوب میں پہلے اپنا نام لکھتا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب میں پہلے اللہ کا نام لکھتا

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے بقیس کی جانب ایک مکتوب لکھا: یہ مکتوب اللہ کے بندے سلیمان کی طرف ہے۔ بے شک وہ اللہ ہی کے نام سے (شروع کیا گیا) ہے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے پھر انہوں نے اس کے اوپر مہر لگائی جس پر اللہ کا نام لکھا ہوا تھا اور ہر دو خط دے دیا پھر دھاگے سے باندھ کر وہ خط ہر دو کے گلے میں لٹکا دیا اور ہر دو سے کہا یہ خط بقیس تک پہنچا دو۔

حضرت سلیمان کے مکتوب میں انہوں نے پہلے اپنا نام لکھا ہے کہ یہ سلیمان کی جانب سے ہے اور پھر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قول کی جانب مکتوب لکھا تو اس میں لکھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی جانب سے روم کے بادشاہ ہرقس کی طرف۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۷۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۳۶۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۷۷۷ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۱۱۰۶۳)

اس میں خط کے اخیر میں مہر لگانے کا بھی ذکر ہے اس کے متعلق یہ حدیث ہے:
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مکتوب لکھا یا مکتوب لکھنے کا ارادہ کیا آپ سے کہا گیا کہ وہ لوگ صرف اسی مکتوب کو پڑھتے ہیں جس پر مہر لگی ہوئی ہو سو آپ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنائی جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسّم تھا گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی سفیدی دیکھ رہا ہوں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۰۹۳ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۵۷۷۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۸۰)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کافر بادشاہوں کی طرف مکاتیب حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہر دو سے فرمایا میرا یہ مکتوب لے جاؤ اور اسے ان کے پاس ڈال دو۔
حضرت سلیمان علیہ السلام نے خصوصیت کے ساتھ ہر دو کو مکتوب دے کر بھیجا حالانکہ آپ کے زیر تعریف اور آپ کے ماتحت بہت قوی جن بھی تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ہر دو کے صدق کا امتحان لینا چاہتے تھے آیا وہ بقیس اور اس کے ملک کے

روینے میں صادق ہے یا نہیں اور اگر وہ جھوٹا ثابت ہو تو اس کو سزا دینے میں کوئی عذر باقی نہ رہے۔

اس آیت میں یہ بھی دلیل ہے کہ مسلمانوں کے امیر اور امام کو کافر حکمرانوں کی طرف تبلیغ اسلام کے لیے مکاتیب لکھنے نہیں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متحد و کافر بادشاہوں کی طرف مکاتیب لکھے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کی طرف مکتب لکھا اور نجاشی کی طرف لکھا اور ہرجبار کی طرف مکتب لکھا اور اس کو اسلام کی دعوت دی اور یہ وہ نجاشی نہیں تھا جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۷۳۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۱۶ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۸۸۲۷)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم ہرقل کی طرف جو مکتب روانہ کیا اس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم 'یہ مکتب محمد رسول اللہ کی طرف سے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام ہے جو ہدایت کا چراغ و کار ہے اس کو سلام ہو اس کے بعد واضح ہو کہ میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام قبول کرو سلاستی کے ساتھ رہو گے اللہ تعالیٰ تم کو دینا اگر عطا فرمائے گا اور اگر تم نے اعراض کیا تو تمہارے پیروکاروں کا بھی تم پر گناہ ہوگا:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ (آل عمران: ۶۴)

قراردے گا اگر وہ اس سے اعراض کریں تو آپ کیسے کہ تم گمراہ ہو کہ تم تو مسلمان ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۶ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۱۷ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۸۸۲۸)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کی طرف جو مکتب لکھا تھا اس میں اس کو یہ حکم دیا تھا میرے متعلق جلد میں سر تا پا اور تابع ہو کر میرے پاس آ جاؤ اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کو جو خط لکھا تھا اس میں یہ حکم دیا تھا کہ اللہ کو ایک مانو اور صرف اسی کی عبادت کرو اسلام قبول کرو سلاستی رہو گے اور تم کو دینا اگر عطا فرمائے گا اس حضرت سلیمان نے مکتب کو اپنے نام سے شروع کیا اور ہمارے نبی نے اپنے مکتب کو اللہ کے نام سے شروع کیا سو کتنا فرق ہے دونوں مکتبوں میں!

ہر ہد کا بلقیس کو مکتب پہنچانا

علامہ سید محمود آلوسی حلی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مکتب لکھ کر اس پر منگ لگا کر اس کو بند کیا پھر اس پر مہر لگائی اور وہ خط ہر ہد کو دے دیا جب وہ خط لے کر اس کے محل میں پہنچا تو وہ سوئی ہوئی تھی اس نے دروازے بند کر کے چابیاں اپنے سر بانے رکھی ہوئی تھیں ہر ہد روشن دان سے کمرے میں داخل ہوا اور وہ مکتب اس کے سینہ کے لا پر پھینک دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ہر ہد نے چونگی لگا کر اس کو چکایا تو وہ گھبرا کر اٹھ گئی جب اس نے خط پر مہر لگی ہوئی دیکھی تو وہ کا پٹنے لگی۔ بلقیس عربی پڑھی ہوئی تھی اس نے مہر توڑ کر خط نکال کر پڑھ لیا۔ (درع المعانی ج ۲ ص ۳۹۰-۳۹۱)

خط پڑھنے کے بعد بلقیس نے اپنے درباریوں سے اس خط کے متعلق مشورہ کیا: ملکہ سبائے کہا اے میرے سردار! یہ شک میرے پاس معزز مکتب پہنچایا گیا ہے بے شک وہ مکتب سلیمان کی جانب سے ہے اور بے شک وہ اللہ ہی کے نام سے

بے شک وہ مکتوب سلیمان کی جانب سے ہے اور بے شک وہ اللہ ہی کے نام سے (شروع کیا گیا) ہے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔ (آئینہ: ۲۶)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلے اپنا ذکر کیا پھر اللہ کا نام ذکر کیا اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کو لکھا اس کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابو امیان اندلسی متوفی ۵۳۷ھ لکھتے ہیں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہی اپنے نام کو بسم اللہ الرحمن الرحیم پر مقدم کیا ہو تا کہ مکتوب کے شروع میں اللہ کا نام بتقیس کے ہاتھوں بے ادبی سے محفوظ رہے کیونکہ اس وقت بتقیس کا فرہنجی تا کہ ظاہر میں مکتوب کا عنوان حضرت سلیمان کا نام ہو اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں مکتوب کا عنوان اللہ کا نام ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مکتوب میں پہلے بسم اللہ لکھی ہوئی ہو اور بتقیس نے مکتوب پڑھتے وقت پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام پڑھ کر لوگوں کو یہ بتایا ہو کہ یہ مکتوب کس کی جانب سے آیا ہے۔

علامہ ابو بکر بن العربی نے کہا ہے کہ رسلِ خدا میں جب کسی کی طرف کوئی مکتوب لکھتے تھے تو اپنے نام کو پہلے لکھتے تھے اور یوں لکھتے تھے یہ فلاں کی طرف سے فلاں کے نام سے اور ابو الیث نے (کتاب البعثان) میں لکھا ہے کہ اگر لکھنے والا شروع میں مکتوب الیہ کا نام لکھ دے تو یہ جائز ہے کیونکہ امت کا اس کے جواز پر اجماع ہے اور انہوں نے اس پر عمل کیا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ مکتوب میں صرف اتنا ہی لکھا ہوا تھا جتنا قرآن مجید میں مذکور ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مکتوب عربی میں ہو کیونکہ بادشاہوں کے پاس مترجمین ہوتے ہیں جو ایک زبان کو دوسری زبان میں منتقل کرتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عربی زبان میں مکتوب لکھا تھا کیونکہ بتقیس عربوں کی نسل سے تھی انبیاء علیہم السلام طویل مکتوب نہیں لکھتے تھے چند جملوں پر مشتمل ضرورت کے مطابق لکھتے تھے۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے کسی نے مکتوب میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نہیں لکھا تھا۔ (ابن کثیر ج ۸ ص ۲۲۵-۲۲۶، سلیمہ، المذکر ج ۲ ص ۱۳۳)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکاتیب میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا کتب شروع کیا؟

علامہ سید محمود اوسنی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

مکاتیب کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو لکھنا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ یہ اس آیت کے نزول کے بعد ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مکتوب کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نہیں لکھا امام عبدالرزاق وغیرہ نے شعی سے روایت کیا ہے کہ اہل جاہلیت باسمک اللہم لکھتے تھے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ** (حد: ۶۱) پھر آپ نے بسم اللہ لکھا پھر یہ آیت نازل ہوئی: **اُدْخِلْنِیْ رَحْمَتَکَ اٰلَہُمَّ اِنَّکَ اَرْحَمُ الرَّحِیْمِ** (نور سرائیل: ۱۱۰) تب آپ نے لکھا: **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ** پھر یہ آیت نازل ہوئی: **اِنَّکَ اَنْتَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ** (آئینہ: ۳۰) تب آپ نے لکھا: **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ**۔

حافظ جلال الدین سیوطی نے اتفاق میں لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے قرآن مجید کی کون سی آیت نازل ہوئی اس میں کئی اقوال ہیں صحیح یہ ہے کہ **اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ عَلَّمَکَ** (معلق: ۱) سب سے پہلے نازل ہوئی دوسرا قول ہے **يَا أَيُّهَا الْمَدِیْنَةُ** (المدثر: ۱) تیسرا قول ہے سورۃ الفاتحہ پڑھا تو قول ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم پھر حافظ سیوطی نے کہا میرے نزدیک یہ کوئی اگلا قول نہیں ہے کیونکہ ہر صورت کے نزول سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہوئی لہذا جو آیت علی الاطلاق سب سے پہلے نازل ہوئی ہے وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔

اور یہ بات ہمارے موقف کو تقویت دیتی ہے لہذا کی کتاب بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع ہوئی ہے۔ یہی آیت سب سے پہلے نازل ہوئی ہے لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداء نبوت میں ہی بسم اللہ الرحمن الرحیم کا علم ہو گیا تھا اس لیے صحیح یہ ہے آپ ابتداء سے ہی مکاتیب سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھواتے تھے اور جس شخص نے یہ کہا کہ آپ کو ابتداء نبوت میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کا علم ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کو یہ بھی علم ہو گیا ہو کہ مکاتیب کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا شروع ہے تو وہ شخص ضرور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ اور مقام سے جاہل ہے۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۲۹۲-۲۹۱ مسطور دار الفکر ج ۱ ص ۱۵۷)

آیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے بقیس کو اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا تھا یا اپنی بادشاہت تسلیم کرنے کا؟

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس مکتوب میں لکھا تھا تم میرے مقابلہ میں سر نہ اٹھاؤ اور مسلمان ہو کر میرے پاس آ جاؤ (نمل ۳۱) بعض مفسرین نے کہا اس آیت میں جو مسلمین کا لفظ ہے اس سے مراد مومنین ہے اور صحیح قول یہ ہے کہ اسلام اور ایمان مترادف ہیں اور بعض مفسرین نے کہا اسلام کا لغوی معنی مراد ہے یعنی استسلام اور ظاہری اطاعت۔

انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے کسی قوم کو اللہ کی توحید بتائے اور اس کی عبادت کرنے کا حکم دیتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی اس کے نمائندے اور اس کے سفیر اور پیغام بر ہیں اور اپنی رسالت اور نبوت پر دلائل اور معجزات پیش کرتے ہیں اور اس پیغام کے قبول نہ کرنے پر انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔

اور بادشاہوں کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی علاقہ کو اپنا تابع کرنے کے لیے اس کو اس پر حملہ کرنے کی دھمکی دیتے ہیں اور اپنا تسلط قائم کرنے کے لیے اس سے خراج وصول کرتے ہیں اور خراج ادا نہ کرنے کی صورت میں اس پر حملہ کر دیتے ہیں۔ اگر اس آیت میں مسلمین کے لفظ سے مومنین کا ارادہ کیا جائے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ ارشاد انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کے مناسب ہے اور اگر اس آیت میں مسلمین کے لفظ سے استسلام اور اطاعت ظاہرہ اور مغلوب اور مقبور ہونے کا ارادہ کیا جائے تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ ارشاد بادشاہوں کے طریقہ کے مناسب ہے۔

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں مسلمین سے مومنین ہی مراد ہے باقی رہا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی نبوت پر کوئی معجزہ تو نہیں پیش کیا اس کا جواب یہ ہے کہ ہر بد کو مکتوب دے کر بھیجتا اور ہر بد کا بقیس کو مکتوب پہنچانا خود ایک عظیم معجزہ ہے اور رہا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو توحید اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی دعوت نہیں دی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو اسلام اور ایمان لانے کا اسی لیے حکم دیا تھا کہ وہ اور اس کی قوم سورج کو پرستش کرتی تھی اور ایمان لانے کا یہی معنی تھا کہ وہ شرک اور آتش پرستی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائے اور اس کی اطاعت کرے۔

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلِكُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا

(بلکہ بقیس نے) کہا اے سر دارو! میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو میں اس وقت تک کوئی قطع نہیں کر سکتی

حَتَّى تَشْهَدُونِ ۝ قَالُوا نَحْنُ أَوْلُوا قَوْلِهِ دَاوُدُ وَابْنُ شَدِيدٍ

جب تک کہ تم (مشورہ کے ساتھ) حاضر نہ ہو O انہوں نے کہا ہم بہت طاقت والے اور سخت جنگ جو ہیں

وَالْأَمْرُ إِلَيْكَ فَانْظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ ﴿۳۲﴾ قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ

اور فیصلہ کرنے کا آپ کو اختیار ہے آپ سوچ کر بتائیے آپ کیا حکم دیتی ہیں ۳۲ اس نے کہا بادشاہ جب

إِذَا دَخَلُوا أَقْرَبِيَةَ أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعْرَافَهُمْ آذِلَّةً ۖ وَ

کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو اہاڑ دیتے ہیں اور اس کے معززین کو رسوا کر دیتے ہیں اور

كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿۳۳﴾ وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنْظُرَ بَعْ

۳۳ (بجی) ایسا ہی کریں گے ۳۳ اور بے شک میں ان کی طرف ایک ہدیہ بھیجے والی ہوں پھر دیکھوں گی کہ

يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ ﴿۳۴﴾ فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمُنُ قَالَ أَتُمِدُّوْنَ بِمَالِ

سفر کیا جواب لاتے ہیں ۳۴ پھر جب وہ (سفر ہدیہ لے کر) سلیمان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا کیا تم مال کے ساتھ میری

فَمَا أَتَيْتُ اللَّهَ خَيْرًا مِّمَّا أَتَيْتُكُمْ ۖ بَلْ أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ ﴿۳۵﴾

مدد کر رہے ہو سو اللہ نے جو کچھ مجھے دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے بلکہ اپنے ہدیہ پر تم ہی خوش ہوتے رہو ۳۵

ارْجِعِ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِخُنُودٍ ۖ لَّا قَبْلَ لَكُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِنْهَا

ان کے پاس واپس جاؤ (اور انہیں بتا دو) کہ ہم ضرور اپنے لنگروں کے ساتھ ان پر حملہ کریں گے جن کے مقابلہ کی ان میں

أَذِلَّةٌ ۚ وَهُمْ صُغُرُونَ ﴿۳۶﴾ قَالَ يَا أَيُّهَا الْمُلُوكُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا

طاقت نہیں اور ہم ضرور ان کو ذلیل اور رسوا کر کے وہاں سے نکال باہر کریں گے ۳۶ سلیمان نے کہا اے سردارو! تم میں کون

قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿۳۷﴾ قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ

ان کے اطاعت گزار ہو کر آنے سے پہلے اس کا تخت میرے پاس لاسکتا ہے ۳۷ ایک بہت بڑے جن نے کہا میں آپ کے

بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَّقَامِكَ ۖ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ﴿۳۸﴾

مجلس پر خواست کرنے سے پہلے اس تخت کو آپ کے پاس حاضر کر دوں گا اور میں اس پر ضرور قادر اور امین ہوں ۳۸

قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ

جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا میں آپ کی لپک جھپکے سے پہلے اس تخت کو

يَرْتَدُّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ

آپ کے پاس حاضر کروں گا سو جب سلیمان نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا

هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي ءَ أَشْكُرْ أَمْ أَكْفُرُ وَمَنْ

یہ میرے رب کے فضل سے ہے تاکہ وہ میرا عمل ظاہر کرے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا کفر کرتا ہوں اور جو

شَكَرْنَا يَشْكُرْ لِنَفْسِهِ ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَّبِّي عَنِّي

شکر کرتا ہے تو وہ اپنے فائدہ ہی کے لیے شکر کرتا ہے اور جو کفر کرتا ہے تو میرا رب ہے ہر

كَرِيمٌ ۝ قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ أَ تَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ

بزرگ ہے ۵ سلیمان نے حکم دیا کہ اس تخت میں کچھ تغیر کر دو تاکہ ہم آزمائیں کہ آیا وہ اس کو پہچانے گی یا ان

مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ۝ فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَكَذَا

لوگوں میں سے ہے جو راہ نہیں پاتے ۵ جب ہمیں آئی تو اس سے پوچھا گیا کیا اس کا

عَرْشُكِ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۖ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَ

تخت ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا گویا کہ یہ وہی ہے اور ہمیں اس سے پہلے ہی علم دیا گیا تھا اور

كُنَّا مُسْلِمِينَ ۝ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ

ہم اطاعت گزار ہو چکے تھے ۵ اور اس کو (اطاعت سے) اس چیز نے روکا تھا جس کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتی تھی

إِنَّمَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ۝ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۖ

بے شک وہ کافروں میں سے تھی ۵ اس سے کہا گیا اس محل میں داخل ہو جاسو جب اس نے

فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً ۖ وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقِهَا قَالَتْ إِنَّهُ

اس (شے کے فرش) کو دیکھا تو اس نے اس کو گہرا پانی سمجھا اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اوٹھا کر لیا سلیمان

صَرَخَ مُرَدًّا مِّنْ قَوَارِيرِهِ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي

نے کہا بے شک یہ شے سے بنا ہوا پتھر کا ٹکڑا ہے ہمیں نے کہا اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا

وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

میں سلیمان کے ساتھ اللہ پر ایمان لے آئی جو رب العالمین ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ملک بلیقس نے) کہا: اے سردارو! میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو! میں اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی جب تک کہ تم (مشورہ کے ساتھ) حاضر نہ ہو! انہوں نے کہا ہم بہت طاقت والے اور سخت جنگ جو ہیں اور فیصلہ کرنے کے آپ کو اختیار ہے آپ سوچ کر بتائیے کہ آپ کیا حکم دیتی ہیں! اس نے کہا بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اسے اجازت دیتے ہیں اور اس کے معززین کو رسوا کر دیتے ہیں اور وہ (بھی) اسیا ہی کریں گے ۝ (نمل: ۳۳-۳۴) مشورہ کی اہمیت

ہر حضرت سلیمان علیہ السلام کا مکتوب کے لے کر بلیقس کے پاس غیر معمولی طریقہ سے پہنچا تھا! اس کو چارہ ر بلیقس بہت مرعوب اور سخت دہشت زدہ ہو گئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا قاتم میرے مقابلہ میں سر نہ اٹھا، اور میرے اطاعت گزار ہو کر میرے پاس حاضر ہو جائے! اب دو صورتیں تھیں یا تو بلیقس حضرت سلیمان علیہ السلام کے خوف مقابلہ کے لیے تیر ہوئی یا اللہ پر ایمان لا کر ان کی مطیع ہو کر ان کے پاس حاضر ہو جاتی! وہ دیکھ چکی تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی پرندوں پر بھی حکومت تھی سو ایسے غیر معمولی حکمران سے مقابلہ کرنے سے وہ خوفزدہ تھی اس لیے اس نے اپنے دربار کے سرداروں سے مشورہ لیا۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی رائے کو حرف آخر نہ سمجھے اور کسی اہم فیصلہ آمد و معامد میں اپنے دوستوں اور غیروں سے مشورہ لے۔ اس آیت میں مشورہ کے جواز کی دلیل ہے قرآن مجید میں ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۝ (آل عمران: ۱۵۹)

اور ان کے معاملات میں ان سے مشورہ کیجئے۔

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ۝ (اشوری: ۳۸)

اور ان کے معاملات ہامی مشوروں سے ہوتے ہیں۔

بلیقس کے سرداروں کا مشورہ یہ تھا کہ اگر حضرت سلیمان نے ہم پر حملہ کیا تو ہم ان کا مقابلہ کریں گے ہم آسانی سے شکست کھانے والے نہیں ہیں اور اپنی رائے پیش کر کے انہوں نے فیصلہ کا اختیار بلیقس کو دے دیا۔ بلیقس نے کہا جب بادشاہ کسی ملک پر حملہ کرتے ہیں تو اس کو تباہ اور برباد کر دیتے ہیں اور اس شہر کے حاکموں کو اپنا قیدی بنا لیتے ہیں یا ان کو قتل کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (بلیقس نے کہا) اور بے شک میں ان کی طرف ایک ہدیہ بھیجنے والی ہوں پھر دیکھوں گی کہ سفیر کیا جواب لاتے ہیں! پھر جب وہ (سفیر ہدیہ لے کر) سلیمان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا تم مال کے ساتھ میری مدد کر رہے ہو! سو اللہ نے جو کچھ مجھے دیا وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تمہیں دیا! بلکہ اپنے ہدیہ پر تم ہی خوش ہوتے رہو! ان کے پاس واپس جاؤ! (اور انہیں بتا دو کہ) ہم ضرور ایسے لشکروں کے ساتھ ان پر حملہ کریں گے جن کے مقابلہ کی ان میں طاقت نہیں اور ہم ضرور ان کو ذلیل اور رسوا کر کے وہاں سے نکال باہر کریں گے ۝ (نمل: ۳۲-۳۵)

ایک دوسرے کو ہدیہ دینے کے جواز اور استحسان کے متعلق احادیث

بلیقس نے کہا میں مغرب حضرت سلیمان کے پاس ایک ہدیہ بھیجوں گی اور دیکھوں گی ان کی طرف سے کیا جواب آتا ہے! ہو سکتا ہے کہ وہ ہماری طرف سے ہدیہ کو قبول کر لیں اور ہم پر حملہ کرنے سے باز آجائیں! اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ہم پر بر

سال کچھ مال کی ادائیگی بطور خراج مقرر کر دیں اور ہم اس کو مان لیں اور وہ ہم سے جنگ اور قتال کو چھوڑ دیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر مفسرین نے کہا بتیس نے کہا تھا کہ اگر انہوں نے یہ یہ قبول کر لیا تو پھر وہ بادشاہ ہیں پھر تم ان سے جنگ کرنا اور اگر انہوں نے یہ یہ قبول نہیں کیا تو پھر وہ نئی ہیں۔

قرآن مجید کی اس آیت میں یہ یاد رکھو کہ یہ سو ہم اس مقام پر یہ پیش کرنے اور یہ یہ قبول کرنے کے حلق احادیث ذکر کرنا چاہتے ہیں:

عطاء بن ابی سلمہ عبد اللہ انقراسی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دوسرے سے مصافحہ کرو اس سے کہینے دور ہو گا ایک دوسرے کو چاہیے وہ اس سے ایک دوسرے سے محبت کرو گے اور بغض دور ہو گا۔

(امام حاکم سنن ۱۶۰۰ رقم الحدیث ۱۷۳۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دوسرے کو یہ دو کیونکہ یہ یہ ایک دوسرے کے سینے سے کہینے کو قتال دیتا ہے اور کوئی عورت اپنی پردوں کے یہ یہ کو حقیر نہ سمجھے خواہ وہ بکری کے کھر کا ٹکڑا ہو۔

(سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۲۱۳۰۰ مسند احمد ۲۰۵۰ مسند ابی داؤد رقم الحدیث ۶۶۶۶ مسند ابی داؤد رقم الحدیث ۱۱۳۰۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے بکری کے ایک ہاتھ یا اس کے ایک کھر کی دعوت دی جائے تو میں اس کو قبول کروں گا اگر اس کا ایک ہاتھ یا کھر مجھے یہ یہ میں دیا جائے تو میں اس کو قبول کروں گا۔ (مسند ابی داؤد رقم الحدیث ۶۶۶۶ مسند احمد ۲۰۵۰ مسند ابی داؤد رقم الحدیث ۱۱۳۰۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کے ساتھ ہجرت کی۔ وہ ایک ایسے شہر میں داخل ہوئے جس میں ظالم بادشاہ تھا اس بادشاہ نے کہا سارہ کو آجر (ہاجر) دے دو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک زہرا کو دے بکری یہ یہ گئی۔ ابو سعید نے کہا ایلہ کے بادشاہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید غمر اور چادر یہ یہ کی اور آپ نے اس کو اس کے شہر کی عسکرانی پر بحال کر دیا۔ (کیونکہ اس نے جزیہ دینا منظور کر لیا تھا)

(مسند ابی داؤد رقم الحدیث ۱۱۳۰۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دبیز ریشم کا جبہ یہ یہ کیا گیا لوگوں کو اس پر تعجب ہوا آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ و قدرت میں محمد کی جان ہے جنت میں سعد بن معاذ کے رومال اس سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ (مسند ابی داؤد رقم الحدیث ۶۶۶۶ مسند احمد ۲۰۵۰ مسند ابی داؤد رقم الحدیث ۱۱۳۰۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو (تجوک کے نزدیک ایک جگہ) کے ایک عیسائی نے آپ کو (ذکور الصدر) یہ یہ کیا تھا۔ (مسند ابی داؤد رقم الحدیث ۶۶۶۶ مسند احمد ۲۰۵۰ مسند ابی داؤد رقم الحدیث ۱۱۳۰۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی کے لیے آپ کو اس دن یہ یہ پیش کرتے تھے جس دن آپ حضرت عائشہ کے گھر ہوتے تھے۔

(مسند ابی داؤد رقم الحدیث ۶۶۶۶ مسند احمد ۲۰۵۰ مسند ابی داؤد رقم الحدیث ۱۱۳۰۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ یہ قبول فرماتے اور اس کے بدلہ میں یہ یہ عطا فرماتے۔ (مسند ابی داؤد رقم الحدیث ۶۶۶۶ مسند احمد ۲۰۵۰ مسند ابی داؤد رقم الحدیث ۱۱۳۰۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خراج کرو اور گن گن کر دو ورت اللہ تعالیٰ

کو گن گن کر دے گا اور لوگوں کو دینے سے ہاتھ نہ روکنا اور نہ اللہ بھی تم سے ہاتھ روک لے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۹۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۹۹ سنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۹۳۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جنگلی گدھا دیا یہ کیا اس وقت آپ مقام ابواء یا ابودان میں تھے۔ آپ نے اس کو واپس کر دیا جب آپ نے اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھے تو آپ نے فرمایا ہم نے اس کو صرف اس لیے واپس کیا ہے کہ ہم غرم ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۷۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۳۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۱۹ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۰۹۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان اگر کسی عذر کی وجہ سے بد یہ قبول نہ کرے تو عذر بیان کر دے نیز اگر کسی غرم کو کھلانے کے قصد سے غیر غرم شکار کرے تو غرم کے لیے اس کا کھانا جائز نہیں اور اگر غیر غرم نے مطلق شکار کیا ہو تو پھر غرم کے لیے اس کو کھانا جائز ہے۔

بلیقے کے پیچھے ہوئے بد یہ کی تفصیل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب وہ (سفیر بد یہ لے کر) سلیمان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا کیا تم مال کے ساتھ میری مدد کر رہے ہو؟

بلیقے نے حضرت سلیمان کے پاس بد یہ میں کیا چیزیں بھیجی تھیں اس کے متعلق متعدد روایات ہیں:

حافظ عبد الرحمن بن محمد بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قارہ بیان کرتے ہیں کہ بلیقے نے کہا میں ایک بد یہ بھیج کر ان کو اپنے ملک سے دور کرتی ہوں سو اس نے سونے کی ایک اینٹ کو ریشم میں لپیٹ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۳۲۹)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ اس نے ان کے پاس غلام اور باندیاں روانہ کیں اور غلاموں کو باندیوں کا لباس پہنا دیا اور باندیوں کو غلاموں کا لباس پہنا دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۳۳۰)

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ اس نے اسی (۸۰) غلام اور باندیاں روانہ کیں اور سب کے سر موٹہ دینے اور کہا اگر وہ غلام اور باندیوں کو ایک دوسرے سے تمیز نہیں کر سکے تو وہ نبی نہیں ہیں اور اگر انہوں نے ان کو ایک دوسرے سے تمیز کر لیا تو پھر وہ نبی ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کو وضو کرنے کا حکم دیا۔ غلاموں نے کہیں سے پتھریلوں تک دھویا اور باندیوں نے پتھریلوں سے کہیں تک دھویا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا یہ باندیاں اور وہ غلام ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۳۳۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بلیقے نے بد یہ روانہ کیا اور کہا اگر انہوں نے اس بد یہ کو قبول کر لیا تو وہ بادشاہ ہیں میں ان سے جنگ کروں گی اور اگر انہوں نے اس بد یہ کو ستر دکر دیا تو وہ نبی ہیں میں ان کی پیروی کروں گی۔ جب بلیقے کے سفیر حضرت سلیمان علیہ السلام کے قریب پہنچے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کو حکم دیا کہ وہ ان کے محل میں ایک ہزار سونے کی اینٹوں اور ایک ہزار چاندی کی اینٹوں کا فرش بچھا دیں جب ان کے سفیروں نے سونے اور چاندی کا محل دیکھا تو وہ جو سونے کی ایک اینٹ ریشم میں لپیٹ کر تختہ میں دینے کے لیے لائے تھے وہ ان کو بہت حقیر لگی اور کہنے لگے اب ہم سونے کی ایک اینٹ کو بد یہ میں دے کر کیا کریں گے ان کا تو پورا محل ہی سونے اور چاندی کا بنا ہوا ہے۔

(تحریر امین ابی ماحرم رحمہ اللہ ص ۳۳۳)

حافظ محمد الدین ابن کثیر حنفی ۷۷۷ھ نے ان روایات کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بتیس کے پیچھے ہوئے تحائف کی طرف بالکل توجہ نہیں کی اور فرمایا کیا تم مال کے ساتھ میرا مقابلہ کر رہے ہو میں تم کو تمہارے ملک میں شرک کے حال پر نہیں چھوڑوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو ملک مال اور لشکر عطا کیے ہیں وہ تمہارے سونے اور چاندی سے بہت افضل ہیں! اپنے ان تحفوں پر تم ہی خوشی مناؤ میں تم سے اسلام یا نکواری کے سوا اور کسی چیز کو قبول نہیں کروں گا۔ ان کے پاس واپس جاؤ اور انہیں بتا دو کہ ہم ضرور ایسے لشکروں کے ساتھ ان پر حملہ کریں گے جن کے مقابلہ کی ان میں طاقت نہیں اور ہم ضرور ان کو ذلیل اور رسوا کر کے وہاں سے نکال باہر کریں گے۔ جب بتیس کے سفر بھیجیں گے دیے لے کر واپس اس کے ملک پہنچے اور انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا جواب اس کو سنایا تو بتیس اور اس کی قوم نے سر اطاعت جھکا دیا اور وہ اپنے لشکر کے ساتھ اطاعت گزار ہو کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف روانہ ہوئی! جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ بتیس اپنے لشکر کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے ان کے پاس آ رہی ہے تو وہ اس سے خوش ہوئے اور انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سلیمان نے کہا: اے سردار! اتم میں سے کون ان کے اطاعت گزار ہو کر آنے سے پہلے اس کا تخت میرے پاس لا سکتا ہے؟ ۵۹ ایک بہت بڑے جن نے کہا میں آپ کے مجلس برخواست کرنے سے پہلے اس تخت کو آپ کے پاس حاضر کروں گا اور میں اس پر ضرور قادر اور امین ہوں ۵۰ جس شخص کے پاس کتاب کاظم تھا اس نے کہا میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اس تخت کو آپ کے پاس حاضر کروں گا جو جب سلیمان نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے تاکہ وہ میرا عمل ظاہر کرے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکر کرتا ہے تو وہ اپنے فائدہ ہی کے لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکر کرتا ہے تو میرا رب ہے پر وہ بزرگ ہے ۵۱ (نہل: ۸۰-۸۱)

بتیس کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں روانہ ہونا

علامہ سید محمود آلوسی حنفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے پہلے ایک عبارت مختصر ہے یعنی بتیس کا سفر واپس بتیس کے پاس گیا اور بتایا کہ حضرت سلیمان نے اس پر حملہ کرنے کی قسم کھائی ہے تب بتیس نے اطاعت شکاری کی نیت سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کی تیاری کی اور اس کو یقین ہو گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور وہ ان سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ روایت ہے کہ اس نے شہر سے نکلے وقت اپنے تخت کو محفوظ کر دیا اس کے پاس سات کمرے تھے ہر کمرے کے پیچھے ایک کمرہ تھا۔ اس نے ساتویں کمرے میں تخت کو بند کر دیا اور کمرے میں قفل ڈال دیا! بلکہ ساتوں کمروں میں تالے لگائے اور اس کی حفاظت کے لیے چوکیدار مقرر کر دیئے پھر اپنے خدام اور چہلین کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف روانہ ہوئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف پیغام بھیجا کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہی ہوں تاکہ آپ کے احکام کو سمجھوں اور جس دین کی آپ مجھے دعوت دے رہے ہیں اس میں غور کروں۔

تخت بتیس منکوانے کی وجوہات

عبداللہ بن شداد نے کہا جب بتیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک سے ایک فرسخ (تین شرعی میل جو ساڑھے چار انگریزی میل کے برابر ہیں) کے فاصلہ پر روہنگی تو حضرت سلیمان نے اپنے اہل دربار سے کہا: اے سردار! اتم میں سے کون ان کے اطاعت گزار ہو کر آنے سے پہلے اس کا تخت میرے پاس لا سکتا ہے؟

حضرت سلیمان علیہ السلام بتیس کے پہلے سے پہلے جو اس کا تخت منگوانا چاہتے تھے اس سے آپ کا مقصود کیا تھا اس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابن زید سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بتیس کو یہ دکھانا چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عجیب و غریب اور حیرت انگیز کاموں پر قدرت عطا کی ہے تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ قدرت ان کی نبوت پر دلالت کرے اور یہ جو فرمایا کہ ان کے پہلے سے پہلے وہ تخت لایا جائے تاکہ اس سے خلاف عادت کام پر اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت ظاہر ہو اور ان کی نبوت پر دلیل قائم ہو اور بتیس جب یہاں پہنچے تو پہلے ہی پہلی ساعت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزہ پر مطلع ہو جائے۔

امام ابن جریر طبری نے کہا کہ آپ نے تخت اس لیے منگویا کہ آپ ہر ہر کی خبر کے صدق کی آزمائش اور امتحان لیں کیونکہ اس نے کہا تھا کہ اس کا تخت عظیم ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ نے وہ تخت اس لیے منگویا تھا کہ آپ اس تخت میں کچھ تغیر اور تبدل کر دیں پھر بتیس کی عقل کا امتحان لیں کہ وہ اپنے تخت کو پہچانی ہے یا نہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ نے حربی کے مال پر اس کی رضا کے بغیر قبضہ کرنا چاہا تھا اور آپ یہ اقدام اللہ تعالیٰ کی وحی سے کر رہے تھے اور یہ آپ کی خصوصیات میں سے تھا ورنہ شرائع سبقت میں تو مال غنیمت کو بھی لے لیا حلال نہ تھا اور یہ تو مال غنیمت بھی نہ تھا جو بات دل کو زیادہ لگتی ہے وہ یہی ہے کہ آپ بتیس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اپنا معجزہ دکھانے کے لیے اور اس میں تغیر اور تبدل کر کے اس کا امتحان لینے کے لیے اس کے پہلے سے پہلے اس کا تخت منگوار ہے تھے۔ (روح المعانی ۱۹ ج ۱ ص ۳۰۱-۳۰۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

عفریت کا معنی

اس آیت میں ہے عفریت من الجن نے کہا عفریت کا معنی ہے بہت بڑا جن قوی و بیکل و بڑا علامہ رافع اصفہانی نے کہا جنات میں سے عفریت اس کو کہتے ہیں جو موذی اور غیبت ہو جیسے بہت بدکار اور سازشی انسان کو شیطان کہا جاتا ہے اسی طرح بہت غیبت جن کو عفریت کہا جاتا ہے (المفردات ج ۲ ص ۴۳۱) امام ابن جریر نے کہا عفریت کا معنی سرکش اور قوی ہے اور جن کا نام کوزن تھا۔ (جامع البیان ۱۹ ج ۱ ص ۱۹۷) علامہ آلوسی نے لکھا ہے حضرت ابن عباس سے مروی ہے اس کا نام صحر تھا۔

عفریت من الجن کی پیشکش کہ وہ دربار برخواست ہونے سے پہلے تخت کو حاضر کر دے گا

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۴۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا اس عفریت من الجن نے کہا میں آپ کی مجلس پر خواست کرنے سے پہلے اس تخت کو لا کر حاضر کر دوں گا۔ مجاہد سعدی اور دیگر مفسرین نے کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام لوگوں کے درمیان مقدمات کا فیصلہ کرنے اور دیگر کارروائی کے لیے صبح کے اول وقت سے لے کر زوال تک بیٹھتے تھے۔ اس جن نے کہا میں اس تخت کے لانے پر قوی ہوں اور اس میں جو قیمتی ہیرے اور جواہرات جڑے ہوئے ہیں ان پر میں امین ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا میں اس سے بھی زیادہ جلدی چاہتا ہوں اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس تخت کو اس لیے منگوانا چاہتے تھے کہ اس سے یہ ظاہر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کتنی عظیم سلطنت عطا کی ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ان لشکروں کو مسخر کر دیا جن کو ان سے پہلے کسی اور کے لیے مسخر نہیں کیا تھا اور نہ ان کے بعد کسی اور کے لیے ایسی سلطنت فرماں رہائی ہوگی اور تاکہ آپ کی یہ سلطنت بتیس کے سامنے آپ کی نبوت پر دلیل اور معجزہ ہو کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام شام میں تھے اور بتیس یمن کے شہر صنعاء میں تھی اور ان کے درمیان بہت فاصلہ تھا اور وہ تخت کو کوفیوں میں سے نوین کوفی میں تالوں میں بند

تھا اور اس کے گرد محافظ اور چوکیدار مستعد بیٹھے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)
سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

حضرت سلیمان کے دربار کی نشست زیادہ سے زیادہ تین چار گھنٹے کی ہوگی اور بیت المقدس سہا کے پایہ تخت گاہ پہ فاصلہ پرندہ کی اڑان سے بھی کم از کم ڈیڑھ ہزار میل کا تھا اس لئے فاصلہ سے ایک ملکہ کا عظیم الشان تخت اتنی کم مدت میں اٹھا کر کسی انسان کا کام نہیں ہو سکتا تھا خواہ وہ عالم قدس میں سے کتنا ہی مونا تازہ آدمی کیوں نہ ہو یہ کام تو آج کل کا جٹ عیار بھی انجام دینے پر قادر نہیں ہے۔ مسئلہ اتنا ہی نہیں ہے کہ تخت کیسے جنگل میں رکھا ہو اور اسے اٹھا لایا جائے۔ مسئلہ یہ ہے کہ تخت ایک ملکہ کے محل میں تھا جس پر یقیناً پہرہ دار متعین ہوں گے اور وہ ملکہ کی غیر موجودگی میں ضرور محفوظ رکھا گیا ہوگا۔ انسان جا کر اٹھا لانا چاہتا تو اس کے ساتھ ایک چھاپہ مار دست ہونا چاہیے تھا کہ لڑ بھڑ کر اسے پہرہ داروں سے بچھین لائے یہ سب کچھ آخر دربار برخواست ہونے سے پہلے کیسے ہو سکتا تھا اس چیز کا اگر تصور کیا جاسکتا ہے تو ایک حقیقی جن ہی کے بارے میں کیا جاسکتا ہے۔

(تفسیر القرآن ج ۳ ص ۶۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ج ۱۱ قرآن ۱۰ سورہ راج ۱۹۸۳ھ)

حضرت سلیمان کے ولی کا پلک جھپکنے سے پہلے تخت بقیس کو حاضر کر دیتا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اس تخت کو آپ کے پاس حاضر کروں گا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

وہ شخص بہر حال جن کی نوع میں سے نہ تھا اور بعید نہیں کہ وہ کوئی انسان ہی ہو اس کے پاس کوئی غیر معمولی علم تھا اور وہ اللہ کی کسی کتاب و الکتاب سے باخبر تھا۔ جن اپنے وجود کی طاقت سے اس تخت کو چند گھنٹوں میں اٹھا لانے کا دعویٰ کر رہا تھا یہ شخص علم کی طاقت سے اس کو ایک لمحہ میں اٹھا لایا۔

اس دیوینکل جن کے دعوے کی طرح اس شخص کا دعویٰ صرف دعویٰ ہی نہ رہا بلکہ فی الواقع جس وقت اس نے دعویٰ کیا اسی وقت ایک ہی لمحہ میں وہ تخت حضرت سلیمان کے سامنے رکھا نظر آیا۔ (تفسیر القرآن ج ۳ ص ۷۷ مطبوعہ دار الفکر ۱۹۸۳ھ)

جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا اس کا مصداق کون تھا

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بڑے بزرگ و ماہر اور جہوری اور جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ شخص آصف بن برخیا بن شعیب بن منکیل تھا وہ بنی اسرائیل میں سے تھا مشہور قول کے مطابق وہ حضرت سلیمان کا وزیر تھا۔ مجمع البیان میں مذکور ہے کہ وہ ان کا وزیر تھا وہ ان کا بھانجا تھا اور ان کا چچا خیر خواہ تھا اس کو ام اعظم کا علم تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ان کا کاتب (سکریٹری) تھا۔

(روح المعانی ج ۱۹ ص ۳۰۲ مطبوعہ دار الفکر ۱۴۱۷ھ)

اس شخص کے حلق و گھرا تو اہل یہ ہیں: علامہ علی بن محمد مودودی متوفی ۱۳۵۰ھ لکھتے ہیں۔

(۱) یہ وہ فرشتہ تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کے ملک کو طاقت دی۔

(۲) حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر جو جن اور انس پر مشتمل تھا یہ اس کا کوئی فرد تھا۔

(۳) یہ خود حضرت سلیمان تھے اور انہوں نے عفویت من الجن سے فرمایا تھا۔ اس میں اس تخت کو تیری پلک جھپکنے سے پہلے

آ جاہوں۔ (امام رازی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔)

(۴) یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور انسان تھا اور اس میں پھر کچھ قول ہیں۔ (۱) قتادہ نے کہا اس کا نام مطلقاً تھا (ب) مجاہد نے کہا اس کا نام اسطوخ تھا (ج) ابن رومان نے کہا وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دوست تھا اور اس کا نام آصف بن برخیا تھا (د) زہیر نے کہا اس کا نام ذوالنور تھا وہ مصری تھا (و) ابن لعیجہ نے کہا وہ خضر تھے۔

(المکملہ جامعہ ن ج ۳ ص ۲۱۳ دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام عبدالرحمن بن محمد بن اورلیس ابن ابی حاتم حنفی ۳۶۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعد بن جبیر حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ وہ شخص آصف بن برخیا تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاتب (سکرٹری) تھے۔ (تخیر نامہ اہل تاریخ ج ۵ ص ۲۸۵ رقم الحدیث ۱۶۲۹ مطبوعہ مکتبہ دار مصطفیٰ کراچی ۱۳۸۱ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد ماکلی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اکسپرٹین کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا وہ آصف بن برخیا تھے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم تھا۔ (الملاح، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳،

علامہ ابو البرکات عبداللہ بن احمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ علامہ ابو ایمن محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۵۳۷ھ حافظ ابن کثیر شافعی متوفی ۷۴۳ھ علامہ ابراہیم بن عمر الباقی المتوفی ۸۲۵ھ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ علامہ محمد بن مصلح الدین التتو جزی الکفی المتوفی ۹۵۱ھ علامہ اسماعیل حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ علامہ سلیمان ابن الجمل المتوفی ۱۲۰۳ھ علامہ احمد بن محمد صادی ماہکی متوفی ۱۲۳۱ھ علامہ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ غیر مقلد مفسر صدیق بن حسن قزوینی متوفی ۱۳۰۷ھ صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ شیخ شہیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ کی بھی یہی تحقیق ہے اور ان حضرات نے اسی کو صحیح قول قرار دیا ہے۔ ان کی کتب کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

(مدارک التوحید علی علیہ السلام) ج ۳ ص ۲۱۲، پتہ دارالکتاب، کراچی ج ۸ ص ۳۴۰، بیروت، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۰۰، بیروت، نظم الدرر ج ۵ ص ۲۲۷، دارالکتب الخلیفہ، بیروت، جلد اول ص ۲۸۰، بیروت، حاشیہ شفاء الملوہ علی الصیغہ ج ۶ ص ۳۹۸، بیروت، روح البیان ج ۶ ص ۳۲۸، بیروت، حاشیہ الجمل علی الکلیہ ج ۳ ص ۳۶۵، حاشیہ الصیغہ علی الکلیہ ج ۳ ص ۳۹۹، بیروت، فتح القدر ج ۳ ص ۱۸۳، بیروت، روح المعانی جز ۱ ص ۳۰۴، فتح البیان ج ۵ ص ۳۲، بیروت، خزائن کفر علی کفر الامامین ص ۹۸، کراچی، تفسیر حاشیہ ج ۶ ص ۵۸۰، صاف القرآن ج ۶ ص ۸۵، کراچی)

تختِ بلقیس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے حاضر کرنے کی کیفیت

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد ماکلی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

امام مالک نے کہا کہ انھیں یمن میں بھیجی اور حضرت سلیمان علیہ السلام شام میں تھے اور تقاضیر میں ہے کہ وہ تخت جس جگہ تھا وہاں جگہ بیٹھ گئی اور تخت وہاں سے نکل کر حضرت سلیمان کے سامنے نکل آیا۔

(الملاح: حکام القرآن ج ۳ ص ۱۹۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حافظ عماد الدین عمر بن اسماعیل بن کثیر شافعی دمشق متوفی ۷۷۷ھ لکھتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے کہ آصف بن برخیا نے حضرت سلیمان سے کہا آپ یمن کی طرف دیکھئے جہاں آپ کا مطلوب عرش ہے پھر اللہ سے دعا کی تو وہ عرش زمین میں کھس کر قاف ہو گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے نکل آیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۰۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر الباقی المتوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

جس طرح ہماری شریعت میں اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی آنکھ ہو جاتا ہے اور اس کے ہاتھ اور پیرو جاتا ہے اور وہ اللہ کی صفات کا مظہر ہو کر تعریف کرتا ہے اس طرح آصف بن برخیا نے بھی اس تخت پر تعریف کیا۔

(لحم الدرر ج ۵ ص ۳۶۷-۳۶۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۵۰ھ)

حافظہ جمال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاتب نے کہا اپنی نظر اٹھائیے انہوں نے نظر اٹھائی پھر نظر لوٹائی تو تخت سامنے موجود تھا۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۳۱۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۳۱ھ)

علامہ السید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

شیخ اکبر قدس سرہ نے کہا ہے کہ آصف نے عین عرش میں تعریف کیا تھا اس نے اس جگہ اس عرش کو معدوم کر دیا اور حضرت سلیمان کے سامنے موجود کر دیا کیونکہ مرد کامل کا قول اللہ تعالیٰ کے لفظ ”تھن“ کی طرح ہوتا ہے۔

(درر المعانی ج ۱ ص ۱۹۹-۲۰۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۰ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ”تھن“ کے مظاہر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ”تھن“ کا مظہر بنایا۔ آپ نے کئی چیزوں کے متعلق فرمایا ”ہو“ ”سو وہ ہو گئیں۔“

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں ہے کہ ایک سفید بیت والا شخص ریحان سے آ رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کن اباحشہ ”تو ابوحشہ ہوجا“ ”تو وہ ابوحشہ ہو گیا۔“

(صحیح مسلم رقم الحدیث ۶۹۰۲۷۷ بحکم اکبر رقم الحدیث ۵۲۱۹ مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۹۳ ذرائع البیہ ج ۵ ص ۲۳۳-۲۳۶)

قاضی عیاض بن موسیٰ ماکی متوفی ۵۳۳ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

حق کے مشابہ یہ ہے کہ ”تھن“ یہاں پر تحقیق اور وجود کے لیے ہے یعنی تو تحقیق طور پر ابوحشہ ہو جا۔

(اکمال المعجم لعلامہ مسلم ج ۸ ص ۲۷۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۰ھ)

علامہ نووی نے لکھا ہے تو جو کوئی بھی ہے حقیقتاً ابوحشہ ہو جا۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱ ص ۶۹۰ تہذیب دار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

اسی طرح ام حاکم نیشاپوری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ غزوہ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے متعلق فرمایا کن اباضو ”تو ابوزور ہو جا“ ”سو وہ شخص ابوزور ہو گیا۔“

(المندوب ج ۵ ص ۵۱-۵۲ قدیم المندوب رقم الحدیث ۳۳۷۳ جدیدہ کنز العمال ج ۱ ص ۶۶۸ ذرائع البیہ ج ۵ ص ۲۳۳ دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام ابوبکر احمد بن حسین بنکیتی متوفی ۳۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آ کر بیٹھا تھا اور جب آپ بات کرتے تو وہ آپ کو چاٹنے کے لیے اپنا منہ بگاڑ لیتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کن کذلک ”تم اسی طرح ہو جاؤ“ پھر ہمیشہ اس کا منہ بگاڑا باقی کہ وہ مر گیا۔

(دلائل ۶۸: ج ۶ ص ۳۹) انس روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر کھڑے ہوئے تھے آپ پر
 (دلائل ۶۸: ج ۶ ص ۳۹) انس روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر کھڑے ہوئے تھے آپ پر

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر کھڑے ہوئے تھے آپ پر
 نکلے تو ہم آپ کے ساتھ چلے گئے آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم میں سے کوئی شخص بازار میں تلقین نہ کرے اور نہ ہر جرد بیانی سے
 بیخ نہ کرے اور جو شخص ایسی گائے یا بخی خریدے جس کے تھن باندھ کر اس کا دودھ روکا ہو تو اس کو اختیار ہے وہ چاہے تو اس کو
 واپس کر دے اور بھتا دودھ پیا ہے اس کا دکانہ گندم بھی ساتھ دے۔ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا اور آپ
 کی نقس اتار رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کذلک فکن "تو اسی طرح ہو جا" وہ شخص بے ہوش کر رہا تھا اس شخص کو اس
 کے گھر اٹھا کر لے جایا گیا۔ وہ دو ماہ بے ہوش رہا اس کو جب بھی ہوش آتا تو اس کا منہ اسی طرح بگڑا ہوا ہوتا جس طرح نقس کے
 وقت تھا حتیٰ کہ وہ مر گیا۔ (دلائل ۶۸: ج ۶ ص ۳۹-۳۴)

ولی اور اس کی کرامت کی تعریفیں اور کرامت کے وقوع پر دلائل

اس آیت کے سیاق میں یہ بات آگئی ہے کہ آصف بن برخیا اللہ تعالیٰ کے ولی تھے اور انہوں نے تخت بقیس کو مسافت
 بعیدہ سے چلک جھپٹنے سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا کر حاضر کر دیا۔ اس آیت سے ہمارے علماء نے کرامت کو
 ثابت کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اولیاء اللہ سے کرامت ثابت ہوتی ہے۔
 علامہ سعد الدین مسعود بن عمر گنڈازی متوفی ۹۳۷ھ لکھتے ہیں:

اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں ولی اس کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا حسب امکان عارف ہو اور اللہ تعالیٰ
 کی دھما عبادت کرتا ہو اور ہر قسم کے گناہوں سے اجتناب کرتا ہو اور لذات اور شہوات میں انہماک اور استغراق سے اعراض کرتا
 ہو اور کرامت کی یہ تعریف ہے کہ ولی سے کوئی ایسا کام صادر ہو جو خرق عادت (خلاف معمول) ہو اور اس کے ساتھ دعویٰ نبوت
 مقارن اور متصل نہ ہو پس جو خرق عادت اس شخص سے صادر ہو جو مومن اور صالح نہ ہو اس کو استدرج کہتے ہیں اور جو خرق
 عادت مومن اور صالح سے صادر ہو اور اس کے ساتھ دعویٰ نبوت بھی مقارن اور متصل ہو اس کو مجزہ کہتے ہیں اور کرامت کے
 حق ہونے پر دلیل یہ ہے کہ اس قسم کے خرق عادت افعال صحابہ کرام سے تو اتار کے ساتھ ثابت ہیں خصوصاً ان میں خرق عادت
 کی قدر مشترک تو اتار سے ثابت ہے اگرچہ الگ الگ وہ افعال غیر واحد سے ثابت ہیں نیز قرآن مجید میں ذکر ہے کہ حضرت
 مریم کے پاس بے موسیٰ بچل آتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے صاحب آصف بن برخیا نے مسافت بعیدہ سے چلک جھپٹنے سے پہلے تخت
 بقیس لا کر حاضر کر دیا اور حضرت مریم کے حلق قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا فَتَمَحَّتْ عَنْهَا ذِكْرُهَا الْيُحْسَابُ وَجَدَتْهَا
 وَنَهْجًا قَالَتْ يَسْأَلُ عَنِّي لَوْلَافِذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ
 جب بھی ذکر بیان کے حجرے میں جاتے تو ان کے پاس
 (بے موسیٰ) رزق پاتے وہ پوچھتے اے مریم! تمہارے پاس یہ (بے
 موسیٰ) رزق کہاں سے آیا تو وہ کہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے۔
 (آل عمران: ۴۷)

اسی طرح بہ کثرت اولیاء سے پانی پر چلنا منقول ہے اور حضرت جعفر بن ابی طالب اور لقمان سرخسی سے ہوا میں اڑنا
 منقول ہے اور حضرت سلمان اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہما نے چھری بیخ کو سنا اور اصحاب کہف کے کتے نے اصحاب کہف
 سے کلام کیا اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص گائے کو لے جا رہا تھا پھر وہ اس پر سوار ہو گیا تو گائے نے

اس کی طرف مڑ کر دیکھ کر کہا میں اس کے لیے نہیں پیدا کی گئی تھی تو کھیت میں مل چلانے کے لیے پیدا کی گئی ہوں لوگوں سے کہہ دو
سبحان اللہ! گائے نے کلام کیا! تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس پر ایمان لایا! اسی طرح روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مدینہ
میں منبر پر کہا اور ان کا لشکر اس وقت نہاوند (ایران میں ہمدان اور کرمان کے درمیان ایک مشہور شہر) میں تھا۔ انہوں نے ہجر
کے امیر سے کہا اے ساریہ! پہاڑ کی اوٹ میں ہو جا! پہاڑ کی اوٹ میں ہو جا! کیونکہ جس جگہ تھے وہاں دشمن کا خطرہ تھا اور ان کی
دور سے حضرت ساریہ کا یہ کلام سنتا ان کی کرامت ہے اسی طرح حضرت خالد بن ولید نے زہر پی لیا اور ان کو کوئی نقصان نہیں
پہنچا اور حضرت عمرؓ کے خط ڈالنے سے دریائے نیل جاری ہو گیا۔ (شرح ص ۵۵۲ نسلی ص ۱۰۶-۱۰۵ مسطورہ کراچی)

علامہ تھکارتانی نے شرح مقاصد ص ۵۹-۷۲ میں دلی کی تعریف 'کرامت' اس کے وقوع پر دلائل اور حقائق کے
شبہات کے جوابات میں زیادہ بحث کی ہے۔ حوالہ کی وجہ سے ہم نے اس کا ذکر نہیں کیا جو اس کو پڑھنا چاہے وہاں پڑھ
لے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سلیمان نے حکم دیا کہ اس تخت میں کچھ تغیر کر دو تا کہ ہم آزمائیں کہ آیا وہ اس کو پہچانے کی راہ پاتی
ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو راہ نہیں پاتے ۵ جب بقیس آئی تو اس سے پوچھا گیا کیا اس کا تخت ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا
گو کیا کہ یہ وہی ہے اور ہمیں اس سے پہلے ہی علم دیا گیا تھا اور ہم اطاعت گزار ہو چکے تھے ۵ اور اس کو (اطاعت سے) اس چیز
نے روکا تھا جس کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتی تھی ۶ شک وہ کافروں میں سے تھی ۵ اس سے کہا گیا اس محل میں داخل ہو جا
سو جب اس نے اس (شخص کے فرش) کو دیکھا تو اس نے اس کو گہرا پانی گمان کیا اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اونچا کر لیا۔
سلیمان نے کہا ہے شک یہ شے سے بنا ہوا پتھر محل ہے بقیس نے کہا: اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر قسم کیا میں
سلیمان کے ساتھ اللہ پر ایمان لے آئی جو رب العالمین ہے ۵ (تہل ۴۲-۴۱)

بقیس کے ایمان لانے کی تفصیل

مفسرین نے لکھا ہے کہ جنات کو یہ معلوم تھا کہ بقیس کی ماں جبہ تھی اس لیے وہ جنات کے راز پائے دروں سے واقف
ہے ان کو خدا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو پسند کر لیا اور اس کے ساتھ نکاح کر لیا تو وہ ان کے تمام راز حضرت
سلیمان کو بتا دے گی اس لیے انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بقیس سے متفرک کرنے کے لیے کہا تھا اس کی عقل بہت کم
ہے۔ سو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بقیس کی آزمائش کے لیے حکم دیا کہ اس تخت میں کچھ رو دو بدل کر دو تا کہ اس کی عقل کا
امتحان ہو وہ اپنے تخت کو پہچان پاتی ہے یا نہیں۔

بقیس نے اس تخت کو دیکھ کر پہچان لیا اور کہا گو کیا کہ یہ وہی ہے اور گو کیا کہ اس لیے کہا کہ اس میں کچھ رو دو بدل ہو چکا تھا
اور وہ سمجھ گئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی عقل کا امتحان لینے کے لیے اور اپنی نبوت پر مجرہ پیش کرنے کے لیے
میرے بچنے سے پہلے اس تخت کو یہاں منگوایا ہے اور ہم تو یہاں پہنچنے سے پہلے ہی ان کی نبوت کا اعتراف کر کے اطاعت پند
ہو چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے اس کی سواری پرستی نے باز رکھا تھا کیونکہ انسان جب کسی کام میں
مشغول ہوتا ہے تو وہ کام اس کو اپنی ضد سے باز رکھتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی چیز کی محبت تم کو (اس کے ماحول
سے) اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۰)

بلیس جب اس محل کے قریب پہنچی تو اس سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو جاؤ (الصرح کا معنی ہے بلند عمارت اور خالص چیز) بلیس نے دیکھا کہ اس محل میں سورج چمک رہا ہے اور اس میں پھلیاں تیر رہی ہیں تو اس نے سمجھا کہ محل کے محن میں پانی بھرا ہوا ہے تو اس نے اپنے پائینے پنڈلیوں سے لاپراٹھا لیے تاکہ اس کا لباس بیگ نہ جائے۔ حضرت سلیمان نے فرمایا بے شک یہ شخص سے بنا ہوا پکتا محل ہے یعنی جس کو وہ پانی گمان کر رہی ہے وہ شمش کا فرش ہے اس کے نیچے پانی بھرا ہوا ہے جو شمش میں سے نظر آ رہا ہے اس لیے تم کو اس سے بچنے کے لیے پائینے اوپر اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مسمومہ کا مادہ مرد ہے اس کا معنی ہے پکتا جس لڑکے کی داڑھی نہ آئی ہو اس کو امر دیکھتے ہیں کیونکہ وہ بھی پکتا ہوتا ہے جس درخت کے پتے نہ ہوں تو اس کو شجرہ مرداء کہتے ہیں اور من قوا دیو کا معنی ہے شیشوں سے اور صرح مسمومہ من قوا دیو کا معنی ہے یہ پکتا محل ہے جو شیشوں سے بنا ہوا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعدد معجزات دیکھ کر بلیس ان کی نبوت پر ایمان لے آئی اور ان کا جو پیغام تھا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اس کو مان لیا اور اس کو اپنی سابقہ زندگی پر تاسف اور ملال ہوا کہ اس نے سورج کی پرستش کرنے میں اپنی عمر ضائع کی اس لیے اس نے کہا کہ بے شک میں نے سورج کی پرستش کر کے اپنی عمر ضائع کی اور اب میں حضرت سلیمان کے ساتھ اللہ پر ایمان لے آئی ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے گویا اب بلیس پر یہ حقیقت مشکف ہو گئی تھی کہ اب تک وہ سورج کی پرستش کرتی رہی تھی اور سورج تو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے اور ہر چیز کا رب اللہ تعالیٰ ہے جو واحد الاشریک ہے۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلیس سے خود نکاح کر لیا تھا یا اس کا نکاح کسی اور سے کر دیا تھا۔

بلیس کے نکاح کے بیان

امام عبدالرحمن بن محمد بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عون بن عبد اللہ بن عتبہ نے اپنے والد سے سوال کیا آیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے مکہ سے نکاح کر لیا تھا؟ یا نہیں انہوں نے کہا مجھے تو صرف اتنا معلوم ہے کہ اس نے کہا میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین پر ایمان لائی ہوں۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۶۳۹ ج ۱ ص ۸۹۸ مکتبہ دار مصطفیٰ روایت)

علامہ سید محمود لوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

وہب بن منبہ نے بیان کیا کہ جب بلیس ایمان لے آئی تو حضرت سلیمان نے فرمایا تم اپنی قوم میں سے کسی مرد کو پسند کر لو میں اس کے ساتھ تمہارا نکاح کر دوں۔ اس نے کہا میری قوم میں تو سب میرے ماتحت اور قلام ہیں میں ان کی ملکدہ و جنگی ہوں میں ان کے ساتھ کیسے شادی کر سکتی ہوں! حضرت سلیمان نے فرمایا اسلام میں نکاح کرنا ضروری ہے تم اسلام کے حوالہ کو حرام نہیں کر سکتیں۔ اس نے کہا اگر یہ ضروری ہے تو تمہارے بادشاہ ذوق سے میرا نکاح کر دیں۔ حضرت سلیمان نے اس کا ذوق سے نکاح کر کے اس کو مبین و امین بھیج دیا اور ذوق مبین پر مسلط ہو گیا جب تک حضرت سلیمان علیہ السلام اس دنیا میں زندہ رہے ذوق کے ملک کی جنت حاصل کرتے رہے ان کے بعد بلیس اور ذوق کی حکومت بھی ختم ہو گئی۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ

اور بے شک ہم نے ثمود کی طرف ان کے ہم قبیلہ صالح کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو

فَاذَاهُمْ فَرِيقَتَيْنِ يَخْتَصِمُونَ ﴿۳۷﴾ قَالَ يَقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ

تو وہ دو فریق بن کر جھگڑنے لگے ۵ مارح نے کہا اے میری قوم کے لوگو! تم بھلائی کی طلب سے

بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ

پہلے برائی کی طلب میں کیوں جلدی کر رہے ہو؟ تم اللہ سے گناہوں کی بخشش کیوں طلب نہیں کرتے تاکہ تم

تُرْحَمُونَ ﴿۳۸﴾ قَالُوا أَظَلَّتْ نَابُكَ وَبَيْنَ مَعَكَ ط قَالَ

پر رحم کیا جائے ۵ انہوں نے کہا ہم آپ کو اور آپ کے اصحاب کو بد چھٹوں (مخوس) خیال کرتے ہیں مارح نے کہا

ظَهَرَ كُمْ عِنْدَ اللَّهِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ ﴿۳۹﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ

تمہاری بد چھٹائی (نحوس) اللہ کے ہاں ہے بلکہ تم فتنہ میں جا رہے ہو ۵ اور (مہود کے) شہر میں

تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿۴۰﴾ قَالُوا

نوعین تھے جو زمین میں فساد پھیلا رہے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے ۵ انہوں نے کہا سب آپس میں نہیں

تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا

کہا کہ اللہ سے یہ عہد کرو کہ ہم ضرور رات کو صابح اور ان کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے پھر ان کے وارث سے ہم یہ

مَهْلِكُ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَاصِدُّونَ ﴿۴۱﴾ وَمَكْرُؤًا مَكَرًا مَكَرًا

کہیں گے کہ ہم ان کے گھر والوں کے گل کے موٹی پر حاضرین نہ تھے اور بے شک ہم سچے ہیں ۵ اور انہوں نے خفیہ سازش کی اور ہم

وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۴۲﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۚ إِنَّكَ

نے خفیہ تدبیر کی اور ان کو اس کا شعور بھی نہیں ہوا ۵ سو آپ دیکھئے کہ ان کی سازش کا کیا انجام ہوا! ہم نے ان کو اور ان کی

دَمَرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۴۳﴾ فَتِلْكَ بَيُوتُهُمْ خَاوِيَةٌ بِمَا

ساری قوم کو ہلاک کر دیا ۵ پس یہ ہیں ان کے گھر جو ان کے علم کرنے

ظَلَمُوا ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۴۴﴾ وَأَنْجَيْنَا

کی وجہ سے گمراہے پڑے ہیں بے شک اس (واقعہ) میں اہل علم کے لیے ضرور نشان ہے ۵ اور ہم نے

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٢﴾ وَلَوْ كُنَّا إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِ

ایمان والوں اور متقی لوگوں کو نجات دے دی O اور لوط (کو یاد کیجئے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا

أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿٥٧﴾ إِنْ كُمْ لَتَّاتُونَ

کیا تم دیکھنے کے باوجود بے حیاں کرتے ہو؟ کیا تم نفسانی خواہش پوری کرنے

الرِّجَالُ شَهْوَةٌ مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ

کے لیے ضرور عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس جاتے ہو بلکہ تم

تَجْهَلُونَ ﴿٢٣﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُو آلَ

چاہل لوگ ہو ○ سو ان کی قوم کا صرف یہ جواب تھا: انہوں نے کہا آل لوط کو

لَوْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ أَتَمُّ أَنَا سَيِّطَهْدُونَ ﴿٥٧﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَ

شہر بدر کر دے یہ بہت پاکیزہ بن رہے ہیں O سو ہم نے لوط کی بیوی کے سوا ان کو اور ان کے گھر

أَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَاهَا مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٥٤﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ

والوں کو نجات دے دی ہم نے اس کو ان (لوگوں) میں مقدر کر دیا تھا جو عذاب میں رہ جائے والے تھے ○ اور

مَطَرًا فَسَاءً مَطَرُ الْمُنْذِرِينَ ﴿٥٨﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى

ہم سے ان پرچموں کی ہارس کی نوٹوں کو دیکھ کر کیا حالان چڑھ ہی جی رہی ہارس کی نا اچھے کیے کسب حریں اللہ ہی

عِبَادِہِ الذِّیْنَ اصْطَفٰی ؕ وَاللّٰهُ خَیْرٌ اَمَّا یَشْرِکُوْنَ ﴿۵۹﴾

شہدِ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور رسولی ہم نے فرمائی کہ ہر قوم پر مصلح کو۔ یہ نظام دوسرے کے بھیجنا کا انہماک عموماً نہ کرتا

دو فریق بن کر جھگڑنے لگے۔ صالح نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! تم بھلائی سے سسلے برائی کی طلب میں کیوں جمدی کر

ہے ہوا! تم اللہ سے گناہوں کی بخشش کیوں طلب نہیں کرتے! تاکہ تم پر رحم کیا جائے! انہوں نے کہا ہم آپ کو اور آپ کے

○ صحابہ کو بدھگون (منجوس) خیال کرتے ہیں، صالح نے کہا تمہاری بدھگونی (خوست) اللہ کے پاس ہے بلکہ تم فتنہ میں مبتلا ہو ○

اور (شہود کے) شہر میں تو شخص تھے جو نساؤ پھیلا رہے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے (احمل: ۲۸-۲۹)

اس سورت میں حضرت صالح علیہ السلام کا تیسرا قصہ

الاعراف: ۸۳-۸۰ اور حمود: ۶۸-۶۱ میں حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ بیان القرآن ج ۳ ص ۴۳ میں ہم نے اس قصہ پر ان عنوانات کے تحت روشنی ڈالی ہے 'قوم شمود کی اجمالی تاریخ' حضرت صالح علیہ السلام کا نسب اور قوم شمود کی طرف ان کی بعثت 'قوم شمود کا حضرت صالح علیہ السلام سے مجروحہ طلب کرنا اور مجروحہ دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لانا اور ان پر عذاب کا نازل ہونا' قوم شمود کی سرکشی اور ان پر عذاب نازل کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات 'اوتنی کا قاتل ایک شخص تھا یا پوری قوم شمود اوتنی کے مجروحہ ہونے کی وجوہات' قوم شمود کے عذاب کی مختلف تعبیریں اور ان میں وجہ تطبیق 'قوم شمود کے متعلق احادیث اور آثار'۔

حضرت صالح علیہ السلام اور قوم شمود کا تعارف

حضرت صالح علیہ السلام جس قوم میں پیدا ہوئے اس کا نام شمود ہے۔ قوم عاد کی ہلاکت کے وقت جو ایمان والے حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ عذاب سے بچ گئے تھے یہ قوم ان ہی کی نسل سے ہے اس کو عادناہی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قوم مقام الحجر میں رہتی تھی حجاز اور شام کے درمیان وادی القرئی تک جو میدان انظرآتا ہے وہ سب الحجر ہے آج کل یہ جگہ بن النافذ کے نام سے مشہور ہے۔

اہل ۴۵: میں فرمایا ہے وہ فریق جگزنے گئے، نہاب نے کہا ان میں سے ایک فریق مومن تھا اور دوسرا فریق کافر تھا۔

ان کے جگزنے کا ذکر اس آیت میں ہے:

فَإِنَّمَا الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنَ قَوْمِهِ يَلْقَوْنَ
الْعَذَابَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ
وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ كُفْرًا شَيْءٌ فَأُولَٰئِكَ لَفِي
الْجَنَّةِ وَالَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِذَا يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ
قَالُوا هَٰذَا الَّذِي كُنَّا نَعْتَذِرُ بِهِ ۖ كَذَّبُوا
وَكُنُوا فِيهِ كَاذِبِينَ (اعراف: ۷۶-۷۵)

ان کی قوم کے حکمرانوں نے ان کزور لوگوں سے کہا جو ان میں سے ایمان لائے تھے 'کیا تمہیں اس پر یقین ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے مبعوث کیے گئے ہیں انہوں نے کہا وہ جس پیغام کے ساتھ بھیجے گئے ہیں ہم اس پر ایمان لانے والے ہیں' حکمران نے کہا تم جس پر ایمان لانے ہو ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تم بھلائی سے پہلے برائی کی طلب میں کیوں جلدی کر رہے ہو!

(اہل ۴۶)

یعنی رحمت سے پہلے عذاب کی طلب میں کیوں جلدی کر رہے ہو! اللہ پر ایمان لانا باعث ثواب ہے تم اس کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کا کفر اور انکار کر رہے ہو جو باعث عذاب ہے۔ اس کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ حکمران کافروں نے ہمت دھری اور عناد سے کہا تم ہمیں کفر پر جس عذاب سے ڈراتے ہو وہ عذاب لا کر دکھاؤ اس پر حضرت صالح نے ان سے کہا تم اللہ کی رحمت اور اس کے عفو کے بجائے اس کے عذاب کو کیوں جلد طلب کر رہے ہو!

خوست اور بدگھوٹی کی حقیقت

کافروں نے کہا ہم آپ کو اور آپ کے اصحاب کو بدگھون (خنوس) خیال کرتے ہیں۔ (آئل: ۴۷)

بدگھوٹی سے مراد خوست ہے۔ کسی انسان کی اصل کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ کسی چیز سے بدگھوٹی لے اور اس کو خنوس کہے۔ بعض لوگ ملکہ کرتے ہیں کہ گائے کا ذکر کرنا اور کوسے کا گائے کا نہیں کرنا خوست ہے اور بعض لوگوں کو خنوس کہتے ہیں یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ عرب بھی بدگھوٹی کے قائل تھے وہ کوئی کام کرنے سے پہلے پرندے کو اڑاتے اگر وہ ان کی دانتیں طرف اڑ جاتا تو وہ اس کام کو مبارک سمجھتے اور اگر وہ پرندہ ان کی پائیں طرف اڑ جاتا تو وہ اس کام کو خنوس یعنی نامبارک اور بے برکت سمجھتے۔

قلین بن قہیدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مل (کلیں) سمجھ کر غیب کا حال معلوم کرنا اور بدگھوٹی لینا اور قال ٹالنے کے لیے پرندے کو اڑانا شیطانِ اعمال سے ہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا بدگھوٹی لینا شرک ہے اور ہم میں سے اکثر لوگ اس میں جھٹلا چکے ہیں سو ان کے جن کو اللہ محفوظ رکھے لیکن بدگھوٹی لینا تو کل کو ختم کر دیتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۰ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۱۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۳۸)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز سے بدگھوٹی نہیں لیتے تھے جب آپ کسی شخص کو مال بنا کر بیچے تو اس کا نام پوچھتے اگر اس کا نام آپ کو اچھا لگتا تو آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوتے اور اگر آپ کو اس کا نام پسند نہ آتا تو آپ کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوتے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۰)

حضرت ام کرزہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پرندوں کو ان کے گھونٹوں میں رہنے دو۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۷۷۰۰ دارالحدیث کاہرہ: ۲۳۸ مسند ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۷۰) یعنی پرندوں کو اڑا کر ان سے گھونٹ نہ لو غیر کا معنی ہے اڑنا اور چونکہ پرندوں کو اڑا کر لوگ گھونٹ لیتے تھے اس لیے بدگھوٹی کو تحریر کہتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: صالح نے کہا تمہاری بدگھوٹی (خوست) اللہ کے پاس ہے۔

حضرت صالح کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جس شر اور مصیبت کو تم خوست قرار دے رہے ہو وہ تمہاری تقدیر میں پہلے سے لکھی ہوئی ہے اور تمہاری تقدیر میں وہ مصیبت تمہاری بد اعمالیوں کی وجہ سے لکھی گئی ہے غلام یہ ہے کہ تم جس چیز کو بدگھوٹی اور مصیبت کہہ رہے ہو وہ تمہاری اپنی بد اعمالیوں کا نتیجہ ہے۔

اونٹنی کو گھٹل کرنے والے نو آدمیوں کے نام

اس کے بعد فرمایا: انور (خود کے) شہر میں انھیں تھے جو فساد پھیلا رہے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔ (آئل: ۴۸)

حضرت صالح علیہ السلام کے شہر سے مراد مجرہ ہے۔ مدینہ اور شام کے درمیان جو بستیوں اور قصبوں ہیں ان کو مجرہ کہتے ہیں یہ جگہ قوم خود کا وطن تھی یہ لوگ پہاڑوں کا بندہ سے کھوکھو کر اپنے گھر بگڑتے تھے ان کو اصلاح کہا جاتا ہے ان ہی پہاڑوں میں پانی کا وہ چشمہ بھی تھا جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی نیز عظیم کو بھی جبر کہا جاتا ہے۔ عظیم اس جگہ کو کہتے ہیں جس کو حضرت ابراہیم نے تو کعبہ میں شمال کیا تھا لیکن قریش نے چھڑا دیا۔

یہ شخص وہ تھے جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی گھٹلی کاٹ دی تھی۔ انہی سے وہ جو پاؤں سے چلے

ہوتے ہیں ان کو کوئی نہیں کہتے ہیں ان نو محضوں کے ناموں کا ذکر اس روایت میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں ان کے نام یہ تھے رومی، زہم، ہریم، دودا، مواب، ریاب، مطع، مصداق، کھور
ان کا سر وارقدہ ابن سالف تھا اس نے اس اونٹنی کی کوئی نہیں کافی تھیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۳۶۶ ج ۱ ص ۱۹۰۰)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا سب آپس میں قسمیں کھا کر اللہ سے یہ عہد کر دو کہ ہم ضرورت کو صالح اور ان کے گھر
والوں پر شب خون ماریں گے پھر ان کے وارث سے ہم یہ کہیں گے کہ ہم ان کے گھر والوں کے قتل کے موقع پر حاضری نہ تھے
اور بے شک ہم سچے ہیں اور انہوں نے خفیہ سازش کی اور ہم نے خفیہ تدبیر کی اور ان کو اس کا شعور بھی نہ ہوا (احمل: ۵۰-۵۱)
حضرت صالح کے مخالفین کی سازش کو اللہ تعالیٰ کا ناکام بنانا

اس اونٹنی کی کوئی نہیں کانٹے اور ان پر عذاب کی تفصیل امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے:

امام محمد بن اسحاق نے کہا کہ ان نو آدمیوں نے مل کر اس اونٹنی کی کوئی نہیں کاٹ دیں پھر انہوں نے کہا چلو مل کر صالح کو قتل
کر دیں اگر وہ سچ ہیں تو ان کے عذاب آنے سے پہلے ہم ان کو ہلاک کر چکے ہوں گے اور اگر وہ جھوٹے ہیں تو ہم ان کو ان کی
اونٹنی کی طرح ان کے انجام تک پہنچا دیں گے۔ وہ شب خون مارنے کے لیے رات کو حضرت صالح کے گھر پہنچے فرشتوں نے
پتھر مار کر ان کو ہلاک کر دیا جب وہ وقت مقرر پر اپنے ساتھیوں کے پاس نہیں پہنچے تو ان کے ساتھی ان کو تلاش کرتے ہوئے
حضرت صالح علیہ السلام کے گھر گئے وہاں دیکھا کہ وہ خون میں لت پت پڑے تھے اور پتھروں سے ان کو کھیل دیا گیا تھا۔
انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے پوچھا کیا آپ نے ان کو قتل کیا ہے اور انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ
کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت صالح کے قبیلہ کے لوگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ہتھیار نکال لیے اور کہا تم ان کو قتل نہیں کر
سکتے انہوں نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ تم پر تین دن میں عذاب آئے گا اگر یہ سچے ہیں تو تم اپنے رب کو زیادہ غضب میں نہ لاؤ
اور اگر یہ (بالفرض) جھوٹے ہیں تو پھر تم تین دن کے بعد جو چاہے کر لیتا اور پھر ان نو آدمیوں کے ساتھی واپس چلے گئے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۶۳۶۸ ج ۱ ص ۱۹۰۰)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو آپ دیکھیے کہ ان کی سازش کا کیا انجام ہوا ہم نے ان کو اور ان کی ساری قوم کو ہلاک کر دیا پس
یہ ہیں ان کے گھر جو ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے گرے پڑے ہیں بے شک اس واقعے میں اعلیٰ علم کے لیے ضرور نشانی ہے
اور ہم نے ایمان والوں کو اور حق کو اور حق کو لوگوں کو نجات دے دی (احمل: ۵۱-۵۳)

قوم غمخود کے ہلاک ہونے کی کیفیت

احمل: ۵۱: میں قوم غمخود کی ہلاکت کا بیان فرمایا ہے مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت جبریل نے ایک زبردست چچ ماری تھی
جس سے وہ ہلاک ہو گئے۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ نو افراد فرشتوں کے پتھر مارنے سے ہلاک ہوئے تھے اور باقی کفار کو حضرت
جبریل کی چچ سے یاد دلانے سے ہلاک کر دیا۔

احمل: ۵۲: میں فرمایا: پس یہ ہیں ان کے گھر جو ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے گرے پڑے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے: نبوت خاویہ ان کے گھر جو گرے ہوئے ہیں علامہ راغب المتنبانی خاویہ کا معنی لکھتے ہیں:
خاویہ یعنی خالی ہے خالی ہونا اور کھوکھلا ہونا۔ عرب کہتے ہیں خوی بطنہ من الطعام اس کا پیٹ کھانے
سے خالی ہے اور جب کوئی گھر خالی ہو تو کہا جاتا ہے خوی الخاویہ قوم غمخود کے مکان بھی اجڑے پڑے تھے کینوں سے خالی
تھے اس لیے فرمایا انک بیوتہم خاویہ۔ (المفردات ج ۱ ص ۶۷۷ کتبہ زار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

بعض عارفین نے کہا ہے کہ اس آیت میں بیعت سے مراد قوم مشرک کے کلوب ہیں یعنی ان کے دل اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی یاد سے خالی تھے جس طرح گھر لوگوں کے رہنے سے آباد ہوتے ہیں اور لوگوں کے نہ رہنے سے ویران ہو جاتے ہیں اس طرح دل بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے آباد ہوتے ہیں اور جب دلوں میں اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی معرفت نہ ہو تو وہ ویران ہو جاتے ہیں۔

حضرت صالحؑ اور ان کے متبعین کا الحجر سے نکل جانا

نہل ۵۳: میں فرمایا اور ہم نے ایمان والوں کو اور متقی لوگوں کو نجات دے دی۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت صالحؑ علیہ السلام پر چار ہزار آدمی ایمان لائے تھے اور باقی لوگ عذاب سے جاگ ہو گئے تھے۔ حضرت صالحؑ علیہ السلام نے فرمایا تھا تم پر تمہیں دن بعد عذاب آئے گا پہلے دن ان کے بدلوں پر چنے کے برابر سرخ دانے نکل آئے۔ دوسرے دن ان کا رنگ پیلا ہو گیا اور تیسرے دن ان کا رنگ سیاہ ہو گیا۔ انہوں نے بدھ کے دن اونٹنی کو ذبح کیا تھا اور تین دن بعد اتوار کو حضرت جبریل علیہ السلام کی بیچ سے وہ ہلاک ہو گئے۔

حضرت صالحؑ علیہ السلام اپنے متبعین کے ساتھ حضرموت کی طرف نکل گئے تھے۔ حضرت صالحؑ علیہ السلام جیسے اس شہر میں داخل ہوئے اسی وقت ان پر موت آگئی اس لیے اس شہر کا نام حضرموت پڑ گیا۔ حضرموت کا معنی ہے حاضر ہوا اور مر گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرموت قطیف کے ایک بیٹے کا نام ہے جو اس علاقہ میں آباد ہو گیا تھا۔ یہ یمن سے مشرق کی طرف ایک وسیع علاقہ ہے جس میں بیسیوں بستیوں اور شہروں میں مشہور قریم اور شام ہیں۔ حضرت ہود علیہ السلام اسی علاقہ میں مدفون ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن و تہم البلدان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور لوط (کو یاد کیجیے جب انہوں) نے اپنی قوم سے کہا کیا تم دیکھنے کے باوجود بے حیائی کرتے ہو! کیا تم نفسانی خواہش پوری کرنے کے لیے ضرور عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس جاتے ہو بلکہ تم جاہل لوگ ہو! سوان کی قوم کا صرف یہ جواب تھا: انہوں نے کہا آل لوط کو شہر بدر کو دو یہ بہت پاکیزہ بن رہے ہیں! سو ہم نے لوط کی بیوی کے سوا ان کو اور ان کے گھر والوں کو نجات دے دی ہم نے اس کو ان (لوگوں) میں مقدر کر دیا تھا جو عذاب میں رہ جانے والے تھے! اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش کی تو جن لوگوں کو ڈرایا گیا تھا ان پر وہ کسی بری بارش تھی! (نہل ۵۸-۵۷)

اس سورت میں حضرت لوط علیہ السلام کا چوتھا قصہ

الاعراف: ۸۳-۸۰ اور ہود: ۸۲-۷۷ میں حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ تفصیل سے گزر چکا ہے ہم نے قبیلان القرآن ج ۳ ص ۲۱۹-۲۱۳ میں ان عنوانات کے تحت روشنی ڈالی ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کا شجرہ نسب: حضرت لوط علیہ السلام کا مقام بعثت: حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں فرشتوں کا حسین اور نورانی لڑکوں کی شکل میں مہمان ہونا، قوم لوط میں ہم جنس پرستی کی ابتداء، حضرت لوط کی بیوی کی خیانت اور قوم لوط کی بری عادتیں، عمل قوم لوط کی عقلی قباہتیں، قرآن مجید میں عمل قوم لوط کی مذمت، احادیث میں عمل قوم لوط کی مذمت اور سزا کا بیان، عمل قوم لوط کی سزائیں مذہب فقہاء، قوم لوط پر عذاب کی کیفیت۔

قوم لوط کو بے حیائی کے کاموں پر بصیرت رکھنے والا بھی فرمایا اور جاہل بھی اس کی توجیہ

نہل ۵۳: میں فرمایا: اور لوط (کو یاد کیجیے جب انہوں) نے اپنی قوم سے کہا کیا تم دیکھنے کے باوجود بے حیائی کرتے ہو!

اس آیت میں دیکھنے کے دو محمل ہیں ایک یہ کہ تم ایک دوسرے کو دیکھتے ہو بے حیائی کے کام کرتے ہو جب کہ اس بیت میں فرمایا ہے:

أَيُّكُمْ كَتَبَ الْإِثْمَ وَالْجَهَنَّمَ ۚ وَتَتَكَلَّمُونَ بِشَيْءٍ

تَأْتُونَ فِي تَأْوِيلِهِ لِمَنْ تَعْبُدُونَ (المائدة: ۳۱)

کیا تم مردوں سے شہوت پھڑی کرتے ہو اور (مطلوبہ) (کے) راستے بند کرتے ہو اور اپنی عام مجلسوں میں بے حیائی کا فعل کرتے ہو؟

وہ اس شرمناک کام کو لوگوں سے چھپ کر نہیں کرتے تھے بلکہ ہر مجلس اس بے حیائی کے کام کو کرتے تھے۔
اس کا دوسرا حمل یہ ہے کہ تم کو یہ بصیرت ہے اور تم کو اس کا علم ہے کہ یہ ایسا بے حیائی کا کام ہے کہ تم سے پہلے اس کو کسی نے نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے مردوں کو مردوں سے لذت کے حصول کے لیے نہیں پیدا کیا بلکہ مردوں کی شہوت برآری کے لیے عورتوں کو پیدا کیا ہے۔ اس کا تیسرا حمل یہ ہے کہ تم سے پہلے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی تم ان کے عذاب کے آثار دیکھ چکے ہو جیسے قوم خود اور قوم عاد پر عذاب کے آثار ہیں۔

اس کے بعد فرمایا بلکہ تم جاہل لوگ ہو اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس آیت کے پہلے حصہ میں یہ فرمایا ہے کہ تم دیکھتے ہو جیسی تم کو بصیرت ہے اور اس کا معنی ہے تم علم والے ہو اور دوسرے حصہ میں فرمایا تم جاہل ہو تو وہ عالم بھی ہوں اور جاہل بھی ہوں یہ کیسے ہو سکتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو یہ علم تھا کہ یہ بے حیائی کا کام ہے اس کے باوجود وہ علم کے تقاضے پر عمل نہیں کرتے تھے اور جاہلوں کی طرح بے حیائی کے کام کرتے تھے اور اس جواب یہ ہے کہ تم اس بے کام کی سزا اور آخرت میں اس پر مرتب ہونے والے عذاب سے جاہل ہو اگرچہ تم کو اس کام کی برائی کا علم ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ جہالت سے مراد یہ ہے کہ تم جاہلوں کی سی ضد اور ہٹ دھرمی کر رہے ہو تو خاصہ یہ ہے کہ ہر چند کہ تم کو اس کام کی برائی کا علم ہے لیکن علم کے تقاضے پر عمل نہیں کرتے یا تو اس کام کے انجام سے جاہل ہو یا علم کے باوجود جاہلوں کی طرح ہٹ دھرمی سے کام لے رہے ہو۔

احمل: ۵۵ میں فرمایا: سوائے ان کی قوم کا صرف یہ جواب تھا: انہوں نے کہا آل لوط کو شہر بدر کر دو یہ بہت پاکیزہ بن رہے ہیں! بہت پاکیزہ بن رہے ہیں! معنی یہ ہے کہ ان کو منع کرنے والے مردوں سے ہم جنس پرستی سے احتراز کر رہے ہیں گویا انہوں نے نیک لوگوں کی اس بات پر مذمت کی۔

قوم لوط پر زمین کو پلٹ دینا

اس کے بعد فرمایا سو ہم نے لوط کی بیوی کے سوا ان کو اور ان کے گھر والوں کو نجات دے دی۔ (احمل: ۵۸-۵۷)

امام عبدالرحمن بن محمد بن ابی حاتم متوفی ۳۴۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ کے فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس گئے تو وہ یہ کہہ کر یہ ان کے مہمان ہیں وہ فرشتے بے ریش لڑکوں کی شکل میں تھے۔ انہوں نے اپنے اور اپنی بیٹیوں کے درمیان ان لڑکوں کو بٹھا دیا تو ہم کو پتہ چلا کہ حضرت لوط کے پاس بے ریش لڑکے آئے ہوئے ہیں تو وہ دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے۔ حضرت لوط نے فرمایا تم میری (قوم کی) بیٹیوں سے نکاح کر لو یہ تمہارے لیے پاکیزہ ہیں۔ ان کی قوم نے کہا تم کو مظلوم ہے ہماری خواہش کیا ہے جب حضرت لوط علیہ السلام نے کہا کاش میرے پاس کوئی مضبوط جھٹا ہو جو مجھے مہمانوں کے سامنے شرم دے تو نے سے بچا لیتا۔ جب حضرت جبریل نے مڑ کر حضرت لوط سے کہا آپ پریشان نہ ہوں ہم آپ کے رب کے پیچھے ہیں ہم تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب وہ لوگ بے زور گھر کے اندر داخل ہوئے تو ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ پھر وہ ایک دوسرے پر گرتے ہوئے واپس بھاگے اور کہنے لگے ہم بہت بڑے جادوگر کے پاس سے آ رہے ہیں ہماری بیٹی جاتی رہی آدھی رات کے وقت شہر لوٹنے اور اسی وقت اس زمین کو لوٹ لیا گیا اور ان پر آسمان سے لگاتار پتھر برساتے گئے۔

زمین کو بلندی سے پلٹ کو اوندھا کر دیا گیا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ ص: ۱۶۳۸۳-۱۶۳۸۴ ج ۹ ص ۲۹۰۵ مطبوعہ مکتبہ زور معینی مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

فصل قوم لوط کی سزا اور اس کی دینی اور دنیاوی خرابیاں

قوم لوط کو پھر بار بار کہ ہلاک کیا گیا اس بنا پر امام مالک فرماتے ہیں کہ جو لوگ یہ فعل کریں ان کی حد یہ ہے کہ ان کو جرم کر دیا جائے۔ امام احمد اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس کی حد زنا کی طرح ہے اگر شادی شدہ یہ فعل کریں تو ان کو جرم کر دیا جائے اور اگر غیر شادی شدہ یہ فعل کریں تو ان کو سو کوڑے مارے جائیں۔ امام ابو یوسف اور امام محمد نے بھی اس کی حد کو زنا کی حد کے ساتھ لاحق کیا ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں اس میں تعزیر ہے ان پر دلیہ اگر اگر ان کو ہلاک کر دیا جائے یا ان کو قتل کر دیا جائے یا کوئی اور عبرتناک سزا دی جائے۔

قوم لوط کی زمین کو بلندی سے گرا کر اوندھا کر دیا گیا کیونکہ وہ بھی اس فعل کے وقت مفسول کو اوندھا کر دیتے تھے۔ مفسرین نے کہا ہے کہ عورت کی یہ نسبت بے ریش لڑکا زیادہ خطرناک اور زیادہ فتنہ ہے کیونکہ اگر کوئی شخص کسی عورت پر فریفتہ ہو جائے تو وہ اس سے نکاح کر کے جائز طریقے سے اپنی خواہش پوری کر سکتا ہے اور اگر کوئی شخص کسی لڑکے پر عاشق ہو تو گنہہ کے سوا خواہش پوری کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے نیز اس فعل سے ایڈز کی بیماری ہو جاتی ہے اور ایڈز میں خون کے اندر سفید خلیے مر جاتے ہیں اور بیماری کے خلاف خون میں سفید خلیے ہی مدافعت کرتے ہیں پھر جس شخص کو ایڈز کی بیماری ہو اسے کسی بیماری سے نجات نہیں ملتی کیونکہ اس پر جس مرض کا بھی حملہ ہو اس کے اندر اس بیماری کا تو ذکر کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی وہ عمر بھر اس بیماری میں مبتلا رہتا ہے فرض کیجیے اس کو شوگر ہے تو عمر بھر اس کی شوگر کنٹرول نہیں ہوگی بلڈ پریشر ہائی ہے تو وہ ذرا نہیں ہوگا اور وہ تادم مرگ ہو جی رہے گا ایڈز کا علاج ابھی تک دریافت نہیں ہو سکا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ایمان نہیں لائی تھی اس لیے اس کو بھی دیگر کافروں کے ساتھ عذاب میں مبتلا کیا گیا یہاں پر ہم نے اس قصہ کو جمال اور اختصار سے لکھا ہے اور اس کی تفصیل سورۃ الاعراف میں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ سب قرآن میں اللہ ہی کے لیے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو کیا اللہ اچھا ہے یا وہ جن کو وہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں (نمل ۵۹)۔

ہر اہم کام کی ابتداء بسم اللہ الحمد للہ اور صلوة و سلام سے کرنے میں قرآن حدیث اور سلف صالحین

کی اتباع ہے

اس آیت کا سابقہ آیات سے اس وجہ سے ارتباط ہے کہ آپ اس لیے اللہ کا شکر ادا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے کافروں اور بدکاروں کو ہلاک کر دیا اور اس کے ان پسندیدہ بندوں پر سلام بھیجے جن کو اس نے رسول بنا کر بھیجا اور ان کو کافروں کے عذاب سے نجات دی۔

اس آیت کا دوسرا اہم یہ ہے کہ یہ الگ مستقل کلام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو انبیاء علیہم السلام کے احوال سنائے کہ ان کی قوموں پر ان کے کفر کی وجہ سے عذاب نازل کیا گیا اور آپ کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے آسمانی عذاب سے محفوظ رکھا اور فرمادیا: وَمَا كَانَ لِلَّهِ يُلَاحِظُ إِلَهُكُمْ أَنْتُمْ فِيهِمْ حَظٌّ (النمل ۳۳) اور اللہ کی شان نہیں ہے کہ وہ آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب نازل فرمائے۔

سو آپ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خصوصیت عطا فرمائی اور انبیاء سابقین علیہم السلام پر

سلام بھیجے جنہوں نے انتہائی ناساعد حالات میں شفقت برداشت کر کے اور تکلیفیں اٹھا کر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور رسالت انجام دیا۔

اس کے بعد جو آیات آ رہی ہیں (۶۵-۶۰) ان میں توحید پر دلائل دیئے گئے ہیں اور اس کے بعد (۷۲-۷۱) کی آیتوں میں موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر دلائل دیئے گئے ہیں۔ اب آپ سے فرمایا کہ توحید اور بے بعد الموت کے دلائل کو بیان کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کیجیے اور اس کے نبیوں پر اور ان کے بعد آنے والے نیک اور پسندیدہ بندوں پر سلام بھیجیے اور اس میں مقبولان بارگاہ رب العزت کے ادب اور احترام کی تعلیم ہے اور اللہ تعالیٰ اور انبیاء اور صالحین کے ذکر سے برکت اور رحمت حاصل کرنے کی تلقین ہے اور ان کے مرتبہ اور مقام پر حسیہ ہے کہ اصل مضامین کو شروع کرنے سے پہلے ان پر سلام بھیجئے سے ابتداء کی جاتی ہے اور سامعین کے دلوں اور دماغوں کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ یہ بہت اہم پیغام ہے جس کو سناتے سے پہلے اللہ کی حمد کی جارہی ہے اور اس کے رسولوں اور پسندیدہ بندوں پر سلام بھیجا جا رہا ہے اور تواتر اور مسلسل سے علماء خطباء اور واعظین کا یہ طریقہ چلا آ رہا ہے کہ وہ اپنے خطاب اور تقریر سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اس کے رسولوں پر سلام بھیجتے ہیں بلکہ اپنی کتابوں کے شروع میں بھی پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں اور اس کے رسولوں پر سلام بھیجتے ہیں اس کے بعد کتاب کے مضامین شروع کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث بھی ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ عظیم الشان کام جس کو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع نہیں کیا وہ ناقص ہو جاتا ہے وہ ناقص رہتا ہے اور قلیل البرکت ہوتا ہے۔

(مجمع الجوامع رقم الحدیث ۶۱۷۷۷ کنز العمال رقم الحدیث ۱۲۲۱۱۱ الجامع البصیر رقم الحدیث ۶۳۸۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کو حافظ عبدالقادر الرہاوی نے ۱۱۲۱ھ میں ذکر کیا ہے اور یہ حدیث حسن ہے۔

(تذکار الفقہاء فی تخریج احادیث ۱۱۲۱ھ ذکر ج ۳ ص ۷۷ مطبوعہ دار ابن کثیر دمشق ۱۳۲۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ عظیم الشان کام جس کو الحمد سے نہ شروع کیا جائے وہ ناقص اور قلیل البرکت ہے۔

امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے ہر وہ کلام جس کو اللہ کی حمد سے نہ شروع کیا جائے وہ ناقص اور قلیل البرکت ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۸۹۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۸۰۰ مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۹ عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث ۳۹۳-۳۹۵ صحیح ابن ماجہ)

رقم الحدیث ۸۱۹۹۳ الجامع البصیر رقم الحدیث ۶۳۸۳ مجمع الجوامع رقم الحدیث ۶۱۷۷۷ سنن الدارقطنی ج ۳ ص ۲۲۹ سنن کبریٰ للمصنف ج ۳ ص ۳۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی متعدد اسانید بیان کی ہیں۔

(تذکار الفقہاء فی تخریج احادیث ۱۱۲۱ھ مطبوعہ دار ابن کثیر دمشق ۱۳۲۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عظیم الشان کام کی ابتداء اللہ کی حمد اور بھوک پر صلوٰۃ سے نہ کی جائے وہ ناقص ناقص اور برکت سے محروم ہے اس کو عبدالقادر الرہاوی نے ۱۱۲۱ھ میں ذکر کیا ہے۔

(مجمع الجوامع رقم الحدیث ۶۱۷۷۷ کنز العمال رقم الحدیث ۱۲۲۱۱۱ الجامع البصیر رقم الحدیث ۶۳۸۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو دارقطنی کی کتاب العلل اور امام نسائی کی عمل الیوم واللیلۃ کے حوالے سے بھی ذکر کیا ہے۔ (تذکار الفقہاء فی تخریج احادیث ۱۱۲۱ھ مطبوعہ دار ابن کثیر دمشق ۱۳۲۱ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ کفار کے خود ساختہ معبودوں میں بھی کوئی اچھائی ہے

اس کے بعد فرمایا: کیا اللہ اچھا ہے یا وہ بت جن کو وہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں!

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں خیر کا لفظ ہے اور خیر کا معنی ہے بہتر اور زیادہ اچھا اور اب معنی اس طرح ہو گا کہ کیا اللہ زیادہ اچھا ہے یا کفار کے خود ساختہ شرکا؟ گویا کفار کے خود ساختہ شرکا بھی اچھے ہیں جنہیں اللہ زیادہ اچھا ہے حالانکہ کفار کے خود ساختہ شرکا میں کوئی اچھائی نہیں ہے۔

علامہ قرطبی نے فرمایا یہاں خیر کا معنی اسم تفصیل کا نہیں ہے یعنی اس کا ترجمہ زیادہ اچھا اور بہتر نہیں ہے۔ بلکہ اس کا معنی ہے اچھا یعنی اللہ اچھا ہے یا کفار کے خود ساختہ شرکا؟ اور اگر یہ اسم تفصیل کے معنی میں ہو تو پھر اس کا معنی ہو گا یہ اللہ کی عبادت کا ثواب بہتر ہے یا اس کا شریک بنانے کا عذاب۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں شرکین کے اعتقاد کے اعتبار سے لکھا ہے کیا گیا ہے کیونکہ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ بتوں کی عبادت کرنے میں بھی اچھائی اور بہتری ہے۔

اور ٹیپلی صلی اللہ علیہ وسلم جب اس آیت کی تلاوت کرتے تھے تو فرماتے تھے:

ہل الله خیر والبقی واجل واکرم بلکہ اللہ ہی اچھا ہے اور باقی رتبے والے اور زیادہ بزرگ

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۲۰۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت) وال اور زیادہ بکر ہے۔

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ تحریر فرماتے ہیں:

اس آیت میں شرکین کو زبردستی پہنچا دینا ہے انہوں نے اللہ کی عبادت کے اوپر بتوں کی عبادت کو ترجیح دی تھی اور اب کوئی صاحب عقل ایک چیز کو دوسری چیز پر ترجیح دیتا ہے تو زیادہ خیر اور زیادہ نفع کی وجہ سے ترجیح دیتا ہے تو اس سے ان کی گمراہی ہے عقل اور جہالت پر تنبیہ کرنے کے لیے فرمایا کہ تم جو اللہ کو چھوڑ کر اپنے خود ساختہ خداؤں کی عبادت کر رہے ہو تو کیا تمہارے زعم میں ان کی عبادت کرنے میں اللہ کی عبادت کرنے کی بہ نسبت زیادہ نفع اور زیادہ خیر ہے۔

(تفسیر کبریٰ ج ۸ ص ۶۲۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۵ھ)

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ

(بھلا بتاؤ تو سہی) آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمانوں سے

السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ

پانی کس نے اتارا تو ہم نے اس سے بارش پانی باغات اگائے! تم میں یہ طاقت نہ تھی کہ تم

أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا إِنَّ اللَّهَ ط بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ ط

ان (باغات) کے درخت اگاتے کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود ہے؟ (نہیں) بلکہ تم راہ راست سے تہاڑ کر رہے ہو

أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلْفَهَا أَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا

(بتاؤ!) کس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس میں دریا دواں دواں کر دیئے اور زمین کو ہر قرار

رَوَّاسِي وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ

رکھنے کے لیے مضبوط پہاڑ بنا دیے اور دو سمندروں کے درمیان آڑ پیدا کر دی کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ (نہیں)

أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١١﴾ أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاكَ وَ

بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے O! (تھاؤ) جب بے قرار اس کو پکارتا ہے تو اس کی مدد کو کون قبول کرتا ہے اور

يَكْشِفُ السُّوءَ وَجَمْعَكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ

کون تکلیف کو دور کرتا ہے اور تم کو زمین پر پہلوں کا قائم مقام بناتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے

قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿١٢﴾ أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

تم لوگ بہت کم نصیحت کو قبول کرتے ہو O! (تھاؤ) وہ کون ہے جو تم کو کشتی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ دکھاتا ہے

وَمَنْ يُرْسِلِ الرِّيَّحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ

اور وہ کون ہے جو اپنی رحمت سے پہلے ہی خوشخبری دینے والی ہوا بھیجتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے

تَعْلَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١٣﴾ أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَ

اللہ ان سے بہت بلند ہے جن کو وہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں O! (تھاؤ) وہ کون ہے جو ابتداءً مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر اس کو

مَنْ يُرْسِلُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ

دو بار پیدا کرے گا اور وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے! آپ کہیے

هَآؤُا بَرُّهَآئِكُمْ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٤﴾ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي

اگر تم سچے ہو تو تم اپنی دلیل لاؤ O! آپ کہیے کہ آسمانوں میں اور

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبِ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ

زمینوں میں اللہ کے سوا کوئی (انزوخ) غیب نہیں جانتا اور نہ لوگ یہ جانتے ہیں کہ ان کو کب

يُبْعَثُونَ ﴿١٥﴾ بَلْ أَدْرَكَ عَلَيْهِمْ فِي الْآخِرَةِ قَبْلُ هُمْ فِي شَكٍّ

اٹھایا جائے گا O! کیا ان کو آخرت کا پورا علم حاصل ہو گیا؟ (نہیں) بلکہ وہ اس کے متعلق شک میں

وَمِنْهَا ذَّيْبُكَ هُمْ وَمِنْهَا عَمُونَ ﴿٦٩﴾

ہیں بلکہ وہ آخرت کے حلقہ اندر سے (بالکل باطل) ہیں ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (بھلا تاؤ تو کسی) آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمانوں سے پانی کس نے اتارا؟ تو ہم نے اس سے بارشیں باغات اگائے! تم میں یہ طاقت نہ تھی کہ تم ان (باغات) کے درخت اگاتے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ (نہیں) بلکہ تم راہ راست سے تباہ و زکوٰۃ ہو رہے ہو ۵ (آئل: ۶۰)

اللہ تعالیٰ کا اپنی توحید پر دلائل بیان فرمانا

اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: کیا اللہ اچھا ہے یا وہ (بت) جن کو وہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں! اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ دلائل سے بیان فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اچھا ہے وہی تم کو پیدا کرنے والا ہے اور پیدا کرنے کے بعد تمہاری زندگی قائم رکھنے کے لیے انواع و اقسام کی نعمتیں عطا کرنے والا بھی وہی ہے! اسی نے تم پر آسمانوں سے اپنی نعمتیں نازل فرمائیں جو تمہاری روزی اور بجائے حیات کا سبب بنیں اور اس نے تمہارے رہنے کے لیے زمین بنائی اور اس میں نعمتیں رکھیں! وہی تمہاری ضروریات کو پوری کرتا ہے اور تمہاری دعاؤں کو مستجاب ہے وہی بخرو بر میں تمہارے کام آتا ہے وہی تمہیں مرنے کے بعد زندہ کرے گا! تاؤ یہ تمام نعمتیں تم کو کس نے عطا کی ہیں! صرف اس ایک اللہ نے یا اس کے ساتھ اور بھی کوئی شریک ہیں؟ اور کوئی کیسے شریک ہو سکتے ہیں کیونکہ جن چیزوں کو تم اللہ کا شریک قرار دے رہے ہو جب ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں تھی جب بھی اللہ تم پر ان نعمتوں کی بارش کر رہا تھا تو پھر وہی واجبہ لا شریک ہے وہی عبادت کا مستحق ہے تو تم اس کو چھوڑ کر اوروں کی پرستش اور پوجا پاٹ کیوں کرتے ہو!

پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر آسمانوں سے استدلال کیا پھر زمین سے! پھر دعاؤں کو قبول کرنے سے پھر بخرو بر میں کام آنے سے اور پھر موت کے بعد زندہ کرنے اور حشر میں اٹھانے سے۔

آسمانوں اور زمینوں کی نعمتیں عطا کرنے سے توحید پر استدلال

اللہ تعالیٰ نے آئل: ۶۰ میں یہ بتایا کہ وہی آسمانوں سے پانی نازل فرماتا ہے اور وہی اس پانی کے ذریعہ زمین میں تمہارا رزق اور روزی پیدا کرتا ہے وہی لہلہاتے ہوئے سرسبز کھیت اور رنگ رنگ پھولوں اور پھلوں سے لدے ہوئے خوبصورت باغات کو پیدا کرتا ہے! پھر یہ بتایا کہ تم یہ گمان نہ کر لینا کہ تم زمین میں مل چلائے ہو اس میں بیج ڈالنے سے زمین میں پانی دیتے ہو تو اس سے غلہ اور پھل آگے آتے ہیں۔ تاؤ اگر اللہ زمین ہی کو پیدا نہ کرتا تو تم کہاں ہوتے! وہ زمین پیدا کر دیتا لیکن تمام زمین سخت اور پتھریلی ہوتی تو تم زمین میں کس طرح مل چلائے! اس نے بیج پیدا کیے تو زمین میں تم بیج ہوتے ہو اگر وہ بیج ہی نہ پیدا کرتا تو تم کیا کر لینے! تم زمین میں پانی دیتے ہو یہ پانی دریاؤں سے، نہروں سے، کنوؤں سے اور چشموں سے حاصل کرتے ہو اور ان میں یہ پانی بارش سے حاصل ہوتا ہے اگر وہ آسمانوں سے بارش نازل نہ فرماتا تو دریا سوکھ جاتے، کنوئیں خشک ہو جاتے تو پھر تم زمین کو سیراب کرنے کے لیے پانی کہاں سے لاتے!

قُلْ اَنْتُمْ اَنْتُمْ اِنْ تَنْصَبُوْا مَتَا وَاَنْتُمْ حَتُّوْا فَاَنْتُمْ اَنْتُمْ
وہ کہیں! اچھا یہ بتاؤ اگر تمہارا پانی زمین میں جنس جانے تو وہ کون ہے جو تمہارے لیے صاف پانی لا کر دے گا۔ (الک: ۳۰)

پھر تہار کام اتنا ہی تو ہے کہ تم بل چلا کر زمین میں بیجا دبا دیجے ہو اور زمین میں پانی دیتے رہے ہو لیکن بیجا کو چلا کر اس میں سے پودا کون نکالنا ہے اور اس خرم و نازک پودے میں اتنی طاقت کون پیدا کرتا ہے کہ وہ زمین کا سینہ چاک کر کے باہر نکل آتا ہے سورج کی وجہ سے مہیا کر کے نکل کون نکالتا ہے چاند کی کرنوں سے اس میں ڈالنے کون پیدا کرتا ہے پودوں کی ترنگاری کے لیے ہوائیں کون چلاتا ہے شبنم سے ان کا من کون دھاتا ہے! کیا اس سب کی طاقت تم میں ہے یا کسی بھی انسان میں ہے! ان میں ہے جن کو تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے! جب یہ چیزیں نہ تھیں تب بھی آسمان اور زمین تھے آسمان سے پانی برساتا تھا اور زمین سے روئیدگی ہوتی تھی اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون تھا جو اس نظام کو جاری رکھے ہوئے تھا اور جب اس کے سوا اور کوئی نہیں تھا اور یہ سارا نظام اسی طرح چل رہا تھا تو تم کیوں نہیں مان لیتے کہ اس کائنات کو بنانے والا اور اس کو چلانے والا وہی واحد لا شریک ہے اور وہی تمہاری اور سب کی عبادت کا مستحق ہے۔

تصویر بنانے کے شرعی حکم کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم میں یہ طاقت نہ تھی کہ تم یہ درخت پیدا کرتے علاوہ قرطبی اور بعض دیگر علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ تصویر بنانا جائز نہیں ہے۔ خواہ اس میں روح ہو یا نہ ہو نہ بیجا کا قول ہے (المجامع الاحکام القرآن ۱۳ ج ۲ ص ۲۰۵) کیونکہ انسان کو کسی بھی چیز کے پیدا کرنے کی قدرت نہیں ہے اس لیے کسی چیز کی بھی تصویر بنانا اس کے لیے جائز نہیں ہے خواہ وہ جاندار ہو یا غیر جاندار ان کا استدلال حسب ذیل احادیث سے ہے:

جاندار کی تصویر بنانے کی تحریم اور ممانعت کے متعلق احادیث

مسلم بن یسار بیان کرتے ہیں کہ ہم سروق کے ساتھ یسار بن نیر کے گھر میں گئے۔ انہوں نے گھر کے ایک چہرے میں مجسمے رکھے ہوئے دیکھے۔ سروق نے کہا میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی ہے کہ اللہ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم اللہ ہے: ۵۹۵۰ صحیح مسلم رقم اللہ ہے: ۶۱۰۹ سنن النسائی رقم اللہ ہے: ۵۳۶۳ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹۵ مسند احمد رقم اللہ ہے: ۳۵۵۸ عالم الکتب مسند المہدی رقم اللہ ہے: ۱۱۷۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ ان تصویروں کو بناتے ہیں قیامت کے دن ان سے کہا جائے گا جن کو تم نے بنایا تھا ان میں جان ڈالو۔

(صحیح البخاری رقم اللہ ہے: ۵۹۵۱ صحیح مسلم رقم اللہ ہے: ۶۱۰۸)

ابوزرہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ کے ایک گھر میں گیا۔ حضرت ابو ہریرہ نے اس گھر کے بلند حصہ میں کچھ تصویریں بنی ہوئی دیکھیں تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو میری مخلوق کی مثل بناتا ہے ان کو چاہیے کہ وہ ایک دانہ کو پیدا کریں یا جو ان کو پیدا کریں۔ اللہ ہے (صحیح البخاری رقم اللہ ہے: ۵۹۵۳ صحیح مسلم رقم اللہ ہے: ۶۱۱۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ایک گدا خریدی جس میں تصاویر بنی ہوئی تھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دروازے پر کھڑے رہے اور اندر داخل نہیں ہوئے یہیں میں نے کہا میں اس گناہ سے اللہ کی طرف تو پہرتی ہوں جو میں نے کیا ہے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس گناہ سے تو پہرتی ہوں جو میں نے کیا ہے۔ (صحیح مسلم تصاویر ص ۹۲ سنن النسائی رقم اللہ ہے: ۵۳۶۵) آپ نے فرمایا یہ کیسا گدا ہے میں نے کہا تاکہ آپ اس پر بیٹھیں۔

نیک لگائیں! آپ نے فرمایا ان تصویروں کے بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا ان میں جان ڈالو جن کو تم نے بنایا تھا اور آپ نے فرمایا فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس گھر میں تصویر ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۵۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۱۷۷ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۶۱۵۳ سنن ابی یوسف رقم الحدیث: ۵۳۵۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے دنیا میں تصویر بنائی اس کو قیامت کے دن اس کا مکلف کیا جائے گا کہ وہ اس تصویر میں روح پھونکے اور وہ اس میں روح نہیں پھونک سکے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۱۷۰ سنن ابی یوسف رقم الحدیث: ۵۳۵۸)

چونکہ ان احادیث میں مطلقاً تصاویر بنانے پر آخرت میں عذاب کی وعید ہے خواہ وہ جاندار کی تصویر ہو یا غیر جاندار کی اس وجہ سے مجاہد نے یہ کہا تصاویر بنانا مطلقاً جائز نہیں ہے۔

بے جان چیزوں کی تصویر بنانے کے جواز کی حدیث

جسور فقہاء کا یہ موقف ہے کہ بے جان چیزوں کی تصویر بنانا جائز ہے اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے: سعید بن ابی الحسن بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا میں ایک انسان ہوں اور میرے روزی کمانے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ میں یہ تصویریں بناتا ہوں حضرت ابن عباس نے کہا میں تم کو صرف وہ حدیث سناؤں گا جس کو میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا جس شخص نے کوئی تصویر بنائی اللہ اس کو اس وقت تک عذاب دیتا رہے گا حتیٰ کہ وہ اس میں روح پھونک دے اور وہ اس میں کبھی بھی روح نہیں پھونک سکے گا۔ اس شخص نے بے زور سے سانس لیا اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے اگر تیرے لیے تصویر بنانے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے تو پھر اس درخت کی تصویر بنا اور ہر اس چیز کی تصویر بنا جس میں روح نہ ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۷۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۱۷۰ سنن ابی یوسف رقم الحدیث: ۵۳۵۸ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۶۱۵۳)

تصویر بنانے کے حکم میں فقہاء شافعیہ اور مالکیہ کا نظریہ

علامہ بیہقی بن شرف نوادی شافعی حنفی ۶۷۹ھ فرماتے ہیں:

جاندار اور ذی روح چیزوں کی تصویر بنانے کی احادیث میں تحریم کی تصریح ہے اور یہ حرمت مغلطہ ہے اور درخت اور بے جان چیزوں کی تصویر بنانا حرام نہیں ہے مجاہد کے سوا جسور علماء کا یہی مذہب ہے۔

رہا یہ اعتراض کہ بے جان چیزوں کی تصویر بنانے میں بھی تخلیق کی مشابہت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی صنعت تخلیق کی مشابہت کے قصد سے تصویر بنائے گا یہ وعیدیں اس شخص کے حلق ہیں اور جو شخص اپنے حلق کے اعتقاد کے گاہد کافر ہو جائے گا اور اسی کو سب سے زیادہ عذاب ہوگا اور کفر کی وجہ سے اس کا عذاب اور زیادہ ہوگا۔ اسی طرح عذاب کی یہ سخت وعیدیں اس شخص کے لیے ہیں جو اس لیے تصویر بنائے کہ اس تصویر کی عبادت کی جائے جیسے کفار بت تراش کر بتاتے تھے اور جو شخص تصویر اللہ کی صنعت تخلیق کے ساتھ مشابہت کے قصد سے بنائے نہ اس لیے تصویر بنائے کہ اس کی عبادت کی جائے تو وہ فاسق ہے اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے اور جس طرح باقی کبیرہ گناہوں کی وجہ سے کسی کو کافر نہیں قرار دیا جاتا اسی طرح اس کو بھی کافر نہیں قرار دیا جائے۔ (صحیح مسلم بشرح نووی ج ۱ ص ۳۶ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ لاہور ۱۴۱۷ھ)

علامہ نووی شافعی نے قاضی عیاض مالکی حنفی ۵۳۳ھ کی جو مہارت نقل کی ہے اس کا حالہ یہ ہے:

(اکمال المسلمین، ج ۶، ص ۶۸، مسطورہ دارالسرۃ، بیروت ۱۳۸۸ھ)

تصویر بنانے کے حکم میں فقہاء احناف کا نظریہ

شمس الاسلام محمد بن احمد رخصی حنفی حنفی حنفی ۷۸۳ھ لکھتے ہیں:

اگر مگر میں قبلہ کی جانب ایسی تصاویر (یا مجسمے) ہوں جن کے سر کٹے ہوئے ہوں تو نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ تصویر سر کے ساتھ ہوتی ہے اور سر کٹنے سے وہ تصویر نہیں رہتی، کیونکہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک کپڑا پہنایا گیا جس میں ایک پرندے کی تصویر تھی، صبح کو صبا نے دیکھا اس کا سر مٹا دیا گیا تھا اور روایت ہے کہ حضرت جبریل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آنے کی اجازت طلب کی آپ نے اجازت دے دی، حضرت جبریل نے کہا میں کہے آ سکتا ہوں جبکہ مگر میں ایک ایسا پرندہ ہے جس پر گھوڑوں اور مردوں کی تصویریں ہیں آپ یا تو ان تصویروں کے سر کاٹ دیں یا ان پر دوں گے بچانے والے گدے بنا دیں نیز سر کاٹ دینے کے بعد تصویر درخت کی طرح ہو جاتی ہے اور یہ مکروہ نہیں ہے مکروہ جاندار کی تصویر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو تصویر بنانے سے منع کیا۔ اس نے کہا میرے کمانے کا یہی طریقہ ہے پھر میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا اگر تصویر بنانے کے سوا اتہارے لیے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے تو درختوں کی تصویر بنایا کرو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس شخص نے کسی جاندار کی تصویر بنائی اس کو قیامت کے دن اس میں روح پھونکنے کے لیے کہا جائے گا اور وہ اس میں روح نہیں پھونک سکے گا۔

اگر تصویر کا سر کٹا ہوا نہ ہو تو پھر اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ اس میں تصویر کی عبادت کرنے والوں کے ساتھ مشابہت ہے، لیکن یہ اس وقت ہے جب تصویر بڑی ہو اور دیکھنے والوں کو دور سے نظر آتی ہو اگر تصویر چھوٹی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں کیونکہ تصویروں کی عبادت کرنے والے بہت چھوٹی تصویر کی عبادت نہیں کرتے، کیونکہ حضرت ابوموسیٰ کی انگوٹھی پر دو مکھڑوں کی تصویریں تھیں اور حضرت دانیال علیہ السلام کی انگوٹھی ملی تو اس کے تینوں پر دو شیروں کی تصویریں تھیں اور ان شیروں کے درمیان ایک آدمی کی تصویر تھی جس کو وہ شیر چاٹ رہے تھے یا اس کی وجہ یہ تھی کہ تم سے پہلی شریعت میں تصویر حلال تھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَتَذَكَّرُونَ لَكَ مَا يَتَذَكَّرُونَ مِنْ قَبْلِكَ وَتَذَكَّرُونَ لَكَ مَا يَتَذَكَّرُونَ مِنْ قَبْلِكَ (سہ ۱۳) حضرت سلیمان جو کچھ چاہتے تھے وہ (جن) ان کے لیے بنا دیتے تھے۔ اونچے قلعے اور برجے، تصویر جس طرح قبلہ کی جانب مکروہ ہے اسی طرح صحت پر یا قبلہ کی دائیں یا بائیں جانب بھی مکروہ ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: ”جس مگر میں کتاب یا تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے“ اس لیے نماز کی جگہوں کو تصویر سے منور کرنا واجب ہے ہاں اگر نماز کے پیچھے تصویر ہو تو اس میں کم روچہ کی کراہت ہے، کیونکہ اس موقع پر تصویر کی تعظیم یا تصویر کی عبادت سے مشابہت نہیں ہے اسی طرح اگر تصویر زمین یا قیامت پر دوں پر ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے، بستر پر تصویر مکروہ ہے لیکن ایسے بستر پر سوئے یا بیٹھے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ بستر کو روٹا جاتا ہے اور اس میں تصویر کی تعظیم نہیں ہے، گدے کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ حضرت جبریل نے کہا تھا کہ آپ اس کا گدا بنا لیں جس کو روٹا جائے اگر نماز یا بستر پر نماز پڑھے اور اس کی پیشانی کی جگہ یا اس کے سامنے تصویر ہو تو یہ مکروہ ہے، کیونکہ اس میں تصویر کی تعظیم ہے اور اگر اس کے قدموں کی جگہ تصویر ہو تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اب تصویر کی تعظیم نہیں ہے۔

(الموسم، ج ۱، ص ۶۱۱-۶۱۰، مسطورہ دارالسرۃ، بیروت ۱۳۸۸ھ)

علامہ بدرالدین محمد بن احمد عینی حنفی حنفی حنفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ان تصویروں کے بنانے والے کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا۔“ یہ تصویر کے معنی

پر دلالت کرتی ہے خواہ وہ تصویر مجسم ہو یا نہ ہو خواہ وہ تصویر کسی چیز میں محسوس کرنا یا نقش سے بنائی جائے جس چیز پر بھی تصویر کا اطلاق ہو گا وہ حرام ہے۔ (مجموع الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۳۳ مطبوعہ دارالافتاء المصریہ مصر ۱۴۱۳ھ)

تصویر اور فوٹو گراف کے متعلق علماء از ہر کانظر یہ

ذکر نما احمد شراہی لکھتے ہیں:

ہم یہ بات جدا سے سمجھتے ہیں کہ فوٹو گراف کی تصاویر تحریم کے حکم میں داخل نہیں ہیں کیونکہ یہ ہاتھ سے بنائی ہوئی تصاویر نہیں ہیں اور نہ ان کا کوئی جسم ہوتا ہے ان تصاویر میں صرف عکس اور عکس کو ایک کاغذ پر متغیر کر دیا جاتا ہے اور چھوٹی لڑکیوں کے لیے گڑیوں کو حرام نہیں کیا گیا اور صورتوں کے وہ مجسمے حرام نہیں ہیں جن کی طلم طب یا تعلیم میں ضرورت ہوتی ہے اور وہ تصاویر جن کو تعلیم یا حکم کے لیے نہ بنایا جائے حرام نہیں ہیں کیونکہ تصاویر کی تحریم کی بنیاد بت سازی اور بت پرستی کا راستہ بند کرنا ہے۔ (مسئوئک فی الدین والایمان ج ۱ ص ۶۳۶ مطبوعہ دارالکتاب بیروت)

نیز علماء از ہر نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے:

ہمارا مختار یہ ہے کہ جس تصویر کا کوئی جسم نہ ہو اس کے بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے اسی طرح جو تصویر کپڑے دیوار یا کاغذ پر بنائی جائے اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اور بے جان چیزوں کی تصویر بنانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اسی طرح آج کل کمرے سے چھٹی جانے والی مرقعہ تصاویر بھی جائز ہیں خواہ وہ تصویریں جاندار کی ہوں یا بے جان کی جبکہ وہ تصویریں کسی ملکی مقصد پر مبنی ہوں جس سے عام معاشرہ کو فائدہ ہو اور ان تصاویر کی تعلیم یا حکم میں ضرورت ہو اور عبادت کا شہ نہ ہو تو پھر وہ تصویریں بے جان چیزوں کی تصویروں کے حکم میں ہیں اور وہ شرعاً جائز ہیں۔ (الفتاویٰ الاسلامیہ ص ۱۸۱ دارالافتاء المصریہ مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۴۰۲ھ)

تصویر اور فوٹو گراف کے متعلق مصنف کا موقف

میرے نزدیک علماء از ہر کا یہ نظریہ صحیح نہیں ہے کہ کمرے کی بنائی ہوئی تمام تصاویر اس لیے جائز ہیں کہ وہ ہاتھ سے نہیں بنائی جاتیں اور یہ کہ کمرے کے ذریعہ صرف عکس کو متغیر کر لیا جاتا ہے دیکھئے پہلے شراب ہاتھ سے بنائی جاتی تھی اب مشینی عمل کے ذریعہ شراب بنائی جاتی ہے تو کیا اس فرق سے اب شراب جائز ہو جائے گی پہلے ہاتھوں کی تراش خراش سے مجسمے بنائے جاتے تھے اب مشینوں کے ذریعہ چائینک اور دوسری اجناس کے مجسمے ڈھال لیے جاتے ہیں تو کیا اب وہ جائز ہو جائیں گے؟ فوٹو کے متعلق اسلام کا خضام یہ ہے کہ کسی بھی جاندار کی صورت اور شبیہ کو مستقل طور پر محفوظ کر لینا جائز نہیں ہے کیونکہ ہمیشہ جانداروں کی تصویریں شرک اور فتنہ کی موجب بنتی رہی ہیں اب بھی ہندوستان اور بعض دوسرے ممالک میں تصاویروں اور بتوں کی پوجا ہوتی ہے ہندوستان میں گاندھی کی تصویر کی تعلیم اور حکم ہوتی ہے روس میں ستالین کی تصویر کی تعلیم کی جاتی ہے پاکستان کے تمام دفاتر اسمبلیوں اور سفارت خانوں میں بڑے بڑے سائز کی گاندھی کی تصویر تعلیم اور فتنہ کی پوجا ہوتی ہے اس لیے اصل فتنہ صورت کے محفوظ کرنے میں ہے خواہ صورت کو سنگ تراشی سے محفوظ کیا جائے قلم کاری سے یا فوٹو گرافی سے جس طریقہ سے بھی تصویر کو حاصل اور محفوظ کر لیا جائے گا اس سے حاصل شدہ تصویر نا جائز اور حرام ہوگی اور بت تراشی مصوری اور فوٹو گرافی میں جواز اور عدم جواز کا فرق کرنا صحیح نہیں ہے۔

تصویر کی حرمت کا اصل خضام غیر اللہ کی تعلیم اور عبادت ہے اگر لوگ فوٹو گراف کی تعلیم اور عبادت شروع کر دیں تو کیا وہ تعلیم اور عبادت نا جائز نہیں ہوگی؟ جبکہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بڑے بڑے قومی لیڈروں اور بچروں کے فوٹوؤں کی ہر ملک میں بائبل تعلیم کی جاتی ہے اور غیر اللہ کی عبادت کا خضام صورت اور شبیہ ہے خواہ وہ سنگ تراشی سے حاصل ہو قلم کاری سے

یا فوٹو گرافی سے اس لیے جس طرح پتھر کا مجسمہ بنانا اور برش سے تصویر بنانا حرام ہے اسی طرح کمرے سے فوٹو گرافی حرام (یعنی مکروہ تحریمی) ہے۔

ویڈیو اور ٹی وی کی تصاویر کا شرعی حکم

بعض علماء اہل سنت نے یہ کہا ہے کہ آئینے اور ٹی وی کے پائیدار عکس کو حقیقی معنوں میں تصویر تشبیل مجسمہ اشجود وغیرہ کہنا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ پائیدار ہونے سے پہلے عکس صرف عکس ہی رہتا ہے تصویر نہیں بنتا اور جب اسے کسی طرح سے پائیدار کر لیا جائے تو وہی عکس تصویر بن جاتا ہے موجودہ معروف اور مشہور آئینہ بالکلیہ انسانی صنعت مگر ہے لہذا اس میں بھی عکس کے ظہور میں قطعی طور پر ہلکے انسانی کا دخل ہے اس لیے اگر چہ ٹی وی کے آئینے پر عکس کے ظہور میں ہلکے انسانی دخل ہے جب اس کا حکم آئینہ کے حکم کی طرح ہی ہونا چاہیے کیونکہ غیر قادر و پائیدار ہونے میں دونوں بالکل ایک طرح ہیں۔

اس حقیقت کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ویڈیو اور ٹی وی کے استعمال کرنے کا معاملہ آئینوں کے استعمال کرنے کی طرح ہے جس طرح آئینہ کے اندر ہر اس چیز کو دکھایا جاسکتا ہے جس کا دیکھنا سننا اس کے بغیر بھی جائز ہو۔ وہ مجھے وہ امور جن کا دیکھنا سننا ناجائز و حرام ہو ویڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ بھی ان کا سننا اور دیکھنا ناجائز و حرام ہے بغیر حرم مرد و زن کا عام میل جول شرعاً حرام ہے اور ظلموں میں بھی دکھایا جاتا ہے اس لیے یہ فلمیں سینما میں دیکھی جائیں یا دی وی آر کے ذریعہ ٹی وی پر بہر حال حرام ہیں۔ (یہ کلام ختم ہوا)

ہمارے نزدیک ٹی وی کی اسکرین کا آئینہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے اول اس لیے کہ اگر مثلاً چار شخص آئینے کے سامنے مختلف جہات میں کھڑے ہوں کوئی دائیں جانب ہو کوئی بائیں جانب ہو کوئی بالکل سیدھا کھڑا ہو کوئی کسی اور زاویہ سے ترچھا کھڑا ہو تو سب کو یہ ایک وقت آئینہ میں مختلف عکس نظر آئیں گے اس کے برخلاف اگر ٹی وی کی اسکرین کو یہ ایک وقت چار یا چار سے زائد اشخاص مختلف جہات سے دیکھ رہے ہوں تو ان کو ایک ہی منظر دکھائی دے گا اور یہ وہی منظر ہو گا جو ویڈیو ٹیپ پر ریکارڈ شدہ ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر دی وی آر کے مخصوص جن کے ذریعہ کسی تصویر کو ساکن کر دیا جائے اور مضرب الیا جائے تو اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا بہر حال ویڈیو کے مجوزین کے نزدیک بھی ناجائز ہے۔ جبکہ آئینہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا ناجائز یا مکروہ نہیں ہے اس لیے ہمارے نزدیک ٹی وی کی اسکرین آئینہ کی مثل نہیں ہے اور اس کو آئینہ پر قیاس کر کے جائز قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

ٹی وی کی تصاویر ہر چند کہ عام فوٹو گراف یا فلمی تصاویر کی طرح تو نہیں ہیں تاہم یہ تصویر کی جدید شکل ہیں۔ ٹی وی کی تصویر کو متحرک بھی دکھایا جاتا ہے اور غیر متحرک بھی تصویر خواہ مجسمہ کی شکل میں ہو یا فلمی ہو یا فوٹو گراف ہو یا ویڈیو کی ریز کے ذریعہ دکھائی دے ان سب میں ایک چیز مشترک ہے وہ ہے جاندار کی صورت کا دکھائی دینا۔ غیر ترقی یافتہ زمانہ میں جاندار کی صورت کو پتھروں سے تراش کر مجسمہ کی شکل میں یا کپڑے یا کاغذ پر نقش کر کے وجود میں لایا جاتا تھا پھر ترقی یافتہ زمانہ میں کمرے کے ذریعہ فوٹو گراف کی شکل میں وجود میں لایا گیا اب اور زیادہ ترقی ہوئی تو اس کو ریز کی شکل میں متحرک اور غیر متحرک ہر دو طرح سے وجود میں لایا گیا بہر حال ہر صورت میں ویڈیو کی وہ تصاویر جن میں ریز کے ذریعہ جاندار کی صورتوں کو وجود میں لایا جائے خواہ وہ متحرک ہوں یا غیر متحرک ہوں وہ اسی طرح ناجائز اور حرام ہیں جیسے پتھر کا کاغذ یا کپڑے پر نقش شدہ تصاویر ناجائز اور حرام ہیں جیسے موسیقی صرف اس لیے حرام نہیں ہے کہ وہ طبلہ سازگی اور بانسری کے ذریعہ بجا کر آواز بنائی جاتی ہے اگر یہ

آواز شپ ریکارڈر کے ذریعہ سنائی دے، ظلم یا دیکھو شپ کے فیتے کے ذریعہ سنائی دے وہ بہر حال موسیقی کی آواز ہے جو سنائی دے رہی ہے اسی طرح جاندار کی صورت خواہ کسی ذریعہ سے دکھائی دے وہ بہر حال صورت گری ہے اور نا جانور حرام ہے جس نے اس مسئلہ کو اسی طرح سمجھا ہے اگر یہ درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر یہ غلط ہے تو میری فکر کی نارسائی ہے۔ جو علماء دلائل کی بناء پر فوٹو اور وی کی تصاویر کے جواز کے قائل ہیں ان پر لعن طعن نہیں کرنی چاہیے

فوٹو گراف میں بعض علماء اہلسنت یہ کہتے ہیں کہ گدے پر چھپی ہوئی تصویر کی اجازت ہے اور جب کپڑے پر تصویر کا نقش جائز ہے تو کاندہ پر بھی جائز ہے اور مصرعی علماء بھی اس کو جائز کہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ استدلال صحیح نہیں ہے اسی طرح آئینہ پر قیاس کر کے بعض علماء نے وی کی تصاویر کو بھی جائز کہتے ہیں ہمارے نزدیک یہ استدلال صحیح نہیں ہے لیکن جس مسئلہ میں ہمارے علماء کا اختلاف ہو تو اس میں تشدید نہیں کرنی چاہیے جیسے قوائی سیاہ خضاب، چٹکی ٹرین پر نماز پڑھنے اور لاڈلہ آئینہ پر نماز پڑھانے کا معاملہ ہے کیونکہ دلائل میں تعارض تخفیف کا موجب ہوتا ہے مثلاً بعض احادیث میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیٹاب سے بچو کیونکہ اسی وجہ سے زیادہ تر مذہب قبر ہوتا ہے۔ (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۱۷۸، المسند رک ج ۱ ص ۱۸۳) اس حدیث کا تقاضا ہے کہ پیٹاب مطلقاً نجاست خفیفہ ہو اور بعض احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیہ عربہ کے لوگوں کو اونٹنیوں کا پیٹاب بطور علاقہ بنایا (صحیح ابوداؤد رقم اللہ ج ۲ ص ۲۳۳) صحیح مسلم رقم اللہ ج ۱ ص ۱۶۷) اس حدیث کا تقاضا ہے کہ جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کا پیٹاب نجس نہ ہو اور یہی امام احمد کا مسلک ہے سو دلائل میں اس تعارض کی وجہ سے جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کے پیٹاب کو نجاست خفیفہ قرار دیا گیا۔ (فتح اللہ ج ۱ ص ۲۰۶، ارسلانک بیروت ص ۱۳۱۵) اسی طرح ملی کے جھوٹے کا حکم ہے بعض احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ملی درود ہے۔ (مسند ابوجہ ج ۲ ص ۲۳۷، المسند رک ج ۱ ص ۱۸۳، سنن دارقطنی ج ۱ ص ۱۶۳) اس حدیث کا تقاضا ہے کہ ملی کا جھوٹا حرام ہو اور بعض احادیث میں ہے کہ جس برتن سے ملی نے پانی پیا تھا اس برتن کے پانی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ نے وضو کیا (سنن ابن ماجہ رقم اللہ ج ۱ ص ۳۶۸، سنن دارقطنی ج ۱ ص ۱۶۹) اس حدیث کا تقاضا ہے کہ ملی کا جھوٹا پاک ہو اور دلائل میں اس تعارض کی بناء پر ملی کے جھوٹے کو مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ (فتح اللہ ج ۱ ص ۱۵۵)

اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ ہر چند کہ فوٹو گراف اور وی کی تصاویر ہمارے نزدیک جائز نہیں ہیں لیکن چونکہ اس میں دلائل متعارض ہیں اور علماء کا اختلاف ہے اس لیے اس میں بہت زیادہ سختی اور تشدید نہیں کرنی چاہیے اور جو علماء اس میں جہلا ہیں ان پر لعن طعن نہیں کرنی چاہیے اور ان کو دہف ملامت نہیں بنانا چاہیے کیونکہ دلیل خواہ کمزور ہو وہ تخفیف کا تقاضا کرتی ہے۔ دیکھیے عمرات سے نکاح کرنا حرام ہے لیکن امام اعظم ابوحنیفہ نے فرمایا جو شخص اپنی ماں یا بہن سے نکاح کر کے دہلی کر لے اس پر حد نہیں ہوگی تعزیر ہوگی۔ اس کو تعزیراً نقل کر دیا جائے گا لیکن اگر وہ شادی شدہ ہے تو اس کو جرم نہیں کیا جائے گا کیونکہ حد و دشہات سے ساقط ہو جاتی ہیں اور یہاں پر یہ شبہ ہے کہ ہم سے پہلی شریعت میں بھائی بہن کے درمیان نکاح جائز تھا ہر چند کہ یہ شبہ ضعیف ہے لیکن اس کا اعتبار کر کے حد ساقط کر دی گئی۔ (دہلیہ دلائل ص ۵۱۶، فتح اللہ ج ۱ ص ۲۳۶) اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ فوٹو گراف اور وی کی تصاویر کے جواز کے دلائل ضعیف ہیں لیکن وہ تخفیف کا تقاضا کرتے ہیں اور جو لوگ اپنے دلائل کی وجہ سے اس میں جہلا ہیں ان پر لعن طعن نہیں کرنی چاہیے اور عام لوگوں کو اس سے بہر حال منع کرنا چاہیے۔

ضرورت کی بناء پر یا سپورٹ سائز کے فوٹو گراف کی رخصت

جاہم بعض جہمی عمرانی اور معاشی امور کے لیے فوٹو ناگزیر ہے مثلاً شناختی کارڈ، پاسپورٹ، ویزا، ڈوی سائل، امتحانی فارم، ڈرائیونگ لائسنس اور اس نوع کے دوسرے امور میں فوٹو کی لازمی ضرورت ہوتی ہے اور اللہ اور اس کے رسول نے دین میں سختی

نہیں رکھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ
(الحج: ۷۸)

اللہ تعالیٰ نے تم پر دین میں سہولت کی۔

يُرِيدُ اللَّهُ يَتَخَفَ الْيَهُودَ وَلَا يُؤْمِنُ بِالْغُلَاظِ

(البقرہ: ۱۸۵)

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے اور مشکل کا

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

احب الدين الى الله الحنيفية السمحة
(صحیح البخاری باب: ۲۹)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین وہ ہے جو حق ہو اور آسان اور سہل ہو۔

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ
وسلم قال ان الدين يسر (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین آسان ہے۔

عن انس بن مالک يقول قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم يسر واولا تعسر واول

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر آسانی کرو اور ان کو مشکل میں نہ ڈالو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۳۵)

اسلام میں جاندار چیزوں کی تصاویر بنانے کی ممانعت ہے اور بے جان چیزوں کی تصویر بنانے کی اجازت ہے۔ اس لیے انسان کی صرف سینے تک کی تصویر بنانا جائز ہے کیونکہ کوئی انسان بغیر پیٹ کے زندہ نہیں رہ سکتا اور جن تصاویر میں امور میں تصویر کی ضرورت پڑتی ہے (مثلاً شناختی کارڈ اور پاسپورٹ وغیرہ) ان میں اس قسم کی آدمی تصویر ہی کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے اس قسم کی ضروریات میں بغیر پیٹ کے سینے تک کی آدمی تصویر کھینچنا جائز ہے البتہ بلا ضرورت شوقیہ فوٹو گرافی مکروہ ہے اور تعظیم و تکریم کے لیے فوٹو کھینچنا جائز اور حرام ہے۔

ہم نے جو آدمی تصویر کو جائز کہا ہے اس کی اصل حدیث یہ ہے:

انام نسائی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کہ جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی آپ نے فرمایا آ جاؤ! انہوں نے کہا میں کیسے آؤں وہاں حاکم آپ کے گھر میں ایک پردہ ہے جس میں تصویریں ہیں پس یا تو آپ ان تصویروں کے سر کاٹ دیں یا اس پردہ کو پھروں تھے روئے جانے والی چادر بنا دیں کیونکہ ہم گردہ ملائکہ اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصاویر ہوں۔

عن ابی ہریرۃ قال استاذن جبریل علیہ السلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ادخل ففعل کیف ادخل وفي بيتك متروفيه تصاویر فاما ان تقطع وءوسها او تجعل بساطا یوطا فانما معشر الملائكة لا تدخل بیتا فيه تصاویر۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۶۶۱ شیخ کراچی)

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

فاما لو كانت معتمنة او غیر معتمنة لكنہا غیرت من هیئتها اما قطعها من نصفها او بقطع

اور اگر تصویر کو ذلت کے ساتھ رکھا جائے یا بغیر ذلت کے رکھا جائے لیکن اس کی ہیئت کو خیر کر دیا جائے یا تو وہ تصویر آدمی

واسہا فلا امتناع (فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۶۲ لاہور ۱۳۸۱ھ) کاٹ دی جائے یا اس کا سر کاٹ دیا جائے تو پھر کوئی امتناع نہیں ہے۔

نیز علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

علامہ ابن عربی (ماکنی) نے کہا ہے کہ تصویر بنانے کے حکم میں خلاصہ یہ ہے کہ جسم والی تصویر بنانا تو بالاجماع حرام ہے اور اگر تصویر سر تسم یا مرقوم ہو (یا مطبوع ہو) تو اس میں چار قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ وہ مطلقاً جائز ہے جیسا کہ امام بخاری نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تصویر کپڑے پر بنی ہوئی ہو اس کا حکم مستثنیٰ ہے (صحیح بخاری ج ۳ ص ۸۸۱) دوسرا قول یہ ہے کہ تصویر بنانا مطلقاً ممنوع ہے حتیٰ کہ کلمہ سے بنائی ہوئی تصویر بھی ممنوع ہے تیسرا قول یہ ہے کہ اگر تصویر میں مکمل حیثیت اور شکل ہو تو حرام ہے اور اگر اس کا سر کاٹ دیا جائے یا اس کے اجزاء متفرق ہوں تو پھر جائز ہے علامہ ابن عربی نے کہا یہ قول زیادہ صحیح ہے چوتھا یہ ہے کہ اگر تصویر کو بچھڑایا جائے اور ذلت کے ساتھ رکھا جائے تو پھر جائز ہے اور اگر تصویر کو لٹکایا جائے تو پھر ناجائز ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۶۱ لاہور ۱۳۸۱ھ)

مصر کے بعض علماء لکھتے ہیں:

ہمارے علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ جاندار کا فوٹو گراف اگر بڑا ہو اور اس میں اس کے تمام اعضاء مکمل ہوں تو اس کا ہانا مکروہ تحریمی ہے اور اگر فوٹو گراف چھوٹا ہو جس میں غور سے دیکھے بغیر اعضاء کی تفصیل معلوم نہ ہو سکے یا فوٹو تو بڑا ہو لیکن اس میں وہ اعضاء نہ ہوں جن کے بغیر حیات ناگزیر ہے تو اس فوٹو گراف کا ہانا مکروہ نہیں ہے۔

(الفتاویٰ الاسلامیہ ج ۳ ص ۱۳۸ مصر ۱۳۸۱ھ)

علامہ نور اللہ بصیر پوری (لغیہ احصر) لکھتے ہیں:

جگ کے لیے عازم حج کے پورے جسم کا فوٹو ضروری نہیں بلکہ چہرے یا قدرے زائد کا فوٹو حکومت نے مصرح انتظامیہ کے لیے ضروری قرار دیا ہے چنانچہ عموماً پاسپورٹوں پر ایسے ہی ایڈ فوٹو چسپاں کیے جاتے ہیں جو نصف سینہ تک کے ہوتے ہیں حالانکہ انسان نصف سینہ یا سینہ کے نیچے سے کاٹ دیا جائے تو زندہ نہیں رہ سکتا لہذا یہ فوٹو ایسے جسم کا فوٹو ہوگا جو شجر و حجر کی طرح ہے جان ہے۔ (الی قول) بہر حال ان ارشادات کی روشنی میں حج فرض وغیرہ کے لیے ایسے فوٹو کی اجازت ہے جو جسم کے ایسے حصہ کا ہو جو صرف اتنا ہی زندہ نہ رہ سکتا ہو (الی قول) ہاں یہ بھی ضروری ہے کہ بلا ضرورت فوٹو نہ کھینچائے جائیں۔

(الفتاویٰ انوری ج ۱ ص ۱۷۱-۱۶۹ لاہور ۱۳۸۸ھ)

احادیث صحیحہ اور عبارات فقہاء کی روشنی میں یہ امر واضح ہو گیا کہ تمدنی 'معاشرتی' عمرانی اور شرعی ضروریات کے لیے آدمی تصویر کھینچنا جائز ہے اور بلا ضرورت محض شوق فوٹو گرافی ایک مکروہ عمل ہے اور کسی کی تعظیم اور تکریم کے لیے فوٹو کھینچنا ناجائز اور حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (تباۃ) کس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس میں دریا رواں دواں کر دیے اور زمین کو برقرار رکھنے کے لیے مضبوط پہاڑ بنا دیے اور دو سمندروں کے درمیان آڑ پیدا کر دی۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے (آئین ۲۱: ۶۱)

زمین کی خصوصیات سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر استدلال

زمین کے جائے قرار ہونے کی وجہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پھیلنا کر ہموار کر دیا اور اس میں لوگوں کی سکونت سہل

اور آسان بنادی اور زمین کو تختی اور نرمی کے درمیان حوصلہ اور معتدل بنایا اگر وہ چتر کی طرح سخت ہوتی تو اس پر انسان کا لیٹنا مشکل ہوتا اور اگر وہ پانی کی طرح نرم ہوتی تو انسان اس میں گھس کر نیچے چلا جاتا اور ڈوب جاتا اور اس میں سورج کی شعاعوں کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھی ورنہ ٹھنڈک کی زیادتی سے اس پر جانداروں کا رہنا مشکل ہو جاتا سورج کے گرد زمین کی گردش کو اس کیفیت سے رکھا کہ عام لوگوں کو اس کی گردش محسوس نہیں ہوتی۔

اور فرمایا زمین کے گرد دریا رواں دواں کر دینے زمین سے پانی کئی صورتوں میں نکلا ہے بعض سیال جاری بننے ہیں زمین کے اندر جو بخارات چلتے رہتے ہیں کسی جگہ وہ بخارات جمع ہو جاتے ہیں اور اپنی قوت سے زمین کو پھاڑ کر نکل آتے ہیں اور بعض خشے جاری نہیں ہوتے کیونکہ جن بخارات کی وجہ سے وہ خشے وجود میں آتے ہیں وہ اتنے قوی نہیں ہوتے اور نہ یوں اور تالوں اور دریاؤں کے پانی ہیں اور کنوؤں کے پانی ہیں۔

دو ایسی رسیہ کی جمع ہے اس کا استعمال پہاڑوں کے لیے ہوتا ہے۔

اور فرمایا: اور دو سمندروں کے درمیان آڑ پیدا کر دی اس سے مقصود یہ ہے تاکہ ٹھنڈا پانی کھارے پانی سے مخلط نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ انسان کے دل میں بھی دو سمندر ہیں ایک حکمت اور ایمان کا سمندر اور دوسرا سرکشی اور شہوت کا سمندر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دو سمندروں کے درمیان بھی ایک رکاوٹ قائم کر دی اور ایک سمندر دوسرے سمندر سے فاسد نہیں ہوتا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَوَدَّاتٍ بَيْنَهُنَّ بَارِئَاتٍ ۚ يُدْخِلُ الْمَاءَ فِيهَا بِرُءُوسَ ثَمَرٍ ۖ لَا يَتَغَيَّرُ ۚ وَ يُخْرِجُ مِنْهَا نَهْرًا ۚ طَيِّبًا ۚ طَيِّبًا ۚ وَ فِيهَا ثَمَرٌ ۚ لَا يَتَغَيَّرُ ۚ وَ فِيهَا ثَمَرٌ ۚ لَا يَتَغَيَّرُ ۚ وَ فِيهَا ثَمَرٌ ۚ لَا يَتَغَيَّرُ ۚ (الرحمن: ۲۰-۱۹)

اس نے دو سمندر جاری کر دیئے جو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں ان کے درمیان ایک آڑ ہے جس سے وہ جدا نہیں کرتے۔

دو سمندروں سے مراد ایک کھارے پانی کا سمندر ہے اور ایک ٹھنڈے پانی کا دریا ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ سمندر میں دو قسم کی لہریں ہیں ایک ٹھنڈے پانی کی اور ایک کھارے پانی کی اور ہر ایک لہر دوسری لہر سے ممتاز اور یکسر رہتی ہے تیسری صورت یہ ہے کہ سمندر میں بعض جگہوں پر اوپر کھارا پانی ہوتا ہے اور اس کی تہ میں نیچے ٹھنڈا پانی ہوتا ہے چوتھی صورت یہ ہے کہ بعض مقامات پر دریا کا ٹھنڈا پانی سمندر میں جا گرتا ہے اور میلوں تک یہ دونوں پانی ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے مخلط نہیں ہوتے۔

یہ نعمتیں اور زمین میں یہ خصوصیات کس نے پیدا کی ہیں تم حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ کی پرستش کرتے ہو ان کے پیدا ہونے سے پہلے بھی زمین میں اور سمندروں میں یہ خصوصیات تھیں۔ درختوں میں پھروں میں آگ میں ان میں سے کسی میں یہ طاقت نہیں کہ زمین کو اور سمندروں کو یہ خصوصیات دے سکے نہ سورج اور چاند میں یہ طاقت ہے کیونکہ سورج اور چاند زمین کے جس حصہ سے غروب ہو جاتے ہیں اس غروب سے زمین کے اس حصہ کی خصوصیات میں کوئی فرق نہیں آتا۔ پھر بتاؤ کہ زمین میں یہ خصوصیات کس نے پیدا کی ہیں اور ان کے پیدا کرنے کا کون دعویدار ہے؟ پھر کیوں نہیں مان لیتے کہ اللہ ہی ان کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ان کو قائم رکھنے والا ہے اور وہی سب کی عبادتوں کا مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (بتاؤ!) جب بے قرار اس کو پھارتا ہے تو اس کی دعا کو کون قبول کرتا ہے اور کون تکلیف کو دور کرتا ہے اور تم کو زمین پر پہلوں کا قائم مقام بناتا ہے! کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے! تم لوگ بہت کم صحبت کو قبول کرتے ہو! (نہل: ۶۴)

مضطر (بے قرار) کے مصداق کے متعلق اقوال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مضطر (بے قرار) وہ شخص ہے جس کو کسی چیز کی سخت ضرورت ہو اور وہ اس کی

طلب کی وجہ سے مشقت میں مبتلا ہوا سدی نے کہا معذورہ شخص ہے جو کسی مصیبت کو دور کر سکا ہو اور نہ کسی راحت کو حاصل کر سکا ہو۔ ذوالنون نے کہا معذورہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا باقی سب سے رشتے منقطع کر چکا ہو۔ ابو حنفہ اور ابو عثمان نیشاپوری نے کہا معذورہ شخص ہے جو دیوالیہ ہو چکا ہو سہیل بن عبد اللہ نے کہا معذورہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو اس کے پاس دعا کے قبول ہونے کے لیے پیشگی عبادت کا کوئی وسیلہ نہ ہو۔ ایک شخص مالک بن دینار کے پاس آیا اور کہا میں آپ سے اللہ کے لیے سوال کرتا ہوں آپ میرے لیے دعا کریں میں معذور ہوں انہوں نے کہا جب تم معذور ہو تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرو وہ معذور کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔

معذور (بے قرار) کی دعا

عبد الرحمن بن ابی بکر نے اپنے والد سے کہا میں ہر روز صبح و شام تین تین بار آپ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنتا ہوں۔ اے اللہ! میرے بدن کو عافیت سے رکھ اے اللہ! میرے کانوں کو عافیت سے رکھ اے اللہ! میری آنکھوں کو عافیت سے رکھ تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے تو میں آپ کی سنت پر عمل کرنا پسند کرتا ہوں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس دعا میں کہا: اے اللہ! میں کفر اور فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور کہا حضور صبح اور شام تین تین بار یہ دعا کرتے تھے اور میں آپ کی سنت پر عمل کرنے کو پسند کرتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کرب میں مبتلا (بے قرار) کی دعا یہ ہے۔ اے اللہ! میں تیری رحمت کی امید رکھتا ہوں تو مجھے چمک چمکنے کے لیے بھی میرے فتنے کے سپرد نہ کر اور تو میرے تمام کاموں کو درست کر دے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد رحمہ اللہ ص: ۵۹۰، مسند احمد رحمہ اللہ ص: ۲۰۵۲)

قرآن اور حدیث سے اس بے استدلال کہ معذور اور مصیبت زدہ کی دعا قبول ہوتی ہے خواہ وہ مومن ہو یا کافر

جب کوئی شخص کرب میں مبتلا ہو معذور اور بے قرار ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے خواہ وہ شخص مومن ہو یا کافر ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَقَىٰ اِذَا كُنْتُمْ فِي الْغُلَاظِ وَجَرَدْتُمْ مِمَّهَا بِرُيُوْجٍ
كَلْبًا وَّ قَرَحًا وَّ هَلْ جَاءَ نَصْرًا وَّ جَاءَ غُلْمٌ
الْمُؤْمَرُونَ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَكَلَّمُوا اَنْتَهُمْ اُجِيبْهُمْ دَعْوَا
اللّٰهِ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَٰكِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهِ
لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْفٰكِرِيْنَ ۝ فَكَلَّمَا اَنْجَيْتُمَا اِذَا اللّٰهُ يَبْعَثُ
فِي الْاَمْرِ مِمَّنْ يَفْقَهُ الْعَرَبِيَّ ط (پس ۲۳-۲۴)

حتیٰ کہ جب تم کشتیوں میں (بحیرہ میں) ہو اور وہ کشتیاں موافق ہوا کے ساتھ لوگوں کو لے کر جا رہی ہوں اور لوگ ان سے خوش ہو رہے ہوں تو (اچانک) ان کشتیوں پر تیز آمدی آئے اور (سندھ کی) موجیں ہر طرف سے ان کو گھیر لیں اور لوگ یہ یقین کر لیں کہ وہ (طوفان میں) پھنس چکے ہیں اس وقت وہ انصار سے عبادت کرتے ہوئے اس سے دعا کرتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس (طوفان) سے بچالیا تو ہم ضرور تیرا شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے ۵ پھر جب اللہ نے انہیں بچالیا تو وہ پھر یکایک زمین میں ناحق بے عبادت (فاساد) کرنے لگتے ہیں۔

فَلَا ذِكْرًا فِي الْفَلْتِ دَعَا اللَّهَ تَحْيِيصِينَ لَمْ

الَّذِينَ تَحَلَّتْ بَعْدَهُمْ إِلَى التَّوَلَّى لَهُمْ فَيُطْلُونَ ۝

(الحکمت: ۶۵)

پس جب یہ لوگ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو انہیں سے
مبارت کرتے ہوئے اللہ کی کو پکارتے ہیں بحر جب وہ اس کو
(طوفان سے) نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو وہی
وقت شرک کرنے لگتے ہیں۔

سو جو مضطر اور بے قرار اخلاص کے ساتھ اللہ سے دعا کرتا ہے وہ اس کی دعا قبول فرمایا ہے۔
اسی طرح احادیث میں مطلقاً مظلوم کی دعا قبول کرنے کا ذکر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس میں کوئی شک نہیں کہ تم (حم
کی) دعا میں قبول ہوتی ہیں مظلوم کی دعا اور مسافر کی دعا اور باپ کی دعا اس کی اولاد کے لیے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۳۶ مسند ابن ابی شیبہ: ۱۰۸۰ مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۸ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۵ سنن ابن ماجہ رقم
الحدیث: ۳۸۶۳ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۶۹۹ شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۳۹۳)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کا حاکم بنا کر بھیجے وقت
چند ہدایات دیں اور آفریں فرمایا اور مظلوم کی دعا سے بچنا کیونکہ اس کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۶۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۸۳ سنن ابی حاتم رقم الحدیث: ۶۳۵۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۸۳)
حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مظلوم کی دعا سے بچو کیونکہ

اس کی دعا پادلوں کے اوپر اٹھائی جاتی ہے اللہ جل جلالہ فرماتا ہے: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں تمہاری ضرورت و درکروں کا
خواہ کچھ وقت گزرنے کے بعد۔

(الکعب الکبیر رقم الحدیث: ۱۷۸۳ مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۹ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۸۳ سنن ابی حاتم رقم الحدیث: ۶۳۵۰ سنن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۸۳)
جہان رقم الحدیث: ۳۸۶۳ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۸۳ سنن ابی حاتم رقم الحدیث: ۶۳۵۰ سنن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۸۳)

۱۰۵۲ سنن حدیث کے الفاظ مشابہ ہیں)
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مظلوم کی دعا سے بچو خواہ وہ
کافر ہو کیونکہ اس کی دعا کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۳ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابو عبد اللہ الاسدی ہے حافظہ اسی نے کہا ہے میں اس کو نہیں پہچانتا اکثر قریب
والتریب ج ۳ ص ۱۸۸ حافظہ اسی نے بھی کہا میں اس کو نہیں پہچانتا اکثر راوی ج ۱ ص ۱۵۲ حافظہ زین نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے حاشیہ مسند

احمد ج ۱ ص ۳۵۵ رقم الحدیث: ۳۳۸۸ مسند ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۶۹۹)

مظلوم مسافر اور والد کی دعا جلد قبول فرمانے کی حکمت

اللہ تعالیٰ مظلوم کے اخلاص کی وجہ سے اس کی دعا کو قبول فرمایا ہے اور یہ ضرورت کی بنا پر اس کے کرم کا تقاضا ہے اور
اس کے اخلاص کو قبول کر لینا ہے خواہ وہ کافر ہو اسی طرح اگر وہ شخص اپنے دین میں سب سے بڑا ظالم ہو تو جب وہ گزر کر
اخلاص کے ساتھ دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرمائے گا کیونکہ کسی کافر یا ظالم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے عموم اور مشمول
سے مانع نہیں ہے اور مظلوم کی دعا کے قبول ہونے کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ ظالم کے خلاف اس کی مدد فرماتا ہے یا ظالم سے اس کا
بدل لیتا ہے یا ظالم پر اس سے بڑے ظالم کو مسلط کر دیتا ہے جو اس ظالم پر ظلم کرتا ہے قرآن مجید میں ہے:

وَكُنْ لَكَ كَوْنِي بَعْضُ الظُّلُمَاتِ بَعْضًا كَانُوا
یٰكَلْبُتُونَ ۝ (الانعام: ۱۱۹)

اسی طرح ہم بعض ظالموں کو ان کے اعمال کی وجہ سے بعض دوسرے ظالموں پر مسلط کر دیتے ہیں۔

اس طرح ایک ظالم دوسرے ظالم کو ہلاک اور چاہہ ویر پا کر دیتا ہے اور ہم ایک ظالم کا انتقام دوسرے ظالم سے لے لیتے ہیں جس طرح جب جرموں کا ظلم اور ان کی بربریت حد سے بڑھی تو اللہ تعالیٰ نے امریکا، روس اور برطانیہ کو اس پر مسلط کر دیا۔ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے مظلوم کی دعا سے بچو کیونکہ اس کی دعا پاؤں کے اوپر اٹھائی جاتی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مظلوم کی دعا کے لیے فرشتوں کو مقرر فرما دیا ہے وہ اس کی دعا کو پاؤں کے اوپر اٹھا کر لے جاتے ہیں پھر وہاں سے اس کو آسمان کی طرف لے جاتے ہیں اور آسمان دعا کا قبلہ ہے تاکہ اس کو تمام فرشتے دیکھ لیں اور دعا کو اوپر لے جانے سے فرشتوں کی مدد کا اظہار ہوتا ہے اور اس دعا کی قبولیت میں ان کی شفاعت حاصل ہوتی ہے اور مظلوم کی دعا کو جلد قبول کرنے سے لوگوں کو اللہ کی ناراضگی اس کی معصیت اور اس کے حکم کی مخالفت کرنے سے ڈرانا مقصود ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور ظلم کو تمہارے درمیان بھی حرام کر دیا ہے اے میرے بندو! سو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو! اللہ ہیٹ۔ (صحیح مسلم، ابواب العلم: ۵۵، رقم الحدیث: ۱۵۷۷، سنن ابی یوسف: ۶۲۵۰، کنز الدقائق: ۱۴۱۷)

پس مظلوم مضطر اور محروم ہے اور اپنا بدلہ لینے کے لیے بے قرار ہے اور مسافر بھی اسی کے قریب ہے کیونکہ وہ اپنے اہل اور وطن سے جدا ہے دوستوں اور مددگاروں سے دور ہے اور دوران سفر انجینی لوگوں کے درمیان رہنے کی وجہ سے اس کا کوئی موافق اور مددگار نہیں ہے اس لیے وہ بھی محروم اور مضطر ہے اور اس کی دعا بھی اللہ تعالیٰ اذرا و کرم جلد قبول فرماتا ہے اسی طرح جب والد اپنی اولاد کے لیے دعا کرتا ہے تو وہ بھی اپنی اولاد کے لیے بے قرار اور مضطر ہوتا ہے اور اولاد کی تکلیف سے اس کے باپ کو اذیت پہنچتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ مظلوم اور مسافر کی طرح اس کی دعا کو بھی جلد قبول فرماتا ہے۔

مضطر اور محروم کی فریاد درسی سے تو حید پر استدلال

نیز اس آیت میں فرمایا: اور کون ظلم کو دور کرتا ہے یعنی حقوق سے ضرر اور ظلم کو کون دور کرتا ہے اور فرمایا اور تم کو زمین پر پہلوں کا قائم مقام بناتا ہے یعنی ایک قوم مر جاتی ہے اور اس کی جگہ دوسری قوم آ جاتی ہے اور وہ تمہاری اولاد کو تمہارا قائم مقام بناتا ہے اگر پہلے لوگ مر کر بعد والوں کے لیے جگہ خالی نہ کرتے تو بعد والوں کے لیے زمین تنگ ہو جاتی۔

کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم لوگ بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔ اگر اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہوتا تو جس طرح اللہ نے اپنی عبادت اور توحید کا پیغام دے کر رسول بھیجے ہیں تو وہ دوسرا معبود بھی اپنا پیغام بھیجتا اپنے رسولوں پر ہجرات نازل کرتا وہ بھی آسمانی کتابیں نازل کرتا اور جب ایسا نہیں ہوا تو مان لو کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی واحد الاشریک ہے وہی ستائش اور عبادت کا مستحق ہے اس کے سوا اور کوئی اس کا نجات کا پیدا کرنے والا نہیں ہے۔

ہر صاحب عقل اس بات کو تسلیم کرے گا کہ ستائش اور عبادت کا وہی مستحق ہے جو مصائب دور کرنے دیکھ اور پریشانی میں کام آئے اور جب اللہ تعالیٰ کے سوا مصائب کو کوئی دور نہیں کرتا مشکلات کو اس کے سوا کوئی حل نہیں کرتا تو اس کے سوا عبادت کا بھی کوئی مستحق نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (تھاؤ!) وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ دکھاتا ہے اور وہ کون ہے جو اپنی

رحمت سے پہلے ہی خوشخبری دینے والی ہوا کہیں بھیجتا ہے! کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے! اللہ ان سے بہت بلند ہے جن کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں! (مائدہ ۱) وہ کون ہے جو ابتداء مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے؟ اور وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے! کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے! آپ کہیے اگر تم چاہو تو ہم اپنی دلیل لاؤ! (نمل ۱۳-۱۴)

حشر و نشر کا ثبوت اور شرک کا ابطال

فطقی اور سمندروں کے اندھیروں سے مراد یہ ہے کہ جب انسان رات کے اندھیروں میں فطقی یا سمندروں کا سفر کرے تو اس وقت اس کو ستاروں سے روشنی حاصل ہوتی ہے اور بارش ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ ایسی ہوا نہیں بھیج دیتا ہے جن سے بارش کا پتا چل جاتا ہے ہر چند کہ اب ایسے آلات اور اسباب ایجاد ہو چکے ہیں جن سے ان ہواؤں کے بغیر بھی علم ہو جاتا ہے کہ بارش کب متوقع ہے اور کب متوقع نہیں ہے لیکن یہ اسباب اور آلات بھی تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں اور ان آلات اور اسباب سے کام لینے کی عقل بھی تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اور یہ مشرکین حشر کے جن بے جان بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہیں کیا ان بتوں میں یہ طاقت ہے کہ وہ ان ہواؤں کو بھیج سکیں یا ایسے اسباب اور آلات پیدا کر سکیں۔

مشرکین یہ مانتے تھے کہ سارے جہان کا خالق اور رازق اللہ تعالیٰ ہے لیکن وہ مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کیے جانے کو نہیں مانتے تھے اللہ تعالیٰ ان پر حجت قائم فرماتا ہے کہ جس نے اس کائنات کو ابتداء پیدا کیا وہ اس کو دوبارہ کیوں نہیں پیدا کر سکتا سو اللہ تعالیٰ نے ہی ابتداء پیدا کیا اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا وہی پیدا کرتا ہے اور وہی رزق دیتا ہے اور اگر تہہ را یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور نے یہ سارا جہان پیدا کیا ہے یا اس کے سوا کسی اور نے کسی بھی چیز کو پیدا کیا ہے تو ہم اس پر دلیل لاؤ اور اگر تہہ را یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی اور کے ساتھ مل کر یا اس کے تعاون سے اس کائنات کو پیدا کیا ہے تو ہم اس پر دلیل قائم کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ آسمانوں میں اور زمینوں میں اللہ کے سوا کوئی (از خود) غیب نہیں جانتا اور نہ لوگ یہ جانتے ہیں کہ ان کو کب اٹھایا جائے گا! کیا ان کو آخرت کا پورا علم حاصل ہو گیا؟ (نہیں!) بلکہ وہ اس کے متعلق شک میں ہیں بلکہ وہ آخرت کے متعلق اندھے (بالکل جاہل) ہیں! (نمل ۶۱-۶۵)

ہل اذکر علمہم فی الاخرۃ کے معانی

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت پر دلائل قائم کیے تھے کہ اس نے اپنی قدرت کا مد سے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور مخلوق کو اپنے وجود اور بقا میں جن چیزوں کی ضرورت پیش آتی ہے ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے کمال علم کو بیان فرما رہا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں از خود غیب کو صرف وہی جانتا ہے۔ اگر کسی کو یہ غلط فہمی ہو کہ آسمانوں اور زمینوں میں کوئی از خود غیب کو جاننے والا ہے اور اس وجہ سے وہ عبادت کا مستحق ہے تو اس کی یہ غلط فہمی دور ہو جانی چاہیے۔ جب آسمان والوں میں سے بھی کوئی از خود غیب کو نہیں جانتا تو زمین والے از خود غیب کو کس طرح جان سکتے ہیں۔

دوسری آیت میں فرمایا ہے ہل اذکر علمہم فی الاخرۃ! اذاک اصل میں تداو ک تھا جو صرف ایک قانون کی وجہ سے اذاک ہو گیا! کیا ان کو آخرت کا پورا علم حاصل ہو گیا؟ اس آیت کے معنی میں مندرجہ کائنات کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک اس کا معنی ہے آخرت کے متعلق ان کا علم غائب ہو گیا اور وہ اس کو نہ سمجھ سکتے بعض نے کہا اس کا معنی ہے آخرت کے متعلق وہ شکوک اور شبہات میں مبتلا ہیں! کبھی وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو بہت بعید سمجھتے تھے اور اس پر حیرت کا اظہار کرتے تھے

اور کسی آخرت کا صاف انکار کر دیتے تھے غلام یہ ہے کہ آخرت کے متعلق ان کا علم الہما ہوا تھا اور بعض نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ آخرت کے معاملہ میں ان کا علم آخرت میں کامل ہو جائے گا لیکن اس وقت یہ سود مند نہیں ہوگا۔

علم غیب کی تحقیق

ان دو آجوں کی اختصار کے ساتھ تفسیر کرنے کے بعد ہم علم غیب پر بحث کرنا چاہتے ہیں ہر چند کہ ہم الاعراف اور اہل میں اس پر سیر حاصل بحث کر چکے ہیں لیکن چونکہ ہمارے دور کے بعض مفسرین نے آئین ۶۵ میں بھی اس پر گفتگو کی ہے تو ہم بھی یہاں اختصار کے ساتھ علم غیب کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مفتی محمد شفیع دہلوی نے اس آیت میں غیب کے متعلق جو کچھ لکھا ہے پہلے ہم اس کو پیش کریں گے پھر اس پر تبصرہ کریں گے پھر غیب کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں گے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات اور احادیث پیش کریں گے پھر جمہور علماء اور مخالفین کی عبارات سے ان آیات کا مکمل بیان کریں گے جن سے بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی ہوتی ہے اور آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی اور علم ماکان و مایکون پر قرآن اور حدیث سے ایک دلیل بیان کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے متعلق سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مفتی محمد شفیع کا نظریہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

اسی بنا پر یہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ عالم الغیب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اور جس قدر چاہے اپنی معلومات کا کوئی گوشہ کھول دے اور کسی غیب یا بعض غیب کو اس پر روشن کر دے لیکن علم غیب بحیثیت جمہوی کسی کو نصیب نہیں اور عالم الغیب ہونے کی صفت صرف اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہے۔

وَعِنْدَهُ مَقَاتِلُ الْغَيْبِ لَا يَنْصَبُهَا إِلَّا اللَّهُ (اور اسی کے پاس غیب کی کھجیاں ہیں انہیں کوئی نہیں جانتا اس کے سوا) (انعام آیت ۵۹)

وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ (اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم اور وہی بارش نازل کرنے والا ہے) اور وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے رحم میں کیا (پرورش پا رہا) ہے اور کوئی بنفس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا اور کسی بنفس کو خبر نہیں ہے کہ

کس سرزمین میں اس کو موت آئے گی (نہان آیت ۳۳) يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ شَيْءٍ (قرآن کو موت آئے گی) (نہان آیت ۳۳)

وَمَا يَشَاءُ إِلَّا أَن يَأْمُرَ بِشَيْءٍ (وہ جانتا ہے جو کچھ مخلوقات کے سامنے ہے اور جو کچھ ان سے اوصل ہے اور اس کے علم میں سے کسی چیز پر بھی وہ احاطہ نہیں کر سکتے) (آیہ ۵۰) کہ وہ جس چیز کا چاہے انہیں علم دے (البقرہ آیت ۲۵۵)

قرآن مجید مخلوقات کے لیے علم غیب کی اس عام اور مطلق نفی پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ خاص طور پر انبیاء علیہم السلام اور خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس امر کی صاف صاف تصریح کرتا ہے کہ وہ عالم الغیب نہیں ہیں اور ان کو غیب کا صرف اتنا

علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے جو رسالت کی خدمت انجام دینے کے لیے درکار تھا۔ سورہ انعام آیت ۵۰ الاعراف آیت ۱۸۷ التوبہ آیت ۱۰۱ صود آیت ۳۱ احزاب آیت ۶۳ الاحقاف آیت ۹ اہل عمران آیت ۳ اور النجم آیات ۲۸ ۲۹ اس معاملہ

میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں چھوڑتیں۔

قرآن کی یہ تمام تصریحات زیر بحث آیت کی تائید و تفسیر کرتی ہیں جن کے بعد اس امر میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو عالم الغیب سمجھنا اور یہ سمجھنا کہ کوئی دوسرا بھی صحیح ماکان و مایکون کا علم رکھتا ہے قطعاً ایک غیر

اسلامی عقیدہ ہے۔ شیخین ترمذی نسائی امام احمد بن حنبلہ اور ابن ابی حاتم نے صحیح سندوں کے ساتھ حضرت عائشہ کا یہ قول نقل کیا

ہے کہ من زعم انه (ای النبی صلی اللہ علیہ وسلم) يعلم ما یكون فی غد فقد اعظم علی اللہ العزیز والجلل بقول قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ یعنی "جس نے دعویٰ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کل کیا ہونے والا ہے اس نے اللہ پر سخت جھوٹ کا الزام لگایا" کیونکہ اللہ تو فرماتا ہے اے نبی تم کہہ دو کہ غیب کا علم اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین کے رہنے والوں میں سے کسی کو بھی نہیں ہے۔ "ابن المنذر و حضرت عبداللہ بن عباس کے مشہور شاگرد نکرہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "اے محمد! قیامت کب آئے گی؟ اور ہمارے علاقے میں قحط برپا ہے یا ریش کب ہوگی؟ اور میری بیوی حاملہ ہے وہ لڑکا جنے گی یا لڑکی؟ اور یہ تو مجھے معلوم ہے کہ میں نے آج کیا کیا ہے" کل میں کیا کھاؤں گا؟ اور یہ تو مجھے معلوم ہے کہ میں کہاں پیدا ہوا ہوں؟ مروں گا کہاں؟" ان سوالات کے جواب میں سورہ لقمان کی وہ آیت حضور نے سنائی جو اوپر ہم نے نقل کی ہے ان اللہ عنده علم الساعة۔ پھر بخاری و مسلم اور دوسری کتب حدیث کی وہ مشہور روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے جس میں ذکر ہے کہ صحابہ کے مجمع میں حضرت جبریلؑ نے انسانی شکل میں آ کر حضورؐ سے جو سوالات کیے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ قیامت کب آئے گی؟ حضورؐ نے جواب دیا ما المسمول علیہا یا علم من المسائل (جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ خود پوچھنے والے سے زیادہ اس بارے میں کوئی علم نہیں رکھتا) پھر فرمایا یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں اور یہی مذکورہ بالا آیت حضورؐ نے حمایت فرمائی۔

(تخیم القرآن ج ۳ ص ۵۹۸-۵۹۷ مطبوعہ دارہ ترجمان القرآن لاہور ۱۹۸۳ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر پر مصنف کا تبصرہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی کا یہ لکھنا درست ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں ہیں؛ کیونکہ عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی صفت مخصوصہ ہے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے غیر پر جائز نہیں ہے، ہر چند کہ آپ کو بے شمار علوم فیہ دینے گئے لیکن آپ پر عالم الغیب کا اطلاق جائز نہیں ہے جیسا کہ آپ عزیز اور بڑے ہیں اس کے باوجود محمدؐ عز و جل کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ عرف میں عز و جل کا لفظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

اور سید مودودی کا یہ لکھنا درست نہیں ہے کہ آپ کو غیب یا علم غیب نہیں دیا گیا البتہ ۳۰ متقین کی یہ صفت بیان فرمائی ہے۔ السالین یؤمنون بالغیب، یعنی متقین وہ ہیں جن کا غیب پر ایمان ہے اور ایمان تصدیق بالقلب کو کہتے ہیں اور تصدیق علم کی اسی قسم ہے اس کا مطلب ہے ہر متقی کو غیب کا علم ہوتا ہے؛ کیونکہ ہر متقی اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کی اور جنت اور دوزخ کی تصدیق کرتا ہے اور اس کو ان کا علم ہوتا ہے اور یہ سب امور غیب سے ہیں سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر متقی کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر متقی ہیں اس لیے آپ کو سب سے زیادہ علم غیب ہے اور یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم غیب نہیں ہے اس آیت کا اور دیگر آیات کا انکار ہے؛ ہاں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی از خود غیب کا علم نہیں ہے یا کسی کو بھی تمام غیب کا علم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نبیوں اور رسولوں کو فرشتوں کے واسطے سے غیب پر مطلع فرماتا ہے یہ براہ راست ان کو وحی کے ذریعہ غیب پر مطلع فرماتا ہے اور اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ الہام کے ذریعہ غیب پر مطلع فرماتا ہے اور عام مومنین کو نبیوں اور رسولوں کے خبر دینے سے غیب کا علم ہوتا ہے اور ہر شخص کو حسب حیثیت اور بلحاظ مرتبہ غیب کا علم دیا جاتا ہے اور کائنات میں سب سے زیادہ غیب کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا ہے۔

مفتی محمد شفیع دہلوی حنفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

حق تعالیٰ خود بذریعہ وحی اپنے انبیاء کو جو امور غیبیہ بتاتے ہیں وہ حقیقتاً علم غیب نہیں بلکہ غیب کی خبریں ہیں جو انبیاء کو وحی

گئی ہیں جس کو خود قرآن کریم نے کئی جگہ انباء الغیب کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

(معارف القرآن ج ۶ ص ۲۲۸ مطبوعہ دار الفکر کراچی ۱۳۶۳ھ)

ہمارے نزدیک یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو غیب کی خبریں بتائی گئی ہیں اس سے ان کو علم غیب حاصل نہیں ہوا کیونکہ شرح عقائد اور دیگر علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہے کہ علم کے تین اسباب ہیں خبر صادق حواس سلیمہ اور عقل اور وہی بھی خبر صادق ہے تو جب انبیاء علیہم السلام کو اللہ نے غیب کی خبریں دیں تو ان کو علم غیب حاصل ہو گیا۔ اس لیے صحیح یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو وہی سے علم غیب حاصل ہوتا ہے لیکن یہ علم عیناً یا علم ذاتی نہیں ہے۔

آل عمران: ۹۷ کی تفسیر میں شیخ محمود حسن دیوبندی حوالہ ۱۳۳۹ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ عام لوگوں کو بلا واسطہ کسی یقینی غیب کی اطلاع نہیں دی جاتی انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی ہے مگر جس قدر خدا چاہے۔

اسی طرح بعض لوگوں نے کہا ہے جو چیز بتا دی گئی وہ غیب نہ رہی اس لیے مخلوق کے علم پر علم غیب کا اطلاق نہیں ہونا چاہیے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے متقین کو بتانے کے بعد ان کے علم پر یومنون بالغیب میں علم کا اطلاق کیا ہے کیونکہ ایمان بالغیب تصدیق بالغیب ہے اور تصدیق بالغیب علم بالغیب ہے اور یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ کسی چیز کے علم کے بغیر اس چیز پر ایمان نہیں ہو سکتا اس لیے غیب کے علم کے بغیر اس پر ایمان نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ نے متقین کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے اور ان کو رسولوں کے واسطے سے غیب کی خبر دینے کے بعد ہی ان کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ متقین کو جو مثلاً جنت اور دوزخ اور فرشتوں کا علم ہے اس کو علم غیب اس لیے فرمایا ہے کہ جن کو ان چیزوں کا علم نہیں ہے ان کے اعتبار سے وہ غیب کا علم ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو خَلْقُ الْغَيْبِ وَالْقَهَّارُ (الزمر ۳۹، البقرہ ۲۵۲، النحل ۸۱، التکوین ۸۰) فرمایا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز بھی غیب نہیں ہے اس کا یہی معنی ہے کہ دوسروں سے جو چیز غیب ہے اللہ تعالیٰ اس کا عالم ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی خبر حاصل ہے غیب کا علم نہیں ہے مفتی محمد شفیع دیوبندی حوالہ ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں اسی طرح کسی رسول و نبی کو بذریعہ وحی یا کسی ولی کو بذریعہ کشف والہام جو غیب کی کچھ چیزوں کا علم دے دیا گیا تو وہ غیب کی حدود سے نکل گیا اس کو قرآن میں غیب کے بجائے انباء الغیب کہا گیا ہے جیسا کہ متعدد آیات میں مذکور ہے

تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيهَا إِلَيْكَ۔ (معارف القرآن ج ۳ ص ۲۳۷ مطبوعہ کراچی ۱۹۹۳ء)

مفتی صاحب کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ جب غیب کی کچھ چیزوں کا علم دے دیا گیا تو وہ غیب کی حدود سے نکل گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے باوجود متقین کے علم پر یومنون بالغیب میں علم غیب کا اطلاق فرمایا ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ غیب کی خبر کا حصول اور چیز ہے اور علم غیب اور چیز ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ خبر صادق علم کا ذریعہ اور سبب ہے جس چیز کی خبر حاصل ہو گئی اس چیز کا علم ہو گیا علامہ تفتازانی حوالہ ۹۱ھ نے لکھا ہے کہ مخلوق کے لیے علم کے تین اسباب ہیں حواس سلیمہ عقل اور خبر صادق (شرح عقائد ص ۱۰ کراچی) سو جب غیب کی خبر دی گئی تو غیب کا علم دے دیا گیا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی میں جو آیات اور احادیث پیش کی ہیں ان سب کا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو از خود غیب کا علم نہیں ہے یا علم عیناً نہیں ہے تا کہ ان آیات اور احادیث کا ان آیات اور احادیث سے تضاد لازم نہ آئے جن میں نبیوں اور رسولوں کو علم غیب عطا فرمانے کی تصریح کی گئی جن کو ان شاء اللہ اعزہ ہم

عقرب پیش کریں گے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عالم الغیب کا علم درست نہیں اور آپ کو علم غیب حاصل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب نہ کہنے کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تصریح

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۳۰ھ لکھتے ہیں:

علم غیب عطا ہوتا اور لفظ عالم الغیب کا اطلاق اور بعض اجلہ اکابر کے کلام میں اگرچہ بندہ مومن کی نسبت مرتفع لفظ علم الغیب وارد ہے کما فی مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح للملا علی القاری بلکہ خود محدث سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سیدنا خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ارشاد ہے کان یعلم علم الغیب مگر ہماری تحقیق میں لفظ عالم الغیب کا اطلاق حضرت عزت عزوجلہ کے ساتھ خاص ہے کہ اس سے عرفہ علم بالذات قہار ہے کشف میں ہے الصمدیہ الحنفیہ الذی لا یفقد فیہ ابتداء الاعلم اللطیف الخیر ولہذا لا یجوز ان یطلق فیقال فلان یعلم الغیب اور اس سے انکار معنی لازم نہیں آتا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قطعاً بے شمار غیب و ماکان و ما یکن کے عالم ہیں مگر علم الغیب صرف اللہ عزوجل کو کہا جائے جس طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قطعاً عزت و جلالت والے ہیں تمام علم میں ان کے برابر کوئی عزیز و جلیل نہ ہے نہ ہو سکتا ہے مگر محمد عزوجل کہنا جائز نہیں بلکہ اللہ عزوجل و محمد صلی اللہ علیہ وسلم غرض صدق و صورت معنی کو جو از اطلاق لفظ لازم نہیں منع اطلاق لفظ کوئی صحت معنی امام ابن الجیر اسکندری کتاب الانصاف میں فرماتے ہیں کم من معقد لا یطلق القول بہ خشية ايهام غيره مما لا یجوز اعتقاده فلا یبطل بین الاعتقاد والاطلاق یہ سب اس صورت میں ہے کہ متقدم بقیدہ اطلاق اطلاق کیا جائے یا بلا قید علی الاطلاق مثلاً عالم الغیب یا عالم الغیب علی الاطلاق اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ واسطہ یا باطلاق کی تصریح کر دی جائے تو وہ محدث نہیں کہ ایہام زائل اور مراد حاصل۔ علامہ سید شریف قدس سرہ حواشی کشف میں فرماتے ہیں وانما لم یجوز الاطلاق فی غیرہ لانہ یتبادر منہ تعلق علم بہ ابتداء فیکون ناقضاً و اما اذا قبل و قبل اعلمہ اللہ تعالیٰ الغیب او اطعمہ علیہ فلا محذور فیہ یعنی یوں نہیں کہنا چاہیے کہ آپ کو علم غیب ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ آپ کو علم غیب دیا گیا یا آپ غیب پر مطلع ہیں پھر کوئی حرج نہیں ہے (نوائی رشیدیہ ص ۱۸ مطبوعہ دارالعلوم امجدیہ کراچی)

نیز اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

عم جبکہ مطلق بولا جائے خصوصاً جب کہ غیب کی خبر کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد عم ذاتی ہوتا ہے اس کی تصریح شیعہ کشف پر میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے کر دی ہے اور یہ یقیناً حق ہے کہ کوئی شخص کسی حقوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی دے یقیناً کافر ہے۔ (خلفائے ج ۳ ص ۳۳۳ مدینہ منکب کراچی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کے ثبوت میں اعلیٰ حضرت کے دلائل

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل نے تمام موجودات جملہ ماکان و ما یکن کا علم دیا اور جب یہ ہم قرآن عظیم کے تیسرا لکھل شیعہ ہونے لگا دیا اور برہان کر یہ وصف تمام کلام مجید کا ہے نہ ہر آیت یا سورت کا تو نزول مجمع قرآن عظیم سے پیچہ اگر بعض کی نسبت ارشاد ہو لہم فیخص علیک ہرگز احاطہ علم مصطفوی کا کافی نہیں مخالفین جو کچھ پیش کرتے ہیں سب انہیں اقسام کے ہیں ہاں ہاں تمام نجد یہ دہلوی گنگوہی جٹگی کو ہی سب کو دعوت عام ہے سب اسے ہو کر ایک آہستہ

انعام کی اس آیت کریمہ میں وہی مراد ہے۔ (ماہنامہ ذوالحجۃ، اہل بیتؑ، ج ۱، ص ۸۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ص ۵۰۰)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب دیئے جانے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَمَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يُظَاهِرَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَسِئُ مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ (آل عمران: ۵۴)
 اور اللہ کی شان نہیں کہ وہ تم کو غیب پر مطلع کر دے جس (غیب پر مطلع کرنے کے لیے) اللہ چاہے جسے چاہے اور وہ اللہ کے رسول ہیں۔

فَالَّذِينَ مِنْ آبَائِهِ الْغَيْبِ يُؤْمِنُ بِهِ الْيَقِظُ (آل عمران: ۴۳)
 یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جن کی ہم آپ کی طرف ہی کرتے ہیں۔

عَلَيْهِ الْغَيْبِ فَلَا يُظَاهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ (البقرہ: ۲۵۴-۲۵۵)
 (اللہ) عالم غیب ہے اور وہ اپنے غیب کسی پر ظاہر نہیں فرماتا مگر اس کے جن سے وہ راہی ہے اور وہ اس کے (سب) رسول ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے متعلق احادیث
 قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر غیب پر مطلع فرمایا گیا تھا اس باب میں احادیث کا ایک سمندر ہے جس کی گہرائی کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا اور آپ کا یہ معجزہ ان معجزات میں سے ہے جو ہم کو شیخی طور معلوم ہیں کیونکہ وہ احادیث معنی مستواتر ہیں اور ان کے راوی بہت زیادہ ہیں اور ان احادیث کے معانی غیب کی اطلاع پر مشتمل ہیں اور وہ درج ذیل ہیں:

(۱) (الغناء، ج ۱، ص ۱۳۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ص ۱۳۵)
 حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرما ہوئے اور قیامت تک جو امور پیش ہونے والے تھے آپ نے ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا اور وہ سب امور بیان کر دیئے جس نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے ان کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا اور میرے ان اصحاب کو ان کا علم ہے ان میں سے کئی ایسی چیزیں واقع ہوئیں جن کو میں بھول چکا تھا جب میں نے ان کو دیکھا تو وہ یاد آ گئیں جیسے کوئی شخص غائب ہو جائے تو اس کا چہرہ دیکھ کر اس کو یاد آ جاتا ہے کہ اس نے اس کو دیکھا تھا۔

(مجمع الغار، رقم اللہ ہے: ۶۶۰۳، مجمع مسلم، ج ۲، ص ۲۳۰ (۸۹۱)) سنن ابوداؤد، رقم اللہ ہے: ۴۳۰۰، مسند احمد، ج ۵، ص ۲۸۵، جامع الأصول، ج ۱، رقم اللہ ہے: ۸۸۸۴)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے پھر آپ نے ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر آ گئی آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر آ گئی پھر آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہم کو خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا پھر آپ نے ہمیں مساکین و صائیکون (جو ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے) کی خبریں دیں انہیں ہم میں سے زیادہ عالم وہ تھا جو سب سے زیادہ حافظہ والا تھا۔

(مجمع مسلم، ج ۲، ص ۲۳۰ (۸۹۲)) مسند احمد، ج ۳، ص ۳۱۵، مسند عبد بن عبد اللہ، ج ۱، ص ۱۰۴، اہل بیتؑ، ج ۱، ص ۱۹۲، جامع الأصول، ج ۱، رقم اللہ ہے: ۸۸۸۵) حوالہ: المصنوع، ج ۲، رقم اللہ ہے: ۱۲۸۳، دلائل البیہ و البیہ، ج ۱، ص ۳۱۳)

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرما ہوئے اور آپ نے ہمیں مخلوق کی

ابتداء سے خبریں دینی شروع کیں حتیٰ کہ اہل جنت اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے اور اہل دوزخ اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے جس نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۹۳ امام احمد نے اس حدیث کو حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے مسند احمد ج ۳۲ رقم الحدیث: ۱۸۱۳۰ مطبع دار

الحدیث: ۳۶۹۰)

امام ترمذی نے کہا اس باب میں حضرت حذیفہؓ حضرت ابو مریمؓ حضرت زید بن الخطابؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے احادیث مروی ہیں انہوں نے ذکر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قیامت تک تمام ہونے والے امور بیان کر دیے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۸)

(۳) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں چھوڑا کہ فضا میں جو بھی اپنے پروں سے اڑنے والا پرندہ تھا آپ نے ہمیں اس سے متعلق علم کا ذکر کیا۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۸۸ مسند ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۳۷ مسند ابوالحر رقم الحدیث: ۱۸۱۳۰ صحیح ابن حبان رقم

الحدیث: ۳۶۵۰ مسند ابی نعیم نے کہا اس حدیث کے راوی صحیح ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۶۳ مسند ابی نعیم رقم الحدیث: ۵۱۰۹)

انہی حدیث نے ایسی احادیث روایت کی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو ان کے دشمنوں پر غلبہ کی خبر دی اور مکہ مکرمہ بیت المقدس یمن شام اور عراق کی فتوحات کی خبریں دیں اور ان کی خبر دی اور یہ کہ کل خیر حضرت علیؓ کے ہاتھوں سے فتح ہوگا اور آپ کی امت پر دنیا کی جو فتوحات کی جائیں گی اور وہ قیصر و کسریٰ کے خزانے تقسیم کریں گے اور ان کے درمیان جو فتنے پیدا ہوں گے اور امت میں جو اختلاف پیدا ہوگا اور وہ جھجلی امتوں کے طریقے پر چلیں گے اور کسریٰ اور قیصر کی حکومتیں ختم ہو جائیں گی اور پھر ان کی حکومت قائم نہیں ہوگی اور یہ کہ روئے زمین کو آپ کے لیے لپیٹ دیا گیا ہے اور آپ نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا ہے اور یہ کہ آپ کی امت کا ایک گروہ قیامت تک حق پر قائم رہے گا اور آپ نے جو امیر اور حضرت معاویہؓ کی حکومت کی خبر دی اور اہل بیت کی آزمائش اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی لڑائی کی خبر دی حضرت عمارؓ کی شہادت کی خبر دی آپ کے اہل بیت میں سب سے پہلے حضرت سیدہ فاطمہؓ زہراء رضی اللہ عنہا کی وفات کی خبر دی اور یہ کہ آپ کے بعد صرف تین سال تک خلافت رہے گی اور پھر بادشاہت ہو جائے گی۔ تین دہائیوں کے خروج کی خبر دی قریش کے ہاتھوں امت کی ہلاکت کی خبر دی قدر یہ اور رافضیہ کے ظہور کی خبر دی ابتداء قاری کے دین حاصل کرنے کی خبر دی اپنی گمشدہ اونٹنی کی خبر دی جنگ بدر میں کافر کس جگہ گر کر مرے گئے خبر دی حضرت حسن کے صلح کرانے کی خبر دی حضرت سعدؓ کی حیات کے متعلق خبر دی اور یہ خبر دی کہ آپ کی ازواج میں سے جس کے ہاتھ زیادہ لمبے ہوں گے وہ آپ سے سب سے پہلے داخل ہوگی۔ حضرت زید بن صوحان کے ہاتھ کے متعلق پیش گوئی کی سرائق کے لیے سونے کے کنگڑوں کی خبر دی اور بہت باتوں کی خبر دی۔

(۵) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل نے تمام روئے زمین کو میرے لیے سکڑ دیا ہے سو میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا اور میری امت کی حکومت مقرب وہاں تک پہنچے گی جہاں تک کہ زمین میرے لیے سکڑ دی گئی تھی اور مجھے سرخ اور سفید دوزخ آنے دینے گئے ہیں۔ (الحدیث)

(رواہ ابوداؤد ج ۱ ص ۶۲۷ صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۲۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۳۷ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۸)

سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۵۳)

انمل: ۲۵: میں اللہ کے غیر سے علم غیب کی نفی کا محمل

علامہ سید محمود آلوسی مفتی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

شاید کہ حق بات یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے غیر سے جس علم کی نفی کی گئی ہے یہ وہ علم ہے جو ذاتی ہو یعنی بلا واسطہ اور کیونکہ تمام آسمانوں اور زمینوں والے ممکن بالذات ہیں اس لیے ان میں سے کسی کا علم بالذات اور بلا واسطہ ہو ہی نہیں سکتا اور خواص کو جو علم غیب حاصل ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے افاضہ (فیضان) کرنے سے حاصل ہوتا ہے اس لیے یہ نہیں کہا جائے گا کہ ان کو بالذات اور بلا واسطہ علم غیب کا علم ہے اور یہ کہنا کفر ہے البتہ یہ کہا جائے گا کہ ان پر غیب ظاہر کیا گیا یا ان کو غیب پر مطلع کیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ ان کو غیب کا علم اللہ کے عطا کرنے سے ہے کیونکہ قرآن مجید کی آیات میں معروف صیغہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے غیر سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی غیب کو نہیں جانتا اس لیے معروف صیغہ کے ساتھ خواص کے لیے غیب کا علم ثابت نہ کیا جائے اور یوں نہ کیا جائے کہ خواص غیب جانتے ہیں تاکہ قرآن مجید کی ظاہری آیات سے تعارض لازم نہ آئے بلکہ یوں کہا جائے کہ خواص کو غیب کا علم دیا گیا ہے یا وہ غیب پر مطلع کیے گئے ہیں اور مجہول صیغوں کے ساتھ ان کے لیے علم غیب کو ثابت کیا جائے۔ (روح البانی ج ۲ ص ۸۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۶ھ)

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ کو تو بے پناہ سب معلوم ہے اور کسی کو بے پناہ کچھ بھی معلوم نہیں۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

شروع پارہ سے یہاں تک کہ حق تعالیٰ کی قدرت نامہ رحمت عامہ اور ربوبیت کاملہ کا بیان تھا یعنی جب وہ ان صفات و صفوں میں متفرد ہے تو الوہیت و معبودیت میں بھی متفرد ہونا چاہیے۔ آیت حاضرہ میں اس کی الوہیت پر دوسری حیثیت سے استدلال کیا جا رہا ہے یعنی معبود وہ ہوگا جو قدرت تمامہ کے ساتھ علم کامل و عید بھی رکھتا ہو اور یہ وہ صفت ہے جو زمین و آسمان میں کسی حقوق کو حاصل نہیں اسی رب العزت کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس اس اعتبار سے بھی معبود بننے کی مستحق اکیلی اس کی ذات ہوئی۔ (منہج) کل مغیبات کا علم جو خدا کے کسی کو حاصل نہیں نہ کسی ایک غیب کا علم کسی شخص کو بالذات بدون عطائے الہی کے ہو سکتا ہے اور نہ منافع غیب (غیب کی کتبیاں جن کا ذکر سورہ انعام میں مکرر چکا) اللہ نے کسی حقوق کو دی ہیں۔ پس بعض بندوں کو بعض غیب پر با اختیار خود مطلع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرمادیا یا غیب کی خبر دے دی لیکن اتنی بات کی وجہ سے قرآن و سنت نے کسی جگہ ایسے شخص پر "عالم الغیب" یا "فلان یعلم الغیب" کا اطلاق نہیں کیا۔ بلکہ احادیث میں اس پر انکار کیا گیا ہے۔ کیونکہ بظاہر یہ الفاظ اختصاص علم الغیب بذات الہی کے خلاف نودہم ہوتے ہیں۔ اسی لیے علماء محققین اجازت نہیں دیتے کہ اس طرح کے الفاظ کسی بندہ پر اطلاق کیے جائیں۔ گویا صحیح ہوں جیسے کسی کا یہ کہنا کہ ان اللہ لا یعلم الغیب (اللہ کو غیب کا علم نہیں) کو اس کی مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے کوئی چیز غیب ہے ہی نہیں سخت ناروا اور سوء ادب ہے۔ یا کسی کا حق سے موت اور قتل سے اولاد اور رحمت سے بارش مراد لے کر یہ الفاظ کہنا "انسی اکسره الحق و احب القصة و افر من الوحمة" (میں حق کو برا سمجھتا ہوں اور قتل کو محبوب رکھتا ہوں اور رحمت سے بھاگتا ہوں) سخت مکروہ اور قبیح ہے حالانکہ با اعتبار نیت و مراد کے قبیح نہ تھا۔ اسی طرح فلاں عالم الغیب وغیرہ الفاظ کو سمجھ لو اور واضح رہے کہ علم غیب سے ہماری مراد محض ظنون و تخمینات نہیں اور نہ وہ علم جو قرآن و دلائل سے حاصل کیا جائے بلکہ جس کے لیے کوئی دلیل و قرینہ موجود نہ ہو وہ مراد ہے۔ سورہ انعام و اعراف میں اس کے متعلق کسی قدر لکھا جا چکا ہے۔ وہاں مراجعت کر

لی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی ایک دلیل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ
عَلَيْكَ عَظِيمًا (اشعرا ۱۱۳)اور آپ کو ان تمام چیزوں کا علم دے دیا جن کو آپ پہلے
نہیں جانتے تھے اور اللہ کا آپ کے اوپر بہت بڑا فضل ہے۔

مگر یہ کہتے ہیں کہ "ما" سے مراد احکام شرعیہ ہیں یعنی جو احکام شرعیہ آپ کو معلوم نہ تھے ان کا علم آپ کو دے دیا نہ کہ تمام چیزوں کا علم دے دیا ہم کہتے ہیں کہ اس آیت میں "ما" کا لفظ ہے اور اصول فقہ کی کتابوں میں تصریح ہے کہ "ما" کی وضع عموم کے لیے ہے اور اس کا عموم قطعی ہے لہذا اس آیت کی اس مطلوب پر قطعی دلالت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام چیزوں کا علم دے دیا گیا جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے اور مگر یہ علم نبوت جن احادیث سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ آپ کو فلاں چیز کا علم نہیں تھا وہ سب اخبار آحاد ہیں اور اخبار آحاد قطعی ہوتی ہیں اور قطعی چیز قطعی دلیل کے معارض نہیں ہو سکتی اور اس آیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلی ثابت کرنے میں ہم منفر نہیں ہے بلکہ دیگر علماء حقہ میں نے بھی اس آیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلی ثابت کیا ہے۔ علامہ محمود بن احمد یعنی متوفی ۸۵۵ھ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ آپ کو روح کا صر حاصل تھا وہ لکھتے ہیں:

اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کا علم نہیں تھا میں کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب ہیں اور سید خلق ہیں اور آپ کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ آپ کو روح کا علم نہ ہو اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کو روح کا علم نہ ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر احسان قرار دیتے ہوئے فرمایا: وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (محمد ۱۱۳) (تقریر ج ۲ ص ۲۸۱ مطبوعہ داراللمعات البغدادیہ البصرہ ۱۳۳۸ھ)

مگر یہ اس دلیل پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ کو تمام چیزوں کا علم ہو گیا تھا تو چاہیے تھا کہ اس آیت کے بعد باقی قرآن نازل نہ ہوتا اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید صرف احکام شرعیہ کی تعلیم کے لیے نازل نہیں ہوا دیکھیے نماز مکہ میں فرض ہوئی ہے اور آیت وضو (الانعام ۶۰) مدہ میں نازل ہوئی ہے حالانکہ نماز مکہ میں فرض ہوئی تھی اور بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ وضو کا علم آپ کو پہلے تھا اور آیت وضو کسی اور حکمت کی وجہ سے بعد میں نازل ہوئی ہے۔ نیز علامہ محمود آلوسی متوفی ۱۲۶۰ھ نے لکھا ہے:

علامہ عبدالوہاب شمرانی نے مفتوحات المکیہ سے نقل کر کے الکبریٰ میں لکھا ہے کہ جبریل علیہ السلام کے نازل کرنے سے پہلے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اجمالی طور پر قرآن کا علم دے دیا گیا تھا۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۸۹ مطبوعہ دارالفرقہ ج ۲ ص ۱۱۳)

ہم نے جو یہ کہا ہے کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ آپ کو تمام چیزوں کا علم دے دیا گیا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کو تمام مخلوق کا علم دے دیا گیا تھا اور یہ علم متناہی ہے اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ کو اللہ کا کل علم حاصل تھا اور آپ کا علم اللہ کے مساوی ہو گیا تھا تمام مخلوق کا علم تو بہت دور کی بات ہے ایک ذرہ کے علم میں بھی آپ کے علم اور اللہ کے علم میں کوئی مماثلت نہیں ہے۔

مگر یہ علم نبوت کا ایک اور اعتراض یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

صواء القرآن

marfat.com

Marfat.com

وَيُؤْتِيهِمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُؤْتِيهِمُ مَا كَانُوا يَسْتَفْعِلُونَ

اور رسول جہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اہم

تَعْلَمُونَ (البقرہ: ۱۲۹)

ان چیزوں کا علم دیتے ہیں جن کو تم نہیں جانتے تھے۔

مگر یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں بھی لفظ "ما" ہے اور اگر اس کی وضع عموم کے لیے ہے تو پھر یہاں بھی عموم مراد ہونا چاہیے اس سے لازم آئے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بھی ان تمام چیزوں کا علم دے دیا جو ان کا ان کو پہلے علم نہیں تھا حالانکہ یہ واقع کے خلاف ہے اور اگر یہاں "ما" عموم کے لیے نہیں ہے خصوص کے لیے ہے اور اس سے مراد ہے کہ صحابہ کو جن احکام شرعیہ کا علم نہیں تھا وہ احکام شرعیہ ان کو سکھادیے تو پھر علمک مالکم تعلم تکن تعلم (احزاب: ۱۱۳) میں بھی وہی لفظ "ما" ہے وہاں بھی خصوص مراد ہونا چاہیے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ احکام شرعیہ سکھادیے جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے۔

اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ ہم بتا چکے ہیں کہ اصول کی کتابوں میں تصریح ہے کہ "ما" کی اصل وضع اور حقیقت عموم کے لیے ہے اور جب تک حقیقت محال نہ ہو حقیقت ہی کا ارادہ کیا جاتا ہے اور جب حقیقت محال ہو تو پھر مجاز کا ارادہ کیا جاتا ہے علمک مالکم تعلم تکن تعلم میں حقیقت کا ارادہ کرنا محال نہیں ہے کہ آپ کو ان تمام چیزوں کا علم دے دیا جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے خواہ وہ احکام شرعیہ ہوں یا ماضی حال اور مستقبل کے حالات اور واقعات ہوں جس کو مساکن و مایکون کا علم کہا جاتا ہے اور صحابہ کو ایسا علم عام دینا ثابت نہیں ہے۔ اس لیے بعلمکم مالکم تکنونوا تعلمون میں حقیقت کا ارادہ کرنا محال ہے وہاں اس کو خصوص پر محمول کیا جائے گا یعنی صحابہ کو جن احکام شرعیہ کا علم نہیں تھا وہ ان کو سکھادیے۔

اور اگر مگر یہ اس پر اصرار کریں کہ جب بعلمکم مالکم تکنونوا تعلمون میں "ما" کو مجاز پر محمول کیا ہے اور اس سے خصوص کا ارادہ کیا ہے تو پھر علمک مالکم تعلم تکن تعلم میں بھی اس کو مجاز پر محمول کیا جائے اور اس سے خصوص کا ارادہ کیا جائے گویا جب ایک جگہ "ما" خصوص کے لیے آگیا تو پھر ہر جگہ اس سے خصوص کا ارادہ کیا جائے تو پھر کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ وَكَلَّمَكَ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (احزاب: ۱۲۹) میں بھی "ما" خصوص کے لیے ہوگا اور اس سے لازم آئے گا کہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں نہ ہوں بلکہ بعض یا اکثر چیزیں اس کی ملک میں ہوں۔

مگر یہ کہ یہ اعتراض ایسا ہی ہے جیسے مرزا نے کہتے ہیں کہ لا صلوة الا بغسل الماء کتاب میں "لا" نفی کمال کے لیے ہے یعنی سورہ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی، نفی جنس کے لیے نہیں ہے تاکہ یہ معنی ہو سورہ فاتحہ کے بغیر بالکل نماز نہیں ہوتی اسی طرح لا صلوة لاجل المسجد الا فی المسجد میں بھی "لا" نفی کمال کے لیے ہے یعنی مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے بغیر کامل نہیں ہوتی، نفی جنس کے لیے نہیں ہے تاکہ یہ معنی ہو مسجد کے بغیر بالکل نماز نہیں ہوتی تو پھر لا نبی بعدی میں بھی "لا" نفی کمال کے لیے ہونا چاہیے یعنی میرے بعد کوئی کامل نبی نہیں ہوگا یہ مطلب نہیں ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اس وقت مگر یہ بھی مرزا نے کہیں جواب دیتے ہیں کہ "لا" کی وضع نفی جنس کے لیے ہے جہاں پر کسی قرینہ کی وجہ سے حقیقت یعنی نفی جنس محال ہو وہاں پر مجاز نفی کمال کا ارادہ کیا جائے گا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ "لا" ہر جگہ نفی کمال اور مجاز کا ارادہ کیا جائے اور حقیقت متروک ہو جائے ورنہ لا الہ الا اللہ کا معنی ہوگا کہ اللہ کے سوا کوئی کامل معبود نہیں ہے اور لا رب فیہ کا معنی ہوگا قرآن میں کوئی کامل شے نہیں ہے پس لا صلوة الا بغسل الماء کتاب اور لا صلوة لاجل المسجد الا فی المسجد میں ایک مانع کی وجہ سے حقیقت کا ارادہ نہیں کیا گیا اور "لا" کو نفی کمال پر محمول کیا گیا اور لا نبی بعدی میں "لا" اپنی اصل کے مطابق نفی جنس کے لیے ہے۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم مگر یہ کہتے ہیں کہ بعلمکم مالکم تکنونوا تعلمون میں بھی ماموم کے

لیے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو بھی تمام احکام شرعیہ اور تمام مآکان و مایکون کی خبریں دے دی تھیں لیکن ان کو وہ تمام باتیں یاد نہیں رہیں اور اس جواب پر وکیل حسب ذیل احادیث ہیں:

عن عمرو قال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاما فلأخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اهل الجنة منازلهم واهل النار منازلهم حفظ ذلك من حفظه ونسبه من نسبه۔
(صحیح البخاری ج ۳ ص ۲۵۳ کراچی صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۲۲ بیروت)

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان ایک مجلس میں کھڑے ہوئے پھر آپ نے ابتداء خلق سے خبریں بیان کرنا شروع کیں حتیٰ کہ جنتیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے اور جہنمیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے کی خبریں بیان کیں جس شخص نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے اس کو بھلا دیا۔

عن حلیفة قال لقد خطبنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبة مآثرک فیہا شینا الی قیام الساعة الا ذکرہ علمہ من علمہ وجہلہ من جہلہ الحدیث۔

حضرت حلیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں ایک تقریر فرمائی اور اس میں قیامت تک ہونے والے تمام امور بیان فرما دیئے جس شخص نے اسے جان لیا اس نے جان لیا اور جس نے نہ جانا اس نے نہ جانا۔

(صحیح البخاری ج ۲ ص ۷۷۷ مطبوعہ کراچی صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۳ بیروت صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۹۱ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۴۴۴)

عن ابی زید قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر و صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت الظهر فنزل فصلى ثم صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر ثم نزل فصلى ثم صعد المنبر فخطبنا حتی غربت الشمس فأنخبرنا بما كان وما هو کائن فاعلمنا احفظنا۔

حضرت ابو زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر روتی افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر کا وقت آ گیا پھر منبر سے اترے اور ظہر کی نماز پڑھائی اور پھر منبر پر روتی افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر کا وقت آ گیا پھر آپ منبر سے اترے اور عصر کی نماز پڑھائی پھر آپ نے منبر پر چڑھ کر ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا پھر آپ نے ہمیں تمام مآکان و مایکون کی خبریں دیں سو جو ہم میں زیادہ حافظہ والا تھا اس کو ان کا زیادہ علم تھا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۰۰ کراچی صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۹۲ مسند احمد ج ۵ ص ۳۲۱ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۲۷۶ عالم الکتب بیروت ۱۴۱۷ھ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۲۸۶ دار الحدیث قاہرہ ۱۴۱۲ھ)

عن ابی سعید الخدری قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما صلوة العصر بنهار ثم قام خطیبا فلم یدع شیئا یکون الی قیام الساعة الا أخبرنا به حفظه من حفظه ونسبه من نسبه۔ الحدیث

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی پھر آپ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ نے قیامت تک ہونے والے ہر واقعہ اور ہر چیز کی ہمیں خبر دے دی جس نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے اس کو بھلا دیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۹۱ مسند ابی حنیفہ رقم الحدیث: ۵۲۰۲ مسند احمد ج ۳ ص ۷۷۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۷۳ مسند ابی حنیفہ)

عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٥٠﴾

کہ جس چیز کو تم جلد طلب کر رہے ہو * ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ لگ چکی ہو ۵

وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا

اور بے شک آپ کا رب لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے * لیکن اکثر لوگ

يَشْكُرُونَ ﴿٥١﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا

شکر ادا نہیں کرتے ۵ اور بے شک آپ کا رب ان چیزوں کو ضرور جانتا ہے جن کو یہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں

يُعْلِنُونَ ﴿٥٢﴾ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي

اور جن کو یہ ظاہر کرتے ہیں ۵ اور آسمان اور زمین میں جو چیز بھی چھپی ہوئی ہے وہ روشن کرے

كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٥٣﴾ إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي

(روح محفوظ) میں (کسی ہوئی) ہے ۵ بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے

إِسْرَآءِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٥٤﴾ وَإِنَّهُ

ان پر کثرت چیزوں کو بیان فرما دیتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں ۵ اور بے شک

لَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٥﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي

یہ (قرآن) مومنین کے لیے ضرور ہدایت اور رحمت ہے ۵ بے شک آپ کا رب اپنے

بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿٥٦﴾ فَتَوَكَّلْ

حکم سے ان کے درمیان فیصلہ فرما دے گا اور وہ بہت غالب بہت علم والا ہے ۵ سو آپ اللہ

عَلَى اللَّهِ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ السَّبِيلِ ﴿٥٧﴾ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ

پر مجبور نہ کیجئے بے شک آپ کلمے ہوئے حق پر ہیں ۵ بے شک آپ سوائے

الْمَوْتِ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلُوا مَدْبِرِينَ ﴿٥٨﴾

کو نہیں سنا دیتے اور نہ آپ بہروں کو (دائی) پکار سنا دیتے ہیں جب وہ پیٹھے پھیر کر جا رہے ہوں ۵

وَمَا أَنْتَ بِهَدِي الْعُنَى عَنْ ضَلَّتِهِمْ إِنْ تَسْمِعُ إِلَّا

اور نہ آپ انھوں کو ان کی گمراہی سے (ازخود) ہدایت دینے والے ہیں آپ صرف ان لوگوں کو

مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۸۱﴾ وَإِذَا دَقَّقَ الْقَوْلُ

سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں سو وہی مسلمان ہیں ۸۱ اور جب ان پر ہمارا قول

عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ

دائع ہو جائے گا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور (دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ) نکالیں گے جو ان سے کلام

أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿۸۲﴾

کرسے گا بے شک لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے ۸۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کافروں نے کہا جب ہم اور ہمارے باپ دادا (مرکر) مٹی ہو جائیں گے (تو) کیا ہم کو (قبروں سے) ضرور نکالا جائے گا؟ بے شک اس سے پہلے ہی ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے یہ وعدہ کیا گیا تھا یہ صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ۸۰ آپ کہیں کہ تم زمین میں سفر کرو پھر دیکھو کہ بھروسوں کا کیا انجام ہوا؟ آپ ان کے حلقہ فہم نہ کریں اور ان کی سازشوں سے تنگ دل نہ ہوں ۸۱ (آئل: ۷۰-۶۷)

کفار کی باتوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات اور اپنی الوہیت اور اپنی توحید پر دلائل بیان فرمائے تھے تاکہ دنیا میں اس پر ایمان لایا جائے اور نیک عمل کر کے اپنی آخرت کو سنوارا جائے اس سے پہلی آیت میں یہ بھی بیان فرمایا تھا کہ کفار مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کے قائل نہ تھے ان کا شبہ یہ تھا کہ جب ہم مرنے کے بعد قبر میں گل سبز جائیں گے اور ہمارا جسم مٹی ہو کر مٹی میں مل جائے گا اور ہواؤں سے ہماری مٹی کے ذرات دوسروں کی مٹی کے ذرات سے مخلط ہو جائیں گے تو ہمارے ذرات کو دوسروں کے ذرات سے کیسے میسر اور ممتاز کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیت میں اس کا جواب دیا تھا کہ یہ کام اس پر مشکل ہے جو پوشیدہ چیزوں کو نہ جانتا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کی تمام مجسمی ہوئی چیزوں کو جانتا ہے سو تم کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔

اساطیر اسطور کی جمع ہے اس کا معنی ہے لکھی ہوئی چند سطریں اور اس سے مراد ہے من گھڑت اور جھوٹی باتیں۔

(المعارف ج ۱ ص ۳۰۶)

ان مکذبین سے کہیں کہ جو لوگ اللہ کے عذاب کا انکار کرتے تھے ان کے شہروں اور بستیوں میں سفر کر کے دیکھو شام نماز اور یحییٰ کے علاقوں کو دیکھو عا اور خود کے شہروں کو دیکھو ان کی اٹنی ہوئی بستیوں کو دیکھو۔

فرمایا آپ ان کے حلقہ فہم نہ کریں اس پر یہ اعتراض ہے کہ رنج اور غم وہ نفسانی کیفیات ہیں جن پر انسان کا اختیار نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو فہم کرنے سے کیسے منع فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں فہم کے اسباب کو اختیار کر لے

منع فرمایا ہے یعنی آپ ان کے کفر اور انکار پر اصرار کو خاطر میں نہ لائیں تاکہ آپ کو ان کے ایمان نہ لانے سے غم ہو اور ان کی سازشوں کی طرف توجہ نہ کریں یہ آپ کو ہلاک کرنے کی سازشیں کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے ہلاک کرنے سے بچانے والا ہے اور اگر یہ لوگوں کو ایمان لانے سے روکنے کے لیے سازشیں کرتے ہیں تو آپ اس کی بھی فکر نہ کریں آپ سے یہ سوال نہیں ہوگا کہ آپ کی تبلیغ سے کتنے لوگ اسلام لائے آپ کے ذمہ صرف اللہ تعالیٰ کے پیغام اور اس کے دین اور اس کی شریعت کو پہنچانا ہے اور لوگوں کے دلوں میں ایمان پیدا کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ (کافر) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو؟ آپ کہیے کہ جس چیز کو تم جلد طلب کر رہے ہو ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ لگ بچگی ہے؟ اور بے شک آپ کا رب لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے؟ اور بے شک آپ کا رب ان چیزوں کو ضرور جانتا ہے جس کو یہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں اور جن کو یہ ظاہر کرتے ہیں؟ اور آسمان اور زمین میں جو چیز چھپی ہوئی ہے وہ روشن کتاب (لوح محفوظ) میں (لکھی ہوئی) ہے؟

(التمثيل: ١-٤)

موت کا قیامت صغریٰ ہوتا

کفار یہ کہتے تھے کہ تم نے جس عذاب کی وعید سنائی ہے وہ عذاب کب آئے گا؟ آپ کہیں کہ وہ عذاب تمہارے قریب آ پہنچا ہے اور وہ عذاب تمہارے لیے بہ منزلہ روئیف ہے، روئیف اس شخص کو کہتے ہیں جو سواری پر سوار کے پیچھے بیٹھتا ہے، یعنی جس طرح روئیف سوار کے قریب ہوتا ہے وہ عذاب تمہارے قریب آ پہنچا ہے، پھر اس عذاب کی ایک قسط تو جبکہ بدور میں شکست کی صورت میں ان کو ملے گی اور اس کی دوسری قسط ان کو موت کے بعد ملے گی۔ حدیث یہ ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص مرتا ہے تو اسی وقت اس کی قیامت قائم ہو جاتی ہے سو تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ اس کو دیکھ رہے ہو اور ہر وقت اس سے استغفار کرتے رہو۔

(القرودی، ماثور الخطاب، رقم الحديث: ۱۱۰، مجمع الجوامع، رقم الحديث: ۲۵۸۰، کنز العمال، رقم الحديث: ۴۴۷۷۷)

امام ابن ابی اللہ نے روایت کیا ہے کہ جو شخص مرگیا اس کی قیامت قائم ہوگئی۔ (علیہ السلام ج ۶ ص ۶۸ اختلاف ج ۱) کیونکہ انسان جس وقت مرتا ہے وہ دنیا میں اس کا آخری اور آخرت میں اس کا پہلا زمانہ ہوتا ہے اس لیے کفار مرتے ہی اس عذاب کا ایک حصہ پالیں گے جس کی ان کو عید ستائی گئی تھی۔ اور فرمایا آپ کا رب لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے اور کفار پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہے کہ اس نے دنیا میں ان سے عذاب کو مؤخر کر دیا ہے اور قیامت کے مگر جن جو عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں یہ ان کی پر لے درجہ کی جہالت ہے۔ نیز فرمایا یحییٰ اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جو ان نعمتیں دی ہیں وہ ان پر غور نہیں کرتے اگر پانچ منٹ کے لیے اللہ تعالیٰ ہواؤں کو روک لے تو سب کا دم ٹھٹ جائے پانی نہ ملے تو پیاس سے مطلق میں کاٹنے پڑ جائیں بیل و براہ بند ہو جائے تو ماعی ہے آب کی طرح تر پئے لگیں سو ہم پر لازم ہے کہ برآن استغفار کریں اور ہر گھڑ اس کا شکر ادا کریں۔

مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ سینہ صاف رکھیں

اور فرمایا: آپ کا رب اس کو ضرور جانتا ہے جس کو یہ دل میں چھپاتے ہیں اس آیت میں تبکین کا لفظ ہے اس کا مصدر اکشان ہے اور اس کا مادہ کن ہے اور اس کا معنی ہے کسی چیز کو دل میں چھپانا، لوگ عذاب میں جگلت کی طلب کو نکال کر کرتے تھے اور اپنے برے کاموں کو چھپاتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے بے شک آپ کا رب ان چیزوں کو ضرور جانتا ہے جن کو یہ اپنے

دلوں میں چھپاتے ہیں اور جن کو یہ ظاہر کرتے ہیں۔

نیز فرمایا: اور آسمان اور زمین میں جو چیز بھی چھپی ہوئی ہے وہ لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ دلوں میں چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے اب اس پر دلیل قائم فرمائی ہے کہ آسمان اور زمین میں جو چیز بھی چھپی ہوئی ہے وہ اس کے علم میں ہے۔

عموماً لوگوں کے دلوں میں دوسرے لوگوں کے خلاف حسد، کینہ اور عداوت چھپی ہوئی ہوتی ہے سو مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے دل کو حسد، کینہ اور عداوت سے پاک اور صاف رکھے کسی کی چٹلی کرے نہ کسی کی فحیت کرے نہ کسی کے حلق بدگمانی کرے مسلمان کی عزت اس کی جان کی طرح قیمتی ہے اس لیے ہنس پشت کسی کا صیب بیان کر کے اس کو رسوا کرنا اس کو قتل کرنے کے مترادف ہے اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ وہ لائقی باتوں سے اپنے سینہ کو صاف رکھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص میرے اصحاب کی کوئی بات مجھے نہ پہنچائے کیونکہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں تمہارے پاس اس حال میں آؤں کہ میرا سینہ صاف ہو۔ اللہ عیٹ

(سنن ابوداؤد رقم اللہ عیٹ ۳۸۶۰ مسند احمد ج ۵ ص ۳۹۵ شرح الہیۃ رقم اللہ عیٹ ۳۵۴۱ سنن ترمذی ج ۸ ص ۱۶۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے ان پر کثرت چیزوں کو بیان فرما دیتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں ۵ اور بے شک یہ (قرآن) مومنین کے لیے ضرور ہدایت اور رحمت ہے ۵ بے شک آپ کا رب اپنے حکم سے ان کے درمیان فیصلہ فرمادے گا اور وہ بہت غالب بہت علم والا ہے ۵ سو آپ اللہ پر بھروسہ کیجئے بے شک آپ کھلے ہوئے حق پر ہیں ۵ بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ آپ بہرہوں کو سنا سکتے ہیں جب وہ چٹپٹہ پھیر کر رہے ہوں ۵ اور نہ آپ انہوں کو ان کی گم راہی سے (ازخود) ہدایت دینے والے ہیں آپ صرف ان لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں سو وہی مسلمان ہیں ۵ (اہل: ۸۱-۷۶)

یہودیوں کا اختلاف کن امور میں تھا

یہ قرآن جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے ان پر کثرت باتوں کے درمیان محاکمہ کر دیتا ہے جن میں بنی اسرائیل اپنی جہالت کی وجہ سے اختلاف کرتے ہیں جیسے حضرت یحییٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام کے متعلق ان کا اختلاف ہے اور اس میں ان کا اختلاف ہے کہ مرنے کے بعد وہ بارہ ہجسوں کو زندہ کر کے اکٹھا کیا جائے گا یا صرف رگوں کو جمع کیا جائے گا اور جنت اور دوزخ کی صفات کے بارے میں ان کا اختلاف ہے اور اس میں ان کا اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم سے یا نہیں ہے اسی طرح اور بہت چیزوں میں ان کا اختلاف ہے وہ ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں اگر وہ انصاف سے کام لیتے اور قرآن مجید کو مان لیتے اسلام کو قبول کر لیتے تو وہ دائمی عذاب سے سلامت رہتے۔ (اہل: ۷۶)

اور بے شک یہ قرآن ضرور مومنین کے لیے ہدایت اور رحمت ہے یہاں مومنین سے مراد عام ہے خواہ وہ بنی اسرائیل کے مومنین ہوں یا کسی اور دین پر ایمان رکھنے والے ہوں لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد اسلام کے سوا کوئی دین مقبول نہیں ہے قرآن مجید کی ہدایت کو تمام لوگوں کے لیے ہے لیکن اس آیت میں مومنین کی تخصیص اس لیے فرمائی ہے کیونکہ قرآن مجید کی ہدایت سے صرف وہی مستفید ہوتے ہیں۔ (اہل: ۷۷)

بے شک آپ کا رب ان اختلاف کرنے والے بنو اسرائیل کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ فرمادے گا اور وہ ہر حق فیصلہ کرنے والا ہے اور وہ غالب ہے اس کے فیصلہ کو کوئی مسترد نہیں کر سکتا اور وہ عالم ہے اس کو فریقین کے مقدمہ کی طرف

جزئیات کا علم ہے اور کوئی پہلو اس سے مخفی نہیں ہے۔ (انجیل: ۷۸)

سو آپ اللہ پر بھروسہ کیجیے اور ان کی دشمنی اور مخالفت کی پروا نہ کیجیے تو کل کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا اور اپنے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا اور اس کے ماسوا سے امید نہ رکھنا اور ان سے اعراض کرنا اللہ پر توکل کرنے کے بعد دل کو سکون مل جاتا ہے اور مصیبت اور پریشانی کے نازل ہونے پر بھی اس کا اطمینان ختم نہیں ہوتا پھر اللہ تعالیٰ نے توکل کی وجہ بیان فرمائی کہ آپ کا موقف برحق ہے اور آپ نے اس کو دلائل سے واضح کر دیا ہے اور آپ اللہ عز و جل کی مخالفت اور اس کی نصرت کے سامنے ہیں۔ (انجیل: ۷۹)

سماع موتی کے ثبوت میں احادیث اور آثار

ہے بلکہ آپ مردوں کو نہیں سنا تے۔ (انجیل: ۸۰) اس آیت میں کفار کو مردہ فرمایا ہے کیونکہ جس طرح مردوں سے کسی کام کے کرنے کی امید نہیں ہوتی اسی طرح ان کے ایمان لانے کی امید بھی منقطع ہو چکی ہے اور جس طرح مردے کسی چیز سے نفع نہیں اٹھا سکتے اسی طرح یہ کفار بھی آپ کے وعظ اور تبلیغ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا رہے اور چونکہ ان کی گستاخیوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر کفر کی مہر لگا لی جا چکی ہے تو آپ خواہ مخواہ تبلیغ کریں ان میں ایمان داخل نہیں ہو سکتا کفار لوگوں کی باتیں سننے تھے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو بہرہ فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جوت سماعت عطا کی تھی اس سے مقصود یہ تھا کہ وہ اللہ کے دین کی باتوں کو سننے اور ان کو مان کر ان پر عمل کرتے اور جب انہوں نے ایسا نہیں کیا تو پھر وہ اللہ کے نزدیک مردہ ہیں خواہ وہ دنیا جہان کی باتیں سننے رہیں۔

اہل سنت و جماعت کے نزدیک قبر میں مردے زندوں کا کلام سننے ہیں اور اس آیت میں مردوں کے سننے کی نفی نہیں کی بلکہ مردوں کو سنانے کی نفی کی ہے نیز اس آیت میں مردوں سے مراد وہ نہیں ہیں جن کے جسم مردہ ہوں بلکہ اس آیت میں مردوں سے مراد وہ ہیں جن کے دل مردہ ہوں نیز آیت میں مردوں سے مراد وہ نہیں ہیں جو حقیقتاً مردہ ہوں بلکہ اس آیت میں زندہ کافروں کو تشبیہاً اور مجازاً مردہ فرمایا ہے اور ہم جو کہتے ہیں کہ قبر میں مردے سننے ہیں اس سے مراد حقیقتاً مردے ہیں نہ کہ وہ جو حقیقتاً زندہ ہوں اور مجازاً مردہ ہوں۔

مردوں کے سننے کے حلق ان احادیث میں واضح تصریح ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندہ کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اصحاب چنچہ پھیر کر چلے جاتے ہیں تو وہ ان کی جوتوں کی آواز کو سنا ہے اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھا کر کہتے ہیں کہ تم اس شخص (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حلق کیا کہتے تھے جو شخص یہ کہے گا کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو اس سے کہا جائے گا دیکھو تمہارا تمنا ناکا دو رخ میں تھا اللہ نے تمہارے اس تمنا کرنے کو جنت کو فتح کرنے سے بدل دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۸۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳۴۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۳۱، صحیح ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۸۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۲۸۸، مسند ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۲۸۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی آدمی اس شخص کی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا پھر اس کو سلام کرے تو وہ اس کو پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور جب وہ ایسے شخص کے پاس سے گزرے جس کو وہ نہیں پہچانتا تھا اور اس کو سلام کرے تو وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

(شعب الایمان ج ۱ ص ۱۸۲، مسند ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۳۹۲، دارالکتب العلمیہ بیروت: ۱۴۱۰ھ)

بشر بن منصور بیان کرتے ہیں کہ طاعون کے زمانہ میں ایک شخص جیان کے پاس آتا ہوا تھا اور جتانوں کی نلکا چسکا تھا اور شام کو قبرستان کے دروازے پر کھڑے ہو کر یہ دعا کرتا تھا اللہ تعالیٰ تمہاری وحشت کو دور کر دے اور آخرت کے سمرقم پر رحم فرمائے اور تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے اور اللہ تعالیٰ تمہاری نیکیوں کو قبول فرمائے اس شخص نے کہا ایک حاتم میں گھر چلا گیا اور قبرستان نہیں جاسکا اس رات میں نے خواب میں دیکھا کہ بہت لوگ میرے پاس آئے میں نے کہا آپ لوگ کون ہیں اور آپ کو کیا کام ہے؟ انہوں نے کہا ہم قبروں والے ہیں میں نے پوچھا آپ لوگ کیوں آئے ہیں؟ انہوں نے کہا ہم بروز گھر جانے سے پہلے ہمیں یہ پیش کرتے تھے میں نے پوچھا وہ کیا ہے یہ تھا انہوں نے کہا وہ دعائیں تھیں جو تم ہمارے لیے کرتے تھے اس شخص نے کہا میں پھر دعا کروں گا اس کے بعد میں نے ان دعاؤں کو ترک نہیں کیا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۲۹۸، ج ۷ ص ۷۵ ہرقت)

بشار بن غالب بیان کرتے ہیں کہ میں رابعہ بن عدویہ کے لیے بہت دعا کرتا تھا ایک دن میں نے ان کو خواب میں دیکھا انہوں نے مجھ سے کہا: اے بشار! تمہارے دیے ہمارے پاس نور کے طباقوں (تھالیوں) میں ریشمی رومالوں سے ڈھکے ہوئے آتے ہیں میں نے پوچھا وہ کیسے؟ انہوں نے کہا جب مردوں کے لیے دعا کی جائے اور وہ دعا قبول ہو جائے تو اس دعا کو طباق میں رکھ کر ریشمی رومال سے ڈھانپ کر وہ طباق اس مردے کو پیش کیا جاتا ہے جس مردے کے لیے دعا کی جاتی ہے اور اس سے کہا جاتا ہے یہ تمہارے لیے فلاں شخص کا ہے۔ (شعب الایمان ج ۷ ص ۷۸، رقم الحدیث: ۶۲۹۹، ج ۷ ص ۷۵ ہرقت)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر کو تین دن تک چھوڑے رکھا پھر آپ ان کے پاس گئے اور ان پر کھڑے ہو کر ان کو ندا کی اور فرمایا: اے ابو جہل بن حشام! اے امیہ بن خلف! اے حبیب بن ریحہ! اے شیبہ بن ریحہ! کیا تم نے اپنے رب کے وعدہ کو سچا نہیں پایا؟ کیونکہ میں نے اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر کہا یا رسول اللہ! یہ کیسے نہیں گئے اور کس طرح جواب دیں گے حالانکہ یہ مردہ ہیں آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! تم میری بات کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو لیکن یہ جواب دینے پر قادر نہیں ہیں پھر آپ کے حکم سے ان کو گھسیٹ کر بدر کے کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ (صحیح مسلم ملت اہل السنۃ، ج ۷، رقم الحدیث: ۲۸۷۳، رقم المسلسل: ۷۰۹۰، بحوالہ زبیر مصطفیٰ مکتبہ مدینہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ فرماتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مردوں کے سننے کا انکار کیا ہے اور اِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتٰی (نمل: ۸۰) اور وَمَا اَنْتَ بِسَمِیْعٍ مِّنْ فِی الْغُبٰتِی (طہ: ۲۲) سے استدلال کیا ہے اور ان آیتوں اور اس حدیث میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مردے کسی وقت اور کسی حال میں نہ سنیں اور دوسرے وقت اور دوسرے حال میں سن لیں کیونکہ عام کی تخصیص کرنا جائز ہے خصوصاً جب تخصیص پایا جائے اور یہاں پر تخصیص ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب لوگ مردے کو دفن کر کے چلے جاتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی آہٹ سنتا ہے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۸) اور جب فرشتے قبر میں آ کر مردے سے سوال کرتے ہیں اور وہ ان کو جواب دیتا ہے تو اس کا کسی نے انکار نہیں کیا اور امام عبد الباقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ تم میں سے جو شخص بھی اپنے اس مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور اس کو سلام کرتا ہے تو وہ اس کو پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ (الاحکار رقم الحدیث: ۷۸۸) اس حدیث کو ابو جعفر عبدالحق نے صحیح قرار دیا ہے۔ (۵۸، کہ ج ۷ ص ۲۷۷ مطبوعہ دار الفکر مدینہ منورہ ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ ان آجوں میں ستانے کی نفی ہے، بننے کی نفی نہیں ہے اس لیے ان آجوں کا اس حدیث سے تعارض نہیں

-4-

تجزو و تفرق ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابو زبیر نے کہا یا رسول اللہ! میرا راستہ قبرستان کے پاس سے ہے آیا جب میں ان کے پاس سے گزروں تو ان سے کوئی بات کروں؟ آپ نے فرمایا تم کہو السلام علیکم اهل القبور من المسلمین انتم لنا سلفا ونحن لکم تبعاً وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔ (اے مسلمان قبر والو! تم پر سلام ہو، تم ہمارے پیش رو ہو اور ہم بعد میں آنے والے ہیں اور ہم ان شاء اللہ تم کے ساتھ ہیں) ابو زبیر نے کہا: یا رسول اللہ! آپ وہ سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ سنتے ہیں! لیکن تم کو جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (حافظ سیوطی نے کہا یعنی وہ ایسے جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے جس کو تم عادی بن سکو)

(کتاب فضلاء الکبر للعقلمی ج ۳ ص ۹ رقم ۱۵۷۳ احوال فقہور کا بن وجہ ص ۱۴۱ اشرع الصدور ص ۲۰۳)

حضرت عمر بن الخطاب نے ایک قبر والے سے کلام کیا تو اس نے آپ کے کلام کا جواب دیا "اس سے معصوم ہوا کہ قبر والوں کے سلام کا جواب عادتاً سنائی نہیں دیتا لیکن کوئی شخص خلافِ عادت پہ غور کر اسات ان کا کلام سن سکتا ہے جیسے حضرت عمر نے سنا" حضرت عمر کی حدیث یہ ہے:

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر دمشقی متوفی ۵۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

بھائی بن ایوب افزائی بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا کہ حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں ایک عبادت گزار نو جوان تھا جس نے مسجد کو لازم کر لیا تھا حضرت عمر اس سے بہت خوش تھے اس کا ایک بڑا عا پاپ تھا وہ عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے باپ کی طرف لوٹ آتا تھا اس کے راستہ میں ایک عورت کا دروازہ تھا وہ اس پر فریفتہ ہوگئی تھی وہ اس کے راستہ میں کھڑی ہو جاتی تھی ایک رات وہ اس کے پاس سے گزرا تو وہ اس کو مسلسل بہکاتی رہی حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ چلا گیا جب وہ اس کے گھر کے دروازہ پر پہنچا تو وہ بھی داخل ہوگئی اس نو جوان نے اللہ کو یاد کرنا شروع کیا اور اس کی زبان پر یہ آیت جاری ہوگئی:

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ خَيْرٌ لَّحِقُوا خَيْرَاتِهِمْ وَقَالُوا وَمَا لَهُمْ إِنْ جَاءَهُم بِخَيْرٍ فَقَالَ هُوَ أَفْضَلُ مِنْ ذَلِكَ الْخَيْرِ وَإِذَا مَسَّهُمْ شَرٌّ نَكَبُوا عَلَى أَعْقَابِهِمْ فَأُولَٰئِكَ سَمِعُوا لَكُمْ وَهُمْ لَا يَذْكُرُونَ

بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں انہیں اگر شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ خبردار ہو جاتے ہیں اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

پھر وہ نوجوان بے ہوش ہو کر گر گیا اس عورت نے اپنی پاندی کو جلیا اور دونوں نے مل کر اس نوجوان کو اٹھایا اور اسے اس کے گھر کے دروازہ پر چھوڑ آئیں۔ اس کے گھر والے اسے اٹھا کر گھر میں لے گئے کافی رات گزرنے کے بعد وہ نوجوان ہوش میں آیا۔ اس کے باپ نے پوچھا اے بیٹے تمہیں کیا ہوا تھا؟ اس نے کہا خیر ہے باپ نے پھر پوچھا تو اس نے پورا واقعہ سنایا۔ باپ نے پوچھا اے بیٹے تم نے کون سی آیت پڑھی تھی؟ تو اس نے اس آیت کو پڑھا جو اس نے پڑھی تھی اور پھر بے ہوش ہو کر گر گیا گھر والوں نے اس کو جلیا جلیا لیکن وہ مر چکا تھا۔ انہوں نے اس کو غسل دیا اور لے جا کر دفن کر دیا صبح ہوئی تو اس بات کی خبر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچی۔ صبح کو حضرت عمر اس کے والد کے پاس تھوہ کے لیے آئے اور فرمایا تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی؟ اس کے باپ نے کہا رات کا وقت تھا۔ حضرت عمر نے فرمایا ہمیں اس کی قبر کی طرف لے چلو پھر حضرت عمر اور ان کے اصحاب اس کی قبر پر گئے حضرت عمر نے کہا اے نوجوان! جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوئے سے ڈرے اس

رہے اور دوزخ والے کا خاتمہ اہل دوزخ کے عمل پر کیا جائے گا خواہ وہ (زندگی بھر) کوئی عمل کرتا رہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو جھاڑا اور ان کتابوں کو ایک طرف رکھ دیا پھر فرمایا: تمہارا رب بندوں سے فارغ ہو چکا ہے۔ ایک فریق جنت میں ہے اور ایک فریق دوزخ میں ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۱، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۷)

ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی لکھ دیا ہے کہ فلاں شخص دوزخی ہے تو وہ خواہ کتنے ہی نیک عمل کیوں نہ کرے وہ دوزخ میں جانے سے نہیں بچ سکتا اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ کون شخص خاتمہ کے وقت اہل جنت کے عمل کرے گا اور کون شخص خاتمہ کے وقت اہل دوزخ کے عمل کرے گا تو اس نے وہی کچھ لکھ ہے جو بندوں نے کرنا تھا اس کو ازل میں علم تھا کہ کون شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے ایمان لائے گا اور کون آپ کی ہدایت کے باوجود ایمان نہیں لائے گا اور اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کے نام الگ الگ کتابوں میں لکھ دیئے اور اس آیت میں بھی یہی فرمایا ہے: اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے (از خود) ہدایت دینے والے ہیں آپ صرف ان لوگوں کو سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ (آئل: ۸۷) ہر چند کہ آپ تمام لوگوں کو قرآن مجید کی آیت اور ہدایت کا وعظ سناتے ہیں لیکن آپ کے وعظ کو چونکہ صرف مسلمان ہی قبول کرتے ہیں اور وہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اس لیے فرمایا آپ صرف ان لوگوں کو سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور وہی مسلمان ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ یہ ایمان لائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا نام اہل جنت کی کتاب میں لکھ دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان پر ہمارا قول واقع ہو جائے گا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک چاند (و آجۃ الارض) نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا بے شک لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے (آئل: ۸۲)

اللہ تعالیٰ کے قول واقع ہونے کی تفسیر میں اقوال

اس آیت میں فرمایا ہے اور جب ان پر ہمارا قول واقع ہو جائے گا اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں: قارہ نے کہا اس کا معنی ہے جب ان پر ہمارا غضب واقع ہو جائے گا 'عالمیہ نے کہا اس کا معنی ہے جب ان کے متعلق ہمارا یہ قول ثابت ہو جائے گا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم نے کہا جب لوگ نیکی کا حکم نہیں دیں گے اور برائی سے نہیں روکیں گے تو ان پر اللہ کا غضب واجب ہو جائے گا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا علماء کے فوت ہونے، علم کے ختم ہو جانے اور قرآن کے اٹھ جانے سے اللہ کا قول واقع ہو جائے گا۔ لوگوں نے کہا ہو سکتا ہے یہ مصاحف اٹھالے جائیں لیکن انسانوں کے دلوں سے قرآن مجید کو کس طرح نکالا جائے گا۔ حضرت ابن مسعود نے کہا وہ زمانہ جاہلیت کے قصہ کہانیوں اور اشعار میں کھو جائیں گے اور قرآن مجید کو بھول جائیں گے اور اس وقت ان پر اللہ کا قول واقع ہو جائے گا۔

امام بزار نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا: اس بیت اللہ کی بہ کثرت زور دیا گیا کہ وہ اس سے پہلے کہ اس کو اٹھایا جائے اور لوگ اس کی جگہ کو بھول جائیں اور قرآن مجید کی بہ کثرت تلاوت کیا کہ وہ اس سے پہلے کہ اس کو اٹھایا جائے۔ اللہ ع

بعض علماء نے کہا کہ قول واقع ہونے سے مراد یہ آیت ہے:

وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا لَٰكُم مِّنْ نَّفْسٍ مُّٰدَةٍ وَلَٰكِن نَّحْكُم بِمَا نَافَعُ لَكُمْ ۚ
فَقَوْلُ رَبِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْفٰسِقِیْنَ اَلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝

ملاحظہ

(احمد: ۳۵) جنات اور انسانوں سے مجرموں کا۔

پس قول کا واقع ہونا ان لوگوں پر عذاب کا واجب کرنا ہے اور جب وہ اس حد کو پہنچ جائیں گے کہ ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور ان کے ہاں کوئی مومن پیدا نہیں ہوگا تو پھر ان پر قیامت آجائے گی۔

ابوالعالیہ نے کہا یہ آیت اس آیت کے معنی میں ہے:

وَأُولَٰئِكَ إِلَىٰ نَجْمِهِمْ أَتَيْنَهُمُ النَّارَ مِنَ قَوْمٍ كَذِبَتْ

إِيمَانُهُمْ قَدْ آتَيْنَهُمُ الْبَاقِيَةَ وَالْآخِرَةَ وَالْآخِرَةُ

إِلَىٰ نَجْمِهِمْ أَتَيْنَهُمُ النَّارَ مِنَ قَوْمٍ كَذِبَتْ

إِيمَانُهُمْ قَدْ آتَيْنَهُمُ الْبَاقِيَةَ وَالْآخِرَةَ وَالْآخِرَةُ

إِلَىٰ نَجْمِهِمْ أَتَيْنَهُمُ النَّارَ مِنَ قَوْمٍ كَذِبَتْ

إِيمَانُهُمْ قَدْ آتَيْنَهُمُ الْبَاقِيَةَ وَالْآخِرَةَ وَالْآخِرَةُ

إِلَىٰ نَجْمِهِمْ أَتَيْنَهُمُ النَّارَ مِنَ قَوْمٍ كَذِبَتْ

إِيمَانُهُمْ قَدْ آتَيْنَهُمُ الْبَاقِيَةَ وَالْآخِرَةَ وَالْآخِرَةُ

إِلَىٰ نَجْمِهِمْ أَتَيْنَهُمُ النَّارَ مِنَ قَوْمٍ كَذِبَتْ

إِيمَانُهُمْ قَدْ آتَيْنَهُمُ الْبَاقِيَةَ وَالْآخِرَةَ وَالْآخِرَةُ

إِلَىٰ نَجْمِهِمْ أَتَيْنَهُمُ النَّارَ مِنَ قَوْمٍ كَذِبَتْ

إِيمَانُهُمْ قَدْ آتَيْنَهُمُ الْبَاقِيَةَ وَالْآخِرَةَ وَالْآخِرَةُ

إِلَىٰ نَجْمِهِمْ أَتَيْنَهُمُ النَّارَ مِنَ قَوْمٍ كَذِبَتْ

إِيمَانُهُمْ قَدْ آتَيْنَهُمُ الْبَاقِيَةَ وَالْآخِرَةَ وَالْآخِرَةُ

إِلَىٰ نَجْمِهِمْ أَتَيْنَهُمُ النَّارَ مِنَ قَوْمٍ كَذِبَتْ

إِيمَانُهُمْ قَدْ آتَيْنَهُمُ الْبَاقِيَةَ وَالْآخِرَةَ وَالْآخِرَةُ

إِلَىٰ نَجْمِهِمْ أَتَيْنَهُمُ النَّارَ مِنَ قَوْمٍ كَذِبَتْ

إِيمَانُهُمْ قَدْ آتَيْنَهُمُ الْبَاقِيَةَ وَالْآخِرَةَ وَالْآخِرَةُ

إِلَىٰ نَجْمِهِمْ أَتَيْنَهُمُ النَّارَ مِنَ قَوْمٍ كَذِبَتْ

إِيمَانُهُمْ قَدْ آتَيْنَهُمُ الْبَاقِيَةَ وَالْآخِرَةَ وَالْآخِرَةُ

إِلَىٰ نَجْمِهِمْ أَتَيْنَهُمُ النَّارَ مِنَ قَوْمٍ كَذِبَتْ

إِيمَانُهُمْ قَدْ آتَيْنَهُمُ الْبَاقِيَةَ وَالْآخِرَةَ وَالْآخِرَةُ

إِلَىٰ نَجْمِهِمْ أَتَيْنَهُمُ النَّارَ مِنَ قَوْمٍ كَذِبَتْ

إِيمَانُهُمْ قَدْ آتَيْنَهُمُ الْبَاقِيَةَ وَالْآخِرَةَ وَالْآخِرَةُ

إِلَىٰ نَجْمِهِمْ أَتَيْنَهُمُ النَّارَ مِنَ قَوْمٍ كَذِبَتْ

إِيمَانُهُمْ قَدْ آتَيْنَهُمُ الْبَاقِيَةَ وَالْآخِرَةَ وَالْآخِرَةُ

إِلَىٰ نَجْمِهِمْ أَتَيْنَهُمُ النَّارَ مِنَ قَوْمٍ كَذِبَتْ

إِيمَانُهُمْ قَدْ آتَيْنَهُمُ الْبَاقِيَةَ وَالْآخِرَةَ وَالْآخِرَةُ

مومنین کی ایک جماعت اپنی جگہ ثابت رہے گی اور وہ یہ جان لیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے سو وہ اونٹنی کا بچہ ان سے ابتدا کرے گا اور ان کے چہروں کو روشن کر دے گا حتیٰ کہ ان کے چہرے روشن ستارے کی مانند ہو جائیں گے وہ زمین میں پھرے گا کوئی شخص اس کو پکڑ نہیں سکے گا اور کوئی شخص اس سے بھاگ کر نجات نہیں پاسکے گا حتیٰ کہ کوئی شخص اس سے بچنے کے لیے نماز کی پناہ لے گا تو وہ اس کے پیچھے سے آکر کہے گا اے ملاں! اب تو نماز پڑھ رہا ہے پھر وہ اس کے سامنے سے آکر اس کے چہرے پر نشان لگا دے گا پھر چلا جائے گا لوگ اپنے کاروبار میں مشغول ہوں گے مومن کافر سے کہہ رہا ہوگا اے کافر میرا حق ادا کر۔ (سنن ابوداؤد و الترمذی رحمہما اللہ ج ۱ ص ۶۶۹، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۴)

ایک روایت میں یہ ہے کہ اس کے جسم پر بالوں کے روئیں ہوں گے اس کی چار ٹانگیں ہوں گی اور وہ ساتھ ساتھ لمبا ہوگا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ جیسا رہے اور حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ وہ انسانوں کی شکل پر ہوگا اس کا اوپر کا دھڑ بالوں میں ہوگا اور نیچلا دھڑ زمین پر ہوگا۔

ایک روایت ہے کہ وہ تمام حیوانوں کی شکلوں کا جامع ہوگا۔

المادوری اور اشمعی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن الزبیر نے فرمایا اس کا سر بتل کا سا ہوگا اور آنکھیں خنزیر کی سی ہوں گی کان ہاتھی کی طرح ہوں گے اس کے سینکھ بارہ سینکھ کی طرح ہوں گے اور اس کی گردن شتر مرغ کی طرح ہوگی اس کا سینہ شیر کی طرح ہوگا اور اس کا رنگ چیتے کی طرح ہوگا اس کی کوکھ بلی کی طرح ہوگی اور ذم سینڈے کی طرح ہوگی اور اس کی ٹانگیں اونٹ کی طرح ہوں گی اور اس کے ہر جوڑ کے درمیان بارہ ہاتھ کا قاصد ہوگا۔ وہ مومن کے چہرہ کو حضرت موسیٰ کے عصا سے سفید کر دے گا اور کافر کے چہرہ کو حضرت سلیمان کی انگوٹھی سے سیاہ کر دے گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ ج ۱ ص ۶۶۹، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۴، جامع الترمذی ج ۳ ص ۴۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وآیہ (الارض) زمین سے نکلے گا اس کے پاس حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی ہوگی اور حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کا عصا ہوگا وہ مومن کے چہرے پر عصا مار کر اس کو روشن کر دے گا اور کافر کی ناک کی چونچ پر انگوٹھی سے نشان لگا دے گا حتیٰ کہ گھروں سے نکل کر لوگ اس کے گرد جمع ہوں گے وہ کہے گا یہ مومن ہے اور یہ کافر ہے۔

(سنن ابن ماجہ رحمہ اللہ ج ۱ ص ۶۶۹، سنن الترمذی رحمہ اللہ ج ۱ ص ۶۶۹، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۵)

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مکہ کے قریب ایک جنگل میں لے گئے وہاں ایک خشک زمین تھی جس کے گرد ریت تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس جگہ سے وآیہ الارض نکلے گا۔ (سنن ابن ماجہ رحمہ اللہ ج ۱ ص ۶۶۹، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۵، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۴)

حضرت علی بن ابی طالب سے وآیہ الارض کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا اللہ کی قسم اس کی ذم بھی ہوگی اور اس کی داڑھی بھی ہوگی۔ ہر چند کہ حضرت علی نے تصریح نہیں کی مگر اس میں اشارہ ہے کہ وہ انسانوں میں سے ہوگا۔

(المادوری ج ۲ ص ۲۹۶)

علامہ المادوری متوفی ۳۵۰ھ نے کہا جس زمین سے وہ نکلے گا اس کے متعلق چار قول ہیں: حضرت ابن عباس نے فرمایا:

(۱) وہ تمام کی بعض وادیوں سے نکلے گا۔

(۲) حضرت ابن عمر نے فرمایا وہ اجیاد کی گھاٹیوں میں ایک چٹان سے نکلے گا۔

(۳) حضرت ابن مسعود نے کہا وہ مٹا سے لکھا۔

(۴) ابن مسعود نے کہا وہ بحر مدوم سے لکھا گا۔ (تفسیر ابن مسعود ج ۳ ص ۲۷۷ دارالکتب العلمیہ بیروت)
علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی حنفی ۲۶۸ھ لکھتے ہیں:

بعض متاخرین مفسرین نے کہا ہے کہ آیت الارض انسان ہوگا وہ باتیں کرے گا اور کفار اور اہل بدعت سے مناظرہ اور محادلہ کرے گا ان کو ساق کر دے گا سو جس نے ہلاک ہونا ہوگا وہ دلائل سے آگاہ ہو کر ہلاک ہوگا اور جس نے حق پر قائم رہنا ہوگا وہ دلائل سے آگاہ ہو کر حق پر قائم رہے گا ہمارے استاذ امام ابو العباس احمد بن عمر القرطبی الحنفی ۶۵۶ھ نے کہا ہے کہ آیت الارض کی صورت کے متعلق کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ جس نے کہا ہے کہ آیت الارض انسان ہوگا اس کا قول قرآن مجید کے ان الفاظ کے قریب ہے ”وہ باتیں کرے گا“ لیکن اس بنام پر آیت الارض میں کوئی خارجی (خلاف) عادت چیز نہیں ہوگی اور نہ وہ اس دن نشانیوں میں سے ہوگا جن کا حدیث میں ذکر ہے کیونکہ کفار اور اہل بدعت سے مناظرہ کرنے والے اور ان کو ساق کرنے والے انسان تو بہت ہیں سو وہ کوئی خاص چیز نہیں ہوگا اور اس کا قیامت کی دس نشانیوں میں ذکر کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہوگی پھر ایسے فاضل کامل اور مناظر انسان کو آیت الارض کہنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہوگی اور ایسے فاضل مناظر کو آیت الارض (زمین کا جانور) کہنا فصحاء کی عادت کے خلاف ہے اور تعظیم علماء اور دستور عقائد کے منافی ہے۔ (المجموع ج ۷ ص ۱۳۲)
اس لیے آیت الارض کی صحیح تفسیر وہی ہے جو ہم اس سے پہلے مفسرین سے نقل کر چکے ہیں اور جس تفسیر کا حدیث میں ذکر ہے۔
(الجامع ۱۵۰۰ کا مقرر آں ج ۳ ص ۲۸۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو ایمن محمد بن یوسف اندلسی غریابی حنفی ۵۴۷ھ لکھتے ہیں:

آیت الارض کی بابت میں اس کی فعل میں اس کے نکلنے کی جگہ میں اس کی تعداد میں اس کی مقدار میں اور یہ کہ وہ لوگوں کے ساتھ کیا کرے گا اس میں بہت اختلاف ہے اور یہ اقوال آپس میں متعارض ہیں اور بعض اقوال بعض کی تکذیب کرتے ہیں اس لیے ہم نے اس کے ذکر کو ترک کر دیا کیونکہ اس کے ذکر کرنے میں لائق کو کیا ہو کر تہ وقت کو ضائع کرتا ہے۔
(تذکر الخلفاء ج ۸ ص ۱۲۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابو ایمن اندلسی کا یہ کلام برحق ہے اور میں نے جو اس سلسلہ میں اقوال نقل کیے ہیں وہ صرف اس لیے کہ جس کو آیت الارض کے متعلق تفصیل کو جاننے کا جیس اور شوق ہو اس کی تسکین ہو سکے پھر آیت الارض کے متعلق جو احادیث ہیں ان میں سنن ترمذی کی حدیث اقرب الی القبول ہے اور وہ یہ ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آیت الارض لکھ گا اس کے پاس حضرت سلیمان کی انگوٹھی ہوگی اور حضرت موسیٰ کا عصا ہوگا عصا سے موئن کا چہرہ روشن کرے گا اور انگوٹھی سے کافر کی ناک پر صحر لگے گا حتیٰ کہ گھروں سے لوگ اس کے گرد جمع ہوں گے وہ کہے گا سنو یہ موئن ہے اور سنو یہ کافر ہے۔ اللہ بیٹ۔ یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۸۷۸۰ سنن ابوداؤد طحاوی رقم الحدیث: ۲۵۶۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۶۷۲ مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۱۲۹۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

(ج ۳ ص ۲۵۵)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ آیت الارض کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ چار پاؤں والا بہت عجیب و غریب

جانور ہے، پھر انسان میں سے امتلا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ آخر زمانہ میں اس کو زمین سے نکالے گا اور زمین سے نکالے گا۔ یہ اشارہ ہے کہ یہ قیامت کے طریقہ سے نہیں نکالے گا بلکہ اس طرح نکالے گا جس طرح زمین سے حشرات الارض نکلے تھے ہیں اور یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۱۶۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

اس کے بعد فرمایا: جو ان سے کلام کرے گا بے شک لوگ ہماری نشانوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

اس آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دآپہ الارض لوگوں سے یہ کہے گا کہ لوگ ہماری نشانوں پر ایمان نہیں لاتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کی نشانوں کو ہماری نشانیاں اس اعتبار سے کہے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تائید کی کر رہا ہے اور یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ دآپہ الارض لوگوں سے کلام کرے گا جیسا کہ احادیث میں وارد ہے وہ کہے گا سنو یہ مومن ہے سنو یہ کافر ہے اور یہ جو فرمایا ہے بے شک لوگ ہماری نشانوں پر ایمان نہیں لاتے تھے یہ ابتداء اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یعنی چونکہ لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرب قیامت میں زمین سے ایک عجیب و غریب جانور نکالا جو لوگوں سے باتیں کرتا تھا یہ ایک واضح اور کلی ہوئی نشانی تھی لیکن قرب قیامت میں اس نشانی کو دیکھ کر ایمان لانا بے فائدہ نہیں ہوگا۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا

اور جس دن ہم ہر امت میں سے ان لوگوں کے ایک گروہ کو الگ کر لیں گے جو ہماری آیتوں کی

فہم یوزعون ﴿۸۴﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ وَقَالَ اَلْكَذَّبْتُمْ بِآيَاتِي

نکذیب کرتے تھے ۸۴ حتیٰ کہ جب وہ آجائیں گے تو (اللہ عزوجل) کہے گا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا

وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۸۵﴾ وَوَقَعُ

ملائکہ تم نے اپنے علم سے ان کا احاطہ نہیں کیا تھا اگر یہ بات نہیں تو پھر تم کیا کرتے رہے تھے ۸۵ اور ان کے علم کرنے کی

النَّوْلُ عَلَيْهِمْ مِمَّا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ﴿۸۶﴾ أَلَمْ يَرَوْا

وجہ سے ان پر نازل ہوا (عذاب) واضح ہو چکا سو اب وہ کچھ نہیں بولیں گے ۸۶ کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ

أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لَيْسَكُنَّ فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّا فِي

ہم نے رات ان کے آرام کرنے کے لیے بنائی اور دن کو ہم نے (کلام کرنے کے لیے) روشن بنایا ہے بے شک اس میں

ذٰلِكَ لَا يَتْلُو لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۸۷﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ

ایمان لانے والوں کے لیے نشانیاں ہیں ۸۷ اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا

فَفَزَعَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ

تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے کھرا جائیں گے، ماسوا ان کے جن کو اللہ طے

اللَّهُ ط وَكُلُّ آتُوهُ دَاخِرِينَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالِ تَحْسَبُهَا

اور سب اس کے سامنے عاجزی سے حاضر ہوں گے اور (اے طالب!) تو اس دن پہاڑوں کو اپنی جگہ جھا ہوا

جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ط صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي

گمان کرے گا حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے یہ اللہ کی صنعت ہے جس نے

أَتَقْنَ كُلَّ شَيْءٍ ط إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَاءَ

ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے، بے شک وہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے اور جو شخص علی

بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا ط وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ

لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس (نگلی) سے اچھی جزا ہے اور وہ لوگ اس دن کی گھبراہٹ سے

أَمِنُونَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وَجُوهُهَا فِي

سامون ہوں گے اور جو لوگ برائی لے کر آئیں گے تو ان کو منہ کے بل دوزخ میں گرا دیا

النَّارِ ط هَلْ تَجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۹۰﴾ إِنَّمَا أُمِرْتُ

جائے گا اور تم کو ان ہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے اور مجھے صرف بھی حکم دیا گیا ہے کہ

أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَذِهِ الْبَلَدَةِ الَّذِي حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ

میں اس شہر (مکہ) کے رب کی عبادت کروں جس نے اس کو حرم بنا دیا ہے اور اسی کی ملکیت میں ہر

شَيْءٍ ط وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۹۱﴾ وَأَنْ

چیز ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں اور یہ کہ میں

أَتْلُوا الْقُرْآنَ فَمِنْ أُمَّتِي فَإِنَّا كَافِرُونَ ﴿۹۲﴾

قرآن کی تلاوت کروں سو جس نے ہدایت قبول کی تو اس نے اپنے ہی قلمکد کے لیے ہدایت قبول کی اور جو گمراہی

وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿۹۶﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ

۹۶ رہا ہے تو آپ کہہ دیں کہ میں تو صرف عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ہوں ۹۷ اور آپ کہیے کہ تمام تعزیریں

بِئْسَ سِيرَتُكُمْ آيَةٌ فَتَعْرِفُونَهَا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا

اللہ ہی کے لیے ہیں عکس پر تمہیں وہ اپنی نشانیاں دکھائے گا تو تم ان کو پہچان لو گے اور آپ کا رب ان کاموں سے غافل نہیں

تَعْمَلُونَ ﴿۹۷﴾

۹۷ ہے جو تم کر رہے ہو

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن ہم ہر امت میں سے ان لوگوں کے ایک گروہ کو الگ کر لیں گے جو ہماری آجوں کی تکذیب کرتے تھے ۹۸ حتیٰ کہ جب وہ آجائیں گے تو (اللہ) فرمائے گا: کیا تم نے میری آجوں کو جھٹلایا تھا؟ حالانکہ تم نے اپنے علم سے ان کا احاطہ نہیں کیا تھا اگر یہ بات نہیں تو پھر تم کیا کرتے رہے تھے؟ ۹۹ ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے ان پر قول (عذاب) واقع ہو چکا سو اب وہ کچھ نہیں بولیں گے ۱۰۰ (پہل: ۸۵-۸۴) حشر کے دن کفار کے کفر و شرک پر زجر و توبیخ

اس آیت میں ہے ویوم نحشر من کل امۃ فوجا۔ حشر کا معنی ہے جمع کرنا اور اس آیت میں اس سے مراد ہے سب لوگوں کو محشر میں جمع کرنے کے بعد کفار کو عذاب کے لیے جمع کرنا امت لوگوں کی اس جماعت کو کہتے ہیں جس کی طرف کسی رسول کو بھیجا جائے پھر امت کی دو قسمیں ہیں امت دعوت اور امت اجابت امت دعوت اس کو کہتے ہیں جس جماعت کو اللہ کا رسول اللہ کا پیغام پہنچاتا ہے اور امت اجابت اس جماعت کو کہتے ہیں جو رسول کے لیے دیئے ہوئے پیغام کو قبول کر لے اور رسول پر ایمان لے آئے اور فوج اس جماعت کو کہتے ہیں جو چیز سے کسی طرف پیش قدمی کر رہی ہو۔

اس آیت کا معنی ہے: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو وہ وقت یا دور لائیے جب ہم تمام انبیاء کی امتوں میں سے ان گروہوں کو جمع کریں گے جو ہماری آجوں کی تکذیب کرتے تھے پس وہ دعوت کا معنی ہے ان کو جمع کیا جائے گا یا ان کو روک لیا جائے گا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فوج سے مراد اس گروہ کے رئیس ہوں یعنی ہر امت کے لوگوں میں سے ان کے رئیسوں اور سرداروں کو روک لیا جائے گا حتیٰ کہ عوام آ کر ان سے مل جائیں مثلاً فرعون، نمرود اور ابلی بن خلف کو روک لیا جائے گا حتیٰ کہ ان کے قہقین آ کر ان کے ساتھ مل جائیں پھر ان سب کو بانک کردوزخ کی طرف لے جایا جائے گا۔

حتیٰ کہ جب وہ آجائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کیا تم نے میری آجوں کو جھٹلایا تھا؟ یعنی میں نے اپنے رسولوں پر جو آیتیں نازل کی تھیں تم نے ان کی تکذیب کی تھی یا میں نے اپنی توحید پر جو دلائل قائم کیے تھے تم نے ان کا انکار کیا تھا حالانکہ تم نے دلائل کے ساتھ ان آیات کے باطل ہونے کو نہیں جانا تھا بلکہ تم نے بغیر دلائل کے جہالت سے ان آجوں کا انکار کیا تھا پھر اللہ تعالیٰ زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرمائے گا جب تم نے ان آجوں پر بحث و تحقیق نہیں کی اور ان پر غور و فکر نہیں کیا تو تم کیا کرتے رہے تھے؟

اور جب ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے یعنی ان کے شرک کرنے کی وجہ سے ان پر عذاب واقع ہو جائے گا تو وہ کوئی بات

نہیں کر سکیں گے، کیونکہ ان کے پاس اپنے شرک اور دیگر برے اعمال پر کوئی حذر ہوگا نہ کوئی دلیل ہوگی اور اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ ان کے منہوں پر مہر لگا دی جائے گی اس لیے وہ کوئی بات نہیں کر سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے رات ان کے آرام کے لیے بنائی اور دن کو ہم نے (کام کرنے کے لیے) روشن بنایا ہے، شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے گھبرا جائیں گے، ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے اور سب اس کے سامنے عاجزی سے حاضر ہوں گے (اہل: ۸۷-۸۸)

دن اور رات کے تعاقب میں توحید رسالت اور حشر کی دلیل

کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے کبھی حکمت باطلہ سے رات اور دن کو بنایا، رات کو اس لیے بنایا کہ وہ کام کاج کی مشقت کی وجہ سے اپنے تھکے ہوئے اعصاب کو آرام پہنچائیں اور دن کو بنایا تاکہ وہ رات کو آرام کرنے کے بعد پھر تازہ دم ہو کر دن کی روشنی میں حصولِ رزق کے لیے جدوجہد کریں جو لوگ اللہ پر ایمان لانے والے ہیں وہ اس میں اللہ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھ کر اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ رات کو دن سے اور دن کو رات سے بدل دیتا ہے اور نور کو ظلمت میں اور ظلمت کو نور میں ڈھال دیتا ہے اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جس کا علم اللہ قدرت ہر چیز کو محیط ہو اور جس کا علم ہر چیز کو شال ہو اور جس کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہو وہی اس کا حکم کو پیدا کرنے والا ہے اور وہ واحد ہے اس کے شریک اور معاون نہیں ہیں کیونکہ اگر وہ واحد نہ ہوتا تو دن اور رات کے تواتر اور تسلسل میں یہ یکسانیت اور نظم و ضبط نہ ہوتا کہ ہمیشہ گرمیوں میں دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں اور سردیوں میں ہمیشہ دن چھوٹے اور راتیں بڑی ہوتی ہیں۔

اور یہ آیت لوگوں کو مارنے کے بعد زندہ کرنے اور حشر و نشر پر بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ جو ذات اس پر قادر ہے کہ دن کے نور کو ظلمت اور رات کی ظلمت کو نور سے بدل دے وہ حیات کو موت سے اور موت کو حیات سے بدلنے پر بھی قادر ہے۔ اور یہ آیت نبوت پر بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے منافع کے لیے دن کے بعد رات کو اور رات کے بعد دن کو لاتا ہے اور نبیوں اور رسولوں کو احکامِ شرعیہ کی تبلیغ کے لیے مخلوق کی طرف بھیجے میں بھی مخلوق کے منافع ہیں دن اور رات کے تواتر میں مخلوق کا صرف دنیا میں نفع ہے اور انبیاءِ علیہم السلام کی تعلیمات پر عمل کرنے میں دنیا میں بھی نفع ہوتا ہے اور آخرت میں بھی نفع ہوتا ہے سو یہ آیت توحید آخرت اور رسالت تینوں اصولی مباحث کے اثبات کے لیے کافی ہے۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانیاں ہیں حالانکہ اس میں تو تمام مخلوق کے لیے نشانیاں ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہ اس آیت میں تمام مخلوق کے لیے نشانیاں ہیں لیکن ان نشانوں سے فائدہ صرف ایمان لانے والے حاصل کرتے ہیں اس لیے فرمایا اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

صور کا لغوی اور اصطلاحی معنی

اس کے بعد والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے صور پھونکنے کا ذکر فرمایا ہے۔ صور کا لغوی معنی ہے زنگٹھا، بگل، بوق، سینگھ کی وضع کی کوئی چیز جس میں پھونک مار کر پھونکا جاسکے۔ علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں: یہ سینگھ کی طرح کی کوئی چیز ہے جس میں پھونک ماری جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس پھونک کو صوروں اور دھوئوں کو ان کے

اجسام میں قفل ہونے کا سبب بنادے گا ایک روایت میں ہے کہ صورت میں تمام انسانوں کی صورتیں ہیں۔

(الغفرات ج ۲ ص ۲۷۹ مطبوعہ مکتبہ دار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ السہارک بن محمد ابن الاثیر الحزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

صور ایک سنگ ہے جس میں حضرت اسرافیل علیہ السلام مردوں کو محشر کی طرف جمع کرنے کے لیے پھونک رہی ہے۔

(النبیہ ج ۳ ص ۵۵ مطبوعہ دارالکتب البیروت ۱۴۱۸ھ شرح المصنف ج ۱ ص ۱۳۸)

ملاحظہ فرمائیے کہ یہ تفسیر دوسری بار صور پھونکنے کے اعتبار سے ہے کیونکہ پہلی بار صور پھونکنے سے تمام لوگ مر

جائیں گے۔ (مرقات الطالع ج ۱ ص ۲۳۱ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان ۱۳۹۰ھ)

صور اور صور پھونکنے کے متعلق احادیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں زندگی سے کیسے لطف حاصل کروں جب کہ صور والے فرشتے نے صور کو منہ میں رکھا ہوا ہے اور اس نے اپنے کان لگائے ہوئے ہیں اور اپنی پیشانی پر میٹھی کی ہوئی ہے اور وہ مختصر ہے کہ اس کو کب صور پھونکنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۱ مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۵۵۳ مسند احمد ج ۳ ص ۷۷ مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۶۸۳ صحیح ابن حبان رقم

الحدیث: ۸۲۳ المسند رک ج ۳ ص ۵۵۹)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صور ایک سنگ ہے جس میں پھونک رہی جائے گی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۰ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۷۷۳۳ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۹۷۹۸)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صور والے فرشتے کا ذکر کیا گیا آپ نے فرمایا اس کے دائیں طرف جبریل ہے اور اس کے بائیں طرف میکائیل ہے۔ (مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۵۵۳۰)

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے ایام میں سب سے افضل یوم جمعہ ہے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اسی دن ان کی روح قبض کی گئی اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن سب مرجائیں گے۔ (سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۰۳۷ سنن ابی یوسف رقم الحدیث: ۶۸۵ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۵۷۳ المسند رک ج ۳ ص ۷۷۸)

کتنی بار صور پھونکا جائے گا

اس میں اختلاف ہے کہ صور کتنی مرتبہ پھونکا جائے گا چار مرتبہ تین مرتبہ یا دو مرتبہ زیادہ تر محققین علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ صور میں صرف دو مرتبہ پھونکا جائے گا پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو سب مرجائیں گے اور دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہو جائیں گے اور حسب ذیل احادیث میں اس پر دلیل ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو بار صور پھونکنے کے درمیان چالیس کا وقفہ ہوگا لوگوں نے کہا اے ابو ہریرہ چالیس دن؟ انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا لوگوں نے کہا چالیس ماہ؟ انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا لوگوں نے کہا چالیس سال؟ انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا جس سے لوگ اس طرح آگئیں جس طرح سبزہ آگیا ہے حضرت ابو ہریرہ نے کہا ایک ہڈی کے سوا انسان کے جسم کی ہر چیز مٹ جائے گی اور وہ ذم کی ہڈی کا سراپہ اور قیامت کے دن اسی سے انسان کو دوبارہ بنایا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۵۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۰ سنن ابی یوسف رقم الحدیث: ۱۱۳۵۹)

امام ابن ابی داؤد نے کتاب البعث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ
صور میں پھونکا جانے کا اور صور سیکھنے کی شکل پر ہے تو جو لوگ بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں وہ سب مرجائیں گے اور صور
پھونکنے کے درمیان چالیس سال ہیں پھر ان چالیس سال میں اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا تو لوگ زمین سے اس طرح
اُٹھیں گے جس طرح سبزہ آگیا ہے۔ اللہ عزوجل (کتاب البعث لابن ابی داؤد رقم الحدیث ۴۳۰۰ البیہودہ دار الفکر ص ۸۷)

شیخ ابن حزم نے کہا صور چار مرتبہ پھونکا جائے گا حافظ ابن حجر عسقلانی اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
ابن حزم نے یہ زعم کیا کہ چار مرتبہ صور پھونکا جائے گا پہلی مرتبہ لوگوں کو مارنے کے لیے صور پھونکا جائے گا اور اس صور
کی آواز سن کر زمین پر ہر زندہ شخص مرجائے گا دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو ہر مردہ زندہ ہو جائے گا لوگ اپنی قبروں سے نکل
آئیں گے اور حساب کے لیے جمع ہوں گے اور تیسری بار صور پھونکا جائے گا تو لوگ اس کو سن کر بے ہوش ہو جائیں گے نمری
کے نہیں اور چوتھی بار صور پھونکا جائے گا تو لوگ اس بے ہوشی سے ہوش میں آ جائیں گے۔

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ ابن حزم نے جو چار مرتبہ صور پھونکنے کا ذکر کیا ہے۔ یہ واضح نہیں ہے بلکہ صور صرف دو
مرتبہ پھونکا جائے گا اور ان دونوں کے درمیان سننے والوں کے اعتبار سے تقابیر ہے پہلی بار جب صور پھونکا جائے گا تو اس سے
ہر زندہ شخص مرجائے گا اور جن کو اللہ تعالیٰ نے موت سے مستثنیٰ کر لیا ہے وہ صرف بے ہوش ہو جائیں گے اور جب دوسری بار
صور پھونکا جائے گا تو جو مر گئے تھے وہ زندہ ہو جائیں گے اور جو بے ہوش ہوئے تھے وہ ہوش میں آ جائیں گے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۹۹-۱۰۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۰ھ)

خاتم الخطوط حافظ جلال الدین سیوطی نے بھی ابن حزم کا قول رد کر کے یہ لکھا ہے کہ صرف دو بار صور پھونکا جائے گا۔

(البیہودہ دار الفکر ص ۹۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۰ھ)

تین بار صور پھونکنے کے دلائل اور ان کے جوابات

حافظ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی التوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت اسرافیل علیہ السلام اپنے رب کے حکم سے تین مرتبہ صور پھونکیں گے پہلی بار صور پھونکیں گے تو لوگ گھبرا جائیں
گے اس کو نفعۃ الفزع کہتے ہیں اور دوسری بار صور پھونکیں گے تو لوگ مرجائیں گے اس کو نفعۃ الصعق کہتے ہیں اور تیسری
بار صور پھونکیں گے تو مرے ہوئے لوگ زندہ ہو جائیں گے اس کو نفعۃ البعث کہتے ہیں۔

(عاریۃ الاخوان ج ۹ ص ۱۹۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

نجات (صور پھونکنے) کے تعداد میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ یہ تین نجات ہیں۔ ان میں سے ایک نفعۃ
الفزع ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي السَّمُورِ فَتَأْتِي السَّمَاءُ بِدُحَانٍ مُّبِينٍ
وَعَنِّي الْأَرْضُ وَإِلَّا مَن شَاءَ اللَّهُ وَكُنْ أَتُوقُوا دُخَانًا

(نمل: ۸۷)

اور دوسری نفعۃ الصعق ہے جس کو سن کر سب مرجائیں گے اور تیسری نفعۃ البعث ہے جس کو سن کر سب مرے ہوئے
زندہ ہو جائیں گے ان دونوں کا ذکر اس آیت میں ہے:

اور صور پھونک دیا جائے گا تو تمام آسمانوں اور زمینوں
والے اس جاگمگاہ کے مگر جن کو اللہ چاہے پھر وہ بارہ صور پھونکا جائے
گا تو وہ ایک دم کمزور ہو کر دیس دیس بن جائیں گے۔

وَلَقَدْ فِي الْعَذَابِ قَصَصٌ مَّن فِي السَّالِفِينَ وَمَنْ
فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن شَاءَ اللَّهُ ط لَقَدْ لَعَنَّاهُ فَفَزِعْنَاهُ
فَلَمَّا فَزَعْنَاهُ ظَلَمَ لَهُ عَذَابُهُ الْأَوَّلَ (الزمر: ٢٨)

اور ایک قول یہ ہے کہ صرف دو بار صور پھونکا جائے گا اور نفخۃ الفزع اور نفخۃ الصلح دونوں ایک ہیں اس لیے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی وقفہ نہیں ہوگا یعنی پہلے لوگ صور کی آواز سن کر گھبرا جائیں گے پھر فوراً حاضر جائیں گے اور حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہم کی احادیث سے بھی ثابت ہے کہ صور دو بار پھونکا جائے گا نہ کہ تین بار اور یہی قول صحیح ہے۔ (۵۲) (کچھ ج ۳ ص ۸۷-۸۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

نیز علامہ ابو عبد اللہ قرطبی تین ہارصور پھونکنے کی حدیث لکھ کر اس پر تبصرہ کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ آسمانوں کو بٹانے سے فارغ ہو گیا تو اس نے صور کو پھاڑا کیا اور یہ صور حضرت اسرافیل کو دے دیا انہوں نے اس صور کو اپنے منہ میں رکھا ہوا ہے اور وہ اپنی آنکھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں اور اس کے شخڑ ہیں کہ ان کو کب صور پھونکنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! تصور کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک سیٹک (کی شکل) ہے اور اللہ کی قسم! وہ بہت بڑا ہے اس کی گولائی آسمان اور زمین کی چوڑائی جتنی ہے وہ اس میں تین مرتبہ پھونک داریں گے پہلی مرتبہ (نفسۃ الغرغ) پھونک داریں گے تو لوگ گھبرا جائیں گے اور دوسری مرتبہ (نفسۃ الصلح) پھونک داریں گے تو لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور تیسری مرتبہ (نفسۃ البعث) پھونک داریں گے تو سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ اللہ بیٹ

(جامع الجہان رقم الحدیث ۶۰۶۳۸ تصحیح امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۶۶۳۷)

اس حدیث کا اعلیٰ بن معبد طبری اور شیبی وغیرہم نے ذکر کیا ہے اور میں نے اس کا کتاب ۱۵، ص ۳۰۷
دارالخلافہ سے اس دور) میں ذکر کیا ہے اور وہاں میں نے اس حدیث پر کلام کیا ہے (وہ کلام یہ ہے کہ امام ابو جعفر عداوتی نے
کتاب العاقبہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے اور صحیح نہیں ہے طبری نے اس کا سورۃ یسین کی تفسیر میں ذکر کیا ہے) اور صحیح یہ
ہے کہ صورتِ دو بار چھوٹکا جانے کا تین بار نہیں چھوٹکا جائے گا اور یہ کہ نفعۃ الفروع، نفعۃ الصغریٰ طرف راجع ہے نہ کہ
یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کو لازم ہیں یعنی صورتِ چھوٹنے کے بعد پہلے لوگ ٹھہرائیں گے پھر مر جائیں گے یا سلسلۃ
الفروع، نفعۃ البعث کی طرف راجع ہے یعنی دوسری بار صورتِ چھوٹنے کے بعد لوگ زندہ کیے جائیں گے اور علیہ اگر انہیں
کہے:

اور صور پھونکا دیا جائے گا تو اسی وقت دو قہروں سے اپنے
 رب کی طرف بھاگنے لگیں گے ۱۰۰ کہیں گے ہاے ہاے ہاے ہاے
 ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا یہی ۱۰۰ چلے بس
 دشمن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے کی کہا تھا ۱۰۰ (صوفی آواز)
 صرف ایک چلے کہ یہ ایک ۱۰۰ سارے ۱۰۰ سارے سامنے حاضر
 کئے جائیں گے ۵

وَلَوْلَا فِي السَّمَاءِ فَلَاذِ السَّعَافِ مِنْ أَرْجَائِكُمْ ۚ إِلَىٰ
 رَبِّكُمْ يَتَوَلَّوْنَ ۚ كَذَلِكَ لِيُذَكِّرَ الَّذِينَ فِي سَعَائِكُمْ أَنَّهُمْ
 إِلَىٰ رَبِّكُمْ فَاكِهُونَ ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ إِلَّا مُعْتَدِلِينَ
 ۚ كَذَلِكَ لِيُذَكِّرَ الَّذِينَ فِي سَعَائِكُمْ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّكُمْ
 فَاكِهُونَ ۚ (النجم ٥٣-٥١)

عمر امام قسری نے کی ہے اور اس فروع (گمراہی) کے حلقہٴ وقول میں انہیں اللہ کی طرف بلایا جائے گا اور نصیب

کہ بہت جلد حاضر ہوں گے اور دوسرا قول یہ ہے کہ جب ان کو قبر سے اٹھایا جائے گا تو وہ بہت گھبرائے ہوئے ہوں گے۔
دو بار تصور پھونکنے کے دلائل

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو کی صحیح حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ صور صرف دو بار پھونکا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث یہ ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو بار صور پھونکنے کے درمیان چالیس (سال) کا وقفہ ہوگا۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۶۸۱۳ تا ۶۸۱۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۵ اسنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۱۸۵۴)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے قرب قیامت کے احوال بیان کرتے ہوئے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ پھر دنیا میں برے لوگ باقی رہ جائیں گے جو چڑیوں کی طرح جلد باز بے عقل اور درندہ صفت ہوں گے۔ دو کسی نیک بات کو اچھا سمجھیں گے اور نہ بری بات کو برا ان کے پاس شیطان کسی بھیس میں آئے گا اور کہے گا کیا تم میری بات نہیں مانتے؟ وہ کہیں گے تم کیا حکم دیتے ہو وہ ان کو بتوں کی پریشانی کا حکم دے گا وہ اسی (بت پرستی) میں مصروف کار ہوں گے ان کا رزق اچھا ہوگا اور ان کی زندگی عیش و عشرت سے ہوگی پھر صور پھونک دیا جائے گا جو شخص بھی اس کو سنے گا وہ ایک طرف گردن جھکا کر اس کی طرف کان لگائے گا اور دوسری طرف سے گردن اٹھائے گا جو شخص سب سے پہلے اس کی آواز کو سنے گا وہ اپنے انڈوں کا حوض درست کر رہا ہوگا وہ مر جائے گا اور دوسرے لوگ بھی مر جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ جنم کی طرح بارش نازل فرمائے گا جس سے لوگوں کے جسم اٹھنے لگیں گے پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا پھر لوگ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے پھر کہا جائے گا اے لوگو! اپنے رب کے پاس آؤ۔ اللہ عیث

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۰ اسنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۱۸۵۴ مسند ابی حنیفہ ج ۳ ص ۱۶۶ المسند رک ج ۳ ص ۵۵-۵۴)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے:

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي السُّمُومِ فَكُنَّ عَنِّي السَّمُومُ
وَكُنِّي فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن شَاءَ اللَّهُ (آئل: ۸۷)

اور دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي السُّمُومِ فَتَصِيقُ مَن فِي السَّمُومِ وَكُنِّي
فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن شَاءَ اللَّهُ (الزمر: ۶۸)

اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے گھبرا جائیں گے ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح نفسخہ الفزع سے بعض افراد کا استثنا کیا ہے اسی طرح نفسخہ الصحق سے بھی بعض افراد کا استثنا کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں آجھوں سے ایک ہی صور پھونکنا مراد ہے اور اس صورت کی آوازیں کروں گھبرا کر مر جائیں گے اور پھر بعد میں جو صور پھونکا جائے گا اس کی آوازیں کروں گھبرا جائیں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صرف دو بار صور پھونکا جائے گا اور ان السہارک نے حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں پھونکوں کے درمیان چالیس سال ہیں صورت کی پہلی پھونک سے اللہ تعالیٰ ہر زندہ کو مار دے گا اور دوسری پھونک سے اللہ تعالیٰ ہر مردہ کو زندہ کر دے گا۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۶۸۱۳)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

امام حاکم نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (امام ذہبی نے بھی امام حاکم کی موافقت کی ہے)

(امام ربیع ج ۲ ص ۲۵۲ قدیم المصحف رک رقم الحدیث: ۳۰۰۰۰ معالم المتروی ج ۳ ص ۱۸۰ قدیم الحدیث: ۱۶۷۷۰ حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو منہ ابو یعلیٰ کے حوالے سے ذکر کیا ہے فقیر ابن کثیر ج ۳ ص ۷۰ کنز العمال ج ۳ ص ۳۰۰-۳۹۹ قدیم الحدیث: ۱۸۱۱۱) ہر چند کہ حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو منہ ابو یعلیٰ کے حوالے سے ذکر کیا ہے لیکن منہ ابو یعلیٰ میں یہ حدیث نہیں ہے۔

علامہ نجم الدین قسطلانی ص ۲۷۷ حدیث ۷۷۷۷ لکھتے ہیں اس استثناء میں پانچ قول ہیں:

(۱) جب نسخۃ الصصحہ پہنکا جائے گا تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے مر جائیں گے مگر حضرت جبرائیلؑ حضرت میکائیلؑ حضرت اسرافیلؑ اور حضرت عزرائیلؑ کے پھر اللہ تعالیٰ حضرت میکائیلؑ اور حضرت اسرافیلؑ کو بھی ہلاک کر دے گا اور حضرت جبرائیلؑ اور حضرت عزرائیلؑ باقی رہ جائیں گے پھر حضرت جبرائیلؑ کو بھی ہلاک کر دے گا۔

(۲) اس سے مراد شہداء ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

بَلْ أَحْيَاۤءٌ وَتَحْتَ ثَمَرِهِمْ يَوْمَ رَزَقُوۡنَہُمْ O

بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ (آل عمران: ۱۶۹)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شہداء ہیں جو عرش کے نیچے کھڑے ہوئے ہیں۔

(کتاب البعث والبعث للبخاری رقم الحدیث: ۶۶۶۷۰ المبدور والمافرود ص ۶ جامع البیان رقم الحدیث: ۶۶۶۷۰ الدر المنثور ج ۲ ص ۳۳۳ والدر المنثور احوال اہل بیت)

(۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس صفحہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مستقی ہیں کیونکہ ان کو (خور پر) بے ہوش کیا گیا تھا اس لیے ان کو وہ بارہ بے ہوش نہیں کیا جائے گا۔

(۴) اس سے مراد بڑی آنکھوں والی خوری اور عرش اور کرسی کے ساکنین ہیں۔

(۵) قتادہ نے کہا اللہ ہی کو علم ہے کہ اس سے کون مستقی ہیں قرآن اور حدیث میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس سے مراد کون ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۷۷ مسطورہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ المصحف رک البعث والبعث اور معالم المتروی وغیرہ کے حوالوں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ اس سے مراد شہداء ہیں اور ایک اور حدیث یہ ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لفتح فی الصور فصعق من فی السموت ومن فی الارض الامن شاء اللہ کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں کا استثناء فرمایا ہے جبریلؑ میکائیلؑ اسرافیلؑ اور ملک الموت۔ اللہ ہی (کتاب البعث والبعث للبخاری رقم الحدیث: ۶۶۶۷۰ مسطورہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی ص ۲۶۸ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں کون کون کا استثناء کیا گیا ہے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے اس سے مراد شہداء ہیں جن کو اپنے رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے وہ وہ بارہ زندہ کیے جانے تک بے ہوش رہیں گے اور یہ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ شہداء ہیں جو عرش کے نیچے کھڑے ہوئے ہیں۔ امام تفسیری نے کہا ان میں انبیاء علیہم السلام بھی داخل ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں کون کون کا استثناء کیا گیا ہے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے اس سے مراد شہداء ہیں جن کو اپنے رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے وہ وہ بارہ زندہ کیے جانے تک بے ہوش رہیں گے اور یہ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ شہداء ہیں جو عرش کے نیچے کھڑے ہوئے ہیں۔ امام تفسیری نے کہا ان میں انبیاء علیہم السلام بھی داخل ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں کون کون کا استثناء کیا گیا ہے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے اس سے مراد شہداء ہیں جن کو اپنے رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے وہ وہ بارہ زندہ کیے جانے تک بے ہوش رہیں گے اور یہ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ شہداء ہیں جو عرش کے نیچے کھڑے ہوئے ہیں۔ امام تفسیری نے کہا ان میں انبیاء علیہم السلام بھی داخل ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں کون کون کا استثناء کیا گیا ہے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے اس سے مراد شہداء ہیں جن کو اپنے رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے وہ وہ بارہ زندہ کیے جانے تک بے ہوش رہیں گے اور یہ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ شہداء ہیں جو عرش کے نیچے کھڑے ہوئے ہیں۔ امام تفسیری نے کہا ان میں انبیاء علیہم السلام بھی داخل ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں کون کون کا استثناء کیا گیا ہے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے اس سے مراد شہداء ہیں جن کو اپنے رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے وہ وہ بارہ زندہ کیے جانے تک بے ہوش رہیں گے اور یہ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ شہداء ہیں جو عرش کے نیچے کھڑے ہوئے ہیں۔ امام تفسیری نے کہا ان میں انبیاء علیہم السلام بھی داخل ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں کون کون کا استثناء کیا گیا ہے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے اس سے مراد شہداء ہیں جن کو اپنے رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے وہ وہ بارہ زندہ کیے جانے تک بے ہوش رہیں گے اور یہ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ شہداء ہیں جو عرش کے نیچے کھڑے ہوئے ہیں۔ امام تفسیری نے کہا ان میں انبیاء علیہم السلام بھی داخل ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں کون کون کا استثناء کیا گیا ہے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے اس سے مراد شہداء ہیں جن کو اپنے رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے وہ وہ بارہ زندہ کیے جانے تک بے ہوش رہیں گے اور یہ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ شہداء ہیں جو عرش کے نیچے کھڑے ہوئے ہیں۔ امام تفسیری نے کہا ان میں انبیاء علیہم السلام بھی داخل ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں کون کون کا استثناء کیا گیا ہے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے اس سے مراد شہداء ہیں جن کو اپنے رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے وہ وہ بارہ زندہ کیے جانے تک بے ہوش رہیں گے اور یہ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ شہداء ہیں جو عرش کے نیچے کھڑے ہوئے ہیں۔ امام تفسیری نے کہا ان میں انبیاء علیہم السلام بھی داخل ہیں۔

ہیں کیونکہ ان کے پاس نبوت بھی ہے اور شہادت بھی۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں۔ مقاتل نے کہا اس سے مراد جبریل میکائیل اسرافیل اور ملک الموت ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تمام مومنین ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے بعد فرمایا ہے:

وَمَنْ جَاءَكَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مَثَلٍ تَطَوَّلَتْ وَفَتْحَتْ وَهِيَ قُرْآنٌ
اور جو شخص نیک لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس (نیک) سے اچھی ۱۰ جہاں ہے اور وہ لوگ اس دن کی گھبراہٹ سے، سون ہوں گے۔

اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس استثناء کی تعیین میں کوئی حدیث صحیح وارد نہیں ہے اور ان اقوال میں سے ہر قول کی گنجائش ہے۔ (المباح لا حکام القرآن ص ۱۳۳-۱۳۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)
کیا حضرت موسیٰ کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہوش میں آتا ان کی افضلیت کو مستلزم ہے؟

ان اقوال میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اس آیت کے استثناء سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ وہ اس سے پہلے پہاڑ طور پر بے ہوش ہو گئے تھے قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا أَتَيْنَاهُ إِذِ الْمَسَاءُ سَاجِدٌ فَجَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى
سو جب ان کے رب نے پہاڑ پر قیام فرمایا تو اس کو ریزہ و ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر گئے۔
(الاعراف: ۱۵۳)

اس استثناء کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے ایک دوسرے سے جھگڑا کیا ایک مسلمان تھا اور دوسرا یہودی تھا مسلمان نے کہا اس ذات کی قسم جس نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمام جہانوں پر فضیلت دی یہودی نے کہا اس ذات کی قسم! جس نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کو تمام جہانوں پر فضیلت دی مسلمان نے اپنا ہاتھ اٹھا کر یہودی کے چہرے پر ایک تھپڑ مارا اس نے جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ اس کے اور اس مسلمان کے درمیان کیا معاملہ ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسلمان کو بلا کر اس سے واقعہ معلوم کیا اس نے آپ کو بتایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حضرت موسیٰ پر فضیلت مت دو کیونکہ قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہوں گے تو میں بھی ان کے ساتھ بے ہوش ہوں گا۔ پس میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کی ایک جانب کو پکڑے کھڑے ہوں گے۔ پس میں (ازخود) نہیں جانتا کہ وہ بھی لوگوں کے ساتھ بے ہوش ہو گئے تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا وہ ان میں سے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے استثناء فرمایا۔ حضرت ابوسعید خدری کی روایت میں ہے پس میں (ازخود) نہیں جانتا کہ وہ ان میں سے تھے جو بے ہوش ہو گئے تھے یا ان کا حساب پہلی بے ہوشی میں کر لیا گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۱۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۵۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۷۲ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۱۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۱۱)
علاء ابو محمد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

علاء عینی نے کہا کہ حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو تو پہلے ہی موت آ چکی ہے لہذا ان کو لطف الصعق کے استثناء میں داخل کرنا صحیح ہے اسی طرح صالحین عرش، حضرت جبریل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور ملک الموت اور جنت

کی حوروں کو استثناء میں داخل کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ مستثنیٰ میں آسمانوں اور زمینوں والے ہیں اور یہ فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں یا عرش کے گرد صف باندھے کھڑے ہیں اور عرش اور جنت سات آسمانوں کے اوپر ہیں پھر فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ کو نسفۃ البعث کے بعد دیکھا اور قرآن مجید میں جو استثناء ہے وہ نسفۃ الصق سے ہے اس اشکال کے جواب میں ہمارے شیخ ابو العباس احمد بن عمر مالکی قرطبی حنفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تو پہلے ہی موت آ چکی تھی اس لیے ان کو نسفۃ الصق کے استثناء میں داخل کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ موت عدم محض نہیں ہے بلکہ موت ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شہداء اپنے قتل ہونے اور مرنے کے بعد بھی زندہ ہیں اور ان کو اپنے رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے اور وہ شادیاں اور فرحیں ہیں اور جب شہداء زندہ ہیں تو انبیاء علیہم السلام حیات کے زیادہ حق دار اور اونی ہیں اور جب کہ حدیث صحیح میں ہے کہ زمین انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو نہیں کھاتی اور شب معراج ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھائی اور آسمانوں میں بھی ان سے اور خصوصاً حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی نیز سنن ابوداؤد میں ہے کہ جب کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا ہے تو اس کو جواب دینے کے لیے آپ میں روح موجود ہوتی ہے اس طرح کے اور بہت دلائل ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت کا معنی یہ ہے کہ وہ ہماری نظروں سے غائب ہیں کہ ہم ان کا اور اک نہیں کر سکتے اگرچہ وہ موجود اور زندہ ہیں جیسا کہ فرشتے موجود ہیں لیکن ہم میں سے کوئی شخص عادتاً ان کو نہیں دیکھ سکتا اور جب ثابت ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں تو جب نسفۃ الصق تصور میں پھونکا گیا تو تمام آسمانوں والوں اور زمینوں والوں پر صق طاری ہو گیا ماسوا ان کے جن کو اللہ نے چاہا لیکن غیر انبیاء علیہم السلام پر صق طاری ہونے کا معنی یہ تھا کہ وہ مر گئے اور انبیاء علیہم السلام پر صق طاری ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ بے ہوش ہو گئے اور جب دوسری بار نسفۃ البعث کا تصور پھونکا گیا تو جو مر گئے تھے وہ زندہ ہو گئے اور جو بے ہوش ہو گئے تھے وہ ہوش میں آ گئے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا سو تمام نبیوں سے پہلے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوش میں آئیں گے۔ سوائے حضرت موسیٰ کے ان کے متعلق تردید ہے کیونکہ آپ نے ہوش میں آنے کے بعد ان کو عرش کی ایک جانب دیکھا اور فرمایا آ یا وہ آپ سے پہلے ہوش میں آ گئے تھے یا وہ بے ہوش ہی نہیں ہوئے اور طور کی بے ہوشی میں ان کو محسوس کر لیا گیا۔ اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں عظیم فضیلت ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوں کیونکہ اول تو حضرت موسیٰ کا ہمارے نبی سے پہلے ہوش میں آنا امر مشکوک ہے ثانیاً بر تقدیر تسلیم یہ فضیلت جزی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت کلی حاصل ہے۔ (المجموع ج ۱ ص ۳۳۳-۳۳۴ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اپنے شیخ ابو العباس قرطبی کی عبارت نقل کرنے کے بعد علامہ ابو عبد اللہ قرطبی لکھتے ہیں: طبری، علی بن معبد اور ثعلبی وغیرہم نے یہ احادیث وارد کی ہیں کہ اللہ تعالیٰ عالمین عرش، حضرت جبریل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور ملک الموت پر بھی موت طاری کر دے گا اور ان کو پھر زندہ کر دے گا اہل جنت اور جنت پر موت طاری نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو غلوط کے لیے بنایا ہے اگرچہ وہ بھی موت اور ہلاکت کی صلاحیت کی حامل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاکت کی صلاحیت رکھتی ہے **فَمَنْ شَاءَ فَلْيُكَلِّمْهُ** (القصص ۸۸) (کہہ کر ج ۱ ص ۲۶۶-۲۶۷ مطبوعہ دار بخاری مدینہ منورہ ۱۴۱۵ھ)

سراب دھوپ میں چمکتی ہوئی ریت کو کہتے ہیں جو ذرہ سے پانی کی طرح مسطوم ہوتی ہے اور حقیقت میں وہ بھی بیکار ہوتا قیامت کے دن پہاڑ بھی ذرہ سے نظر آنے والی چیز کی طرح غریب نظر ہوں گے حقیقت میں پہاڑوں کا وجود بالکل فتم ہو چکا ہوگا۔

قیامت کے دن پہاڑوں کی تیسری حالت اس طرح بیان فرمائی ہے:

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْهَيْهَلِ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ (العارج ۹-۸)

جس دن آسمان تھل کے ٹھٹھ کی طرح ہو جائے گا اور پہاڑ روٹی کے گالوں کی طرح ہو جائیں گے۔

پہاڑوں کی مختلف حالتوں میں اس طرح تخلیق دی گئی ہے کہ پہلے پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا جس طرح اس آیت میں فرمایا ہے: اور یہ چوٹی حالت ہے:

وَجُعِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَكَاكِدَةً وَاجِدَةً (القدر ۱۳)

اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھایا جائے گا اور ایک ہی ضرب سے ان کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔

اور ریزہ ریزہ ہو کر وہ پہاڑ دھکی ہوئی روٹی کی طرح ہو جائیں گے۔

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْعُوشِ (القدر ۵)

اور پہاڑ دھکی ہوئی روٹی کی طرح ہو جائیں گے۔

پانچویں حالت یہ ہے کہ ان کو گرد و خبار کی طرح اُڑا دیا جائے گا۔

وَنُفِثَ الْجِبَالُ نُفْثًا فَكَانَتْ هَبَاةً مُبْتَثًّا (الواقف ۵-۶)

اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے اور وہ بکھرے ہوئے خبار کی طرح ہو جائیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ اس بکھرے ہوئے خبار کو اُڑا دے گا۔

وَيَبْقَوْنَ كَذِبًا لَّيَالٍ فَتُفَنِّئُ يَسْفِطُهَا تَوْبَتِي نَسْفًا (نفا ۱۰۵)

اور وہ آپ سے پہاڑوں کے معلق سوال کرتے ہیں آپ کہیے کہ ان کو میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دے گا۔

اور آخر میں وہ معدوم ہو کر غریب نظر ہو جائیں گے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ كَأَسْبَ سَبِيحٍ يَتْلَى هَوَا

اس کے بعد فرمایا: اور جو شخص یحییٰ لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس (تکلی) سے اچھی جزا ہے۔ (اہل ۸۹)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس تکلی سے مراد لا الہ الا اللہ ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ ۱۶۶۳۳)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ کیا لا الہ الا اللہ تکلیوں میں سے ہے آپ نے فرمایا یہ سب سے اچھی تکلیوں میں سے ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ ۱۶۶۳۳)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر بے کام کے بعد نیک کام کر دو اور اس بے کام کو مٹا دے گا اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کا سلوک کرو۔

(سنن احمد رقم اللہ ۱۶۸۱۰ مسند ابی داؤد ۶۵۳۱ سنن الدارمی رقم اللہ ۶۷۳۷ مسند ابی حاتم رقم اللہ ۱۶۶۳۳)

قائد نے کہا اس سے مراد ہے جس نے اخلاص کے ساتھ کلہ تو حید پڑھا ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تمام فرائض کو پورا کرنا ہے۔

درج سے گاہود جنت میں کھانے پینے کی چیزیں ہوں گی تو اللہ کی معرفت سے کھانے پینے کی چیزیں کیسے بہتر ہو سکتی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں بندہ نے جو اللہ کی معرفت حاصل کی اس کے صلہ میں اسے جنت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار حاصل ہوگا اور بلاشبہ یہ سب سے بڑی نعمت ہے نیز بندہ نے جو نیک کام کیے وہ بندہ کا فضل ہے اور اس کا آخرت میں جو اجر ملے گا وہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ کا فضل بندہ کے فضل سے بڑھ کر ہے اور بندہ نے جو نیک عمل کیا وہ قاتی ہے اور اس کے عوض میں اس کو جنت ملے گی جو غیر قاتی ہے نیز جنت کے متعلق حدیث میں ہے:

حضرت پہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں صبح کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور جنت میں ایک چاکہ بخشی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

(سنن ابی حنیفہ رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۶۳) صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۸۳۳ صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۸۸۱ سنن نسائی رقم الحدیث ۳۱۱۸ سنن ابی یوسف رحمہ اللہ ج ۱ ص ۲۳۳ سنن کبریٰ للشیخ عقیلی رقم الحدیث ۱۵۹)

قیامت کے دن عام مسلمان کیسے بے خوف ہوں گے جب کہ انبیاء علیہم السلام بھی خوف زدہ ہوں گے

اس کے بعد فرمایا اور وہ لوگ اس دن کی گھبراہٹ سے مامون ہوں گے۔ اس دن سے مراد ہے قیامت کا دن۔
اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قیامت کے دن تو انبیاء علیہم السلام بھی خوف زدہ ہوں گے جب لوگ ان کے پاس جائیں گے تو وہ کہیں گے کسی اور کے پاس جاؤ! میں اپنے متعلق فکر مند ہوں! جب قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام اس قدر پریشان ہوں گے تو عام مسلمان اس دن کیسے بے خوف ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنے اوپر معاذ اللہ عذاب کا خوف نہیں ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کی جلال ذات اور اس کی بے نیازی سے خوف زدہ ہوں گے اور جس کا جتنا بڑا مرتبہ ہوتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کا اتنا زیادہ خوف ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور مجھے تم سب سے زیادہ اللہ کا علم ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰ سنن ابی اسحاق رقم الحدیث: ۳۴۱۲)

اس آیت میں مسلمانوں کے لیے یہ بشارت ہے کہ قیامت کے دن وہ دائمی عذاب سے مامون ہوں گے رہا یہ کہ قیامت کے دن کی شدت اور اس کی ہولناکیوں کے مشاہدہ سے انسان کے دل پر جو ہیبت اور وحشت طاری ہوگی تو اس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہوگا۔ ہم مسلمانوں پر زیادہ ہیبت اور وحشت طاری ہوگی اور خواص پر کم ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی بازائیس اور گرفت کے خوف سے کوئی شخص بے فکر نہیں ہوگا۔

أَفَأَمِنُوا لَمَكْرَ اللَّهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ
الْخَاسِرُونَ ﴿٩٩﴾ (اعراف ۹۹)

کیا یہ لوگ اللہ کی گرفت سے بے فکر ہو گئے ہیں سو اللہ کی
گرفت سے صرف نقصان اٹھانے والے بے فکر ہوتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا اور جو لوگ برائی نے کر آئیں گے تو ان کے منہ کے بل دوزخ میں گرا دیا جائے گا۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اٹھل ۸۹۰ میں اٹھل (نیک) سے مراد ۱۱۱۱ھ ہے اور اٹھل ۹۰۰ میں
اسیہ سے مراد شرک ہے۔ حضرت ابن عباسؓ عطاۃ اللہ اور حسن بصریؒ وغیرہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مجھے صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے رب کی عبادت کروں جس نے اس کو حرم بنا دیا ہے اور اسی کی ملکیت میں ہر چیز ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں اور یہ کہ میں قرآن کی

علاوت کروں، سو جس نے ہدایت قبول کی تو اس نے اپنے ہی فائدہ کے لیے ہدایت قبول کی اور جو گمراہی پر ڈنڈا رہا تو آپ کہہ دیں کہ میں تو صرف عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ہوں اور آپ کہیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، عنقریب جنہیں وہ اپنی نشانیاں دکھائے گا تو تم ان کو پہچان لو گے اور آپ کا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔ (آئل-۹۳-۹۱)

شہرہ کے کی اہمیت اور خصوصیت

اس سے پہلے آجوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور اپنی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر دلائل بیان فرمائے، پھر اس کے بعد ان امور کو بیان فرمایا جو قیامت سے پہلے وقوع پذیر ہوں گے اور قیامت کی علامات اور اس کے وقوع کو بیان فرمایا، پھر آخرت کے احوال اور ثواب اور عذاب کو بیان فرمایا، اور اب سورت کے اخیر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کی اہمیت کو بیان فرمایا اور یہ بتایا کہ اسے نبی مکرم آپ کہیے کہ مجھے ان چیزوں کا حکم دیا گیا ہے:

مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں عبادت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص رکھوں اور کسی کو اس کا شریک نہ قرار دوں، میں نے تم کو اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل بیان کر دیئے ہیں، تم ان دلائل کے تقاضوں سے اس کی توحید پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، میں بہر حال اللہ تعالیٰ کی توحید کو ماننے والا اور اس پر اصرار کرنے والا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفت بیان کی کہ وہ اس شہر کا رب ہے اور اس شہر سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور تمام شہروں میں سے اللہ تعالیٰ نے شہرہ کی طرف اپنی ربوبیت کی اضافت اس لیے کی ہے کہ ہونے کو تو میں تمام شہروں کا رب ہوں لیکن جس شہر کے رب ہونے پر مجھے ناز ہے وہ شہرہ کہ ہے اسی شہر کی ایک جگہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا بیت قرار دیا ہے، یہی شہر اس کے محبوب نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد اور مسکن ہے اور یہی شہر مبہوطی اٹھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو حرم بنا دیا ہے اس کو حرم فرمانے کی چند وجوہ ہیں جو شخص حج کرنے کے لیے اس شہر میں آتا ہے اس پر حلیہ احرام میں کلی حلال کام حرام ہو جاتے ہیں وہ پال اور ناخن نہیں کاٹ سکتا، خوشبو نہیں لگا سکتا، ازواجی عمل نہیں کر سکتا اور اس طرح کے اور کئی کام اس پر حرام ہو جاتے ہیں جو شخص اس شہر میں آ کر پناہ لے اس کو ایذا پہنچانا حرام ہے اس شہر کے درخت کاٹنا اور وحشی جانوروں کو پریشان کرنا حرام ہے اس شہر میں قتل کرنا، مال لوٹنا اور کسی کی عزت پامال کرنا خصوصیت کے ساتھ حرام ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفت بیان فرمائی کہ ہر چیز اس کی ملکیت ہے کیونکہ وہ ہر چیز کا خالق ہے اور جو کسی چیز کا خالق ہوتا ہے وہی اس چیز کا مالک ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید کی تلاوت کرنے کا حکم دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام احکام پر عمل کیا اور تمام امت کے لیے اپنے اعمال میں نمونہ فراہم کیا۔

اور فرمایا: آپ کہیے کہ اللہ تعالیٰ کی وہی ہوئی ہدایت پر اور اس کی تمام نعمتوں پر میں اس کی حمد کرتا ہوں اور عنقریب اللہ تعالیٰ تم کو اپنی نشانیاں دکھائے گا تمہارے اپنے نفسوں میں بھی اور اس خارجی کائنات میں بھی تو تم اس کی قدرت اور اس کی وحدانیت کے دلائل کو پہچان لو گے، یقین کرنے والوں کے لیے اس زمین میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور توحید پر نشانیاں ہیں اور خود ان کے اندر بھی ہیں اور آخر میں فرمایا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے اور اسی پر یہ سورت ختم ہوگئی۔

اجر ملے گا وہ جنت میں کھانے پینے کی چیزیں ہوں گی تو اللہ کی معرفت سے کھانے پینے کی چیزیں کیسے بہتر ہو سکتی ہیں؟
جواب یہ ہے کہ دنیا میں بندہ نے جو اللہ کی معرفت حاصل کی اس کے صلہ میں اسے جنت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار حاصل ہوگا اور بلاشبہ یہ سب سے بڑی نعمت ہے نیز بندہ نے جو نیک کام کیے وہ بندہ کا صلہ ہے اور اس کا آخرت میں جو اجر ملے گا وہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ کا فضل بندہ کے فضل سے بڑھ کر ہے اور بندہ نے جو نیک عمل کیا وہ کافی ہے اور اس کے عوض میں اس کو جنت ملے گی جو غیر کافی ہے نیز جنت کے متعلق حدیث میں ہے:

حضرت سہل بن سعد ساعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں صبح کن دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور جنت میں ایک چاک پختی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۶۸، مسند ابی داؤد رقم الحدیث: ۲۸۴۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۸۲، سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۸۸۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳۰، سنن کبریٰ لمصنفی ج ۱ ص ۱۵۸)

قیامت کے دن عام مسلمان کیسے بے خوف ہوں گے جب کہ انبیاء علیہم السلام بھی خوف زدہ ہوں گے

اس کے بعد فرمایا اور وہ نوک اس دن کی گھبراہٹ سے مامون ہوں گے۔ اس دن سے مراد ہے قیامت کا دن۔
اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قیامت کے دن تو انبیاء علیہم السلام بھی خوف زدہ ہوں گے جب لوگ ان کے پاس جائیں گے تو وہ کہیں گے کسی اور کے پاس جاؤ میں اپنے متعلق غر مند ہوں جب قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام اس قدر پریشان ہوں گے تو عام مسلمان اس دن کیسے بے خوف ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنے اوپر معاذ اللہ عذاب کا خوف نہیں ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کی جلال ذات اور اس کی بے نیازی سے خوف زدہ ہوں گے اور جس کا ہمتا بڑا مرتبہ ہوتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کا اتنا زیادہ خوف ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور مجھے تم سب سے زیادہ اللہ کا علم ہے۔ (مسند ابی داؤد رقم الحدیث: ۲۰، سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۸۱۲)

اس آیت میں مسلمانوں کے لیے یہ بشارت ہے کہ قیامت کے دن وہ دائمی عذاب سے مامون ہوں گے رہا یہ کہ قیامت کے دن کی شدت اور اس کی ہولناکیوں کے مشاہدہ سے انسان کے دل پر جو ہیبت اور دہشت طاری ہوگی تو اس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہوگا۔ عام مسلمانوں پر زیادہ ہیبت اور دہشت طاری ہوگی اور خواص پر کم ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی باز نرس اور گرفت کے خوف سے کوئی نفس بے فکر نہیں ہوگا۔

أَفَأَمَّنُوا بِمَلَكِ اللَّهِ الَّذِي يُنَزِّلُ الْقُرْآنَ هُوَ نَزَّلَهُ وَإِلَّا فَتُومِرُ
الْغُيُوبُ ۚ (الاعراف: ۹۶)

اس کے بعد فرمایا: اور جو لوگ برائی لے کر آئیں گے تو ان کو ان کے منہ کے بل دوزخ میں گرادیا جائے گا۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل ۸۹: میں اُحسد (نیکی) سے مراد لا الہ الا اللہ ہے اور اہل ۹۰: میں اُسمیہ سے مراد شرک ہے۔ حضرت ابن عباسؓ مجاہد عطاؓ قتادہؓ اور حسن بصریؓ وغیرہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۳۰۰-۳۰۱، مسند ابی داؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مجھے صرف یہی علم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے رب کی عبادت کروں جس نے اس کو حرم بنا دیا ہے اور اسی کی ملکیت میں ہر چیز ہے اور مجھے علم دیا گیا ہے کہ میں فرشتہ راہروں میں سے رہوں اور یہ کہ میں قرآن کی

سُورَةُ الْقَصَصِ

(٢٨)

سورۃ اہل کا خاتمہ

سورۃ اہل کی تفسیر ۱۳ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ/ ۲۸ فروری ۲۰۰۲ء پر روزِ جمعرات کو شروع کی گئی تھی اور الحمد للہ رب العالمین آج ۵ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ/ ۱۸ مئی ۲۰۰۲ء پر روزِ ہفتہ کو بعد نمازِ فجر یہ تفسیر مکمل ہو گئی۔ اہل کے مہینہ میں میں کافی بیمار رہا اور شروع کر کے درد کا عارضہ رہا اس وجہ سے یہ کام اپنے معمول کی رفتار سے نہیں ہو سکا میں مہینہ ایک ماہ میں نوے سے لے کر سو صفحات تک لکھ لیتا ہوں لیکن اپریل کے ماہ میں صرف ۴۲ صفحات لکھ سکا کر کا درد ککسروں کی زیادتی کی وجہ سے بتا ہے میں نے وہ تمام چیزیں ترک کر دی ہیں جن سے ککسروں کا بڑا ہے حتیٰ کہ سان سے کھانا بھی چھوڑ دیا ہے جنہوں وقت بران بریل کے تین سلاکس بھیجی جائے گے ساتھ لیتا ہوں۔ تاریکین کرام سے دعا کا خواست گار ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان بیماریوں سے نجات عطا فرمائے اور دینی اور جسمانی توانائی عطا فرمائے کہ میں بتیان القرآن کی بقیہ جلدیں مکمل کر لوں اور جب تک زعمہ رہوں صحت برقرار رہے اور دین کا تبلیغی اور اشاعتی کام کرتا رہوں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تفسیر بتیان القرآن کو مکمل کرا دے اس کی تعریف میں مجھے لسیان خطا اور لغزشوں سے محفوظ اور سلامت رکھے اور اس کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین سید المرسلین شفیع المذنبین وعلی آلہ الطہیین الطاہرین واصحابہ الہادین المہدیین وازواجہ الطاہرات امہات المؤمنین وعلی سائر المسلمین اجمعین۔

بسم الله الرحمن الرحيم
نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورة القصص

سورت کا نام: اس سورت کا نام اقص ہے اور یہ نام اس سورت کی اس آیت سے منقسم ہے:

هَٰذَا بَٰرِئٌ مِّنَ الَّذِیْنَ عَلَیْہِ الْقَصَصُ ۚ قَالَ لَا تَخَفْ ۚ
تَجِبُوتُ مِنَ الْقَوْمِ الظَّٰلِمِیْنَ (اقص: ۲۵)

پس جب موسیٰ ان کے پاس پہنچے اور ان کو تمام قصہ سنایا
تو انہوں نے کہا کچھ خوف نہ کریں آپ عالم لوگوں سے نجات
حاصل کر چکے ہیں۔

ہر چند کہ اقص کا لفظ الاعراف: ۶۷ اور یوسف: ۳۱ میں آچکا ہے اور اقص میں بھی قصہ کا لفظ ذکر کیا جا چکا ہے
لیکن جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ وہ قصہ جامع مانع نہیں ہوتی جس چیز کا جو نام رکھا گیا ہے اس چیز میں اس نام کی مناسبت
ہونی چاہیے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جہاں وہ مناسبت پائی جائے تو وہاں وہ نام بھی ہو جیسے غر (انگور کی شراب) کو غر اس لیے
کہتے ہیں کہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے جب کہ کھجور کی شراب اور جو کی شراب اور اسی طرح ہنک بھی عقل کو ڈھانپ لیتی ہے
لیکن ان کو غر نہیں کہتے اسی طرح قارورہ بوجل کو کہتے ہیں کیونکہ اس میں کوئی سیال چیز قرار نہ پڑے ہوتی ہے لیکن ہر اس چیز کو قارورہ
نہیں کہتے جس میں کوئی سیال چیز قرار نہ پڑے ہو ورنہ بیت کو بھی قارورہ کہا جاتا۔

اس سورت کا نام اقص اس لیے بھی رکھا گیا ہے کہ اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عجیب و غریب قصہ بیان
کیا ہے ان کی ولادت سے لے کر ان کے رسول بنانے تک کے قصص اور واقعات نہایت تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں جو
تینتالیس (۳۳) آئیں پر محیط ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں پر کس طرح لطف و کرم فرماتا ہے اور کفار اور
مکرمین کو کس طرح ذلیل اور رسوا کرتا ہے۔ نیز اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ایک شخص قارون کا بھی قصہ
بیان کیا گیا ہے جو مال و دولت کی کثرت کی وجہ سے تکبر اور سرکش ہو گیا تھا اور بالآخر اس کا برا انجام ہوا۔

اقص کی اہمیت سے مناسبت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس سے پہلے کی متصل دو سورتوں میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ اشعراء میں ۶۸-۱۰ تک اور
اہل میں ۱۳-۷۰ تک لیکن جن چیزوں کو ان سورتوں میں اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا تھا اس سورت میں ان کی تفصیل کر دی گئی
ہے اس سورت میں یہ قصہ فرعون کے ظلم اور تکبر سے شروع کیا گیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور اس کا بھائی
فضل اس واقعہ کا سبب بنا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے حضرت موسیٰ کے پیدا ہونے کے بعد ان کو ایک صندوق میں رکھ
کر اس صندوق کو دریا میں ڈال دیا تاکہ وہ ذبح ہونے سے بچ جائیں پھر دریا کی موجوں نے اس صندوق کو فرعون کے محل میں

قائم رہیں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے رہیں اللہ تعالیٰ آپ کی ہر مشکل ہم میں معاونت فرمائے گا۔

سورۃ القصص کی اغراض

☆ اس سورت کو عتسم سے شروع فرما کر اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ یہ حکم بھی ان ہی حروف سے مرکب ہے جن حروف سے تم اپنا کلام مرکب کرتے ہو اگر تمہارے دھننی کے مطابق یہ کسی انسان کا بیٹا ہوا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے تو تم بھی ایسا کلام بنا کر لے آؤ ورنہ اس حقیقت کا اعتراف کر لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس نے اپنے معظم اور مکرم بندہ پر نازل فرمایا ہے۔

☆ سورۃ الاعراف سورۃ طہ اور دیگر سورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے جن واقعات کو اختصار سے بیان فرمایا تھا اس سورت میں ان کی تفصیل کردی ہے اور اس سے مقصود حفظ اور نصیحت ہے اور فرعون اور اس کی قوم پر ان کے تکبر اور بنی اسرائیل پر ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے جو عذاب آیا تھا اس سے عبرت اور سبق مبیا کرنا ہے۔

☆ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ نبوت فرمانا کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے سنت رہی ہے کہ وہ ہر زمانہ میں ہر قوم کی طرف ایک رسول کو بھیجتا رہا ہے تاکہ لوگوں کو گم راہی اور بے راہ روی سے نکال کر ہدایت اور راہِ راست پر لایا جائے اسی سنت کے مطابق قریش کی طرف بھی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

☆ کفار مکہ کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ آپ نے بھی حضرت موسیٰ کی طرح لاٹھی کو اڑھا دینا ہے اور یہ بیضاء کے معجزات کیوں نہیں پیش کیے۔

☆ فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ کے متواضع معجزات دیکھنے کے باوجود ان کی تکذیب کی تو ان کو سمندر میں غرق کر دیا گیا اس سے قریش مکہ کو ڈرایا ہے کہ اگر انہوں نے بھی ہمارے رسول کی تکذیب کی روش کو نہ چھوڑا تو ان پر بھی اسی طرح کے عذاب کا خطرہ ہے۔

☆ بنی اسرائیل قبیلوں کے مقابلہ میں ایک کمزور قوم تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو قوم فرعون کے مقابلہ میں کامیاب اور غالب کر دیا اس میں یہ اشارہ ہے کہ اسی طرح ابتدا میں جن کمزور مسلمانوں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ہے حق تعالیٰ ان کو منادیہ قریش پر کامیابی اور غلبہ عطا فرمائے گا۔

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کئی سورتوں میں سننے کے بعد مسلمان یہ چاہتے تھے کہ ان کے سامنے تفصیل کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کر دیا جائے۔

☆ سورۃ القصص کے اس مختصر تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی اعانت سے سورۃ القصص کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں اسے بارالہ اس تفسیر میں حق اور صدق پر مجھے رہ نما کی عطا فرمانا اور اس کی اتباع میرے لیے مقدر فرما دینا اور تبلیغ اور باطل کے بطلان کو مجھ پر مشکف فرمانا اور اس سے اجتناب اور اس کے رد کرنے کی مجھ کو سعادت عطا فرمانا۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد عاتم
النبيين وقائد المرسلين وشفيع الملتين وعلی آله واصحابہ وازواجه واولیاء امته
وعلماء ملته وامته اجمعین.

غلام رسول سعیدی غفرلہ

خادم المدینہ دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

الربیع الاول ۱۴۲۳ھ / ۲۳ مئی ۲۰۰۲ء

موبائل نمبر: ۳۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰

پہنچا دیا پھر فرعون نے حضرت موسیٰ کی پرورش کی حتیٰ کہ وہ سن شباب تک پہنچ گئے پھر قبلی کو تادیباً گھوسا مارنے کا ارادہ پیش آیا جس کے نتیجہ میں وہ قبلی مر گیا اور حضرت موسیٰ کو یہ خطرہ ہوا کہ اب فرعون کی قوم ان پر نکل کا الزام مائد کر کے ان کو سزا دے گی سو وہ مصر سے مدین کی طرف ہجرت کر گئے اور وہاں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے ان کا نکاح ہو گیا پھر جب وہ مدین سے روانہ ہوئے تو راست میں اللہ تعالیٰ نے ان کو مصعب نبوت پر سرفراز فرما دیا پھر اس کے بعد باقی واقعات پیش آئے۔ ایک اور وجہ سے سورۃ النمل اور سورۃ القصص میں یہ مناسبت ہے کہ سورۃ النمل میں حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوموں کو ہلاک کرنے کا قصہ اختصار کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور سورۃ القصص میں یہ قصہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ نیز سورۃ النمل کے آخر میں ان مشرکین کی مذمت فرمائی ہے جو قیامت کا انکار کرتے تھے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کو نہیں مانتے تھے اور سورۃ القصص میں اس چیز پر زیادہ دلائل بیان فرمائے ہیں اور اس موقف کو زیادہ تفصیل اور زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

سورۃ القصص بھی سورۃ النمل کی طرح ہی ہے تقد اور نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۳۹ ہے یہ سورۃ النمل کے بعد اور سورۃ بنی اسرائیل سے پہلے نازل ہوئی ہے سورۃ اشعرا سورۃ النمل اور سورۃ القصص تینوں کے اختتامی حروف میں ط اور سین ہیں سورۃ اشعرا میں ہے طسم سورۃ النمل میں ہے طس اور سورۃ القصص کے شروع میں طسم ہے۔ یہ تینوں سورتیں نزول میں متوالی اور متعاقب ہیں اور ایک دوسرے کے بعد نازل ہوئی ہیں اور ان تینوں سورتوں کو الطور اسکن کہا جاتا ہے اور یہ تینوں سورتیں اس بات میں مشترک ہیں کہ ان سب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔

سورۃ القصص کے مشمولات

☆ سورۃ اشعرا سورۃ النمل اور سورۃ القصص تینوں اس بات میں مشترک ہیں کہ ان میں عقائد کے اصول بیان کیے گئے ہیں تو حیدر رسالت اور مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے پر دلائل پیش کیے گئے ہیں اور ان کو انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے ضمن میں بیان فرمایا ہے۔

☆ سورۃ النمل کی ابتدائی ۲۳ آیوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے لے کر ان کو تورات عطا کیے جانے تک کے تمام واقعات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔

☆ النمل: ۵۰-۴۳ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے واقعات کی وقتی فرما کر اللہ تعالیٰ نے اس سے قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے برحق ہونے پر استدلال فرمایا ہے کیونکہ قریش کو معلوم تھا کہ آپ آدمی ہیں اور آپ نے تورات کو نہیں پڑھا اور نہ آپ کا یہودیوں سے میل جول رہا ہے پھر آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات کے یہ مفصل واقعات کس درجہ سے معلوم ہو گئے ہوں گے اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل فرمائی ہو اور آپ پر وحی کا نازل ہونا قرآن مجید کے حق ہونے اور آپ کے دعویٰ نبوت میں صادق ہونے کی واضح دلیل ہے آپ کو نبوت سے سرفراز فرما کر جس طرح آپ پر فضل فرمایا ہے آپ کی قوم قریش پر بھی فضل فرمایا ہے کہ ان کے کفر اور شرک پر عذاب نازل فرمانے سے پہلے ان کو پورا راست اور ہدایت کا موقع عطا فرمایا اور انکار اور مشرکین کے شبہات کا ازالہ فرمایا ہے۔

☆ النمل: ۸۳-۷۶ میں قارون کا ذکر فرمایا ہے جس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ یہ مال و دولت اس کو اپنی ذاتی قابلیت کی وجہ سے ملا ہے۔ اللہ کا اس پر کوئی احسان نہیں ہے اس لیے وہ اپنے مال سے ذکوۃ اور صدقات نکالنے سے منع کرتا تھا۔

☆ النمل: ۸۸-۸۵ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ یقین فرمائی کہ آپ کفار اور مشرکین کی مخالفت کی پرواہ نہ کریں اپنے موقف پر

إِلَيْكَ وَجَاءَ عُلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۚ فَالْتَقَطَهُ ۚ أَلْ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ

لائیں گے اور (ہم) اس کو رسول بنانے والے ہیں ۝ سو فرعون کے گھر والوں نے اس کو اٹھا لیا تاکہ

لَهُمْ عَذَابٌ أَوْحَزْنَا ۚ إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامُنَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا

انجام کار وہ ان کا دشمن اور باعث تم ہو جائے بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر جرم

خَطِيئِينَ ۚ وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرْتُ عَيْنِي لِئَ لَا

کرتے والے تھے ۝ اور فرعون کی بیوی نے کہا یہ (بچی) میری اور تمہاری آنکھ کی خشک ہے اس کو

تَقْتُلُوهُ ۚ عَسَىٰ أَنْ يَتَّفَعْنَا ۚ وَنَتَّخِذَ لَكَ وَلَدًا ۚ أَوْ هُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۙ

قل نہ کرنا شاید یہ ہمیں ملج پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا بنا لیں اور یہ لوگ (مشغول کا) شعور نہیں رکھتے تھے ۝

وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أَمِيرٍ مُّوسَىٰ فَرِعَا ۚ إِنَّ كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْ

اور موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہو گیا تھا اگر ہم نے ان کے دل کو ڈھارس نہ دی ہوتی تو قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا راز

لَا أَنْ رَّبُّنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمَا لَتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۙ

فاش کر دیتی (ہم نے اس لیے ڈھارس دی) تاکہ وہ (اللہ کے وعدہ پر) ایمان دہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں ۝

وَقَالَتِ لِرَأْسِهَا قُصِيَّةٌ ۚ فَبَصُرَتْ بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ لَا

اور موسیٰ کی ماں نے ان کی بہن سے کہا تم اس کے پیچھے پیچھے جاؤ تو وہ اس کو دور دور سے دیکھتی رہی اور فرعونوں کو اس کا

يَشْعُرُونَ ۙ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ

شعور نہ ہوا ۝ اور ہم نے ان (کے بچے) سے پہلے موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام کر رکھا تھا سو وہ کہنے لگی

هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ

آپا میں تمہیں ایسا گھرانہ بتاؤں جو تمہارے اس بچے کی پرورش کرے اور وہ اس کے لیے خیر خواہ

نُصِصُونَ ۙ فَردَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ

ہو ۝ سو ہم نے موسیٰ کو اس کی ماں کی طرف لوٹ دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ تم نہ کرے

الْقَصَصُ
سُورَةُ الْقَصَصِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الْقَصَصِ

سورۃ قصص کی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جنہا پر تم نے ایمان لایا ہے اور میں نے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے

طَسَمَ ۝ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝ تَتْلُو عَلَيْهِ مِنْ نَبَا

طاسمین ہم ۵ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں ۵ ہم آپ کے سامنے سوئی اور فرعون کی حق

مُوسَى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ إِنَّ فِرْعَوْنَ

خبریں ان لوگوں کے لیے تلاوت کرتے ہیں جو ایمان لانے والے ہیں ۵ بے شک فرعون (اچھے)

عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضِعُّ طَائِفَةٌ

ملک میں سرکش تھا اور اس نے وہاں کے لوگوں کو گروہوں میں بانٹ رکھا تھا وہ ان میں سے ایک گروہ کو گروہ قرار دے کر

مِنْهُمْ يُدَايِعُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيُ نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ

ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا بے شک وہ فساد کرنے والوں

الْمُفْسِدِينَ ۝ وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتَضَعُّوا

میں سے تھا ۵ اور ہم ان لوگوں پر احسان فرمانا چاہتے تھے جن کو (اس کے) ملک میں گروہ قرار دیا

فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلُهُمْ أَبْنَاءَ ۝ وَنَجْعَلُهُمُ الْوَرَثِينَ ۝ وَنَمَكِّنَ

کیا تھا اور ہم ان کو امام بنانا چاہتے تھے اور (ان کے) ملک کا وارث بنانا چاہتے تھے ۵ اور ہم ان کو ان کے ملک کا

لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِي فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا

اقتدار عطا کرنا چاہتے تھے اور ہم فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو (نئی اسرائیل کے ہاتھوں) کوہ انہام دکھانا چاہتے

كَأَنَّهُمْ يُخَدَّرُونَ ۝ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ فَاِذَا

تھے جس سے وہ خوف زدہ تھے ۵ اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام کیا کہ تم اس کو دودھ پلاؤ اور جب تم کو

خَفِيَ عَلَيْهِ فَالْقِيَهُ فِي الْيَمِّ وَلَا تَحْزَنِي إِنَّا صَادِقُونَ

اس پر غم نہ ہو تو اس کو دریا میں ڈال دیتا اور کسی قسم کا خوف اور غم نہ کرنا بے شک ہم اس کو تمہارے پاس واپس

صباح القرآن

علاوت کا معنی ہے آجوں کو ایک دوسرے کے متصل بعد لگا کر پڑھنا 'تتابع' 'تتابع' اور متوالی آجوں کو پڑھنا 'اس سے مراد تمام خبروں کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ عقیم خبریں ہیں جن سے ظاہر اور پوشیدہ باتوں کا علم ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ قوم فرعون سے کس طرح حساب لیا گیا اور ان کو کس طرح سزا دی گئی۔

مومنوں پر تلاوت کرنے کی تخصیص کی توجیہ

اسی آیت میں فرمایا ہے ہم ان لوگوں کے لیے تلاوت کرتے ہیں جو ایمان لانے والے ہیں۔ اس سے مراد وہ مسلمان ہیں کہ جب بھی کسی واقعہ کے متعلق کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو وہ اس پر ایمان لے آتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ان آجوں کو نازل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ثابت کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیب کی خبروں پر مطلع فرمایا ہے کیونکہ ان خبروں کو جاننے کے لیے آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی وحی کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں تھا اور نبی وحی مخصوص ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ غیب پر مطلع فرماتا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے ہم آپ کے سامنے موسیٰ اور فرعون کی برحق خبریں ان لوگوں کے لیے تلاوت کرتے ہیں جو ایمان لانے والے ہیں تو کیا ان آجوں کی تلاوت کافروں کے لیے نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کافروں کے لیے بھی ان آجوں کی تلاوت ہے لیکن مومنین کا خصوصیت کے ساتھ ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ انہوں نے ہی ان خبروں کو قبول کیا اور ان سے نفع اٹھایا جیسے قرآن مجید کی ہدایت تو تمام دنیا کے لوگوں کے لیے ہے لیکن چونکہ اس ہدایت سے نفع یاب ہونے والے صرف متقین تھے اس لیے فرمایا **لَقَدْ هَدَيْنَا لَكُمْ الْفُرْقَانَ** (۲۰) اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ان آیات کی تلاوت بالذات مومنین کے لیے ہے اور بالتحقیق ان کی تلاوت غیر مومنین کے لیے بھی ہے اس لیے اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ مومنین کا ذکر فرمایا جن کے لیے ان آیات کی بالذات تلاوت ہے۔

شیعہ کا معنی

بے شک فرعون (اپنے) ملک میں سرکش تھا۔ اللہ (۲۱) یعنی فرعون اپنے ملک میں اپنے آپ کو سب سے بڑا قرار دیتا تھا اور اس نے وہاں کے لوگوں کو گروہوں میں بانٹ رکھا تھا گروہوں کے لیے اس آیت میں شیعہ کا لفظ ہے۔ شیعہ کی جمع ہے شیعہ کا معنی تقویت ہے جس سے انسان کو تقویت پہنچے اور کسی شخص کے گروہ سے بھی اس شخص کو تقویت پہنچتی ہے اس لیے گروہ کو شیعہ کہتے ہیں اور شیعہ کا معنی اعتبار ہے جو چیز کسی چیز سے نکلے اور پہلے اور چونکہ کسی شخص کا گروہ بھی اس سے نکلا اور پہچتا ہے اس لیے کسی شخص کے گروہ اور اس کے فرقہ کو شیعہ کہتے ہیں۔ آیت کے اس حصہ کا معنی یہ ہے کہ فرعون نے متعدد فرقے بنائے ہوئے تھے جو اس کی اطاعت کرتے تھے اور ان میں سے کسی کو اس کے حکم کے خلاف کرنے کی طاقت نہ تھی یا اس نے متعدد فرقے بنادیے تھے وہ سب اس کی خدمت کرتے تھے اور اس کو قوت پہنچاتے تھے یا اس نے ایسے متعدد گروہ بنا دیے تھے جن میں سے بعض کو اس نے قوی قرار دیا تھا اور وہ قبلی تھے جو مصر کے قدیم باشندے تھے اور بعض کو اس نے ضعیف قرار دیا تھا اور یہ بنی اسرائیل تھے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ حکومت میں مصر میں آ کر آباد ہو گئے تھے فرعون بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنے کا حکم دیا اور ان کی عورتوں کو زنجیر چھوڑ دیا تھا۔ علامہ قزوینی نے اس حکم کی حسب ذیل وجہ بیان کی ہیں:

بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنے کی وجہ

(۱) ایک کامن نے فرعون سے کہا کہ بنی اسرائیل کے ہاں آج رات کو ایسا کچھ پیدا ہوگا جس کی وجہ سے تمہارا ملک جاتا رہے گا

عہاس نے فرمایا یعنی ان کو نیک کاموں میں پیشوا بنانا چاہئے تھے۔ مجاہد نے کہا ان کو نیکی اور خیر کا داعی اور بادی بنانا چاہئے تھے اور قادیانہ نے کہا ان کو حکم ران اور بادشاہ بنانا چاہئے تھے۔ اور یہ تفسیر زیادہ عام اور شامل ہے کیونکہ بادشاہ بھی امام ہوتا ہے اور اس کی اقتداء کی جاتی ہے اور ہم ان کو وارث بنانا چاہئے تھے یعنی وہ فرعون کے ملک اور اس کی سلطنت کے وارث ہوں اور قبیلوں کے مکانات میں رہائش پزیر ہوں جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَأَوْسَرْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَعْتَفُونَ
مَسَافِقَ الْأَرْمَنِ وَمَعَارِبَهَا الَّتِي بَيْنَ رُؤُوسِهَا وَوُجُوهِهَا
كَوَلَدَتْ بِنَاصِيَةِ الْعُصْبِيِّ عَلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ بِمَا صَبَرُوا
وَدَمَرْنَا مَا كَانُوا يَفْسَعُونَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ وَمَا كَانُوا
يَعْبُدُونَ (الاعراف: ۳۷)

اور جس قوم کو کمزور سمجھا جاتا تھا اس کو ہم نے اس سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنادیا جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں اور بنی اسرائیل پر آپ کے رب کا بھلائی پہنچانے کا وعدہ پورا ہو گیا کیونکہ انہوں نے صبر کیا تھا اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی بھلائی ہوئی عمارتوں اور ان کی چڑھائی ہوئی نیلیوں کو تباہ و برباد کر دیا۔

فرعون کا اپنے خدشات کا شکار ہونا

فرمایا: اور ہم ان کو (ان کے) ملک کا اقتدار عطا کرنا چاہئے تھے۔ (اتقصص: ۶) یعنی ہم ملک شام اور ملک مصر کا اقتدار بنی اسرائیل کے سپرد کرنا چاہئے تھے اور فرعون حامان اور ان کے لشکروں کو ان کے خواب کی وہ تعبیر دکھانا چاہئے تھے جس سے وہ خوف زدہ تھے کیونکہ ان کو یہ خبر دی گئی تھی کہ ان کی ہلاکت بنی اسرائیل کے ایک شخص کے ہاتھوں سے واقع ہوگی۔ قادیانہ نے کہا ان کو ڈرانے والا ایک نبوی تھا جس نے یہ کہا تھا کہ اس سال ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں اس کا ملک چلا جائے گا۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اور امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۷ھ علامہ ہاروی متوفی ۳۵۰ھ حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۷ھ وغیرہم اپنی سندوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سدی نے بیان کیا کہ فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی اور مصر کے گھر وں تک پہنچی مگر اس نے قبیلوں کے گھر جلا دیئے اور بنی اسرائیل کے گھر چھوڑ دیئے۔ اس نے جادو گروں کا ہنوں قیافہ شناسوں اور نجومیوں کو بلایا اور ان سے اس خواب کی تعبیر پوچھی انہوں نے کہا جس شہر سے بنو اسرائیل آئے ہیں یعنی بیت المقدس سے اس شہر کے ایک شخص کے ہاتھوں سے مصر تباہ ہو جائے گا تب فرعون نے یہ حکم دیا کہ بنو اسرائیل کے ہاں جو لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے اور جو لڑکی پیدا ہو اس کو چھوڑ دیا جائے اور قبیلوں سے کہا کہ تم اپنے بچے کو کام بنی اسرائیل سے کرایا کرو۔ اور بنو اسرائیل کے بوزے جلد مر گئے تب قبیلوں کے سردار فرعون کے پاس گئے اور کہا کہ بنی اسرائیل کے بڑے تو سر رہے ہیں اگر ان کے بیٹوں کو بچی قتل کیا جاتا رہا تو پھر ہمارے بیٹوں کو یہ بچے کام کرنے پڑیں گے آپ ایسا کریں کہ ایک سال بنو اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرائیں اور ایک سال ان کو چھوڑ دیں اور جس سال بنو اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کیا جاتا تھا اس سال حضرت موسیٰ کی والدہ حامہ ہوئیں اور پھر حضرت موسیٰ پیدا ہوئے اور مجاہد نے کہا جس سال بنو اسرائیل کے بیٹوں کو چھوڑا تھا اس سال حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اور جس سال ان کے بیٹوں کو قتل کرتا تھا اس سال حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک سال بڑے تھے۔

(جامع الترمذی رقم الحدیث ۶۷۷۳، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۶۷۷۳، ۱۶۷۷۴، ۱۶۷۷۵، ۱۶۷۷۶، ۱۶۷۷۷، ۱۶۷۷۸، ۱۶۷۷۹، ۱۶۷۸۰، ۱۶۷۸۱، ۱۶۷۸۲، ۱۶۷۸۳، ۱۶۷۸۴، ۱۶۷۸۵، ۱۶۷۸۶، ۱۶۷۸۷، ۱۶۷۸۸، ۱۶۷۸۹، ۱۶۷۹۰، ۱۶۷۹۱، ۱۶۷۹۲، ۱۶۷۹۳، ۱۶۷۹۴، ۱۶۷۹۵، ۱۶۷۹۶، ۱۶۷۹۷، ۱۶۷۹۸، ۱۶۷۹۹، ۱۶۸۰۰، ۱۶۸۰۱، ۱۶۸۰۲، ۱۶۸۰۳، ۱۶۸۰۴، ۱۶۸۰۵، ۱۶۸۰۶، ۱۶۸۰۷، ۱۶۸۰۸، ۱۶۸۰۹، ۱۶۸۱۰، ۱۶۸۱۱، ۱۶۸۱۲، ۱۶۸۱۳، ۱۶۸۱۴، ۱۶۸۱۵، ۱۶۸۱۶، ۱۶۸۱۷، ۱۶۸۱۸، ۱۶۸۱۹، ۱۶۸۲۰، ۱۶۸۲۱، ۱۶۸۲۲، ۱۶۸۲۳، ۱۶۸۲۴، ۱۶۸۲۵، ۱۶۸۲۶، ۱۶۸۲۷، ۱۶۸۲۸، ۱۶۸۲۹، ۱۶۸۳۰، ۱۶۸۳۱، ۱۶۸۳۲، ۱۶۸۳۳، ۱۶۸۳۴، ۱۶۸۳۵، ۱۶۸۳۶، ۱۶۸۳۷، ۱۶۸۳۸، ۱۶۸۳۹، ۱۶۸۴۰، ۱۶۸۴۱، ۱۶۸۴۲، ۱۶۸۴۳، ۱۶۸۴۴، ۱۶۸۴۵، ۱۶۸۴۶، ۱۶۸۴۷، ۱۶۸۴۸، ۱۶۸۴۹، ۱۶۸۵۰، ۱۶۸۵۱، ۱۶۸۵۲، ۱۶۸۵۳، ۱۶۸۵۴، ۱۶۸۵۵، ۱۶۸۵۶، ۱۶۸۵۷، ۱۶۸۵۸، ۱۶۸۵۹، ۱۶۸۶۰، ۱۶۸۶۱، ۱۶۸۶۲، ۱۶۸۶۳، ۱۶۸۶۴، ۱۶۸۶۵، ۱۶۸۶۶، ۱۶۸۶۷، ۱۶۸۶۸، ۱۶۸۶۹، ۱۶۸۷۰، ۱۶۸۷۱، ۱۶۸۷۲، ۱۶۸۷۳، ۱۶۸۷۴، ۱۶۸۷۵، ۱۶۸۷۶، ۱۶۸۷۷، ۱۶۸۷۸، ۱۶۸۷۹، ۱۶۸۸۰، ۱۶۸۸۱، ۱۶۸۸۲، ۱۶۸۸۳، ۱۶۸۸۴، ۱۶۸۸۵، ۱۶۸۸۶، ۱۶۸۸۷، ۱۶۸۸۸، ۱۶۸۸۹، ۱۶۸۹۰، ۱۶۸۹۱، ۱۶۸۹۲، ۱۶۸۹۳، ۱۶۸۹۴، ۱۶۸۹۵، ۱۶۸۹۶، ۱۶۸۹۷، ۱۶۸۹۸، ۱۶۸۹۹، ۱۶۹۰۰، ۱۶۹۰۱، ۱۶۹۰۲، ۱۶۹۰۳، ۱۶۹۰۴، ۱۶۹۰۵، ۱۶۹۰۶، ۱۶۹۰۷، ۱۶۹۰۸، ۱۶۹۰۹، ۱۶۹۱۰، ۱۶۹۱۱، ۱۶۹۱۲، ۱۶۹۱۳، ۱۶۹۱۴، ۱۶۹۱۵، ۱۶۹۱۶، ۱۶۹۱۷، ۱۶۹۱۸، ۱۶۹۱۹، ۱۶۹۲۰، ۱۶۹۲۱، ۱۶۹۲۲، ۱۶۹۲۳، ۱۶۹۲۴، ۱۶۹۲۵، ۱۶۹۲۶، ۱۶۹۲۷، ۱۶۹۲۸، ۱۶۹۲۹، ۱۶۹۳۰، ۱۶۹۳۱، ۱۶۹۳۲، ۱۶۹۳۳، ۱۶۹۳۴، ۱۶۹۳۵، ۱۶۹۳۶، ۱۶۹۳۷، ۱۶۹۳۸، ۱۶۹۳۹، ۱۶۹۴۰، ۱۶۹۴۱، ۱۶۹۴۲، ۱۶۹۴۳، ۱۶۹۴۴، ۱۶۹۴۵، ۱۶۹۴۶، ۱۶۹۴۷، ۱۶۹۴۸، ۱۶۹۴۹، ۱۶۹۵۰، ۱۶۹۵۱، ۱۶۹۵۲، ۱۶۹۵۳، ۱۶۹۵۴، ۱۶۹۵۵، ۱۶۹۵۶، ۱۶۹۵۷، ۱۶۹۵۸، ۱۶۹۵۹، ۱۶۹۶۰، ۱۶۹۶۱، ۱۶۹۶۲، ۱۶۹۶۳، ۱۶۹۶۴، ۱۶۹۶۵، ۱۶۹۶۶، ۱۶۹۶۷، ۱۶۹۶۸، ۱۶۹۶۹، ۱۶۹۷۰، ۱۶۹۷۱، ۱۶۹۷۲، ۱۶۹۷۳، ۱۶۹۷۴، ۱۶۹۷۵، ۱۶۹۷۶، ۱۶۹۷۷، ۱۶۹۷۸، ۱۶۹۷۹، ۱۶۹۸۰، ۱۶۹۸۱، ۱۶۹۸۲، ۱۶۹۸۳، ۱۶۹۸۴، ۱۶۹۸۵، ۱۶۹۸۶، ۱۶۹۸۷، ۱۶۹۸۸، ۱۶۹۸۹، ۱۶۹۹۰، ۱۶۹۹۱، ۱۶۹۹۲، ۱۶۹۹۳، ۱۶۹۹۴، ۱۶۹۹۵، ۱۶۹۹۶، ۱۶۹۹۷، ۱۶۹۹۸، ۱۶۹۹۹، ۱۷۰۰۰، ۱۷۰۰۱، ۱۷۰۰۲، ۱۷۰۰۳، ۱۷۰۰۴، ۱۷۰۰۵، ۱۷۰۰۶، ۱۷۰۰۷، ۱۷۰۰۸، ۱۷۰۰۹، ۱۷۰۱۰، ۱۷۰۱۱، ۱۷۰۱۲، ۱۷۰۱۳، ۱۷۰۱۴، ۱۷۰۱۵، ۱۷۰۱۶، ۱۷۰۱۷، ۱۷۰۱۸، ۱۷۰۱۹، ۱۷۰۲۰، ۱۷۰۲۱، ۱۷۰۲۲، ۱۷۰۲۳، ۱۷۰۲۴، ۱۷۰۲۵، ۱۷۰۲۶، ۱۷۰۲۷، ۱۷۰۲۸، ۱۷۰۲۹، ۱۷۰۳۰، ۱۷۰۳۱، ۱۷۰۳۲، ۱۷۰۳۳، ۱۷۰۳۴، ۱۷۰۳۵، ۱۷۰۳۶، ۱۷۰۳۷، ۱۷۰۳۸، ۱۷۰۳۹، ۱۷۰۴۰، ۱۷۰۴۱، ۱۷۰۴۲، ۱۷۰۴۳، ۱۷۰۴۴، ۱۷۰۴۵، ۱۷۰۴۶، ۱۷۰۴۷، ۱۷۰۴۸، ۱۷۰۴۹، ۱۷۰۵۰، ۱۷۰۵۱، ۱۷۰۵۲، ۱۷۰۵۳، ۱۷۰۵۴، ۱۷۰۵۵، ۱۷۰۵۶، ۱۷۰۵۷، ۱۷۰۵۸، ۱۷۰۵۹، ۱۷۰۶۰، ۱۷۰۶۱، ۱۷۰۶۲، ۱۷۰۶۳، ۱۷۰۶۴، ۱۷۰۶۵، ۱۷۰۶۶، ۱۷۰۶۷، ۱۷۰۶۸، ۱۷۰۶۹، ۱۷۰۷۰، ۱۷۰۷۱، ۱۷۰۷۲، ۱۷۰۷۳، ۱۷۰۷۴، ۱۷۰۷۵، ۱۷۰۷۶، ۱۷۰۷۷، ۱۷۰۷۸، ۱۷۰۷۹، ۱۷۰۸۰، ۱۷۰۸۱، ۱۷۰۸۲، ۱۷۰۸۳، ۱۷۰۸۴، ۱۷۰۸۵، ۱۷۰۸۶، ۱۷۰۸۷، ۱۷۰۸۸، ۱۷۰۸۹، ۱۷۰۹۰، ۱۷۰۹۱، ۱۷۰۹۲، ۱۷۰۹۳، ۱۷۰۹۴، ۱۷۰۹۵، ۱۷۰۹۶، ۱۷۰۹۷، ۱۷۰۹۸، ۱۷۰۹۹، ۱۷۱۰۰، ۱۷۱۰۱، ۱۷۱۰۲، ۱۷۱۰۳، ۱۷۱۰۴، ۱۷۱۰۵، ۱۷۱۰۶، ۱۷۱۰۷، ۱۷۱۰۸، ۱۷۱۰۹، ۱۷۱۱۰، ۱۷۱۱۱، ۱۷۱۱۲، ۱۷۱۱۳، ۱۷۱۱۴، ۱۷۱۱۵، ۱۷۱۱۶، ۱۷۱۱۷، ۱۷۱۱۸، ۱۷۱۱۹، ۱۷۱۲۰، ۱۷۱۲۱، ۱۷۱۲۲، ۱۷۱۲۳، ۱۷۱۲۴، ۱۷۱۲۵، ۱۷۱۲۶، ۱۷۱۲۷، ۱۷۱۲۸، ۱۷۱۲۹، ۱۷۱۳۰، ۱۷۱۳۱، ۱۷۱۳۲، ۱۷۱۳۳، ۱۷۱۳۴، ۱۷۱۳۵، ۱۷۱۳۶، ۱۷۱۳۷، ۱۷۱۳۸، ۱۷۱۳۹، ۱۷۱۴۰، ۱۷۱۴۱، ۱۷۱۴۲، ۱۷۱۴۳، ۱۷۱۴۴، ۱۷۱۴۵، ۱۷۱۴۶، ۱۷۱۴۷، ۱۷۱۴۸، ۱۷۱۴۹، ۱۷۱۵۰، ۱۷۱۵۱، ۱۷۱۵۲، ۱۷۱۵۳، ۱۷۱۵۴، ۱۷۱۵۵، ۱۷۱۵۶، ۱۷۱۵۷، ۱۷۱۵۸، ۱۷۱۵۹، ۱۷۱۶۰، ۱۷۱۶۱، ۱۷۱۶۲، ۱۷۱۶۳، ۱۷۱۶۴، ۱۷۱۶۵، ۱۷۱۶۶، ۱۷۱۶۷، ۱۷۱۶۸، ۱۷۱۶۹، ۱۷۱۷۰، ۱۷۱۷۱، ۱۷۱۷۲، ۱۷۱۷۳، ۱۷۱۷۴، ۱۷۱۷۵، ۱۷۱۷۶، ۱۷۱۷۷، ۱۷۱۷۸، ۱۷۱۷۹، ۱۷۱۸۰، ۱۷۱۸۱، ۱۷۱۸۲، ۱۷۱۸۳، ۱۷۱۸۴، ۱۷۱۸۵، ۱۷۱۸۶، ۱۷۱۸۷، ۱۷۱۸۸، ۱۷۱۸۹، ۱۷۱۹۰، ۱۷۱۹۱، ۱۷۱۹۲، ۱۷۱۹۳، ۱۷۱۹۴، ۱۷۱۹۵، ۱۷۱۹۶، ۱۷۱۹۷، ۱۷۱۹۸، ۱۷۱۹۹، ۱۷۲۰۰، ۱۷۲۰۱، ۱۷۲۰۲، ۱۷۲۰۳، ۱۷۲۰۴، ۱۷۲۰۵، ۱۷۲۰۶، ۱۷۲۰۷، ۱۷۲۰۸، ۱۷۲۰۹، ۱۷۲۱۰، ۱۷۲۱۱، ۱۷۲۱۲، ۱۷۲۱۳، ۱۷۲۱۴، ۱۷۲۱۵، ۱۷۲۱۶، ۱۷۲۱۷، ۱۷۲۱۸، ۱۷۲۱۹، ۱۷۲۲۰، ۱۷۲۲۱، ۱۷۲۲۲، ۱۷۲۲۳، ۱۷۲۲۴، ۱۷۲۲۵، ۱۷۲۲۶، ۱۷۲۲۷، ۱۷۲۲۸، ۱۷۲۲۹، ۱۷۲۳۰، ۱۷۲۳۱، ۱۷۲۳۲، ۱۷۲۳۳، ۱۷۲۳۴، ۱۷۲۳۵، ۱۷۲۳۶، ۱۷۲۳۷، ۱۷۲۳۸، ۱۷۲۳۹، ۱۷۲۴۰، ۱۷۲۴۱، ۱۷۲۴۲، ۱۷۲۴۳، ۱۷۲۴۴، ۱۷۲۴۵، ۱۷۲۴۶، ۱۷۲۴۷، ۱۷۲۴۸، ۱۷۲۴۹، ۱۷۲۵۰، ۱۷۲۵۱، ۱۷۲۵۲، ۱۷۲۵۳، ۱۷۲۵۴، ۱۷۲۵۵، ۱۷۲۵۶، ۱۷۲۵۷، ۱۷۲۵۸، ۱۷۲۵۹، ۱۷۲۶۰، ۱۷۲۶۱، ۱۷۲۶۲، ۱۷۲۶۳، ۱۷۲۶۴، ۱۷۲۶۵، ۱۷۲۶۶، ۱۷۲۶۷، ۱۷۲۶۸، ۱۷۲۶۹، ۱۷۲۷۰، ۱۷۲۷۱، ۱۷۲۷۲، ۱۷۲۷۳، ۱۷۲۷۴، ۱۷۲۷۵، ۱۷۲۷۶، ۱۷۲۷۷، ۱۷۲۷۸، ۱۷۲۷۹، ۱۷۲۸۰، ۱۷۲۸۱، ۱۷۲۸۲، ۱۷۲۸۳، ۱۷۲۸۴، ۱۷۲۸۵، ۱۷۲۸۶، ۱۷۲۸۷، ۱۷۲۸۸، ۱۷۲۸۹، ۱۷۲۹۰، ۱۷۲۹۱، ۱۷۲۹۲، ۱۷۲۹۳، ۱۷۲۹۴، ۱۷۲۹۵، ۱۷۲۹۶، ۱۷۲۹۷، ۱۷۲۹۸، ۱۷۲۹۹، ۱۷۳۰۰، ۱۷۳۰۱، ۱۷۳۰۲، ۱۷۳۰۳، ۱۷۳۰۴، ۱۷۳۰۵، ۱۷۳۰۶، ۱۷۳۰۷، ۱۷۳۰۸، ۱۷۳۰۹، ۱۷۳۱۰، ۱۷۳۱۱، ۱۷۳۱۲، ۱۷۳۱۳، ۱۷۳۱۴، ۱۷۳۱۵، ۱۷۳۱۶، ۱۷۳۱۷، ۱۷۳۱۸، ۱۷۳۱۹، ۱۷۳۲۰، ۱۷۳۲۱، ۱۷۳۲۲، ۱۷۳۲۳، ۱۷۳۲۴، ۱۷۳۲۵، ۱۷۳۲۶، ۱۷۳۲۷، ۱۷۳۲۸، ۱۷۳۲۹، ۱۷۳۳۰، ۱۷۳۳۱، ۱۷۳۳۲، ۱۷۳۳۳، ۱۷۳۳۴، ۱۷۳۳۵، ۱۷۳۳۶، ۱۷۳۳۷، ۱۷۳۳۸، ۱۷۳۳۹، ۱۷۳۴۰، ۱۷۳۴۱، ۱۷۳۴۲، ۱۷۳۴۳، ۱۷۳۴۴، ۱۷۳۴۵، ۱۷۳۴۶، ۱۷۳۴۷، ۱۷۳۴۸، ۱۷۳۴۹، ۱۷۳۵۰، ۱۷۳۵۱، ۱۷۳۵۲، ۱۷۳۵۳، ۱۷۳۵۴، ۱۷۳۵۵، ۱۷۳۵۶، ۱۷۳۵۷، ۱۷۳۵۸، ۱۷۳۵۹، ۱۷۳۶۰، ۱۷۳۶۱، ۱۷۳۶۲، ۱۷۳۶۳، ۱۷۳۶۴، ۱۷۳۶۵، ۱۷۳۶۶، ۱۷۳۶۷، ۱۷۳۶۸، ۱۷۳۶۹، ۱۷۳۷۰، ۱۷۳۷۱، ۱۷۳۷۲، ۱۷۳۷۳، ۱۷۳۷۴، ۱۷۳۷۵، ۱۷۳۷۶، ۱۷۳۷۷، ۱۷۳۷۸، ۱۷۳۷۹، ۱۷۳۸۰، ۱۷۳۸۱، ۱۷۳۸۲، ۱۷۳۸۳، ۱۷۳۸۴، ۱۷۳۸۵، ۱۷۳۸۶، ۱۷۳۸۷، ۱۷۳۸۸، ۱۷۳۸۹، ۱۷۳۹۰، ۱۷۳۹۱، ۱۷۳۹۲، ۱۷۳۹۳، ۱۷۳۹۴، ۱۷۳۹۵، ۱۷۳۹۶، ۱۷۳۹۷، ۱۷۳۹۸، ۱۷۳۹۹، ۱۷۴۰۰، ۱۷۴۰۱، ۱۷۴۰۲، ۱۷۴۰۳، ۱۷۴۰۴، ۱۷۴۰۵، ۱۷۴۰۶، ۱۷۴۰۷، ۱۷۴۰۸، ۱۷۴۰۹، ۱۷۴۱۰، ۱۷۴۱۱، ۱۷۴۱۲، ۱۷۴۱۳، ۱۷۴۱۴، ۱۷۴۱۵، ۱۷۴۱۶، ۱۷۴۱۷، ۱۷۴۱۸، ۱۷۴۱۹، ۱۷۴۲۰، ۱۷۴۲۱، ۱۷۴۲۲، ۱۷۴۲۳، ۱۷۴۲۴، ۱۷۴۲۵، ۱۷۴۲۶، ۱۷۴۲۷، ۱۷۴۲۸، ۱۷۴۲۹، ۱۷۴۳۰، ۱۷۴۳۱، ۱۷۴۳۲، ۱۷۴۳۳، ۱۷۴۳۴، ۱۷۴۳۵، ۱۷۴۳۶، ۱۷۴۳۷، ۱۷۴۳۸، ۱۷۴۳۹، ۱۷۴۴۰، ۱۷۴۴۱، ۱۷۴۴۲، ۱۷۴۴۳، ۱۷۴۴۴، ۱۷۴۴۵، ۱۷۴۴۶، ۱۷۴۴۷، ۱۷۴۴۸، ۱۷۴۴۹، ۱۷۴۵۰، ۱۷۴۵۱، ۱۷۴۵۲، ۱۷۴۵۳، ۱۷۴۵۴، ۱۷۴۵۵، ۱۷۴۵۶، ۱۷۴۵۷، ۱۷۴۵۸، ۱۷۴۵۹، ۱۷۴۶۰، ۱۷۴۶۱، ۱۷۴۶۲، ۱۷۴۶۳، ۱۷۴۶۴، ۱۷۴۶۵، ۱۷۴۶۶، ۱۷۴۶۷، ۱۷۴۶۸، ۱۷۴۶۹، ۱۷۴۷۰، ۱۷۴۷۱، ۱۷۴۷۲، ۱۷۴۷۳، ۱۷۴۷۴، ۱۷۴۷۵، ۱۷۴۷۶، ۱۷۴۷۷، ۱۷۴۷۸، ۱۷۴۷۹، ۱۷۴۸۰، ۱۷۴۸۱، ۱۷۴۸۲، ۱۷۴۸۳، ۱۷۴۸۴، ۱۷۴۸۵، ۱۷۴۸۶، ۱۷۴۸۷، ۱۷۴۸۸، ۱۷۴۸۹، ۱۷۴۹۰، ۱۷۴۹۱، ۱۷۴۹۲، ۱۷۴۹۳، ۱۷۴۹۴، ۱۷۴۹۵، ۱۷۴۹۶، ۱۷۴۹۷، ۱۷۴۹۸، ۱۷۴۹۹، ۱۷۵۰۰، ۱۷۵۰۱، ۱۷۵۰۲، ۱۷۵۰۳، ۱۷۵۰۴، ۱۷۵۰۵، ۱۷۵۰۶، ۱۷۵۰۷، ۱۷۵۰۸، ۱۷۵۰۹، ۱۷۵۱۰، ۱۷۵۱۱، ۱۷۵۱۲، ۱۷۵۱۳، ۱۷۵۱۴، ۱۷۵۱۵، ۱۷۵۱۶، ۱۷۵۱۷، ۱۷۵۱۸، ۱۷۵۱۹، ۱۷۵۲۰، ۱۷۵۲۱، ۱۷۵۲۲، ۱۷۵۲۳، ۱۷۵۲۴، ۱۷۵۲۵، ۱۷۵۲۶، ۱۷۵۲۷، ۱۷۵۲۸، ۱۷۵۲۹، ۱۷۵۳۰، ۱۷۵۳۱، ۱۷۵۳۲، ۱۷۵۳۳، ۱۷۵۳۴، ۱۷۵۳۵، ۱۷۵۳۶، ۱۷۵۳۷، ۱۷۵۳۸، ۱۷۵۳۹، ۱۷۵۴۰، ۱۷۵۴۱، ۱۷۵۴۲، ۱۷۵۴۳، ۱۷۵۴۴، ۱۷۵۴۵، ۱۷۵۴۶، ۱۷۵۴۷، ۱۷۵۴۸، ۱۷۵۴۹، ۱۷۵۵۰، ۱۷۵۵۱، ۱۷۵۵۲، ۱۷۵۵۳، ۱۷۵۵۴، ۱۷۵۵۵، ۱۷۵۵۶، ۱۷۵۵۷، ۱۷۵۵۸، ۱۷۵۵۹، ۱۷۵۶۰، ۱۷۵۶۱، ۱۷۵۶۲، ۱۷۵۶۳، ۱۷۵۶۴، ۱۷۵۶۵، ۱۷۵۶۶، ۱۷۵۶۷، ۱۷۵۶۸، ۱۷۵۶۹، ۱۷۵۷۰، ۱۷۵۷۱، ۱۷۵۷۲، ۱۷۵۷۳، ۱۷۵۷۴، ۱۷۵۷۵، ۱۷۵۷۶، ۱۷۵۷۷، ۱۷۵۷۸، ۱۷۵۷۹، ۱۷۵۸۰، ۱۷۵۸۱، ۱۷۵۸۲، ۱۷۵۸۳، ۱۷۵۸۴، ۱۷۵۸۵، ۱۷۵۸۶، ۱۷۵۸۷، ۱۷۵۸۸، ۱۷۵۸۹، ۱۷۵۹۰، ۱۷۵۹۱، ۱۷۵۹۲، ۱۷۵۹۳، ۱۷۵۹۴، ۱۷۵۹۵، ۱۷۵۹۶، ۱۷۵۹۷، ۱۷۵۹۸، ۱۷۵۹۹، ۱۷۶۰۰، ۱۷۶۰۱، ۱۷۶۰۲، ۱۷۶۰۳، ۱۷۶۰۴، ۱۷۶۰۵، ۱۷۶۰۶، ۱۷۶۰۷، ۱۷۶۰۸، ۱۷۶۰۹، ۱۷۶۱۰، ۱۷۶۱۱، ۱۷۶۱۲، ۱۷۶۱۳، ۱۷۶۱۴، ۱۷۶۱۵، ۱۷۶۱۶، ۱۷۶۱۷، ۱۷۶۱۸، ۱۷۶۱۹، ۱۷۶۲۰، ۱۷۶۲۱، ۱۷۶۲۲، ۱۷۶۲۳، ۱۷۶۲۴، ۱۷۶۲۵، ۱۷۶۲۶، ۱۷۶۲۷، ۱۷۶۲۸، ۱۷۶۲۹، ۱۷۶۳۰، ۱۷۶۳۱، ۱۷۶۳۲، ۱۷۶۳۳، ۱۷۶۳۴، ۱۷۶۳۵، ۱۷۶۳۶، ۱۷۶۳۷، ۱۷۶۳۸، ۱۷۶۳۹، ۱۷۶۴۰، ۱۷۶۴۱، ۱۷۶۴۲، ۱۷۶۴۳، ۱۷۶۴۴، ۱۷۶۴۵، ۱۷۶۴۶، ۱۷۶۴۷، ۱۷۶۴۸، ۱۷۶۴۹، ۱۷۶۵۰، ۱۷۶۵۱، ۱۷۶۵۲، ۱۷۶۵۳، ۱۷۶۵۴، ۱۷۶۵۵، ۱۷۶۵۶، ۱۷۶۵۷، ۱۷۶۵۸، ۱۷۶۵۹، ۱۷۶۶۰، ۱۷۶۶۱، ۱۷۶۶۲، ۱۷۶۶۳، ۱۷۶۶۴، ۱۷۶۶۵، ۱۷۶۶۶، ۱۷۶۶۷، ۱۷۶۶۸، ۱۷۶۶۹، ۱۷۶۷۰، ۱۷۶۷۱، ۱

اس رات بارہ لاکھ پیدا ہوئے فرعون نے ان سب کو قتل کر دیا اور اکثر مصرین کے نزدیک بنی اسرائیل اس مطلب میں کئی سال تک جھگڑا ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا قبیلوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں نوے چار ہائی اسرائیل کا قتل کر دیا۔ بعض علماء نے کہا کہ فرعون کا یہ حکم اس کی حماقت کی دلیل تھا کیونکہ اگر اس کا ہن کی یہ پیش گوئی سچی ہوتی اسرائیل کو قتل کرنے سے فرعون کے ملک کا زوال دور نہیں ہو سکتا تھا اور فرعون کا نہیں سکتا تھا اور اگر اس کا ہن کی پیش گوئی جھوٹی تھی تو جو اسرائیل کو قتل کرنے کا کیا فائدہ تھا؟ ہمارے نزدیک کاہنوں اور نجومیوں کی پیش گوئیاں باطل ہوتی ہیں اور ان پر یقین کرنا جائز نہیں ہے اور ان کی پیش گوئیوں کو برحق ماننے کا یہ مطلب ہے کہ وہ غیب کی خبر دینے میں سچے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کوئی شخص نہ کہ کوئیں جان سکتا۔ کاہن نبی ہوتے ہیں نہ وہ اس لیے ان کے غیب پر مطلع ہونے کی کوئی تسبیح نہیں ہے۔ سو میں سے کوئی ایک آدھ بات ان کی اٹھاتا کچھ بھتی ہے اور اس سے ان کا غیب دان ہونا لازم نہیں آتا۔ فرعون کی حماقت واضح کرنے کے لیے جس اعتراض کا ذکر کیا گیا ہے اس قسم کا اعتراض تقدیر پر بھی کیا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کی تقدیر میں دوزخی ہونا لکھ دیا ہے تو پھر اس کے لیے نیکی کرنے کی کوششوں کا کیا فائدہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی کے متعلق دوزخی لکھا ہے جس کے متعلق اس کو ازل میں علم تھا کہ یہ شخص اپنے اختیار سے ایسے کام کرے گا جو اس کے دوزخی ہونے کا سبب ہوں گے۔

(۲) سدی نے کہا فرعون نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی اور مصر پر پھیل گئی اور اس آگ نے قبیلوں کو جلا ڈالا جو مصر کے اصل باشندے تھے اور بنی اسرائیل کو نہیں جلا دیا اس نے اپنے درباریوں سے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو اس کو بتایا گیا کہ جس شہر سے بنی اسرائیل آئے ہیں اسی شہر والوں کی نسل سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں سے تمہاری مصر سے حکومت زائل ہو جائے گی اور تم بھی قتل کر دیئے جاؤ گے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے جو انبیاء تھے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مبعوث ہونے اور ان کے ہاتھوں فرعون کے ہلاک ہونے کی خبر دی تھی اور یہ خبر کسی واسطے سے فرعون تک پہنچ گئی تھی اس لیے اس نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ذبح کر دیا جائے تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۷۸-۵۷۹ معلومہ دارالحدیث المرقیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

نیز فرعون کے متعلق فرمایا: بے شک وہ لٹا دے گا اور اس کے ہاتھوں میں سے تھا یعنی وہ جو بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کر دیا تھا وہ محض شر اور فساد تھا اس میں خیر اور اصلاح کا کوئی پہلو نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کو مسترد کرنے کی اس میں کوئی تاثیر نہ تھی۔ بنی اسرائیل کو امامت اور بادشاہت سے نوازا تا

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم ان لوگوں پر احسان فرماتا چاہتے تھے جن کو (اس کے) ملک میں کمزور قرار دیا گیا تھا۔ (اقسام: ۵) یعنی فرعون بنی اسرائیل کو نچلے درجے کی رعایا قرار دیتا تھا جیسے بھارت میں برہمنوں کے مقابلہ میں اچھوتوں اور شوروں کو چھٹی ذات کی حقوق قرار دیا جاتا ہے اور پنجاب میں زمینداروں کے مقابلہ میں کسانوں کو اور سندھ میں وڈیروں کے مقابلہ میں باریوں کو کچھ اور کی قرار دیا جاتا ہے اسی طرح مصر میں قبیلوں کے مقابلہ میں بنی اسرائیل کو کم تر حقوق قرار دیا جاتا تھا اسی طرح اب بھی بعض لوگ سادات کے مقابلہ میں غیر سادات کو کم تر قرار دیتے ہیں وہ غیر سادات کی بیٹیوں کو رشتہ میں لینا تو جائز کہتے ہیں اور ان کو اپنی بیٹیوں کا رشتہ دینا جائز اور حرام کہتے ہیں۔

اور فرمایا: اور ہم ان کو امام بنانا چاہتے تھے اور (ان کے) ملک کا وارث بنانا چاہتے تھے۔ (اقسام: ۵) حضرت لکھ

خلاف جاسوی کرنے والا کو نکال دیا اور اسے ہوا گیا کہ ان کی والدہ کو عام عورتوں کی طرح حمل نہیں ہوا۔

امام ابو محمد یحییٰ بن مسعود القراءہ البغوی الشافعی التتوی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے وضع حمل کا زمانہ قریب آ گیا 'فرعون نے دانیوں کو بنی اسرائیل کی حاملہ عورتوں کی نگرانی کے لیے مقرر کیا ہوا تھا ان میں سے ایک دانی حضرت موسیٰ کی ماں کی سبیلی اور تخلص دوست تھی جب ان کو دروازہ کی سخت تکلیف ہوئی تو انہوں نے اپنی اس سبیلی کو بلوایا اور کہا تم دیکھ رہی ہو کہ مجھے کتنی تکلیف ہے تمہاری محبت آج میرے کام آئی چاہیے اس نے اپنی کارروائی کی حتیٰ کہ حضرت موسیٰ پیدا ہو گئے۔ حضرت موسیٰ کی آنکھوں میں جو نور تھا اس سے وہ دانی و بشت زندہ ہو گئی اور اس کا جوڑ جوڑ دہشت سے کاٹنے لگا اور اس کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت سا گہنی پھر اس نے حضرت موسیٰ کی ماں سے کہا جب تم نے مجھے بلایا تھا تو میرا ارادہ تھا کہ میں اس بچہ کو مار ڈالوں گی لیکن تمہارے اس بیٹے سے مجھے اتنی شدید محبت ہو گئی کہ اتنی محبت مجھے کسی سے نہیں ہوئی تھی تم اپنے بیٹے کی حفاظت کرنا کیونکہ اس کے بہت دشمن ہیں جب دانی ان کے گھر سے غلطی تو فرعون کے بعض جاسوسوں نے اس کو دیکھ لیا 'وہ حضرت موسیٰ کی ماں سے ملنے کے لیے ان کے گھر آئے حضرت موسیٰ کی بہن نے کہا اے ماں! دروازہ پر سپاہی کھڑے ہوئے ہیں اور اس نے حضرت موسیٰ کو کپڑے میں لپیٹ کر چلنے ہوئے خود میں رکھ دیا اس وقت شدت خوف سے اس کی عقل خبط ہو چکی تھی اور اس کو کچھ ہوش نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ جب سپاہی گھر میں داخل ہوئے تو خود رمل رہا تھا انہوں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ کی ماں اطمینان سے بیٹھی ہوئی تھیں انہوں نے پوچھا یہ دانی تمہارے ہاں کیوں آئی تھی؟ اس نے کہا وہ میری محبت اور دوست ہے وہ مجھ سے ملنے کے لیے آئی تھی سپاہی چلے گئے پھر اس نے حضرت موسیٰ کی بہن سے پوچھا بچہ کہاں ہے؟ اس نے کہا مجھے پتہ نہیں! پھر خود سے بچے کے رونے کی آواز آئی وہ دروازہ کی طرف گئی اللہ تعالیٰ نے اس خود کو حضرت موسیٰ پر غشا اور سلاخی والا بنا دیا تھا انہوں نے بچے کو اٹھالیا پھر جب حضرت موسیٰ کی ماں نے دیکھا کہ فرعون بچوں کی تلاش لینے میں بہت سختی کر رہا ہے تو ان کو اپنے بیٹے کا خطرہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ ڈالا کہ وہ بچے کو ایک تابوت میں رکھ کر اس تابوت کو دریائے نیل میں بہا دیں وہ قوم فرعون کے ایک بڑھتی کے پاس گئیں اور اس سے ایک چھوٹا تابوت خریدا۔ بڑھتی نے پوچھا تم اس تابوت کا کیا کرو گی؟ انہوں نے کہا میں اس تابوت میں اپنے بیٹے کو چھپاؤں گی اور انہوں نے جھوٹے بولے کو ٹاپسند کیا جب وہ تابوت لے کر چلی گئیں تو وہ بڑھتی فرعون کے ذبح کرنے والوں کے پاس گیا اور ارادہ کیا کہ ان کو حضرت موسیٰ کی ماں کی کارروائی کی خبر دے جب اس نے بولنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گویائی سلب کر لی اور وہ کوئی بات نہ کر سکا اور ہاتھوں سے اشارے کر کے بتانے لگا 'ان لوگوں کو کچھ سمجھ نہ آیا انہوں نے اس کو پاگل سمجھ کر مار پیٹ کر نکال دیا جب وہ بڑھتی اپنے گھرانے پر پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گویائی واپس کر دی وہ بولنے لگا وہ پھر دروازہ ذبح کرنے والوں کے پاس گیا وہاں جا کر پھر اس کی گویائی سلب ہو گئی۔ اس نے پھر اشاروں سے بات کرنی چاہی انہوں نے پھر اس کو مار پیٹ کر نکال دیا جب وہ دوسری بار مار کھا کر اپنے گھر پہنچا تو پھر اس کی گویائی واپس آ گئی وہ پھر ذبح کرنے والوں کے پاس گیا تاکہ ان کو خبر دے اس بار اس کی گویائی بھی جاتی رہی اور اس کی بیٹائی بھی جاتی رہی اس کو نہ کچھ دکھائی دیا نہ بات نہ کر سکا وہ پھر تیسری بار مار کھا کر پلٹا اس بار اس نے صدق دل سے مہد کیا کہ اگر اس بار اللہ نے اس کی گویائی اور بیٹائی واپس کر دی تو وہ یہ بات کسی کو نہیں بتائے گا اور جب تک زندہ رہے گا اس کو راز رکھے گا اللہ تعالیٰ نے اس کے صدق نیت کو جان لیا اور اس کی گویائی اور بیٹائی واپس کر دی وہ اللہ کے لیے عہدہ شکر میں گر پڑا اور اس نے جان لیا کہ یہ واقعہ اللہ کی طرف سے تھا۔

مس ۳۸۸: اندر لکھو رج ۳۸۸: ہارن مقلد لکھو رج ۳۸۸: مس ۳۸۸: مطبوعہ دار الفکر بیت ۱۳۸۵ھ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو انہام کیا کہ تم اس کو دودھ پلاؤ اور جب تم کو اس پر خطرہ ہو تو اس کو دیکھیں
 ڈال دینا اور کسی قسم کا خوف اور غم نہ کرنا بے شک ہم اس کو تمہارے پاس لائیں گے اور (ہم) اس کو رسول بنانے والے ہیں
 سو فرعون کے گھر والوں نے اس کو اٹھایا تاکہ انہام کا ردہ ان کا دشمن اور باعث غم ہو جائے بے شک فرعون اور ہمارے
 کے لشکر جرم کرنے والے تھے اور فرعون کی بیوی نے کہا یہ (بچہ) میری اور تمہاری آنکھوں کی خشک ہے اس کو گل نہ کرنا
 شاید یہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں اور یہ لوگ (مستقبل کا) شعور نہیں رکھتے تھے (تقصیر: ۷-۵)

حضرت موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کا معنی اور اس وحی کا بیان

امام ابو جعفر محمد بن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی کہ اس کو دودھ پلاؤ اور جب تم کو اس پر خطرہ ہو تو اس کو دریا
 میں ڈال دینا۔ قنادہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
 یہ بات ان کے دل میں ڈال دی اور یہ وحی نبوت نہیں تھی۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ حضرت موسیٰ کی ماں کو کس وقت یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ حضرت
 موسیٰ کو دریا میں ڈال دیں آیا حضرت موسیٰ کے پیدا ہونے اور ان کو دودھ پلانے کے فوراً بعد یا حضرت موسیٰ کے پیدا ہونے
 کے چار ماہ بعد ان کو دریا میں ڈالنے کا حکم دیا گیا تھا۔

ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ ان کے پیدا ہونے کے بعد چار ماہ تک وہ ان کو دودھ پلاتی رہیں ابو بکر بن عبد اللہ نے کہا
 ان کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ حضرت موسیٰ کے پیدا ہوتے ہی ان کو دریا میں ڈال دینا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ اور جب تم
 کو ان پر خطرہ ہو تو پھر تم ان کو دریا میں ڈال دینا۔ ان کی ماں نے ان کو ایک بار غم میں رکھا اور تھا اور وہ ہر روز وہاں جا کر ان کو
 دودھ پلاتی تھیں اور سدی نے کہا ہے کہ جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو ان کی ماں نے ان کو دودھ پلایا پھر ایک بڑھئی کو بلایا
 اور اس کو تابوت بنانے کا حکم دیا پھر وہ تابوت دریائے نیل میں ڈال دیا۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں ان اقوال میں اولیٰ قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی ماں کو دودھ پلانے کا حکم دیا تھا
 اور فرمایا تھا کہ جب ان کو فرعون اور اس کے لشکر سے خطرہ محسوس ہو تو ان کو دریا میں ڈال دیں اور یہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے
 حضرت موسیٰ کے پیدا ہونے کے چند ماہ بعد تک ان کو دودھ پلایا ہو پھر جب ان کو حضرت موسیٰ کی جان پر خطرہ محسوس ہوا تو
 انہوں نے ان کو دریا میں ڈال دیا۔ (جامع البیان ج ۲۰ ص ۳۸۸-۳۸۹ مطبوعہ دار الفکر بیت ۱۳۸۵ھ)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم ان پر خوف اور غم نہ کرنا خوف اس پر بیانیٰ کو کہتے ہیں جس کے لاحق ہونے کا مستقبل میں خطرہ
 ہو اور غم اس حزن اور محال کو کہتے ہیں جو ماضی کی کسی مصیبت اور نقصان کی وجہ سے ہو گیا کہ فرمایا تم مستقبل میں فرعون کے
 ہاتھوں ان کی ہلاکت کا خطرہ محسوس نہ کرنا اور نہ اس وجہ سے پریشان ہونا اور نہ ان کی جدائی میں غم گین ہونا کیونکہ بے شک ہم
 ان کو تمہارے پاس لائیں گے تاکہ تم ہی ان کو دودھ پلاؤ اور ہم ان کو اس سرکش قوم کی طرف رسول بنا کر مبعوث کریں گے اور
 ان کے سبب سے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کر دیں گے اور بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات عطا کریں گے۔

حضرت موسیٰ کی ولادت کے سلسلہ میں احوال و احوالات (اعلان نبوت سے پہلے کے خلاف عادت واقعات)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے واقعہ میں کئی خلاف عادت واقعات ہوئے ان کو آگ نے نہیں جلا یا ان کے

یادداشت ہے اور ان کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔ (روح المعانی ج ۲۸ ص ۶۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۷ھ)

حضرت موسیٰ کے فرعون کے گھر پہنچنے میں مزید احوالات

سفر فرعون کے گھروالوں نے اس کو اٹھالیا تاکہ انہما کاروہ ان کا دشمن اور باعث غم ہو جائے۔ لآیۃ (تقصیم ۸۰۹) امام ابو یوسف ابن حسین بن مسعود القراء البغوی التتوی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس وغیرہ نے کہا ہے کہ اس زمانہ میں فرعون کی صرف ایک بیٹی تھی اور اس کے علاوہ اس کی اور کوئی اولاد نہیں تھی اور فرعون کے نزدیک وہ سب سے زیادہ محرم تھی اور فرعون کے پاس ہر روز اس کی تین فرمائشیں تھیں اس لڑکی کو برص کی شدید بیماری تھی فرعون نے اس کے علاج کے لیے تمام اطباء اور جالود گردوں کو جمع کیا تھا انہوں نے اس کے معاد میں غور کر کے کہا اے بادشاہ! تمہاری یہ بیٹی صرف دریا کی طرف سے تندرست ہو سکتی ہے اس دریا سے انسان کے مشابہ کوئی شخص ملے گا اس کے لعاب وہن کو جب اس کے برص پر لگایا جائے گا تو یہ تندرست ہو جائے گی اور یہ کام فلاں دن اور فلاں وقت میں طلوع آفتاب کے بعد ہوگا جب وہ دن آیا (وہ پھر کا دن تھا) تو فرعون ایک مجلس میں دریائے نیل کے کنارے بیٹھ گیا اس کے ساتھ اس کی بیوی آسیہ بنت مزاحم بھی تھی اور فرعون کی بیٹی بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ آ کر بیٹھ گئی وہ ایک دوسرے کے ساتھ کھیل رہی تھیں اور ایک دوسرے پر پانی کے پھینچنے مار رہی تھیں کہ دریا کی موجیں ایک تابوت کو لے آئیں فرعون نے کہا یہ دریا میں کوئی چیز ہے جو درخت کے ساتھ ایک گئی ہے اس کو میرے پاس لاؤ لوگ ہر طرف سے کشتیاں لے کر دوڑے حتیٰ کہ اس تابوت کو فرعون کے سامنے لا کر رکھ دیا انہوں نے بڑی مشکل سے اس تابوت کو کھولا تو اس میں کم سن بچہ تھا اس کی آنکھوں کے درمیان نور تھا اور وہ اپنے انگوٹھے سے دودھ چوس رہا تھا اللہ تعالیٰ نے آسیہ اور فرعون کے دل میں اس کی محبت ڈال دی جب اس بچہ کو تابوت سے نکالا تو جہاں اس کا لعاب وہن مگرا تھا فرعون کی بیٹی نے اس کو اٹھا کر اپنے برص کے داغوں پر لگایا تو وہ تندرست ہو گئی اس نے اس بچہ کو چوما اور اپنے سینہ سے لگایا فرعون کی قوم کے گمراہ لوگوں نے کہا اے بادشاہ! ہمارا گمان ہے کہ یہی بیٹی اسرائیل کا وہ بچہ ہے جس سے ہم کو ظفر و قہا انہوں نے اس کو آپ کے ڈر سے دریا میں ڈال دیا ہے آپ اس کو قتل کر دیں فرعون نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو آسیہ نے کہا یہ بچہ میری آنکھوں کی خشک ہوگا آپ اس کو قتل نہ کریں ہو سکتا ہے کہ یہ ہم کو نفع دے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنالیں اور وہ بے اولاد تھی اس نے فرعون سے حضرت موسیٰ کو مانگ لیا اور فرعون نے اس کو دے دیا اور کہا مجھ کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔ (معالم بشر ج ۲ ص ۵۲۲-۵۲۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۲۰ھ)

امام ابوالفتح علی ابن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے اس روایت کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

(تاریخ دمشق للکثیر ج ۲۳ ص ۱۶۰۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۲۱ھ)

ان کے علاوہ امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ علامہ نظام الدین الحسن بن محمد متوفی ۶۸۸ھ علامہ محمد بن علی الدین القوری اصبہی المتوفی ۹۵۱ھ علامہ ابوالسعود دہلی متوفی ۹۸۶ھ علامہ اسماعیل حقانی متوفی ۱۱۳۷ھ علامہ سلیمان البخل متوفی ۱۲۰۳ھ علامہ احمد بن محمد الصادق الراکعی متوفی ۱۲۲۱ھ اور علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ وغیرہم نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کا ذکر کیا ہے ان کی کتب کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

(تخیر کبیر ج ۸ ص ۵۸۰ غرائب القرآن و رغائب الفرقان ج ۵ ص ۲۸۸ حاشیہ زاد علی البیان ج ۶ ص ۳۳۱ تخیر ابوالسود ج ۵ ص ۱۱۳۳ روح البیان ج ۶ ص ۲۹۱ حاشیہ البخل علی البیان ج ۳ ص ۲۲۵ حاشیہ البیان علی البیان ج ۳ ص ۱۵۱۹ روح المعانی ج ۲۸ ص ۶۸)

اور وہب بن منہ نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ کی ماں کو حمل ہو گیا تو انہوں نے اس کو گھوٹ سے چھپا لیا۔
کے حاملہ ہونے کا کسی کو پتا نہیں چلا اور چونکہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر احسان کرنا چاہتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو مستحکم رکھا
اور جس سال حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تھے اس سال فرعون نے بنی اسرائیل کی عورتوں کی تحقیق کے لیے داعیوں کو بھیجا اور حضرت
ختی سے عورتوں کی تلاش کی گئی، جتنی اس سے پہلے کسی تلاش نہیں کی گئی تھی اور جب حضرت موسیٰ کی ماں کو حمل ہوا تو ان کا بچہ
پھولا اور نہ ان کا رنگ بدلا تو دائیوں نے ان سے کچھ سروکار نہیں رکھا اور جس رات حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو اس رات ان
کے پاس کوئی دائی تھی نہ کوئی اور وہ گدگدھا اور ان کی پیدائش پر ان کی بہن مریم کے سوا اور کوئی مطلع نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو
الہام کیا کہ وہ ان کو دودھ پلاتی رہیں اور جب ان پر خطرہ محسوس کریں تو ان کو ایک تابوت میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دیں
ان کی ماں ان کو گود میں تین ماہ تک دودھ پلاتی رہیں وہ گود میں روئے تھے نہ کوئی حرکت کرتے تھے اور جب ان کو حضرت موسیٰ
پر خطرہ ہوا تو انہوں نے ان کو تابوت میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دیا۔

(معالم اہل بیت ج ۳ ص ۵۲۳-۵۲۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۳۰ھ)
امام ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے ان کے علاوہ علامہ علی بن احمد واحدی نیشاپوری
متوفی ۳۶۸ھ علامہ محمود بن عمر دہشتری خوارزمی متوفی ۵۳۸ھ امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ علامہ عبد اللہ بن عمر بیضاوی
متوفی ۶۸۵ھ علامہ نظام الدین ابن کمن بن محمد قتی نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ علامہ سلیمان جمل
متوفی ۱۲۰۳ھ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۳۱ھ علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ وغیرہم مفسرین نے بھی حضرت ابن
عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کا اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے ان کی کتب کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں:
(تاریخ دمشق لتکبیر ج ۶ ص ۱۶-۱۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت الوسیطہ ج ۳ ص ۳۹۰ انکشاف ج ۳ ص ۳۹۸ تفسیر کبیر ج ۸
ص ۵۸۰-۵۸۱ تفسیر صمدی علی حلیہ مطبوعہ القامشلی ج ۷ ص ۲۸۰ غرائب القرآن و رغائب الفرقان ج ۵ ص ۳۲۸ روح البیان ج ۶ ص ۶۹۱ حلیہ
البحر علی الجہان ج ۳ ص ۳۳۵ حلیہ الصمدی علی الجہان ج ۳ ص ۵۱۸ روح المعانی ج ۲ ص ۶۹)

حضرت موسیٰ کی ماں کا نام

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ امام اہلبیت نے کہا کہ حضرت موسیٰ کی ماں کا نام امار خاتھا اور ایک قول یاروست
ہے اور علامہ ثعلبی نے کہا ان کا نام یوحنا بنت حاتمہ بن لاوی بن یعقوب تھا۔

(الجامع للکام القرآن ج ۳ ص ۳۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)
امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ نے لکھا ہے ان کا نام یوحنا بنت لاوی بن یعقوب تھا۔

(معالم اہل بیت ج ۳ ص ۵۲۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۳۰ھ)
امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کی ماں کا نام انا حید تھا (تاریخ طبری ج ۱ ص ۱۷۰ مطبوعہ
مؤسسۃ داسی للحدیث بیروت ۱۴۰۹ھ) امام ابوالکرم محمد بن محمد ابن الاثیر الجزیری المتوفی ۶۳۰ھ نے لکھا ہے حضرت موسیٰ کی ماں کا
نام یوحنا بنت تھا۔ (انکال ج ۵ ص ۹۵ دار الکتب العربی بیروت ۱۴۰۰ھ) امام عبد الرحمن بن علی الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے کہ ان
کی ماں کا نام یوحنا بنت تھا۔ (المختصر ج ۵ ص ۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)
علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ایک قول ہے کہ ان کا نام یحنا بنت یسحور بن لاوی ہے ایک قول ہے ان کا نام یوحنا بنت یسحور بن لاوی ہے ایک قول یارخا ہے ایک قول

نہیں تھا اور وہ مطمئن تھیں اور اس پر حریہ قرینہ یہ ہے کہ ان کو خبر پہنچی تھی کہ فرعون کی بیوی آسیہ نے ان کو اپنا بیٹا بنالیا ہے اور فرعون نے حضرت موسیٰ کو انہیں پہنچ کر دیا ہے اور یہ اس لیے تھا کہ ان کو اللہ کے وعدہ پر کامل وثوق اور اعتماد تھا۔
(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۸۲-۵۸۱ مطبوعہ دارالامان پراثرات بیروت ۱۳۱۵ھ)

دوسری عورتوں کا دودھ نہ پینے کی وجوہ

اس کے بعد فرمایا اور ہم نے اس (کے بچنے) سے پہلے موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام کر رکھا تھا سو وہ کہنے لگی آیا میں تمہیں ایسا کھراتا ہوں جو تمہارے اس بچہ کی پرورش کرے اور وہ اس کی خیر خواہ ہو (اقصیٰ ۱۳)
یعنی حضرت موسیٰ کی بہن کے بچنے سے پہلے یا حضرت موسیٰ کو ان کی ماں کی طرف لوٹانے سے پہلے ہم نے ان پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا اور ان پر ان کے دودھ کو حرام کرنے سے مراد شرعاً حرام کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان پر ان کا دودھ علناً مستمع کر دیا تھا اور باقی عورتوں کا دودھ پینے سے ان کو متنفر کر دیا تھا اور وہ بھوک لگنے اور دودھ کی طلب کے باوجود ان عورتوں کا دودھ نہیں پیا رہے تھے یعنی ان کو اپنی ماں کا دودھ پینے میں جلدت آتی تھی ان عورتوں کا دودھ پینے میں وہ لذت نہیں آ رہی تھی یا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تین ماہ تک اپنی ماں کا دودھ پیا رہے تھے اور ان کی ماں کے جسم سے جو خوشبو آتی تھی وہ اس خوشبو سے مانوس ہو چکے تھے اور ان کے دودھ کے ذائقہ کے عادی ہو چکے تھے اور جب دوسری عورتوں کے جسم سے وہ خوشبو نہیں آتی اور نہ ان کے دودھ کا وہ ذائقہ تھا تو انہوں نے دودھ کی طلب اور بھوک کے باوجود دوسری عورتوں کا دودھ نہیں پیا یا اللہ تعالیٰ نے دوسری دودھ پلانے والی عورتوں کے دودھ میں ایسی کڑواہٹ پیدا کر دی کہ انہوں نے بھوک کے باوجود ان کا دودھ نہیں پیا۔

اس کے بعد فرمایا: سو ہم نے موسیٰ کو اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں خشکی ہوں اور وہ غم نہ کرے اور وہ یقین کرے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے (اقصیٰ ۱۳)

اکثر لوگوں کے نہ جاننے کے محال

اکثر لوگوں کے نہ جاننے کے حسب ذیل محال ہیں:

(۱) اس زمانہ میں اور اس کے بعد بھی اکثر لوگ اس لیے نہیں جانتے تھے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں غور و فکر کرنے سے اعراض کرتے تھے۔

(۲) ضحاک اور مقاتل نے کہا کہ اہل مصر کو یہ علم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی ماں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ کو ان کی طرف لوٹا دیں گے۔

(۳) اس آیت میں اگرچہ یہ فرمایا ہے کہ اکثر لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمانے والا ہے اور نہ جاننے کی نسبت لوگوں کی طرف کی ہے لیکن درحقیقت یہ حضرت موسیٰ کی ماں کی طرف تشریف ہے صراحتاً نہ جاننے کی نسبت لوگوں کی طرف ہے اور مراد وہ ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ کے فرعون کے پاس پہنچنے کے بعد ان کو بہت غم ہوا تھا اور وہ حضرت موسیٰ کے متعلق بہت فکر مند تھیں جب کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کرنے کی وجہ سے ان کو مطمئن ہو جانا چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ کو جلد ان سے ملا دے گا لیکن بہر حال ماں کی مانتا بھی ایک طبی چیز ہے اور وہ اپنے طبی تقاضوں کو قسٹ کرنے پر قادر نہیں تھیں۔

(۴) اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو ان کی طرف لوٹا دیا تاکہ ان کو یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے حضرت موسیٰ

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

محمد بن قیس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر فرعون کہتا کہ یہ میری اور تمہاری باتیں ہیں تو حضرت موسیٰ دونوں کی آنکھوں کی خشک کا باعث ہو جائے۔ امام بخاری کی روایت میں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی آسید کی طرح ہدایت دے دیتا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۶۹۳، معالم السنن رقم الحدیث: ۱۶۰۹۹، مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۴۶۱۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہو گیا تھا اگر ہم نے ان کے دل کو حارث بن ندی ہوتی تو قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا راز فاش کر دیتیں (ہم نے اس لیے حارث بن ندی) تاکہ وہ (اللہ کے وعدہ پر) دیکھ کر نہ ڈرے۔ (۱) اور موسیٰ کی ماں نے ان کی بہن سے کہا تم اس کے پیچھے پیچھے جاؤ تو وہ اس کو ڈور ڈور سے دیکھتی رہی اور فرعون نے اس کو اس کا مشورہ دیا اور ہم نے اس (کے پیچھے) سے پہلے موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام کر رکھا تھا سو وہ کہنے لگی آج میں تمہیں ایسا گھراتا ہوں جو تمہارے اس بچے کی پرورش کرے اور وہ اس کے لیے خیر خواہ ہو (۲) سو ہم نے موسیٰ کو اس کی ماں کی طرف لے دیا تاکہ اس کی آنکھیں خشک نہ ہوں اور وہ غم نہ کرے اور وہ یقین کرے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے (۳) (قصص: ۱۰-۱۱)

حضرت موسیٰ کی ماں کے دل خالی ہونے کے محال

فرمایا اور موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہو گیا تھا۔ (آیہ: ۱۰-۱۱) (قصص: ۱۰-۱۱) دل خالی ہونے کے حسب ذیل محال ہیں:

(۱) حسن بصری نے کہا ان کا دل حضرت موسیٰ کی فکر اور ان کے غم کے سوا ہر فکر اور غم سے خالی ہو گیا تھا۔
(۲) علامہ زکریا نے کہا ان کا دل عقل سے خالی ہو گیا تھا کیونکہ جب انہوں نے سنا کہ حضرت موسیٰ فرعون کے پاس پہنچ گئے ہیں تو ان پر اس قدر گھبراہٹ اور دہشت طاری ہوئی کہ ان کے ہوش و حواس اڑ گئے اور ان کی عقل ماؤف ہو گئی اور اس نے کام کرنا چھوڑ دیا۔

(۳) امام محمد بن اسماعیل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان کی طرف الہام کیا تھا کہ تم اس کو دریا میں ڈال دو اور تم خوف اور غم نہ کرنا ہم اس کو تمہاری طرف واپس لائیں گے ان کا دل اس الہام سے خالی ہو گیا اور شیطان نے ان کے دل میں یہ دوسرا ڈالا کہ فرعون تمہارے بیٹے کو قتل کر دے گا اور یہ خود تمہارا کیا دھرا ہے اور جب ان کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت موسیٰ اب فرعون کے ہاتھوں میں ہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا الہام بھول گیا اور اس عقیم صدمہ کی وجہ سے ان کو اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا وعدہ یاد نہ رہا۔

(۴) ابو عبیدہ نے کہا ان کا دل غم اور فکر سے خالی تھا کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اتماد تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ کی حفاظت کرے گا اور فرعون ان کو قتل کرنے پر قادر نہ ہو سکے گا۔

(۵) ابن تیمیہ نے اس معنی پر اعتراض کیا ہے کہ اگر حضرت موسیٰ کی ماں کا دل بفرغ اور فکر سے خالی تھا اور وہ حضرت موسیٰ کے متعلق مطمئن تھیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی کیا توجہ ہوگی کہ اگر ہم نے ان کے دل کو حارث بن ندی ہوتی تو قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا راز فاش کر دیتیں اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر کامل یقین تھا اس لیے وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتی تھیں کہ لوگوں کو یہ بتا دیں کہ حضرت موسیٰ ان کے بیٹے ہیں جو فرعون کے گھر پہنچ گئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس راز کو مخفی رکھنے پر ان کے دل کو مضبوط رکھا اس سے واضح ہو گیا کہ ان کا دل حضرت موسیٰ کے متعلق فکر

أَهْلَهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهَذَا

وہاں انہوں نے دو مردوں کو لڑتے ہوئے پایا یہ (ایک) ان کی قوم میں سے تھا اور یہ (دوسرا) ان

مِنْ عَدُوِّهِ فَاسْتَعَاثَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ

کے خاتمیں میں سے تھا سو جو ان کی قوم میں سے تھا اس نے موسیٰ سے اس کے خلاف مدد طلب کی جو ان کے مخالفوں میں سے تھا

عَدُوِّهِ فَوَكَّرَهُ مُوسَى فَقَضَى عَلَيْهِ قَالَ هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ

پس موسیٰ نے اس کو مچھا مبرا سو اس کو ہلاک کر دیا موسیٰ نے کہا یہ کام شیطان کی طرف سے سرزد ہوا ہے شک شیطان دشمن

إِنَّهُ عَدُوٌّ مُضِلٌّ مُبِينٌ ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي

ہے اور کلمہ کلا بھانے والا ہے O موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر زیادتی کی سو تو مجھے معاف فرما

فَغَفَرَ لَهُ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي

پس اللہ نے اس کو معاف کر دیا بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے اور رحم فرمانے والا ہے O موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب! چونکہ

فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ ۝ فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا

تو نے مجھ پر اصرام فرمایا ہے سو اب میں بھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا O پس موسیٰ نے اس شہر میں ڈرتے ہوئے اس انتظار میں رہ

يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ قَالَ

کی (کراہ کیا ہوگا) پس اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی بھی پھر ان کو مدد کے لیے نکار رہا تھا موسیٰ نے

لَهُ مُوسَى إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُبِينٌ ۝ فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَبْطِشَ

اس سے کہا بے شک تو کلا ہوا گمراہ ہے O پھر جب موسیٰ نے اس شخص کو بچوٹا چاہا

بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۝ قَالَ يَمُوسَى أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا

جو ان دونوں کا دشمن تھا تو اس نے (نکلا بھی سے) کہا: اے موسیٰ! کیا آج تم مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح کل

قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ ۝ قَالَ إِنَّ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا

تم نے اس شخص کو قتل کر دیا تھا تم تو صرف یہی چاہتے ہو کہ تم اس شہر میں زبردست (دادا گیر) بن

کوان کی طرف واپس کرنے سے اصل قصود ایک دینی فرض قہمی اور وہ یہ قہمی کہ فرعون کا منصوبہ کام ہو جائے۔ لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ اصل قصود کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا تھا کہ حضرت موسیٰ کی ماں کا تم کو دے دو اور ہو جائے۔ ان کی آنکھیں غصہ کی ہو جائیں ان کا ذکر بالغ تھا۔

ضحاک نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ نے اپنی ماں کے دودھ کو قبول کر لیا تو حامان نے ان سے کہا تم ضرور اس بچہ کی ماں ہو انہوں نے کہا نہیں اس نے کہا پھر کیا وجہ ہے کہ اس بچہ نے تمہارے سوا اور کسی کا دودھ قبول نہیں کیا۔ انہوں نے کہا اے بادشاہ! میں صاف ستری اور خوشبو لگانے والی عورت ہوں اور میرا دودھ بیٹھا ہے یہی وجہ ہے کہ اس بچہ نے مجھے سمجھ گئے۔ اسی میرے دودھ کو قبول کر لیا۔ فرعونوں نے کہا تم نے سچ کہا ہے پھر آل فرعون کے تمام لوگوں نے حضرت موسیٰ کی ماں کو سونے اور جواہر کے دیے اور تحائف دیے۔ (تفسیر کبرج ص ۵۸۲-۵۸۳ سلیم دارالاجواء التراث العربی اردت ۱۳۱۵ھ)

فرعون کی بیوی اور حضرت موسیٰ کی بہن کے فضائل اور جنت میں ان کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ہونا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین میں چار خلوط بھیجے پھر آپ نے فرمایا تم جانتے ہو یہ کیسے خلوط ہیں؟ مسلمانوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے والے ہیں! پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت کی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد ہیں اور قاطرہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مریم ابنت عمران ہیں اور آسیہ بنت مزاحم ہیں جو فرعون کی بیوی ہیں۔

(مسند ابی داؤد ص ۶۹۳ المجمع البکیر رقم الحدیث: ۱۷۹۸۸ مسند ابی یحییٰ رقم الحدیث: ۶۷۲۲۲ المسند رک ج ۳ ص ۱۸۵ حافظ ابی نعیم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے حافظ البیہقی نے بھی کہا اس کی سند صحیح ہے مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۳۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی عورتوں کی سردار مریم بنت عمران ہیں پھر قاطرہ بنت محمد ہیں پھر خدیجہ ہیں پھر آسیہ ہیں فرعون کی بیوی۔

(المجمع البکیر رقم الحدیث: ۱۷۹۸۸ المجمع البکیر رقم الحدیث: ۱۷۹۸۸ المسند رک ج ۳ ص ۲۳۳ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۵۸۷۱) حضرت سعد بن جبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ عز و جل نے مریم بنت عمران فرعون کی بیوی اور حضرت موسیٰ کی بہن سے میرا نکاح کر دیا۔

(المجمع البکیر رقم الحدیث: ۱۷۹۸۸ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۵۸۷۱) حافظ البیہقی نے اس مضمون کی امام طبرانی سے دو اور حدیثیں نقل کی ہیں مگر دونوں کے حلقہ کھسکے ان میں ضعیف راوی ہیں۔

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَٰلِكَ

اور جب موسیٰ اپنی پوری قوت (جوانی) کو پہنچ گئے اور توانا ہو گئے تو ہم نے ان کو حکم اور علم عطا فرمایا اور ہم اسی طرح

نَجَّزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۵﴾ وَدَخَلَ الْمَدْيَنَ عَلَىٰ حَبِيبٍ غَفْلَةٍ قَن

نکلی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں O اور موسیٰ اس وقت شہر میں داخل ہوئے جب لوگ غافل تھے

ہانا تھا وہاں تک بنا دیا۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عام طوز پر انسان اٹھارہ سال سے تیس سال تک اشد ہوتا ہے اور اس کی قوت اور جسامت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور تیس سال سے چالیس کی عمر تک اسی حالت پر قائم رہتا ہے اس کی جسامت اور قوت میں زیادتی ہوتی ہے نہ کہ اور چالیس سال سے اس کی جسامت اور قوت میں کمی ہونا شروع ہوتی ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد برحق ہے کیونکہ انسان کی عمر کی ابتدا سے اس میں نشو و نما شروع ہوتی ہے پھر وہ اسی حالت پر قائم رہتا ہے پھر اس کے بعد اس کا جسم کم ہونا شروع ہوتا ہے انسان کے جسم کی نشو و نما تیس سال کی عمر تک ہوتی ہے اور تیس سال سے تیس سال کی عمر تک نشو و نما بہت کم ہوتی ہے اور اس کی قوت میں بہت تدریج اضافہ ہوتا رہتا ہے اور تیس سال سے چالیس سال تک وہ اسی حالت پر قائم رہتا ہے اور چالیس سال سے ساٹھ سال کی عمر تک اس کی جسامت میں کمی ہوتی ہے لیکن یہ کسی غیر واضح اور غلطی ہوتی ہے اور ساٹھ سال سے آخر عمر تک اس کے جسم میں واضح کمی ہوتی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۸۳ مطبوعہ دارالماہرات العربیہ دہشتہ ۱۳۷۵ھ)

علامہ سلیمان جمل نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کی عمر اس وقت تیس (۳۰) سال تھی دس سال مدین میں رہے اور چالیس سال کی عمر میں ان کو نبوت عطا کی گئی۔ (جمل ج ۳ ص ۳۲۹)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حق یہ ہے کہ اشد کا معنی ہے حد قوت تک پہنچ جانا اور یہ حد شہدوں زمانوں اور احوال کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے اسی وجہ سے سخت اور تسخیر کی کتابوں میں اس کی مختلف تعبیرات ہیں اور ادبی یہ ہے کہ اشد کا معنی ہے بدن اور جسم کی قوت کا اپنے کمال کو پہنچنا اور نشو و نما کا رک جانا اور استواء کا معنی ہے محض کا اپنے کمال اور اعتدال کو پہنچ جانا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بغیر کسی حدیث کے اشد اور استواء کے لیے کسی عمر کا تعین نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ چیز شہدوں زمانوں اور احوال کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔ (روح البانی ج ۲ ص ۷۸-۷۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

اس کی تحقیق کہ ہر نبی پیدا کنی نبی ہوتا ہے یا اس کو چالیس سال کی عمر میں نبوت دی جاتی ہے

علامہ محمود بن عمر الخزازی الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

ہر نبی کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا جاتا ہے۔ (الکشاف ج ۳ ص ۲۰۸ مطبوعہ دارالماہرات العربیہ دہشتہ ۱۳۷۵ھ)

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ ہر نبی کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا ہے اور اس کی حکمت ظاہر ہے کیونکہ جب انسان چالیس سال کی عمر میں پہنچ جاتا ہے تو اس کے غضب اور ثبوت کی قوت کم ہونے لگتی ہے اور اس کی محض بڑھنے لگتی ہے اور اس وقت انسان جسمانی اعتبار سے کمال ہو جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے وہی ہازل کرنے کے لیے اس عمر کو اختیار فرمایا۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۸۳ مطبوعہ دارالماہرات العربیہ دہشتہ ۱۳۷۵ھ)

علامہ بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ علامہ ابو سعید متوفی ۹۸۲ھ نے بھی یہی لکھا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا کی جاتی ہے۔ (تفسیر جامعہ بیضاوی ج ۳ ص ۲۸۶ تفسیر ابن مسعود ج ۶ ص ۱۱۶)

اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے:

مجھے یہ روایت نہیں ملی۔ (الکاف الکافی فی تخریج الماریت الکتاب ج ۳ ص ۳۷۷)

فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ ۝ وَجَاءَ

جاؤ اور تم مسلمین میں سے نہیں بنا چاہے ۵ اور ایک مرد شو کے آخری

رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ قَالَ يَمُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ

کبار سے دور تھا ہوا آیا اس نے کہا اے موسیٰ! بے شک (فرعون کے) سردار آپ کے مل کا

يَأْتِمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرِجْ إِنِّي لَكَ مِنَ الصَّاحِبِينَ ۝

مشورہ کر رہے ہیں سو آپ یہاں سے نکل جائیں بے شک میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں ۵ سو موسیٰ اس شہر سے

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝

ڈرتے ہوئے نکلے اس انتظار میں کہ آپ کیا ہوگا انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! مجھے ان ظالم لوگوں سے نجات دے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب موسیٰ اپنی پوری قوت (جہاد) کو پہنچ گئے اور توانا ہو گئے تو ہم نے ان کو حکم اور علم عطا فرمایا

اور ہم اسی طرح نکلنے کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں ۵ اور موسیٰ اس وقت شہر میں داخل ہوئے جب لوگ غافل تھے اور وہاں

انہوں نے دوسروں کو لاتے ہوئے پایا یہ (ایک) ان کی قوم میں سے تھا اور یہ (دوسرا) ان کے مخالفین میں سے تھا سو جو ان

کی قوم میں سے تھا اس نے موسیٰ سے اس کے خلاف مدد طلب کی جو ان کے مخالفوں میں سے تھا پس موسیٰ نے اس کے مکا ہا

سواں کو ہلاک کر دیا۔ موسیٰ نے کہا یہ کام شیطان کی طرف سے سرزد ہوا ہے بے شک شیطان دشمن ہے اور حکم مٹا بہکانے والا

ہے ۵ موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر زیادتی کی سو تو مجھے معاف فرما پس اللہ نے اس کو

معاف کر دیا۔ بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے رحم فرمانے والا ہے ۵ موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھ پر انعام

فرمایا ہے سو اب میں کبھی مجرموں کا مددگار نہیں ہوں گا ۵ (قصہ: ۱۳)

اشد اور استواء کے معنی کی تحقیق

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بسلع اشده واسوی اس کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ ان دونوں لفظوں کا ایک

معنی ہے یعنی جب حضرت موسیٰ اپنے طبیب اور قواء کے کمال کو پہنچ گئے اور ان کا مزاج معتدل ہو گیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان دونوں لفظوں کے معنی الگ الگ ہیں اور ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) اشد کا معنی ہے جسمانی اور بدنی قوت کا کمال اور استواء کا معنی ہے قوت عقلیہ کا کمال یعنی جب ان کا بدن اور ان کی عقل

کمال ہو گئی۔

(۲) اشد کا معنی ہے ان کی قوت کا کمال اور استواء کا معنی ہے ان کی خلقت کا کمال یعنی جب ان کی قوت اور ان کی تخلیق اپنے

کمال کو پہنچ گئی۔

(۳) اشد کا معنی ہے وہ بلوغت کو پہنچ گئے اور استواء کا معنی ہے ان کی تخلیق کمال ہو گئی یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم کو جہاں تک

ذَٰلِكَ كَفَّلْنَا اللَّهُ يَوْمَئِذٍ مِّنْ لِّسَانِهِ وَآيَاتِهِ
 ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (۲۰: النجم)

ہے۔ (کنز الایمان)

اور جو اسے کبھی مانے نہ کرے! اپنے کسب و ریاضت سے منصب نبوت تک پہنچ سکا ہے کافر ہے۔

(بہار شریعت ج ۸ ص ۸۸ مطبوعہ مکتبۃ القرآن دہلی پکشنز، مورخہ ۱۳۶۶ھ)

نیز علامہ اسماعیل علی لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام شرک و کفر اور ہر ایسے امر سے جو فتنے کے لیے باعث نفرت ہو جیسے کذب و خیانت و جہل و غیر با صفات
 ذمہ سے نیز ایسے افعال سے جو چاہت اور مروءت کے خلاف ہیں قتل نبوت اور بعد نبوت بالا جماع معصوم ہیں اور کبوتر سے
 بھی مطلقاً معصوم ہیں اور حق یہ ہے کہ تعدد صفات سے بھی قتل نبوت اور بعد نبوت معصوم ہیں۔

(بہار شریعت ج ۸ ص ۸۸ مطبوعہ مکتبۃ القرآن دہلی پکشنز، مورخہ ۱۳۶۶ھ)

عوام میں مشہور ہے کہ ہر نبی پیدا ہوا ہی نبی ہوتا ہے نہ صحیح نہیں ہے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کچھن میں نبوت دی گئی حضرت
 یوسف علیہ السلام کو اٹھارہ (۱۸) سال کی عمر میں حضرت یحییٰ کو تینتیس (۳۳) سال کی عمر میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو
 چالیس (۴۰) سال کی عمر میں نبوت دی گئی اور اکثر نبیوں کو چالیس (۴۰) سال کی عمر میں ہی نبوت دی گئی ہے صدر الشریعہ کی
 عہداریت سے بھی یہی واضح ہوتا ہے خصوصاً انہوں نے قتل نبوت اور بعد نبوت کی قید جو لگائی ہے۔

(تبیان القرآن ج ۳ ص ۶۳۸-۶۳۹ اور تبیان القرآن ج ۸ ص ۶۱۸-۶۱۹ کا بھی مطالعہ کریں)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تخلیق کا سنات سے پہلے نبوت سے متصف ہونا

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہونے ہی سے پہلے آپ کو پیدا ہونے سے بھی پہلے نبی بنا دیا گیا تھا حدیث میں ہے
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ آپ کے لیے نبوت کب واجب
 ہوئی؟ آپ نے فرمایا اس وقت حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۹۹، المسند رقم الحدیث: ۶۰۹، دلائل اللہ والہیۃ للعلفی ج ۲ ص ۱۳۰ سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ج ۱ ص ۵۱۱ رقم

الحدیث: ۱۸۵۶)

حضرت مرہاش بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کے نزدیک خاتم
 النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم اپنی مٹی کے خیر میں تھے اور میں مقرر ہوں کہ کو اپنی ابتدا کے متعلق بتاؤں گا (میں)
 حضرت ابراہیم کی دعا ہوں اور حضرت یحییٰ کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے میری وادعت کے
 وقت دیکھا تھا ان کے لیے ایک نور نکلا جس سے ان کے لیے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

(شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۶۶، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۷، التلخیص والکیر ج ۱۸ رقم الحدیث: ۲۵۳، مسند ابو ارقم الحدیث: ۲۳۹۵، سنن ابی داؤد سنن ابی یوسف ج ۱

ص ۱۹۱، تہذیب و التہذیب ج ۲ ص ۲۹۰ طبعی ج ۲)

علامہ عبد الوہاب بن احمد بن علی الشحرانی لکھی التوحید ج ۳ ص ۷۷ لکھتے ہیں:

اگر تم یہ چھو کہ آیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو بھی اس وقت نبوت دی گئی جب حضرت آدم پانی اور مٹی
 کے درمیان تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تک یہ حدیث نہیں پہنچی کہ کسی اور کو بھی یہ مقام دیا گیا باقی انبیاء صرف اپنی رسالت
 کے ایام محسوس میں ہی نبی تھے اگر تم یہ چھو کہ آپ نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ میں اس وقت بھی انسان تھا یا اس وقت بھی موجود

علامہ احمد رضا حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت عطا کی۔

وَأَقْبَلْنَاهُ الْفَتْحَ صَبِيًّا (مریم: ۱۲)

اور ہم نے اس کو بچپن میں نبوت عطا کی۔

اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو تینتیس (۳۳) سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا اور چالیس سال کی عمر میں آسمانوں پر اُٹھایا گیا اس لیے چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا کرنے یا مبعوث کیے جانے کا حکم ظاہری ہے۔ (یعنی یہ قاعدہ کلی نہیں ہے بلکہ یہ ہے) (علیہ السلام ص ۷۷ ج ۲، مسطورہ در بحکام علیہ بیروت ۱۳۸۵ھ)

علامہ اسماعیل حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا ہے کہ انبیاء کو مبعوث کرنے کے لیے چالیس سال کی عمر کی شرط لگا کر صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو تینتیس (۳۳) سال کی عمر میں نبی بنا دیا گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اٹھارہ (۱۸) سال کی عمر میں (جب ان کو کنوئیں میں گرایا گیا تھا) نبی بنا دیا گیا تھا کیونکہ اس وقت ان پر یہ وحی کی گئی تھی:

وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَّبِّئَنَّهُمْ بِآيَاتِنَا هَذَا وَلَهُمْ آيَاتٌ يَتَشَفَعُونَ (یوسف: ۱۵)

اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ (تمہارا نہیں) مقرر یہ تم ان کو ان کے اس سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو اس کی خبر بھی نہیں ہوگی۔

جمہور علماء کے نزدیک یہ وحی نبوت حقیقی اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بالغ ہونے سے پہلے نبوت دی گئی۔

(درج البیان ج ۶ ص ۶۹۸ مسطورہ دارالماہرات اہل عربی بیروت ۱۳۲۳ھ)

علامہ عبد الوہاب بن احمد بن علی الشرنبلالی المتوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

جن لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ نبوت کسی ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ انبیاء علیہم السلام ائمہ اور رسالت سے پہلے یا تو مخلوق سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں یا بظہر وہ عبادت کرتے ہیں اور ان میں وحی کو قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت ہوتی ہے تاکہ وہ اس حالت کی طرف لوٹ جائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر کی ہے سو جو لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ پہلے مخلوق سے کنارہ کش تھے اور عبادت کرتے تھے پھر ان کو نبوت حاصل ہوئی وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کو نبوت ان کے کسب سے حاصل ہوئی لیکن یہ ان کا وہم ہے اور ان کی انگریز کوتاہی ہے اور شیخ محمد الدین ابن عربی متوفی ۶۴۸ھ نے اختلافات ائمہ کے باب: ۲۹۸ میں کہا ہے کہ جس نے یہ کہا ہے کہ نبوت کسب سے حاصل ہوتی ہے اس نے خلا کی نبوت صرف اللہ تعالیٰ کی عطا کیے ساتھ مختص ہے۔ (الایات والایمان ص ۵۲-۵۳ مسطورہ دارالماہرات اہل عربی بیروت ۱۳۸۵ھ)

صدر الشریعہ علامہ احمد علی اعظمی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

نبوت کسی نہیں کہ آدمی عبادت و ریاضت کے ذریعہ حاصل کر سکے بلکہ محض عطائے الہی ہے کہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے ہاں دینا ہی کو ہے جسے اس منصب عظیم کے قابل بناتا ہے جو قبل حصول نبوت تمام اخلاق و فضائل سے پاک اور تمام اخلاق ناقضہ سے حرین ہو کر جملہ مدارج ولایت طے کر چکا ہے اور اپنے نسب و جسم و قول و فعل و حرکات و سکنات میں ہر ایسی بات سے منزہ ہوتا ہے جو باعث نفرت ہو اسے محض کامل عطا کی جاتی ہے جو اوروں کی محض سے بدرجہا زائد ہے کسی حکیم اور کسی نقشبندی محض اس کی لاکھویں حصہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ اللہ اعلم حیث یجعل وصالہ۔ (الانعام ص ۱۳۳) اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔ (ترجمہ تکریم ایمان)

اور یہ ان کو نبوت دے جانے سے پہلے کا معاملہ تھا۔ (المائدہ: ۱۳۹-۱۳۸)
حضرت موسیٰ کے شہر میں دخول کے وقت لوگوں کے غافل ہونے کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور موسیٰ اس وقت شہر میں داخل ہوئے جب لوگ غافل تھے اور وہاں انہوں نے دوسروں کو گڑتے ہوئے پایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جہان ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے دین اور ان کے آباء کے دین کا علم عطا فرمایا: تو انہوں نے جان لیا کہ فرعون اور اس کی قوم باطل پر ہیں۔ حضرت موسیٰ نے دین حق کا بیان کیا اور ان کے دین کی مذمت کی اور یہ چیز مشہور ہو گئی اور فرعون نے ان کے مخالف ہو گئے اور بنی اسرائیل کی ایک جماعت ان کا وعظ و خطبہ سنی تھی اور ان کی اقتداء کرتی تھی پھر فرعون کا خطرہ یہاں تک بڑھا کہ حضرت موسیٰ فرعون کے شہر میں بہت محتاط ہو کر داخل ہوتے تھے ایک مرتبہ وہ ایسے وقت میں شہر میں داخل ہوئے جب شہر والے غافل تھے اکثر مفسرین کے نزدیک وہ دو پہر کا وقت تھا اور اس وقت وہ لوگ قیلوہ (دو پہر کو نیند) کر رہے تھے۔ حضرت ابن عباس سے ایک روایت ہے کہ وہ مغرب اور عشاء کا درمیانی وقت تھا مگر پہلی روایت اولیٰ ہے۔ آیت کی تفسیر میں ابن زید نے یہ کہا ہے کہ اس غفلت سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ لوگ نیند میں غافل تھے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ حضرت موسیٰ کے واقعہ اور ان کے ذکر سے غافل ہو چکے تھے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کم سن تھے تو انہوں نے فرعون کے سر پر لاٹھی ماری تھی اور اس کی ڈانچھی نوچ لی تھی تو فرعون نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا پھر کچھ انکارے لائے گئے حضرت موسیٰ نے انکارے اٹھا کر منہ میں ڈال لیے تھے جس سے ان کی زبان جل گئی تھی اسی وجہ سے ان کی زبان میں گرہ پڑ گئی تھی جب فرعون نے کہا تھا اس کو قتل نہ کرو لیکن اس کو اس گھر سے اور اس شہر سے نکال دو۔ پس حضرت موسیٰ کو نکال دیا گیا اور وہ جہان ہونے تک اس شہر میں داخل نہیں ہوئے اور لوگ ان کا ذکر بھول بھال گئے۔

(جامع البیان ۲: ۵۴-۵۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

عصمت انبیاء پر اعتراض کا جواب

حضرت موسیٰ جب جہان ہو گئے تو وہ ایک دن شہر میں جا رہے تھے انہوں نے دو آدمیوں کو گڑتے ہوئے دیکھا ایک بنی اسرائیل میں سے تھا اور دوسرا آل فرعون سے تھا۔ اسرائیلی نے فرعون کے خلاف حضرت موسیٰ سے مدد طلب کی حضرت موسیٰ نے غضب میں آ کر فرعون کے ایک گھوڑا مارا ان کا ارادہ اس کو قتل کرنے کا تھا لیکن وہ شخص مر گیا جب حضرت موسیٰ نے کہا یہ کام شیطان کی طرف سے سرزد ہوا۔

حافظ ابن عساکر متوفی ۵۷۵ھ نے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے اس فرعونی سے کہا اس اسرائیلی کو چھوڑ دو اس فرعونی نے کہا اے موسیٰ تم کو معلوم نہیں ہے ہمارے مالک فرعون کو برا کہتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے کہا اے غیث! تم نے جھوٹ بولا بلکہ مالک صرف اللہ ہے اور فرعون اور اس کے کاموں پر لعنت ہو جب فرعونی نے یہ بات سنی تو وہ اسرائیلی کو چھوڑ کر حضرت موسیٰ سے لڑنے لگا۔ حضرت موسیٰ نے اس کو ایک گھوڑا مارا اور وہ قتل ہو گیا۔

(جامع تہذیب ۶: ۲۳-۲۲ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

جو کہ عصمت انبیاء کے قائل نہیں ہیں وہ اس واقعہ کی وجہ سے عصمت انبیاء پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے خود اعتراض کیا کہ یہ شیطان کا عمل تھا اور انہوں نے اس پر استغفار کیا اور کہا اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر علم کیا تو مجھے محاف فرما اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے اس فرعونی کو قتل کرنے کے ارادہ سے گھوڑا نہیں مارا تھا بلکہ دیا گھوڑا مارا

تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے خصوصیت کے ساتھ نبوت کا ذکر یہ بتانے کے لیے فرمایا کہ آپ کو تمام انبیاء سے پہلے نبوت دی گئی، کیونکہ نبوت اسی وقت ملتی ہے جو اس کے لیے اللہ کے نزدیک وقت مقرر ہوتا ہے۔

نیز علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ شیخ محمد بن عبد بن عربی نے الفتوحات المکیہ میں لکھا ہے کہ تمام انبیاء اور مرسلین کے مدد طلب کرنے کی جگہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہے کیونکہ آپ ہی قلب الاقطاب ہیں اور آپ ہی تمام اولئین اور آخرین لوگوں کی مدد کرنے والے ہیں اور آپ ہی برہنہ اور ولی کی مدد کرنے والے ہیں خواہ ان کا علم اور آپ سے پہلے ہو جب آپ غیب میں تھے یا آپ کے بعد ہو جب آپ عالم شہادت میں ظاہر ہو گئے اور یا جب آپ برزخ میں محفل ہو چکے ہیں کیونکہ آپ کی رسالت کے انوار حقد میں اور متاخرین کے عالم سے کبھی منقطع نہیں ہوئے۔

اگر تم یہ کہو کہ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا تو ان میں کس طرح تحقیق ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں کا معنی واحد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو پیدا کیا اور اس حقیقت کو کبھی عقل سے تعبیر فرمایا اور کبھی نور سے۔ (الذیاقۃ والنجوار میں ۳۳۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۸ھ)

علامہ سید محمود آلوسی خلی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

بلکہ ہمارے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وجود کا فیضان کرنے کے لیے تمام موجودات کے لیے وسیلہ ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے تمام مخلوق پر جو فیضان ہوا ہے اس کے لیے بھی آپ وسیلہ ہیں کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام آپ کے انوار کی شعاعیں ہیں اور آپ کے انوار کے عکس ہیں اور آپ ہی انوار الحق اور انبیاء المطلق ہیں اور آپ اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم مٹی اور پانی کے درمیان تھے اور جب انبیاء ارحام اور اصحاب کے حجاب میں تھے اس وقت بھی وہ آپ سے فیض لے رہے تھے اور اس وقت بھی جب وہ اس عالم میں ظاہر ہوئے اور اس وقت آپ حجاب میں تھے جیسے جب رات کو ستارے ظاہر ہوتے ہیں اور سورج ظاہر نہیں ہوتا لیکن وہ ستارے اسی کے فیض سے روشن ہوتے ہیں اور جب سورج ظاہر ہوتا ہے تو ستارے چھپ جاتے ہیں اسی طرح جب آپ اس عالم میں جلوہ گر ہوئے تو تمام انبیاء چھپ گئے اور ان کی شریعتیں منسوخ ہو گئیں اور صرف آپ کی شریعت باقی رہی۔ (روح المعانی ج ۱۵ ص ۸۳ مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا الست ہو حکم تو سب سے پہلے آپ کی روح نے ہلی کہا۔

(روح المعانی ج ۹ ص ۱۶۲ مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۴۱۷ھ)

حضرت موسیٰ کو حکم اور علم دینے کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور جب موسیٰ اپنی پہری قوت (جوانی) کو پہنچ گئے اور توانا ہو گئے تو ہم نے ان کو حکم اور علم عطا فرمایا۔ (انقص ۱۳)

حکم اور علم کی تفسیر میں علامہ ابو عبد اللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب ان کی عمر چالیس سال ہو گئی اور حکم سے مراد ہے وہ حکمت جو ان کو نبوت سے پہلے دی گئی اور علم سے مراد ہے دین کی فضا امام محمد بن اسحاق نے کہا ان کو ان کے دین اور ان کے آباء کے دین کا علم دیا گیا اور بنی اسرائیل میں سے نو (۹) آدمی تھے جو ان کے احکام سننے تھے اور ان کی اقتداء کرتے تھے اور ان کے پاس بیٹھے تھے

وَلَا تَحْكُمُوا لِي الْإِنِّينَ عَلَيْنَا وَتَحْكُمُوا لَنَا الْإِنِّينَ
خالموں کی طرف مائل نہ ہو ورنہ تم کو بھی دوزخ کا عذاب

پہنچے گا۔ (مور: ۱۱۳)

اور اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مقدمہ میں ظلم کے ساتھ مدد کی یا ظلم کی مدد کی تو جب تک وہ اس سے رجوع نہیں کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۹۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۳۰، مسند رک ج ۳ ص ۹۹، مجمع الجامع رقم الحدیث: ۲۰۲۹۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۳۹۳۸، الجامع البصیر رقم الحدیث: ۸۴۷۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی مقدمہ میں ظلم کے باوجود ظالم کی ظلم کے ساتھ مدد کی اس سے اللہ کا ذمہ اور اس کے رسول کا ذمہ بری ہو گیا۔

(تاریخ البدایہ ج ۸ ص ۹۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۳۹۳۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے کسی ظالم کی مدد کی کہ اس کے باطل موقف کو ثابت کرنے کے لیے کسی کا حق ضائع کر دے تو اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ بری ہوگا۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مجمع الجامع رقم الحدیث: ۲۰۲۹۷، الجامع البصیر رقم الحدیث: ۸۴۷۳، مسند رک ج ۳ ص ۱۰۰، قدیم المسند رک رقم الحدیث: ۵۵۲، غنیہ ج ۲ تاریخ دمشق الکبیر ج ۵ ص ۱۹۰، رقم الحدیث: ۵۲۹۰۰)

تاریخ دمشق کی روایت میں اس کے بعد یہ اضافہ ہے:

اور جس نے مسلمانوں کے عہدہ پر کسی مسلمان کو مقرر کیا حالانکہ اس کو ظلم تھا کہ مسلمانوں میں اس سے بہتر شخص موجود ہے جو اس سے زیادہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو جاننے والا ہے تو اس نے اللہ سے اس کے رسول سے اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ خیانت کی اور جو شخص مسلمانوں کے کسی منصب پر فائز ہوا تو اس وقت تک اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر نہیں فرمائے گا جب تک کہ وہ مسلمانوں کے معاملات نہ فرمائے اور ان کی ضروریات کو پورا نہ کرے اور جس نے ایک درہم بھی سود کھایا اس کو چھینس (۳۶) بار زنا کا گناہ ہوگا اور جس کا گوشت حرام سے بنا ہوا اس کے دوزخ زیادہ لائق ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی ظالم کی مدد کی اللہ اس ظالم کو اس پر مسلط کر دے گا۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

(مجمع الجامع رقم الحدیث: ۲۰۲۹۷، الجامع البصیر رقم الحدیث: ۸۴۷۳، ضعیف الجامع لابن ابی نعیم رقم الحدیث: ۵۲۹۰۰)

حضرت اوس بن شریل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ظلم کے باوجود کسی ظالم کے ساتھ اس کی مدد کرنے کے لیے گیا تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔

(انقر دس بمائثر الخلاب رقم الحدیث: ۵۷۰۹، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۱۲، مسند ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۱۱۱، شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۷۷۵)

مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۰۵، الجامع البصیر رقم الحدیث: ۶۰۳۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۳۹۵۵)

حضرت معاویہ بن جبلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مظلوم کے ساتھ اس کا حق ثابت کرنے کے لیے گیا اللہ اس دن اس کو ثابت قدم رکھے گا جس دن لوگوں کے قدم پھسل جائیں گے۔

تھا اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور انہوں نے جو یہ فرمایا کہ یہ شیطان کا عمل تھا یہ حسب عطا فرمایا یعنی ظاہر میں یہ شیطان کا عمل تھا اگرچہ حقیقت میں ایسا نہ تھا اور انہوں نے جو یہ دعا کی اسے میرے رب! میں نے اپنی جان پر علم کیا تو مجھے معاف فرما تو یہ ان کی تواضع اور انکسار ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے دعا کی تھی: رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا (۱۱۱: اعراف: ۲۳)

حضرت موسیٰ کے اس قول کی توجیہات کہ ”میں مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا“

اس کے بعد حضرت موسیٰ نے دعا میں عرض کیا: اے میرے رب چونکہ تو نے مجھ پر انعام فرمایا ہے سو اب میں بھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔ (اقصص: ۷۵)

انعام سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان کو حکم اور علم عطا فرمایا تھا اور ان کو انبیاء سابقین کی سیرت اور ان کے طریقہ پر چلایا تھا اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قتل کرنے کو معاف فرمایا تھا کیونکہ یہ وحی کے نزول سے پہلے کا واقعہ تھا اور اس وقت ان کو یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کو معاف فرما دیا ہے۔ فحاشی نے کہا حضرت موسیٰ کی مراد یہ تھی کہ چونکہ تو نے اس قتل کے بعد مجھ کو کوئی سزا نہیں دی اس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ چونکہ تو نے مجھے ہدایت پر برقرار رکھا اور مجھے استغفار کرنے کی توفیق عطا کی سو اس کے شکر میں میں اب بھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔

مجرموں کی مدد نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ میں اب فرعون کے ساتھ نہیں رہوں گا کیونکہ حضرت موسیٰ ایک روایت کے مطابق فرعون کے ساتھ رہا کرتے تھے حتیٰ کہ وہ ابن فرعون کہلاتے تھے۔

اس کا دوسرا حمل یہ ہے کہ میں کسی شخص کی ایسی مدد نہیں کروں گا جو مجھے کسی جرم کے ارتکاب تک پہنچا دے جیسے میں نے اس اسرائیلی کی مدد کی جس کے نتیجہ میں ایک فرعون میرے ہاتھوں قتل ہو گیا جس کو قتل کرنے کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا اور میں مجرمین کے خلاف مسلمانوں کی مدد ترک نہیں کروں گا۔ اس تفسیر کے مطابق وہ اسرائیلی مومن تھا اور مومن کی مدد کرنا تمام شریعتوں میں واجب ہے۔

اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ بعض روایات کے مطابق وہ اسرائیلی کافر تھا اور قرآن شریف میں جو یہ فرمایا ہے کہ وہ ان کی جماعت سے تھا اس سے مراد وہ دین میں موافقت نہیں ہے صرف نسب میں موافقت ہے اسی بناء پر حضرت موسیٰ تادم ہوئے کیونکہ انہوں نے ایک کافر کی مدد کی ہے اور وہ اس کا کافر کے خلاف مدد کی تھی۔ پس انہوں نے کہا میں آئندہ مجرمین یعنی کافرین کی مدد نہیں کروں گا لیکن ان کا یہ اقدام گنہگار نہیں تھا کیونکہ وہ اسرائیلی مظلوم تھا اور مظلوم خواہ کافر ہو اس کی مدد کرنا مستحسن ہے اور اس پر حضرت موسیٰ کا تادم ہونا محض ان کی تواضع اور انکسار ہے۔

اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کا یہ قول نہیں ہے بلکہ دعا ہے اور اس کا معنی یہ ہے اے میرے رب! مجھے مجرموں کا مددگار نہ بنانا۔ (الامع: ۱۱۱: ۲۳۳) (تفسیر: ۱۱۱: ۲۳۳)

قرآن مجید اور احادیث سے ظالم کی مدد کرنے کی ممانعت

اس آیت سے یہ مسئلہ مستنبط کیا گیا ہے کہ ظالموں کی مدد کرنا جائز نہیں ہے۔ عطا نے کہا کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ظالم کی مدد کرے نہ اس کو کچھ لکھ کر دے اور نہ اس کی مجلس میں بیٹھے اور اگر اس نے ان میں سے کوئی کام کیا تو وہ ظالموں کا مددگار ہو جائے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

ایک روایت ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ کو قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا اس شخص کو یہ خبر پہنچ گئی تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آ کر بتا دیا۔

(الجامع والحامد القرآن ۳۳ ص ۳۳۵، التلخیص فی التفسیر ۱۵۸ ص ۱۵۸، التلخیص فی التفسیر ۱۵۸ ص ۱۵۸، التلخیص فی التفسیر ۱۵۸ ص ۱۵۸)

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَن يَهْدِيَنِي سَوَاءً

اور موسیٰ جب مدین کی جانب متوجہ ہوئے (۴) کہا عنقریب مجھے میرا رب سیدھا راستہ دکھا

التَّيْلُ ﴿٣٧﴾ وَلَكِنَّا وَرَدْنَا مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِّنْ

وے گا O اور جب وہ مدین کے پانی پہ پہنچے تو دیکھا وہاں لوگوں کا ایک گروہ (۱) ہے

التَّاسِ يَسْقُونَ هُوَ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ

موسیٰ کو (ہائی چار رہا ہے اور ان سے الگ دو خواتین کو دیکھا جو اپنے موسیٰ کو پانی پر جانے سے روک رہی تھیں

قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَا الْاِنْسَقَىٰ حَتَّىٰ يُصَدِّرَ الرَّعَاءَ وَابْنُ نَاشِئٍ

موی نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا ہم اس وقت تک پانی نہیں چا سکتیں جب تک کہ (سب) چمدا ہے (پانی چاکر)۔ اہاں

كَيْدٍ ۖ فَسَقَى لَهُمَاءً تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا

نہ ملے جائیں اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں ○ یہی موسیٰ نے ان کے مویشیوں کو پانی پلا دیا پھر سامنے کی طرف آ گئے اور عرض کیا اے

أَنْزَلَتْ إِلَىٰ مَنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ﴿٣٠﴾ فَجَاءَتْهُ إِحَدَاهُمَا تَمْشِي عَلَىٰ

میرے رب! بے شک میں اس اچھائی کا محتاج ہوں جو تو نے میری طرف نازل کی ہے ۵ پھر ان دونوں میں سے ایک

اسْتَحْيَا قَالَتْ إِنَّ ابْنِي يَدْعُوكَ لِجَزِيكَ أَجْرًا سَقَيْتَ لَنَا

شرابی ہوئی آئی اور کہا ہے ملک میرے والد آپ کو ملاتے ہیں تاکہ آپ نے جو امرے موبیشیوں کو پانی پلایا ہے اس کی جزا

فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقِصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ لِي بِكَ نَجْوَىٰ مِنَ

وہیں ہیں جب موسیٰ ان کے پاس پہنچے اور ان کو سارا قصہ سنایا (۷) انہوں نے کہا آپ غم نہ کریں آپ عالم لوگوں سے

الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢٥﴾ قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ

نہات پاچے ہیں O ان دونوں خواتین میں سے ایک نے کہا اے ابا جان! آپ ان کو اجرت پر رکھ لیجئے بے شک آپ

(انقر دی باثر انتخاب رقم لکھو: ۵۰ جمع الجوامع رقم لکھو: ۳۳۷۴۳۱ کنز العمال رقم لکھو: ۵۲۶۷)

خفاصوں کی مدد نہ کرنے کے متعلق اور بھی بہت احادیث اور آثار ہیں لیکن میں اختصار کی وجہ سے ان کا ذکر نہیں کر رہا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس موسیٰ نے اس شہر میں ڈرتے ہوئے اس انتظار میں صبح کی (کہ اب کیا ہوگا) میں اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی پھر ان کو مدد کے لیے پکار رہا تھا موسیٰ نے اس سے کہا بے شک تو کھلا ہوا گمراہ ہے اور پھر جب موسیٰ نے اس شخص کو پکڑنا چاہا جو ان دونوں کا دشمن تھا تو اس نے (غلط فہمی سے) کہا اے موسیٰ کیا تم آج مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح کل تم نے اس شخص کو قتل کر دیا تھا تم تو صرف یہی چاہتے ہو کہ تم اس شہر میں زبردست (دادا گیر) بن جاؤ اور تم مسلمانوں میں سے نہیں بننا چاہتے ۵ (انقص ۱۹-۱۸)

اپنی جماعت کے اسرائیلی کو کھلا ہوا گمراہ کہنے کی توجیہ

جب حضرت موسیٰ نے گھوٹنے سے وہ فرعون کی ہلاک ہو گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خوف کی حالت میں اس دن کے بعد صبح کی آپ کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر فرعون اور اس کے درباریوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ آپ کے ہاتھ سے وہ فرعون کی مارا گیا ہے تو آپ کو گرفتار کر لیا جائے گا پس دوسرے دن آپ چھپتے ہوئے نکلے اچانک آپ کیا دیکھتے ہیں کہ وہی کل دولا اسرائیلی جس نے گزشتہ کل آپ سے مدد طلب کی تھی وہ پھر مدد کے لیے چلا رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا تو کھلا ہوا گمراہ ہے۔
اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جماعت کا فرد تھا تو آپ نے اس کو کھلا ہوا گمراہ کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سخت بے وقوف اور احمق تھی انہوں نے اس پر دلائل کا مشاہدہ کر لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے اس کے باوجود انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا:
اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ۚ
ہمارے لیے بھی ایسا خدا بنادیں جیسا ان لوگوں کا خدا ہے۔

(الاعراف: ۳۸)

تو غصی مبین سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ تم جاہل اور احمق ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جو شخص ہر روز کسی سے جھگڑا کرے وہ کھلا ہوا گمراہ ہی ہوگا۔

اسرائیلی نے حضرت موسیٰ کو جبار (دادا گیر) کیوں کہا تھا

پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے مشترک دشمن کو پکڑنا چاہا تو اس اسرائیلی نے غلط فہمی سے یہ سمجھا کہ حضرت موسیٰ اس کو پکڑ رہے ہیں اس لیے اس نے کہا آپ تو اس شہر میں جبار یعنی زور اور زبردستی کرنے والے بننا چاہتے ہیں جس کو ہمارے عرف میں دادا گیر کہتے ہیں اور اس اسرائیلی کا حضرت موسیٰ کو جبار یعنی دادا گیر کہنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دراصل کافر تھا۔ جبار سے مراد وہ شخص ہے جو جس کو چاہے مارے پیٹے یا قتل کر دے اور جس پر جو چاہے ظلم کرے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ایک مرد شہر کے آخری کنارے سے دوڑتا ہوا آیا اس نے کہا اے موسیٰ بے شک (فرعون کے) سردار آپ کے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں سو آپ یہاں سے نکل جائیں بے شک میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں ۵ موسیٰ اس شہر سے ڈرتے ہوئے نکلے اس انتظار میں کہ اب کیا ہوگا؟ انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! مجھے ان ظالم لوگوں سے نجات دے دے ۵ (انقص ۲۱-۲۰)

علامہ قطبی نے کہا کہ اس شخص کا نام حزم تھا بنی مبرا تھا اور وہ آل فرعون میں سے مومن تھا اور وہ فرعون کا ہم زاد تھا۔ علامہ سبکی نے کہا کہ اس کا نام طاوت تھا قنارہ سے روایت ہے کہ وہ آل فرعون سے مومن تھا اور اس کا نام شمعون تھا اور

لاؤ ان کو مدین کا راستہ معلوم نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو گھوڑے سواری صورت میں بھیجا اس نے حضرت موسیٰ سے کہا آپ میرے ساتھ چلیں یوں حضرت موسیٰ کی یہ دعا قبول ہوئی کہ مقرب مجھے میرا رب سیدھا راستہ دکھا دے گا۔

حضرت موسیٰ ایک کنوئیں پر پہنچے وہاں پر بہت لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے اور کنوئیں کی چلی جانب دو لڑکیاں کھڑی تھیں جو اپنی بکریوں کو کنوئیں کی جانب سے روک رہی تھیں۔ حضرت موسیٰ نے ان سے پوچھا تم اس طرح الگ کیوں کھڑی ہو؟ اور کیوں اپنی بکریوں کو روک رہی ہو؟ انہوں نے بتایا کہ وہ لوگوں کے جہنم میں اور اتنے زلزلے میں اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے اور ضعیف ہیں اگر وہ طاقت ور ہوتے تو خود آکر جانوروں کو پانی پلا دیتے اس لیے جب تک کہ سب چرواہے اپنی اپنی بکریوں کو پانی پلا کر نہ چلے جائیں وہ پانی نہیں پلا سکتیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی بکریوں کو کنوئیں سے پانی نکال کر پلا یا پھر آکر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔

(تاریخ دمشق المکبر ج ۳ ص ۲۶-۲۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۲ھ)

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے عرض کیا: اے میرے رب! میں اس اچھائی یا خیر کا محتاج ہوں جو تو نے میری طرف نازل کی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تو نے میری طرف کھانے پینے کی چیزیں یا جو بھی نعمتیں نازل کی ہیں میں ان کا محتاج ہوں۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ چونکہ ایک ہفتہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوئی طعام نہیں کھایا تھا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے طعام کا سوال کیا تھا اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! تو نے میری طرف دین کی جو اچھائیاں نازل کی ہیں اور مجھ کو جو تک لوگوں کی سیرت پر کاربند رکھا ہے میں اسی نعمت کا محتاج ہوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال کے مناسب یہی معنی ہے۔ خیر کا اطلاق کھانے پر امور خیر پر عبادات پر قوت و طاقت پر اور مال پر کیا جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا یہاں خیر کا اطلاق کھانے پر کیا گیا ہے اور حضرت موسیٰ نے کھانے کی دعا کی تھی۔ (تاریخ دمشق ج ۳ ص ۲۶ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ان دونوں میں سے ایک شرباتی ہوئی آئی اور کہا بے شک میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے جو ہمارے مویشیوں کو پانی پلا یا ہے اس کی جزا دیں۔ پس جب موسیٰ ان کے پاس پہنچے اور ان کو سارا قصہ سنایا (تو انہوں نے کہا کہ آپ فکر نہ کریں آپ خالم لوگوں سے نہایت پائے جگے ہیں) ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک نے کہا اے ابا جان! آپ ان کو اجرت پر رکھ لیجیے بے شک آپ جس کو اجرت پر رکھیں گے ان میں بہترین وہی ہے جو طاقت ور اور ایماندار ہو۔

(قصص ۲۲:۲۵)

حضرت موسیٰ کا حضرت شعیب کے گھر جانا

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ان دو لڑکیوں میں سے ایک کا نام لیا اور دوسری کا نام مقور یا (یا مقوراء) تھا اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ان کے والد حضرت شعیب تھے۔ علامہ قرطبی کی بھی یہی رائے ہے۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ ان کے والد حضرت شعیب علیہ السلام کے بیٹے بیرون تھے حضرت شعیب نا پختہ ہونے کے بعد فوت ہو گئے تھے۔ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے اور ابو عبیدہ کا بھی یہی عقار ہے۔ حافظ ابن کثیر نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ حضرت شعیب کا زمانہ حضرت موسیٰ کے زمانہ سے بہت پہلے کا ہے لیکن زیادہ تر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ان کے والد حضرت شعیب علیہ السلام ہی تھے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ظاہر قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۸۹ الحاشیہ ۵۸۹ و حکام القرآن ج ۳ ص ۲۲۹ و در النکاح العربی ۱۲۲۸ھ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۲۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لڑکیوں کے ساتھ جو اچھا اور احسان کیا تھا انہوں نے گھر جا کر اس کا ذکر اپنے بوڑھے

مَنْ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيَّ الْأَمِينُ ﴿۲۷﴾ قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ لَمَّا كَلَّكَ

جس کو اجرت پر رکھیں گے ان میں بہترین وہی ہے جو طاقت ور اور امانت دار ہو ۲۷ انہوں نے کہا میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی

إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمَنِي حَبِيرَةً فَإِنْ أَتَمَمْتَ

بٹیوں میں سے ایک کا آپ کے ساتھ نکاح کروں اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال تک اجرت پر میرا کام کریں پھر اگر آپ نے وہی

عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَمْلِكَ عَلَيْكَ تُسْجِدُنِي إِنْ

سال پورے کر دیتے تو یہ آپ کی طرف سے (احسان) ہو گا اور میں آپ کو مشکل میں ڈالتا نہیں چاہتا آپ ان شاء اللہ!

شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۲۸﴾ قَالَ ذَلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ

مجھے ایک لوگوں میں سے پاؤں گے ۲۸ موی نے کہا یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہے میں نے ان دونوں میں سے

قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿۲۹﴾

جس مدت کو بھی پورا کر دیا تو مجھ سے کوئی زیادتی نہیں ہو گی اور ہمارے اس معاہدہ پر اللہ تمہارا ہے ۲۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موی جب مدین کی جانب متوجہ ہوئے (تو) کہا تم قریب مجھے میرا رب سیدھا راستہ دکھا دے گا ۳۰

اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا وہاں لوگوں کا ایک گروہ (اپنے موشیوں کو) پانی پلا رہا ہے اور ان سے الگ دو خاتون

کو دیکھ جو (اپنے موشیوں کو پانی پر جانے سے) روک رہی تھیں ۳۱ موی نے پوچھا: تمہارا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا ہم اس

وقت تک پانی نہیں چا سکتیں جب تک کہ (سب) چر رہے (پانی پلا کر) واپس نہ چے جائیں اور ہمارے باپ بہت بوڑھے

ہیں ۳۲ موی نے ان کے موشیوں کو پانی پلایا پھر سائے کی طرف آگئے اور عرض کیا اے میرے رب! ابے شک میں اس

اچھائی کا بیج ہوں جو تو نے میری طرف نازل کی ہے ۳۳ (القسم ۲۹-۳۳)

حضرت موی علیہ السلام کا مدین پہنچنا اور حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلانا

مدین ایک قبیلہ کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھا جب کہ حضرت موی علیہ السلام حضرت یعقوب

علیہ السلام کی نسل سے تھے یوں اہل مدین اور حضرت موی علیہ السلام کے درمیان کسی تعلق بھی تھا۔ یہ قبیلہ شعیب کے شرقی اور

مغربی ساحلوں پر آباد تھا یہ سارا علاقہ مدین کہلاتا تھا اس علاقہ کا مرکزی شہر بھی مدین تھا اور یہی علاقہ حضرت شعیب علیہ السلام

کا مولد اور مسکن تھا۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ مصر اور مدین کے درمیان آٹھ دن کی مسافت تھی ان جنیر نے کہا ہے کہ مدین

کے ملک میں فرعون کے علاوہ کسی اور کی حکومت تھی۔

حضرت موی علیہ السلام فرعونوں سے خوف زدہ ہو کر اپنے ایک مدین کی طرف چل پڑے تھے پہلے سے ان کا کوئی منصوبہ نہ

تھا ان کے پاس سواری تھی نہ راستہ میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ وہ راستہ میں درختوں کے پتے

کھا کر سفر کر رہے تھے فرعون نے ان کی محاش میں اپنے کارندے دوڑا دیے تھے۔ اس نے کہا ان کو راستہ کی گھاٹیوں سے پکڑ

مجھ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا جب آپ نے حضرت حصہ کا رشتہ مجھے پیش کیا تھا اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا تو آپ کو اس سے رنج پہنچا ہوگا؟ حضرت عمر نے کہا ہاں! حضرت ابو بکر نے کہا مجھے جواب دینے سے اس کے سوا اور کوئی چیز مانع نہیں تھی کہ مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حصہ کا ذکر کیا تھا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشاء کرنا نہیں چاہتا تھا اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حصہ کو ترک کیا ہوتا تو میں ان کو قبول کر لیتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۰۵۵۴۳)

امام بخاری نے اس حدیث کا یہ عنوان قائم کیا ہے کہ کسی شخص کا نیک لوگوں پر اپنی بہن یا بیٹی کا رشتہ پیش کرنا اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے معاشرہ کا یہ رواج انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کے طریقہ کے خلاف ہے۔

قرآن مجید اور احادیث سے اجارہ (أجرت پر کوئی کام کرانے) کا ثبوت

اس آیت میں ہے کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح آپ کے ساتھ کر دوں اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال تک اجرت پر میرا کام کریں۔ (تقصیر: ۲۷)

ہمارے علماء نے اس آیت سے اجارہ (أجرت) دے کر کام کرنا یا حروری کرنا کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

حس اللہ ابو بکر محمد بن ابی ہل خلی متوفی ۲۸۳ھ لکھتے ہیں:

کسی مبین مال کے عوض منفعت کے حصول کے عقد کو اجارہ کہتے ہیں۔

منافع کے عقد کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو بغیر عوض کے ہو جیسے کسی چیز کو بے طور عاریتہ لینا یا کوئی خدمت کرنے کی وصیت کر دے اور دوسرا وہ عقد ہے جو کسی عوض کے ساتھ ہو اس کو اجارہ کہتے ہیں اس کا ثبوت کتاب اور سنت سے ہے کتاب سے ثبوت کی اصل یہ آیت ہے:

عَلَىٰ أَنْ تَأْتِيَنِي بَعِيَّةٌ ۖ وَقَدْ آتَيْتَ عَشْرًا مِائِينَ

اور اگر آپ نے دس سال پورے کر دیئے تو یہ آپ کی طرف سے

احسان ہوگا۔

اور جو چیز ہم سے پہلے کی شریعت سے ثابت ہو وہ بھی ہم پر لازم ہوتی ہے بشرطیکہ اس کے قطع یا منسوخ ہونے پر کوئی دلیل قائم نہ ہو اور حدیث میں بھی اس کے ثبوت پر دلیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حرور کا پینڈہ شنگ ہونے سے پہلے اس کی اجرت دے دو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۳۳) اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(المصنوع ۵ ص ۸۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ سرخسی نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کی سند ضعیف ہے حالانکہ اجارہ کے ثبوت میں صحیح سند کے ساتھ بھی حدیث ہے اور وہ یہ ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں قیامت کے دن تین آدمیوں سے حسرت کروں گا ایک وہ آدمی جس نے میری قسم کھا کر کوئی عہد کیا پھر اس عہد کو توڑ دیا دوسرا وہ آدمی جو کسی آزاد شخص کو بیچ کر اس کی قیمت کھا گیا تیسرا وہ آدمی جس نے کسی حرور کو اجرت پر طلب کیا اس سے کام پورا لیا اور اس کو اجرت نہیں دی۔

باپ سے کیا جس سے انہوں نے بھی اس احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ دینا چاہا اور ان کو اپنے گھر بلا دیا۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ ان کے گھر پہنچے تو انہوں نے ان کو کھانا پیش کیا حضرت موسیٰ نے کہا میں کھانا نہیں کھاؤں گا میں نے یہ کام اللہ کی رضا کے لیے کیا ہے اور اگر تمام روئے زمین کو سونا بنا دیا جائے تو میں اس کے عوض بھی اللہ کی رضا کے لیے کیے ہوئے کام کو فروخت نہیں کروں گا۔ حضرت شعیب نے کہا یہ آپ کے پانی پلانے کا معاوضہ نہیں ہے لیکن مسافروں کو کھانا کھانا اور مہمان نوازی کرتا ہمارے آباء و اجداد کا طریقہ ہے تب حضرت موسیٰ نے کھانا کھالیا۔

ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک نے کہا اے ابا جان آپ ان کو اجرت پر رکھ لیجیے بے شک آپ جس کو اجرت پر رکھیں گے ان میں بہترین وہی ہے جو وقت اور ایماندار ہو۔ حضرت شعیب نے پوچھا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ طاقت ور اور ایماندار ہیں؟ اس پر انہوں نے کہا جس کنوئیں سے انہوں نے پانی پلایا تھا اس پر اتنا بھاری چتر رکھا ہوتا ہے کہ دس آدمی مل کر اس چتر کو اٹھاتے ہیں لیکن انہوں نے اکیلے ہی اس چتر کو اٹھالیا تھا۔ یہ ان کے طاقت ور ہونے کی دلیل ہے اور ان کے ایمان دار اور متقی ہونے کی دلیل ہے یہ کہ راستہ بتانے کے لیے میں ان کے آگے آگے چل رہی تھی ہوا سے بار بار میری چاروں آواز جاتی تھی تو انہوں نے کہا تم پیچھے پیچھے چلو میں آگے آگے چلتا ہوں تاکہ میری نگر تھارے جسم کے کسی حصہ پر نہ پڑے اور راستہ کی نشان دہی کے لیے پیچھے سے کوئی چتر یا ٹنگری مار دیا کرو۔

(تیسرا نام ان ابی حاتم رقم اللہ ہے ۱۸۸۳ تا ۱۹۵۳ء معیہ کتبہ زرارہ معنی مذکورہ ۱۲۱۸ تاریخ دمشق و تیسری ج ۶۵ ص ۶۸ دار احیاء التراث

مصری بیروت ۱۳۸۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح آپ کے ساتھ کروں اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال تک اجرت پر میرا کام کریں اور اگر آپ نے دس سال پورے کر دیئے تو یہ آپ کی طرف سے (احسن) ہوگا اور میں آپ کو مشک میں ڈالنا نہیں چاہتا آپ ان شاء اللہ اٹھنے تک لوگوں میں پائیں گے موسیٰ نے کہا یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہے میں نے ان دونوں میں سے جس بات کو بھی پورا کر دیا تو مجھ سے کوئی زیادتی نہیں ہوگی اور ہمارے اس معاہدہ پر اللہ نگہبان ہے (القسم ۳۸-۳۹)

لڑکی والوں کی طرف سے لڑکے کو نکاح کی پیشکش کرنے کا جواز اور استحسان

ہمارے معاشرہ میں لڑکی والوں کی طرف سے رشتہ کی پیشکش کو میوہ سمجھا جاتا ہے لیکن قرآن مجید کی اس آیت میں تصریح ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی کسی ایک بیٹی کے ساتھ نکاح کی پیشکش کی مصحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ایسا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت حصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما حضرت خنیس بن حذافہ السہمی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں جب وہ مدینہ میں فوت ہو گئے اور حضرت حصہ بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کو حضرت حصہ کا رشتہ پیش کیا حضرت عثمان نے کہا میں اس معاملہ پر غور کروں گا چند دنوں بعد حضرت عمر نے پھر حضرت عثمان سے تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں ابھی نکاح نہ کروں حضرت عمر نے کہا پھر میں نے حضرت ابوبکر سے کہا اگر آپ چاہیں تو میں حصہ کا آپ سے نکاح کروں حضرت ابوبکر خاموش رہے اور انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا حضرت عمر کہتے ہیں مجھے حضرت عثمان کی بہ نسبت حضرت ابوبکر سے زیادہ رنج و پیچھا چتر چند دنوں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حصہ کے لیے پیغام دیا تو میں نے آپ سے ان کا نکاح کر دیا بعد میں جب حضرت ابوبکر کی

کے مشورہ کے بغیر نہیں کیا جائے گا اور کنواری لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جائے گا مسلمانوں نے پوچھا وہ اجازت کیسے دے گی؟ آپ نے فرمایا وہ خاموش رہے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۳۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۱۴ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۲۶۷)

اس باب میں اور بھی بہت احادیث ہیں۔

خدمت اور کسی کام کو مہر قرار دینے پر امام مالک اور امام شافعی کا استدلال

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اس شرط پر اپنی ایک بیٹی کا حضرت موسیٰ سے نکاح کر دیا کہ وہ آٹھ سال حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت کریں اس سے معلوم ہوا کہ کوئی کام اور کسی چیز کی منفعت مہربنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اجارہ کے عوض نکاح کرنا صحیح ہے اس چیز کو ہماری شریعت نے بھی مقرر رکھا ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی عورت کو قرآن مجید کی تعلیم دے اور اس کے عوض میں اس سے نکاح کرے تو یہ صحیح ہے۔ امام مالک نے اس کو مکروہ کہا ہے اور امام شافعی اور ان کے اصحاب کے نزدیک یہ جائز ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ نکاح جائز نہیں ہے۔

(المناہجۃ حکام القرآن ج ۳ ص ۲۵۸ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ ج ۳ ص ۲۲۳-۲۲۴ دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ)

امام مالک اور امام شافعی کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت سہیل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت نے آکر کہا یا رسول اللہ! میں نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا ہے سو آپ کی میرے متعلق کیا رائے ہے؟ آپ نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا اس نے دوبارہ کھڑی ہو کر کہا کہ اس نے آپ کو اپنا نفس ہبہ کر دیا ہے تو آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ آپ نے پھر کوئی جواب نہیں دیا اس نے پھر تیسری بار کھڑی ہو کر کہا کہ اس نے آپ کو اپنا نفس ہبہ کر دیا ہے سو آپ کی اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ! آپ اس کا میرے ساتھ نکاح کر دیجیے۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ جا کر تلاش کرو خواہ وہ لوہے کا ایک چملا ہو وہ کیا اور تلاش کر کے واپس آگیا اور کہا مجھے کوئی چیز نہیں ملی نہ لوہے کا چملا ملا۔ آپ نے پوچھا تمہیں کچھ قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا مجھے فلاں فلاں سورت یاد ہے! آپ نے فرمایا جاؤ میں نے تمہارا نکاح اس عورت کے ساتھ کر دیا بمعامعک من القرآن کیونکہ تمہیں قرآن یاد ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۳۴ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۱ سنن ابی حزمہ رقم الحدیث: ۱۱۳۱ سنن ابن ماجہ

رقم الحدیث: ۱۸۱۷ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۳۶۸ مالک مکتب مسند مہاراجہ رقم الحدیث: ۱۷۷۷۳ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۴۳)

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک بمعامعک من القرآن میں ”یا“ عوض کی ہے یعنی تم کو جو قرآن یاد ہے اس سے عوض میں میں نے تمہارا نکاح اس کے ساتھ کر دیا اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ ”یا“ سبب کے لیے ہے یعنی تم کو قرآن یاد ہے اس سبب سے میں نے تمہارا نکاح اس سے کر دیا اور یہ نکاح بغیر مہر کے ہوا اور ایسی صورت میں مہر مثل لازم ہوتا ہے۔

امام مالک اور امام شافعی کے استدلال کے مفسرین احناف کی طرف سے جوابات

قرآن مجید کی اس آیت سے جو امام مالک اور امام شافعی نے استدلال کیا ہے اس کے جواب میں علامہ ابو بکر احمد بن علی

اس آیت میں عقد نکاح اور عقد اجارہ کا اجمالاً ذکر کیا گیا ہے اور ان دونوں نے اس کو واقع کرنے کا عزم کیا ہے اور ان کی شریعت میں عقد نکاح اور عقد اجارہ کے کیا ارکان اور شرائط تھے ان کا ذکر نہیں کیا گیا اور اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اپنی کسی ایک بیٹی سے نکاح کی پیشکش کی نہ یہ کہ بے فعل من کے ساتھ اپنی کسی بیٹی کا نکاح کر دیا اور اس نکاح کو واقع کر دیا اور جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ حضرت شعیب نے اپنی کسی بیٹی کا حضرت موسیٰ کے ساتھ نکاح کر دیا تھا انہوں نے بھی یقین کے ساتھ اس نکاح کو ان کی شریعت کے مطابق معتقد کرنے کی کیفیت نہیں بیان کی۔ ایک قول یہ ہے کہ کسی مبین لڑکی (مضورا) کے ساتھ ایک مبین مہر کے عوض یہ نکاح کر دیا گیا اور وہ مہر اس مذکورہ آٹھ سال اجرت پر کام کرنے کے علاوہ تھا اور اس اجرت کا ذکر یا نہی معاہدہ کے طور پر کیا گیا ہے نہ کہ اس نکاح و معتقد کرنے کے طریقہ پر گویا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے یوں کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک کا مہر مبین کے عوض تمہارے ساتھ نکاح کر دوں جب کہ تم اجرت مقررہ کے عوض آٹھ سال میرے پاس کام کرو اب بتاؤ تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟ حضرت موسیٰ راضی ہو گئے اور پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے ایک مبین لڑکی کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ لہذا اب یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ لڑکی کی مبین کے بغیر اس کا نکاح صحیح نہیں ہے اور نہ یہ اعتراض ہوگا کہ اجرت مبین کے بغیر اجارہ کا انعقاد صحیح نہیں ہے اور نہ یہ اعتراض ہوگا کہ اس آیت میں تو لڑکی کے باپ کے لیے خدمت کرنے کا ذکر ہے نہ کہ لڑکی کے لیے تو اس کو مہر قرار دینا صحیح نہیں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ شریعتیں مختلف ہوتی ہیں ہو سکتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی شریعت میں غیر مبین لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا صحیح ہو اور مبین کا حق لڑکی کے ولی یا شوہر کو حاصل ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی شریعت میں لڑکی کے ولی کی خدمت کرنے کو لڑکی کا مہر قرار دینا درست ہو اور یہ دونوں چیزیں ہماری شریعت میں جائز نہیں ہیں۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۱۰۰ مطبعا مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا دیا جاتا

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ وہ آٹھ سال اجرت پر ان کے پاس کام کریں یہ ذکر نہیں ہے کہ وہ حضرت موسیٰ سے کیا کام لیں گے اور ان کو کیا اجرت دیں گے اسی طرح یہ بھی ذکر نہیں ہے کہ وہ کس بیٹی کا سکتے مہر کے عوض حضرت موسیٰ کے ساتھ نکاح کریں گے۔ علامہ ابوالحسن دہلوی رحمہ اللہ نے تصنیف التوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا اجارہ اور عقد کے متعلق جو حکام ذکر کیا گیا اس میں اس چیز کا اجماعی بیان ہے جس کا ان دونوں نے عزم اور ارادہ کر لیا تھا اور اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ ان کی شریعت میں عقد اجارہ اور عقد نکاح کے کیا ارکان اور شرائط تھیں۔

روایت ہے کہ جب یہ عقد معتقد ہو گیا تو حضرت شعیب نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ آپ گھر میں جائیں اب میں پر جو لائیں رکھی ہیں آپ ان سے کوئی لائیں لے لیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس انبیاء علیہم السلام کی انصاف تھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ لائیں لے لیں جو حضرت آدم علیہ السلام کی لائیں تھیں جس کو وہ جنت سے لائے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام تاجنا ہو چکے تھے انہوں نے اس لائیں کو چھو کر دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی لائیں ہیں انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا آپ کوئی اور لائیں لے لیں لیکن ہر بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں یہی لائیں آتی تو حضرت شعیب نے جان لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوئی خاص شخص نہیں ہیں۔ (تخیر ابوالحسن دہلوی ص ۱۳۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

جصاص رازی حنفی حنفی حنفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے اس آیت سے منافع اور اجارہ کے عوض نکاح کے جواز پر استدلال کیا ہے اور اس آیت میں ان کے مدعا پر کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی خدمت کی شرط لگائی تھی نہ کہ اپنی بیٹی کی خدمت کے لیے تو منفعہ حضرت شعیب کو حاصل ہوئی نہ کہ ان کی بیٹی کو اور ان کا مقصد یہ ہے کہ عورت کو جو منافع حاصل ہو وہ اس کا مہر ہو سکتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص اس عورت کو قرآن کی تعلیم دے یا اس کی خدمت کرے اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے لیے منافع کے حصول کی شرط لگائی تھی انہوں نے کہا قاتل علی ان تاجرونی یعنی حجاج کے لیے آٹھ سال اجرت پر کام کر دو یہ نکاح بغیر مہر کے ہوا تھا اور عورت کے ولی کے لیے ایک مدت معینہ تک منافع کے حصول کی شرط لگائی تھی اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مہر کے ذکر کے بغیر نکاح صحیح ہے۔ (کیونکہ ان کی بیٹی کے مہر کا ذکر نہیں ہوا تھا) اور عورت کے ولی کے لیے منافع کے حصول کی شرط لگائی تھی اور ایسی شرائط سے نکاح قاصر نہیں ہوتا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی شریعت میں عورت کے مہر کے بغیر نکاح جائز ہو اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر مہر کے نکاح کو منسوخ کر دیا ہے۔ (ادکام القرآن ج ۳ ص ۳۳۸ مطبوعہ مکتبہ اہل بیت لاہور ۱۳۹۰ھ)

علامہ ساجد حنفی حنفی حنفی ۱۱۳۷ھ اس استدلال کے جواب میں لکھتے ہیں:

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کے نکاح کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آٹھ سال خدمت کرنے کی شرط لگائی تھی اس کی منفعہ ان کے لیے تھی ان کی بیٹی کے لیے نہیں تھی کیونکہ انہوں نے تاجرونی کہا تھا نہ کہ تاجر ہوا اور ہو سکتا ہے کہ اس طرح کا نکاح ان کی شریعت میں جائز ہو کہ اس میں ایک مدت مقررہ تک لڑکی کے ولی کے لیے منفعہ کی شرط لگائی جائے۔ جس طرح ہماری شریعت میں یہ جائز ہے کہ ایک مدت مقررہ تک لڑکی کی بکریاں چرانے کی شرط لگائی جائے اور میں اعلانیٰ میں لکھا ہے کہ پہلی شریعتوں میں یہ جائز تھا کہ لڑکی کے سر پرست کو مہر دیا جائے اور ہماری شریعت میں یہ حکم اس آیت سے منسوخ ہو گیا ہے:

وَأَشْوَ الْإِنْسَاءَ صَدَقْتِهِنَّ يَخْلَعْنَ۔ اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو۔

(اشعار ۳)

نیز امام مالک اور امام شافعی نے جو یہ کہا ہے کہ کوئی کام اور خدمت بھی مہر ہو سکتی ہے یہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ہماری شریعت میں مہر کا مال منقسم ہونا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأُحِبُّ لَكُمْ مَا لِلرِّجَالِ وَلَكُمْ مَا لِلرِّجَالِ وَلَكُمْ مَا لِلرِّجَالِ۔ اور عورتوں کے سوا باقی عورتوں سے تمہارے لیے نکاح

کرنا حلال کر دیا گیا ہے کہ تم اپنے مال کو بے طور مہر دے کر ان سے نکاح کرو۔ (اشعار ۲۳)

نیز یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مہر ان عورتوں کو ادا کیا جائے نہ کہ ان کے سر پرستوں کو خیر کیا ہے:

وَأَشْوَ الْإِنْسَاءَ صَدَقْتِهِنَّ يَخْلَعْنَ۔ اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو۔ (اشعار ۳)

(روح البیان ج ۹ ص ۵۰۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ)

اور علامہ سید محمود آلوسی حنفی حنفی حنفی ۱۲۷۰ھ اس استدلال کے جواب میں لکھتے ہیں:

فَسِيقِينَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَنْ

لوگ ہیں O مومن! کہا اے میرے رب! بے شک میرے ہاتھ سے ان کا ایک آدمی قتل ہو گیا تھا سو مجھے خطرہ ہے کہ وہ

يَقْتُلُونِ ﴿۳۳﴾ وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْضَلُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسَلْهُ

مجھے قتل کر دیں گے O اور میرے بھائی ہارون مجھ سے زیادہ رولائی سے بولنے والے ہیں تو ان کو میری مدد کے لیے رسول

مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي ۚ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ﴿۳۴﴾ قَالَ

بنا دے وہ میری تصدیق کریں گے کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے O فرمایا ہم

سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا

مقترب آپ کے بازو کو آپ کے بھائی کے ساتھ مضبوط کریں گے اور ہم آپ دونوں کو غلبہ عطا کریں گے سو وہ

يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا بِآيَاتِنَا ۖ أَنْتُمْ وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُونَ ﴿۳۵﴾

آپ دونوں تک نہیں پہنچ سکیں گے ہماری نشانیوں کے سبب سے آپ دونوں اور آپ کے متبعین غالب رہیں گے O

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا سِحْرٌ

سو جب مومن! ہماری کئی کئی نشانیاں لے کر ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا یہ تو صرف ایک گمراہی (مصنوعی)

مُفْتَرًى وَمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ

جادو ہے اور ہم نے اپنے پہلے باپ دادا کے زمانہ میں ان باتوں کو نہیں سنا O اور مومن! نے

مُوسَىٰ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَنْ جَاءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهِ وَهِيَ تَكُونُ

کہا میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہے اور کس کے لیے ایسا

لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّٰلِمُونَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ

آخری انجام ہے بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پاؤ گے O اور فرعون نے کہا

يَأْتِيهَا الْمَلَا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلٰهٍ غَيْرِي ۚ فَادْعُو قَدِي

اے دربار! میں اپنے علاوہ تمہارا اور کوئی معبود نہیں جانتا اے ہمان میرے لیے کچھ

فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ

پھر جب موسیٰ نے (اجالہ کی) سیاحت پوری کر دی اور اپنی اہلیہ کے ساتھ روانہ ہوئے تو انہوں نے (بہار) طور کی جانب

نَازًا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا عَلَىٰ أَيْتِكُمْ قَتَحَا

ایک آگ دیکھی انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا تم لوگ یہاں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں اس کی کوئی خبر

بِخَيْرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿۲۰﴾ فَلَمَّا أَتَاهَا

لاؤں یا آگ کا کوئی انگارہ لاؤں جس سے تم ہاتھ تاپو ۲۰ پھر جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے

نُودَىٰ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ

تو انہیں اس وادی کے دائیں کنارے پر برکت والی زمین کے ٹکڑے سے ایک درخت

مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يَمُوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۱﴾

سے دعا کی گئی کہ اے موسیٰ! بے شک میں ہی اللہ رب العالمین ہوں! ۲۱

وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تُهَنَّدُ كَانَتْهَا جَانٌّ وَتِلْكَ

اور یہ (بھی آواز آئی) کہ آپ اپنا عصا ڈال دیں پھر جب موسیٰ نے اس کو سانپ کی طرح لہراتے ہوئے دیکھا تو وہ چیخ

مُذِبِّرًا لِّكُمْ يُعَقِّبُ يَمُوسَىٰ أَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ إِنَّكَ مِنَ

پھیر کر چل دیئے اور واپس مڑ کر نہ دیکھا (ہم نے کہا) اے موسیٰ! آگے بڑھیے اور خوف زدہ نہ ہوں! بے شک آپ مامون رہنے

الْأَمِينِ ﴿۲۲﴾ أَسْلَفُ يَدَاكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجُ بَيْضًا مِنْ

دالوں میں سے ہیں ۲۲ آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالے وہ بغیر کسی میپ کے سفید چمکا ہوا ہاتھ

غَيْرِ سُوِّذٍ وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذُنِغْ

ٹھکے گا اور خوف (دور کرنے) کے لیے اپنے بازو اپنے ساتھ لا لیں پس آپ کے رب کی طرف سے

بُرْهَانٍ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ إِنَّهُمْ كَانُوا اقْوَمًا

یہ دو مجھ سے فرعون اور اس کے درباریوں کی جانب ہیں بے شک وہ قاطن

يٰۤهٰمَنْ عَلَى الظِّلِّينَ فَاَجْعَلْ لِّي مَرْحَلًا لَعَلِّي اَطَّلِعُ اِلَىٰ اِلٰهِ

ایشوں کو آگ سے بچاؤ، ہر میرے لیے ایک بلند عمارت بناؤ تاکہ میں موسیٰ کے مہبود کو جھانک کر

مُوسَىٰ ۱۰ وَ اِنِّیْ لَا اظُنُّهُ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۱۱ وَ اَسْتَکْبِرُ هُوَ

دیکھوں اور بے شک میں اس کو جھوٹوں میں سے گمان کر رہا ہوں ۱۰ اور فرعون نے اور اس

وَجُنُودُهُ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْا اَنَّهُمۡ اِلٰہٌ اٰیٰتًا لَا

کے لشکروں نے باقی زمین میں گھبر کیا اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں

یُرْجَعُوْنَ ۱۲ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ ۱۳

لوٹائے جائیں گے ۱۲ سو ہم نے فرعون کو اور اس کے لشکروں کو پھینک دیا پھر ہم نے ان سب کو دریا میں ڈال دیا

فَاَنْظُرْ کَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِیْنَ ۱۴ وَ جَعَلْنٰهُمْ اٰیٰتًا

سو دیکھیے ظالموں کا کیا انجام ہوا ۱۴ اور ہم نے ان کو (کافروں کا) نام بنا دیا

یَدْعُوْنَ اِلٰی النَّارِ وَ یَوْمَ الْقِیَمَةِ لَا یُنصَرُوْنَ ۱۵

جو لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی ۱۵

وَ اتَّبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةُ ۱۶ وَ یَوْمَ الْقِیَمَةِ هُمْ

اور ہم نے اس دنیا میں (بھی) ان کے پیچھے (اپنی) لعنت لگا دی ہے اور قیامت کے دن وہ

مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ۱۷

بد حال لوگوں میں سے ہوں گے ۱۷

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب موسیٰ نے (اچھا رو کی) میعاد پوری کر دی اور اپنی اہلیہ کے ساتھ روانہ ہوئے تو انہوں نے (پہاڑ) طور کی جانب ایک آگ دیکھی انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا تم لوگ یہاں ٹھہرو! میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں اس کی کوئی خیر لاؤں یا آگ کا کوئی انکارہ لاؤں جس سے تم باہم تاپو ۱۰ پھر جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں اس وادی کے کنارے پر برکت والی زمین کے ٹکڑے سے ایک درخت سے نداء کی گئی کہ اے موسیٰ! بے شک میں ہی اللہ رب العالمین ہوں ۱۱ اور یہ (بھی آواز آئی) کہ آپ اپنا عصا ڈال دیں پھر جب موسیٰ نے اس کو ساسپ کی طرح لہراتے ہوئے دیکھا تو وہ پیچھے ہٹ کر چل دیے اور واپس مڑ کر دیکھا (ہم نے کہا) اے موسیٰ! آگے بڑھیے اور خوف زدہ نہ ہوں بے شک آپ مامولن

۱۰

کتاب کے واسطے کہ بغیر بھی سنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جگہ میں بھی سنا ہے اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خصوصیت کے ساتھ کلیم اللہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس دنیا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا تصور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہوا ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام آپ سے پہلے سنا ہے۔ تاہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلیم اللہ ہونا اور ان کے باقی تمام کمالات ان کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہی حاصل ہوئے ہیں۔

امام ابو الحسن علی بن احمد انوار صمدی التوفیقی ۳۶۸ھ اور امام ابو محمد الحسین بن مسعود البجوی التوفیقی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے کلام کر لیا تو کوئی شخص ان کی طرف دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا کیونکہ ان کے چہرے کو نور نے ڈھانپ رکھا تھا اس لیے انہوں نے زندگی بھر اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رکھے ایک دن ان کی زوجہ نے کہا جب سے آپ نے اپنے رب سے کلام کیا ہے میں نے آپ کا چہرہ نہیں دیکھا حضرت موسیٰ نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹائی تو ان کے چہرے سے سورج کی طرح شعاعیں نکل رہی تھیں انہوں نے فوراً اپنے چہرے پر اپنے ہاتھ رکھ لیے اور اللہ کے لیے حمد میں گر گئیں اور کہا آپ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ مجھے جنت میں بھی آپ کی زوجہ بنائے آپ نے فرمایا یہ تم کو حاصل ہو جائے گا بشرطیکہ تم میرے بعد کسی اور سے نکاح نہ کرو کیونکہ جنت میں عورت اپنے آخری شوہر کے پاس رہتی ہے۔

(الوسیع ج ۲ ص ۲۰۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۵۵ھ معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۳۱-۲۳۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۲۰ھ)

علامہ علی بن محمد خازن متوفی ۴۵۰ھ علامہ اسماعیل حق متوفی ۵۱۳ھ علامہ سلیمان جمل متوفی ۱۲۰۳ھ اور علامہ احمد بن محمد صاوی ماکی متوفی ۱۲۳۳ھ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے نیز علامہ سیوطی نے بھی اختصار کے ساتھ اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

(تکمیل القرآن ج ۲ ص ۱۳۸ روح البیان ج ۳ ص ۲۰۶ حاشیہ الجمل علی البیان ج ۲ ص ۱۸۹ حاشیہ الصاوی ج ۲ ص ۹۸۰ دار الفکر ج ۳ ص ۳۸۲)

(۳۸۲ ص)

حافظ ابن عساکر متوفی ۵۷۵ھ عبد الرحمن بن معاویہ ابو الحویرث سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے بعد حضرت موسیٰ کے چہرے پر رب العالمین کے نور کی چالیس دن تک یہ کیفیت تھی کہ جو بھی آپ کی طرف دیکھتا تھا وہ مر جاتا تھا۔ (تاریخ دمشق الکثیر ج ۱ ص ۶۳ دار احیاء التراث العربی بیروت)

وہم بن منہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے بعد تین دن تک حضرت موسیٰ کے چہرے پر نور نظر آتا رہا اور جب سے آپ نے اپنے رب سے کلام کیا تھا آپ نے اپنی بیوی کو ہاتھ نہیں لگایا۔

(تاریخ دمشق الکثیر ج ۱ ص ۶۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۲۱ھ)

شب معراج ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا

علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ شب معراج اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا ہے یا نہیں؟ میں کہتا ہوں کہ جو احادیث صحیحہ و اقوال کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہیں ان میں یہ تصریح ہے کہ

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں آسمان سے اوپر وہاں تک گئے جس کا نام اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے حتیٰ کہ آپ سدرۃ المنتہی تک پہنچے اور البیادر بے اعتراف آپ کے قریب ہوا پھر اور زیادہ قریب ہوا پھر آپ اپنے رب سے دو کمانوں کی مقدار قریب ہوئے بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف جو وحی کی اس میں یہ وحی کی کہ آپ کی امت پر ہر دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض ہیں پھر آپ نیچے اتر کر حضرت موسیٰ کے پاس پہنچے۔ حضرت موسیٰ نے آپ کو روک کر

(تخیر کیرن ۵۹۲ ص ۵۹۲ مطبوعہ دارالحدیث عربی بیروت ۱۳۹۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی ماگی حوالی ۶۶۸ھ فرماتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اپنے برگزیدہ فرشتوں کو اپنے کلام کے سننے کے ساتھ خاص کر لیا ہے۔ استاد ابواسحاق نے کہا ہے کہ کل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ میں ایک ایسی صفت پیدا کر دی تھی جس سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سن لیا اور اس کا اور ادراک کر لیا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حلق اختلاف ہے کہ آپ نے شب معراج اللہ تعالیٰ کا کلام سنا ہے یا نہیں؟ اور آیا جبریل نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا ہے اس کے حلق دو قول ہیں اور اس کے ثبوت کا ایک طریقہ تو اس سے نقل ہوتا ہے اور یہ منقود ہے۔

نیز علامہ قرطبی لکھتے ہیں عبد اللہ بن سعد بن کلاب نے یہ کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کلام قدیم کو ان آوازوں سے سنا جن کو اللہ تعالیٰ نے بعض اجسام میں پیدا کر دیا تھا۔ ابوالحالی نے کہا یہ قول مردود ہے بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ طور خلاف عادت اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اور یہ ان کے ساتھ مخصوص ہے اگر یہ بات نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے حضرت موسیٰ کے ساتھ ہم کلام ہونے کا کوئی معنی نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اپنا کلام مزین سنا یا اور ان میں یہ علم پیدا کر دیا کہ انہوں نے جو سنا ہے وہ اللہ کا کلام ہے اور جس نے ان کو نہادہ کی اور ان سے کلام کیا وہ اللہ رب العالمین ہے اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں نے اپنے رب کا کلام اپنے تمام اعضاء اور اجزاء سے سنا ہے اور میں نے اس کلام کو کسی ایک جہت سے نہیں سنا۔

(المصباح ۱۰ کلام القرآن ج ۳ ص ۲۶۰، ۲۵۹ دار الفکر ۱۴۱۵ھ ج ۳ ص ۲۵۱، ۲۵۲ اور کتاب عربی بیروت ۱۳۳۰ھ)

علامہ سید محمود آلوی حنفی حوالی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

بعض اعادہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام لفظی سنا تھا ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو درخت کے اندر چلا اتحاد اور طول کے پیدا کر دیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو اسی طرح ہوا میں پیدا کر دیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کلام کو اپنی دائیں جانب سے سنا تھا یا تمام جہات سے سنا تھا۔

(روح المعانی ج ۲۰ ص ۱۱۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۵ھ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ کہنے کی خصوصیت

علامہ آلوی حنفی لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو خصوصیت کے ساتھ کلیم اللہ کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام ازلی کو بغیر حرف اور آواز کے سنا اور اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو آواز اور حرف کے واسطے سے سنا تو پھر خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے کلام کو فرشتہ یا کتاب کی وساطت کے بغیر سنا اور اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے یہ کلام اللہ تعالیٰ کی مجلس کے بعد سنا تو پھر حضرت موسیٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ سنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ اور کسی نبی کے لیے واقع نہیں ہوئی۔ باقی رہا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ کیسے علم ہوا کہ یہ اللہ کا کلام ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں علم بدیہی پیدا کر دیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یا ان کو مجرہ سے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور مجرہ یہ تھا کہ انہوں نے ایک جہے سے مجرہ درخت سے آگ نکلتی ہوئی دیکھی اور یہ امر خلاف عادت ہے اور اسی درخت سے بغیر کسی بولنے والے کے آواز آ رہی تھی اور یہ بھی امر خلاف عادت اور مجرہ ہے۔ (روح المعانی ج ۲۰ ص ۱۱۱ دار الفکر بیروت ۱۳۷۸ھ)

ہر چند کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ تعالیٰ کے کلام ازلی کو بغیر حرف اور آواز کے سنا ہے اور فرشتہ اور

ہے:

يُنَوِّسِي رَاقِي اَصْلَفِيَّتِكَ عَلَى الْكَافِرِينَ بِرُسُلِي

اے موسیٰ! میں نے اپنی رسالت (اپنے پیغام) اور اپنے کلام سے تم کو لوگوں پر فضیلت دی ہے۔

(۱۳۳ عرف)

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے۔ (شرح صحیح البخاری، ج ۱، ص ۵۱، ۵۰، ۵۱، ۵۲، مطبوعہ مکتبۃ الرشید ریاض ۱۳۳۰ھ)

حضرت اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار کی بحث مفقرب قاضی عیاض اور علامہ نووی وغیرہم کی عبارات میں آ رہی ہے اور علامہ ابن کثیر، پطال کا الاعراف ۱۳۳- سے استدلال کرتا صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کر کے ان کو تمام انسانوں پر فضیلت دی۔

انکار مذکور کے رد پر وائیل

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۲۸۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

میں نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے آپ کو ان لوگوں پر فضیلت دی ہے جو آپ کے زمانہ میں موجود ہیں اور ہمارے ہر چند کہ نبی ہیں لیکن ان کو آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور ان سے کلام نہیں کیا گیا اور نہ وہ صاحب شرع ہیں۔ (تفسیر بیضاوی مع حلیۃ القاضی ج ۳ ص ۳۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۷۷ھ)

علامہ شہاب الدین خفایہ حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

قاضی بیضاوی نے جو یہ کہا ہے کہ حضرت موسیٰ کو ان کے زمانہ کے لوگوں پر کلام کی وجہ سے فضیلت دی ہے یہ اس لیے کہا ہے کہ رسالت اور بلا واسطہ ہم کلام ہونے کی فضیلت تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی متحقق ہے سو اگر یہ قید نہ لگائی جائے تو لازم آئے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہوں حالانکہ آپ ہی افضل علی الاطلاق ہیں۔ (حلیۃ القاضی ج ۳ ص ۳۶۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۷۷ھ)

علامہ علی بن محمد خازن شافعی متوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے کیونکہ ان کو رسالت کے لیے چن لیا ہے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی رسالت کے لیے چن لیا ہے۔ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت موسیٰ کی تمام انسانوں پر یہ فضیلت ہے کہ ان کو رسالت کے لیے بھی چن لیا ہے اور ان کو بلا واسطہ اپنا کلام سنایا ہے۔ حضرت موسیٰ کے سوا اور کسی انسان میں یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۵۹ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۵ھ)

امام رازی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے رسالت کے لیے بھی چن لیا ہے اور وہ معراج آپ سے بلا واسطہ کلام بھی فرمایا ہے اور آپ پر اور آپ کی امت پر نمازوں کو فرض فرمایا اور یا محمد کہہ کر آپ سے خطاب فرمایا ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے:

فَاَوْحٰی اِلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ

پس اللہ نے اپنے عبدِ عزم کی طرف وحی فرمائی جو (بھی) وحی

فرمائی۔

اور آپ کو اس بلند مقام تک لے گیا جہاں آپ نے ملکوں کے چنے کی آواز سنی اور یہ چیزیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ

پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ سے کیا عہد لیا ہے؟ آپ نے فرمایا میرے رب نے مجھ سے دن اور رات میں پچاس نمازوں کا عہد لیا ہے۔ حضرت موسیٰ نے کہا آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی، وہیں جائیے اور اپنی اور اپنی امت کی طرف سے کسی کی درخواست کیجیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کی طرف دیکھا گویا ان سے مشورہ طلب کر رہے ہیں۔ حضرت جبریل نے اشارہ کیا ہاں اگر آپ چاہتے ہیں تو جائیں آپ پھر الہیاد کی طرف گئے اور اپنے مقام پر کھڑے ہو کر عرض کیا اے رب! ہم سے کچھ کیجیے کیونکہ میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں آپ پھر حضرت موسیٰ کی طرف لوٹے انہوں نے پھر آپ کو روک لیا پھر حضرت موسیٰ آپ کو آپ کے رب کی طرف بھیجے رہے حتیٰ کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ حضرت موسیٰ نے پانچ نمازوں پر آپ کو پھر روک لیا اور کہا اے محمد! میں اپنی قوم بنی اسرائیل کا اس سے کم پر تجربہ کر چکا ہوں وہ ان نمازوں کو پڑھنے سے کمزور پڑ گئے اور ان کو ترک کر دیا آپ کی امت تو ان کے جسموں ان کے دلوں ان کے بدلوں ان کی آنکھوں اور ان کے کانوں سے زیادہ کم زور ہے آپ وہاں جائیے اور اپنے رب سے اس میں بھی کمی کرائیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار جبریل کی طرف متوجہ ہو کر مشورہ لیتے تھے اور جبریل اس کو ناپسند نہیں کرتے تھے وہ آپ کو پانچویں بار بھی گئے۔ آپ نے عرض کیا اے میرے رب! میری امت کے اجسام ان کے قلوب ان کے کان اور ان کے بدن کمزور ہیں سو ہم سے کچھ کیجیے الہیاد نے کہا: یا محمد! آپ نے عرض کیا ایک وسعہ یکہ فرمایا میرے قول میں تہلیل نہیں ہوتی میں نے آپ پر جس طرح لوح محفوظ میں فرض کیا ہے سو برائیلی کا اجر دس گنا ہو گا پس لوح محفوظ میں یہ پچاس نمازیں ہیں اور آپ پر یہ پانچ نمازیں ہیں پھر آپ حضرت موسیٰ کے پاس آئے انہوں نے پوچھا کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا ہم سے تخفیف کر دی گئی اور ہم کو برائیلی کا اجر دس گنا دیا۔ حضرت موسیٰ نے کہا میں اس سے کم پر بنی اسرائیل کا تجربہ کر چکا ہوں انہوں نے ان نمازوں کو ترک کر دیا تھا آپ وہاں جائیے اور اپنے رب سے کم کرائیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے موسیٰ! اللہ کی قسم! اب مجھے بار بار اپنے رب کے پاس جانے سے حیا آتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۷۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۲ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۳۸۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۹۹ مسند احمد ج ۳ ص ۵۹۹ ۱۲۸۸ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۳۳۳ دارالحدیث قاہرہ ۱۳۱۶ھ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۵۳۳ عالم الکتب بیروت ۱۴۱۸ھ فتح الباری ج ۳ ص ۳۵۱-۳۵۸ دارالحدیث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ کے اللہ سے ہم کلام ہونے کی بناء پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ سے ہم کلام ہونے کا انکار

اس حدیث کی شرح میں علامہ علی بن خلف بن عبداللہ لک ابن بطال اندلسی متوفی ۳۳۹ھ لکھتے ہیں:

شفاعت کی طویل حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے لیکن لوگ حضرت موسیٰ کے پاس جاؤ وہ ایسے بندے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تواریع عطا کی اور ان سے کلام فرمایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۰) اور اس میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام میں سے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا ہے اس کے برخلاف اشاعرہ نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے یہ روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کلام فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاَوْحَىٰ إِلَىٰ هَٰذِهِ مَاذَا أُوحِيَ ۖ (۱۰) (نجم)

سو وہی فرمائی اپنے عہد کریم کی طرف جو وحی فرمائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس استدلال کو رد کر دیا ہے اور کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد

باقی رکھا اور آپ کے پیروکار تمام انبیاء اور رسولوں کے پیروکاروں سے زیادہ ہیں اور آپ کے بعد شرف اور فضیلت میں حضرت ابراہیم الخلیل علیہ السلام ہیں پھر حضرت موسیٰ بن عمران کلیم الرحمن علیہ السلام ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۸۷۷ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابن بطال نے اس کا رد کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا ہے اور اس پر الاعراف ۱۴۳ سے یہ دلیل قائم کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کر کے ان کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے اور ہم نے دلائل سے واضح کر دیا ہے کہ حضرت موسیٰ سے کلام کر کے اللہ تعالیٰ نے ان کو صرف اپنے زمانے کے انسانوں پر فضیلت دی ہے نہ کہ تمام انسانوں پر کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی وہی معراج کلام فرمایا ہے۔ اب ہم اس کے ثبوت میں مزید دلائل پیش کر رہے ہیں۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے پر دلائل

علامہ ابو الفضل میاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی قائل تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی معراج اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا اور اس پر انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُلِمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ ذِكْرًا
جہاں آپ آدمیوں سے نہ سنا سنا کرتے ہیں اور نہ وہ آپ سے کلام کرتے ہیں سوائے وحی یا ذکر کے۔ (الشوری: ۵۱)

بہت حکمت والا ہے۔

اور بعض مشائخ نے اسی آیت سے اس پر استدلال کیا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو بے حجاب دیکھا اور اس سے بلا واسطہ اور بلا کسی فرشتے کے واسطے کلام کیا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا تمنا قسم پر ہے:

(۱) پر دے کی اوٹ سے جیسے حضرت موسیٰ نے کلام کیا۔

(۲) فرشتے سے بذریعہ وحی جس طرح اکثر انبیاء علیہم السلام سے کلام کیا۔

(۳) بذریعہ وحی یعنی دل میں کوئی بات ڈال کر۔

اب کلام کرنے کی تین صورتوں میں سے صرف ایک صورت باقی بچی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ سے بالمشاہدہ کلام کیا جائے۔

(اکمال المسلمین ج ۱ ص ۵۳۶ سلمیہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

قاضی میاض کی اس دلیل پر یہ اعتراض ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے ان تین صورتوں کے علاوہ کلام کرنے کی نفی کی گئی ہے اور قاضی میاض نے جو صورت ذکر کی ہے وہ ان تین صورتوں کے علاوہ ہے اور اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا یہ عام قاعدہ ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی خصوصیت کی بناء پر بے حجاب کلام فرمایا۔

علامہ ابوالحسن احمد بن ابراہیم مالکی قرطبی متوفی ۶۶۶ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ وہی معراج سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ کلام کیا ہے یا نہیں۔ حضرت ابن مسعود حضرت ابن عباس حضرت بنی امیہ اشعری اور حنفیوں کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ

آپ سے کلام کیا ہے اور ایک جماعت نے اس کی نفی کی ہے۔ (المسلم ج ۳ ص ۳۰۳ و در ابن کثیر ج ۲ ص ۳۷۷)
علامہ یحییٰ بن شرف نوادی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے الشوریٰ ۵۱ سے ثابت کیا ہے کہ جب معراج آپ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے دیکھتے وقت کلام کیا ہو۔ پس ہو سکتا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھے بغیر کلام کیا ہو۔

(۲) یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کی صرف تین صورتیں ہیں پر دے کی اوٹ سے فرشتے کے ذریعے اور وحی سے ہو سکتا ہے کہ یہ عام خصوصاً بعض ہو اور آپ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہوں۔

(۳) بعض علماء نے کہا ہے کہ وحی سے مراد اللہ تعالیٰ کا کلام بلا واسطہ ہے۔

(مجمع مسلم شرح النوادی ج ۳ ص ۹۸۳، ۹۸۴ مکتبہ زوار مفتی ج ۱ ص ۱۳۷)

درخت سے آنے والی آوازیں مختلف عبارات اور مقصود کا واحد ہوتا

اس آیت میں فرمایا ہے:

إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ○ (القسم ۳۰)

بے شک میں ہی اللہ رب العالمین ہوں۔

اور طہ ۱۳ میں فرمایا ہے:

وَأَنبِئْ أَنَّ اللَّهَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي.

بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق

نہیں سو تم میری عبادت کرو۔

اور اہل ۹ میں فرمایا ہے:

إِنَّمَا اللَّهُ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ○

بے شک بات یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں بہت غالب بہت

عزت والا۔

ہر چند کہ یہ مختلف عبارات ہیں لیکن ان سب سے مقصود ایک ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی توحید کو ثابت کرنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو معجزے

اور یہ (یحییٰ آواز آئی) کہ آپ اپنا عصا ڈال دیں پھر جب موسیٰ نے اس کو سانپ کی طرح لہراتے ہوئے دیکھا تو وہ چنبھے پھیر کر چل دیئے اور واپس مڑ کر نہ دیکھا (ہم نے کہا) اے موسیٰ آگے بڑھیے اور خوف زدہ نہ ہوں بے شک آپ مامون رہنے والوں میں سے ہیں۔ (القسم ۳۱)

وہ بن مند نے کہا حضرت موسیٰ سے کہا گیا کہ آپ جہاں تھے وہیں لوٹ آئیں۔ حضرت موسیٰ واپس آئے اور اپنے جبہ کے پلو کو اپنے ہاتھ پر لپیٹ لیا فرشتے نے کہا یہ بتائیے اگر اللہ تعالیٰ آپ کو نقصان پہنچانا چاہے تو کیا یہ کپڑا لپیٹنا آپ کو بچا سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے کہا نہیں! لیکن میں مکرور ہوں پھر انہوں نے اپنا ہاتھ کھول کر اس کو سانپ کے منہ میں ڈال دیا تو وہ پھر دوبارہ عصا بن گیا۔ (الطحاوی ۱۱۰۱۱ القرآن ج ۳ ص ۲۵۵ دار الفکر بصری ۱۳۲۰ھ)

اس کے بعد فرمایا: آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالے وہ بغیر کسی عیب کے چمکتا ہوا باہر نکلے گا اور خوف (ذور کرنے) کے لیے اپنا بازو اپنے ساتھ ملا لیں۔ پس آپ کے رب کی طرف سے یہ دو معجزے فرعون اور اس کے دربار میں کی جانب ہیں۔

باپ دادا کے زمانہ میں یہ نہیں سنا کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے ہم تو یہی سنتے چلے آئے ہیں کہ اور خدا بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی خدائی میں شریک ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا میری اور تمہاری یہ نسبت اللہ تعالیٰ بہت زیادہ جاننے والا ہے کہ کون اس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہے اور وہ عقرب میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا کہ انجام کار کس کو کامیابی نصیب ہوئی ہے اور بے شک ظالم لوگ یعنی اللہ کے شریک ٹھہرانے والے فلاح نہیں پاتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور فرعون نے کہا اے درباریو! میں اپنے علاوہ تمہارا اور کوئی معبود نہیں جانتا! اے حامان! میرے لیے کچھ اینٹوں کو آگ سے پکاؤ پھر میرے لیے ایک بلند عمارت بناؤ تاکہ میں موسیٰ کے معبود کو جھانک کر دیکھوں اور بے شک میں اس کو جھوٹوں میں سے گمان کر رہا ہوں اور فرعون نے اور اس کے لشکر نے حاقی زمین میں ٹکڑیاں اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹائے جائیں گے سو ہم نے فرعون کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا پھر ہم نے ان سب کو دریا میں ڈال دیا سو دیکھیے ظالموں کا کیا انجام ہوا اور ہم نے ان کو (کافروں کا) امام بنادیا جو لوگوں کو دوزخ کی طرف جاتے ہیں اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی اور ہم نے اس دنیا میں (بھی) ان کے پیچھے (اپنی) لعنت لگا دی ہے اور قیامت کے دن وہ بد حال لوگوں میں سے ہوں گے (انقص: ۳۳-۳۸)

فرعون کا کفر اور اس کی سرکشی اور اس کا عبرت ناک انجام

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کے کفر اور اس کی سرکشی کا بیان فرمایا ہے کہ فرعون لعنہ اللہ نے اپنے لیے خدا کی دعوتی کیا تھا جیسا کہ فرمایا:

وَاٰتٰنٰی قَوْمَکَ مَعٰنٍ یَّحْتَسِبُ اَنَّہٗ سَیْکَفٰرُکَ (اس نے ان کو بہکایا) سو انہوں نے اس کی بات مان لی۔

اس نے اپنی قوم کو اپنی خدائی ماننے کی دعوت دی اور انہوں نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے اس کی خدائی کو مان لیا اس لیے اس نے کہا اے درباریو! میں اپنے علاوہ تمہارا اور کوئی معبود نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اس قول کی خبر دی:

مَکْرُہًا ذٰلِیْۤہٗ ۖ فَاَقَامَۤہٗ بِکُمْۤ اِلٰہًا غٰیۤیۡۡۢۚ سَبَّہٗۤہٗۤ اَرۡبَۤہٗۤ ہُوۡنَ۔ سَوَآلَہٗۤ نَے اِس کُو دِنِآ اُور اٰخِرَت کَے (المزغہ: ۲۳-۲۵) عبرت ناک عذاب میں گرفتار کر لیا۔

یعنی جب فرعون نے سب لوگوں کو جمع کر کے ان میں اپنی الوہیت کا اعلان کیا تو سب نے اس کو اپنا معبود مان لیا اور اس کی اطاعت کی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے انتقام لیا اور اس کو دنیا والوں کے لیے عبرت کا نشان بنادیا فرعون کی دیدہ و دلیری یہاں تک پہنچی تھی کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی کہا تھا کہ:

فَاِنۡ لَّیۡسَ لَکَ اِلٰہٌۭ اِلَّاۤ اَنَا ۚ فَتَعٰۤیۡزِیۡۤہٗۤ لَآ تَجۡتَنِّکَۤہٗۤ یَوۡۤمَۤہٗۤ نُنۡزِلُہٗۤ فِیۡۤہِۤ السَّۡحَابِ (اشعرا: ۲۹-۳۰) میں تم کو قید میں میں ڈال دوں گا۔

پھر فرعون نے اپنے وزیر حامان سے کہا: میرے لیے کچھ اینٹوں کو آگ سے پکاؤ پھر میرے لیے ایک بلند عمارت بناؤ تاکہ میں موسیٰ کے معبود کو جھانک کر دیکھوں اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا ہے:

وَقَالَ فِرْعَوۡنُ یٰۤہٰۤاُمۡنُۚ اِنِّیۡۤنِّیۡ صَرَفۡتُکَۤہٗۤ لَکَۤیۡنِۚ اِنۡلَہٗۤ اِلَآۤہَۤہٗۤۤ اَسۡۡجَابِ السَّۡحَابِ ۚ فَکَاذِبٌۭ عَلٰی رَاسِہٖ (اور فرعون نے کہا: اے حامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بناؤ تاکہ میں ان راستوں تک پہنچ سکوں۔ جو آسمانوں کے راستے

اسی لیے بعض اسلاف نے یہ کہا ہے کہ کسی بھائی نے اپنے بھائی پر وہ احسان نہیں کیا جو حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی پر کیا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شفاعت سے اللہ تعالیٰ نے ان کے بھائی کو نبی بنا دیا اور ان کو حضرت موسیٰ کے ساتھ فرعون کی طرف بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَكَانَ يَنْتَظِرُ اللَّهُ وَجِيهًا ۝ (۱۸: ۶۹)

اور وہ اللہ کے نزدیک عزت اور کرامت والے تھے۔ اور اس آیت میں آپ کی تسلی کے لیے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت قوی معجزات عطا کیے ہیں سو ہمارے ان معجزات کی وجہ سے فرعون اور اس کے حواری آپ دونوں کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے سو آپ بے خوف و خطر تبلیغ کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر آیات میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغُوا مَّا أُنْزِلَ إِلَيْكُم مِّن تَرَفٍّ ۝ وَلَنْ تَفْعَلَ ۚ فَمَا يَنْكُرُ مَا أَتَيْتَهُ ۚ وَلِلَّهِ يُعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۝ (المائدہ: ۶۷)

اے رسول کرم! جو کچھ بھی آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف ہازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ نے اپنے رب کے پیغام کو نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ رُسُلَ اللَّهِ وَيُحْسِنُونَ ۚ وَالَّذِينَ يَفْسُقُونَ ۚ أُولَٰئِكَ إِلَهُ أَلَهُمْ ۚ وَلَكِن يَافِكُو حَسْبُوا ۚ (الاحزاب: ۳۹)

سے ڈرتے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور اللہ حساب لینے کے لیے کافی ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے ہماری نشانوں کی وجہ سے آپ دونوں اور آپ کے متبعین غالب رہیں گے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كَتَبَ اللَّهُ لَأَكْفِلَ بَنِي آدَمَ ۖ وَرَسُولِي ۚ (الباقہ: ۲۱)

اللہ لکھ چکا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جب موسیٰ ہماری کھلی کھلی نشانیاں لے کر ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا یہ تو صرف ایک گمراہ ہوا (معتوی) جادو ہے اور ہم نے اپنے پہلے باپ دادا کے زمانہ میں ان باتوں کو نہیں سنا اور موسیٰ نے کہا میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہے اور کس کے لیے اچھا اور بُری انجام ہے بے شک خاتم لوگ غلام نہیں پاتے ۝ (القسم: ۳۶-۳۷)

حضرت موسیٰ کا فرعون کے دربار میں اللہ کا پیغام پہنچانا اور فرعون کا تکبیر سے اس کو رد کر دینا

اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف گئے اور ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے قوی معجزات اور مستحکم دلائل پیش کیے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے احکام کی اطاعت کرنے کی دعوت دی جب فرعون اور اس کے درباریوں نے یہ پیغام سن لیا اور معجزات کا مشاہدہ کر لیا اور ان کو اپنے دلوں میں یقین ہو گیا کہ حضرت موسیٰ سچے نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام پہنچانے والے ہیں پھر بھی ان کے دلوں میں کفر رائج ہو چکا تھا اور اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید پر وہ ساہا سال سے چلے آ رہے تھے اور فرعون لوگوں کے سامنے اپنی جھوٹی عزت اور رب قائم رکھنا چاہتا تھا اس لیے اس نے حق کو ماننے اور قبول کرنے سے انکار کیا اور حضرت موسیٰ کو کچا مان لینے میں اپنی جگہ محسوس کی اس لیے اس نے تکبر اور سرکشی سے کہا یہ تو صرف معتوی اور بتاؤنی جادو ہے اور ہم نے اپنے پہلے

(جامع البیان رقم الحدیث ۷۰۹۱۳ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۶۹۵۱)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ فرعون نے لوگوں کو اس وہم میں مبتلا کیا تھا کہ وہ کلمہ بنائے گا لیکن اس نے بنایا نہیں تھا کیونکہ ہر صاحب عقل جانتا ہے کہ وہ بلند سے بلند پہاڑ پر چڑھے پھر بھی اس کو آسمان اتنی ہی دور بلند نظر آتا ہے جتنا زمین سے بلند ہی نظر آتا ہے سو ایسی حرکت تو کوئی قاتر اھل اور بھٹوں ہی کر سکتا ہے اور سدی بہت ضعیف راوی ہے اس کی مذکور الصدور روایت صحیح نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ۸ ص ۶۰۰ ۵۹۹ ملخصاً سلیمہ دارالعلوم دہلی اہل سنت ۱۳۱۵ھ)

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا

اور ہم نے پہلے زمانہ کے لوگوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب

الْقُرْآنَ الْأُولَىٰ بِصَاحِدٍ لِلنَّاسِ وَهَدَىٰ ذُرِّيَّتَهُ

دی جو لوگوں کے لیے ہدایت افروز تھی اور ہدایت اور رحمت

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۳۸﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ

تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور آپ (طور کی) مغربی جانب نہ تھے جب

قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۳۹﴾

ہم نے موسیٰ کو پیغام پہنچانے کا حکم دیا تھا اور نہ آپ اس وقت (ان کو) دیکھنے والوں میں سے تھے اور

وَلَكِنَّا أَنْشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ وَمَا كُنْتَ ثَابِتًا

لیکن ہم نے بہت سی قومیں پیدا کیں سو ان کے طویل زمانہ گزر گیا اور نہ آپ اہل مدین

فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿۴۰﴾

میں رہتے تھے کہ آپ ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے اور البتہ ہم ہی (آپ کو) رسول بنا کر بھیجے والے ہیں اور

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَكِنْ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ

اور نہ آپ (پہاڑ) طور کی جانب تھے جب ہم نے ندا فرمائی تھی لیکن یہ آپ کے رب کی رحمت ہے (کہ اس

لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُمْ مِّنْ نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ

نے آپ کو قیب کی خبریں دیں) تاکہ آپ ان لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرامیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا

ہیں اور موسیٰ کے معبود کو جھاک کر دیکھوں اور بے شک میں اس کو
جھٹا گمان کرتا ہوں اور اسی طرح فرعون کے لیے اس کے برے
کام میں کر دینے گئے اور اس کو سیدھے راستے سے روک دیا گیا
اور فرعون کی سازشیں ناکام ہو گئیں۔

مُوسٰی كَاذِبٌ لَا تَخْلُفُ كَاذِبًا وَمَا كُنَّا بِمَعْنٰی
سُوۡءٍ عَسٰیہٗ وَصَدَّعِنَا السَّيۡبَیۡنَ وَمَا كُنَّا بِمَعْنٰی
فِیۡۤیۡ جَبَابٍ (المومن ۳۶-۳۷)

اور یہ اس لیے کہ فرعون نے اس قدر جند قلعہ بنایا تھا کہ اس سے بلند عمارت اس وقت تک نہیں بنائی گئی تھی اور اس سے
اس کی غرض یہ تھی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس دعوے کا رد کرے کہ اس کے علاوہ کوئی خدا ہے جو تمام جہانوں کا خدا
ہے جیسا کہ اس نے کہا تھا کہ میں موسیٰ کو جھوٹوں میں سے گمان کرتا ہوں اور اس نے کہا اے درباری! میں اپنے سوا تمہارا اور
کوئی خدا نہیں جانتا۔

فرمایا: اور فرعون نے اس کے لشکروں نے ناحق زمین میں تکبر کیا اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں
لوٹے جائیں گے۔

یعنی انہوں نے زمین میں فساد برپا کیا اور کمزور لوگوں پر ظلم کیا اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ نہ قیامت نے آتا ہے اور نہ حشر
ہوگا۔

فَصَبَّ عَلَىٰ سَیۡدِیۡكَ سَوۡطٌ عَذَابٍ اِنَّ اِلٰہَ رَبِّکَ
لَیۡلَیۡلٌ عَصٰی (فر ۱۳-۱۴)

اور اسی وجہ سے اس آیت میں فرعون اور موسیٰ کے لشکروں کو پکڑا لیا پھر ہم نے ان سب کو دریہ میں ڈال دیا۔
علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ یہاں سمندر پر دریہ کا اطلاق مجازاً ہے کیونکہ فرعون کو بحر قزقم میں غرق کیا گیا تھا۔

(الفتح ۱۱۵، القرآن ۱۳ ص ۲۹۵ دار الفکر)

یعنی ایک دن صبح کے وقت ہم نے ان سب کو سمندر میں غرق کر دیا اور ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچا اور فرمایا: سو
دیکھئے خدایوں! کیا انجام ہوا اور ہم نے ان کو (کافروں کا) اہم بنادیا جو لوگوں کو دوزخ کی طرف بلائے ہیں۔ یعنی جو لوگ
خدا کے منکر ہیں اور دیر پیے ہیں اور رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں اور فرعون کے راستہ اور اس کے خور و طریقہ پر چلتے ہیں ہم نے
فرعون کو ان کا پیشوا بنا دیا اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی اور اس کے فرشتوں نے ان پر لعنت کی اور انہوں کے پیچ و کاروں اور
مومنوں نے ان پر لعنت کی اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی اور قیامت کے دن وہ بد حال لوگوں میں سے
ہوں گے۔

قَدَّوۡنَہٗۤ اَلۡیۡسَ بِہٖۤ اٰیۡتِیۡ کَیۡ طَرَحَۤہٗ
وَاتَّبَعُوۡا فِیۡ ہٰذِہٖۤ اَلۡعٰنَۃِ وَآیۡوَمَہُ النِّعَمِۃِ یٰۤاَیُّہَا
الرَّحٰۡلُ السَّخٰوۡدُ (حور ۹۹)

ان پر اس دنیا میں بھی لعنت کی گئی اور آخرت میں بھی
اور ان کو کیسا برا انجام دیو گیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۲۹-۳۳۰ مکتبۃ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

فرعون نے خدا کو دیکھنے کے لیے بلند عمارت بنائی تھی یا نہیں

سہی نے روایت کیا ہے جب وہ بلند قلعہ بنایا گیا تو فرعون اس قلعہ پر چڑھا اور آسمان کی طرف تیر پھینکے اور وہ تیر خون
میں ڈوبے ہوئے واپس کر دیئے گئے تو فرعون نے کہا میں نے موسیٰ کے معبود کو کھل کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے پہلے زمانہ کے لوگوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی جو لوگوں کے لیے بصیرت اور وحی اور ہدایت اور رحمت تاکہ وہ فصیح حاصل کریں اور آپ (طور کی) مغربی جانب نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو پیغام پہنچانے کا حکم دیا تھا اور نہ آپ اس وقت (ان کو) دیکھنے والوں میں سے تھے لیکن ہم نے بہت سی قومیں پیدا کیں سو ان پر طویل زمانہ گزر گیا اور نہ آپ اہل مدین میں رہتے تھے کہ آپ ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے اور اہل بیت ہم ہی (آپ کو) رسول بنا کر بھیجے والے ہیں اور نہ آپ (اس وقت پہاڑ) طور کی جانب تھے جب ہم نے موسیٰ کو ندا فرمائی تھی لیکن یہ آپ کے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے آپ کو غیب کی خبریں دیں) تاکہ آپ ان لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ فصیح حاصل کریں (التقصی ۴۹-۴۳)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل

مذکورہ صدر چار آجوں میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دلیل قائم کی ہے اور قرآن مجید کا فقرہ اور کلام اللہ ہوتا جان فرمایا ہے کیونکہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ کی ولادت سے لے کر فرعون کے فریق ہونے تک تمام احوال بیان فرمائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان کس طرح مکالمہ اور منقرہ ہوا کو طور پر آپ پر کس طرح وحی نازل کی گئی یہ تمام چیزیں آپ نے بیان فرمائیں حالانکہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں موجود نہ تھے اور آپ اُسی تھے آپ نے یہ واقعات تورات میں نہیں پڑھے نہ آپ علماء اہل کتاب کی مجلس میں رہے پھر آپ نے یہ غیب کی خبریں کیسے بیان کر دیں اس کی صرف یہی صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آپ کو ان خبروں پر مطلع فرمایا اور یہی آپ کے بحق رسول ہونے کی دلیل ہے۔

التقصی ۴۳ میں فرمایا ہے: ہم نے پہلے زمانہ کے لوگوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی اس سے مراد تورات ہے جس میں فرائض حدود اور احکام ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں امام حاکم نیشاپوری نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب سے تورات کو نازل کیا ہے اس سے سوا اس ہستی کے جس کے لوگوں کو نسخ کر کے بندہ بنا دیا تھا اس نے روئے زمین پر اور کسی قوم یا قرن یا امت پر آسمانی عذاب نہیں بھیجا۔

(المعجم رک ۲ ج ۲۸۸ رقم الحدیث ۳۵۴۳) حدیث مسند ابو داؤد رقم الحدیث ۲۴۸۸ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۸۸ کنز العمال ج ۶ ص ۳۳ (المعجم رک ۲ ج ۲۸۸ رقم الحدیث ۳۵۴۳)

قرآن اولیٰ (پہلے زمانہ کے لوگوں) سے مراد ہیں قوم نوح قوم عاد اور قوم ثمود ایک قول یہ ہے کہ فرعون کو غرق کرنے اور قارون کو زمین میں دھنسانے کے بعد ہم نے حضرت موسیٰ کو کتاب دی۔

فرمایا: تاکہ وہ فصیح حاصل کریں یعنی خواہ اسرا نکل فرعون سے نجات پانے کی نعمت کو یاد کریں اور تورات کے احکام پر عمل کریں۔

اور آپ طور کی مغربی جانب نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو پیغام پہنچانے کا حکم دیا تھا۔ (التقصی ۴۳)

جب ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے امرا و نبی کا مکتف کیا تھا اور ان سے عہد لیا تھا آپ اس وقت شہد نہ تھے یعنی اس وقت آپ وہاں موجود نہ تھے۔

يَذْكُرُونَ ﴿۳۶﴾ وَلَوْلَا أَنْ تُصِيبَهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ

نہیں آیا تاکہ وہ نصبت حاصل کریں O اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ جب بھی ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت

أَيِّدِيهِمْ فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنُتَّبِعَ

آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف کوئی رسول نہیں بھیجا تاکہ ہم تیری آجھوں کی

أَيَّتِكَ وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۷﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ

بیرونی کرتے اور ہم مومنوں سے ہو جاتے (تو ہم کوئی رسول نہ بھیجے) O پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا

عِنْدَنَا قَالُوا لَوْلَا أَوْتِيْنَا مِثْلَ مَا أَوْتِيَ مُوسَىٰ أَوْ لَمْ

تو انہوں نے کہا ان کو ایسے معجزے کیوں نہیں دیئے جیسے معجزے موسیٰ کو دیئے تھے کیا اس سے پہلے

يَكْفُرُوا بِمَا أَوْتِيَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ قَالُوا اسْحَرِ بِتَظَاهَرِ ٱللَّهِ

(کافروں نے) موسیٰ کے معجزوں کا کفر نہیں کیا تھا! انہوں نے کہا یہ دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں

وَقَالُوا إِنَّا بِكُلِّ كِفْرٍ وَن ﴿۳۸﴾ قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِنْدِ

اور انہوں نے کہا بے شک ہم (ان میں سے) ہر ایک کا کفر کرنے والے ہیں O آپ کہیے کہ تم اللہ کی طرف سے کوئی ایسی

ٱللَّهُ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعُهُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۹﴾

کتاب لے آؤ جو (بالفرض) ان دونوں سے زیادہ ہدایت دینے والی ہو تو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہو O

فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ ط

پس اگر یہ آپ کی دعوت قبول نہ کریں تو جان لیجئے کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ ٱللَّهِ إِنَّ

اور اس سے زیادہ گمراہ ہو گا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہشوں کی پیروی کرنے بے شک

ٱللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۴۰﴾

اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا O

احسین بن مسعود متوفی ۵۱۶ھ حافظ ابن کثیر متوفی ۷۴۳ھ وغیرہم نے بھی اس روایت کو اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے ان کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں: (جامع البیان ج ۲ ص ۱۰۹-۱۰۰ تفسیر لام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۲۹۸ المسد رک ج ۲ ص ۲۰۸ معالم الخوئل ج ۳ ص ۵۳ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۲۹)

اور فرمایا: لیکن یہ آپ کے رب کی رحمت ہے اس کا معنی یہ ہے کہ آپ انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے وقت موجود نہیں تھے اور نہ وہ واقعات کسی کتاب سے آپ پر پڑے گئے تھے لیکن ہم نے آپ کو مبعوث فرمایا اور آپ کی طرف ان واقعات کی وحی فرمائی یہ ہماری رحمت ہے۔ تاکہ آپ کو جن لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے آپ ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں اور ان کے سامنے آپ کی نبوت پر دلیل قائم ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ جب بھی ان کے کړتوتوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب اتو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تاکہ ہم تیری آجوں کی پیروی کرتے اور ہم مسنون سے ہو جاتے (تو ہم کوئی رسول نہ بھیجے) O پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا تو انہوں نے کہا ان کو ایسے معجزے کیوں نہیں دیئے جیسے معجزے موسیٰ کو دیئے تھے کیا اس سے پہلے (کافروں نے) موسیٰ کے معجزوں کا کفر نہیں کیا تھا؟ انہوں نے کہا یہ دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور انہوں نے کہا بے شک ہم (ان میں سے) ہر ایک کا کفر کرنے والے ہیں O (انقص: ۴۸-۴۷)

مشرکین کے شبہات کے جوابات

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ آپ پر غیب کی باتوں کی وحی فرماتا ہماری رحمت ہے تاکہ آپ کے دعویٰ نبوت پر دلیل قائم ہو اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے آپ کو مکہ والوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا تاکہ ان کے لیے ایمان نہ لانے کا کوئی عذر باقی نہ رہے اور جب قیامت کے دن ان کو عذاب دیا جائے تو وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمارے پاس تو کوئی رسول آیا ہی نہیں تھا ہم کیسے ایمان لاتے اور اس کی تفسیر یہ آیتیں بھی ہیں:

(اور ہم نے ثواب کی) خوشخبری دینے والے اور (عذاب

رَسُولًا فَخَرِّقْ عَيْنَيْنِ وَمَنْذِرًا لِّقَوْمٍ يَتَّقُونَ

سے) ڈرانے والے رسول بھیجے تاکہ رسولوں کو بھیجے کے بعد لوگوں

عَلَىٰ الْمَوْتِ حَظًّا بَعْدَ الرَّسُولِ ط. (اشعرا: ۱۶۵)

کے لیے (ایمان نہ لانے کا) اللہ کے سامنے کوئی عذر نہ رہے۔

اے اہل کتاب بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا جو

يَا هَٰؤُلَاءِ الْكِتَابُ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ

انقطاع رسل کی مدت کے بعد تمہارے لیے (احکام شریعہ) بیان

عَلَىٰ خَيْرٍ مِّنَ الرِّسَالِ اِنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا بَشِيرٌ

کتاب ہے تاکہ تم یہ نہ کہو کہ تمہارے پاس کوئی (ثواب کی) بشارت

وَلَا نَذِيرٌ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ ط. (المائدہ: ۱۹)

دینے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا نہیں آیا تو تمہارے پاس

بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آ چکا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا تو انہوں نے کہا ان کو ایسے معجزے کیوں نہ دیئے جیسے

معجزے موسیٰ کو دیئے تھے۔ (انقص: ۴۸)

مجاہد نے کہا یہود نے قریش سے کہا کہ تم (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرو کہ وہ ایسے معجزات لے کر آئیں جیسے

معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ قریش سے یہ کہیں کہ وہ یہود کے پاس جا کر یہ کہیں

جدا چشم

قرن کا معنی اور نبیوں اور رسولوں کی تعداد

فرمایا: لیکن ہم نے (موسیٰ کے بعد) بہت سے قرون پیدا کئے، سو ان پر طویل زمانہ گزر گیا۔ (اتقصص: ۲۵)

حضرت عبداللہ بن بسر بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! قرون کتنی مدت ہے؟ آپ نے فرمایا سو سال اور زرارہ بن اوئی سے ایک سو بیس سال کی روایت ہے اور قتادہ سے ستر سال کی روایت ہے اور حسن بصری سے ساٹھ سال کی روایت ہے اور ابراہیم سے چالیس سال کی روایت ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۲۹۸ مطبوعہ مکتبہ زار مصطفیٰ مدکرہ ص ۱۳۷)

ان باقی اقوال کی پانچ سو سال کی نسبت میں وہی مدت صحیح ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔

نیز اس آیت میں فرمایا: البتہ ہم ہی (آپ کو) رسول بنا کر بھیجے والے ہیں۔

حضرت ابوالامام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! انبیاء کی کتنی تعداد ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار ان میں سے جم غفیر رسول ہیں، تین سو پندرہ۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم اللہ ص ۶۹۳ مطبوعہ مکتبہ زار مصطفیٰ مدکرہ ص ۱۳۷)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی فضیلت

اس کے بعد فرمایا اور نہ آپ (اس وقت پہلا) طور کی جانب تھے جب ہم نے خدا فرمائی تھی۔ (اتقصص: ۲۷)

یعنی جس طرح آپ اس وقت پہلا طور کی مغربی جانب نہ تھے جب ہم نے حضرت موسیٰ کو رسول بنا کر قرون کی طرف بھیجا تھا اسی طرح آپ اس وقت بھی پہلا طور کی جانب نہ تھے جب حضرت موسیٰ ستر منتخب شدہ افراد کے ساتھ پہلا طور پر آئے تھے اور جب ان ستر افراد کو زلزلہ نے پکڑ لیا تو حضرت موسیٰ نے دعا کی: اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیتا کیا تو ان بے وقوفوں کے فضل کی وجہ سے ہم سب کو ہلاک کر دے گا یہ واقعہ محض تیری طرف سے ایک آزمائش ہے تو اس آزمائش کی وجہ سے جس کو چاہے گمراہی میں مبتلا کر دے اور جس کو چاہے ہدایت پر برقرار رکھے سو تو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر معاف فرمانے والا ہے۔ (الاعراف: ۱۵۵)

اس آیت کی دوسری تفسیر میں یہ روایات ہیں: امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نے آپ کی اُمت کو اس وقت خدا کی جب وہ اپنے آبادی کی پشتوں میں تھے اے اُمت محمد! میں نے تمہارے دعا کرنے سے پہلے تمہاری دعاؤں کو قبول کر لیا اور تمہارے سوال کرنے سے پہلے تم کو عطا کر دیا اور تمہارے مغفرت طلب کرنے سے پہلے تم کو معاف فرما دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ دعا فرمائی تھی جب حضرت موسیٰ ستر افراد کو لے کر پہلا طور پر گئے تھے۔

وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا ذکر کیا تو حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب! مجھے ان کو دکھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم ان کو نہیں دیکھ سکتے، اگر تم چاہو تو میں تم کو ان کی آواز سنا دوں، حضرت موسیٰ نے کہا کیوں نہیں اے میرے رب! تو اللہ سبحانہ نے پکارا اے انس! تمہارا تو انہوں نے اپنے آبادی کی پشتوں سے جواب دیا پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو ان کی آواز سنا دی پھر فرمایا میں نے تمہارے دعا کرنے سے پہلے تمہاری دعاؤں کو قبول کر لیا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس کی روایت میں مکرر چکا ہے۔

(تفسیر کبرج ص ۲۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۱۳۵)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ امام

خوابوں کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے زیادہ کوئی گم راہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کی پیروی کرے بے شک اللہ عالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا (القصص: ۵۹-۶۰)

یعنی اے مشرک! اگر تم ان دونوں کتابوں تو رات اور قرآن کا انکار کرتے ہو اور ان کو جادو کہتے ہو اور ان کو ہدایت دینے والی کتابیں نہیں مانتے تو پھر کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابوں سے زیادہ ہدایت دینے والی ہو اور اگر وہ آپ کے اس فتنے کو قبول نہ کریں تو پھر اسے نبی کریم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جان لیجیے کہ یہ صرف اپنے دل کے خیالات اور آراء کی پیروی کرتے ہیں اور بغیر کسی دلیل کے شیطان کی تقلید کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۵۹﴾ الَّذِينَ

اور ہم ان کا تار (اپنا) کلام لوگوں کے لیے بھیجتے رہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿۵۹﴾ جن کو ہم نے

آیتنہم الکتاب من قبلہ ہم بہ یؤمنون ﴿۶۰﴾ وَإِذْ آتَيْنَاهُمْ

اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان رکھتے ہیں ﴿۶۰﴾ اور جب ان پر اس (کتاب) کی تلاوت کی

قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ﴿۶۱﴾

کہاں سے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے ہیں بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے برحق ہے ہم اس سے پہلے ہی مسلمان اور اطاعت

أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرُهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَإِذْ رَعَوْنَا

شعار ہو چکے ہیں ﴿۶۱﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان (کے اعمال) کا دگنا اجر دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے صبر کیا اور وہ ہر ایک کو

بِالْحُسْنَى السَّيِّئَةِ وَمِنَّا مَنْ فَتَنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۶۲﴾ وَإِذْ أَسْمَعُوا

اچھائی سے دور کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے وہ اس میں سے (نکل کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں ﴿۶۲﴾ اور جب وہ کوئی

الْفُجُورَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَّا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ

ہے اور وہ بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿۶۳﴾ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ

اعمال ہیں تمہیں سلام ہو ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے ﴿۶۳﴾ بے شک آپ جس کو پسند کریں اس کو

أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ

ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے لیکن اللہ جس کو چاہے اس کو ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو

کیا تم نے اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا انکار نہیں کیا تھا؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے ان کی مراد یہ تھی کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات ایک باری مکمل نازل ہوئی تھی اسی طرح آپ پر بھی قرآن مجید ایک باری مکمل کیوں نہیں نازل ہوا اور جس طرح ان کو عصا اور یہ بیضاء کا جھوہ دیا گیا تھا آپ کو بھی ایسے معجزے کیوں نہیں دیئے گئے۔ نیز ان کے لیے سمندر کو چر کر راستہ بنادیا گیا ان کی اُمت پر بادل کا سایہ کیا گیا پتھر سے پانی نکالا گیا ان پر سن و سلویٰ نازل کیا تو آپ کے لیے ایسا کیوں نہیں کیا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے جن معجزات کو طلب کیا تھا وہ معجزات اثبات نبوت کے لیے لازم نہیں تھے کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات ایک جیسے ہوں اور نہ یہ ضروری ہے کہ ان پر ایک جیسی کتاب نازل ہو کیونکہ اصطلاح اور ہدایت کے لیے کتاب کا نازل کرنا ضروری ہے خواہ وہ کتاب ایک باری مکمل نازل کر دی جائے یا تھوڑی تھوڑی حسب ضرورت نازل کی جائے اور معجزات کا ایک جیسا ہونا بھی ضروری نہیں ہے کیونکہ ہر زمانہ کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں اس لیے اس زمانہ کے تقاضوں کے اعتبار سے معجزات عطا کیے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ یہود جو مشرکین مکہ کو یہ اعتراضیں سکھا رہے ہیں کہ تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یہ کہو کہ وہ ایسے معجزات دکھائیں جیسے معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیش کیے تھے تو اسے یہود بولا یہ بتاؤ کہ کیا تمہارے آباؤ اجداد نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا کفر نہیں کیا تھا اور ان کو جادوگر نہیں کہا تھا؟

علامہ ابو محمد احمد بن حنبل قرطبی حنفی ۶۶۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کیا یہودیوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو جادوگر نہیں کہا تھا اور یہ کہ ہم ان میں سے ہر ایک کا کفر کرتے ہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ انہوں نے انجیل اور قرآن دونوں کو جادو کہا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے تورات اور قرآن دونوں کو جادو کہا اور ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے تورات اور انجیل دونوں کو جادو کہا۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس نقطہ کو سمجھو ان (انجیل الف کے) پڑھا جائے اور اگر اس کو صاحبان (الف کے ساتھ) پڑھا جائے تو حضرت ابن عباس اور حسن بصری نے کہا یہ مشرکین عرب کا قول ہے اور ان کی مراد یہ تھی کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام دونوں جادوگر ہیں اور سعید بن جبیرؒ نے کہا یہ ابتداء رسالت میں یہود کا قول ہے اور ان کی مراد یہ تھی کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام دونوں جادوگر ہیں اور یہ تفسیر پہلی آیت سے اس طرح مربوط ہے کہ ہر چند کہ یہود نبوت کے معترف تھے لیکن انہوں نے دین میں تحریف کر دی تھی اور کتاب میں بہت تغیر کر دی تھی اور وہ عذاب کے مستحق ہو چکے تھے اس لیے ہم نے ان پر جنت قائم کرنے کے لیے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول بنا کر بھیجا تا کہ ان کا کوئی عذر باقی نہ رہے اور اللہ نے کہا یہ اس زمانہ کے یہودیوں کا قول ہے انہوں نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جادوگر ہیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو تورات لے کر آئے تھے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی ذکر تھا اور انجیل اور قرآن کا بھی ذکر تھا اور یہود نے ان کا انکار کیا اور کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جادوگر ہیں اور انجیل اور قرآن جادو ہیں اور جب یہود نے ان چیزوں کا کفر کیا جن کا تورات میں ذکر ہے تو کیا انہوں نے تورات کا کفر نہیں کیا۔ (الطحاوی اعلام القرآن ۱۳۲:۴۰۰، ۲۶۹:۴۰۰ دار الفکر بیروت ۱۳۷۵ھ و ۱۳۷۷ھ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۳۷۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ تم اللہ کی طرف سے کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو (بالقرض) ان دونوں سے زیادہ ہدایت دینے والی ہو تو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہو ۱۰ پس اگر یہ آپ کی دعوت کو قبول نہ کریں تو جان لیجیے کہ یہ صرف اپنی

اطاعت شعار ہو چکے ہیں وہ لوگ ہیں جنہیں ان (کے اعمال) کا ڈر گنا آجروایا جائے گا کیونکہ انہوں نے صبر کیا اور وہ برائی کو اچھائی سے دور کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے وہ اس میں سے (نیک کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں ۵۱ (التقصص ۵۱:۵۳)

ایک بار پورا قرآن نازل کرنے کے بجائے لگاتار آیتیں نازل کرنے کی حکمت

اس آیت میں وصلہ کا لفظ ہے اس کا مصدر ”توصل“ ہے اس کا معنی ہے ہم نے لگاتار اور پے درپے بھیجا ”تواصل“ کا معنی ہے کسی کام کا مسلسل ہوتے رہنا۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے کہا اس آیت کا معنی ہے: اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم ہم آپ کی قوم قریش اور بنی اسرائیل کے یہودیوں کے لئے ”مسئل“ ماضی کی خبریں بھیجتے رہے اور جن قوموں نے ہمارے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور اس کی پاداش میں ہم نے ان پر عذاب نازل کیا تھا ان کی خبریں سناتے رہے تاکہ یہ لوگ ان کی طرح اللہ کا کفر نہ کریں اور اس کے رسولوں کی تکذیب نہ کریں اور ان کے واقعات سے عبرت حاصل کریں۔ اگر ایک ہی بار پورا قرآن نازل کر دیا جاتا اور ان پر بار بار آیات نازل نہ ہوتیں تو ان کو نصیحت حاصل کرنے کے اتنے مواقع میسر نہ ہوتے۔

ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہم ان کو دنیا میں آخرت کی خبریں پہنچاتے رہے ہم انہیں دنیا میں اس طرح آخرت کی خبریں پہنچاتے تھے اور اپنی نشانیاں دکھاتے تھے گویا کہ انہوں نے دنیا میں آخرت کا معائنہ اور مشاہدہ کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنِّي فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّمَن كَانَ عَدَاوَةً لِّلْآخِرَةِ ۚ
بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے ضرور نشانی ہے جو
(ص: ۱۰۳) آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

اور بتایا کہ ہم مقررہ ان سے کیے ہوئے آخرت کے وعدہ کو پورا کریں گے جیسا کہ ہم نے انبیاء سے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کیا اور ہم انبیاء اور ان کی قوموں کے درمیان فیصلہ کر دیں گے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)
علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے کہا ہم نے قرآن مجید کی آیتوں کو مسلسل اور لگاتار نازل کیا ہے اور ان آیتوں میں وعدہ اور وعید ہے اور قصص اور عبرتیں اور مواظفہ اور نصائح ہیں تاکہ لوگ ان سے نصیحت حاصل کریں اور قلاع پاکیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ”لحم“ کی ضمیر قریش کی طرف راجع ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ضمیر یہودی طرف راجع ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ضمیر دونوں کی طرف راجع ہے۔ اس آیت میں ان کا رد ہے جنہوں نے کہا تھا کہ آپ پر پورا قرآن ایک بار کیوں نازل نہیں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم مسلسل اور لگاتار قرآن نازل کرتے رہے تاکہ ان کے دل پر بار بار ضرب لگے اور یہ نصیحت حاصل کریں۔ (المباح ۱۱، حکام القرآن ج ۳ ص ۲۲۲، دار الکتاب العربی بیروت ۱۳۷۰ھ، ج ۳ ص ۳۳۳، دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

جن مومنین اہل کتاب کو ڈر گنا آجروایا جائے گا ان کے مصداق

اس کے بعد فرمایا: جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی اور وہ اس قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ (التقصص ۵۲)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۶۸۸، رقم البحر ۱۶۷۸)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان اہل کتاب بنی اسرائیل کی خبر دی ہے جو ابتداء میں قرآن مجید پر ایمان لے آئے تھے

بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوا إِن تَتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نَتَّخِظُكَ

خوب جانتا ہے ۵ اور انہوں نے کہا اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کر لیں تو ہم اپنے ملک سے

مِنْ أَرْضِنَا ۖ أَوْ لَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجِبِي إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ

اچک لیے جائیں گے کیا ہم نے ان کو حرم میں نہیں آباد کیا جو امن والا ہے اس کی طرف ہمارے دیئے ہوئے

كُلِّ شَيْءٍ زِينًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵۸﴾

ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں لیکن ان کے اکثر (لوگ) نہیں جانتے ۵

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطَرَتْ مَعِيشَتَهَا فِتْلِكَ مَسْكِنُهُمْ

اور ہم نے بہت سی ان بستیوں کو ہلاک کر دیا جن کے رہنے والے اپنی خوشحالی پر اتارے تھے سو یہ ان کے مکان ہیں

لَمْ تَسْكُنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ۚ وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ﴿۵۹﴾

جن میں ان کے بعد بہت کم سکونت کی گئی ہے اور (انجام کار) ہم ہی وارث ہیں ۵

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمَمٍ مَّرْسُولًا ۚ يَتْلُوا

اور آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ ان کے مرکز میں کسی رسول نہ بھیج دے جو ان

عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ﴿۶۰﴾

پر ہماری آیتوں کو تلاوت کرتا ہو اور ہم صرف ان ہی بستیوں کو ہلاک کرنے والے ہیں جن کے رہنے والے ظلم کرنے والے ہوں ۵

وَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَّاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَرِيتُمْهَا ۚ وَمَا

اور تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے تو وہ دنیاوی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے اور جو اللہ

عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۶۱﴾

کے پاس (اجر) ہے وہ اچھا ہے اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم لگا تار (اپنا) کلام لوگوں کے لیے بھیج رہے تاکہ وہ بصیرت حاصل کریں ۵ جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان رکھتے ہیں ۵ اور جب ان پر اس (کتاب) کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لا چکے ہیں بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے برحق ہے ہم اس سے پہلے ہی مسلمان اور

کا ایک اہل کتاب سے وہ شخص جو اپنے نبی پر بھی ایمان لایا اور (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا اور وہ غلام جو اللہ کا حق بھی ادا کرے اور اپنے مالک کا حق بھی ادا کرے اور وہ شخص جس کے پاس ایک باندی ہو وہ اس کو ادب سکھائے تو اچھا ادب سکھائے اور اس کو تعلیم دے تو اچھی تعلیم دے پھر اس کو آزاد کر کے اس سے شادی کر لے تو اس کو دو اجر ملیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۷۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۳۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۵۳ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۱۶)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ فرماتے ہیں جن تین شخصوں کے متعلق حدیث میں ہے کہ ان کو دو گن اجر ملے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو دو مختلف جہتوں سے عمل کرنے کا حکم دیا گیا اور انہوں نے دونوں کی اطاعت کی اس لیے وہ دو گنے اجر کے مستحق ہوئے سو جو شخص اہل کتاب سے تھا اس کو اپنے نبی کی طرف سے حکم دیا گیا تو اس نے اس کے حکم کی اطاعت کی پھر اس کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حکم دیا گیا تو اس نے آپ کے حکم کی اطاعت کی تو اس کو دو گن جہتوں کا اجر ملے گا اور غلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی حکم دیا گیا اور اس کے مالک کی طرف سے بھی حکم دیا گیا سو اس نے دونوں کی اطاعت کی اس لیے اس کو بھی دو گنا اجر ملے گا اور جو شخص باندی کا مالک تھا اس نے باندی کی تربیت کر کے اس کو تربیت کے ساتھ زندہ کیا پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کیا تو اس کو آزاد کی کے ساتھ زندہ کیا سو ان میں سے ہر ایک دو اجر ملے گا امید وار ہے اور جس نیکی کا مسلمانوں کو دس گنا اجر ملتا ہے اور مسلمانوں کو جماعت سے نماز پڑھنے کا سنا کیس (۲۷) گنا اجر ملتا ہے اسی طرح حرم شریف میں نماز پڑھنے کا ایک لاکھ گنا اجر ملتا ہے سو ان تین شخصوں کو یہ تمام اجور عام مسلمانوں کی بہ نسبت دو گنے ملیں گے۔ (الملاحۃ حکام القرآن ج ۳ ص ۲۶۳ دارالکتب العربیہ دت ۱۲۲۰ھ ج ۳ ص ۲۷۳ دارالقریب دت ۱۳۷۵ھ)

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے لکھا ہے کہ ان کو دو گنا اجر اس لیے ملے گا کہ ایک مرتبہ وہ اپنی کتاب پر ایمان لائے اور ایک مرتبہ وہ قرآن پر ایمان لائے یا دو گنا اجر اس لیے ملے گا کہ وہ دونوں دینوں پر ثابت قدم رہے یا ان کو دو گنا اجر اس لیے ملے گا کہ وہ قرآن مجید کے نزول سے پہلے اور اس کے نزول کے بعد دوسری مرتبہ اس پر ایمان لائے یا ان کو دو گن اجر اس لیے ملے گا کہ انہوں نے دونوں دینوں کے مخالفین کی طرف سے اذیت اور تکلیف کو صبر کے ساتھ برداشت کیا اور مخالفین اور مشرکین کی طرف سے ان پر جو زیادتیاں ہوئی اور ان کے ساتھ جو برا سلوک کیا گیا اس کا انہوں نے نرمی سے اور نیک سلوک کے ساتھ جواب دیا۔

(روح البانی ج ۲ ص ۲۸۱ دارالقریب دت ۱۳۷۵ھ)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرو اور برائی کے بعد نیکی کر دو نیکی اس برائی کو مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۵۱۱ دارالحدیث قاہرہ ۱۳۶۶ھ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۹ نام ترمذی سے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے سنن الدارمی رقم الحدیث: ۷۷۱۱ مسند رک ج ۳ ص ۵۴ علامہ ذہبی سے صحیح میں حاکم کی موافقت کی ہے)

مومنین اہل کتاب کے لیے دو گنے اجر کی بشارت زمانہ رسالت کے ساتھ مخصوص ہے یا قیامت تک کے لیے عام ہے

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اہل تورات اور اہل انجیل میں سے اسلام لے آیا اس کو اس کا اجر دو بار ملے گا اس کے وہ حقوق ہیں جو ہمارے حقوق ہیں اور اس پر وہ فرائض ہیں جو ہمارے فرائض ہیں۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۹ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۵۱۱ دارالحدیث قاہرہ ۱۳۶۶ھ سنن ابوالخیر ج ۵ ص ۲۲۵ صحیح ابوالخیر ج ۳ ص ۹۲)

یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے اہل کتاب کے ساتھ مخصوص ہے یا قیامت تک کے اہل کتاب کے لیے عام ہے۔

جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور سلمان وغیرہا اور ان میں وہ علماء نصاریٰ بھی داخل ہیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ چالیس افراد تھے ان میں سے تیس (۳۲) افراد تو حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ حبشہ سے آئے تھے اور آٹھ (۸) افراد شام سے آئے تھے یہ لوگ نصاریٰ کے امر تھے ان میں بکیرا و المراسب، ایرحہ، اشرف، عامر، یحییٰ اور یس اور باغ تھے۔

علامہ الماوردی نے اسی طرح ان کے نام گنائے ہیں۔ (فتاویٰ جامعہ الماوردی ج ۳ ص ۵۵۵ دارالکتب احیاء بیروت)

اس کے بعد جو آیت نازل ہوئی ہے: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان (کے اعمال) کا ڈگنٹا آجرو دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے مہرب کیا اور وہ برائی کو اچھائی سے دُور کرتے تھے۔ (القسم: ۵۳) یہ آیت بھی ان ہی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

قرآنہ نے کہا حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت حمیم داری، حضرت اچارود العبدی، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم اسلام لانے تو ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت رفیعہ القرظی سے روایت ہے کہ یہ آیت دس افراد کے متعلق نازل ہوئی ہے اور میں بھی ان میں سے ایک ہوں۔

حضرت عروہ بن الزبیر نے کہا یہ آیت نہاجی اور اس کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بارہ افراد بھیجے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر بیٹھ گئے اس وقت ابوجہل اور اس کے ساتھی بھی ان کے قریب تھے وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے جب وہ آپ کے پاس سے اُٹھے تو ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے ان کا پیچھا کیا اور کہا اللہ تعالیٰ تمہاری جماعت کو کام کرے اور تمہارے وفد کا برا حال کرے ہم نے تم سے زیادہ احمق اور جاہل سواروں کی جماعت نہیں دیکھی انہوں نے کہا تمہیں سلام ہو ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں۔

ابوالاعلیٰ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا یہ وہ لوگ ہیں جو سیدہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ پر ایمان لائے تھے اور جب ان پر قرآن مجید پڑھا گیا تو انہوں نے کہا ہم اس کی تصدیق کر چکے ہیں۔

(القسم: ۵۳) میں ہے: اور جب ان پر اس (کتاب) کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے ہیں بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے برحق ہے ہم اس سے پہلے ہی مسلمین اور اطاعت شعار ہو چکے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم قرآن مجید کے نزول سے پہلے ہی اپنی کتابوں میں اس کی بشارت پڑھ کر اس پر ایمان لائے تھے۔ یا ہم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی اپنی کتابوں میں آپ کی بعثت کی بشارت پڑھ کر آپ پر ایمان لائے تھے۔ یا اس کا معنی یہ ہے ہم پہلے ہی موحیہ تھے یا ہمارا پہلے ہی ایمان تھا کہ غریب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں گے اور آپ پر قرآن نازل ہوگا۔ اس آیت میں جو فرمایا ہے ہم پہلے ہی مسلمین تھے اس سے اسلام کا معروف اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہے یعنی ہم پہلے ہی اطاعت گزار اور اطاعت شعار تھے اسلام کا معروف اصطلاحی معنی صرف دین اسلام ہے اور صرف مسلمانوں پر صادق آتا ہے۔ (المجموعۃ کما فی القرآن ج ۳ ص ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱

(البقرہ: ۲۰۸)

مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اہل کتاب میں سے مسلمان ہو گئے تھے اور اپنی شریعت کے بعض احکام پر باقی رہے تھے وہ ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے تھے اور انہوں نے اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اسلام کی شریعت میں مکمل داخل ہو جائیں اور تورات کے کسی حکم پر عمل نہ کریں کیونکہ وہ منسوخ ہو چکے ہیں اور تورات کے بعض احکام پر عمل کر کے شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلیں۔ گویا کہ یوں کہا گیا ہے کہ اسلام کے تمام شرعی احکام میں مکمل داخل ہو جاؤ اعتقاداً بھی اور عملاً بھی۔ اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اہل کتاب کے ان مومنین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو تورات کے بعض شرعی احکام پر عمل کرتے تھے۔ فرمایا کہ قرآن میں دین محمد میں داخل ہو جاؤ اور اس میں سے کسی چیز کو ترک نہ کرو اور اس میں یہ تصریح ہے کہ تورات کی شریعت کو اسلام نہیں کہتا۔

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنَ ظُلُمَاتٍ إِلَى نُورٍ وَكَرَّمَهُمْ بِذُنُوبِهِمْ إِنَّهُمْ كَانُوا ذَلِيلِينَ ﴿۱۰۸﴾

اور اللہ کی راہ میں اس طرح جب آدمی جس طرح چاہے دے گا حق ہے اسی نے تم کو ضیاء دلایا ہے اور اس نے دین میں تم پر کوئی غلج نہیں رکھی اپنے باپ ابراہیم کی امت کو (قائم رکھو) اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے (اللہ ہی نے یا ابراہیم نے) نزول قرآن سے پہلے بھی اور قرآن میں بھی۔

اس میں اختلاف ہے کہ ہو مسلمان کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے یا حضرت ابراہیم کی طرف اور وہ مفسرین کی رائے ہے کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل کرنے سے پہلے تورات اور انجیل میں بھی تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اور اس قرآن میں بھی تمہیں مسلمان فرمایا ہے اور ان کے سلف مفسرین صحابہ تابعین اور جمعہ تابعین نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں تورات اور انجیل میں تمام آسمانی کتابوں میں اس امت کو مسلمان فرمایا ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین ہی مسلمان کے نام کے ساتھ مخصوص ہیں۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے نام کے ساتھ مخصوص ہونے پر دوسری دلیل یہ آیت ہے:

وَبَنَّاكُمْ أَتَمَّ مِمَّنْ بَنَیْنَا مِنْ قَبْلُ مِنْكُمْ وَإِنَّا لَمَوَدُّونَ ﴿۱۰۹﴾

اے ہمارے رب! ہم دونوں کو مسلمان (اپنے امت) سے دیکھو اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک امت کو مسلمان (اپنے امت) سے دیکھو۔

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اور اپنے بیٹے دونوں کے لیے اسلام پر قائم رہنے کی دعا کی ہے اور وہ دونوں نبی ہیں اور پھر اپنی اولاد کی امت کے لیے اسلام پر قائم رہنے اور مسلمان رہنے کی دعا کی ہے اور آپ کی اولاد کی امت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے کیونکہ اس آیت کے بعد حضرت ابراہیم نے ہمارے نبی کی بعثت کی دعا کی ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ ﴿۱۱۰﴾

اے ہمارے رب! ان میں ان ہی میں سے ایک رسول

(البقرہ: ۱۱۰) صحت فرمادے۔

اور اس پر اجماع ہے کہ اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی دعا کی

اللہ علیہ وسلم ان کے ہاتھ میں تورات کے چند اجزاء دیکھ کر غضب ناک ہوئے ہیں تو انہوں نے فوراً کہا ہم اسلام کو دین مان کر راضی ہیں تاکہ وہ تورات کی شریعت کی اتباع سے بری ہو جائیں اور جب انہوں نے یہ کہا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ دور ہو گیا اور آپ کو معلوم ہو گیا کہ حضرت عمر صرف شریعت اسلام کے قیام میں اور شریعت تورات سے اعراض کرنے والے ہیں۔
مسلمین کے لقب سے صرف ہمارے نبی کے تابعین کے مخصوص ہونے کے ثبوت میں احادیث

امام ابن ابی شیبہ نے کھول سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کسی شخص پر کوئی حق تھا حضرت عمر نے کہا اس ذات کی قسم جس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر پر فضیلت دی ہے میں تم سے جدا نہیں ہوں گا۔ یہودی نے کہا اللہ کی قسم! اللہ نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بشر پر فضیلت نہیں دی۔ حضرت عمر نے اس یہودی کے ایک چھتر مار دیا اس یہودی نے جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ اے یہودی! آدم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور موسیٰ نجی اللہ (اللہ سے ہم کلام ہونے والے) ہیں اور عیسیٰ روح اللہ ہیں اور میں حبیب اللہ ہوں بلکہ اے یہودی! اللہ کے دو نام ایسے ہیں جو اس نے میری امت کے رکھے ہیں اللہ کا نام السلام ہے اور اس نے میری امت کا نام مسلمین رکھا ہے اور اللہ کا نام المؤمن ہے اور اس نے میری امت کا نام مؤمنین رکھا ہے بلکہ اے یہودی تم نے اس دن کو تلاش کیا جس کو ہمارے لیے ذخیرہ کیا گیا تھا (یعنی جمعہ) تمہارے لیے اس سے آگاہان ہوا (ہفتہ) اور نصاریٰ کے لیے اس سے آگاہان ہوا (اتوار) بلکہ اے یہودی تم اولین ہو اور ہم آخرین ہیں (دنیا میں) اور سابقین ہیں قیامت کے دن بلکہ تمام نبیوں کے لیے اس وقت تک جنت میں دخول حرام ہے جس تک کہ میں داخل نہ ہوں اور تمام امتوں پر اس میں دخول حرام ہے جب تک کہ میری امت اس میں داخل نہ ہو۔

(مصحف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث ۶۳۷۹۳ دار الکتب المصریہ ج ۲ ص ۱۲۷ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۵۱۱ اور القرآن کریم ج ۶ ص ۱۳۰۶)
اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ کی امت اسلام کے وصف کے ساتھ مخصوص ہے اگر باقی امتیں بھی اس وصف میں شامل ہوتیں تو آپ کا اس وصف کو تفصیل کے موقع پر پیش کرنا درست نہ ہوتا۔

اس موقف پر دوسری دلیل یہ حدیث ہے:
الحارث اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے زمانہ جاہلیت کی طرح چچ و پکار کی وجہ جہنم کے چبھنے والوں میں سے ہے۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ خواہ وہ روزے رکھے اور نماز پڑھے؟ آپ نے فرمایا ہاں اتم اللہ کی اس پکار کے ساتھ پکارو جس کی وجہ سے اس نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے اور مؤمنین عباد اللہ ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۸۱۳ تاریخ کیم لکھنؤ رقم الحدیث ۶۳۹۱ صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۶۲۳۳ مسند احمد رقم الحدیث ۱۷۳۰۴)
ان علماء کے دلائل جو اسلام اور مسلمین کے وصف کو تمام شرائع اور تمام امتوں کے لیے

عام قرار دیتے ہیں اور ان کے جوابات

ان علماء کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا نَبِيَّكُمْ ذَلِكُمْ سَوَاءٌ لَّكُمْ وَلَوْ جَاءَتْكُمْ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ قَائِلِينَ هَؤُلَاءِ عَسَفْنَا عَلَيْهِمُ آلَ فِرْعَوْنَ مَا تَكُنُّ لَهُمْ فِي سَبِيلِنَا وَلَوْلَا الْفَلَاحُ لَكُنَّا عَنْ عِبَادَتِهِمْ أَغْفِرُونَ ۚ

(آلہ احزاب ۳۶)

پس ہم نے تمام مومنوں کو اس ہستی سے نکال لیا سو ہم نے مسلمین کا وہاں پر صرف ایک ہی گھر بنایا۔

ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دونوں دعاؤں کو قبول فرمایا۔ اہل مکہ میں نبی مبعوث فرمایا اور ان کی امت کو مسلمہ فرمایا اور اس سے واضح ہو گیا کہ قرآن مجید میں صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں کو مسلمہ فرمایا ہے۔ اس موقف پر تیسری دلیل یہ آیت ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَا الْقُرْآنَ فِيهَا كَاهِدُوا لَكُمْ وَيُقَلِّمُ
لَكُمْ التَّوْحِيدَ الَّذِينَ آمَنُوا (النملہ ۴۳)

نور ہے اس کے ساتھ یہودیوں کے لیے وہ انبیاء فیصلے کرتے ہیں جو مسلم ہیں۔

اس آیت میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اسلموا یعنی مسلم کی صفت کا ذکر کیا ہے اور ان کی امتوں کے ساتھ مسلم کا ذکر نہیں کیا بلکہ ان کو ہندو یعنی یہودی کے عنوان سے ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ پچھلی امتوں کو قرآن مجید میں مسلم نہیں کہا گیا۔ امتوں میں سے مسلم صرف ہماری امت کو کہا گیا ہے الہیت انبیاء سابقین کو مسلمین کہا گیا ہے۔ لفظ اسلام کے ہمارے نبی کی شریعت کے ساتھ مخصوص ہونے کے ثبوت میں احادیث

امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اسمعیلی متوفی ۳۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ وہب بن منہ سے روایت کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسا کو قی کی کریم نبی امی کو مبعوث کرنے والا ہوں اس کی ولادت مکہ میں ہوئی اور اس کی ہجرت حبشہ میں ہوئی وہ میرے (کریم) بندے التوکل المصطفیٰ ہیں ان کی ملت اسلام ہے اور ان کا نام احمد ہے۔ (ردالمحتار ۳۳۰ ج ۲ ص ۲۳۰ دارالمطبعہ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اسلام صرف آپ کی ملت ہے اور آپ کے ساتھ مخصوص ہے اس اثر کو قاضی عیاض نے شفاء میں بھی ذکر کیا ہے اور ان لوگوں پر تعجب ہے جو اس اثر کو پڑھتے ہیں اور سنتے ہیں اور اس کو سمجھتے نہیں ہیں۔ امام ابن ابی حاتم نے ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کے ساتھ مبعوث کیا گیا اور یہی ملت ابراہیم ہے اور مصلح یہود اور ملت نصاریٰ یہودیت اور نصرانیت ہے۔

اس موقف پر دوسری دلیل یہ حدیث ہے: حضرت عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: یا رسول اللہ! میں اپنے قریبہ کے ایک بھائی کے پاس سے گزرا اس نے میرے لیے تورات کے چند ابواب کھ دیے کیا میں ان کو آپ کے سامنے پیش نہ کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خنجر ہو گیا۔ پس حضرت عمر نے کہا ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں اور اسلام کو دین مان کر راضی ہیں اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول مان کر راضی ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے غصہ کے آثار دور ہو گئے اور آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر تم میں صبح کو حضرت موسیٰ علیہ السلام آئیں پھر تم ان کی پیروی کرو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے تم امتوں میں سے میرا حصہ ہو اور میں نبیوں میں سے تمہارا حصہ ہوں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۶ طبع قدیم حافظہ زین نے لکھا اس حدیث کی سند صحیح ہے ماہنامہ السنۃ ۱۸۵۵:۱ دارالمطبعہ ۱۳۶۶ھ سنہ ۱۸۵۵:۱ عالم الکتاب ج ۲ ص ۱۳۶۹ مصنف عبدالرزاق رحمہ اللہ ۱۰۶۱۳:۱ مکتب اسلامی ۱۳۹۰:۱ رقم الحدیث ۱۰۶۱۳:۱ دارالکتب احیہ ج ۲ ص ۱۳۶۹ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۵۳)

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ تورات کی شریعت کو اسلام نہیں کہا جاتا کیونکہ جب حضرت عمر نے یہ دیکھا کہ نبی صلی

وَيَقْضُ عَنْهُمْ أَضْرَتَهُمْ وَالْأَقْلَبُ الْيَتِيمُ كَانَتْ

اور ان لوگوں پر جو مشکل احکام کے بوجھ اور طوق تھے ان کو
(یعنی آی) اُتارتے ہیں۔

(۱۵:۷۷)

حضرت یحییٰ بن اللادریج بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کو اس اُمت کے لیے آسانی پسند ہے اور
مشکل نا پسند ہے۔

(الطالع العالیہ رقم الحدیث: ۵۳۳۳۱ احادیث المسیح رقم الحدیث: ۱۲۳۵۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۵۳۳۱۱ معجم الجامع رقم الحدیث: ۲۸۴۷)

اس وجہ سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے علاوہ اور کسی شریعت پر اسلام کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔

(۲) اسلام اس شریعت کا نام ہے جو بہت فضیلت والی عبادات پر مشتمل ہے جیسے حج، قسطنطین، جنابت اور جہاد وغیرہ اور یہ
عبادات اس اُمت کے ساتھ مخصوص ہیں دوسری امتوں پر شروع نہیں کی گئیں۔ البتہ دوسرے انبیاء پر یہ عبادات شروع
کی گئیں ہیں جیسا کہ اس اثر میں ہے:

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کی
طرف زبور میں یہ وحی کی کہ اے داؤد! بے شک تمہارے بعد ایک نبیؑ آئے گا اس کا نام احمد ہوگا اس کی اُمت امت مرحومہ
ہوگی اس کو میں ایسے ایسے نوافل عطا کروں گا جیسے نوافل میں نے انبیاء (علیہم السلام) کو عطا کیے ہیں اور اس پر میں ایسی
عبادات فرض کروں گا جیسی عبادات میں نے انبیاء پر فرض کی ہیں حتیٰ کہ وہ لوگ قیامت کے دن میرے پاس آئیں گے اور
ان کا نور انبیاء کے نور کی مثل ہوگا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے ان پر فرض کیا ہے کہ وہ ہر نماز کے لیے اس طرح طہارت
حاصل کریں جس طرح میں نے ان سے پہلے انبیاء پر غسل جنابت کو فرض کیا ہے اور میں نے ان پر غسل جنابت کو اس طرح فرض کیا
ہے جس طرح میں نے ان سے پہلے انبیاء پر غسل جنابت کو فرض کیا ہے اور میں نے ان کو حج کرنے کا اس طرح حکم دیا ہے جس
طرح میں نے ان سے پہلے انبیاء پر حج کو فرض کیا تھا اور میں نے ان کو جہاد کرنے کا حکم دیا ہے جس طرح میں نے ان سے پہلے
رسولوں کو جہاد کرنے کا حکم دیا تھا۔ (ذیل الحدیث: ۲۸۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اسی وجہ سے اس اُمت کا نام مسلمان رکھا گیا ہے جیسے انبیاء اور رسل کا نام مسلمان رکھا گیا ہے اور اس کے علاوہ اور کسی
اُمت کا نام مسلمان نہیں رکھا گیا اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

امام ابو یحییٰ احمد بن علی متوفی ۳۷۷ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا اسلام کے آٹھ (۸) حصے ہیں ایک حصہ اسلام ہے دوسرا حصہ نماز ہے تیسرا حصہ زکوٰۃ ہے چوتھا حصہ حج ہے
پانچواں حصہ جہاد ہے چھٹا حصہ رمضان کے روزے ہیں ساتواں حصہ نیکی کا حکم دینا ہے آٹھواں حصہ برائی سے روکنا ہے اور وہ
آدھی ناکام اور نامراد ہو گیا جس کا کوئی حصہ نہ ہو۔ (مسند ابویحییٰ ج ۱ ص ۲۸۰ رقم الحدیث: ۵۳۳ مطبوعہ دارالاسلامون القرآن ۱۴۰۳ھ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت
کرتے ہیں کہ اسلام کے تیس حصے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوا ان کو کسی نے مکمل نہیں کیا۔

امام حاکم اور ذہبی دونوں نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

(المعجم رک ج ۱ ص ۷۷ مطبوعہ دارالحدیث رقم الحدیث: ۵۳۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

اور امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ
اس دین کے ساتھ جس کو بھی تکلف کیا گیا حضرت ابراہیم کے سوا کسی نے اس کو کامل طریقہ سے پورا نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے

وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں حضرت لوط علیہ السلام کے قبضین پر بھی مسلمان کا اطلاق کیا گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ انبیاء سابقین علیہم السلام پر بھی مسلمان کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اس مگر میں حضرت لوط علیہ السلام تھے اور ان کی صاحبزادیاں تھیں اور حضرت لوط علیہ السلام پر مسلم کا اطلاق اصلاً اور بالذات تھا اور ان کی صاحبزادیوں پر بالفتح تھا جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوة استحساناً اور بالذات بھیجی جاتی ہے اور آپ کی آل اصحاب اور ازواج پر بالفتح بھیجی جاتی ہے۔

ان کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب اپنے بیٹوں سے پوچھا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو انہوں نے کہا:

تَعْبُدُوا إِلَهَكُمْ وَإِلَهَ آبَائِكُمْ وَإِسْمَاعِيلَ
وَإِسْحَاقَ وَإِذَا وَدَّخُنْ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝
ابعد ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو واحد معبود ہے اور ہم اسی کے لیے مسلمان ہیں۔ (البقرہ: ۱۳۳)

اس آیت میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کو بھی مسلمان فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں دوسرے انبیاء علیہم السلام کے امتوں پر بھی مسلم کا اطلاق ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ انبیاء سابقین علیہم السلام پر بھی مسلم کا اطلاق ہوتا ہے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ وہ سب نبی تھے ورنہ حضرت یوسف علیہ السلام تو اٹھانا نبی تھے ان پر مسلم کا اطلاق اصلاً ہے اور ان کے بھائیوں پر مسلم کا اطلاق بالفتح ہے۔

لفظ اسلام کو ہمارے نبی کی شریعت کے ساتھ مخصوص کرنے کی وجوہات
اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو اسلام کے ساتھ مخصوص کرنے کی کیا وجہ ہے تو اس کی حسب ذیل وجوہات ہیں:

(۱) اسلام اس شریعت کو کہا جاتا ہے جو آسان اور سہل ہو اور آسان اور سہل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ہے کیونکہ اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے و وصیت لکم الاسلام دینا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ دین وہ ہے جو آسان اور سہل ہو اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین آسان ہے۔ (صحیح البخاری باب ۳۰) قرآن مجید میں ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ
اور اللہ نے دین میں تم پر کوئی سہی نہیں رکھی۔

(الحج: ۷۸)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اسلام میں وسعت رکھی ہے اور نبی اسرائیل اور یہود اور نصاریٰ کی شریعت میں جو مشکل احکام رکھے تھے اسلام میں ان کو اٹھالیا بلکہ سابقہ شرائع میں بہت دشوار اور سخت احکام تھے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:

مَرَّتْهَا وَلَا تَجْعَلْ عَلَيْهَا مِنْكُمْ حَرْجًا مِمَّا حَرَّجْنَا عَلَى
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ (البقرہ: ۲۸۰)
اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔

اور سابقہ شرائع کے مشکل احکام کا بوجھ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھا دیا ہے:

وہ اس وقت یہودی یا عیسائی تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ مسلمین تھے۔

(الحادی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۲۹-۱۱۵ ملخصاً و مضاعفاً و ترجمہ لائل پر پاکستان)

حافظ سیوطی نے اسلام کے لفظ کو ہمارے نبی کے دین اور مسلمین کے لفظ کو ہمارے نبی کے متبعین کے ساتھ مخصوص قرار دینے پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام انہوں نے التعلیم النعمۃ فی اختصاص الاسلام بهذه الامۃ رکھا ہے اور اس کو الحادی للفتاویٰ میں شامل کیا اس رسالہ کے آخر میں اقتصاص ۵۳ پر وارد ہونے والے اعتراض کا جواب دیا ہے میں چونکہ اس آیت کی تفسیر لکھ رہا تھا اس لیے میں نے یہاں اس بحث کا ذکر کیا ہے۔

سید مودودی نے علامہ سیوطی کے جوابات کو بے وزن کہا ہے اس لیے اب ہم سید مودودی کی عبارت اور اس پر اپنا تبصرہ پیش کر رہے ہیں۔

سید مودودی کا علامہ سیوطی کے موقف کا رد کرنا اور اس پر مصنف کا تبصرہ

سید مودودی کے نزدیک اسلام کا لفظ تمام ادیان سابقہ کے لیے عام ہے اور مسلمین کا لفظ بھی تمام امتوں کو عام ہے اور اقتصاص ۵۳ اس موقف پر صریح دلیل ہے اور علامہ سیوطی نے جو اقتصاص ۵۳ کے جواب دیے ہیں ان کو رد کرتے ہوئے سید مودودی لکھتے ہیں:

یہ قول اس بات کی صاف صراحت کر دیتا ہے کہ اسلام صرف اس دین کا نام نہیں ہے جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کر آئے ہیں اور ”مسلم“ کی اصطلاح کا اطلاق محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروں تک محدود نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے تمام انبیاء کا دین یہی اسلام تھا اور ہر زمانہ میں ان سب کے پیرو مسلمان ہی تھے۔ یہ مسلمان اگر کبھی کافر ہوئے تو صرف اس وقت جب کہ کسی بعد کے آنے والے نبی صادق کو ماننے سے انہوں نے انکار کیا۔ لیکن جو لوگ پہلے نبی کو مانتے تھے اور بعد کے آنے والے نبی پر بھی ایمان لے آئے ان کے اسلام میں کوئی انقطاع واقع نہیں ہوا۔ وہ جیسے مسلمان پہلے تھے ویسے ہی بعد میں رہے۔

تجب ہے کہ بعض بڑے بڑے اہل علم بھی اس حقیقت کے ادراک سے عاجز رہ گئے ہیں حتیٰ کہ اس صریح آیت کو دیکھ کر بھی ان کا اطمینان نہ ہوا۔ علامہ سیوطی نے ایک مفصل رسالہ اس موضوع پر لکھا کہ مسلم کی اصطلاح صرف اُسٹ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مختص ہے۔ پھر جب یہ آیت سامنے آئی تو خود فرماتے ہیں کہ میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ لیکن کہتے ہیں کہ میں نے پھر خدا سے دعا کی کہ اس معاملہ میں مجھے شرح صدر عطا کر دے۔ آخر کار اپنی رائے سے رجوع کرنے کے بجائے انہوں نے اس پر اصرار کیا اور اس آیت کی متعدد تاویلیں کر ڈالیں جو ایک سے ایک بڑھ کر بے وزن ہیں۔ مثلاً ان کی ایک تاویل یہ ہے کہ انکسما من قبلہ مسلمین کے معنی ہیں ہم قرآن کے آنے سے پہلے ہی مسلم بن جانے کا عزم کر رکھتے تھے کیونکہ ہمیں اپنی کتابوں سے اس کے آنے کی خبر مل چکی تھی اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ جب وہ آئے گا تو ہم اسلام قبول کر لیں گے۔ دوسری تاویل یہ ہے کہ اس فقرے میں مسلمین کے بعد لفظ جہ مخدوف ہے یعنی پہلے ہی سے ہم قرآن کو مانتے تھے کیونکہ اس کے آنے کی ہم توقع رکھتے تھے اور اس پر متفق ایمان لائے ہوئے تھے اس لیے تو راۃ و انجیل کو ماننے کی بناء پر نہیں بلکہ قرآن کو اس کے نزول سے پہلے برحق مان لینے کی بناء پر ہم مسلم تھے۔ تیسری تاویل یہ ہے کہ تقدیر الہی میں ہمارے لیے پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی آمد پر ہم اسلام قبول کر لیں گے اس لیے درحقیقت ہم پہلے ہی سے مسلم تھے۔ ان تاویلوں میں سے کسی کو دیکھ کر بھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ اللہ کے عطا کردہ شرح صدر کا اس میں کوئی اثر موجود ہے۔

(تفسیر القرآن ج ۲ ص ۱۲۹ ملخصاً و مضاعفاً و ترجمہ لائل پر پاکستان ج ۱ ص ۱۹۸۳)

فرمایا:

وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ وَلَا يَقُولُ آمِينَ (انجم: ۳۷)

اور ابراہیم کے ہاتھوں میں تھا جو یہی طرح احکام ہے۔

ان میں سے دس احکام التوبۃ: ۱۱۳ میں ہیں اور دس احکام المؤمنون: ۱۰۰-۱۰۱ میں اور دس احکام الاحزاب: ۳۷ میں ہیں۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۸۷ رقم الحدیث: ۱۵۷۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

اس سے معلوم ہو گیا کہ اسلام ان احکام کے مجموعہ کا نام ہے اور یہ احکام صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت میں اور علیہ ابراہیم میں ہیں اسی لیے آپ کو علیہ ابراہیم کی بیروی کا حکم دیا گیا ہے۔

(۳) اسلام کے معنی کا مدار ماننے اور اطاعت کرنے پر ہے اور کسی امت نے اپنے نبی کو اس طرح نہیں مانا جس طرح ہماری امت نے اپنے نبی کو مانا ہے اسی وجہ سے ان کا نام مسلمان رکھا گیا ہے باقی امتیں اپنے نبیوں کی بہت نافرمانی کرتی تھیں جیسا کہ احادیث اور آثار سے معلوم ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے تم سے پہلی امتیں اس لیے ہلاک ہو گئیں کہ وہ اپنے نبیوں سے بہ کثرت سوالات کرتی تھیں اور اپنے نبیوں سے بہت اختلاف کرتی تھیں۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر کے دن کہا تھا ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح ہوا سرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا "جاؤ آپ اور آپ کا رب قتال کریں ہم یہاں بیٹھے والے ہیں" اللہ کی قسم اگر آپ ہم کو ہرک اللہ تک بھی لے جائیں تو ہم آپ کے ساتھ جائیں گے اور ایک روایت میں ہے کہ اگر آپ مسند میں جائیں تو ہم آپ کے ساتھ مسند میں جائیں گے۔ اسی وجہ سے دوسری امتوں کے بچائے ہماری امت کا نام مسلمان رکھا گیا ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ قرآن مجید میں بعض اہل کتاب کو بھی مسلمان کہا گیا ہے

حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں جب میں اس متنازعہ کو لکھ کر فارغ ہو گیا تو میں بستر پر سو گیا اور نیند میں مجھ پر اس آیت کے ساتھ احقر ارض کیا گیا:

أَلَمْ يَأْتِ الْيَهُودَ الْبَنِيَّ بْنَ مَرْيَمَ هُفَرًا وَنُورًا
وَأَلَمْ يَأْتِ الْنَصَارَى عَلِيَّ بْنَ الْإِسْحَاقَ نَارًا
وَنُورًا
يُونُصِيْلِيْنَ (تقصص: ۵۲-۵۳)

جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی اور وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور جب ان پر اس (کتاب) کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لا چکے ہیں۔ بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے برحق ہے ہم اس سے پہلے ہی مسلمین تھے۔

اس آیت میں یہ ظاہر اہل کتاب کو مسلمان فرمایا ہے میں اس آیت پر غور کرتا رہا مجھے کوئی جواب نہ سوجھا پھر میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور مجھے امید تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے دل میں اس آیت کا جواب القافر مادے کا سو جب میں پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اس کے تین جواب ڈال دیئے اور وہ درج ذیل ہیں:

(۱) اس آیت میں مسلمان کا لفظ ہے اور یہ اسم قائل کا صیغہ ہے جو مستقبل کے معنی میں ہے گویا کہ انہوں نے کہا ہمارا یہ عزم ہے کہ ہم اسلام قبول کریں گے یہ معنی نہیں ہے کہ وہ ماضی میں مسلمین تھے۔

(۲) ان کی مراد یہ تھی کہ ہم قرآن کی وجہ سے اسلام لانے والے ہیں نہ کہ تواریت اور انجیل کی وجہ سے اور اس میں "نہ" محذوف ہے۔

(۳) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک مسلمان تھے کیونکہ اللہ کو علم تھا کہ وہ اسلام قبول کرنے والے ہیں تو ہر چند کہ

میرے بچہ اللہ نے تمہارے لیے اس دین کو پسند کیا ہے لہذا تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔ کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کی وفات کا وقت آیا؟ جبکہ اس نے اپنی اولاد سے پوچھا کس کی ہندگی کرو گے تم میرے بعد؟ انہوں نے جواب دیا ہم ہندگی کریں گے آپ کے معبود اور آپ کے باپ و دادا پر ایم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی اس کو اکیلا معبود مان کر اور ہم اسی کے مسلم ہیں۔

ابراہیم نہ یہودی تھا نہ نصرانی جسے وہ یکسو مسلم تھا۔

أَمَرْتُمْ شُهَدَاءَكُمْ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ إِلَهَ آبَائِكَ وَإِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَإِسْحَاقَ إِلَهًا وَاحِدًا قَدْ خُنُفْنَا مُسْلِمُونَ (البقرہ ۱۳۱-۱۳۳)

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمَ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا (آل عمران: ۶۷)

حضرت ابراہیم اور اسماعیل خود عامالمتنع ہیں:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ (البقرہ ۱۲۸)

حضرت لوط کے قصے میں ارشاد ہوتا ہے:

فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَنِيٍّ مِنَ الْمُسْلِمِينَ

(الذاریات: ۳۶)

حضرت یوسف بارگاہ رب العزت میں عرض کرتے ہیں:

تَوَكَّلْ عَلَى مُسْلِمٍ وَابْتَغِ الْوَعْدَ بِالْحَقِّ بِالْمُطْلِحِينَ

(یوسف: ۱۰۱)

ساتھ ملے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے کہتے ہیں:

يَقُولُوا هَٰؤُلَاءِ مَنكُم مَّنْ يُؤْتِيهِمُ الْغَنَاءَ يَوْمَ يُنْفَخُ الْأَوَّلُ وَيُنْفَخُ الثَّانِي

فَسُيِّلُوا (ہن: ۸۳)

اے میری قوم کے لوگو اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو ہی بھروسہ کرو اگر تم مسلم ہو۔

بنی اسرائیل کا اصل مذہب یہودیت نہیں بلکہ اسلام تھا اس بات کو دوست اور دشمن سب جانتے تھے۔ چنانچہ فرعون سمندر میں ڈوبے وقت آخری کلمہ جو کہتا ہے وہ یہ ہے:

أَمْسَتْ أَلْسِنَةُ كَذَّابٍ كَذَّابٍ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا أَمْسَتْ يَدُ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَأَنَا هُوَ الْمُسْلِمُونَ (ہن: ۹۰)

تمام انبیاء بنی اسرائیل کا دین بھی یہی اسلام تھا:

إِنَّا أَنْزَلْنَا الْقُرْآنَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ يَهْتَكُمُ بِهِ الْيَهُودُ النَّبِيِّينَ أَسْلَمُوا إِلَيْنَا يَنَسُونَ

(المائدہ: ۴۴)

ہم نے قرآن نازل کیا جس میں ہدایت اور روشنی تھی اسی کے مطابق وہ بھی جو مسلم تھے ان لوگوں کے معاملات کے فیصلے کرتے تھے جو یہودی ہو گئے تھے۔

یہی حضرت سلیمان علیہ السلام کا دین تھا چنانچہ ملکہ سبا ان پر ایمان لاتے ہوئے کہتی ہے:

تجب ہے کہ سید مودودی نے علامہ سیوطی کے ذکر کردہ تینوں جوابات کو بے وزن کہا ہے لیکن کسی ایک جواب کے بے وزن ہونے پر بھی کوئی دلیل قائم نہیں کی اور ظاہر ہے بغیر دلیل کے جو دعویٰ کیا جائے اس کا کوئی وزن نہیں ہوتا۔ اس لیے دراصل سید مودودی کا علامہ سیوطی کے جوابات کو بے وزن کہنا بجائے خود بے وزن ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ تجب اس بات پر ہے کہ علامہ سیوطی نے اپنے موقف پر قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث صحیحہ سے دلائل پیش کیے ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام کا لفظ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے ساتھ خاص ہے اور مسلمان کا لفظ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے ساتھ خاص ہے۔ البتہ قرآن مجید میں انبیاء سابقین پر بھی مسلمان کا اطلاق کیا گیا ہے سید مودودی نے ان آیات اور احادیث پر کوئی کلام نہیں کیا اور نہ ان آیات اور احادیث کا کوئی عمل بتایا۔ اور التقصی ۵۳ میں جو اہل کتاب پر مسلمان کا اطلاق ہے اور یہ بظاہر علامہ سیوطی کے موقف کے خلاف ہے پھر علامہ سیوطی نے اس کے جو تین جواب دیے ہیں ان کے متعلق سید مودودی نے صرف اتنا کہہ دیا کہ یہ جوابات بے وزن ہیں اور ان کے بے وزن ہونے پر کوئی دلیل نہیں دی اور یہی اور حقیقی موضوعات میں بغیر دلیل کے کسی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ اس کے بعد سید مودودی نے اس موقف پر دلائل قائم کیے ہیں کہ اسلام صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ساتھ خاص نہیں ہے اور نہ ہی مسلمان کا لفظ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے ساتھ مخصوص ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

واقعہ یہ ہے کہ قرآن صرف اسی ایک مقام پر نہیں بلکہ بیسیوں مقامات پر اس اصولی حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ اصل دین صرف "اسلام" (اللہ کی فرمانبرداری) ہے اور خدا کی کائنات میں خدا کی مخلوق کے لیے اس کے سوا کوئی دوسرا دین ہو نہیں سکتا اور آغاز آفرینش سے جو نبی بھی انسانوں کی ہدایت کے لیے آیا ہے وہ سب دین لے کر آیا ہے اور یہ کہ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ خود مسلم رہے ہیں اپنے پیروں کو انہوں نے مسلم ہی بن کر رہنے کی تاکید کی ہے اور ان کے وہ سب متبعین جنہوں نے نبوت کے ذریعہ سے آئے ہوئے فرمان خداوندی کے آگے سر تسلیم خم کیا ہر زمانے میں مسلم ہی تھے۔ اس سلسلہ میں مثال کے طور پر صرف چند آیات مل جاتے ہیں:

در حقیقت اللہ کے نزدیک تو دین صرف اسلام ہے۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

(آل عمران ۱۹)

اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرے وہ ہرگز

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ وَبِغَيْرِ قَوْلٍ يَقُولُ

قول نہ کیا جائے گا۔

(آل عمران ۸۵)

حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں:

میرا جزو اللہ کے دہ ہے اور مجھے غم دیا گیا ہے کہ میں

إِنِّ أَجُوزِي أَرْعَىٰ لِلَّهِ وَأَمْرُتُ أَنْ أَكُونُ مِنَ

مسلموں میں شامل ہو کر رہوں۔

الْمُتَّبِعِينَ (پس ۷۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

جبکہ اس کے رب نے اس سے کہا کہ مسلم (تابع فرمان) ہو

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّي

جاؤ تو اس نے کہا میں مسلم ہو گیا رب العالمین کے لیے۔ اور اسی چیز

أَعْلَمْتُ ۚ وَوَضَعِي يَٰأَبْرَاهِيمُ ابْنِي وَتُفَوِّضْ بَيْنِي

کی وصیت کی ابراہیم نے اپنی اولاد کو اور یعقوب نے بھی کہ اسے

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لِنُوحٍ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ

گزرتے تو ان کو سب و شتم کرتے اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل کیا۔

زید بن اسلم اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ یہودی اپنے ہاتھوں سے تورات میں کچھ لکھ لیتے تھے پھر کہتے تھے کہ یہ آیت اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے تو جو اہل کتاب اسلام لانے کا عزم رکھتے تھے جب ان کے پاس سے گزرتے اور ان کی محرف آیات کو سنتے تو ان سے اعراض کرتے تھے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے تھے وہ اس وقت حضرت مسیحی علیہ السلام کے دین پر تھے کیونکہ انہوں نے کہا تھا *إِنَّا نُنَاقِشُكَ فِيْهِ* (التقصی ۵۳) ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو وہ پھر آپ پر ایمان لے آئے اور ان کے لیے دُکّا اُجر ہے کیونکہ انہوں نے پہلی بار صبر کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام میں داخل ہو گئے۔
ضحاک اور محمول نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ جب وہ مشرکین سے شرک کلمات سنتے تو ان سے اعراض کرتے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۲۹۹۳، ۲۹۹۴ مطبوعہ مکتبہ دار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۵ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد نے کہا بعض اہل کتاب مسلمان ہو گئے تو مشرکین ان کو ایذا پہنچاتے تھے وہ ان سے درگزر کرتے ہوئے یہ کہتے تھے تمہیں سلام ہو ہم جاہلوں سے اُلجھتا نہیں چاہتے۔

وہ ان سے اعراض کرتے تھے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ان کی باتوں کو غور سے نہیں سنتے تھے اور ان کو ملامت سے یہ جواب دیتے تھے کہ تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں یعنی ہم وہ عمل کرتے ہیں جو ہم کو پسند ہیں اور تم وہ عمل کرتے ہو جو تم کو پسند ہیں سلام علیکم ایمنی ہماری طرف سے تم امن اور سلامتی میں ہو ہم تم کو سب و شتم نہیں کریں گے کیا بھی تم نے ہم سے کوئی ناگوار یا ناشائستہ بات سنی ہے؟ ہم جاہلوں سے اُلجھتا اور جھگڑنا نہیں چاہتے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۱۲ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

سلام کی دو قسمیں سلام متارکہ اور سلام تحیت اور علامہ آلوسی کی غلط نقل اور اس کا رد

اس آیت میں فرمایا ہے تمہیں سلام ہو۔

علامہ ابوالیمان اندلسی متوفی ۵۳۲ھ نے فرمایا یہ سلام متارکہ ہے سلام تحیت نہیں ہے یعنی یہ کسی کی تعظیم کرنے کے لیے سلام نہیں ہے بلکہ اس سے تعلق منقطع کرنے کے لیے سلام ہے۔ (المحرر لکھنؤ ج ۸ ص ۳۱۵ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے امام ابوبکر صامی کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ انہوں نے اس آیت سے کافروں کو ابتداءً سلام کرنے کے جواز پر استدلال کیا ہے حالانکہ امام ابوبکر صامی نے اس نظریہ کا رد کیا ہے۔ ہم پہلے علامہ آلوسی کی عبارت نقل کریں گے اس کے بعد امام صامی کی عبارت نقل کریں گے۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اسلام لانے والے اہل کتاب نے جو یہودیوں کو سلام ٹیکم کہا یہ سلام تودیع ہے سلام تحیت نہیں ہے یا یہ سلام متارکہ ہے جیسا کہ الفرقان ۶۳ میں ہے اور جو بھی ہوا اس آیت میں کافر کو ابتداءً سلام کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے جیسا کہ صامی نے کہا ہے کیونکہ اس سلام سے غرض صرف متارکہ کا تودیع ہے۔ (روان المعانی ج ۳ ص ۳۲۲ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

میں نے جب روان المعانی میں یہ پڑھا تو میں حیران ہوا کہ امام ابوبکر صامی بہت بڑے فنی عالم ہیں اور ربہ اجتہاد کو پہنچتے ہیں وہ مرتب حدیث کے خلاف کیسے لکھ سکتے ہیں؟ پھر میں نے امام صامی کی تفسیر کو دیکھا تو انہوں نے علامہ آلوسی کی نقل

میں مسلمان کے ساتھ رب العالمین کی مسلم ہوگی۔

اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ وَبَارَكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ

(آئل ۴۳)

اور یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کا دین تھا:

اور جبکہ میں نے حواریوں پر وہی کی کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور

وَاذْكُرْ حَاشِيَةً إِلَى الْحَوَارِيِّينَ اَنْ اِسْتَوْدِيَتْهُمْ

میرے رسول پر تو انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور گواہ رہ کہ ہم

قَالُوا اَمَّا وَاظْهَرُ بَاغْتَا مَسِيحُوتًا (المائدہ: ۱۱۱)

مسلم ہیں۔

(تفسیر القرآن ج ۳ ص ۶۳۸-۶۳۹ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء)

سید مودودی نے اپنے موقف پر جو متعدد آیات قریش کی ہیں یہ وہی آیات ہیں جن میں انبیاء سابقین کو مسلمین کہا گیا ہے اور اس کی علامہ سیوطی نے خود اپنے مضمون میں تصریح کی ہے کہ انبیاء سابقین کو بھی قرآن مجید میں مسلمین کہا گیا ہے لہذا ان کا قریش کرنا بے سود ہے اور سید مودودی نے اِنَّ الْقِيَمَةَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران: ۱۹) اور وَهَمَّ يَتَّبِعُوهُ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِينًا فَكُنْ يَتَّبِعُونَ دِينًا (آل عمران: ۸۵) کو جو قریش کیا ہے تو ان آیتوں میں یہ نہیں بیان فرمایا کہ کس دین کو اسلام فرمایا ہے؟ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ان آیتوں میں ہمارے دین کو ہی اسلام فرمایا ہے کیونکہ قرآن مجید ہمارے دین کے لئے ہوئے دین ہی کے متعلق نازل ہوا ہے۔ اس لیے یہ آیات علامہ سیوطی کے موقف کے خلاف نہیں ہیں۔ باقی رہا یونس: ۸۴ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم سے فرمانا ان کہتے مسلمین تو اس میں آپ نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو امت مسلمہ نام سے یاد نہیں کیا بلکہ اس آیت میں مسلمین کا لغوی معنی اطاعت کرنے والے مراد ہے اسی طرح فرعون نے جو کہا وَاقْتُلُوا النَّاسَ الظَّالِمِينَ (یونس: ۹۰) اس میں بھی لغوی معنی مراد ہے یعنی میں نے مسلمانوں کے ساتھ اطاعت کی اسی طرح المائدہ: کہا اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ (آئل ۴۳) اس میں بھی لغوی معنی مراد ہے یعنی میں نے مسلمان کے ساتھ اطاعت کی اسی طرح المائدہ: ۱۱ میں مسلمون کا لغوی معنی اطاعت کرنے والے مراد ہے۔ علامہ سیوطی کی تفسیر اور حدیث میں بہت خدمات ہیں انہوں نے منجھر (۷۵) مرتبہ بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ سید مودودی نے جس چار جات انداز میں علامہ سیوطی پر تبصرہ کیا ہے اس سے ہمیں بہت تکلیف پہنچی ہے۔

اس کے بعد اب ہم سورۃ القصص کی باقی آیتوں کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں تمہیں سلام ہو ہم جاہلوں سے اٹھنے نہیں چاہتے بے شک آپ جس کو پسند کریں اس کو ہدایت یا فتنہ نہیں بنا سکتے، لیکن اللہ جس کو چاہے اس کو ہدایت یا فتنہ بنا دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے (قصص: ۵۶-۵۵)

کفار کی لغو اور بے ہودہ باتیں

اور وہ اہل کتاب جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اور قرآن مجید کے نزول سے پہلے یہ عزم رکھتے تھے کہ جب آپ کی بعثت ہوگی اور قرآن مجید نازل ہوگا تو وہ آپ پر اور قرآن کریم پر ایمان لے آئیں گے جب یہودیوں سے کوئی بے ہودہ اور لغو بات سنتے ہیں تو ان سے اعراض کرتے ہیں اور سلام کر کے ان سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

مجاہد اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ جو یہودی اسلام لا چکے تھے جب ان کے پاس سے دوسرے یہودی

ابوطالب کے ایمان کے متعلق آیات اور احادیث

اس کے بعد فرمایا: بے شک آپ جس کو پسند کریں اس کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے لیکن اللہ جس کو چاہے اس کو ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے۔ (التقصیر: ۵۶)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں: مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (المجامع ۱۱: ۱۳۲ ص ۲۶۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۰ھ)

اس کے متعلق حدیث میں ہے:

سعید بن مسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ نے ان کے پاس ابوجہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بن المغیرہ کو پایا۔ آپ نے فرمایا: اے چچا لا الہ الا اللہ کہیے میں اس کلمہ کی وجہ سے اللہ کے پاس آپ کی شفاعت کروں گا تو ابوجہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ نے کہا کیا تم عبدالمطلب کی ملت سے اعراض کرو گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر مسلسل کلمہ تو حید پیش کرتے رہے اور وہ دونوں اپنی بات دہراتے رہے حتیٰ کہ ابوطالب نے آخر میں یہ کہا کہ وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہے اور لا الہ الا اللہ پڑھنے سے انکار کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تمہارے لیے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا

لِنَفْسِهِمْ أَوْ لِنَفْسِ مَنْ يَكْفُرُ ۚ (النساء: ۱۰۳)

اور اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کے لیے یہ آیت نازل فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي

مَنْ يَشَاءُ ۚ (التقصیر: ۵۶)

سکتے لیکن اللہ جس کو چاہے ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۰۶۷۷۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۵۱ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۰۷۷۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے فرمایا آپ کہیے لا الہ الا اللہ قیامت کے دن اس کلمہ کی وجہ سے میں آپ کے حق میں شہادت دوں گا۔ ابوطالب نے کہا اگر قریش مجھے عار دلاتے اور یہ نہ کہتے کہ موت کی گھبراہٹ میں انہوں نے کلمہ تو حید پڑھ لیا تو میں یہ کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھوں کو غصہ کر دوں تا جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ (التقصیر: ۵۶)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵ مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۲ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۷۷۷۷۷) (۲۳۳۷۷۷)

ابوطالب کے متعلق مفسرین اہل سنت کی تصریحات

علامہ نجم الدین احمد بن محمد قولی متوفی ۷۷۷ھ لکھتے ہیں:

زچانے کہا مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ ابوطالب نے اپنی موت کے وقت کہا اے ابو عبد مناف کی جماعت! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو اور ان کی تصدیق کرو کہ وہ فلاح اور رشد و ہدایت حاصل ہوگی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میرے چچا! آپ لوگوں کو نصیحت کر رہے ہیں

کردہ عبارت کے بالکل خلاف اور اُلٹ لکھا ہوا ہے۔

امام ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاص الکھمی التونی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

مجاہد نے کہا کہ بعض اہل کتاب مسلمان ہو گئے ان کو مشرکین نے اذیت پہنچائی تو انہوں نے درگزر کیا اور کہا تم کو سلام ہو ہم جاہلوں سے بحث کرنا نہیں چاہتے۔

امام ابو بکر نے کہا یہ سلام متارک ہے یہ سلام تقیت نہیں ہے۔ یہ آیت اس آیت کی مثل ہے وَاِذَا عَاثَبْتُمْ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوا سَلَامًا۔ اور اس کی مثل ہے:

وَأَهْجُزْنِي مَلِيئًا ۝ (مریم ۳۶)

جا ایک لمبی مدت تک مجھ سے الگ رہا۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ سَلِّمْ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْلَمُ لَكَ تَرْفِي .
 ابراہیم نے کہا تم پر سلام ہو میں اپنے رب سے تمہاری

(مریم: ۴۷) مغلطہ کی دعا کرتا رہوں گا۔

اور بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ گمان کیا ہے کہ کافر کو ابتداً اسلام کرنا جائز ہے، حالانکہ اس طرح نہیں ہے، کیونکہ اسلام کے دو معنی ہیں ایک مسالہ ہے یعنی کسی کو ترک کرنے اور اس کو چھوڑنے کے لیے سلام کرنا اور دوسرا اسلام حقیقت ہے یعنی کسی کی تعلیم کے لیے سلام کرنا اور اس کے لیے امن اور سلامتی کی دعا کرنا جیسے مسلمان ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ تن ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب اس سے ملاقات ہو تو اس کو سلام کرے۔ (اس حدیث کی تخریج حسب ذیل ہے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان پر

- (۱) جب اس سے ملاقات ہو تو اس کو سلام کرے۔
 (۲) جب وہ دعوت دے تو اس کی دعوت کو قبول کرے۔
 (۳) جب اس کو چھینک آئے تو اس کی چھینک کا جواب دے۔ (جب وہ الحمد للہ کہے تو مجھے ہر حکم اللہ)
 (۴) جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔
 (۵) جب وہ مر جائے تو اس کے جنازہ میں جائے۔
 (۶) اس کے لئے اسی چیز کو پسند کرے جس کو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۳۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۵ مسند احمد ج ۱ ص ۸۹-۸۸ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۶۳۳۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۹۹ مسند ابو ارقم الحدیث: ۵۰۰ مسند ابو یوسف رقم الحدیث: ۲۲۵۵ مسند ابی نعیم الحدیث: ۵۳۷) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود و نصاریٰ کو ابتداءً مسلمان نہ کرو۔ (الحدیث: ۱) صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۹۹ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۵۰۰۵ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۰۲)

(الحکم القرآن ج ۳ ص ۳۳۹ مطبوعہ سیکل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ علامہ آلوسی نے امام جصاص کی طرف منسوب کر کے جو لکھا ہے کہ وہ اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ کفار کو ابتداً مسلم کرنا جائز ہے ان کی یہ نقل صحیح نہیں ہے۔

ابوطالب کے اسلام کا مسئلہ اختلافی ہے اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ تمام مفسرین کا یا تمام مسلمین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے حعلق نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ شیعہ اور بہت سے مفسرین کا یہ مذہب ہے کہ ابوطالب مسلمان تھے اور ان کا دعویٰ ہے کہ اس پر ائمہ اہل بیت کا اجماع ہے اور ابوطالب کے اکثر قصائد اس کی شہادت دیتے ہیں اور جو اجماع مسلمین کا دعویٰ کرتے ہیں وہ شیعہ کے اختلاف کو قابل شمار نہیں سمجھتے اور نہ ان کی روایات پر اعتماد کرتے ہیں پھر ابوطالب کے اسلام نہ لانے کے قول پر بھی ابوطالب کو برا نہیں کہنا چاہیے اور ان کے حعلق فضول بحث نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس سے علویوں کو ایذا پہنچتی ہے بلکہ یہ بھی بعید نہیں ہے کہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچے کیونکہ اس آیت سے بہر حال یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ابوطالب سے محبت تھی اور صاحب عقل کو احتیاط لازم ہے۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۸۳، ۸۳۳، ۱۳۳ دار الفکر بیروت ۱۴۰۷ھ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی مفتی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے حعلق نازل ہوئی پھر انہوں نے صحیح مسلم کی حدیث: ۲۵ کا ذکر کیا اور لکھا کہ ابوطالب نے کہا اگر مجھے قریش کے عار دینے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ضرور ایمان لا کر تمہاری آنکھیں खुندی کرتا پھر انہوں نے یہ شعر پڑھا:

ولقد علمت بان دین محمد
من خیر الدیان البریۃ دینا

میں یقین سے جانتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین تمام جہانوں کے دینوں سے بہتر ہے۔
لولا السلامة او حذرنا مہ

اگر طاقت و بد گوئی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں نہایت صفائی کے ساتھ اس دین کو قبول کرتا۔
اس کے بعد ابوطالب کا انتقال ہو گیا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (لڑائی امرقان ص ۶۲۶ ج ۱ صفحہ ۱۰۷)

پھر محمد کرم شاہ ۱۱۷۱ھ ہجری متوفی ۱۳۶۹ھ لکھتے ہیں:

اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضور کے چچا ابوطالب کا آخری وقت آ پہنچا تو حضور نے جا کر کہا کہ چچا تم صرف اتنا کہہ دو کہ لا الہ الا اللہ تاکہ میں اپنے رب سے تیری شفاعت کر سکوں لیکن انہوں نے ایسا کہنے سے انکار کر دیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بات بھی مروی ہے کہ آخری وقت میں حضرت ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباس نے کان لگا کر سنا۔ حضور نے جب پوچھا کہ کیا کہہ رہے تھے تو آپ نے جواباً عرض کیا کہ وہی کہہ رہے تھے جس کا آپ نے ان سے مطالبہ فرمایا (سیرت ابن ہشام)

لیکن اگر کسی کے نزدیک دوسری روایتیں اس روایت سے زیادہ قابل اعتبار ہوں تب بھی اسے آپ کے حق میں کوئی ہشاشت بات کہنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ آپ کی بے نظیر خدمات کا یہ معاوضہ ہماری طرف سے نہیں دیا جاتا چاہیے کہ ہم خبروں پر کھڑے ہو کر اپنا سارا زور بیان ان کو کافر ثابت کرنے اور ان کو کافر کہنے اور کہتے چلے جانے پر ہی صرف کرتے رہیں۔ اس سے بڑھ کر ہاشمیری اور احسان فراموشی کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

(نظام القرآن ج ۳ ص ۳۰۰ ذیلیہ المرقاوی علی یکثیر: ۱۱۷۱ھ ص ۱۳۷)

ابوطالب کے اسلام لانے کی روایت پر امام بیہقی اور علامہ ابی کا تبصرہ

محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عباس کی جو روایت نقل کی ہے اس کی سند منقطع ہے۔ امام بیہقی نے اس روایت کو

اور خود اس فصاحت پر عمل نہیں کر رہے ابوطالب نے پوچھا: اے نبیؐ! تم کیا چاہتے ہو؟ آپ نے فرمایا یہ دنیا میں آپ کا آخری دن ہے آپ کل تو حید پڑھیے لا الہ الا اللہ میں اللہ کے پاس قیامت کے دن آپ کے حق میں گواہی دوں گا۔ ابوطالب نے کہا اے نبیؐ! میں جانتا ہوں کہ تم سچے ہو لیکن میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ یہ کہا جائے کہ یہ موت سے گھبرا گیا اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میرے بعد میری مذمت کی جائے گی تو میں یہ کل پڑھ کر تمہاری آنکھیں غنڈی کر دیتا اور تم سے فراق کے وقت یہ کل پڑھ لیتا کیونکہ مجھے تمہاری خیر خواہی کی شدت کا علم ہے لیکن میں عنقریب عبدالعطلبؓ ہاشم اور عبدمناف کی ملت پر مروں گا۔

(تفسیر بکیر بن ۹ ص ۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۵۵ھ)

ابوطالب نے آپ کے جن اجداد عبدالعطلبؓ ہاشم اور عبدمناف کا ذکر کیا ہے یہ سب مسود تھے اور مطلب ابراہیم پر تھے ورنہ ان کا زمانہ فترت میں فوت ہونا یقینی ہے اس کے برخلاف ابوطالب نے آپ کی شریعت کا زمانہ پایا اور ایمان نہیں لائے۔ علامہ عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی صلی متوفی ۵۹۹ھ لکھتے ہیں:

ہم نے التوبہ: ۱۱۳ میں اس آیت کا سبب نزول ذکر کر دیا ہے پھر انہوں نے صحیح مسلم کی حدیث رقم: ۲۵ ذکر کی ہے اور لکھا ہے کہ زہابی نے کہا ہے کہ انقص: ۵۶ کے متعلق مفسرین کا اجماع ہے کہ وہ ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(زاد المسیر ج ۶ ص ۲۳ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۷۷ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بھاوی شافعی متوفی ۲۸۵ھ لکھتے ہیں:

جبہور کے نزدیک یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب ابوطالب پر موت کا وقت آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اے میرے چچا لا الہ الا اللہ پڑھیے میں اس کل کی وجہ سے اللہ کے پاس آپ کی شفاعت کروں گا تو ابوطالب نے کہا مجھے علم ہے کہ آپ سچے ہیں لیکن میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ یہ کہا جائے کہ ابوطالب موت سے گھبرا گیا۔

(تفسیر بھاوی علی حاشیہ التوفی ج ۵ ص ۳۰۹ دار المکتب العربیہ بیروت ۱۳۷۷ھ)

علامہ ابوالیمان محمد بن یوسف اندلسی غرناطی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت (انقص: ۵۶) ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے اس کی موت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس سے بات کی تھی وہ مشہور ہے۔ (المحرر الحفیظ ج ۸ ص ۳۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۴ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۷ھ لکھتے ہیں:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے یہ ثابت ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ابوطالب آپ کی عافیت کرتا تھا اور آپ کی مدد کرتا تھا اور آپ کی تعریف کرتا تھا اور آپ سے بہت زیادہ طبیعت محبت کرتا تھا نہ کہ شرعی جب اس کی موت کا وقت آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایمان کی اور اسلام میں دخول کی دعوت دی لیکن تقدیر غالب آگئی اور وہ اپنے کفر پر مستر اور برقرار رہا اور اللہ ہی کے لیے حکمت تامہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۴ھ)

علامہ اسماعیل حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

بعض روایات میں آیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کو اور آپ کے چچا کو زندہ کر دیا اور وہ سب آپ پر ایمان لے آئے۔

(روح البیان ج ۶ ص ۵۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۴ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

پوچھا یا رسول اللہ! آپ نے اپنے بچے سے کس چیز کو دور کیا وہ آپ کی مدد کرتے تھے اور آپ کی خاطر غضبناک ہوتے تھے؟ آپ نے فرمایا وہ اب تمہاری سی آگ میں ہیں اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوتے۔

(مجمع الخفاری رقم الحدیث: ۳۸۸۳ مجمع مسلم رقم الحدیث: ۲۰۹)

اور میرے نزدیک ابوطالب کو برا کہنا سخت مذموم ہے خصوصاً اس لیے کہ اس سے بعض علوین کو ایذا پہنچتی ہے اور ہم کو اس سے منع کیا گیا ہے اور حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذا دینا پھانسی (جہنم) و شق اکبر ج ۳۳ ص ۹۵ رقم الحدیث: ۸۸۵۱ دارالحدیث اترات اعرابی ج ۲ ص ۱۳۲) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی انسان کے اسلام کی اچھی صفات میں سے یہ ہے کہ وہ بے مقصد باتوں کو ترک کر دے۔ (المجم لکھنؤ رقم الحدیث: ۷۷۷۷ مجمع بخیر رقم الحدیث: ۱۸۹۰)

(روح المعانی ج ۱۳ ص ۳۸۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

ابوطالب کے ایمان کے متعلق مفسرین شیعہ کی تصریحات

شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی متوفی ۳۶۰ھ القصص: ۵۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما عجاظ حسن اور قدامہ وغیرہم سے مروی ہے کہ یہ آیت (القصص: ۵۶) ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے اور ابو عبد اللہ اور ابو جعفر سے مروی ہے کہ ابوطالب مسلمان تھے اور اسی پر امامیہ کا اجماع ہے اور ان کا اس میں اختلاف نہیں ہے اور ان کے اس پر دلائل قاطعہ ہیں یہاں ان کے ذکر کا موقع نہیں ہے۔

(المعانی ج ۸ ص ۲۳۷ دارالحدیث اترات اعرابی ج ۲ ص ۱۳۲)

شیخ ابوی الفضل بن الحسن الطبرسی (من علماء القرن السادس) الانعام: ۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ابوطالب کے ایمان پر اہل بیت کا اجماع ہے اور ان کا اجماع حجت ہے کیونکہ وہ اس عقیدے میں سے ایک ہیں جن کے ساتھ تمسک کرنے کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے آپ نے فرمایا اگر تم ان کے ساتھ تمسک کرو گے تو کمر انہیں ہو گے اور اس پر یہ بھی دلیل ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن اپنے والد ابو قحافہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر گئے وہ اسلام لے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس بوڑھے کو کیوں لے کر آئے وہ ناجائز تھے میں خود ان کے پاس آ جاتا حضرت ابو بکر نے کہا میرا ارادہ تھا اللہ تعالیٰ ان کو اجر عطا فرمائے گا اور اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے مجھے اپنے باپ کے اسلام لانے سے زیادہ خوشی ابوطالب کے اسلام لانے سے ہوئی تھی جس کے اسلام لانے سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئی تھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے سچ کہا۔ اور ابوطالب کے وہ اقوال اور اشعار جن سے ان کے اسلام کا پتا چلتا ہے بہت زیادہ ہیں بعض اشعار یہ ہیں:

الم تعلموا اننا وجدنا محمداً نبیاً کموسىٰ خط فی اول الکتاب

کیا تم کو معلوم نہیں کہ ہم نے محمد کو موسیٰ کی طرح نبی پایا ان کا ذکر پہلی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔

الا ان احمد قد جاءهم بحق ولم ياتهم بالكذب

سنو بے شک احمد ان کے پاس حق لے کر آئے ہیں اور وہ جھوٹ نہیں لائے۔

(مجمع الخفاری ج ۳ ص ۳۳۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۶ھ)

السید محمد حسین الطائفہ القصص: ۵۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ابوطالب کے ایمان کے متعلق ائمہ اہل بیت کی روایات مشہور ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور آپ کے دین

مسٹر وکرو دیا ہے۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ دمشقی ابلی ماکلی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

احادیث میں یہ تصریح ہے کہ ابو طالب کا خاتمہ شرک پر ہوا۔ سبکی نے کہا ہے کہ میں نے مسعودی کی بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ ابو طالب کی موت ایمان پر ہوئی لیکن یہ قرآن مجید کی ان آیات اور احادیث کی وجہ سے صحیح نہیں ہے جو اس باب میں مذکور ہیں (الربیع الفدج ص ۲۶۶) اور بعض سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ عباس نے کہا میرے بھائی نے دو گھر پڑھ لیے جس کا آپ نے حکم دیا (امیر و بیہدہ لایں شام ص ۳۱) اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے نہیں سنا اور عباس اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے اس لیے ان کی شہادت مستبر نہیں ہے امام بخاری نے کہا اس کی سند منقطع ہے نیز صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ اسلام لانے کے بعد حضرت عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابو طالب کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا وہ جنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے آخری طبقہ میں ہوتا (روک ملو ص ۳۶۶)۔ اگر یہ کہا جائے کہ ابو طالب دل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مصدق تھا تو کیا اس وجہ سے اس کو مومن کہا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے ایمان کو یہ کہہ کر مسٹر وکرو دیا کہ وہ عبد المطلب کی ملت پر ہے۔

(اکمل اکمل المصنوع ص ۱۸۳، المستدرک دار المکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

ابو طالب کے اسلام لانے کی روایت پر علامہ آلوسی کا تبصرہ

امام ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں یہ لکھا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کو ان کی موت کے وقت گلہ پڑھنے کی تلقین کی اور انہوں نے اس کو مسٹر وکرو دیا تو عباس نے ان کے ہونٹ ہلکے ہوئے دیکھے انہوں نے ان کے ہونٹوں کے ساتھ کان لگائے پھر کہا اے بیٹھے! میرے بھائی نے دو گھر پڑھ لیا ہے جس کے پڑھنے کا آپ نے انہیں حکم دیا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے نہیں سنا علماء شیعہ نے اس روایت سے ابو طالب کے اسلام پر استدلال کیا ہے اور ابو طالب کے ان اشعار سے استدلال کیا ہے جن میں انہوں نے کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو لے کر آئے ہیں وہ حق ہے اور ان کی حضور پر جو بہت زیادہ شفقت تھی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت تک مدد کرتے رہے یہ بات ان کے گھر والوں سے مروی ہے اور ان کے متعلق ان کے گھر والے ہی زیادہ جانتے ہیں۔

شیعہ نے جو یہ دلیل قائم کی ہے اس پر تو رونے والی عورتیں بھی ہنس پڑیں گی اور ابو طالب کے جو اشعار منقول ہیں اول تو ان کی سند منقطع ہے اور اس کے علاوہ ان اشعار میں تو حید اور رسالت کی شہادت نہیں ہے اور ایمان کا مدار اس شہادت پر ہے باقی رہا ان کی حضور پر شفقت اور ان کی نصرت تو ان کا کوئی منکر نہیں ہے اور ابو طالب کے ایمان پر جو شیعہ روایات ہیں تو وہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔

ہاں مومنین پر لازم ہے کہ وہ ابو طالب کے معاملہ کو اس طرح نہ قرار دیں جس طرح ابو جہل اور اس قسم کے باقی کافروں کے معاملہ کو قرار دیتے ہیں کیونکہ ابو طالب کو ان پر نفی صحت حاصل ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یک سلوک کرتے تھے احادیث میں ہے کہ ابو طالب کی ان ٹیکوں کی وجہ سے ان کو آخرت میں نفع پہنچے گا تو دنیا میں ان کو کم از کم اتنا نفع تو پہنچنا چاہیے کہ ان پر عام کافروں کی طرح لعن طعن نہ کی جائے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ کے سامنے آپ کے چچا کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: شاید قیامت کے دن میری شطاعت سے اس کو فائدہ پہنچے گا اور اس کو تھوڑی سی آگ میں رکھا جائے گا جو اس کے جنوں تک پہنچے گی اس سے اس کا دماغ ٹھول رہا ہوگا (صحیح البخاری رقم الحدیث ۶۸۸۵)۔

رحمہم اللہ ص ۵۳۔ ۵۴۔ لم یکتب) ایک اور روایت میں ہے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ ان کے مرکز میں کسی رسول کو نہ بھیج دے جو ان پر ہماری آجوں کو خلاوت کرتا ہو اور ہم صرف ان ہی بستیوں کو ہلاک کرنے والے ہیں جن کے رہنے والے ظلم کرنے والے ہوں اور تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے تو وہ دنیاوی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے اور جو اللہ کے پاس (آجر) ہے وہ اچھا ہے اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ (التقصص: ۶۰-۵۷)

کفار کے اس شبہ کے تین جوابات کہ اگر ہم ایمان لے آئے تو ہماری دنیاوی نعمتیں زائل ہو جائیں گی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے ایک عذر کو زائل کیا ہے امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کفار قریش نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کر لیں تو ہم اپنے ملک سے اچکے لیے جائیں گے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۰۹۷۳) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس شبہ کا جواب دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سر زمین حرم کو امن والا بنا دیا ہے اور اس میں بہ کثرت رزق رکھا ہے حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اعراض کرنے والے ہو اور جن کی پرستش کی طرف رغبت کرنے والے ہو پس اگر تم ایمان لے آؤ تو تم پر اللہ تعالیٰ کا رحم زیادہ متوقع ہوگا اور تمہیں مکہ سے نکالے جانے کا خطرہ نہیں رہے گا۔

اس کے بعد فرمایا اور ہم نے بہت سی ان بستیوں کو ہلاک کر دیا جس کے رہنے والے اپنی خوش حالی پر اتراتے تھے۔

(التقصص: ۵۸)

اس آیت میں بھی کفار کے اسی شبہ کا دوسرا جواب دیا ہے انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں یہ خوف ہے کہ ہم ایمان لائے تو ہم سے یہ نعمتیں رائل ہو جائیں گی اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ ایمان لانے سے نعمتیں زائل نہیں ہوتیں بلکہ ایمان نہ لانے سے نعمتیں زائل ہوتی ہیں۔ کچھل آستوں کے جو لوگ ہماری دی ہوئی خوش حالی پر اتراتے تھے اور ایمان نہیں لاتے تھے ہم نے ان کی بستیوں کو ہلاک کر دیا۔

پھر فرمایا: سو یہ ان کے مکان ہیں جن میں ان کے بعد بہت کم سکونت کی گئی ہے ان میں سکونت نہ ہونے کی یہ تفصیل ہے:

(۱) ان خالی مکانوں میں صرف مسافر یا راستہ سے گزرنے والے ایک یا دو دن رہتے تھے۔

(۲) ان مکانوں میں رہنے والوں کے گناہوں کی نحوست ان مکانوں میں سرایت کر گئی تھی اس سے ان مکانوں میں کوئی نہیں رہتا تھا۔

پھر جب ان مکانوں میں رہنے والے ہلاک ہو گئے تو پھر ان مکانوں کے ہم ہی وارث تھے۔

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو کفار اپنی خوشحالی پر اتراتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو کفار کفر اور عناد میں مستغرق تھے ان کو کیوں نہیں ہلاک کیا؟ اس کا اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا:

اور آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ ان کے مرکز میں کسی رسول کو نہ بھیج دے جو ان پر ہماری آجوں کی خلاوت کرتا ہو۔ (التقصص: ۵۹)

اس لیے اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے کافروں پر ان کے کفر اور عناد کے باوجود ان پر عذاب نہیں بھیجا حتیٰ کہ مکہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ نے ان کے سامنے اللہ کے کلام کو پڑھا اور اللہ کا پیغام سنایا۔

پھر فرمایا: اور ہم ان ہی بستیوں کو ہلاک کرنے والے ہیں جن کے رہنے والے ظلم کرنے والے ہوں۔

بر چند کہ مکہ کے قریش بھی کفر شرک کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ معترب

کے برحق ہونے کے متعلق ان کے اشعار بہت زیادہ ہیں اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کم سن تھے تو انہوں نے ہی آپ کو پناہ دی تھی اور بیٹھ کے بعد ہجرت سے پہلے انہوں نے ہی آپ کی حفاظت کی تھی اور مہاجرین اور انصار نے ہجرت کے بعد دس سال تک جو آپ کی نصرت اور حفاظت کی ہے اس کے برابر ہجرت سے پہلے دس سال تک ابو طالب نے آپ کی حفاظت کی۔

(المیزان ج ۱۶ ص ۱۷۷ مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ ایران ۱۳۳۴ھ)

شیخ طبری نے جو روایت پیش کی ہے اس کا کوئی حوالہ ذکر نہیں کیا اور شان اشعار کی کوئی سند ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدایت دینے اور ہدایت نہ دینے کے محال

اس آیت پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدایت دینے کی نفی کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ (النقص ۵۶)

مکملہ لکھن اللہ جس کو چاہے اس کو ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے۔

اور دوسری آیت میں آپ کے ہدایت دینے کو ثابت فرمایا ہے:

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

بے شک آپ سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔

(الشوری ۵۲)

اور پناہ بران دونوں آیتوں میں تضاد ہے اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

- (۱) ہدایت دینے کے ثبوت کا معنی یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اسلام اور صراطِ مستقیم کی دعوت دیتے ہیں اور اس کی نفی کا معنی یہ ہے کہ آپ کسی کو سمسما نہیں دیتے اور اس کو صراطِ مستقیم کی توفیق نہیں دیتے یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔
- (۲) نفی کا محمل یہ ہے کہ آپ کسی کے دل میں ہدایت پیدا نہیں کرتے اور ثبوت کا محمل یہ ہے کہ آپ اللہ کی پیدا کی ہوئی ہدایت کو نافذ کرتے ہیں۔
- (۳) آپ خلقِ ہدایت نہیں دیتے اور کہا ہدایت دیتے ہیں۔
- (۴) آپ حقیقتاً ہدایت نہیں دیتے اور ظاہراً ہدایت دیتے ہیں۔
- (۵) آپ وعدہ اور تحفہ کے ذریعہ ہدایت دیتے ہیں اور اس کا اثر اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔
- (۶) آپ ارادہ الطریق کرتے ہیں (راستہ دکھاتے ہیں) اور ایصال الی المطلوب اللہ تعالیٰ کرتا ہے یعنی وہ مطلوب تک پہنچ دیتا ہے دنیا میں مومن بنا دیتا ہے اور آخرت میں جنت عطا فرماتا ہے۔
- (۷) اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اس کو ہم سے کسی کا دل ہدایت قبول کرنے کے قابل ہے اور کسی کے دل پر مرہنگی ہے لہذا اس کو ہدایت دینی ہے اور کسی کو ہدایت نہیں دینی اس کے برخلاف آپ عالم الغیب نہیں ہیں آپ ہر ایک کو وعدہ اور تحفہ کریں گے خواہ اس کے دل پر مرہنگی ہو یا نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کر لیں تو ہم اپنے ملک سے اچک لے جائیں گے کیا ہم نے ان کو حرم میں نہیں آباد کیا جو امن والا ہے اس کی طرف ہمارے دیے ہوئے ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے اور ہم نے بہت سی ان بستیوں کو ہلاک کر دیا جن کے رہنے والے اپنی غرض حالی پر اترتے تھے سو یہ ان کے مکان ہیں جن میں ان کے بعد بہت کم سکونت کی گئی ہے اور (انجام کار) ہم ہی وارث ہیں اور آپ

عَلَيْهِمُ الْاَنْبَاءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿۷۶﴾ فَاَمَّا مَنْ

سے خبریں پوشیدہ ہو جائیں گی پس وہ ایک دوسرے سے سوال تک نہ کریں گے ۷۶ سو جس نے توبہ

تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۷۷﴾

کی اور ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے پس مقرب وہ کامیابوں میں سے ہو جائے گا ۷۷

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۚ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحٰنَ

اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے اس میں ان کا کوئی اختیار نہیں ہے اللہ پاک ہے اور

اَللّٰهُ وَتَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ

ان چیزوں سے بلند و مرتبہ جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں ۷۸ اور آپ کا رب ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو وہ اپنے سینوں میں

وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ لَهُ الْحُكْمُ فِي الْاَدْوٰلٰی

چمکاتے ہیں اور جن چیزوں کو وہ ظاہر کرتے ہیں ۷۹ اور وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے دنیا اور آخرت

وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۰﴾ قُلْ اَرَاَيْتُمْ

میں اسی کے لیے سب قرعیں ہیں اور اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ۸۰ آپ کہیے یہ بتاؤ! اگر

اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ الْاَلِيلَ سَرْمَدًا اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ

اللہ تمہارے لیے قیامت تک کی مسلسل رات بنا دے تو اللہ کے سوا کوئی

اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيْكُمْ بِضِيَاٍ ۖ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۸۱﴾ قُلْ

معبود ہے جو تمہارے پاس روتی لے کر آئے؟ کیا میں تم نہیں سنتے! ۸۱ آپ کہیے

اَرَاَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰی يَوْمِ

یہ بتاؤ! اگر اللہ تمہارے لیے قیامت تک کا مسلسل دن بنا دے تو

الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ۖ اَفَلَا

اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو تمہارے لیے رات لے کر آئے جس میں تم آرام کر سکو؟ کیا میں تم

ایمان لے آئیں گے اور اگر یہ خود ایمان نہ لائے تو ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ایمان لے آئیں گے۔
اس کے بعد فرمایا: اور تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے تو وہ دنیاوی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے اور جو اللہ کے پاس آخر
ہے وہ اچھا ہے۔ (انقص ۶۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس شبہ کا تیسرا جواب دیا ہے کہ ہم ایمان اس لیے نہیں لاتے کہ ہمارے پاس جو دنیا
کی نعمتیں ہیں کہیں وہ ہم سے چھین نہ جائیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دنیا کی جن نعمتوں کے زوال کے خوف سے ایمان نہیں
لا رہے وہ دنیا کی زندگی کا عارضی سامان ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس آخرت میں جو اجر ہے وہ دائمی ہے اور وہی اچھا ہے۔

اَفَمَنْ وَعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيهِ كَمَنْ مَتَّعْنَاهُ مَتَاعًا

کیا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا جس کو وہ حاصل کرنے والا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیاوی

الحَيٰوةَ الدُّنْيَا ثَمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِّينَ ۝۱۱

دنیا کی چیزیں دیں پھر وہ قیامت کے دن (ہجڑوں کے ساتھ) حاضر کیا جائے گا اور جس دن

يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ اَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ۝۱۲

وہ ان کو ندا کر کے فرمائے گا وہ کہاں ہیں جن کو تم اپنے گمان میں میرا شریک قرار دیتے تھے؟ وہ لوگ

قَالَ الَّذِينَ هُمْ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ

کہیں گے جن کے متعلق (عذاب کی) وعید ثابت ہو چکی ہے اے ہمارے رب یہ ہیں وہ لوگ جن کو ہم

اَغْوَيْنَا ۖ اَغْوَيْنَهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۖ تَبَرَّأْنَا اِلَيْكَ مَا كَانُوا اِيَّاكَ

نے گمراہ کیا تھا ہم نے ان کو اس طرح گمراہ کیا جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے تھے ہم ان سے بیزار ہو کر تیری طرف رجوع

يَعْبُدُونَ ۝۱۳ وَ قِيلَ اذْعُو ۚ اَشْرَكَاءُكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ

کرتے ہیں یہ صرف ہماری عبادت نہیں کرتے تھے اور ان سے کہا جائے گا ان کو بلاؤ جن کو تم اللہ کا شریک کہتے تھے تو وہ ان کو

يَسْتَجِيبُوْا لَهُمْ وَاَوَّا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ۝۱۴

پکاریں گے سو وہ ان کو کوئی جواب نہ دے سکیں گے اور وہ سب عذاب کو دیکھیں گے کاش وہ ہدایت پا لیتے

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا اٰجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۵ فَصَبَّتْ

اور جس دن وہ ان کو ندا کر کے فرمائے گا تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟ تو اس دن ان

سوال تک نہ کر سکیں گے ۵ سو جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے پس مغرب وہ کامیابوں میں سے ہو جائے گا ۵ (التقصی ۶۷-۶۸)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا مشرکین سے یہ طور زبرد تو بخ کلام فرماتا

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان مشرکین کو ندا کر کے یہ فرمائے گا جن کو تم اپنے زعم میں میرا شریک قرار دیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ وہ آخرت میں تمہاری مدد کریں گے اور تمہاری شفاعت کریں گے وہ کہاں ہیں؟ (التقصی ۶۸)

ان مشرکین کے سردار اور رئیس کہیں گے: اے ہمارے رب! ان لوگوں کو ہم نے شریک بنانے کی دعوت دی تھی ان سے کہا جائے گا تم نے ان کو کم راہ کیا تھا؟ وہ کہیں گے ہم نے ان کو اسی طرح بہرہ وادارہ و غبت کم راہ کیا تھا جس طرح ہم خود اپنی مرضی سے کم راہ ہوئے تھے ہم ان سے بیزار ہو کر تیری طرف رجوع کرتے ہیں شیاطین اپنے حیرہ کاروں سے برأت کا کلمہ دکر کریں گے اور ان کے سردار پہلے لوگوں سے برأت کا اظہار کریں گے۔ (التقصی ۶۹)

اور کفار سے کہا جائے گا جن معبودوں کو تم نے اللہ کا شریک قرار دیا تھا اور جن کی تم نے پرستش کی تھی اب ان کو مدد کے لیے پکارو تا کہ وہ تمہاری مدد کریں اور تم سے آخرت کے عذاب کو دور کریں وہ ان کو پکاریں گے تو وہ ان کو کوئی جواب نہیں دیں گے وہ سب عذاب کو دیکھیں گے کاش وہ (دنیا میں) ہدایت پالیتے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ دنیا میں ہدایت پالیتے تو وہ ہدایت ان کو آخرت میں فائدہ پہنچاتی اور ان سے عذاب کو دور کر دیتی۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر وہ ہدایت یافتہ ہوتے تو دنیا میں جن کی عبادت نہ کرتے ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب وہ آخرت میں عذاب کو دیکھیں گے تو یہ خواہش کریں گے کہ کاش وہ دنیا میں ہدایت یافتہ ہوتے۔ (التقصی ۷۰)

اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا جب تمہارے پاس انبیاء بھیجے گئے تھے اور انہوں نے اللہ کے پیغام پہنچائے تھے تو تم نے ان کو کیا جواب دیا تھا اس وقت ان سے خبریں پوشیدہ ہو جائیں گی مجاہد نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اس وقت کوئی عذر پیش نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کے پاس رسول بھیج کر ان پر اپنی حجت تمام کر دی تھی اور وہ ایک دوسرے سے کسی عذر کو پوچھ بھی نہیں سکیں گے اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ قیامت کے دن کی ان پر ایسی دہشت طاری ہوگی کہ نہ خود ان کے دماغوں میں کوئی عذر آئے گا نہ وہ کسی سے عذر پوچھ سکیں گے۔ (التقصی ۷۱) اور جو شخص شرک اور کفر سے توبہ کرے گا اور رسول کی تصدیق کرے گا اور اس پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا فراہم ہوگا پابندی کے ساتھ دائماً پڑھے گا اور نوافل کی کثرت کرے گا تو وہ یقیناً کامیاب لوگوں میں سے ہوگا اللہ کے کلام میں عسلی اور لعل وجوب اور تحقیق کے لیے ہوتا ہے۔

(التقصی ۷۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے اس میں ان کا کوئی اختیار نہیں ہے اللہ پاک ہے اور ان چیزوں سے بلند و برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں ۵ اور آپ کا رب ان چیزوں کو جو نہ ہے جن کو وہ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں اور جن چیزوں کو وہ ظاہر کرتے ہیں ۵ اور وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے دنیا اور آخرت میں اسی کے لیے سب تعریفیں ہیں اور اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ۵

(التقصی ۷۳-۷۴)

جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا

اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے۔ (التقصی ۷۵)

تُبْصِرُونَ ﴿۶۱﴾ وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا

نہیں دیکھتے! اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات کو اور دن کو بنایا تاکہ تم اس (رات) میں

فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۶۲﴾ وَيَوْمَ

آرام کرو اور اس (دن) میں اس کے نفل کو تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو اور جس دن

يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاؤِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۶۳﴾

وہ ان کو ندا کر کے فرمائے گا وہ کہاں ہیں جن کو تم اپنے گمان میں میرا شریک قرار دیتے تھے؟

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ

اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کو الگ کر لیں گے پھر ہم فرمائیں گے اپنی دلیل لاؤ

فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتُرُونَ ﴿۶۴﴾

جب وہ جان لیں گے کہ حق اللہ ہی کے لیے ہے اور جو کچھ وہ افتراء کرتے تھے وہ ان سے کم ہو جائے گا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا جس کو وہ حاصل کرنے والا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے

جس کو ہم نے دنیاوی زندگی کی چیزیں دیں پھر وہ قیامت کے دن (بھروسوں کے ساتھ) حاضر کیا جائے گا (قصص: ۶۱)

مومن اور کافر کی دنیا اور آخرت میں تقابلی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور ابو جہل بن ہشام کے متعلق نازل ہوئی

ہے، مجاہد نے کہا یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو جہل کے متعلق نازل ہوئی ہیں اور محمد بن کعب نے کہا یہ آیت حمزہ اور حضرت

علی اور ابو جہل اور عمارہ بن الولید کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۱۹)

اور صحیح ہے کہ جو آیت ہم مومن اور ہر کافر کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ کافروں کو دنیا میں بہت بیش و آرام اور

وسعت دی گئی ہے اور آخرت میں ان کے لیے دوزخ ہے اور ہر مومن اللہ تعالیٰ کے اجر و ثواب کے وعدہ پر یقین کرتے ہوئے

دنیا کے مصائب و آلام برداشت کرتا ہے اور آخرت میں ان کے لیے جنت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن وہ ان کو ندا کر کے فرمائے گا کہ وہ کہاں ہیں جن کو تم اپنے گمان میں میرا شریک قرار

دیتے تھے وہ لوگ کہیں گے جن کے متعلق عذاب کی وعید ثابت ہو چکی ہے اے ہمارے رب! یہ ہیں وہ لوگ جن کو ہم نے کم

راہ کیا تھا ہم نے ان کو اس طرح کم راہ کیا جس طرح ہم خود کم راہ ہوئے تھے ہم ان سے بیزار ہو کر تیری طرف رجوع کرتے

ہیں یہ صرف ہماری عبادت نہیں کرتے تھے اور ان سے کہا جائے گا ان کو بلاؤ جن کو تم اللہ کا شریک کہتے تھے تو وہ ان کو پکاریں

گے سو وہ ان کو کوئی جواب نہ دے سکیں گے اور وہ سب عذاب کو دیکھیں گے کاش وہ جاہلیت پالیتے اور جس دن وہ ان کو ندا کر

کے فرمائے گا تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟ تو اس دن ان سے خبریں پوچھو ہو جائیں گی پس وہ ایک دوسرے سے

انصحر بن انس اپنے دادا سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انس جب تم کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرو تو اپنے رب سے سات مرتبہ استخارہ کر پھر یہ غور کرو کہ تمہارا دل کس چیز کی طرف مائل ہوتا ہے سو بے شک خبر ای میں ہے۔ (علل الترمذی: ۱۰۸۱، سنن ابی داؤد: ۴۶۹۸، مسند احمد: ۲۷۳، ترمذی: ۵۹۸، مؤسسۃ الکتاب: ۱۳۸۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ مالکی قرطبی حنفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں علماء نے کہا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے دل کو تمام تفکرات سے خالی کرے حتیٰ کہ وہ کسی چیز کی طرف مائل نہ ہو پھر دیکھے کہ اس کا دل اس کام کی طرف مائل ہوتا ہے اور جس طرف اس کا دل مائل ہو خبر ای میں ہے۔ الجامع الاحکام القرآن ۳/۳۲۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ ۱۴۲۰ھ ۳/۳۲۳ دارالتقریرات ۱۴۱۵ھ)

استخارہ کا طریقہ

سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۳۵۲ھ لکھے ہیں:

علامہ نووی نے الافکار میں لکھا ہے کہ استحارہ کرنے کے لیے جو نماز پڑھے تو اس کی پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھے بعض سلف سے منقول ہے کہ پہلی رکعت میں وردہک بخلق مایشاء و بختار یعلنون تک اقصیٰ ۶۸-۶۹ بھی پڑھے اور دوسری رکعت میں ماکان المؤمن ولا المؤمنۃ (الاحزاب: ۳۶) بھی پڑھے بعض مشائخ سے یہ سنا گیا ہے کہ وہ دو رکعت نماز پڑھے اور حدیث میں جس دعا کی تعلیم دی گئی ہے وہ دعا پڑھے پھر با وضو قبلہ کی طرف منہ کر کے سو جائے پھر اگر اس کو خواب میں سفید رنگ کی یا برے رنگ کی کوئی چیز نظر آئے تو اس میں خیر ہے اور اگر سرخ یا سیاہ رنگ کی کوئی چیز نظر آئے تو اس میں کام میں شر ہے اس سے احتباب کرے۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۵۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

اگر پہلی بار استحارہ کرنے کے بعد اس کو کچھ نظر نہ آئے تو سات بار یہ عمل دہرائے اگر سات بار دہرانے کے باوجود اس کو کچھ نظر نہ آئے تو جس کام کے کرنے یا نہ کرنے پر اس کا دل جم جائے اس کے موافق عمل کرے۔

اس کے بعد فرمایا: اور آپ کا رب ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو وہ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں اور جن چیزوں کو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ القصص: ۲۹۔ سورۃ النمل میں یہ گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنی رت فرمائی ہے کہ وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے دنیا اور آخرت میں اسی کے لیے سب تعزیریں ہیں (قصص: ۷۰) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمام تعزیریں اللہ کے لئے واجب ہیں اور اللہ کے سوا اور کسی کا حکم واجب الاطاعت نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں یا اس آیت کا یہ معنی ہے کہ اولاً بالذات حکم دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے پھر جس کو اللہ تعالیٰ حکم دینے کا منصب عطا فرمائے۔

اولیاء اللہ کو مشکل کشا کہنے کو سید مودودی کا شرک قرار دینا اور اس کا جواب

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

یہ ارشاد دراصل شرک کی تردید میں ہے۔ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے جو بے شمار معبود اپنے لیے بنا لیے ہیں اور ان کو اپنی طرف سے جو اوصاف، مراتب اور مناصب سوچ رکھے ہیں اس پر اعتراض کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے بچا کیے ہوئے انسانوں، فرشتوں، جنوں اور دوسرے بندوں میں سے ہم خود جس کو جیسے چاہتے ہیں اوصاف، مناصب جیسے اور ذاتیں بخشیں ہیں اور جو کام جس سے لینا چاہتے ہیں لیتے ہیں۔ یہ القیارات آخراں مشرکین کو کیسے اور کہاں سے مل گئے کہ

حضرت دہلوی بن الامام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسامیل کی اولاد سے کتانہ کو پسند کر لیا اور کتانہ سے قریش کو پسند کر لیا اور قریش سے نبی ہاشم کو پسند کر لیا اور ہاشم سے مجھے پسند کر لیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۷۷۶ سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۶۰۵ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث ۳۸۵ صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۳۳۳۳ لم یصح) ج ۲۲ ص ۶۱۱ اذاکل علیہ و لیسلمی ج ۱ ص ۱۶۶ شرح الحدیث رقم الحدیث ۳۶۱۳

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے میرے اصحاب کو نبیوں اور رسولوں کے سوا تمام جہانوں میں سے پسند فرمایا اور میرے اصحاب میں سے چار کو پسند فرمایا یعنی ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ اور علیؓ (رضی اللہ عنہم) کو اور میری امت میں سے چار قرن پسند فرمائے پہلا دوسرا تیسرا اور چوتھا۔

(مسند ابوداؤد رقم الحدیث ۷۷۶۳ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۶ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۶۲)

استحارہ کے متعلق احادیث

فرمایا وہ جو چاہتا ہے پسند کرتا ہے اس میں ان کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ بندوں کو سب کے سوا کسی چیز کا اختیار نہیں ہے یعنی وہ جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس چیز کو پیدا کر دیتا ہے۔

دھڑکی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا اللہ تعالیٰ کو اپنے افعال میں اختیار ہے وہ اپنے افعال کی ہمتوں کو خود ہی جانتا ہے۔ بعض علماء نے کہا بندوں نے جب کوئی کام کرنا ہو تو اس وقت تک کوئی کام نہ کریں جب تک اس کام کے متعلق استحارہ نہ کر لیں حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تمام کاموں میں استحارہ کی تعلیم دیتے تھے جس طرح ہمیں قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے آپ فرماتے تھے: جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرے تو وہ دو رکعت نفل نماز پڑھے پھر یہ دعا کرے اے اللہ! میں تیرے علم سے خیر کو طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت سے قدرت کو طلب کرتا ہوں اور تیرے فضل عظیم سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تو قادر ہے اور میں قادر نہیں ہوں اور تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو علام الغیوب ہے اے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین اور معاش میں اور میرے انجام کار میں میرے لیے بہتر ہے تو اس کام کو میرے لیے مقدمہ کر دے اور اس کو میرے لیے آسان کر دے اور میرے لیے اس میں برکت رکھ دے اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین اور معاش میں اور میرے انجام کار میں برا ہے تو اس کو مجھ سے دور کر دے اور مجھ کو اس سے دور کر دے اور میرے لیے خیر کو مقدمہ کر دے خواہ وہ کہیں ہو پھر مجھ سے راضی ہو جائے اور فرمایا کہ دعا کرنے والا اپنی حاجت اور اپنے کام کا ذکر کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۱۶۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۵۳۸ سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۸۰ سنن ابی حاتم رقم الحدیث ۳۳۳۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۸۳ مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۳ سنن کبریٰ للبخاری ج ۳ ص ۵۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کام کا ارادہ کرتے تو یہ دعا کرتے اے اللہ! اس کام کو میرے لیے پسند فرما اور اس کو میرے لیے اختیار فرما۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۵۱۶ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث ۳۳ کتاب الفقہاء للبخاری ج ۲ ص ۱۶۷ اکال لابن عدی ج ۳ ص ۱۰۰ شرح الحدیث)

رقم الحدیث ۱۰۱۶

(صحیح البخاری کتاب استسقاء المرتدین باب ۶)

اس تفسیر میں سید مودودی نے ایسا ہی کیا ہے۔ اس کی مکمل تفسیر اور تفصیل ہم نے اٹل: ۱۰۔ جہان القرآن ج ۶ ص ۳۹۳-۳۹۸ میں کی ہے۔ وہاں مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: یہ بتاؤ! اگر اللہ تمہارے لیے قیامت تک کی مسلسل رات بنا دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے پاس روشنی لے کر آئے! کیا پس تم نہیں سمجھتے! اور آپ کہیے یہ بتاؤ! اگر اللہ تمہارے لیے قیامت تک کا مسلسل دن بنا دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے لیے رات لے کر آئے! جس میں تم آرام کر سکو! کیا پس تم نہیں دیکھتے! اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات کو اور دن کو بنایا تاکہ تم اس (رات) میں آرام کرو اور اس (دن) میں اس کے فضل کو تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو (التقصیر: ۴۳-۴۱)

اسباب معیشت کی نعمتیں

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے ان کے اسباب معیشت بیان فرمائے ہیں اس نے دن بنایا تاکہ اس کی روشنی میں انسان اپنی روزی حاصل کرے اور رات بنائی تاکہ تم کا ماندہ انسان اس میں آرام کرے اور دن میں سورج کی حرارت سے غلہ اور پھل یک جا نہیں اور رات کو جانور کی کرفوں سے ان میں ڈالکتہ پیدا ہو اور فرمایا: کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم غیر اللہ کی عبادت کر کے کتنی بڑی غلطی کر رہے ہو اور تم کو خود یہ اقرا ہے کہ اگر وہ رات کے بعد دن نہ لائے یا دن کے بعد رات نہ لائے تو اس کے سوا اور کوئی دن کے بعد رات یا رات کے بعد دن نہیں لاسکتا! ان سب نعمتوں میں غور کرو تاکہ تم ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن وہ ان کو نڈا کر کے فرمائے گا وہ کہاں ہیں جن کو تم اپنے گمان میں میرا شریک قرار دیتے تھے! اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کو الگ کر لیں گے پھر ہم فرمائیں گے: اپنی دلیل لاؤ! تب وہ جان لیں گے کہ حق اللہ ہی کے لیے ہے اور جو کچھ وہ افراء کرتے تھے وہ ان سے گم ہو جائے گا! (التقصیر: ۴۵-۴۳)

ایک آیت کو دو بار ذکر فرمانے کی توجیہ

اس آیت کو اس رکوع میں دوسری بار ذکر فرمایا ہے: (التقصیر: ۶۲) میں بھی اس کا ذکر تھا اور اب (التقصیر: ۴۵) میں بھی اس کا ذکر ہے کیونکہ قیامت کے دن کے احوال مختلف ہوں گے جب پہلی بار ان کو نڈا کر کے فرمائے گا وہ کہاں ہیں جن کو تم اپنے گمان میں میرا شریک قرار دیتے تھے تو وہ اپنے جوں کو پھاریں گے وہ ان کو کوئی جواب نہیں دے سکیں گے وہ اس پر حیران ہوں گے پھر ان کو دوسری بار ان کی حزیہ زجر و توبیخ کرنے کے لیے ان کو پکارا جائے گا۔

یہ خدا اللہ تعالیٰ نہیں فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کفار سے کلام نہیں کرے گا قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَتُوبُ إِلَهُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا قَلِيلًا (البقرہ: ۱۲۳)

لیکن اللہ تعالیٰ کسی فرشتہ کو حکم دے گا وہ ان کو ڈانٹ ڈپٹ کرے گا اور مقام حساب میں ان کے خلاف جہت قائم کرے گا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ الگ کر لیں گے۔ (التقصیر: ۴۵)

مجاہد نے کہا شہید (گواہ) سے مراد نبی ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

فَكَيْفَ إِذَا جُئْتُمْ مِنْكُمْ أَمْ يَوْمَئِذٍ يَخْلِفُ اللَّهُ لَهُمْ سَبْعِينَ مِائَةً أَوْ مِائَةً أَوْ مِائَةً أَوْ مِائَةً (احزاب: ۸۱)

لا نہیں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔

اور ہر امت میں اس کا رسول شہید (گواہ) ہوتا ہے جو اس کے متعلق گواہی دیتا ہے اور شہید کا معنی ہے حاضر یعنی ہم ہر

میرے بندوں میں سے جس کو چاہیں مشکل کشا جسے چاہیں گنج بخش اور جسے چاہیں فریادرس قرار دے لیں؟ جسے چاہیں بارش برسانے کا معیار بنے چاہیں روزگار یا اولاد بخشے والا بنے چاہیں بیماری و صحت کا مالک بنادیں؟ جسے چاہیں میری خدائی کے کسی حصے کا فرماں روا نظر آئیں؟ اور میرے اختیارات میں سے جو کچھ جس کو چاہیں سو بھ دیں؟ کوئی فرشتہ ہو یا جن یا نبی یا ولی بہر حال جو بھی ہے ہمارا پیدا کیا ہوا ہے۔ جو کمالات بھی کسی کو ملے ہیں ہماری عطیہ بخشش سے ملے ہیں۔ اور جو خدمت بھی ہم نے جس سے لینی چاہی ہے لی ہے۔ اس بزرگزی کے یہ معنی آخر کیسے ہو گئے کہ یہ بندے بندگی کے مقام سے اٹھا کر خدائی کے مرتبے پر پہنچا دیے جائیں اور خدا کو چھوڑ کر ان کے آگے سر نیاز جھکا دیا جائے ان کو خدا کے لیے نیکار جانے لگے ان سے حاجتیں طلب کی جائے لگیں انہیں قسمتوں کا بنانا اور بگاڑنے والا سمجھ لیا جائے اور انہیں خدائی صفات و اختیارات کا حامل قرار دیا جائے؟ (تفسیر القرآن ج ۳ ص ۵۸ تا ۶۰ اور ۱۹۸۳ء)

اہل سنت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ورضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غوث اعظم کہتے ہیں اور دیگر اولیاء کرام کو بھی غوث اور قطب کہتے ہیں اور غوث کے معنی ہیں فریادرس اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشکل کشا کہتے ہیں اور حضرت علی جوہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ المعروف داتا گنج بخش کو گنج بخش کہتے ہیں سید مودودی نے اس عبارت میں ان (اہل سنت) کو مشرکین قرار دیا ہے جبکہ اہل سنت ان اولیاء کرام کو غوث، مشکل کشا یا گنج بخش حقیقاً اور بالذات نہیں کہتے۔ کسی شخص کو حقیقاً اور بالذات مشکل کشا یا گنج بخش اعتقاد کرنا یہ شرک ہے اور مجازاً اتنی اسناد مجاز عقلی کے طور پر ان کی طرف ان اوصاف کی نسبت کرنا شرک نہیں ہے بلکہ قرآن مجید میں اس کی نظائر موجود ہیں۔

حضرت جبریل نے حضرت مریم سے کہا:

(جبریل نے) کہا میں تو صرف اللہ کا بھیجا ہوا کا صدم ہوں

قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا

ذَکِیًّا ۝ (مریم: ۱۹)

اور آپ کو پانچ روزہ ملا دینے آیا ہوں۔

لڑکا یا بیٹا دینا اللہ کی صلت ہے لیکن جبریل نے اپنی طرف بیٹا دینے کی نسبت کی اور یہ اسناد مجازی ہے اسی طرح اہل سنت بھی مجازاً اولیاء کرام کی طرف بیٹا دینے کی نسبت کرتے ہیں کیونکہ ان کی دعا سے بیٹا پیدا ہو جاتا ہے اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

وَمَا تَقْتُلُوا إِلَّا أَنْ أَغْلَهُهُمُ اللَّهُ وَتَسْأَلُونَ اللَّهَ

فَعَذْلِهِ ۝ (انعام: ۷۳)

اور ان (منافقین) کو صرف یہ تا گوار ہوا کہ اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسول نے ان کو فتنی اور دولت مند کر دیا۔

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دولت مند کرنے کی نسبت کی ہے اور یہ نسبت بھی مجاز عقلی ہے اسی گنج پر اہل سنت بھی اولیاء کرام کو مشکل کشا، غوث اور گنج بخش مجازاً کہتے ہیں کیونکہ وہ مسلمان ہیں تو حید کی گواہی دیتے ہیں اور تمام اولیاء کرام اور انبیاء کرام کو اللہ کی مخلوق مانتے ہیں اور یہ اس پر دلیل ہے کہ وہ ان اوصاف کی نسبت اولیاء کرام کی طرف مجازاً کرتے ہیں وہ بت پرست نہیں ہیں کہ ان کی طرف ان اوصاف کی نسبت حقیقاً کریں اور ظاہر ہے کہ سید مودودی تمام کہنے والوں کے دلوں کے حال پر متوجہ نہیں تھے کہ انہیں بغیر کسی قرینے کے معلوم ہو جاتا ہے کہ لوگ ان اولیاء کو حقیقاً مشکل کشا اور غوث وغیرہ کہتے ہیں اس لیے ان کو علی الاطلاق مشرکین صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے جو علیہم بذات الصدود ہو اور دلوں کے حال جاننے کا دعویٰ رکھتا ہو اور حقیقت میں شرک بھی لپکی ہے۔ حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خوارزمی کو بدترین مخلوق شمار کرتے اور فرماتے کہ ان لوگوں نے ان آیات کو مومنوں پر چسپاں کر دیا جو کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

فِي زَيْنَتِهِ ۖ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا لَيْلَتْ لَنَا

قوم میں نکلا جو لوگ دنیاوی زندگی کے شائق تھے انہوں نے کہا اے کاش! ہمارے پاس

مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿۸۶﴾ وَقَالَ الَّذِينَ

بھی اتنا (مال) ہوتا جتنا قارون کے پاس ہے بے شک وہ بڑے نصیب والا ہے اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تو

أُوتُوا الْعِلْمَ وَبِكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنِ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

انہوں نے کہا تم پر انیسویں ہے جو شخص ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے اس کے لیے اللہ کا اجر بہت اچھا ہے

وَلَا يُلْقِيهَا إِلَّا الصِّدْرُونَ ﴿۸۷﴾ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبَدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا

اور یہ (نعت) صرف مبر کرنے والوں کو ملتی ہے سو ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا جس اس کے

كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ وَمَا كَانَ مِنَ

پاس کوئی جماعت نہ تھی جو اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود اپنے

الْمُنْتَصِرِينَ ﴿۸۸﴾ وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَتَّعُوا مَكَانَهُ بِالْأَنفُسِ يَقُولُونَ

بچانے والوں میں سے ہو سکا اور کل تک جو لوگ اس کے مقام تک پہنچنے کی تمنا کر رہے تھے وہ کہنے لگے

وَيُكَانَ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنُ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ

انیسویں ہم بھول گئے تھے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا

لَوْ لَا أَن مِّنَ اللَّهِ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بَنَاهُ وَيُكَانَهُ لَا يُفْلِحُ

بے شک کر دیتا ہے اور اگر اللہ ہم پر احسان نہ فرماتا تو ہم بھی زمین میں دھنسا دیے جاتے انیسویں ہم بھول گئے تھے کہ کافر

الْكَافِرُونَ ﴿۸۹﴾

فلاح نہیں پاتے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک قارون موسیٰ کی قوم سے تھا پھر اس نے ان کے خلاف سر اٹھایا اور ہم نے اس کو اس قدر

خزانے دیے تھے کہ ان کی چاہیاں ایک طاقت اور جماعت کو تھا کہ وہی تھیں جب اس کی قوم نے اس سے کہ تم اتراؤ تم سے ہے

شک اللہ اترا نے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور جو ہمہ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس سے آخرت کے سچے خواہش رہا اور دینے

امت کے سامنے اس کے رسول کو حاضر کریں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب تم اپنا عذر پیش کرو کہ ایمان کیوں نہیں لائے اس وقت ان کو یقین ہو جائے گا کہ انبیاء علیہم السلام نے جو پیغام پہنچایا تھا وہ برحق تھا اور وہ جو اللہ تعالیٰ پر افتراء باعزمتے تھے کہ اس کے ساتھ اور بھی معبود ہیں وہ سب ان کے دماغوں سے نکل جائیں گے۔

إِنَّ قَادُونَ كَانُوا مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ وَأَتَيْنَاهُ

بے شک قارون موسیٰ کی قوم سے تھا، پھر اس نے ان کے خلاف سر اٹھایا اور ہم نے اس کو

مِنَ الْكُتُوبِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوزًا بِالْعُصْبَةِ أُولِيَ الْقُوَّةِ

اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی چابیاں ایک طاقت ور جماعت کو تھکا دیتی تھیں

إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴿٤٠﴾

جب اس کی قوم نے اس سے کہا تم اتراؤ مت! بے شک اللہ انہیں دوست نہیں رکھتا ۴۰

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ

اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس سے آخرت کے گھر کی تلاش کرو! اور دنیا کے حصہ کو (بھی)

مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ

نہ بھولو اور لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے اور ملک میں

الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٤١﴾

سرکشی نہ کرو بے شک اللہ سرکشی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ۴۱

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي أَوَلَمْ يَعْلَم أَنَّ اللَّهَ قَدْ

اس نے کہا یہ مال مجھے اس علم کی وجہ سے دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے کیا اس نے یہ نہیں جانتا کہ اس سے پہلے

أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَآكَثَرُ

اللہ کئی قوموں کو ہلاک کر چکا ہے جو اس سے زیادہ طاقت ور اور اس سے زیادہ

جَمْعًا وَلَا يَسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٤٢﴾ فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ

مال جمع کرنے والی تھیں اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا ۴۲ ایک دن وہ حج و حج گراہی

مجھے اس وجہ سے دیا ہے کہ اس کو معلوم تھا کہ میں اس مال کا مستحق ہوں بعض علماء نے کہا کہ قارون علم کینیا جانتا تھا جس سے وہ کینیاوی طریقہ سے سونا بنالیتا تھا لیکن یہ غلطی یہ نسب باطل ہے کیونکہ کسی چیز کی حقیقت کو بدلنے پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قادر نہیں ہے ہاں مجرہ اور کرامت کا الگ معاملہ ہے۔

اور یہ فرمایا ہے کہ مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اس کا محمل یہ ہے کہ ان سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ تم نے کیا کیا گناہ کیے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان کے تمام کاموں کا علم ہے البتہ ان سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تم نے یہ گناہ کیوں کیے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا اس نے نہیں جانا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کتنی قوموں کو ہلاک کر چکا ہے اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کو ان کے گمراہی وجہ سے ہلاک کر دیا تھا اور قارون کو اس کے تکبر اور بے حساب مال ہونے کے باوجود اس کی زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ایک دن دو جوج و جج کراہی قوم میں نکلا جو لوگ دنیاوی زندگی کے شائق تھے انہوں نے کہا اے کاش ہمارے پاس بھی اتنا (مال) ہوتا جتنا قارون کے پاس ہے بے شک وہ بڑے نصیب والا ہے اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا انہوں نے کہا کہ تم پر افسوس ہے جو شخص ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے اس کے لیے اللہ کا اجر بہت اچھا ہے اور یہ (نعت) صرف مبر کرنے والوں کو ملتی ہے (تقصیم: ۸۰-۷۹)

قارون کا اپنے مال و دولت پر اترنا اور اکڑنا

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ایک دن قارون بہت شان و شوکت اور بہت کر دفر سے نکلا اس نے بہت قیمتی لباس پہنا اور غلاموں اور باندیوں کے حلوں میں بڑے شانہ و شہ سے اترتا ہوا اور اکڑتا ہوا باہر آیا دنیا کے طلب گاروں نے جب اس کو دیکھا تو انہوں نے کہا اے کاش! ہمارے پاس بھی اتنا مال ہوتا یہ تو بڑا خوش نصیب ہے اور اس کی قسمت بہت اچھی ہے۔

علماء نے جب ان کی یہ باتیں سنی تو وہ ان کو سمجھانے لگے کہ تم پر افسوس ہے! اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کے لیے جو نیک اور عبادت گزار ہیں آخرت میں اس سے کہیں اچھی جزا تیار کر رکھی ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا کھٹکنا گزرا ہے اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو:

فَلَا تَحْزَنْهُمْ غَوْلُ الْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يَدْعُونَ لِقَاءَ رَبِّهِمْ وَأَسْرَأَتْ إِلَيْهِمْ أَعْيُنُهُمْ وَالْيَدِ يَسْرَعُ وَالْأَفْئِدَةُ سَبِيحٌ لِلَّذِينَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الْقُرْآنِ وَتُذَكَّرُونَ عَلَيْهِمْ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ (سجۃ: ۱۷۷)

امام ابن جریر نے کہا جنت کی یہ نعمتیں ان ہی لوگوں کو ملیں گی جو دنیا کی محبت اور دنیا کے پیش و آرام کے نہ ملنے پر مبر کریں گے اور آخرت میں رحمت کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا پس اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی جو اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہو سکا اور کل تک جو لوگ اس کے مقام تک پہنچنے کی تمنا کر رہے تھے وہ کہنے لگے افسوس ہم بھول گئے تھے کہ اللہ بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس

حصہ کو (بھی) نہ بھولو اور لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے اور ملک میں سرکشی نہ کرو بے شک اللہ سرکشی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (قصاص ۷۶:۷۷)

قارون کا نام و نسب اور اس کے مال و دولت کی فراوانی

حافظ علامہ ابن اسماعیل بن عمر بن کثیر اللہ مشقی الشافعی الترمذی ۷۳۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہم زاد تھا قارون کا نام تھا قارون بن مصعب بن قاضی اور حضرت موسیٰ کا نام تھا موسیٰ بن عمران بن قاضی۔ المومن ۲۳۰-۲۳۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ قارون بنی اسرائیل سے ہونے کے باوجود فرعون سے جا ملتا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے مقابلہ میں فرعون کے بعد وہ بھی حمان کی طرح حضرت موسیٰ کے مخالفین میں سے تھا۔

قارون بن عامر نے کہا قارون تو رات بہت خوش الحانی سے پڑھتا تھا لیکن وہ دشمن خدا ساری کی طرح منافق تھا وہ اپنے مال کی کثرت کی وجہ سے سرکش اور تکبر ہو گیا تھا شمر بن حوشب نے کہا وہ اپنی قوم کے سامنے بڑائی کے اظہار کے لیے اپنا ہاس ایک ہالٹ لہا رکھتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کو اسے خزانے دیے تھے کہ طاقت ور لوگوں کی جماعت ان خزانوں کی چابیاں اٹھانے سے تھک جاتی تھی جب وہ سوار ہو کر نکلتا تھا تو ستر ٹھہروں کے اوپر اس کے خزانے کی چابیوں کو لٹا دیا جاتا تھا اس کی قوم کے علماء نے کہا تم اتر آؤ مت بے شک اللہ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور اللہ نے جو کچھ تمہیں دیا ہے اس سے آخرت کے گھر کی تلاش کرو اور دنیا کے حصہ کو (بھی) نہ بھولو۔

یعنی اس مال کو اللہ کی اطاعت میں اور اس کی راہ میں خرچ کرو جس سے تم کو دنیا اور آخرت میں ثواب ملے گا اور دنیا سے (بھی) اپنے نصیب کو نہ بھولو اچھے کھانے پینے لہاس پیئنے مکان اور بیوی سے نکاح کے حصول میں اپنا مال خرچ کرو حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے عبداللہ! کیا تجھے یہ خبر نہیں دی گئی کہ تم دن میں روزہ رکھتے ہو اور رات بھر قیام کرتے ہو! انہوں نے کہا کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو روزہ بھی رکھو اور روزہ کو ترک بھی کرو اور رات کو قیام بھی کرو اور قیام بھی کیا کرو کیونکہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے (تو برحق دار کا حق ادا کرو)۔ (صحیح ترمذی رقم اللہ ۵۷۵:۵۷۶ صحیح مسلم رقم اللہ ۱۵۵۰ سنن ابوداؤد رقم اللہ ۵۷۵:۵۷۶ سنن اصفہانی رقم اللہ ۵۷۵:۵۷۶)

اور جس طرح اللہ اپنی مخلوق پر احسان فرماتا ہے تم بھی لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرو اور تم اپنی توجہ اور ہمت کو سرکشی اور فساد کی طرف مبذول نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ سرکشی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے کہا یہ مال مجھے اس علم کی وجہ سے دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے کیا اس نے یہ نہیں جانتا کہ اس سے پہلے اللہ کتنی قوموں کو ہلاک کر چکا ہے جو اس سے نپوہ طقت و راہ اس سے زیادہ مال جمع کرنے والی تھیں اور بحر مومن سے ان کے کن ہوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔ (نقص ۷۸)

قارون کا اپنے مال کو عطیہ الہی قرار دینے کے بجائے اپنی قابلیت کا ثمرہ سمجھنا

علامہ اور واعظین کی نصیحت کے جواب میں قارون نے کہا مجھے تمہاری نصیحت کی ضرورت نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے یہ مال

ویکان کا معنی اور اس کی ترکیب

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں ویکان کا لفظ ہے یہ اصل میں ویلک اعلم اللہ تعالیٰ یعنی تم پر انفس ہے تم یہ سمجھو کہ پھر اس کو مخفف کر کے ویکان پڑھا گیا اور قتادہ نے کہا اس کا معنی السم تو ہے یعنی کیا تم نے نہیں دیکھا اور یہ کسی بات کو مقرر کرنے کے لیے آتا ہے۔ اور اس آیت کا معنی اس طرح ہوگا کہ تم پر انفس ہے تم یہ سمجھو کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے کم کر دیتا ہے یا اس کا معنی ہے کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے کم کر دیتا ہے۔ (جامع البیان ۷: ۳۶۷-۳۶۸ ملخصاً دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علاء ابو عبد اللہ مالکی قرطبی متوفی ۲۶۸ھ لکھتے ہیں:

انھاس نے کہا کہ وی عداوت کے اظہار کے لیے ہے اور اٹھیل سیبویہ اور کسائی نے کہا کہ جب لوگ کسی نکتہ پر متنبہ ہوں یا کسی کو متنبہ کریں تو وی کہتے ہیں اور جو شخص نام ہو وہ اپنی عداوت کے اظہار کے لیے وی کہتا ہے اور یہ کسان پر داخل ہوتا ہے جیسے وہب ان اللہ۔ القرانی نے کہا یہ کلمہ تقریر ہے ایک قول یہ ہے کہ یہ لایکی طرح حرف صحیبہ ہے بعض نے کہا یہ ویلک اعلم اللہ کے معنی میں ہے ایک قول یہ ہے کہ یہ اللہ تو اللہ کے معنی میں ہے۔

(الجامع لا حکام القرآن ۳: ۲۸۲ دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ ۱۳۲۲ھ ۲۹۲ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا

یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے مقدر کرتے ہیں جو زمین میں بڑا بننے کا ارادہ کرتے ہیں

فِي الْأَمْرِضِ وَلَا فِسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۸۳﴾

نہ فساد کرنے کا اور اچھا انجام پر ہی کاروں کے لیے سے ۰ اور جو

جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا

مخیر ملے کرے گا اس کی نیکی سے اچھا اجر ملے گا اور جو شخص برائی کرے گا تو جہنم میں

يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۸۴﴾

برائی کی ہے ان کو صرف ان ہی کاموں کی سزا ملے گی جو انہوں نے کیے ہیں ۰

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ قُلْ

ہے کہ جس نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے وہ آپ کو لوٹنے کی جگہ (مکہ مکرمہ) ضرور واپس لائے گا آپ کہیے

کے لیے چاہتا ہے نگ کر دیتا ہے اور اگر اللہ ہم پر احسان نہ فرماتا تو ہم بھی زمین میں دھنسا دیے جاتے۔ افسوس ہم بھول گئے تھے کہ کافر فلاح نہیں پاتے۔ (تقصیۃ ۸۴: ۸۱)

قارون کو زمین میں دھنسا دینا

اس سے پہلے آیت میں یہ بتایا تھا کہ قارون بڑے ماز و انداز اور کروڑوں تختہ کے ساتھ محل رہا تھا اور زمین پر اتر اتر کر اور آکر آکر چلنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے اور وہ ایسے لوگوں کو زمین میں دھنسا دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص ایک حد (ایک قسم کی دو چادریں) پہنے ہوئے جا رہا تھا جو اس کو اچھا لگ رہا تھا اور وہ اس پر اترتا ہوا محل رہا تھا اس نے اپنے سر کے بال نکائے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اب وہ قیامت تک اسی طرح زمین میں دھنسا رہے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۸ مسند احمد رقم الحدیث: ۶۰۵۳ عالم مکتب)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بھیلی آٹوں میں ایک شخص غرور کے ساتھ اپنا تہبند گھین رہا تھا اور محل رہا تھا کہ اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ اسی طرح قیامت تک زمین میں دھنسا رہے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۹۰ دارالمرکز بیروت)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بھیلی آٹوں میں ایک شخص دو بیز چادریں پہنے ہوئے جا رہا تھا اور ان میں آکر آکر محل رہا تھا اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا تو زمین نے اس کو پکڑ لیا اور وہ زمین میں دھنسنے لگا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنسا رہے گا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۰ صحیح ترمذی مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۹۵۵ دارالحدیث بیروت ج ۱ ص ۱۳۶)

قارون کے ہلاک ہونے اور زمین میں دھنسنے کا ایک سبب تو یہ ہے کہ وہ اپنے مال و دولت اور جاہ و خشم پر بہت فخر اور تکبر کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو زمین میں دھنسا دیتا ہے۔

قارون کی حضرت موسیٰ سے دشمنی اور حضرت موسیٰ کی اس کے خلاف دعا کرنے کی وجہ

اس کا دوسرا سبب مفسرین اور مورخین نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے خلاف دعا کی تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ نے اس پر زکوٰۃ دینا لازم کر دیا تھا اس لیے وہ آپ کا دشمن ہو گیا تھا ایک وجہ یہ ہے کہ وہ آپ پر حسد کرتا تھا اور کہتا تھا کہ آپ نبی ہیں اور حارون امام نہیں میرے لیے کوئی منصب نہیں پھر قارون نے ایک فاحش عورت کو رشوت دے کر اس پر تیار کیا کہ جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل میں خطبہ دے رہے ہوں تو وہ آپ سے کہے کہ تم وہی ہو جس نے میرے ساتھ فحش کام کیا تھا حضرت موسیٰ یہ سن کر کانپ اٹھے اسی وقت دو رکعت نماز پڑھی اور اس عورت سے کہا میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے سمندر میں تمہارے لیے خشک راستہ بنایا جس نے تمہیں اور تمہاری قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات دی تم سچا واقعہ بیان کر دے یہ سن کر اس عورت کا رنگ اڑ گیا اور اس نے لوگوں کے سامنے قارون کے رشوت دینے کا واقعہ بیان کر دیا حضرت موسیٰ پھر مجبورہ میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ نے قارون کی سزا طلب کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے زمین کو آپ کے تابع کر دیا ہے آپ نے زمین سے کہا تو قارون کو اور اس کے محل کو اور اس کے تمام مال و دولت کو نکلنے سے سوز زمین نے اس کو نکلنا شروع کیا اور وہ زمین میں دھنسنے لگا اور بالآخر وہ اپنے جاہ و خشم کے ساتھ زمین میں دھنسا گیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۸۸ ملخصاً دارالمنکر بیروت ۱۴۱۶ھ تاریخ دمشق الکثیر ج ۳ ص ۱۷۲ دارالمنیہ و ماثرات العربی بیروت ص ۳۸)

امام عبدالرحمن بن محمد بن اور پس بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

نکرمہ نے کہا زمین میں علو اور بڑائی چاہئے سے مراد یہ ہے کہ وہ سلاطین اور بادشاہوں کے سامنے بڑا بنے کا ارادہ نہیں کرتے، مسلم اہلین نے کہا علو سے مراد ناحق تکبر کرنا ہے، معاویہ الاسود نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کسی شخص کی عزت اور وجاہت میں مناقشہ اور منازعہ نہیں کرتے یعنی کسی شخص سے اس کی بڑائی چھیننے کا قصد نہیں کرتے، ضحاک نے کہا وہ علم نہیں کرتے یا مد سے تجاؤ نہیں کرتے۔ حضرت علی نے فرمایا جو شخص یہ چاہے کہ اس کی جوتی کا تسمہ اس کے دوست کی جوتی کے تسمہ سے اچھا ہو تو وہ بھی اس آیت میں داخل ہے۔ (تقریر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۳۰۳-۳۰۴ مطبوعہ مکتبۃ الرافضیہ کربلا ۱۳۷۱ھ)

حضرت علیؓ کے ارشاد کی توجیہ یہ ہے کہ وہ اپنے دوست پر اپنی بڑائی کے انکھار کے لیے اور اپنے دوست کو حقیر قرار دینے کے لیے ہر ارادہ نہ کرے کہ اس کی جوتی کا قلم اس کے دوست کی جوتی سے اچھا ہے کیونکہ منہ ابوداؤد میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا وہ خوب صورت تھا اس نے کہا یا رسول اللہ حسن اور جمال میرے نزدیک پسندیدہ ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ مجھے کس قدر حسن دیا گیا ہے حتیٰ کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی شخص مجھ سے بڑھ جائے خواہ وہ جوئی کے تسمہ میں ہی مجھ سے بڑھے آیا یہ تکبر ہے آپ نے فرمایا: نہیں لیکن تکبر حق کا کارکن نہ کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۹۲، مسطور مجید ص ۱۳۳)

اس کے بعد فرمایا: جو شخص نیکی کرے گا اسے اس نیکی سے اچھا اجر ملے گا سب سے بڑی نیکی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا ہے اور فرمایا جو شخص برائی کرے گا تو جنہوں نے برائی کی ہے ان کو صرف ان ہی کاموں کی سزا ملے گی جو انہوں نے کیے ہیں۔ سب سے بڑی برائی شرک کرنا ہے۔ اس کی پوری بحث احمل: ۸۹ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جس نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے وہ آپ کو لوٹنے کی جگہ (مکہ مکرمہ) ضرور واپس لائے گا۔ آپ کہیں کہ میرا رب اس کو خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہے اور اس کو جو مکملی کم رہی میں ہے اور آپ (کسی چیز سے) یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر کتاب نازل کی جائے گی یا سوا اپنے رب کی رحمت کے سو آپ کافروں کے ہرگز مددگار نہ بنیں اور وہ آپ کو اللہ کی آجوں (کی تبلیغ) سے نہ روک دیں اس کے بعد کہ وہ آپ کی طرف نازل کی گئی ہیں اور اپنے رب کی طرف (لوگوں کو) بلائیے اور آپ شرک کرنے والوں سے ہرگز نہ ہوں اور اللہ کے سوا کسی اور معبود کی عبادت نہ کریں اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہوئے والی ہے اسی کا حکم ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے (قصص: ۸۸-۸۵)

معاد کے متعلق مختلف اقوال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لوٹنے کی جگہ سے مراد جنت ہے یعنی اللہ آپ کو جنت میں لے جائے گا یہ ابوصالح کی روایت ہے اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد موت ہے اور حضرت ابوسعید خدری اور عمرہ اور مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے حضرت ابن عباس سے ایک روایت ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۳۶۶-۳۶۷) کہے زوار مصطفیٰ (مکرّمہ ۱۹۷۷ء)

علامہ ابومحمد مالکی قرطبی حنفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو اس بشارت پر فخر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو غائب کر کے مکہ کی طرف لوٹے گا اور ایک قول یہ ہے کہ معاد سے مراد جنت ہے لیکن راجح یہ ہے کہ اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

تَرَبِّیْ اَعْلَمَ مَنْ جَاءَ بِالْهُدٰی وَمَنْ هُوَ فِی ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۸۵﴾

کہ میرا رب اس کو خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہے اور اس کو جو کبھی گمراہی میں ہے ۵

وَمَا كُنْتَ تَرْجُو اَنْ يُّلْقٰی اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ

اور آپ (کسی چیز سے) یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر کتاب نازل کی جائے گی ماسوا آپ کے رب کی رحمت کے

فَلَا تَكُوْنَنَّ ظٰهِيًّا لِّلْكَافِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا يَصُدُّكَ عَنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ

سو آپ کافروں کے ہرگز مددگار نہ بنیں ۵ اور وہ آپ کو اللہ کی آیتوں (کی تبلیغ) سے نہ روک دیں

بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَاذْعُرْ اِلٰی رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

اس کے بعد کہ وہ آپ کی طرف نازل کی گئیں ہیں اور اپنے رب کی طرف (لوگوں کو) بلائے اور آپ شرک کرنے والوں

المُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

سے ہرگز نہ ہوں ۵ اور اللہ کے سوا کسی اور معبود کی عبادت نہ کریں اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾

اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے اسی کا حکم ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے مقدر کرتے ہیں جو زمین میں بڑا بننے کا ارادہ کرتے ہیں نہ

فساد کرنے کا اور اچھا انجام پر بیزگاروں کے لیے ہے ۵ اور جو شخص نیکی کرے گا اسے اس نیکی سے اچھا اجر ملے گا اور جو شخص

برائی کرے گا تو جنہوں نے برائی کی ہے ان کو صرف ان ہی کاموں کی سزا ملے گی جو انہوں نے کیے ہیں ۵ (اقصص ۸۳-۸۴)

علو اور فساد کے معنی

اس وارا آخرت سے مراد جنت ہے کلام عرب میں لفظ "علو" سے اس چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جو محسوس اور مشاہد

ہو یعنی وہ چیز آسمانوں سے دکھائی دیتی ہو اور جنت کو تو قرآن مجید کے مفسرین نے آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا پھر یہ کہنا کس

طرح درست ہو گا کہ یہ آخرت کا گھر اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات اور احادیث میں جنت کی صفات کا اتنا زیادہ

ذکر آچکا ہے کہ اب لوگوں کے لیے جنت دیکھی بھالی چیز ہے۔

فرمایا ہے ہم اس کو ان لوگوں کے لیے مقدر کرتے ہیں جو زمین میں بڑا بننے کا ارادہ نہیں کرتے یعنی زمین میں اپنا تسلط

اور غلبہ نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنے کا ارادہ کرتے ہیں یعنی لوگوں پر ظلم اور جبر نہیں کرتے جیسے نروڈ اور فرعون وغیرہ نے ظلم اور

سرکشی کی تھی نف کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ کسی کا مال ناحق چھین لینا نف دے اور اللہ کی نافرمانی کرنا بھی فساد ہے اور علو سے مراد

تکبر ہے اور تکبر کی وجہ سے ایمان نہ لانا ہے۔

یہ دعا حضرت امیر الائمہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے خصوصیت سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کی ہے اور یہ وہی دعا ہے جس کے متعلق آپ نے فرمایا میں اپنے باپ امیر الائمہ کی دعا ہوں اور بھٹی کی بشارت ہوں۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۷۷ تاریخ دمشق الکبیر ج ۱ ص ۱۳۱ رقم الحدیث: ۷۷۷۷ شرح الحدیث: ۳۶۶۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۳۳)
حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مکہ میں ایک چمکر چمکانا ہوں جو میری بعثت (اعلان نبوت) سے پہلے مجھ پر سلام عرض کیا کرتا تھا میں اس کو اب بھی پہچانتا ہوں۔

(کنج سلم رقم الحدیث: ۲۲۷۷ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۳۳ معتب ابن ابی شریح ج ۱ ص ۶۳ مسند احمد ج ۵ ص ۸۹ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۰ مسند ابویوسف رقم الحدیث: ۳۶۶۶ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۷۸۳ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۹۰۷۷ مسند ابی داؤد رقم الحدیث: ۲۰۳۳۳ روایک الحدیث: ۱۱ فی صغیر رقم الحدیث: ۳۰۰ روایک الحدیث: ۱۱ فی صغیر ج ۱ ص ۱۵۳ شرح الحدیث: ۷۰۹۰۷)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے بعض راستوں میں جا رہا تھا آپ کے سامنے جو یہاں آیا پھر آتا تو وہ کہتا تھا السلام علیکم یا رسول اللہ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۳۳ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۲۷۷ روایک الحدیث: ۱۱ فی صغیر ج ۱ ص ۱۵۳ شرح الحدیث: ۷۰۹۰۷)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ پر نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا: جس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۶۶ مسند احمد ج ۵ ص ۸۹ روایک الحدیث: ۱۱ فی صغیر ج ۱ ص ۱۵۳)
ان تمام احادیث میں اس پر قوی دلیل ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنائے جانے سے پہلے اپنے نبی ہونے کا علم تھا۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے شدت سے اس کا انکار کیا ہے کہ آپ کو نبی بنائے جانے سے پہلے اپنے نبی ہونے کا علم تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

یہ بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثبوت میں پیش کی جا رہی ہے۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام بالکل بے خبر تھے کہ انہیں نبی بنایا جائے والا ہے اور ایک عظیم الشان مشن پر وہ مامور کیے جانے والے ہیں ان کے حاشیہ خیال میں بھی اس کا ارادہ یا خواہش تو درکنار اس کی توقع تک بھی نہ گزرتی تھی بس یکا یک راہ چلتے انہیں کھینچا یا گیا اور نبی بنا کر وہ حیرت انگیز کام ان سے لیا گیا جو ان کی سابق زندگی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا تھا۔ ٹھیک ایسا ہی معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی پیش آیا۔ مکہ کے لوگ خود جانتے تھے کہ غار حرا سے جس روز آپ نبوت کا پیغام لے کر اترے اس سے ایک دن پہلے تک آپ کی زندگی کیا تھی؟ آپ کے مشاغل کیا تھے؟ آپ کی بات چیت کیا تھی؟ آپ کی گفتگو کے موضوعات کیا تھے؟ آپ کی دلچسپیاں اور سرگرمیاں کس نوعیت کی تھیں؟ یہ پوری زندگی صداقت، دیانت، امانت اور پاکہازی سے لبریز ضرورت تھی۔ اس میں انتہائی شرافت، امن پسندی، پاس عہدہ اور ادا کے حقوق اور خدمت خلق کا رنگ بھی غیر معمولی شان کے ساتھ نمایاں تھا۔ غرر اس میں کوئی چیز ایسی موجود نہ تھی جس کی بنا پر کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ خیال گزر سکتا ہو کہ یہ ٹیک باندھ کر نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھنے والا ہے۔

آپ سے قریب ترین رابطہ ضبط رکھنے والوں میں آپ کے رشتہ داروں اور صحابوں اور دوستوں میں کوئی شخص یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ آپ پہلے سے نبی بننے کی تیاری کر رہے تھے۔ کسی نے ان مضامین اور مسائل اور موضوعات کے متعلق کبھی ایک لفظ تک آپ کی زبان سے نہ سنا تھا جو غار حرا کی اس انتہائی ساعت کے بعد یکا یک آپ کی زبان پر جاری ہونے شروع ہو گئے۔ کسی نے آپ کو وہ مخصوص زبان اور وہ الفاظ اور اصطلاحات استعمال کرتے نہ سنا تھا جو آپ کا کبر قرآن کی صورت میں لوہ آپ سے سننے

کفار مکہ نے آپ کے متعلق کہا تھا کہ معاذ اللہ آپ کھلی گمراہی میں ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: آپ ان سے کہیے کہ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ ہم میں سے کون ہدایت یافتہ ہے اور کون کھلی گمراہی میں ہے۔

بعثت سے پہلے آپ کو نبی بنائے جانے کا علم تھا یا نہیں

اس کے بعد فرمایا اور آپ (کسی چیز سے) یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر کتاب نازل کی جائے گی، سو اپنے رب کی رحمت کے۔ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے اکثر مفسرین نے الا رجعة من ربک کو استثناء منقطع قرار دیا ہے اور بعض نے اس کو استثناء متصل قرار دیا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر یہ قرآن نازل کیا جائے گا اور آپ کو گزشتہ قوموں کی خبریں اور گزشتہ حوادث معلوم ہو جائیں گے جن لوگوں اور واقعات کے سامنے آپ حاضر نہ تھے آپ نے ان کو اپنی قوم پر تلاوت کیا، مگر یہ کہ آپ کے رب نے آپ پر رحم فرمایا اور آپ پر یہ خبریں نازل کیں۔ یہ استثناء منقطع ہے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۵۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس استثناء کا متصل ہونا بھی جائز ہے یعنی آپ پر صرف آپ کے رب کی رحمت کی وجہ سے یہ کتاب نازل کی گئی ہے اور کسی وجہ سے یہ کتاب نازل نہیں کی گئی یا آپ پر رحمت کے سوا اور کسی حال میں یہ کتاب نازل نہیں کی گئی۔

(روح البیان ج ۲ ص ۱۹۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس آیت کا اس طرح معنی کیا ہے: آپ یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے آپ پر رحم فرمائے گا اور آپ پر یہ انعم فرمائے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

مفتی احمد یار خان متوفی ۱۳۹۱ھ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی ظہری اسباب کے لحاظ سے آپ کو نبوت کی امید نہ تھی، صرف خدا کی رحمت سے امید تو کیا یقین تھا، کیونکہ آپ کو نبوت نہ تو حضرت ہارون کی طرح کسی کی دعا سے حاصل ہوئی نہ حضرت یحییٰ وسمیٰ علیہ السلام کی طرح بطور میراث ملی بلکہ صرف اللہ کی رحمت سے ہی لہذا اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ اپنی نبوت سے بے خبر تھے آپ کو تو یحییٰ ہی سے شہرہ و شہرہ سلام کرتے تھے اور رسول اللہ کہہ کر پکارتے تھے، یحییٰ و رباب نے یحییٰ میں ہی آپ کی نبوت کی خبر سے وہی حقیقی خود فرماتے ہیں: کنت لیا و آدم لمسجد فی طبعہ۔ (میں اس وقت بھی نبی تھا اور آدم بنو زانی میں گندھے ہوئے تھے)۔

(حاشیہ نور العرفان ج ۱ ص ۱۶۱ مطبوعہ دار و کتب اسلامیہ گجرات)

یہ کہنا تو صحیح نہیں ہے کہ آپ کو کسی کی دعا سے نبوت ملی ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کے لیے نبوت کی دعا کی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

رَبِّكَ اَوْ اَبْعَثْ مُنْقِذَهُمْ سَوَاءٌ لَّهٗنَّجْدُهُمْ (بقرہ ۱۲۹)

اے ہمارے رب ان (اہل مکہ) میں سے کسی کی دعا سے ایک

رسول بھیج دے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

دین پر آجائیں تو یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ ان کی کسی پیش کش کی طرف رجوع نہ کریں ورنہ وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تبلیغ سے روک دیں گے۔ اور آپ ثابت قدمی سے کفار اور مشرکین کو اللہ کے دین کی دعوت دیتے رہیں۔

اس کے بعد فرمایا: اور اللہ کے سوا کسی اور معبود کی عبادت نہ کریں اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے اسی کا حکم ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے (بخاری ۸۸)

اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے پر دلائل

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی طلب اور آپ کے سوال کے بغیر آپ کو نبوت اور رسالت عطا فرمائی ہے اور آپ کو تمام رسولوں سے زیادہ افضل اور مکرم قرار دیا ہے تو آپ فریضہ رسالت بجالائیں اور اس فضل عظیم اور جلیل القدر نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور جس طرح آپ پہلے بھی اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرتے تھے اسی طرح آئندہ بھی کرتے رہیں اور توحید اسی کی عبادت پر مستقیم رہیں آپ سے جو یہ فرمایا ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور معبود کی عبادت نہ کریں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ معاذ اللہ آپ سے یہ اندیشہ تھا کہ آپ کسی اور کی عبادت کریں گے بلکہ اس میں بھی آپ کی اُمت کو تہریش ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ کسی اور کی عبادت نہ کریں تو تم اس حکم کے کتنے زیادہ لائق ہو نیز اس خطبہ کا یہ مطلب ہے کہ آپ غیر اللہ کی عبادت نہ کرنے کے طریقہ پر دائم اور مستحضر ہیں اور اس آیت میں آپ کی اُمت کو بھی یہی حکم دینا مقصود ہے اور کفار کو یہ اطلاع مقصود ہے کہ وہ یہ امید نہ رکھیں کہ زندگی میں کبھی ہمارے نبی تمہاری موافقت کریں گے کیونکہ ان کو ان کے رب نے یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں کیونکہ عبادت کا حقدار وہ ہوگا جس کی ذات واجب الوجود ہو جو ہمیشہ سے ہوا اور ہمیشہ رہے اور اس کے سوا ہر چیز ممکن ہے اور ہلاک ہونے والی ہے اور جو چیز ممکن ہو وہ اپنے ہونے میں کسی اور کی طرف محتاج ہوگی اور جو اپنے وجود میں غیر کا محتاج ہو وہ عبادت کا مستحق کب ہو سکتا ہے پھر فرمایا: اسی کا حکم ہے یہ اس کے مستحق عبادت ہونے کی دوسری دلیل ہے جس کا حکم چلتا ہوا اور جو حاکم علی الاطلاق ہو وہی عبادت کا مستحق ہو سکتا ہے اور فرمایا: تم اسی کی طرف لوٹے جاؤ گے یہ اس کے مستحق عبادت ہونے کی تیسری دلیل ہے تم نے زندگی میں جو بھی عمل کیے ہیں آخرت میں تم سے ان کی پانچ برس ہوگی اور تمہارا اس کی طرف لوٹنا جانا اسی لیے ہوگا تم سے سوال کیا جائے گا کہ تم نے کس کی عبادت کی ہے اور یہ سوال اور پانچ برس بھی وہی کرے گا اسی لیے عبادت کا مستحق بھی وہی ہے سوا کسی کی عبادت کرو اور اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

اختصاصی کلمات اور دعا

آج بروز جمعرات ۸ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ / ۲۷ جون ۲۰۱۲ء قبل العصر سورہ القصص کی تفسیر مکمل ہوئی الحمد للہ رب العالمین! اسے بارالہ! جس طرح آپ نے قرآن مجید کی یہاں تک تفسیر مکمل کرائی ہے اور توبیان القرآن کی آٹھ جلدیں مکمل کرادی ہیں اسی طرح آپ قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کروادیں۔

اس جلد کی ابتدا بروز اتوار ۲۸ جمادی الثانی ۱۴۳۲ھ / ۱۷ اکتوبر ۲۰۱۱ء کو کی گئی تھی اس طرح یہ صد نو ماہ قین دن میں اختتام پزیر ہوئی۔

میرے تعینیت و تالیف کے کام میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھ دی ہے ورنہ تدوین کی مصروفیات بھی ہیں مٹنے ملانے والے بھی آتے رہتے ہیں اور کر کے ورد کی وجہ سے زیادہ دیر بیٹھ نہیں سکتا ایک گھنٹہ سے زیادہ ایک نشست میں بیٹھ کر کام نہیں کر سکتا اس سب کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کام کو جاری رکھے ہوئے ہے۔

گئے۔ کبھی آپ وعظ کہتے کھڑے نہ ہوتے تھے۔ الخ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۶۶۷ تا ۶۷۲) (۱۹۸۳ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس کو بہت طویل عبارت میں لکھا ہے۔ یہی عبارت انہوں نے سیرت سرور عالم ج ۲ ص ۱۰۹-۱۰۸ ج ۲ ص ۱۳۶-۱۳۸ میں بھی لکھی ہے ہم نے اہل ۹۰ میں اس محل عبارت کو نقل کیا ہے اور اس پر سیر حاصل بحث کی ہے جو قارئین اس عنوان کے تمام پہلوؤں کو تفصیل سے جانتا چاہتے ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بحث سے پہلے اپنے نبی ہونے کا علم تھا یا نہیں ان کو اہل ۹۰ کی تفسیر ضرور پڑھنی چاہیے۔ تاہم اس آیت سے یہ سیر حال معلوم ہو جاتا ہے کہ نبی کو یہ منصب بغیر کسی طلب و تمنا اور بغیر کسی انتظار و توقع کے ملتا ہے خواہ اس کو پہلے سے علم ہو کہ اس کو نبی بتایا جائے گا اور مقام بحث پر فائز کیا جائے گا۔

مشرکین کے مددگار بننے کی ممانعت کا محمل

اس کے بعد فرمایا: سو آپ کافروں کے ہرگز مددگار نہ بنیں اس آیت میں یہ ظاہر آپ کو خطاب ہے لیکن اس خطاب کا رخ دراصل کھذین قرآن کی طرف ہے اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے آپ کی طرف جو پیغام نازل کیا اس کو بے کم و کاست لوگوں تک پہنچا دیجیے اگر یہ مشرکین آپ پر دہاؤ اور زور ڈال کر اس میں کچھ کمی یا ترسیم کرنا چاہیں تو آپ ان کے کہنے میں نہ آئیں آپ اس پیغام میں کسی قسم کی نرمی یا تبدیلی کرنے کے مجاز نہیں ہیں اور کسی کی خاطر پیغام میں کچھ تبدیلی کرنا مذہبیت ہے اگر یہ فرض محال آپ نے اللہ کے پیغام میں کوئی نرمی یا تبدیلی کر دی تو یہ مذہبیت ہوگی اور آپ بھروسوں کے پشت پناہ اور مددگار بن جائیں گے اور اس آیت کو نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے سرداروں کو یہ بتایا ہے کہ اگر وہ دل کے کسی گوشہ میں یہ امید اور یہ توقع رکھے ہوں کہ وہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام اور توحید کے پیغام میں کچھ رد و بدل یا کمی بیشی کرائیں گے تو وہ مایوس ہو جائیں اللہ کے نبی اس معاملہ میں ان کی کسی قسم کی مدد کرنے والے نہیں ہیں۔ اس آیت کا یہ محمل بھی درست ہے کہ اس آیت میں تعریض ہے یہ ظاہر مشرکین کی مدد نہ کرنے کا خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد آپ کی امت ہے یعنی آپ کی امت جب دنیا میں تبلیغ کے لیے اٹھے تو مشرکین کے دہاؤ سے اللہ کے پیغام سنانے میں کوئی نرمی نہ کرے اور نہ کسی قسم کی تحریص اور ترغیب سے متاثر ہو کر مذہبیت کرے۔

اس آیت کی توجیہ کہ آپ ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہ ہوں

اس کے بعد فرمایا: اور وہ آپ کو اللہ کی آیتوں (کی تبلیغ) سے شرم نہ دیں اس کے بعد کہ وہ آپ کی طرف نازل کی گئی ہیں۔ (انقص: ۸۷)

یہ آیت بھی مذکور الہدٰی مضمون کی تاکید کے لیے نازل ہوئی ہے کہ خواہ یہ مشرکین اور مخالفین آپ کے خلاف کتنا ہی زور کیوں نہ لگائیں آپ کو اللہ کی آیتوں کو سنانے سے روکنے نہ پائیں جو باتیں ان کو ناگوار ہیں آپ ان کو برملا کہیں جس چیز کو کہنے سے منع کرتے ہیں آپ اس کو علی الاطلاق اور برسر مجلس کہیں نیز فرمایا: اور اپنے رب کی طرف (لوگوں کو) بلائیے اور آپ شرک کرنے والوں سے ہرگز نہ ہوں۔

اس آیت میں بھی تعریض ہے خطاب آپ کو ہے اور بتایا آپ کی امت کو ہے کہ آپ کی امت کسی موقع پر بھی شرک کو اختیار نہ کرے اور یہ بتایا ہے کہ اگر کسی نے مشرکین کی رعایت کی تو وہ شرک ہو جائے گا کیونکہ جو شخص کسی کے دین اور اس کے طریقہ پر راضی ہو اس کا شرک بھی ان ہی میں سے ہوتا ہے۔

ضحاک نے کہا جب مشرکین نے یہ کہا کہ وہ آپ کو مال مہیا کریں گے اور آپ کی شادی کر دیں گے بشرطیکہ آپ ان کے

مآخذ و مراجع

کتب الہیہ

۱- قرآن مجید

۲- تورات

۳- انجیل

کتب احادیث

- ۴- امام ابوحنیفہ عثمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ مستدرک امام عظیم مطبوعہ محمد سعید انڈسٹریز کراچی
- ۵- امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ موطا امام مالک مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۹ھ
- ۶- امام عبد اللہ بن مبارک متوفی ۱۸۱ھ کتاب الترمذ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۷- امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ کتاب الآثار مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگھل
- ۸- امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ موطا امام محمد مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۹- امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ کتاب الآثار مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳۰۷ھ
- ۱۰- امام کبیر بن جراح متوفی ۱۹۷ھ کتاب الترمذ مکتبۃ الدار الدینیہ منورہ ۱۳۰۳ھ
- ۱۱- امام سلیمان بن داؤد بن جارد و علی بن حنفی متوفی ۲۰۳ھ مستدرک طبری مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳۹۱ھ
- ۱۲- امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ المسند مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۰ھ
- ۱۳- امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ کتاب المغازی مطبوعہ عالم الکتب بیروت ۱۳۰۳ھ
- ۱۴- امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ المسند مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۲۱ھ
- ۱۵- امام عبد اللہ بن الزبیر حمیدی متوفی ۲۱۹ھ المسند مطبوعہ عالم الکتب بیروت
- ۱۶- امام سعید بن منصور خراسانی مکی متوفی ۲۲۷ھ مشن سعید بن منصور مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۱۷- امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۴۵ھ المسند مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳۰۶ھ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۶ھ
- ۱۸- امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۴۵ھ مستدرک ابی شیبہ مطبوعہ دار الوطن بیروت ۱۳۱۸ھ
- ۱۹- امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ المسند مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ دار الحدیث قاہرہ ۱۳۱۶ھ عالم الکتب بیروت ۱۳۱۹ھ
- ۲۰- امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کتاب الترمذ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ شرح صحیح مسلم، تبيان القرآن کو تاقیام قیامت باقی اور اثر آفریں رکھے اس کتاب سے مسلمانوں کو ہدایت حاصل ہو اس کتاب کے پڑھنے سے ان کے دلوں میں خوف خدا اور محبت رسول زیادہ ہو گناہوں سے بچنے کا محرک اور داعیہ پیدا ہو اور نیکیوں میں اضافہ کرنے کا ان کے دلوں میں جذبہ پیدا ہو ہم سب کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تاحیات صحت اور عافیت کے ساتھ اسلام پر قائم رکھے اور ایمان پر خاتمہ فرمائے سکرات موت کو آسان کر دے تمام گناہوں کو معاف کر دے دنیا اور آخرت کی تمام مشکلات، مصائب اور ہر قسم کے عذاب سے محفوظ اور مامون رکھے اور دارین کی سعادتیں کامیابیاں اور کامرانیاں عطا فرمائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور شفاعت سے ہمہ مند فرمائے۔

آمین یا رب العالمین!

الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين قائد الغر
المحجلين شفيع المذنبين وعلى آله الطاهرين واصحابه الكاملين وعلى ازواجه
امهات المؤمنين وعلى علماء ملته واوليائه امنه وسائر امته اجمعين.

غلام رسول سعیدی غفرلہ

۸ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ / ۲۰ جون ۲۰۰۲ء

موبائل: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

- ۵۰- امام ابو بکر احمد بن حسین آجری متوفی ۳۶۰ھ الشریعہ مطبوعہ مکتبہ دارالسلام ریاض ۱۳۱۳ھ
- ۵۱- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ "معجم صغیر" مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ
- ۵۲- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ "معجم اوسط" مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض ۱۴۰۵ھ دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ
- ۵۳- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ "معجم کبیر" مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۵۴- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ "مختار الشیخین" مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۰۹ھ
- ۵۵- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ "کتاب الدعاء" مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ
- ۵۶- امام ابو بکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن اسنی متوفی ۳۶۳ھ "عمل الیوم والمیلہ" مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت ۱۴۰۸ھ
- ۵۷- امام عبداللہ بن عدی الجرجانی المتوفی ۳۶۵ھ الاکمل فی ضعفاء الرجال مطبوعہ دار الفکر بیروت دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ
- ۵۸- امام ابو حنیفہ محمد بن احمد المعروف بابن شاہین المتوفی ۳۸۵ھ "الناخ والمسنوع من الحدیث" مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ
- ۵۹- امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ متوفی ۳۹۶ھ "کتاب الخلفاء" مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۶۰- امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ "المستدرک" مطبوعہ دار البیان مکہ مکرمہ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۱۸ھ المکتبہ العصریہ بیروت ۱۴۲۰ھ
- ۶۱- امام ابو نعیم احمد بن عبداللہ صہبانی متوفی ۴۳۰ھ "طبۃ الاولیاء" مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
- ۶۲- امام ابو نعیم احمد بن عبداللہ صہبانی متوفی ۴۳۰ھ "دلائل النبوة" مطبوعہ دار الفکاس بیروت
- ۶۳- امام ابو بکر احمد بن حسین بنعلی متوفی ۴۵۸ھ "کتاب الاسماء والعصاف" مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۶۴- امام ابو بکر احمد بن حسین بنعلی متوفی ۴۵۸ھ "معرفة السنن والآثار" مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۶۵- امام ابو بکر احمد بن حسین بنعلی متوفی ۴۵۸ھ "دلائل النبوة" مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۳ھ
- ۶۶- امام ابو بکر احمد بن حسین بنعلی متوفی ۴۵۸ھ "کتاب الآداب" مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۶ھ
- ۶۷- امام ابو بکر احمد بن حسین بنعلی متوفی ۴۵۸ھ "کتاب فضائل الاوقات" مطبوعہ مکتبۃ المنارہ مکہ مکرمہ ۱۴۱۰ھ
- ۶۸- امام ابو بکر احمد بن حسین بنعلی متوفی ۴۵۸ھ "شعب الایمان" مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۶ھ
- ۶۹- امام ابو بکر احمد بن حسین بنعلی متوفی ۴۵۸ھ "البعث والنشور" مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ
- ۷۰- امام ابو محمد یوسف ابن عبدالبرقرطبی متوفی ۳۶۳ھ "جامع بیان العلم وفضله" مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۷۱- امام ابو شجاع شیریہ بن شہر دار بن شیریہ المدنی المتوفی ۵۰۹ھ "المفردون بما ثور الخطاب" مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

- ۲۱- امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمن داری متوفی ۲۵۵ھ سن داری مطبوعہ دارالکتب العربیہ ۱۳۷۷ھ دارالمرکز بیروت ۱۳۳۰ھ
- ۲۲- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۲ھ دارالمرکز بیروت۔
- ۲۳- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نقل افعال العباد مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳۶۱ھ
- ۲۴- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ الادب المفرد مطبوعہ دارالمرکز بیروت ۱۳۳۲ھ
- ۲۵- امام ابو یوسف محمد بن یوسف تلمیذی متوفی ۲۶۱ھ صحیح مسلم مطبوعہ مکتبۃ نزار معینی الباز کرمہ ۱۳۶۷ھ
- ۲۶- امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ سن ابن ماجہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۳۵۵ھ دارالکتاب بیروت ۱۳۶۸ھ
- ۲۷- امام ابو داؤد و سلیمان بن اشعث جرجانی متوفی ۲۷۵ھ سن ابو داؤد مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۲ھ
- ۲۸- امام ابو داؤد و سلیمان بن اشعث جرجانی متوفی ۲۷۵ھ سن ابن ابی داؤد مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۲۹- امام ابویوسف محمد بن یوسف تلمیذی متوفی ۲۷۹ھ سن ترمذی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۳۶۳ھ دارالکتاب بیروت ۱۹۹۸ھ
- ۳۰- امام ابویوسف محمد بن یوسف تلمیذی متوفی ۲۷۹ھ سن ابن ماجہ مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ مکہ مکرمہ ۱۳۶۵ھ
- ۳۱- امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۲۸۵ھ سن دارقطنی مطبوعہ نشر الرشد لکھنؤ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۶۷ھ
- ۳۲- امام ابن ابی عامر متوفی ۲۸۷ھ الا حاد و المثانی مطبوعہ دارالریاض ۱۳۶۱ھ
- ۳۳- امام محمد بن عبد الحاکم یزید متوفی ۲۹۲ھ البحر الرخا و المعروف و منہ فیہ ار مطبوعہ مؤسسۃ القرآن بیروت
- ۳۴- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ سن نسائی مطبوعہ دارالمرکز بیروت ۱۳۳۲ھ
- ۳۵- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ محل الیوم و الیلہ مطبوعہ مؤسسۃ اکتب الثقافہ بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۳۶- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ سن کبریٰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۶۱ھ
- ۳۷- امام ابوبکر محمد بن یزید ابن ابی نعیم متوفی ۳۰۷ھ سن الصحاح مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۶۷ھ
- ۳۸- امام احمد بن علی افطی الحسبی متوفی ۳۰۷ھ سن ابو یعلیٰ موسیٰ مطبوعہ دارالماون التراث بیروت ۱۳۹۳ھ
- ۳۹- امام عبد اللہ بن علی بن جارد و یثیثاوری متوفی ۳۰۷ھ السنطی مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۶۷ھ
- ۴۰- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ متوفی ۳۱۱ھ صحیح ابن خزیمہ مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۹۵ھ
- ۴۱- امام ابوبکر محمد بن محمد بن سلیمان بخاری متوفی ۳۱۲ھ سن عمر بن عبد العزیز
- ۴۲- امام ابو حنیفہ یعقوب بن اسحاق متوفی ۳۱۶ھ سن ابو حنیفہ مطبوعہ دارالباز کرمہ مکہ مکرمہ
- ۴۳- امام ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ ترمذی المتوفی ۳۲۰ھ نوادر الاصول مطبوعہ دارالریان التراثیہ القاہرہ ۱۳۹۸ھ
- ۴۴- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ شرح مشکل الآثار مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳۶۵ھ
- ۴۵- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ تحفۃ الاخیار مطبوعہ داربلطیہ ریاض ۱۳۳۰ھ
- ۴۶- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ شرح معانی الآثار مطبوعہ مطبعۃ تجلیاتی پاکستان لاہور ۱۳۹۰ھ
- ۴۷- امام ابو جعفر محمد بن عمرو اعظمی متوفی ۳۲۲ھ کتب الفقہاء الکبیرہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۶۸ھ
- ۴۸- امام محمد بن جعفر بن حسین شراکلی متوفی ۳۲۷ھ مکارم الاخلاق مطبوعہ مطبعۃ المدنی مصر ۱۳۶۱ھ
- ۴۹- امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی متوفی ۳۵۵ھ الاحسان پر ترتیب صحیح ابن حبان مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳۹۷ھ

۹۸- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ جمع الجوامع مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۲۱ھ

۹۹- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ انصاف النکبری مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۵ھ

۱۰۰- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الدر المنثور مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ

۱۰۱- علامہ عبدالباق شمرانی متوفی ۹۷۳ھ کشف الغمہ مطبوعہ مطبعہ عامرہ عثمانیہ مصر ۱۳۰۳ھ دار الفکر بیروت ۱۳۰۸ھ

۱۰۲- علامہ علی نقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ کنز العمال مطبوعہ موسسہ الرسالہ بیروت

۱۰۳- علامہ عبد الرحمن البیہ متوفی ۱۳۷۸ھ فتح الربانی مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کتاب تفاسیر

۱۰۴- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ تفسیر المعجم مطبوعہ مکتبۃ بیت اللہ نجفی ایران

۱۰۵- امام حسن بن عبداللہ البصری المتوفی ۱۱۰ھ تفسیر الحسن البصری مطبوعہ مکتبۃ ادبیہ مکرمہ ۱۳۱۳ھ

۱۰۶- امام ابو عبد اللہ محمد بن ادريس شافعی متوفی ۲۰۳ھ احکام القرآن مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت ۱۳۱۰ھ

۱۰۷- امام ابو ذر کریم بن زید ادریسی متوفی ۲۰۷ھ معانی القرآن مطبوعہ بیروت

۱۰۸- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ تفسیر القرآن العزیز مطبوعہ دار المعرفہ بیروت

۱۰۹- شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم قمی متوفی ۳۰۷ھ تفسیر قمی مطبوعہ دار الکتب ایران ۱۳۰۶ھ

۱۱۰- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۱ھ جامع البیان مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۰۹ھ دار الفکر بیروت

۱۱۱- امام ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الباج متوفی ۳۱۱ھ اعراب القرآن مطبوعہ مطبعہ سلمان فارسی ایران ۱۳۰۶ھ

۱۱۲- امام عبدالرحمن بن محمد بن ادريس بن ابی حاتم رازی متوفی ۳۴۷ھ تفسیر القرآن العزیز مطبوعہ مکتبۃ نزار معظی الباز مکہ مکرمہ ۱۳۱۷ھ

۱۱۳- امام ابو بکر محمد بن علی رازی بصاص متوفی ۳۷۰ھ احکام القرآن مطبوعہ سبیل الیذی لا یوز ۱۳۰۰ھ

۱۱۴- علامہ ابو الیث نصر بن محمد سمرقندی متوفی ۳۷۵ھ تفسیر سمرقندی مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۳۱۳ھ

۱۱۵- شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی متوفی ۳۸۵ھ التبیان فی تفسیر القرآن مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۱۱۶- امام ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم طبری متوفی ۳۴۷ھ تفسیر المعنی دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۲۲ھ

۱۱۷- علامہ سبکی بن ابی طالب متوفی ۳۴۷ھ مشکل اعراب القرآن مطبوعہ انتشارات نور ایران ۱۳۱۲ھ

۱۱۸- علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی ۳۵۰ھ نکات والعمون مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۱۹- علامہ ابو القاسم عبد اللہ کریم بن حوازن قشیری متوفی ۳۶۵ھ تفسیر القشیری مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۲۰ھ

۱۲۰- علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۳۶۸ھ التوسیع مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ

۱۲۱- امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی المتوفی ۳۶۸ھ اسباب نزول القرآن مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۲۲- امام منصور بن محمد السعستانی المتوفی ۳۸۹ھ تفسیر القرآن مطبوعہ دار الوطن ریاض ۱۳۱۸ھ

۱۲۳- امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ معالم المتوفی مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ

- ۷۳- امام حسین بن مسعود بنوی متوفی ۵۱۶ھ شرح السنہ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۲ھ
- ۷۴- امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ تاریخ دمشق الکبیر مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۳۱ھ
- ۷۵- امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ تہذیب تاریخ دمشق مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۷ھ
- ۷۶- امام محمد الدین السبارک بن محمد طبعیانی المعروف بابن الاثیر الجزیری متوفی ۶۰۶ھ جامع الاصول مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۸ھ
- ۷۷- امام ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد مقدسی متوفی ۶۲۳ھ الاحادیث الخیارہ مطبوعہ کتب مہمہ الحدیثیہ مکہ مکرمہ ۱۳۶۰ھ
- ۷۸- امام زکی الدین عبد الحکیم بن عبد القوی البغدادی المتوفی ۶۵۶ھ الترغیب والترہیب مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ ۱۳۰۷ھ دار ابن کثیر بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۷۹- امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ القدرۃ فی الاموال آخرہ مطبوعہ دار البیہار مدینہ منورہ
- ۸۰- حافظ شرف الدین عبد المؤمن دہلوی متوفی ۷۰۵ھ المتبحر الرابع مطبوعہ دار فخر بیروت ۱۳۶۹ھ
- ۸۱- امام ولی الدین حمزہ بن علی متوفی ۷۳۷ھ مشکوٰۃ مطبوعہ مع المطابع دہلی دار الفکر بیروت
- ۸۲- حافظ جمال الدین عبد اللہ بن یوسف زہلی متوفی ۷۶۷ھ نصب الرایہ مطبوعہ مجلس علمی سورہ ہند ۱۳۵۷ھ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۶۶ھ
- ۸۳- امام محمد بن عبد اللہ زرکشی متوفی ۷۹۳ھ الملکالی المشورۃ کتب اسلامی بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۸۴- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر اشعری المتوفی ۸۰۷ھ مجمع الزوائد مطبوعہ دارالکتب العربی بیروت ۱۳۰۲ھ
- ۸۵- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر اشعری المتوفی ۸۰۷ھ کشف الاستار مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳۰۳ھ
- ۸۶- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر اشعری المتوفی ۸۰۷ھ سوار و الظہان مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
- ۸۷- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر اشعری المتوفی ۸۰۷ھ تقریب البیہ بترتیب احادیث الکلیہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۰ھ
- ۸۸- امام محمد بن محمد جزیری متوفی ۸۳۳ھ حصن حصین مطبوعہ مصطفی البانی واولادہ مصر ۱۳۵۰ھ
- ۸۹- امام ابو العباس احمد بن ابوبکر یوسفی شافعی متوفی ۸۴۰ھ زوائد ابن ماجہ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
- ۹۰- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ہارونی ترکمان متوفی ۸۴۵ھ الجواهر النقی مطبوعہ نشر الرضوان
- ۹۱- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ہی متوفی ۸۴۸ھ تہذیب المسجودک مطبوعہ مکتبہ دارالبازک مکہ مکرمہ
- ۹۲- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن جریر مسقلانی متوفی ۸۵۲ھ المطالب العالیہ مطبوعہ مکتبہ دارالبازک مکہ مکرمہ
- ۹۳- امام عبد الرزاق بن علی السنونی المتوفی ۱۰۳۱ھ کنوز الخفاء مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۹۴- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الجامع البصیر مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۱ھ مکتبہ زار مصطفی البازک مکہ مکرمہ ۱۳۳۰ھ
- ۹۵- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ مسند طرہ البراء
- ۹۶- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ جامع الاحادیث الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۲ھ
- ۹۷- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ البدور السافرة مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۶۶ھ دار ابن کثیر بیروت

- ۱۴۹- علامہ محمد بن محمد بن مصطفیٰ قزوینی متوفی ۹۵۱ھ حاشیہ شیخ زاد علی علیہ السلام، مطبوعہ مکتبہ نوری، دہلی، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
- ۱۵۰- شیخ فتح اللہ کاشانی متوفی ۹۷۷ھ، منہج الصادقین، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران
- ۱۵۱- علامہ ابوالحسن محمد بن محمد عمادی متوفی ۹۸۲ھ، تفسیر ابوالحسن، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ
- ۱۵۲- علامہ احمد شہاب الدین غفاری مصری متوفی ۱۰۶۹ھ، عناوین القاضی، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۲۸۳ھ، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ
- ۱۵۳- علامہ احمد بن جعفر بن جعفری متوفی ۱۱۳۰ھ، التفسیرات الاحمدیہ، مطبع کریمہ بمبئی
- ۱۵۴- علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ، روح البیان، مطبوعہ مکتبہ اسلام کوئٹہ، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ
- ۱۵۵- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل متوفی ۱۲۰۴ھ، الفتوحات الالہیہ، مطبوعہ مطبع المہدیہ مصر ۱۳۰۳ھ
- ۱۵۶- علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ، تفسیر صاوی، مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ، مصر دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ
- ۱۵۷- قاضی شام اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ، تفسیر مظہری، مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ
- ۱۵۸- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ، تفسیر عزیزی، مطبوعہ مطبع قادیانی دہلی
- ۱۵۹- شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، فتح القدیر، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ
- ۱۶۰- علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ
- ۱۶۱- نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ، فتح البیان، مطبوعہ مطبع امیریہ کبیرتی بولاق مصر ۱۳۰۱ھ، المکتبہ العصریہ بیروت ۱۴۱۲ھ، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ
- ۱۶۲- علامہ محمد جمال الدین قاضی متوفی ۱۳۳۲ھ، تفسیر القاضی، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۱۶۳- علامہ محمد رشید رضا متوفی ۱۳۵۳ھ، تفسیر المنار، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
- ۱۶۴- علامہ حکیم شیخ طحطاوی جوہری مصری متوفی ۱۳۵۹ھ، المجہد فی تفسیر القرآن، المکتبہ الاسلامیہ ریاض
- ۱۶۵- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۳ھ، بیان القرآن، مطبوعہ تاج کتب لاہور
- ۱۶۶- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ، خزان القرآن، مطبوعہ تاج کتب لاہور
- ۱۶۷- شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ، شیخ شہیر احمد عثمانی، متوفی ۱۳۶۹ھ، حاشیہ القرآن، مطبوعہ تاج کتب لاہور
- ۱۶۸- علامہ محمد طاہر بن عاشور متوفی ۱۳۸۰ھ، التحریر والتمیز، مطبوعہ تونس
- ۱۶۹- سید محمد نقشب شہید متوفی ۱۳۸۵ھ، فی ظلال القرآن، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۶ھ
- ۱۷۰- مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ، نور القرآن، مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ کجرات
- ۱۷۱- مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ، معارف القرآن، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۹۷ھ
- ۱۷۲- سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ، تفہیم القرآن، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور
- ۱۷۳- علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ، التحلیان، مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز ملتان

دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ

- ۱۴۳- علامہ محمود بن عمر زحری 'ستونی ۵۲۸ھ' الکشاف 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ
- ۱۴۵- علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی مالکی 'ستونی ۵۴۳ھ' احکام القرآن 'مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۱۴۶- علامہ ابو بکر قاضی عبد الحق بن غالب بن عطیہ اندلسی 'ستونی ۵۴۶ھ' البحر الرائق 'مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ
- ۱۴۷- شیخ ابوبلی فضل بن حسن طبری 'ستونی ۵۴۸ھ' مجمع البیان 'مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ویران ۱۴۲۰ھ
- ۱۴۸- علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی 'ستونی ۵۹۷ھ' زاد المسیر 'مطبوعہ کتب اسلامی بیروت
- ۱۴۹- خواجه عبد اللہ انصاری من علماء القرن السادس 'کشف الاسرار و ذکرہ' دار مطبوعہ انتشارات امیر کبیر تہران
- ۱۵۰- امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر دزازی 'ستونی ۶۰۶ھ' تفسیر کبیر 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ
- ۱۵۱- شیخ ابوجعفر روزبهان بن ابوالنصر اصفہانی شیرازی 'ستونی ۶۰۶ھ' عرائس البیان فی حقائق القرآن 'مطبعی نوبل لکھنؤ
- ۱۵۲- علامہ سید الدین ابن عربی 'ستونی ۶۳۸ھ' تفسیر القرآن الکریم 'مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ویران ۱۹۷۸ھ
- ۱۵۳- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی 'ستونی ۶۶۸ھ' المجمع لاحکام القرآن 'مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ
- ۱۵۴- قاضی ابوالخیر عبد اللہ بن عمر بشاری شیرازی شافعی 'ستونی ۶۸۵ھ' انوار البیضاء 'مطبوعہ دار الفکر للنشر والتوزیع مصر
- ۱۵۵- علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد سیوطی 'ستونی ۷۱۰ھ' مدارک التقریل 'مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت
- ۱۵۶- علامہ علی بن محمد خازن شافعی 'ستونی ۷۳۵ھ' کتاب الاولی 'مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت
- ۱۵۷- علامہ نکام الدین حسین بن محمد قسطلانی 'ستونی ۷۷۸ھ' تفسیر بیضاوی 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ
- ۱۵۸- علامہ تقی الدین ابن حیمہ 'ستونی ۷۸۸ھ' التفسیر الکبیر 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۹ھ
- ۱۵۹- علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزی 'ستونی ۷۵۱ھ' بدائع التفسیر 'مطبوعہ دار ابن الجوزیہ مکہ مکرمہ
- ۱۶۰- علامہ ابوالیمان محمد بن یوسف اندلسی 'ستونی ۷۵۳ھ' البحر المحیط 'مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
- ۱۶۱- علامہ ابوالعباس بن یوسف السبکی الشافعی 'ستونی ۷۵۶ھ' الدر المنثور 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ
- ۱۶۲- حافظ جمال الدین اسماعیل بن عربی کثیر شافعی 'ستونی ۷۷۳ھ' تفسیر القرآن 'مطبوعہ دار وندیس بیروت ۱۴۸۵ھ
- ۱۶۳- علامہ محمد الدین منصور بن الحسن الکازرونی الشافعی 'ستونی ۸۶۰ھ' حاشیہ الکازرونی علی طبعیہاوی 'مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۶ھ
- ۱۶۴- علامہ عبدالرحمن بن محمد بن خفوف شعبانی 'ستونی ۸۷۵ھ' تفسیر شعبانی 'مطبوعہ مؤسسة الطبعیہ عات بیروت
- ۱۶۵- علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر الباقی التونی ۸۸۵ھ' نظم الدرر 'مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ قاہرہ ۱۴۱۳ھ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ
- ۱۶۶- حافظ جلال الدین سیوطی ۹۱۱ھ' الدر المنثور 'مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۳۱ھ
- ۱۶۷- حافظ جلال الدین سیوطی 'ستونی ۹۱۱ھ' جلالین 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۱۶۸- حافظ جلال الدین سیوطی 'ستونی ۹۱۱ھ' کتاب التحوّل فی اسباب التحوّل 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

- ۱۹۷- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خالد و شیبانی ابی ہاشم متوفی ۸۶۸ھ کمال اکمال المعلم مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۱۹۸- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فتح الباری مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور دار الفکر بیروت ۱۳۳۰ھ
- ۱۹۹- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تاریخ الافکار فی تخریج الاحادیث الاذکار دار ابن کثیر بیروت
- ۲۰۰- حافظ بدر الدین محمود بن احمد بنی خنی متوفی ۸۵۵ھ عمدة القاری مطبوعہ ادارۃ المطابع المسمیہ مصر ۱۳۳۸ھ دار الکتب العلمیہ ۱۳۳۱ھ
- ۲۰۱- حافظ بدر الدین محمود بن احمد بنی خنی متوفی ۸۵۵ھ شرح سنن ابوداؤد مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض ۱۳۲۰ھ
- ۲۰۲- علامہ محمد بن محمد سنوی ہاشمی متوفی ۸۹۵ھ مکمل اکمال المعلم مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۰۳- علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ ارشاد الساری مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۰۰ھ دار الفکر بیروت ۱۳۳۱ھ
- ۲۰۴- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ التلخیص علی الجاریع الصحیح مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۰ھ
- ۲۰۵- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الدبیان علی صحیح مسلم بن حجاج مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳۱۴ھ
- ۲۰۶- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ تنویر النواکح مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۸ھ
- ۲۰۷- علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ فیض القدیر مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۱ھ مکتبہ زار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۳۱۸ھ
- ۲۰۸- علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ شرح بشرائک مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی
- ۲۰۹- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ جمع الوسائل مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی
- ۲۱۰- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ شرح مسند ابی حنیفہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۵ھ
- ۲۱۱- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ معراجات مطبوعہ مکتبہ اداویہ بستان ۱۳۹۰ھ مکتبہ حقانیہ پشاور
- ۲۱۲- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ المحرر العین مطبوعہ مطبعہ امیر مکہ مکرمہ ۱۳۰۳ھ
- ۲۱۳- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ الاسرار الرفوہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۵ھ
- ۲۱۴- شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ احادیث المسحات مطبوعہ مطبعہ نجف کمار کنگو
- ۲۱۵- شیخ محمد بن علی بن محمد شکانی متوفی ۱۲۵۰ھ تحفۃ الذاکرین مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی اولادہ مصر ۱۳۵۰ھ
- ۲۱۶- شیخ عبدالرحمن مبارک پوری متوفی ۱۳۳۵ھ تحفۃ الاحوذی مطبوعہ نشرات بستان دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۶۹ھ
- ۲۱۷- شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ فیض الباری مطبوعہ مطبعہ مجازی مصر ۱۳۷۵ھ
- ۲۱۸- شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ فتح السلم مطبوعہ مکتبہ المجاز کراچی
- ۲۱۹- شیخ محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۳ھ التلخیص الصحیح مطبوعہ مکتبہ حنیہ لاہور
- ۲۲۰- مولانا محمد شریف الحق امجدی متوفی ۱۳۳۱ھ غریبۃ القاری مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور ۱۳۳۱ھ

- ۱۷۴- علامہ محمد امین بن محمد حقاری مکی ششگللی، مضامین البیان، مطبوعہ عالم الکتب بیروت
- ۱۷۵- استاذ احمد مصطفی المرافعی، تفسیر المرافعی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۱۷۶- آیت اللہ مکارم شیرازی، تفسیر نمونه، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران ۱۳۶۹ھ
- ۱۷۷- جنس بی محمد کرم شاہ الازہری، فتاویٰ القرآن، مطبوعہ فتاویٰ القرآن، بکلی کیشنر لاہور
- ۱۷۸- شیخ امین احسن اصطلاحی، تہذیب قرآن، مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور
- ۱۷۹- علامہ محمود صافی، أعراب القرآن و صرفہ و بیانہ، مطبوعہ انتشارات ذرین ایران
- ۱۸۰- استاذ محمد الدین درویش، أعراب القرآن و بیانہ، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت
- ۱۸۱- ذاکر وحید زبیلی، تفسیر منیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۶۲ھ
- ۱۸۲- سعیدی حوی، الاساس فی التفسیر، مطبوعہ دار السلام

کتاب علوم قرآن

- ۱۸۳- علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زکری متوفی ۹۳ھ، البرہان فی علوم القرآن، مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۱۸۴- علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الانکاش فی علوم القرآن، مطبوعہ کتب الدینی لاہور
- ۱۸۵- علامہ محمد عبد العظیم زرقانی، منہل العرقان، مطبوعہ دار احیاء العربی بیروت

کتاب شروح حدیث

- ۱۸۶- علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بقال، مالک اندکی متوفی ۳۳۹ھ، شرح صحیح البخاری، مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض ۱۳۲۰ھ
- ۱۸۷- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی، متوفی ۳۶۳ھ، الاختصار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳۶۳ھ
- ۱۸۸- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی، متوفی ۳۶۳ھ، تہذیب، مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور ۱۳۰۳ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۶۹ھ
- ۱۸۹- علامہ ابوالولید سلیمان بن خلف بابی مالکی، اندکی، متوفی ۳۶۳ھ، العنقی، مطبوعہ مطبعۃ سعادۃ مصر ۱۳۳۳ھ
- ۱۹۰- علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی، متوفی ۵۴۳ھ، عارضۃ الاخوانی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۱۹۱- قاضی ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی، اندکی، متوفی ۵۴۳ھ، القص فی شرح موطا ابن انس، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۹ھ
- ۱۹۲- قاضی ہمام بن موی مالکی، متوفی ۵۴۳ھ، اکمال المعلم فی فوائد مسلم، مطبوعہ دار الوفاق بیروت ۱۳۱۹ھ
- ۱۹۳- امام عبد العظیم بن عبد القوی منذری، متوفی ۶۵۶ھ، مختصر سنن ابوداؤد، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
- ۱۹۴- علامہ ابوالعاس احمد بن محمد ابراہیم القرطبی مالکی، المتوفی ۶۵۶ھ، المفہم، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۱۹۵- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم، مطبوعہ نور محمد راجع المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ
- ۱۹۶- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطحی، متوفی ۷۷۳ھ، شرح الطحی، مطبوعہ دارۃ القرآن ۱۳۶۳ھ

- ۲۳۶- علامہ محمد طاہر ثقفی متوفی ۹۸۶ھ مجمع بحار الانوار مطبوعہ مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورہ ۱۳۱۵ھ
 ۲۳۷- علامہ سید محمد رفیع حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۳۰۵ھ تاج العروس مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر
 ۲۳۸- لوئیس مطول الخسوسی النجفی مطبوعہ المطبعہ القاؤلیہ بیروت ۱۹۶۷ء
 ۲۳۹- شیخ غلام احمد پرویز متوفی ۱۳۰۵ھ مفتاح القرآن مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام لاہور
 ۲۴۰- ابو نعیم عبدالحکیم خان شتر جانہندی قاضی القضاۃ مطبوعہ جامعہ کتب خانہ لاہور
 ۲۴۱- قاضی عبدالغنی بن عبدالرسول احمد نگر متوفی ۱۳۲۱ھ دستور العلماء مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۲۱ھ

کتب تاریخ، سیرت و فضائل

- ۲۴۲- امام محمد بن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ کتاب السیر والغازی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۳۹۸ھ
 ۲۴۳- امام عبدالملک بن بشام متوفی ۲۴۳ھ السیرۃ الخلیفہ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ
 ۲۴۴- امام محمد بن سعد متوفی ۲۴۰ھ الطبقات الکبریٰ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۸ھ
 ۲۴۵- علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۳۵۰ھ اعلام النبوت دار احیاء العلوم بیروت ۱۴۰۸ھ
 ۲۴۶- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ تاریخ الامم والملوک مطبوعہ دارالفکر بیروت
 ۲۴۷- حافظ ابو عمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر متوفی ۳۶۳ھ الاستیعاب مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
 ۲۴۸- قاضی عیاض بن موسیٰ ہامی متوفی ۵۳۳ھ الاختصار مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ
 ۲۴۹- علامہ ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ کتلی متوفی ۵۷۷ھ الارواح النافیہ مکتبہ فاروقیہ لبنان
 ۲۵۰- علامہ عبدالرحمن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ الوقایہ مطبوعہ مکتبہ نور بدیعہ فیصل آباد
 ۲۵۱- علامہ ابوالحسن علی بن ابی النکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ اسد الغابہ مطبوعہ دارالفکر بیروت دارالکتب العلمیہ بیروت
 ۲۵۲- علامہ ابوالحسن علی بن ابی النکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ الکامل فی تاریخ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
 ۲۵۳- علامہ محسن الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان متوفی ۶۸۱ھ وفيات الامیان مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایمان
 ۲۵۴- علامہ علی بن عبدالکافی قمی الدین مکی متوفی ۷۳۶ھ شفاہ النعمان فی زیارۃ خیر العالام مطبوعہ کراچی
 ۲۵۵- شیخ ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزی المتوفی ۷۵۱ھ زاد المعاد مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۳۱۹ھ
 ۲۵۶- حافظ حماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۷ھ البدایہ والنہایہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۳۱۸ھ
 ۲۵۷- علامہ عبدالرحمن بن محمد بن خلدون متوفی ۸۰۸ھ تاریخ ابن خلدون دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۹ھ
 ۲۵۸- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ الاصابہ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
 ۲۵۹- علامہ نور الدین علی بن احمد سمودی متوفی ۹۱۱ھ الوقایہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۸ھ
 ۲۶۰- علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ المواعظ القلیہ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۶۲ھ

کتب اسماء الرجال

- ۲۳۱ امام ابو عبد الله محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ هـ تاریخ الکبیر "مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۳۳ هـ
- ۲۳۲ علامه ابوالفتح عبد الرحمن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ هـ "اعلای المصابیح" "مطبوعه مکتبه اثریه فیصل آباد ۱۳۰۰ هـ
- ۲۳۳ حافظ جمال الدین ابوالفتح جویسری متوفی ۷۴۲ هـ "تهذیب الکمال" "مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۴۳ هـ
- ۲۳۴ علامه شمس الدین محمد بن احمد زهبی متوفی ۷۴۸ هـ "میزال الاعتدال" "مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۱۶ هـ
- ۲۳۵ علامه شمس الدین محمد بن احمد زهبی متوفی ۷۴۸ هـ "سیر اعلام النبلاء" دار الفکر بیروت ۱۳۱۷ هـ
- ۲۳۶ حافظ شهاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ هـ "تهذیب المعجم" "مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت
- ۲۳۷ حافظ شهاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ هـ "تقریب المعجم" "مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت
- ۲۳۸ علامه شمس الدین محمد بن عبد الرحمن استادوی متوفی ۹۰۲ هـ "القاصد الحسن" "مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت
- ۲۳۹ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ هـ "الآلی المصنوعه" "مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۱۷ هـ
- ۲۴۰ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ هـ "طبقات الحفاظ" "مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۱۳ هـ
- ۲۴۱ علامه محمد بن طویون متوفی ۹۵۳ هـ "فهرست الاحادیث المستخرجه" "مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۱۳ هـ
- ۲۴۲ علامه محمد طاهر نقی متوفی ۹۸۶ هـ "تذکره موضوعات" "مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ هـ
- ۲۴۳ علامه علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۳ هـ "موضوعات کبیر" "مطبوعه مطبعه تنجانی دہلی
- ۲۴۴ علامه اسماعیل بن محمد الجلیلی متوفی ۱۱۶۳ هـ "کشف الخفاء و حرمل الالباس" "مطبوعه مکتبه الغفرانی دمشق
- ۲۴۵ شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ هـ "الغواص المجمع" "مطبوعه نزار مصطفی ریاض
- ۲۴۶ علامه عبد الرحمن بن محمد درویش متوفی ۱۲۶۷ هـ "اسنی المطالب" "مطبوعه دار الفکر بیروت ۱۳۱۲ هـ

کتب لغت

- ۲۴۷ امام الملقب غلیل احمد فرہیدی متوفی ۷۷۵ هـ "کتاب المعین" "مطبوعه انتشارات اسود ایمان ۱۳۱۳ هـ
- ۲۴۸ علامه اسماعیل بن حماد الجوهری متوفی ۳۹۸ هـ "الصحاح" "مطبوعه دار العلم بیروت ۱۳۰۳ هـ
- ۲۴۹ علامه حسین بن محمد راعب اسفہانی متوفی ۵۰۲ هـ "المفردات" "مطبوعه مکتبه نزار مصطفی الباز مکه مکرمہ ۱۳۱۸ هـ
- ۲۵۰ علامه محمود بن عمر زبکشوری متوفی ۵۸۳ هـ "القامح" "مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۱۷ هـ
- ۲۵۱ علامه محمد بن اشیر الجزری متوفی ۶۰۲ هـ "تہذیب" "مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت ۱۳۱۸ هـ
- ۲۵۲ علامه محمد بن ابوبکر بن عبد القادر رازی متوفی ۶۶۰ هـ "تہذیب" "مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۶ هـ
- ۲۵۳ علامه یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۷۷۲ هـ "تہذیب" "الاسماء واللغات" "مطبوعه دار الکتب العلمیه بیروت
- ۲۵۴ علامه جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افغانی متوفی ۷۷۷ هـ "کسان العرب" "مطبوعه نشر ادب الخوفا" قم ایران
- ۲۵۵ علامه محمد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ هـ "القاموس المحیط" "مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت

- ۲۹۷- علامہ ابوالسود محمد بن محمد حمادی متوفی ۹۸۲ھ حاشیہ ابو خود علی ملا مسکن مطبوعہ جمیع المعارف المصریہ مصر ۱۲۸۷ھ
- ۲۹۸- علامہ حامد بن علی قنوی رومی متوفی ۹۸۵ھ قنوی حامد مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۹۹- امام سراج الدین عمر بن ابراہیم متوفی ۱۰۰۵ھ انصر المقاتل مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی
- ۳۰۰- علامہ حسن بن عمار بن علی مصری متوفی ۱۰۶۹ھ اداد الفتاح مطبوعہ دار احیاء التراث العربی موسسہ اتاریخ العربی بیروت ۱۳۲۱ھ
- ۳۰۱- علامہ عبدالرحمن بن محمد متوفی ۱۰۷۸ھ مجمع الانصر مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۹ھ
- ۳۰۲- علامہ خیر الدین دہلی متوفی ۱۰۸۱ھ قنوی خیر مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۱۰ھ
- ۳۰۳- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد صلی متوفی ۱۰۸۸ھ الدر المختار مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۳۰۴- علامہ سید احمد بن محمد حموی متوفی ۱۰۹۸ھ غزیر عیون البصار مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۳۰۷ھ
- ۳۰۵- ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۲ھ قنوی عالمگیری مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیر بیہ بلوچ مصر ۱۳۱۰ھ
- ۳۰۶- علامہ احمد بن محمد خطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ حالیہ الخطاوی مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۸ھ
- ۳۰۷- علامہ سید محمد امین ابن عابد بن شامی متوفی ۱۲۵۲ھ مختار الفائق مطبوعہ مطبعہ علیہ مصر ۱۳۱۱ھ
- ۳۰۸- علامہ سید محمد امین ابن عابد بن شامی متوفی ۱۲۵۲ھ مختار الفتاویٰ الحامد مطبوعہ دار الاشاعت العربیہ کویت
- ۳۰۹- علامہ سید محمد امین ابن عابد بن شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رسائل ابن عابد بن مطبوعہ سکیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۶ھ
- ۳۱۰- علامہ سید محمد امین ابن عابد بن شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رد المحتار مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۷ھ ۱۳۱۹ھ
- ۳۱۱- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۳۰ھ جد المحتار مطبوعہ ادارہ تحقیقات احمد رضا کراچی
- ۳۱۲- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۳۰ھ فتاویٰ رضویہ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی
- ۳۱۳- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۳۰ھ فتاویٰ افریقیہ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کراچی
- ۳۱۴- علامہ احمد علی متوفی ۱۳۷۶ھ بہار شریعت مطبوعہ فتح غلام علی اینڈ سنز کراچی
- ۳۱۵- شیخ فخر احمد عثمانی متوفی ۱۳۹۳ھ اعلام السنن مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۸ھ
- ۳۱۶- علامہ نور اللہ نعیمی متوفی ۱۴۰۳ھ فتاویٰ نور مطبوعہ کپاٹن پرنٹرز لاہور ۱۹۸۳ء

کتب فقہ شافعی

- ۳۱۷- امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۳ھ کلام مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ
- ۳۱۸- علامہ ابوالحسن علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی متوفی ۳۵۰ھ الکلیب مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۳۱۹- علامہ ابوالحسن شیرازی متوفی ۳۵۵ھ المہذب مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۴ھ
- ۳۲۰- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ شرح المہذب مطبوعہ دار الفکر بیروت دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۲۳ھ
- ۳۲۱- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ روضۃ الطالبین مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ
- ۳۲۲- علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الہادی للفتاویٰ مطبوعہ مکتبہ نویریہ رضویہ فیصل آباد
- ۳۲۳- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس دہلی متوفی ۱۰۰۴ھ تہذیب الکلیج مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ

- ۲۷۱- علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشافعی متوفی ۹۲۲ھ سنی احمد بن ابی داؤد متوفی ۹۲۲ھ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۲ھ
- ۲۷۲- علامہ احمد بن محمد بن حنفی شافعی متوفی ۹۷۳ھ المطبوعہ مکتبۃ القاہرہ ۱۲۸۵ھ
- ۲۷۳- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ شرح الخفاء مطبوعہ دار الفکر بیروت دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ
- ۲۷۴- شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ مدارج النبوت مکتبہ نوریہ رضویہ کھر
- ۲۷۵- علامہ احمد شہاب الدین خفائی متوفی ۱۰۶۹ھ تفسیر الرافض مطبوعہ دار الفکر بیروت دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ
- ۲۷۶- علامہ محمد عبدالباقی زرقانی متوفی ۱۱۲۳ھ شرح المواہب اللدیہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۳ھ
- ۲۷۷- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ تفسیر المصباح مطبوعہ تاج مکتبہ لیسٹن کراچی

کتاب فقہ حنفی

- ۲۷۸- شمس الامام محمد بن احمد رخصی متوفی ۶۸۳ھ المہدوط مطبوعہ دار السرف بیروت ۱۳۹۸ھ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۲۱ھ
- ۲۷۹- شمس الامام محمد بن احمد رخصی متوفی ۶۸۳ھ شرح سیر کبیر مطبوعہ المکتبۃ الشوریۃ الاسلامیہ افغانستان ۱۳۰۵ھ
- ۲۸۰- علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاری متوفی ۵۳۲ھ خلاصۃ الفتاویٰ مطبوعہ امجد اکیمی لاہور ۱۳۹۷ھ
- ۲۸۱- علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ جامع احصائے مطبوعہ راجی ایم سید ایڈ کتبھی ۱۴۰۰ھ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۸۸ھ
- ۲۸۲- علامہ حسین بن منصور اورجندی متوفی ۵۹۲ھ فتاویٰ قاضی خاں مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۸۳- علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مریضی متوفی ۵۹۳ھ غایب اولین و آخرین مطبوعہ شرکت علیہ لبنان
- ۲۸۴- امام فخر الدین عثمان بن علی متوفی ۷۴۳ھ تبیین الحقائق مطبوعہ راجی ایم سید ایڈ کتبھی کراچی ۱۳۲۱ھ
- ۲۸۵- علامہ محمد بن محمود بامری متوفی ۷۸۶ھ حاشیہ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۸۶- علامہ عالم بن الطحاوی انصاری دہلوی متوفی ۸۹۶ھ فتاویٰ تاتارخانیہ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳۱۱ھ
- ۲۸۷- علامہ ابو بکر بن علی حداد متوفی ۸۰۰ھ البحرۃ النیرہ مطبوعہ مکتبۃ امدادیہ لبنان
- ۲۸۸- علامہ محمد شہاب الدین بن یزاد کردی متوفی ۸۲۷ھ فتاویٰ یزازیہ مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ
- ۲۸۹- علامہ بدر الدین محمود بن احمد بنی متوفی ۸۵۵ھ حاشیہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۱ھ
- ۲۹۰- علامہ بدر الدین محمود بن احمد بنی متوفی ۸۵۵ھ شرح احسن مطبوعہ ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ کراچی
- ۲۹۱- علامہ کمال الدین بن ہمام متوفی ۸۶۱ھ فتح القدیر مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۲۹۲- علامہ جلال الدین خوارزمی کتابہ مکتبہ نوریہ رضویہ کھر
- ۲۹۳- علامہ مصعب الدین المعروف بجمہول مسکن متوفی ۹۵۳ھ شرح الکفر مطبوعہ جمعیۃ الحارف المصریہ مصر
- ۲۹۴- علامہ امیر اہم بن محمد علی متوفی ۹۵۶ھ تفسیر المستمل مطبوعہ سبیل اکیمی لاہور ۱۳۱۲ھ
- ۲۹۵- علامہ محمد خراسانی متوفی ۹۶۲ھ جامع الرموز مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ کھر ۱۳۹۹ھ
- ۲۹۶- علامہ زین الدین بن نجم متوفی ۹۷۰ھ البحر الرائق مطبوعہ مطبعہ علیہ مصر ۱۳۱۱ھ

کتب عقائد و کلام

- ۳۴۷- امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ المقصد من الفضائل مطبوعہ دار الفکر مصر ۱۳۰۵ھ
- ۳۴۸- علامہ ابوالبرکات عبدالرحمن بن محمد الانباری المتوفی ۵۷۷ھ الدری فی الی الاسلام مطبوعہ دار الفکر اسلام آباد ۱۳۰۹ھ
- ۳۴۹- شیخ احمد بن عبدالحکیم بن حنیہ متوفی ۶۲۸ھ العقیدۃ الواسطیہ مطبوعہ دارالاسلام ریاض ۱۳۶۳ھ
- ۳۵۰- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قنطاری متوفی ۷۹۱ھ شرح عقائد نعشی مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
- ۳۵۱- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قنطاری متوفی ۷۹۱ھ شرح المقاصد مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
- ۳۵۲- علامہ سید شریف علی بن محمد جانی متوفی ۸۱۶ھ شرح المواقف مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
- ۳۵۳- علامہ کمال الدین بن ہمام متوفی ۸۶۱ھ مسائرہ مطبوعہ مطبعہ السعاده مصر
- ۳۵۴- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی المتوفی ۹۰۶ھ مسائرہ مطبوعہ مطبعہ السعاده مصر
- ۳۵۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۳ھ شرح فتاویٰ کبیر مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر ۱۳۷۵ھ
- ۳۵۶- علامہ محمد بن احمد شافعی المتوفی ۱۱۸۸ھ لوامع الانوار مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۱۱ھ
- ۳۵۷- علامہ سید محمد نعیم الدین مرادی متوفی ۱۳۶۷ھ کتاب العقائد مطبوعہ اتحاد حرم پبلشنگ کمپنی کراچی

کتب اصول فقہ

- ۳۵۸- امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ المحصول مطبوعہ مکتبہ زار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۳۱۷ھ
- ۳۵۹- علامہ علاء الدین عبدالعزیز بن احمد بخاری المتوفی ۷۳۰ھ کشف الاستار مطبوعہ دار الکتب العربی ۱۳۱۱ھ
- ۳۶۰- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قنطاری متوفی ۷۹۱ھ توضیح و مکتوب مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۳۶۱- علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد الشیخیر بابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ التحریک مع التیسیر مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض
- ۳۶۲- علامہ محبت اللہ بہاری متوفی ۱۱۱۹ھ مسلم اثبوت مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ
- ۳۶۳- علامہ محمد جوہوری متوفی ۱۱۳۰ھ نور الانوار مطبوعہ سانچ - ایم - سعید اینڈ کمپنی کراچی
- ۳۶۴- علامہ عبدالحق خیر آبادی متوفی ۱۳۱۸ھ شرح مسلم اثبوت مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

کتب متفرقہ

- ۳۶۵- شیخ ابو طالب محمد بن الحسن ابکی المتوفی ۳۸۶ھ نوت القلوب مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۰۷ھ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۷۷ھ
- ۳۶۶- امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ ادبایہ علوم الدین مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۶۳ھ
- ۳۶۷- امام ابو الفرج عبدالرحمن بن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ نظم المحوی مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۳۲۳ھ
- ۳۶۸- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد ہاشمی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نقد کرہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۷ھ
- ۳۶۹- شیخ تقی الدین احمد بن حنیہ متوفی ۶۲۸ھ قاعدہ جلیلیہ مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر ۱۳۷۳ھ

۳۲۲- علامہ ابو الفیاض علی بن علی شیرازی متوفی ۱۰۸۷ھ حاشیہ ابو الفیاض علی نہدیہ الحیج مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کتب فقہ مالکی

- ۳۲۵- امام یحییٰ بن سعید ثقفی مالکی متوفی ۲۵۶ھ البدویہ الکبریٰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۳۲۶- قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ بدلیہ الحجید مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۳۲۷- علامہ قسطلی بن اسحاق مالکی متوفی ۷۷۷ھ مختصر قسطلی مطبوعہ دار صادر بیروت
- ۳۲۸- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الطلاب اسفرائینی المتوفی ۹۵۳ھ مواہب اللیل مطبوعہ مکتبہ النجاشی
- ۳۲۹- علامہ علی بن عبد اللہ بن الغریزی المتوفی ۱۱۰۱ھ الغریزی علی مختصر قسطلی مطبوعہ دار صادر بیروت
- ۳۳۰- علامہ ابو البکر کات احمد درہم مالکی متوفی ۱۱۹۷ھ الشرح الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۳۳۱- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ سوتی متوفی ۱۲۱۹ھ حاشیہ البدوی علی الشرح الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت

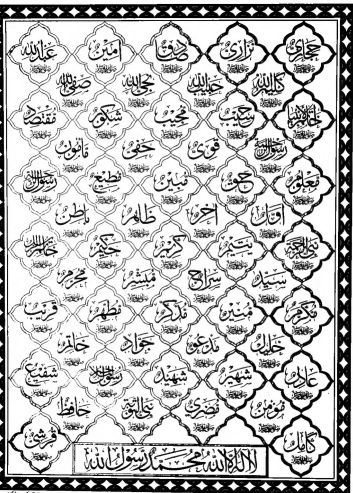
کتب فقہ حنبلی

- ۳۳۲- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ الحنفی مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ
- ۳۳۳- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ الکافی مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ
- ۳۳۴- شیخ ابو العباس تقی الدین بن تیسیمہ متوفی ۶۲۸ھ مجموعۃ الفتاویٰ مطبوعہ ریاض مطبوعہ دار الکتب بیروت ۱۴۱۸ھ
- ۳۳۵- علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن قاسم مقدسی متوفی ۶۲۳ھ کتاب الفروع مطبوعہ عالم الکتب بیروت
- ۳۳۶- علامہ ابو الحسن علی بن سلیمان مرداوی متوفی ۸۸۵ھ الانصاف مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۳۳۷- علامہ موسیٰ بن احمد صامحی متوفی ۹۶۰ھ کشاف القناع مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ

کتب شیعہ

- ۳۳۸- نوح البلاذ (خطبات حضرت علی رضی اللہ عنہ) مطبوعہ ایران و مطبوعہ کراچی
- ۳۳۹- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ الاصول من الکافی مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
- ۳۴۰- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ الفروع من الکافی مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
- ۳۴۱- شیخ ابو منصور احمد بن علی الطبرسی من القرن السادس الاستیعاب مؤسسۃ الاعلیٰ للطبعات بیروت ۱۴۰۳ھ
- ۳۴۲- شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی المتوفی ۶۷۹ھ شرح نوح البلاذ مطبوعہ مؤسسۃ النصارا ایران
- ۳۴۳- شیخ قاضی مقداد متوفی ۸۲۶ھ کنز المعرفان مطبوعہ مکتب نوید اسلام قم ۱۴۲۲ھ
- ۳۴۴- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ حق الحسین مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران ۱۳۴۷ھ
- ۳۴۵- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ حیات القلوب مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران
- ۳۴۶- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ حلا مالعین مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران

- ۳-۰ - علامہ شمس الدین محمد بن احمد بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ الکبائر مطبوعہ دار الفکر العربی قاہرہ مصر
- ۳-۱ - شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ جلاء الانہام مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۳۷۷ھ
- ۳-۲ - شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ مناہج السلفان مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۰ھ
- ۳-۳ - شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ متوفی ۷۵۱ھ زاد المعاد مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۶۹ھ
- ۳-۴ - علامہ عبد اللہ بن اسحاق بن متوفی ۶۸ھ روض الریحان مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی دہلادہ مصر ۱۳۷۳ھ
- ۳-۵ - علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ کتاب التعلیقات مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ مکتبہ زار مصطفیٰ البابا مکہ مکرمہ ۱۳۶۸ھ
- ۳-۶ - حافظ جمال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ شرح الصدور مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۳ھ
- ۳-۷ - علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ المکبر فی مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۶۸ھ
- ۳-۸ - علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ البدایۃ والنہایہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۶۸ھ
- ۳-۹ - علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ المکبر فی الاخر مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۶۸ھ
- ۳-۱۰ - علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ لوائح الانوار القدسیہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۶۸ھ
- ۳-۱۱ - علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ کشف الغمہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۰ھ
- ۳-۱۲ - علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ الطبقات الکبریٰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۶۸ھ
- ۳-۱۳ - علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ السنن الکبریٰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۴۰ھ
- ۳-۱۴ - علامہ احمد بن محمد بن علی بن جریر متوفی ۹۷۳ھ الفتاویٰ الحدیثیہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۶۹ھ
- ۳-۱۵ - علامہ احمد بن محمد بن علی بن جریر متوفی ۹۷۳ھ اشرف الوسائل فی الجمع اشکال مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۶۹ھ
- ۳-۱۶ - علامہ احمد بن محمد بن علی بن جریر متوفی ۹۷۳ھ الصواعق المحرقة مطبوعہ مکتبہ القاہرہ ۱۳۸۵ھ
- ۳-۱۷ - علامہ احمد بن محمد بن علی بن جریر متوفی ۹۷۳ھ الترغیب والترہیب مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۶۳ھ
- ۳-۱۸ - امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی متوفی ۱۰۳۳ھ کتابات الامام ربانی مطبوعہ دینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۳۷۰ھ
- ۳-۱۹ - علامہ سید محمد بن محمد رفیع سیفی زبیدی سیفی متوفی ۱۲۰۵ھ اتحاف سادۃ المتعین مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۱۱ھ
- ۳-۲۰ - شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ فتاویٰ رشیدیہ کامل مطبوعہ محمد سعید ایدہ سنز کراچی
- ۳-۲۱ - علامہ مصطفیٰ بن عبد اللہ الشیرینی بھارتی خلیفہ کشف الظنون مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ تبران ۱۳۷۸ھ
- ۳-۲۲ - امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۳۰ھ المفہوم مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور
- ۳-۲۳ - شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۳۸ھ دینی الہدیٰ مطبوعہ میسر پریس دہلی ۱۳۳۵ھ
- ۳-۲۴ - علامہ یوسف بن اسماعیل البلبانی متوفی ۱۳۵۰ھ جوامع البیان مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۶۷ھ
- ۳-۲۵ - شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ بہشتی زیور مطبوعہ ناشران قرآن اعلیٰ لاہور
- ۳-۲۶ - شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ حفظ الایمان مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی
- ۳-۲۷ - علامہ عبد الکریم شرف قادری نقشبندی اندامیارسول اللہ مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۳۰۵ھ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مَحْمَدٌ

أَحْمَدٌ

خَامِدٌ

مُحَمَّدٌ

وَسِيمٌ

عَقِيدٌ

قَسِيمٌ

شَهَادٌ

شَيْخَانٌ

لَشِيدٌ

قَسِيمٌ

لَشِيدٌ

تَذِيرٌ

ذَوَاعٌ

شَوَا

هَلَاذٌ

مَنَاجٌ

مَنَاجٌ

مَنَاجٌ

تَهَامِي

مَشِينٌ

مَشِينٌ

مَشِينٌ

مَشِينٌ

مَشِينٌ

نَسَبِي

نَسَبِي

نَسَبِي

نَسَبِي

نَسَبِي

نَسَبِي

نَسَبِي

نَسَبِي

نَسَبِي

نَسَبِي

عَزِيزٌ

عَزِيزٌ

عَزِيزٌ

عَزِيزٌ

عَزِيزٌ

طَائِرٌ

مُجْتَبِ

طَائِرٌ

طَائِرٌ

طَائِرٌ

خَبَرٌ

مُضْطَّ

لَسَبٌ

إِنَ إِلَى

فَقَوْلٌ

قُلُوبٌ

فَذَنُورٌ

مُتَيْنٌ

فَضْلٌ

فَضْلٌ

طَائِبٌ

نَضْلٌ

نَضْلٌ

نَضْلٌ

نَضْلٌ